حدیث کی جلیل القدر کتاب آثار السنن
للامام النیموی کی مبسوط اور مدلل اردو شرح

جلد اول

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

نام کتاب ---------- توضیح السنن شرح آثار السنن (جلد اول)

تصنیف ---------- مولانا عبدالقیوم حقانی

پروف ریڈنگ ---------- مولانا محمد زمان حقانی، جناب مشتاق احمد

کتابت ---------- محمد نواز خرم حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

ضخامت ---------- 651 صفحات

تعداد ---------- 1100

تاریخ طباعت دوم ---------- ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ / اکتوبر 2010ء

ناشر ---------- **القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ**

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ویسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800
- ☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ مکتبہ رشیدیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی
- ☆ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ معارف جنگی محلہ پشاور ☆ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور
- ☆ مکتبہ سلطان عالمگیر، بالمقابل شاہ نفیس سیڈ یکوتر ۵ لوئر مال چوک گالے شاہ اردو بازار لاہور
- ☆ کتب خانہ اشرفیہ ...... قاسم سینٹر ...... اردو بازار ...... کراچی

انتساب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

○ خاکسار اپنی اس محنت کو!

مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نام سے منسوب کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے کیونکہ اس محنت میں پائی جانے والی تمام چیزیں مادرِ علمی کی آغوشِ تربیت کا ثمرہ ہیں۔

○ ان ادب آموز اور روح پرور نگاہوں کے نام!

ان ایمان افروز اور یقین افزا پیاری باتوں کے نام!

ان بلند عزائم اور پاکیزہ مقاصد کے نام!

تعلیم تربیت اور محبت کی دلنوازیوں کے نام!

ان دعاہائے نیم شبی اور گریہ ہائے سحری کے نام!

جن سے

سیدی و سندی و وسیلتی الی اللہ تعالیٰ المجید محدثِ کبیر قائدِ شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز بانی دارالعلوم حقانیہ نے اپنی نسبی اور ہزاروں تلامذہ کی صورت میں روحانی اولاد کی طرح اس مشتِ خاک کو بھی سرفراز فرمایا۔ (عبدالقیوم حقانی)

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَھَا وَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرِ فَقِیْہٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ۔

(رواہ الترمذی وابو داؤد عن زید بن ثابتؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندہ کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کرے اور محفوظ رکھے اور دوسروں تک اُسے پہنچائے، پس بہت لوگ فقہ (یعنی علمِ دین) کے حامل ہوتے ہیں، مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین) کے حامل اُس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوں۔

(جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں اور دوسروں کو سنا کر اور پہنچا کر حضورؐ کی اس دعا کے مصداق بنیں۔

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے ——— آمین

○

توضیح السنن

نتیجۂ فکر: حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شرحِ حدیثِ مصطفیٰ ﷺ بانامِ توضیح السنن
توضیحِ اقوالِ نبی ﷺ آں صاحبِ شیریں سخن

مژدہ برائے طالبان انعامِ ربِ ذوالمنن
تشریحِ آثار السنن تردیدِ اربابِ فتن۔

اس کے ہر اک لفظ سے دیکھو لطافت آشکار
اس کا ہر اک اک حرف ہے گویا عقیقِ اندریمن

اس کی ہر اک اک سطر ہے فہم و ذکاوت کی دلیل
اس کے ہر اک نکتہ سے آتی ہے یہ خوشبوئے ختن

معنی میں بھی یکتا ہے یہ صورت بھی اس کی دلربا
یہ میرا دعویٰ ہی نہیں سب جانتے ہیں اہلِ فن

اس کا مؤلف بے گماں ہے لائقِ تحسین آج
جس کے قلم سے آگئی یہ شرحِ آثار السنن

اس شرح نے پائی ہے جو شہرت خدایا سو بسو
چرچا ہے اس کا کو بکو اندر انجمن در انجمن

ہیں باسعادت کس قدر یہ حضرتِ عبدِ قیوم
کافی شفاعت کے لیے "توضیح" بس یہ جانِ من

فانی برائے تشنگاں یہ شرح شُلِ ارمغاں
عشاقِ دیں کے واسطے یوسف گویا پیرہن

۹ شعبان ۱۴۱۲ھ

القاسم اکیڈمی

القاسم اکیڈمی ایک آزاد علمی و دینی اور تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو دورِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرہ کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے علمی کام میں مصروف ہے۔

جن مقاصد کے حصول کے لئے یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

☆ قرآن وسنت، فقہ وتفسیر، اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیق اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا، مغربی تہذیب کی یلغار، فکری کج روی اور مذہبی پراگندگی کے اس دور میں نوجوان نسل اور طلبہ کو علمی و دینی لٹریچر مہیا کرنا۔

☆ علماءِ اسلام، مفسرین ومحدثین اور ائمہ متبوعین کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیبِ نو، تشریح وتوضیح اور اشاعت اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا اہتمام کرنا۔

☆ عام لکھے پڑھے لوگوں میں اسلامی تہذیب وتمدن اور تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لئے مناسب طرز کی چھوٹی بڑی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

☆ اسلامی موضوعات پر دورِ قدیم و دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفاذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں ان کے ترجمہ اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست ابواب ومضامین توضیح السنن جلد اول

۲

تقديم

حضرت العلامہ مولانا محمد حسن جان شیخ الحدیث بجامعہ امداد العلوم بشاور

الحمد لله، والصلوة والسلام على سيدنا رسول الله، نبينا وحبيبنا محمد بن عبد الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وعلى من سلك سبيله في شؤون حياته وهداه -

وبعد، فان السنة المطهرة منبع العلوم الدينية كلها، ومخزنها، فيها تفسير كتاب الله العزيز، والمبادئ الإسلامية، والأحكام الفرعية، وأدلة الأخلاق الطيبة الجميلة، ومسائل السلوك والتزكية، وما إلى ذلك مما ألّف المحققون، وجمعوها في كتبهم القيمة، من المفسرين والمحدثين، والفقهاء والمتكلمين، والزهاد والمرشدين في كل عصر من العصور، وبحثوا عنها على مرّ الدهور

ولقد وجدنا أكثرهم بحثاً وتحقيقاً، وأبعدهم شأواً في هذا الميدان وأغزرهم مادةً واستنباطاً، هم فقهاء الملة الحنيفة البيضاء، فقد استنبطوا من حديث واحد ما يقارب ألف مسئلة، وصرّحوا لذلك كثيرا في السنة النبوية على صاحبها ألف ألف صلاة وسلام وتحية -

وأوّل من دوّن الفقه منهم، وخرّجوا المسائل والأحكام ونقّحوها وهذّبوها، وأفرزوها من الروايات وطبّقوا بينها، هم السادة الأحناف خاصة، ولهم فضل كبير في ذلك على الأمة جمعاء، ومنّة عظيمة على الفقهاء، فقد أوضحوا أمامهم وضع الأبواب، وتخريج الفروع من أصولها، وتنقيح المسائل من السنة المطهرة ومن كلام الأئمة من سلفنا الصالح وقد اقتفى المحدثون الكرام وفقهاء المذاهب الأخرى آثارهم الجميلة في ذلك، وقد بلغت هذه السلسلة الذهبية الذروة العليا في شبه القارة الهندية الباكستانية، وخاصة على مشائخ

ازهر الهند - دار العلوم الديوبندية في الهند، وفروعها في انحاء القارة كلها، فانهم خدموا السنة النبوية بكل مالديهم من قوة في النفس، وحرارة في الايمان، والتفاني في العقيدة السلفيه والدفاع عن محيا الاسلام الباسم، والوقوف ضد الافكار الهدامة، والمبادئ والانظمة المستوردة، والبدع والخرافات وقاموا بجمع السنن وشرحها واستنباط المسائل عنها وحققوا المذهب الحنفي، السائد في البلاد والمتّبع في انحاء المعمورة الاسلامية عامة والذى تبنّاه ثلثا الامة الاسلامية، وفيصلاً في الخصومات لدى الحكومات الاسلامية غالباً، منذ بداية امره رغم تقوّل الاغمار۔

ومن آثار علماء الهند الجميلة في هذا الموضوع "كتاب آثار السنن" للعلامة المحدث النبيل محمد بن على النيموى رحمه الله تعالى المتوفى عام ١٣٢٢ الهجرى فانه قد جمع فيه من الآثار مايستنبط منها المسائل الفرعية، وطبّق بين المتعارضة منها ورجّح، ونقّح وصحّح، فجزاه الله سبحانه وتعالى على هذا العمل الجليل جزاءً جميلاً، ونفع به الامة، وقد بدأ تدريسه عندنا في بعض المراحل حسب المنهج السائد في البلاد، بيد انه لم يوجد له شرح في اللغة الاردية الدارجة بحيث يوضح معضلاته، ويحل ما صعب على الطلبة فهمه، ويراجع اليه الاساتذة عند الافادة، فقام اخونا في الله، وصاحبنا ومولانا عبد القيوم الحقاني المحترم حفظه الله تعالى ورعاه، بشرح هذا الكتاب القيّم في اللغة الاردية الفصحى، وبذل جهوده المتواصلة في ذلك، ونال به دعاء مشائخه الكرام ومدحهم، وتحسين عمله هذا وتبجيله، فقد شرحه شرحاً يوضح معانى الحديث، ويحل كلماته ويفصّل مسائله وينقّح أدلّة الفقهاء الكرام رحمهم الله اجمعين۔ ويوازن بينها، ويرجّح ما هو الراجح لديه، بكل نصفة وامانة ونسأل المولى القدير ان يبارك في مساعيه

المخلصة الجبّارة، ويسدّد خطاه في جميع ما يمّمونحوه، وان يرفقه وايّانا لما فيه صلاح الامة وفلاحها، وان ينفع بشرحه النّاشئة من الطلبة، والمشتغلين بالحديث والفقه عامة وان يجعله من الباقيات الصالحات، إنه ولي ذلك والقادر عليه وصلى الله تعالى على صفوة خلقه وانبيائه محمد وآله وصحبه واوليائه وبارك وسلم ومجّد

عبده المفتقر الى عفوه وفضله
محمد حسن جان
خادم علوم الحديث بجامعة امداد العلوم
الاسلامية بجامع الدرويش، بمدينة
بشاور المحمية الباكستان

افتتاحیہ

الحمد لحضرة الجلال والصلوٰة والسلام علی خاتم الرسالہ

حدیث کے سلسلہ میں ائمہ احناف اور علماء دیوبند کا مسلک نکھرا ہوا اور صاف ہے اس میں بھی وہی جامعیت اور اعتدال کا عنصر غالب ہے جو دوسرے مقاصد دین میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ حدیث کو چونکہ قرآن مجید کا بیان اور دوسرے درجہ میں مصدر شریعت سمجھتے ہیں اس لیے کسی ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بشرطیکہ وہ قابل احتجاج ہو حتیٰ کہ متعارض روایات کے سلسلہ میں بھی ان کی سب سے پہلی سعی اخذ وترک کے بجائے تطبیق وتوفیق اور جمع بین الروایات کی ہوتی ہے تاکہ ہر حدیث کسی نہ کسی صورت میں عمل میں آجائے متروک نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک سلسلہ روایات میں اعمال اولیٰ ہے اہمال سے۔ اس لیے حنفی مسلک بالخصوص علماء دیوبند کے حدیثی افادات میں زیادہ تر جمع روایات اور تطبیق وتوفیق پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ اوجز المسالک، لامع الدراری، تقریر بخاری، الکوکب الدری، العرف الشذی، امانی الاحبار، فتح الملہم، انوار الباری، فیض الباری، بذل المجہود، تعلیق الصبیح، انوار المحمود علی سنن ابی داؤد، معارف السنن اور حقائق السنن وغیرہ اس پر شاہد عدل ہیں اور مولانا عبدالقیوم حقانی نے توضیح السنن میں مذکورہ تمام شروح حدیث کا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے توضیح السنن بھی آثار السنن کی طرح حدیث اور محدثین کے بارے میں مسلک علماء دیوبند کی ترجمان ہے۔

جس کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ علماء دیوبند کے مسلک میں محض قوت سند یا صحیح ما فی الباب ہونا اصل نہیں بلکہ بصورت جمع مناط حکم اور بصورت ترجیح تفقہ اصل ہے کیوں کہ صحت سند سے زیادہ سے زیادہ حدیث کے ثبوت کی پختگی معلوم ہو سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث زیادہ ثابت ہو وہ اس دائرہ کا بنیادی نقطہ بھی اپنے اندر رکھتی ہو۔ تطبیق بین الروایات اور جمع بین الروایات حنفیہ کا خاص اصول ہے جس پر وہ زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ کوئی روایت حدیث چھوٹنے نہ پائے، مولانا حقانی نے توضیح السنن میں اسی اصول کو اپنانے اور نبھانے کا پورا اہتمام کیا ہے البتہ جمع بین الروایات اور تحقیق وتنقیح مناط کی وجہ سے حنفیہ کے یہاں بلاشبہ توجیہات کی کثرت ہے کہ اس کے بغیر روایات باہم جوڑ کر جامع نقشہ نہیں پیش کر سکتیں مگر یہ توجیہات تاویلات محضہ یا تخمینی باتیں نہیں بلکہ اصول اور نصوص سے مؤید ہونے کی وجہ سے تقریباً حدیث کی تفسیرات کے ہم پلہ ہوتی ہیں اسی لیے حدیث کے بارے میں علماء دیوبند کے مسلک کا عنصر

دہی جامعیت و اعتدال ہے جس میں نہ تشدد ہے نہ تساہل بلکہ وہ روایات کے ساتھ ساتھ تمام ائمہ کے اصول ساتھ لے کر چلتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مرکز علم دارالعلوم حقانیہ، جو بقول حکیم الاسلام مولانا قاری طیب مرحوم کے دارالعلوم دیوبند کا بیٹا اور پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند ہے اپنے اکابر کے نقش قدم پر چل کر اُن کے مسلک کی اشاعت و توضیح پر کاربند ہے حقائق السنن کی طرح "توضیح السنن" بھی اس سلسلہ اشاعت حدیث اور حدیث میں مسلک احناف کی توضیح کی ایک کڑی ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز بانی دارالعلوم حقانیہ کے تلمیذ رشید اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مایۂ ناز فرزند ہیں ان کے تصنیفی اور تالیفی اور علمی شغف کو دیکھ کر بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہے انہیں قدرت کی توفیقات سے اکتساب فیض کے لیے گلشن حقانیہ کی خوشہ چینی نصیب ہوئی اور دوسروں ان کو فیض رسانی کے لیے بھی چمنستان شیخ عبدالحق کی بہار بننا مقدر ہوا۔

اب انہوں نے آثار السنن پر جو قابل قدر کام کیا ہے، ائمہ حدیث اور مجتہدین کے طویل مباحث کا اختصار متعارض روایات میں تطبیق میں ائمہ احناف کی منقولں کا عطر بالخصوص امام طحاوی کی نظر کو شریک کر کے اور اس کی دلنشین وضاحت کر کے انہوں طلبہ حدیث کے لیے کتاب کو بہت آسان کر دیا ہے۔ ہمیں مسرت ہے کہ ہم ۱۴۱۲ھ کے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر تمام درجات کے طلبہ اور اساتذہ حدیث کی خدمت میں ایک بیش بہا اور انتہائی مفید شرح حدیث پیش کر رہے ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ عزیز موصوف مولانا عبدالقیوم حقانی کی اس سعی کو قبول فرما دے اور ایسے حسنات کی مزید توفیقات رفیق فرماتے۔

سمیع الحق

تاثرات و تبرکات

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی صدر مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد پس فقیر نے کتاب توضیح السنن کو کو جو کہ علامہ نیموی کے آثار السنن کی اردو شرح ہے مطالعہ کیا۔ صاحب البیان والبنان حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور مدیر معاون مجلہ الحق نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اللہ کریم اس کو قبول کرے اور مؤلف صاحب کو مزید ترقیات سے نوازے۔ محمد فرید عفی عنہ ۱۰ رجب ۱۴۱۳ھ

شیخ التفسیر حضرت العلامہ مولانا الدکتور سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی رئیس ہیئۃ التدریس بجامعہ منبع العلوم میران شاہ

برادرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ کی بیش بہا، نادر، علمی تحقیقی تصنیف "توضیح السنن" کے موقر صفحات کے مطالعہ کا شرف نصیب ہوا۔

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ محترم فاضل ممدوح نے علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "آثار السنن" کا حق ادا کیا ہے، "توضیح السنن" کے مبسوط مباحث، مدلل سیر حاصل تبصرے، تمام اہلسنت والجماعت خاص کر مسلک احناف سے وابستہ طلباء کے لیے خزینۂ دلائل اور گنجینۂ مسائل ہے۔ احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلام و تحیہ) پر صحیح اعراب، سلیس شستہ زبان میں بامحاورہ ترجمہ، اہم اختلافی مسائل پر مفصل مدلل منصفانہ کلام، معتمد معاصر اور مستند مآخذ سے باحوالہ گوناگوں معارف و لطائف کے جواہر، قوی اور صریح وجوہ ترجیح، دلکش اسلوب بیان کے پیش نظر یقیناً یہ تالیف اسم بامسمیٰ لائق صد ستائش اور موجب ہزار تحسین ہے یہ مبسوط شرح اسلامی کتابیات میں ایک مایۂ ناز علمی اور وقیع تحقیقی کتاب کا اضافہ ہے جو نہ صرف متوسط درجہ کے طلباء کے لیے فہم مطالب میں از حد مفید ہے بلکہ دراسات علیا کے منتہی طلباء اور فضلاء کے لیے بھی سرمایۂ استدلالات اور موقفی استحکامات ہے۔ رب ذوالجلال والاکرام نے برادرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو عنفوان شباب میں تصنیفی تحقیقی و تدقیقی اور علمی تفتیش و تنقیش کے مقدس احساسات سے نوازا ہے۔ راقم الحروف نے فاضل مؤلف کے دیگر اکثر تالیفات کا مطالعہ کیا ہے جو مؤلف محترم کے جلالتِ علمی اور خداداد ملکۂ تصنیف پر شہود عدل ہیں۔

علمی تحقیقی دنیا کے شاہسواران دانش و ادراک کے منصفانہ نگاہوں میں ایسے چند گنے چنے کثیر التصانیف فضلاء اعزازی ڈاکٹریٹ کے مستحق ہوتے ہیں جو ان کے بے لوث، مذہبی، دینی، تبلیغی کارنامہائے نمایاں کی قدر

شناسی اور سپاس گذاری کا اعتراف ہوتا ہے۔

رب الجزا جل وعلا، فاضل موصوف کے اس عظیم علمی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور طالبان دین متین کو اس سے خاطر خواہ استفادہ کی توفیق عطا فرماوے۔ وفق اللہ تعالیٰ المؤلف المحترم لمرضیاته وجعل جمیع تصنیفاته فی میزان حسناته وهو الموفق للحسنات وبنعمته تتم الصالحات وهو المستعان وعلیه التکلان وصلی اللہ تعالیٰ علی صفوة مخلوقاته وبهجة موجوداته النبی الامی وعلی آله واصحابه اجمعین۔ (شیر علی شاہ وکان اللہ له ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ)

معروف سکالر حضرت العلامہ مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

نامۂ کرم مع "توضیح السنن" موصول ہوا، اللہ جل شانہ آپ کے علم وعمل میں اور برکت عطا فرمائے اور آپ سے دین وعلم کی خوب خدمت لے اور قبولیت سے نوازے، کام کی توفیق ملنا قبولیت کی علامت ہے اللھم زد فزد۔

حدیث نبوی کی خدمت بڑی سعادت ہے، آثار السنن کی شرح لکھ کر آپ نے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ کی برکات حاصل کیں اور اپنے آپ کو خدام علم حدیث میں شامل کیا ساتھ ہی آپ نے طلباء علم حدیث پر بھی احسان فرمایا واقعی یہ سعادت عظمیٰ انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔

اهل الحدیث هم أهل النبی وإن لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

جیسا کہ آپ کی دیگر تالیفات واقعۃً تحقیق وترتیب کے زیور سے آراستہ ہوتی ہیں ان شاء اللہ یہ بھی آپ کی محنت کا پھل طلبہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوگا بارك الله فیکم ونفعکم لاکثر من هذا وأغزر وأجمع وأبرع ووفقکم لأمثال هذا، وبارك فی عمرکم وعلمکم وتقبل جهودکم، والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته۔ (محمد حبیب اللہ مختار ۲۳-۷-۱۴۱۳ھ)

اسلامی معاشیات کے معروف سکالر حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ صدر مجلس علمی کراچی

نامۂ اخلاص موجب مسرت واطمینان ہوا اور یہ پڑھ کر خاص طور پر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو علامہ نیموی کی کتاب آثار السنن کی شرح لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ کہ اس وقت وہ طباعت کے مرحلہ میں ہے اللہ کرے جلد از جلد طبع ہو کر منظر عام پر آئے اور علماء کو اس سے استفادے کا موقع ملے، اللہ آپ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے! آپ ماشاء اللہ بہت خوش قسمت ہیں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ اس نے آپ کو وسیع وعمیق علم وفہم کے ساتھ تصنیف وتالیف کی غیر معمولی اور ممتاز صلاحیت اور

قدرت سے نوازا اور تھوڑے سے عرصہ میں مختلف موضوعات پر ہزارہا صفحات لکھ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ اور آپ کی عمر و صحت میں برکت اور روز افزوں ترقی ہو اور اللہ آپ سے اپنے دین کی کوئی بہت بڑی خدمت لے آمین۔

احقر محمد طاسین

حضرت العلامہ مولانا محمد زمان مدظلہ مصنف الکتب المدونۃ فی الحدیث واضافہا وخصائصہا ——

ماہنامہ الحق کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر میں مولانا عبدالقیوم حقانی نے تن تنہا جتنی محنت و کاوش کی پُر مغز مضامین لکھے اور مقالات جمع کر کے اہل علم اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات پر جو احسان عظیم کیا ہے اسکی برکات و ثمرات کا یہ فوری ظہور ہے کہ حدیث شریف کی اہم ترین کتاب آثار السنن کی مفصل شرح لکھنے اور اسکی اشاعت کی توفیق ارزانی نصیب ہو رہی ہے (مولانا محمد زمان)

حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب مدظلہ، ناظم تعلیمات وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مولانا عبدالقیوم حقانی اپنی بہترین علمی و دینی اور تحقیقی و تصنیفی صلاحیتوں کے پیش نظر جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی دیگر تصنیفات کی طرح توضیح السنن شرح آثار السنن بھی اس کا واضح ثبوت ہے حقانی صاحب نے توضیح السنن کی تالیف میں فن حدیث سے مناسبت اور بحر علم کی شناوری کا ثبوت دیا ہے انہوں نے اس کتاب میں متعلقہ مباحث کا احتواء آغاز باب میں مسائل و مباحث کا تجزیہ، عبارت متن کا حل، ائمہ مجتہدین فقہاء و محدثین کے مذاہب کی تفصیل، تعارض روایات کو دفع کرنے کی کامیاب سعی مسلک راجح کے وجوہ ترجیح شارحین حدیث کی طویل بحثوں کا اختصار اور اکابر علماء دیوبند کی تحقیقوں کا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے میرے نزدیک توضیح السنن دورہ حدیث، درجہ موقوف علیہ اور ہر درجہ کے طلبہ حدیث اور اساتذہ حدیث کے لیے ہر لحاظ سے نفع بخش، ایک بیش بہا اور انتہائی مفید شرح ہے آثار السنن کو وفاق المدارس العربیہ کے نصاب تعلیم میں باقاعدہ طور پر داخل کر دیئے جانے کے بعد درسی منہج پر اس کتاب کی ایک جامع شرح کی ضرورت کو مولانا عبدالقیوم حقانی نے پورا کر دیا اس کتاب کی اہمیت اور شرح کی ضرورت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے خود اپنی قلم سے اس کتاب کے حواشی اور شرح لکھنے کا اہتمام فرمایا تھا پھر محدث العصر علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت کشمیریؒ کی ان تعلیقات و توضیحات پر تخریج کا کام شروع فرمایا تھا اور اس کے لیے خود اپنے ہاتھ سے مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا مگر یہ سعادت برادرم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کے مقدر تھی جو اللہ کی طرف سے انہیں مرحمت فرما دی گئی ہے۔ محمد انور شاہ

ناظم تعلیمات وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۹۴-۲-۱۱

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سب سے پہلی تصنیف

دفاع امام ابوحنیفہؒ

مشائخ، علماء اور دانشوروں کی نظر میں

○ فقہ و قانون، ائمہ احناف کی خدمات، انکے علوم و معارف اور شاہکار کامیابیوں کا ایک دائرۃ المعارف ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق)

○ بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر جامع، مستند، قابل قدر اور کتابیات کی دنیا میں قابل ذکر اضافہ ہے۔ (مولانا حبیب الرحمن دیوبند)

○ ایک تحقیقی تصنیف، ایک علمی اور تاریخی شاہکار۔ (مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ)

○ دفاع امام ابوحنیفہؒ اپنی مثال آپ ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید)

○ اس قدر عمیق اور جامع کتاب اس گنہگار نے اس موضوع پر آج تک نہیں دیکھی۔ (حضرت علامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی)

○ سواد اعظم احناف کے لیے گرانقدر علمی سوغات۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان ایم اے)

○ ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے۔ (مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

○ اپنی جامعیت، افادیت اور اہمیت کے ساتھ وقت کی ضرورت۔ (مولانا محمد ازہر مدیر "الخیر" ملتان)

○ موجودہ کشمکش اور تذبذب کی فضا میں نفاذ شریعت کیلئے کام کرنے والوں کو اس کتاب سے بھرپور راہ نمائی مل سکتی ہے۔ (حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی)

○ بحث و تحقیق کے انمول موتی ادبیت کے شہ پاروں میں ڈھل کر علمی ورق پر بہاروں کی طرح چھا گئے ہیں۔ (مولانا مفتی غلام الرحمن)

○ مایہ ناز علمی کاوش، تحقیقی دستاویز اور فقید المثال تصنیف ہے۔ (مولانا محمد عبدالمعبود)

○ عامۃ المسلمین بالخصوص احناف کے لیے عظیم علمی تحفہ ہے۔ (مولانا محمد صادق منبل)

○ مولانا حقانی نے دفاع لکھ کر اپنے بساط بھر سے بہت زائد اور فائق کام انجام دیا ہے۔ (مولانا مفتی سیف اللہ)

○ احناف پر احسان ہے اور فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ (مولانا عبداللطیف جہلمی خلیفہ مجاز حضرت لاہوریؒ)

○ عظیم کارنامہ، قابل ستائش و لائق آفرین اور جاذب القلوب ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد احمد ایم اے)

مقدمہ

از بقیۃ السلف شیخ التفسیر حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ العالی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ امّا بعد :۔

حدیث عربی لفظ ہے جس کا معنی بات ہے مگر اسلامی دنیا کے ہر پڑھے لکھے انسان کے سامنے جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ بات ہوتی ہے جس کی نسبت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو یا یہ لفظ اس معنی کے ساتھ اس قدر مخصوص ہو چکا ہے کہ اس کے لیے اسی طرح کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ لفظ مدینہ جب کبھی بولا جائے یا لکھا جائے تو ہر انسان اس سے مراد وہی مدینہ لیتا ہے جو ملک عرب میں واقع ہے اور جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حالانکہ مدینہ کا لفظی معنی شہر ہے جیسا کہ پہلے اس کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا لیکن اب اس قدر مشہور اور مخصوص ہو گیا۔ کہ اس لفظ سے مراد وہی بابرکت بستی اور شہر ہے ؎

جہاں پہ رات دن مولا تیری رحمت برستی ہے

اب مدینہ شریف کو نہ کسی پہلے نام سے یاد کرنا درست ہے اور نہ کسی نئے نام کے تجویز کرنے کی اجازت ہے۔ مدینہ منورہ پہلے یثرب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یثرب کا معنی مرطوب آب و ہوا کی جگہ لیکن سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر اب یثرب نہ رہا بلکہ مدینہ منورہ مشہور ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا معنی یہ ہے:

"جو کوئی مدینہ کا نام اب یثرب لے گا اس کو توبہ کرنی چاہیئے" (وفا الوفا ج ۱ صـ)

یعنی جس طرح دوسرے اسلامی اسماء اپنے خاص معنوں میں اب بولے جاتے ہیں۔ امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اب ان کا کوئی دوسرا نام تجویز کرے یا یہ نام کسی دوسری چیز یا دوسرے انسان کو دے۔ اسی طرح لفظ حدیث سے مراد اب صرف وہی بات ہے جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے نکلی۔

حدیث کا شرعی مقام

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بات، کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچا دیں۔

مگر صرف بات پہنچانا مطلب نہیں تھا بلکہ وہ بات سمجھانی بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، چنانچہ قرآن مجید نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کام بتائے وہ یہ ہیں۔

(۱) وحی کا پہنچانا۔ ارشاد فرمایا یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ ع) (ترجمہ) اے رسول پہنچا دے جو بھی نازل کیا گیا تیری طرف تیرے رب کے ہاں سے۔"

(۲) اس کلام کا پڑھ کر سنانا جو آپؐ پر نازل ہوا۔ اس لیے کہ آپؐ پر جو کلام نازل ہوا وہ اس طریقہ پر نہ تھا کہ کوئی لکھی ہوئی کتاب ہوتی جس کو دوسرے لوگ بھی اپنے علم کے زور سے پڑھ لیتے۔ اور نہ ہی ہمیشہ فرشتہ آکر آپؐ کے سامنے پڑھتا تھا کہ دوسرے بھی سن سکتے بلکہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ (بقرہ ع) قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل پر نازل فرمایا۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب منور وہ شفاف اور صاف آئینہ ہے جس پر ہر وقت رضائے الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اس لیے کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ آپ نے ایک بات پہلے فرما دی اور قرآن مجید کی طرف سے اس کی تصدیق بعد میں ہوئی اس لیے کہ آپ کے قلب منور کا تعلق بلا واسطہ منبع وحی سے رہتا ہے جیسا کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ "میرا دل جاگتا رہتا ہے آنکھ سوتی ہے" (بخاری)

صحابہ کرامؓ آپؐ کو نیند سے جگایا نہ کرتے تھے کیونکہ آپؐ کے قلب منور کا تعلق ظاہری نیند میں بھی منبع انوارِ ہدایت سے برابر قائم رہتا تھا اور علماء حق کے عقیدہ کے مطابق آج بھی قلب منور مہبط انوار ہے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر آج بھی علوم کا نزول ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا بخاری شریف میں ہے کہ:۔

"جب میدانِ حشر میں لوگ سب طرفوں سے مایوس ہو کر میرے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے اور میں اس کا اقرار کروں گا تو اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو جاؤں گا تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طریقہ پر ان کلمات میں کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھائیں گے۔"

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ کبھی یوں بھی ہوا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی اپنے الفاظ میں پہلے فرما دی اور پھر اس کی تصدیق قرآنی الفاظ میں نازل ہو گئی جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے ایک آدمی نے یہ عرض کیا اے اللہ (تعالیٰ) کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا جرم سب جرموں سے بڑا ہے آپؐ نے فرمایا یہ جرم سب سے بڑا جرم ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک سمجھے حالانکہ اسی اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا فرمایا اس نے پوچھا پھر کون سا بڑا جرم ہے، فرمایا یہ بڑا جرم ہے کہ تو اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل کر ڈالے اس نے پوچھا پھر کونسا ہے؛ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی عصمت پر ہاتھ ڈالے

راس کی بیوی سے زنا کرے)۔ چنانچہ آپ کے اس جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق
میں سورۃ الفرقان کی آیت ۶۸ نازل فرمادی وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا
یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ تو آپ کا یہ پہلا کام اللہ تعالیٰ کی
طرف سے نازل ہونے والی بات کا سنانا ہے جیسا کہ فرمایا: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
(العنکبوت ع ۵) آپ تلاوت کریں اس کی جو آپ پر وحی کی گئی کتاب سے۔
دوسرا کام آپ کے ذمے یہ ہے کہ سنا کر سمجھا بھی دیں، کیونکہ صرف پہنچا دینے سے تو بات سمجھ میں نہیں آسکتی
جب تک کہ سمجھایا نہ جائے۔ اسی کو قرآن مجید نے تعلیم اور بیان سے بھی تعبیر فرمایا یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔
(الجمعہ ع ۱) نیز فرمایا لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل ع ۶) یعنی آپ کے ذمے صرف پہنچا
دینا ہی نہیں بلکہ اس سب ہدایت کا بیان کر دینا بھی ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ان آیتوں میں لفظ کتاب بھی
آیا ہے اور جو نازل کیا گیا بھی آیا ہے تعلیم کا معنیٰ پڑھانا اور بیان کا معنیٰ بات کو اچھی طرح کھول کر کہنا تاکہ بات
سمجھ میں آجائے بیان اس طریقہ تعلیم کا نام ہے کہ جس کے بعد سمجھنے والا بات کو سمجھ جائے اس کی مثال یوں
سمجھا جا سکتا ہے کہ گدھا اسلام میں حرام ہے اس کا گوشت کھانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے جب جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد گدھے کی حرمت کو بیان فرمایا جو دراصل سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
اس وصف یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف ع ۱۹) کا بیان ہے جو قرآن مجید میں آپ کی حیثیت
فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال فرما دیں گے اور خبائث یعنی گندی چیزوں کو
حرام فرما دیں گے چنانچہ اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "تمہارے لئے گدھا حرام ہے" یہ ارشاد
فرمانے سے پہلے آپ نے یہ فرمایا کہ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ (مشکوٰۃ) یاد رکھو اور اس بات
کو سن لو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن مجید عطا کیا ہے اور اسی کی طرح اس کے ساتھ اور بھی اسی قاعدہ کے
ماتحت میں تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہارے لئے خبائث گندی چیزوں کو حرام کرنے کا مجاز ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے
یہ اختیار بطور رسالت کے دیا ہے اس لئے گھروں میں پلنے والے گدھے تم پر حرام ہیں۔
معلوم ہوا کہ آپ کے فرائض رسالت میں سے ایک تو کتاب اللہ کا پہنچانا دوسرا اس کا سمجھانا اس کا بیان
کرنا ہے اور اسی کا نام بلاغ مبین بھی فرمایا یعنی کھول کر بات کا پہنچا دینا قرآن مجید نے مسلمانوں کو قرآن مجید سننے
کی اور اس کی پیروی کا حکم دیا اسی طرح اطاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی دیا سید دو عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے حجۃ الوداع کے دن ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام سے پوچھا۔
هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے تمہیں اللہ کا دین پہنچا دیا؟ سب نے متفقہ کہا بیشک آپ نے اللہ تعالیٰ کا

دین ہم تک پہنچا دیا ۔ اور اسی میدان میں آپ پر سورۃ المائدہ کی آیت ۳ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ بھی نازل ہوئی ۔ اس آیت میں جو لفظ ہے وہ دین کا لفظ ہے اور اسلام کا لفظ ہے ۔ اسلام اور دین مجموعہ نظام حیات کو کہا جاتا ہے غور فرما دیں یہاں یہ نہیں فرمایا کہ آج تم پر قرآن مجید کا نزول تمام کر دیا اب اور آیات نازل نہ ہوں گی بلکہ لفظ دین ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکمل نظام حیات امت کے لیے پیش فرما دیا۔

اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ۔۔۔ سن لو تم میں سے جو حاضر ہیں اُن تک یہ دین پہنچا دو جو حاضر نہیں ۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ دوسرے ممالک میں پہنچے جس طرح قرآن مجید حفظ کیا اپنے سینے میں محفوظ رکھا اسی طرح حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا ۔ امت میں کوئی حافظ القرآن بنے اور کوئی خوش بخت حافظ الحدیث بھی ہوئے۔

(ف) قرآن مجید کا حافظ تو وہ خوش بخت ہوتا ہے جس کو تیس پارے قرآن مجید کے حفظ ہوں اور حدیث کا حافظ وہ ہوتا ہے جس کو ایک لاکھ حدیثیں پوری سند اور متن کے ساتھ یاد ہوں ۔ اور ایسے خوش بخت اسلام میں کئی گزرے ہیں جن پر علماء اسلام نے مستقل علیحدہ کتابیں ان کے حالات اور تذکروں کی شکل میں لکھی ہیں جن میں سے امام ذہبیؒ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ مشہور اور متداول ہے اسی طرح جن بزرگوں کو آپؐ کے منہ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ جمع کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے ان میں زید بن ثابتؓ جیسے کاتبانِ قرآن مجید ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی ہیں ۔ یہ دونوں حضرات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ دور نبوت میں بے دینوں نے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا اور یہ طعن دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض ہوتے ہیں ۔ اس لیے ان کے ہر ارشاد کو لکھ لینا یہ کہاں تک درست ہو سکتا ہے ؟ یہ بات جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا یہ بے دین غلط کہتے ہیں وَاللّٰهِ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا حَقٌّ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی اللہ تعالیٰ کی قسم میری زبان سے تو وہی بات نکلتی ہے جو حق ہوتی ہے اور ہم تو وہی بات کہتے ہیں کہ جو ہمارے رب کو پسند ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے آپؐ کا یہ ارشاد گرامی دراصل ارشادِ قرآنی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔ (النجم ۳۔۴) کی تفسیر اور اسی کا بیان ہے۔

دورِ صحابہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ صرف سارے عرب میں بلکہ ساری دنیا میں کم تھا۔ لکھنے پڑھنے والے کم تھے اور اسلام میں تو روزِ اوّل سے اس لکھنے پڑھنے کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی جیسا کہ ایک دفعہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب ۔۔۔ (ترجمہ) ہم ایسی امت ہیں جو نہ

لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بے نظیر حافظہ عطا کیا تھا اور یہ وصف پھر امت کو عطا ہوا چنانچہ آج لاکھوں مسلمان قرآن مجید کے حافظ موجود ہیں جب کہ کسی بھی قوم میں کوئی بھی کسی بھی کتاب کا حافظ نہیں۔

مگر جتنا زمانہ دورِ نبوت سے دور ہوتا چلا گیا لوگوں کے حافظوں میں کمزوری آتی گئی چونکہ دور دراز تک احکام الٰہیہ کا پہنچانا بھی ضروری ہوتا گیا۔ تو اب حدیث نے کتابی شکل اختیار کر لی سب سے پہلا جو مجموعہ احادیث تیار ہوا اس کا نام صادقہ تھا۔ اس کے بعد متعدد علاقوں میں علماء کرام نے اس مقدس فریضہ کو بھی اسی طرح ادا کیا جس طرح قرآن مجید کے جمع کرنے اور حفظ کا کام انجام دیا۔

طلبۂ حدیث کے لیے کم از کم ان چھ کتابوں کے مرتب کرنے والے بزرگوں کے کچھ نہ کچھ حالات جاننا ضروری ہیں جن کو اسلامی اصطلاح میں صحاح ستہ کہا جاتا ہے صحاح جمع ہے صحیح کی اور ستہ عربی زبان میں چھ کو کہا جاتا ہے۔ وہ چھ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

صحیح بخاریؒ۔ صحیح مسلمؒ۔ سنن ابی داؤدؒ۔ سنن نسائیؒ۔ سنن ابن ماجہؒ۔ سنن ترمذیؒ۔

ان سب بزرگوں کے حالات مختصر لکھے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان بزرگوں کو کس قدر بارگاہ خداوندی میں قبولیت حاصل تھی اور انہوں نے کس محنت سے یہ پاکیزہ مجموعے مرتب فرمائے۔

۱۔ امام بخاریؒ کا نام محمد ہے آپ کے والد ماجد کا نام اسمٰعیل ہے۔ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بعد از نماز جمعہ آپ پیدا ہوئے بچپن ہی میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ادھر آپ کی بینائی جاتی رہی آپ کی والدہ ماجدہ ہمیشہ اسی درد و کرب میں رویا کرتی تھیں۔ ایک رات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے بشارت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول فرمائی اور تیرے بیٹے کو بصارت عطا فرما دی۔ چنانچہ صبح کو ان کی نظر آ چکی تھی۔ آپ نے طلب علم میں دور دراز کے سفر کئے آپ نے خواب میں دیکھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور آپ کے جسد اطہر پر مکھیاں بیٹھنا چاہتی ہیں مگر امام بخاریؒ ان کو اڑا دیتے ہیں۔ اس کی تعبیر یوں ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے صحیح بخاری جیسی کتاب جمع کرا دی۔ جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور پاکیزہ حیات اطہر کے واقعات کا وہ مقدس مجموعہ ہے کہ جو کسی اور کو حاصل نہیں۔

سولہ سال کے عرصے میں سب حدیثوں کو علمی اعتبار سے صحیح اور کامل پا کر اس کتاب کو مرتب کیا ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل فرمایا کرتے تھے اور دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے راہ نمائی اور قبولیت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

نوّے ہزار خوش بختوں نے امام بخاریؒ سے بخاری شریف سنی پڑھی اور کبھی آپ کے زمانے میں جو بخارا

کا امیر تھا اس نے یہ چاہا کہ امام بخاریؒ اس کے دربہ دولت پر جا کر اس کے بچوں کو حدیث اور تاریخ کا درس دیا کریں مگر آپ نے اس میں علم حدیث کی توہین سمجھی آپ کے خلاف سازش کی گئی بالآخر آپ نے بخارا چھوڑ دیا اور سمرقند کے قریب ایک قصبہ خارتنگ میں آ کر آباد ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ امیر بھی بڑی ذلت کے ساتھ معزول کر دیا گیا۔ امام بخاریؒ اسی قصبہ میں عید الفطر کی رات ۲۵۶ھ کو انتقال فرما گئے اور اسی قصبہ میں دفن کر دیئے گئے آپ کی قبر مبارک سے جنت کی خوشبو آتی رہی بخاری کو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ فضیلت اور عزت حاصل ہے آج تک ہر دور میں اس کی فوقیت مسلّم رہی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی تلاوت میں بڑی برکات رکھی ہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی علماء کے خواب نقل فرمائے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری شریف کو اپنی کتاب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب ہی نے فرمایا ہے کہ تکالیف اور مصائب کے وقت اس کتاب کی قراءت تریاق کا کام دیتی ہے۔ آج تک دارالعلوم دیوبند میں ایسے مواقع پر اس کا ختم کیا جاتا ہے۔ آج سے کچھ زمانہ قبل تک قاہرہ اور دوسرے دینی مرکزوں میں بخاری کی قراءت کے لیے باقاعدہ مجالس منعقد کی جاتی تھیں۔ اسلامی ممالک میں فوجوں کو وفاداری کی قسم بخاری پر ہاتھ رکھ کر دی جاتی تھی۔ ایسے لشکروں کو بخاریہ کہتے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ قحط کے زمانے میں اس کی قراءت سے اللہ تعالیٰ بارش فرما دیتے ہیں علامہ انور شاہؒ نے بخاری کی تدریس کے وقت جو فوائد ارشاد فرمائے تھے ان کو آپ کے شاگرد جلیل ولی کامل مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی نے جمع فرمایا جو مصر سے دو جلدوں میں فیض الباری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ امام مسلمؒ: آپ کے والد ماجد کا نام حجاج ہے آپ قبیلہ قشیر سے تھے نیشاپور میں آپ ۲۰۶ھ کو پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جس میں نیشاپور محدثین کا پایہ تخت تھا ابھی بارہ سال کے تھے کہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سننا اور یاد کرنا شروع کر دیا طلب علم کے لیے عراق اور مصر کا سفر کیا بغداد میں کئی دفعہ آنا جانا ہوا۔ بصرہ اور بلخ کا بھی سفر کیا جب امام بخاریؒ نیشاپور تشریف لائے تو امام مسلمؒ نے ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا پندرہ برس کی مدت حدیث کی کتاب صحیح مسلم کو جمع کرنے میں صرف کی اس کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت شرف عطا فرمایا۔ بعض علاقوں میں تو مسلم شریف کو قرآن مجید کے بعد مرتبہ دیا جاتا ہے ویسے عام طور پر اسلامی تعلیمات میں بخاری کے ساتھ ساتھ مسلم کا درجہ بھی ہے۔ آپ نے ۵۵ برس کی عمر میں ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کو وفات پائی اور نیشاپور کے محلہ نصر آباد میں دفن کر دیئے گئے آپ کی وفات کے بعد اس وقت کے بہت بڑے محدث ابوحاتم رازی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔ ابو علی زاعونی کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا

اور حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ صحیح مسلم کے چند اجزاء کی بدولت مجھے نجات مل گئی۔ (بستان المحدثین)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنہوں نے مشکوٰۃ شریف کی طویل شرح لکھی ہے۔ فرمایا ہے کہ میں نے امام مسلمؒ کی قبر کی زیارت نیشاپور میں کی اور ان کی قبر کے پاس صحیح مسلم کا کچھ حصہ تبرکاً پڑھا جس سے برکت کے آثار کا مشاہدہ کیا (مرقاۃ ج ا ص ک) صحیح مسلم کی کئی شروح لکھی گئیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ ابو داؤدؒ: کا اصل نام سلیمان اور آپ کے والد ماجد کا نام اشعث ہے آپ ۲۰۲ھ سیستان (جس کو عربی میں سجستان کہا جاتا ہے) میں پیدا ہوئے۔ جو کہ خراسان کا مشہور علاقہ ہے۔ آپ نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے لیے دور دراز کا سفر کیا اور علم حدیث میں اپنے دور کے یکتا محدث سمجھے گئے ان کے علم و فضل کا یہ حال ہے کہ بعض علماء نے کہا امام ابوداؤدؒ دنیا میں حدیث حاصل کرنے کے لیے اور قیامت میں جنت کے لیے پیدا کئے گئے تھے۔ ایک مرتبہ اس علاقہ کے امیر موفق نامی نے آپ سے درخواست کی کہ میرے بچوں کو درس حدیث دیں اور حلقہ درس میں ان کے لیے علیحدہ مخصوص جگہ مقرر کریں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ درس تو دوں گا مگر حلقہ درس میں سب طلباء کے ساتھ بیٹھنا ہوگا ان کے لیے امتیازی جگہ نہیں ہو سکتی امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ جیسے محدث آپ کے شاگرد ہیں ۲۷۵ھ کو ۷۳ سال کی عمر میں بروز جمعہ انتقال ہوا (تذکرۃ المحدثین) ابوداؤد کی کئی شرحیں لکھی ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کی شرح عربی زبان میں بنام بذل المجہود لکھی جو پانچ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ مجاہد جلیل شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد پر اپنا حاشیہ مرتب فرمایا جو آجکل اساتذہ کا بہترین راہنما ہے۔

۴۔ **امام ترمذیؒ** آپ کا نام محمد اور کنیت ابو عیسیٰ ہے شہر ترمذ میں ۲۰۹ھ کو پیدا ہوئے علم حدیث کے حاصل کرنے کے لیے دور دراز کا سفر کیا امام بخاریؒ اور امام مسلم جیسے قابل قدر اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہے آپ پر خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ سنن ترمذی نہایت جامع کتاب ہے اس میں حدیث کے کئی علوم جمع کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا ترمذی کا درس بے نظیر تھا اس ناا‌ہل نے ترمذی حضرت ہی سے پڑھی قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مرتبہ شرح الکوکب الدری دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے حضرت مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے درس حدیث میں جو فوائد فرمائے تھے وہ العرف الشذی کے نام سے پہلے شائع ہو چکے ہیں اب آپ کے شاگرد رشید محدث برصغیر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی مرتبہ شرح ترمذی شریف بنام معارف السنن شائع ہو چکی ہے جس کی چھ جلدیں علمی اور اسلامی دنیا کا عظیم ادارہ مجلس علمی کراچی شائع کر چکا ہے امام ترمذیؒ نے ۲۷۹ھ کو وفات پائی۔

۵۔ امام نسائیؒ: آپ کا نام احمد تھا آپ بھی علاقۂ خراسان کے قصبہ نساء میں ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے اسی نسبت سے نسائی کہلائے طلب حدیث کے لیے دور دراز کا سفر کیا آخر مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ صوم داؤدی کے پابند تھے (ایک دن روزہ ایک دن افطار کرتے تھے) انہی حج کے لئے امیر مصر کے زیر کمان ہو کر جہاد بھی کیا آپ کو ایک مجلس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بیان کرنے پر شام کے خارجیوں نے اس قدر پیٹا کہ اسی سے موت واقع ہو گئی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو صفا اور مروہ کے درمیان دفن کیا گیا آپ ۳۰۳ھ کو فوت ہوئے سنن نسائی کی چند شروح لکھی گئی ہیں جن میں سے پاکستان کے محدث محمد بن الہادی سندھی م ۱۱۳۸ھ کی شرح مشہور ہے۔

۶۔ ابن ماجہؒ: محمد بن یزید ابن ماجہ۔ ایران کے مشہور شہر قزوین میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے آپ کے زمانہ میں علم حدیث عروج پر تھا آپ نے اپنی عمر کے بیسویں سال طالب علم حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھر سے باہر قدم نکالا بصرہ کوفہ بغداد، مکہ مکرمہ، مصر، شام وغیرہا کا سفر کیا اور ان ملکوں کے جلیل القدر اساتذہ سے حدیث سنی۔ اور عمر ساری زندگی اشاعت حدیث میں بسر کر دی ۶۴ سال کی عمر میں بروز سہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ کو انتقال فرمایا ان کتابوں کے علاوہ اور بھی کئی حدیث کی کتابیں ہیں۔ جن میں سے وہ کتابیں جو دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

موطا امام محمد، طحاوی شریف، موطا امام مالک، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا جمع کردہ مجموعہ احادیث ہے۔ یہ سب کتابیں علم وفضل کی برکات کا سرچشمہ ہے ان سب علماء کرام نے بڑی محنت کے ساتھ احادیث کو جمع فرمایا علمی اور روحانی برکات سے یہ کتاب پر ہے۔ جیسا کہ موطا امام مالکؒ کی برکات کے متعلق حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ اگر دردِ زہ میں مبتلا عورت اس کتاب پر ہاتھ رکھو دے تو اللہ تعالیٰ ولادت کو آسان بنا دیتے ہیں۔ موطا امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمد شیبانیؒ نے جمع کی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اس قدر مؤثر اور پر نور ہیں کہ ان کے زمانہ میں ایک عیسائی صرف آپ کی کتابیں پڑھ کر مسلمان ہو گیا اس نے کہا۔

"چھوٹے محمد کا یہ علم وفضل ہے تو بڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال علم وفضل کس قدر ہوگا"

آپ نے سب سے پہلے قوانین جنگ مدون کئے آپ کی اس کتاب کا نام السیر الکبیر ہے جو چند سال پہلے حیدر آباد دکن کے ادارہ دائرۃ المعارف العثمانیہ سے شائع ہوئی تھی اب اس کتاب کو دنیا کا عظیم ادارہ تصنیف و تالیف یونیسکو فرانسیسی زبان میں ترجمہ شائع کر رہا ہے۔ (جنگ ۴ فروری ۱۹۶۵ء)

آسان طریقے سے اشاعت حدیث

مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے لیے نور ہدایت ان ہی ارشادات میں ہے جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہادی کامل نے فرمائے ہیں اس لیے ہر دور اور ہر زمانے میں ان پاکیزہ باتوں کو جمع کرنا اور پھر مسلمانوں میں پھیلانا اللہ والوں اور علماء حق

سکے ہاں ضروری تھا اسی لیے بعض علماء کرام نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی کو جمع کر کے شائع کر دیا۔ یہ مجموعہ نورِ ہدایت ان ہی پہلی کتابوں سے لیا گیا ہے مگر اس میں سند اور دوسری باتوں کو ذکر نہیں فرمایا تاکہ عام مسلمان آسانی سے دینِ محمدی کو سمجھ سکیں ان ہی میں سے ایک کتاب مشارق الانوار ہے یہ کتاب پاکستان (سابق برصغیر) کے امام رضی الدین حسن محمد صغانی نے جمع کی ہے اس کتاب میں ذکر شدہ حدیثوں کی تعداد دو ہزار دو سو چھیالیس ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب اسلامی دنیا میں کافی قبول ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں جس طرح مفسرینِ قرآن کریم گزرے ہیں اسی طرح حدیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاننے والے بزرگ گزرے ہیں۔ مشہور تو یہ ہے کہ برصغیر میں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شاہ ولی اللہ کے دور سے شروع ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت پہلے حدیث برصغیر میں آچکی تھی۔ یہی امام صغانی ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے گویا ساتویں صدی ہجری میں ایسے علماء پیدا ہو چکے تھے جو نہ صرف درسِ حدیث دیا کرتے تھے بلکہ آپ نے حدیث کی کتابیں بھی ترتیب دیں۔ اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی محدث کے نام سے مشہور ہو چکے تھے آپ نے مشکوٰۃ شریف کی دو جامع شرحیں لکھی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام صغانی کا کچھ حال ذکر کر دیا جائے۔

امام صغانی کا نام محمد ہے ان کے والد ماجد کا نام حسن ہے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا ملتا ہے آپ کے باپ دادا کا اصلی وطن ترمذ کے قریب ایک علاقہ صغانیان ہے آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم باعمل تھے التمش کے زمانہ میں ہندوستان تشریف لے آئے چنانچہ اسی مدت میں لاہور میں ۱۰ صفر ۵۷۷ھ کو لاہور میں محمد کی ولادت ہوئی کچھ زمانہ کے بعد آپ کے والد ماجد غزنی چلے گئے آپ نے وہاں ہی اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا۔ مگر آپ کا لاہور آنا جانا رہا آپ نے یہاں ہی محمد بن الحسن مرغینانی سے جو لاہور مقیم ہو چکے تھے حدیث بھی پڑھی اور رسمی طور پر فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ نے اس کے بعد بھی اپنی علمی جدوجہد کو جاری رکھا۔ آپ نے اپنی دینی کتابوں کی برکات میں سے یہ بھی کہا کہ جو طالب علم امام ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب غریب حفظ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایک ہزار دینار عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ مجھے بھی عطا فرمائے۔ اسی طلب علم کے سلسلے میں آپ بغداد میں بھی گئے جب آپ کے والد ماجد کا ۶۱۵ھ کو غزنی میں انتقال ہو گیا۔ تو آپ نے پھر ہندوستان کا رخ کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان کے تخت پر سلطان قطب الدین ایبک بیٹھا ہوا تھا قطب الدین ایبک نے آپ کے لیے قاضی کا منصب پیش کیا مگر آپ نے انکار کر دیا وہاں سے آپ علی گڑھ (سابق نام کول) تشریف لے آئے۔

مگر بچپن ہی سے آپ کو بیت اللہ کی زیارت اور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا جذبہ عشق تھا چنانچہ غربت اور مفلسی کے باوجود پیدل ہی چل دیئے علاقہ کول کے حاکم کو جب علم ہوا تو ایک گھوڑی اس بابرکت سفر کے لئے پیش کیا آپ سندھ کے راستے سے ہوتے ہوئے دیارِ حرم میں پہنچے وہاں سات سال رہ کر مدینہ منورہ

کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس کنوئیں کو جسے بئر بضاعہ کے نام سے حدیثوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ نے ناپا تو اس کی وسعت اور گولائی اتنی ہی نکلی جتنی کہ وہ حدیث ابوداؤد میں پڑھ چکے تھے۔

آپ زیارت حرمین سے مالا مال ہو کر واپس لاہور آئے تو اب سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ تخت نشین تھی جس کو آپ نے اس لیے پسند نہ فرمایا کہ اسلام نے عورتوں کی امامت کو جائز نہیں سمجھا اتنے میں بغداد کے خلیفہ نے آپ کو طلب فرمایا آپ بغداد میں حدیث کی اشاعت میں سرگرم عمل رہے اور لکھنے پڑھنے کا پاکیزہ شغل جاری رکھا ۷۳ سال کی عمر میں ۱۹ شعبان ۶۵۰ھ کو بغداد ہی میں فوت ہو گئے آپ نے وفات کے دن بھی حسب معمول اپنے سب کام کیے اور احباب اور شاگردوں کے لیے ایک دعوت کی ابھی ان کے احباب واپس جا رہے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے میت کو مکہ مکرمہ حضرت فضیل بن عیاض کی قبر کے پاس دفن کیا جائے اور اس کے خرچ کے لیے پچاس دینار رکھے تھے آپ کی میت کو چند دنوں کے بعد ان کی حسب خواہش مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا۔

(ف) مشارق الانوار آپ کی جمع کردہ کتاب ہے اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی شرف قبولیت بخشا۔ ہندوستان کے جلیل القدر عالم شیخ شمس الدین خواجگی ایک دفعہ خواب میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو مشارق الانوار کی حدیثوں کے بارے میں آپ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے فرمایا۔

اَحَادِیْثُ مَشَارِقَ کُلُّھَا صَحِیْحَۃٌ ــــ (ترجمہ) مشارق انوار کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵)

مشکوٰۃ المصابیح اسی طرح یہ کتاب جس کو لوگ مشکوٰۃ شریف کہتے ہیں یہ بھی ان کتابوں میں سے ہے اس کا لفظی معنی چراغوں کا طاق (طاقچہ) مصابیح مصباح کی جمع ہے جس کی روشنی کو کہتے ہیں وہ برتن جو روشنی کا کام دے جیسا کہ پہلے زمانوں میں مٹی کے چراغ ہوا کرتے تھے۔ لیکن چراغ کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کے لیے لوگ اپنے مکانوں کی دیواروں میں طاقچے بنا دیتے تھے یا کانچ کی قندیل میں چراغ کو رکھا جاتا تھا تاکہ وہ ہوا سے بجھ نہ جائے۔ اسی طرح یہ بابرکت کتاب بھی ان چراغوں کی حفاظت کرتی ہے جو لوگوں کے لیے راہ ہدایت کی روشنی پھیلانے والے ہیں یعنی نور ہدایت تو وہی ہے جس کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے۔

"کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تو آپ کے دانتوں میں سے نورانی کرنیں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔"

چھٹی صدی ہجری کے شروع میں ایک بہت بڑے محدث جس کا نام حسین ہے جن کا سال وفات ۵۱۶ھ ہے

عالم اسلامی میں ان کو محی السنۃ کا لقب دیا گیا ہے جس کا معنیٰ سنت کے زندہ کرنے والے یعنی دین راستے کو روشن کرنے والے جس کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی ہدایت کے لیے متعین فرمایا ہے۔ محی السنۃ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام مصابیح رکھا اس کتاب میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا کچھ حصہ جمع کر دیا مگر صرف متن کو ذکر فرمایا اور سند کو ذکر نہ فرمایا تاکہ کتاب لمبی نہ ہو بلکہ مختصر ہو جیسا کہ مشارق الانوار۔

"فائدہ اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ اسلامی علوم میں سند کا ہونا ضروری ہے یعنی وہ سلسلہ اور کڑیاں جو بیان کرنے واسطے سے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوں اس کو سند کہا جاتا ہے یہ سند کسی دوسرے علم اور دوسرے مذہب میں نہیں ہے صرف اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ آج بھی ایک حدیث بیان کرنے والا یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس کے پاس یہ ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اور کن کن بزرگوں کی معرفت سے پہنچا ہے حدیث کی ایسی کتابوں کو مسند کہتے ہیں، متن اس مضمون کا نام ہے اس کی مثال درج کی جاتی ہے۔"
محمد زاہد سے میرے شیخ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حدیث بیان کی انؒ سے ان کے شیخ محمود الحسنؒ نے ان سے ان کے شیخ محمد قاسمؒ نے حتیٰ کہ یہ سلسلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انما الاعمال بالنیات "ہر عمل نیت پر موقوف ہے"

کتاب مصابیح میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۴۴۸۴ ارشادات جمع فرمائے اگرچہ وہ سب کے سب باسند تھے مگر کتاب میں ان کی سند کا ذکر نہ تھا تو تبریز کے محدث محمد بن عبداللہ نے اسی کتاب کو سند کے ساتھ ذکر کر دیا گویا کہ ان چراغوں کی حفاظت کے لیے ایک طاقچہ ایک قندیل بنا دی۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ شرف بخشا اور یہ کتاب ہر زمانے میں مقبول رہی درس نظامی میں یہ کتاب دورۂ حدیث سے پہلے پڑھائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے میں ہر دینی طالب علم کی تکمیل اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ مشکوٰۃ شریف پڑھے اس کی چھوٹی بڑی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں عربی میں مرقاۃ اور طیبی مشہور ہیں حال ہی میں دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حدیث مولانا محمد ادریس نے اس کی عربی زبان میں ایک شرح لکھی جس کا نام التعلیق الصبیح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس کی فارسی زبان میں شرح لکھی جس کا نام اشعۃ اللمعات ہے نواب قطب الدین خان مرحوم دہلوی نے اس کی شرح اردو زبان میں لکھی جس کا نام مظاہر حق ہے۔

ریاض الصالحین | ساتویں صدی ہجری میں مشہور محدث امام نوویؒ گزرے ہیں جن کا مختصر نسب نامہ محی الدین

ابوزکریا یحییٰ بن مری ہے۔ آپ محرم ۶۳۱ھ کے پہلے عشرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی بستی کا نام نووی ہے جو شام کا ایک قصبہ ہے آپ کی وفات اپنی ہی بستی میں ۲۴ رجب ۶۷۶ھ کو ہوئی اس چھوٹی سی زندگی میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ سے کافی وافی حصہ عطا فرمایا آپ زاہد شب بیدار صائم رہتے تھے عمر بھر مجرد رہے شادی نہ کی آپ نے تقریباً بیس تصانیف فرمائیں جن میں سے صحیح مسلم کی مستند اور مشہور شرح نووی متداول ہے آپ ہی نے ریاض الصالحین ایک کتاب حدیث میں مرتب فرمائی جس میں ہر باب کی تائید میں آیات قرآنیہ کا کچھ حصہ ذکر فرمایا اور پھر احادیث میں سے کچھ احادیث ذکر فرمائیں۔ ریاض الصالحین کو سمجھ کر پڑھنے سے قرآنی آیات کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے اور احادیث کا بھی کچھ حصہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اس کتاب میں ترغیب اور ترہیب (نیک کاموں پر ثواب اور برے کاموں پر عذاب کا ذکر) کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ قبولیت فرمائی، دیار عرب کی اکثر مساجد اور مدارس میں اس کو وعظ و نصیحت کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ اس کا باقاعدہ درس دیا جاتا ہے جس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں فرمائی جس کا تعلق احکام سے ہو اور جس سے دلیل پکڑتے ہوئے آئمہ اور فقہاء نے اختلاف کیا ہو۔ اس کتاب کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں زیادہ جامع اور مفید شرح دلیل الفالحین ہے۔ جس کو علامہ محمد علی بن محمد علان نے لکھا ہے علامہ محمد علی مکہ مکرمہ میں صفر ۹۹۶ھ کو پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ ہی میں ۲۴ / ذی الحج ۱۰۵۷ھ کو وفات پائی۔ دلیل الفالحین چار جلدوں میں مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی طلب حدیث کے لیے محنت اور عشق

ہر مسلمان دل سے یہ چاہتا ہے کہ وہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو اپنے کانوں سے سنے اور ایمان کو تازہ کرے تو صحابہ کرامؓ جو سچے دل سے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار تھے اور آپ کی ہر ادا پر دل سے فدا تھے کیا وہ اس طلب اور تڑپ میں کسی سے کم ہوں گے؟ ذیل میں صرف دو ایسے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ جابر بن عبداللہ نے صرف ایک حدیث سننے کے لیے مصر کا سفر کیا ایک اونٹ خریدا اور اس پر پورا ایک ماہ سفر کر کے مصر پہنچے اور مسلمہ بن مخلد سے (جو اس وقت مصر کے امیر تھے) وہ حدیث جو کہ قصاص (یعنی ظلم کا بدلہ لینے) کے متعلق تھی جب جابرؓ مصر پہنچے اور مسلمہ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے پوچھا کون سا جابر! آپ نے فرمایا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی چنانچہ فوراً تشریف لائے اور جابرؓ کے ساتھ لپٹ گئے پوچھا میرے بھائی اتنی تکلیف کس لیے اٹھائی آپ نے فرمایا صرف ایک حدیث کو سننے کے لیے جو آپ نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی کیونکہ آج ایسا اور کوئی موجود نہیں جس نے یہ حدیث صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنی ہو میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں آپ سے وہ ارشاد سن لوں۔ چنانچہ حضرت مسلمہ نے وہ حدیث بیان فرمادی۔ (حسن المحاضرہ ج ا صلا)

۲۔ حضرت ابوالدرداء خود بھی صحابی ہیں اور ان کی بیوی ام الدرداء بھی صحابیہ ہیں۔ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد دمشق (شام) میں مقیم ہو گئے تھے ایک صحابی مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث سننے کے لیے دمشق پہنچے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی علم دین طلب کرنے کے لیے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے اور فرشتے اس کے قدموں کے نیچے ادب کرتے ہوئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور اس کے لیے ساری کائنات طلب مغفرت کرتی ہے۔ (الحدیث)

صحابہ کرامؓ کے نزدیک سب سے بڑی دولت اور مال سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے ابواسحٰق نے حبیب بن ثابت کو ایک حدیث سنائی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی تو حبیب نے فرمایا۔ آپ نے مجھ کو جو حدیث سنائی ہے اس کے عوض تمہاری مساجد کے برابر بھر ا ہوا سونا لینا بھی پسند نہیں کرتا (ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی دولت، سب سے بڑی برکت، اور سب سے بڑی رحمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں اس لیے کہ اگر بعد والے مسلمانوں کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل نہ ہو سکی تو آپ کے ارشادات سے تو بہرہ ور ہو گئے اس لیے یہ بھی گویا اهل النبی بن گئے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

اَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمْ اَهْلُ النَّبِيِّ وَاِنْ لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهٗ اَنْفَاسَهٗ صَحِبُوْا	ترجمہ۔ حدیث سننے اور سنانے والے نبی علیہ السلام کے خاندان سے ہیں اگر حضورؐ کی ذات سے شرف صحبت حاصل نہ کر سکے تو حضورؐ کے الفاظ سے بہرہ ور ہو گئے۔

حدیث سننے اور سنانے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا شرف حاصل کرتے ہیں اس لیے کہ وہ جتنی دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک لیتے ہیں تو ساتھ ہی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن تم میں سے میرے زیادہ قریب وہی ہو گا جس نے مجھ پر زیادہ درود پڑھا"

حدیث پڑھنے اور سننے سے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت اور ربط قائم رہتا ہے مصر کے مادر زاد ولی سیدی عبدالعزیز دباغ نے فرمایا ہے۔

"میں نے کشف میں دیکھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد مجمع کثیر انسانوں کا ہے اور

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ انور سے کچھ دھاگے نکلے ہوئے ہیں جو ان میں سے بعض لوگوں کے سینے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں مجھے بتایا گیا یہ وہ خوش نصیب ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سُنتے اور سناتے ہیں۔"

اسی برکت کو حاصل کرنے کے لیے دورِ اوّل میں مخلص اور سچے مسلمان حدیث سننے کے لیے مالی قربانی بھی کرتے تھے امام بخاری اور مسلم کے ایک استاذ یعقوب بن ابراہیم کے پاس ایک حدیث خاص سند کے ساتھ موجود تھی وہ اس حدیث کو پیسے نہ سنایا کرتے تھے بلکہ ایک دینار (اشرفی) لے کر وہ حدیث سنایا کرتے تھے تاکہ لوگوں میں حدیث کی عزت اور احترام بھی بڑھے۔ لوگ صرف اس کے منہ سے الفاظ حدیث سننے کے لیے ایک اشرفی اور کبھی کبھی دو دو تین تین اشرفیاں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔

اور ایسے بابرکت حضرات بھی گزرے ہیں کہ ان کا دسترخوان صرف اسی کے لیے بچھتا تھا جو ان سے حدیث سنتا یعنی کھانا اسی کو کھلاتے تھے جو ان سے حدیث سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سُنتا۔

حفص بن غیاث اور بیاج بن بسطام کے حالات میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے!

"جو میرا کھانا نہ کھائے میں اس کے سامنے حدیث بھی نہیں بیان کروں گا۔"

اس زمانہ کے سلاطین اور امراء بڑی بڑی کافی رقم ان بزرگوں کی نذر کرتے جو حدیث سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا اور پڑھایا کرتے تھے اگرچہ عاشقانِ حدیث کی نظروں میں مال و دولت کی قدر و قیمت نہ تھی۔

عیسیٰ بن یونس جو بہت بڑے راوی حدیث گزرے ہیں ہارون الرشید کا وزیر برمکی ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم لے کر حاضر ہوا مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے واپس کر دیئے کہ

"میں نہیں چاہتا کہ دنیا میں یہ مشہور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی قیمت میں نے کھائی" بلکہ مامون نے حدیث سُن کر معقول رقم پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں تو حدیث کے عوض پانی کا گھونٹ بھی نہیں چاہتا۔

ایک دفعہ امام مالکؒ کے ایک شاگرد ہشام نے امام مالکؒ سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا جب کہ وہ کھڑا تھا تو آپ نے اس کو بیس بید دل کی سزا دی مگر پھر محبت اور شفقت فرماتے ہوئے بیس حدیثیں سنا دیں ہشام نے عرض کیا میں چاہتا ہوں آپ مجھے بید مارتے جائیں اور اس کے بدلے حدیث سناتے جائیں۔ (الشفاء)

درسِ حدیث

آج بھی نیک دل مسلمان کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ساتھ عشق اور محبت ہے۔ وعظ کی مجلسوں میں بھی جیسے گنہگار کا دل بھی تھوڑی دیر کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر موم ہو جاتا ہے اور لاکھوں انسان ہر سال اس ارضِ پاک کا سفر کرتے ہیں کہ اس

خطۂ پاک کی زیارت کریں جہاں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری جہاں آج چودہ سو سال سے آرام فرما ہیں تو ان مسلمانوں کے ذوق اور شوق کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ جو رات دن خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سراج منیر کی زیارت کرتے تھے صحابہ جب تاب رہا کرتے تھے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نور فشاں سے کوئی بات نکلے اور اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں بھلا وہ سعادت مند اور خوش نصیب جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ وہ آپ کی بات کو کس طرح یاد کئے بغیر چھوڑتے ہوں گے۔ کیونکہ اسی میں وہ اپنی حیات اور زندگی سمجھتے تھے اور اسی کو عین ایمان سمجھتے تھے ان کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب تم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو فوراً بلاتاخیر سب کام چھوڑ کر پہنچو ورنہ تم روحانی اور دینی طور پر مر جاؤ گے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار تمہارے لیے زندگی اور حیات ہے۔

ارشاد قرآنی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ	اے ایمان والو! بات قبول کرو اللہ تعالیٰ کی
وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ	اور اس کے رسولؐ کی جب تم کو پکارے اس
(انفال ۲۴)	کے لیے جس میں تمہاری زندگی ہے

یہی وجہ ہے کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور یاد ہے اور نہ صرف یاد ہے بلکہ ہر صحابی سننے اور سنانے کا شیدا اور عاشق ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

- جو کوئی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دے اپنے سچے دل کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔"

اس پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عام لوگوں کو یہ خبر نہ دی جائے ورنہ وہ عمل کرنے میں سستی کریں گے۔ لیکن جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت آیا۔ تو سوچا کہ میرے پاس جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے جو میں نے زندگی میں کسی کو نہیں سنائی اب یوں ہی میری موت واقع ہو گئی تو دنیا ایک حدیث سے محروم رہ جائے گی اس لیے اپنی جان کنی کے وقت بھی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا درس دے دیا۔ اسی طرح حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام باقاعدہ آپس میں حدیث کے درس پر مجلس مذاکرہ فرمایا کرتے تھے یعنی آپس میں ایک دوسرے کو حدیث سنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے تین حصے کئے ہوئے تھے۔ ایک حصے میں نیند کرتا تھا اور ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرتا تھا اور ایک حصے میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد کیا کرتا تھا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس زمانہ کی نیک بخت عورتوں نے درخواست کی حضرت مرد تو آپ کے اقوال سنتے ہیں حدیث سے ایمان کو مزین کرتے ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی کوئی وقت علیحدہ مقرر فرما دیجئے چنانچہ آپ نے خواتین کے لیے علیحدہ وقت فرمایا اور انہوں نے بھی سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی اور روایت بھی کی ہے۔

چنانچہ دور صحابہ میں محدث صحابیات موجود تھیں خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درس حدیث دیتی تھیں آپ کی ہمشیرہ حضرت اسماءؓ بھی درس حدیث دیا کرتی تھیں حضرت عائشہؓ کے درس میں مرد بھی زیادہ شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد ابورباح کا بیان ہے کہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی مگر ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ لٹکا ہوا تھا۔ (کتاب الاموال صفحہ)

بعد کے زمانے میں بھی حدیث کا سننا اور سنانا خواتین میں بھی رواج پا چکا تھا چنانچہ شہدہ بنت نصر باقاعدہ درس حدیث دیا کرتی تھیں۔ قاہرہ کی مشہور محدثہ نفیسہ درس حدیث دیا کرتی تھیں جن کے درس سے امام شافعی رح جیسے جلیل القدر بھی پیدا ہوئے۔ بخاری شریف کے مشہور نسخوں میں سے ایک مشہور نسخہ احمد کی بیٹی کریمہ کا بھی ہے جو اپنے وقت کی اُستاد حدیث تھی۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور امام ضحاک (سال وفات ۲۸۷ھ) کی کتاب کتاب الدیات کی روایت کرنے والی احمد کی بیٹی عین الشمس ہے چھٹی صدی کے مشہور محدث اور مفسر علی ابن عساکر نے اپنے اساتذہ کی جو فہرست بیان کی ہے اس میں زیادہ تعداد خواتین استادوں کی ہے۔ مدینہ منورہ کے حالات پر جامع اور صحیح کتاب وفاء الوفاء جس کے جمع کرنے والے مولانا نورالدین سمہودی ہیں جن کی وفات ۹۱۱ھ کو ہوئی ہے۔ مولانا نورالدین کے استادوں میں سے مکہ مکرمہ کی محدثہ کمالیہ بھی ہے غرضیکہ حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا مسلمانوں کے دونوں طبقوں میں نہ صرف مقبول رہا بلکہ اس شرف اور بزرگی کو سب سے بڑا شرف اور بزرگی سمجھا۔

الحمد للہ آج تک مسلمانوں میں درس حدیث کا رواج علمی طور پر ہر دینی مدرسہ میں موجود ہے کوئی عالم اس وقت تک باسند عالم نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ وہ دورۂ حدیث نہ پڑھ لے گویا موجودہ درس نظامی کی ترتیب ہی اسی طرح دی گئی ہے۔ کہ سب علوم اسی لیے پڑھے جاتے ہیں کہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سمجھ میں آسکے۔

مسلمانوں میں درسِ حدیث سننے کا بے پناہ شوق

اسی طرح دور صحابہ اور تابعین کے بعد بھی مسلمانوں میں حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے اور سنانے کا شوق رہا اور تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درس گاہیں قائم تھیں

اور بڑے زور شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا اس زمانہ میں عامۃ المسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہوجانا معمولی بات تھی۔ حافظ شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں آٹھویں طبقہ کے (جو امام ابن ماجہ کے شیوخ کا طبقہ ہے) ایک سو تین اکابر حفاظ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔

ولعل قد اهملنا طائفة من نظرائهم	اور غالباً ہم سے ان ہی کے ہم پایہ حفاظ
فان المجلس الواحد فی هذا الوقت کان	حدیث کی ایک جماعت کا ذکر رہ گیا ہے کیونکہ
یجتمع فیه انید من عشرة آلاف	اس عہد میں ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار
محبرة یکتبون الآثار النبویة ویعتنون	سے زائد دواتیں جمع ہوتی تھیں اور لوگ احادیث
بهذا الشأن وبینهم نحو من مائتی	نبویؐ کی کتابت میں مصروف اور اس فن پر متوجہ
امام قد برزوا وتاهلوا للفتیا۔	تھے اور ان میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے جو
(ج ۲ ص ۱۰، طبع جدید)	بالکل نمایاں تھے اور فتویٰ دینے کے اہل تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے دس ہزار طلبہ کی جو تعداد بتائی ہے یہ عام حلقہ ہائے درس کی ہے ورنہ خاص خاص آئمہ حفاظ کی مجلس املاء میں یہ تعداد اس سے کئی کئی گنا زیادہ ہوتی تھی جو کبھی ایک لاکھ سے بھی اوپر پہنچ جاتی تھی چنانچہ مسند عراق امام حافظ ابوالحسن علی ابن عاصم واسطیؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ کا اجتماع ہوتا تھا ان ہی کے صاحبزادے ہیں امام ابوالحسین عاصم بن علی واسطی المتوفی سنہ ۲۲۱ھ جو امام بخاریؒ کے بھی شیخ ہیں اور ان سے انہوں نے اپنی صحیح میں حدیثیں روایت کی ہیں ان کے متعلق حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں رقم طراز ہیں۔

قدم بغداد واملی بها فتزاحموا	یہ بغداد آئے وہاں حدیث کی املاء کرائی اور
علیه۔	لوگوں کا ان کے پاس اژدہام لگ گیا۔

ابوالحسین بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ نفوس سے اوپر کا کیا جاتا تھا ہارون نامی مستملی کھجور کے درخت پر چڑھ کر ان کے الفاظ لکھایا کرتا تھا۔

(ت) عمر بن حفص سدوسی کہتے ہیں۔ کہ شہزادہ معتصم نے (جو آگے چل کر مامون کے بعد خلیفہ ہوا) ایک بار اپنے کارندوں کو ہمارے شیخ عاصم کی مجلس املاء میں جو "رحبتہ النخل" (بغداد کے نخلستان کا وسیع میدان) میں منعقد ہوا کرتی تھی۔ شرکاء درس کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا عاصم چھت پر بیٹھ کر عام آدمیوں کو سنایا کرتے تھے خلقت کے ہجوم کی یہ کیفیت تھی کہ خود میں نے ایک دن سنا کہ وہ کہتے جاتے تھے۔ حدثنا اللیث بن سعد

اور کثرت ازدحام کے باعث چونکہ لوگوں کے کانوں تک آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس لیے وہ برابر ان سے پوچھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یہی کلمہ ان کو چودہ دفعہ دہرانا پڑا۔ اسی مجلس میں ہارون مستملی بھی ایک خم دار کھجور کے درخت پر چڑھ کر ان کی آواز پہنچا رہے تھے۔ معتصم کے کارندوں نے جب اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کیا تو حاضرین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچی۔ انہی کے متعلق عجلی کہتے ہیں کہ میں عاصم بن علی کی مجلس درس میں شریک تھا۔ اس روز جو لوگوں نے اس مجلس کے حاضرین کا اندازہ لگایا تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھے امام عاصم ہی کے ایک اور شاگرد خاص ہیں یزید بن ہارون جو فن حدیث کے مشہور امام ہیں ان کے متعلق یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ میں نے بغداد میں ان سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ اس وقت لوگ ان کے درس میں ستر ہزار حاضرین کی تعداد بتایا کرتے تھے۔

ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں بغداد میں سلیمان بن حرب المتوفی سنہ ۲۲۴ھ کہ جن کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں ہے کی مجلس درس میں شریک تھا۔ حاضرین کا تخمینہ چالیس ہزار لگایا گیا۔ قصر مامون کے پہلو میں ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی سلیمان نے اس پر چڑھ کر درس دیا خلیفہ مامون اور تمام امراء دربار میں حاضر تھے سلیمان جو املا کرا رہے تھے مامون خود بھی اس کو لکھتے جاتے تھے۔

احمد بن جعفر ختلی کہتے ہیں کہ حافظ ابو مسلم کجی صاحب السنن المتوفی سنہ ۲۹۲ھ جب بغداد آئے اور انہوں نے "رحبہ غسان" (غسان کا چوک) میں حدیث کی املا کرائی تو اس وقت ان کی مجلس میں سات مستملیوں کو اس طرح کھڑا ہونا پڑا کہ ہر ایک دوسرے کو شیخ کی آواز کو پہنچا سکا۔ کثرت ازدحام کے سبب کھڑے کھڑے حدیثیں لکھ رہے تھے۔ درس کے بعد جب "رحبہ" کی پیمائش کی گئی اور صرف ان لوگوں کو گنا گیا جو دواتیں لے کر آئے تھے تو کچھ اوپر چالیس ہزار نفوس تھے اور جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماع شریک تھے۔ وہ لوگ اس کے علاوہ ہیں ذہبی نے اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ هذه حكاية ثابتة رواها الخطيب في تاريخه عن بسران اتی انه سمع الختلی یقوله — (یعنی یہ صحیح واقعہ ہے اس کو خطیب نے اپنی تاریخ میں بسران تی سے نقل کیا ہے اور انہوں نے خود ختلی سے سنا ہے)۔

حافظ جعفر فریابی المتوفی سنہ ۳۰۱ھ کا جب بغداد میں ورود ہوا تو طبل ودمامہ سے ان کا استقبال کیا گیا۔ اور لوگوں میں اعلان ہوا کہ "شارع منار" (بغداد کی مشہور شاہراہ) میں ان کا درس حدیث ہوگا۔ پھر جب حاضرین درس کا اندازہ لگایا گیا تو تیس ہزار کے قریب تخمینہ ہوا اور مستملیوں کی تعداد تین سو سولہ تھی۔ ابوالفضل زہری کا بیان ہے کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سنی ہے تو ان کی مجلس میں دس ہزار کے قریب وہ لوگ موجود تھے۔ جو لکھنے کے لیے دواتیں اپنے ساتھ لائے تھے اور جو لوگ نہیں لکھ رہے تھے۔ وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔ حافظ ذہبی نے

لکھا ہے کہ ابوالفضل نے فریابی سے ۲۰۹ھ میں حدیث کا سماع کیا ہے۔

حدیث کا سننا اور سنانا عبادت ہے

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مقدس آپ کی باتوں کو سننا اور سنانا اونچی عبادت ہے اسے سنتے کریں۔

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

حدیث سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے والے تمام آداب کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے تو حدیثیں جمع کرتے وقت ہر حدیث کو نقل کرنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر حدیث کو نقل کیا۔ دور اوّل کے محدث اور مفسر قتادہ بغیر وضو کے کبھی حدیث نہ سناتے تھے۔ یہی حال دوسرے علماء کرام کا تھا۔ بلکہ سلف صالحین بے وضو حدیث کو نقل و بیان کرنا مکروہ جانتے تھے۔ مشہور محدث اعمش جب وضو نہ ہوتا تو تیمم کر لیا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ص ۱۵۲)

آخر جب صحابہ کرام سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت بھی بلا وضو نہ کرتے تھے تو پھر آپ کے ذکر کو آپ کی بات کو بلا وضو کیسے کہا ہو گا؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک شاگرد نے راہ چلتے ہوئے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چلتے چلتے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھتا ہے۔

ایک دفعہ جریر بن عبداللہ قاضی نے آپ سے ایک حدیث پوچھی جب کہ آپ کھڑے تھے تو آپ نے حکم فرمایا کہ قاضی صاحب کو کچھ دیر قید کر دیا جائے کسی نے کہا کہ یہ تو قاضی صاحب ہیں آپ نے فرمایا کہ قاضی کو تو زیادہ ادب کرنا چاہیے۔

آج بھی جلیل القدر علماء باعمل جب درس حدیث دیتے ہیں تو باوضو ہو کر اپنے بدن کو خوشبو سے معطر کر کے درس حدیث نہایت ہی ادب اور خشوع اور خضوع سے دیتے ہیں حدیث سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے بارے میں ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

"مشہور محدث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث دربار نبوت میں دے رہے تھے کہ کئی بار آپ کے چہرے کی رنگت بدلی اور پھر ٹھیک ہو گئی یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کوئی شدید تکلیف ہے مگر آپ اس کو برداشت کرتے رہے۔ جب درس حدیث ختم ہوا تو آپ نے ایک شاگرد کو فرمایا کہ میرا کرتہ اٹھا کر میری پیٹھ کو دیکھو کہ اس پہ کیا ہے۔ جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بچھو ہے جس نے سولہ بار آپ کی پیٹھ پر ڈنگ لگایا مگر آپ نے حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

اور ادب کرتے ہوئے حرکت نہ کی اور نہ ہی وقت سے پہلے درس بند کیا۔"

یہ عشق اور احترام ان بزرگوں کو حاصل تھا۔ اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو امامت اور اُمت کے پیشوا ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

خلیفہ عادل عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے وہ مکتوب دیکھا جس کو سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ کی مقدار نصاب کے متعلق لکھنے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ تو عمر بن عبد العزیز نے اس مبارک نامہ کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ (کتاب الاموال ص ۲۳۹)

حدیث کا حفظ کرنا

مسلمانوں میں ایسے علماء کی تعداد بڑی کافی ہے جو حدیث کے حافظ تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مگر ہر دور میں ایسے علماءِ اسلام بھی کافی گزرے ہیں جنہوں نے بخاری شریف اور دوسری کتابوں کو زبانی طور پر حفظ کیا ہے جیسا کہ:۔

۱۔ گجرات کاٹھیاوار کے شیخ عبد الملک جن کی وفات سنہ ۹۷۰ھ کو ہوئی پوری بخاری شریف کے حافظ تھے۔ ان کو بخاری کی تمام حدیثیں اور ان کی سندیں زبانی یاد تھیں۔

۲۔ گجرات ہی کے محدث تاج الدین بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں کے حافظ تھے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۱۸ و ج ۵ ص ۹)

۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمد فرخ کو ستر ہزار احادیث متن اور سند کے ساتھ یاد تھیں (نظام تعلیم و تربیت ص ۱۲۳)

۴۔ شیخ حسین بن محسن انصاری یمنیؒ کو بخاری کی شرح فتح الباری کی چودہ جلدیں زبانی یاد تھیں۔ (الرحیم جولائی ۱۹۶۵ء)

۵۔ مولانا داؤد کشمیری جن کی وفات ۱۰۹۷ھ کو ہوئی ہے مشکوٰۃ کے حافظ تھے اس لیے ان کا لقب مشکاتی مشہور تھا۔ (نزہۃ الخواطر)

حدیث کو قبول نہ کرنا کفر ہے

پہلے زمانہ کے مسلمان کے سامنے جب کسی بات کے لیے فقہ کی کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا تھا تو وہ یہ کہہ کر بات تسلیم کر لیتا تھا کہ جب اسلامی کتاب کا یہ حکم ہے تو مجھے منظور ہے وہ آگے بال کی کھال نہیں اتارتا تھا۔ پھر جب سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کیا جائے پھر تو کسی مسلمان کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کے مقابلہ پر اپنا قول یا اپنی رائے پیش کرے۔ قرآن مجید نے اس جرأت اور گستاخی کو سب اعمال ضائع ہونے کے لیے خطرناک قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ　　　ترجمہ۔ اے ایمان والو آگے نہ چلو اللہ کے اور

اللہ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (الحجرات ۱) — اس کے رسول کے اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آگے چلنے سے منع فرمایا تو کیا نعوذ باللہ خداوند تعالیٰ کسی کے سامنے چلتا ہوا نظر آتا ہے کہ بندے اس سے آگے نہ چلیں اس کا یہی تو مطلب ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے فرمادی اس کے مقابلے میں اپنی بات پیش نہ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ سے آگے چلنا سمجھا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بات کا پتہ امت کو کس طرح چلے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے خوش ہے یا ناراض ہے وہ تو اسی ذات پاک سے معلوم ہو سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے سب بندوں میں سے چن لیا اور اس پر اپنا کلام نازل فرمایا اس لیے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آگے نہ چلو مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات تم تک پہنچ گئی تو اب اس کے مقابلے میں اپنی رائے پیش نہ کرو۔ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ اسی سورۃ میں آگے فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات ۲) — ترجمہ۔ اے ایمان والو اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور زور سے نہ پکارو نبی (علیہ السلام) کو جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

کتنی صاف بات فرمادی کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو یہی مطلب نبی کے آگے چلنے سے روکنے کا ہے۔ تم نبی کو اپنے میں کا ایک فرد اور ایک آدمی نہ سمجھو بلکہ وہ نبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو خبر دینے والے بڑی شان کے مالک ہیں۔ اور اگر تم نے یہ گستاخی کر ڈالی کہ نبی کی بات تم تک صحیح طور پر پہنچ گئی مگر تم نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی رائے کو پیش کر دیا تو پھر یاد رکھو۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (۲) — ترجمہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تم سمجھ بھی نہ سکو۔

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمہارے سب عمل سب نیکیاں۔ نماز، روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ سب اعمال اور عبادات ضائع اور برباد ہو جائیں گی اور تم سمجھ بھی نہ سکو گے تمہارا خیال یہ ہوگا کہ تم تحقیقات اور ریسرچ کر رہے ہو اور ادھر تمہاری سب نیکیاں غارت ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ تم نے بڑی جرأت کی تمہارا کام تو نبی علیہ السلام کی بات کو ماننا تھا نہ کہ اس کو رد کر کے اپنی بات منوانا تھا تم نے اپنی حیثیت کو چھوڑ کر قدم آگے بڑھایا تم تو غلام ہو غلام کا کیا حق ہے کہ وہ آقا اور مولیٰ کے سامنے دم مارے یا اپنی رائے پیش کرے چنانچہ فرمایا۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ — کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول حکم دے تو ان

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (احزاب ۳۶)   کو اپنی ذات میں بھی کوئی اختیار ہو۔

ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں کس قدر واضح بات فرما دی کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اللہ کے حکم (قرآن) اور اللہ کے رسول کے حکم (سنت اور حدیث) کے فیصلے کے خلاف لب کشائی کرے یہ تو غلام ہے اس نے تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اللہ کی بات مانوں گا جو قرآن کی شکل میں ہے اور اگر خدانخواستہ اللہ اور رسول کی بات کے مقابلے میں اپنا اختیار چلایا تو اس کو نافرمان کہنا کھلی بات ہو جائے گی اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے گی ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ   اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
ضَلَالًا مُّبِينًا۔ (احزاب ۳۶)   کی پس وہ کھلا گمراہ ہوا۔

یہی وہ جذبہ اطاعت اور غلامی تھا کہ صحابہ کرامؓ نے جب کوئی بات سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی یا ان تک صحیح طریقہ سے بات پہنچ گئی تو بس وہیں قدم رک گئے اس لیے کہ وہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو خداوند قدوس ہی کی بات سمجھتے تھے۔ حضرت حصین سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں اور ان کے بیٹے حضرت عمران بھی صحابیؓ ہیں ایک دفعہ حضرت عمران حدیث سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے عرض کیا آپ قرآن سے بات فرمادیں اس کو آپ نے یوں جواب دیا۔

"کہ تو اور تیرے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں کیا تو مجھے قرآن حکیم ہی سے نماز کی حدود اور رکعتیں وغیرہ) بتا سکتا ہے قرآن ہی سے سونے چاندی اونٹ گائے بیل وغیرہا کی زکوٰۃ کی شرح بتا سکتا ہے۔ اے بندۂ خدا تم لوگ تو غیر حاضر رہا کرتے تھے اور میں دربار نبوت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق فلاں فلاں حکم فرمایا۔"

چونکہ وہ سوال کرنے والا سچا مسلمان تھا جھگڑالو یا ضدی بے دین نہ تھا۔ فوراً پکار اٹھا اے عمران اللہ تعالیٰ تجھ کو سلامت رکھے تو نے مجھے زندگی بخش دی۔ یعنی شک سے یقین کی طرف لے آیا۔ (مفتاح الجنۃ صفحہ ۲۷ از امام سیوطیؒ)

یہی طرز سب صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دوسرے دور کے مسلمان (تابعین) کا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مجھے کوئی ایسا صحابی یا تابعی معلوم نہیں کہ جس تک سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچ چکی ہو مگر اس نے اس کو قبول نہ کیا ہو۔

اور اگر کبھی کوئی مسلمان جناب سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر بھی وہ کام کرتا جس سے وہ حدیث منع کرتی ہے تو پھر اس کو اس قدر گستاخ سمجھا جاتا کہ اس کے ساتھ بول چال تک بند کر دی جاتی تھی حالانکہ

کسی بڑے سے بڑے مسلمان گنہ گار کے ساتھ بول چال بند کرنا درست نہیں سمجھا جاتا۔

مگر ایسا گستاخ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین کی نظر میں اب اس قابل بھی نہ ہوتا کہ اس کے ساتھ بول چال جاری رکھی جا سکے۔

جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ واقعہ موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کے باپ کا نام مغفل ہے نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ انگلیوں میں کنکریاں رکھ کر دوسروں کو مار رہا تھا۔ اس صحابی نے اس آدمی سے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے ساتھ کھیلنے سے روکا ہے اس لیے کہ اس سے نہ تو شکار ہو سکتا اور نہ ہی دشمن کو سزا دی جا سکتی ہے۔ البتہ اس سے یہ خطرہ ہے کہ کسی کا دانت توڑ ڈالے یا کسی کی آنکھ کو زخمی کر دے۔"

مگر اسی صحابی نے پھر ایک دن دیکھا کہ وہ آدمی اس طرح بیہودہ کھیل کھیل رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی۔ مگر تو پھر بھی وہی کام کر رہا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی بھی کلام نہ کروں گا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ایک صحابی خراش بن جبیر کا بھی ہے کہ انہوں نے مسجد میں ایک جوان کو یوں کھیلتے ہوئے دیکھا اور یہ حدیث سنائی۔ مگر وہ نوجوان باز نہ آیا تو اس صحابی نے فرمایا۔

میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نبی کی حدیث سنا رہا ہوں مگر تو پھر بھی وہ کام کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی کلام نہ کروں گا اور اگر تو میرے سامنے مر گیا تو تیرا جنازہ بھی نہ پڑھوں گا۔

بلکہ امام دارمی نے جو اسلام میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں امام دارمی کا نام عبداللہ ہے ۱۸۱ھ کو سمرقند میں ولادت ہوئی علم حدیث میں اپنے زمانہ کے مشہور محدث گزرے ہیں علماء حق کی طرح آپ جاہ اور منصب سے پرہیز کرنے والے تھے ایک مرتبہ سمرقند کی قضاء کا عہدہ آپ کو دیا گیا۔ مگر صرف چند دنوں کے بعد اس سے استعفاء دے کر علیحدہ ہو گئے۔ ۷۵ سال کی عمر میں ۲۵۵ھ کو سمرقند ہی میں وفات پائی۔"

ان ہی امام دارمی نے اپنی کتاب مسند دارمی شریف میں ایک علیحدہ باب بیان فرمایا جس کا نام یہ رکھا ہے باب عقوبة من بلغه عن النبي صلى الله عليه وسلم حديث فلم يعظمه ولم يوقره یعنی اس گستاخ کی دنیاوی سزا کے بیان کرنے میں جس کو سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچی مگر اس نے اس کا ادب اور تعظیم نہ کی۔"

بعض ایسے گناہ ہیں کہ ان کی دنیا میں ضرور سزا مل جاتی ہے ان ہی میں سے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی بے ادبی اور گستاخی بھی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی دی ہے کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور تابعی سعید جو کہ مسیب کے بیٹے ہیں ان کے پاس ایک آدمی آیا جو کچھ یا

عمرہ کے لیے رخصت ہو رہا تھا اور جانے والا تھا، اس وقت حضرت سعید مسجد میں تشریف فرما تھے اور اذان ہو چکی تھی حضرت سعید نے اس سے فرمایا کہ اب اذان ہو چکی ہے نماز پڑھ کر جانا اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اذان سن کر جماعت سے پہلے مسجد سے نکل جانے والا منافق ہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنا لیا کہ باہر میرے ساتھی منتظر ہیں یہ کہہ کر جماعت سے پہلے ہی نکل گیا اس کے یوں چلے جانے پر حضرت سعید بڑے متفکر تھے کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار نہ ہو جائے اتنے میں آپ کو خبر دی گئی۔ کہ وہ آدمی جاتے جاتے اپنی سواری سے گر پڑا جس سے اس کی ران ٹوٹ گئی۔ (مفتاح الجنۃ ص۴۲)

درس حدیث کا حکم دربار نبوت سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ اسلام اسی تعلیم کا نام ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دیتے ہیں قرآن کریم کی وہ تفسیر اور تشریح ہے جو سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ میں سے کچھ خوش نصیبوں نے تو اپنی زندگیاں ہی وقف کر دی تھیں وہ تو رات دن سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بھوک اور پیاس برداشت کرتے تھے کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے۔ مگر سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک منٹ کے لیے بھی جدا نہ ہوتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تو لقب ہی یہ تھا صاحب السواک، صاحب الوضو، صاحب الوسادہ یعنی جن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسواک شریف، وضو کا پانی اور تکیہ مبارک آپ کے مقدس اور پاکیزہ جوتے اٹھانے کا شرف حاصل تھا۔ جو صحابہ کرامؓ کھیتی باڑی یا کوئی کام کرتے تھے انہوں نے آپس میں باری مقرر کر لی تھی اگر ایک صحابی کام کرتا تو دوسرا دربار نبوت میں حاضری کا شرف حاصل کرتا۔ دوران کو آ کر اپنے اس دوست اور ساتھی کو وہ سب باتیں سنا دیا کرتا جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتیں یا آپ کے حالات دیکھے۔ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ہر فرد کے ذمے یہ بات لگا دی کہ وہ حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد کرے اور دوسروں تک بھی پہنچائے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اور یہ حدیث ہر ہر زمانے میں اس قدر مسلمانوں نے سنی اور سنائی کہ ان کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا یعنی یہ حدیث خبر متواتر ہے (مفتاح سیوطی ص۳) جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے بعد ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا۔

الا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب فرب مبلغ اوعیٰ من سامع۔	یاد رکھو جو حاضر ہیں تم میں سے یہ ان تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں اس لیے کہ بعض دفعہ سننے والے سے وہ زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے جس کو بات پہنچائی جاتی ہے۔

٭ ٭ ٭

نضر الله امرأ سمع منا حديثا فاداه كما سمعه فرب مبلغ اوعى من سامع۔ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ اس انسان کو سرسبز رکھے جس نے ہم سے حدیث سُنی اور اس کو اسی طرح دوسروں تک ادا کر دیا اس لیے کہ بعض دفعہ جن کو بات پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔

ان ارشادات میں ایک حدیث سننے اور سُنانے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سرسبز آباد اور شاداب رہنے کی دعا دی ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من تعلم حديثين اثنين ينفع بهما نفسه او يعلمهما غيره فينفع بهما كان خيرا من عبادة ستين سنة۔ (مفتاح الجنة ص)

ترجمہ جس نے (کم از کم) دو حدیثیں پڑھ لیں تاکہ خود ان سے نفع اٹھائے یا دوسروں کو تعلیم کرے تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں تو یہ کام ساٹھ سال کی (نفلی) عبادت سے بہتر ہے۔

کتنا بڑا اجر اور ثواب ہے کہ دو حدیثیں بھی یاد کرے اور دوسروں کو سکھا دے تو ایسے آدمی کا اجر و ثواب ساٹھ سال کی (نفلی) عبادت سے بہتر ہے۔ بات ظاہر ہے کہ عبادت کا ذوق اور شوق اور خود بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جھکانا نافرمانوں اور باغیوں کو اپنے مالک کا فرماں بردار بنانا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو آپ کے قدموں میں گرانا تب ہی تو ہو سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات سیکھیں اور اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی تو ہیں۔ آپ کا ہر قول ہر ارشاد یا تو کسی نیکی کی طرف لے جائے گا اور یا کسی برائی سے روکنے والا ہو گا کیونکہ آپ امت کے لیے آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے پارہ ۹ سورۃ اعراف آیت ۱۵۷ میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

ترجمہ: یہ نبی علیہ السلام اُن کو حکم دے گا جائز کاموں کا اور ان کو روکے گا بُرے کاموں سے۔

اس لیے امت کو حکم ہے کہ جس بات اور کام کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس کو مانو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ فرمایا۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر ۷)

ترجمہ۔ اور جو تم کو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے وہ لے لو اور جس سے روکے تو رک جاؤ۔

اور عبادت کا معنی تو بندہ بننا ہی ہے جب کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو باتیں بھی سن کر عمل میں لے آئیں اور دوسروں تک پہنچا دیں تو اس کو ساٹھ سال کی عبادت (جو کہ عموماً انسان کی عمر کا اوسط درجہ ہے) کا ثواب ملے گا یعنی گویا ساری عمر اس نے عبادت میں گزار دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا
من امر دینها بعثه الله یوم القیمة
فقیها وکنت له شافعاً وشهیداً
(مفتاح الجنۃ ص [illegible])

ترجمہ۔ جو میری امت میں سے کسی کو چالیس حدیثیں دین کے کام کی یاد کرا دے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عالم کی شکل میں اٹھائے گا اور میں اس کی شفاعت کرنے والا، اور اس پر گواہ ہوں گا۔

چنانچہ اُمت نے اس عبادت کو بھی اچھی طرح ادا کیا۔ اور ہر دور میں اربعین کے نام سے چالیس حدیثوں کا مجموعہ لکھا گیا بعض کتابیں صرف ایک ہی مسئلے پر ہیں جیسا کہ فضیلت جہاد پر چالیس احادیث درج کر دیں اور بعض مجموعی طور پر عقائد اور معاملات عبادات وغیرہا پر شامل ہیں۔ صرف دس کتابوں کے نام اور ان کے مرتب کرنے والے علماء حدیث کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اربعین۔ امام ابو بکر محمد بن ابراہیم اصفہانی جن کی وفات ۴۶۶ھ ہجری کو ہوئی۔

۲۔ اربعین۔ امام ابو بکر احمد بن الحسین مشہور امام بیہقی جن کی وفات ۴۵۸ھ ہجری کو ہوئی۔ اس مجموعے میں اخلاق کے متعلق چالیس حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔

۳۔ اربعین۔ شمس الدین محمد دمشقی جو کہ ابن طولون کے نام سے مشہور ہیں۔ چالیس حدیثیں صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہیں۔

۴۔ اربعین۔ ابو طاہر احمد بن محمد اصفہانی نے جمع کی ہے مگر اس کا یہ عجیب کمال ہے کہ چالیس حدیثیں ان چالیس اُستادوں سے سن کر جمع کی ہیں۔ جو علیحدہ علیحدہ چالیس شہروں میں رہنے والے تھے۔ آپ کی وفات ۵۷۶ھ کو ہوئی ہے۔

۵۔ اربعین۔ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ مشہور مفسر اور محدث جن کا شمار اُمت محمدیہ کے مجددوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ کی وفات ۹۱۱ھ ہجری کو ہوئی۔

۶۔ اربعین۔ ابو الفتوح محمد بن محمد ہمدان کے مشہور محدث اور سالک گزرے ہیں۔ اس کتاب میں ان چالیس حدیثوں کو جمع کر دیا ہے جو آپ نے چالیس استادوں سے سنیں اور ان میں سے ہر ایک حدیث علیحدہ

علیحدہ صحابی سے روایت ہے۔

۷۔ اربعین شام کے مشہور محدث محی الدین یحییٰ بن شرف الدین جوکہ امام نووی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام نووی کی وفات ۶۷۶ھ کو ہوئی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت شرف بخشا چنانچہ آج تک اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ (کشف الظنون)

۸۔ اربعین طوس کے محمد بن اسلم نے اس کتاب کو جمع کیا۔ یہ اللہ کے نیک بندے متقی بھی تھے اور اپنے وقت کے ابدال سمجھے جاتے تھے۔ ان کی وفات پر دس لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی محرم ۲۴۲ھ ہجری کو فوت ہوئے۔

۹۔ اربعین عبدالکریم بن ہوازن جوکہ نیشاپور کے تھے اور تصوف علم تفسیر میں امام قشیری کے نام سے مشہور تھے، یہ مجموعہ ان کے قلم اور علم کا نتیجہ ہے۔ ۴۶۵ھ ہجری کو وفات ہوئی۔

۱۰۔ اربعین۔ یہ چالیس حدیثوں کا مجموعہ ہے جوکہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن المعروف مولانا جامی نے جمع کی ہیں اور پھر ہر حدیث کی تشریح اور ترجمہ فارسی زبان کی رباعی میں کر دیا ہے یہ مختصر سا رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

(ف) سلطان عالمگیر اورنگ زیب نے بھی اربعین پر ایک کتاب جمع کی تھی۔ برصغیر میں علماء اسلام نے اس سعادت کو حاصل کیا خود الامام شاہ ولی دہلویؒ نے ایک مجموعہ مرتب فرمایا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک ہی سند کے ساتھ چالیس مختصر اور جامع احادیث موجود ہیں آپ کو اس کی روایت باسند کی اجازت آپ کے استاد حدیث ابوالطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھی۔ یہ چہل حدیث ہندوستان میں پہلی بار ۱۲۸۳ھ کو طبع ہوئی اور دوسری بار پشاور کے مولانا فضل صمدانی نے ۱۳۱۲ھ کو بمبئی پریس سے ۹ سال بعد شائع فرمائی۔ حضرت شیخ التفسیرؒ دور حاضرہ کے ولی کامل مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے گلدستہ صد احادیث نبوی مرتب فرمایا اس گنہ گار نے بھی ایک مجموعہ احادیث زاد آخرت اور ایک نجات دارین کے نام سے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ لکھا اور شائع کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادے اور اس گنہ گار کی آخری نجات کا ذریعہ فرمادے۔ آمین۔

خلاصہ یہ کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو امت تک پہنچانے کے لیے ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے چند نیک بندوں کو یہ سعادت عطا کر دی ہے جو آج تک جاری ہے اور آخرت تک جاری رہے گی۔

درس حدیث کی برکات

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید نے سب جہانوں کے لیے رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

تو جب آپ رحمت دو عالم بلکہ ہر عالم اور جہاں کے لیے رحمت ہیں تو رحمت کے ذکر سے رحمتوں کا نزول ہوگا جہاں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھی اور پڑھائی جائے گی۔ وہاں برکتیں نازل ہوں گی اور تکلیف اور غم سے نجات ملے گی۔ زمانہ اول سے لے کر آج تک مصیبت اور پریشانی کے وقت "بخاری شریف" کا ختم کیا جاتا ہے۔ اسلامی دنیا کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں آج تک کسی بھی پریشانی اور مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ذکر بابرکت سے اس مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں۔

۲۔ درس حدیث جب عام ہو جاتے لوگوں میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عام طور پر پھیل جائیں تو وہ دین حق سے پوری طرح واقف ہو جاتے ہیں۔ اور شیطانی وسوسے اور غلط عقیدے خود مٹ جاتے ہیں حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ:۔

فرشتے آسمان کی حفاظت کرتے ہیں کہ شیطان وہاں دخل انداز نہ ہو سکے اور درس حدیث دینے والے زمین کی حفاظت کرتے ہیں۔ کہ شیطان دخل انداز نہ ہو سکے۔

۳۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا جہاں درس ہوگا۔ وہ ویرانے آباد ہو جائیں گے۔ جن میں مسجدوں میں نمازی نظر نہیں آتے۔ وہ مسجدیں آباد ہو جائیں گی۔ آپ کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے وہ جامعیت اور جاذبیت عطا فرمائی ہے کہ جس کے دل میں ذرہ بھی ایمان ہو تو وہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے اختیار لپک جاتا ہے یہ بات عام طور پر مشاہدہ میں آچکی ہے کہ جہاں جہاں درس قرآن مجید اور درس حدیث دیا گیا ہے وہ جگہ آباد ہو گئی۔ لوگوں کا ادھر رجوع ہو گیا۔

پاکستان میں حدیث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اشاعت

اللہ تعالیٰ کے آخری اور ابدی دین الاسلام کی اشاعت کے لیے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب شہر مدینہ منورہ کو اسلام کے ابتدائی دور میں مرکزیت حاصل رہی خلافت راشدہ کے کچھ ہی ایام بعد عراق کو یہ سعادت یوں میسر آئی کہ خلفاء اسلام نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا اور اس طرح بغداد، کوفہ، بصرہ، نیشاپور کو علوم اسلامیہ کے منابع قرآن وسنت کی اشاعت کا خوب موقع ملا۔ حکمت خداوندی سے چند صدیوں کے بعد یہ سعادت مصر کو میسر ہوئی۔ نویں صدی ہجری تک مصر علوم نبوت کی اشاعت کی سعادت سے بہرہ ور رہا مگر دسویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ سعادت برصغیر ہندوستان کو عطا کی گئی (اس تمام سفر کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں یہاں خلاصۃ الخلاصہ عرض کر دیا گیا ہے)۔ برصغیر کے علماء کرام نے حدیث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصول کے لیے حرمین کے سفر کئے اور پھر برصغیر کے دارالحکومت دہلی سے اشاعت حدیث کا کام شروع فرمایا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تدریس حدیث کے ساتھ مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں تحریر فرمائیں ایک عربی زبان

میں اور دوسری مقبول ترین زبان فارسی میں ان کے خلف الصدق شاہ نور الحق دہلویؒ نے بخاری شریف کی ضخیم شرح تیسیر القاری فارسی میں مرتب فرمائی جب کہ ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسوّیٰ اور مصفّیٰ تحریر فرما کر عظیم خدمت سرانجام دی ان کے بعد تمام ازل نے خلیج شاہ ہارون پور رسہارن پور کے خطہ کو اس نور نبوت کے لیے چن کر عرب و عجم میں اشاعت حدیث کا شرف بخشا حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد صاحب مدنیؒ، محدث کبیر مولانا محمد زکریا صاحب مدنی اور مرتبین اعلاء السنن، محدثین دار العلوم دیوبند کا روحانی، علمی، دینی تعلق اسی سعادت مند خطہ کے ساتھ تھا۔ دار العلوم دیوبند کے شیخ الہند محمود حسنؒ کے حلقہ فیض سے علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور ان کے نامور تلمیذان با صفا علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی نے اس آسمانی ہدایت کو پھیلانے کی سعادت حاصل کی جانشین شیخ الہند شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی کے حلقہ درس سے کئی محدثین کرام فیض یاب ہوئے جن میں صرف ایک محدث کبیر مولانا عبد الحقؒ مؤلف حقائق السنن علمی، دینی روحانی لحاظ سے مستقل ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ نور اللہ قبورھم

ان جلیل القدر محدثین کرام نے تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیفی خدمات کے بیش قیمت خزانے امت کے لیے وقف عام فرمائے۔ صحیح بخاری کے حواشی اور شروح، صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم از علامہ عثمانی سنن ابی داؤد کی شرح بذل المجہود، سنن ترمذی کی شروح الکوکب الدری، العرف الشذی، معارف السنن، موطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک وغیرہا یہ وہ علمی، فقہی شاہکار ہیں جن کی نظیر اف ثانی کی ابتداء سے لے کر آج تک نہیں ملتی۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

تقسیم برصغیر کے بعد خداوند قدوس نے یہ سعادت ابناء دار العلوم دیوبند میں سے مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا عبد الحق نور اللہ قبورھما کو عطا فرمائی حضرت بنوری جو کہ حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید اور حضرت مدنی کے فیض یافتہ ہیں ترمذی کی شرح معارف السنن کے نام سے تحریر فرمائی جو کئی جلدوں میں ہے حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فرض کو ادا فرمایا جو مدنی برادری کے ذمہ تھا اور سنن ترمذی کی مبسوط شرح بنام حقائق السنن تالیف فرمائی جس کی پہلی ضخیم جلد طبع ہو چکی ہے اور باقی زیر طبع ہیں چونکہ برصغیر کی علمی زبان بھی اردو زبان ہے اور آج کل لٹریچر کا اکثر حصہ اردو ہی میں شائع ہو رہا ہے اور سلیس اردو عام فہم بھی ہے اس لیے حقائق السنن کی افادیت اس لحاظ سے زیادہ ہے بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا عبد الحقؒ حضرت مدنی کے عکس جمیل تھے عقائد، اعمال، اخلاق، عادات و اطوار سے لے کر حضرت کے علوم و فنون خصوصاً حدیث اور علوم حدیث کا حصہ وافر بلکہ کامل آپ کی قسمت میں تھا آپ ہی کے ایک شاگرد رشید کو اللہ تعالیٰ نے حسب ارشاد عارف رومی ؎

چوں باصاحب دل رسی گوہر شوی

حضرت کی خصوصی توجہات سے یہ مقام عطا فرمایا کہ عالم شباب ہی میں اپنے استاذ محترم کے علوم و فیوض کو مرتب کرکے شائع کرنے کی سعادت میسر ہوئی ہے جس کا مظہر علامہ ظہیر حسن نیموی کی مرتبہ کتاب آثار السنن ہے جسے ترکی کے سابق شیخ الاسلام عالم اسلامی کے بلند پایہ مفکر و محدث محمد زاہد کوثری م ۱۳۷۱ھ نے وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیا تھا اور اکابر علماء دیوبند حضرت علامہ انور شاہؒ و دیگر اکابر نور اللہ قبورہم نے اس پر نظماً و نثراً گراں قدر تقاریظ بھی ثبت فرمائی تھیں مگر عوام تو بجائے خود خواص کی علمی نظر سے بھی وہ اوجھل تھی۔ مولانا عبد القیوم حقانی نے اپنے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں پانچ سال اس کی تدریس کا شرف حاصل کیا اور اب اسے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ عام فہم اردو زبان میں بہ نام توضیح السنن عمومی فائدہ کے لیے شائع بھی فرما رہے ہیں جزاہم اللہ عن المسلمین والطلبۃ الکرام۔

اس گناہ گار کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حسن قبول سے نوازیں اور دیگر اہل قلم علماء کرام کو بھی فقہ حنفی کے اصل مقام سے عامۃ المسلمین کو متعارف کرانے کی سعادت بخشیں۔ واللہ ولی التوفیق

مخلص زاہد الحسینی

یوم الثلاثاء ۲۲/رجب/۱۴۱۴ھ

۷-۱۲-۹۳ء

امام نیمویؒ کے حالات اسلوب کتاب رموز واشارات
اور
کچھ توضیح السنن کے بارے میں

آثار السنن کے مؤلف حضرت العلامہ مولانا الامام محمد بن سبحان علی النیمویؒ کی کنیت ابوالخیر، شہرت ظہیر احسن اور تخلص شوق النیموی تھا۔ عارف باللہ شیخ سبحان علی صدیقی کے فرزند تھے، نیموی نیمی (گاؤں) (نون کے کسرہ یائے تحتانیہ کے سکون اور میم مکسور کے ساتھ) کی طرف منسوب ہے یہ ہندوستان کے مشہور شہر عظیم آباد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر مشرق کی جانب واقع ہے امام نیمویؒ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ بدھ کی صبح اپنے خانہ کے گھر جو صالح پور میں رہتی تھیں پیدا ہوئے صالح پور صوبہ بہار کا ایک دیہات ہے جہاں شیخ الاجل مخدوم الملک مولانا شرف الدین یحییٰ المنیری البہاری کا مزار شریف ہے جو بڑے اولیاء اور سلف صالحین سے تھے۔ امام نیمویؒ جید عالم، کثیر العلم، بڑے بردبار، وسیع النظر، عالی مرتبت محقق محدث، عظیم الاطلاع، وسیع المطالعہ، صدیقی النسب، یکتائے روزگار اور امام العصر تھے گندمی رنگ، نحیف بدن درمیانی قد اور داڑھی گھنی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی مسائل میں مشکل گتھیاں سلجھانے کا قوی ملکہ عطا فرمایا تھا اور فن عروض میں کافی مہارت تھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پیرو اور مقلد تھے۔

امام نیمویؒ کے مشائخ میں مولانا محمد عبداللہ غازی پوریؒ عظیم محدث، محمد سعید عظیم آبادی محقق العصر علامہ عبدالحی لکھنویؒ قطب زماں مولانا شاہ فضل الرحمن مرادآبادیؒ زیادہ مشہور ہیں انہوں نے اپنے شیخ حضرت مرادآبادیؒ سے بیعت کی تھی، ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ جمعہ کے روز عظیم آباد کے شہر میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت امام نیمویؒ کی مختلف علوم و فنون میں متعدد اور مفید تالیفات ہیں ان میں سب سے زیادہ عظیم شاہکار آثار السنن ہے آپ اس کی تسوید سے ۱۳۱۳ھ میں فارغ ہوئے جیسا کہ آپ نے خود اس کتاب کے پہلے صفحہ میں اس کی تصریح کی ہے آپ اس عزیز کتاب کو مکمل فرمانا چاہتے تھے۔ مگر تقدیر نے یاوری نہ کی تاہم انہوں نے اسے کتاب الصلوۃ تک مکمل فرمالیا تھا ان کی دیگر تالیفات یہ ہیں، حبل المتین فی الاخفاء بآمین، جلاء العینین فی ترک رفع الیدین، وسیلۃ العقبیٰ فی احوال المرضیٰ والموتیٰ، لامع الانوار، ادلۃ الجید فی بیان التقلید،

ازاحۃ الاغلاط، اور مثنوی سوز و گداز وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امام نیمویؒ نے عمدۃ العناقید فی حدائق بعض الاسانید میں لکھا ہے کہ انہوں نے جب شعبان المکرم ۱۳۱۹ھ میں محدث کبیر مولانا شاہ محمد عبدالحی لکھنویؒ کے پاس آثار السنن کے بعض اجزاء اس غرض سے بھیجے کہ ان سے اجازت حاصل کر لی جائے تو اسی سال شوال المکرم کے مہینہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر تشریف فرما ہیں چارپائی کی دوسری جانب ایک حسین وجمیل خوبصورت عورت ہے جیسے چودھویں کا چاند امرأۃ بیضاء کالبدر المنیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام نیمویؒ سے فرمایا اس ذات الاکرام عورت سے میرا نکاح کرا دو امام نیمویؒ فرماتے ہیں کہ میں اس عورت کے پاس گیا اور اس سے عرض کیا کہ میں نے تمہارا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا ہے اس نے مسکراتے ہوئے کہا قبلتُ (میں نے قبول کر لیا ہے) اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے مجھے بلایا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا اور کمرہ میں داخل ہوا پھر نیند سے بیدار ہو گیا مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے فہم کے مطابق اس خواب کی جو تعبیر نکالی سو نکالی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے امام نیمویؒ کے صاحبزادے مولانا محمد عبدالرشیدؒ فرماتے ہیں کہ امرأۃ بیضاء سے مراد احادیث صحیحہ آثار السنن ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس عورت کا مجھ سے نکاح کرا دو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث کی نسبت میری طرف صحیح ہے پھر امام نیمویؒ کا خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلے جانا اور حجرہ شریف میں داخل ہونا اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان کی موت قریب ہے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ خواب دیکھنے کی تھوڑی مدت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا امام نیمویؒ نے تعلیق الحسن میں ایک دوسرا خواب بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ سر پر اٹھائے ہوئے ہوں میں نے اس کی بھی یہ تعبیر نکالی کہ انشاء اللہ آپؐ کے علوم کا حامل بنوں گا پھر میں اس پر آمادہ ہوا کہ احادیث کے ساتھ مشغول ہو گیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آثار السنن کی تالیف کی توفیق دی۔

یوں تو گزشتہ کئی سال سے یہاں دار العلوم حقانیہ میں آثار السنن احقر کے زیر درس رہی اب کے بار تعلیمی سال کے آغاز میں بعض محنتی، ذہین اور زود نویس طلبہ نے یومیہ درس کی تقاریر ضبط کیں پھر ان کا معمول یہ رہا کہ روزانہ کی درسی تقریر کا مسودہ صاف کر کے عشاء کے بعد بغرض اصلاح میرے پاس لاتے پھر احقر ان پر نظر ثانی کرتا درسی تقریر میں بعض اوقات بات پھیل جاتی، اخلاقیات، اور حدیث کی روشنی میں قوم و ملت اور معاشرہ کے

۵ مختلف حالات بھی زیر بحث آتے اس طرح تحریری سانچے میں ڈھلنے کے بعد بات طویل ہو جاتی لہٰذا احقر نے طلبہ کی ضبط کردہ درسی تقاریر پر کام کرنے کے بجائے بغرض درس مطالعہ اور شروحات حدیث سے استفادہ کو محفوظ اور باقاعدہ ضبطِ تحریر میں لانے کا اہتمام کریں آثار السنن میں لائے گئے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث سے منقول احادیث کے متعلق سلف صالحین، ائمہ متبوعین، شارحین حدیث اپنے اکابر اساتذہ بالخصوص اکابر علماء دیوبند کے امالی سے ماخوذ افادات کو آثار السنن کی ترتیب پر مرتب کرتا رہا جواب توضیح السنن کے نام سے اس کی اردو شرح کے طور پر طالبانِ علوم نبوت کے حضور پیش خدمت ہے۔

احقر نے کوشش کی کہ تعلیق الحسن کے علاوہ اگر اس کی کوئی اور عربی شرح مل جائے تو اس سے بھرپور استفادہ ہو محدث شہیر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے آثار السنن پر تعلیقات سے متعلق پہلے سے علم تھا مگر اصل نسخہ دستیاب نہیں تھا مجلس علمی کراچی کے صدر عظیم مصنف معاشیات کے معروف سکالر حضرت العلامہ مولانا محمد طاسین مدظلہ العالی کی خدمت میں حضرت کشمیریؒ کے تعلیقات کے نسخہ سے متعلق خط لکھا تو انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا۔

نامۂ اخلاص ملا اور یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ آپ بخیریت دینی وعلمی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں بارک اللہ لکم وفیکم۔

آپ نے حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جس کتاب کے متعلق دریافت فرمایا ہے وہ کوئی الگ سے ان کی مستقل کتاب نہیں بلکہ علامہ النیموی کی کتاب آثار السنن پر لکھے ہوئے کچھ حواشی اور نوٹس ہیں جو بوقت مطالعہ مختلف اوقات میں حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمائے لیکن یہ نوٹس معروف معنوں میں نہ تو کتاب آثار السنن کی شرح ہیں نہ متن سے متعلق باقاعدہ حواشی ہیں، اور پھر یہ نوٹس طبعزاد قسم کے نہیں بلکہ اکثر نقول ہیں اور ہر ایک کے ساتھ کتاب کا حوالہ مذکور ہے، بہرحال یہ نوٹس بے پناہ وسعت مطالعہ اور غیر معمولی قوت حافظہ پر دلالت کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کو نوازا تھا، ان مختصر نوٹوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی تخریج ضروری ہے جو کافی مشکل اور محنت طلب کام ہے۔

کتاب آثار السنن کا مذکورہ نسخہ مجلس علمی افریقہ کے پاس محفوظ ہے ۱۳۸۷ھ میں زیروگرافی کے ذریعے لندن سے اس کی چند کاپیاں فوٹو کرائی گئیں اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص تلامذہ کو ایک ایک ہدیۃً دی گئی اب مجلس علمی کراچی کے پاس صرف ایک نسخہ موجود ہے

اس مسودۂ نسخہ کے شروع میں حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک صفحے میں اس کا ایک مختصر تعارف ہے جس سے مذکورہ حواشی نوٹس کی حقیقت و اہمیت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ میں اس کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں اس سے حقیقت حال کو سمجھنے میں ضرور مدد ملے گی۔

تازہ الحق میں آپ کا اداریہ پڑھ کر جو خوشی ہوئی بیان نہیں کر سکتا ماشاء اللہ خوب لکھا اور چونکہ میری سوچ بھی سو فیصد یہی ہے جو ادارے میں کارفرما ہے لہٰذا ایسا محسوس ہوا کہ گویا میری ترجمانی ہے۔

محمد طاسین عفی عنہ
۵ جولائی ۱۹۹۳ء

محدث العصر علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے لکھے ہوئے مقدمہ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے۔

نویں صدی ہجری کے بعد جب بلاد عربیہ میں علوم حدیث کے ساتھ شغف میں ضعف ظاہر ہونے لگا تو برصغیر منقسم ہندوستان کے علماء نے علم حدیث کی طرف خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ توجہ کی اور علوم حدیث میں جلیل القدر کتابیں تالیف کیں جن کی افادیت اور علوم نبوت کی روشنی ہمیشہ زمانہ کے جبین پر باقی رہے گی۔ پھر ان میں سے ایک جماعت نے امہات کتب حدیث و سنت کے احادیث صحیحہ کے ذوق حدیث اور اس کی فقہ بالخصوص مذہب حنفی کے ساتھ تطبیق میں امتیاز حاصل کیا۔ انہی علماء میں سے ایک عظیم محدث شیخ ظہیر احسن نیموی بہاریؒ ہیں۔ حدیث کا شغل رکھنے والے بعض علماء نے فقیہ الامت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل کو مطعون کیا کہ یہ احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں، تو شیخ ظہیر احسن مجیبہ ہوئے اور کتاب العمدۃ للمقدسیؒ، المنتقیٰ لابن تیمیہ، بلوغ المرام للحافظ ابن حجر اور ان کی طرح اور کتب مؤلفہ دربارہ احکام کے طرز کی کتاب تالیف کی جس میں امام اعظم کے مذہب کے مطابق صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا اور اس کا نام آثار السنن رکھا۔

مگر وہ اپنی اس عظیم کاوش کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ پھر انہوں نے خود اس پر متین علمی و تنقیدی تعلیقات کیں جس کا نام تعلیق الحسن رکھا۔ مؤلف کتاب کا جب بھی کچھ حصہ تالیف کرتے تو محدث کبیر امام العصر شیخ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ جو تبحر علمی، دقت نظر، معتدل ذوق سلیم اور بصیرت نافذہ کے ساتھ فقہاء امت کے مذاہب کے بارے میں وسیع

معلومات رکھنے میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اپنی جوانی کے ابتدائی دور میں ہی اطراف ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے ان کی علمی عظمت، حدیث سے شغف و تعلق، اخذ و استنباط کا شہرہ چہار دانگ میں پھیل چکا تھا۔

حضرت کشمیریؒ اس کتاب سے متفق تھے جیسا کہ انہوں نے نیل الفرقدین میں ذکر کیا ہے بے شک حضرت الشیخ اس کتاب سے بہت خوش تھے اور اس کا اسلوب ان کو بہت پسند تھا۔ جب کتاب کی طباعت مکمل ہوئی تو کتاب لے کر اس کا مطالعہ کیا اور اس پر دلائل، ابحاث نکات اور فوائد کا اضافہ کیا۔

حضرت کشمیریؒ اس کے حاشیہ پر لکھتے۔ کبھی کتاب کی سطروں میں جو اس باب کے مناسب ہوتا۔ مطالعہ کے دوران جب بھی موضوع سے متعلق کوئی بات آتی تو اس کی عبارت نقل کرتے یا حوالہ کی طرف اشارہ اور صفحہ نمبر کے ساتھ نوٹ کرتے۔ اگر کتاب مطبوعہ ہوتی۔ اور غیر مطبوعہ کتاب ہوتی تو کبھی اس کے الفاظ نقل کرتے کبھی اشارات کے ساتھ محفوظ کرتے یا کہیں تائید یا تردید نظر آتی تو وہیں لکھ لیتے۔ یہاں تک کہ کتاب کا صفحہ باریک نقش و نگار کا مرقع بن جاتا بہر حال اس کتاب کے حواشی میں عمدہ اور عجیب افکار آ گئے۔

اور میں بھی کچھ زمانہ حضرتؒ کے ارشاد پر ان حوالوں اور عبارات کی تخریج میں مشغول رہا۔ تو کتاب کے ایک صفحہ کی تخریج نے کئی اوراق بھر دیئے حضرت رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ اگر یہ تخریجات طبع ہو گئیں تو اہل علم کو بہت فائدہ ہو گا۔

پس یہ حضرت الشیخ کشمیری کی یادداشت ہے۔ جس کا نمونہ حضرت الشیخ کے قلم سے اور خط سے اپنی علمی عظمت اور نفاست کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہے اور مجلس علمی نے مملکت مغربی اسلامیہ کے پایہ تخت سے اس کتاب کو اپنی اصلی صورت میں پیش کیا تاکہ امام جلیل کی یاد باقی رہے اور اس کے جلیل القدر کارناموں کو دوام ملے۔ اور آپ کی قابل فخر خدمات، آپ کے آثار علمیہ کی حفاظت اور امت مسلمہ کو نفع حاصل ہو سکے۔

کتبہ الفقیر محمد یوسف البنوری ۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

امام نیمویؒ اکثر مقامات پر ماخذ کی تصریح کے بجائے علامات پر اکتفا کرتے ہیں شیخان سے مراد بخاری اور مسلم ہیں لفظ ثلاثہ سے مراد ابوداؤد نسائی اور ترمذی ہوتے ہیں الادیب

ہیں مذکورہ تینوں کے ساتھ ابن ماجہ شامل ہے الخمسہ کے مصداق میں اربعہ مذکورہ سمیت احمد بھی شریک ہیں الستہ کا اطلاق اربعہ مذکورہ مع الشیخین پر ہوتا ہے الجماعۃ سے مراد اصحاب کتب ستہ ہیں ـــــ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ شیخین کے ساتھ دیگر مخرجین حدیث کا ذکر نہیں کرتے ـــــ بعض اوقات بعض مخرجین حدیث کا ذکر کرکے "وآخرون" کے الفاظ لاتے ہیں جن کی مراد اُن مخرجین کے علاوہ دیگر اصحاب تخریج ہوتے ہیں برابر ہے کہ وہ الجماعہ سے ہوں یا ان کے علاوہ دیگر حضرات ہوں مثلاً امام مالکؒ امام شافعیؒ دارمی، ابن حبان امام طحاوی، طبرانی الدارقطنی، الحاکم البیہقی وغیرہ۔ اور جب امام نیمویؒ مختلف اصحاب تخریج کے اسماء یا القاب پر تصریح کرتے ہوئے ان کی طرف کوئی حدیث منسوب کرتے ہیں تو اس صورت میں حدیث کے الفاظ اُن میں سے اول کے لیے ہوتے ہیں اسی طرح حدیث کی صحت کا حکم بھی دوسروں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی روایت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جب کسی علامت پر اکتفا کرتے ہوئے اگر وہ الجماعہ یا الستہ یا الشیخان کہتے ہیں تو لفظِ حدیث ان میں سے ایک کا ہوگا اور اگر ان کے علاوہ وہ کسی اور علامت کا ذکر کرتے ہیں تو لفظ حدیث ان میں سے کسی ایک کا ہوگا مگر حدیث کی صحت کا حکم ان تمام کے اسانید یا ان میں سے بعض کے اسانید کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جب کسی حدیث پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو یہ حکم ان حضرات میں سے ہر ایک کی روایت کے اعتبار سے ہوتا ہے جن کی طرف وہ حدیث کو منسوب کردیتے ہیں۔

توضیح السنن نہ تو میرا کوئی کمال ہے نہ علمی کارنامہ، نہ تاریخی شاہکار، نہ کوئی نئی تحقیق ور نہ کوئی جدید شرح نہ اپنی رائے اور نہ جذبات جو کچھ بھی ہے سب اپنے اکابر اور سلف صالحین کے حدیثی افادات کی تالیف اور آثار السنن کے احادیث کے مطابق ترتیب جدید ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمتوں کو اس کی حکیم و خبیر ذات جانتی ہے رب قدیر کی قدرت کاملہ جس سے چاہے جو کام چاہے لے لے اس کا ارادہ ہی ہر چیز کا وجود اور اس کا فضل ہی ہر خیر کا سبب ہے، سچ ہے ؎

دادِ او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

بارہا نادانوں سے وہ کام لے لیا گیا کہ دانا بھی حیران رہ گئے کچھ یہی صورت حال اس ناچیز کے ساتھ

بھی ہے بس اِسے خدا کا فضل اور صرف اسی ہی کی نظرِ عنایت اور توفیقِ ازلی کہیے ورنہ ع

بہائے خویش مے دانم بہ نیم جو نمے ارزد ست
نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
بچہ حیرتم کہ دہقاں بہ چہ کار کشت مارا

شرحِ حدیث کے وقت صحاحِ ستہ مصنفات و مسانید بھی پیشِ نظر رہے خصوصاً احادیثِ احکام سے ذیل میں آثارِ صحابہ، فتاویٰ "تابعین اور اقوالِ اکابر محدثین کو بھی زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہمارے حضراتِ اساتذہ کرام اور اکابر علماء دیوبند کی درسی خصوصیات میں یہ بھی نمایاں خصوصیت تھی کہ احادیثِ احکام کے ذیل میں شرحِ حدیث کے ساتھ بیانِ مذاہب اور ہر مذہب کے مؤیدات اور ترجیحات کا ذکر فرماتے تھے سیدی واستاذی و وسیلتی الی اللہ تعالیٰ المجید امیر المؤمنین فی الحدیث محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ قدس سرہ العزیز نے قدیم محدثانہ رنگ کی تجدید فرماتے ہوئے اس طرزِ تحقیق کو اور زیادہ مستحکم کیا ان کا درسِ حدیث قدیم محدثین کے طرز سے ملتا جلتا تھا۔ ان کی نظر زمانہ رسالت صحابہؓ و تابعینؒ سے گذر کر ائمہ مجتہدینؒ و اکابر محدثینؒ سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی جس کا صحیح اندازہ آپ کی حقائق السنن سے ہو سکتا ہے توضیح السنن میں بھی حضرتؒ ہی کے طرزِ تدریس کو اپنایا گیا ہے تاکہ تمام درجات کے طلبہ اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق استفادہ کر سکیں۔

توضیح السنن کی پہلی جلد مکمل ہو چکی تھی کہ مشہور محدث علامہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ صاحب تحفۃ الاحوذی کی ابکار المنن فی تنقید آثار السنن بھی دستیاب ہو گئی لہذا مناسب یہی سمجھا گیا کہ جلد ثانی کی تکمیل کے بعد اس کے ساتھ بطور ضمیمہ کے مولانا مبارکپوریؒ کے اعتراضات کی حقیقت اور جوابات بھی شامل کر دیئے جائیں اور ایک خیال یہ بھی آتا ہے کہ آثار السنن کی احادیث کے اسناد میں جن رواۃ اور صحابہ کرام کا تذکرہ ہے ان کے اجمالی حالات بھی لکھ دیئے جائیں تو طلبہ حدیث کے لیے زیادہ نفع رہے گا لہذا فی الحال خیال یہی ہے کہ ابکار المنن کی تنقید کے جوابات اور رواۃ حدیث کے حالات پر مشتمل مضامین کو مستقل جلد ثالث میں مرتب کر کے شائع کیا جائے گا واللہ ولی التوفیق و ہو ارحم الراحمین

اپنے اولین مربیین اور اساتذۂ حدیث کا ممنون ہوں جن کے افادات اور تعلیمات توضیح السنن کی تالیف میں

ترتیب کا اصل ماخذ ہیں محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز بانی دارالعلوم حقانیہ متکلم العصر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبویؒ صدر المدرسین[1] فقیہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی محدث العصر حضرت العلامہ مولانا محمد حسن جان صاحب مدظلہ العالی (حال) شیخ الحدیث امداد العلوم پشاور، دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم ثانی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، شہید علم حضرت مولانا محمد علی سواتی مرحوم سے احقر نے دورہ حدیث پڑھا احقر کی تمام دینی مساعی اور تصنیفات و تالیفات میں اپنے اولین درجات کے اساتذہ کرام کی طرح ان تمام حضرات کا بھی برابر کا حصہ ہے یہی احقر کے لیے دنیا میں استناد اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے واجرہم علی اللہ۔

اپنے محسن و مربی استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں جنہوں نے احقر کے تدریسی شغل کی طرح تصنیفی اور تحریری کام میں بھی روز اول سے تاہنوز ہمہ جہتی توجہ کے ساتھ کمال شفقت سے رہنمائی فرمائی اور جب توضیح السنن جیسے موقر اور مقدس کام کا مرحلہ آیا تو انہوں نے ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر کے آخری اور کام کے لحاظ سے شدید ایام میں جس طرح اپنا ذاتی مکان میرے لیے وقف کر دیا تھا توضیح السنن جلد اول کی تکمیل کے آخری مراحل تک دیگر ہمہ جہتی رہنمائی کے ساتھ ساتھ کام کی اہمیت و مناسبت اور ضرورت کے مطابق اسی مکان کی خلوت گاہوں میں مجھے اخذ و استفادہ اور تحریر و تسوید کی سہولتیں حاصل رہیں واجرہم علی اللہ

○ اسلامی معاشیات کے معروف سکالر حضرت العلامہ مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ صدر مجلس علمی کراچی جنہوں نے آثار السنن کے بارے میں حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے تعلیقات و تخریجات اور بنیادی کام کے بارے میں رہنمائی فرمائی آثار السنن پر کام کرنے کی بھرپور تشویق اور ترغیب دی۔

---

[1] برادر مکرم ادیب ذیشان حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدظلہ نے ۲۱۱ صفحات پر مشتمل حیات صدر المدرسین کے نام سے ان کی مستقل سوانح اور جامع تذکرہ مرتب فرمایا ہے جس میں ان کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف، حالات زندگی، کمالات و خصوصیات، علمی و دینی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف آگیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف حضرت مرحوم کی سوانح حیات ہے بلکہ دارالعلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے، جو ادارۃ العلم والتحقیق سے دستیاب ہے۔

توضیح السنن کے ابتدائی خاکے سے لے کر آخری مراحل تک ان کی اس بزرگانہ شفقتوں اور اصاغر نوازی پہ ممنون اور شکر گزار و دعا گو ہوں کہ اللہ پاک انہیں اجر جزیل سے نوازے

○ صدیقی ٹرسٹ کراچی کے بانی و چیئرمین جناب الحاج محمد منصور الزمان صاحب صدیقی کا بھی ممنون اور دعا گو ہوں کہ وہ روز اوّل سے میری تمام تالیفات و تصنیفات کی اشاعت و تقسیم میں ذاتی دلچسپی لیتے ہیں توضیح السنن میں تو ان کی مفید تجاویز اور بعض عملی تجربات بے حد نافع رہے جس سے ناچیز مؤلف کا حوصلہ بڑھا واجرھم علی اللہ۔

حضرت العلامہ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ دارالعلوم نورالاسلام حاجی شاہ ضلع اٹک نے اپنے انتظامی، علمی اور تدریسی مشاغل کے باوصف توضیح السنن کے کتابت شدہ مضامین کو از اوّل تا آخر نظر عمیق سے دیکھا مولانا موصوف اس سے قبل طویل مدت تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریس اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے ساتھ تعلیق الصبیح میں بھی کام کر چکے ہیں۔ انہوں نے تمام مضامین کی تصویب فرمائی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا اللہ پاک انہیں اس شفقت و احسان کے بدلے اجر عظیم سے نوازے۔

توضیح السنن کی تالیف میں حضرت مولانا ذاکر حسن نعمانی رفیق ادارۃ العلم والتحقیق برادرم حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبزادہ حافظ راشد الحق مولانا قاری احسان الحق مولانا عتیق الرحمٰن، مولانا قاری احتشام الحق برادرم مشتاق احمد لیبا دری اور مولانا محمد سلیم سواتی سے مخلصانہ تعاون کا ممنون ہوں انہوں نے حوالہ جات کی تخریج طویل عربی عبارتوں کے اخذ و نقل اور پروف ریڈنگ کے صبر آزما کام میں بھرپور تعاون کیا۔ حضرت العلامہ مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ نے اپنا اردو ترجمہ کتاب میں شریک کرنے کی باقاعدہ اجازت دے کر بڑی وسعت ظرفی اور علم پروری کا ثبوت دیا اللہ کریم اس تعاون عظیم پر انہیں شایان شان جزائے خیر سے نوازے حضرت العلامہ مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ نے بھی احادیث کا تحت اللفظ ترجمہ اخبار السنن مرحمت فرمایا دوسری جلد میں اس سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔

عزیز القدر حافظ محمد صفی اللہ افغانی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے توضیح السنن سے متعلقہ امور سمیت ذاتی طور پہ بہت سے میرے علمی اور تصنیفی کاموں میں ہاتھ بٹایا انتظامی امور ضیافات کی خدمت اور ملک و بیرون ملک ادارۃ العلم والتحقیق کے مطبوعات کی ترسیل اور ڈاک وغیرہ کے امور میں مجھے بے غم رکھا واجرھم علی اللہ۔

عبدالقیوم حقانی
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

مولانا عبدالقیوم حقانی کی شاہکار تصنیف

اربابِ علم و کمال اور پیشۂ رزقِ حلال

مشاہیر زعماء اور اکابر علماء اُمت کی نظر میں

- ○ اس کتاب سے علم اور اہل علم کی عزت بڑھے گی نسلی امتیازات اور قومی عصبیتوں کا خاتمہ ہوگا۔ (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق)
- ○ ہماری معلومات کی حد تک اس موضوع پر مستقل تصنیف جدید طرز تحریر اور دلچسپ انداز تعارف میں مولانا عبدالقیوم حقانی کو سبقت اور اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید)
- ○ اسکی اہم خوبی زبان کی دلکشی انداز و اسلوب کی رعنائی طرز تحریر کی سلاست، روانگی اور شگفتگی ہے۔ (مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ)
- ○ علامہ سمعانیؒ سے ملاقات کا تریاق ملت کے احیاء و بقاء کا سبب بن سکتا ہے۔ (مولانا افتخار فریدی بھارت)
- ○ کسب حلال صدقِ مقال حُسن اعمال اور خیر المآل کا حسین امتزاج اور گرانقدر علمی تحفہ۔ (حضرت علامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی)
- ○ کتاب اتنی دلچسپ کہ مطالعہ مکمل کیے بغیر دوسرا کام نہ کر سکا۔ (حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی)
- ○ مولانا عبدالقیوم حقانی نوجوان علماء میں بحمد اللہ موفق من اللہ ہیں انداز تحریر سلیس، دلکش اور نکھرا ہوا ہے اس کتاب میں جدید طرز اور اچھوتے انداز میں اپنے موضوع کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ (مولانا محمد یوسف لدھیانوی)
- ○ "الانساب" کے نادر موضوعات کا خلاصہ اور نچوڑ۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان ایم اے)
- ○ پاکستان میں دو شخصیتوں کیلئے خصوصیت سے دعا کیا کرتا ہوں جن میں ایک "ارباب علم و کمال" کے مصنف مولانا عبدالقیوم حقانی ہیں۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر)
- ○ یہ کتاب بہترین معلومات کا ذخیرہ اور عجائب و غرائب کا مجموعہ ہے پھر اس پر حقانی صاحب کی تحریر سونے پر سہاگہ۔ (مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی)
- ○ ایک بہترین نرالی اور شاہکار تصنیف۔ (مولانا حافظ انوار الحق نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ)
- ○ عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق اردو دان طبقہ کیلئے ایک انمول تحفہ، اس سے علامہ سمعانیؒ کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔ (مولانا محمد ابراہیم فانی)
- ○ فن اور موضوع کے اعتبار سے تاریخ کی سب سے پہلی منفرد اور شاہکار تصنیف۔ (مولانا محمد ازہر مدیر "الخیر" ملتان)
- ○ "ارباب علم و کمال" دیکھ کر مسرت کی حد نہ رہی مصنف نے اس ناکارہ کی دیرینہ آرزو کی ترجمانی کر دی اور اس دور کے علماء پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ (مولانا عبدالرشید الہندی مکۃ المکرمہ)
- ○ علمی، دینی اور تاریخی اہمیت کی حامل تالیف جس میں سلاست، روانی اور اسلوب کی دلکشی بدرجہ اتم موجود ہے۔ (جناب محمد صلاح الدین مدیر تکبیر)
- ○ مجھے اس مبحث نے ایسا کھینچا کہ میں کئی ابواب پڑھ ڈالے اور ابھی اطمینان سے پھر پڑھنا چاہتا ہوں۔ (جناب نعیم صدیقی مدیر ترجمان القرآن)
- ○ توصیفی سند CERTIFICATE OF COMMENDATION (نیشنل بک کونسل پاکستان)

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ، سرحد، پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدك يا من جعل صدورنا مشكاة لمصابيح الأنوار، ونوّر قلوبنا بنور معرفة معاني الآثار، ونصلي ونسلم على حبيبك المجتبى المختار، رسولك المبعوث بصحاح الأخبار، وعلى آله الأخيار، وأصحابه الكبار، ومتبعيهم الذين اختاروا سنن الهدى واستمسكوا بأحاديث سيد الأبرار۔

أما بعد فيقول الخادم للحديث النبوي محمد بن علي النيموي: إن هذه نبذة من الأحاديث والآثار، وجملة من الروايات والأخبار، انتخبتها من الصحاح والسنن والمعاجم والمسانيد، وعزوتها إلى من أخرجها، وأعرضت عن الإطالة بذكر الأسانيد، وبينت أحوال الروايات التي ليست في الصحيحين بالطريق الحسن، وسميت هذا الكتاب مستخيرا بالله تعالى بآثار السنن، أسأله أن يجعله خالصا لوجهه الكريم، ووسيلة إلى لقائه في جنات النعيم۔

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے وہ ذات جس نے ہمارے سینوں کو نوری چراغوں کے لیے طاق بنایا اور ہمارے قلوب کو احادیث کے معانی کے انوار سے منور فرمایا اور ہم صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں آپ کے مقرب اور پسندیدہ محبوب اور اخبار صحیحہ کے ساتھ بھیجے ہوئے فرستادہ رسول پر اور آپ کی نیک آل اصحاب کبار اور ان کے متبعین پر جنہوں نے ہدایت کے راستوں کو اختیار کیا اور سید الابرار کی احادیث کو استدلال کے لیے مضبوط پکڑا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد احادیث نبویہ کا خادم محمد بن علی النیموی عرض کرتا ہے کہ یہ احادیث وآثار کا کچھ حصہ اور روایات واخبار کا مجموعہ ہے جو میں نے صحاح سنن، معاجم اور مسانید سے انتخاب کیا ہے اور میں نے ان احادیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کیا ہے جنہوں نے ان کی تخریج کی ہے اور میں نے سندات ذکر کرکے تطویل سے اعراض کیا ہے اور جو روایات صحیحین میں نہیں ہیں ان کے احوال احسن طریق پہ بیان کر دیے ہیں میں نے اس کتاب کا نام استخارہ کرکے آثار السنن رکھا اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسے اپنی کریم ذات کے لیے خالص اور جنات نعیم میں اپنی ملاقات کا ذریعہ بنا دے۔

کِتَابُ الطَّهَارَۃِ

بَابُ الْمِیَاہِ، (۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں جو کہ جاری نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرے یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

کتاب الطہارۃ۔ فقہاء اور محدثین حضرات مختلف انواع کو کتاب، ہر نوع مختلف بالصنف کو "باب" سے تعبیر کرتے ہیں جب ایک ہی مسئلہ سے متعلق بحث ہو تو اسے "فصل" کہتے ہیں۔

الطہارۃ | **لغوی تعریف**:۔ طہارت مصدر ہے بمعنی "النظافة والنزاهة من كل عيب حسي او معنوي۔" الطهر بالضم نقيض النجاسة اور بالفتح اسم لما يطهر من الماء اور بالكسر مايطهر به يعني آلة النظافة کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں "استعمال المطهرين (اي الماء والتراب) على الصفة المشروعة في ازالة النجاسة الحقيقية او الحكمية" کو کہتے ہیں۔

وجہ تقدیم کتاب الطہارۃ | یوں تو آثار السنن مختلف مضامین اور مباحث پر مشتمل ہے احکام شریعت بھی ایک مضمون ہے جنکی اطاعت بندوں پہ لازم ہے احکام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عبادات (۲) معاملات۔ عبادات کو معاملات پر رتبۃً عقلاً و نقلاً تقدم حاصل ہے کہ عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور معاملات کا حقوق العباد سے، حقوق اللہ کی حقوق العباد پر تقدیم اور فضیلت امر مسلّم ہے طہارت چونکہ عبادت کے لیے شرط اور موقوف علیہ ہے اس لیے مصنف نے صلوٰۃ سے قبل طہارت کے

مسائل بیان کئے اپنے بعض اساتذہ کرام نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

طہارۃ کی دو قسمیں

طہارۃ کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی، طہارۃ باطنی جسے ہم ایمان سے تعبیر کرتے ہیں بعض محدثین کرام مثلاً امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کو "کتاب الایمان" سے شروع کیا ہے، اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ طہارۃ باطنی مقدم ہے مگر ہمارے مولف حضرت نیمویؒ اور بعض اکابر محدثین مثلاً امام ترمذیؒ وغیرہ نے طہارۃ (جو نماز کے شرائط سے ہے) سے اپنی کتابوں کو شروع کیا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ ہماری کتابوں کو پڑھنے والے مومنین و مسلمین ہیں لہٰذا ایمان تو یقیناً ان کے قلب میں پہلے سے راسخ ہے لہٰذا اہم العبادات صلوٰۃ کے شرائط سے بحث شروع کردی تاکہ احکام پر عمل آسان ہو۔

۱۔ یہ حدیث احناف کی مستدل ہے ایک روایت میں "ثم یتوضأ" اور ایک دوسری روایت میں "ثم یشرب" —————— کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

ماءِ دائم

ماءِ دائم سے مراد ایسا پانی ہے جو کم اور عادۃً منقطع نہ ہوتا ہو جس کی دو صورتیں ہیں (۱) پانی چشمہ دار ہو اور اوپر سے جتنا پانی نکالا جائے نیچے سے مزید پانی آکر اس کی جگہ لے لے (۲) یہ ایک بڑا تالاب ہو جس میں ایک طرف سے پانی داخل اور دوسری جانب سے خارج ہوتا ہو۔

ماءِ جاری

کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی جو ایک تنکے یا دو تنکوں کو بہا لے جائے یا اگر اس سے چلو بھر لیا جائے تو اپنی جگہ فوراً پانی سے بھر جائے اور دوسرا چلو بھرنے سے پہلے ہی نجاست بہا کر لے جائے۔

(۲) ایسا کثیر پانی جس کے ایک جانب وقوعِ نجاست سے دوسرا جانب متاثر نہ ہو سکے ماءِ جاری وقوعِ نجاست سے تب نجس ہوتا ہے جب اس کے اوصافِ ثلٰثہ (لون، طعم، رائحہ) میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہو جائے یہاں بحث ماءِ جاری سے نہیں ماءِ راکد سے ہے جو بارش کے بعد صحراؤں کے گڑھوں، بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہو جاتا ہے جس کے بہہ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی بالآخر وہ سورج کی تپش اور زمین میں جذب ہونے سے خشک ہو جاتا ہے۔

یوں تو ماءِ دائم کا اطلاق دونوں پانیوں جاری اور راکد پر آتا ہے مگر حدیث میں ماءِ دائم کے ساتھ "الذی لا یجری" کی صفت سے "ماءِ راکد" ہی متعین ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے "البول فی ماء الراکد" کا ترجمۃ الباب قائم کرکے اس کے تحت یہی روایت "لا یجری" والی نقل کی ہے امام ترمذیؒ نے یہی حدیث نقل کرکے "کراھیۃ البول فی الماء الراکد" کا ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے۔

وجہ ممانعت

جب پانی راکد ہو جاری نہ ہو تو اس میں غسل یا بول سے نجاست کے اجزاء مل جاتے ہیں پھر اس کا استعمال گویا مخلوط اجزاءِ نجاست کے استعمال کو مستلزم ہے جو شرعاً

۲ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ نَہٰی اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَآءِ الرَّاکِدِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

---

۲ ۔ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

حرام ہے۔ اگر پانی جاری ہو تو نجاست کے اجزاء باقی نہیں رہتے بلکہ بہہ جاتے ہیں۔

الفاظ حدیث "لَا یَبُوْلَنَّ" میں نون تاکید ثقیلہ نہی کو اور بھی مؤکد کر دیتی ہے بعض دوسری روایات میں "لا یغتسلن" کے الفاظ منقول ہیں۔

شوافعؒ اور موالکؒ کا رد (۱) امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ وقوع نجاست سے جب تک پانی کے احد الاوصاف الثلاثہ متغیر نہ ہو جائیں پانی نجس نہیں ہوتا۔

(۲) امام شافعی قلتین کی تحدید کرتے ہیں فرماتے ہیں جب پانی قلتین تک پہنچ جائے تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ حدیث باب میں دونوں پر رد ہے اگر مطلقاً وقوع نجاست سے پانی ناپاک نہ ہوتا تو شارع علیہ السلام بھی "یبول فی الماء" سے نہی نہ فرماتے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجاستِ ماء نہ تو تغیر اوصاف میں منحصر ہے اور نہ ہی قلتین کی تحدید میں اگر قلتین کی تحدید صحیح ہوتی تو اس حدیث میں بھی قلتین کا استثناء مذکور ہوتا اور الفاظ حدیث یوں ہوتے۔ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم غیر القلتین۔

۲ ۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے جسے امام مسلمؒ نے "صحیح" میں نقل کیا ہے اور جو پہلی حدیث کی مؤید اور حنفیہ کا مستدل ہے۔

داؤد بن علی الظاہریؒ کا عجیب مسلک امام نووی نے شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۸ پر داؤد بن علی الظاہری کا یہ عجیب مسلک نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک نہی صرف پانی میں بول کرنے سے ہے (ا) گر ماء راکد کے قریب بول کیا جائے جو بہہ کر پانی میں چلا جائے (ب) یا برتن میں بول کر کے ماء راکد میں ڈال دیا جائے (ج) یا پاخانہ کر دیا جائے کوئی حرج نہیں (د) ایسے ہی اگر غیر انسان کا بول ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔

ظاہریہ کی رد احکام الاحکام جلد ۱ صفحہ میں ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ داؤد بن علی الظاہری کا قول بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ بول ہی کی وجہ سے پانی متاثر ہوتا ہے بول کا وقوع ہی اس کی

۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پیئے تو اسے سات بار دھوئے یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

نجاست کی علت ہے خواہ وہ پانی کے اندر کیا جائے برتن میں کر کے ڈالا جائے یا قریب کیا جائے کہ وہ بہ کر شریک ہو جائے تمام صورتوں کا ایک ہی حکم ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے بہر حال جس طرح ماء راکد کے اندر بول کرنا حرام ہے اسی طرح اس کے پاس کرنا جو بہ کر پانی میں چلا جائے یا پیالے میں کر کے ماء راکد میں ڈال دیا جائے۔ پاخانہ کیا جائے یا غیر انسان کا بول ہو سب حرام ہیں۔

۳۔ احناف حضرات کا مسلک ہے کہ مطلقاً وقوع نجاست سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے حنفیہ تغیر اوصاف یا تحدید قلتین کی شرط نہیں لگاتے یہ حدیث بھی احناف کا مستدل ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے دھویا جائے اور ظاہر ہے کہ برتن میں پانی کی مقدار قلتین اور تالاب سے بہت تھوڑی ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کتے کے منہ ڈالنے سے نہ تو پانی کا رنگ بدلتا ہے نہ ذائقہ اور نہ رائحہ۔ مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو تو ناپاک قرار دیا ہے ہی، برتن کو بھی ناپاک قرار دے کر اسے مانجھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

حافظ ابن حجر کا استدلال حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (ا) کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ نجاست کا حکم اپنے محل سے "ما یجاورها" کو متعدی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مائع ہو۔

(ب) دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مائعات کے کسی جزء میں وقوع نجاست ہو تو وہ نجس ہو جاتے ہیں۔

(ج) وہ برتن بھی نجس ہو جاتا ہے جو مائعات سے متصل ہو۔

(د) ماء قلیل مطلقاً وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا احد الاوصاف متغیر نہ ہوا ہو۔

امام مالکؒ پر حجت یہ حدیث بھی امام مالکؒ پر حجت ہے کیونکہ حدیث میں صراحتاً یہ ثابت ہے کہ مطلقاً ماء قلیل وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا لون رائحہ اور طعم متغیر نہ ہوا ہو اس سلسلہ کی مزید تفصیلی بحث "باب سور الکلب" میں عرض کی جائے گی۔

۲۔ وَعَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَآءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ مِنْ مَّآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَآؤُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ہم سمندری سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑی مقدار میں پانی اٹھا رکھتے ہیں اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو پیاسے رہیں گے، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا میتہ حلال ہے یہ حدیث مالک اور دوسرے محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

سائل کون تھا

۲۔ "جاء رجل" پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ سائل کون تھا امام زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا تعلق قبیلہ بنی مدلج سے تھا (نصب الرایہ ج ۱ ص۹۶) البتہ اس کے نام میں اختلاف ہے تلخیص الحبیر کے حوالے سے اس کا نام عبداللہ، عبد اور عبید بتایا گیا ہے (معارف السنن ج ۱ ص۱۵۶) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام حمید بن صخرہ تھا۔ (زرقانی شرح موطا)

مفہوم حدیث کی توضیح

"انا نرکب البحر" رکوب بحر یا تو سمندری سفر سے کنایہ ہے یا پھر عبارت میں حذف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے "انا نرکب السفن فی البحر نحمل معنا القلیل من الماء" یعنی ہم اپنے ساتھ بہت تھوڑا پانی رکھتے ہیں جو سفر میں مشکل سے ان کے پینے کی ضرورت پورا کر سکتا تھا۔ اگر وضو بھی اس پانی سے کرتے تو پانی ختم ہو جاتا اور وہ پیاسے رہ جاتے اس لیے سائل نے عرض کیا "افنتوضأ من البحر" ظاہر ہے کہ اسے ماء البحر سے وضو کرنے میں تردد ہوگا۔

منشاء سوال کیا تھا

(۱) بارش کے پانی کو قرآن میں "ماءً طهوراً" قرار دیا گیا ہے جس کا ذائقہ عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے جبکہ سمندر کے پانی کو بظاہر بارش پر اس لیے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا ذائقہ کڑوا اور نمکین ہوتا ہے (معالم السنن ج ۱ ص۴۱)

(۲) سمندر کا پانی متغیر اللون والطعم ہوتا ہے۔

(۳) سمندر کا پانی کھارا ہوتا ہے جسم پر ڈالنے سے جلن اور پینے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں استاذ محترم

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ جدہ میں ہم نے سمندر کے پانی سے کپڑے دھوئے تو کپڑے صاف نہ ہوئے بلکہ ہاتھوں کا رنگ بھی سیاہ ہو گیا۔

(۴) سمندر میں اجزاء ناریہ کا اختلاط ہے حضور ؐ کا ارشاد ہے فان تحت البحر نارا وتحت النار بحرا۔ (ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۳۳۶)

(۵) سمندر میں مختلف قسم کے حیوانات پائے جاتے ہیں جو وہیں پیشاب اور پاخانہ کرتے ہیں اور وہیں مرتے ہیں اس طرح اس میں نجاست جمع ہوتی ہے۔

(۶) ساحلی علاقوں کا تمام نجس پانی سمندر میں جمع ہوتا ہے۔

اور بھی اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں جنکی وجہ سے سائل کو شبہ ہوا کہ سمندر کے پانی سے وضو ہو سکتا ہے یا نہیں۔

ضرورت سے زیادہ جواب دوسری بحث یہ ہے کہ سائل نے تو صرف پانی سے طہارت کے بارے میں سوال پوچھا تھا حضور ؐ نے "لا" یا "نعم" کے بجائے تفصیل اور "الحل میتتہ" کا اضافی جواب کیوں دیا ــــ اس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) اگر حضور ؐ جواب میں صرف "نعم" پر اکتفا فرماتے تو سمجھا جاتا کہ سمندر کے پانی سے صرف بوقت ضرورت وضو جائز ہے "الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ"۔ مگر آپ ؐ کے ارشاد "هو الطهور ماؤه" سے اس وہم کا ازالہ ہو گیا۔

(۲) "نعم" کے مختصر جواب سے سائل کا یہ وہم باقی رہتا کہ ماء البحر سے صرف وضو کرنا جائز ہے غسل جائز نہیں کہ غسل کے لیے قرآن میں وان کنتم جنبا فاطهروا (الآیۃ) مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جبکہ اصول یہ ہے کہ ادنیٰ کے جواز سے اعلیٰ ثابت نہیں ہوتا اسی طرح یہ وہم بھی باقی رہتا کہ شاید اس سے کپڑے دھونے اور دیگر تطہیرات کا استفادہ جائز نہ ہو حضور ؐ کے تفصیلی جواب سے ان تمام توہمات کا بھی ازالہ ہو گیا۔

(۳) رہا اضافی جواب تو وہ "زیادۃ الافادہ علی ما سئل" کے قبیل سے ہے کہ تعلیم و تعلّم اور افادہ میں اسراف نہیں بلکہ موجب اجر و ثواب ہے لا خیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر۔

(۴) سائل نے عرض کیا اگر ہم وضو کریں تو عطشنا یعنی پیاسے رہیں گے حضور ؐ نے جواب علیٰ اسلوب الحکیم کے طور پر "الحل میتتہ" فرما کر کھانے کا مسئلہ بھی حل فرما دیا تاکہ سہولت رہے۔

(معالم السنن للخطابی ج ۱ صفحہ ۵۳)

(۵) پانی کی طہارت کا مسئلہ بدیہی ہے جب سائل اس سے ناواقف تھا تو سمندر میں غذائی اشیاء کے

کی حلت وحرمت سے بطریق اولیٰ ناواقف تھا حضورؐ نے اس کی رہنمائی فرمائی۔

(۹) سمندر میں لاکھوں جانور مرتے اور اسی میں گلتے اور سڑتے ہیں تو سائل کو پانی کا شبہ ہوا حضورؐ نے الحل میتتہ فرماکر دوسری بات بھی واضح کر دی۔

سمندر کے حیوانات کی حلت اور حرمت کا مسئلہ اس حدیث میں ایک اہم بحث یہ بھی ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کون سے حرام ہیں۔

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مچھلی کی سب اقسام حلال ہیں مچھلی کے علاوہ باقی سب جانور حرام ہیں اسی طرح سمک طافی (جو کسی مرض کی وجہ سے از خود سمندر میں مرجائے اور پانی پر الٹا ہوکر تیرتی پھرے) بھی حلت سے مستثنیٰ ہے۔ سمک طافی کی حرمت میں کئی وجوہات اور حکمتیں ہوسکتی ہیں مثلاً ہوسکتا ہے کہ یہ سمک کسی مرض کی وجہ سے مرگیا ہو تو اس کے گوشت کھانے سے مرض کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہے سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ نے اس پر اپنے ایک بچپن کا واقعہ بھی سنایا تھا کہ ہمارے ایک دوست نے سمک طافی کو بھون کر کھالیا تھا تو وہ انتہائی کڑوا اور مضر ثابت ہوا جس کے کھانے سے اس کی صحت بھی بری طرح متاثر ہوئی۔

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک دریا کی سب چیزیں حلال ہیں البتہ ان سے ایک روایت مگرمچھ (تمساح) کی حرمت کی منقول ہے اور ایک روایت میں سمندر کے کلب وخنزیر بھی مستثنیٰ ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص۱۵۵)

امام شافعیؒ کے مختلف اقوال اور مفتیٰ بہ قول (۳) امام شافعیؒ سے مائی جانوروں کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔

(ا) صرف مچھلی حلال ہے باقی سب جانور حرام ہیں یہ مسلک حنفیہ کے مطابق ہے۔

(ب) ضفدع، تمساح، سلحفاۃ، کلب بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں باقی سب جانور حلال ہیں۔

(ج) جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں۔ کل ما فی البر حلال فهو فی البحر حلال وکل ما فی البر حرام فهو فی البحر حرام وما لا یوجد الا فی البحر فهو حلال۔

(د) ضفدع کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر اسے شافعیہ کا مفتیٰ بہ قول قرار دیا ہے۔

٦

(۵) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ شوافع کا صحیح قول یہ ہے کہ دریا کی ہر چیز حلال ہے حتیٰ کہ دریائی کتا اور خنزیر بھی حلال ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۵) امام خطابیؒ نے اسی بات کی توضیح میں فرمایا کہ تمام مائی جانور مچھلی کی اقسام ہیں صرف انکی شکلیں جدا جدا ہیں۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۴۷)

مگر ہمیں اپنے شیخؒ (محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ) نے درس میں فرمایا تھا کہ ان کی یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ تمام مائی جانوروں کے نام بھی الگ الگ ہیں اور خواص بھی الگ الگ ہیں نیز صحابہ کرامؓ نے بھی آبی جانوروں میں صرف مچھلی کھائی ہے دوسرے کسی مائی جانور کے کھانے کا ثبوت موجود نہیں اگر سب جانور مچھلیاں ہوتے تو کوئی نہ کوئی ثبوت بھی مل جاتا۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ سے ضفدع کے علاوہ باقی تمام مائی جانوروں کی حلت کا مسلک منقول ہے۔

حنفیہ کے دلائل

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یحرم علیہم الخبائث (اعراف) مچھلی کے علاوہ باقی تمام مائی جانور خبائث کا مصداق ہیں جن سے طبیعت انسانی نفرت کرتی ہے اس لیے حرام ہیں جیسا کہ امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں امام آلوسیؒ نے روح المعانی میں اور امام عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اسے خوب تشریح اور توضیح کے ساتھ لکھا ہے۔

(۲) علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے " احل لکم المیتتان الحوت والجراد " (الحدیث) (اخرجہ الترمذی وغیرہ) سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں اگر مچھلی کے سوا کوئی دوسرا مائی جانور بھی حلال ہوتا تو حدیث میں اسکی حلت کا بھی ذکر ہوتا بعض حضرات نے اس روایت کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے مگر تعامل امت اور کثیر اسانید کی وجہ سے اس میں قوت آجاتی ہے۔

(۳) حرمت علیکم المیتۃ نص قرآن ہے جس میں ہر میتہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس سے وہ میتہ بہرحال مستثنیٰ ہے جسکی دلیل شرعی سے تخصیص کی گئی ہے یعنی مچھلی اور جراد۔

(۴) صحابہ کرامؓ اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے مچھلی کے علاوہ کبھی دوسرا مائی جانور تناول فرمایا ہو اگر دیگر آبی جانور حلال ہوتے تو کم از کم بیان جواز کے لیے بھی ضرور اس کا کوئی ثبوت مل جاتا۔

(۵) حضورؐ کا ارشاد ہے۔ احلت لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال (ابن ماجہ ص ۲۴۷) اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ ابوداؤد، بیہقی دارقطنی وغیرہ نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں صراحتاً میتہ کی صرف دو قسمیں حلال قرار دی گئی ہیں یعنی جراد اور حوت۔ آبی جانور میں

۵ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

۵ ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی اور اس پر جانوروں اور درندوں کے

کے دوسرے انواع جراد اور حوت میں داخل نہیں لہٰذا وہ حرام ہیں ۔

شوافعؒ اور موالکؒ کے دلائل اور احناف کا جواب

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مشہور دلائل یہ ہیں۔ (۱) احل لکم صید البحر وطعامہ میں لفظ صید مذکور ہے جو عام ہے ہر جانور کو شامل ہے لہٰذا تمام آبی جانور حلال ہیں ۔

(۲) یہی حدیث " الحل میتتہ " بھی دونوں حضرات اپنا مستدل بناتے ہیں کہ ان الفاظ حدیث میں ہر میتتہ ماء کو حلال قرار دیا گیا ہے ۔

احناف جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں آیت قرآنی میں لفظ "صید" اپنے حقیقی یعنی مصدری معنی پر ہی محمول ہے سیاق بھی اسی کا شاہد ہے کیونکہ ذکر ان افعال کا چل رہا ہے جو محرم کے لیے جائز یا ناجائز ہوتے ہیں یہاں تو صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ سمندر میں شکار کرنا جائز ہے مگر اس سے کھانے کی حلت ثابت نہیں ہوتی شوافع حضرات کا استدلال بھی تب درست ہے جب صید مصید کے معنیٰ میں لیا جائے جبکہ مصدر کو اسم مفعول کے معنیٰ میں لینا مجاز ہے اور بلا ضرورت صیرورت الی المجاز مستحسن نہیں ۔

باقی رہا شوافعؒ اور موالکؒ کا دوسرا استدلال تو اس سے جواب یہ ہے میتتہ میں اضافت استغراق کیلئے نہیں بلکہ عہد خارجی کے لیے ہے مراد یہ ہے کہ سمندر کا وہ خاص میتہ حلال ہے جس کے بارے میں قطعی نص آچکی ہے اور وہ مچھلی ہی ہے ۔۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں " الحل " بمعنی حلال کے نہیں بلکہ بمعنی طاھر کے ہے ۔ جیسا کہ حِلّت بمعنی طہارت کے ہے ۔ بخاری (ج ۱ ص۲۹) کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے یہاں مراد یہ ہے کہ سمندر کا میتہ طاہر ہے نجس نہیں گویا حضورؐ نے شبہ کے ازالہ کے لیے سمندر کے پانی کی طہوریت کی خوب وضاحت فرمائی کہ سمندر کا پانی طاہر بھی ہے اور طہور بھی ، ہمیں اپنے شیخؒ نے فرمایا تھا کہ کسی چیز کا طاہر ہونا اس کی حلت کو مستلزم نہیں مثلاً لکڑی پتھر اور مٹی طاہر ہیں مگر ان کا کھانا جائز نہیں ۔

۵ ۔ شرح حدیث سے قبل تمہیداً گذارش ہے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا بھی وانزلنا من السماء ماءً طهورًا (الآیہ) لیکن بحث اس میں ہے کہ پانی میں وقوع نجاست کے بعد اس کی طہارت باقی رہتی ہے یا نہیں اور اگر طہارت باقی نہیں رہتی تو وہ بعض صورتوں کے ساتھ

عَنِ الْمَاءِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَآخَرُوْنَ وَهُوَ حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ۔

بار بار آنے کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست نہیں اٹھاتا یعنی نجس نہیں ہوتا۔ اسے اصحاب خمسہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث معلول ہے

خاص ہے یا ہر صورت میں نجس ہے اس سلسلہ میں بظاہر روایات مختلف ہیں اور مذاہب بھی مختلف ہیں۔

پانی میں وقوع نجاست اور بیانِ مذاہب

(۱) داؤد ظاہری اور موجودہ دور کے بعض غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں جس قدر بھی نجاست گر جائے طاہر رہے گا اور طہور بھی جب تک کہ اس کا سیلان رقت اور مائعیت ختم نہیں ہو جاتی خواہ وقوع نجاست سے اس کے اوصاف ثلثہ متغیر ہو گئے ہوں۔

(۲) جمہور علماء اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ اگر وقوع نجاست سے پانی کا احد الاوصاف متغیر ہو جاتا ہے تو ایسے پانی سے طہارت جائز نہیں چاہے ماء کثیر ہو یا قلیل راکد ہو یا جاری، اس سے بہرحال طہارت جائز نہیں۔

(۳) اور اگر وقوع نجاست کے با وصف پانی کا احد الاوصاف متغیر نہیں ہوتا تو جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ ماء قلیل نجس ہو جاتا ہے اور اگر ماء کثیر ہو تو وہ پاک رہتا ہے اور اس کی طہارت زائل نہیں ہوتی۔

ماء قلیل وکثیر کی تحدید وتعیین

البتہ ماء کثیر اور قلیل کی تحدید اور تعیین میں اختلاف ہے۔

(۱) امام مالک ماء کثیر اور ماء قلیل دونوں میں امتیاز باعتبار کیف کرتے ہیں ان کے نزدیک پانی قلیل ہو یا کثیر وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا مگر جب اس کے اوصاف ثلثہ لون طعم اور رائحہ میں سے کوئی وصف بدل جائے تو وہ ماء قلیل کہلاتا ہے وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ماء قلیل وکثیر کا امتیاز بہ کم ۔۔ اور مقدار کے اعتبار سے کرتے ہیں انکے نزدیک ماء کثیر کی مقدار قلتین ہے یہ مقدار بھی ان کے نزدیک محض تخمینی نہیں بلکہ تحقیقی ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر دو مٹکے الگ الگ ہوں اور ان میں نجاست پڑی ہو تو جب دونوں کو ملا دیا جائے تو وہ پاک ہے کیونکہ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل الخبث اور پھر جب ان دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے تو وہ اپنی طہارت پر برقرار رہیں گے۔

(شرح المہذب ج ۱ ص ۱۳۶)

لہٰذا ان دونوں ائمہ کے نزدیک اگر پانی قلیل ہو یعنی قلتین سے کم ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جائیگا

اگرچہ اس کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں اور اگر ماء کثیر ہو یعنی قلتین ہوں یا اس سے زیادہ تو نجس نہیں ہوگا مالم یتغیر اکثر اوصافہ۔

(۳) امام مالکؒ کا مسلک مختار بھی داؤد ظاہری کے قریب قریب ہے کہ جب تک پانی کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں وقوع نجاست سے اسکی طہارت زائل نہیں ہوتی خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

(۴) احناف کا مسلک شوافع کے قریب قریب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام اعظمؒ راجح قول کے مطابق ماء قلیل کی تحدید نہیں کرتے بلکہ اسے رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑتے ہیں البتہ امام ابو حنیفہؒ کے ایک جلیل القدر تلمیذ امام ابو یوسفؒ نے اس کی قدرے تحدید کی ہے فرماتے ہیں کہ پانی کے ایک جانب نجاست واقع ہو اور اس جانب کی تحریک سے بھی دوسرا جانب متحرک نہ ہو تو یہ ماء کثیر ہے۔

دہ دردہ کی حقیقت یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دہ در دہ کی تحدید امام اعظمؒ کا قول نہیں اور نہ کسی محقق حنفی کا قول ہے بلکہ بعض متاخرین نے عوام کی تفہیم کے لیے یہ ایک حد لگادی ہے (مختار ولی رشیدیہ) اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک مرتبہ ابو سلمان جوزجانیؒ نے اپنے شیخ امام محمدؒ سے دریافت کیا حضرت ماء کثیر کتنا ہوگا تو جواب میں امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا "کمسجدی ھذا" حضرت جوزجانیؒ نے بعد میں اسے ناپ لیا تو وہ مسجد اندر کی جانب سے ثمانیۃٌ فی ثمانیۃٍ اور باہر سے عشرۃٌ فی عشرۃٍ تھی چنانچہ احتیاطاً عشرۃٌ فی عشرۃٍ کو اختیار کیا گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مختلف حوالوں سے نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ پہلے میں دہ در دہ کا قائل تھا لیکن بعد میں میں نے امام صاحبؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ صنا۱۴)

بہرحال امام ابن رشدؒ، امام حاکم شہیدؒ، امام اسبیجابیؒ، امام ابو الفضل کرمانیؒ اور صاحب معراج الدرایہ نے امام اعظمؒ کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ پانی کی قلت وکثرت کا اندازہ مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے یعنی جس کو وہ قلیل سمجھے تو وہ قلیل ہے اور جس کو وہ کثیر سمجھے تو کثیر ہے علامہ سرخسیؒ نے المبسوط میں اس کو "الاصح" قرار دیا ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال اور احناف کے جوابات زیر بحث حدیث امام شافعیؒ کا مستدل ہے ماء قلیل وکثیر کی تحدید میں امام شافعیؒ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب پانی قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل، حنفیہ حضرات نے اس کے متعدد جوابات ذکر کئے ہیں۔

(۱) صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ "لم یحمل الخبث" کا معنی یہ ہے کہ وہ نجاست کا تحمل نہیں کرسکتا یعنی

نجس ہو جاتا ہے۔

(۲) صاحب ہدایہ نے اس حدیث کو ابو داؤدؒ کی طرف نسبت کرکے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے وضعفہ ابو داؤد۔ امام ابو داؤد کی طرف ضعف کی نسبت کی حقیقت کیا ہے اس کی بحث شرح حدیث میں تفصیل سے آئی ہے۔

(۳) اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے جس کی وجہ سے حدیث ضعیف قرار پاتی ہے کیونکہ اس کی سند کا مدار محمد بن اسحٰق پر ہے جو ضعیف ہے سندی اضطراب یوں ہے کہ (ا) عن محمد بن اسحٰق عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر (ترمذی صلا، ابو داؤد صہ) (ب) عن محمد بن اسحٰق عن الزہری عن سالم عن عبد اللہ بن عمر (دارقطنی صہ) (ج) عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر عن ابن عمر (د) دارقطنی صہ میں یہ روایت ابو ہریرہ سے نقل ہے۔

(۴) حافظ ابن قیمؒ نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔ (تہذیب سنن ابی داؤد ج صلا) فرماتے ہیں۔ حضرات صحابہؓ میں سے صرف ابن عمرؓ اس کے راوی ہیں اور ان کے شاگردوں میں صرف عبید اللہ حالانکہ پانی کی طہارت اور نجاست کے مسئلہ کا احتیاج سب کو ہے تمام صحابہؓ اور تابعین کو اس کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ وضو ہر مسلمان پر فرض اور اس کا دینی اور ایمانی مسئلہ ہے جبکہ حضرات صحابہؓ کی پوری جماعت میں اس کا اور کوئی راوی نہیں ملتا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔

(۵) امام زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند کی طرح اس کے متن میں بھی اضطراب ہے زیر بحث حدیث میں تو اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل الخبث کے الفاظ منقول ہیں دارقطنی نے قلتین فما فوق ذلک ایک روایت میں اربعین غرباً ایک اور روایت میں اربعین قلۃ ایک اور روایت میں اربعین دلواً کے الفاظ نقل کئے ہیں اور ایک روایت میں قلتین اور ثلاثۃ کے الفاظ بھی منقول ہیں علاوہ ازیں بعض روایات میں "لا یحمل" اور بعض میں "لا ینجس" کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں۔

(۶) قلہ کے معنی میں بھی اختلاف ہے قلہ، جرہ (گھڑا) مشک اور راس الجبل یعنی پہاڑ کی چوٹی کو بھی کہتے ہیں امام شافعیؒ کے مشہور اشعار ہیں ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونہا قلل الجبال ودونہن حتوف

الرجل حافیۃ ومالی مرکب والکف صفر والطریق مخوف

ترجمہ: "سعاد تک رسائی اور اس کا وصال کس طرح ممکن ہے جبکہ اس کے سامنے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں جو پیغام موت ہیں۔ پاؤں ننگے ہیں اور سواری ہے نہیں، جبکہ خالی ہاتھ ہوں اور

راستہ بھی پُرخطر ہے۔

قلہ کا ایک معنیٰ مایستقلہُ الید (جس کو ہاتھوں سے اٹھایا جائے) اور جگ گلاس اور لوٹے کو بھی قلہ کہتے ہیں۔ مایستقلہ البعیر (جس کو اونٹ اٹھائے) کو بھی قلہ کہتے ہیں قلہ کا معنیٰ قامت الرجل (قد) بھی آیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس کے دس معانی کی طرف اشارہ کیا ہے جب حدیث کے ایک لفظ قلہ کے معنیٰ و مصداق میں اس قدر اختلاف ہے تو اس کو طہارت و نجاست جیسے اہم و اقدم مسئلے میں کس طرح حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔

حرفِ آخر مالکیہؒ میں قاشی ابوبکر باقلانیؒ، قاضی اسماعیلؒ، علامہ ابن عبدالبرؒ اور ابن عربیؒ نے حدیث قلتین کو ضعیف قرار دیا ہے (عارضۃ الاحوذی ج ۱ ص۸۳) شوافع میں امام غزالیؒ، حنابلہ میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ابن حکیم نے اپنی کتاب "تہذیب العیون" میں حدیث قلتین پر پندرہ اشکالات وارد کئے ہیں اور فرماتے ہیں حدیث قلتین سے تحدید مار کیلئے ان پندرہ گھاٹیوں کو عبور کرنا ضروری ہے حنفیہ حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ جب مذاہب اربعہ کے ائمہ حدیث محققین اور خود شوافع حضرات نے حدیث قلتین کو ضعیف قرار دیا ہے تو اس حدیث سے تحدید مار کیونکر ہو سکتی ہے۔ (ملخصاً از حقائق السنن ج ۱ ص۲۹۱)

قلال ہجر سے استدلال کی حقیقت البتہ بعض حضرات شوافع نے قلہ سے مراد مٹکہ لیا ہے اور استدلال میں حضورؐ کی شب معراج سے واپسی پر یہ ارشاد پیش کیا ہے کہ "میں نے سدرۃ المنتہیٰ میں اتنے اتنے بڑے بیر دیکھے" کقلال ھجر" جس سے واضح ہوا کہ قلہ مٹکا ہے۔

حنفیہ حضرات نے اس کے جواب میں کہا کہ (۱) اس روایت میں مغیرہ بن الصقلاب ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اسماء رجال کی کتابوں میں اسے منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ (ب) بیر کو قلال ہجر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ تشبیہ لون میں بھی ہو سکتی ہے اور وزن میں بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ تشبیہ حجم میں دی گئی ہو مشابہت کے وقت وجہ شبہ ایک چیز ہوتی ہے۔ (ج) حضورؐ نے زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ قلال ہجر کا ذکر کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب جہاں بھی قلہ ہوگا تو اس سے مراد قلہ ہجری ہوگا وھو حدیث معلول سند کے اضطراب، متن کے اضطراب پھر قلہ کے معنیٰ میں تعدد کے پیش نظر یہ حدیث معلول ہے اور اسے قوی مستدل نہیں بنایا جا سکتا۔

(د) علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت بنوریؒ نے حدیث قلتین کو آبشاروں اور پہاڑی چشموں پر محمول

۶ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ اَرْبَعِیْنَ قُلَّۃً لَمْ یَنْجُسْ، رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

---

۶ . حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، "جب پانی چالیس قلے تک پہنچ جائے تو نجس نہیں ہوتا یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

۷ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ امْرَاَۃً مِّنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

---

۷ . حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے

کیاہے۔ (العرف الشذی، معارف السنن)۔ دراصل صحابہ کرام مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان واقع پہاڑوں میں جانور چرایا کرتے تھے ان پہاڑی علاقوں میں چشموں سے پانی ابل ابل کر گڑھوں میں جمع و منتقل ہوتا رہتا تھا جن میں جنگلی حیوانات اور درندے منہ مارا کرتے تھے جبکہ صحابہ کو پینے اور وضو کرنے کی ضرورت تھی صحابہؓ کو درندوں کے جھوٹے میں تردد تھا تو انہوں نے انہی پہاڑی چشموں کے بارے میں سوال کیا حضورؐ نے جواب علی اسلوب الحکیم کے طور پر پہاڑی چشموں اور گڑھوں کو قلل (مٹکوں) سے تشبیہ دی اور فرمایا۔ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث، گویا حضورؐ نے گڑھوں کو قدرتی مٹکا قرار دیا جن میں پانی جمع اور منتقل ہوتا رہتا ہے جو گویا، جاری ہے۔

۶ . یہ روایت گذشتہ روایت کے ساتھ تحدید ما، اور متن کے الفاظ میں مختلف ہے گذشتہ روایت میں قلتین کا ذکر تھا اس روایت میں اربعین قلۃ کا ذکر ہے اس اعتبار سے یہ حنفیہ کی مؤید ہے کہ حدیث قلتین بوجہ اضطراب فی المتن کے ضعیف ہے اگر اسے صحیح تسلیم کرکے مستدل قرار دے دیا جائے تو اس حدیث کے ساتھ کیا کیا جائے گا جیسے دارقطنی نے روایت کیا ہے جس پر "اسنادہ صحیح" کا حکم بھی لگا ہے جس کا علامہ ابن دقیق العید المالکی نے اپنی کتاب "الامام" میں اعتراف بھی کیا ہے۔

۷ . مضمون حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے جنابت سے غسل کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا۔ ام المومنین نے یہ بات آپ سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا بلاشبہ پانی کو کوئی چیز بھی ناپاک نہیں کرتی۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِغْتَسَلَتْ مِنْ جَنَابَةٍ فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَضْلِهِ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔ وَفِيْ اِسْنَادِهِ لِيْنٌ۔

ایک نے جنابت سے غسل کیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا۔ ام المومنین نے یہ بات آپ سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا بلاشبہ پانی کو کوئی چیز بھی ناپاک نہیں کرتی۔

۸۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُطْرَحُ فِيْهَا لُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالْحِيَضُ وَالنَّتْنُ فَقَالَ الْمَآءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ۔ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ اَحْمَدُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ ابْنُ قَطَّانٍ۔

۸۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا، عرض کیا گیا "اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا آپ بیر بضاعہ سے وضو کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا کنواں ہے جس میں کتوں کا گوشت، حیض کے خون آلود کپڑے اور (دیگر) بدبودار اشیاء ڈالی جاتی ہیں، تو آپ نے فرمایا، پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے امام احمد نے اسے صحیح امام ترمذی نے حسن اور ابن القطان نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

وفی اسنادہ لین، اس حدیث کی روایت میں سماک بن حرب عن عکرمہ عن ابن عباس ہے جبکہ سماک عکرمہ سے روایت کرنے میں مختلف فیہ ہے (تہذیب التہذیب) اس حدیث کی مفصل بحث " باب ماجاء فی فضل طھور المرأۃ " میں ملاحظہ کریں۔

۸۔ اس سے قبل باب ہذا کی پانچویں حدیث کی تشریح میں وقوع نجاست سے پانی کے نجس ہونے اور نہ ہونے نیز ماء قلیل و کثیر کی تحدید میں ائمہ متبوعین کے مسالک تفصیل سے عرض کر دیئے ہیں۔

حدیث بیر بضاعہ حدیث بیر بضاعہ بھی اسی سلسلہ میں امام مالکؒ کا مستدل ہے امام مالکؒ کا مسلک مختار یہ ہے کہ جب تک پانی کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں وہ وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

بضاعہ "ب" کا ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں جبکہ ضمہ زیادہ مشہور ہے یہ ایک معروف کنویں کا نام ہے جو مدینہ طیبہ میں بنو ساعدہ کے محلہ "بضاعہ" میں واقع تھا اس محلہ میں واقعہ ہونے کی وجہ سے یہ نام پڑگیا یہ کنواں آج تک موجود ہے۔ سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کے پانی سے زمین سیراب کی جاتی تھی اس میں سبزیاں ترکاریاں اور چقندر وغیرہ کاشت کئے جاتے تھے بخاری باب الجمعہ میں حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز ہم نماز پڑھ کر بیر بضاعہ چلے جایا کرتے تھے جہاں بوڑھی اماں شعیر میں ملایا ہوا چقندر پکا کر ہمارے سامنے رکھ دیتی تھیں اور ہم لوگ ہفتہ بعد ان کے ہاں پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کرتے تھے اور اس پر خوش ہوا کرتے تھے۔ (حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۲۵۴)

الحیض جمع الحیضۃ بکسر الحاء الخرقۃ التی تستعملہا المرأۃ فی زمن الحیض۔

النتن بفتح النون وسکون التاء وقیل بکسر التاء بدبو کو کہتے ہیں یہاں بھی اس سے بدبودار اشیاء مراد ہیں۔

وقوع نجاست کیسے؟ یطرح فیہا یہ ایسا کنواں تھا جسمیں لوگ حیض کے چیتھڑے، کتوں کے لاشے، گلا سڑا گوشت، بدبودار چیزیں اور نجاستیں ڈال دیا کرتے تھے یہ ڈالنے والے کون تھے اس کی دو صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) منافقین اور یہود و نصاریٰ یہ کام کرتے تھے مگر یہ توجیہ اس لیے قرین قیاس نہیں کہ وہ خود بھی تو اس کا پانی استعمال کرتے تھے۔

(ب) دراصل بیر بضاعہ ایسی جگہ واقع تھا جس کے چاروں طرف کی زمین اونچی اور ڈھلوانی تھی وہاں مسافروں کے قافلوں کا مسلسل پڑاؤ رہتا جس میں مرد عورتیں اور بچے ہوتے جب بارش آتی تو قافلوں کی متروکہ گندگیاں، نجاستیں، حیضوں کے چیتھڑے، بچوں کے بول و براز سے آلودہ چیزیں اور غلاظتیں بارش کے پانی کے ذریعہ کنویں میں آجایا کرتی تھیں جب کنواں بھر جاتا اور بہنے والا پانی مسلسل آتا رہتا تو واقع ہونے والی نجاستیں بھی بہہ جاتیں اس طرح کنواں گویا پاک ہو جاتا۔

بیر بضاعہ اور ائمہ کے اقوال (۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بئر بضاعہ کا پانی قلتین سے زائد تھا اور قلتین ما کثیر ہے اس لیے وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوا۔

(۲) امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ نجاست کے گرنے سے بیر بضاعہ کے پانی کا احد الاوصاف (ذائقہ، لون، طعم) متغیر نہیں ہوا تھا اس لیے وہ پاک رہا۔

(۳) حنفیہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ بیر بضاعہ کا پانی کثیر تھا جو بساتین میں جاری تھا جس سے سبزیاں

ترکاریاں /کاشت کی جانے والی زمین سیراب ہوتی رہتی تھی ، اس لیے وقوعِ نجاست سے وہ ناپاک نہیں ہوتا تھا۔

حدیث بئر بضاعہ سے حنفیہؒ کے جوابات | امام مالک اور امام شافعیؒ حدیث بئر بضاعہ سے استدلال کرتے ہیں احناف حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔

(۱) اس حدیث کی سند میں "عبید اللہ بن عبداللہ بن رافع ہے جو کہ مستور ہے (تقریب التہذیب ۲۵۲) ابن منده نے اس کو مجہول قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب) طہارت و نجاست جیسے اہم و اقدم مسئلہ میں ایک مستور و مجہول راوی کی روایت پر کس طرح دار و مدار رکھا جا سکتا ہے۔

(۲) اس کی سند میں اضطراب ہے :-

(ا) عن عبید اللہ بن عبداللہ بن رافع (ترمذی صلا ، ابوداؤد صو)

(ب) عن عبید اللہ بن عبدالرحمن بن رافع (نسائی ج ۱ ص ۳)

(ج) عن عبداللہ بن عبداللہ بن رافع (دارقطنی ج ۱ ص ۱۱)

بہرحال یہ مسلّم اصول ہے کہ اضطراب متن میں ہو یا سند میں ، روایت کے لیے موجبِ ضعف ہوتا ہے کیونکہ اضطراب راوی کے عدمِ ضبط پر دلالت کرتا ہے۔ (تدریب الراوی)

(۳) امام طحاویؒ فرماتے ہیں بئر بضاعہ کے پانی سے باقاعدہ آبپاشی اور سیرابی کا کام لیا جاتا تھا جو ہمہ وقت گویا جاری رہتا تھا (فکان حکم ماءھا کحکم الانھار) (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۸)

(۴) بئر بضاعہ کا پانی کثیر تھا کہ دیکھنے والا اسے کثیر سمجھتا تھا جبکہ یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ رائے مبتلیٰ بہ کی معتبر ہے۔

(۵) چونکہ کنواں آبادی سے دور اور اس کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا لوگوں کو ہوا اور بارش کے پانی کی وجہ سے اس میں حیض اور نعش کے گرنے کا وہم تھا محض احتمال اور وہم کی بناء پر سوال کیا گیا آپؐ نے جواب دیا کہ ان الماء طھور لا ینجسه شئ ۔ الماء میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ پانی جس کے بارے میں تم نے سوال کیا ہے۔

(۶) اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ کنویں میں نجاسات کتوں کے لاشے اور حیض کے چیتھڑوں کی موجودگی میں حضورؐ پانی کی طہارت پر حکم لگا دیں یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اتنی ساری چیزوں کے وقوع سے پانی کا اوصاف ثلاثہ متغیر ہو جاتا ہے دراصل کنواں دور افتادہ تھا مذکورہ نجاسات کے وقوع کے بعد جب انہیں نکالا گیا تب یہ سوال پوچھا گیا منشاء سوال یہی موجود تھا کہ نہ تو کنویں کی دیواریں دھوئی گئی تھیں نہ مٹی نکالی گئی تھی صرف

۹۔ وَعَنْ عَطَاءٍ اَنَّ حَبَشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَمَرَ ابْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

۹۔ عطاءؒ سے روایت ہے کہ ایک حبشی زمزم میں گر کر مرگیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حکم دینے پر اس کا

پانی اور نجاستیں نکالی گئیں اس کے بعد نیا پانی آیا جو دیواروں کے ساتھ لگا، صحابہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "الماء لا ینجسه شیٔ"۔

احناف کے دلائل باقی رہے ائمہ احناف کے دلائل تو وہ بھی اجمالاً ملحوظ رہیں۔

(۱) باب کی سب سے پہلی حدیث حنفیہ کا مستدل ہے۔ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم۔ اور ماء قلیل میں وقوع نجاست سے ناپاکی پیدا نہ ہوتی تو آپ ہرگز نہی نہ فرماتے یہ حدیث ابن رشدؒ نے (بدایۃ المجتہد ج ۱ صـــ) میں اور ابن دقیق العیدنے احکام الاحکام ج ۱ صـــ میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کے طور پر پیش کی ہے۔

(۲) اذا استیقظ احدکم من النوم فلا یدخل یدہ فی الاناء (الحدیث)

اگر ماء قلیل میں نجاست کا اختلاط مؤثر نہ ہوتا تو حضور ﷺ کیوں ادخال ید فی الاناء سے منع فرماتے۔

(۳) اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعاً (بخاری ج ۱ صـــ)

کتے کا لعاب نجس ہے ولوغ الماء سے پانی سمیت برتن بھی نجس ہو جاتا ہے جس کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۴) حدیث وقوع الفارۃ فی السمن (صحیح بخاری ج ۱ صـــ) بھی حنفیہ کا قوی مستدل ہے۔

خلاصہ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "لا یبولن الخ" اصح فی الباب اور باقی تمام احادیث بھی صحیح ہیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اور حدیث ولوغ الکلب میں مائعات کے ساتھ نجاست حقیقیہ کے خلط کا ذکر ہے حدیث المستیقظ من منامہ میں نجاست متوہمہ کا بیان ہے اور اس آخری حدیث میں جامد کے ساتھ نجاست حقیقیہ کے خلط کا ذکر ہے لہٰذا مذکورہ چاروں روایات اس بات کا قوی مستدل ہیں مائعات ہوں یا جامدات اختلاطِ نجاست موجب خبث ہے۔ پھر اگر ان تمام احادیث پر غور کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ تغیر احد الاوصاف اور قلتین سے کم ہونے کی کوئی شرط مذکور نہیں البتہ مقدار کثیر اس سے مستثنیٰ ہے وضوء بماء الجر وغیرہ اس کی دلیل ہیں۔ باقی رہا ماء قلیل و کثیر میں تحدید کا مسئلہ تو امام اعظمؒ نے اسے مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑا ہے۔

۹۔ اس سے قبل حدیث قلتین پر اجمالی بحث گذر چکی ہے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس مسئلہ

فَنَزَحَ مَاؤُهَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَنَظَرَ فَإِذَا عَيْنٌ تَجْرِي مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ.

پانی نکالا گیا اس کا پانی ختم نہ ہوتا تھا جب دیکھا ، چانک نظر آیا کہ حجرِ اسود کی جانب سے ایک چشمہ جاری ہے حضرت ابن زبیرؓ نے کہا تمہیں اتنا ہی کافی ہے ۔ مزید پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ۔ اسے امام طحاویؒ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے ، سند اس کی صحیح ہے ۔

کی خوب تنقیح فرمائی ہے اور حنفیہ حضرات کی تائید میں زبردست دلائل قائم کئے ہیں امام طحاویؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں قلتین سے پانی کی تحدید ثابت نہیں جس پر کثیر شواہد اور دلائل موجود ہیں ان میں سے ایک دلیل چاہ زمزم میں ایک حبشی کے گرنے کا واقعہ بھی ہے جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے اس حدیث کو امام طحاویؒ (کتاب الطہارت ج ۱ صفحہ ۱ کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہؒ (کتاب الطہارات ج ۱ صفحہ ۱۶۳) نے بھی نقل کیا ہے ۔

چاہ زمزم میں حبشی کے گرنے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا کہ زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اسے نکالا گیا اور پانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے استفسار کیا انہوں نے جواب میں کنویں کے سارے پانی کو نکالنے کا حکم دیا چنانچہ ان کے فتویٰ کے مطابق مسلسل تین روز تک پانی نکالا جاتا رہا کنواں چشمہ دار تھا پانی کم ہو گیا مگر بند نہ ہو سکا نیچے سے پانی کے سوتوں میں روئی رکھی گئی مگر اس کے باوجود حجرِ اسود کی جانب سے بہنے والا چشمہ بند نہ ہو سکا جیسا کہ دسویں حدیث میں صراحتاً اس کا ذکر ہے تین روز تک مسلسل پانی نکالنے کے باوجود کنویں کا پانی ختم نہ ہو سکا ۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ جاری ہوا اور اس پر عمل کیا گیا ہزاروں صحابہؓ موجود تھے مقصد یہ ہے کہ بئر زمزم میں پانی کی مقدار قلتین سے کئی گنا زائد تھی مگر اس کے باوجود حضرات صحابہؓ نے وقوع حبشی کی وجہ سے تین روز تک مسلسل پانی نکلوایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ قلتین سے زائد ہونے کے باوجود پانی نجس ہو گیا تھا ۔

امام طحاویؒ سمیت حنفیہ حضرات اس واقعہ سے یہی استدلال کرتے ہیں کہ چاہ زمزم کا پانی جو دسیوں قلل سے بھی زائد تھا وقوع حبشی سے یقیناً نجس ہو گیا تھا اور پھر صحابہؓ نے اسکے نکالنے کا فتویٰ دیا اور اس پر عمل کیا لہٰذا قلتین کی تحدید درست نہیں ورنہ صحابہؓ اس پر ضرور عمل کرتے ۔

چاہ زمزم میں وقوعِ حبشی کے واقعہ پر شوافع کے اعتراضات اور احناف کے جوابات

واقعہ بیرِ زمزم پر شوافع حضرات نے مختلف اعتراضات کئے ہیں ذیل میں ان کے اعتراضات مع احناف کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

(۱) شوافع حضرات کہتے ہیں یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس کے راوی ابن سیرینؒ نے اسے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے جبکہ دونوں کی ملاقات ثابت نہیں۔ جبکہ حدیث منقطع قابل استدلال نہیں۔ مگر یہ کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس روایت کو امام طحاویؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے عطاء بن ابی رباح عن ابن عباسؓ کی سند سے نقل کیا ہے جو ابن سیرینؒ کی سند سے نسبتہً قوی اور مضبوط سند ہے یہاں پر دونوں سندات مذکور ہیں نویں حدیث عطاءؒ سے اور دسویں ابن سیرینؒ سے منقول ہے لہٰذا شوافع حضرات سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک قوی اور مضبوط سند کے ہوتے ہوئے ضعیف سند کو لے کر حدیث کو ضعیف قرار دیا جو قطعًا قرینِ انصاف نہیں۔

(۲) شوافع حضرات وقوعِ حبشی کے اس واقعہ پر سفیان بن عیینہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ لم اسمع احداً یذکر واقعۃ الزنجی ——— مگر

(ا) حقیقت یہ ہے کہ سفیان کے عدمِ سماع سے عدمِ واقعہ لازم نہیں آتا، حضرت سفیان جو تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور ان سے کوئی بیرِ زمزم میں زنجی کے وقوع کا واقعہ بیان نہیں کرتا تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اصل واقعہ ہی نہیں ہوا۔

(ب) امام بخاریؒ نے حمیدی سے نقل کیا ہے کہ مثبت اور نفی میں تعارض کے وقت ترجیح مثبت کو حاصل ہے عطاء بن ابی رباحؒ اور ابن سیرینؒ کے روایات مثبت ہیں جبکہ سفیان کی روایت (عند الشوافع) نافی ہے (حالانکہ حقیقتاً وہ نافی نہیں) لہٰذا اصول مذکورہ کے پیشِ نظر ترجیح مثبت کو دی جائے گی۔

(۳) تیسرا اعتراض امام نوویؒ وغیرہ نے کیا ہے کہ یہ روایت کوفی ہے جبکہ مکہ والے بے خبر رہے تو اس سے کوسوں دور کوفیوں کو کیسے اس واقعہ کا علم ہوگیا ——— اس کا جواب خود امام شافعیؒ کے اقوال میں موجود ہے فرماتے ہیں۔ قال الشافعی لاحمد، انتم اعلم بالاخبار والصحاح منا فاذا کان خبر صحیح فاعلمونی حتی اذھب علیہ کوفیاً کان او بصریاً او شامیاً۔

(معارف السنن ج ۱ صہ ۲۵۲)

ہے بڑے تعجب کی بات کہ امام شافعیؒ تو بصری، کوفی اور شامی روایات قبول کریں مگر امام نوویؒ اس لیے مسترد کردیں کہ وہ کوفی ہے۔

(۴) شوافع کہتے ہیں حبشی کے چاہ زمزم میں گرنے سے اس کا خون نکلا ہوگا نجاست سے پانی متغیر اللون ہوگیا ہوگا۔

۱۰۔ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ زِنْجِيًّا وَقَعَ فِيْ زَمْزَمَ يَعْنِيْ فَمَاتَ فَاَمَرَ بِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاُخْرِجَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُنْزَحَ قَالَ فَغَلَبَتْهُمْ عَيْنٌ جَاءَتْهُمْ مِنَ الرُّكْنِ فَاَمَرَ بِهَا فَدُسَّتْ بِالْقَبَاطِيِّ وَالْمَطَارِفِ حَتّٰى نَزَحُوْهَا فَلَمَّا نَزَحُوْهَا انْفَجَرَتْ عَلَيْهِمْ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۱۔ وَعَنْ مَيْسَرَةَ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِيْ بِئْرٍ وَقَعَتْ فِيْهَا فَارَةٌ فَمَاتَتْ

۱۰۔ محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ ایک حبشی زمزم میں گر کر مرگیا۔ حضرت ابن عباسؓ کے کہنے پر اُسے نکالا گیا اور ابن عباسؓ نے اس کا پانی نکالنے کا حکم دیا راوی کہتا ہے، حجر اسود کی طرف سے آنے والا چشمہ ان پر غالب آگیا (یعنی تمام پانی نہ نکال سکے) پھر انہوں نے حکم دیا تو (چشمہ کے سوراخ میں) سوتی اور ریشمی کپڑے ٹھونسے گئے یہاں تک کہ لوگوں نے تمام پانی نکال لیا۔ جب انہوں نے نکالا تو اور پھوٹ پڑا۔
اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۱۔ میسرہؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کے بارہ میں کہا جس میں چوہا گر کر مرجائے

"تغیر احد الاوصاف نجاست کی علامت ہے لہذا صحابہؓ نے اس کے نکالنے کا حکم دیا مگر یہ توجیہ بھی محض توجیہ ہے کسی انسان کے گرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کا خون بھی بہا ہو دوسرا یہ کہ پانی میں گرنے پھانسی سے موت لگنے کی صورت میں انسان کا خون خشک ہو جاتا ہے وہ کب بہتا ہے۔

(۵) اس حدیث میں شوافعؒ ایک توجیہ کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس کا فتویٰ تطہیر کے لیے نہیں تھا تنظیف کے لیے تھا مگر یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ روایت کے الفاظ " فامر ابن الزبیر " (طحاوی ج ۱ صفحہ ۱) کے نقل ہوئے ہیں امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اس کو کس طرح تنظیف پر حمل کیا جاسکتا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امر تنظیف اور استحباب کے لیے تھا تو پھر صحابہؓ نے مسلسل تین روز تک خود کو کیوں مشقت اور تکلیف میں رکھا حالانکہ مستحب امور میں اس قدر شدت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۰۔ اس حدیث میں بھی وہی واقعہ بئر زمزم میں حبشی کے وقوع کا بیان کیا گیا ہے اس کو دارقطنی نے کتاب الطہارت ج ۱ صفحہ ۳۳ میں نقل کیا ہے دونوں روایات پر " واسنادہ صحیح " کا حکم ہے۔

۱۱۔ گیارہویں حدیث (جسے امام طحاویؒ نے ج ۱ صفحہ ۱۹ باب الماء یقع فیہ النجاسۃ میں نقل کیا ہے اور جس کی اسناد حسن ہے) بھی اس بات کی دلیل ہے کہ نجاست کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے

قَالَ يُنْزَحُ مَاؤُهَا. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ. وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ. قَالَ النِّيمَوِيُّ وَفِي الْبَابِ آثَارٌ عَنِ التَّابِعِينَ.

اس کا تمام پانی نکالا جائے، امام طحاوی ؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔
نیموی ؒ نے کہا اور اس باب میں تابعین سے بھی آثار منقول ہیں۔

" ینزح ماؤھا " وقوع نجاست سے کنویں میں موجود پانی نکالا جائے گا البتہ اگر کنواں چشمہ دار ہے اور اس میں مزید پانی آجاتا ہے تو وہ پاک ہوتا ہے نیز اس حدیث سے اور اس سے قبل دسویں حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا، وقوع نجس فی البئر کی صورت میں دیواریں دھونے اور مٹی نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اَبْوَابُ النَّجَاسَاتِ

بَابُ سُؤْرِ الْهِرِّ

۱۲۔ عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ عِنْدَ ابْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا قَالَتْ فَسَكَبْتُ لَهٗ وَضُوْءًا قَالَتْ فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَآنِیْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِیْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّمَا هِیَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِیُّ۔

۱۲۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی بیٹی کبشہؓ سے روایت ہے اور یہ حضرت ابو قتادہؓ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں کہ حضرت ابو قتادہؓ ان کے پاس تشریف لائے وہ کہتی ہیں میں نے ان کے وضو کے لیے پانی بہایا۔ انہوں نے کہا بلی آئی پانی پینے لگی تو ابو قتادہؓ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا۔ یہاں تک کہ بلی نے پانی پیا، کبشہؓ کہتی ہیں حضرت ابو قتادہؓ نے مجھے دیکھا کہ میں ان کی طرف (تعجب سے) دیکھ رہی ہوں تو انہوں نے کہا اے بھتیجی! کیا تم تعجب کرتی ہو، میں نے کہا، ہاں۔ انہوں نے کہا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ناپاک (کرنے والی) نہیں یہ تمہارے پاس (گھروں میں) بار بار آنے والی ہے۔ راوی کو شک ہے کہ آپ نے طوافین کا لفظ استعمال فرمایا یا طوافات کا۔ یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

---

۱۲ تا ۱۹ ——— یہ دوسرا باب سور الہرہ ہے اور اس کے بعد تیسرا باب سور الکلب کی احادیث پر مشتمل ہے احادیث میں مختلف آسار کا بیان اور احکام مذکور ہیں لہٰذا اولاً سور کی اقسام عرض کی جاتی ہیں۔

۱۳۔ وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارِ التَّمَّارِ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَوَجَدَتْهَا تُصَلِّيْ فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ أَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۳۔ داؤد بن صالح بن دینار التمار نے اپنی والدہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کی مالکہ نے انہیں حلوا دیکر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجا تو انہوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا، ام المؤمنینؓ نے اشارہ کیا کہ اسے رکھ دے، پھر بلی آئی تو اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا، جب ام المؤمنینؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے بھی وہیں سے کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا، پھر کہا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق یہ ناپاک کرنے والی نہیں یہ تمہارے پاس بار بار آنے والی ہے اور تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرماتے ہوئے دیکھا۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس کی سند حسن ہے)

آسار کے اقسام واحکام | سؤر کی کل سات قسمیں ہیں (۱) سؤر مسلم (۲) سؤر کافر، سؤر مسلم پاک ہے البتہ سؤر کافر میں اختلاف ہے بعض نے انما المشرکون نجس کی وجہ سے اسے نجس قرار دیا ہے، بعض نے پاک، بعض نے مکروہ قرار دیا ہے تاہم مسلمانوں کے جھوٹے کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ پاک ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ صفحہ۲) البتہ مرد اور عورت ایک دوسرے کا فضلہ استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں اس سلسلہ میں پانچ مذاہب ہیں جن کی تفصیل آئندہ باب ماجاء فی فضل طہور للمرآۃ) میں کی جائے گی۔

(۳) سؤر ماکول اللحم، یہ بالاتفاق پاک ہے۔

(۴) سؤر الخنزیر، یہ بالاتفاق نجس ہے۔

(۵) سؤر کلب، اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل اگلے باب میں آنے والی ہے۔

(۶) سؤر سباع غیر ماکول اللحم۔

(۷) سؤر طوائف البیوت۔ جس میں بلی سانپ چوہے سب داخل ہیں زیر بحث حدیث اس سؤر نمبر ۷ کے سلسلہ میں ہے۔ ایک اور قسم کا آٹھواں سؤر بھی ہے۔ باقی رہی سؤر الحمار والبغل کی بات تو وہ سؤر

۱۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْسَلُ الْاِنَاءُ اِذَا وَلَغَ فِیْهِ الْكَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ اَوْ اُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ وَاِذَا وَلَغَتْ فِیْهِ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ۔

۱۴۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے ان میں پہلی یا آخری مرتبہ مٹی سے مانجا جائے اور جب بلی برتن میں منہ ڈالے تو ایک مرتبہ دھویا جائے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مشکوک ہے چونکہ مشکوک امور میں بحث بے فائدہ ہے تاہم صحاح ستہ کی شروحات میں اس پر بھی تفصیلی بحثیں کی گئی ہیں۔

بیان مذاہب (۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ سؤر الہرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں حسن بصریؒ، حسن بن زیادؒ، امام زفرؒ اور امام محمدؒ کا بھی قول محقق کے مطابق یہی مذہب ہے ان سب حضرات کے نزدیک سؤر ہرہ نہ تو بالکل نجس ہے اور نہ بالکل طاہر، بلکہ سب اس کو بین بین مکروہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ کراہت میں اختلاف ہے۔

(ا) امام اعظمؒ کے قول کراہت سے بعض حضرات نے کراہت تحریمی مراد لی ہے ان کے نزدیک چونکہ بلی کا گوشت حرام ہے لعاب مایتولد منہ ہے جو حکم گوشت کا ہوتا ہے وہی حکم لعاب کا ہوتا ہے لہٰذا اس کا لعاب بھی حرام ہے امام طحاویؒ کا رجحان ادھر ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳، البحر الرائق ج ۱ ص ۱۳)

(ب) بعض دیگر حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کے قول مکروہ کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے یہ رائے امام کرخیؒ کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۰)

(ج) بعض حضرات نے اس میں قدرے مزید تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر بلی، چوہا وغیرہ کھانے کے فوراً بعد برتن میں منہ ڈالیں تو اس صورت میں ان کا سؤر مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر ان کا منہ صاف ہو یا کھانے کے اچھے خاصے وقفے کے بعد برتن میں منہ ڈالیں تو ان کا سؤر مکروہ تنزیہی ہوگا یہ گویا احناف کے مذکورہ دونوں اقوال میں ایک گونہ تطبیق کی صورت ہے۔

(۲) امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، (قول غیر محقق کے مطابق)، امام اوزاعیؒ

۱۵۔ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طُهُوْرُ الْإِنَاءِ إِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْهِرُّ أَنْ يُغْسَلَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَآخَرُوْنَ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ هٰذَا صَحِيْحٌ۔

۱۵۔ اور انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بلی برتن میں منہ ڈالے تو اس کا پاک ہونا اس طرح ہوگا کہ اسے ایک یا دو مرتبہ دھویا جائے" اسے طحاویؒ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے اور دارقطنیؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور سفیان ثوریؒ وغیرہم سؤر الہرۃ کو طاہر قرار دیتے ہیں۔ اس پر "لیس بہ باس" کا حکم لگاتے ہیں۔

قائلین طہارت کے دلائل

(۱) اسی باب (باب سؤر الہرۃ) کی پہلی روایت جو آثار السنن کی حدیث (۲) بھی ہے جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص [illegible] میں اور ابوداؤد نے ج ۱ ص [illegible] میں نقل کیا ہے یہ روایت حضرت کبشہ بنت کعب کی ہے کبشہؓ حضرت ابوقتادہؓ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں ان کے خسر (حضرت ابوقتادہؓ) ان کے پاس تشریف لائے تھے تو انہوں نے اپنے خسر کے لیے وضو کا پانی ڈالا تو بلی آکر پینے لگی تو حضرت ابوقتادہؓ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا تو کبشہ کہتی ہیں کہ میں متعجب ہوئی تو وہ فرمانے لگے۔

إنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال إنها ليست بنجس إنما هي من الطوافين عليكم والطوافات۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ناپاک کرنے والی نہیں یہ تو تمہارے پاس گھروں میں بار بار آنے والی ہے۔

امام بیہقیؒ نے (سنن کبریٰ ج ۱ ص [illegible]) یہی روایت نقل کی تو اس کے الفاظ یہ ہیں وفی روایۃ عائشۃ مرفوعاً قال فی الہرۃ انہا لیست بنجس ہی کبعض اہل البیت اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں مرفوعاً منقول ہے کہ الہرۃ من متاع البیت۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص [illegible])

(۲) دوسرا مستدل قائلین طہارت کا اسی باب کی دوسری روایت (ترمذی نمبر ۱۳) والی حدیث ہے جسے امام ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ ج ۱ ص [illegible] باب سؤر الہرۃ میں نقل کیا ہے۔

داؤد بن صالح بن دینار التمار اپنی والدہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی مالکہ کا بنایا ہوا حلوہ لیکر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں پہنچیں تو وہ نماز میں مصروف تھیں مجھے حلوہ رکھنے کا اشارہ کیا میں نے رکھا تو اس میں بلی نے منہ ڈالا اور کچھ کھا لیا حضرت ام المؤمنینؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے بھی وہیں سے تناول

۱۲ - وَعَنْهُ قَالَ إِذَا وَلَغَ الْهِرُّ فِي الْإِنَاءِ فَأَهْرِقْهُ وَاغْسِلْهُ مَرَّةً. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَالْمَوْقُوْفُ أَصَحُّ فِي الْبَابِ۔

---

۱۲ - اور انہوں نے (حضرت ابوہریرہؓ) نے کہا جب بلی برتن میں منہ ڈالے تو اس پانی کو گرادو اور برتن کو ایک مرتبہ دھوڈالو۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے اور اسکی اسناد صحیح ہے۔

فرمایا۔ جہاں سے بلی نے کھایا تھا ـــ اس کے بعد ارشاد فرمایا،

فقالت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انها لیست بنجس انما هی من الطوافین علیکم و قد رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضأ بفضلها.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ یہ ناپاک کرنے والی نہیں یہ تو تمہارے پاس بار بار آنے والی ہے اور بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے ہوئے دیکھا۔

قائلین کراہت کے دلائل

(۱) حنفیہ حضرات حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے امام نیمویؒ نے آثار السنن میں ۱۴ ویں نمبر حدیث میں درج کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے ابواب الطہارۃ ج ۱ صلا میں باب ماجاء فی سور الهرة کے تحت نقل کیا ہے جس کے آخر میں " واذا ولغت فیه الهرة غسل مرة " کے الفاظ صراحۃً مذکور ہیں امام ترمذیؒ نے اس روایت کو " حسن صحیح " قرار دیا ہے امام ابوداؤد کی روایت کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب ہیں (ج ۱ صلا) طحاویؒ میں روایت کے الفاظ یوں منقول ہیں۔ طهور اناء احدکم اذا ولغت فیه الهرة (الحدیث) امام نیمویؒ نے ۱۵ ویں نمبر پر اسی روایت کو امام طحاویؒ وآخروں کے حوالے سے درج کیا ہے اور دار قطنی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (طحاوی ج ۱ صلا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق بلی کے برتن میں منہ ڈالنے کی صورت میں اسے دھونا پڑے گا اور اگر طحاویؒ کی روایت کے الفاظ " طهور " کو ملحوظ رکھا جائے تو برتن کا پاک کرنا ضروری ہے اگر سؤر ہرہ کو مکروہ قرار نہ دیں تو پھر حدیث میں حکم غسل اور حکم طہور انا ء سے کیا فائدہ ؟ نیز اسی باب کی آخری (اور آثار السنن کے حوالہ نمبر سے ۱۶ ویں) حضرت ابوہریرہؓ کی موقوف روایت جسے امام نیمویؒ نے " والموقوف اصح فی الباب " قرار دیا ہے بھی حنفیہ کا قوی مستدل ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بلی برتن میں منہ ڈالے تو اس پانی کو انڈیل دو اور برتن کو ایک مرتبہ دھوڈالو۔

ایک علمی فائدہ | محمد بن سیرینؒ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت موقوف نقل کرتے ہیں جب ان سے یہی سوال پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی تمام روایات حضورﷺ ہی سے ہوا کرتی ہیں اس لیے مرفوع ذکر کرنے سے بے نیازی حاصل ہو جاتی للذا میں جب بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت موقوف نقل کروں گا۔ تو اس کو مرفوع سمجھ لیا جائے اس وضاحت کے بعد موقوف ہونے کا اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ حنفیہؒ حضرات کا دوسرا قوی مستدل ترمذی کی یہ روایت ہے۔ عن جابرؓ قال حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی یوم خیبر الحمر الانسیه ولحوم البغال وکل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر (ترمذی ج ۱ ص ۲۱۳ باب فی کراهیة کل ذی ناب وذی مخلب) اس روایت میں ذی ناب درندوں کے گوشت کھانے سے نہی کی گئی ہے جبکہ بلی بھی ذی ناب درندوں میں داخل ہے اس کا گوشت بھی حرام ہے تو " مایتولد منه لعاب " بھی حرام ہونا چاہیئے۔

دو سوال اور جواب | سوال ! حنفیہ حضرات کو چاہیئے کہ مذکورہ اصول کے پیش نظر کہ بلی کے سور کو بھی دیگر ذی ناب درندوں کی طرح نجس قرار دیں پھر کراہت کا حکم کیوں لگایا جاتا ہے اور اسے طاہر مکروہ " کیوں قرار دیتے ہیں۔

جواب ! حضرت کبشہ کی روایت " انما هی من الطوافین علیکم او الطوافات " اور ابوداؤد کی روایت " انما هی من الطوافین علیکم " کی وجہ سے ہرہ کے پس خوردہ کی حرمت و نجاست ساقط ہو گئی اور یہ ایک شرعی ضرورت ہے مگر یاد رہے کہ شرعی ضرورت کی بنا پر سقوط نجاست سے سقوط کراہت نہیں آتا اور نہ ہی " سقوط نجاست " کراہت کی نفی کو مستلزم ہے۔

سوال ! ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے نجاسات سے تطہیر کے قاعدے کے مطابق تین بار برتن کو دھونا چاہیئے مگر احادیث میں اس کے ایک بار دھونے کا حکم مذکور ہے جو بظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ سور ہرہ نجاسات کی جنس سے نہیں ورنہ عام نجاسات کی طرح تین بار دھونے کا حکم دیا جاتا۔

جواب ! ایک بار دھونا سور کی طہارت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ غیر مرئی نجاسات کے بارے میں شریعت کے احکام مختلف ہیں اور بعض احکام میں تخفیف ہے مثلاً بول صبی بالاتفاق نجس ہے مگر شریعت نے اس میں غسل خفیف کا حکم دیا ہے کہ احتراز ممکن نہیں (جس کی تفصیلی بحث متعلقہ باب میں آرہی ہے) بلی کے جھوٹے میں غسل خفیف کا حکم اسی مصلحت سے دیا گیا ہے کہ اس سے بھی عمومی احتراز ممکن نہیں۔

قائلین طہارت کے دلائل سے حنفیہؒ کے جوابات | (۱) کبشہ بن کعب کی روایت کی سند میں حمیدہؓ اور کبشہؓ دونوں بیبیاں صحابیات میں شامل

نہیں! یہ دونوں مجہول ہیں تو طہارت جیسے اہم ترین مسئلے میں ان پہ کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ (الجواہر النقی ج ۱ ص ۲۴۵)

(۲) داؤد بن صالح بن دینار التمار عن امہ روایت کرتے ہیں مگر اس روایت میں "عن امہ" کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور کون نہیں امرأة مجهولة عند اهل العلم (الجواہر النقی ج ۱ ص ۲۴۵) تو اس مجہول سے استدلال کس طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۳) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد تو صرف اس قدر ہے کہ انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم او الطوافات اس کی مراد یہ ہے کہ بلی کو گھروں میں رکھنا یا کپڑوں وغیرہ کے ساتھ اس کا لگ جانا ان کو نجس نہیں کرتا اس میں اس کے سؤر اور پس خوردہ کا ذکر اور حکم نہیں ہے مگر پانی کا برتن بلی کے سامنے رکھنا یہ حضرت ابو قتادہؓ کا اپنا فعل ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲) اسی طرح حضرت عائشہؓ کا عمل (بلی کے پس خوردہ حلوا کا کھانا) بھی تو اس کا اپنا عمل ہے ایک صحابیؓ یا صحابیہؓ کی ذاتی رائے یا عمل امت کے لیے حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۴) حضورؐ کا قول "انها ليست بنجس" میں دو احتمال ہیں (۱) بلی کا جھوٹا ناپاک نہ ہونا (۲) بلی کا ظاہر بدن ناپاک نہ ہونا۔ تو روایت محتملہ للمعنيين سے استدلال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۵) قاعدہ ہے کہ جب مرفوع روایت آجائے تو اس کے مقابلہ میں کسی صحابی کے قول کو ترجیح نہیں دی جاتی (اذا ولغت فيه الهرة غسل مرة) یہ مرفوع حدیث ہے جیسے حضرت قتادہؓ اور سیدہ عائشہؓ کی روایات پر بہرحال ترجیح حاصل ہے یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ حدیثی اور فقہی ذخیرہ میں جگہ جگہ یہ تصریح یہ مذکور ہے کہ صحابہ کے اقوال و افعال میں اختلاف ہو جائے تو جو اقرب الی القرآن یا اقرب الی الحدیث ہو اس کو لیا جاتا ہے مسئلہ زیر بحث میں ابو قتادہؓ کا فعل اقرب الی القرآن یا اقرب الی السنہ نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کے متعدد مویدات موجود ہیں۔

(۶) زیادہ سے زیادہ حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت عائشہؓ کے فتویٰ اور عمل کو بیان جواز پہ حمل کیا جا سکتا ہے۔ سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

"جو چیز مکروہ تنزیہی ہو اور شارع علیہ السلام سے بیان جواز کے لیے ثابت ہو تو اہل علم اور علماء مقتدا حضرات کو جو واقعۃً علوم نبوت کے شارح ہوتے ہیں ایک مرتبہ بیان جواز، ابلاغ سنت اور تبیین شریعت کی غرض سے ایسا فعل بھی کر لینا چاہیے تاکہ عوام الناس کے اذہان میں اس کا وہی مقام رہے جو شریعت نے مقرر کیا ہے حضرت عائشہؓ کا یہ فعل جو سؤر ہرہ کے استعمال سے متعلق امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے بیان جواز کے لیے اور بوجہ اہل علم ہونے کے تبیین حق کی توجیہ پر محمول ہے حضرت ابو قتادہؓ کی رائے بھی بیان جواز پر محمول ہے اسی طرح کبشہؓ بنت کعبؓ

والی روایت اور اس نوعیت کے جملہ مرویات حنفیہ حضرات بیان جواز پر محمول کرتے ہیں:
(حقائق السنن ج ۱ صلہ)

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوقتادہؓ کے عمل اس صورت پر محمول ہیں جب سور الہرہ کے علاوہ دوسرا پانی موجود نہ ہو تو اس صورت میں بالاتفاق حنفیہ حضرات بھی سؤر الہرہ سے بلاکراہت وضو کے جواز کے قائل ہیں امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلی کے پس خوردہ میں کوئی حرج نہیں۔
(طحاوی ج ۱ صلا)

(۷) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ بلیوں کا گھروں میں آنا جانا سواکن البیوت کے طواف کے مشابہ ہے لہٰذا سواکن البیوت کے پس خوردہ کا جو حکم ہے وہی حکم ہرہ کے سور کا بھی ہے۔

(۸) ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تشبیہ پر محمول نہ ہو بلکہ واقعۃً حقیقی معنی کے اعتبار سے کیا گیا ہے ہرہ کو طوافین میں سے قرار دیا گیا ہو کیونکہ بلی بھی ایک گونہ خدام سے ہے جو چوہوں جیسے موذی جانوروں سے گھروں کو پاک رکھتی ہے۔ (حقائق السنن ج ۱ صلا)

ایک اضافی فائدہ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں عقلی دلیل (جو نظر طحاوی سے مشہور ہے) پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ سؤر گوشت کا تابع ہوتا ہے گوشت پاک ہے تو سور پاک ہے گوشت ناپاک ہے تو سؤر ناپاک ہے جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا ہم یہاں پر اس اصول کے تحت گوشت کے چار اقسام اور احکام کا ایک اضافی فائدہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) پاک ماکول گوشت! جیسا کہ اونٹ، گائے، بکری وغیرہ کا گوشت ہے ان کا گوشت پاک ہونے کی وجہ سے ان کا سور بھی پاک ہوگا کیونکہ سوز پاک گوشت سے ملتا ہوا آتا ہے۔

(۲) طاہر غیر ماکول گوشت! جیسا کہ بنی آدم کا گوشت" اس کا سؤر بھی پاک ہے کیونکہ جھوٹا لعم طاہر سے مس کرتا ہے۔

(۳) لحم نجس حرام! جیسا کہ خنزیر اور کتے کا گوشت، یہ ناپاک ہے تو ان کا سؤر بھی ناپاک ہوگا اس لیے کہ لحم نجس سے مس کرتا ہے۔

لہٰذا تینوں قسم کے جانوروں کے سؤر کا حکم ان کے گوشت کے تابع ہوا کرے گا۔

(۴) وہ گوشت جو غزوۂ خیبر سے پہلے حلال تھا لیکن بعد میں غزوۂ خیبر کے وقت ان کی حرمت کا حکم نافذ کر دیا گیا جیسا کہ اہلی گدھا اور ہر ذی ناب و ذی مخلب کا گوشت۔ انہی ذی ناب درندوں میں سے بلی اور اس جیسے جانور بھی ہیں۔

مندرجہ بالا ذکر کردہ اصول کے مطابق جب ان کا گوشت حرام ہے تو ان کا سؤر بھی حرام ہونا چاہیے لیکن ان کے سؤر کو نجس اور حرام قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھروں میں چلنے پھرنے والے

بَابُ سُؤرِ الْكَلْبِ

۱۷- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَّغْسِلَهٗ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ کتے کے پس خوردہ میں۔ ۱۷۔ حضرت ابوہریرۃؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں جب کتا منہ ڈالے تو اس کا پاک ہونا اس طرح ہوگا کہ اسے سات مرتبہ دھوئے، ان میں سے پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجے۔" اسے مسلم نے نقل کیا ہے۔

جائز رہیں۔

المشقۃ تجلب التیسیر (الاشباہ والنظائر ص۱۲۵) کے قاعدہ کے تحت مشقت کی بنا پر سورِ ہرہ میں تخفیف پیدا کر کے حرام سے مکروہ کے درجہ میں اتار دیا گیا ہے لہٰذا سورِ ہرہ کو نہ بالکل پاک کہتے ہیں اور نہ بالکل ناپاک بلکہ ہین بین مکروہ کہنا پڑے گا کیونکہ اس میں علت طواف کی وجہ سے تخفیف آگئی ہے یہی حکم سانپ بچھو اور چوہے کے جھوٹے کے سلسلے میں ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی)

(۱۷ تا ۲۱) گذشتہ باب میں یہ بات عرض کر دی تھی کہ سور، متولد من اللحم ہے جو حکم لحم کا ہوگا وہی حکم سور کا ہوگا لہٰذا

(۱) چونکہ امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک کتا پاک ہے لہٰذا سور الکلب بھی عندھم مطلقاً طاہر ہے ان کے نزدیک برتن کا دھونا امر تعبدی ہے علامہ ابن رشدؒ نے بدایہ ج ا ص۲۴ اور ابن دقیق العید نے احکام الاحکام ج ا ص۔۔ میں یہی نقل کیا ہے تاہم یہاں یہ بھی ملحوظ رہے سور الکلب کے بارے میں عبد الملک بن ماجیشونؒ نے امام مالکؒ کے چار اقوال نقل کئے ہیں (۱) کتے کا جھوٹا مطلقاً ناپاک ہے (۲) شکاری کتے کا لعاب پاک ہے، دوسرے کتوں کا سور ناپاک ہے (۳) شہری کتوں کا جھوٹا ناپاک ہے دیہاتی کتوں کا جھوٹا پاک ہے (۴) ہر قسم کے کتے کا جھوٹا علی الاطلاق پاک ہے (بذل المجہود ج ا ص۔۔) امام مالکؒ کا یہی قول زیادہ مشہور ہے اس قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے اولاً ان کے مسلک مختار کی تعیین کر دی ہے اور آئندہ بحث میں بھی اس قول کو ملحوظ رکھا ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک کتا نجس ہے لہٰذا کتے کا پس خوردہ یا جس پانی میں کتا منہ ڈالے یا جس برتن میں

۱۸۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ وَقَالَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَعَفِّرُوهُ الثَّامِنَةَ بِالتُّرَابِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، پھر فرمایا کیا حال ہے لوگوں کا اور کیا حال ہے کتوں کا، پھر شکار اور بکریوں (کی حفاظت) کے کتے میں رخصت عطا فرما دی اور فرمایا، جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات بار دھو ڈالو، اور آٹھویں بار مٹی کے ساتھ مانجو۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

منہ ڈالے وہ بھی مطلقاً نجس ہے۔

امام مالکؒ کا استدلال اور ائمہ ثلاثہ کا جواب

(۱) امام مالکؒ سور الکلب کی طہارت پر قرآن مجید کی آیت "وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ" الخ استدلال کرتے ہیں جس میں لفظ مکلبین آیا ہے فرماتے ہیں اگر سور الکلب نجس ہوتا تو اس کا شکار کیسے درست ہوتا؟ آخر شکار بھی تو منہ ہی سے کرتا ہے جہاں کتا منہ لگاتا ہے قرآن میں اس کے دھونے کا حکم نہیں ہے بلکہ کھانے کی اجازت ہے لہٰذا کتا اس کا لحم لعاب اور سور سب پاک ہیں۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شکار کے جس حصہ پر کتے کا منہ لگا ہے اس کو کاٹ دیا جائے یا دھو ڈالے اسی طرح شکار تو باقی درندوں شیر اور چیتے وغیرہ سے بھی جائز ہے حالانکہ ان کا پس خوردہ نجس ہے قرآن میں جس طرح دھلنے کا حکم مذکور نہیں ہے اسی طرح نہ دھلنے کے بارے میں بھی حکم نہیں ہے لہٰذا دونوں طرح کا احتمال ہے اور قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۲) قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس۔

موالکؒ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کے اندر نجاستوں کو تین چیزوں میں منحصر کر دیا گیا ہے مردار، دم مسفوح اور خنزیر، لہٰذا ان میں کتا اور دیگر درندے شامل نہیں اس لیے کتا طاہر ہے اور اس کا سور بھی طاہر ہے حنفیہ حضرات

۱۹۔ وَعَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِی الْاِنَاءِ اَهْرَاقَهٗ وَغَسَلَهٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۱۹۔ عطاؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے بیان کیا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالتا تو وہ پانی گرانے اور برتن کو تین بار دھونے کا حکم دیتے۔ اسے دارقطنی اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔

فرماتے ہیں اس آیت میں حصر اور قیود " وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ " کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہے منسوخ آیت میں صرف تین نجاستوں کا اور ناسخ آیت میں عام نجاستوں کا حکم ہے۔

(۳) مالکیہؒ کہتے ہیں حدیث میں بعض ضرورتوں کے لیے کتا پالنے کی اجازت ہے کتے کی عادت ہے کہ جو چیز بھی سامنے آئے اس میں منہ مارتا ہے لہٰذا جس طرح علتِ طواف کی وجہ سے سؤر ہرہ کو پاک قرار دیا گیا تھا اسی علت کی وجہ سے سؤر کلب بھی طاہر ہے حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ بلی سے بچنے کے لیے جو دشواری حرج اور مشقت ہے وہ کتے میں نہیں لہٰذا بلی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

(۴) ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ کتے مسجد میں داخل ہو کر کھیلتے تھے جبکہ کتے چلتے پھرتے بھاگتے دوڑتے زبان نکالے لعاب گراتے ہیں اور گرمیوں میں تو اس میں کثرت آجاتی ہے تو مسجد نبویؐ میں ضرور لعاب گرتا ہوگا لیکن اس سے مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں دیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتے کا رال اور لعاب پاک ہے۔ حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ کتے کے لعاب اور رال سے مٹی ناپاک ہو جاتی ہے لیکن خشک ہو جانے کے بعد مٹی پاک ہو جاتی ہے اس لیے حضورؐ نے مسجد کی دھلائی کا حکم نہیں دیا۔

(۵) حدیث نبوی " ان الماء لا ینجسہ شیٔ الا ما غلب علی لونہ او طعمہ او ریحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تغیر احد الاوصاف سے پہلے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور سؤر الکلب سے پانی میں تغیر نہیں آتا تو سؤر کلب باعث نجاست نہیں بن سکتا۔ اس حدیث کا جواب ہم گذشتہ بحث میں دے چکے ہیں یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے ایک منقطع اور ایک سند مرفوع، سند مرفوع میں رشدین بن سعد آیا ہے جو ضعیف اور متروک الحدیث ہے (دارقطنی) اور جہاں سند صحیح ہے وہاں یہ منقطع اور موقوف ہے اور حدیث منقطع خود مالکیہ حضرات کے ہاں قابل استدلال نہیں یہ تو " توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل " کے قبیل سے ہے۔

غسل اناء کا حکم اور بیان مذاہب

(۱) امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور جمہور احناف فرماتے ہیں کہ کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کے بعد عام نجاست

۲۰۔ وَعَنْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاهْرِقْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔

۲۰۔ اور انہیں سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا جب کتا برتن میں منہ ڈالے، تو پانی گرا دے اور برتن کو تین بار دھو ڈال؟ اسے دارقطنی اور طحاویؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

کی طرح برتن کا تین مرتبہ دھونا واجب ہے نہ سات مرتبہ دھونا واجب ہے نہ مٹی سے رگڑنا واجب ہے البتہ سات مرتبہ دھونا مستحب ہے ۔

(۲) امام مالکؒ بھی سات مرتبہ دھونے کا فرماتے ہیں مگر وہ اسے امر تعبدی سمجھتے ہیں ۔

(۳) امام شافعیؒ نے سات مرتبہ دھونے کو واجب قرار دیا ہے حدیث تسبیع ان کا مستدل ہے نیز ساتوں میں سے پہلی مرتبہ رگڑنا بھی واجب ہے ۔

(۴) امام احمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں (ا) سات مرتبہ (ب) آٹھ مرتبہ دھونا اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے رگڑنا بھی واجب ہے اسی باب کی دوسری روایت جو عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے ان کا مستدل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال | باب ہذا کی پانچوں احادیث کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری روایت منقول ہے اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسله ثلاث مرات ۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص۱۳۱)

(۱) اسی آثار السنن میں دارقطنی اور امام طحاویؒ کے حوالے سے ۲۰ نمبر پر خود حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ منقول ہے کہ "اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلاث مرات" جس میں ولوغ کلب کے بعد تین مرتبہ برتن کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے ابن دقیق العیدؒ نے اپنی کتاب "الامام" میں "اسنادہ صحیح" کا اس پر حکم لگایا ہے ۔ (بحوالہ فتح الملہم ج ۱ ص۱۳۱)

(۲) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ "غسل سبع مرات" کی روایت اور تین مرتبہ غسل کا فتویٰ دونوں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اگر انہیں سات مرتبہ دھونے کے وجوب کا منسوخ ہونا اور عدم وجوب اور اس کے استحباب کا علم نہ ہوتا تو بعد میں وہ اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ ہرگز نہ دیتے ۔ جبکہ ظاہر ہے کہ اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی ثقاہت اور عدالت پر اثرانداز ہوتا ہے اس موقع پر نواب صدیق حسن خان کا یہ قول بھی یاد رہے کہ جب راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو یہ اس بات کی

۲۱۔ وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ، قَالَ لِي عَطَاءٌ: يُغْسَلُ الْإِنَاءُ الَّذِي وَلَغَ الْكَلْبُ فِيهِ قَالَ كُلُّ ذٰلِكَ سَبْعًا وَخَمْسًا وَثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۲۱۔ ابن جریج نے کہا کہ عطا بن ابی رباحؒ نے مجھے کہا، جس برتن میں کتے نے منہ ڈالا ہو تو اسے دھویا جائے انہوں نے کہا یہ تمام، سات، پانچ اور تین بار (تین بار وجوبًا اور بقایا استحبابًا)۔

اسے عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

دلیل ہے کہ اس کے پاس اس روایت کے نسخ کا علم ہے یا اس کی روایت کا محل اور ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا کہ جب کوئی سونے کے بعد بیدار ہو جائے تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لیا کرے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کا ہاتھ ناپاکی پر لگا ہو (شرح معانی الآثار) — امام طحاویؒ فرماتے ہیں صحابہ کرام قلت ماء کی وجہ سے استنجاء بالاحجار پر اکتفا کر لیا کرتے تھے اس صورت میں لازمی طور پر نجاست کا کچھ حصہ مخرج میں باقی رہ جاتا ہے سونے کی حالت میں جب پسینہ آجاتا ہے اور ہاتھ وہاں لگ جائے تو اس کی تلویث یقینی ہے تو ہاتھ ناپاک ہو گا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ پاخانہ پیشاب کتے کے لعاب کے مقابلہ میں غلیظ ترین نجاست ہے تو جب پاخانہ پیشاب غلیظ ترین نجاست سے ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے لہٰذا سور کلب جو اخف نجاست ہے اس سے برتن تین بار دھونے سے یقینًا پاک ہو جائے گا۔

(۴) عطاء بن ابی رباح جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں سے بھی تین مرتبہ دھونے کے وجوب کا فتویٰ منقول ہے (طحاوی ج ۱ صـ۱۳) باب ہذا میں بھی آخری روایت انہی کی ہے قال لی عطاء یغسل الاناء الذی ولغ الکلب فیہ قال کل ذلک سبعًا وخمسًا وثلاث مرات یعنی جس برتن میں کتے نے منہ ڈالا ہو، اسے دھویا جائے، انہوں نے کہا یہ تمام سات پانچ اور تین وجوبًا اور بقایا استحبابًا۔

(۵) شرح معانی الآثار میں نظر طحاوی ایک مضبوط عقلی دلیل ہے فرماتے ہیں کہ خنزیر کے سور سے بھی برتن ناپاک ہو جاتا ہے لیکن اگر اسی برتن کو بھی تین مرتبہ دھو لیا جائے تو سور خنزیر سے وہ بھی پاک ہو جاتا ہے جو سور کلب کے مقابلہ میں زیادہ اغلظ ہے تو جب خنزیر کے پس خوردہ سے برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو سکتا ہے، تو کتے کے سور سے کیوں پاک نہ ہو لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کتے کے جھوٹے سے بھی تین مرتبہ دھلنے سے برتن پاک ہو جاتا ہے اور یہی تین مرتبہ واجب ہے۔ تسبیع اور تتریب زیادہ سے زیادہ درجۂ استحباب میں ہے اور کچھ نہیں۔

امام شافعیؒ کے استدلال سے جواب

امام شافعیؒ آثار السنن کی تیسری حدیث "اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعًا" اور اسی باب کی پہلی روایت جس میں "اولاھن بالتراب" کا اضافہ بھی ہے کو اپنا مستدل قرار دیتے ہیں حنفیہ نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا جبکہ لوگ کتوں سے زیادہ مانوس تھے اس تاکیدی حکم سے لوگوں کو کتوں سے متنفر دلانا مقصود تھا۔

(۲) سبع مرات (سات مرتبہ دھونے) کی روایت بھی قطعی نہیں بلکہ روایت میں اضطراب ہے کسی میں ہے "احداھن بالتراب" کسی میں "اخراھن بالتراب" کسی میں "اولاھن بالتراب" اور کسی میں "عفروہ الثامنه بالتراب" کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جب آٹھویں مرتبہ مٹی ڈال جائے تو نویں مرتبہ پانی ڈالا ہوگا تو سبع مرات نہ رہا لہٰذا جس حدیث کے متن میں اس طرح گوناگوں اضطراب واقع ہو اس کے ذریعہ سے حکم وجوبی کے ثبوت پر کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے۔ نیز ان تمام روایات میں "تثلیث" تو یقینًا ثابت ہے اس سے زائد کے سلسلہ میں احتمال ہے لہٰذا تین مرتبہ دھونا واجب ہوگا اور اس سے زائد کو مستحب قرار دیا جائے گا۔

(۳) علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں سات مرتبہ دھونے کا حکم طبی نقطۂ نظر سے ہے فقہی نہیں (بدایہ ج۱ ص۲۱) کیونکہ کتے کے لعاب میں ایک قسم کا زہر ہوتا ہے اور مٹی سے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

(۴) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سات کے عدد کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اصحاب کہف سات تھے اور انکی برکت سے کتا مشرف ہوا تھا ہم جواب دیتے ہیں کہ تین کا عدد بھی موثر ہے جیسے تین مرتبہ طلاق دینے کے بعد تعلق باقی نہیں رہتا اسی طرح تین مرتبہ دھونے کے بعد نجاست کا اثر بھی نہیں رہتا وضو میں تین بار اعضاء دھونے سے طہارت کاملہ حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح تین دفعہ برتن بھی دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔

برتن سات بار دھونے اور مٹی سے مانجھنے کے فوائد

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ اپنے محسن مربی اور شفیق استاد محدث العصر العلامہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ کی اس تقریر کا بھی کچھ حصہ عرض کر دوں جو انہوں نے ترمذی پڑھاتے ہوئے تسبیع (سات بار دھونے) اور تتریب (مٹی سے مانجھنے) کی حکمتیں بیان فرمائی تھیں۔

(۱) علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ کتا خلقۃً ایسا واقع ہوا ہے کہ اس سے ملائکہ کو بھی نفرت ہوتی ہے جس گھر میں کتا ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے بنی آدم کے قلوب میں جو خیر و برکات کا القاء ہوتا ہے وہ بھی عموماً ملائکہ کے

واسطہ سے ہوتا ہے تو اگر اس سؤر کلب کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو یقیناً وہ بعض اوقات ملائکہ کے تنفر کا باعث بن سکتا ہے نتیجۃً خیر و برکات کے دروازے قلب پر بند ہو جاتے ہیں اور قلب میں سخت قساوت آجاتی ہے جیسا کہ خود علامہ شعرانی نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے کہ ان کے ایک رفیق (جو مالکی المذہب تھے) نے کتے کا جھوٹا کیا ہوا دودھ پی ڈالا تو اس کی ذکاوت ذہانت کے علاوہ قلبی باطنی کیفیات وانوار زائل ہو گئے یہاں تک کہ فصار مقبوض القلب من کل خیر حتی کادان یھلک سؤر کلب کے اس روحانی مگر بھاری مضرت سے شریعت نے بچنے اور اپنے کو محفوظ رکھنے کی تاکید کی ہے اس لیے تسبیع اور تتریب کا حکم دیا ہے تاکہ برتنوں میں بالکل اس کا اثر نہ رہے۔

(۲) حدیث تسبیع و تتریب سے متعلق ایک جرمن ڈاکٹر کی تحقیق تو اہل علم جانتے ہیں کہ مشہور اور زبان زد خاص و عام ہے جب کتے نے کسی برتن کو جھوٹا کر دیا تو اس ڈاکٹر نے برائے تحقیق اس کو کئی مرتبہ پانی سے دھویا کتے کے لعابی جراثیم اگرچہ کم ہوتے رہے مگر قطعی طور پر زائل نہ ہو سکے آخر جب اس نے تتریب کا عمل کیا تو جراثیم زائل ہو گئے جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مٹی کے اجزاء میں نوشادر موجود رہتا ہے جو لعاب کلب کے زہریلے مادے کے ازالہ کے لیے نہایت مفید ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل جب نہ تو اس قدر فنی تحقیقات ہوئی تھیں اور نہ ہی یہ فن اس قدر عروج پر پہنچا تھا تو بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ خالق السموت والارض نے آپ کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا اور ازالہ کے لیے تسبیع اور تتریب کا حکم بھی دے دیا تھا۔

(۳) اور بعض حضرات نے جو حکمت بیان کی ہے اور یہ توجیہ سب سے اہم بھی ہے کہ سؤر الکلاب سے تسبیع و تتریب کا حکم صرف اس کی ظاہری و مادی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ معنوی خباثت کی وجہ سے بھی ہے کیونکہ شیطانی مادہ جو ملکوتی طبیعت (یعنی فرشتوں کی طبیعت) کے ضد ہے کتے میں شدت سے موجود ہے تو لامحالہ اس کا سؤر اندر جانے سے ان کی طبیعت و مزاج خاص کر قوم دشمنی اور اخلاقی خرابی کے آثار اور شرارت پر مرتب ہوں گے تو تسبیع و تتریب کا حکم دے کر کلب کے آثار کا ہر ممکن طور ازالہ کر دیا گیا۔

کتا پالنے کا حکم بلا ضرورت کتوں کا پالنا ناجائز اور شرعاً ممنوع ہے البتہ بعض حالات اور ضرورت کی بناء پر شریعت نے تین قسم کے کتوں کے پالنے کی اجازت دی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یدخل الملئکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ (بخاری) مگر حدیث میں اس حکم سے تین قسم کے کتوں کے استثناء کا حکم بھی آیا ہے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ من اتخذ کلباً الا کلب صید او ماشیۃ او زرع نقص من اجرہ کل یوم قیراطان (نسائی کتاب الصید) حدیث میں (۱) شکاری کتے (۲) کلب ماشیہ ریوڑ کی رکھوالی

بَابُ نَجَاسَةِ الْمَنِيِّ

۲۲۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ منی کے ناپاک ہونے کا بیان۔ ۲۲۔ سلیمان بن یسار نے کہا میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کپڑے کو لگ جانے والی منی کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے دھویا کرتی تھی، آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ کے کپڑوں میں دھونے کا نشان پانی کی تری ہوتی تھی۔ اسے شیخان نے نقل کیا ہے۔

کرنے والے۔ (۳) کلب زرع یعنی کھیتی کی نگرانی کرنے والے کتوں کا استثناء کیا گیا ہے اسی مضمون حدیث کے پیش نظر وہ کتے بھی مستثنیٰ ہیں جو گھروں کی حفاظت یا جنگلوں میں رہنے والے دیہاتیوں کے خرمنوں کی حفاظت کرتے ہیں شریعت نے ان تین قسم کے علاوہ باقی ہر قسم کے کتوں کا پالنا ممنوع قرار دیا ہے۔

منی، مذی اور ودی | ۲۲ تا ۳۱ ——— مرد کے ذکر سے پیشاب کے علاوہ تین چیزیں اور بھی خارج ہوتی ہیں منی، مذی اور ودی۔ منی سفید مائل گاڑھی غلیظ بشکل رینٹھ کے ہوتی ہے جو فور شہوت کے ساتھ جوش کے طریقے سے نکلتی ہے ماء ابیض ثخين يتولد منه الولد وهو يتدفق في خروجه ويخرج بشهوة من بين صلب الرجل وترائب المرأة ويتعقبه الفتور وله رائحة كرائحة الطلع ورائحة الطلع قريب من رائحة العجين عورت کی منی کی بعض فقہاء نے یوں تعریف کی ہے۔ ومني المرأة اصفر رقيق وقد يبيض لفضل قوتها

مذی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور تلعب کے وقت نکلتی ہے اس کے نکلنے کے وقت کوئی خاص احساس نہیں ہوتا یہ پانی کی طرح ہوتی ہے مگر اس سے گاڑھی اور لیس دار ہوتی ہے یہ قدرت کے نظام کے مطابق خروج منی سے قبل نکلتی ہے تاکہ منی کے خارج ہونے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ هو ماء ابيض رقيق لزج يخرج عند الملاعبة او تذكر الجماع او ارادته من غير شهوة ولا دفق ولا يعقبه فتور وربما لا يحس بخروجه وهو اغلب في النساء من الرجال۔ (ابن حجر وابن نجيم)

ودی یہ طبعی عوارض اور امراض کی بناء پر عام طور پیشاب سے قبل یا بعد میں نکلتی ہے اس کی شکل و صورت

۲۳۔ وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَدْنَيْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ اَفْرَغَ بِهِ عَلٰى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْاَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيْدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِلْأَ كَفَّيْهِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهِ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۳۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے کہا، جنابت سے غسل کرنے کے لیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانی کیا تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا اور پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے استنجاء فرمایا، پھر بایاں ہاتھ مٹی پر رکھ کر زور سے ملا، اس کے بعد وضو فرمایا جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، پھر اپنی ہتھیلی بھر کر اپنے سر مبارک پر تین چلو پانی ڈالا، پھر تمام جسد اطہر پر پانی ڈالا، پھر اپنی اس جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ اسے شیخان نے نقل کیا ہے۔

مذی کی طرح ہوتی ہے لیکن اس کے نکلنے میں کوئی احساس نہیں ہوتا۔

هو ماء ابيض كدر ثخين يشبه المني في الثخانة ويخالفه في الكدورة ولا رائحة له ويخرج عقيب البول اذا كانت الطبيعة مستمسكة وعند حمل شيء ثقيل ويخرج قطرة او قطرتين ونحوهما۔ (ابن نجيم)

مؤلف نے یہاں منی کی نجاست کا باب قائم فرمایا ہے اگلا باب ان روایات کا ہے جس سے بظاہر منی کی طہارت معلوم ہوتی ہے اس سے اگلا باب بھی منی کے احکام سے متعلق ہے اس کے بعد مذی کا باب لاتے ہیں مذی پاک ہے یا ناپاک اور ودی کا حکم کیا ہے اس سلسلہ کی تفصیلی بحث متعلقہ باب میں عرض کی جائے گی۔

منی کے اقسام اور غیر انسان کی منی کے احکام

منی کی دو قسمیں ہیں (۱) انسان کی منی (۲) غیر انسان کی منی، انسان کی منی کے متعلق تفصیلی مذاہب اور مباحث بعد میں عرض کئے جائیں گے اولاً غیر انسان کی منی کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) احناف اور موالکؒ حضرات کے نزدیک ہر حیوان کی منی ناپاک ہے۔

(۲) شوافعؒ اور حنابلہؒ حضرات سے غیر انسان کی منی کے بارے میں چار اقوال منقول ہیں (۱) خنزیر اور کتے

۲۴۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۵۔ وَعَنْ اَبِي السَّائِبِ مَوْلٰى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرمایا کہ مجھے رات کو جنابت ہو جاتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، وضو کرو اور استنجا کرو پھر سو جاؤ۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۲۵۔ ابو سائب مولیٰ ہشام بن زہرہؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے تو (شاگرد نے) کہا اے ابو ہریرہؓ! وہ کیسے کرے تو انہوں نے کہا، وہ اس سے پانی لے لے، (اور باہر غسل کرے، برتن یا چلو بھر کر اپنے اوپر ڈال لے پانی میں داخل نہ ہو)، یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کی منی علی الاطلاق نجس ہے (ب) خنزیر اور کتے کے علاوہ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب جانوروں کی منی پاک ہے۔ (ج) ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب کی منی نجس ہے (د) ماکول اللحم کی منی پاک اور غیر ماکول اللحم کی ناپاک ہے۔ (ایضاح الطحاوی)

منی کی طہارت و نجاست در بیان مذاہب

اسی طرح انسان کی منی کی طہارت اور نجاست کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے جو دراصل حضرات صحابہ کرام سے دور سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے صحابہ کرام میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس کی طہارت کے قائل ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کے نزدیک منی مطلقاً نجس ہے۔ ائمہ مجتہدین کے اسی سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ اور حسن بن صالحؒ کے نزدیک منی نجس ہے مگر

۲۶. وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ اُخْتَهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُهَا فِيْهِ فَقَالَتْ نَعَمْ اِذَا لَمْ يَرَ فِيْهِ اَذًى رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

---

۲۶ - حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن ام حبیبہ زوجہ مطہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کپڑوں میں نماز ادا فرماتے تھے جن میں ان سے مجامعت فرماتے تو انہوں نے کہا، ہاں! جب کہ ان میں کوئی اذیت دینے والی پلیدی نہ دیکھتے! اسے ابوداؤد اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس کی تطہیر کے حکم میں قدرے تفصیل ہے۔

(الف) احناف کے نزدیک اگر منی تر ہے تو اس کا دھونا واجب ہے اور اگر منی خشک ہے تو اس کا کھرچ دینا بھی کافی ہے۔

(ب) امام مالکؒ خشک و تر ہر قسم کی منی کو پانی سے دھونا واجب قرار دیتے ہیں البتہ اگر چھینٹے مارے جائیں تب بھی کفایت ہو جاتی ہے۔

(ج) امام لیث بن سعدؒ جمہور احناف کی طرح منی کو نجس قرار دیتے ہیں لیکن اگر اس کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو وہ اس کو دوبارہ لوٹانے کو ضروری نہیں قرار دیتے۔

(د) البتہ امام حسن بن صالحؒ کہتے ہیں کہ اگر کپڑے میں منی لگی ہوئی ہے اور نماز پڑھ لی تو اعادہ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بدن میں لگی ہوئی ہے تو اعادہ صلوٰۃ ضروری ہے۔

(۲) دوسرا مذہب شوافعؒ، حنابلہؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور داؤد بن علی ظاہریؒ کا ہے ان کے نزدیک منی طاہر ہے جو ناک کی رینٹ کے حکم میں ہے لہذا اگر ماء قلیل میں بھی گر جائے تو وہ نجس نہیں ہوگا۔

قائلین نجاست کے دلائل

یوں تو باب ہذا کی تمام روایات جمہور احناف سمیت تمام قائلین نجاست کی مستدل بنتی ہیں مگر ہم مدرسین و طلاب اور خصوصاً طلبہ کی سہولت کے لیے نمبر وار دلائل کے طور پر بعض احادیث پر قدرے تفصیلی بات کرتے ہیں۔

(۱) اسی باب کی پہلی روایت جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (ج ا ص۳۶) میں اور امام مسلمؒ نے (ج ا ص۱۴۰)

۲۷۔ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ أَنَّهُ اعْتَمَرَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَرَّسَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ قَرِيبًا مِنْ بَعْضِ الْمِيَاهِ فَاحْتَلَمَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ كَادَ أَنْ يُصْبِحَ فَلَمْ يَجِدْ مَعَ الرَّكْبِ مَاءً فَرَكِبَ حَتّٰى إِذَا جَاءَ الْمَاءَ فَجَعَلَ يَغْسِلُ مَا رَاٰى مِنْ ذٰلِكَ الْاِحْتِلَامِ حَتّٰى أَسْفَرَ فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَصْبَحْتَ وَمَعَنَا ثِيَابٌ فَدَعْ ثَوْبَكَ يُغْسَلُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاعَجَبًا لَكَ يَا عَمْرُو بْنَ الْعَاصِ لَئِنْ كُنْتَ تَجِدُ ثِيَابًا أَفَكُلُّ النَّاسِ يَجِدُ ثِيَابًا وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتُهَا لَكَانَتْ سُنَّةً بَلْ أَغْسِلُ مَا رَأَيْتُ وَأَنْضَحُ مَا لَمْ أَرَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۲۷۔ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کے ساتھ ایسے قافلہ میں عمرہ کیا جس میں عمرو بن العاصؓ بھی تھے ایک راستہ پر حضرت عمر بن الخطابؓ نے رات کے آخری حصہ میں پانی کے کسی گھاٹ کے قریب آرام کیا تو حضرت عمرؓ کو احتلام ہو گیا قریب تھا کہ وہ صبح کر لیتے اور قافلہ والوں کے پاس پانی نہیں تھا تو حضرت عمرؓ سوار ہو گئے جب پانی کے پاس آ گئے تو کپڑے پر اس احتلام کا جو نشان دیکھا اسے دھونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ روشنی ہو گئی تو ان سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا آپ نے صبح کر دی ہے حالانکہ ہمارے پاس کپڑے موجود ہیں آپ اپنے کپڑے کو رہنے دیجئے دھلتا رہے گا، تو عمر بن الخطابؓ نے کہا تم پر تعجب ہے اے عمرو بن العاصؓ! اگر تمہارے پاس کپڑے ہیں تو کیا تمام لوگوں کے پاس کپڑے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں ایسا کرتا تو یہ ایک سنت ہو جاتی بلکہ جو میں نے دیکھا اسے دھوؤں گا اور جو نہیں دیکھا اس پر چھینٹیں ماروں گا:

اسے مالکؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

میں نقل کیا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ كنت اغسله من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيخرج الى الصلوة واثر الغسل فى ثوبه بقع الماء ...... اسی طرح ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ انها كانت تغسل المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت ثم اراه فيه بقعة او بقعًا۔ (ابوداؤد باب المنی یصیب الثوب)

(۲) اسی باب کی تیسری روایت حدیث نمبر ۲۴ جسے شیخانی (البخاری ج ۱ ص ۳، مسلم ج ۱ ص ۱۴۰) نے

۲۸۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ فِي الْمَنِيِّ اِذَا اَصَابَ الثَّوْبَ اِذَا رَأَيْتَهُ فَاغْسِلْهُ وَاِنْ لَّمْ تَرَهُ فَانْضَحْهُ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۸۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے منی کے بارہ میں کہا، جب کپڑے کو لگ جائے جب تو اسے دیکھے تو اسے دھو ڈال! اور اگر دکھائی نہ دے تو اس پر چھینٹیں مار۔

اسے طحاویؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نقل کیا ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض دفعہ رات کو جنابت ہو جانے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ توضا واغسل ذکرك ثم نم۔

(۳) حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن حضرت ام حبیبہؓ (ام المؤمنینؓ) سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کپڑوں میں نماز ادا فرماتے تھے جن میں ان سے مجامعت فرماتے تو انہوں نے کہا۔ فقالت نعم! اذا لم یر فیہ اذی" (رواہ ابو داؤد ج ۱ صـ۵۳)

(۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے قالت کنت اغسل المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان رطبا وافرکہ اذا کان یابسا۔ (دارقطنی ج ۱ صـ۱۲۵، طحاوی ج ۱ صـ۲۹)

(۵) حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے قال سأل رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلی فی الثوب الذی اتی فیہ اھلی؛ قال نعم الا ان تری فیہ شیئا فتغسلہ (موارد الظمآن ج ۱ صـ۸۰، قلت وھذا اصرح شئ علی مذھب الحنفیہ من المرفوعات)

حکم نجاست کیلئے ایک اصول

مندرجہ بالا روایات کے علاوہ آثار السنن کے زیر بحث باب کے تمام احادیث سمیت ان تمام روایات کا مجموعہ حنفیہ حضرات کا مستدل ہے جن میں منی کے غسل، فرک، حط، سلت کا حکم دیا گیا ہے۔

حنفیہ حضرات کسی چیز پر نجاست کا حکم لگانے کے لیے ایک اصول اور معیار کا ذکر کرتے ہیں جیسے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مد ظلہ بڑی تفصیل سے بیان فرمایا کرتے تھے ذیل میں ملخصاً درج ہے۔

جب کسی چیز کے حکم سابق میں شارع علیہ السلام نے تغیر کا حکم (مثلاً فرک، غسل، حک، حط، سلط وغیرہ) دیا ہو تو اسی پر نجاست کا حکم لگایا جاتا ہے اور اگر حکم سابق بدستور ہے اور اسے شارع علیہ السلام نے نہیں بدلا تو اسے طاہر قرار دیا جاتا ہے مثلاً کپڑوں پر بول کے لگنے کی صورت میں حکم یہ ہے کہ ازالہ نجاست کے لیے

۲۹۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِی الْمَنِیِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ اِنْ رَاَيْتَهٗ فَاغْسِلْهُ وَاِلَّا فَاغْسِلِ الثَّوْبَ كُلَّهٗ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۹۔ حضرت ابوہریرہؓ نے منی کے بارہ میں کہا جب کپڑے کو لگ جائے، اگر تو اُسے دیکھ لے تو اُسے دھو ڈال ورنہ سارے کپڑے کو دھو ڈال"۔ اسے طحاوی ؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کپڑے کو دھویا جاتے اس مثال میں کپڑے کا تلویث بول سے قبل جو حکم تھا (کہ دھونے کی ضرورت نہ تھی) تلویث بول کے بعد اس میں تغیر واقع ہوا اور غسل کے ذریعہ تلوث حصہ سے اس کا ازالہ ضروری قرار دیا گیا لہٰذا یہ بول کے نجس ہونے کی دلیل ہے اور اگر کپڑے پر شئی طاہر لگ گئی مثلاً پانی دودھ وغیرہ تو شریعت نے اس کپڑے کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ پانی اور نہ دودھ کے ازالے کا حکم دیا ہے جس طرح پہلے اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتا تھا پانی اور دودھ لگنے کے بعد بھی اس میں نماز پڑھ سکتا ہے تو حکم میں عدم تغیر کی وجہ سے پانی اور دودھ کی عدم نجاست یعنی طہارت ثابت ہو جاتی ہے منی کے سلسلہ میں تمام وارد احادیث (امام نیموی ؒ نے باب ہذا میں صرف دس روایات درج کی ہیں) کا جب ہم تتبع کرتے ہیں تو کپڑے پر منی لگ جانے کے بعد شارع علیہ السلام سے اس کا بہر صورت ازالہ (غسل، فرک، حت، حک اور حطہ وغیرہ کی صورت میں) ثابت ہے کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی منی کا ازالہ کئے بغیر آلودہ کپڑوں میں نماز پڑھی ہو یا کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہو" (حقائق السنن ج ۱ ص ۲۰۹) تو اصولی طور پر منی کی نجاست ثابت ہوگئی اگر منی ناپاک نہ ہوتی تو کہیں نہ کہیں بیان جواز کے لیے یہ ثابت ہوتا کہ اسے کپڑے یا جسم پر چھوڑ دیا گیا۔

شوافعؒ کی ایک توجیہ سے جواب

البتہ شوافع حضرات فرک کو نظافت پر محمول کرتے ہیں مگر انکی یہ توجیہ محض توجیہ اور محمل بعید ہے اس لیے اگر منی طاہر ہوتی تو پورے ذخیرہ احادیث میں کسی نہ کسی جگہ یا کم از کم بیان جواز ہی کے لیے اس کو قولاً یا فعلاً طاہر قرار دیا جاتا ہے۔ اذ لیس فلیس۔

امام طحاوی ؒ کا استدلال

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۱ میں قائلین نجاست کی طرف سے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب منی کی طہارت اور نجاست میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے تو ہمیں نظر و فکر سے کام لینے کی ضرورت ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں

۳۰۔ وَعَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ سُئِلَ جَابِرُ بْنُ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنَا عِنْدَهُ عَنِ الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيهِ أَهْلَهُ قَالَ صَلِّ فِيهِ إِلَّا أَنْ تَرَى فِيهِ شَيْئًا فَتَغْسِلَهُ وَلَا تَنْضَحْهُ فَإِنَّ النَّضْحَ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا شَرًّا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۰۔ عبدالملک بن عمیر نے کہا کہ حضرت جابر بن سمرۃؓ سے جب کہ میں ان کے پاس تھا اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو اس کپڑے میں نماز پڑھتا ہے جس میں اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا، انہوں نے کہا، اس میں نماز پڑھو مگر یہ کہ تو اس میں کوئی چیز دیکھے تو اسے دھو ڈال اور چھینٹے مت مار، بیشک چھینٹے تو اس میں خرابی کو زیادہ کریں گے۔" اسے طحاویؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

کہ ہر وہ چیز جس کا خروج حدث بنتا ہے وہ چیز فی نفسہ پاک ہے یا ناپاک؛ تو ہم نے غور و خوض کر کے دیکھا کہ خروج غائط، خروج بول، خروج دم حیض، خروج دم استحاضہ، خروج دم مسفوح سب حدث ہیں اور یہ سب چیزیں فی نفسہ نجاست غلیظہ ہیں جبکہ خروج منی بھی بالاتفاق حدث ہے بلکہ اکبر احداث ہے اس لیے منی کی وجہ سے بدن کے ایک ایک بال کو دھونے کی ضرورت ہوتی ہے لہذا نفس منی کو بھی غلیظ ترین نجس ہونا چاہیے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ دفع مشقت کے لیے منی سے طہارت حاصل کرنے کے لیے کھرچ دینے کو کافی قرار دیا گیا ہے یہی ہمارے علمائے ثلاثہ کا قول ہے۔

باب کی باقی روایات پر ایک نظر آثار السنن کے اسی باب کی بعض روایات کو بطور استدلال کے آغاز بحث میں پیش کر دیا گیا ہے اور جو روایات باقی ہیں ان پر بھی اجمالی نظر ہو جائے تو مزید توضیح باعث تنویر دلیل ہوگی۔

(ا) حضرت میمونہؓ کی روایت (۲۲۱) میں ہے کہ جب میں نے جنابت سے غسل کرنے کیلئے پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا تو آپ نے فغسل کفیه مرتین او ثلاثا ثم ادخل يده فی الاناء الخ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نجاست منی کی وجہ سے حضورؐ ہاتھ دھوتے بغیر برتن میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ نہ تھے پھر حضورؐ کا ہاتھ کو مبالغہ کر کے دھونا اور اس کو مٹی سے رگڑنا منی کے نجس ہونے کی واضح دلیل ہے جسے محض نظافت یا حصول کمال طہارت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (۲۵) بھی تو اس کے قریب قریب مضمون کو ادا کرتی ہے ——

۳۱۔ وَعَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ بْنِ رَشِيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ قَطِيْفَةٍ اَصَابَتْهَا جَنَابَةٌ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ مَوْضِعُهَا قَالَ اَغْسِلْهَا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۱۔ عبدالکریم بن رشید نے کہا، حضرت انس بن مالکؓ سے اس چادر کے بارہ میں پوچھا گیا جسے منی لگ گئی، یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس جگہ لگی ہے انہوں نے کہا اُسے دھو ڈال۔
اسے طحاویؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب فقال کیف یفعل یا ابا ھریرۃ قال یتناول تناولاً۔ حضورؐ نے رکے ہوئے پانی میں جنابت سے غسل کرنے کو صراحۃً منع فرمایا ہے پھر اس کا طریقہ بھی بتا دیا کہ وہ اس ماء دائم سے پانی لے اور باہر غسل کرے یا چلو بھر کر اپنے اوپر ڈالے مگر پانی میں داخل نہ ہو۔

(ج) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب کی روایت (۲۷) میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا تفصیلی واقعہ اور دونوں کا مکالمہ اور حضرت عمر فاروقؓ کا عمل اور قول نقل کیا گیا ہے آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا اغسل ما رایت وانضح مالم ار یعنی میں جو کچھ دیکھتا ہوں اسے دھوتا ہوں اور جو نظر نہیں آتا تو اس پر چھینٹے مارتا ہوں تاکہ وسوسہ دور ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب آثار جنابت کو بالکلیہ زائل نہ کیا نماز نہیں پڑھی جو منی کے نجس ہونے کی قوی تائید اور مضبوط مستدل ہے تو حضرت عمرؓ کے اس قول و فعل سے منی کا نجس ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(د) حضرت عائشہؓ کی روایت (۲۸) بھی حنفیہ کا مستدل ہے جسے امام طحاویؒ نے کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۳۲ میں نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں اذا رایتہ فاغسلہ وان لم تر فانضحہ یعنی جب کپڑے میں منی لگ جائے تو جو حصہ اس کا نظر آئے اسی کو دھو دیا کرو اور جو حصہ نظر نہ آئے اس پر پانی چھڑک دیا کرو حنفیہ حضرات اس کی مزید توضیح یوں کرتے ہیں کہ کپڑا اپنے اصل کے اعتبار سے پاک ہے اور اس پر یقین بھی ہے جب اس کپڑے میں نجاست لگنا مشکوک ہو جائے تو یہ شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ "الیقین لایزول بالشک" لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دفع وساوس کے لیے "نضح ماء" (پانی چھڑکنے) کا حکم فرمایا ہے حصولِ طہارت کے لیے نہیں۔

بَابُ مَا يُعَارِضُهُ

۳۲ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ قَالَ إِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ وَالْبُزَاقِ وَإِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَمْسَحَهُ بِخِرْقَةٍ أَوْ بِإِذْخِرَةٍ - رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَرَفْعُهُ وَهْمٌ -

---

باب - وہ روایات جو اس کے برعکس ہیں - ۳۲ - حضرت ابن عباسؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منی کے بارہ میں پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے، آپ نے فرمایا، بلاشبہ وہ بلغم (یعنی رینٹ) اور تھوک کی طرح ہے اور تمہیں اتنا ہی کافی کہ اسے کسی دھجی یا گھاس سے پونچھ ڈالو۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے اور اسے مرفوع بیان کرنا وہم ہے -

---

(ہ) عبدالملک بن عمیر نے جابر بن سمرہؓ کا فتویٰ روایت (۳۰) نقل کیا ہے. قال صلی فیہ الا ان تری فیہ شیئاً فتغسلہ ولا تنضحہ فان النضح لا یزیدہ الا شرا - فرماتے ہیں جب کپڑے میں منی لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے پانی نہیں چھڑکنا چاہیئے اس لیے کہ پانی چھڑکنے کی صورت میں اور زیادہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے ان کے فتوے سے منی کا نجس ہونا واضح ہوتا ہے اس روایت کو بھی امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۲۷ باب حکم المنی میں نقل کیا ہے -

(و) عبدالکریم بن رشید نے حضرت انسؓ کا فتویٰ روایت (۳۱) نقل کیا ہے کہ جب کپڑے میں منی لگ جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کونسی جگہ پر لگی ہے تو وہ فرماتے ہیں "اغسلہا" یعنی پورے کپڑے کو دھونا چاہیئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی منی نجس کا حکم رکھتی ہے -

۳۲ تا ۳۴ ـــــ اس باب میں مولفؒ نے وہ روایات درج کی ہیں جو ماقبل باب کے روایات سے معارض اور قائلین طہارت کی مستدل ہیں .

قائلین طہارت کے دلائل اور جوابات

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور داؤد بن علی الظاہریؒ منی کی طہارت پر جو دلائل قائم کرتے ہیں ذیل میں ان کے بعض مشہور دلائل مع جوابات درج ہیں -

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں - هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا (فرقان) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت اور احسان و امتنان کے بیان کے موقع پر "خلق من الماء" کا

۴۳۔ وَعَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَحُتُّ الْمَنِيَّ مِنْ ثِيَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَإِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ ۔

۴۳۔ محارب بن دثارؒ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ کر دور کر دیتی تھی جب کہ آپ نماز میں ہوتے تھے (یعنی جب گھر میں نماز پڑھتے تھے)۔
اسے بیہقی اور ابن خزیمہ نے بیان کیا اور اس کی اسناد منقطع ہے۔

ذکر فرمایا ہے اگر منی نجس ہوتی تو پھر احسان و امتنان کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا مگر یہ توجیہ ضعیف اور محض توجیہ بلا توجیہ کے ہے کیونکہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو بھی منی سے پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ (نور) تمہارے بیان کردہ اصول کے مطابق تو پھر تمام حیوانات کی منی کو پاک تسلیم کرنا پڑے گا۔

(ب) یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "خلق من الماء" کو فضیلت اور احسان و امتنان کے موقع پر ذکر فرمایا ہے مگر اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اے انسان! ہم نے تمہیں ذلیل و خسیس اور نجس چیز سے پیدا کر کے کس مقام رفیع اور عظمت و شرافت کے مقام پر فائز کر دیا ہے أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ (المرسلات) تو منی کو مہین و نجس تسلیم کرنے سے تفضل و احسان کا پہلو زیادہ واضح ہوتا ہے۔

(ج) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ۔ (الانفال)
مفسرین حضرات نے اس آیت میں "رجز الشیطان" کا معنی منی لیا ہے کیونکہ یہ آیت جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی جب بعض صحابہؓ کو غسل کرنے کی حاجت پیش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی تاکہ وہ اپنی نجاسات کو دور کر سکیں۔

(۲) امام شافعیؒ ایک اور عقلی دلیل "کتاب الام ج ۱ صفحہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم، پھر انبیاء تو نوع انسانی میں اعلیٰ ترین ہیں جبکہ سب کی تولید کا اصل منی ہے اگر منی کو نجس قرار دیا جائے تو یہ انسانیت کی توہین ہے اور شان انبیاء اور انسانی شرافت کے خلاف ہے۔

۲۲- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْمَنِيِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ قَالَ اَمِطْهُ عَنْكَ بِعُوْدٍ اَوْ اِذْخِرَةٍ فَاِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ اَوِ الْبُصَاقِ ــ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحَّحَهٗ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ هٰذَا اَقْوَى الْاٰثَارِ لِمَنْ ذَهَبَ اِلٰى طَهَارَةِ الْمَنِيِّ وَلٰكِنَّهٗ لَا يُسَاوِي الْاَخْبَارَ الصَّحِيْحَةَ الَّتِي اسْتُدِلَّ بِهَا عَلَى النَّجَاسَةِ وَمَعَ ذٰلِكَ يُحْتَمَلُ اَنْ يَكُوْنَ التَّشْبِيْهُ فِي الْاِزَالَةِ وَالتَّطْهِيْرِ لَا فِي الطَّهَارَةِ۔

---

۲۲ ۔ حضرت ابن عباسؓ نے منی کے بارہ میں جب کہ وہ کپڑے کو لگ جائے کہا کہ اسے لکڑی یا گھاس سے دور کردو، بلاشبہ وہ بلغم یا تھوک کی طرح ہے ۔

اسے بیہقی نے کتاب المعرفت میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ۔

نیموی نے کہا یہ آثار میں سب سے زیادہ مضبوط اثر ہے اس شخص کے لیے جو منی کے پاک ہونے کا قائل ہے لیکن یہ اثر بھی ان احادیث صحیحہ کے برابر نہیں جس سے منی کے ناپاک ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ (منی کی بلغم کے ساتھ) تشبیہ پاک ہونے میں نہیں بلکہ اسے دور کرنے اور صاف کرنے میں ہے (یعنی جیسا کہ بلغم یا تھوک کو کپڑے سے صاف کیا جاتا ہے اسی طرح اسے بھی صاف کیا جائے نہ کہ جیسا کہ یہ پاک ہیں منی بھی پاک ہے) ۔

(ا) مگر یہ بھی محض توجیہ ہے کیونکہ کافر اور مشرک کو بھی اللہ نے اسی مادہ تولید سے پیدا کیا ہے پھر اسے کیونکر پاک کہا جا سکتا ہے صرف یہ نہیں بلکہ ہدیۃ المجتنی ج ۱ صفحہ میں ہے کہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا غیر نبی رحم مادر میں سب کی خوراک دم حیض ہے جو بالاتفاق نجس اور حرام ہے تو کیا اس سے انبیاء کرام کی توہین لازم آتی ہے ؟

(ب) علاوہ ازیں خارج من السبیلین کو امام شافعی بھی حدث اور نجس قرار دیتے ہیں منی بھی خارج من السبیلین ہے تو اسے بھی قاعدہ مذکورہ کے اعتبار سے نجس ہونا چاہیے ۔

(ج) پھر جس چیز کے شہوت کے ساتھ خارج ہونے سے سارا بدن نجس ہو جائے جس کے بارے میں یہ حکم ہو کہ وان کنتم جنبًا فاطّهروا یعنی مبالغہ فی التطہیر کا حکم ہو تو وہ خود کیسے پاک قرار دی جا سکتی ہے بلکہ خود اسے تو بطریق اولیٰ نجس ہونا چاہیے نیز منی تو مولد من الدم ہے جو کہ نجس ہے تو پھر منی

کیسے ظاہر ہو گئی۔ (بدایۃ المجتہد ص۸۱)

(۳) ترمذی (باب فی المنی یصیب الثوب) میں روایت ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک مہمان کی آمد پر زرد چادر اس کے اوڑھنے کے لیے بھیجی جس میں وہ سویا اور بوجہ اس کے احتلام کے چادر خراب ہوئی، تو مہمان نے احتلام کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے چادر کے طرف حصہ کو پانی سے دھو کر واپس بھیجی حضرت عائشہؓ کو جب علم ہوا تو ارشاد فرمایا لم افسد علینا ثوبنا انما کان یکفیہ ان یفرکہ باصابعہ وربما فرکتہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ ازالۂ منی کے لیے اکتفا بالفرک کو جائز سمجھتی تھیں بلکہ خود حضورؐ کے کپڑوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا اور آپؐ انہی کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے جبکہ یہ امر مسلّم ہے کہ فرک سے پورے طور پر نجاست کا ازالہ نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر منی نجس ہوتی تو محض فرک پر اکتفا نہ کیا جاتا قائلین طہارت ان تمام روایات کو جس میں غسل مذکور ہے نظافت اور کمال طہارت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک غسل منی کی روایات نجاست منی کی دلیل نہیں ہیں بلکہ جس طرح کپڑوں پر بلغم کے اثرات معیوب سمجھے جاتے ہیں تھوک کا داغ تک برداشت نہیں ہوتا اسی طرح لطیف از لطیف طبائع اسے بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ منی کے اثرات یا دھبے کپڑوں پر رہیں حضورؐ کا غسل منی بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۴) وہ تمام روایات جن میں منی کے ازالہ کے لیے فرک، حک، سلت اور حت پر اکتفا کیا گیا ہے قائلین طہارت کا مستدل ہیں کہ مذکورہ تمام صورتوں میں تمام نجاست کا ازالہ ممکن نہیں کچھ اثرات باقی رہ جاتے ہیں مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ نماز پڑھنے کا معمول منی کی طہارت پر واضح استدلال ہے۔

مالکیہ کا جواب اور اسکی تضعیف

دلیل ۳ اور ۴ قریب قریب ایک ہی مضمون پر مبنی ہیں موالکؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں امام طحاویؒ نے بھی یہی توجیہ نقل کی ہے کہ حضورؐ کے پاس دو طرح کے کپڑے تھے (۱) ثیاب نوم (۲) ثیاب صلوٰۃ، اگر ثیاب نوم میں نجاست لگ جائے تو نجاست کے باقی رہنے کی حالت میں ناپاک کپڑے کے ساتھ سونے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لہٰذا جہاں جہاں فرک وغیرہ ثابت ہے وہاں ایسی چادر یا لحاف مراد ہے جو ثیاب نوم تھا جسے صلوٰۃ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا تھا حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ثیاب نوم سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں مگر موالکؒ کی یہ توجیہ اس لیے ضعیف ہے کہ احادیث میں اگرچہ حضورؐ کے کپڑوں سے فرک منی ثابت ہے مگر یہ بھی تو ثابت ہے کہ حضورؐ نے انہی کپڑوں میں نماز بھی پڑھی ہے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۳۱ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابسًا باصبعی ثم یصلی فیہ ولا یغسلہ۔

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ محض فرک کے ذریعہ منی کے ازالہ سے منی کی طہارت کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ نجاسات کے ازالہ کے لیے حضور سے دو طریقے ثابت ہیں (۱) مطلقاً ازالہ یعنی پانی سے دھونا (۲) نجاست میں تخفیف، مثلاً امام اعظمؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ میں قدر درھم معفو عنہ ہے جب پانی نہ ہو تو استنجار بالاحجار پر اکتفا کرنے کی صورت میں نجاسات کا کامل ازالہ ممکن نہیں پھر بھی نماز جائز ہے تو کیا اس تقلیل نجاست سے مابقی نجاست قلیلہ کی تطہیر کا استدلال کیا جا سکتا ہے اسی طرح اشیاء نجسہ کی تطہیر کے دوسرے طریقے بھی منقول ہیں روئی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے زمین نجس خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے جوتا رگڑنے سے پاک ہوتا ہے اسی طرح منی سے بھی تطہیر کے لیے غسل منی کے ساتھ فرک منی (رگڑ) کی بھی اجازت دی گئی ہے تاکہ تخفیف کی سہولت حاصل رہے جیسا جوتے میں نجاست لگنے کی صورت میں زمین پر رگڑ دینے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے سیدہ عائشہؓ کا فرک اس لیے نہیں تھا کہ منی فی نفسہ پاک ہے بلکہ اس لیے ہے کہ فرک بھی کپڑے کو پاک کرنے کا ایک مشروع طریقہ ہے اس نوعیت کی تمام روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تر منی سے طہارت کیلئے غسل ضروری ہے اور خشک منی سے طہارت کے لیے غسل ضروری نہیں ہے بلکہ کھرچنے اور رگڑنے سے بھی خشک منی سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ کا اثر جسے امام نیمویؒ نے "هذا اقوى الآثار لمن ذهب الى طهارة المنى" کی توضیح کے ساتھ اسی باب میں تیسری روایت کے طور پر درج کیا ہے قائلین طہارت کا قوی مستدل ہے۔

عن ابن عباسؓ انه قال فى المنى يصيب الثوب قال امطه عنك بعود او اذخر فانما هو بمنزلة المخاط او البصاق۔

مگر قدرے تامل اور نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ بھی حنفیہ کا مستدل قرار پاتا ہے۔

(ا) فامطه عنك میں ازالہ منی کا امر دیا گیا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اور اگر پانی وغیرہ میسر نہ ہو تو اذخر کو استعمال کر لو، ازالہ بہرحال ضروری ہے۔

(ب) مخاط کے ساتھ تشبیہ دینا ان کا ذاتی اجتہاد ہے ایک صحابی کی ذاتی رائے یا فہم مرفوع احادیث اور دیگر صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں حجت نہیں قرار پاتا۔

(ج) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تشبیہ بالمخاط لزوجت، خلاف طبیعت اور لیس دار ہونے میں ہے (بذیة المجتنی صـ۱۰) مقصد یہ ہے کہ جس طرح مخاط کا ازالہ آسان ہے اور کسی ادنیٰ سی چیز کے استعمال سے زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح منی کا ازالہ بھی آسان ہے یہ تشبیہ طہارت میں نہیں۔

(د) اثر عباس   سے طہارت منی کا استدلال اس لیے بھی صحیح نہیں کہ یہ موقوف ہے اور اگر کہیں

مرفوع نقل ہوا ہے تو وہ بھی ضعیف اور مخدوش ہے جس کے مقابلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ اور حضرت انسؓ کے آثار منقول ہیں جن کو اس پر ترجیح حاصل ہے، امام نیمویؒ ولکنہ لا یساوی الاخبار الصحیحۃ الخ سے یہی بات کہنا چاہتے ہیں۔
(اعلاء السنن ج ۱ ص ۵۹)

باب کی پہلی دو روایات اسی باب میں مولف نے روایت (۲۱) میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو مرفوع بھی نقل کیا ہے مگر محدثین نے اس کے رفع کی تضعیف کی ہے، جیسا کہ مولفؒ نے " واسنادہ ضعیف ورفعہ وھم" سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح اس باب کی دوسری روایت (۲۲) جو محارب بن دثارؒ سے منقول ہے کی سندی حیثیت ضعیف ہے جسے حضرت نیمویؒ نے " واسنادہ منقطع " سے واضح کر دیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں منی سے حصول طہارت کا مسئلہ منی کے فرک اور سلت پر اکتفاء اس زمانے میں جائز تھا جب صحتیں درست تھیں اور لوگوں کی منی بہت گاڑھی ہوا کرتی تھی اب وہ حالت نہیں رہی اور نہ وہ قوتیں اور صلاحیتیں باقی رہی ہیں قویٰ اور اعضاء کمزور ہو چکے ہیں منی پتلی ہوتی ہے لہٰذا اس کا اکثر حصہ کھرچنے سے زائل نہیں ہوتا لہٰذا موجودہ زمانہ میں اس کا کھرچنا کافی نہیں ہوگا دھونا لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

منی سے طہارت بدن کا مسئلہ فرک پر اکتفاء اور کھرچنے سے طہارت حاصل ہو جانے کی تفصیل کپڑے سے متعلق ہے البتہ اگر بدن پر منی خشک ہو جائے تو اس سے حصول طہارت میں خود ائمہ احناف کا اختلاف ہے امام مرغینانیؒ نے ہدایہ میں دو قول نقل کئے ہیں۔

(۱) پہلا قول جواز کا ہے اور اسی کو صاحب درمختار نے اختیار کیا ہے۔

(۲) دوسرا قول عدم جواز کا ہے کیونکہ روایات میں مسئلہ فرک میں صرف ثوب کا ذکر آیا ہے نیز حرارت بدن جاذب ہوتی ہے جس کی وجہ سے منی کی غلظت فوت ہو جاتی ہے اس لیے بدن پر لگنے کی صورت میں غسل ہی سے طہارت حاصل ہوگی علامہ شامیؒ نے اسی کو پسند کیا ہے اور ہمارے مشائخؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے تاہم یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب منی غلیظ ہو ورنہ رقت منی کے شیوع کی صورت میں غسل کے ضروری ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

بَابٌ فِي فَرْكِ الْمَنِيِّ

۳۵۔ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ رَجُلًا نَزَلَ بِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَاَصْبَحَ يَغْسِلُ ثَوْبَهٗ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يُجْزِئُكَ اِنْ رَاَيْتَهٗ اَنْ تَغْسِلَ مَكَانَهٗ فَاِنْ لَّمْ تَرَهٗ نَضَحْتَ حَوْلَهٗ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اَفْرُكُهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْكًا فَيُصَلِّيْ فِيْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهَا لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَاَحُكُّهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَابِسًا بِظُفُرِيْ۔

۳۶۔ وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَابِسًا وَاَغْسِلُهٗ اِذَا كَانَ رَطْبًا۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَاَبُوْ عَوَانَةَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب۔ منی کھرچنے کے بیان میں

۳۵۔ علقمہ اور اسود سے روایت ہے کہ ایک شخص ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں مہمان ہوا صبح وہ اپنے کپڑے کو دھو رہا تھا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا اگر تو نے اسے دیکھا تو تجھے کافی تھا کہ اس کی جگہ دھو ڈالتا اور اگر نہیں دیکھا تو اس کے ارد گرد چھینٹے مار دیتا، بلاشبہ میں اپنے آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ رہی ہوں اور پھر آپ اس میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ میں اب بھی اپنے آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ میں اسے جب کہ وہ خشک ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اپنے ناخن سے کھرچ رہی ہوں۔

۳۶۔ ام المؤمنینؓ ہی نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی جب کہ وہ خشک ہوتی اور اسے دھوتی تھی جب کہ وہ گیلی ہوتی۔ اسے دارقطنیؒ طحاویؒ اور ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

۳۵ تا ۳۰ ــــ باب کی تینوں روایات میں فرک المنی ثابت ہے امام شافعیؒ احادیث فرک سے طہارۃ المنی پر استدلال کرتے ہیں ان کا امام طحاویؒ نے ثیاب النوم اور ثیاب صلوٰۃ کی توجیہ سے جواب دیا ہے کہ فرک صرف ثیاب نوم میں ثابت ہے ثیاب صلوٰۃ میں نہیں۔

۳۷۔ وَعَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ كَانَ ضَيْفٌ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَاَجْنَبَ فَجَعَلَ يَغْسِلُ مَا اَصَابَهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا بِحَتِّهِ. رَوَاهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ فِي الْمُنْتَقٰى وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَذْيِ

۳۸۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ

۳۷۔ ہمام بن الحارث نے کہا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں ایک مہمان تھا اسے احتلام ہوگیا اس نے جوا سے لگا تھا دھونا شروع کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسے جھاڑ دینے کا حکم فرماتے تھے۔ اسے ابن جارودؒ نے منتقیٰ میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب ۔ مذی کے بارہ میں جو حکم ہے ۳۸۔ حضرت علیؓ نے کہا میں بہت مذی والا شخص تھا

والغسل قد دری فی ثیاب الصلوٰۃ (بذل المجہود ج ۱ ص۲۱۸) لیکن امام طحاویؒ کا یہ جواب ضعیف ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں بھی عرض کر دیا گیا تھا چنانچہ اسی باب کی پہلی روایت (۳۵) کو حافظ ابن حجرؒ نے (فتح الباری ج ۱ ص۲۱۹) میں اسی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلم ج ۱ ص۱۴۰ باب حکم المنی میں ایک حدیث کے تحت حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرکاً فیصلی فیه پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واصرح منه روایة ابن خزیمه انها کانت تحکه من ثوبه صلی اللہ علیه وسلم وهو یصلی — ابن خزیمہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے انها کانت تحت المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وهو یصلی (صحیح ابن خزیمه ج ۱ ص۱۴۸ حدیث ۲۹۰)

اس کا صحیح جواب وہی ہے جسے ہم نے نجاست کی تطہیر میں بعض احکام میں تخفیف کی توجیہ سے گذشتہ باب میں عرض کر دیا ہے۔

باب کی دوسری روایت ۳۶ میں یہ واضح ہے کہ جب منی یابس ہو تب فرک پر اکتفا بھی جائز ہے اور اگر تر ہو تو غسل کرنا پڑیگا اس مسئلہ کی توضیح بھی گذشتہ باب میں عرض کر دی گئی تھی یہی حدیث اس کا مستدل ہے تیسری روایت ۳۷ میں حت مذکور ہے جس کے معنی جھاڑنے کے آتے ہیں یہ بھی خشک منی کا حکم ہے۔

تمہید (۳۸ تا ۴۰) — اس سے قبل کے باب میں مولف نے منی کی روایات نقل فرمائیں

اَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ، رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ۔

(یعنی مجھے مذی بہت آتی تھی) میں شرماتا کہ (براہ راست) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھوں کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھی میں نے مقداد بن الاسود سے کہا تو انھوں نے آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا: استنجاء کرے اور وضو کرے (یعنی غسل فرض نہیں ہوتا)۔ اسے شیخان نے روایت کیا ہے۔

اس باب میں مذی سے متعلق روایات درج کی جا رہی ہیں چونکہ مذی اور منی دونوں کا تعلق شہوت سے ہے دونوں بوجہ شہوت کے خارج ہوتی ہیں دونوں کی وجہ خروج ایک ہے بظاہر قیاس کا یہی تقاضا ہے کہ جس طرح مباشرت یا ملاعبت کے وقت خروج منی موجب الغسل ہے اسی طرح خروج مذی کو بھی موجب الغسل ہونا چاہیے کہ دونوں کا منشاء شہوت ہے دونوں کی علت خروج مشترک ہے تو دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے مگر شارع علیہ السلام نے اس سلسلہ میں وضاحت فرما کر امت کے لیے سہولت پیدا کر دی کیونکہ بہ نسبت منی کے مذی کا خروج کثیر الوقوع ہے کل فحل یمذی (ابوداؤد ج ۱ ص۲۸) امت کیلئے مذی سے وجوب غسل میں زحمت اور مشقت تھی تو شریعت نے آسانی کر دی جیساکہ روایات باب سمیت اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کا یہی مدلول ہے۔

مذی | انسان کے ذکر سے خارج ہونے والی ایک رطوبت ہے جو بول سے غلیظ اور منی سے رقیق ہوتی ہے جو ملاعبت، تصور جماع اور غلبہ شہوت کی وجہ سے خارج ہوتی ہے اس کا خروج جوانی میں زیادہ ہوتا ہے خروج مذی سے آلہ تناسل کے انکسار یا انتشار میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ بعض اوقات اس کے خروج کا انسان کو شعور بھی نہیں ہوتا۔

فقہ السنہ میں ہے هو ماء ابيض منج يخرج عند التفكير في الجماع او عند الملاعبة وقد لا يشعر الانسان بخروجه ويكون من الرجل والمرأة الا انه من المرأة اكثر وهو نجس باتفاق العلماء (فقہ السنہ ج ۱ ص۲۸)

اجمالی بیان مسائل | اس باب کے تحت اجمالاً تین مسائل سے بحث درج ہے۔ (۱) مذی کی طہارت و عدم طہارت کا مسئلہ (۲) نجاست مذی کی صورت میں آلہ تطہیر کا مسئلہ (۳) خروج مذی کی وجہ سے غسل اعضاء کی تعیین۔

٣٩. وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً وَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنْهُ الْاِغْتِسَالَ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّمَا يُجْزِيْكَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ بِمَا يُصِيْبُ ثَوْبِيْ مِنْهُ قَالَ يَكْفِيْكَ بِاَنْ تَاْخُذَ كَفًّا مِنْ مَّآءٍ فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ حَيْثُ تَرٰى اَنَّهُ اَصَابَهُ. رَوَاهُ الْاَرْبَعَةُ اِلَّا النَّسَائِيَّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ.

---

٣٩. حضرت سہل بن حُنیفؓ نے کہا، میں مذی کی بہت شدت پاتا تھا اور اکثر اس سے غسل کرتا، میں نے اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، تمہارے لیے اس سے وضوء کافی ہے، میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! تو اس کا کیا ہوگا جو اس میں سے میرے کپڑے کو لگے؟ آپؐ نے فرمایا "تمہیں اتنا کافی ہے کہ تم پانی کا چلو لے کر جہاں اسے لگا ہوا دیکھو چھینٹے مار دو"

اسے نسائی کے علاوہ اصحاب اربعہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے

بیان مذاہب

مذی کے پاک ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دو مذاہب ہیں۔

(۱) فرقہ امامیہ مذی کو پاک قرار دیتا ہے۔

(۲) ائمہ اربعہ اور جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک مذی ناپاک ہے علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۱ صفحہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اوجز المسالک ج ۱ صفحہ ۹ اور مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار ج ۱ صفحہ ۱۲ میں یہی دو مذہب نقل کئے ہیں۔

دوسرا مسئلہ آلہ تطہیر کا ہے مذی اگر ناپاک ہے تو آلہ تطہیر کے بارے میں بھی تین مذہب ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف پانی کے چھینٹے مارنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک باقاعدہ پانی سے دھونا واجب ہے چھینٹے مارنے یا ڈھیلے کے استعمال سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور احناف مذی میں بھی پیشاب کی طرح ڈھیلے کے استعمال اور پانی کے دھونے کے بعد طہارت کے حاصل ہو جانے کے قائل ہیں لیکن چھینٹے مارنے پر اکتفا کو جائز نہیں سمجھتے۔

(تفصیل اوجز المسالک، نیل الاوطار اور امانی الاحبار میں درج ہے)

تیسرا مسئلہ خروج مذی کے بعد آلہ تناسل کے دھونے کا حکم ہے فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۴۶۱ بذل المجہود ج ۱ صفحہ ۱۲۱

۴۰- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ هُوَ الْمَنِيُّ وَالْمَذِيُّ وَالْوَدِيُّ فَاَمَّا الْمَذِيُّ وَالْوَدِيُّ فَاِنَّهُ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ وَاَمَّا الْمَنِيُّ فَفِيْهِ الْغُسْلُ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۴۰- حضرت ابن عباسؓ نے کہا۔ وہ منی مذی اور ودی ہے، مگر مذی اور ودی تو ان سے استنجاء اور وضو کیا جائے اور منی تو اس میں غسل ہے اسے طحاوی نے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے۔

وغیرہ میں تین مذہب نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک پورے ذکر کا دھونا واجب ہے۔

(۲) امام اوزاعیؒ بعض حنابلہ اور اسی طرح بعض مالکیہ کے نزدیک پورے ذکر سمیت انثیین کا دھونا بھی واجب ہے آئندہ بحث میں ان کو فریق اول قرار دیکر اجمالی عنوان سے تذکرہ کیا جائے گا۔

(۳) شوافعؒ اور احناف حضرات کے ہاں خروج مذی کی صورت میں صرف رفع نجاست کا علی طریق الفساد دھونا کافی ہے اس سے زائد دھونا واجب نہیں البتہ اگر ذکر سمیت انثیین کو بھی دھو لیا جائے تو مستحب ہے آئندہ بحث میں اجمالاً ان کو فریق ثانی کے عنوان سے تعبیر کیا جائے گا۔

فریق اول کے دلائل اور جوابات (۱) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار (باب الرجل یخرج من ذکرہ المذی کیف یفعل) میں رافع بن خدیج سے حدیث نقل کی ہے۔ ان علیاً امر عماراً ان یسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المذی فقال لیغسل مذاکیرہ۔

مذاکیر ذکر کی جمع ہے تو بقول امام مالکؒ اس سے پورا ذکر مراد ہوگا امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مذاکیر جمع کا صیغہ ہے جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے لہذا پورا ذکر مع انثیین سب کا دھونا واجب ہے نیز ایک روایت میں غسل ذکر اور غسل انثیین کی تصریح بھی آئی ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیغسل ذکرہ وانثیيه (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱) لہذا خروج مذی کی صورت میں ان تمام کا دھونا واجب ہے۔

حضرات حنفیہؒ اور شوافعؒ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) حضورؐ نے جو مذاکیر کا لفظ استعمال فرمایا اس سے ذکر و انثیین مراد ہو سکتے ہیں مگر غسل کا حکم تقلیص صولہٗ برودت اور علاج کیلئے ہے تطہیر کیلئے نہیں، لہذا موضع النجاست من الذکر کا استنجاء (ڈھیلے یا پانی سے) کر لینا کافی ہے جیسا کہ اکثر روایات ذکر انثیین سے خالی ہیں، خود امام طحاویؒ نے بھی یہی توجیہ کی ہے کہ غسل مذاکیر علاجاً ہے

فقالوا لم يكن ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم على ايجاب غسل المذاكير ولكنه ليتقلص المذى فلا يخرج (شرح معانی الآثار باب الرجل يخرج من ذكره المذى كيف يفعل)۔

دراصل استعمال ماء کی وجہ سے مثانہ میں برودت آجاتی ہے بدن سکڑ جاتا ہے اس سے مذی میں انجماد آجانے کی وجہ سے اس کے خروج میں تخفیف آجاتی ہے لہٰذا تمام مذاکیر کا دھونا واجب نہیں مستحب ہے جیسا کہ محرم با کچ کے لیے ہدی کے تھن میں پانی چھڑکنے کا حکم ہے تاکہ اس کے تقلص (سکڑنے) کی وجہ سے دودھ کا سلسلہ کم ہو جائے۔

(۲) سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ نے اس کی ایک اور توجیہ یوں بھی کی ہے کہ ممکن ہے کہ خروج مذی کی وجہ سے کپڑے ملوث ہو گئے ہوں اور اس کے پھیل جانے اور کپڑوں کے مذاکیر کے ساتھ لگنے سے مذاکیر پر بھی مذی کی رطوبت اور تلویث آگئی ہو تو بہتر یہی ہے کہ احتیاطاً مذاکیر کو بھی دھو لیا جائے تاکہ تلویث کا ازالہ ہو جائے۔ (حقائق السنن ج ۱ ص۱۲۷)

فریق ثانی کے دلائل

زیر بحث باب کی پہلی حدیث (نمبر۳) حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ ان کے سوال پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

فقال يغسل ذكره ويتوضأ اس روایت کو امام بخاریؒ (ج ۱ ص۴۱) اور امام مسلمؒ (ج ۱ ص۱۴۳) نے روایت کیا ہے جس میں صراحتاً حضورؐ نے خروج مذی کی وجہ سے وضو کا حکم صادر فرمایا ہے۔ وضو کا حکم شریعت میں ایک امر تعبدی (غیر قیاسی) ہے کیونکہ نجاست سبیلین سے نکلتی ہے اور طہارت حاصل کرنے کا حکم اعضاء اربعہ کے دھونے کے ساتھ ہے تو خروج مذی کی صورت میں امر تعبدی کے قبیل سے صرف وضو کا حکم ہے پورے ذکر اور انثیین کا حکم نہیں ہے لہٰذا وضو کے علاوہ جو بھی حکم ہے وہ امر تعبدی کے علاوہ امر قیاسی ہوگا اور امر قیاسی کا تقاضا صرف موضع نجاست کے دھونے کا ہے۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حضرت علیؓ کی وہ روایت آٹھ سندوں کے ساتھ نقل فرمائی ہے جس کے اندر حضورؐ نے خروج مذی کی وجہ سے صرف وضو کا حکم فرمایا ہے امام ترمذی نے بھی متعدد طرق سے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے۔

عن عليؓ قال سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن المذى فقال من المذى الوضوء ومن المنى الغسل (ترمذی باب ماجاء فی المنی والمذی)

مذی کا حکم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے منی سے اشتراک علت کے توہم سے خود حضرت علیؓ کافی عرصہ تک مذی سے بھی غسل کرتے رہے جیسا کہ انہوں نے خود اسی باب کی پہلی روایت میں اپنا واقعہ بیان کیا ہے نیز اسی

واقعہ کو مسلم اور بخاری کے علاوہ ابوداؤد اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔

کنت رجلاً مذاء فکانت ابنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحتی فاستحییت ان اسأله فقلت لرجل جالس الی جنبی سله فسأله فقال فیه الوضوء (نسائی ج ۱ ص ۳۶)

ابوداؤد میں ہے۔ کنت رجلاً مذاء فجعلت اغتسل حتی تشقق ظهری فذکرت ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم او ذکر له فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفعل. (الحدیث) (ابوداؤد باب فی المذی)

جبکہ حدیث باب میں ہے فامرت المقداد بن الاسود ۔الخ

سائل کون؟ یہاں ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ سے مذی کے بارے میں سوال کرنے والا کون تھا اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ چار طریقوں سے مروی ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو حکم دیا تھا تو حضرت عمارؓ نے سوال فرمایا تھا۔

(۲) حضرت علیؓ نے حضرت مقداد بن الاسودؓ کو وکیل بنایا تھا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت فرمایا جیسا کہ حدیث باب کا یہی مدلول ہے یہ روایت محمد بن حنفیہ کے طرق سے منقول ہے۔

(۳) حضرت علیؓ نے کسی ایک شخص کو حضورؐ کی خدمت میں سوال کرنے کے لیے بھیجا تھا نام متعین نہیں یہ روایت ابوعبدالرحمن کے طرق سے مروی ہے۔

(۴) دیگر متعدد طرق سے منقول روایات میں " سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم " کے الفاظ آئے ہیں یعنی سوال کرنے والے خود حضرت علیؓ تھے۔

مختلف روایات میں تطبیق محدثین حضرات نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے ایک اصول پیش کیا ہے کہ " فعل الوکیل کفعل الموکل " یعنی وکیل کا فعل بالکل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا کبھی وکیل کے فعل کو براہ راست موکل کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اس کی مثال میں فرماتے تھے جیسا کہ بنی الامیر المدینة میں بناء مدینہ کی نسبت امیر کی طرف کی گئی ہے یا قرآن میں ہے۔ یاهامان ابن لی صرحًا، بناء صرح کی نسبت (امان کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ کام مزدوروں اور معماروں کا تھا۔ یہ فعل المامور فعل الامیر کے قبیل سے ہے چونکہ اصل سوال کا باعث حضرت علیؓ تھے وہی سبب استفسار ہیں لہٰذا اگر وہ بعض اوقات سوال کی نسبت اپنی طرف کر دیتے ہیں تو عین محاورہ کے مطابق ہے علامہ عثمانیؒ نے بھی فتح الملہم ج ۱ ص ۴۶۱ میں اسی توجیہ کو نقل کیا ہے۔

(۲) جن روایات میں سائلت نفسی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ منقول ہیں بعض حضرات نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ حضرت علیؓ نے دریافت مسئلہ کے وقت یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ صاحب واقعہ میں ہوں بلکہ ایک مطلق اور عام سوال دریافت فرمایا لہٰذا انہوں نے جو سوال کی نسبت اپنی طرف کی ہے وہ حقیقت پر محمول ہے مگر یہ توجیہ ضعیف ہے۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۲۹) میں ہے۔ وجمع ابن حبان بین ھذا الاختلاف بان علیا امر عمارا ان یسئل ثم امر المقداد بذالک ثم سأل بنفسہ۔

(۴) ایک اور توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ تینوں صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے جب ایک نے سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب ارشاد فرمایا تو اتحاد مجلس اور سماعت جواب کی وجہ سے ہر ایک کی طرف نسبت درست اور صحیح ہے۔

خروج مذی کا واقعہ جن حضرات کے ساتھ پیش آیا

(۳۹) اسی باب کی دوسری روایت سہل بن حنیف سے منقول ہے کہ وہ بھی اپنے اندر مذی کی بڑی شدت پاتے تھے اور اکثر اس سے غسل کیا کرتے تھے جب حضورؐ سے دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا۔

"انما یجزیک من ذالک الوضوء" اس روایت سے بھی اس بات کی تعیین ہوتی ہے کہ خروج مذی کی صورت میں امور تعبدیہ میں حضورؐ نے صرف وضو کو واجب فرمایا ہے پورے ذکر و انثیین کے دھونے کا وجوب منقول نہیں باقی رہا موضع نجاست تو اس کا دھونا امر تعبدی کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ یہ امر قیاسی کے قبیل سے ہے اس لیے اسی کا دھونا واجب ہے۔

سہیل بن ربیعہ باہلی کے بارے میں بھی روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے بنو عقیل کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا تو وہ کبھی کبھی بیوی کے پاس آ کر مل لگ لیا کرتے تھے لہٰذا ان سے خروج مذی بھی ہوتا تھا چنانچہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ بار بار مذی خارج ہوتی ہے تو حضرت عمرؓ نے فتویٰ دیا کہ ذکر اور انثیین دونوں کو دھو لیا کرو، اس روایت سے بظاہر اشکال بھی ہوتا ہے اور فریق اول کا یہ مستدل بھی بنتا ہے کہ پورے ذکر اور انثیین کا دھونا لازم ہے۔

مگر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ فتویٰ حکم وجوبی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ بطور علاج کے آپ نے فرمایا تھا روایت کے سیاق وسباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بار بار بیوی کے پاس آتے تھے۔ کثیر المذی تھے کثرت تلویث کے احتمال کے پیش نظر کمال طہارت اور مکمل حصول تنظیف کے لیے دونوں کے

غسل کا حکم دیدیا۔

علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ بھی خروج مذی کے واقعات پیش آئے تھے ان حضرات نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا سوال کی نسبت ان حضرات کی طرف بھی منسوب ہے۔

فریق ثانی کے دو مزید دلائل (۱) امام طحاویؒ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوت کے بعد جمہور صحابہ وتابعین کا فتوی صرف اس بات پر رہا ہے کہ خروج مذی سے ذکر کا صرف وہ حصہ دھونا لازم ہے جو نجس ہے امام طحاویؒ نے اس دلیل کر ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ دو تابعی حضرت حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ کے فتوی کو دو سندوں کے ساتھ اور حسن بصریؒ کے فتوی کو ایک سند کے ساتھ اور سعید بن جبیرؒ کے فتوی کو ایک سند کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت نیمویؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کے اس فتوی کو اسی باب کے آخر میں نقل کر دیا قال اما المذی والودی فانه یغسل ذکره ویتوضأ۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال (۲) امام طحاویؒ اپنے مخصوص طریق نظر سے اسے مزید عقلی استدلال سے مستحکم کرتے ہیں ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ خروج مذی بھی منجملہ حدثوں کے ایک حدث ہے تو خروج مذی کی وجہ سے جو حدث لاحق ہوتا ہے۔

اس کے ازالہ کیلئے کیا واجب ہوتا ہے اس سلسلہ میں ہم نے دیگر حدثوں کا مطالعہ کیا کہ خروج غائط بھی حدث ہے خروج بول بھی حدث ہے خروج دم بھی حدث ہے تو ان تمام احداث میں متفقہ طور پر یہ حکم ہے کہ صرف موضع نجاست کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے اس سے آگے کچھ نہیں لہذا نظر و فکر کا تقاضا یہی ہے کہ خروج مذی کی صورت میں بھی صرف موضع نجاست کو دھو کر وضو کرنا لازم ہو گا مزید کسی چیز کے لزوم کی بات درست نہیں یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے شوافع حضرات بھی یہی فرماتے ہیں۔

طہارت الثوب من المذی سہل بن حنیف کی حدیث باب میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ قلت یارسول اللہ فکیف بما یصیب ثوبی منه قال یکفیك بان تاخذ کفا من ماء فتنضح بها من ثوبك حیث تری انه اصابه۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ حدیث باب کے اس حصہ سے استدلال کرتے ہوئے مذی سے ملوث کپڑے کی تطہیر کے لیے محض رش اور نضح کو کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ بول صبی کا ازالہ ان کے نزدیک محض رش اور چھینٹے مارنے سے ہو جاتا ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ طہارت الثوب من المذی کے لیے علی طریق المعتاد غسل ضروری ہے۔

امام احمدؒ کے استدلال سے جمہور کے جوابات

(۱) حدیث باب میں "لتنضح" سے مراد مطلق غسل یا غسل خفیف ہے مقصد یہ ہے کہ قلیل مقدار مذی کی اصابت سے تمام کپڑوں کا آزار دھونا اور اصول طہارت میں تشدید تخفیف مالایطاق ہے زیادہ اہتمام و تشدید کی ضرورت نہیں چلو میں پانی لے کر غسل خفیف کرلیا جائے یا تلویث مذی اور پھر نقل و حرکت سے تلویث ثوب کے توہم سے سارے کپڑے کا دھونا مفضی الی الحرج ہے حالانکہ الیقین لایزول بالشک لہٰذا خود کو حرج عظیم میں ڈالنے کے بجائے غسل خفیف پر اکتفا کرلیا جائے۔

(۲) صحیح بخاری (ج ۱ صلا باب غسل المذی والوضوء منہ) میں "واغسل ذکرک" کے الفاظ منقول ہیں کہ غسل ذکر کا حکم مستقل باصابت المذی ہے لہٰذا ثوب کا بھی یہی حکم ہوگا۔

(۳) حدیث باب کمزور ہے اس کے راوی محمد بن اسحاق مدلس ہیں ان کا عنعنہ قابل قبول نہیں جبکہ روایت باب معنعن ہے لہٰذا اس ضعیف روایت کو ازالہ نجاسات کے عام قاعدہ کلیہ "اذا استیقظ احدکم من منامہ" کے مقابلہ میں مرجوح قرار دیا جائے گا۔

(۴) مذی ائمہ ثلاثہ اور جمہور کی طرح امام احمدؒ کے نزدیک بھی نجس ہے اور جہاں نجاست کا محض توہم ہو وہاں بھی شارع علیہ السلام نے تثلیث غسل کا حکم دیا ہے۔ اذا استیقظ احدکم من منامہ، خود امام احمدؒ اس میں اس قدر متشدد ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب سے اٹھنے کے بعد ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال دے تو امام احمدؒ اس پانی کو نجس قرار دیتے ہیں تو پھر مذی جو بالاتفاق نجس ہے اور جس کا خروج بھی یقینی ہے تو یہاں اس قدر تخفیف اور بجائے غسل کے محض نضح پر اکتفا کرنا بظاہر غرض شارع علیہ السلام کے منافی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْبَوْلِ

٤١ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب ۔ پیشاب کے بارہ میں جو حکم آیا ہے ۔ ٤١ ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں سے گزرے تو آپ نے فرمایا بلا شبہ ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور انہیں (لوگوں کے خیال میں) کسی بڑے معاملہ میں عذاب نہیں دیا جا رہا ۔ ان میں سے ایک تو وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا وہ چغلی کرتا تھا پھر آپ نے ایک تری ٹہنی لے کر اسے چیر کر آدھا آدھا کر دیا اور ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دی ، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ نے ایسا کیوں کیا ؟ آپ نے فرمایا ، شاید کہ ان سے تخفیف ہو جائے جب تک کہ یہ خشک نہ ہو جائیں ؛ اس حدیث کو شیخان نے روایت کیا ہے ۔

---

٤١ تا ٤٣ ـــــــ اس باب کی پہلی روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے جسے امام بخاری (ج ۱ صفحہ ۳۵) اور امام مسلم (ج ۱ صفحہ) کے علاوہ امام ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے ۔

امام ترمذی کی تنبیہ امام ترمذیؒ نے تو " باب التشدید فی البول " کے عنوان سے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے امام ترمذیؒ کی اس سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ وہ قارئین کو یہ بتا دیں کہ جس طرح بعض امور نفس الامر میں اتنے شدید نہیں ہوتے جتنا کہ تغلیظاً و تنبیہاً اور زجراً ان میں تشدید اختیار کی جاتی ہے مثلاً فمن ترك الصلوة فقد كفر (نسائی ج ۱ صفحہ ۵ باب الحکم فی تارک الصلوٰۃ) جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں مگر اس کے باوجود بھی حدیث میں فقد کفر سے اس کی تعبیر کی گئی ہے ۔ محدثین حضرات اس کی یہی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ اہمیت صلوٰۃ کے پیش نظر تشدیداً و تغلیظاً فقد کفر کہا گیا ہے ۔ امام ترمذی اس باب کی پہلی روایت کے لیے جامع السنن میں " التشدید فی البول " کا عنوان قائم فرما کر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بول اور اس سے احتراز اور اجتناب کے بارے میں روایات میں جو تشدید منقول ہے وہ صرف تغلیظاً و تنبیہاً اور توبیخاً نہیں بلکہ واقعۃً نفس الامر میں بھی

۴۲۔ وَعَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْخَرُونَ وَصَحَّحَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ ۔

---

۴۲ ۔ ابوصالح سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کا عذاب اکثر پیشاب (سے نہ بچنے) سے ہوتا ہے اس روایت کو ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے بیان کیا ہے امام دارقطنیؒ اور امام حاکمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے ۔

ثابت ہے کہ بول سے عدم احتراز عذاب شدید کا موجب ہے ۔ (ملخصاً از حقانی السنن ج ۱ صفحہ ۱۱۳)

اصحاب قبور کون تھے

مر بقبرین ، حدیث باب میں مطلقاً مر بقبرین اور ترمذی میں مر علی قبرین کے الفاظ منقول ہیں سوال یہ ہے کہ یہ قبریں کن لوگوں کی تھیں اصحاب قبر مسلمان تھے یا غیر مسلم ، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۱ ، حافظ ابن القیمؒ نے کتاب الروح صفحہ اور قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۱۰ میں اس پر خاصی تفصیل سے اور جامع بحث کی ہے ۔ اس سلسلہ میں دو رائیں پائی جاتی ہیں ۔

فریق اول رائے اور دلائل

(۱) یہ دونوں قبریں کافروں کی تھیں دونوں کا تعلق ہی کفار سے تھا (تحفہ ج ۱ صفحہ ۱) یہ رائے حافظ ابوموسیٰ المدینیؒ کی ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے یہ حضرات اپنی رائے کی تائید میں دو دلیلیں پیش کرتے ہیں ۔

(ا) مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ دو افراد شخص زمانہ جاہلیت میں مرے تھے هلكا فى الجاهلية لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس روایت کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ واقع ہے جو نہایت کمزور ہے ۔ قال الحافظ الحديث الذى احتج به ابو موسىٰ ضعيف كما اعترف به (تحفۃ الاحوذی ج ۱ صفحہ ۱)

(ب) ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ اصحاب قبر مومن ہوتے تو ان سے تخفیف عذاب نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ نے ان پر ٹہنی گاڑنے کے بعد ارشاد فرمایا ۔ لعله يخفف عنهما مالم ييبسا اس کا جواب بھی واضح ہے کہ ۔ یہاں پر تخفیف سے ، مراد ، رفع عذاب ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی بھی یہی رائے ہے ان کے نزدیک یہ اصحاب قبر کافر تھے چنانچہ اس

۴۴۔ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ فَقَالَ إِذَا مَسَّكُمْ شَيْءٌ فَاغْسِلُوْهُ فَإِنِّيْ أَظُنُّ أَنَّ مِنْهُ عَذَابَ الْقَبْرِ۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَقَالَ فِي التَّلْخِيْصِ إِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۴۴۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ نے کہا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشاب کے بارہ میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا جب تمہیں اس میں سے کوئی چیز لگ جائے تو اسے دھو ڈالو، تحقیق میرا غالب گمان یہ ہے کہ بلاشبہ قبر کا عذاب اسی سے ہوتا ہے۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے۔ (حافظؒ نے) تلخیص الحبیر میں کہا ہے کہ اسکی اسناد حسن ہے۔

حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اقول فیہ ان الاستبراء واجب وھو ان یمکث وینثر حتی یظن انہ لم یبق فی قصبۃ الذکر شیٔ من البول وفیہ ان مخالطۃ النجاسۃ والعمل الذی یودی الی فساد ذات البین یوجب عذاب القبر اما شق الجریدۃ والغرز فی کل قبر فسرہ الشفاعۃ المقیدہ اذا لم تمکن المطلقہ لکفرھما۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صـ۱۸۲)

فریق ثانی کی رائے اور دلائل جمہور محدثینؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں اور ظاہر ہے کہ اس وقت کے مسلمان صحابہؓ ہی ہوسکتے ہیں روایات میں اس پر کئی شواہد اور قطعی قرائن موجود ہیں اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ نے تین قرائن پیش کئے ہیں۔

(ا) بعض روایات میں مرّ علی قبرین جدیدین کے الفاظ منقول ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ صـ۲۹)

لفظ جدیدین اس پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ قبریں تازہ تھیں اور دور جاہلیت کی نہیں تھیں جو لامحالہ مسلمانوں کی ہوسکتی ہیں۔

(ب) حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان سے گذرے وہاں دو قبریں تھیں جہاں آپ نے ان پر شاخ گاڑی اور ظاہر ہے کہ جنت البقیع تو مسلمانوں کا قبرستان ہے اس روایت کو مسند احمد ج ۵ صـ۲۶۶ موارد الظمآن صـ۹۶ اور الترغیب والترھیب ج ۱ صـ۸۴ میں نقل کیا گیا ہے۔

(ج) طبرانی اور مسند احمد میں حضرت ابو بکرہ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وما یعذبان الا فی النمیمة والبول گویا عذاب قبر کو صرف بول اور نمیمہ میں حصر کر دیا گیا ہے اس حصر سے واضح ہوتا ہے کہ قبریں مسلمانوں کی تھیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ کافر کو اصل سزا اس کے کفر اور شرک پر ہوتی ہے (مسند احمد ج ۵ ص ۳۶ خزائن السنن ج ۱ ص ۱۶۱)

مندرجہ بالا تینوں قرائن حافظ ابن حجرؒ نے پیش کئے ہیں۔

(د) استاذنا المعظم شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ اسکی توجیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان اہل قبور کے مسلمان ہونے کی دوسری دلیل خود اس حدیث میں صراحۃً موجود ہے کہ وما یعذبان فی کبیر یعنی وہ کسی کبیرہ گناہ یا گناہوں کے اصل الاصول کفر اور شرک کی وجہ سے مبتلائے عذاب نہیں تھے بلکہ وہ فروعی گناہوں (عدم احتراز عن البول اور ارتکاب نمیمہ) کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جا رہا تھا تو فروعات کا مکلف مسلمان ہے کافر نہیں فروعات میں کوتاہی کی سزا بھی مسلمان کو دی جاتی ہے جس نے اولاً اصل (ایمان) کو تسلیم کیا ہے کفار کو اگرچہ ترک فروع یا انکار عقیدہ فروعات، (احکام اسلام) کا عذاب بھی دیا جائے گا لیکن درحقیقت انہیں ترک اسلام اور اختیار کفر کی سزا ملے گی۔ (حقائق السنن ج ۱ ص ۲۱۶)

(ہ) حضرت مولانا حافظ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں صراحتاً "انصار" کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں مرّ بقبرین من قبور الانصار اور ظاہر ہے کہ انصار اہل اسلام ہی سے تھے۔

(تحریرات الحدیث)

ایک تعارض اور اسکا حل یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ دونوں سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ کی بعض روایات میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ یہ دونوں قبور "جنت البقیع" میں تھیں جبکہ حضرت جابرؓ کی روایت کے بعض طرق میں اسے ایک واقعہ سفر قرار دیا گیا ہے کسی سفر میں پیش آیا، بظاہر تعارض ہے مگر علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ایک واقعہ جنت البقیع میں بھی پیش آیا اور ایک واقعہ سفر میں بھی۔

ایک توہم کا ازالہ بعض حضرات نے "اصحاب قبر کون تھے" شخص تعیین میں بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ ان میں سے ایک قبر حضرت سعد بن معاذؓ کی تھی مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسکی سختی سے تردید کی ہے اور ان کا موقف بھی درست ہے کیونکہ احادیث میں حضرت سعد بن معاذؓ کی بڑی فضیلت اور عظمت مقام کا بیان ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی تدفین میں شریک ہوئے پھر دفن کے متصل ان کی قبر پر دعا فرمائی، ایک موقع پر جب حضرت سعد بن معاذ حاضر خدمت

ہوئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ قوموا الی سیدکم (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۱۲۱) ایک دوسری روایت میں خیرکم او سیدکم (بخاری ج ا صفحہ ۵۳۵) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

حضرت سعدؓ کے عظمت مقام کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی نماز جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے (نسائی ج ا صفحہ ۲۹۰) اور جب حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا تو ان کی موت پر عرش رحمن ہل گیا۔ اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ (بخاری ج ا صفحہ ۵۳۶) جس صحابی کو اللہ نے اس قدر عظمت و رفعت مقام سے نوازا ہے تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ قبر ان کی تھی اور انہیں عذاب قبر مل رہا ہے۔

ایک تعارض اور اسکا حل

انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير حدیث باب کے اس حصہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اصحاب قبور کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب قبر میں ماخوذ نہیں تھے بلکہ دو صغائر عدم احتراز عن البول اور نمیمہ کا ارتکاب موجب عذاب بنا عادت الٰہی بھی عموماً یہی ہے کہ وہ کبائر پر گرفت کرکے اور صغائر معاف فرما دیتے ہیں۔ ان تجتنبوا ما تنهون عنکم نکفر عنکم سیئاتکم ( )

اس اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صغیرہ میں نہیں بلکہ کبیرہ میں گرفتار تھے صرف یہ نہیں بلکہ اسی روایت کے بعض طرق میں وما يعذبان في كبير ثم قال بلى (بخاری ج صفحہ ۱۸۲) اور وما يعذبان في كبير وانه لكبير..... الخ (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۹۵) کے الفاظ منقول ہیں اسی طرح یہی الفاظ بخاری کے علاوہ دیگر بھی کتب حدیث میں منقول ہیں حدیث کا یہ آخری حصہ بلى وانه لكبير حدیث کے پہلے حصے وما يعذبان في كبير سے متعارض ہے۔

بظاہر اس حدیث کا عادت الٰہی کے عام اصول اور خود ایک ہی حدیث کے دو حصے باہم متعارض ہونے کا اشکال بڑا اہم ہے اس لیے محدثین حضرات نے بڑی اہمیت سے رفع اشکال کے لیے توجیہات پر توجہ دی ہے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم ج ا صفحہ ۴۵۵ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ا صفحہ ۳۲۱ اور قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ا صفحہ ۱۰۱ میں اس کی تطبیق میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) انهما يعذبان اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ وہ بوجہ ارتکاب کبیرہ کے معذب ہیں۔ وما يعذبان في كبير سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کبیرہ بھی نہ تھا جس سے تحرز بھی بچنا ناممکن یا مشکل ہو بلکہ یہ تو ایسا فعل ہے کہ جس سے احتراز نہ صرف شرعی حکم ہے بلکہ طبعی نظافت اور انسانی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

(۲) علامہ عبدالملک البونیؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خیال یہ تھا کہ یہ معاصی کبائر سے

نہیں ہیں اس لیے ارشاد فرمارہے تھے۔ وما یعذبان فی کبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً بذریعہ وحی تنبیہ کردی گئی تو آپ نے فوراً اپنے سابقہ ارشاد کا استدراک فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ثم قال بلی وانہ لکبیر

(۳) وما یعذبان فی کبیر یعنی وہ گناہ ان کے زعم میں کبیرہ نہ تھے حالانکہ نمیمہ قتل کی جڑ ہے اور عدم احتراز من البول، عدم جواز صلوٰۃ کو منفضی ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا وانہ لکبیر یعنی وہ نفس الامر میں بڑے گناہ تھے

اس توجیہ سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ پیشاب کے چھینٹوں سے عدم تحرز کو عذاب قبر سے کیا مناسبت ہے علامہ ابن نجیم اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ان القبر اول منزل من منازل الآخرۃ والاستنزاہ اول منزل من منازل الطہارۃ والصلوٰۃ اول مایحاسب بہ المرء یوم القیامۃ فکانت الطہارۃ اول مایعذب بترکھا فی اول منزل من منازل الآخرۃ۔

(بحر الرائق ج ۱ صـ۱۱۰)

یعنی طہارت عن البول عبادات اور طاعت کی طرف پہلا قدم ہے دوسری طرف قبر عالم آخرت کی پہلی منزل ہے قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور طہارت نماز سے مقدم ہے اس لیے منازل آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں طہارت کے ترک پر عذاب دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے اتقوا البول فانہ اول مایحاسب بہ العبد فی القبر۔

(رواہ الطبرانی باسناد حسن، معارف السنن ج ۱ صـ۲۶۲)

(۴) کفر شرک اور قتل کی طرح اکبر الکبائر میں سے نہیں ہے البتہ اپنے مقام پر یہ بھی ایک کبیرہ گناہ ہے۔

(۵) مخاطبین کے نزدیک کبیرہ نہ تھے مگر عند اللہ کبیرہ تھے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔

(۶) فی نفسہ وہ گناہ کبیرہ نہ تھے مگر ان پر اصرار اور مواظبت کبیرہ ہے اس توجیہ کے لیے روایات میں "کان" کا صیغہ قوی قرینہ ہے۔ "کان لایستتر" "کان یمشی" جبکہ کان استمرار کے لیے آتا ہے۔

(۷) گناہ بڑے نہ تھے عذاب بڑا تھا انہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور ایک روایت کے الفاظ سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے انھما یعذبان عذابا شدیدا فی ذنب ھین (موارد الظمآن صـ۲۰۷) یعنی ذنب ھین تھا مگر عذاب شدید تھا دونوں چیزیں الگ الگ ہوگئیں۔

(۸) امام نووی فرماتے ہیں عذاب نفس عدم احتراز عن البول پر نہ تھا بلکہ ترک صلوٰۃ پر تھا کیونکہ قطرات پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے جسد و ثوب میں نجاست واقع ہوئی نجس کپڑوں اور نجس جسد کے ساتھ نماز پڑھی جو ادا نہ ہوئی ترک صلوٰۃ کا ارتکاب ہوا۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ صـ۱۴۱)

(۵) پیشاب کرتے وقت لوگوں سے وہ ستر نہیں کرتے تھے، وجہ عذاب گویا عدم استتار من البول اور کشفِ عورت ہے جو فرض ہے اور ترکِ فرض موجبِ عذاب ہے یہ توجیہ ابن دقیق العید نے کی ہے۔

(احکام الاحکام ج ۱ صفحہ ۱)

ضعفِ استخدام ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر کو ہوگا جو لکڑی اور مٹی پر مشتمل ہے حالانکہ سزا صاحبِ قبر کو ملنی چاہیئے علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے اور انہما یعذبان کی ضمیر صاحبینِ قبر کو راجع ہے اصل عبارت یوں ہے۔ مر علی قبرین فقال انہما (ای صاحبی قبرین) اس کو صنعتِ استخدام کہتے ہیں جب ایک لفظ صراحۃً مذکور ہے تو اس کا ایک معنی ہوتا ہے اور جب اس کو ضمیر راجع کی جائے تو اس کا معنی لفظ کی مناسبت سے بدل جاتا ہے وھو ان یراد بلفظ له معنیان احدھما (ای احد المعنیین) ثم یراد بضمیرہ (ای بالضمیر العائد الی ذلک اللفظ معناہ الاخر (مختصر المعانی بدیع) یہاں بھی ضمیر قبرین کو راجع ہے مگر اس کی مناسبت سے مراد صاحبی قبرین ہیں اس کی نظیر کلام عرب میں ملتی ہے۔

اذا نزل السماء بارض قوم
رعیناہ وان کانوا غضابا

مصرعہ اول میں "السماء" سے مراد بارش ہے مگر جب اس کے دوسرے مصرعہ کے "رعیناہ" کی ضمیر راجع کر دی جائے تو مراد اس کی گھاس ہے۔

فائدہ: فکان لا یستتر من البول۔ (۱) حدیث باب میں من بمعنی لدی کے ہے یعنی لا یستتر لدی البول یعنی بول کرتے وقت بدن کے تستر کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔

(۲) دوسرا معنی یہ ہے اور راجح بھی یہی ہے کہ بول کرتے وقت اپنے اور بول کے درمیان سترہ کا اہتمام نہیں کرتا تھا یعنی بول سے رشاش (چھینٹوں) کے تلوث سے اجتناب نہیں کرتا تھا گویا حدیث باب میں لا یستتر بمعنی لا یجتنب ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں صراحتاً لا یستتر من بولہ بعض میں لا یستبری اور بعض میں لا یتوقی کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں۔

ایک مسلمان کیلئے عذاب قبر کی حکمتیں استاذ المعظم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مسلمان کے لیے عذاب قبر کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کو جو بہشت کا حقدار ہے کسی گناہ کی وجہ سے عذاب قبر دیا جا رہا ہے اس میں بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہی دربار میں حاضری کے وقت ہر شخص اولاً غسل کرتا، میل کچیل کا ازالہ کرتا، کپڑوں

کو دھوتا اور طہارت و نظافت کے لیے ان کو رگڑتا اور کوٹتا ہے اور ان پر پانی بہاتا ہے پھر گرم آگ کی استری سے اس کے ٹیڑھے پن کو دور کرتا ہے تب کہیں جا کر کپڑا صاف ہوتا اور شاہی دربار میں جانے کے شایان شان ہوتا ہے لوہے سے زنگ دور کرنے کے لیے لوہار بھی لوہے کو آگ کی بھٹی میں ڈالتا ہے پھر گرم کر کے اس کو خوب کوٹتا ہے تب کہیں جا کر اس کی صفائی ہوتی ہے تو چونکہ یہاں بھی ایک مسلمان نے رب العالمین کے شاہی دربار میں حاضری دینی ہے اس لیے عذاب قبر کی صورت میں اولاً اس کے روح کے لباس (بدن) سے گناہوں اور معصیت کی میل کچیل کو دھو کر صاف کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ بارگاہ ربوبیت میں ایسے حال میں حاضر ہو کر اس کے وجود پر معصیت اور نافرمانی کا کوئی دھبہ باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح کے لباس (بدن) کی صفائی کا کام منکر نکیر کے سوال و جواب سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر قبر میں اس لباس کو خوب پائمال اور کچو مر نچوڑ کر معصیت اور گناہوں کے زنگ کو دور کر دیا جاتا ہے پھر یوم القیامۃ کے احوال و شدائد سے (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے) اس کی مزید صفائی کر دی جائے گی پھر پل صراط پر گزر ہو گا۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ پل صراط پر کنڈیاں (کلالیب) لگی ہوئی ہیں جو گزرنے والے گنہگاروں کو کھینچتی رہیں گی اور جسم کا خوب آپریشن ہو جائے گا بعض بدنصیب ایسے بھی ہوں گے کہ پل صراط پر بھی ان کے جسم کے فاسد اور گندے مادوں کا ازالہ تام نہ ہو سکے گا تو انہیں جہنم کے حمام میں غوطہ دیا جائے گا (العیاذ باللہ) جہاں ان کے بدن کے خراب اجزاء اور فاسد مادے جل جائیں گے اس کے بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ انہیں خدا کے حضور حاضری کا موقع دیا جائے تب انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا بعض بدنصیب ایسے بھی ہوں گے جن کا سارا وجود گناہ نافرمانی اور اختیار کفر کی وجہ سے اس لوہے کی طرح فاسد ہو گا جو نام کا لوہا ہو مگر اندر اور باہر سے سارا زنگ کھا گیا ہو اور اس کے اندرونی اجزاء بھی زنگ بن چکے ہوں تو ایسے لوہے پر لوہار کبھی بھی محنت نہیں کرتا بلکہ اس کو انگاروں کی بھٹی میں ڈال کر چھوڑ دیتا ہے اور اُسے نکالنے کی فکر ہی نہیں کرتا اسی طرح کفار کو بھی بوجہ عدم صلاحیت کے جہنم کی بھٹی میں رہنے دیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

قبروں پر شاخیں گاڑنا اور پھول چڑھانے کا مسئلہ

یُخَفَّفُ عنہما مالم ییبسا مسلم نے اپنی صحیح میں اس روایت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

فاحببت بشفاعتی ان یرفہ ذلک عنہما مادام الغصنان رطبتین یرفہ ای یخفف (نووی ج ۱ صفحہ ۱) یعنی میری شفاعت کے سبب سے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ جریدہ ایک ظاہری علامت ہے۔

(۱) عام محدثین حضرات مالم ییبسا کا معنی یہی کرتے ہیں کہ تخفیف اس وقت تک ہو گی جب تک

یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں مگر یہ محض علامت تھی اصل سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تھی۔
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ٹہنیاں خشک بھی نہ ہونے پائیں گی کہ عذاب رفع ہو جائیگا۔
کیونکہ صاحب قبر مسلمان ہو پھر صحابی ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں پھر بھی محض تخفیف ہو
رفع نہ ہو تو یہ بات بہر حال سمجھ سے بالاتر ہے۔ (تحریرات الحدیث)

(۲) قاضی عیاضؒ اور خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ وضع جریدتین صرف آپؐ کی خصوصیت تھی۔
(فتح الباری ج ۱ صفحہ ۳۲۲، فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۴۴۲)

(۳) لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت بریدہ اسلمیؓ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر جریدہ گاڑ دینا (بخاری ج ۱ صفحہ ۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے تخصیص نہیں سمجھی تھی۔ (ملخصاً از خزائن السنن)

(۴) اس روایت سے بعض اہل بدعت نے قبروں پر پھول چڑھانے کا استدلال بھی کیا ہے حالانکہ حدیث میں پھول چڑھانے کا کوئی ذکر نہیں علماء کی جو جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی تو وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب کسی کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے علامہ ابن بطالؒ اور علامہ مازریؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ خبر دیدی گئی تھی کہ وہ دونوں اپنی قبروں میں معذب ہیں اور یہ بھی بتادیا گیا تھا کہ شاخیں گاڑنے سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے مگر کسی دوسرے کو نہ تو صاحب قبر کے عذاب میں ابتلاء کا علم ہو سکتا ہے اور نہ تخفیف عذاب کا، اس لیے دوسروں کے لیے اب شاخیں گاڑنا درست نہیں حافظ ابن حجرؒ، علامہ خطابیؒ، امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ سے اس قسم کی تصریحات بھی منقول ہیں جبکہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود (ج ۱ صفحہ ۱۶) نے ابن بطالؒ اور علامہ مازریؒ کے مندرجہ بالا قول پر اعتراض کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر قبور میں اصحاب قبور کے عذاب میں ابتلاء کا علم نہ بھی ہو تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے تخفیف عذاب کے لیے کوئی صورت اختیار نہ کی جائے ورنہ پھر اموات کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت بھی ناجائز قرار پائے گی انہوں نے استدلال میں حضرت بریدہ الاسلمیؓ کی وصیت پیش کی جو ہم نے اوپر نقل کر دی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر شاخ گاڑ دی جائے، صاحب بذل کا رجحان اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قبر پر شاخ گاڑنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

اساتذہ حدیث اور محقق علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہونے والی ہر چیز کو اسی حد پر رکھنا چاہیے جس حد تک وہ ثابت ہے چونکہ حدیث میں ایک یا دو مرتبہ شاخ گاڑنا ثابت ہے اس لیے اب اگر ایسا

١٠

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَوْلِ الصَّبِيِّ

۴۴۔ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

باب ۔ بچہ کے پیشاب کے متعلق احادیث ۴۴۔ ام قیس بنت محصنؓ نے بیان کیا کہ میں اپنے چھوٹے بچے کو جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا (شیر خوار تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنی گود مبارک میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگا کر اس پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں۔ یہ حدیث اصحاب صحاح ستہ نے نقل کی ہے۔

کر لینا چاہیے مگر حضور کا یہ دائمی معمول کسی بھی روایت سے ثابت نہیں اور نہ یہ ثابت ہے کہ ان کے علاوہ کسی لحد کے لیے حضور نے کبھی ایسا کیا ہو نیز حضرت بریدہ اسلمیؓ کے علاوہ کسی بھی صحابی سے ایسی وصیت اور عمل بھی ثابت نہیں خود حدیث باب کے صحابہ راویوں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جابرؓ سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی تخفیف عذاب کے لیے یہ معمول اپنایا ہو، خلاصہ یہ ہے کہ یہ عملاً اگرچہ جائز ہے اور احیاناً کر لینا چاہیے مگر سنت جاریہ اور عادت مستقلہ بنانے کی چیز نہیں۔

۱۴۴ تا ۱۵۱ ——— مولف نے اس سے قبل مطلقاً بول کا ذکر فرمایا تھا جس میں بول سے احتراز نہ کرنے والوں کے لیے ابتلائے عذاب کی وعید مذکور تھی چونکہ وہاں مطلقاً بول (خواہ انسان کا ہو یا غیر انسان کا، صبی کا ہو یا صبیہ کا، عورت کا ہو یا مرد کا) ذکر ہوا تھا اس لیے مصنف نے اس باب میں اور اس سے اگلے باب میں تشدید فی البول کے عام حکم سے دو قسم کے ابوال (۱) بول الصبی قبل ان یطعم اور (۲) بول ما یوکل لحمہ کا استثناء کر کے یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ابوال کے ان دو اقسام کے احکام میں عام ابوال کی نسبت تخفیف ہے۔

ابوال صبی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ اور فریقین کے دلائل شیر خوار بچے کے بول کی طہارت اور عدم طہارت کے بارے میں دو مذہب مشہور ہیں۔

۴۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۴۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس جگہ بہا دیا (دھویا نہیں)۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

---

(۱) بول صبی پاک ہے یہ مسلک داؤد بن علی الظاہری کا ہے قاضی عیاض نے امام شافعیؒ (فی روایۃ) کا مسلک بھی یہی بیان کیا ہے امام احمدؒ سے بھی ایک قول اسی طرح کا منقول ہے البتہ بول جاریہ کو یہ سب نجس قرار دیتے ہیں۔

(۲) ائمہ احناف سمیت جمہور فقہاء و محدثین امام مالکؒ، امام احمدؒ (فی روایۃ) اور امام شافعیؒ (ایک قول کے مطابق) بول غلام اور بول جاریہ دونوں کو نجس قرار دیتے ہیں علامہ نوویؒ نے قاضی عیاض کی تردید کی اور فرمایا کہ امام شافعیؒ بھی جمہور کی طرح بول صبی کی نجاست کے قائل ہیں۔

قائلین طہارت داؤد بن علی الظاہری بعض ظواہر اور دیگر حضرات اس مسئلہ میں منقول ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں رش اور نضح کے الفاظ منقول ہیں اور کہتے ہیں عام اصول اور مروجہ قاعدہ اور تعامل سے نجاست کے ازالہ میں تثلیث غسل اور نچوڑنا معتاد ہے اگر بول صبی بھی نجس ہوتا تو اس کی تطہیر کا بھی وہی حکم ہوتا جو عام نجاسات کا ہے مگر بول صبی سے طہارت کے لیے رش اور نضح مذکور ہے جس سے مزید تلویث ہوتی اور نجاست پھیلتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل اور روایات رش و نضح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بول صبی نجس نہیں ہے ورنہ اسے بھی عام نجاسات کی طرح تین بار دھویا جاتا۔ گذشتہ بحث "باب فی نجاسۃ المنی" میں امام شافعیؒ کی جانب سے طہارت منی پر استدلال میں عرض کیا گیا تھا کہ وہ منی کے طاہر ہونے کی بھی یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ منی کے ازالہ کے لیے فرک، مسح اور فرک حتیٰ پر اکتفاء کیا گیا ہے اگر منی نجس ہوتی تو فرک پر ہرگز اکتفاء نہ کیا جاتا جمہور اہل سنت اس کے جواب میں بھی وہی نکتہ بیان کرتے ہیں جو منی کے طاہر قرار دیے جانے کے استدلال کے جواب میں کہا گیا تھا کہ اگر بول صبی طاہر ہوتا تو حضور کبھی بھی اس کے غسل یا نضح و رش (بصورت تخفیف) کا حکم نہ فرماتے اور کبھی تو کم از کم بیان جواز کے لیے اس کے غسل یا نضح و رش کا ترک بھی کیا ہوتا مگر احادیث کے وسیع ذخیرہ میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلویث بول صبی کے بعد خواہ اس کے طاہر ہونے کے نضح یا رش نہ کیا ہو، اس کے

۴۲۔ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُوْ لَهُمْ فَاُتِيَ بِصَبِيٍّ مَرَّةً فَبَالَ عَلَيْهِ فَقَالَ صُبُّوْا عَلَيْهِ الْمَاءَ صَبًّا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۴۲۔ انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (شیرخوار) بچے لائے جاتے تھے تو آپ ان کے لیے دعا فرماتے ایک دفعہ ایک بچہ لایا گیا اس نے آپ پر پیشاب کر دیا، آپ نے فرمایا اس پہ پانی بہا دو۔ یہ حدیث طحاوی نے روایت کی ہے اور اسکی اسناد صحیح ہے۔

علاوہ بھی وہ تمام روایات جن میں ابوال سے احتراز کی تاکید کی گئی ہے اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے عام ہیں جن میں کسی بول کا استثنیٰ یا تخصیص نہیں کی گئی یہ تمام روایات نہ صرف یہ کہ مسلک حنفیہ کی مؤید ہیں بلکہ اس کی مثبت بھی ہیں۔

بولِ صبی سے طریقہ تطہیر اور بیان مذاہب بول (مالم یطعم) سے طہارت حاصل کرنے کے طریقہ میں ائمہ جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام اسحٰقؒ، اور امام زہریؒ اور ابن وہبؒ بجائے اس پہ پانی کے چھینٹے مار دینا کافی ہے جبکہ بول جاریہ میں اہتمام کے ساتھ اس کا غسل ضروری واجب ہے البتہ بول غلام کی تطہیر میں امام شافعیؒ سے رش اور نضح میں تمدید بھی منقول ہے ان کا ایک قول یہ ہے کہ تقاطر بالکل ضروری نہیں دوسرے قول میں رش یا نضح کے بعد موضع نجاست کو نچوڑنے سے قطرۃً یا قطرتین ٹپک پڑیں تب وہ اسے طاہر قرار دیتے ہیں یہی قول صحیح ہے۔ (ذکرابو جبان النووی فی شرح مسلم باب حکم بول الرضیع ج ۱ ص ۱۳۹)

(۲) امام مالکؒ (فی روایۃ) اور امام شافعیؒ کے ایک قول غیر مشہور اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک بول صبی و صبیہ دونوں میں چھینٹے مارنا کافی ہے آئندہ بحث میں ہم مذہب اول و دوم کو "فریق اول" کے نام سے تعبیر کریں گے تاکہ بحث و تفہیم میں سہولت ہو۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ (فی روایۃ) ابراہیم نخعیؒ حسن بن حیؒ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ بولِ جاریہ کی طرح بولِ غلام سے بھی طہارت کے لیے غسل واجب ہے تاہم بول رضیع میں زیادہ مبالغہ فی الغسل کی ضرورت نہیں غسلِ خفیف پر اکتفاء بھی جائز ہے۔ آئندہ بحث میں ہم اس کو "فریق ثانی" کے عنوان سے تعبیر کریں گے۔

۴۷۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَوْلُ الْغُلَامِ يُنْضَحُ عَلَيْهِ وَبَوْلُ الْجَارِيَةِ يُغْسَلُ قَالَ قَتَادَةُ هٰذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَ بَوْلُهُمَا۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۴۷۔ حضرت علیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے۔ قتادہؒ نے کہا، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کھانا نہ کھانے لگیں اور جب کھانا کھانے لگیں تو دونوں کے پیشاب کو دھویا جائے۔

یہ حدیث احمد، ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فریق اوّل کے دلائل

فریق اوّل بولِ صبی سے طہارت کے لیے رش اور نضح پر اکتفا کے لیے ان تمام روایات سے استدلال کرتا ہے جن میں بولِ صبی کے ساتھ نضح یا رش کے الفاظ آتے ہیں جن کے معنی چھینٹے مارنے کے ہیں بطور نمونہ چند احادیث جو فریق اول کا مستدل ہیں مع فریق ثانی کے جوابات کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جس سے زیر بحث باب کی تمام احادیث کی مراد اور صحیح مصداق کی توضیح بھی ہو جائے گی اور ان سے استدلال کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔

(۱) مسئلہ بولِ صبی میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو روایت نقل کی ہے جس میں صراحۃً "نضح علیہ" منقول ہے۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۳۵) زیر بحث باب کی پہلی حدیث ۴۶ جو ام قیس بنت محصن سے منقول ہے میں بھی "فنضحه ولم يغسله" کی تصریح ہے حضرت علیؓ کی روایت ۴۷ جسے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں بھی نقل کیا ہے اس میں بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں یعنی "بول الغلام ينضح"۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ ج ۱ صفحہ ۵۵)

نضح اور رش بمعنی غسلِ خفیف

فریق ثانی (حنفیہ حضرات) فریق اول کے اس استدلال کے جواب میں کہتے ہیں نضح کے چھ معنی آتے ہیں (۱) عضو پر پانی بہانا (۲) رش چھڑکنا (۳) بول سے تطہیر (۴) استنجا بالماء (کوکب دری ج ۱ صفحہ ۳) (۵) غسلِ خفیف (۶) غسل مطلقاً۔

یہاں پر ان روایات میں نضح بمعنی صبِّ ماء (غسلِ خفیف) کے ہے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حیض کے کپڑوں کے بارے میں آپؐ سے سوال ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قال تحته ثم تقرصه بالماء وتنضحه بالماء اس مقام پر تنضحه کے معنی شراح حدیث نے غسل ہی کے کیے ہیں۔

۴۸ - وَعَنْ أَبِي السَّمْحِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ خَادِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِيءَ بِالْحَسَنِ أَوِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَبَالَ عَلَى صَدْرِهِ فَأَرَادُوا أَنْ يَغْسِلُوهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُشَّهُ فَإِنَّهُ يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَآخَرُونَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ وَحَسَّنَهُ الْبُخَارِيُّ.

---

۴۸ - حضرت ابو السمح ؓ نے کہا، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، آپ کے پاس حضرت حسن ؓ یا حضرت حسین ؓ لائے گئے تو انہوں نے آپ کے سینہ اطہر پر پیشاب کر دیا، صحابہ ؓ نے چاہا کہ اسے دھو ڈالیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی چھڑک ڈالو، لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب کی وجہ سے پانی چھڑک دیا جائے۔

یہ حدیث ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، ابن خزیمہ ؒ اور حاکم ؒ نے اسے صحیح اور امام بخاری ؒ نے حسن قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت اسماء کی روایت نقل کی ہے کہ جب ایک عورت نے دم حیض کے بارے میں حضور ؐ سے دریافت کیا تو ان کو بھی حضور ؐ نے یہی فرمایا کہ تحته ثم تقرصه ثم تنضحه تصلی فيه (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۰) اسی حدیث کے تحت امام نووی ؒ تنضحه کے مراد کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ومعنی تنضحه تغسله اھ۔

اسی طرح ایک مرتبہ مذی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو حضور ؐ نے فرمایا انضح فرجک (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۳، ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۳۱) اس جگہ بھی نضح سے مراد غسل ہے کیونکہ مذی بالاتفاق نجس ہے امام نووی ؒ نے شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۳ اور ابن دقیق العید ؒ نے احکام الاحکام ج ۱ صفحہ ۱۰۱ میں اسکی تصریح کی ہے۔

امام خطابی ؒ نے بھی نضح بول غلام کی روایات میں نضح سے مراد غسل لیا ہے " لکن بغیر مرس ذالك " یعنی ملنے اور رگڑنے کے بغیر جسے ہم حنفیہ غسل خفیف سے تعبیر کرتے ہیں لہذا جمہور احناف (یعنی فریق ثانی) مناسب یہ سمجھتا ہے کہ جن احادیث میں نضح اور رش کے الفاظ آئے ہیں ان کے ایسے معنی مراد لیے جائیں جو دیگر روایات کے مطابق ہوں اور وہ معنی ہیں غسل خفیف، خود امام شافعی ؒ نے بھی بعض مقامات پر ان الفاظ کی یہی تشریح کی ہے ترمذی کی روایت " ان تاخذ کفا من ماء فتنضح به ثوبك حيث ترى انه

۴۹۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی بَطْنِہٖ اَوْ عَلٰی صَدْرِہٖ حَسَنٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَوْ حُسَیْنٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَبَالَ عَلَیْہِ حَتّٰی رَاَیْتُ بَوْلَہٗ اَسَارِیْعَ فَقُمْنَا اِلَیْہِ فَقَالَ دَعُوْہُ فَدَعَا بِمَآءٍ فَصَبَّہٗ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۴۹۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا کہ میرے والد نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، آپ کے پیٹ مبارک یا سینہ اطہر پر حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ تھے انھوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، یہاں تک کہ میں نے ان کے پیشاب کی دھاریں دیکھیں۔ ہم آپ کی طرف لپکے، تو آپ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، پھر آپ نے پانی منگایا تو وہ اس پر بہا دیا۔ یہ حدیث طحاویؒ نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اصاب منہ (باب فی المذی یصیب الثوب) کے تحت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ وقد اختلف اھل العلم فی المذی یصیب الثوب فقال بعضھم لایجزی الا الغسل وھو قول الشافعی واسحٰق۔ واضح رہے کہ امام شافعیؒ یہاں پر نضح کو غسل خفیف کے معنی میں لیتے ہیں۔

ترمذی کی ایک اور روایت" حتیہ ثم اقرصیہ بالماء ثم رشیہ وصلی فیہ (باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب) میں بھی امام شافعیؒ رش کا معنی غسل خفیف لیتے ہیں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ قال الشافعی یجب علیہ الغسل وان کان اقل من قدر الدرھم وشدد فی ذلک۔ گویا ان کے نزدیک صرف غسل ہی نہیں بلکہ غسل میں تشدید بھی ہے۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ صفحہ میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ" ومنہ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعرف مدینۃ ینضح البحر بجانبھا یہاں پر بھی نضح بمعنی صب کے ہے کیونکہ مذکور شہر کے کنارے پر چڑھ جاتا ہے نہ کہ پانی کا چھینٹا کنارے پر پڑتا ہے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے "نضح" بول کر صب مراد لیا ہے۔

حکمت تعبیر البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نضح سے عندالشارع بھی غسل ہی مراد ہے تو پھر سیدھا سادا غسل کا حکم کیوں نہیں دیا گیا غسل کی تعبیر نضح اور رش سے کیوں کی گئی سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

۵۰۔ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا وُلِدَ الْحُسَیْنُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْطِنِیْهِ اَوِ ادْفَعْهُ اِلَیَّ فَلِاُکَفِّلَهٗ اَوْ اُرْضِعَهٗ بِلَبَنِیْ فَفَعَلَ فَاَتَیْتُهٗ بِهٖ فَوَضَعَهٗ عَلٰی صَدْرِهٖ فَبَالَ عَلَیْهِ فَاَصَابَ اِزَارَهٗ فَقُلْتُ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْطِنِیْ اِزَارَكَ اَغْسِلْهُ قَالَ اِنَّمَا یُصَبُّ بَوْلُ الْغُلَامِ وَیُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِیَةِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۵۰۔ حضرت ام الفضل رضؓ نے کہا جب حضرت حسینؓ پیدا ہوئے میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! یہ بچہ مجھے عطا فرمائیں تاکہ میں اس کی کفالت کروں یا یوں کہا تاکہ میں اسے اپنا دودھ پلاؤں، آپ نے ایسا کردیا (ایک دفعہ) میں انہیں لے کر آپ کے پاس آئی آپ نے انہیں اپنے سینہ اطہر پر بٹھا لیا تو انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، پیشاب آپ کی چادر مبارک کو لگا، میں نے آپ سے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اپنی چادر مجھے دیں میں اسے دھو ڈالوں، آپ نے فرمایا: بلاشبہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے۔" یہ حدیث طحاوی نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

فصیح اور حکیم کا کلام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اگر یہاں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لفظ غسل فرما دیتے تو لوگ اسے بھی عام نجاسات سے ازالہ کی طرح "غسل معتاد" قرار دیتے لان المطلق اذا اطلق المراد به الفرد الکامل۔ تو حضورؐ نے رش اور نضح کی تعبیر اختیار کی تاکہ لوگ اسے غسل خفیف سمجھ سکیں۔

فریق ثانی کے دلائل

(۱) عام نجاست سے طہارت حاصل کرنے کا اصول اور معتاد طریقہ مو ضع نجاست کو تین بار دھونا اور نچوڑنا ہے غسل یدین استنجاء، دم حیض و نفاس اور تمام نجاست سے طہارت حاصل کرنے کے لیے شریعت کے احکام دھونے کے ہیں نضح کہیں بھی ثابت نہیں صرف بول صبی (جسے شوافع حضرات بھی نجس قرار دیتے ہیں) کے ازالہ کے لیے نضح پر اکتفا کر لینا عام اصول اور قاعدہ کلیہ کی مخالفت ہے ازالہ نجاست کا اصول "غسل" ہے جو فریق ثانی کا مؤید ہے۔

(۲) احادیث کے الفاظ سے بھی فریق ثانی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یؤتی بالصبیان فیبرک علیھم ویحنکھ فاتی بصبی فبال علیہ فدعا بماء فاتبعہ بولہ ولم یغسلہ۔ (الحدیث)

(مسلم ج ۱ صفحہ ۱۳۹)

۵۱۔ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ اُمِّہٖ اَنَّہَا اَبْصَرَتْ اُمَّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا تَصُبُّ الْمَآءَ عَلٰی بَوْلِ الْغُلَامِ مَالَمْ یَطْعَمْ فَاِذَا طَعِمَ غَسَلَتْہُ وَکَانَتْ تَغْسِلُ بَوْلَ الْجَارِیَۃِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

قَالَ النِّیْمَوِیُّ لِاَجْلِ اَمْثَالِ ھٰذِہِ الرِّوَایَاتِ ذَھَبَ الطَّحَاوِیُّ اِلٰی اَنَّ الْمُرَادَ بِالنَّضْحِ فِیْ بَوْلِ الْغُلَامِ صَبُّ الْمَآءِ عَلَیْہِ تَوْفِیْقًا بَیْنَ الْاَخْبَارِ۔

۵۱۔ حسن بصریؒ نے اپنی والدہ سے بیان کیا کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کو دیکھا، وہ لڑکے کے پیشاب پر جب کہ وہ کھانا نہ کھاتا، پانی بہا دیتی تھیں۔ جب کھانا کھاتا تو اسے دھوتیں اور لڑکی کے پیشاب کو ہر حالت میں دھوتی تھیں۔

یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے (مصنف آثار السنن) نیموی نے کہا ان جیسی روایات کے پیش نظر امام طحاویؒ نے مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے سے مراد پانی بہانا ہے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچے لائے جاتے تو آپ انہیں گود میں اٹھاتے اتفاق سے ایک بچے نے پیشاب کر دیا تو فدعا بماء فاتبعہ بولہ ولم یغسلہ ۔ الفاظ حدیث صراحۃً غسل خفیف پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) اسی باب کی دوسری روایت (۴۵) جسے بخاری (باب بول الصبیان میں نقل کیا ہے) میں فدعا بماء فاتبعہ ایاہ کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے اس کے بعد والی روایت (۴۶) میں "صبوا علیہ الماء صبًا" کے الفاظ منقول ہیں دونوں روایات میں صرف "صب ماء" یعنی پانی بہانا مذکور ہے دھونا نہیں جو غسل خفیف پر دلالت کرتے ہیں ابو السمح کی روایت جسے امام نیمویؒ نے ۴۸ نمبر پر ذکر کیا ہے۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رشہ فانہ یغسل بول الجاریہ ویرش من بول الغلام" کے الفاظ روایت ۴۹ کے الفاظ فدعا بماء فصبہ علیہ روایت ۵۰ کے الفاظ انما یصب علی بول الغلام ویغسل بول الجاریۃ اور روایت ۵۱ کے الفاظ تصب الماء علی بول الغلام مالم یطعم فاذا طعم غسلتہ وکانت تغسل بول الجاریۃ سب میں صب ماء مذکور ہے جو غسل خفیف ہی ہے ہم اسے اپنی اصطلاح میں صرف پانی بہانا سے تعبیر کرتے

ہیں جسے دھونا ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(۴) امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ فدعا بماء فنضحه علی ثوبه ولم یغسله غسلاً۔ (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۳۹ باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیة غسله)

یہاں ولم یغسله کے ساتھ غسلاً مفعول مطلق بھی منقول ہے جو تاکید کا فائدہ دیتا ہے مثلاً ضربت مارنا، مگر ضربت ضرباً شدید مارنا۔

یہ حدیث بھی شوافع کے خلاف باقی ہے اگر صرف ولم یغسله کے الفاظ ہوتے تو پھر تو کسی حد تک یہ قرین قیاس تھا کہ یہاں مراد نضح ہے مگر یہاں ولم یغسله غسلاً آیا ہے نفی جب قید کو متوجہ ہوتی ہے تو قید منتفی ہو جاتی ہے مراد یہ ہے کہ غسل معتاد کی نفی ہوئی تو غسل خفیف "کانه نضح" باقی رہا یہ توجیہ شیخنا المعظم حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہٗ کی ہے۔

(۵) قال النیموی لاجل امثال هذه الروایات۔ امام نیموی اس سلسلہ میں وارد تمام احادیث کی تطبیق میں امام طحاوی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان المراد بالنضح فی بول الغلام صب الماء علیه توفیقاً بین الاخبار۔ یعنی لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے سے مراد پانی بہانا (غسل خفیف) ہے دھونا (غسل) نہیں۔

مسئلہ زیر بحث میں جس قدر روایات بھی آئی ہیں ان سب میں چار قسم کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جیسا کہ احادیث باب میں آپ غور فرمالیں (۱) اتبعه بالماء (۲) صبه بالماء (۳) نضحه بالماء (۴) لم یغسله غسلاً۔

فریق ثانی کہتا ہے کہ صرف نضحه بالماء کے علاوہ باقی تمام الفاظ میں ازالہ نجاست کا عام قاعدہ اور اصول غسل موجود ہے لہٰذا صرف نضح کی روایت کو چھوڑ کر باقی تمام روایات پر عمل کیا جائے کیونکہ نضح ایک جزئی واقعہ ہے اور غسل عام قاعدہ کلیہ تو لا محالہ قاعدہ کلیہ اور اصول مستمرہ کو ایک جزئی واقعہ پہ ترجیح حاصل ہوگی اور یہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ نضح بمعنی غسل خفیف ہے تو اس طرح چاروں الفاظ کی مراد ایک ہے۔

بول غلام اور بول جاریہ میں فرق

(۱) ہدایۃ المجتہد میں ہے کہ لڑکے کا مبال کم ہوتا ہے لڑکی کا کشادہ بول صبی کم پھیلتا اور تھوڑی جگہ گھیرتا ہے جبکہ بول جاریہ پھیلتا اور زیادہ جگہ گھیرتا ہے جس سے زیادہ تلویث ہوتی ہے لہٰذا بول صبی کے لیے غسل خفیف اور بول جاریہ کیلئے غسل معتاد کا حکم دیا گیا امام طحاویؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔ وقال الطحاوی لا یکفی الصب فی بول الجاریة لان بول الغلام یکون فی موضع واحد یضیق مخرجه و بول الجاریه فی مواضع

لسنة مخرجهما (فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۴۵۱)

(۲) عورت کی طبیعت میں رطوبت اور برودت زیادہ ہے جس کی وجہ سے اس کے بول میں بھی غلظت اور لزوجت پیدا ہو جاتی ہے لہذا غسل معتاد کا حکم دیا گیا بخلاف بولِ غلام کے کہ اس کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے جس سے بول بھی لطیف اور رقیق ہوتا ہے غلظت و لزوجت کم ہوتی ہے لہذا غسل خفیف پر اکتفا کیا گیا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس توجیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ان بول الانثیٰ اغلظ وانتن من بول الذکر (حجۃ اللہ البالغۃ احکام المیاہ)

(۳) عورت کا مثانہ معدہ کے قریب ہوتا ہے قرب معدہ کی وجہ سے اس میں بدبو زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) عورتیں حضرت حوا علیہا السلام کے مشابہ ہیں اور مرد حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں صحیح مسلک یہ ہے کہ انبیاء کے فضلات طاہر ہوتے ہیں اور فضلات النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاہر ہیں (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۷۲ عمدۃ القاری ج ۳ صفحہ ۳۵ وطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ صفحہ ۱۶۶ والتعظیم) اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان سے مشابہ میں ان میں تخفیف سے باقی رہا یہ امر کہ جب فضلات طاہر ہیں تو آپ وضو کیوں کرتے تھے جواب واضح ہے کہ وضو کرنا امر تعبدی ہے۔

(۵) سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی توجیہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اہل عرب کے طبائع میں لڑکوں پر تو اور لڑکیوں پر عار محسوس کی جاتی تھی واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودا وھو کظیم (الآیۃ)

جب جاریہ سے نفرت ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی تو جس چیز سے بھی بولِ جاریہ کا تلوث ہو جاتا تو وہ چیز بھی حد درجہ مکروہ اور کریہ سمجھی جاتی تھی قال ولی اللہ الدھلوی ان الذکر ترغب فیہ النفوس والانثیٰ تعافہا (حجۃ اللہ البالغۃ احکام المیاہ)

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شریعت اخلاق کا امالہ کرتی ہے ازالہ نہیں، اسی لیے یہاں مرد و عورت کے ابوال کے احکام میں تفاوت قائم کر کے اس امر پر تنبیہ کر دی کہ صبی پر اس قدر فخر و مباہات نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے بول کو بھی طاہر سمجھ لیا جائے بلکہ اس کا غسل بھی ضروری ہے البتہ غسلِ خفیف پر اکتفا جائز ہے جاریہ سے اس قدر نفرت اور اعراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے بول کو ناقابلِ طہارت سمجھ لیا جائے بلکہ اس کا ازالہ بھی عام نجاسات کی طرح غسلِ معتاد سے کیا جا سکتا ہے۔

(حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۲۲۶)

بِبَوْلِ مَا أُكِلَ لَحْمُهُ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔ وَضَعَّفَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ جِدًّا۔

کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں"

یہ حدیث دارقطنی نے بیان کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، اور اسی طرح کی روایت حضرت جابرؓ سے بھی منقول ہے، اس کی سند بہت زیادہ کمزور ہے۔

توکیب اور کس حالت میں ؛

بیان مذاہب

بول یوکل لحمہ کے بارے میں بیان مذاہب، استدلال اور مفصل بحث فیض الباری ج ۱ ص ۳۲۵، معارف السنن ج ۱ ص ۲۲۳، اور امانی الاحبار ج ۱ ص ۱۰۹ و ص ۱۱۱ میں مذکور ہے جس میں دو مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) امام مالکؒ امام احمدؒ امام ابراہیم نخعیؒ بول مایوکل لحمہ کو طاہر قرار دیتے ہیں امام زفرؒ (فی روایۃ) اور امام محمدؒ (فی روایۃ) کا بھی یہی مسلک ہے (فیض الباری ج ۱ ص ۳۲۲) شوافع حضرات میں سے ابن المنذر ابن خزیمہ ابن حبان اصطخری اور رویانیؒ کا بھی یہی مسلک ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۱) جس کا استعمال جائز اور استفادہ ممنوع نہیں ہے عندھم اگر ان ابوال سے کپڑے بھی دھوئے جائیں تو وہ بھی پاک ہوں گے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، ابن حزم ظاہریؒ، امام ابو ثورؒ اور سفیان ثوریؒ کا مسلک یہ ہے وہ بھی غیر ماکول اللحم کے ابوال کی طرح نجس اور حرام ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۲۶۹) ازبال زمین گوبر وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (العرف الشذی ص ۴۲)۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۸) کسی صورت میں بھی ان کا استعمال اور استفادہ جائز نہیں البتہ حالت اضطرار میں بقدر ضرورت وکفایت استعمال کی اجازت ہے تداوی کے لیے بھی تب اجازت ہے جب دوسری ادویات کے استعمال سے استشفاء ممکن نہ رہے اور حکیم حاذق یہ تجویز کر دے تب حالتِ اضطرار متحقق ہوگی اور جواز کی گنجائش پیدا ہوگی۔

(۳) امام ابو یوسفؒ بھی اسے نجس اور حرام قرار دیتے ہیں مگر تداوی کے لیے مطلقاً جواز کے قائل ہیں حالت اضطرار کی قید نہیں لگاتے جب بھی کوئی حکیم بطور معالجہ کے ابوال کا استعمال تجویز کر دے تو استفادہ جائز ہے۔

نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے احکام

(۱) البتہ یہاں یہ بات یاد رہے ابوال ماکول اللحم کو امام اعظم ابوحنیفہ نجاست خفیفہ قرار دیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اختلاف فقہاء کی وجہ سے ان کے نزدیک احکام میں تخفیف ہو جاتی ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک

"ما ورد فی نجاستہ نص ولم یعارضہ نص آخر کا لدم وغیرہ" نجاست غلیظہ ہے چاہے اس کے بعد لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہو یا نہیں۔ مثلاً وہ نجاست غلیظہ ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نجاست کے غلیظہ ہونے پر اجماع بھی شرط نہیں ہے۔ امام اعظم کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس کے بارے میں منقول روایات مختلف ہوں "ما تعارض فیہ نصان" النصین فہی خفیفۃ اختلف الناس ام لم یختلفوا (ہدایہ)

(۲) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کسی چیز کے نجاست غلیظہ ہونے کے لیے اجماع شرط قرار دیتے ہیں عندهما تعارض شرط نہیں ان کے نزدیک۔۔ نجاست خفیفہ کی تعریف یہ ہے کہ "کل ما ساغ الاجتہاد فی طہارتہ" وہ کہتے ہیں کہ جب ائمہ کا کسی چیز کی نجاست اور عدم نجاست میں اختلاف ہو جائے وہ نجاست خفیفہ کہلائے گی۔

احکام (۱) شوافع کے نزدیک نجاست غلیظہ قلیل ہو یا کثیر دونوں کا حکم ایک ہے اس کے ساتھ نماز ادا نہیں ہوتی۔

(۲) احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے قلیل ہے تو اس کے ساتھ نماز ادا ہو جاتی ہے اگرچہ مکروہ ہے پھر قدر درہم میں احناف کے دو قول ہیں (۱) قدر درہم میں وزن کا اعتبار ہے (ب) مساحت کا اعتبار ہے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے دونوں اقوال میں تطبیق و توفیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ نجاست کثیفہ میں وزن کا اعتبار کیا جائے گا اور نجاست رقیقہ میں مساحت کا (یعنی طول و عرض میں درہم سے مساوات کا اعتبار ہوگا۔)

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ نجاست خفیفہ میں جب تک کثیر فاحش نہ ہو تب تک اس کے ساتھ نماز ادا ہو سکتی ہے۔

قائلین طہارت کے دلائل بول و ابو ما یوکل لحمہ قائلین طہارت کی ایک دلیل اور اہم دلیل ترمذی کی یہ حدیث ہے کہ

عن انسؓ ان ناسا من عرینۃ قدموا المدینۃ فاجتووہا فبعثہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابل الصدقۃ وقال اشربوا من البانہا وابوالہا۔ الخ

(ترمذی ج ۱ باب ما جاء فی بول ما یوکل لحمہ)

قبیلہ عرینہ اور عکل جو عرفات میں رہتے تھے کہ چند افراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ

منورہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا صحرائی اور بدوی لوگ تھے مدینہ منورہ کی شہری ہوا ان کو راس نہ آئی بیمار ہو گئے ان کے پیٹ کے ایک باطنی مرض نے آگھیرا جسے استسقاء کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک جنگل میں بھیج دیا جہاں صدقہ کے اونٹوں سمیت آپؐ کے بھی دو تین اونٹ چرا کرتے تھے وجہ ظاہر ہے کہ جنگل اور صحرائی ہوا ان کے مزاج کے مطابق تھی اور نیز اونٹ کا دودھ اور ابوال مسہل اور استسقاء کے مرض کے لیے مفید ہیں۔

اہل عرینہ وہاں کچھ عرصہ رہ کر جب صحت مند ہو گئے تو اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا ایک ساتھی جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا اس سے بچ گیا اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی آپؐ نے ۲۰ آدمیوں کا دستہ ان کے تعاقب میں بھیجا اہل عرینہ راستہ میں پکڑ لیے گئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دیے گئے چونکہ یہ لوگ چوری، قتل، اور ارتداد کے مجرم تھے اس لیے انہوں نے جو معاملہ حضورؐ کے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا حضورؐ نے بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور ان کا مثلہ کر کے حرہ کے میدان میں ڈال دیا۔ اہل عرینہ کی تفصیلی روداد اس پر ممکن اعتراضات کے جوابات، حضورؐ کا حکیمانہ طرز عمل اور اس سلسلہ کے بعض اہم جزئیات اور تفصیلات، سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے تفصیل سے بیان کیے ہیں جو ارباب ذوق حقائق السنن ج ۱ ص ۲۲۹ تا ۲۳۲ میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث عرینیین کی مزید بحث

البتہ اسی روایت کے بطور استدلال زیر بحث آجانے سے ضمناً ایک علمی توضیح یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے جیسا کہ ایک روایت میں "من عرینۃ او عکل" ایک میں "من عرینۃ عکل" اور ایک روایت میں صرف "عرینۃ" اور ایک روایت میں صرف "عکل" کے الفاظ منقول ہیں (فتح الباری ج ۱ ص ۲۶۱) اسی طرح اہل عرینہ کی تعداد میں بھی اختلاف منقول ہے بعض روایات میں سات اور بعض میں آٹھ افراد آتے ہیں مگر جب اصل واقعہ پر غور کیا جائے تو روایات میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ حافظ ابن حجر نے تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ در اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو قبیلوں، عرینہ اور عکل کے لوگ آئے تھے چار عرینہ کے اور تین عکل کے تھے (طبرانی، ابوعوانہ) یعنی کل سات تھے بخاری کی روایت میں ہے "ان رهطا من عكل ثمانية" اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عکل سے آٹھ تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چار عرینہ کے تھے، تین عکل کے اور ایک کسی دوسرے قبیلہ کا تھا جو ساتھ مل گیا جن حضرات نے بعد میں ساتھ مل جانے والے کا اعتبار کیا ہے انہوں نے تعداد آٹھ بتائی ہے جنہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا انہوں نے سات کی تعداد روایت کی ہے۔ باقی رہیں وہ روایات جن میں محض عرینہ یا محض عکل یا واو یا "او" تردید کا کلمہ آیا ہے دراصل اس میں بھی رواۃ کو اپنے شیوخ سے

سنے ہوئے الفاظ میں تردد ہے کہ انہوں نے عکل فرمایا تھا یا عرینہ۔

حدیث عرینین سے احناف کے جوابات

(۱) یہاں شرب ابوال کا حکم ضرورت تداوی اور معالجہ کی بنا پر تھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا گیا ہے

احناف حضرات سے بھی اس مسئلہ میں دو اقوال منقول ہیں امام ابو یوسفؒ کے ہاں شرب ابوال تداوی کے لیے مطلقاً جائز ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ بھی اسے حالت مخمصہ و اضطرار کے ساتھ خاص کرتے ہیں بہر حال ضرورت کی حالت علیحدہ ہے اور غیر ضرورت کی حالت علیحدہ ہے جیسے میتہ وغیرہ کا استعمال بحالت ضرورت درست ہے۔ ویسے نہیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۹۳ میں یہی لکھا ہے دراصل اجازت کی دو قسمیں ہیں (۱) اجازت برائے ضرورت (۲) اجازت برائے اباحت۔ حدیث عرینین میں اجازت برائے اباحت نہیں بلکہ اجازت برائے ضرورت ہے اور اجازت برائے اباحت کا مطلب یہ ہے کہ شئی در حقیقت پاک ہے اور اجازت برائے ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ شئی درحقیقت ناپاک ہے لیکن شرب ضرورت کی بنا پر استعمال کی اجازت ہے یہ "الضرورات تبیح المحظورات" کے قبیل سے ہے۔

(۲) علامہ عینی نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے نسخ کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں مثلہ کا ذکر ہے جو بالاتفاق جمہور منسوخ ہے نسخ کی روایت صحاح کی کتب میں منقول ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا تھا۔

حضرت سمرہ بن جندب اور عمران بن الحصین فرماتے ہیں "کان علیہ السلام یحث علی الصدقۃ وینھی عن المثلۃ" (ابوداؤد ج ۲ صفحہ) عن عمران بن الحصین قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم فینا فیامرنا بالصدقۃ وینھانا عن المثلۃ (موارد الظمآن صفحہ ۳۶۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اسی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اوائل میں ابوال کی حرمت کا علم نہ آیا ہو اور آپ نے ان کے استعمال کی اجازت دے دی ہو پھر بعد میں استنزھوا من البول سے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ عرینین کا واقعہ ہجرت کے چھٹے سال شوال یا ذی قعدہ میں پیش آیا جب کہ استنزھوا من البول کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں تو ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے اس طرح عدم احتراز عن البول کی وجہ سے عذاب قبر کا واقعہ ہجرت کے دسویں سال پیش ہوا تھا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا اس موقع پر ایک گنہگار مسلمان کے عذاب قبر میں ابتلاء کا آپ نے مشاہدہ فرمایا تو اسی دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی دعا کو بھی شامل کر لیا تھا۔ (حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۲۴۴)

(۳) حدیث عرنیین میں ایک جزوی واقعہ کا ذکر ہے جو عام ابوال کے معروف قاعدہ اور قطعی اصول "استنزھوا من البول" سے متعارض ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کلیہ اور جزئیہ کا تعارض ہو تو ترجیح قاعدہ کلیہ کو حاصل ہوتی ہے۔

(۴) اور اس کا بھی امکان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا ہو کہ لوگ منافق ہیں زبان پہ کلمہ کا اقرار کرتے ہیں مگر دلوں میں کفر رکھتے ہیں باطن میں کفر کی نجاست ہے اگر یہ لوگ ابوال پیتے بھی رہیں تو نجس شئی اپنے نجس ظرف میں گرے گی جس سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی اس توجیہ کی تائید حضور کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "الخمر لہم کالخل لنا والخنزیر لہم کالشاۃ لنا"۔

(۵) حدیث عرنیین سے بظاہر شرب ابوال کی اباحت معلوم ہوتی ہے جب کہ حدیث "استنزھوا من البول" میں نہی ہے اور اصول یہ ہے کہ جب محرم اور مبیح کا تعارض ہو تو ترجیح محرم کو دی جاتی ہے۔

(۶) بعض حضرات یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرب ابوال کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ بخاری میں روایت ہے "فقالوا یا رسول اللہ ابغنا رسلاً" (ہمارے لیے دودھ والے جانور تلاش فرمادیں) "فقال ما اجد لکم الا ان تلحقوا بالذود فانطلقوا فشربوا من ابوالها والبانها" الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۳۳ ، ج ۲ ص ۱۰۰۱) اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف دودھ کا مطالبہ کیا تھا۔

لہٰذا ضروری نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرب ابوال کا حکم دیا ہو بلکہ یہ ممکن ہے حضور نے تو ان کے لیے دودھ تجویز کیا ہو لیکن خود راوی نے استعمار میں اونٹ کے ابوال کی افادیت، خود ان لوگوں کی طلب اور باوجود مسلمان ہونے کے ابوال کے استعمال کی وجہ سے البان وابوال کے مجموعہ کی نسبت حضور کی طرف کردی ہو ــــ یا

شرب ابوال کی کارروائی انہوں نے اپنی مرضی سے کی تھی تو اس توجیہ کی بنا پر "اشربوا من ابوالها والبانها" بعض رواۃ کی اپنی تعبیر قرار دی جائے گی۔

(۷) "اشربوا من البانها وابوالها" کی عبارت "علفتها تبناً وماءً بارداً" کے قبیل سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو جملوں کا آپس میں فی الجملہ کچھ نہ کچھ تعلق ہو ایک کا عامل ذکر کردیا جائے اور دوسرے کا چھوڑ دیا جائے کیونکہ سامعین خود بخود سمجھ لیں گے "والتضمین فی مثل ھذا مشہور وھو الحاق مادۃ باخری لتضمنها معناها باتحاد وتناسب" (مغنی اللبیب ج ۱ ص ۱۹۳) جیسا کہ اوپر کے محاورہ میں "سقیتہا"۔ ماءً بارداً سے متعلق ہے اور تبناً کا عامل علفت ہے ای علفتها تبناً امام ابن ہشام نے مغنی اللبیب میں دوسری مثال یہ دی ہے کہ

قالوا اقترح شيئًا نجد لك طبخه   قلت اطبخوا لي جبة وقميصا

مطلب یہ ہے کہ "اطبخوا لی طعاماً وخیطوا لی جبۃ وقمیصا" کا ایک معمول اور دوسرے کا عامل چھوڑ دیا گیا ہے اس لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اشربوا من البانها و اطلوا من ابوالها یعنی پیشاب کو پیٹ پر لیپ دیا کرو، بعض حضرات نے "واستنشقوا من ابوالها" اصل عبارت نکالی ہے۔ بوعلی سینا نے بھی تصریح کی ہے کہ استنشاق ابوال مرض استسقاء کے لیے مفید ہے اور بعض حضرات نے "اضمدوا من ابوالها" سے تقدیر عبارت نکالی ہے اضمدوا لیپ چڑھانے کو کہتے ہیں۔

قائلین طہارت کے دیگر دلائل اور جوابات

(۲) باب هذا کی روایت ص۲۵ جسے دار قطنی نے "کتاب الطہارۃ ج ۱ ص۱۲۸) باب نجاستہ البول" میں نقل کیا ہے امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ ج ۱ ص۱۲۵ میں نقل کیا ہے۔

عن البراء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بأس ببول ما اكل لحمه

امام نیمویؒ نے خود اسی حدیث سے جواب کیا ہے کہ "وضعفه" یعنی دار قطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی سند میں سوار بن مصعب راوی ہے جس کے بارے میں امام زیلعی نے نقل کیا ہے کہ قال احمد والنسائی وابن معین متروك الحديث مزید بھی اس پر جرح ہوئی ہے (تفصیل لسان المیزان ج ۳ ص۱۲۸ میں دیکھئے)

(۳) تیسرا استدلال قائلین طہارت کا حضرت جابر کی روایت سے ہے قال النبي صلى الله عليه وسلم لا بأس ببول ما اكل لحمه (ذیل الاوطار ج ۱ ص۶۱) حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن حصین عقیلی ہے ائمہ جرح کی اس پر کڑی تنقید ہے (تفصیل تہذیب التہذیب ج ۸ ص۶۱ میں ملاحظہ ہو) امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں کذاب قرار دیا ہے (ذیل الاوطار ج ۱ ص۶۱)

(۴) سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کے بعد یہ بات بھی آپ کے سامنے آئی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور یہ تو واضح ہے جانوروں کے باڑے میں کوئی جگہ پیشاب سے خالی نہیں ہوتی باڑے میں اجازۃ صلوٰۃ اس بات کی دلیل ہے کہ بول مایوکل لحمہ پاک ہے جبھی تو ابوال کے اوپر نماز کی اجازت ہے۔

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ باڑے میں اجازت صلوٰۃ، ابوال کی طہارت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ بکری کمزور اور فرمانبردار جانور ہے اس سے کوئی اندیشہ مضرت نہیں لہٰذا ان کی باڑے میں کپڑا بچھا کر بے خوف وخطر نماز پڑھی جا سکتی ہے جہاں زمین خشک ہے وہاں کپڑا بچھائے بغیر بھی نماز پڑھنا درست ہے کہ زمین خشک ہو

جانے سے پاک ہو جاتی ہے زکوٰۃ الارض یبسہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ طاقت ور اور کینہ پرور ہے ان کے باڑے میں نماز سے ان سے مضرت رسانی کا اندیشہ ہے مقصد یہ ہے کہ بکریوں کے باڑے میں اجازت صلوٰۃ ان سے اندیشۂ مضرت نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور اونٹوں کے باڑے میں عدم اجازت اندیشۂ مضرت کی وجہ سے ہے اس میں ابوال کی طہارت یا عدم طہارت کی حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

قائلین نجاست کے دلائل

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ رواہ الدارقطنی ج ۱ ص۱۲۸ مستدرک حاکم ج ۱ ص۱۸۳ حاکم اور ذہبیؒ نے اسے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص۱۲۸ میں ہے کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں " صححہ ابن خزیمۃ مزید لکھتے ہیں کہ یہ روایت جمیع ابوال کو شامل ہے کیونکہ الفاظ میں عموم ہے (فتح الباری ج ۱ ص۲۶۰)

(۲) مسند بزار میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البول فقال اذا مسکم شئ فاغسلوہ فانی اظن ان منہ عذاب القبر واسنادہ حسن۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص۱۰۱)

(۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ۔

(دارقطنی ج ۱ ص۱۲۷ الترغیب والترہیب ج ۱ ص۱۳۸)

امام دارقطنی فرماتے ہیں المحفوظ المرسل

(۴) حضرت ابوامامہ الباہلیؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا اتقوا البول فان عامۃ عذاب القبر منہ (الترغیب والترہیب للمنذری ج ۱ ص۱۳۸) رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد لا باس بہ مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۰۹ میں ہے رجالہ موثقون۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ دارقطنی ج ۱ ص۱۲۸ امام دارقطنی فرماتے ہیں اسنادہ لا باس بہ ، امام جلال الدین سیوطیؒ الجامع الصغیر ج ۱ ص۱۵۹ میں فرماتے ہیں " صحیح " ، امام شوکانی نیل الاوطار ج ۱ ص۱۰۱ میں لکھتے ہیں اسنادہ حسن

(۶) امام طحاویؒ شرح معانی الآثار ص۶۳ میں چار سطروں میں اس کی ایک عقلی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ جو روایات قائلین طہارت نے نقل کی ہیں ان میں سے کوئی ایک روایت بھی طہارت بول کا مستدل نہیں بنتی لہذا اگر نظر و فکر

کے ذریعہ غور کیا جائے تو ابوال الابل کا حکم معلوم ہو جائے گا غور و خوض کے بعد جب دیکھا جس طرح اونٹ کا گوشت پاک ہے اسی طرح بنی آدم کا گوشت بھی پاک ہے لیکن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی آدم کا پیشاب بنی آدم کے خون کی طرح نجس ہے اسی طرح اونٹوں کے ابوال بھی ان کے خون کی طرح ناپاک ہونے چاہئیں جس طرح بنی آدم کا بول اس کے گوشت کی طرح پاک نہیں اسی طرح ابوال الابل بھی ان کے گوشت کی طرح پاک نہیں ہو سکتے یہی حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے۔

تداوی بالمحرم

تداوی بالمحرم کے بارے میں ائمہ کے اقوال اور جواز اور عدم جواز کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) اگر حالت مخمصہ و اضطرار کی ہو اور محرم کے استعمال کے بغیر ہلاکت کا اندیشہ قطعی اور یقینی ہو تو بقدر ضرورت تداوی بالمحرم بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) البتہ اگر ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف ازالہ مرض کے لیے تداوی بالمحرم کی حاجت ہو تو اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(ل) امام مالکؒ کے نزدیک تداوی بالمحرم مطلقاً جائز ہے۔

(ب) امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں تداوی بالمحرم مطلقاً ناجائز ہے۔

(ج) امام بیہقی تمام مسکرات (نشہ آور اشیاء) سے تداوی کو ناجائز قرار دیتے ہیں مگر اس کے علاوہ باقی محرمات سے تداوی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(د) احناف حضرات میں مذکورہ صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد بھی مطلقاً عدم جواز کا حکم لگاتے ہیں۔

(ﮦ) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ شراب کے بغیر باقی تمام چیزوں سے اشد مجبوری کی حالت میں بشرطیکہ نعم البدل موجود نہ ہو تداوی بالحرام درست ہے (شرح معانی الآثار ج ۱ صـ[illegible])

(ن) ظاہر مذہب یہ ہے کہ تداوی بالحرام درست نہیں (بحر الرائق ج ۱ صـ۲۴۳ و تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ[illegible])

(و) عرف شذی (صـ[illegible]) میں ہے علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ شامی میں ہے کہ و عند الضرورۃ تداوی بالحرام درست ہے۔

(م) امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر ماہر طبیب یہ رائے دے کہ تداوی بالحرام کے بغیر ازالہ مرض نہیں ہو سکتا تو جائز ہے۔

تداوی بالحرام میں اختلاف ائمہ کیوں

فقہاء کرام کے درمیان جو تداوی بالحرام سے متعلق اختلاف واقع ہوا ہے یہ دراصل صحابہ کرام اور تابعین متقدمین کے درمیان اختلاف کا ثمرہ ہے ہم شرح معانی الآثار سے بطور نظیر چار اقوال درج کرتے ہیں۔

بَابٌ فِيْ نَجَاسَةِ الرَّوْثِ

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ فَاَمَرَنِيْ اَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ اَجِدْ فَاَخَذْتُ رَوْثَةً فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَاَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَاَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هٰذَا رِكْسٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

باب - لید کی نجاست میں۔ ۵۳۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، تو مجھے فرمایا کہ میں آپ کے پاس تین پتھر لے کر آؤں، دو پتھر تو میں نے لے لیے اور تیسرے کو تلاش کیا، مجھے نہ ملا، میں نے روثہ (لید) لیا، وہ آپ کے پاس لایا، آپ نے دونوں پتھر لے لیے اور روثہ پھینک دیا، اور فرمایا" یہ گندگی ہے"۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔

---

(۱) امام بن علی تابعیؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ گائے اور بکریوں کے ابوال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر اس قول کے دو احتمال ہیں (۱) ابوال کے پاک ہونے کی وجہ سے مطلقاً جائز ہے (۲) بوجہ ضرورت وہ جواز کا حکم دیتے ہیں۔

(۲) ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ابوال الابل سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے بھی بالا دونوں باتیں محتمل ہیں۔

(۳) عطا بن ابی رباح کا قول ہے ماکول اللحم کے ابوال سے معالجہ میں کوئی حرج نہیں مطلب واضح ہے کہ ابوال ماکول اللحم ان کے نزدیک پاک ہیں۔

(۴) حسن بصری اونٹ گائے اور بکری کے پیشاب کو مکروہ سمجھتے تھے مگر یاد رہے تابعین کے اقوال سے ماکول اللحم کے ابوال پر طہارت کا استدلال درست نہیں کیونکہ ابوال کے پاک ہونے کی صورت میں بھی عند الضرورۃ برائے علاج استعمال جائز ہے۔

حدیث باب اور بالخصوص حدیث عرینیین ان لوگوں کا مستدل ہے جو تداوی بالحرام کے مطلقاً جواز کے قائل ہیں مگر حنفیہ حضرات راجح قول میں ایسی روایات کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ عرینیین کی شفا ابوالِ ابل ہی میں منحصر ہے لہٰذا آپؐ نے انہیں ابوال ابل کے استعمال کا حکم فرمایا۔

(۵۴) حدیث باب میں، استنجاء سے متعلق متعدد مسائل کا بیان ہے مثلاً استنجاء بالاحجار، پھر اس میں تین صورتیں (ا) انقاء یعنی ڈھیلے کے ذریعہ سے بالکل صاف کرنا، (ب) ایتار، یعنی ڈھیلوں کی تعداد میں طاق عدد کا استعمال (ج) تثلیث یعنی تین ڈھیلوں کا استعمال علاوہ ازیں ایک دو ڈھیلوں پر اکتفاء اور استنجاء

بالروث وغیرہ نیز اسی مناسبت سے استنجاء کی تین صورتیں (بالماء فقط، بالاحجار فقط، اور بکلیہما) کی بحث بھی کی جائے گی۔

استنجاء

لفظ استنجاء کا مادہ نجو ہے دراصل نجو کا لغوی معنیٰ درختوں کی خلاف کے ہوتے ہیں (ادب الکاتب لابن قتیبہ صـ) بعد میں انسان کے پاخانے وغیرہ پر بولا جانے لگا علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ نجو کا معنیٰ قطع اور ازالہ کے ہوتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۲ صـ) تو استنجاء کا معنیٰ یہ ہوا کہ پاخانہ کا اثر قطع اور زائل کر دیا جائے اصطلاح میں استنجاء "ازالۃ النجاسۃ بالماء والحجارۃ" کو کہتے ہیں استفعال کے باب میں س اور ت کبھی طلب کے لیے آتا ہے اور کبھی ازالہ کے لیے اگر طلب کے لیے ہو تو معنیٰ "طلب النجاسۃ لازالتہا" اور اگر ازالہ کے لیے ہو تو معنیٰ "ازالۃ النجو (نجاست)" ہے۔

حجر

حجر کی تعریف یوں ہے کل شیئ صلب غیر مکرم وغیر محترم یزیل بہ النجاسۃ سواء کان مدرا سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ حجر کی اس تعریف سے تمام ماکولات اور جملہ منتفع بہ اشیاء خواہ وہ انسان کے ہوں (جیسے طعام کپڑا وغیرہ) یا عام حیوانات کے ہوں (حشیش ونباتات وغیرہ) یا جنات کے ہوں (جیسے ہڈی اور روث وغیرہ) سب خارج ہو گئے نیز ذوات الاثمان اور ذوات المنفعۃ اشیاء بھی خارج ہو گئے۔ (حقائق السنن ج ۱ صـ)

استنجاء کی تین صورتیں

استنجاء کی تین صورتیں ہیں (۱) استنجاء بالماء فقط (۲) استنجاء بالاحجار فقط (۳) استنجاء بکلیہما۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک تیسری صورت افضل ہے اس باب میں فقط دوسری صورت (استنجاء بالاحجار) کے جواز اور استنجاء بالروث کی ممنوعیت کا بیان ہے جس سے حنفیہ حضرات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ احناف حضرات کے نزدیک مطلق انقاء ضروری ہے خواہ حجر واحد سے حاصل ہو یا حجرین کے استعمال سے یا زائد سے،

استنجاء بالحجارۃ والماء افضل ہے

احناف نے استنجاء بالاحجار والماء کو افضل قرار دیا ہے جب کہ پہلے زمانے میں استنجاء بالاحجار بھی کافی ہو جاتا تھا جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے تصریح فرمائی ہے ان الاستنجاء بالحجارۃ یجزئ وان لم یستنج بالماء اذا انقی اثر الغائط والبول وبہ یقول الثوری وابن المبارک والشافعی واحمد واسحاق۔ (ترمذی باب الاستنجاء بالحجارۃ) فقہاء احناف نے اسی پر زور دیا ہے کہ موجودہ دور میں استنجاء بالاحجار کے ساتھ استنجاء بالماء بھی ضروری ہے وجہ ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ کم کھاتے تھے اور بکریوں کی طرح مینگنیاں کیا کرتے تھے اب لوگ زیادہ کھاتے ہیں پھر غذائیں بھی تیز، اور مرغن اور کئی اشیاء سے مرکب ہوتی ہیں

جس کی وجہ سے براز میں نرمی اور بہاؤ آجاتا ہے لہذا غلاظت مخرج سے تجاوز کر جاتی ہے جیسا کہ شمائل ترمذی میں سیدنا سعد بن ابی وقاص کی روایت ہے وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔

یقول انی لاول رجل اهراق دماً فی سبیل الله وانی لاول رجل رمی بسهم فی سبیل الله لقد رأیتنی اغزو فی العصابة من اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم ما ناکل الا ورق الشجر والحبلة حتی تقرحت اشداقنا حتی ان احدنا لیضع کما تضع الشاة والبعیر۔

محمد بن جریر طبریؒ کے نزدیک ہر چیز سے استنجاء جائز ہے عام اس سے کہ پاک ہو یا ناپاک (بدایۃ المجتہد ج۱ ص۸۳) ابن رشد نے اس مذہب کو شاذ قرار دیا ہے۔

اگر آپ حدیث باب میں غور کریں تو اس سے ابن جریر طبری کی تردید ہوتی ہے جس میں والقی الروثة صراحتاً مذکور ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک استنجاء بالماء والاحجار دونوں جائز اور دونوں کا یکجا استعمال افضل ہے۔

ظاہریہ ثلاثة احجار کو ضروری قرار دیتے ہیں اور التمس لی ثلاثة احجار یا حدیث باب کے الفاظ فامرنی ان آتیه بثلاثة احجار سے استدلال کرتے ہیں مگر اسی حدیث میں والقی الروثة میں ان کا رد موجود ہے جمہور فرماتے ہیں کہ اگرچہ اپنی شرائط کے ساتھ استنجاء بالاحجار بھی درست ہے مگر استنجاء بالماء کی احادیث بھی متواتر ہیں ان کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

انقاء ایتار اور تثلیث استنجاء بالاحجار میں مذکورہ تین صورتوں کے بارے میں گزارش ہے کہ (۱) انقاء سب کے نزدیک واجب ہے (۲) ایتار سب کے نزدیک مستحب ہے (۳) البتہ تثلیث میں اختلاف ہے حدیث باب میں یہی مسئلہ خصوصیت سے زیر بحث ہے اس میں دو مذہب مشہور ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن حزم ظاہریؒ اور سعید بن المسیبؒ کے نزدیک تثلیث بھی واجب ہے اور ایتار بھی گویا عندھم تثلیث کے بغیر استنجاء جائز نہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ داؤد ظاہریؒ کے نزدیک تثلیث واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استنجاء میں ایتار بھی شرط نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ ومن وافقہ کے دلائل (۱) حدیث باب امام اعظم ابوحنیفہ ومن وافقہ کا مستدل ہے جسے امام بخاری نے کتاب الوضوء ج۱ ص۲۷، باب لا یستنجی

بروث میں اور امام ترمذیؒ نے ج ۱ صـ میں نقل کیا ہے جس میں موضع استشہاد کے الفاظ یہ ہیں فاخذ الحجرین والقی الروثۃ، اگر تثلیث واجب ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے کہ تیسرا پتھر بھی لاؤ تاکہ فرض پورا کیا جا سکے نیز مضمون حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ جس جگہ تشریف لے گئے وہاں کوئی پتھر اور ڈھیلا وغیرہ نہ تھا ورنہ منگانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر ہوتے تو ابن مسعودؓ کو گھر پر لانے کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوا کہ حضورؐ نے صرف حجرین پر اکتفا کیا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا حضورؐ نے تین سے کم ڈھیلوں سے استنجاء کیا ہے اور اس پر اکتفاء کیا ہے لہذا تثلیث واجب نہیں۔

حدیث باب پر حافظ ابن حجر کا اعتراض اور احناف کا جواب

حافظ ابن حجرؒ نے حدیث باب سے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسند احمد (ج ۱ صـ) کی روایت میں "ایتنی بحجر" کا اضافہ ہے علاوہ ازیں سنن کبریٰ ج ۱ صـ اور دار قطنی ج ۱ صـ میں ائتنی بحجر کا اضافہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرا پتھر ضروری تھا علماء احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس کی سند "عن ابی اسحٰق عن علقمۃ عن عبداللہ بن مسعودؓ" کے بارے میں امام بیہقی لکھتے ہیں کہ وابو اسحٰق عن علقمۃ منقطع لان ابا اسحٰق لم یسمع من علقمۃ شیئاً (سنن بیہقی ج ۱ صـ) علامہ ماردینیؒ فرماتے ہیں کہ قال احمد بن عبد اللہ العجلی لم یسمع ابو اسحٰق من علقمۃ شیئاً

(الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی ج ۱ صـ)

حافظ ابن حجرؒ کا اعتراف

حافظ ابن حجرؒ نے اس مقام پر بڑی مہارت اور بڑی استاذی کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ ایک مقام پر اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ "رواتہ ثقات" لیکن سند متصل نہیں جب کہ خود ابن حجر نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ صـ میں تصریح کی ہے کہ اس حدیث کے صرف دو ہی طریق صحیح ہیں باقی کوئی طریق صحیح نہیں اور جس طریق میں ائتنی بحجر کی زیادۃ منقول ہے وہ ان دونوں طریقوں کے علاوہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ خود حافظ ابن حجر کے اعتراف سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ائتنی بحجر والا طریق صحیح نہیں ہے۔ (خزائن السنن)

ملا علی قاری کا جواب

علامہ ملا علی قاریؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر تین پتھر بھی ہوں تب بھی تثلیث اور ایتار کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ استنجاء کے دو مقام ہیں جب ایک پتھر توڑ کر کے استنجاء کے لیے استعمال کیا جائے گا تو براز کے لئے دو پتھر رہ جاتے ہیں تو ایتار و تثلیث کیسے ثابت ہوگی۔

اس مقام پر حافظ ابن حجر نے جواب کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ تین پتھر براز کے لیے

استعمال کیجئے ہوں اور بول سے استنجا زمین پر کیا ہو۔ یہ محض جواب برائے جواب، توجیہ برائے توجیہ ہے جو صواب سے بعید اور غیر معقول ہے۔

تثلیث کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں

یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اگر تین سے کم پر بھی اکتفاء جائز ہے تو پھر باب ہذا کی روایت میں " فامرنی بثلثة احجار " سے تین کی قید کیوں لگائی ہے؛ علماء احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ تثلیث کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں کیونکہ عموماً صفائی تین سے حاصل ہو جاتی ہے اس لیے تغلیباً تثلیث کی قید لگائی ہے ورنہ یہاں تثلیث کی قید از قبیلِ احکام نہیں ہے۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہ و من وافقہ کی دوسری دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج الحدیث (ابو داؤد ج ۱ ص۶)

امام نوویؒ فرماتے ہیں " وحجة الجمهور الحديث الصحيح الذي في السنن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۱۳۰) اس کے بعد آگے یہ حدیث بیان کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو حسنة الاسناد قرار دیا ہے (فتح الباری ج ۱ ص۲۲۵)

استجمار حدیث میں لفظ استجمار کے مذکور ہونے کے پیش نظر مزید فائدہ کے طور پر یہ بھی یاد رہے کہ استجمار کے متعدد معنی آتے ہیں کتاب الحج میں استعمال ہو تو مراد رمی جمرات ہے کتاب الحدود میں بولا جائے تو مراد سنگسار کرنا ہوتا ہے اور جب کتاب الطہارت میں استعمال ہو تو مراد استنجاء بالاحجار ہوتا ہے میت میں استعمال ہو تو مراد کفن کو خوشبو لگانا ہوتا ہے۔ یہاں استنجاء بالاحجار مراد ہے۔ بہر حال آپ جب اسی صحیح حدیث پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ایتار صرف مستحب ہے واجب نہیں فلا حرج کے الفاظ اس معنی میں واضح ہیں۔

(۳) تیسری دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے عن عائشة رض قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ذهب احدكم الى الخلاء فليذهب معه بثلثة احجار فانها تجزى عنه (نسائی شریف ص، سنن الکبری ص۱۰۳، دارقطنی ج ۱ ص۵۴) امام دارقطنی فرماتے ہیں اسناده صحيح مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ " صححه الدارقطني في العلل " (التعليق المغني على الدارقطني ج ۱ ص۲۰)

اس مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ایوبؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تغوط احدكم فليمسح بثلاثة احجار فان ذلك كافيه۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۱۱)

دونوں روایات میں "ذلک کافیہ" اور تجزئ منہ کے الفاظ یہ واضح مفہوم دیتے ہیں ایتار اور تثلیث واجب نہیں۔

(۴) چوتھی دلیل امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ص۴۳) میں "واما من طریق النظر" کے عنوان سے عقلی استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم جب پاخانے اور پیشاب سے استنجاء بالماء کرتے ہیں تو اس میں تعداد متعین ہے یا نہیں؛ تو تمام اسی بات پر متفق ہیں کہ اگر استنجاء بالماء سے ایک ہی مرتبہ میں نجاست کا رنگ و بو ختم ہو جائے تو سب کے نزدیک طہارت حاصل ہو جاتی ہے اگر ایک دفعہ سے ازالۂ نجاست نہ ہو تو دو دفعہ ضرورت ہے اگر دو دفعہ سے بھی ازالۂ تام حاصل نہ ہو تو تین دفعہ ضروری ہے علیٰ ھذا القیاس چار، پانچ الخ اس سے معلوم ہوا کہ استنجاء بالماء میں کوئی تعداد متعین نہیں ہے بلکہ اصل مقصد انقاء اور صفائی ہے جتنے مرتبہ کے غسل سے صفائی حاصل ہو اتنی مرتبہ غسل ضروری ہے یہی حال استنجاء بالاحجار میں بھی اصلاً انقاء اور صفائی ہی مقصود ہے تعداد کا اعتبار نہیں طہارت اور صفائی کا اعتبار ہے اگر ایک ڈھیلہ سے بھی صفائی حاصل ہو جائے تو اسی پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے اسی طرح اگر تین ڈھیلوں سے صفائی حاصل نہیں ہوتی تو تین سے زائد کا استعمال ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ مقصود انقاء ہے نہ تثلیث نہ ایتار یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔

(۵) علاوہ ازیں بہت سی احادیث بھی اصل علت کے اعتبار سے مسلک حنفیہ کے موید ہیں مثلاً حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے کہ قالت توفیت احدی بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اغسلنہا وتراً ثلثاً او خمساً او اکثر من ذلک ان رأیتن (ترمذی ج ۱ ص۱۱۸) یہ حدیث صراحتاً اس امر پر دلیل ہے کہ مقصود اصلی انقاء ہے خصوص عدد نہیں۔

(۶) خصوص عدد خود شوافعؒ کے ہاں بھی معمول بہا نہیں ہے مثلاً ایسا حجر جو اطراف ثلثہ رکھتا ہو صرف اس پر اکتفاء جائز ہے۔ حجر واحد کے ثلث مسحات سے واجب ادا ہو جاتا ہے لان المقصود بالثلاثۃ ان یمسح بہا ثلاث مسحات وذلک حاصل ولو بواحد (فتح الباری ج ۱ ص۲۲۳) جب کہ اس صورت میں خصوص عدد پر عمل متروک ہو جاتا ہے شوافع کے نزدیک حجر کے علاوہ مدر اور خرقہ کا استعمال بھی جائز ہے حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تثلیث کا ذکر عادۃً ہے مقصود اصلی انقاء اور طہارت ہے۔

قائلین وجوب تثلیث و ایتار کے دلائل اور جوابات

(۱) نہانا ان نستقبل القبلۃ بغائط او ببول او ان نستنجی بالیمین او ان یستنجی احدنا باقل من ثلثۃ احجار (ترمذی باب الاستنجاء بالحجارہ) امام شافعیؒ

فرماتے ہیں حدیث میں عدد خاص تثلیث مذکور ہے لہذا تثلیث واجب ہے کیونکہ حدیث میں ثلثۃ احجار سے کم کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے لہذا عدد خاص واجب ہے چاہے انقاء اس سے کم پر بھی حاصل ہو جائے۔

احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عدد خاص (تثلیث) کے ذکر سے حصر عدد (تحدید) لازم نہیں آتا نیز ایک عدد کی تصریح سے ماعدا کی نفی بھی لازم نہیں آتی۔

(۲) حدیث باب " فامرنی ان آتیہ بثلاثۃ احجار کے الفاظ کو بھی شوافع حضرات اپنا مستدل بناتے ہیں مگر اسی حدیث کے آخر میں فاخذ الحجرین والقی الروثۃ میں اس کا جواب بھی موجود ہے یہ حدیث احجار کے زیادہ اور کم استعمال کے جواز پر صراحتاً دلالت کرتی ہے اس لیے کہ جب آپ نے تین احجار طلب فرمائے اور وہ لائے گئے ایک ان میں روثہ تھا جسے حضورؐ نے پھینک دیا گویا دو رہ گئے اس کے پھینکنے کے بعد حضورؐ نے حجر ثالث طلب نہیں فرمایا۔

(۳) شوافع حضرات تثلیث کے وجوب پر ایک استدلال نص قرآنی " ثلثۃ قروء " میں عدد خاص کی تخصیص پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن میں ثلثۃ حصر کے لیے ہے اسی طرح مسئلہ احجار میں بھی " ثلثۃ " حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

حنفیہ حضرات اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ثلثۃ قروء پر خصوص عدد کا قیاس درست نہیں کیونکہ یہاں ثلثۃ کی تخصیص غیر قیاسی ہے کیونکہ استبراء رحم تو محض ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے مگر شریعت نے اس کے باوجود تین حیض کی قید لگائی ہے جو غیر قیاسی ہے لہذا ایک غیر قیاسی شئ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نے فرمایا کہ ثلثۃ قروء میں فقہاء کرام نے نکتہ بعد الوقوع کے طور پر اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ پہلا حیض استبراء رحم کے لیے ہے دوسرا اس کی تاکید کے لیے ہے اور تیسرا حیض احترام نکاح کے لیے ہے (حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۱۵۸) حنفیہ حضرات کہتے ہیں قیاسی مسئلہ اگر قیاسی شئ پر حمل کیا جائے تو زیادہ انسب ہے مثلاً مسلم اور ابوداؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متلبس با لطیب کے بارے میں جو یہ قول منقول ہے کہ " انزع عنک ثوبک اغسل الطیب ثلاثاً " امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں خصوص عدد معتبر نہیں اگر ایک مرتبہ سے بھی طیب زائل ہو جائے تو احرام صحیح ہے اس حدیث میں ازالہ شئ (طیب) کا مسئلہ ہے اور استنجا میں بھی ازالہ شئ (نجاست) کا مسئلہ ہے دونوں قیاسی ہیں لہذا دونوں کو ایک دوسرے پر حمل کرنا چاہیئے جیسے طیب میں ثلثۃ کا عدد حصر کے لیے نہیں اسی طرح مسئلہ استنجاء میں بھی ثلثۃ کا عدد حصر کے لیے نہیں۔

(۴) قائلین وجوب لفظ "فامرنی" اور "لمتس لی" کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں "الامر للوجوب" علامہ ابن رشدؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ امر استحباب پر محمول ہے اگرچہ امر جب بغیر قرینہ کے ہو تو اس کی صیرورت الی الوجوب ہوتی ہے مگر یہاں بھی وجہ استحباب وہ دوسری متعدد احادیث ہیں جن میں سے بعض گذشتہ بحث میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

ہڈی اور روثہ کے استعمال میں ممانعت کی حکمتیں

حدیث باب میں الفاظ روثہ میں استنجاء میں استعمال روثہ سے ممانعت بھی ہے جیسا کہ اس سے قبل ترمذی کی روایت نقل کر دی گئی ہے جس میں صراحتاً یہ مذکور ہے کہ نهانا ان نستنجی برجیع او بعظم۔ استاذنا المکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے ہڈی اور روثہ سے استنجاء کی ممنوعیت کے وجوہات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

(۱) ہڈی املس ہے جس کے استعمال سے گندگی اور نجاست کے مزید پھیلنے کا احتمال ہے کیونکہ املس چیز سے نجاست کا ازالہ نہیں ہوتا۔ (۲) ہڈی کی نوکیں سخت اور مضر ہوتی ہیں جن کے استعمال سے جسم کے زخمی ہو جانے اور خون بہنے کا احتمال ہوتا ہے جو بجائے طہارت کے مزید تلویث کا باعث ہے (۳) ہڈی منتفع بہ اشیاء کے قبیل سے ہے آج بھی کئی مقاصد اور منافع کے لیے ہڈی استعمال ہوتی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ نصیبین سے جنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے جاتے وقت تحفہ طلب کیا تو آپؐ نے ان جنات کے لیے ہڈی میں غذا کی اور ان کے دواب کے لیے روثہ میں غذا کی روئیدگی کی دعا فرمائی جو خدا تعالیٰ نے منظور فرمائی اور بارگاہ نبوت کی طرف سے جنات کو ہڈیوں اور روث میں ان کے لیے بھی اور ان کے دواب کے لیے بھی غذائیت کا تحفہ ملا۔ (حقائق السنن ج ۱ ص۱۵۶) ان الجن سألوا هدية منه صلى الله عليه وسلم فاعطاهم العظم والروث العظم لهم والروث لدوابهم (دلائل النبوة لابي نعيم ج ۱ ص۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تستنجوا بالروث ولا بالعظام فانه زاد اخوانكم من الجن (ترمذی باب کراهية ما يستنجى به)

زاد الجن کی حقیقت کیا ہے؟ تو سیدھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مخفی طور پر جنات کے لیے عظام سے اور ان کے دواب کے لیے روث سے نجاست سلب کر کے اس کو حالت اصلیہ پر لوٹا دیتے ہیں جو ان کے لیے اصل غذا بن جاتی ہے اگر روث شیر کا ہے تو ان کے لیے شیر بن جاتا ہے اور اگر جو یا جرہ وغیرہ کا ہے تو ان کے لیے جو اور باجرہ بن جاتا ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنات ہڈیوں کے

بَابٌ فِي أَنَّ مَا لَا نَفْسَ لَهُ سَائِلَةً لَا يَنْجُسُ بِالْمَوْتِ

۵۴ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب جس میں بہنے والا خون نہ ہو اس کے مرنے سے پانی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا۔ ۵۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مکھی تمہارے پینے کی چیز میں گر جائے، تو وہ اسے ڈبو دے پھر

اجزائے لطیفہ اور مغز کو چوستے رہتے ہیں جیسے سینکڑوں چیونٹیاں اور مکھی وغیرہ ایک ہڈی پر چمٹ کر اس کے اجزائے لطیفہ کو بذریعہ چوس کر اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ ہڈی سے غذا بھی حاصل کی جا رہی ہے مگر ہمیں ہڈی حسی طور ویسے ہی نظر آتی ہے جیسے پہلے تھی اور یہ کوئی امر بعید نہیں کیونکہ جنات کی تخلیق نار سے ہوئی ہے اور وہ ناری مخلوق ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ ان کی غذا بھی اسٹیم اور بھاپ کی نوعیت کی کوئی لطیف چیز ہو جو ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ ہڈیوں میں فاسفورس کے اجزاء کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بعض پرانی قبور میں ہڈیوں پر ہوا لگنے کی وجہ سے فاسفورس کے اجزاء چمکتے اور روشن نظر آتے ہیں جگنوؤں میں بھی فاسفورس کے اجزا زیادہ پائے جاتے ہیں جب ہی اس کے پر کھلتے ہیں اور ہوا لگتی ہے تو وہ چمکتے نظر آتے ہیں۔ سمندر میں بھی فاسفورس کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں تو جنات بھی اجزائے ناریہ ہونے کی وجہ سے ہڈیوں سے لطیف طریقہ سے اپنا ناری طعام (اجزائے فاسفورس) حاصل کرتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ چونکہ جن لطیف اور مخفی مخلوق ہے اس لیے وہ اپنی غذا بھی ایسے لطیف اور مخفی طریقہ سے حاصل کرتے ہیں جو ہمیں محسوس نہیں ہو سکتی مثلاً صرف سونگھنے سے جیسے مریض کے مزاج میں لطافت آجاتی ہے تو بعض اوقات وہ صرف خوشبو سونگھنے پر اکتفا کرتا ہے۔ اور اس کی ایک نظیر "ضب" (گوہ) ہے جو ہزاروں سال خشک صحرا میں رہتی ہے اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے صرف ہوا سے اپنی ضرورت پورا کرتی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہم جب کھانا کھا کر جن ہڈیوں کو پھینک دیتے ہیں صبح اسے ویسے ہی پاتے ہیں جیسے پھینکا تھا حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ جنات کے کھانے کی وجہ سے ان میں کمی آ جاتی جو حساً سب کو معلوم ہوتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے پڑے رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں اصلی صلاحیت (غذائیت) ہی نہیں یا اس کی ضرورت ہی نہیں ہمارے ہاں غلہ منڈیوں میں مدتوں پڑا رہتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زاد الانسان نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ فی الحال اس کے استعمال کی ضرورت نہیں ضرورت کے وقت اس سے بھی انتفاع کیا جا سکتا ہے اس طرح ہڈیاں بھی زاد الجن ہیں اور وہ حسب ضرورت ان سے انتفاع کرتے ہیں۔

۵۴ - مضمون حدیث واضح ہے کہ جب مکھی تمہارے (کھانے، پینے کی چیز) میں گر جائے تو اسے اس چیز

اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ شَرَابِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْمِسْہُ ثُمَّ لِیَنْزِعْہُ فَاِنَّ فِیْ اِحْدٰی جَنَاحَیْہِ دَاءً وَّفِی الْاُخْرٰی شِفَاءً۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

اُسے نکالے، بلاشبہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے؟ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

میں ڈبو دیا جائے پھر نکال دیا جائے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے (جسے وہ پہلے از خود ڈبوتی ہے) اور دوسرے پر میں شفا ہے جو زہریلے اثرات کو زائل کر دیتی ہے۔

غرض مصنف اور بیان مسائل اس باب کے انعقاد سے بظاہر مصنف کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مکھی غلاظت اور متعفن مقامات پر بیٹھتی اور پھر کھانے پینے کی چیزوں پر آتی اور بعض صورتوں میں ڈوب کر مر جاتی ہے بظاہر اس سے پانی کے نجس ہو جانے کا اندیشہ تھا تو حدیث میں اس کی تصریح کر دی گئی کہ جن چیزوں میں دم سائل نہ ہو تو ان کے پانی میں گرنے اور مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مسئلہ مشہور تو یہی ہے (فتح الباری ج ۱۰ صـ ۲۵۱)

اگرچہ ایک قول ناپاک ہونے کا بھی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر ایسا جانور پانی میں گرے جو عام ضرر جیسے خنفس اور بچھو وغیرہ تو پانی ناپاک ہو جائے گا —— یہ اختلاف ایسے جانور سے متعلق ہے جو اجنبی ہے لیکن اگر ایسا جانور ہے جو اسی سے پیدا ہوا ہے جیسے پھلوں کے کیڑے، سرکہ کے کیڑے تو ان کے مرنے سے یہ چیزیں بالاتفاق نجس نہیں ہوں گی۔ (حیاۃ الحیوان)

بعض نادانوں کے اعتراضات کے جوابات علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ بعض نادانوں نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ مکھیوں کے بازوؤں میں بیماری اور شفاء کیسے ہو سکتی ہے اور مکھی کو کس طرح اس کا پتہ چلتا ہے کہ بیماری والے بازو کو مقدم اور شفا والے کو مؤخر کرتی ہے مناسب بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک جانور کے دو جزوں میں بیماری اور شفاء کا انکار نہیں کرنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ جس اللہ نے شہد کی مکھی کو اس کا مشورہ دیا کہ وہ ایک عجیب الصنعت گھر بنائے اور اس میں شہد جمع کرے اور جس ذات نے مکھی کو اس بات کا مشورہ دیا کہ وہ اپنی روزی حاصل کرے اور ضرورت کے وقت اس کو جمع کرے اسی ذات نے مکھی کو پیدا کیا اور اس کو اس بات کا شعور بھی دیا کہ وہ ایک بازو کو مقدم کرے اور دوسرے کو مؤخر کرے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی حکیمانہ توجیہات

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ "بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضاء کی طرف پھینک دیتی ہے اس لیے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کی طرح کے فاسد مادہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتہً کم زور اور کم کام دینے والا ہو جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اور اعلیٰ واشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے اس لیے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتہً اشرف ہو ـــــــ

بہر حال حضورؐ کی یہ تعلیم اصول حکمت کے مطابق ہے ـ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دیگر بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے یہ عمل کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو بلکہ یہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے (حجۃ اللہ البالغہ ملخصاً)

مکھی کے بارے میں کچھ اضافی معلومات

اڑنے والے جانوروں میں کوئی جانور بجز مکھی کے ایسا نہیں جو کھانے پینے کی چیزوں میں سنڈاس دیتا ہو افلاطون کا قول ہے کہ مکھی حریص ترین جانور ہے مکھی کی پلکیں نہیں ہوتیں اس لیے کہ اس کا حلقۂ چشم بہت چھوٹا ہوتا ہے پلکوں کا کام یہ ہے کہ وہ آنکھوں کی پتلی کو گرد و غبار سے محفوظ رکھتی ہیں لہٰذا اس کے عوض اللہ نے مکھی کو دو ہاتھ دیئے ہیں جس سے یہ ہر وقت اپنے آنکھوں کے آئینہ کو صاف کرتی رہتی ہے ـ انسانوں کے قریب رہنے والی مکھیاں نر و مادہ کی جفتی سے پیدا ہوتی ہیں اور کبھی عفونت اور اجسام سے پیدا ہوتی ہیں ـ

مسند ابو یعلیٰ میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکھی کی عمر چالیس راتیں ہیں اور تمام مکھیاں دوزخ میں ہوں گی سوائے شہد کی مکھی کے، محققین حضرات فرماتے ہیں کہ مکھیوں کا دوزخ میں دخول ان کو عذاب دینے کے لیے نہیں ہو گا بلکہ ان کو اہل دوزخ کے لیے عذاب بنا کر مسلط کر دیا جائے گا تاکہ یہ اہل جہنم کو اذیت پہنچائیں ـ

(فیض الباری ج ۱۰ صفحہ ۷۰)

بَابُ نَجَاسَةِ دَمِ الْحَيْضِ

۵۵۔ عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِحْدَانَا يُصِيْبُ ثَوْبَهَا مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٖ قَالَ تَحُتُّهٗ ثُمَّ تَقْرُصُهٗ بِالْمَاءِ ثُمَّ تَنْضَحُهٗ ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيْهِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ حیض کے خون کی نجاست میں۔ ۵۵۔ حضرت اسماءؓ نے کہا: ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا ہم عورتوں میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا ہے، تو وہ اس کپڑے کے ساتھ (پاک کرنے کے لیے) کیا کرے آپ نے فرمایا، انگلیوں کے پوروں سے پکڑ کر رگڑ کر جھاڑے پھر اُسے پانی سے دھوئے، اس پر چھینٹے مارے، پھر اس میں نماز پڑھے، اسے شیخان نے بیان کیا ہے۔

---

(۵۵)

ایک شبہ کا ازالہ غالب خیال یہ ہے کہ مصنفؒ نے اس باب کے انعقاد سے ایک شبہ کے ازالہ کی کوشش کی ہے کیونکہ اس سے قبل ابواب میں منی کے احکام کا بیان تھا منی رجال میں کثیر الوقوع ہے رجال کا اس سے تلوث کثرت سے ہوتا ہے گذشتہ ابواب میں احادیث آئی تھیں کہ منی کا ازالہ پانی کے ساتھ بھی جائز ہے اور بعض صورتوں میں اکتفاء بالفرک بھی جائز ہے کثیر الوقوع ہونے کی وجہ سے اس کے احکام میں تخفیف ہے مردوں کی طرح عورتوں میں دم حیض بھی کثیر الوقوع ہے ہر ماہ کا عموماً تہائی حصہ عورتوں کا دم حیض سے ملوث رہتا ہے۔ تو بظاہر رجال کے ازالہ منی میں حکم تخفیف (اکتفاء بالفرک) پر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا تھا کہ عورتوں کے دم حیض کے ازالہ میں بھی اکتفاء بالفرک جائز ہونا چاہیے اور کثرت وقوع اور عورتوں کے اس سے کثرت تلبس کی وجہ سے اس کے حکم میں بھی تخفیف ہونی چاہیے تو مصنفؒ نے اس باب میں حضرت اسماءؓ اور ام قیس کی دو روایات لاکر اس وہم کا ازالہ کردیا کہ دم حیض اور اس کے احکام کو رجال کی منی اور اس کے احکام پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

منی رجال اور دم حیض میں فرق کیوں؟ اب سوال یہ ہے کہ منی رجال اور دم حیض کے حکم میں یہ فرق کیوں ہے؟ اس کے جواب میں محدثین نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

(۱) مردوں کے مزاج میں صفائی، طہارت، نفاست اور حزم و احتیاط زیادہ ہے جب کہ عورتوں کے مزاج میں کسل، تلوث، تسامح اور تلوث زیادہ ہے جب کہ حزم و احتیاط کی کمی ہے اگر شرعاً دم حیض میں

بھی کف بالمعروف کی اجازت دے دی جاتی تو عورتیں طبعی کسل، فطری کوتاہی کے علاوہ اس رخصت سے فائدہ اٹھاتیں اور مزید سست پڑ جاتیں اور واجبی اور ضروری نجاستوں کے ازالہ میں بھی حکم ازالہ سے بے پرواہ ہو جاتیں۔

(۲) حیض و استحاضہ دونوں کا مخرج ایک ہے، دم استحاضہ کا دھونا، مستحاضہ کا روزہ رکھنا، نماز پڑھنا، تلاوت کرنا اور مسجد میں داخل ہونا سب جائز ہے مگر اس کے باوجود دم استحاضہ کا دھونا ضروری ہے جس میں دم حیض کی نسبت تخفیف ہے تو دم حیض جو نجس و اغلظ ہے اور حائضہ کے لیے نماز، روزہ اور تلاوت کی اجازت بھی نہیں تو اس کا غسل تو بطریق اولیٰ ضروری ہونا چاہیئے۔

بیان مذاہب بہر حال دم مسفوح مطلقاً کی نجاست پر ائمہ کا اتفاق ہے دم حیض بھی اس میں شامل ہے اس کے ازالہ کے احکام میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کے نزدیک دم قلیل معاف ہے اس کے ساتھ نماز پڑھے تو ادا ہو جائے گی جب کہ دم کثیر واجب الغسل ہے امام احمدؒ امام عبد اللہ بن مبارکؒ اور امام اسحٰق بن راہویہؒ کا بھی یہی مسلک ہے پھر ان حضرات کا مقدار قلیل و کثیر میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ بحث میں آرہی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے ایک قول میں ان کے نزدیک دم حیض مطلقاً لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی ان کے اس قول کے مطابق کچھ بھی معاف نہیں نہ وہ قدر معفوعنہ کے قائل ہیں اگر بال برابر بھی دم حیض لگ جائے تو اعادہ صلوٰۃ واجب ہے امام ترمذیؒ نے کہا وقال الشافعی یجب علیہ الغسل وان کان اقل من الدرھم وشدد فی ذلک۔ (ترمذی باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب) یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے مگر مفتی بہ نہیں۔ دوسرا قول امام شافعیؒ کا احناف کے مطابق ہے کہ ما دون الکف معاف ہے یہ ان کا قول قدیم ہے۔

امام ترمذیؒ کے منقول مذاہب اربعہ امام ترمذیؒ نے باب ما جاء فی غسل دم الحیض من الثوب میں ازالہ دم حیض اور ما یجوز بہ الصلوٰۃ وما لا یجوز بہ الصلوٰۃ کے بارے میں چار مذاہب نقل کیے ہیں۔

(۱) اگر دم حیض درھم کی مقدار کے برابر ہے تو اس سے نماز جائز نہیں اگر پڑھ لے تو اعادہ واجب ہے یہ مسلک بعض تابعین کا ہے۔

(۲) قدر درھم سے زائد ہو تو نماز باطل اور اعادہ واجب ہے یہ مسلک حنفیہ حضرات اور امام عبد اللہ

۱۲ بن مبارکؒ کا ہے تاہم احناف اس میں مزید تفصیل کرتے ہیں اگر قدر درہم سے زائد ہے تو مفسد صلوٰۃ ہے اس کا غسل فرض ہے اگر قدر درہم کے ساتھ مساوی ہے تو مکروہ تحریمی ہے اگر قدر درہم سے کم ہے تو نماز مکروہ تنزیہی ہے اور غسل سنت ہے۔

بہر حال حنفیہ حضرات کا معیار قدر درہم ہے درہم سے کم مستحب الغسل ہے اس کے ساتھ نماز مکروہ تنزیہی ہے اگر درہم یا اسی سے زائد مقدار ہو تو واجب الغسل ہے اور نماز مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) قدر درہم کے برابر ہو، کم ہو یا زائد ہو اعادہ صلوٰۃ واجب نہیں یہ مسلک امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا ہے۔

(۳) مگر حقیقت یہ ہے کہ امام احمدؒ سے اس مسئلہ میں تین روایات منقول ہیں (۱) شبر فی شبر قلیل اور اس سے زائد کثیر ہے (۲) قدر مالکث قلیل اور اس سے زائد کثیر ہے (۳) رائے مبتلی بہ کا اعتبار کیا جائے گا علامہ ابن قدامہ نے اس تیسری روایت کو ترجیح دی ہے۔

منشاءِ اختلاف اگر آپ اس موضوع میں وارد شدہ احادیث پر غور کریں تو کوئی صریح روایت آپ کو ذخیرۂ حدیث میں نہیں ملے گی۔

فقہاء نے اپنے اپنے قیاسات اور آثار کے مطابق تحدیدات مقرر کیں ہیں درہم و ما فوق کی تعیین میں صراحۃً کسی کے پاس بھی کوئی حدیث نہیں ہے یہ فقہاء کرام اور ائمہ دین کے استنباطات ہیں جو اپنی اپنی صوابدید سے کئے ہیں۔

البتہ حدیث باب جو حضرت اسماءؓ سے منقول ہے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دم کثیر واجب الغسل ہے کیونکہ سوال دم حیض کے بارے میں ہے جو کثیر ہوتا ہے اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ دم قلیل واجب الغسل نہیں۔

مسلم شریف کی حدیث سے استدلال کی حقیقت بعض فقہاء نے مسلم شریف کی اس روایت جو روح بن غطیف کے حوالے سے آئی ہے سے استدلال کیا ہے کہ اگر ایک درہم کے اندازے کا خون ہو تو نماز کا اعادہ کیا جائے (مسلم ج ۱ ص۱۴۱)

مگر امام نوویؒ اسی حدیث کی شرح ج ۱ ص۱۴۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاریؒ نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کی ہے لیکن یہ حدیث باطل ہے لا اصل لہ عند اھل الحدیث۔

حضرت اسماءؓ کے استفسار کی توجیہ امام نوویؒ نے یہاں پر یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ جب دم مسفوح بالخصوص دم حیض قرنِ اوّل سے نجس ہے اور اس کا

نجس ہونا متفق علیہ ہے تو پھر حضرت اسماءؓ نے اس کے بارے میں سوال کیوں کیا؟ امام نوویؒ نے خود ہی اس سوال کا جواب دیا کہ دراصل منشاء سوال یہ تھا کہ عورتوں کا دم حیض میں ابتلاء عام اور کثیر ہے، اور یہ بات پہلے بھی عرض کر دی گئی ہے کہ عموم بلویٰ باب نجاست میں موثر فی التخفیف ہوتا ہے جیسا کہ منی کے بارے میں ابتلاء عام ہے عموم بلویٰ کے پیش نظر رجال کے حق میں جواز فرک کی تخفیف کر دی گئی حضرت اسماءؓ بھی دم حیض کے بارے میں استفسار کر کے تخفیف کی کوئی صورت چاہتی تھیں مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی بلکہ آپؐ کے جواب سے معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ کے قاعدہ سے دم حیض مستثنیٰ ہے۔

قدر "معفو عنہ" ناگزیر ہے

امام شافعیؒ کا یہ قول کہ شرعاً قدر معفو عنہ کی کوئی گنجائش نہیں غیر معمول بہا متروک اور مرجوح ہے وجہ ظاہر ہے کہ تھوڑی سی مقدار اور قلیل نجاست سے احتراز اور خود کو محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص بہت محتاط طریقہ سے خود کو ابوال کے چھینٹوں سے محفوظ بھی رکھ لے تب بھی مکھیاں جو بول و براز پر بیٹھ کر اڑتی اور انسان کے جسم پر بیٹھتی ہیں ان سے تحرز ناممکن ہے لہٰذا قدر "معفو عنہ" کا ہونا ناگزیر ہے ابوداؤد کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ما کان لاحدانا الا ثوب واحد تحیض فیہ فاذا اصابہ شئی من دم بلتہ بریقہا ثم قصعتہ بریقہا (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳) یعنی ہمارے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو میں حالت حیض میں پہنے رکھتی تھی اور اگر کچھ خون لگ جاتا تو تھوک سے تر کر کے دور کر دیتی تھی امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت دم قلیل کے بارے میں ہے جو معفو عنہ ہے گزشتہ ابواب میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ استنجاء بالاحجار کا جواز قدر قلیل کے معفو عنہ ہونے کی دلیل ہے بہر حال کثیر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرعاً قلیل و کثیر کے احکام میں فرق ہے چونکہ شرعاً اس کی قطعی تحدید ثابت نہیں تھی اس لیے ائمہ و فقہاء نے آثار و قیاسات کے مطابق تحدیدات مقرر کیں حنفیہ حضرات نے موضع استنجاء پر قیاس کر کے قدر درہم کو قلیل اور اس سے زائد کو کثیر قرار دیا۔ تحتہ ثم تقرصہ بالماء ثم تصلی فیہ یعنی اولاً اس کو کھرچ لو پھر پانی ڈال کر انگلیوں سے رگڑ لو پھر اس پر پانی بہاؤ اور اس کے ساتھ نماز پڑھو، حت: الفرک بالید اور حک کو کہتے ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں حکیہ بضلع یعنی کپڑے کے پہلوؤں سے اسے رگڑو دونوں کی مراد ایک ہے یعنی عین نجاست کا ازالہ ضروری ہے اور قرص اطراف اصابع اور اظفار سے فرک کو کہتے ہیں ثم تنضحہ بالماء میں نضح کا معنی بالاتفاق غسل ہے کھرچنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ خون منجمد ہو جاتا ہے پانی میں بھگو کر ملنے کی ضرورت اس کا اثر

۵۶۔ وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يَكُوْنُ فِي الثَّوْبِ قَالَ حُكِّيْهِ بِضِلَعٍ وَاغْسِلِيْهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۶۔ ام قیس بنت محصن نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے خون کے بارہ میں دریافت کیا جو کہ کپڑے میں لگا ہوا ہو، آپ نے فرمایا "کپڑے کے پہلوؤں سے اُسے رگڑو اور اُسے بیری کے پتوں کے ساتھ پکے ہوئے پانی سے دھو ڈالو۔"

یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

زائل کرنے کے لیے ہے۔

ازالۂ نجاست صرف پانی میں منحصر نہیں بعض حضرات نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ ازالۂ نجاست کس چیز سے ہو سکتا ہے۔

(۱) امام بیہقیؒ اور علامہ خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ طہارت صرف پانی سے حاصل ہوتی ہے اس لیے حضور ﷺ نے اس حدیث میں تعرض بالماء کا حکم دیا ہے۔

(۲) حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ پانی ہو یا کوئی دوسری سیال اور رقیق چیز جیسے سرکہ گلاب وغیرہ اس سے کپڑا پاک کیا جا سکتا ہے علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں یہاں حدیث میں پانی کا ذکر حصر کے لیے نہیں، عادۃً اور غالباً چونکہ پانی سے طہارت حاصل کی جاتی ہے اس لیے پانی کا ذکر کیا گیا اور یہ بھی تو ظاہر ہے کہ پانی کا حصول بہ نسبت دیگر سیال اور رقیق اشیاء کے زیادہ سہل اور آسان ہے۔

بعض احکام شرعیہ کا استنباط فقہاء امت نے اس حدیث سے متعدد شرعی احکام کا استنباط کیا ہے (۱) عورت کو مرد سے براہ راست دینی مسائل سوالات اور استفسار جائز ہے (۲) شرعی ضرورت کے موقع پر مرد کے لیے عورت کی آواز سننا جائز ہے (۳) زمانۂ حیض میں عورت کیلئے نماز پڑھنا ممنوع ہے اثناء نماز میں حیض جاری ہو جائے تو باجماع امت اس کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ فرض ہو یا نفل یہی حکم طواف کعبہ نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کا بھی ہے۔ (۴) حیض منقطع ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے لہٰذا جب عورت کا زمانۂ حیض گزر جائے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ جس نماز کا بھی وقت ہو غسل کر کے وہ نماز ادا کرے حیض ختم ہو جانے کے بعد اس کو کوئی نماز یا روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ الْاَذٰى يُصِيبُ النَّعْلَ

۷۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَطِئَ الْاَذٰى بِخُفَّیْهِ فَطَهُوْرُهُمَا التُّرَابُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ وَعِنْدَهٗ لَهٗ شَاهِدٌ بِمَعْنَاهُ مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

باب۔ جوتے پر لگنے والی گندگی کا بیان۔ ۷۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے جوتوں سے نجاست روند ڈالے تو ان کی طہارت مٹی ہے (یعنی زمین پر چلنے سے جوتے پاک ہو جائیں گے) یہ حدیث ابوداؤد نے بیان کی ہے اور اس کی سند حسن ہے، اور ابوداؤد میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے اس کا ہم معنی شاہد موجود ہے۔

---

(۷۵) حدیث باب جسے امام ابوداؤدؒ نے کتاب الطہارۃ ج ۱ ص۵۳ باب الاذیٰ یصیب النعل کے تحت نقل کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنے جوتوں سے نجاست روند ڈالے تو فطھورھما التراب انکی طہارت مٹی ہے مقصد یہ ہے کہ زمین پر چلنے سے جوتے پاک ہو جائیں گے۔ اذیٰ سے مراد نجاست ہے، جو حکم خفین کا ہے نعلین کا بھی وہی حکم ہے۔ امام ابوداود نے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری روایت قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے قال اذا وطئ احدکم بنعله الاذیٰ فان التراب له طهور، طہور سے مراد مطہر ہے۔

بیانِ مذاہب | ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ

(۱) اکثر اہل علم نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جب نعل یا خف کے اکثر حصہ پر نجاست لگ جائے تو اسے زمین پر رگڑا جائے یہاں تک کہ جب نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو وہ طاہر ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ نماز بھی جائز ہے امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ خف یا نعل میں نجاست لگ جانے پر حصول طہارت کے لیے اس کا دھونا ضروری ہے امام شافعیؒ اپنے اس قول کے مطابق حدیث باب میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اذیٰ سے مراد نجاست یابسہ (خشک نجاست) ہے اگر وہ لگ بھی جائے تو دلک سے بآسانی دور ہو جاتی ہے۔

(۳) ظاہر الروایہ میں امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ خف پر جب نجاست لگ کر خشک ہو جائے تو دلک سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اگر نجاست بصورت رطوبت کے ہے بشرطیکہ وہ متجسد بھی ہو تو امام ابو یوسفؒ

بَابُ مَاجَاءَ فِي فَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْأَةِ

۵۸ - عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْأَةِ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَآخَرُوْنَ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

باب جو روایات عورت کے پس ماندہ (بچے ہوئے) پانی کے بارہ میں ہیں۔ ۵۸ - حکم بن عمرو الغفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث اصحاب خمسہ اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں تو اس کا حکم روث اور منی کے مانند ہے خوب دلک سے جب اس کے اثرات زائل ہو جائیں تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ اور اگر نجاست متجسدہ نہیں ہے جیسے خمر اور بول وغیرہ تو اس کی طہارت بغیر غسل کے حاصل نہیں ہوتی (کذا ذکرہ قاضیخان)

صاحب بذل المجہود حدیث باب کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اذا وطئ ای احدکم الاذی ای النجاسۃ الیابسۃ والرطبۃ المتجسدۃ بخفیہ فطھورھما ای مطھرھما التراب فاذا مسح بعد ذلک بالتراب وزال اثر النجاسۃ عن الخف یطھر (بذل ج ۱ ص ۲۲۳)

وعند لہ شاھد یعنی ابوداؤد ہی میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کا ہم معنی شاہد موجود ہے جسے امام ابوداؤدؒ نے اسی باب کے آخر میں نقل کیا ہے۔

فضل طہور اور بارہ صورتیں (۵۸ تا ۶۱) باب کے چاروں احادیث ۵۸ تا ۶۱ میں فضل طہور المرأۃ والرجل کا مسئلہ مذکور ہے سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات عورتیں اور مرد اکٹھے ایک برتن پر جمع ہو کر وضو کرتے تھے بعض اوقات مرد پہلے اور عورتیں بعد میں وضو کرتیں اور کبھی عورتیں پہلے اور مرد بعد میں وضو کرتے اس میں تین صورتیں اصل الاصول ہیں (۱) فضل طہور رجل (۲) فضل طہور مرأۃ (۳) فضل طہورھما پھر ہر سہ صورتوں میں طہور عام ہے جو وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے اس اعتبار سے چھ صورتیں ہوئیں پھر ان چھ صورتوں میں عورت عام ہے اجنبی ہو یا غیر اجنبی دونوں کو شامل ہے لہٰذا بارہ صورتیں متحقق ہوتی ہیں۔

۵۹۔ وَعَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهُ أَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ وَيَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۹۔ حمید الحمیری نے کہا میں ایک ایسے شخص سے ملا جو چار سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا جیسا کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ کی صحبت میں رہے (یعنی جس طرح حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اپنا اکثر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف کرتے تھے) اس صحابی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور چاہیئے کہ وہ اکٹھے چلو بھریں۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

---

(۱) اگر ایک برتن پر مرد اور عورتیں جمع ہو جائیں محارم ہوں زوجین ہوں یا اجنبی، غسل کریں یا وضو تو یہ بالاتفاق جائز ہے اور فضل طهور الرجل للمراۃ کی صورت بھی بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) فضل طهور المراۃ للرجل اور فضل طهور الرجل للمراۃ (وضو ہو یا غسل) جب مرد عورت کا اور عورت مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسے جائز قرار دیتے ہیں (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۰)

(۳) امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے کہ عورت کا بچا ہوا پانی خواہ وضو سے ہو یا غسل سے مرد استعمال نہیں کر سکتا۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۸ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۷ میں حضرت عبداللہ بن سرجس اور حضرت حسن بصری کا بھی یہی مسلک بتایا ہے فتح الباری میں سعید بن المسیبؒ کا نام بھی ہے اور فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۷ میں لکھا ہے کہ ابراہیم النخعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت جب جنبی ہو تو اس کا وضو اور غسل سے بچا ہوا پانی مرد کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۷ میں عبداللہ بن عمرؓ اور اوزاعیؒ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ عورت جب حائضہ ہو تو اس کا بقیہ پانی استعمال کرنا مکروہ ہے امام اسحاقؒ کا بھی یہی مسلک ہے دونوں اسے مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں گویا مندرجہ بالا ۱۲ صورتوں میں ۱۰ میں اتفاق اور دو صورتیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے جواز کی صورتوں میں اگر مرد اور عورتیں اجنبی ہوں تو ان کے حجاب اور پردے کا حکم کیا ہے؟ یہ مستقل مسئلہ ہے جس پر مستقل بحث کی جائے گی۔

۹۰۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۰۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرماتے تھے۔
یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰقؒ کا استدلال

امام احمد بن حنبلؒ حضرت حکم غفاریؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے امام نوویؒ نے آغاز باب میں درج کردیا ہے " ان النبی نھی ان یتوضا الرجل بفضل طھور المرأۃ " ترمذی میں " او بسورھا کا اضافہ ہے ترمذی ج ۱ صفحہ حدیث میں صراحتاً نہی مذکور ہے جو تحریم کا تقاضا کرتی ہے ۔ علماء احناف نے امام احمدؒ کے اس مستدل کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) عدم اجازت کی تمام روایات ضعیف ہیں امام نوویؒ نے فرماتے ہیں " انہ ضعیف ضعفہ ائمۃ الحدیث منھم البخاری وغیرہ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۸) جب کہ اجازت کی تمام روایات سنداً زیادہ صحیح ہیں انہی کا اعتبار ہے (بذل المجہود ج ۱ ص ۴۸)

(۲) نہی کی احادیث ———————————

کراہت تحریمی نہیں، کراہت تنزیہی پر محمول ہیں (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۲) بیان جواز کی غرض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے فضل طہور کو استعمال فرمایا حنفیہ اور شوافع حضرات بھی فضل طہور المرأۃ کو استحباب اور افضلیت پر محمول نہیں کرتے مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اگر کسی مرد نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل یا وضو کرلیا تو اس کا وضو یا غسل درست ہوگا اور اس سے نماز بھی ادا ہو جائے گی مگر اس کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی جو اس شخص کو حاصل ہے جس نے فضل طہور المرأۃ کا استعمال نہ کیا ہو۔

(۳) نہی کی روایات باب معاشرت سے متعلق ہیں چونکہ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ نظافت اور طہارت کا اہتمام نہیں کرتی ہیں لہٰذا ان کے فضل طہور کے استعمال سے رجال کو تکلیف ہوسکتی ہے جو زوجین میں سوء معاشرت کا سبب بن سکتی ہے اس لیے منع فرمایا یہ توجیہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمائی ہے

(۴) نہی ماء متقاطر (مستعمل) سے ہے اور اجازت ماء غیر متقاطر (غیر مستعمل) سے ہے

شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۱۴۸

٦١- وَعَنْهُ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَوَضَّأَ مِنْهَا أَوْ يَغْتَسِلَ فَقَالَتْ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنُبُ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اخْتَلَفُوْا فِي التَّوْفِيْقِ بَيْنَ الْأَحَادِيْثِ، فَجَمَعَ بَعْضُهُمْ بِحَمْلِ النَّهْيِ عَلَى التَّنْزِيْهِ وَبَعْضُهُمْ بِحَمْلِ أَحَادِيْثِ النَّهْيِ عَلَى مَا تَسَاقَطَ مِنَ الْأَعْضَاءِ لِكَوْنِهِ صَارَ مُسْتَعْمَلًا وَالْجَوَازِ عَلَى مَا بَقِيَ مِنَ الْمَاءِ وَبِذٰلِكَ جَمَعَ الْخَطَّابِيُّ۔

٦١- ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، امہات المومنین میں سے ایک نے ٹب میں پانی لے کر غسل کیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تاکہ اس سے وضو فرمائیں یا غسل (راوی کو شک ہے) اس ام المومنین رض نے آپ سے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں تو جنابت کی حالت میں تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ پانی ناپاک نہیں ہوتا"

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، امام ترمذیؒ اور ابن خزیمہؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے

نیمویؒ نے کہا، محدثین نے ان روایات کی تطبیق میں اختلاف کیا ہے، بعض نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ (پس ماندہ پانی کے استعمال سے) منع والی احادیث کو مکروہ تنزیہیہ پر حمل کیا ہے اور بعض نے منع والی احادیث کو اس پانی پر حمل کیا ہے جو اعضاء سے گرے کیونکہ وہ مستعمل ہو جاتا ہے، اور جواز والی روایات کو پس ماندہ پانی پر حمل کیا ہے۔ امام خطابیؒ نے اسی طرح تطبیق دی ہے۔

مگر جمہور نے اسی توجیہ کو رد کیا ہے کیونکہ بحث فضل طہور کی ہے جو وضو یا غسل سے بچا ہوا پانی ہو جبکہ ما یتقاطر تو ماءِ مستعمل ہے بچا ہوا پانی نہیں۔

(٥) نہی کی روایات منسوخ اور اجازت کی ناسخ ہیں (تحفۃ الاحوذی ج ١ ص ٦٥)

(٦) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث نہی غیر محرم پر محمول ہیں کہ وہاں فساد کا خطرہ ہے جبکہ اجازت کی احادیث محارم پر محمول ہیں (فتح الملہم)

(٧) سیدی محدث اکوڑوی نے ایک عجیب توجیہ بیان فرمائی ہے حکم الغفاری کی حدیث "فضل طہور المرأة" میں "المرأة" کا الف لام عہد خارجی ہے اور مرأة سے مراد ایسی عورت ہے جس کے

عشق و محبت میں وہ مرد گرفتار ہو جس کو اس عورت کے فضل طہور سے وضو یا غسل کرنے کا مسئلہ درپیش ہے تو ایسے مرد کو منع کیا گیا ہے وجہ ظاہر ہے کہ جب یہ مبتلا ہوا شخص اس عورت کے بچے ہوئے برتن یا پسماندہ پانی سے وضو اور غسل کرے گا تو لامحالہ اسے محبوبہ کا تصور آئے گا جو اسے گندے وساوس میں مبتلا کر دے گا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سد ذرائع اور فتنہ کے تدارک کے لیے یہ حکم فرمایا کہ ایسے مبتلا شخص کو مرأۃ معہودہ کے فضل طہور سے وضو یا غسل نہیں کرنا چاہیے اور ابوداؤد میں جو یہ روایت آئی ہے کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تغتسل المرأة بفضل الرجل او يغتسل الرجل بفضل المرأة (ابوداؤد ج ١ باب النهي عن ذلك ص ١١)

جس میں عورت کو بھی فضل طہور الرجل کے ساتھ غسل سے منع کر دیا گیا ہے تو اس میں بھی یہی صورت ہے اور ان روایات میں نہی، سد ذرائع اور تدارک پر محمول ہے۔

۔۔ سیدی محدث اکوڑوی نے علامہ انور شاہ کشمیری کی توجیہ تفصیل سے بیان کی ہے فرماتے ہیں

مرد اور عورت کے طبائع کا لحاظ

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے روایات نہی عن فضل طہور المرأۃ کی ایک بہترین توجیہ کی ہے کہ

شریعت نے ان دونوں روایات میں طبائع کو ملحوظ رکھا ہے مردوں کی نسبت عورتوں میں صفائی و ستھرائی کم ہوتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں ہی کچھ ایسی ہیں کہ وہ ہمہ وقت ملوث رہتی ہیں۔ گھر کی صفائی برتن اور کپڑے دھونا اناج کی صفائی چکی پیسنا گھر کی نالیاں بیت الخلاء کی صفائی بچوں کی پرورش اور صفائی اور ان کے بول و براز سے آلودہ رہنا اس کے علاوہ حیض و نفاس وغیرہ۔ اگر عورتوں کا مزاج بھی نفاست کے لحاظ سے مردوں کی طرح نازک اور حساس ہوتا تو شیر خوار بچوں کی پرورش کا مسئلہ بہت گراں ہو جاتا۔ حرج عظیم واقع ہوتا۔ مگر افسوس آج مغربی تعلیم نے کالجوں میں ہماری بچیوں میں جو نفاست اور ستھرائی کی نئی طرح ڈالی ہے اس سے ان کی فطرت مسخ ہو کے رہ گئی ہے اس لیے اب نہ تو وہ گھر میں جھاڑو دیتی ہیں نہ کپڑے دھوتی ہیں اور نہ بچوں کی پرورش و نگہداشت کر سکتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں والدین کی خدمت کیا کرتیں؟ کہ ان کے لیے تو زحمت بن گئی ہیں۔ مگر اپنی اولاد اور بچوں کے نہلانے دھلانے گھر بار صاف رکھنے سے بھی رہ گئیں یہ اس فیشن زدہ نفاست کی برکتیں ہیں۔ تو درحقیقت وہ عورت کے مقام سے گر کر خنثیٰ مشکل کے درجہ میں آ گئی ہیں۔ حکیم کا کوئی کام اور حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ چونکہ عورت کے مزاج میں کچھ ایسی تلویث اور بے احتیاطی ہے اس لیے جب بھی کوئی مرد عورت کے فضل طہور سے وضو یا غسل کرے گا تو لامحالہ اس کے دل میں اس کی وجہ سے کراہت پیدا ہو گی اور ممکن ہے کہ مرد شکوک و شبہات کا شکار ہو جائے اور اسے وضو میں وہ نشاط حاصل نہ رہے جو ایک مومن کو حاصل ہونا چاہیے اس لیے شریعت نے

مردوں کے نفیس مزاج و پاکیزہ طبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کے فضل طہور کے استعمال سے مردوں کو تنزیہاً منع کر دیا۔ اور جن روایات میں عورتوں کو مردوں کے فضل طہور کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اس میں عورتوں کے خلق مزاج اور فطرت و طبیعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ عورت کو مرد کے وضو سے بھی شکایت ہو لہذا یہاں عورتوں کی خلقی فطرت اور طبیعت کو ملحوظ رکھا گیا گویا فضل طہور المرأۃ کے استعمال میں نفس الامر کی رعایت کی گئی اور فضل طہور الرجل میں عورتوں کی طبیعت کو ملحوظ رکھا گیا۔

(حقائق السنن ج ۱ ص ۲۷۶)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل (۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے جسے امام نسائیؒ نے کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۴۲ اور امام احمد نے مسند احمد بن حنبلؒ میں ج ۱ ص ۲۴۳ میں نقل کیا ہے اور جسے خود امام نیمویؒ نے آثار السنن میں ساتویں نمبر پر ذکر کیا ہے عن ابن عباسؓ ان امرأۃ من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغتسلت من جنابۃ فتوضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفضلہ فذکرت ذلک لہ فقال ان الماء لاینجسہ شیء اگرچہ اس کی اسناد میں "لینیت" ہے کہ اس کی سند میں سماک بن حرب ہے جس نے عکرمہ عن ابن عباس سے روایت کی ہے جبکہ سماک عکرمہ سے روایت کرنے میں مختلف فیہ ہیں۔

(۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کنت اغتسل انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد تختلف ایدینا فیہ من الجنابۃ (مسلم ج ۱ ص ۱۴۸) اس حدیث سے اغتسال معاً کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس کی روایت ہے جسے امام نیمویؒ نے اسی باب میں ۱۰ نمبر پر درج کیا ہے "قال اغتسل بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جفنۃ فاراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتوضأ منہ فقالت یارسول اللہ انی کنت جنباً فقال ان الماء لایجنب (ترمذی ج ۱ ص ۱۰)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے حضرت ابن عباس کی اس روایت سے یکے بعد دیگرے استعمال الفضل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۵) حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کنت اغتسل انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد من الجنابۃ وقال حدیث حسن صحیح ترمذی ج ۱ ص ۱

(۶) عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل بفضل میمونۃ رواہ مسلم

تطبیق روایات قال النیموی امام نیمویؒ بتانا چاہتے ہیں کہ محدثین حضرات نے ان روایات کی

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَطْهِیْرِ الدِّبَاغِ

۶۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰی مَوْلَاةٍ لِمَیْمُوْنَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

باب ۔ جو روایات دباغت کے مطہر ہونے کے بارہ میں ہیں ۔ ۶۲۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ، ام المومنین حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ باندی کو صدقہ کی ایک بکری دی گئی ، وہ مرگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

تطبیق میں اختلاف کیا ہے بعض حضرات نے پس ماندہ پانی کے استعمال سے منع والی روایات کو مکروہ تنزیہی پہ حمل کیا ہے بعض نے منع والی احادیث کو ماء متقاطر پہ حمل کیا ہے جو در حقیقت ماء مستعمل ہوتا ہے اور جواز والی روایات کو پس ماندہ پانی پہ حمل کیا ہے امام خطابیؒ نے اسی طرح کی تطبیق دی ہے۔

باقی رہا جنبی اور حائضہ کے پس خوردہ کو مکروہ قرار دینے کا مسئلہ جیسا کہ بیان مذاہب میں بعض ائمہ کے اقوال نقل کردیے ہیں تو اس کے بارے میں گذارش ہے کہ اس کے قائلین کراہت کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہو بلکہ صحیح احادیث تو اس کے خلاف ہیں چنانچہ ترمذی ج ۱ ص ۔ کی روایت "ان الماء لا یجنب" اس کے خلاف ہے مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ بحالت حیض پانی پیتی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پس خوردہ پیتے تھے اور مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ کی روایت میں یہ الفاظ بھی حضورؐ سے منقول ہیں کہ ان حیضتك لیست فی یدك یہ صریح روایات قائلین کراہت کے خلاف ہیں

طہور فضل الماء اور امام طحاویؒ کا استدلال

امام طحاویؒ حضرت میمونہؓ کی روایت کنت اغتسل انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد من الجنابة ۔ سے طہور فضل الماء کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے اجتماعی طور پر ، معیت کی صورت میں وضو اور غسل کو جائز قرار دیا ہے تو یہ اس امر کو بھی مستلزم ہے کہ علیحدہ علیحدہ صورت میں عورت کا بچا ہوا پانی مرد کے لیے اور مرد کا فضل وضو عورت کے لیے جائز ہے کیونکہ معیت کی صورت میں ہر دونوں (مرد وعورت) جب دوسرا چلو بھرتے ہیں تو وہ دوسرے کا فضل ہوتا ہے ۔ (حقانی السنن ج ۱ ص ۲۴)

۶۲ تا ۶۶ مولاۃ لمیمونۃ سے مراد حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ باندی ہے اھاب ، چمڑے کو کہتے ہیں اس کے بارے میں تین قول ہیں (۱) وہ چمڑا مراد ہے جو دباغت نہ دیا گیا ہو (۲) دباغت کے بعد کا چمڑا مراد ہے (۳) مطلقاً چمڑا مراد ہے چاہے دباغت سے قبل ہو یا بعد

(فتح الملہم)

بِشَاةٍ تَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۳۔ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

پاس سے گزرے تو فرمایا، تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتارا، پھر تم اسے دباغت دے دیتے، پھر اس کے ساتھ فائدہ اٹھاتے، انہوں نے عرض کیا، یہ بکری تو مردار ہے، آپ نے فرمایا "بلاشبہ اس کا کھانا حرام ہے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۶۳۔ ابن عباسؓ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا "جب بھی کھال کو دباغت دے دی گئی تو وہ پاک ہو گئی" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایات کا مضمون

باب کی پہلی حدیث نمبر ۶۲ اور دوسری ۶۳ حضرت ابن عباس سے مروی ہیں دونوں کو امام مسلم نے اپنی

میں کتاب الحیض ج ۱ ص ۱۵۹ باب الطھارۃ جلود المیتۃ میں نقل کیا ہے

پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے ایک مرتبہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی عتیقہ (آزاد کردہ باندی) کو صدقہ کی ایک بکری دی گئی وہ مر گئی اتفاق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے دیکھا بکری مری ہوئی ہے اور اس کی چمڑی سے کوئی استفادہ نہیں کیا گیا ہے تو ارشاد فرمایا کہ هلا اخذتم اهابها فدبغتموه فانتفعتم به یعنی تم نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتارا پھر اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے۔ جب انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو میتہ ہے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا اس کا کھانا حرام ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی چمڑی سے استفادہ بھی حرام ہو)

دوسری روایت نمبر ۶۳ کا مضمون بھی یہی ہے کہ جب کچے چمڑے کو دباغت دے دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

تیسری روایت نمبر ۶۴ حضرت میمونہؓ سے منقول ہے جسے امام ابوداؤد کتاب اللباس باب فی اھب المیتۃ ج ۲ ص ۲۱۳ میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ وہ ایک مری ہوئی بکری گھسیٹ رہے ہیں تو لوگوں سے فرمایا لو اخذتم اهابها، انہوں نے عرض کیا انها میتة

۴۶- وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ يَجُرُّوْنَهَا فَقَالَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ قَالَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ السَّكَنِ وَالْحَاكِمُ۔

۴۶۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کے پاس سے گزرے جسے لوگ گھسیٹ رہے تھے، تو آپ نے فرمایا، اگر تم اس کی کھال اتار لیتے! انہوں نے کہا، یہ مردار ہے، آپ نے فرمایا "پانی اور سلم (کیکر کے مشابہ ایک درخت ہے) اسے پاک کر دے گا۔" اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے، ابن السکن اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یطھرھا الماء والقرظ۔ قرظ، کیکر کے مشابہ درخت ہے (۱) قیل ھو ورق السلم یدبغ به (۲) قیل ھو حب یخرج فی غلف کالعدس من شجر العضاۃ قاله ابن رسلان (۳) وقال فی القاموس القرظ محرکة ورق السلم او ثمر السنط (بذل المجهود ج ص ۶۳)

چوتھی روایت سلمۃ بن محبق کی ہے کہ جب حضور نے ایک عورت سے مشک کا پانی مانگا تو وہ کہنے لگی یہ تو میتہ کے کھال سے بنی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا دباغھا ذکاتھا یعنی اس کی دباغت ہی اس کو پاک کرنے والی ہے اس روایت کو امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۵ ص ۶ میں نقل کیا ہے۔

میتہ کی کھال کا استعمال اور بیان مذاہب

(۱) اس بات پر ائمہ متبوعین کا اتفاق ہے کہ مردار کی کھال سے انتفاع اور اس کا استعمال دباغت کے بغیر ناجائز ہے

(۲) احناف، شوافع اور جمہور ائمہ کا مذہب ہے کہ جب مردار کھال کو دباغت دے دی جائے تو اس سے انتفاع جائز ہے باب ھذا کی پہلی چاروں روایات کے علاوہ احادیث صریحہ کثیرہ صراحۃً اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں (روایات کی تفصیل نصب الرایہ ۱ ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ میں درج ہے)
فتح الملہم میں ۱۵ صحابہ کرام سے ان کے ناموں کی تصریح کے ساتھ ان مرویات کا ذکر ہے جو دباغت کے بعد مردار کھال کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) بعض اسلاف اس کے بھی قائل ہیں کہ مطلقاً میتہ کی کھال سے انتفاع جائز نہیں اگر دباغت دے دی جائے تب بھی اس کا استعمال ممنوع ہے ان کا استدلال اس باب کی آخری روایت ص ۹۶ سے ہے

۶۵۔ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِمَاءٍ مِنْ قِرْبَةٍ عِنْدَ امْرَأَةٍ فَقَالَتْ اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اَلَيْسَ قَدْ دَبَغْتِهَا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِبَاغَهَا ذَكَاتُهَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْآخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۶۵۔ سلمہ بن المحبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشک سے جو کہ ایک عورت کے پاس تھی پانی منگایا۔ اس نے کہا یہ مردار کی کھال سے بنی ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے اسے دباغت نہیں دی تھی؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی دباغت ہی اس کے لیے پاک کرنے والی ہے۔

یہ حدیث احمدؒ اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔

جو عبداللہ بن عکیم سے مروی ہے قال کتب الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل وفاتہ بشہر ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب۔

قائلین تحریم کہتے ہیں کہ اس روایت میں اہاب میتہ کے انتفاع سے مطلقاً نفی ہے پھر اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب آپؐ کی وفات سے ایک ماہ قبل کی تحریر ہے گویا یہ حکم آخری ہوا جبکہ اباحت اور جواز کی روایتیں اس سے منسوخ ہو جاتی ہیں۔ مگر صحیح اور راجح مسلک جمہور کا ہے جو اباحت اور جواز کے قائل ہیں ذیل میں قائلین جواز کے مسلک کے چند وجوہ ترجیح عرض کیے جاتے ہیں۔

میتہ کی کھال سے انتفاع کے جواز کے وجوہ ترجیح

(۱) دباغت کے بعد مردار کھال سے انتفاع اور اس کے استعمال کے جواز پر احادیث صحیحہ کثیرہ وارد ہیں جو بوجہ کثرت کے تواتر کے قریب ہیں تو قریب بہ تواتر روایات کثیرہ کے مقابلہ میں صرف عبداللہ بن عکیم کی روایت مرجوح ہے۔

(۲) ابن عکیم کی روایت کتابت پر مبنی ہے جبکہ جواز کی روایات جو صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں سب کا تعلق سماع سے ہے گو کتابت فی نفسہ حجت ہے مگر سماع اس سے بڑی حجت ہے لہذا سماع والی روایات کو کتابت کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

(۳) جواز کی تمام روایات اپنے مضمون پر توضیح میں بالکل واضح ہیں اور ان میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں جبکہ ابن عکیم کی روایت عدم جواز پر دلالت میں واضح نہیں کیونکہ اہاب لغۃ میں کچے چمڑے کو کہتے ہیں جلد مدبوغ کو اہاب نہیں کہتے جبکہ حدیث ابن عکیم میں اہاب کے لفظ سے ممانعت ہے مقصد یہ ہوا کہ میتہ

۶۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَتَبَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِشَهْرٍ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَهُوَ مَعْلُولٌ بِالْاِنْقِطَاعِ وَالْاِضْطِرَابِ۔

۶۶۔ حضرت عبداللہ بن عکیمؓ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل ہماری طرف لکھا کہ "مردار کے چمڑے اور پٹھوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ"
اسے اصحاب خمسہ نے بیان کیا ہے، اور یہ حدیث انقطاع اور اضطراب کی وجہ سے معلول ہے۔

کے غیر مدبوغ چمڑے کو استعمال نہ کرو اگر یہ مضمون لیا جائے تو یہ دوسری احادیث کے معارض نہیں۔

(۴) دورِ صحابہؓ سے لے کر تاہنوز تعامل امت میتہ کے مدبوغ چمڑے سے انتفاع کا ہے جو احادیث جواز کے لیے قوی ترین مرجح ہے

حدیث ابن عکیم میں انقطاع و اضطراب کی تفصیل

وھو معلول بالانقطاع والاضطراب
یہ حدیث انقطاع اور سند و متن کے اضطراب کی وجہ سے معلول ہے انقطاع تو اس لیے ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس کی تخریج یوں کی ہے۔

(۱) عن عبداللّٰہ بن عکیم قال حدثنا مشیخۃ لنا من جھینۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ اس سند سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عکیمؓ نے براہ راست حضورؐ سے یہ حدیث نہیں سنی اور نہ خود حضورؐ کی تحریر پڑھی ہے گویا ابن عکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشیخۃ جھینۃ کا واسطہ ہے۔

(۲) ابن عدی اور طبرانی نے اس کو درج ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے شبیب بن سعید عن الحکم عن عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ عن عبد اللّٰہ بن عکیم ولفظہ جاءنا کتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن بارض جھینۃ انی کنت رخصت لکم فی اھاب المیتۃ وعصبھا فلا تنتفعوا باھاب ولا عصب۔

(۳) امام ابوداؤدؒ نے اس کی تخریج یوں کی ہے قال عن الحکم عن عبد الرحمٰن انہ انطلق ھو وناس معہ الی عبد اللّٰہ بن عکیم فدخلوا وقعدت علی الباب فخرجوا الی واخبرونی ان عبد اللّٰہ بن عکیم اخبرھم الحدیث۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمان نے خود عبداللہ بن عکیم سے روایت نہیں سنی۔

حدیث ابن عکیم کی سند میں اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عکیم کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر سے روایت کرتے ہیں کبھی مشیخۃ جھینہ سے کبھی اس شخص سے جس نے حضورؐ کی تحریر دیکھی اور متن میں اضطراب یہ ہے کہ اکثر رواۃ نے اس حدیث کو بغیر تقیید مدت کے نقل کیا ہے بعض نے ایک ماہ کی مدت بعض نے دو ماہ بعض نے چالیس دن، اور بعض نے تین دن کی مدت بیان کی ہے

کتے اور خنزیر کے چمڑے کا حکم

فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۹۱ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) کہ امام شافعی دباغت کے بعد چمڑے سے انتفاع کے جواز سے جلدِ خنزیر اور جلدِ کلب کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک دباغت کے بعد بھی دونوں کی کھال کا استعمال جائز نہیں۔

(۲) حنفیہ حضرات نے اس سے صرف خنزیر کا استثنیٰ کیا ہے خنزیر کی کھال دباغت کے باوجود بھی جائز الانتفاع نہیں کیونکہ خنزیر گوبر اور بول کی طرح نجس العین ہے اور نجس العین شئی کسی طرح بھی پاک نہیں ہو سکتی صاحب فتح الملہم لکھتے ہیں کہ جب زندہ خنزیر سے کسی طرح بھی انتفاع جائز نہیں۔ جب کہ کتا اس درجہ میں نہیں زندہ کتے سے بعض صورتوں میں انتفاع جائز ہے کتا بھی اگر خنزیر کی طرح نجس العین ہوتا تو اس سے بھی کسی حالت میں بھی کسی قسم کا انتفاع جائز نہ ہوتا۔ کتا نجس العین نہیں دیگر غیر ماکول اللحم جانوروں کی طرح ہے لہذا کتے کی کھال احناف کے نزدیک دباغت سے پاک ہو جائے گی۔

مردار جانور کے پٹھوں کا حکم

عبداللہ بن عکیم کی روایت میں "ولا بعصب" کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی اس روایت میں مردار کے پٹھوں کے انتفاع سے بھی نہی ہے میتہ کے پٹھوں کے متعلق ائمہ احناف سے مختلف روایات منقول ہیں۔

(۱) عصب المیتۃ نجس (۲) عصب المیتۃ طاھر، مگر پہلا قول صحیح ہے کہ عصب المیتۃ نجس ہے روایت ابن عکیم اس کا مستدل ہے ـــــ دراصل اختلاف کا منشأ اور مدار ایک اور اختلاف ہے ـــــ وہ یہ کہ آیا عصب میں حیات ہے یا نہیں بعض حضرات کی رائے ہے کہ عصب میں بھی حیات کے اثرات ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ عصب کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے درد، اذیت اور تکلیف محسوس ہونا اس میں حیات کے وجود کی دلیل ہے اور قاعدہ ہے کہ جس چیز میں حیات کے اثرات ہوں گے اس پر موت کے اثرات بھی مرتب ہوں گے جس طرح عام میتہ کا لحم اثرِ موت کی وجہ سے نجس ہے ایسے عصب بھی ناپاک ہونا چاہیے۔

جب کہ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ عصب میں حیات موجود نہیں یہ عظم غیر متصل کے قبیل سے ہے اس لیے یہ ہڈی کی طرح پاک ہوگا اس میں موت کا اثر نہیں ہوگا جبکہ پہلا قول صحیح ہے اور ابن عکیم کی حدیث اس کی مؤید ہے۔

بَابُ اٰنِیَةِ الْکُفَّارِ

۶۷۔ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا بِاَرْضِ قَوْمٍ اَھْلِ الْکِتَابِ اَفَنَاْکُلُ فِیْ اٰنِیَتِھِمْ فَقَالَ لَا تَاْکُلُوْا فِیْھَا اِلَّا اَنْ لَّا تَجِدُوْا غَیْرَھَا فَاغْسِلُوْھَا وَکُلُوْا فِیْھَا۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

باب۔ کفار کے برتنوں کے بارہ میں ۶۷۔ ابو ثعلبہ الخشنیؓ نے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ہم اہل کتاب کی قوم کے علاقہ میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ان میں مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہیں اس کے سوا (دوسرا برتن) نہ ملے تو اسے دھو کر اس میں کھاؤ" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

مضمونِ حدیث (۶۷) ابو ثعلبہ الخشنیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایک ایسی قوم کے درمیان سکونت پذیر ہیں جو اہل کتاب (غیر مسلم) ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں فقال لا تاکلوا فیھا الا ان لا تجدوا غیرھا فاغسلوھا وکلوا فیھا یعنی کفار کے برتنوں میں مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہیں اس کے سوا (دوسرا برتن) نہ ملے تو اسے دھو کر اس میں کھاؤ۔ اس روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الذبائح ج ۲ صفحہ ۸۲۳ میں نقل کیا ہے۔امام مسلمؒ نے بھی کتاب الصید باب الصید بالکلاب المعلمہ میں نقل کیا ہے۔

کفار کے برتنوں سے ممنوعیت کا حکم اور وجوہات حدیث باب میں جو آنیۃ الکفار کے استعمال سے ممنوعیت آئی ہے اس کے متعدد وجوہات ہو سکتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے ان کا قومی اور ملی تقاضہ بہر صورت سامنے رہنا چاہئے کہ مسلمان اہل کتاب کے ساتھ رہن سہن، تمدن و معاشرت اور باہمی معاملات اور اختلاط رکھنے سے نفرت کریں تاہم یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم "لا تاکلوا فیھا" دراصل تقویٰ کی راہ ہے فتویٰ نہیں فتویٰ کی جو راہ ہے اس کی توضیح خود اسی حدیث میں کر دی گئی ہے فاغسلوھا یہ حکم تو اس صورت میں بطریق وجوب ہو گا جب کہ ان برتنوں کے نجس اور ناپاک ہونے کا ظنِ غالب ہو اور اس

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَآءِ

۶۸۔ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

باب ۔ بیت الخلاء کے آداب میں۔ ۶۸۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم بیت الخلاء میں جاؤ، تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ اس کی طرف پشت کرو، پیشاب

صورت میں بطریق استحباب ہوگا جب کہ ان کی نجاست کا ظن غالب نہ ہو۔

فقہی اصول اور حدیث میں رفع تعارض یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ حدیث باب کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ کفار کے برتنوں کے علاوہ اگر دوسرے برتن مل سکتے ہوں تو اس صورت میں کفار کے برتنوں کو دھوکر بھی اپنے کھانے پینے کے استعمال میں نہیں لانا چاہیے جب کہ فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کفار کے برتنوں کو دھو لینے کے بعد استعمال کرنا ہر صورت جائز ہے خواہ، دوسرے برتن مل سکتے ہوں یا نہ مل سکتے ہوں،

شارحین حدیث نے فقہاء کے فتویٰ اور حدیث کے ظاہر مضمون میں تطبیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حدیث باب سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے وہ ان برتنوں پر محمول ہے جن میں وہ لوگ خنزیر کا گوشت پکاتے اور کھاتے ہیں اور جن برتنوں میں وہ شراب بناتے اور پینے کے لیے رکھتے ہیں لہذا ایسے برتن چونکہ ایمانی نقطۂ نظر سے حد درجہ مکروہ گھناؤنے اور قابل نفرت ہوتے ہیں اس لیے ان کو اپنے استعمال میں لانا مکروہ ہے خواہ ان کو کتنا ہی دھو مانجھ کیوں نہ لیا جائے اور فقہاء کرام نے جو مسئلہ یا فتویٰ بیان کیا ہے وہ کفار کے ان برتنوں پر محمول ہے جو خنزیر اور شراب جیسی نجاستوں اور ناپاکیوں میں مستعمل نہیں ہوتے۔

(۲) آنیۃ الکفار کے استعمال سے ممنوعیت کے حکم کی ایک وجہ حزم و احتیاط کو پیش نظر رکھنا بھی ہو سکتا ہے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دع ما یریبک الی مالا یریبک۔

(۳) اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنا بلکہ اس کی تاکید کرنا مقصود ہے کہ وہ حتی الامکان کفار کے مستعمل برتنوں کے استعمال و انتفاع سے احتراز کریں اگرچہ ان کو دھو لیا جائے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں کفر سے نفرت اور ان کی تہذیب و تمدن سے اجتناب کے جذبات کی انگیخت ہو۔

(۶۸ تا ۷۴) نجاست سے طہارت، در حقیقت انواع نجاسات سے تطہیر کے احکام کے بیان کے بعد مصنفؒ یہاں سے قولی اور فعلی آداب الخلاء بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ قضاء حاجت کیلئے بیٹھنا اور بول و براز

اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا بِبَوْلٍ وَلَا بِغَائِطٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوْا۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

کرتے ہوئے اور نہ پاخانہ کرتے ہوئے، لیکن مشرق و مغرب کی طرف منہ کرو۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے بیان کی ہے۔ (من افواد الجماعۃ)

کے یئے جلوس بنا بر طبعاً مکروہ اور ناپسندیدہ ہے لہذا ضروری ہے اس ہیئت اور وضع جلوس میں اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھا جائے کہ شعائر اللہ کی توہین نہ ہونے پائے شعائر اللہ کا احترام ایمان کا تقاضا اور صفائے قلب کی علامت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج ۴۰) جو شخص دین خداوندی کی یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل سے ڈرنے سے ہوتا ہے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (الحج ۳۰) جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ وقعت کرنا اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

چونکہ ہمیں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اس لیے ہیئت جلوس لقضاء الحاجۃ میں ایسی وضع نہ اختیار کی جائے جس سے شعائر اللہ کی بے ادبی ہو۔

مسئلہ استقبال و استدبار قبلہ باب کی پہلی چھ احادیث (۱ سے ۶ تک) کا تعلق استقبال اور استدبار قبلہ سے ہے یہ ایک اہم اور مشہور مسئلہ ہے اس کے بارے میں بہت سے مذاہب ہیں حنفیہ حضرات میں صاحب کفایہ نے اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ج ۱ صفحہ ۹۱) میں تفصیل سے آٹھ مذاہب نقل کیے ہیں جو عرصہ تک لوگوں میں مروج رہے علاوہ ازیں شخصی طور پر بھی بعض ائمہ کے اقوال اور مذاہب نقل کیے گئے ہیں ہم یہاں صرف چار مشہور اور متداول مذاہب کا ذکر کرتے ہیں۔

بیان مذاہب استقبال و استدبار قبلہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً مکروہ تحریمی ہے اس میں نہ تو ہیئت کا فرق ہے خواہ استقبال ہو یا استدبار، نہ اماکن کا فرق ہے خواہ صحرا ہو یا بنیان، امام اعظمؒ کا یہی قول مشہور ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے عند الاحناف اسی پر فتویٰ ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے صحابہ کرامؓ میں حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت سراقہؓ بن مالک، عطاءؒ، ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ بن کیسان ابوثورؒ، امام اوزاعیؒ سفیان ثوریؒ، امام محمدؒ

۹۶- وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَقَدْ نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِالْیَمِیْنِ أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَۃِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ أَوْ بِعَظْمٍ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۹۶- حضرت سلمانؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پاخانہ، پیشاب کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف کریں یا ہم دائیں ہاتھ، تین پتھروں سے کم، گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔ یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

ابن حزم ظاہریؒ اور ابن قیمؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۹۳)

(۲) اس کے بالمقابل دوسرا مسلک داؤد ظاہریؒ کا ہے ان کے نزدیک اباحت مطلقہ ہے استقبال و استدبار بنیان اور صحراء دونوں جگہ درست ہے حضرت عائشہؓ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے عروہ بن زبیرؒ، امام شعبیؒ اور ربیعۃ الرائےؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہ دونوں مسلک متضاد ہیں علی طرفی النقیض ہیں و بینھما مختلطات۔

(۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ استقبال و استدبار بنیان میں جائز اور صحراء میں ناجائز ہے دونوں ائمہ کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور امام اسحاقؒ بن ابراہیمؒ بن راہویہؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

(۴) چوتھا مسلک امام احمدؒ کا ہے جو ہیئت کے اعتبار سے دونوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استقبال مطلقاً ناجائز ہے اور استدبار مطلقاً جائز ہے یہ امام احمدؒ کی مشہور روایت ہے امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک نادر روایت میں یہی منقول ہے (بذل المجہود ج ۱ ص ۵)

احناف کے دلائل

(۱) باب کی پہلی حدیث جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا ببول ولا بغائط ولکن شرقوا او غربوا۔ (رواہ الستۃ)

حنفیہؒ کے نزدیک استقبال و استدبار کے مطلقاً عدم جواز پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی یہ روایت اصل الاصول ہے اس کے علاوہ دیگر موافق روایات سے حنفیہ حضرات اس کی تائید اور مخالف روایات میں مناسب تاویل کر کے اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اس مسئلہ کی مزید بحث سے قبل بعض الفاظ حدیث کا مفہوم بھی

۷۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ عَلٰی حَاجَتِهٖ فَلَا یَسْتَقْبِلَنَّ الْقِبْلَةَ وَلَا یَسْتَدْبِرْهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۷۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پشت"
یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

غائط | غائط زمین کے گڑھے اور پست حصہ اور المکان المنخفض المطمئن من الارض کو کہتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۱ ص۷۰۲، نیل الاوطار ج ۱ ص۹۵) بعد میں مناسبت اور قضائے حاجت میں غائط کی ضرورت کے پیش نظر رفتہ رفتہ یہ قضائے حاجت پر بولا گیا یہ اطلاق از قبیل تسمیہ الحال باسم المحل ہے اب اس سے معنیٰ حقیقی بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور مجاز متعارف بھی حدیث باب میں پہلے الغائط سے مراد بیت الخلاء اور دوسرے سے نجاست خارجہ مراد ہے۔ امام خطابیؒ معالم السنن ج ۱ ص۱۹ میں لکھتے ہیں۔ واصل الغائط المطمئن من الارض کانوا ینتابونه للحاجة فکنوا به عن نفس الحدث۔

قبلہ | وھو ما یتوجہ الیہ کو کہتے ہیں یہاں مراد قبلہ معہود یعنی کعبۃ اللہ ہے

ایک اشکال اور اس کا حل | حدیث الباب میں ایک طرف حکم ہے کہ لا تستقبلوا القبلة اور ساتھ "شرقوا او غربوا" کا بھی حکم مذکور ہے بظاہر دونوں کا آپس میں تعارض ہے ظاہر حدیث کے اس حکم کے مطابق جب مشرق یا مغرب کی جانب منہ کرنا ہوگا تو پھر دونوں صورتوں میں لامحالہ استقبال یا استدبار قبلہ لازم آتا ہے جو ممنوع ہے ۔۔۔ مگر یہ کوئی اشکال نہیں۔ دراصل حدیث میں اہل مدینہ کو خطاب ہے جن کا قبلہ جنوب کی سمت میں واقع ہے جبکہ اہل مدینہ مکہ سے جانب شمال میں ہیں مدینہ میں رہنے والا اگر جنوب کو منہ کرے تو استقبال قبلہ لازم آتا ہے اور اگر شمال کو منہ کرے تو استدبار قبلہ لازم آتا ہے اس لیے اہل مدینہ کو خطاب میں شرقوا او غربوا کا حکم دیا گیا کہ جانب مشرق یا جانب مغرب کو منہ کیا جائے چونکہ شرقوا او غربوا کا خصوصی خطاب شرقی ممالک کو نہیں ہے اس لیے اشکال بھی نہیں ہے چونکہ اصل علت احترام قبلہ ہے لہٰذا قبلہ جس جانب بھی ہوگا قضائے حاجت کے وقت ادھر منہ یا

۱۷ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَقِیْتُ یَوْمًا عَلٰی بَیْتِ اُخْتِیْ حَفْصَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا فَرَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا لِحَاجَتِہٖ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ۔

---

۱۷ - حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، میں ایک دن اپنی بہن ام المومنینؓ حضرت حفصہؓ کے مکان پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت کیے ہوئے قضاء حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے دیکھا، یہ حدیث جماعت محدثین نے بیان کی ہے۔

پشت کرنا ممنوع ہے۔

حضرت ابوایوبؓ کی توضیح

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت مستقبل القبلۃ فننحرف عنہا و نستغفر اللہ۔ مراحیض، مرحاض کی جمع ہے جس کے معنی بیت الخلاء کے ہوتے ہیں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مادہ "رحض" ہے جس کا معنی دھونا ہے چونکہ بیت الخلاء اور مغتسل میں نجاست کو دھویا جاتا ہے لہذا کنایۃً بیت الخلاء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح یہ لفظ غسل خانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ فننحرف عنہا ونستغفر اللہ کی متعدد توجیہات بیان کی گئیں ہیں تفصیل حقائق السنن ج ۱ ص۵۱ میں ملاحظہ فرمالیں علامہ سہارنپوریؒ نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ ہم شروع میں ان پاخانوں میں قبلہ رو بیٹھ جاتے تھے کہ ان کی وضع ہی ایسی ہوئی تھی لیکن بعد میں جب خیال آتا تو اپنا رخ تبدیل کر لیتے اور ابتداء میں جو استقبال قبلہ ہوا اس پر استغفار کرتے تھے

پہلے یہ گذارش کی تھی کہ حنفیہ کا اصل الاصول حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے اس مسئلہ میں دیگر متعدد روایات سے اس کی تائید ہوتی ہیں مثلاً۔

(۲) اسی باب کی دوسری روایت، اور کتابی اعتبار سے حدیث نمبر ۹۹ جو حضرت سلمان فارسیؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں۔

لقد نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول الخ (مسلم ج ۱ ص۱۳۰)

(۳) اسی باب کی تیسری روایت (حدیث نمبر ۷۰) جس کے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں۔ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جلس احدکم علی حاجتہ فلا یستقبلن القبلۃ ولا یستدبرہا

۴۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَنَقَلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ تَصْحِيْحَهُ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ النَّهْيُ لِلتَّنْزِيْهِ وَفِعْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لِلْإِبَاحَةِ أَوْ مَخْصُوْصًا بِهِ جَمْعًا بَيْنَ الْأَحَادِيْثِ۔

۴۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے کہا، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں، میں نے آپ کو آپ کی وفات سے ایک سال قبل، قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے دیکھا، یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے بیان کی ہے، امام ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور امام بخاریؒ سے اس کی تصحیح منقول ہے۔

نیمویؒ نے مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے کہا، قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے نہی، کراہت تنزیہ کے لیے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ کرنا بیان جواز کے لیے ہے یا صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

---

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما انا لکم مثل الوالد لولده اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط وبول (نسائی ج ۱ ص ۸، ابو داؤد ج ۱ ص ۳، موارد الظمآن ص ۶۳ میں ہے فاذا ذهب احدکم الی الغائط فلا یستقبل القبلة ولا یستدبرها الخ۔

(۵) حضرت معقلؓ بن ابی معقل سے روایت ہے۔

نهی علیه الصلوٰة والسلام ان نستقبل القبلتین بغائط او بول۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۳، ابن ماجه ج ۱ ص ۲۷)

(۶) عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ کی روایت ہے سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی ان یبول احدکم مستقبل القبلة انتهی۔ (موارد الظمآن ص ۶۳) (وفی حاشیه ص ۶۳ بخط الحافظ ابن حجرؒ رواه الخطیب فی تاریخه ثم اسنده الی عبد الله بن الحارث بن جزء، وفیه سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا یتغوط احدکم لبوله ولا لغیره مستقبل القبلة ولا مستدبرها شرقوا او غربوا انتهی۔ (حذاء السنن)

۷۳ - وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَاخَ رَاحِلَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ بَلٰى اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَاْسَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ هٰذَا اِجْتِهَادٌ مِنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَلَمْ يَرِدْ فِي الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔

---

۷۳ - مروان الاصفر نے کہا میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری کا جانور قبلہ کی جانب بٹھایا، پھر بیٹھ کر اسی طرف پیشاب کیا، میں نے کہا، اے ابوعبدالرحمٰن کیا اس سے منع نہیں کیا گیا؟ انہوں نے کہا ہاں، بلاشبہ اس سے کھلی جگہ میں منع کیا گیا ہے، پس جب تیرے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز پردہ ہو، تو کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نیموی نے کہا، یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا اجتہاد ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی چیز بیان نہیں کی گئی۔

داؤد ظاہریؒ ومن وافقہ کے دلائل مع جوابات

(۱) داؤد ظاہریؒ ومن وافقہ کا قوی مستدل حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے جسے حضرت قتادہؓ بن الحارث بن ربعی نے بھی نقل کیا ہے حضرت جابرؓ کی روایت جسے امام نیمویؒ نے اسی باب (حدیث نمبر ۷۰) میں نقل کیا ہے کے الفاظ یہ ہیں۔

قال نهى نبي الله صلى الله عليه وسلم ان نستقبل القبلة ببول فرايته قبل ان يقبض بعام يستقبلها امام ترمذیؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے امام بخاریؒ نے اس کی تصحیح نقل کی ہے علامہ ابن ہمامؒ نے "فتح القدیر" میں امام ترمذیؒ کی "علل کبیر" سے نقل کیا ہے کہ سألت محمد بن اسمٰعيل عن هذا الحديث فقال صحيح داؤد ظاہریؒ اس روایت سے مطلقاً استقبال اور استدبار کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ناسخ ہے اور حدیث نہی منسوخ ہے۔

اس روایت کا جواب بعض حضرات یہ دیتے ہیں کہ اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ایک ابان بن صالحؒ اور دوسرے محمد بن اسحاقؒ — ابان بن صالحؒ کو دو حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے حافظ ابن عبدالبرؒ

نے "التمہید" میں اور ابن حزمؒ نے "المحلی" میں مگر صاحب بذل نے ان دونوں حضرات کی جرح کو ان کی غفلت کا نتیجہ قرار دیا ہے محمد بن اسحاق کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے "دجال من الدجاجلۃ" اور کبھی یہ فرماتے لئن اُقیمتُ فیما بین الحجر و باب بیت اللہ لقلتُ انہ دجال کذاب، تو ایسے راوی کی روایت کو ناسخ اور اصح ما فی الباب روایت (روایت ابو ایوب انصاری) کو منسوخ قرار دینا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

تاہم جہاں تک محمد بن اسحاق کی ثقاہت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں غلو کے بجائے اعتدال ہی بہتر ہے کیونکہ حضرت شعبہؒ ان کو "امیر المومنین فی الحدیث" قرار دیتے ہیں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بڑی معتدل اور فیصلہ کن بات کی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق حافظہ میں کچھ کمزور تھے تاہم عدالت کے اعتبار سے قابل اعتماد تھے، لہٰذا ان کا شمار رواۃِ حسان میں ہوتا ہے خود ائمہ احناف نے ایسی بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے جو محمد بن اسحاق سے مروی ہیں۔ اس اعتبار سے سند کی بنا پر اس حدیث کو بالکلیہ رد نہیں کیا جا سکتا تاہم رواۃ پر کلام ہو جانے کی وجہ سے سند کمزور ہو گئی ہے ناسخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوت کے لحاظ سے منسوخ کے برابر ہو یا اس سے بڑھ کر ہو جب کہ حضرت ابو ایوبؓ کی حدیث اس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قوی ہے لہٰذا یہ اس کے لیے قطعاً ناسخ نہیں بن سکتی۔

حضرت جابرؓ کی روایت کے مضمون کی ایک اور روایت حضرت قتادہؓ سے بھی منقول ہے جسے امام ترمذیؒ نے ص۳ پر نقل کیا ہے مگر اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہے جس کے بارے میں خود امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ضعیف عند اہل الحدیث ضعفہ یحیٰی بن سعید القطان اسی مضمون کی ایک روایت دارقطنی ص۲۱ پر حضرت عائشہؓ سے بھی آئی ہے جس کی سند میں رشدین بن سعد ہے جمہور محدثین کے نزدیک وہ بھی ضعیف ہے (تہذیب ج ۳ ص۲۸۰) خود امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ورشدین بن سعد و عبدالرحمان بن زیاد بن انعم الافریقی یضعفان فی الحدیث —— خلاصہ یہ کہ ان کمزور روایات سے حضرت ابو ایوبؓ کی اصح ما فی الباب کو منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے مسلک کے دلائل اور جوابات

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بنیان میں استقبال اور استدبار جائز ہے اس سلسلہ میں ان کا اہم ترین مستدل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے جسے امام نیویؒ نے اس باب میں نقل کیا ہے جس کا شمار نمبر ۱۱ ہے قال رقیت یوماً علی بیت اختی حفصۃ رضی اللہ عنہا فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعداً لحاجتہ مستقبل الشام مستدبر الکعبۃ امام ترمذیؒ

نے اس حدیث کو "حسن صحیح" قرار دیا ہے۔

بعض روایات میں بیت حفصہ اور بعض میں بیت لنا" اور یہاں بیت اختی آیا ہے" بیت لنا" بھی گویا مجازی طور پر بہن کے گھر کو اپنا گھر کہہ دیا یا اس لحاظ سے کہ بالمآل وراثت میں ان کو ملتا ہے۔ (دیکھیے فتح الباری وعمدۃ القاری)

حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت سند کے اعتبار سے حضرت جابرؓ کی روایت سے قوی تر ہے جس میں آپ سے استدبار کعبہ کا ثبوت ہے جس سے غیر مقلدین استقبال واستدبار کے مطلق جواز پر، امام شافعیؒ صرف کنف (بیت الخلاء) میں جواز پر اور امام احمدؒ استدبار کے مطلقاً جواز پر استدلال کرتے ہیں حنفیہ حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ایک خاص واقعہ ہے جس کے لیے کوئی عموم نہیں یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے پھر یہ معلوم السبب بھی نہیں ہے اس لیے اس کی تشریح میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔

(۲) ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ واضح مسئلہ ہے کہ حقیقت محمدیہ، حقیقت کعبہ سے افضل ہے کعبہ کی تعظیم ان لوگوں کے لیے ہے جو مفضول ہیں۔ افضل مفضول کے احترام کا مکلف نہیں ہے درمختار میں ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ سے افضل ہے علی الراجح الا ما ضم اعضاءہ الشریفۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فانہا افضل مطلقاً من الکعبۃ والکرسی والعرش (درمختار ص۱۳۶) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

قال ابن عقیلؒ سألنی سائل ایما افضل حجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او الکعبۃ فقلت ان اردت مجرد الحجرۃ فالکعبۃ افضل وان اردت وھو فیہا فلا واللہ ولا العرش وحملتہ ولا جنۃ عدن ولا الافلاک الدائرۃ لان فی الحجرۃ جسداً لو وزن بالکونین لرجح۔ انتھی۔ (بدائع الفوائد ج ۳ ص۱۳۵ وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص۲۰۲)

شامی میں ہے فما ضم اعضاءہ الشریفۃ فھو افضل من بقاع الارض بالاجماع (درمختار ج ۲ ص۳۵۲) وقال وکذا الضریح افضل من المسجد الحرام وقد نقل القاضی عیاضؒ وغیرہ الاجماع علی تفضیلہ حتی علی الکعبۃ (رد المحتار شامی ج ۲ ص۲۵۳)

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے علماء کی ایک جماعت جن میں علامہ شامیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بھی ہیں کا یہ مسلک ہے قاضی عیاضؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے عن عائشۃؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الغائط دخلت فی اثرہ فلا اری شیئاً الا کنت اشم رائحۃ الطیب

فذكرت ذلك له تعالى اما علمت ان اجسادنا تنبت على ارواح اهل الجنة فما خرج منها شیئ ابتلعته الارض (خصائص کبریٰ ج ۱ ۔ ص ۷۰) لہذا بعید نہیں کہ آپ اسی حکم سے مستثنیٰ ہوں لہذا آپ پر استدبار و استقبال سے اجتناب لازم نہ تھا البتہ آپ تعلیماً للامۃ لوگوں کے سامنے استقبال و استدبار نہیں کرتے تھے خلوت میں بوجہ افضلیت اور بوجہ فضلات کی طہارت کے آپ اس کے مامور نہ تھے لہذا آپ نے استقبال و استدبار سے احتراز نہ فرمایا۔

پھر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس عمل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء استدبار کی اجازت دینا ہوتا بنیان و صحرا میں تفریق کی تعلیم مقصود ہوتی تو ایک خفیہ عمل کے ذریعہ اس کی تعلیم کے بجائے واضح الفاظ میں تمام امت کے سامنے یہ حکم بیان فرماتے جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت میں کہا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس عمل سے حضرت ابوایوبؓ کی روایت کے خلاف کوئی تشریعی حکم لگانا ہرگز درست نہیں۔

(۴) سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ارشاد فرماتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جہت کی تعیین میں وہم ہوا ہے کیونکہ اس حالت و ہیئت میں دوسرے کو غور سے دیکھنا حیاءً و طبعاً خلاف عادت اور غیر معمولی بات ہے جس کی مثال ہم اپنے ماحول میں دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کی نظر دوسرے انسان یا شیخ یا استاذ پر ایسی حالت اور ہیئت میں پڑ بھی جائے تو وہ فوراً اپنی نظر ہٹا لیتا ہے چہ جائیکہ حضرت ابن عمرؓ کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑے پھر اس کو غور کرنے کا موقع بھی ملے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں صحابہ کرامؓ تو عام محفل میں بھی حضورؐ کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے چہ جائیکہ ابن عمرؓ اس حالت و ہیئت میں دیکھیں اور پھر جہت اور سمت کی تعیین پر بھی غور کر سکیں (حقائق السنن ج ۱ ص ۱۵۹)

(۵) جو شخص کعبۃ اللہ کا معاین ہو اس کے لیے قضاء حاجت میں عین کعبہ کا استقبال و استدبار ممنوع ہے جہت کو رخ کرنا ممنوع نہیں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر کر رہے تھے تو آپ کے لیے بیت اللہ اور مسجد نبوی کے درمیان حائل تمام رکاوٹیں اٹھا دی گئیں تھیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے محاذات میں مسجد نبوی تعمیر فرمائی لہذا حضورؐ کو اس وقت بھی عین کعبہ اور جہت کعبہ کا اندازہ تھا آپ کا رخ جہت کعبہ کو تھا نہ کہ عین کعبہ کو، معاین کے لیے توجہ الی ذات الکعبہ ممنوع ہے غیر معاین کے لیے توجہ الی جہۃ الکعبہ ممنوع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معاین کے حکم میں ہیں تو ان کے لیے توجہ الی جہۃ الکعبہ ممنوع نہیں،

(۶) فقہی نقطہ نظر سے ایک احتمال یہ بھی ہے جو گذشتہ توجیہ کی گویا مزید توضیح ہے کہ حضورؐ پورے طریقہ سے مستدبر نہ ہوں بلکہ کعبہ سے تھوڑے منحرف ہوں، حضرت ابن عمرؓ دور سے اس معمولی انحراف کا ادراک نہ کر پائے، ہوں، مسئلہ زیر بحث میں استقبال و استدبار کا مفہوم نماز کے استقبال قبلہ سے مختلف ہے فقہاء نے

لکھا ہے کہ نماز میں عین قبلہ کا استقبال ضروری نہیں بلکہ جہت قبلہ کا استقبال کافی ہے جبکہ مسئلہ زیر بحث میں عین قبلہ کا استقبال و استدبار مراد ہے لہذا اگر قبلہ سے معمولی انحراف بھی ہو جائے تو کراہت ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص صریحاً مستقبل اور منحرفاً مستقبل ہو تب بھی کراہت نہیں رہتی اب یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انحراف معمولی قسم کا ہو اور حضرت ابن عمرؓ نماز کے استقبال قبلہ پر قیاس کر کے یہ سمجھے ہوں کہ یہاں بھی استقبال و استدبار کا مفہوم وہی ہے۔

(۷) اصل الفاظ حدیث مستقبل بیت المقدس کے ہیں (رقیت یوماً علی ظہر بیت لنا فرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبلاً بیت المقدس لحاجتہ ومسلم ج ۱ ص۱۳۰) گویا اس روایت کو اس بات کا قرینہ بنایا کہ آپؐ مستقبل بیت المقدس تھے رواۃ میں سے کسی نے غلطی سے کعبہ کا ذکر کر دیا۔ لیکن جواب دو وجہ سے درست نہیں (۱) روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپؐ اس وقت مستقبل الشام اور مستدبر الکعبہ تھے (ترمذی ص۳) بخاری میں یہی روایت ہے کہ فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستدبر القبلۃ مستقبل الشام (بخاری ج ۱ ص۲۶) تو ان روایات میں تصریح ہے کہ راوی غلطی کی وجہ سے بیت المقدس کے بجائے کعبہ کا نام نہیں لے رہا بلکہ پورا اور صحیح نقشہ بیان کر رہا ہے (ب) علامہ شوکانیؒ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں لا استقبالہ بیت المقدس یستلزم استدبار الکعبۃ قال الخطابی لان من استقبل بیت المقدس بالمدینۃ فقد استدبر الکعبۃ (معالم ج ۱ ص۱۱)

(۸) حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بنیان اور صحاری کی کوئی تفریق معلوم نہیں ہوتی اس روایت میں اس بات کا کوئی ذکر ہی نہیں لہذا اسے مستدل بنانا بھی درست نہیں بنابریں اس روایت سے موالکؒ اور شوافعؒ حضرات کا استدلال کمزور اور ناتمام ہے۔

مروان الاصفر کی روایت سے جواب

جب ان سے اس تفریق کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو وہ مروان الاصفر کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں حضرت ابن عمرؓ کے عمل کو بنیان اور صحاری میں تفریق کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں مروان الاصفر کی روایت کو امام نوویؒ نے اسی باب میں ۳ نمبر پر درج کیا ہے۔ قال رایت ابن عمرؓ اناخ راحلتہ مستقبل القبلۃ ثم جلس یبول الیہا فقلت یا اباعبدالرحمٰن الیس قد نہی عن ہذا قال بلی انما نہی عن ذلک فی الفضاء فاذا کان بینک وبین القبلۃ شیء یسترک فلا باس رواہ ابوداؤد باب کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ)

بظاہر اس سے شوافع حضراتؒ کی بات تو بن جاتی ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ کے اس فعل کا منشاء

ان کی وہی اپنی روایت ہے کہ رقیت یوماً علی بیت حفصۃ الخ حنفیہ حضرات مروان الاصفر کی اس روایت سے بھی متعدد جوابات دیتے ہیں۔

(۱) خود شوافع حضرات مروان الاصفر کی اس روایت کو من کل الوجوہ معمول بہا نہیں بناتے اور حضرت ابن عمرؓ کے فعل پر پورا عمل نہیں کرتے مثلاً اگر فضاء میں قبلہ اور مستقبل قبلہ کے درمیان کوئی حائل مثلاً اونٹ وغیرہ بٹھا دیا جائے تب بھی شوافع حضرات صحراء میں اس کیفیت کو ناجائز قرار دیتے ہیں جو ابن عمرؓ کی اس فعلی روایت سے بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے اور اگر صحراء میں بھی حضرت ابن عمرؓ کے اس فعل سے استقبال قبلہ مطلقاً جائز سمجھا جائے تو پھر سرے سے "لا تستقبلوا القبلۃ" پر عمل کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی۔

(۲) علامہ سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا مدار حسن بن ذکوان پر ہے جنہیں ابن عدی، امام نسائی ابوحاتم اور یحیٰی بن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے (بذل المجہود ج ۱ ص۶)

لہذا اس روایت سے استدلال کمزور ہے — مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طرح آسانی سے اس روایت کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حسن بن ذکوان بھی، محمد بن اسحاق کی طرح مختلف فیہ راوی ہیں ان کی تضعیف کی طرح ان کی توثیق کے اقوال بھی ائمہ جرح و تعدیل سے منقول ہیں حافظ ذہبی جو نقد رجال میں کامل مہارت رکھتے ہیں جن کا فیصلہ بہرحال قابل قبول ہونا چاہیئے فرماتے ہیں انہ صالح وارجوانہ لا باس بہ" (میزان الاعتدال) حافظ ابن حجرؒ نے اسے "حسن" قرار دیا ہے تلخیص الحبیر) ابوداؤد نے سکوت اور امام دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے ھذا صحیح کلھم ثقات (سنن دارقطنی ج ۱ ص۵۸) ابن الجارودؒ جو صحیح روایات کی تخریج پر معروف ہیں نے المنتقی ص۱۷ میں اس کی تخریج کی ہے۔

خود صاحب آثار السنن امام نیمویؒ نے اس حدیث کی "اسنادہ حسن" کے ساتھ توثیق کی ہے حنفیہ حضرات بھی ایسی احادیث سے بکثرت استناد کرتے ہیں لہذا اس روایت کو علی الاطلاق مسترد کرکے ناقابل استدلال ٹھہرانا ہرگز درست نہیں اس لیے ائمہ فن نے اس کے دیگر متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۳) سب سے زیادہ معقول اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا عمل اور ذاتی اجتہاد ہے جب کہ مرفوع احادیث میں بنیان اور صحاریٰ کے درمیان اس تفریق کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے پھر صحابیؓ کا اجتہاد حجت بھی نہیں خاص طور پر جب اس کے مقابلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ سے آثار موجود ہوں۔

(۴) عقل و فکر اور نقلی اعتبار سے بھی حضرت ابن عمرؓ کا یہ اجتہاد مرجوح اور ناقابل فہم ہے وجہ ظاہر ہے کہ اگر استقبال قبلہ کی ممانعت اس بات پر موقوف ہے کہ متخلی اور کعبہ کے درمیان حائل موجود نہ ہو تو اس قسم کے استقبال کی صورت تو صرف حرم شریف میں بیٹھ کر ہی متحقق ہوسکتی ہے دوسری کسی جگہ پر نہیں کیونکہ

کوئی نہ کوئی حائل عمارت، پہاڑ، مکانات وغیرہ درمیان میں ضرور حائل ہوتے ہیں لہٰذا اس بنا پر پھر تو چاہیے کہ صحراء میں بھی استقبال جائز ہو اور استقبال و استدبار مکروہ نہ ہو جبکہ یہ بات خود شوافع حضرات کے مسلک کے خلاف ہے۔

اصل علت احترام کعبہ یا احترام مصلین

(۵) امام شافعیؒ مذکورہ وجہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ممانعت استقبال و استدبار کی اصل علت احترام مصلین ہے احترام کعبہ نہیں۔ جب کہ حنفیہ حضرات علت ممانعت تعظیم قبلہ قرار دیتے ہیں اس مسئلہ میں فریقین میں معارضہ پیش کرنے سے قبل یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہر مجتہد پر یہ لازم ہے کہ احکام کی اصل علت کو سمجھنے کی کوشش کرے امام شافعیؒ فرماتے ہیں استقبال قبلہ سے ممانعت میں قبلہ سے مراد علی الاطلاق جہت کعبہ مراد نہیں بلکہ خاص مصلی کی حالت صلوٰۃ کا قبلہ مراد ہے مقصد یہ ہے کہ نمازی کی حالت نماز میں اس کے سامنے بیٹھ کر کوئی جان بوجھ کر یہ فعل نہ کرے چونکہ آبادی یا بنیان میں جان بوجھ کر یہ فعل کوئی نہیں کرتا البتہ صحراء میں فرشتے، بعض جنات وغیرہ بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور وہ ہمیں نظر نہیں آتے لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی جن یا فرشتہ کی نماز کے سامنے ہم ایسی حالت میں بیٹھ جائیں چونکہ یہ احتمال صرف صحراء میں ہے سند اس بیت الخلاء میں فرشتے اور جن نماز پڑھنے نہیں آتے۔ لہٰذا بنیان میں استقبال و استدبار کی اجازت ہے۔

مگر حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ظنی موہومہ پر شریعت کا مدار نہیں ہوتا اس لیے علماء محققین نے اس کا پرزور رد کیا ہے علامہ قاضی ابوبکر بن العربی مالکیؒ نے شرح ترمذی میں پانچ وجوہ سے اس کا رد کیا ہے علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲ میں انہیں تفصیل سے نقل کیا ہے ان وجوہات خمسہ میں ایک اہم وجہ یہ ہے کہ شوافع کی بیان کردہ علت احترام مصلین کی بنا پر تو کنف (بیت الخلاء) کے علاوہ دنیا میں کہیں کسی طرف بھی غائط و بول جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ صحراء میں تو ہر جگہ یہ احتمال ہے کہ کوئی جن یا فرشتہ نماز پڑھ رہا ہوگا تو صحراء میں بول و براز میں خواہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو ایک مصلی کے سامنے بہرحال کشف عورت اور اخراج نجاست متحقق ہوگی حضرت عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم انہیں دیکھتے نہیں تو عین ممکن ہے کہ بول و براز ان پر جا گرے (فضل الباری جلد ۲ ص ۲۲۹) لہٰذا یہ علت تو ہر صورت درست نہیں سوال یہ ہے کہ پھر نہی کی علت کیا ہے۔

چنانچہ جمہور احناف اور حنابلہ حضرات فرماتے ہیں کہ علت ممانعت تعظیم قبلہ ہے کہ جب اس کی طرف ظاہری و باطنی پاکی کے حصول کے لیے منہ کرکے نماز پڑھتے ہو تو پھر اس کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے بول و براز کرنا نہایت ہی ناشائستہ اور نازیبا حرکت ہے پھر بذات خود جہت قبلہ جہت کعبہ ہونے کی وجہ سے نہایت معظم اور محترم ہے اصل میں تعظیم و تکریم تو عین کعبہ کی مشروع تھی مگر عین کعبہ کے محاذات اور مسامتہ کا اعتبار بہت مشکل تھا لہٰذا جہت کعبہ کو عین کعبہ کے قائم مقام کر دیا گیا، علت ممانعت تعظیم کعبہ ہونے پر قرآن و

حدیث کے متعدد نصوص آتے ہیں۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ (الحج ۳۰)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ وقعت کرنا اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

جب کہ بیت اللہ الکعبہ، اعظم حرمات اللہ میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (مائدہ ۹۷)

خدا تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مقام ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج ۳۲)

جو شخص دین خداوندی کی یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل سے ڈرنے سے ہوتا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ایک مرفوع حدیث منقول ہے۔

مَنْ تَفَلَ تِجَاهَ الْقِبْلَةِ جَآءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَفْلُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔

جو شخص قبلہ کی جانب تھوکتا ہے تو وہ تھوک قیامت کے روز اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوگا۔

صحیح ابن خزیمہ کی ایک دوسری مرفوع حدیث ہے

يُبْعَثُ صَاحِبُ النُّخَامَةِ فِي الْقِبْلَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهِيَ فِيْ وَجْهِهٖ۔

جو شخص ناک کی رطوبت قبلہ کی طرف ڈالے گا قیامت میں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ رطوبت اس کی منہ پر ہوگی۔

غائط اور بول الی القبلہ، تنخم اور تفل سے زیادہ قبیح اور زیادہ شنیع ہے مراسیل طاؤس میں ایک روایت ہے۔

حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يُّكْرِمَ قِبْلَةَ اللّٰهِ اَنْ يَّسْتَقْبِلَهَا بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ۔

ہر مسلم پر قبلہ کی تعظیم ضروری ہے اس لیے اس کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بول و براز نہ کرے

ابن دقیق العیدؒ حضرت سراقہ بن مالکؓ سے روایت نقل کرتے ہیں اذا تغوطتم العراز فاکرموا قبلۃ اللہ عزوجل۔ فرماتے ہیں یہ حدیث تفسیر ہے کہ اصل علت تعظیم و تکریم قبلہ ہے مگر یہ روایت بھی طاؤس کی روایت کی طرح مرسل ہے مراسیل حجت نہیں ہوتے تاہم اس سے تائید جائز ہے " والترجیح بالمرسل جائز (تدریب الراوی صـ۱۲۱) والمرسل یعتضد المتصل (فتح الملہم صـ۳۵ بحوالہ تدریب الراوی

ابن دقیق العید فرماتے ہیں والظاھر انه لاظہار الاحترام والتعظیم للقبلة لانه معنی مناسب ورد الحکم علی وفقه - حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اصل غرض اس نہی کی تعظیم قبلہ ہے جو دس سے زیادہ دلائل سے ثابت ہے جن کو دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے (زاد المعاد ج ا ص۳) قاضی ابن عربیؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اصل نہی کی علت احترام قبلہ ہے (عارضۃ الاحوذی ج ا ص۲۵)

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ نہی بنیان وصحاری دونوں جگہوں کو شامل ہے کیونکہ اصل وجہ تعظیم قبلہ ہے (نیل الاوطار ج ا ص۹۶)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں آداب الخلاء ھی ترجع الی معان منھا تعظیم القبلة ــ (حجة الله البالغة ج ا ص۱۶۱)

خلاصہ یہ کہ علتِ ممانعت ہر جگہ موجود ہے خواہ بنیان ہو یا صحراء لہذا حکم بھی عام ہونا چاہیئے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں حدیث ابو ایوب کے علاوہ نہی کی اور بھی حدیثیں آئی ہیں حافظ ابن القیمؒ نے تصریح کی ہے کہ نہی میں جتنی احادیث بھی آئی ہیں یا صحیح ہیں یا حسن جن سے کوئی بھی نیچے نہیں جب کہ حدیث ابو ایوب اس باب میں سب سے زیادہ اصح ہے۔

امام احمدؒ کا استدلال اور اس کا جواب

امام احمدؒ استدبار کے جواز پر " فلا تستقبلوا " کی روایات سے استدلال کرتے ہیں نیز حدیث معقل بن معقل ، قال نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تستقبل القبلتین ببول او غائط اور حدیث سلمان " نھانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نستقبل القبلة ، بغائط او بول " سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کی تمام احادیث میں صرف استقبال قبلہ سے نہی آئی ہے استدبار کا ذکر نہیں ہے امام احمدؒ کے نزدیک عدم ذکر کی وجہ بھی یہ ہے کہ نجاست کا رخ زمین کی طرف ہے لہذا استدبار میں بے ادبی نہیں اس لیے یہ جائز ہے ویسے تو اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ تفصیلی صحیح روایات میں استدبار کی نہی بھی موجود ہے ۔ باقی رہی معقل بن معقل کی حدیث ، تو وہ ضعیف ہے خود امام احمدؒ نے اس کو حدیث ابن عمرؓ سے منسوخ قرار دیا ہے بلکہ حدیث معقل تو احناف کی مؤید ہے کیونکہ استقبال کعبہ ، استدبار بیت المقدس کو مستلزم ہے اور استقبال بیت المقدس ، استدبار کعبہ کو مستلزم ہے جب ہر دو کا استقبال ممنوع ہوا تو لا محالہ استدبار بھی ممنوع ہو گیا لہذا حدیث معقل سے استدبار کی نہی ثابت ہے نہ یہ کہ اس سے استدبار کعبہ کے جواز پر استدلال کیا جا سکے۔ باقی رہی حضرت سلمانؓ کی روایت تو حضرت سلمانؓ کے جواب میں اختصار ہے صرف استقبال کا ذکر کر دیا تاکہ اسلام کی خوبی واضح ہو چونکہ سائل معاند تھا اس لیے تعلیم مقصود نہ تھی صرف خوبی کا اظہار مقصود تھا

اور قاعدہ ہے کہ عدم ذکر الشی سے عدم وجود الشی لازم نہیں آتا جب کہ دیگر کثیر روایات میں اس کا ذکر بھی آیا ہے باقی رہا امام احمدؒ کا یہ قیاس کہ براز کا رخ زمین کی طرف ہے تو سوء ادب نہیں تو یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے جبکہ امام احمدؒ عموماً قیاس پر ظاہر حدیث کو ترجیح دیتے ہیں حنفیہ حضرات ہیئت قعود کا اعتبار کرتے ہیں اور اصل علت احترام قبلہ قرار دیتے ہیں یہ تقسیم قبول نہیں آتا اس کا ملحوظ رکھنا بنیان و صحراء، زمان و مکان اور استقبال و استدبار میں یکساں طور پر لازمی ہے۔

حدیث ابو ایوب انصاریؓ اور حنفیہ کے وجوہ ترجیح

چاروں مذاہب کے دلائل اور مستدلات آپ نے سن لیے حنفیہ حضرات کا مستدل اور قوی مستدل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث ہے اب حدیث ابو ایوب کے وجوہ ترجیح بیان کر دیے جا رہے ہیں اور اسی پر اس بحث کو ختم کیا جا رہا ہے۔

(۱) حدیث ابو ایوبؓ میں قال ابو ایوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض فننحرف عنها ونستغفر الله (ترمذی) اس عبارت پر غور کرتے ہیں تو قدمنا، وجدنا، ننحرف، نستغفر الله سب متکلم مع الغیر جمع کے صیغے ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ شام کو جہاد کی غرض سے آنے والے صحابہ کرامؓ کوئی ایک دو نہیں تھے بلکہ ان کی تعداد ہزاروں تھی انہوں نے شام کے گھروں کو بطور غنیمت تقسیم کیا غرض یہ کہ صحابہؓ کی ایک جماعت کثیرہ تھی اور سب کا یہی عمل تھا پھر اسی عمل پر کسی بھی صحابی نے نکیر نہیں کیا (حقائق السنن ج ۱ ص۱۵۱)

(۲) محدثین کا اصول یہ ہے کہ جب متعارض حدیثوں میں سے ایک ایسی ہو جس میں راوی کی تفسیر بھی ہو تو اس کو دوسری پر ترجیح حاصل رہے گی (کتاب الاعتبار للعلامہ الحازمی ص۱۱) روایت میں فقدمنا الشام خود راوی کی جانب سے تفسیر ہے لہذا اس روایت کو جمیع ما ورد فی الباب روایات پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(۳) قاعدہ ہے کہ جب ایک حدیث محرم ہو اور دوسری مبیح ہو تو محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے (کتاب الاعتبار للعلامہ الحازمی ص۲۱) حدیث ابو ایوب میں نہی ہے جو حرمت کا تقاضا کرتی ہے جب کہ مخالف روایات افعال ہیں جو اباحت کا تقاضا کرتے ہیں حرمت اور اباحت کا تقابل ہو تو قاعدہ مذکورہ کے تحت ترجیح حرمت کو حاصل ہوتی ہے حرام اور حلال کے تعارض میں ترجیح حرام کو حاصل ہے کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے۔

(۴) حدیث ابو ایوبؓ قرآن مجید کے ساتھ زیادہ موافق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ جب کہ کعبہ کی تعظیم متفق علیہ مسئلہ ہے استقبال و استدبار دونوں سے اجتناب میں تعظیم کعبہ ہے۔

(۵) حضرت ابوایوبؓ کی روایت کی تائید قیاس سے تائید ہوتی ہے یہ روایت ہم نے پہلے بھی نقل کر دی کہ من تفل تجاہ القبلۃ جاء یوم القیامۃ وتفلتہ بین عینیہ (موارد الظمآن ص۱۰۳) ایسی روایت علامہ بنوریؒ نے معارف السنن ج ۱ ص۹۰ میں صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے بھی نقل کی ہے جب کہ روایت بھی روایت صحیحہ اور مرفوعہ ہے۔ تو سبب تھوکنے میں استقبال قبلہ کی ممانعت ہے تو قضاء حاجت کے وقت تو بطریق اولیٰ استقبال قبلہ کی ممانعت ہونی چاہیئے۔

(۶) حدیث ابوایوب سنداً اقوی اور اصح ما فی الباب ہے اپنے مفہوم پر واضح اور اس کی علت معلوم ہے جو تکریم و تعظیم جہت قبلہ ہے جب کہ حدیث ابن عمرؓ کی کوئی علت معلوم نہیں جبکہ قاعدہ ہے کہ معلوم السبب والعلت، مجہول السبب والعلت پر مرجح ہے۔

(۷) یہ روایت صحاح کی تمام کتب میں موجود ہے اور اپنے مفہوم پر نص محکم ہے جس میں جانب مخالف کا کوئی احتمال نہیں جب کہ احادیث رخصت میں دیگر بہت سے احتمالات موجود ہیں (مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۰۶)

۸۔ حدیث ابوایوب ایک کلیہ ہے جو قانونی کلی کی حیثیت رکھتی ہے اس کے مقابلہ میں دوسری روایات جزئیات ہیں تعارض کے وقت بہرحال ان روایات کو اختیار کیا جائے گا جن میں ضابطہ کلیہ کا بیان ہو ایسے مواقع پر جزئیات میں تاویل کی جاسکتی حنفیہ کے نزدیک ایک حکم کلی کی تشریع ہر اعتبار سے قطعی الدلالۃ ہوتی ہے اور جزئیات پر اسے بہرصورت ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(۹) حدیث ابوایوب کی روایت قولی اور مخالف روایات فعلی ہیں تعارض کے وقت قولی احادیث کو ترجیح حاصل ہے کہ فعل میں دیگر متعدد احتمالات ہوسکتے ہیں کیونکہ قول سے مراد تشریع ہوتی ہے جب کہ فعل کبھی عادت، کبھی عذر، کبھی خصوصیت اور کبھی دیگر وجوہات کے بنا پر بھی صادر ہوسکتا ہے تو جس طرح شرع کو عادت پر ترجیح ہے اسی طرح قول کو فعل پر ترجیح ہے۔

(۱۰) حدیث ابوایوب عقلاً اور قیاساً بھی موید ہے اگر غور کیا جائے تو یہ مسئلہ بالبداہہ واضح ہوجاتا ہے کہ آبادیوں، عمارتوں، اور صحراؤں میں کوئی خاص وجہ امتیاز نہیں ہے اس لیے کہ اگر آبادی میں دیواریں مکانات اور تعمیرات کعبہ اور اس متخلی شخص کے درمیان حائل ہیں اور یہ وجہ جواز ہے تو جنگلوں صحراؤں اور کھلی فضا میں تو اس سے کہیں زیادہ بڑے بڑے پہاڑ ٹیلے، درخت، سطح زمین کی ارتفاع اور محراب وغیرہ حائل ہیں تو وہاں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیئے۔

(۱۱) علامہ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد میں ابن حزمؒ اور ان کے شیخ داؤد بن علی الظاہریؒ کے درمیان ایک اختلاف نقل کیا ہے وہ یہ کہ اگر ایک باب میں دو متعارض حدیثیں آئیں ایک میں ایسا کوئی شرعی حکم مذکور ہے

۴۷۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۴۷۔ حضرت انس بن مالکؓ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے (یعنی داخلہ کا ارادہ فرماتے) تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں تکلیف دینے والے نر اور مادہ جنوں سے)

یہ حدیث جماعت محدثین نے بیان کی ہے۔

جو شارع ہی کی طرف سے آ سکتا ہے دوسری میں اس کے معارض حکم آیا جو اصل کے موافق ہے تو اب کس کو ترجیح و تقدیم حاصل ہو گی ابن حزمؒ کی رائے یہ ہے کہ حکم شرعی والی حدیث کو مقدم رکھیں گے کیونکہ وہ اصل کے خلاف ہے اور ثقہ اصل سے زائد ایک علم کا اظہار کر رہا ہے اسے کیوں نہ مانیں اور داؤد ظاہریؒ کی رائے یہ ہے کہ جو حدیث اصل کے موافق ہے اسی کو ترجیح و تقدیم دی جائے ۔ ابن رشدؒ نے اس اختلاف کو نقل کر کے ابن حزمؒ ہی کی رائے کو جید قرار دیا ہے ہم جب اس اعتبار سے حدیث ابوایوبؓ اور دیگر روایات پر غور کرتے ہیں تو اسے ہی راجح اور مقدم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث ابن عمرؓ اور حدیث جابرؓ میں اباحت ہے جو بظاہر تمام اشیاء میں اصل ہے اور حدیث ابوایوبؓ میں ایک مزید علم کا اظہار ہے جو اصل سے زائد اور شارع ہی کی طرف سے حاصل ہے (فضل الباری جلد دوم ص۲۳۳)

(۴۷) اس باب کے چند ابتدائی احادیث (جن کا تعلق مسئلۂ استقبال و استدبار قبلہ سے ہے) سے متعلق مفصل بحث عرض کر دی ہے اس حدیث کا تعلق بھی آداب الخلاء سے ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہو تو کیا کہے، امام ترمذیؒ نے اسی حدیث کا ترجمۃ الباب "باب ما یقول اذا دخل الخلاء" اور ۵) نمبر کی حدیث کا ترجمۃ الباب باب ما یقول اذا خرج الخلاء" قائم کیا ہے۔

باب کی ترتیبی حیثیت سب سے پہلا مسئلہ تو اس باب میں یہ ہے کہ جب مصنفؒ نے ابواب الطہارۃ کا عنوان قائم کیا ہے تو اسے طہارت کے مسائل ذکر کرنے چاہئیں مگر مصنفؒ نے مسائل طہارت کے بجائے آداب خلاء جو طہارت کا مقدمہ ہیں کا ذکر چھیڑ دیا ہے جو بظاہر مناسب معلوم نہیں ہوتا جواب یہ ہے کہ مصنف کا مقصد بھی مسائل طہارت کا بیان ہے مگر چونکہ طہارت خلاء پر موقوف ہے

کیونکہ طہارت شرعی تبھی حاصل ہوتی ہے جب انسان قضائے حاجت کی غرض سے بیت الخلاء کو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اس آدمی کی نماز کو مکروہ کہا گیا ہے جس نے قضائے حاجت کی خواہش کے باوجود بھی یعنی حاقن ہوتے ہوئے نماز پڑھی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حاقن (جس کو شدت سے بول کا تقاضا ہو) حاقب (جس کو براز کا تقاضا ہو) اور حازق (جس کو خروج ریح کا شدید تقاضا ہو) کی نماز مکروہ تحریمی ہے چونکہ لغت میں طہارت کا معنی "ازالۃ النجاسۃ" ہے تو طہارت سے قبل نجاست کا ہونا ضروری ہے تاکہ ازالہ متحقق ہو سکے بہرحال استفراغ کی غرض سے بیت الخلاء کو آنا جانا گویا خلاء سے جو طہارت کا موقوف علیہ ہے لہٰذا موقوف علیہ کا بیان مقدم کر دیا۔

خلاء اور اس کے مترادفات

خلاء ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان بغیر تقاضائے حاجت کی ضرورت کے دوسرے کسی کام کے لیے نہ جائے اور اکثر عادۃً وہ جگہ خالی رہے بیت الخلاء کو کنیف اور مرحاض بھی کہتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۱) کنیف کی جمع کنف اور مرحاض کی جمع مراحیض ہے یہ دونوں لفظ سنن ترمذی ج ۱ ص ۳ میں آئے ہیں اور مرحاض کا ذکر اسی باب کے شروع سے احادیث کی بحث میں بھی آگیا ہے نیز بیت الخلاء کو متوضع بھی کہتے ہیں جس کی جمع متاضع آتی ہے (بخاری ج ۱ ص ۲۶) میں یہ لفظ موجود ہے بیت الخلاء کو کراس بھی کہتے ہیں جس کی جمع کرابیس ہے نسائی ج ۱ ص ۸ میں یہ لفظ بھی مذکور ہے بیت الخلاء کو حش بھی کہتے ہیں ابوداؤد ج ۱ ص ۲ میں "ان ھذہ الحشوش محتضرۃ" کے الفاظ موجود ہیں براز کا لفظ جو کھلے میدان کے لیے آتا ہے مجازاً قضاء حاجت پر بولا جاتا ہے (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۶) غائط کا لفظ بھی مجازاً بیت الخلاء اور قضائے حاجت کے لیے بولا جاتا ہے اذا اتی احدکم الغائط الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۲۶، نسائی ج ۱ ص ۸) (خزائن السنن) بہرحال یہ سب کنایات ہیں آج کل اہل مصر اس کو "بیت الادب" اور "بیت الطہارۃ" بولتے ہیں اہل حجاز "استراحۃ" کہتے ہیں۔

دخول خلاء کی صورت میں دعا کب؟

اذا دخل الخلاء حدیث میں جس دعا کی تلقین آتی ہے اذا اراد الدخول سے مراد یہ ہے کہ اسے بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے نہ کہ بعد میں اس کے دو وجوہات ہیں (۱) سعید بن زید کی روایت میں "اذا اراد ان یدخل" کے الفاظ مذکور ہیں (بخاری ج ۱ ص ۲۶) سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۵ میں ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اراد الخلاء قال اعوذ باللّٰہ من الخبث والخبائث۔

جملہ اذا فعلت کا استعمال

امام ابن الفارس لغوی فقہ اللغۃ ص ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ اذا فعلت

کے جملے کا استعمال تین وجوہ پر ہوتا ہے (۱) اول یہ کہ حکم مامور بہ فعل سے پہلے ہو جیسے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم (الآیۃ) میں حکم مامور بہ فاغسلوا ہے اور یہ فعل اذا قمتم الی الصلوٰۃ سے پہلے ہے اس صورت میں اذا فعلت، اذا اردت کے معنی میں ہوگا ایسی ہی بحث علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشریؒ نے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ کی تفسیر میں کی ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ حکم مامور بہ فعل کے ساتھ ہو جیسے اذا قرأت فترسل یعنی جب تم قرآن کریم پڑھنے تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو یہاں حکم مامور بہ فترسل فعل قرأت کے ساتھ ساتھ ہے اس صورت میں اذا فعلت اذا شرعت کے معنی میں ہوگا (۳) تیسرا یہ کہ حکم مامور بہ فعل کے بعد ہو جیسے اذا حللتم فاصطادوا میں شکار کا حکم احرام کے فعل سے نکلنے کے بعد ہے اس صورت میں اذا فعلت اذا فرغت کے معنی میں ہوگا لہٰذا اس مقام پر دعا پڑھنا بیت الخلاء میں داخل ہونے کے فعل سے قبل پہلے ظاہر ہے کہ بوقت قضاء حاجت ذکر مکروہ ہے

خروج نجاست موجب تنجس کیوں ہے؟

یہ ایک دلچسپ بحث ہے اگرچہ بات طویل ہو جائے گی مگر اساتذہ اور طلبہ حدیث کے لیے بے حد نافع ہے لہٰذا اپنے شیخ سیدی حضرت مولانا عبد الحق کے الفاظ ہی میں من وعن پیش خدمت ہے یہاں ایک عقلی اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب نجاست بدن میں تھی جو نجاست کا ظرف ہے تو اس شخص پر نجس کا حکم لگانا ایک مناسب بات تھی۔ کیونکہ واقعۃً بھی اس میں نجاست موجود ہے مگر جب نجاست خارج ہو جائے تو گویا نجاست کا برتن خالی ہو گیا اب چاہیئے کہ اس برتن (جسم) کو طاہر کہیں مگر یہاں تو خروج نجاست کے بعد بدن پہ ناپاکی کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ناپاکی تو دخول نجاست سے ہونی چاہیئے۔

خروج نجاست سے جب کہ خروج نجاست تو طہارت کا باعث ہے مثلاً کپڑے کو دھویا اور نجاست خارج ہوئی تو کپڑا پاک ہو گیا۔ یہاں بھی بظاہر عقلی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خروج نجاست کے بعد بدن کو پاک ہونا چاہیئے نہ کہ ناپاک۔

مخارج نجاست کے علاوہ دیگر اعضاء کیوں واجب الطہارت ہیں؟

(۲) ایک اور بات قابل غور یہ ہے کہ خروج نجاست کے بعد محل نجاست کا جس قدر بھی ملوث ہوا ہے مثلاً حشفہ یا حلقۂ دبر نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو گئے۔ تو اب صرف ان ہی کو دھونا چاہیئے گویا نجاست جس برتن میں تھی اس سے خارج ہو گئی اب اس برتن کو دھو ڈالنا چاہیئے" تاکہ طہارت کاملہ حاصل ہو جائے۔ مگر شرعاً حکم یہ ہے کہ مکمل وضو کیا جائے گویا ایسے مقامات (اعضاء) کو دھویا جائے جہاں سرے سے نجاست لگی ہی نہیں جب کہ بعض اوقات تو جب محل نجاست قدر درہم یا اس سے کم ملوث

تو اس کا دھونا بھی فرض نہیں بلکہ بعض حالات میں صرف ڈھیلے کے استعمال پر بھی اکتفاء جائز ہے اور خروج ریح کی صورت میں ڈھیلے کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر محل نجاست کے علاوہ دیگر اعضاء کا دھونا فرض ہے۔ اشکال یہ ہے کہ نجاست ایک جگہ لگی تھی اس کا اصل برتن ایک تھا اور دھونے کا حکم دوسرے عضو کے لیے فرض قرار دیا گیا۔ گویا جو ملوث نہ تھا اس کا دھونا فرض قرار دیا گیا اور جو ملوث تھا وہاں بعض صورتوں میں رعایت بھی برتی گئی۔

اشکال اول کا جواب

(۱) اسلامی احکام انسانی عقل پر موقوف نہیں ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر شرعی حکم کی اصل علت انسانی عقل کی سمجھ میں آسکے بلکہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جو انسانی عقل کی سمجھ سے بالاتر ہیں (احکام کا عقل سے بالاتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلاف عقل بھی ہیں)

(۲) اصل میں خروج نجاست بذاتہ منجس نہیں ہے بلکہ خروج نجاست اس بات کی دلیل ہے کہ اوعیۂ نجاست (نجاست کے برتن) کا امتلاء ہو گیا ہے اور ظروف نجاست بھر گئے۔ ہمارے بدن میں بھی بول و براز کے علیحدہ علیحدہ ظروف ہیں۔ اب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ بدن کے پاک و نجس ہونے کا معیار کیا مقرر کریں اگر پاکی کا انحصار خلو عن النجاست پر ہو تو نجاست تو ہر وقت جسم میں رہتی ہے تو بدن کسی وقت بھی پاک نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے کہ بدن ہر وقت خون، غلاظت اور نجاست سے آلودہ رہتا ہے مثانہ، معدہ اور آنتوں میں کچھ نہ کچھ نجاست ہر وقت موجود رہتی ہے اگر محض وجود نجاست کی وجہ سے بدن پر نجاست کا حکم لگائیں تو پھر انسان کا بدن کسی وقت بھی پاک نہ ہو سکے گا ہر وقت نجس ہی رہے گا، ہاتھ نجس، پاؤں نجس، زبان اور آنکھ نجس اور پھر نجاست کی وجہ سے کام ممنوع و مکروہ، نتیجۃً حرج عظیم ہوگا۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہی ہے۔ کہ بدن سے نجاست من کل الوجوہ زائل ہو جائے اب ہم نجاست کے اس معیار کو معلوم کریں گے جس کی وجہ سے طہارت فرض ہو جاتی ہے لہٰذا ہم ان ظروف کو جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں فضلات اور نجاست کے لیے رکھا ہے دیکھتے ہیں کہ وہ کتنی نجاست کے حامل ہیں اور ان میں نجاست کی مقدار کتنی ہو جس سے نجاست لازم آئے۔ اگر ان ظروف میں کوئی خاص مقدار مثلاً قطرہ، قطرتین، نصف، اس سے بڑھ کر ثلثین کو نجاست کا معیار قرار دے دیں تو اسے بھی لزوم طہارت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا اس لیے کہ نجاست کے اس معیار کو معلوم کرنا ہمارے لیے آسان نہیں کیونکہ نجاست کے اوعیہ مخفی ہیں اور جس میں نہ تو علم حضوری حاصل ہے اور نہ حصولی اور نہ ہی ہم ہر وقت کوئی ایسا تھرما میٹر لگا سکتے ہیں اور نہ ہی ہر وقت ایکسرے ممکن ہے اور اگر معیار ظرف کا بھر جانا (امتلاء) قرار دیں تو اس کا معلوم ہونا آسان ہے ظرف جب بھر جائے تو چھلک پڑتا ہے تیل کی بوتل بھر جائے تو چھلک پڑتی ہے پانی سے برتن بھر جائے تو چھلک پڑتا ہے اسی طرح انسان کے اوعیۂ نجاست جب بھر جاتے ہیں تو بہنے کا تقاضا کرتے ہیں اور قضائے حاجت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

لہذا اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ خروج نجاست سے بدن کے نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا بلکہ یہ تو نجاست کے ظرف کی امتلاء کی علامت ہے اور اوعیۂ نجاست کا امتلاء موجب نجاست ہے یہ بول دبراز دال علی النجاست ہیں اس کی نظیر بعینہ وہی ہے جو متوفی عنہا زوجہا کی عدت میں ہے جس سے مقصود یہ امر معلوم کرنا ہوتا ہے کہ اس عورت کا رحم اپنے خاوند کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہے یا نہیں حقیقت واضح ہو جانے پر نکاح کی اجازت دے دی جاتی ہے یا جس طرح احکام سفر میں تخفیف کی اصل علت مشقت ہے جس کا معیار معلوم نہیں لہذا سفر کو مشقت کے قائم مقام کر کے احکام میں تخفیف کر دی گئی۔

طہارت ونجاست اور روح وجسم کا تعلق

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب خروج نجاست جو اوعیہ نجاست کے امتلاء کی علامت ہے نجس ہے کل جسم نجس ہو جاتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہوتی ہے روح اور جسم کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ جسمانی تکلیف سے بھی روح متاثر ہوتی ہے جسمانی تکلیف کے وقت تم جو یہ کہتے ہو کہ طبیعت خراب ہے یہ طبیعت کی خرابی بھی روح کا متاثر ہونا ہے۔ روح اگر خوش ہے تو جسم بھی تروتازہ رہے گا ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن کی روح مہمانوں کو کھانا کھلانے پر خوش ہوتی ہے جب وہ اوروں کو کھانا کھلا رہے ہوتے ہیں تو ان کی خوشی کا یہ عالم ہوتا ہے خود کئی کئی روز تک کھانا نہیں کھاتے۔ دیکھئے کھانا نہیں کھا رہے اور جسم کو کچھ بھی نہیں مل رہا مگر اس کے باوجود خوش ہیں اور ان کے کام اور حرکات وسکنات میں کوئی فرق بھی نہیں آتا۔ جب روح پریشان ہوتی ہے تو جسم کو خوب کھانے کھلائے جائیں آسائش وآرام کے اسباب مہیا کئے جائیں مگر روحانی نشاط حاصل نہیں ہوتا۔ روح اور جسم میں تلبس ہے۔ یہ تو مناطقہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جسم اور روح کا آپس میں تعلق ہے مگر وہ حلول کے قائل نہیں بلکہ وہ اس تعلق کو تدبیر وتصرف کا تعلق کہتے ہیں۔ شریعت بھی ہر دو کے گہرے تعلق کی قائل ہے اور روح کا جسم میں حلول مانتی ہے۔

اصلاً عبادت تو روح کرتی ہے اور جسم اس کا تابع ہے۔ جب سارا جسم نجس ہو جاتا ہے تو جسم کی نجاست کا اثر روح پہ بھی ہوتا ہے کیوں کہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ مثلاً جب خروج نجاست ہو جائے یا خروج منی ہو جائے تو اس وقت طبیعت منقبض ہو جاتی ہے۔ یہ طبیعت کا انقباض، روح کا متاثر ہونا ہے پھر جب وضو اور غسل کر لیا جائے تو طبیعت میں تازگی اور نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ اب جب کہ روح ہم سے پوشیدہ ہے وہ ایک جسم لطیف ہے۔ ہوا کی طرح ہم اسے بھی نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ نہ وہ ہمارے قبضہ میں آ سکتی ہے اور نہ ہی ہم اسے محسوس طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ جسم کی نجاست کی وجہ سے وہ بھی نجس ہو جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کی طہارت و پاکیزگی بھی کی جائے تاکہ فرحت وسرور اور طبعی نشاط حاصل ہو۔ اب وہ اعضاء واندام جو روح کے خادم ہیں

اور جن پر روح کے انقباض و انشراح کا صدور ہوتا ہے۔ اور جن سے روح متاثر بھی ہوتی ہے شریعت نے ان کے دھو ڈالنے کا حکم دے دیا کیونکہ جسم کی طہارت موجب طہارت روح ہے اور جسم کی نجاست موجب نجاستِ روح ہے۔

بعض صورتوں میں سارا بدن اور بعض میں مخصوص اعضاء دھوئے جاتے ہیں۔ خروج منی اور حیض و نفاس سے سارے بدن کا غسل ضروری ہے چونکہ یہ تینوں نادر الوقوع ہیں اس لیے یہاں اصل حکم یعنی سارے بدن کا دھونا کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اور عام قضائے حاجت وغیرہ سے چند مخصوص اعضاء کا دھونا یہ بھی شریعت کا احسان ہے کہ جو نجاست روزمرہ بیسیوں مرتبہ ہم کرتے ہیں اس میں تمام بدن کے دھونے کے بجائے وضو کا حکم دے دیا لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ۔ ورنہ کثیر البول آدمی بیچارہ تو بس غسل ہی کرتا رہتا۔ چونکہ قضائے حاجت کثیر الوقوع ہے اور لوگوں پر حرج کا باعث اس لیے شارع علیہ السلام نے اعضائے رئیسہ کے علاوہ نمائندے کے غسل کو مستقل کر دیا۔ اور بدن کے مراکز کے دھو ڈالنے کو گویا تمام بدن کے قائم مقام قرار دے دیا۔ انسان کے بدن کی تمام مشینری کے دو بڑی مرکزی قوتیں اور اس کے دو خادم ہیں (۱) قوت علمی (۲) قوت عملی۔ روح انسانی بدن میں مثل بادشاہ کے ہے اور یہ دونوں قوتیں ان کی رعایا ہیں۔

۱۔ قوت علمی: سر قوت علمی کا مرکز ہے جس میں حس مشترک خیال وہم اور حافظہ اور متصرفہ سب موجود ہیں۔ چہرہ اور اس کے متعلقہ اعضاء اس کے خادم ہیں مثلاً جب بھی آنکھ دیکھتی ہے کان سنتے ہیں ناک سونگھتی ہے تو فوراً دماغ کو مطلع کر دیتے ہیں اور اس خادم چہرہ میں قوائے خمسہ قوت لامسہ قوت ذائقہ قوت شامہ قوت سامعہ اور قوت باصرہ سب موجود ہیں۔ یہ سب دماغ کے خادم اور جاسوس ہیں ہر ایک اپنی ڈیوٹی کے مطابق شئی حاصل کرنا اور دماغ کو حاضر کر دیتا ہے۔

۲۔ قوت عملی: اس کا اصلی مرکز رجلین ہیں جو انسان کے متحرک رہنے چلنے پھرنے اور کام کاج کا ذریعہ ہیں حتیٰ کہ موٹر بسیں اور سائیکل سب پچھلے پاؤں کی وجہ سے متحرک رہتے ہیں اور اگلے پاؤں یا ہاتھ ان کے تابع ہوتے ہیں تو گویا پاؤں قوت عملی کا مرکز ہیں اور ہاتھ ان کے خادم ہیں۔ اب شریعت نے بجائے سارے جسم کے دھونے کے قوت علمی و قوت عملی اور ان کے خادم کو دھونے کا حکم دے دیا۔

ایک فائدہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ الآیہ۔ اس آیت میں خدام کے دھونے کا حکم اول دیا گیا ہے حالانکہ بظاہر عقل یہ کہتی ہے کہ مخدوم و آفیسر کو تقدیم حاصل ہو اور یہی احترام و ادب کا تقاضا بھی ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ عمل اور کام کرتے وقت بہ نسبت مخدوم و آقا کے خادم ہی زیادہ آگے رہتا ہے مخدوم تو صرف حکم و اشارہ کرتا ہے اس لیے وضو جو عمل ہے اس عمل میں خادم زیادہ مشغول رہتے ہیں اس لیے اس کو مقدم کر دیا اور فرمایا فاغسلوا وجوھکم۔ وجہ قوت علمی یعنی راس کا خادم ہے۔ چونکہ قوت علمی قوت عملی سے اشرف ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ وایدیکم۔ چونکہ قوت عملی قوت علمی سے رتبۃً کم درجہ ہے لہٰذا اس کا خادم یعنی یدین بھی قوت علمی کے خادم وجہ سے رتبۃً کم ہوگا اس لیے وجہ کے دھونے کے بعد یدین کے دھونے کا ذکر کیا۔ چونکہ آقا و مخدوم مزدوروں اور عام خدام کی طرح تو کام نہیں کرتے۔ مگر حکم و اشارہ تو کرتے ہیں اس لیے فرمایا "وامسحوا برؤسکم" رؤوس گویا آقا اور آفیسر ہیں۔ آفیسر کا کام تھوڑا اور بعض اوقات محض سر ہلانا ہوتا ہے اس لیے ان کو بجائے دھونے کے مسح کرنے کا حکم دے دیا" کہ افسر کا عمل خفیف ہو۔ وارجلکم۔ پاؤں قوت عملی کا مرکز ہیں جو قوت علمی سے رتبۃً مؤخر اور کم ہے اس لیے ذکر میں بھی اس کو مؤخر کر دیا۔ عام حالات میں پاؤں کے بھی دھونے کا حکم ہے مگر چونکہ ان کا مقام بھی آقا و آفیسر کا ہے اس لیے ان کے اصل رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے خفین کے وقت مسح کا حکم دے دیا۔ جب یہ چاروں اعضاء رئیسہ روح کے فرحت ونشاط اور قبض وبسط کے مظہر ہیں جب وضو میں ان کو دھویا تو گویا حکماً سارے بدن کا غسل ہو گیا۔ جب سارا بدن پاک ہو گیا گویا روح کی بھی صفائی ہو گئی۔ لہٰذا یہ اعتراض ہی باقی نہ رہا کہ خروج نجاست سے جو محل نجس ہو جاتا ہے بس اسی کو دھونا چاہیے اور دوسرے اعضاء غیر ملوثہ کی طرف تعدی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اصلاً ہم نے روح اور سارے بدن کی صفائی کرنی تھی۔ خروج نجاست سے گویا [illegible] نجاست کا اصل معلوم ہوا جو موجب نجاست بدن ہے اور اعضائے رئیسہ کی طہارت موجب طہارت بدن ہے اور طہارت بدن موجب طہارت روح ہے۔ حقائق السنن جلد ۱ ص [illegible]

دخول خلاء کے وقت دعا کیوں؟ سوال یہ ہے کہ اس مقام پر اس دعا کے پڑھنے کی تاکید کیوں آئی ہے جواب واضح ہے کہ کثرت سے احادیث میں آیا ہے کہ ایسی گندی اور نجس جگہوں پر شیاطین کا ورود زیادہ ہوتا ہے گندی اور نجس جگہیں شیاطین کا مرکز ہوا کرتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان ھذہ الحشوش محتضرۃ" (ابوداؤد ج ۱ ص [illegible])

یعنی یہ بیت الخلاء میں شیاطین کی قیام گاہیں ہیں نیز ایک روایت میں ہے کہ ان الشیطان یلعب بمقاعد بنی آدم (سنن الکبریٰ ج ۱ ص [illegible]) یعنی شیطان بنی آدم کے مقاعد سے کھیلتا رہتا ہے۔

شیطان کا مقاعد بنی آدم سے کھیلنے سے مراد کیا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) ایک یہ کہ وہ حقیقتاً مقاعد بنی آدم سے کھیلتا ہے (۲) دوسرا یہ کہ لوگوں کی توجہ ابول وبراز، شرمگاہوں اور عریانی کی طرف مبذول کراتا ہے صرف یہ نہیں بلکہ بعض اوقات شیاطین ان مقامات میں ایذاء رسانی کی بھی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ حضرت سعد بن

عبادہ الخزرجیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب وہ قضاء حاجت کے لیے گئے تو جنات نے ان پر حملہ کر دیا ساتھی انتظار میں تھے تاخیر ہوئی تو جنات کی پُر اسرار غیبی آواز آئی نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ رمیناہ بسھمین فلم نخط فوادہ (المعارف لابن قتیبہ ۲۵۹) معلوم ہوا کہ یہ ایک جن کی آواز تھی جس نے حضرت سعدؓ کو قتل کیا تھا چونکہ جنات کی ایذا کا بھی اندیشہ ہے لہذا حضورؐ نے یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی الخبث والخبائث خُبُث خبیث کی جمع ہے خبیث مذکر جنات کو کہتے ہیں اور خبائث، خبیثۃ کی جمع ہے مراد مادہ جنات ہیں امام خطابیؒ لکھتے ہیں وعامۃ اصحاب الحدیث یقولون الخبث ساکنۃ الباء وھو غلط والصواب الخبث مضمومۃ الباء (معالم السنن ج ۱ ص ۱۰)

حضورؐ اس دعا کا اہتمام کیوں کرتے تھے

یہاں پر ایک اشکال یہ بھی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فضل سے معصوم اور شیاطین سے محفوظ تھے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کیوں پڑھی، محدثین حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شیاطین سے محفوظ اور معصوم تھے مگر اس کے باوجود بھی شیاطین آپ کو چھیڑنے سے باز نہیں رہتے تھے جیسا کہ ایک دفعہ نماز تہجد میں ایک عفریت من الجن نے آپ کی نماز میں خلل ڈالا آپؐ نے اسے پکڑ لیا بتفصیل واقعہ بخاری ج ۱ ص ۶۴ اور ص ۴۸۶ میں موجود ہے۔

امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں اس روایت کو نقل کیا ہے عن ابی الدرداءؓ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فسمعناہ یقول اعوذ باللہ منک ۔۔۔۔۔۔ الی قولہ قال ان عدو اللہ ابلیس جاء بشھاب من نار لیجعلہ فی وجھی فقلت اعوذ باللہ منک۔ الحدیث۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۰۵ مشکوۃ ج ۱ ص ۹۲)

(۲) دخول خلاء اور اس قسم کی دوسری دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے کہی ہیں جیسا کہ ترمذی کی حدیث سے یہی مستفاد ہے عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک فقلت یا نبی اللہ امنا بک وبما جئت بہ فھل یخاف علینا قال نعم ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبھا کیف شاء قال ھذا حدیث حسن صحیح۔

بیان مذاہب اور دلائل

(۱) جمہور فرماتے ہیں جب انسان گھر میں ہو تو قبیل دخول خلاء اور اگر صحرا میں ہو تو قبیل کشف العورۃ یہ دعا پڑھنی چاہیے اور اگر خلاء میں داخل ہو گیا اور دعا نہیں پڑھی تو پھر زبان سے نہ پڑھے بلکہ صرف دل ہی دل میں دعا کا استحضار کرے۔

(۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دخولِ خلا کے بعد کشفِ عورت سے پہلے بھی دعا زبان سے پڑھ لینی چاہیے۔

جمہور کے دلائل

(۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر جاتے (سنن الکبریٰ ج۱ ص۹۵)

وجہ ظاہر ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے نقشہ محمد رسول اللہ (شمائل ترمذی ص۷) جب انگوٹھی کے نگینہ پر کندہ الفاظ وہاں لے جانا درست نہیں تو پھر پڑھنے کے جواز کا فتویٰ کیسے دیا جا سکتا ہے

(۲) عن ابن عمرؓ قال مر رجل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یبول فسلم علیہ فلم یرد علیہ السلام (نسائی ج۱ ص۱۰)

(۳) حضرت مہاجر بن قنفذؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ پیشاب کر رہے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا تو آپ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپؐ نے وضو کیا جب فارغ ہوئے تو معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

کرھت ان اذکر اللہ تعالیٰ ذکرہ الا علی طھر او قال طھارۃ (ابوداؤد ج۱ ص۳)

ایک دوسری روایت میں ہے فلم یرد علیہ السلام حتی توضأ ثم رد علیہ (نسائی ج۱ ص۔)

امام مالکؒ کی دلیل

(۱) امام مالکؒ باب کی اسی حدیث نمبر (۴) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں اذا دخل الخلاء قال کے الفاظ آئے ہیں جن سے متبادر یہی ہے کہ دخول خلا کے بعد بھی یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے نیز یہاں مامور بہ کی ادائیگی مدخول اذا کے بعد ہے جیسے اذا حللتم فاصطادوا تو اس صورت میں اذا فعلت، اذا فرغت کے معنی میں ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ مامور بہ کی ادائیگی اذا کے مدخول سے پہلے واجب ہے جیسے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم، اذا فعلتم اذا اردت کے معنی میں ہے۔

(۲) امام مالکؒ کی دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ (ابوداؤد ج۱ ص۴) اور بخاری ج۱ ص۴۴ میں یہی روایت تعلیقاً مروی ہے مسلم ج۱ ص۱۶۲ میں بھی یہ روایت آئی ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کل احیان کے عمومی الفاظ یہ چاہتے ہیں کہ بیت الخلاء میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ میں احوالِ متواردہ مراد ہیں مثلاً دخول دار کے وقت، خروج دار کے وقت، سوتے اٹھتے وقت، برتنے چلتے وقت، دخول و خروجِ مسجد کے وقت باوضو اور بے وضو

۷۷۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَأَبُو حَاتِمٍ۔

۷۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

غُفْرَانَكَ (اے اللہ! میں آپ کی بخشش طلب کرتا ہوں)

یہ حدیث امام نسائیؒ کے علاوہ اصحابِ خمسہ نے بیان کی ہے، ابن خزیمہ، ابن حبانؒ، حاکم اور ابو حاتم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وغیرہ یعنی وہ اذکار جو خاص خاص مواقع اور اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مطلب یہ ہے کہ آپؐ اپنے شب و روز کی ہر مصروفیت کے وقت کوئی نہ کوئی ذکر ضرور فرمایا کرتے تھے جبکہ اس سے قبل حدیثیں گزر چکی ہیں کہ پیشاب کے وقت حضورؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا تو پھر ذکر کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں ویکرہ الذکر فی حالۃ الجلوس علی البول و الغائط و فی حالۃ الجماع (شرح مسلم ج ۱ صـ ۱۶۲)

(۲) حدیث عائشہ میں ذکر لسانی مراد نہیں ذکر قلبی ہے، امام مالکؒ کا ظاہر حدیث عائشہ سے استدلال اس لیے بھی کمزور ہے کہ اگر ظاہر حدیث پر عمل کیا جائے تو پھر کشف عورت کے بعد بھی دعا کا پڑھنا جائز ہونا چاہیئے حالانکہ خود امام مالکؒ بھی اس کے قائل نہیں معلوم ہوا کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں بلکہ اس میں لفظ کل "اوتیت من کل شیء" کے قبیل سے ہے لفظ کل گویا اکثر کے معنیٰ میں آیا ہے۔

(۷۷) ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ غفرانک۔ یعنی اے اللہ! میں آپ کی بخشش طلب کرتا ہوں۔

وجہ نصب

غفرانک کے منصوب ہونے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) بعض حضرات اس کو مفعول بہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں تقدیر عبارت اسئل غفرانک یا اطلب غفرانک ہے۔

(۲) بعض حضرات نے اسے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا ہے اس صورت میں اس کا

عامل محذوف ہے یعنی اغفر غفرانک اور دوسری صورت اولیٰ ہے کیونکہ رضی شرح کافیہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ایسی تراکیب میں جہاں معمول مصدر ہو اور فاعل کی طرف مضاف ہو مفعول مطلق کے سب سے زیادہ موزوں ہوتی ہیں جیسے کہ اس مثال میں غفرانک مصدر ہے اور اغفر کا معمول ہے اور ک ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے ــــ رضی نے اس موقع پر یہ بھی تصریح کی ہے کہ مفعول مطلق کا عامل چار مقامات پر قیاساً واجب الحذف ہے۔

(۱) مصدر اپنے فاعل کی طرف بواسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے تباً لک۔ سحقاً لک، بعداً لک، بؤساً لک۔

(۲) مصدر اپنے فاعل کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے غفرانک۔

(۳) مصدر اپنے مفعول کی طرف بواسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے شکراً للہ حمداً للہ

(۴) مصدر اپنے مفعول کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے معاذ اللہ، سبحان اللہ، آپ غور کریں تو غفرانک کا عامل بھی وجوباً محذوف ہے کیونکہ وہ مذکورہ صورتوں میں دوسری صورت میں داخل ہے۔

استفراغ من الخلاء سے استغفار کیوں؟

یہاں پر ایک اہم اشکال یا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قضائے حاجت تو امور طبعیہ میں سے ہے جس کے پورا کرنے میں تو کوئی گناہ نہیں ہے نیز طلب مغفرت سبق معصیت کا تقاضا کرتی ہے جب کہ قضائے حاجت معصیت نہیں لہذا یہاں خلاء سے فراغت کے بعد جب گناہ ہی نہیں ہوا تو پھر غفرانک کہہ کر طلب مغفرت کی کیا وجہ ہے۔

ائمہ محدثین اور شارحین حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں جن میں سے بعض زیادہ بہتر اور مشہور درج ذیل ہیں۔

(۱) مومن کی شان یہ ہے کہ ہر وقت خدا کا ذاکر رہے، مگر بحالت قضاء حاجت چونکہ ذکر لسانی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو پھر اس انقطاع ذکر لسانی پہ استغفار کرنا چاہیے جس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ بعد از فراغت غفرانک کہے۔

(۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ قضائے حاجت کے وقت انسان بیت الخلاء میں اپنی نجاستوں کو خود دیکھتا ہے پھر اس کا ذہن ان ظاہری نجاستوں سے اپنی باطنی نجاستوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ اپنی باطنی نجاستوں کا استحضار کرنے لگتا ہے جب اسے اپنی باطنی نجاستیں مستحضر ہو جاتی ہیں تو یہ استحضار اس کے لیے موجب استغفار بن جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اصل نجاست تو گناہ ہے جس کا تعلق باطن سے ہے۔

(الکوکب الدری ج ۱ ص [illegible])

(۳) طعام اور جملہ ماکولات و مشروبات پھر ان کی تیاری میں کائنات کے ذرہ ذرہ کا استعمال و خدمت، ان سے ان کی حیات اور وجود کا قیام، غذا کے عمدہ اجزاء کا بدن کا حصہ بننا، اور فضلہ جات کا قضاء حاجت کی صورت میں خارج ہونا، انسان کی صحت اور حیات کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے یہ استغفار اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ انسان اس نعمت عظیمہ کا حق شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ توجیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود (ج ۱ ص ۱۵) میں کی ہے۔

(۴) علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ابوداؤد کی شرح میں فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کے باوجود بھی شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو اُن کو قضاء حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی استفراغ کے بعد اس کی بدبو آنے لگی تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں "غفرانک" کے ساتھ استغفار کیا کہ اصل لغزش پھل کھانے سے ہوئی اب ان کی اولاد ان کی پیروی کرتے ہوئے "غفرانک" کہتی ہے۔

(مرقاۃ الصعود شرح ابوداؤد)

(۵) سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے بھی اس کی متعدد توجیہات بیان فرمائی ہیں ان میں ایک توجیہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ بہر دو امور کا سبب کثرت اکل و شرب ہے جو امور اختیاریہ سے ہے کیونکہ جس قدر بھی انسان زیادہ کھاتا ہے اسی نسبت سے قضائے حاجت کی بھی ضرورت پڑتی ہے کثرت اکل و شرب سے پیدا ہونے والا نتیجہ قضائے حاجت جو محرومی ذکر کو مستلزم ہے کو علماً اختیاری سمجھ کر استغفار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ (حقائق السنن ج ۱ ص ۱۳۲)

(۶) مومن کو اسلامی تعلیمات میں یہی بتایا گیا ہے کہ وہ شیاطین اور ان کے مراکز سے دور رہے قضاء حاجت کے وقت چونکہ بامر مجبوری بیت الخلاء جانا پڑتا ہے اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ جنات وغیرہ کی حاضری کے مقامات ہیں تو اس وقت میں، اور اس حالت و ہیئت میں شیاطین کا تلبس، معیت اور تلوث ہوتا ہے لہذا ان کے مقابلہ میں طلب مغفرت کو ضروری قرار دیا گیا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی یہی توجیہ ذکر کی ہے "وسنّ الخروج غفرانك لانه وقت ترك ذكر الله ومخالطة الشياطين۔"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۸۲)

(۷) محدث العصر علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ "غفرانک" درحقیقت شکر کے مفہوم میں آیا ہے انہوں نے حوالہ میں سیبویہ کا قول پیش کیا ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ محاورہ مشہور ہے کہ "غفرانك لا كفرانك" جس میں غفرانک کا معنیٰ شکر ہے جو کفرانک کے تقابل سے معلوم ہوا لہذا یہاں بھی یہی مراد لی جائے تو زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جیسے حضرت انس

نے روایت کیا ہے کہ خروج من الخلاء کے وقت حضورؐ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی (ابن ماجہ باب مایقول اذا خرج من الخلاء)

یہی روایت نسائی میں حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے (معارف السنن)

دو روایات میں تطبیق

خلاصہ یہ کہ خلاء سے نکلتے وقت "غفرانک" کہنا سنت ہے اور ابن ماجہ اور نسائی کی روایت میں "الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی" کے الفاظ آتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کر دیا ہے محدثین حضرات دونوں میں تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ دعا پڑھتے تھے کبھی وہ علماء فرماتے ہیں کہ جو دعا بھی پڑھ لی جائے سنت ادا ہو جاتی ہے البتہ دونوں کو جمع کر لینا زیادہ بہتر ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کس لیے؟

حافظ ابن حجر اور بعض دیگر محدثین نے یہاں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطاء تھے نیز آپؐ کے "ما تقدم وما تاخر" کی مغفرت کا اعلان کیا گیا تھا مگر اس کے باوجود آپؐ طلب مغفرت اور استغفار کیوں کرتے تھے۔

محدثین حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اگر "غفرانک" کو شکر کے معنی میں لیا جائے پھر تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا استغفار کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ طلب مغفرت ہی کے لیے ہو بعض اوقات شکر، اور ترقی درجات بھی مطلوب ہوتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار معاصی سے نہیں تھا بلکہ ترقی درجات کے لیے تھا۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم تب ہی زیادہ مؤثر ہوتی ہے جب معلم خود بھی عامل ہو۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وصال اور کمالات ودرجات میں ہر لمحہ ترقی ہوا کرتی تھی آپؐ کو آج ایک مقام معرفت حاصل ہوجاتا اور اس کی رفعت دیکھ لیتے تو پہلے مقامات اور درجات کی حیثیت اور تقصیر پر استغفار کرتے تھے

(۴) ذنوب امت اور مغفرت عامہ کے لیے استغفار کیا کرتے تھے۔

(۵) آپ کا استغفار تواضع اور عبدیت پر محمول ہے۔

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر وقت ذات وصفات باری تعالیٰ کے مراقبہ ومشاہدہ میں مشغول رہتے تھے خلاء کے وقت بھی آپ کا ذکر قلبی جاری رہتا تھا اور آپؐ کو کیفیت حضوری حاصل رہتی تھی استفراغ

۲۷۔ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُمْسِکَنَّ اَحَدُکُمْ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ وَھُوَ یَبُوْلُ وَلَا یَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِیَمِیْنِہٖ وَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۲۷۔ حضرت ابوقتادہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اپنا عضو تناسل نہ پکڑے، اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور نہ (پانی وغیرہ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لے۔ یہ حدیث شیخین نے بیان کی ہے۔

کے بعد آپؐ کو احساس ہوتا کہ ذکر کے لیے جس قدر طہارت اور پاکیزگی ضروری ہے وہ قضاء حاجت میں بوجہ ضرورت کے حاصل نہ ہوگی جس سے آپؐ استغفار فرمایا کرتے۔

(۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ "ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا (الآیۃ)" یعنی غافلین کی محفل و مجلس سے مخالطت سے اجتناب کا حکم تھا بیت الخلاء میں جانا اگرچہ طبعی تقاضا کی تکمیل تھی مگر پھر بھی شیاطین کے ساتھ ایک گونہ مخالطت تھی جس سے آپؐ استغفار کرتے تھے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ" اس حدیث سے معارض ہے اور انقطاع ذکر کو حضورؐ کی طرف منسوب کرنا کسی بھی حالت میں درست نہیں وجہ ظاہر ہے کہ حدیث عائشہؓ میں ذکر سے مراد ذکر جلی ہے اور اگر ذکر لسانی مراد لیں تو احیان سے مراد احوال متزادفہ اور متعددہ ہیں جیسے نوم، یقظہ، خلاء، جماع اور طعام وغیرہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی لکھا ہے کہ دراصل انسان کا فریضہ تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے لیکن انسان اس سے عاجز ہے اس لیے کبھی کبھی ذکر کر لینے سے اس فریضہ کو ادا کر سکتا ہے پھر بھی عموماً اس سے غفلت ہو جاتی ہے شریعت مطہرہ نے احوال متواردہ کی دعائیں اسی لیے مقرر کر دی ہیں کہ اس غفلت کا سدباب ہو سکے۔ اسی طرح بعض حضرات نے حدیث عائشہؓ میں ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ "کل احیانہ" ذکرؐ کے پیش نظر چونکہ حضورؐ کا سانس ساعت تھا آپؐ ہر لمحہ مطیع رہتے تھے لہٰذا ہر لمحہ ذاکر بھی تھے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض لوگ نادانی سے احوال متواردہ کی دعاؤں میں بھی ہاتھ اٹھاتے ہیں حالانکہ حضورؐ سے ایسا ثابت نہیں تو احوال متواردہ میں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا صرف احوال غیر متواردہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲۷) یہ حدیث حضرت قتادہؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاشربہ میں امام مسلمؒ

نے ج ا صـ۱۳۱ میں اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے مضمونِ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اپنا عضوِ تناسل نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ پانی اور مشروبات پیتے وقت برتن میں سانس لے۔

تین امور سے ممنوعیت

اس حدیث میں تین امور بیان کیے گئے ہیں (۱) پیشاب کرتے وقت عضوِ تناسل کو داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے (۲) بول و براز سے فراغت کے بعد اپنے ہاتھ کو استنجاء کے لیے استعمال نہ کیا جائے (۳) پانی اور مشروبات پیتے وقت برتن میں سانس نہ لے۔

شرافتِ یمین

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ سے مس ذکر اور استنجاء کی ممانعت فرمائی ہے مقصود دائیں ہاتھ کی تکریم اور بائیں ہاتھ پر اس کی تشریف اور تفضیل کا اظہار ہے قرآن مجید میں بھی اہل جنت کو "اصحاب الیمین" اور اہل جہنم کو "اصحاب الشمال" سے تعبیر کیا گیا ہے خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو طعام اور کھانے پینے کے لیے استعمال فرمایا اور استنجاء، نجاست اور اعضاءِ فاحشہ کے مس کرنے سے محفوظ رکھا، بائیں ہاتھ کو نجاست اور بدن کی صفائی کے لیے مقرر فرمایا فطرتِ سلیمہ اور شریعتِ مطہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ امورِ شریفہ کو اعضاءِ شریفہ سے اور امورِ خسیسہ کو اعضاءِ خسیسہ کے ساتھ انجام دیا جائے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد

سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد ہے۔ حدیث باب میں استنجاء بالیمین سے منع کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر دایاں ہاتھ بھی عام رذائل، انجاس اور مس اعضاءِ فاحشہ میں مشغول رہتا تو کھانا کھانے کے دوران اس کے تلویث کے تصور سے طبیعتِ صحیحہ اور فطرتِ سلیمہ کو کراہت محسوس ہوتی اور اس تصور اور احساس سے اس کے کھانے میں لطافت اور طبیعت میں انشراح باقی نہ رہتا (حقائق السنن ج ۱ صـ۱۳۲)

کراہتِ تحریمی یا تنزیہی

باقی رہا یہ سوال کہ اس ممنوعیت کو کراہتِ تحریمی پہ محمول کریں گے یا کراہتِ تنزیہی پہ —— اہل ظاہر اس کی حرمت کے قائل ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ایک عجیب و غریب بحث

حدیث میں مس ذکر بالیمین اور استنجاء بالیمین کی ممانعت کے پیشِ نظر بعض اجلہ علماء اور عظیم شارحین حدیث مثلاً حافظ ابن حجرؒ، علامہ خطابیؒ اور بعض دوسرے جلیل القدر محدثین نے بھی یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ صرف بائیں ہاتھ سے دونوں کا (مس ذکر اور استنجاء) کس طرح ممکن ہے؟ پھر اس کے جواب میں عجیب و غریب تجاویز اور طریقے بتانے میں سب الجھ کے

ہیں، ورنہ یہ ساری بحث بے فائدہ ہے اگر آپ غور کریں تو محض بیسارت استنجا کرنے میں کوئی مشکل اور کوئی دشواری ہی نہیں بائیں ہاتھ میں ڈھیلا لے اور پھر بائیں ہاتھ ہی سے اس کو استعمال کیا جائے حد درجہ آسان اور ممکن ہے اور اگر کسی وقت کوئی دشواری پیش آ بھی جائے تو کسی ایک ادب کا ترک کر دینا بھی جائز ہے مثلاً بائیں ہاتھ کے ساتھ مس ذکر کرے اور دائیں ہاتھ میں ڈھیلا پکڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ استنجاء بالیمین سے نہی میں شارع علیہ السلام کی غرض ممکن حد تک ممنوعیت ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ دائیں ہاتھ سے استعانت بھی ممنوع ہے۔

برتن میں سانس لینے سے ممنوعیت اور اس کی حکمت

ولا یتنفس فی الاناء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق آداب الخلاء کے ساتھ زندگی کے سلسلہ آداب سے ہے برتن میں سانس لینے میں مضرت یہ ہے کہ منہ سے نکلی ہوئی کسی چیز سے یا گندی بھاپ سے وہ پانی دوسروں کی نظر میں مکروہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کے پینے سے طبعی نفرت اور گھن کرتے ہیں اسلام نے یہ ادب سکھایا ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے یہ مویشیوں اور چوپایوں کی عادت ہے کہ وہ پانی میں منہ ڈالنے کے بعد حرص کی وجہ سے پھر منہ ہٹاتے ہی نہیں مسلسل پانی پیتے جاتے ہیں اور پانی میں سانس بھی لیتے جاتے ہیں ولا یتنفس فی الاناء کی مراد یہی ہے کہ جب تم کوئی مشروب یا پانی پیو تو سانس لیتے وقت برتن کو اپنے منہ سے الگ کر لو اور تین سانس میں پیو اس تادیب اور تعلیم آداب میں ایک تو مبالغۃ فی النظافت کا فائدہ ہے دوسری اس میں طبی مصلحت بھی ملحوظ ہے علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پینے کی وجہ سے پانی زیادہ مقدار میں معدے میں جا کر اس کی حرارت کو ختم کر دیتا ہے اگر معدے میں حرارت نہ رہے تو اس میں پہنچنے والی غذا کچی رہتی ہے یہی حال جگر کا ہے نتیجۃً غذا کا مقصد فوت ہو جائے گا غذا پورے اعضاء کو حسب ضرورت اسی وقت پہنچتی ہے جب معدے کا عمل درست ہو اور اس کی حرارت سے غذا پک جائے غذا کے پکنے کے بعد ہی خون، بلغم، سودا، صفرا ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے مقام پر پہنچتے ہیں اور بدن کے ہر حصے کو غذا ملتی ہے ضعیفی میں بدن کی کمزوری کا سبب اس حرارت معدی کی کمی ہے کہ غذا پوری طرح پکتی نہیں اور اعضاء کمزوری و ضعیفی اور انحطاط کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔

(فضل الباری ج ۲ ص ۲۵۲)

۷۷۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِيْ يَتَخَلّٰى فِيْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ فِيْ ظِلِّهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۷۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہت زیادہ لعنت کرنے والی دو چیزوں سے بچو (یعنی دو چیزیں کثرت لعنت کا سبب ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ تعالی کے پیغمبر! وہ کثرت سے لعنت کرنے والی دو چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا "وہ شخص جو لوگوں کے راستہ یا ان کے سایہ کی جگہ میں پاخانہ کرتا ہے" یہ روایت مسلم نے بیان کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۳۱ کتاب الطہارۃ باب الاستطابہ میں نقل کیا ہے۔

کثرتِ لعنت کے افعال آداب الخلاء سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کے راستوں، بیٹھنے کی جگہوں عام گذرگاہوں، گرمی میں ضرورت اور استعمال کے سایوں اور سردیوں میں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ والی دھوپ لگنے کے مقامات میں بول و براز سے احتراز کیا جائے یہ حدیث مذکورہ مقامات پر بول و براز کرنے کی تحریم پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مسلمانوں کو اذیت ہوتی ہے جو گذرتا ہے اسے نجاست سے تلوث کا اندیشہ ہوتا ہے لطیف طبیعتیں بدبو اور نجاست کے دور سے نفور کرتی ہیں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

قال الابھری ومواضع الشمس فی الشتاء کالظل فی الصیف یعنی فی موضع یتشمسون ویتدفئون بہ کما فی البلاد الباردۃ (فتح الملہم ج ۱ ص۲۲۷)

اتقوا اللعانین۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں یہاں لاعنین سے مراد وہ ایسے امر ہیں جو لعنت کی انگیخت کا ذریعہ اور کثرت سے لوگوں کی طرف سے لعنت بھیجنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور وہ اس طرح کہ جو لوگ ان دو امور کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عامۃ الناس میں گالیاں دیئے جاتے اور لعنت کیے جاتے ہیں چونکہ ان افعال کے مرتکبین لعنت کا سبب بنتے ہیں اس لیے لعنت کی نسبت بھی ان کی طرف کی گئی ہے بطور مجاز عقلی کے۔ کبھی لاعن بمعنی ملعون کے بھی آتا ہے یعنی جو ان افعال کے فاعل ہوں گے وہ ملعون ہوں گے ای ملعون فاعلھما فھوکذلک من المجاز العقلی (فتح الملہم ج ۱ ص۲۲۷)

۷۸۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۸۔ حضرت انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک اور لڑکا پانی کا ایک چھوٹا برتن (لوٹا) اور چھوٹا نیزہ اٹھاتے تھے آپ پانی سے استنجاء فرماتے۔ یہ حدیث شیخین نے بیان کی ہے۔

---

(۷۸): مضمونِ حدیث تو یہ ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو میں اور میرے ساتھ ایک دوسرا لڑکا پانی کا ایک چھوٹا برتن لوٹا وغیرہ اور عنزہ (برچھا یا نیزہ) اٹھاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔

حضرت انسؓ اور خدمت رسولؐ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی عمر اس وقت دس سال تھی آپؐ کو خادم کی ضرورت تھی جب بچہ طلب فرمایا حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت انسؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خدمت کے لیے پیش فرمایا حضرت انسؓ نے دس سال تک حضورؐ کی رفاقت اور قربت میں رہ کر مخلصانہ خدمت کی سعادت حاصل کی ۔۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ والدین اور خاندان کے بزرگ حصولِ علم، حصولِ فضل و شرف اور حصولِ دعا و تربیت کے لیے اپنے بچوں کو صالحین، بزرگوں اور مربیّین کی سپردگی میں دے سکتے ہیں نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ استنجاء اور وضو کے سلسلہ میں دوسروں سے خدمت لینا جائز ہے مثلاً پانی وغیرہ کی ضرورت ہو تو خادم سے طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں خصوصاً ایسی صورت میں جب کچھ اللہ کے بندے خود کو خادمانہ حیثیت سے پیش کریں اور وہ اس خدمت کو اپنے لیے مشقت اور عار نہیں بلکہ شرف اور سعادت سمجھتے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت انسؓ کی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل رہا بلکہ اسی خدمت کی برکت سے انہیں "صاحب النعلین والمطهور والوساد" کا لقب ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ حدیث و فقہ اور علوم نبوت و معارف قرآنیہ کا مخزن تھے نہایت قدیم الاسلام اور جلوت و خلوت اور سفر و حضر میں سایہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے تھے ان کو صاحب النعلین والمطهور والوساد کا لقب بھی اس لیے

ما تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کی حفاظت کرتے اور ضرورت پر اپنی آستین سے نعلین نکال کر دیتے استنجا اور وضو کے لیے پانی حاضر خدمت کرتے اور آپ کا بستر اٹھانے سنبھالنے اور بچھانے رہتے تھے۔

عنزہ برچھی اور چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں یہ ایک آلۂ حرب ہے بعض حضرات عنزہ کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ لاٹھی جس میں لوہے کی شام لگی ہوئی ہو بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عنزہ نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا

وفی الطبقات اَهْدَی النَّجَاشِیُّ اِلَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث عَنَزَاتٍ فَاَمْسَكَ وَاحِدَةً لِنَفْسِهٖ وَاَعْطٰی عَلِیًّا وَاحِدَةً وَاَعْطٰی عُمَرَ وَاحِدَةً۔ (طبقات ابن سعد)

عنزہ ساتھ رکھنے کے ثمرات سوال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عنزہ (برچھی) ساتھ کیوں رکھا کرتے تھے۔ شارحین حدیث نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) قضاء حاجت کے وقت ستر اور پردہ کے لیے اس کو ساتھ رکھتے تھے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس توجیہ کی تضعیف کی ہے فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ اس لیے درست نہیں قرار دی جا سکتی کہ ستر تو اسافل بدن کے لیے ہوتا ہے اور برچھی ستر کا کام نہیں دے سکتی البتہ یہ ممکن ہے کہ سامنے برچھی گاڑھ کر اس پر ستر کے لیے کپڑا ڈال دیا کرتے ہوں۔

(۲) قضائے حاجت کے وقت سامنے یا قریب گاڑھ دیتے ہوں تاکہ گذرنے والوں کے لیے ممانعت اور احتیاط کا اشارہ ہو۔

(۳) موذی جانوروں سے برچھی کے ذریعہ حفاظت مقصود تھی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے دور جایا کرتے تھے۔

جمع بین الاحجار والماء، اور مسجد ضرار و مسجد قباء (۴) مندرجہ بالا توجیہات ممکن ہیں مگر زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ عنزہ کے ساتھ رکھنے کا مقصد زمین سے ڈھیلے نکالنا بھی قرار دیا جائے تو زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء میں ڈھیلوں اور پانی کو جمع کرنا پسند فرماتے تھے جیسا کہ اہل قبا کے واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے پانی اور احجار دونوں کے جمع کرنے کی تصریح اگرچہ کسی مرفوع روایت میں نہیں آئی تاہم مسند بزار میں بسند ضعیف ایک روایت ہے جسے اکثر تفاسیر نے بھی "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" (توبہ ۱۰۸) کے ذیل میں لکھا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اوّل مدینہ منورہ

سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام پذیر ہوئے پھر چند روز بعد مدینہ کے شہر میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع فرمایا اس محلہ میں جہاں آپ زیادہ تر نمازیں پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جسے مسجد قباء کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور صحابہ کرامؓ کو اس کی بڑی فضیلت بیان فرماتے تھے ابو عامر راہب کی تحریک پر منافقین مدینہ نے ایک عمارت مسجد کے نام سے بنائی تاکہ نماز کے بہانے جمع ہو کر اسلام کے خلاف سازشیں کر سکیں اس مسجد ضرار کی تعمیر کے لیے بہانہ یہ کیا گیا کہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بوڑھوں اور ناتوانوں کو مسجد قباء تک جانا دشوار ہوتا ہے اس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں جا کر ایک مرتبہ نماز پڑھنے کی درخواست بھی کی تاکہ سادہ دل مسلمان ان کے جال میں پھنس. جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس مکان کو جس کا نام ازراہ فریب مسجد رکھا گیا ہے گرا کر پیوند زمین کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپ اس مسجد میں کبھی نماز کے لیے کھڑے نہ ہوں جس کی بنیاد عداوت اسلام پر رکھی گئی ہو آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کے نمازی گناہوں، شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک و صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قباء سے دریافت فرمایا کہ تم طہارت اور پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو: جو حق تعالیٰ شانہ نے فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۔ نازل فرما کر تمہاری تطہیر کی تعریف فرمائی انہوں نے عرض کیا کہ ہم ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سنا تو ارشاد فرمایا فَعَلَيْكُمُوْهُ یعنی اس پر سختی سے کاربند رہو ——

حدیث ضعیف کا حکم

جمع بین الحجر والماء سے متعلق یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہوا کرتی ہے پھر امام ابن ہمامؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ روایت ضعیف سے کسی چیز کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے کہ استحبابی حکم بھی تو فضائل اعمال کے تحت آتا ہے۔

مشہور شارح حدیث قسطلانیؒ نے جمع بین الحجر والماء کی افضلیت پر جمہور سلف وخلف کا اجماع نقل کیا ہے یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ براز میں جمع بینہما تو ثابت ہے بول میں اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی تصریح مذکور نہیں مگر جو علت براز کی ہے یعنی کمال طہارت اور زیادہ نظافت کا حصول وہی علت بول میں بھی موجود ہے لہذا بول میں بھی جمع بینہما کو اسی طرح افضلیت حاصل ہے جس طرح براز میں ہے

بَابُ مَا جَآءَ فِى الْبَوْلِ قَآئِمًا

۷۹۔ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ قَآئِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا جَالِسًا ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا اَبَا دَاؤُدَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ ۔

باب ۔ جو روایات کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بارہ میں ہیں ۔ ۷۹۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا ۔ جو شخص تم میں سے بیان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب فرماتے تھے، تو اس کی تصدیق نہ کرو، آپ تو بیٹھ کر ہی پیشاب فرماتے تھے ۔ یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اصحاب خمسہ نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے ۔

(۷۹ تا ۸۱) زمانہ جاہلیت میں شرم وحیا، کشف عورت اور ستر وحجاب کا کوئی رواج نہیں تھا قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تو کھڑے کھڑے پیشاب کر دیا کرتے تھے خود کو پیشاب کے چھینٹوں سے بچانے کا کوئی اہتمام نہ تھا انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا بیٹھ کر پیشاب کرنا بڑا عجیب لگتا تھا وہ جب حضورؐ کو بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھتے تو ایک دوسرے سے کہتے یبول کما تبول المرأۃ، جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دوشیزہ سے زیادہ حیادار تھے کفار کے اس اعتراض کے جواب میں وحی نازل ہوئی یا ایها الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبرأه الله مما قالوا وکان عند الله وجیها۔

مضمون حدیث | مصنفؒ اس باب میں تین روایات لائے ہیں حدیث ۷۹ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو وہ تو بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے ۔

مگر یاد رہے کہ " نہی عن البول قائما " میں جس قدر روایات بھی آئی ہیں سب ضعیف ہیں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی ایک راوی قاضی شریک کی وجہ سے بالاتفاق ضعیف ہے کیونکہ جب وہ کوفے کے قاضی بن گئے تو ان کے حفظ میں تغیر آگیا تھا مگر امام ترمذیؒ نے اس کے باوجود بھی اس روایت کو " وحدیث عائشۃ احسن شیء فی ھذا الباب " قرار دیا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس باب میں وارد تمام احادیث میں حضرت عائشہؓ کی روایت کا اسنادی ضعف کم ہے ۔

۸۰۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۸۰۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے تو آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا، پھر آپ نے پانی منگایا، تو میں آپ کے پاس پانی لایا، پھر آپ نے وضو فرمایا۔

اسے محدثین کی جماعت نے بیان کیا ہے۔

حدیث نمبر ۸۰ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس آئے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر حضورؐ نے پانی طلب فرمایا تو میں آپ کی خدمت میں پانی لایا آپؐ نے وضو فرمایا۔

سباطہ مبذلہ اور کناسہ کو کہتے ہیں یعنی ایسی جگہ جہاں گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا جائے۔

حدیث ۸۱ میں حضرت عمر فاروقؓ کا فعل منقول ہے فرماتے ہیں جب سے میں اسلام لایا تب سے کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

بیان مذاہب

(۱) جمہور ائمہؒ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے بول قائماً مکروہ تنزیہی ہے بوجہ عذر کے جائز ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر احتمال تلویث نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر تلویث کا احتمال ہو تو تحریمی ہے۔

(۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر چھینٹے پڑنے کا احتمال ہو تو حرام ہے ورنہ کوئی حرج نہیں۔

(۳) امام احمدؒ سعید بن المسیبؒ اور عروہؓ بن زبیر تابعین مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

دلائل اور جوابات

۱ جمہور کا مستدل حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے اگر بول قائماً حرام ہوتا تو آپؐ کبھی بھی اس کا ارتکاب نہ کرتے پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیوں کیا امام انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بیان جواز کے لیے تھا (العرف الشذی ص۔۔۔) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فعل بھی نہی تنزیہی کے خلاف ہو مقصود تعلیم امت اور بیان جواز ہوتا ہے حضورؐ کے لیے اس میں کراہت باقی نہیں رہتی حضورؐ جو مکروہ تنزیہی کا ارتکاب تشریع کے لیے کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل ویسے ہی مستحسن ہے جیسے دیگر افعال۔ البتہ امت کے لیے مکروہ تنزیہی ہوگا۔

۸۱۔ وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا بُلْتُ قَائِمًا مُنْذُ اَسْلَمْتُ۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

۸۱۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں جب سے اسلام لایا ہوں، میں نے کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔" اسے بزار نے روایت کیا ہے (علامہ) ہیثمیؒ نے کہا اس کے رجال ثقہ ہیں۔"

امام مالکؒ حدیث عائشہؓ کو اپنا مستدل بناتے ہیں اور فرماتے ہیں بول کے بارے میں کثرت سے تشدید روایات وارد ہیں اور اکثر عذاب قبر ابوال میں عدم احتیاط کی وجہ سے ہوتا ہے کہ چھینٹے پڑتے ہیں لہذا بول قائماً حرام ہے

رفع تعارض بظاہر دونوں روایات حدیث عائشہ اور حدیث حذیفہؓ میں تعارض ہے حدیث عائشہؓ مجوزین کے خلاف پڑتی ہے رفع تعارض اور حدیثین کا صحیح محل بیان کرتے ہوئے جمہور نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ کی نفی فرماتی ہیں کیونکہ لفظ "یبول" مضارع کا صیغہ ہے پھر جب اس پر کان داخل ہو جائے تو اس کا مدلول استمرار ہوتا ہے لہذا فلا تصدقوہ سے حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ ہے کہ بول قائماً آپ کی ہمیشہ کی عادت نہ تھی۔ حضرت حذیفہؓ اپنی روایت میں نہ تو آپ کی عادت بیان فرماتے ہیں اور نہ بول قائماً پر استمرار بلکہ زندگی کے ایک واقعہ جزئیہ کا تذکرہ ہے زندگی میں ایک آدھ دفعہ بول قائماً ثابت ہے جس کو عادت نہیں کہا جاسکتا۔ تین مرتبہ سے زائد جب ایک کام کیا جائے تو اس کو عادت کہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ اگر کوئی حضورؐ کے بول قائماً کو ان کی عادت مستمرہ بتائے تو اس کی تصدیق نہ کرو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت حذیفہؓ کی روایت کی بھی تصدیق نہ کرو۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے علم کی بنا پر نفی کر رہی ہیں اور حضرت حذیفہؓ اپنے علم کی بنا پر اثبات کر رہے ہیں (فتح الباری ج ۱ صـ۳۲۹) توضیح اس کی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو گھر کے اندر کی حالت اور ہیئت کا علم تھا اس لیے اس نے اپنی معلومات کی حد تک حضورؐ کے بول قائماً کی نفی کی ہے جس سے مطلق نفی لازم نہیں آتی جب کہ حضرت حذیفہؓ رجال سے ہیں انہوں نے سفر میں غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت، بول قائماً کی ہیئت کو دیکھا تو محفوظ کر لیا گویا بول قائماً گھر سے باہر کی حالت پر محمول ہے۔

(۳) نهی عن البول قائماً سے نہی تنزیہی مراد ہے تحریمی نہیں خود امام ترمذیؒ نے اسی باب میں اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے فرماتے ہیں ومعنی النهی عن البول قائما علی التادیب لا علی التحریم۔

(۴) علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں غیر عذر اور حدیث حذیفہؓ میں عذر کا امکان ہے اور بوجہ عذر کے بول قائماً ممنوع نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی دور جانے کی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذھب المذھب ابعد (ابو داؤد ص۲ دفی روایۃ حتی لا یراہ احد) جب کہ اس روایت میں ہے کہ آپ نے یہاں قریب سباطۃ قوم پر پیشاب کیا جو آپ کے عام معمول کے خلاف ہے۔اس کی متعدد توجیہات نقل کی گئی ہیں۔

(۵) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عامۃ المسلمین کے امور میں مصروف تھے کافی دیر گزر چکی تھی بول کی شدید حاجت کے پیش نظر دور جاتے تو تکلیف کا اندیشہ تھا اس لیے قریب پیشاب کیا (شرح المسلم للنووی ج ۱ ص۱۳۳)

(۲) ابعاد فی المذھب کا معمول براز کے لیے ہے جب کہ بول کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں ستر بھی بسہولت ہو جاتا ہے اور فراغت بھی جلدی ہو جاتی ہے۔

(۳) ایک توجیہ یہ بھی ہے اور ماقبل کا گویا ضمیمہ ہے کہ دور جانے سے مقصود استتار ہوتا ہے یہاں سامنے سباطۃ قوم تھا اور حضرت حذیفہؓ کے پیچھے کھڑا کر دینے سے مزید اہتمام تستر کا مقصد حاصل ہو گیا۔

(حقائق السنن)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد

سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے یہاں پر یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حذیفہؓ کو قریب بلانے اور ان کو تستر کا ذریعہ بنانے سے اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اپنے قریبی اور بے تکلف ساتھی یا خادم کو ایسے موقع پر قریب بلا سکتے ہیں اور اس سے اس نوعیت کی خدمت بھی لی جا سکتی ہے۔

بول قائماً کے وجوہات کیا تھے

اب سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے ہمیشہ کے معمول بول قاعداً ترک کر کے بول قائماً کیوں کیا، شارحین حدیث نے اس کے بھی متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) امام حاکمؒ نے مستدرک میں امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ میں لکھا ہے کہ آپ کو کوئی جسمانی عذر اور تکلیف تھی بیٹھنے سے معذور تھے (مستدرک حاکم ج ۱ ص۱۸۲) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بال قائماً من جرح کان بمأبضه (سنن الکبریٰ ص۱۰۱) مابض گھٹنے کے درد کو کہتے ہیں۔

(۲) امام بیہقیؒ نے ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ آپؐ نے حصول استشفاء (عن وجع الصلب) کی غرض سے بول قائماً کیا وجہ یہ ہے کہ آپؐ کی کمر میں درد تھا عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کمر میں درد ہوتا تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو ایک طریقۂ علاج سمجھتے امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ولعلہ کان بہ وجع الصلب (سنن الکبریٰ ص۱۰۱)

(۳) امام بیہقیؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی کیونکہ سباطۂ قوم کی وضع مخروطی تھی سطح ڈھلوانی تھی سامنے کا حصہ بلند اور پچھلا حصہ گہرا تھا اگر بیٹھتے تو بول لوٹنے کا احتمال تھا رخ بدلتے تو کشفِ عورت لازم آتا لہٰذا بول قائماً کے سوا چارہ ہی نہ تھا علامہ عثمانیؒ نے بھی یہی وجہ نقل کی ہے (فتح الملہم ج۱ ص۴۱۲)

(۴) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے بسا اوقات خروجِ ریح مع الصوت کا احتمال ہوتا ہے اور مجمع کے قریب انسان اخراجِ صوت سے شرماتا ہے اس لحاظ سے قیام ہی بہتر تھا۔ (نیل الاوطار ج۱ ص۱۰۸)

اس توجیہ کو ملحوظ رکھ کر بعض علاقوں میں جو خروجِ ریح مع الصوت کو نہ تو عار سمجھا جاتا ہے اور نہ اس پر کوئی نکیر کی جاتی ہے کتنا غلط رواج ہے جسے بعض علمی اور دینی حلقے بلکہ عظیم شخصیتیں بھی روا جا قبول کر چکی ہیں انہیں اس پر غور کرنا چاہیئے اور اس غلط رواج کو بہرحال کم از کم ورثاءِ علوم نبوت کے ماحول میں تو ختم ہونا چاہیئے۔

(۵) حضورؐ کا بول قائماً بیان جواز کے لیے تھا تعلیم امت مقصود تھی نیز نہی کے عدم تغلیظ ہونے پر تنبیہ بھی مقصود تھی کہ یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں (۶) شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے " فبال قائماً " یہ سرعت سے کنایہ ہے کہ تشریف لے گئے اور پیشاب سے جلد فارغ ہو کر آ گئے "

سباطۂ قوم کا استعمال

باقی رہا یہ سوال کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سباطۂ قوم کو بغیر قوم کی اجازت کے کیوں استعمال کیا تو شارحین حدیث نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) سباطہ کسی قوم کی ملکیت نہیں تھا کوڑا کرکٹ پھینکنے کی وجہ سے اسناد مجازی ہے گویا ایک قسم کی شاملات تھی۔ (فتح الباری ج۱ ص۲۲۹)

(۲) سباطوں پر عادۃً لوگ پیشاب کرنے سے منع نہیں کرتے اسے اذنِ عادی کہتے ہیں اس کی نظیر بعینہٖ وہی ہے کہ ایک شخص ایسی زمین سے جس کا مالک موجود نہ ہو ڈھیلا یا پتھر اٹھا لے اور اس سے مالک کی ملکیت کو ضرر نہ پہنچے تو عادۃً وعرفاً ایسا کرنے کی عام اجازت ہوتی ہے صحابہ کرامؓ تو آپؐ پر جان دینے کے لیے تیار تھے پھر ڈھیلوں کے اٹھانے یا ان کے سباطوں کے استعمال میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شرعاً اس کا اختیار تھا کہ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَوْلِ الْمُنْتَقَعِ

۸۲۔ عَنْ بَكْرِ بْنِ مَاعِزٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُنْقَعُ بَوْلٌ فِي طَسْتٍ فِي الْبَيْتِ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ بَوْلٌ مُنْتَقَعٌ وَلَا تَبُوْلَنَّ فِي مُغْتَسَلِكَ ۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔

باب ۔ جو روایات جمع کیے ہوئے پیشاب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

۸۲۔ بکر بن ماعز نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا کہ آپ نے فرمایا "گھر میں کسی برتن میں پیشاب جمع نہ کیا جائے بلاشبہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں پیشاب جمع کیا ہوا ہو، اور تم اپنے غسل خانہ میں بھی پیشاب نہ کرو۔

یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں بیان کی ہے اور ہیثمی رح نے کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

دو امتیوں میں سے کسی کی ملک میں بغیر اجازت تصرف فرما سکتے تھے" حتی جاز لہ ان یسترق حرا" یہاں تک کہ حضور رضا کے لیے آزاد کو بھی غلام بنا لینے کی اجازت تھی اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ، (الاٰیۃ)

اگرچہ عملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

(۸۲ تا ۸۳) اس باب میں دو روایات لائی گئی ہیں دونوں روایات کا تعلق جمع کئے ہوئے ابوال کے احکام سے ہے پہلی روایت ہیں جس کے راوی عبداللہ بن یزید رض ہیں گھر میں کسی برتن میں بول کے جمع کرنے سے نہی ہے فان الملائکۃ لاتدخل بیتاً فیہ بول منتقع " اس کے ساتھ متصل (غسل خانہ) میں بول کرنے سے نہی بھی کی گئی ہے ولا تبولن فی مغتسلک ذیل میں پہلے "البول المنتقع" سے بحث کی جائے گی پھر مغتسل میں بول کے مسئلہ کو بھی واضح کر دیا جائے گا۔

دوسری روایت حضرت امیمہ بنت رقیقہ رض سے ہے وہ اپنی ماں سے روایت کرتی ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عیدان (لکڑی) سے بنا ہوا پیالہ ہوا کرتا تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا ہوا ہوتا اور آپ رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے۔

تعارض اور اس کا حل : بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے پہلی روایت میں نہی اور دوسری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عیدان (لکڑی) سے بنا ہوا پیالہ ہوا

۸۳- وَعَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ عَنْ أُمِّهَا قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِّنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهِ كَانَ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ - رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ-

---

۸۳- امیمہ بنت رقیقہ سے روایت ہے کہ میری والدہ رضؓ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکڑی سے بنا ہوا ایک پیالہ، جو کہ آپ کی چارپائی مبارک کے نیچے ہوتا تھا، آپؐ رات کو اس میں پیشاب فرماتے تھے"۔
یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، حاکم نے بیان کی ہے، اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

کرتا تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا ہوا ہوتا اور آپ رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے۔

بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے پہلی روایت میں نہی اور دوسری میں حضورؐ کے اپنے فعل سے اس کی اجازت ہے۔

شارحین حدیث نے رفع تعارض کے لیے مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) پہلی روایت جس میں لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ بول منتقع آیا ہے کی مراد یہ ہے کہ جب بول بلاوجہ دیر تک پڑا رہے اور اسے بسہولت انڈیل دینے کے وقت سے بھی بلاوجہ تاخیر کر دی جائے تب فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس برتن کو استعمال فرماتے تھے اس میں طولِ وقت کے بجائے سہولت وقت میں اسے انڈیل دیا جاتا تھا۔

(۲) پہلی روایت میں اقتناعِ بول سے مراد کثرت نجاست فی البیت ہے جب نظافت اور صفائی کا اہتمام نہ کیا جائے تو فرشتے بھی اس گھر میں آنا بند کر دیتے ہیں کہ لطیف اور نظیف ہیں طہارت اور نفاست کو پسند کرتے ہیں نجاست سے ان کو نفور ہے بخلاف البول فی القدح کے کہ اس میں کثرت نجاست جمع نہیں ہوتی اور جو تھوڑا بہت بول جمع ہو بھی جاتا ہے تو اسے اول وقت سہولت میں انڈیل دیا جاتا ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو البول فی القدح کا عمل اوائل سے تعلق رکھتا ہے بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے تو ترک کر دیا اور حدیث میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے اس عمل پر آخر عمر تک استمرار کیا تھا۔

یبول فیہ باللیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن میں رات کو بول کرنے کی بھی شارحین نے متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔

بَابُ مُوْجِبَاتِ الْغُسْلِ

۸۴۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِي الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَفِي الْمَنِيِّ الْغُسْلُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

باب۔ غسل واجب کرنے والی چیزوں میں۔ ۸۴۔ حضرت علیؓ نے کہا میں بہت مذی والا آدمی تھا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا مذی میں وضو اور منی میں غسل ہے یہ حدیث امام احمدؒ، ابن ماجہ ترمذیؒ نے بیان کی ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔

---

(۱) سخت سردی اور گرم بستر سے گرم رات کو سردی میں نکلنا، بیماری کا اندیشہ اور صحت کے لیے مضرت کا احتمال تھا لہٰذا سہولت اور حفاظت صحت بچت وقت اور تعب ومشقت سے بچنے کے لیے آپ رات کو اول حق بالقدح کر لیا کرتے۔

(۲) تعلیم امت مقصود تھی (۳) امت کے لیے بیان جواز مقصود تھا۔

بول فی المغتسل اور بیان مذاہب عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت میں ولا یبولن فی مغتسله کے الفاظ بھی منقول ہیں مگر یاد رہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں تنزیہی ہے امام ترمذیؒ نے اسی مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن مغفل سے نقل کی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی ان یبول الرجل فی مستحمه وقال ان عامة الوسواس منه ترمذی ج باب ماجاء فی کراهیة البول فی المغتسل)

مستحم حمیم سے ہے گرم پانی کو کہتے ہیں بعض نے کہا حمیم اضداد سے ہے گرم ٹھنڈے دونوں پانیوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اب استحمام مطلق پانی ٹھنڈا ہو یا گرم ہو سے نہانے کو اور مستحم غسل خانے کو کہتے ہیں۔

(۱) جمہور کا مسلک ہے کہ مغتسل (غسل خانہ) میں بول منع ہے مگر یہ ممنوعیت بوجہ وجود علت وھو احتمال الرشاش (چھینٹے اڑنے) ہے یعنی جب تک علت رہے گی ممنوعیت باقی رہے گی اور علت کے ارتفاع سے حکم بھی مرتفع ہو جائے گا۔

(۲) امام ابن سیرینؒ نے غسل خانوں میں بول کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے کیونکہ ان کے زمانے میں شہروں میں غسل خانے سنگ مرمر اور خاص قسم کے مضبوط پتھروں سے بنائے جاتے تھے عام تعمیرات پختہ ہوا کرتی تھیں جن میں پیشاب نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ بہہ جاتا تھا چونکہ ایسی صورت میں دوران غسل احتمال رشاش (چھینٹے اڑنے کا احتمال) کم تھا اس لیے انہوں نے جواز کا فتویٰ دے دیا بہر حال فتویٰ تو اس زمانے کے مطابق ہے۔

۸۴۔ اس باب میں مصنفؒ نے وہ احادیث جمع کر دی ہیں جن میں موجبات غسل کا بیان ہے پہلی

۵۸۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۵۸۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ پانی سے پانی ہے" (یعنی منی سے غسل ہے)۔ یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

روایت حضرت علیؓ کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا فی المذی الوضوء و فی المنی الغسل۔

ایک وہم کا ازالہ چونکہ منی اور مذی دونوں کا تعلق شہوت سے ہے بظاہر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ملاعبت یا مباشرت کے وقت خروج منی موجب غسل ہے بصورتیکہ وطی نہ کی جائے اسی طرح مذی کو بھی موجب غسل ہونا چاہیے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر آسانی کردی مذی کا خروج کثیر الوقوع تھا اس سے وجوب غسل میں امت کے لیے حرج تھا تو حضورؐ نے آسانی کردی اور فرمایا کہ مذی میں وضو اور منی میں غسل ہے۔

تفصیلی بحث باقی رہی یہ بحث کہ یہ سوال کس نے کیا تھا حضرت علیؓ نے خود بھی کیا تھا، حضرت مقدادؓ اور حضرت عمارؓ نے بھی کیا تھا احادیث میں تعارض اور اس کا حل کیا ہے؟ اس سلسلہ کے احادیث اعتراضات اور جوابات اور متعلقہ بحث تفصیل سے گزشتہ "باب ما جاء فی المذی" میں عرض کردی ہے تاہم اس سلسلہ کی احادیث پر جس بسط و تفصیل سے امام نسائیؒ نے کلام کیا ہے وہ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے اور کسی نے نہیں کیا۔

ایک توضیح یہاں ایک توضیح یہ بھی یاد رہے کہ امام زیلعیؒ نے (نصب الرایہ ج ۱ ص۹۳) میں لکھا ہے کہ اس مضمون کا سوال حضرت علیؓ یا مقدادؓ اور عمارؓ تک محدود نہیں بلکہ یہ سوال حضرت سہل بن حنیفؓ نے بھی کیا تھا جن کی روایت ابوداؤد ج ۱ ص۲۹ ترمذی ج ۱ ص۱۶ ابن ماجہ ج ۱ ص۲۹، طحاوی جلد ۱ ص۲۵ میں مذکور ہے اس قسم کا سوال عبداللہ بن سعدؓ نے بھی کیا (ابوداؤد ج ۱ ص۲۹) حضرت عثمانؓ نے بھی کیا تھا (طبرانی)

(۵۸ تا ۹۰) غسلِ جنابت کے احکام میں تدریج اور تسہیل اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں لوگ جنابت اور اس کے احکام طہارت

۸۶۔ وَعَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ مَعَ أَهْلِي فَلَمَّا سَمِعْتُ صَوْتَكَ أَقْلَعْتُ فَاغْتَسَلْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۸۶۔ عتبان بن مالک انصاریؓ نے کہا میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے نبی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ (مشغول جماع) تھا۔ جب میں نے آپ کی آواز مبارک سنی، تو علیحدہ ہو کر غسل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانی سے پانی ہے۔

یہ حدیث احمدؒ نے بیان کی ہے، اور ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

اور غسل سے نا آشنا تھے غسل جنابت کا کوئی رواج نہیں تھا موجودہ مہذب دور میں بھی بہت سے جدید تعلیمیافتہ، مہذب اور فیشنی قسم کے لوگ غسل جنابت، اور اس کے طریقہ سے جاہل ہیں غسل صفائی تو کرتے ہیں عمدہ صابن اور جدید ترین اشیاء نظافت استعمال کرتے ہیں مگر غسل جنابت نہیں جانتے مشرکین مکہ میں بھی سابقہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات کے اثرات ختم ہو چکے تھے جنابت اور غسل جنابت کوئی قابل توجہ مسئلہ ہی نہ تھا۔ چونکہ عام طبائع اور مزاج و عادات غسل جنابت کے عادی نہیں تھے اور پانی کی بھی شدید قلت تھی جب کہ قرب جاہلیت زیادہ تھی تو شریعت نے بھی جنابت اور اس کے احکام یعنی تطہیر و تنظیف میں تسہیل اور تدریج کو ملحوظ رکھا اسی مقصد کے پیش نظر اوائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کو صرف خروج منی کی صورت میں ضروری قرار دیا جیسا کہ روایت نمبر ۸۵، ۸۶ جو حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عتبان بن مالک الانصاریؓ سے مروی ہیں دونوں میں الماء من الماء کا حکم صادر فرمایا جب کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں تو حصر ہے یعنی انما الماء من الماء مقصد یہ ہے کہ غسل کے لیے ماء کا استعمال اس صورت میں لازمی ہے جب مادہ منی کا خروج متحقق ہو اس کے بعد جب طبیعتیں غسل کی عادی ہو گئیں شریعت کے احکام طبیعت ثانیہ بن گئے جنابت سے نفرت اور طہارت کی عظمت دلوں میں راسخ ہو گئی تب الماء من الماء کے حکم کو اذا جاوز الختان الختان کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ حدیث ۸۷، ۸۸، ۸۹ میں اس حکم کو بیان کیا گیا ہے نیز حدیث ۹۰ جو حضرت ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے میں اسی بات کی تصریح موجود ہے کہ الماء من الماء کا حکم منسوخ ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ فتویٰ جو کہ لوگ کہتے تھے کہ الماء من الماء شریعت میں رخصت تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوائل میں اس کی رخصت دی تھی پھر ہمیں غسل کا حکم دے

۸۷۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاِنْ لَمْ یُنْزِلْ۔

۸۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب آدمی نے جماع کیا تو غسل واجب ہوگیا، یہ روایت شیخین نے بیان کی ہے، مسلم اور احمد نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں، اگرچہ انزال نہ ہو۔

دیا گیا۔

ختان اور ختنہ کی بحث

چونکہ حدیث عائشہؓ اور حدیث عبدالرحمٰن بن عائذ میں اذا جاوز الختان الختان کے الفاظ آئے ہیں جیسا آئندہ بحث میں ان الفاظ کا بار بار تکرار بھی ہوگا لہٰذا تنویر بحث کے لیے تمہیداً ختان اور ختنہ کی بھی قدرے توضیح کردی جاتی ہے۔

عموماً مرد کے ختنہ پر ختان اور عورت کے ختنہ پر خفاض کے الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے جب کہ مرد کے ختنہ کو اعذار بھی کہتے ہیں حدیث میں ختانین تغلیباً کہا گیا اور یہ مروج ہے جیسے قمرین اور ابوین وغیرہ ——

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ختنہ کے بارے میں مذاہب لکھتے ہیں کہ۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اور امام سحنونؒ مالکی کا قول ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے واجب ہے۔

(۳) امام احمدؒ کے اقوال مضطرب ہیں (ماثبت بالسنۃ صـ)

(۴) طحاوی میں ہے کہ امام شافعیؒ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے وجوب ختنہ کے قائل ہیں۔ (طحاوی صـ)

(۵) امام ابن الہمامؒ نے اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت اور عورتوں کے لیے مکرمۃ للنساء ہے فان جماع المختونۃ الذ (معارف السنن ج ا صـ۳۶۹ وفتح القدیر ج ا صـ)

(۶) ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ختنہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت ہے (نظم الفقہ) البتہ اگر مرد ختنہ کرنا چھوڑ دے گا تو اسے ختنہ کیلئے مجبور کیا جائے گا اگر عورت ختنہ چھوڑ دے گی اس پہ جبر نہیں کیا جائے گا۔

۸۸۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

۸۸۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی جماع کے لیے عورت کے پاس بیٹھے پھر ختنہ کا مقام ختنہ کے مقام سے مل جائے تو تحقیق غسل لازم ہوگیا۔
یہ حدیث احمد، مسلم اور ترمذی نے بیان کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی قوم من حیث القوم ختنہ کی سنت ترک کر دے اور پھر اس پر ڈٹ جائے تو عامة المسلمین پر فرض ہے کہ وہ ہتھیار لے کر اس کے خلاف جہاد کریں

اختلاف اور اجماع صحابہؓ

(۱) اوائل میں صحابہ کرامؓ کا وجوب غسل کے بارے میں قدرے اختلاف تھا ان کے آراء اور فتاویٰ اس مسئلہ میں مختلف رہے ہیں بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ محض التقائے ختانین یا غیبوبت حشفہ سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ غسل کے لیے انزال شرط ہے یہ رائے ابن عباسؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابو سعید خدریؓ، ابی بن کعبؓ، سعد بن وقاصؓ، نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، ابن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی تھی امام بخاریؒ نے جلد ۱ ص۴۲ اور ص۴۳ میں ان صحابہ کرام کے ناموں کی تصریح بھی کی ہے، امام خطابیؒ نے معالم السنن ج۱ ص۱۵ میں ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن سے ان حضرات کا رجوع ثابت ہے ان حضرات کا استدلال ابو سعید خدریؓ کی وہ روایت ہے جسے ہمارے مصنفؒ نے ۸۹ نمبر میں نقل کیا ہے مفصل حدیث یوں ہے۔

قال خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين الى قباء حتى اذا كنا في بني سالم وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم على باب عتبان فصرخ به فخرج يجر ازاره فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعجلنا الرجل فقال عتبان يا رسول الله أرأيت الرجل يعجل عن امرأته ولم يمن ماذا عليه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الماء من الماء (صحيح مسلم ج۱ ص۱۵۵) پہلے ماء سے مراد غسل کا پانی ہے اور دوسرے ماء سے مراد منی ہے اس کے علاوہ اور بھی کچھ روایات تھیں جیسا کہ اسی باب کی روایت عتبان حدیث ص۸۹ ہے اسی طرح ایک روایت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے قال فی الرجل یاتی اهله ثم لا ینزل قال یغسل

۸۹۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِذٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمَّا يُوْجِبُ الْغُسْلَ مِنَ الْجِمَاعِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَعَنْ مَا يَحِلُّ مِنَ الْحَائِضِ فَقَالَ مُعَاذٌ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَأَمَّا الصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَتَوَشَّحْ بِهٖ وَأَمَّا مَا يَحِلُّ مِنَ الْحَائِضِ فَإِنَّهٗ يَحِلُّ مِنْهَا مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَاسْتِعْفَافُكَ عَنْ ذٰلِكَ أَفْضَلُ۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهٗ هٰذَا حَسَنٌ۔

۸۹۔ عبدالرحمن بن عائذ نے کہا ، ایک شخص نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے پوچھا ، جماع میں غسل کس چیز سے لازم ہوتا ہے ؟ اور ایک کپڑے میں نماز کے بارہ میں پوچھا اور حیض والی عورت سے کتنا (نفع اٹھانا) حلال ہے ، تو حضرت معاذؓ نے کہا ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا ، تو آپ نے فرمایا ، "جب ختنہ کا مقام ختنہ کے مقام سے تجاوز کر جائے ، تو غسل لازم ہو گیا اور مگر ایک کپڑے میں نماز تو اسے کندھوں پر ڈال کر اوڑھ لو ، اور حیض والی عورت سے کیا حلال ہے ، تو بلا شبہ اس سے تہبند سے اوپر حلال ہے ، اور اس سے بھی اس کا بچنا افضل ہے ۔"

یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں بیان کی ہے ، اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے ۔

ذکرہ ویتو منأ (صحیح مسلم ج ۱ ص۱۵۵) جس کی وجہ سے ان کی رائے ابتداء میں یہ تھی کہ غسل صرف التقائے ختانین سے نہیں واجب ہوتا جب تک کہ انزال نہ ہو ۔

(۲) صحابہ کرام کی ایک ۔ دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ انزال منی کی طرح غیبوبت حشفہ بھی موجب غسل ہے انزال شرط نہیں اس مسئلہ میں ایک تحقیقی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے حضرت عمرؓ نے مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر ایک مجلس منعقد کی ، ان حضرات کے سامنے یہ مسئلہ آیا دونوں طرف سے فریقین نے دلائل بیان کئے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ اہل بدر میں سے ہو اور ایک رائے پر تمہارا اتفاق نہیں ہوا تو جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے ان کا کیا حال ہوگا ۔ قد اختلفتم علی وانتم اهل بدر الاخیار فکیف بالناس بعدکم (طحاوی ص۴۱)

اختلاف رائے کی وجہ سے یہ طے پایا کہ ازواج مطہرات کی طرف رجوع کیا جائے چنانچہ یہ معاملہ پہلے حضرت حفصہؓ تک پہنچا تو انہوں نے اس مسئلہ میں لاعلمی کا اظہار کیا پھر جب یہ معاملہ حضرت عائشہؓ کے پاس آیا حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے ان سے دریافت کیا (موطا امام مالک ص۱۶)

۹۰۔ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ الْفُتْيَا الَّتِيْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةٌ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَخَّصَ بِهَا فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَمَرَنَا بِالْاِغْتِسَالِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

۹۰۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ وہ فتویٰ جو کہ لوگ کہتے تھے "پانی سے پانی ہے" رخصت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے شروع زمانہ میں اس کی رخصت دی تھی پھر ہمیں غسل کا حکم دیا۔ یہ حدیث احمد اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تو وہ اس مسئلہ کی دینی اہمیت کو سمجھ گئیں اور واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلتہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا (ترمذی باب ماجاء اذا التقی الختانان) جب مرد کے ختنے عورت کے ختنے سے متجاوز ہو جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی یہ تصریح قولاً بھی حجت ہے اور فعلاً بھی محض قول اذا جاوز الخ میں تاویل کے امکانات موجود تھے مثلاً کہا جاتا کہ یہ خبر واحد ہے اس کا معارضہ بھی خبر واحد سے ہے لہٰذا ترجیح مشکل ہے لیکن فعلاً بھی جب حضرت عائشہؓ نے فعلتہ الخ سے اس کی تصدیق کر دی تو اب یہ نہ تو خبر واحد رہی اور نہ ہی کسی خبر واحد کے معارضہ سے اس کو ناقابل عمل قرار دیئے جانے کی تاویل صحیح ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو قطعی علم و مشاہدہ ہے جس میں کسی بھی تاویل کی گنجائش نہیں۔

بہرحال حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ ایک تحقیقی فیصلہ تک پہنچ گئے اور حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کا اعلان کر دیا کہ آج سے بعد اگر کسی شخص نے اس فیصلہ کے خلاف رائے کا اظہار کیا تو اس کو عبرتناک سزا دی جائے گی اعلان کے وقت وہ تمام صحابہ بھی موجود تھے جو ابتداء میں اس سے مختلف رائے رکھتے تھے حضرت عائشہؓ کے ارشاد کی روشنی میں جو فیصلہ سنا دیا گیا اس کو انہوں نے اپنا فیصلہ سمجھا اور اس طرح امت کے لیے یہ فیصلہ اختلافی نہیں بلکہ اجماعی بن گیا کہ محض تغیب حشفہ سے دونوں پر غسل فرض ہے انزال شرط نہیں۔

اہل ظاہر کا مسلک

علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ اب صرف بعض اہل الظاہر جب تک انزال نہ ہو عدم وجوب غسل کے قائل ہیں (بدایہ ج ۱ ص ۳۶) ان اہل الظاہر میں داؤد بن علی الظاہری خصوصیت سے پیش پیش ہیں لیکن بمقابلہ جمہور و اجماع ان کے قول کی کوئی وقعت نہیں (احکام الاحکام ج ۱ ص ۳۰ معالم السنن ج ۱ ص ۱۵ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۱)۔

حدیث ابوہریرہؓ کے بعض الفاظ کی تشریح

۷۸۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جو "الماء من الماء" کے لیے ناسخ ہے بین شعبہا الاربع یہ جملہ عورت کے پاس جماع کے لیے جانے اور صحبت کرنے کی بلیغ تعبیر ہے چونکہ حضورؐ شرم وحیاء کے انتہائی بلند مقام پر تھے اس لیے آپؐ نے صورت مسئلہ کی وضاحت کے لیے الفاظ کے کنایہ کا سہارا لیا ہے اور اس کے مصداق میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) فرج کے چاروں کونے مراد ہیں (۲) یا چاروں کونوں سے مراد دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ ہیں (۳) یا دونوں پاؤں اور دونوں ران ہیں، مفہوم یہ ہے کہ جب مرد عورت کے شعبہا الاربع کے درمیان بیٹھ جائے تو اس کے بعد ثم جہدھا کے الفاظ ہیں جس کے معنی کوشش کرنے کے ہیں گویا محض اعضاء کے درمیان بیٹھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا اور غسل کا مدار صرف انزال بھی نہیں بلکہ اس کا انحصار جہد پر ہے جو کنایہ ہے دخول سے جس کے بعد غسل لازم ہوجاتا ہے گو انزال نہ ہو۔

۸۰۔ یہ وہی روایت ہے جسے حضرات صحابہ کرامؓ کے استفسار میں حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا اور حضرت عمر فاروقؓ نے اس پر فیصلہ صادر فرمایا۔

۸۱۔ عبدالرحمٰن بن عائذ کی روایت کے لانے کا مقصد "اذا جاوز الختان الختان" سے استدلال ہے یہی مسئلہ زیر بحث میں موضع استشہاد ہے باقی رہا مسئلہ الصلوٰۃ فی الثوب الواحد یا استعمال من الحائض کا تو اس کی تشریح اپنے مقام پر کردی جائے گی۔

التقائے ختانین سے مراد غیبوبت حشفہ ہے

البتہ یہاں یہ بات یاد رہے کہ التقاء ختانین سے مراد محض التقاء نہیں بلکہ غیبوبت حشفہ مراد ہے جیساکہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے اذا التقی الختانان وتوارت الحشفۃ فقد وجب الغسل (ابن ماجہ ص۴۵) نیز اسی روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۱۱۰)

ابن رشد نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو غیبوبت حشفہ سے حد لازم ہوگی وان لم ینزل اس سے پتہ چلا کہ غسل کا تعلق بھی اسی مقدار سے ہے (ہدایہ ج ۱ ص۲۲)

امام طحاویؒ کی نظر فقہی

امام طحاوی اپنی نظر فقہی یعنی قیاسی دلیل سے کام لیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ فساد صوم، فساد حج غیبوبت حشفہ سے متعلق ہے وان لم ینزل، اسی طرح وطی بالشبہ کے سلسلہ میں بھی لزوم مہر بھی غیبوبت حشفہ سے متعلق ہے اسی طرح تحدید نا بھی، تو غسل کا مسئلہ بھی ایسے ہی ہونا چاہیے۔

سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز نے رفع تعارض کی توجیہات اور حضرت ابن عباس کی حدیث "الماء من الماء" سے متعلق توجیہ "قال انما الماء من الماء فی الاحتلام" ترمذی باب ماجاء ان الماء من الماء پر اشکال اور اس کے جواب سے متعلق مفصل بحث کی ہے ذیل میں تلخیصاً پیش خدمت ہے۔

رفع تعارض کی چار مزید توجیہات

(۱) بعض حضرات نے دونوں روایات میں تطبیق کی کوشش بھی کی ہے کہ "الماء من الماء" کا تعلق ملاعبت سے ہے کہ محض ملاعبت سے غسل واجب نہیں جب تک کہ خروج منی کا تحقق نہ ہو جب منی خارج ہوگی تب غسل بھی واجب ہوگا۔ الماء من الماء۔ اور اذا جاوز الختان الختان کا تعلق مجامعت سے ہے جب بھی مجامعت حقیقہ کا تحقق ہوگا تب غسل واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

(۲) اذا جاوز...... کی روایت الماء...... کی روایت سے قوی ہے۔ کیونکہ الماء کی روایت میں ایک راوی شریک ضعیف ہے اس کا حافظہ کمزور تھا لہذا ترجیح قوی روایت کو ہوگی۔

(۳) قاعدہ یہ ہے کہ جب منطوق اور مفہوم میں تعارض ہو تو ترجیح منطوق کو ہوتی ہے الماء من الماء کا منطوق یہ ہے کہ "خروج منی سے غسل واجب ہے" اور مفہوم مخالف یہ ہے کہ "جب تک خروج منی کا تحقق نہ ہو غسل بھی واجب نہیں، حنفیہ حضرات مفہوم مخالف کے قائل ہی نہیں اور اگر بالفرض مخالف کا اعتبار بھی کر لیا جائے تو حضرات شوافع کے اصول کے مطابق مفہوم مخالف تب معتبر ہوگا جب منطوق سے اس کا تعارض نہ ہو۔ اگر مفہوم کا مقابلہ منطوق سے آگیا تو ترجیح منطوق کو حاصل ہے جیسا کہ شوافع حضرات بھی اس کے قائل ہیں۔ اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل کا منطوق یہ ہے کہ جب التقاء ختانین ہو خواہ انزال ہو یا نہ ہو غسل واجب ہے اور الماء من الماء کا منطوق یہ ہے کہ جب بھی انزال ہوگا غسل واجب ہوگا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ البتہ "الماء من الماء" کے مفہوم "اذا لم یوجد الماء (منی) لم یجب الغسل" کا اذا جاوز الختان کے منطوق سے تعارض ہے۔ لہذا ترجیح منطوق کو ہوگی۔

(۴) اور ایک توجیہ حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے۔ جسے امام ترمذیؒ نے بھی دوسرے باب میں نقل کر دی ہے عن ابن عباس قال انما الماء من الماء فی الاحتلام۔ یعنی الماء من الماء کا تعلق احتلام سے ہے مثلاً ایک شخص خواب میں جماع بھی کر لیتا ہے اور خواب میں خروج منی تک دیکھ لیتا ہے مگر جب بیدار ہوتا ہے تو اس کے جسم اور کپڑوں پر منی کے آثار نہیں پائے جاتے، تو اس پر اس خواب میں ہونے والے جماع یا وطی یا خروج منی سے غسل واجب نہ ہوگا بلکہ الماء من الماء کہ غسل تب واجب ہوگا جب واقعۃً بھی اس سے منی خارج ہوئی ہو

۹۱۔ وعن ام سلمة رضی اللہ عنہا انہا قالت جاءت ام سلیم امرأة ابی طلحة رضی اللہ عنہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحیی من الحق هل علی المرأة من غسل اذا هی احتلمت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم اذا رأت الماء۔ رواہ الشیخان۔

۹۱۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا، حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی ام سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتے، کیا عورت پر بھی غسل ہے جب اسے احتلام ہو جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں جب وہ پانی (منی) دیکھے۔"
یہ حدیث شیخین نے بیان کی ہے۔

اور بیدار ہو کر اس کے آثار دیکھ لیے ہوں اور اذا جاوز الختان الخ کا تعلق حالت یقظہ سے ہے۔ کہ بیداری میں کسی کا تغیبوبت حشفہ متحقق ہو تو غسل بھی واجب ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی توجیہ پر اشکال اور اس کا جواب

صحیح مسلم کی تصریح کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان کو جو "الماء من الماء" کا مسئلہ بیان فرمایا تھا وہ حالت یقظہ میں تھا اس کے باوجود حضرت ابن عباس کا اس کو حالت نوم پر حمل کرنا بظاہر ایسی توجیہ ہے جسے لا یرضی بہ القائل قرار دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ حضرت ابن عباس کا ابی بن کعب کی روایت قال انما کان الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم نھی عنھا سے بھی تعارض واقع ہوتا ہے۔ علماء حضرات نے اس اعتراض کے دو جواب بیان کئے ہیں۔ (۱) عین ممکن ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی روایت حضرت ابن عباس کو نہ پہنچی ہو انہوں نے اپنی خداداد ذہانت و صلاحیت سے الماء من الماء کا ایک معنی متعین کر دیا ہو۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے اور راجح بھی یہی ہے کہ اوائل میں "الماء من الماء" کا قانون عام تھا۔ نوم و یقظہ دونوں حالتوں کو شامل تھا۔ اس کے بعد جب یقظہ کے لیے یہ قانون منسوخ ہوا تو صرف حالت نوم و احتلام کے لیے باقی رہا یعنی اگرچہ حدیث الماء من الماء کا ورود کلیہ عامہ ہے جو حالت یقظہ و منامی دونوں کو شامل ہے۔ مگر جب اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل سے حالت یقظہ مستثنیٰ اور منسوخ ہو گئی تو صرف حالت منامی باقی رہی۔ قاعدہ بھی یہ ہے کہ کسی چیز کا منسوخ ہونا اس کے تمام جزئیات کے نسخ کو مستلزم نہیں۔ (حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۲۲۲)
(۹۱ تا ۹۳)

عورتوں کے غسل اور احتلام کے احکام

ان تینوں روایات میں عورتوں کے غسل، احتلام اور اس سے متعلق احکام کا بیان ہے۔

۹۲۔ وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى فِيْ مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ لَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ حَتّٰى تُنْزِلَ كَمَا اَنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ عَلَيْهِ غُسْلٌ حَتّٰى يُنْزِلَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۲۔ خولہ بنت حکیمؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کے بارہ میں پوچھا جو کہ خواب میں وہ دیکھے، جو مرد دیکھتا ہے، تو آپ نے فرمایا "اس پر غسل نہیں ہے یہاں تک کہ اسے انزال ہو جائے جیسا کہ مرد پر بھی غسل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اسے انزال ہو جائے"۔

یہ حدیث احمد، ابن ماجہ، نسائی اور ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۹۱ حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الغسل ج ا ص۴۲ میں تفصیل سے نقل کیا ہے امام مسلم نے ج ا ص۱۴۵ میں نقل کیا ہے اصل مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پوری روایت کا ترجمہ نقل کر دیا جاتا ہے۔

ام سلمہؓ کی مکمل روایت

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، خدا تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ بتایئے کہ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب کہ اس کو احتلام ہو (یعنی خواب میں مجامعت دیکھے) آپؐ نے فرمایا نعم اذا رأت الماء (ہاں جب کہ وہ پانی یعنی منی دیکھے) پس ام سلمہؓ نے اپنا منہ (شرم کی وجہ سے) ڈھانک لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے (یعنی کیا مرد کی طرح عورت کی بھی منی ہوتی ہے اور نکلتی ہے) آپؐ نے فرمایا ہاں خاک آلود ہو تیرا داہنا ہاتھ (اگر ایسا نہ ہوتا تو) تو پھر اس کا بچہ اس کے مشابہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ اور امام مسلم نے ام سلمہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد کہے ہیں۔

ان ماء الرجل غليظ ابيض وماء المرأة رقيق اصفر فمن ايهما علا او سبق يكون منه الشبه	مرد کی منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے لہٰذا ان میں سے جو منی غالب ہو یا سبقت کرے تو بچہ کی مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔
(مشکوٰۃ باب الغسل حدیث ۲)	

اس کے بعد والی روایت ۹۲ جو خولہ بنت حکیم سے مروی ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ مرد کی طرح

۹۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِيْ حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو استحاضہ کا مرض تھا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا "یہ ایک رگ ہے حیض نہیں ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو" یہ حدیث بخاری نے بیان کی ہے۔

عورت پر اس وقت تک غسل نہیں ہے جب تک کہ اسے انزال نہ ہو جائے۔

روایت ۹۳ کا مضمون استحاضہ اور حیض سے متعلق ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی یہاں اس قدر کافی ہے کہ استحاضہ حیض اور نفاس کی صورت میں صرف حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے عورت پر غسل ہے حیض اور نفاس کے علاوہ خون جو کسی بیماری کی وجہ سے عورت کے فرج سے خارج ہوتا ہے استحاضہ کہلاتا ہے حضورؐ نے فرمایا ذٰلک عرق و لیست بالحیضۃ یہ ایک رگ ہے حیض نہیں ہے تو اس سے غسل بھی نہیں ہے۔

(۱) جمہور کا متفقہ مسلک ہے کہ جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل لازم ہے بشرطیکہ انزال ہو جائے کہ منی کی تری کو بدن یا کپڑے پر پائے احتلام کے مسئلہ میں مرد اور عورت برابر ہیں دونوں کا حکم یکساں ہے دونوں جگہ غسل واجب ہونے کا انحصار خارج شدہ منی یا بالفاظ حدیث بلل (تری) کے مشاہدہ پر ہے

محض نجاست کا خواب دیکھ لیا یا لذت محسوس کرنا وجوب غسل کا باعث نہیں جب تک کہ انزال نہ ہو یا صبح اٹھنے کے بعد اس کی کوئی علامت نہ پائے ـــــ ہمارے نزدیک یہی حکم مذی کا بھی ہے یعنی اگر سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے یا بدن پر مذی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک ضعیف مسلک یہ بھی ہے کہ اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب نہیں ابن المنذر وغیرہ نے یہ قول ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے نووی نے شرح المہذب میں اس انتساب کی صحت کو مستبعد کہا ہے مگر مصنف ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے اس کو اسناد جید سے روایت کیا ہے جو لوگ احتلام عورت کا انکار کرتے ہیں ممکن ہے ان کی تحقیق میں عورت کی رطوبت مادہ منویہ نہ ہو جیسے کہ بعض قدیم اطباء کہتے ہیں یا مادہ منویہ تسلیم کرتے ہوں مگر احتلام میں مادہ منویہ کا فرج سے خروج نہ مانتے ہوں جس سے غسل واجب ہوتا ہے اپنی اس تحقیق کے باوجود اگر یہ کہہ دیں کہ مشاہدے پر غسل لازم ہو جائے گا تو ان کی بابت حدیث کے الفاظ نعم اذا رأت

بَابُ صِفَةِ الْغُسْلِ

۹۴۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِيْ اُصُوْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى اِذَا رَاٰى اَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ حَفَنَ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب ۔غسل کے طریقہ میں۔ ۹۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرماتے تھے، تو دونوں ہاتھوں کے دھونے سے شروع فرماتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں میں پانی ڈال کر استنجاء فرماتے پھر ایسے وضو فرماتے جیسا کہ آپ نماز کے لیے وضو فرماتے

پھر پانی لے کر اپنی مبارک انگلیاں (سر کے) بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے، یہاں تک کہ جب سمجھتے کہ اس سے فارغ ہو چکے ہیں (یعنی جڑیں تر ہو چکی ہیں) تو اپنے سر مبارک پر تین چلو ڈالتے، پھر اپنے تمام جسم اطہر پر پانی بہاتے پھر پاؤں مبارک دھوتے ؏ یہ حدیث شیخین نے بیان کی ہے۔

العلماء کی مخالفت نہ ہوگی۔

حدیث ام سلمہؓ کے بعض الفاظ کی تشریح حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کے جو رنگ بیان کئے ہیں وہ عمومی اور اکثر کے اعتبار سے ہیں یعنی عموماً اور اکثر تندرست اور صحت مند مرد و عورت کی منی کے رنگ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ بعض مردوں کی منی کسی مرض کی بنا پر پتلی یا کثرت مباشرت کی وجہ سے سرخ ہوتی ہے اسی طرح بعض عورتوں کی منی قوت وطاقت کی زیادتی کی وجہ سے سفید ہوتی ہے اسی روایت کے آخر میں فمن ایھما علا او سبق یکون منہ الشبہ کا مطلب یہ ہے کہ مباشرت کے وقت اگر مرد وعورت دونوں کی منی ساتھ ہی گر کر بادر رحم میں پہنچے تو دونوں میں سے جس کی منی بھی غالب ہوگی یا ان دونوں میں سے جس کی منی سبقت کرے گی یعنی ایک دوسرے سے پہلے گر کر رحم مادر میں پہنچے گی بچہ اس کے مشابہ ہوگا۔ مظاہر حق جدید ج ۱ صـ

۹۴ تا ۹۵۔ وضو کے مسائل و احکام کے بعد موجبات غسل اور غسل کے احکام و مسائل کا بیان ہے ربط ظاہر ہے وضو طہارت صغریٰ اور غسل جنابت طہارت کبریٰ ہے، طہارت صغریٰ کے بعد طہارت کبریٰ

۹۵۔ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ وَأَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهٗ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۹۵۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا اور کپڑے سے آپ کو پردہ کیا، تو آپ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر استنجا فرمایا، پھر زمین پر ہاتھ مار کر اسے رگڑا، پھر اسے دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، پھر اپنے سر مبارک پر پانی ڈالا اور تمام جسم اطہر پر بہایا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر دونوں پاؤں مبارک دھوئے، پھر میں نے انہیں جسم خشک کرنے کے لیے کپڑا دیا، آپ نے نہیں لیا، پھر آپ اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔" یہ حدیث شیخان نے بیان کی ہے۔

کا بیان ہے موجبات غسل کے بعد غسل کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے۔

روایت ۹۴ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغسل ج: ص۳۹ میں نقل کیا ہے امام بخاریؒ نے اس روایت کے لیے "باب الوضوء قبل الغسل" کا ترجمۃ الباب قائم کیا ہے مقصد یہ ہے کہ "کیف الوضوء قبل الغسل" یعنی غسل سے پہلے وضو کا طریقہ کیا ہے؟ آیا وہی طریقہ ہے جو نماز کے لیے کیے جانے والے وضو کا ہے یا غسل سے قبل وضو کا کوئی اور طریقہ ہے۔ بہر حال اس روایت سے یہ ثابت ہے کہ غسل کا وضوء غسل سے پہلے کیا جائے گا جب غسل حاصل ہو گیا تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد وضوء کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر غسل کے بعد وضوء کیا گیا تو یہ خلاف سنت ہوگا مصنفؒ یہاں سے غسل کا مسنون طریقہ بتلانا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ پہلے وضوء کرے، غسل میں چونکہ طہارت استنجاء، طہارت وضوء اور طہارت غسل کی جامعیت ہے اس لیے اس روایت کے علاوہ باب ہذا کی مندرجہ دیگر روایات میں بھی وضو کی ترتیب سے پہلے حضورؐ کا عمل پیش کر رہے ہیں۔

حدیث عائشہؓ کی توضیح

فیغسل یدیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو شروع میں اپنے ہاتھ دھوتے اس روایت میں صراحتاً موجود ہے کہ حضورؐ

وضو سے پہلے استنجا فرماتے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر ہاتھ صاف کرنے کے لیے زمین پر رگڑتے پھر اس کے بعد وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔

تخلیلِ شعر کا حکم

فیخلل اصابعه فی اصول الشعر حتی اذا رای ان قد استبرا حفن۔ انگلیاں پانی میں ڈال کر پھر ان انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے یہاں تک کہ جب سمجھتے کہ اس سے فارغ ہو چکے ہیں یعنی جڑیں تر ہو چکی ہیں تاکہ بچے ہوئے بال ہوں تو کھل جائیں غسل کے وقت جب بال ایسے گھنے ہوں کہ پانی ان کی جڑوں میں نہ پہنچ سکے تو ان میں انگلیوں سے خلال کرنا واجب ہو جاتا ہے اور وضو میں تخلیل شعر سنت یا مستحب ہے۔

حفن علی راسه پھر اپنے سر مبارک پر تین چلو ڈالتے ممکن ہے کہ ایک چلو داہنی طرف، دوسرا بائیں طرف اور تیسرا چلو بیچ میں ڈالتے ہوں۔ آخر میں آپؐ اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے ہوں ممکن ہے کہ پانی بہانے سے پہلے تین چلو سے تر کرنے سے آپؐ کا مقصد پورے بدن کا استیعاب ہو۔

حدیث میمونہؓ کی توضیح

قالت وضعت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غسلا۔ غُسلًا بالضم پڑھا جائے تو مراد پانی ہوگا اگر بالکسر پڑھا جائے تو وہ چیزیں مراد ہیں جن سے پانی کی صفتِ طہارت میں مزید اضافہ ہوتا ہے مثلاً صابن، ورقۃ السدر اور خطمی وغیرہ۔

مسح الید بالتراب

فضرب بیدہ الارض فمسحها پھر زمین پر ہاتھ مار کر اسے رگڑا ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس فقرے سے امام شافعیؒ پر رد ہوتی ہے کہ وہ مرد کی منی اور عورت کے فرج کی رطوبت کو طاہر قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر یہ طاہر ہوتے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دھونے اور ان کو مٹی سے رگڑنے سے وضو کا آغاز کیوں کرتے (عارضۃ الاحوذی ج ۱ ص [illegible]) سیدی و سندی و وسیلتی الی اللہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مٹی اور خاک سے ہاتھوں کو ملنا اور پھر ان کو دھونا طبی اصولوں کے مطابق اور حفظانِ صحت کے تقاضوں کے موافق ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک میں اس کو اہمیت دی گئی ہے بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا (صحیح بخاری ج ۲ ص [illegible]) تو استنجا کے بعد مٹی سے ہاتھوں کا رگڑنا اس لیے کیا گیا ہے کہ نجاست اور بدبو کے اثرات زائل ہو جائیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آب و خاک اور ہوا و فضا تبدیلی ارض انسانی صحت پر اثر انداز رہتی ہے پھر ہر شخص کو طہارت کے لیے صابن اور جدید اشیاء کہاں میسر ہو سکتی ہیں بہرحال حدیث کے اس حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء کے بعد حائط یا ارض سے دلک ایک مستحب عمل ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (احقاق السنن ج ۱ ص [illegible])

فغسل فرجه وفی روایة للبخاری وغسل فرجه وما اصابه من الاذی وفی روایة أخری له فغسل مذاکیره۔

حدیث کے اس جملہ سے بعض حضرات نے غسل فرج (خواہ قبل ہو یا دبر) نجاست آلود ہو یا طاہر ہو اس کے وجوب اور بعض اس کے استحباب کے قائل ہیں البتہ دوسرا قول اصح ہے۔ فاستفید منه استحباب تقدیم غسل الفرج قبلاً ودبراً سواء کان علیه نجاسة ام لا (بحرالرائق ج ۱ ص ۵۲)

البتہ اس قدر تفصیل ملحوظ رہے کہ اگر پانی بہا دینے سے بین الالیتین ایصال ملانہ ہوا اور پانی وہاں تک پہنچ سکے تو افاضة الماء علی الفرج واجب ہے ورنہ سنت۔

عدم فرضیت ترتیب وموالات

حنفیہ حضرات حدیث میمونہؓ سے ایک استدلال یہ بھی کرتے ہیں کہ وضوء میں ترتیب اور موالات فرض نہیں اگر وضوء میں یہ دونوں فرض ہوتے تو پھر حضورؐ مضمضہ اور استنشاق کے بعد بدن پر پانی ڈالنے سے قبل اپنے پاؤں کو بھی دھو لیتے مگر آپؐ سے ایسا ثابت نہیں اس لیے معلوم ہوا کہ ترتیب وموالات بھی فرض نہیں البتہ ترتیب وموالات کے سنت اور مستحب ہونے کے حنفیہ حضرات بھی قائل ہیں۔

ایک اشکال

اس سے قبل والی حدیث عائشہؓ میں صراحتاً یتوضأ وضوءہ للصلوٰة کی تصریح ہے وضوء صلوٰة میں ترتیب ہے حضورؐ نے بھی ترتیب سے وضو کیا ہے جس سے شوافع کی تائید اور حنفیہ کے مسلک کی تردید ہوتی ہے۔

حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں۔

(۱) پہلی روایت جس کو حضرت عائشہؓ نے اور دوسری روایت جس کو حضرت میمونہؓ نے نقل کیا ہے ایک دوسرے سے مختلف ہیں حضرت عائشہؓ اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں اور حضرت میمونہؓ اپنا تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اس سے وجوب ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مرةً وعادةً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک بھی ثابت ہے جس سے زیادہ سے زیادہ ترتیب کا استحباب ثابت ہوتا ہے جس کے احناف بھی قائل ہیں۔

(۲) البتہ حنفیہ حضرات دونوں روایات میں تطبیق یوں کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ ج ۱ فصل الغسل ص ۳۱ میں تفصیلاً مذکور ہے کہ اگر غسل خانہ ایسا ہے کہ اس سے ماء مستعمل کی نکاسی نہیں ہوتی اور پاؤں ڈوبے رہتے ہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ غسل کے بعد دھو لیے جائیں۔

ثم تنحی فغسل قدمیه حضرت میمونہؓ کی روایت کے ان الفاظ کی بھی یہی مراد ہے اور اسی پر محمول ہے کہ اگر غسل خانہ ایسا ہے کہ وہاں پانی نہیں ٹھہرتا اور اس کی نکاسی آسانی سے ہو جاتی ہے تو یہی بہتر ہے کہ

۹۶۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ

۹۶۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا : میں نے عرض کیا : اللہ تعالیٰ کے رسول ! بلاشبہ میں اپنے سر کے

پورا وضو کرلیا جائے اور غسل سے قبل رجلین بھی دھولیے جائیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے مستفاد ہے کہ وتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ تو اس توجیہ سے دونوں روایات کا تعارض ختم ہوجاتا ہے۔

فانطلق وھو ینفض یدیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنبی کا غسالہ طاہر ہے کیونکہ ہاتھوں کے جھٹکنے سے لامحالہ چھینٹیں اڑتی ہیں اور بدن وغیرہ پر پڑتی ہیں مراد یہ ہے کہ غسل یا وضو کرنے کے بعد جو پانی بدن پر رہ جائے وہ پاک ہے اگر یہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حافظ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھوں سے پانی کا جھٹکنا عبادت کے اثر کو زائل نہیں کرتا۔

کچھ لوگوں نے فناولتہ ثوباً فلم یاخذہ سے جو یہ استدلال کیا ہے کہ حضورؐ نے غسل کے بعد کپڑے کا استعمال اس لیے ترک فرمایا کہ اس سے عبادت کا اثر زائل ہوتا ہے ولیس کذالک حالانکہ حضورؐ کا یہ مقصد نہیں اگر غسل کے اثرات کو باقی رکھنا یعنی آثار عبادت کو باقی رکھنا ہوتا تو دونوں ہاتھوں سے پانی کو جھٹکنا بھی جائز نہ ہوتا (عمدۃ القاری)

فرائض غسل مزید افادہ اور طلبہ کی سہولت کے لیے احادیث باب کی مناسبت سے غسل جنابت کے فرائض اور ائمہ کے مذاہب بھی بیان کردیے جاتے ہیں۔

غسل جنابت کے فرائض میں اختلاف ہے۔

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنابت کے تین فرض ہیں۔

(۱) غسل فم (۲) غسل انف، (۳) غسل سائرالبدن۔

(۲) امام احمدؒ کے نزدیک چار فرض ہیں مضمضہ، استنشاق، نیت اور غسل سائرالبدن۔

(۳) شافعیؒ کے نزدیک غسل جنابت میں دو فرض ہیں نیتؔ اور غسل سائرالبدنؔ۔

(۴) امام مالکؒ نیتؔ، غسل سائرالبدنؔ اور دلکؔ کو واجب قرار دیتے ہیں۔

(۹۶ تا ۹۸) ان روایات کا تعلق بھی غسل سے متعلق مختلف احکام سے ہے۔

حدیث ام سلمہؓ روایت ۹۶ حدیث ام سلمہؓ کا واقعہ تو اس قدر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے

رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ فَقَالَ لَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ۔ رواہ مسلم۔

بالوں کی مینڈیاں سخت باندھنے والی عورت ہوں، کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھولوں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں تحقیق تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ تین چلو بھر کر اپنے سر پہ ڈالو، پھر اپنے آپ پہ پانی بہاؤ، تو پاک ہو جاؤ گی۔

یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ میں سر کی چوٹی کو مضبوط گوندھ لیتی ہوں اَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي، کیا غسلِ جنابت کے وقت اسے کھول دیا کروں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا انما یکفیک ان تحثی علی راسک ثلث حثیات ثم تفیضین علیک الماء فتطھرین۔ نہیں تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ سر پہ تین مرتبہ چلو بھر کر پانی ڈال دیا کرو بعد میں اپنے باقی بدن پہ پانی بہا لو طہارت حاصل ہو جائے گی۔

نقضِ ضفر حدیث ام سلمہؓ کا یہ حکم صرف حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلقاً صنفِ نساء کو شامل ہے اور یہ قیاس کے عین مطابق ہے وجہ ظاہر ہے کہ نقضِ ضفر سے بڑا حرج لازم آتا ہے والحرج مدفوع تو رفع حرج کے پیش نظر عورتوں کے لیے یہ سہولت اختیار کی گئی ہے جب کہ مردوں کے لیے گیسو کھولنا ضروری ہے تاکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے اور پھر مردوں کے لیے بالوں کا رکھنا بڑھانا کوئی ضروری بھی نہیں فقہاء نے لکھا ہے حدیث ام سلمہؓ کا یہ حکم صرف صنفِ نساء کو شامل اور عام ہے مرد اس سے مستثنیٰ ہیں اس کے دیگر بہت سے قرائن موجود ہیں مثلاً ابوداؤد کی حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔

ان ثوبان حدثھم انھم استفتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال اما الرجل فلینثر راسہ فلیغسل حتی یبلغ اصول الشعر واما المرأۃ فلا علیھا ان لا تنقضہ لتغرف علی راسھا ثلث غرفات یکفیھا۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۲) مردوں کے بال ہوں جیسے علوی ترک اور سندھی وغیرہ تو ان کو سر کے بالوں کی مینڈھیاں ضرور کھولنی چاہیئے مذکورہ روایت ابوداؤد میں اگرچہ کلام ہے لیکن فی الجملہ صالح للاحتجاج بھی ہے۔

ثلث حثیات، یعنی تین بار بالوں پہ پانی ڈالنے کا حکم بھی اس لیے ہے کہ بالوں کی جڑوں تک پانی کے پہنچ جانے کا ظنِ غالب حاصل ہو جائے۔

بیانِ مذاہب (۱) جمہور کا یہ مسلک ہے کہ غسلِ جنابت ہو یا حیض اور نفاس کا غسل، عورت کے لیے مینڈھیاں

۹۷ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا وَكَانَتْ حَائِضًا اُنْقُضِيْ شَعْرَكِ وَاغْتَسِلِيْ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۷۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا جب کہ میں حیض میں تھی ” اپنے بالوں کو کھولو اور غسل کرو۔
یہ حدیث ابن ماجہ نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

کھولنی ضروری نہیں جبکہ بالوں کی جڑوں میں خوب پانی پہنچ جائے اور وہ تر ہو جائیں اور اگر بال مسترسل ہوں تب بھی یہی بہتر ہے۔

(۲) عبداللہ بن عمرؓ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، طاؤس اور امام احمدؒ کا مسلک ہے کہ بصورت حیض عورت کو مینڈھیاں کھولنی پڑیں گی (نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۵۰ تہذیب سنن ابی داؤد ج ۱ صفحہ ۱۶۶ تحفۃ الاحوذی ج ۱ صفحہ ۱۱۰)

(۳) امام مالکؒ فرماتے ہیں تمام بالوں کا دھونا فرض ہے خواہ گوندھے ہوئے ہوں یا مسترسل ضفر اور مسترسل کی کوئی قید نہیں ہے۔

(۴) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوندھے ہوئے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں البتہ تر کرنا ضروری ہے پانی خوب بہایا جائے مٹھی میں نچوڑا جائے تاکہ بالوں کی تہہ تک پانی پہنچ سکے امام مالکؒ و شافعیؒ دونوں کا مسلک رجال و نساء کے لیے یکساں ہے۔

مسلک جمہور کی دلیل

اسی باب کی روایت ام سلمہؓ جو امام مسلم کے حوالے سے یہاں نقل کی گئی ہے جسے امام ترمذیؒ نے بھی باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل کے تحت درج کیا ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ کے دلائل اور جوابات

(۱) امام احمدؒ کی پہلی دلیل وہ روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ غسل کرتے وقت تو لکھو ولکا مشتیب (الحدیث) (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۵۰)

جمہور کہتے ہیں کہ اس روایت سے بال کھولنے پر استدلال صحیح نہیں اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ دو چونکہ کئی روز تک ایام ماہواری میں رہی کسی مقام پر خون کی آلائش ہو گی تو خوب مل کر صاف کرے اس سے بال کھولنے کی مراد

۹۸ - وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ بَلَغَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَأْمُرُ النِّسَاءَ اِذَا اغْتَسَلْنَ اَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوْسَهُنَّ فَقَالَتْ اَفَلَا يَأْمُرُهُنَّ اَنْ يَحْلِقْنَ رُءُوْسَهُنَّ لَقَدْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

۱۷

---

۹۸ - عبید بن عمیر نے کہا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ غسل کے وقت عورتوں کو سروں کے (بال) کھولنے کا حکم دیتے ہیں، تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کہا "ابن عمرو کے لیے تعجب ہے کہ عورتوں کو غسل کے وقت سروں کے کھولنے کا حکم دیتے ہیں، انہیں یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنے سروں

کہاں کی تک بندی ہے اور اس کا اس سے کیا تعلق ہے!

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایام حج میں ماہواری شروع ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا انقضی شعرك و امتشطی واغتسل او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام (بخاری ج ۱ ص ۴۴)

قدرے الفاظ کے تغیر کے ساتھ اسی روایت کو علامہ نیموی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کے حوالے سے ۹۶ نمبر میں درج کیا ہے

جمہور کے اس سے بھی متعدد جوابات بیان کئے ہیں۔

(الف) اس میں نقض شعر کی حدیث استحباب پر محمول ہے تاکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کا تعارض نہ ہو۔

(ب) اگر بال ہلکے پھلکے ہوں تو پھر مینڈھیوں کو کھولنا ضروری نہیں زیادہ اور گھنے ہوں تو ضروری ہے۔

(ج) اگر بالوں کی جڑوں تک تیقن کے ساتھ پانی پہنچ جائے تو پھر نہ کھولی جائیں شک و شبہ ہو تو کھولی جائیں (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۰۹ و سبل السلام ج ۱ ص ۹۲)

(د) امیر یمانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو انقضی شعرک کا حکم دیا تو محض ایام حج میں نظافت کے لیے تھا نہ کہ طہارت من الحیض کے لیے کیونکہ وہ بدستور اپنے مرض میں رہیں۔

۹۸ - عبداللہ بن عمیر کی یہ روایت بھی جمہور کا مستدل ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عورتوں کو غسل کے وقت مینڈھیاں کھولنے کا حکم دیتے ہیں تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا افلا یامرھن ان یحلقن رءوسھن کہ یہ انہیں یہ حکم کیوں نہیں دے دیتے کہ وہ اپنے سروں کو استرے سے صاف کرا دیں پھر ارشاد فرمایا کہ میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین بار پانی ڈالنے سے زیادہ کچھ نہ کرتی تھی مقصد واضح ہے کہ گوندھی ہوئی

وَمَا أَزِيْدُ عَلَى أَنْ أُفْرِغَ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ إِفْرَاغَاتٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۹۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

کو استرے سے صاف کرادیں تحقیق میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین بار پانی ڈالنے سے زیادہ کچھ نہ کرتی تھی (یعنی گوندھے ہوئے بال نہ کھولتی بلکہ تین دفعہ پانی ڈال کر بالوں کی جڑیں ترکرلیتی)۔ اس حدیث کو مسلم نے بیان کیا ہے۔

۹۹۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔ یہ حدیث اصحاب خمسہ نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

مینڈھیاں نہیں کھولتی تھی تین دفعہ پانی ڈال کر بالوں کی جڑوں کو ترکرلیا کرتی تھی۔

ابن عمرؓ کے نقض شعر کے حکم کی توجیہات سوال یہ ہے کہ جب مسئلہ اس قدر واضح تھا تو پھر حضرت ابن عمرؓ نقض شعر کا کیوں حکم دیتے تھے امام نوویؒ نے اس کی تین توجیہات بیان کی ہیں ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں واما امر عبد اللّٰہ بن عمرؓ یتقضی النساء رؤسھن اذا اغتسلن (۱) فیحتمل علی انہ اراد ایجاب ذلک علیھن فی شعور لا یصل الیھا الماء (۲) او یکون مذھبا لہ انہ یجب النقض بکل حال کما حکینا ۂ عن النخعی ولا یکون بلغہ حدیث ام سلمۃ وعائشۃ (۳) و یحتمل انہ کان یامرھن بذلک علی الاستحباب والاحتیاط ولا للایجاب (ذکرہ النوویؒ فی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۵۰)

۹۹۔ یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کان لا یتوضأ بعد الغسل جملہ استمراریہ ہے جس کا مدلول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی غسل کے بعد وضو نہیں کیا البتہ قبل الغسل جو وضو مسنون ہے اس پر اکتفا فرمایا کرتے البتہ داؤد ظاہریؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں غسل کے بعد وضو کی عدم ضرورت پر اجماع منقول ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ حدث اکبر کا ارتفاع حدث اصغر کے ارتفاع کو مستلزم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من توضأ بعد الغسل فلیس منا (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۳) علامہ ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں اس روایت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وفی اسنادہ الاوسط سلیمان بن احمد کذبہ ابن معین وضعفہ غیرہ ووثقہ عبدان۔

۱۰۰۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۰۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل کے ساتھ اپنی ازواج کے پاس چکر لگا لیتے تھے (یعنی آخر میں ایک بار غسل فرما لیتے۔)

اس حدیث کو مسلم نے بیان کیا ہے۔

۱۰۰۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس چکر لگاتے اور پھر آخر میں ایک غسل کر لیا کرتے تھے۔

ازواج مطہرات | فقہی بحث سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کی تعداد اور اسماء عرض کر دیے جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ اور مدخولہ بیبیوں کی تعداد گیارہ تھی (بخاری ج ۱ صـ۴۱) جن کے اسماء گرامی یہ ہیں ۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین (۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا (۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۶۔ حضرت زینب بنت جحش (۷) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا (۸) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رملہ بنت ابی سفیان (۹) حضرت صفیہ بنت حیی (۱۰) حضرت سودہ بنت زمعہ (۱۱) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

(عمدۃ القاری ج ۲ صـ۳۲ فتح الباری ج ۱ صـ۲۷ زاد المعاد ج ۱ صـ۲۶ تا ۲۸ مرقاۃ ج ۲ صـ۳۲)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے القول البدیع صـ۳ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدخولہ اور منکوحہ بیویاں گیارہ تھیں اور غیر مدخولہ کی تعداد اس سے زیادہ ہے چنانچہ امام حاکم مدخولہ و غیر مدخولہ بیویوں کی تعداد اٹھارہ بتاتے ہیں (مستدرک ج ۴ صـ۳) بخاری کتاب الطلاق میں ہے کہ امیمہ بنت النعمان سے آپ کا نکاح ہوا اور ہم بستری سے قبل ہی طلاق ہو گئی بخاری ج ۲ صـ۷۹۰ میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد ج ۱ صـ۲۹ میں اور قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۱ صـ۲۱۸ میں تیس کے قریب تعداد بیان کرتے ہیں مگر ابن القیم رحمہ اللہ نے اس پر تنقید بھی کی ہے جبکہ حضور کی دو لونڈیاں اس کے علاوہ تھیں ایک کا نام ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھا جن کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ان کا ذکر مستدرک ج ۴ صـ۳۹ میں ہے اور دوسری کا نام ریحانہ بنت زید بن شمعون تھا یہ بنی نضیر کے قبیلہ سے تھیں اس کا تذکرہ بھی مستدرک ج ۴ صـ۴۱ میں ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل | حدیث باب روایت نمبر ۱۰۰ کا مضمون پہلے عرض کر دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج مطہرات پر چکر لگا لیتے تھے جب کہ سیرت کی کتابوں میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کے لیے باری مقرر کر دی تھی جس کا ثبوت حضور کی ایک دعا سے بھی ملتا ہے۔ اللهم هذه قسمتي فيما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳)

ایک دوسری روایت ہے کان يقسم لكل امرأة منهن يومها وليلتها غير ان سودة بنت زمعة وهبت يومها وليلتها لعائشة ..... الخ (بخاری ج ۱ ص ۳۵۳) اور مسلم کے الفاظ ہیں فلما كبرت جعلت يومها من رسول الله صلى الله عليه وسلم لعائشة (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہؓ کو باری نہیں دیتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کبرسنی کے باعث اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔

اس توضیح کے پیش نظر حدیث باب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے متعدد بیویاں رکھنے والے پر عدل واجب ہے جس طرح نان نفقہ اور ملبوسات میں تساوی واجب ہے اس طرح بیتوتت میں بھی تساوی لازمی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ازواج مطہرات کے درمیان عدل فرماتے تھے اور سابقہ روایات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپؐ کا قسم بین الزوجین کا معمول تھا حالانکہ حدیث باب کان يطوف على نسائه بغسل واحد اس کے خلاف ہے جب کہ قسم بین الازواج اور بیتوتت کے اصولِ عدل کے مطابق یہ تو ایک زوجہ کا حق تھا۔ حضرات محدثین نے اس کے متعدد جوابات اور توجیہات بیان کی ہیں۔

امام نوویؒ کی توضیح

(۱) اولاً تو امام نوویؒ کی یہ توضیح ملحوظ رہے کہ خود علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم واجب تھی یا کہ نہ؟ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۱) جو حضرات کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم لازم نہ تھی ان پر كان يطوف على نسائه بغسل واحد جیسی روایات سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا لہٰذا جن روایات میں حضورؐ کے قسم اور نوبت کا تذکرہ ہے وہ روایات ان کے نزدیک محض تفضل اور احسان پر مبنی ہیں ان کے نزدیک حضورؐ پر وجوب نہ تھا ان کا مستدل قرآن مجید کی یہ آیت ہے تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ (احزاب) یعنی آپؐ اگر کسی بیوی کی باری پیچھے ہٹا دیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں اور اگر کسی کو قریب کر دیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ امام نوویؒ نے اس صفحہ میں لکھا ہے کہ جو حضرات وجوب قسم کے قائل ہیں ان پر کان يطوف على نسائه کی روایت کے پیش نظر اعتراض ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طواف " كان برضا هن او برضا صاحبة النوبة ان كانت

واحدة ـــــــ

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپؐ کسی سفر سے واپس تشریف لائے تھے یا تشریف لے جا رہے تھے۔

حالتِ سفر میں تسویہ ضروری نہیں اور نہ سفر میں کسی ایک کو ساتھ لے جانا ضروری تھا مگر اس کے باوجود سفر میں لے جانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفیقۂ سفر کے انتخاب کے لیے قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے "قاضی شوکانیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ آپ کسی سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور ابھی تک باری مقرر نہیں کی تھی یہ واقعہ اس دور کا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۵۱)

(۳) یہ واقعہ اس دور کا ہے جب قسم بین الزوجات واجب نہیں ہوا تھا یہ مسلک ان حضرات کا ہے جو حضور کے لیے بھی قسم کے وجوب کے قائل ہیں۔

(۴) جب تمام ازواجِ مطہرات کی باریاں مکمل ہو گئیں تو پھر استیناف سے قبل آپ نے ایک موقع پر تمام ازواجِ مطہرات کے طواف کے لیے مقرر فرمایا جو استیفاء القسمۃ کے بعد کا معمول ہو اس کے بعد پھر استیناف ہوتا ہے۔

(۵) سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے طواف علی النساء کو حجۃ الوداع کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس موقع پر چونکہ تمام ازواجِ مطہرات آپ کے ساتھ تھیں لہٰذا طواف علی النساء کی دو صورتیں متحقق ہو سکتی ہیں۔

(۱) احرام باندھنے سے قبل، مستحب بھی یہی ہے کہ احرام باندھنے سے قبل اگر اپنی بیوی ساتھ ہو تو وظیفۂ زوجیت سے فارغ ہو لے تاکہ اعمالِ حج میں شہوت اور بد نظری سے محفوظ رہے اور غض بصر آسان ہو لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف علی النساء فرما کر ایک استحبابی عمل میں حصہ دار بنا دیا۔

(ب) دوسری صورت طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد احلال کے وقت بنتی ہے کہ احلال کامل تب آتا ہے جب وظیفۂ زوجیت ادا کیا جائے لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ طواف علی النساء کی وجہ ازواجِ مطہرات کو احلال کرانا ہو۔

ایک توضیح یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ طواف علی النساء کا واقعہ احادیث کے پیشِ نظر صرف دو مرتبہ واقع ہوا ہے ایک واقعہ میں حدیثِ انس ہے جسے امام نوویؒ نے ۱۰۰ نمبر میں نقل کیا ہے امام مسلمؒ نے کتاب الغسل ج ۱ ص ۱۴۴ میں نقل کیا ہے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص ۲۰ میں درج کیا ہے دوسرا واقعہ ابو رافعؓ کے طریق سے آیا ہے جسے امام نیمویؒ نے مسند احمد ج ۶ ص ۱۹ کے حوالے سے روایت ۱۰۱ میں نقل کیا ہے ابو داؤدؒ نے ج ۱ ص ۲۹ پر نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بیوی کے پاس جاتے وقت غسل کیا فاغتسل عند کل واحدۃ منھن غسلا ابو رافعؓ نے عرض کیا حضرت! ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے تو ارشاد فرمایا ھذا اطھر و اطیب وفی روایۃ ھذا ازکی واطیب واطھر۔

۱۰۱ - وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ فَاغْتَسَلَ عِنْدَ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ غُسْلًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ اغْتَسَلْتَ غُسْلًا وَاحِدًا فَقَالَ هٰذَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۱۰۱ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات اپنی ازواج کے پاس چکر لگایا اور ان میں ہر بیوی کے پاس غسل فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول! اگر آپ ایک ہی بار غسل فرمالیتے تو آپ نے فرمایا" یہ زیادہ طہارت اور زیادہ پاکیزگی ہے۔ اس حدیث کو احمد اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

---

(۱۰۱) اس حدیث کا مضمون اوپر کی توضیح میں عرض کر دیا ہے ابورافع کا حضور کی خدمت میں یہ عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تمام کے جماع سے فارغ ہو کر اگر ایک غسل کر لیا جائے تو وہ زیادہ آسان اور اسہل ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسہل کی بنسبت ازکیٰ اور اطہر کو پسند فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ طواف علی النساء بغسل واحد جائز ہے جیسا کہ حضرت انس کی روایت سے ثابت ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا غسل بین الجماعین واجب نہیں اس پر اجماع منقول ہے لہٰذا ابورافع کی حدیث میں جو غسل بین الجماعین مذکور ہے وہ حضور کا ازکیٰ، اعلیٰ اور اطیب عمل ہے جو آپ کی نظافت کے اعلیٰ درجہ پر محمول ہے البتہ بعض روایات میں جماعین کے درمیان بجائے غسل کے وضوء کا ذکر ہوا ہے تو وضوء گویا اعلیٰ اور ادنیٰ کی درمیانی صورت ہے۔

مذکورہ روایات، ازواج مطہرات کے تذکرے اور طواف علی النساء کی مناسبت سے ضروری ہے کہ مسئلہ تعدد ازدواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توضیح کر دی جائے بجائے کسی نئے مضمون اور جدید تحریر کے سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی مفصل تقریر جسے احقر نے حقائق السنن ج ۱ ص۳۱۱ میں مرتب کیا ہے۔ من و عن نقل کر دی جاتی ہے۔

مسئلہ تعدد ازدواج النبیؐ

اعدائے اسلام ملحدین غیر مسلم مفسدین جو نبوت کی عظمت کے منکر ہیں۔ یا جن کے دلوں میں مغربی افکار نے، انکار کے جراثیم چھوڑ دیے ہیں یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف علی النساء سبب کہ ان کی تعداد نو ہو شہوت رانی ہے العیاذ باللہ

اور یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ چار یا چار سے زائد عورتوں سے نکاح ہی ایک گونہ العیاذ باللہ شہوت پر مبنی ہے یہی وہ اعتراض ہے جو اہل یورپ نے خاص طور پر ہر دور میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے تاکہ اہل اسلام کے دلوں سے نبی ؐ کی عظمت نکال دی جائے اور کفر کا راستہ ہموار ہو لیکن اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح آپ کا زمانہ حالات، آپ کا ماحول، اور اس کے تقاضے تبلیغ و اشاعت اسلام کی ضرورت اور متعدد نکاحوں کے حقیقی وجوہات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ آپ کے لیے چار سے زائد ازواج سے نکاح کرنا ضروری تھا اور تبلیغ و تعلیم اور قومی و ملی مصالح کے تقاضے بھی یہی تھے۔ اور یہ چونکہ آپ تمام مخلوق کے لیے ہادی اور مربی بنا کر بھیجے گئے تھے وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔

(۱) جس طرح مردوں کے لیے ہدایت و تربیت ضروری تھی اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اس کی شدید ضرورت تھی یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جس طرح مردوں کے لیے احکام نازل ہوتے تھے اسی طرح عورتوں کے لیے ہدایات و احکام نازل ہوتے تھے، مردوں کو آپ سے علوم حاصل کرنے، مسائل دریافت کرنے اور آپ کی سیرت کو دیکھنے اور سیکھنے کے تمام مواقع میسر اور حاصل تھے۔ جب کہ نامحرم عورتیں نہ تو کھل کر سامنے آ سکتی تھیں اور نہ انہیں مخفی مسائل سمجھائے جا سکتے تھے اور شرعاً اس کی اجازت بھی نہ تھی۔ جب کہ بہت سے مسائل اور امور ایسے ہیں جو کسی اجنبی عورت سے نہیں بلکہ صرف اپنی ازواج ہی سے بیان کیے جا سکتے ہیں اور پھر ان ہی کے ذریعہ ان مسائل کی اشاعت کی جا سکتی ہے اور یہ بھی ضروری تھا کہ جس طرح اشاعت دین و تبلیغ کے لیے مردوں کی جماعتیں تیار ہو رہی تھیں اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی تیار ہو جو عام عورتوں میں تعلیم و تربیت اور تبلیغ و ارشاد کا کام کر سکے۔ ان ہی وجوہات اور شدید ضروریات کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت ازدواج کی اجازت دے دی گئی نتیجہ امت کے سامنے ہے کہ عورتوں سے متعلق جس قدر مسائل اور احکامات ہیں سب ازواج مطہرات کے ذریعہ محفوظ اور امت کے ہاتھوں پہنچے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بھی صحابہ اور اکابر صحابہ کو کسی مسئلہ میں اشکال یا اشتباہ پیدا ہوتا تھا تو فوراً ازواج مطہرات بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہؓ سے رجوع کرتے اور وہاں سے انہیں تشفی ہو جاتی۔ اور کثیر شادیاں آپ نے اس وقت کیں جب عمر ہو چکے تھے، چونکہ ابتدا ئے اسلام میں توحید و رسالت اور عقائد کے متعلق احکامات نازل ہوتے رہے جن کا تعلق ازدواجی زندگی عورتوں کے مسائل اور امور مخفیہ سے کم تھا اس بنا کثرت ازدواج کی بھی ضرورت نہ تھی۔ مکہ مکرمہ میں صرف حضرت سودہؓ تھیں جو آپ کے ساتھ رہیں، مگر وہ طبعی طور ذہنی اور دماغی اعتبار سے کمزور تھیں ہجرت کے بعد جب کہ آپ کی عمر ترپن چوپن برس کی ہو گئی تھی تب اسلامی معاشرت قائم ہوئی اور اصول و عقائد کے علاوہ فروعات، ازدواجی زندگی کے مسائل و احکامات اور عورتوں کے امور مخفیہ کے متعلق احکامات نازل ہونے لگے تب اشاعت دین و تعلیم النساء کی ضرورت کے پیش نظر کثرت

ازدواج کی ضرورت اختیار کی گئی۔ بحیر سب ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ ذکیہ اور فطینہ تھیں۔ تحصیل علوم سے بے انتہا شوق تھا دن رات اسی میں لگی رہتی تھیں یہی وجہ تھی کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ازواج مطہرات میں صرف حضرت عائشہؓ ہی ایسی رفیقہ ہیں جن کے لحاف میں جبرائیل مجھ پر نازل ہوئے اور وحی الٰہی کا پیغام سنایا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ رات کو بھی اپنا سبق یاد کرلیتی تھیں۔

(۲) ثانیاً چونکہ آپ کے پیش نظر اسلامی نظام اور اس کی اصلاحات کو نافذ کرنا اور ایک عظیم اسلامی انقلاب برپا کرنا تھا جس کے لئے ضروری تھا کہ عرب قبائل جو مدتوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور کسی بھی حیلے بہانے سے ایک دوسرے کا خون بہانے سے نہیں چوکتے تھے۔ ان کی عداوتیں ختم کردی جائیں۔ تنازعات اور اختلافات کو دور کر کے اتفاق واتحاد بھائی چارے اور اخوت ومروت کی فضا قائم کردی جائے الفاظ کی بندش اور نظریاتی اور تصوراتی حدود تک یہ کام بہت حسین وآسان نظر آتا ہے لیکن عملی طور اس کے لیے جن مشکلات، مصائب اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کے لیے صرف وہی شخصیت تیار ہوسکتی ہے جس کے ساتھ پیغمبرانہ صداقت اور خدائی طاقت ہو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مقصد کے پیش نظر زبردست حکمت اور تدبر سے کام لیا۔ مختلف قبائل اور قبائل کے سرداروں کی لڑکیوں سے نکاح کر کے بڑے اہم اور مؤثر خاندانوں سے سسرالی اور دامادی رشتہ داریاں قائم کیں اور سب کو رشتہ وقرابت کی لڑی میں پرو کر پرانی عداوتیں، دشمنیاں اور رقابتیں یکسر مٹا دیں۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اس کامیاب نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے یہی ایک وسیلہ ہوسکتا تھا جو آپ نے اختیار فرمایا۔

چنانچہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے آپ نے نکاح کیا حالانکہ اس کے والد ابوسفیان آپ کے شدید دشمن اور اسلام کے مخالف تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادیوں سے نکاح کیا اور حضرت عثمانؓ کے نکاح میں اور حضرت علیؓ کے نکاح میں اپنی صاحبزادیاں دے کر سلسلہ قرابت کو مزید تقویت بخشی حضرت جویریہؓ، حضرت صفیہ سے نکاح کرنے میں بھی یہی حکمت پیش نظر تھی۔ حضرت زینبؓ کے نکاح سے غلط رسوم کا مٹانا اور ایک اصلاحی معاشرتی انقلاب لانا تھا عربوں میں چونکہ قبیلہ واری نظام رائج تھا اس لیے دوستی وحلیفی کے لیے رشتہ داری سے زیادہ مؤثر کوئی دوسری وجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ ہجرت کے بعد ایک اسلامی مملکت قائم ہوئی جو دس سال کے قلیل عرصہ میں پورے جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی عراق وفلسطین تک کے دس بارہ لاکھ مربع میل رقبہ پر محیط ہو گئی تو جغرافیائی نقطہ نظر سے پیغمبر اسلام کے نکاح میں جغرافیائی تقسیم اور ملک گیر وسعت نظر آجائے گی۔ قریب قریب ہر بڑے قبیلے کی اس میں نمائندگی ہے جن کے اثرات بھی نتیجہ خیز اور دور رس ہونے تھے مثلاً اہل کو حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت میمونہؓ بنت حارث دونوں کا تعلق نجد کے زبردست قبیلہ عامر بن صعصعہ سے

تھا خاص کر حضرت میمونہؓ کی آٹھ نو بہنیں تھیں سب نہایت اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں حضرت جویریہؓ بھی بنو المصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں جو نہایت ہی طاقتور اور وسیع قبیلہ تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان رہتا تھا اسی عقد کے ساتھ اسلامی مملکت کی سرحد مکہ کی سمت کوئی سو میل آگے بڑھ گئی قبیلہ کندہ جس سے آنحضرت ﷺ نے ازدواجی تعلق قائم فرمایا عرب میں ایک شاہی خاندان تھا قبل از اسلام ان کی سلطنت جنوبی عراق تک عرب کے مشرقی حصہ میں پھیل گئی تھی اور عہد اسلام میں بھی اس کے اثرات کافی تھے، قبائل کلاب و کلب و بنی سلیم کا بھی یہی حال تھا۔ خود مکہ میں حضرت خدیجہؓ کا تعلق بنی اسد بنی عبد العزیٰ سے تھا۔ حضرت سودہؓ کا بنی عامر بن لوی سے حضرت عائشہؓ کا بنی تیم سے حضرت حفصہؓ کا بنی عدی سے حضرت ام سلمہؓ کا بنی مخزوم سے حضرت ام حبیبہؓ کا بنی امیہ سے اور حضرت زینبؓ بنت جحش کا بنی اسد بن خزیمہ سے اور واقعہ یہ ہے کہ مکہ میں ان سے زیادہ بااثر اور کوئی خاندان نہیں تھے۔ حضرت ماریہؓ قبطیہ مصر کی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا۔ نکاحوں کے ذریعہ مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوششیں فرمائیں وہ نتیجہ خیز اور بارآور ثابت ہوئیں۔

ثالثاً۔ مردوں کے اعصاب اور قویٰ، عورتوں کی نسبت زیادہ مضبوط طاقتور اور قوی ہوتے ہیں اس کے علاوہ عورتوں کو تقریباً ہر ماہ دس ایام حیض کے اور حمل اور ولادت کے بعد کے ایام ایسا زمانہ ہے کہ ان کے پاس جانا شرعاً ممنوع اور طبعاً مکروہ و مضر ہوتا ہے۔ اور اجنبیات سے خفیہ تعلقات بھی شرعاً ممنوع اور حرام ہیں تو اب ضروری ہے کہ مردوں کے لیے ایک ایسی راہ تجویز کر دی جائے جسے اختیار کر کے رجال اپنی طبعی اور فطری قوتوں کو اپنے محل میں صرف کریں اور حرامکاری سے بچے رہیں چونکہ کثرت ازدواج کے سوا اس کی دوسری کوئی صورت ہو نہیں سکتی تھی۔ اس لیے شریعت نے رجال کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی مگر یہ اجازت بھی تب ہے جب رجال اپنی تمام بیویوں کے حقوق ادا کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت عام انسانوں سے بہت زیادہ تھی جیسا کہ حضرت رکانہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے طاقتور پہلوان تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ میں اور تو کوئی خاص علم و فن نہیں جانتا تمام عمر جہالت میں گزری ہے البتہ کشتی لڑنا میرا کمال ہے اور یہی میرا فن ہے اگر آپ اس فن (کشتی) میں مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ کی صداقت کا قائل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ رکانہؓ کو پچھاڑ دیا۔ اور رکانہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ پیغمبرانہ طاقت ہے جو مجھے ہر بار شکست دے دیتی ہے اور اسلام میں داخل ہو گئے

جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے چالیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی جب کہ جنت کے ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر طاقت حاصل ہے دنیا کا ایک مرد چار

عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور شریعت نے اس کی اجازت دی ہے تو یہ اس جانب اشارہ ہے کہ ایک مرد کو اس قدر قوت مردانگی دی گئی ہے کہ وہ چار عورتوں سے وظیفہ زوجیت ادا کر سکتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کے چالیس مردوں کی طاقت حاصل ہے اور جنت کا ایک مرد دنیا کے سو مردوں کے برابر ہے تو اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار مردوں کی طاقت حاصل ہے اور ایک مرد چار عورت کے حساب سے گویا آپ کو سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم فرمایا ان کی تعداد ایک درجن سے بھی کم ہے، قوت مردانگی کی شدت کے باوجود آپ نے خود کو جس طرح محدود و محفوظ رکھا اور جس پاکبازی سے اپنے نفس کا مقابلہ کیا انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

رابعاً: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں سے نکاح کیا سوائے ایک کے سب بیوہ تھیں سولہ ہزار عورتوں کی کفایت کی طاقت رکھنے والے پیغمبر نے پچیس سال تک ایک بیوہ اور ادھیڑ عمر عورت حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ جوانی کا بہترین زمانہ گزار دیا۔ حضرت خدیجہؓ بلے حد پاکباز، عفیفہ اور خدمت گزار خاتون تھیں آپ کے اوصاف و کمالات سن کر از خود آپ سے نکاح کرنے کی درخواست کی اور ہر قسم کے مصائب و آلام میں آپ کے ساتھ شریک رہیں اپنا مال و متاع سب کچھ آپ پر قربان کر دیا۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں دوسری عورت سے آپ نے نکاح نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو آپ نہایت غمگین اور پریشان تھے امور خانہ داری اور گھر کا سارا دم اسی سے تھا گھریلو امور میں سہولت اور آسانی کے لیے آپ نے حضرت سودہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہؓ بھی بیوہ تھیں باقی سارے نکاح اس کے بعد کے ہیں تو پھر وہ شخص جو عقل سلیم رکھتا ہو یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ زمانہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ ہے اس عمر میں شہوت بجھ جاتی ہے جس نے ۱۵ سال سے ۲۵ سال تک جوانی اور شباب کا زمانہ تجرد میں گزار دیا ہو اور پچیس سال کے بعد ایک چالیس سالہ بوڑھی عورت سے نکاح کیا ہو اس عمر کی عورتیں کون ہے جو پسند کرے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام شباب میں عمر رسیدہ عورت سے نکاح اور پھر بڑھاپے میں متعدد نکاحوں کو شہوت پرستی پر محمول کرنا حد درجہ بے انصافی اور عقل و خرد کے خلاف ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعدد ازدواج قرآنی تعلیمات اور اہم دینی اصلاحات کی تعلیم و تبلیغ اور تشہیر کا ذریعہ تھا۔ تعدد ازدواج سے مقصد بھی یہی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حرص دولت یا شہوت کا شبہ کرنا۔ حقائق اور صداقت کا منہ چڑھانا ہے۔ آپ چاہتے تو بہتر سے بہتر کنواریوں اور دوشیزاؤں سے نکاح قائم کر سکتے تھے عرب کے لوگوں نے جب متفقہ طور پر آپ کو بادشاہت اور خوبصورت دوشیزاؤں کی پیش کش کی اور بصورت

بَابُ حُكْمِ الْجُنُبِ

۱۰۲۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

باب۔ جنبی کا حکم۔ ۱۰۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں جب سونے کا ارادہ فرماتے، تو استنجاء کرتے اور وضو فرماتے جیسا کہ آپ نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔"

اس حدیث کو محدثین کی جماعت نے بیان کیا ہے۔

انکار ہی سے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تب بھی دعوت و تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کے کام سے باز نہیں آؤں گا۔

خامسًا انسانیت کی تاریخ میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انبیاء، عقلاء، علماء یا کسی زمانہ کے حکماء نے تعدد ازدواج کی مخالفت کی ہو۔ بلکہ اسلام سے قبل تعدد ازدواج کا دستور تمام دنیا میں رائج تھا۔ حضرات انبیاء کرام بھی اس پر عمل پیرا تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متعدد بیویاں تھیں اسلام پر اعتراضات کرنے والے یہود و نصاریٰ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی کتابوں بائیبل وغیرہ میں ایسی شادیوں کی تعداد سیکڑوں بلکہ اس سے بھی متجاوز ہے۔ البتہ اسلام نے اس کی تحدید کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے کیونکہ نکاح سے اصل مقصود عفت اور فرج کی حفاظت ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد ایک عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوقِ زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ایسے لوگ جو لاکھوں اور کروڑوں کی دولت کے مالک ہیں۔ اور اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کر لیں کہ ان کی تنگی فراخی سے بدل جائے۔ اور غربت و افلاس کی مصیبت سے نجات مل جائے تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایسا نکاح عین عبادت ہے اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی قومی ہمدردی ہے۔

(۱۰۲ تا ۱۱۰) جنابت انسانی فطرت کا لازمہ ہے شریعت میں جنابت سے طہارت کے تاکیدی احکام اور غسل کی فرضیت سے جنابت کی حالت کے بارے میں یہ توہم بھی ہو سکتا تھا کہ صلوٰۃ اور تلاوتِ قرآن کی طرح عام ضروریاتِ زندگی کی تکمیل بھی اس حالت میں نہ کی جائے کہ یہ حالت ناپاکی کی ہے۔

اس باب میں امام نووی نے وہ اکثر احادیث درج کر دی ہیں جو حالتِ جنابت سے متعلق انسانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔

حالت جنابت میں عبادات کے علاوہ عام انسانی ضروریات وحاجات کی تکمیل کی شرعاً اجازت، بیان شرائط، ائمہ متبوعین کے ہاں ان کی حیثیت اور اس سے متعلق مختلف امور کی توضیح سے متعلق تمہیداً عرض ہے۔

حالتِ جنابت کے احکام

ایسے امور جن کے لیے طہارت شرط ہے وہ جو جنبی کے لیے شرعاً ممنوع ہیں مثلاً صلوٰۃ دخولِ مسجد مسِ مصحف، تلاوتِ قرآن وغیرہ مگر ایسے امور جن کے لیے طہارت شرعاً شرط نہیں اور جن کا تعلق عام ضروریاتِ زندگی سے بہت گہرا ہے مثلاً اکل وشرب وبیع وشراء گھروں سے باہر آنا جانا مزدوری مشقت اور سونا وغیرہ تو ان کے لیے حالت جنابت میں علی الترتیب چار صورتیں ہیں۔

(۱) جنبی حالتِ جنابت کے لحوق کے متصل غسل کرے اس کے بعد جو کام بھی کرے مثلاً اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا کھانا پینا، ملاقات وگفتگو اور معاملات، غسلِ جنابت کے بعد کرے یہ صورت اکمل اور ہر لحاظ سے افضل و بہتر ہے۔

(۲) جنابت کے بعد صرف وضو کرے پھر مندرجہ بالا امور انجام دے یہ صورت افضل تو نہیں البتہ مستحب اور سہ پہلی سے کمتر ہے۔

(۳) جنبی نہ غسل کرے اور نہ وضو، البتہ مواضع النجاست کو دھو ڈالے جہاں جہاں نجاست لگی ہے اس کا ازالہ کر دے پھر اپنے کام کاج میں لگ جائے اس صورت میں وضو سے وضوء لغوی مراد ہے یہ صورت اگرچہ فرض بلکہ مستحب بھی نہیں البتہ شرعاً حرام بھی نہیں ہے۔

(۴) جنبی جوں ہی ملوث ہوا نہ وضو کیا اور نہ غسل یہ صورت سب سے قبیح ہے اور شرعاً مذموم ہے۔

وضو قبل النوم کی حکمتیں

بیان مذاہب، مستدلات، اور مسلکِ راجح کے وجوہِ ترجیح سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اشکال کا حل، ایک تعارض کا رفع اور اسی ضمن میں وضوء قبل النوم کی چند حکمتیں عرض کر دی جائیں کہ باب ہٰذا کے احادیث میں وضوء قبل النوم کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اشکال تو یہ ہے کہ احادیث میں وضوء قبل النوم کو مستحب قرار دیا گیا ہے اگرچہ ظواہر اسے واجب قرار دیتے ہیں یہ وضوء بظاہر نیند سے معارض ہے کہ نوم، شرعاً ناقض الوضوء ہے جب وضوء کی غرض یہ ہو کہ باوضو سویا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وضو کر کے اسے توڑ دیا جائے جس سے بظاہر وضو قبل النوم کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو پھر اس کے استحباب کے وجوہ کیا ہو سکتے ہیں؟ علماء محققین نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں مگر سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نے جس تفصیل سے کلام کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے جو ذیل میں حقائق السنن سے من وعن پیش خدمت ہے۔

(۱) حالتِ جنابت میں وضو قبل النوم سے نجاست میں تخفیف آجاتی ہے جس پر ایک فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ عشاء کے وقت جنابت لاحق ہونے کے بعد ایک شخص نے وضو کیا اور سو گیا، سحری کو آنکھ کھلی تو پانی کی اس قدر

قلت تھی کہ وہ جمیع بدن کے غسل کے لیے کافی نہیں ہو سکتا تھا یعنی اس قدر پانی مہیا نہیں تھا کہ وہ سارے بدن کو دھو سکے تو اب اس کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ اگر وہ قلیل مارکو اعضاء وضو کے غسل میں استعمال کئے بغیر باقی بدن کو تر کر ڈالے تو اس کا غسل جنابت پورا ہو گیا جنابت سے طہارت کے لیے اب اعضاء وضو کے دھونے کی ضرورت نہیں یہ علیٰحدہ مسئلہ ہے کہ اگر وہ نماز پڑھنا چاہے تو اسے تیمم کرنا پڑے گا کیونکہ حدث اصغر تو اب بھی موجود ہے تو یہ تیمم رفع الجنابت نہیں بلکہ لازالۃ الحدث الاصغر ہے۔ بہرحال ایسا وضو نوم سے نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ اپنے حال پہ باقی ہے اور اس سے جو تخفیف فی الجناست کا فائدہ حاصل ہوا تھا وہ بعد النوم بھی باقی رہا۔

ملائکہ رحمت کا احترام

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ کا کائناتی اور تکوینی نظام کچھ ایسا ہی ہے کہ درجہ اسباب میں انسانوں کی طرح، نورانی مخلوق بھی اپنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف کار ہے کچھ ملائکہ ایسے بھی ہیں جن کے ذمہ زمین کی سیاحت اور اللہ کی یاد کرنے والوں کی تلاش ہے جو صبح کو آتے ہیں وہ رات کو چلے جاتے ہیں اور جن کی ڈیوٹی رات کو ہوتی ہے وہ صبح کو واپس ہوتے ہیں۔ خدا کی نیک مخلوق بالخصوص ملائکہ کا جہاں بھی ورود ہوتا ہے وہاں خیر وبرکت کا نزول بھی ہوتا ہے بنی نوع انسان کے ساتھ بھی ملائکہ کی مختلف ذمہ داریاں متعلق ہیں کچھ ایسے ہیں جو اعمالنامے لکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو انسان کے مختلف احوال میں، آفات وبلیات اور کائناتی حادثات سے حفاظت کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے سروں پر خدا جانے کتنے من بھاری ہوا موجود ہے۔ اگر اس کے وزن سے ہماری حفاظت نہ کی جاتی تو یقیناً اس کے بوجھ تلے ہم کچلے جاتے۔ اور بعض ملائکہ ایسے بھی ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے اور ہر لمحہ اس کی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ (الآیۃ) بہرحال دن رات کو گشت کرنے والے ملائکہ جب ایسے گھروں میں جاتے ہیں جہاں عبادت ہوتی ہے، اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ دین کا چرچا ہوتا ہے تو وہاں چند ساعتیں ٹھہرتے ہیں جو اس مقام کے لئے بڑی خیر وبرکت کا باعث ہوتا ہے۔ مگر رحمت کے یہ فرشتے ایسے گھروں میں داخل نہیں ہوتے۔ جہاں کتے ہوں یا تصاویر آویزاں ہوں یا اہل خانہ کو جنابت لاحق ہو اور وہ غسل نہ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ثلثۃ لا تقربہم الملئکۃ جیفۃ الکافر والمتضمخ بالخلوق والجنب الّا ان یتوضأ ۔ تو الّا ان یتوضأ کے استثناء سے اس جانب اشارہ ہے کہ اگر جنب نے وضو کر لیا تھا پھر جنابت ملائکہ رحمت کے داخلے سے مانع نہیں، اس حدیث سے ایک تو جنابت سے وضو قبل النوم کے استحباب کا اشارہ ہوا۔ دوسرا وضو قبل النوم کے استحباب کا یہ فائدہ بھی ظاہر ہوا کہ رحمت کے فرشتے بھی اس کے گھر میں داخل ہوں گے۔ اور ان کی آمد سے خیر وبرکت کے نزول سے محروم نہیں رہے گا

بارگاہ خداوندی میں حاضری کے آداب

۳۔ اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ یتوفی

الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضٰی علیہا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّی (الاٰیۃ) جب نیند آتی ہے تو روحیں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتی ہیں (کما یلیق بشانہ) جن کی موت مقدر نہیں ہوتی ان کی روحیں واپس اپنے جسد میں آجاتی ہیں اور وہ بیدار ہوجاتے ہیں البتہ جن کے مقدر میں موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو روح واپس نہیں لوٹتی۔ بلکہ موت کے بعد والے مستقر میں پہنچ جاتی ہے۔ تو نص قرآنی کی تصریح کے پیشِ نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی روحیں حالتِ منامی میں اپنے خالق کے حضور حاضری دیتی ہیں تو جب ہم دنیا کے کسی معمولی بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو بدن اور لباس کی صفائی کرتے ہیں تاکہ روح متاثر ہو اور طبیعت کشادہ رہے۔ اور شاہی دربار کے آداب بھی ملحوظ رہیں۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ جب روحیں اللہ کے حضور حاضری دیں۔ تو ان کو بھی بہتر سے بہتر نظافت و طہارت حاصل ہونی چاہیئے۔ اور یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ کہ بدن کی نجاست و طہارت۔ روح پر اثر ہوتی ہے اگر بدن طاہر ہے تو روح بھی شاداب و فرحاں رہے گی اور اگر بدن نجاست آلود ہے تو روح بھی منقبض اور پریشان رہے گی۔ جس کا بدن طاہر ہے اس کی روح بھی طاہر ہے اور جس کا بدن نجس ہے اس کی روح بھی نجس ہے اللہ کے حضور میں ہی اصل طہارت روح کی معتبر ہے۔ روحانی طہارت کے حصول کا ذریعہ بدن کی طہارت ہے جو شرعاً اہم قرار دے دی گئی ہے چونکہ حالتِ منامی روحوں کے لیے بارگاہِ ربوبیت میں ایک گونہ حاضری ہے اس لیے یہی بہتر ہے کہ نوم سے قبل وضو کرلیا جائے تاکہ روح کو طہارت اور نشاط حاصل ہو اگر بارگاہِ ربوبیت کی حاضری نصیب ہو تو باوضو ہو۔

روحانی نشاط و انبساط

(۴) چوتھا فائدہ علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جب انسانی جسم سے فضلہ خارج ہوتا ہے تو طبیعت کو انقباض تکدر اور بوجھ سا محسوس ہوتا ہے جب استنجا کرلیا جائے تو طبیعت نشاط کی جانب مائل ہوجاتی ہے۔ اور جب وضو کرلیا جائے تو ایک روحانی سرور اور باطن میں نور کا احساس ہوتا ہے۔ یہ تو عام بول و براز میں انسان کی طبعی عادت ہے۔ رسب کو لاحق ہے رمنی تو اگر چہ نجس نہیں مگر چونکہ نجس ہے جس کے ازالہ نجاست کے لیے شرعاً غسل کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے خروج سے تو لطیف اور لطیف اور پاکیزہ روحوں کو طبعی انقباض و تکدر لاحق ہوجاتا ہے۔ دوسری طرف مومن کی شان بھی یہی ہے کہ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ (الاٰیۃ) اہل ایمان ہر وقتی ذکر کے علاوہ سونے کے وقت کے اذکار اٹھنے بیٹھنے اور پہلو بدلنے اور سوکر اٹھنے کے ذکر سے ہر دم رطب اللسان رہتے ہیں یہ اذکار اگرچہ حالتِ جنابت میں بھی جائز ہیں۔ مگر بوجہ جنابت کے جو طبعی انقباض اور روحانی کدورت انسان کو لاحق ہوجاتی ہے اس کی وجہ سے ذکر کرنے میں نشاط اور طبعی انبساط نہیں رہتا، بلکہ ایسی حالت میں غفلت خداوندی اور اپنی ناپاکی کے غالب تصور سے ذکر

میں جی نہیں لگتا۔ گھٹن محسوس ہوتی ہے لیکن اگر وضو کر لیا جائے تو ایک گونہ طہارت حاصل ہو جاتی ہے طبعی کدورت کم ہو جاتی ہے اور طبیعت میں ذکر کا اشتیاق اور اس کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے اس لیے یہی بہتر ہے کہ وضو قبل النوم کر لیا جائے تاکہ جب بھی خدا کا ذکر کرے تو نشاط، فرحت اور انبساط حاصل رہے۔

مؤمن کا روحانی ہتھیار

ارشاد نبوی ہے کہ "الوضوء سلاح المؤمن" وضو مومن کا سلاح ہے اس سے شیطانی حملوں کی مدافعت ہوتی ہے۔ نور الانوار اور تفسیرات احمدیہ کے مصنف، ملا جیونؒ جو اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ کسی معاملہ میں استاد اور شاگرد کے درمیان ناراضگی پیدا ہو گئی، شہزادہ نے ملا جیون سے کہا کہ اورنگ زیب نے تمہاری گرفتاری کے لیے پولیس اور فوج روانہ کر دی ہے ملا جیون صوفی آدمی تھے شہزادہ سے کہا وضو کا پانی لاؤ تاکہ وضو کروں اور مسلح ہو جاؤں۔ عالمگیر نیک انسان تھے جب انہیں اس کی اطلاع ملی تو ملا جیون کے نام پیغام بھیجا کہ خدا کے لیے مجھے معاف کریں آپ کے اسلحے کا مقابلہ میرے بس کی بات نہیں (حقائق السنن ج ۱ ص ۳۶۴)

بیان مذاہب

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ (آغاز بحث میں عرض کردہ) پہلی صورت افضل و اکمل اور راجح ہے یعنی جنبی اگر سونا چاہے کھانا چاہے یا دوبارہ اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو افضل یہ ہے کہ غسل کر لے وضو کرنا بھی مستحب ہے البتہ آخری صورت بھی جائز ہے کہ استنجاء کئے بغیر بھی سو سکتا ہے اور دیگر ایسے امور بھی سرانجام دے سکتا ہے جن کے لیے طہارت شرعاً ضروری نہیں ہے تاہم یہ صورت خلاف اولیٰ ہے جبکہ وضو بعد الجنابت مستحب ہے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۹۴)

(۲) داؤد بن علی الظاہریؒ اور ابن حبیب المالکیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جنابت کے بعد وضو ضروری ہے قبل الوضوء کوئی کام بھی جائز نہیں مسئلہ زیر بحث نوم کا ہے تو اہل ظواہر جنب کے لیے وضوء قبل النوم واجب قرار دیتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۵ العرف الشذی ص ۶۷)

وضوء لغوی نہیں، شرعی مراد ہے

چونکہ باب ہذا کی احادیث میں بار بار وضوء کا ذکر آیا ہے اس لیے یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ وضوء کی مراد واضح کر دی جائے اس کے بارے میں دو آراء ہیں۔

(۱) بعض حضرات نے صرف لغوی وضوء مراد لیا ہے یعنی استنجاء کرنا اور ہاتھ دھو لینا۔

(۲) راجح اور صحیح مسلک یہ ہے کہ احادیث باب میں وضوء سے مراد شرعی وضوء ہے جیسا کہ باب ہذا کی پہلی روایت سیدہ عائشہؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ

۱۰۳- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَرْقُدُ اَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ

۱۰۳- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا ہم سے کوئی حالتِ جنابت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "جب کہ وہ وضو کر لے"
اس حدیث کو جماعت محدثین نے بیان کیا ہے۔

اور امام ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے جس میں صراحتاً وضوءہ للصلوٰۃ کی تصریح ہے۔
مؤطا کی روایت ہے عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا کانت تقول اذا اصاب احدکم المرأۃ ثم اراد ان ینام قبل ان یغتسل فلا ینم حتی یتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ (تعلیق) اسی باب میں درج شدہ روایت نمبر ۱۰۴ جو عمار بن یاسر سے منقول ہے میں بھی وضوءہ للصلوٰۃ کے الفاظ منقول ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت بھی اسی مضمون کی ہے کہ آپؐ نماز جیسا وضو کرتے ورجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۳)

احادیث باب کی تشریح اور فریقین کے دلائل اور جوابات

۱۰۲- یہ روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں جب سونے کا ارادہ کرتے تو استنجا کرتے اور وضو فرماتے، جیسا کہ آپ نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے دوسری صورت کے استحباب کے لیے یہ روایت مستدل ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے سوتے وقت غسل کرنا واجب نہیں وضو کر کے بھی سو سکتا ہے توضأ وضوءہ للصلوٰۃ کا معنی ہے کما للصلوٰۃ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس وضوء سے نماز پڑھتے تھے کیونکہ جنابت کی حالت میں بغیر غسل کے کیسے نماز نہیں پڑھ سکتے۔

(۱۰۳) حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت ظاہریہ کا مستدل ہے حضرت عمرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم سے کوئی حالت جنابت میں سو سکتا ہے؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّأَ۔ اذا جملہ شرطیہ ہے اور یہ قید ہوتی ہے اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کے لیے قبل النوم وضو کر لینا ضروری ہے مزید استدلال یہ بھی کرتے ہیں کہ جب نوم جو ناقض وضوء اور اس کے منافی ہے کے لیے وضو کرنا ضروری ہے تو پھر جنبی کے لیے اکل و شرب اور دیگر ضروریات

۴۰۱۔ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ أَوْ يَنَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

۴۰۱۔ عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو جب وہ کھانا پینا یا سونا چاہے تو رخصت عطا فرمائی کہ وہ نماز کے وضو جیسا وضو کرے"۔

اسے احمد اور ترمذیؒ نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

زندگی کی تکمیل، وضو کیے بغیر بطریق اولیٰ ناجائز ہونی چاہیے ائمہ اربعہ جمہور جواب میں کہتے ہیں کہ یہی روایت صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان طبرانی اور موارد الظمآن ص۸۱ وغیرہ میں قدرے مزید اضافہ نعم ان شاء کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے جو اس بات کی توضیح ہے کہ نعم یا اذا توضأ سے وضو کو شرط نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ اس سے وضو قبل النوم کے استحباب اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ اس روایت سے ایک طرف تو اہل ظواہر کی تردید ہوتی ہے دوسری طرف یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ جمہور کا مسلک صحیح اور قوی ہے۔

جمہور کا دوسرا مستدل حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ انہ کان یتوضأ قبل ان ینام ترمذی باب فی الجنب ینام قبل ان یغتسل، جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اور عادت مبارکہ یہی کہ سونے سے قبل وضو کر لیا کرتے تھے۔

جمہور کا تیسرا مستدل بھی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب ولا یمس ماء (ترمذی باب فی الجنب ینام قبل ان یتوضأ) جس سے ظاہریہ کی تردید اور مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر جنبی شخص غسل اور وضو کیے بغیر بھی سو جائے تو یہ اس کے لیے جائز ہے جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ انما امرت بوضوء اذا قمت الی الصلوۃ (فتح الباری ج ۱ ص۲۷۱ ابو عوانہ ج ۱ ص۲۷۱ ابن خزیمہ ج ۱ ص۳۱) حدیث میں حصر کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ قبل از نوم جنبی کے لیے وضو ضروری نہیں البتہ یہ خلاف اولیٰ ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ قبل از نوم وضو ضروری نہیں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تھے اور کبھی بیان جواز کے لیے نہیں کرتے تھے تاکہ امت پر حرج نہ آئے (شرح المہذب ج ۲ ص۵۵) امام نوویؒ نے قاضی ابوبکر بن العربی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر اول رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے تو اس موقع پر وضو کر کے سوتے اور اگر آخر رات میں جنبی ہوتے تو اس موقع پر بغیر وضو کے سو جاتے کیونکہ وقت تھوڑا باقی رہ جاتا تھا (شرح المہذب ج ۱ ص۱۵۶)

(۴۰۰ تا ۴۰۱) یہ دونوں روایات بھی ائمہ متبوعین اور جمہور فقہاء کا مستدل ہیں جن میں حضور اقدس

۱۰۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ قَالَتْ غَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَأْكُلُ أَوْ يَشْرَبُ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۰۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو فرماتے اور جب کھانا پینا چاہتے، ام المومنینؓ نے کہا آپ اپنے دونوں ہاتھ مبارک دھوتے پھر کھاتے یا پیتے۔

اس حدیث کو امام نسائیؒ نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ جب کھانا، پینا یا سونا چاہے تو غسل کئے بغیر وضو پر اکتفا کرے اور وضو بھی واجب نہیں مستحب ہے جیسا روایت ۱۰۵ میں حضرت عائشہ رضی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں سونا چاہتے تھے تو وضو کر لیا کرتے تھے اور اگر کھانا پینا چاہتے تھے تو غسل یدیہ ہاتھ دھو لینے پر اکتفا کر لیا کرتے تھے اسی طرح روایت ۱۰۶ میں بھی حضرت عائشہ سے یہی مضمون مروی ہے کہ کھانے کے وقت ہاتھ دھو لیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ابوداؤد میں حضرت عائشہ سے ایک روایت ہے۔

عن عائشة ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یاکل او ینام توضأ یعنی وھو جنب (باب من قال الجنب یتوضأ)

حضرت عائشہؓ کے حدیثین میں تعارض اور اس کا حل

حضرت عائشہ کی دونوں روایات میں تعارض ہے روایت نمبر ۱۰۵ میں کھانے پینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل یدین کا معمول منقول ہے دوسری روایت میں توضأ کے الفاظ آئے ہیں شارحین حدیث نے اس کے متعدد جوابات نقل کئے ہیں۔

لا: توضأ والی روایت غسل یدیہ پر محمول ہے کہ وضو معنی لغوی پر محمول ہے علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حالت جنابت میں اکل و شرب کے وقت وضو سے مراد غسل یدین ہے اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ نسائی (کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱ باب اقتصار الجنب علی غسل یدیہ) کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے جسے امام نیمویؒ نے ۱۰۵ میں نقل کیا ہے مگر یاد رہے کہ روایت ۱۰۲ سے بہرحال اس کی

۱۰۶۔ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّطْعَمَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَطْعَمُ۔ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۰۷۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۶۔ ام المؤمنینؓ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے کا ارادہ فرماتے اور آپ جنبی ہوتے، دونوں ہاتھ مبارک دھوتے پھر کھاتے"

یہ حدیث ابن خزیمہ نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے ۔

۱۰۷۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں تصویر، کتا یا جنبی ہو"

اس حدیث کو ابوداؤد، اور نسائی نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے ۔

مخالفت ہوتی ہے ۔

۲۔ یا دونوں حدیثیں مختلف احوال اور مختلف اوقات پر محمول ہیں بعض اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف غسل یدین پر اکتفاء فرمایا کرتے تھے بعض حالات میں وضو کر لیا کرتے تھے تاکہ حدث میں تخفیف اور زیادہ تنظیف حاصل ہو۔ (بذل المجہود ج ۱ ص ۱۳۶)

۱۰۷۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی شخص ہو۔

جس گھر میں جنبی، کتا اور تصویر ہو

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر فرشتوں سے عام فرشتے مراد نہیں بلکہ وہ فرشتے مراد ہیں جو رحمت و برکت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں حفاظت کے فرشتے، اور کراماً کاتبین اور دیگر مختلف ڈیوٹیوں پر مامور فرشتے تو ہر وقت انسان کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ فانهم لا يفارقون الجنب (بذل المجہود ج ۱ ص ۱۳۸)

جنبی سے بھی مطلقاً جنبی مراد نہیں بلکہ مراد وہ شخص ہے جس کو جنابت لاحق ہوئی مگر اس نے بے پروائی برتی حتی کہ عدم غسل کو اپنی عادت بنا لیا یہ مذموم ہے ورنہ جنابت سے غسل کو وقت صلوٰۃ تک مؤخر کرنا تو حضورؐ سے معمول منقول ہے ۔ رقالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينام وهو

۱۰۸۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ مَا لَمْ يَكُنْ

۱۰۸۔ حضرت علیؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے جب کہ آپ جنبی

جنب من حیوان بلمس ماء (بذل المجهود ج ۱ ص ۱۳۴) یا پھر وہ جنبی مراد ہے جو حالتِ جنابت میں کھاتا پیتا اور سوتا رہے مگر وضو یا استنجاء اور غسلِ یدین تک نہ کر لیتا ہو۔

کتوں کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے ہر کتا مراد نہیں نہ ہر کتے والے گھر میں فرشتوں کا داخلہ ممنوع ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس گھر میں کتے از راہ شوق و فیشن رکھے جائیں گے تو یہ جائز نہیں ہوگا ایسے شخص کے گھر رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوں گے ہاں اگر ضرورت اور حاجت کی وجہ سے کتا پالا جائے شکار کی غرض سے کھیتی باڑی اور گھر کی حفاظت کی غرض سے یا آج کل تحقیق و تفتیش کی غرض سے تو جائز ہے اور ان کا پالنا درست ہے باقی رہا تصویر کا مسئلہ تو گزارش ہے کہ تصویر اگر جاندار کی ہو اور بلند جگہ پر ہو دیواروں پر آویزاں ہو یا چھت پر لگی ہوئی ہو یا ایسے ہی پردوں پر تصویریں بنی ہوئی ہوں تو اس سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے البتہ اگر تصویر بچھونے پر ہو یا پاؤں رکھنے کی جگہ پر ہو کہ تصویر کی تذلیل ہوتی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

البتہ اگر تصویر غیر جاندار کی ہے مثلاً پہاڑ ہے درخت ہے کوئی سبزی ہے یا عمارت ہے تو اس کی ممنوعیت نہیں ہے البتہ تصویر جاندار کی ہو مگر اس کا سر کٹا ہوا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ تصویر اگر تذلیل کے مقام پر ہے روندی جاتی ہے اس کا احترام نہیں کیا جاتا تکیہ پر ہے تو وہ بھی مکان میں فرشتوں کے دخول سے مانع نہیں ہے اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ نابالغ لڑکیوں کا گھروں میں گڑیاں اور کھلونے رکھنا بھی جائز ہے۔

سکوں اور نوٹ پر تصویر کا مسئلہ

سکوں اور نوٹ کا مسئلہ بھی اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور ان کے استعمال و حفاظت کے بغیر اسباب معیشت بھی ممکن نہیں ہیں لہٰذا ان کا مکان میں رکھنا جائز ہے اپنی نگرانی اور جیب میں رکھنا بھی جائز ہے کہ جمہور امت کا اس پر عمل رہا ہے تا ہنوز امت کا یہی تعامل متوارث ہے سب اس سے لین دین کرتے اور معاملات نمٹاتے ہیں اور کبھی بھی کسی عالم نے ان کے رکھنے اور استعمال سے منع نہیں کیا ہے۔

۱۰۸۔ یہ روایت بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے

جُنُبًا۔ رَوَاہُ الْخَمْسَۃُ وَحَسَّنَہُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہُ ابْنُ حِبَّانَ وَآخَرُوْنَ۔

نہ ہوتے۔" اس حدیث کو اصحاب خمسہ نے بیان کیا ہے، اسے ترمذی نے حسن ابن حبان اور دیگر محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

جب کہ آپؐ حالت جنابت میں نہ ہوتے

قرآن کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جنبی شخص اس کی تلاوت نہ کرے البتہ جنبی، تبرک یا تشکر کے طور پر اگر کچھ پڑھ لے تو شرعاً اس کی اجازت ہے مثلاً بسملہ، تعوذ، حمدلہ وغیرہ امام نوویؒ نے جنبی اور حائضہ کے لیے تسبیح تحمید، تہلیل اور ذکر کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ (شرح المسلم للنووی ج ۱ صـ۱۶۲)

بیان مذاہب

تمہیداً جو کچھ عرض کیا گیا یہی جمہور صحابہؓ، ائمہ ثلاثہؒ اور تابعینؒ کا مسلک ہے کہ جنبی کے لیے قرآن اٹھا کر، دیکھ کر، یا دیکھے بغیر تینوں صورتوں میں مطلقاً تلاوت ممنوع ہے حائض اور نفساء کا بھی یہی حکم ہے البتہ تسبیح، تہلیل، ترجیع اور آیت کا بعض حصہ تعلیم کے لیے پڑھنے کی اجازت ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں اگر حائضہ معلمہ ہو تو بچوں کو قرآن پڑھا سکتی ہے کیونکہ کلمۃً کلمتین یا مادون الآیۃ کو قرآن نہیں قرار دیا جا سکتا، امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ کلمات مفردہ قرآن نہیں لہٰذا اگر مفردات قرآن کے ذریعہ قرآن کی تعلیم دی جاتی رہے تو یہ جائز ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ مادون الآیۃ کی تلاوت جائز ہے کیونکہ اس کے مقابلہ کا چیلنج کفار کو نہیں کیا گیا مثلاً آیت مداینت جو قرآن میں سب سے بڑی آیت ہے امام کرخیؒ کے نزدیک حائضہ عورت تعلیم قرآن کے وقت اس کو کلمۃً کلمۃً پڑھائے گی امام طحاویؒ کے نزدیک اگر ایک لفظ کم ساری آیت پڑھ لی تو ممنوع نہیں کیونکہ یہ مادون الآیۃ ہے تاہم مرد جنب چاہے غسل کر کے خود کو پاک کر لے اور تلاوت کرتا رہے اگر پانی میسر نہیں تو تیمم کی بھی اجازت ہے گویا طہارت جنبی کے اپنے اختیار میں ہے بخلاف حائضہ کے کہ اسے ازالۂ نجاست پر کوئی اختیار نہیں جسے نہ تو پانی سے دور کیا جا سکتا ہے اور نہ تیمم کی اجازت ہے چونکہ حیض اغلظ النجاسات ہے لہٰذا حائضہ عورت کے لیے تلوث بالحیض کی وجہ سے تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

(۲) امام بخاریؒ، طبریؒ، ابن المنذرؒ اور داؤد بن علی الظاہری کہتے ہیں کہ جنبی اور حائضہ قرآن پڑھ سکتے ہیں (تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۱۲۳) سعید بن المسیبؒ، حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ کا یہی مسلک ہے (معالم السنن ج ۱ صـ۱۵۶)

جمہور کے دلائل (۱) قرآن کی نص میں مس قرآن کی ممانعت ہے لا یمسہ الا المطھرون یہ

بند مرتفع ہے لیکن معنا انشاء ہے جس طرح مس مصحف ممنوع ہے اسی طرح حالت جنابت میں، اور حالت حیض ونفاس میں بھی تلاوت منع ہے کہ اسے لسان سے مس کرنا پڑتا ہے۔

(۲) حدیث باب جسے امام ترمذیؒ نے ۱۰۸ نمبر پر نقل کیا ہے جمہور کا مستدل ہے جس کو امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرؤنا القرآن علی کل حال ما لم یکن جنبا (مستدرک حاکم ج ۱ ص۱۵۲، سنن کبریٰ ج ۱ ص۸۹ دارقطنی ج ۱ ص۱۱۹) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے دارقطنی بھی تصحیح کرتے ہیں۔

(۳) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ہمارے ساتھ گوشت وغیرہ کھاتے اور ہمیں قرآن پڑھاتے لا یحجبہ او یحجزہ لیس الجنابۃ، لفظہ للنسائی ای الا الجنابۃ (مشکوٰۃ ص۵۳ نسائی ج ۱ ص۳۷ موارد الظمآن ص۸۷)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں قلت: ھو من قبیل الحسن یصلح للاحتجاج بہ (تلخیص الحبیر ص۵۱) ایک اور روایت میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحجبہ عن قراءۃ القرآن شئ ما خلا الجنابۃ (موارد الظمآن)

۴۔ حضرت ابن عمرؓ کی صریح اور واضح روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقرء الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن (ترمذی باب ما جاء فی الجنب والحائض الخ)

داؤد ظاہریؒ اور امام بخاریؒ کے دلائل اور جوابات

داؤد ظاہریؒ اور امام بخاریؒ جنبی اور حائضہ کے لیے تلاوت قرآن کو جائز قرار دیتے ہیں اور استدلال حضرت عائشہؓ کی روایت سے کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ (مسلم ج ۱ ص۱۶۲ و ابوداؤد ج ۱ ص۴)

مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ سیدہ عائشہؓ کی اس روایت کا صحیح محل ذکر قلبی اور احوال مختلفہ کے اذکار متوارثہ ہیں اور ذکر سے مراد غیر القرآن ہے۔

داؤد ظاہری کا دوسرا استدلال ان المؤمن لا ینجس کی روایت ہے مگر جمہور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی نجاست کافر و مشرک کی طرح اعتقادی نہیں ہوتی یہ مطلب نہیں کہ جنابت وغیرہ کے آثار بھی اس پر ظاہر نہیں ہوتے۔

جنبی اور محدث اور مس قرآن کا مسئلہ

حدیث باب کی مناسبت سے ذیل میں جنبی اور محدث کے مس قرآن کا مسئلہ بھی بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ

متعلقہ بحث میں طلبہ کو تشنگی نہ رہے۔ اس میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں (فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۴۲) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں حدث اکبر ہو یا حدث اصغر لقولہ تعالی لا یمسہ الا المطہرون ولحدیث الترمذی لا یمس القرآن الا طاہر (الاتقان ج ۲ ص ۱۷۱) قاضی شوکانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ جنبی قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۶)

(۲) امام بخاریؒ اور طبریؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا درست ہے۔ داؤد بن علی الظاہریؒ کہتا ہے کہ جنبی کو بھی مس قرآن کی اجازت ہے۔

جمہور کے دلائل

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یمس القرآن الا طاہر (دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱ و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶)

ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواتہ ثقات نواب صدیق حسن خان اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ علامہ الہیثمیؒ نے اس کے رواۃ کی تصدیق کی ہے (دلیل الطالب ص ۲۵۲ وبدور الاہلہ ص ۳)

(۲) حضرت حکیمؓ بن حزام سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کئی ہدایات دیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ لا تمس القرآن الا وانت طاہر (موارد الظمآن ص ۲۰۲ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۸۵)

(۳) عمرو بن حزم سے مرسلاً روایت ہے کہ جب وہ عامل تھے تو حضورؐ نے ان کو ہدایات پر مشتمل ایک تحریر لکھی جس میں ایک حکم یہ بھی تھا لا یمس القرآن الا وانت طاہر تفصیلی روایت میں آیا ہے کہ اس تحریر میں مزید احکام بھی تھے (موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۹۹) قاضی شوکانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن حزم کا یہ خط حدیث متواتر کے مشابہ ہے کیونکہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۶)

(۴) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ سے بھی اس مضمون کی ایک روایت منقول ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۹۹)

(۵) عبدالرحمن بن یزید تابعیؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان الفارسیؓ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے واپس آئے تو ہم نے عرض کیا یا ابا عبد اللہ لو توضأت فسألناك عن اشیاء من القرآن فقال سلونی فانی لست امسہ انما یمسہ المطہرون ثم تلا لا یمسہ الا المطہرون (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۷۷) زیلعیؒ نے اس اثر کو نقل کر کے "بسند جید" کا حکم لگایا ہے (نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۹۹)

۱۰۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

۱۰۹۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں حلال نہیں قرار دیتا مسجد میں داخلہ کو حیض والی عورت اور نہ جنبی شخص کے لیے۔"
اس حدیث کو ابو داؤد اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکم لکھتے ہیں ان تفسیر الصحابی الذی شھد الوحی و التنزیل عند الشیخین مسند (مستدرک ج ۲ ص۲۵۸) اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جن حضرات نے طہارت سے صرف استنجا اور ہاتھ دھونا مراد لیا ہے غلط ہے کیونکہ ترجمان کے الفاظ لفظ وضو پر نص ہیں۔

۱۰۹۔ ابو داؤد باب فی الجنب یدخل المسجد میں یہ حدیث تفصیل سے منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکانوں کے یہ دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونا خواہ ٹھہرنے کے لیے ہو یا وہاں سے گزرنے کے لیے میں جائز نہیں کرتا۔

مسجد خدا کا گھر ہے اور اسے خدا اور عبادت سے نسبت کی وجہ سے احترام و تقدس کا مقام حاصل ہے لہٰذا اس پاک جگہ کی عظمت و احترام اور اس کے تقدس کا تقاضہ ہے کہ کوئی ایسا شخص اس میں داخل نہ ہو جو جنابت اور ناپاکی کی حالت میں ہو اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف گھروں کے ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لیے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے ان کے رخ تبدیل کر دیے جائیں تاکہ جنبی اور حائضہ جو اپنے مکانوں میں جانے کے لیے مسجد سے گذرنے کے لیے مجبور ہیں اس حالت میں مسجد سے نہ گذر سکیں۔

بیان مذاہب

(۱) داؤد بن علی ظاہری، ابن المنذرؒ اور مزنیؒ کے نزدیک جنبی اور حائضہ دونوں کے لیے مسجد میں داخلہ مطلقاً جائز ہے۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور جمہور فقہاءؒ کے نزدیک دونوں کے لیے مسجد میں داخل ہونا مطلقاً ناجائز ہے علی وجہ المرور بھی اور علی وجہ المکث بھی۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک جنبی کے لیے مسجد سے عبور اور مرور جائز ہے۔ البتہ مسجد میں مکث جائز نہیں البتہ حائضہ کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں (۱) ایک جمہور کے مطابق کہ اس کا دخول مطلقاً ناجائز

۱۱۰۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۱۰۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے، اس وقت میں جنبی تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ آپ بیٹھ گئے، میں چپکے سے کھسک کر گھر آیا اور غسل کیا، پھر آیا تو آپ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا "اے ابوہریرہؓ تم کہاں تھے؟" میں نے آپ کو بتا دیا، آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، بلاشبہ مومن نجس نہیں ہوتا"

اس حدیث کو شیخان نے بیان کیا ہے۔

ہے اور (ب) دوسری یہ کہ عبور جائز ہے مکث جائز نہیں۔

۴۔ امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ حائض کے لیے دخول مطلقاً جائز نہیں اور جنبی کے لیے مرور اور مکث دونوں جائز ہیں بشرطیکہ رفع الحدث کے لیے وضو کر لے (معارف السنن ج ۱ ص ۴۵۲)

۱۱۰۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے جو خود اپنا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں صراحت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حالتِ جنابت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور جب حضرت ابوہریرہؓ غسل کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے جنابت کے بارے میں ذکر کیا تو آپ نے کوئی تنبیہ نہیں کی بلکہ ابوہریرہؓ کے اعتقادِ تنجس بالجنابت پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ ابوہریرہ! تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ مومن نجس نہیں ہوتا فقال یا سبحان اللہ ان المومن لا ینجس بہرحال باب کی تمام روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حالتِ جنابت میں گھر سے نکلنے، آمد و رفت، ہر طرح کی نقل و حرکت اور زندگی کے دوسرے مشاغل اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کے ساتھ حضرت عطاؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ وقال عطاء يَحْتَجِمُ الجنب ويقلم اظفاره ويحلق راسه وان لم يتوضأ (بخاری باب الجنب یخرج و یمشی فی السوق وغیرہ)

حائضہ اور نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے اجماع نقل کیا ہے فاذا ثبت

بَابُ الْحَيْضِ

۱۱۱ - عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْتُ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي

باب - حیض کے بیان میں۔ ۱۱۱ - معاذہ نے کہا میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا حیض والی

طہارة ذکرہ مسلماً کان او کافراً فعرقہ ولعابہ ودمعہ طاھرات سواء کان محدثاً او جنباً او حائضاً او نفساء وھذا کلہ باجماع المسلمین (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۶۲)

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے متعلق بدگمانی کا خدشہ ہو تو متعلقہ شخص سے بات پوچھ لینی چاہیے اور دوسرے شخص کو بھی صاف بات بتا دینی چاہیے جیسا کہ حضورؐ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ تم کھسک کر کہاں چلے گئے تھے حضرت ابوہریرہؓ نے اصل بات بتا دی اخفاء نہیں کیا۔ ان المومن لا ینجس سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ نجس سے مراد عنداللہ مبغوض اور غیر مرضی ہے المومن لا ینجس کی مراد یہ ہے کہ مومن پر بوجہ ایمان کے خدا کی جانب سے لعنت وپھٹکار اور استنکاف کی حالت نہیں آتی گویا نجاست بمعنی عنداللہ ناپسندیدگی کے ہے قرآن مجید میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ ۹۰) رجس نجس کا مبالغہ ہے جوئے کو رجس کہا گیا ہے حالانکہ اگر جواباز شخص کی جیب میں جوا بازی کے آلات ہوں تب بھی اس کی نماز صحیح ہے قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کی جیب میں رجس (غلیظ نجاست) موجود ہے چاہیے کہ اس کی نماز باطل ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ رجس بمعنی غیر مرضی و مبغوض عنداللہ کے ہے جو نقض صلوٰۃ کو مستلزم نہیں نجس بمعنی مبغوض عنداللہ کے پیش نظر حدیث باب کی مراد بھی واضح ہے کہ لا ینجس میں نفی عام مراد نہیں بلکہ نجاست مخصوصہ کی نفی ہے۔ (حقائق السنن ج ۱ ص [illegible])

منطوقِ حدیث اور مفہومِ مخالف | حدیث کا منطوق تو یہ ہے کہ مومن میں کسی قسم کی نجاست متحقق نہیں ہوتی، مفہوم مخالف یہ ہے کہ کافر نجس ہوتا ہے۔ کافر و مشرک کی نجاست سے مراد کیا ہے پھر اسی ضمن میں یہ بحث کہ مشرکین کا مساجد میں داخلے کا حکم کیا ہے شارحین حدیث نے اسی حدیث کے ذیل میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے ہمارے سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے بھی حقائق السنن ج ۱ ص [illegible] میں تفصیلی بحث کی ہے شائقین استفادہ کر سکتے ہیں۔

(۱۱۱ تا ۱۱۴)

خون کے تین اقسام | عورتوں کے جسم سے جو خون نکلتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں حیض نفاس اور استحاضہ۔ دم حیض بلوغ کے بعد ایاس (ناامیدی) کے ایام

الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ أَحَرُوْرِيَّةٌ أَنْتِ قُلْتُ لَسْتُ بِحَرُوْرِيَّةٍ وَلٰكِنِّيْ أَسْأَلُ قَالَتْ يُصِيْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

عورت کو کیا ہے کہ وہ روزہ قضا کرتی ہے اور نماز قضا نہیں کرتی، تو ام المؤمنین نے کہا، کیا تو حروریہ ہے؟ میں نے کہا میں تو حروریہ نہیں ہوں، لیکن آپ سے مسئلہ پوچھ رہی ہوں، ام المؤمنینؓ نے کہا، جب حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

اس حدیث کو جماعت محدثین نے بیان کیا ہے۔

تک جاری رہتا ہے یہ سارے بدن کا فضلہ ہے عورتوں کے رحم میں جمع ہوتا ہے۔

جنین کے تخلیقی عمل میں دم حیض کا حصہ

اس دم حیض کے اجزائے اصلیہ سے جنین کے وجود کا گوشت پوست تیار ہوتا ہے جنین کے قالب میں روح ڈال دیئے جانے کے بعد دم حیض کے اجزائے اصلیہ باقی فضلہ دم سے چھن کر ناف کے ذریعہ جنین کی خوراک بنتے ہیں باقی فضلہ جات جو رحم مادر میں باقی رہ جاتے ہیں وہ بچے کی ولادت کے بعد نفاس کی صورت میں خارج ہو جاتے ہیں دم حیض کا جنین کے تخلیقی عمل میں منی کے بعد دوسرا درجہ ہے۔

حیض، حاض یحیض سے ہے جس کے معنی بہنے کے ہوتے ہیں عرب کہتے ہیں حاض الوادی اذا جری و سال۔

رحم مادر میں جب قرار نطفہ ہو تو دم حیض خارج ہوتا ہے جس کی نقیض اور اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے دم امرأۃ ینفضہ رحم امرأۃ بالغۃ غیر مریضۃ۔ نفاس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جو عبارۃ عن دم خارج عقیب خروج ولد۔ حیض و نفاس دم فضلہ ہے جس کا خروج ضروری ہے اور اگر بند ہو جائے تو نقصان ہے اور شدید مرض کا اندیشہ ہے جب کہ دم استحاضہ دم اصلیہ ہے جو دراصل رگ عاذل کا خون ہے کبھی یہ رگ چھلانگ لگانے سے یا مرض یا کسی اور وجہ سے پھٹ جاتی ہے اور دم بہنے لگتا ہے چونکہ یہ رگ رحم کے قریب ہے اس لیے یہ دم بھی رحم سے بہتا ہے اس رگ کو عاذل اس لیے کہتے ہیں کہ عذل کا معنی ملامت کا ہے اس حالت میں بوجہ خون کے دوسری عورتیں مستحاضہ کو ملامت کرتی ہیں اور خود نفس بھی ملامت کرتا ہے نہایہ ج [illegible] میں اس کا نام عاذر اور مسند احمد ج [illegible] میں اس کا نام عاند ہے سخت سے عناد کی وجہ سے اسے

عائد ہو گیا عادل عذر ان سے ہے کہ خون کا طبعی طریقہ سے عدول ہو گیا اس کا بند ہونا ضروری ہے اگر یہ بڑھ جائے تو شدید نقصان اور حتی کہ اندیشۂ موت کا اندیشہ ہو جاتا ہے استحاضہ ایک مرض ایک عذر اور مستحاضہ ایک مریضہ معذورہ کے حکم میں ہے۔

بیان مذاہب | (۱) ائمہ اربعہ اور جمہور اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ ایام حیض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔

(۲) حروریوں (خوارج) کا مسلک ہے کہ حائضہ پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا لازمی ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۳۰۹) سمرہ بن جندبؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ آپ حائضہ عورتوں کو ایام طہارت میں قضاء صلوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے۔

ادلۂ مسلک راجح اور وجوہ ترجیح | اہل السنت والجماعت ان تمام صحیح اور صریح روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں قضاء صوم اور عدم قضاء صلوٰۃ کی تصریحات ہیں اس باب کی پہلی روایت (۱۱) جو حضرت معاذہؓ سے منقول ہے جمہور اہل السنت کے مستدلات میں سے ایک ہے روایت نمبر ۱۲، اور ۱۳ بھی اہل السنت والجماعت کے قوی دلائل ہیں اور عقلی طور پر بھی اگر غور کیا جائے تو یوں کہ چونکہ حیض ہر ماہ میں ہر تندرست عورت کو آتا ہے تو ہر ماہ میں تمام ایام حیض کی قضا جبکہ معاملات دینیہ میں عموماً عورتوں سے تکاسل تساہل اور سستی ہوتی ہے مشکل ہے بخلاف صوم کے کہ سال میں ایک ماہ فرض ہیں تو سال بھر میں چند دنوں کی قضا مشکل نہیں وہ بھی اگر مہینہ میں ایک روزہ رکھا جائے تب بھی سال میں ایام حیض کے قضا کی تکمیل بسہولت ہو جاتی ہے۔

سمرہ بن جندبؓ کے فتویٰ کی حقیقت | سمرہ بن جندبؓ کا اپنے فتویٰ سے رجوع ثابت ہے ان کے رجوع کے بعد گویا صحابہ کرامؓ کا عدم قضائے صلوٰۃ کے عدم وجوب پر اتفاق ہو گیا تاہم شارحین حدیث نے سمرہ بن جندبؓ کے فتویٰ کی توجیہات کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں میں مردوں کی نسبت عموماً تکاسل اور سستی زیادہ پائی جاتی ہے حیض کے دس ایام عورتیں مسلسل نماز سے بے تعلق رہتی ہیں اور عدم صلوٰۃ ان کی ایک عادت بن جاتی ہے دوبارہ ان کو عادت صلوٰۃ میں ڈھالنا دشوار اور گراں ہوتا ہے تو سمرہ بن جندبؓ نے علاجاً یہ رائے دی کہ اگر عورت ایام طہارت میں ایام حیض کے فوت شدہ نمازوں کو دوبارہ (فرضاً نہیں نفلاً) لوٹائے تو عادت کی تکمیل ہو جائے گی اور طبیعت میں صلوٰۃ سے انقباض نہیں بلکہ نشاط و انبساط رہے گا مقصد یہ ہے کہ تکاسل اور سستی کا ازالہ ہو جائے سمرہ بن جندبؓ کا فتویٰ بھی اس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے لہٰذا سمرہؓ کا فتویٰ جمہور کے مخالف نہیں۔

خوارج کے دلائل اور جوابات

خوارج حائضہ کے لیے قضائے صلوٰۃ کے ضروری ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن میں بیمار اور مسافر کے لیے قضائے صوم کا حکم ہے فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر جب کہ صلوٰۃ تو صوم سے زیادہ اہم اور اقدم ہے تو حائضہ کے لیے اس کی قضا تو بطریق اولیٰ واجب ہونی چاہیئے۔

جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قیاس بمقابلہ نص ہے جب احادیث میں تصریح ہے کہ حائضہ قضاء صلوٰۃ نہ کرے تو پھر اس قیاس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے جمہور مزید ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں آپؐ کے ساتھ ازواجِ مطہرات بھی تھیں اور بناتِ مطہرات بھی، مگر ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ایام حیض سے طہارت کے بعد آپؐ نے یہ فرمایا ہو کہ ایام حیض کے فوت شدہ نمازوں کا اعادہ کیا جائے۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے عدم قضاء کے وجوب کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ عورتوں کے فرائض اور ذمہ داریاں مردوں کی نسبت زیادہ اور اہم ہیں گھر کا کام بچوں کی تربیت، مردوں کے لیے ذریعہ تسکین وغیرہ۔ ایسے حالات میں عورتیں ۱۰ ایام کی پچاس نمازیں اور دس وتر اس پر مستزاد نمازوں کی قضا لوٹائیں اور وقتی نمازیں بھی ادا کریں تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے تو شارع علیہ السلام نے تخفیف کر دی اور حائضہ پر صلوٰۃ کی قضاء کا وجوب ختم کر دیا۔

حروریۃ: احرورا ء بالمد والقصر موضع قریب من الکوفۃ اجتمع فیہ الخوارج فی خلافۃ علی وخرجوا علیہ حروریہ خوارج ہیں اور حروراء نامی ایک گاؤں کی طرف منسوب ہیں جو کوفہ کے قریب واقع ہے جہاں یہ لوگ جمع ہوئے تھے اہل تشیع کی طرح ان لوگوں نے بھی اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔

ایام حیض میں متروکہ نمازوں کے ثواب کا مسئلہ

احادیث باب کی مناسبت سے ایک اور ضمنی مسئلہ کی توضیح بھی عرض کر دی جاتی ہے وہ یہ کہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ ایام حیض میں حائضہ نے جو نمازیں چھوڑیں تو کیا ان کا ثواب بھی اسے ملے گا یا نہیں، (نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۳۰۳) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ مریض اور مسافر کو بحالت مرض وسفر پورا ثواب ملتا ہے جس کو وہ بوجہ سفر اور بعذر مرض کے ادا نہیں کر سکتا (بخاری ج ۱ صفحہ ۴۲۰)

امام نوویؒ کا مسلک ہے کہ حائضہ کو ان دنوں کی نمازوں کا ثواب نہیں ملے گا وہ استدلال اس روایت سے کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں اگر ان دنوں کا ثواب ان کیلئے تسلیم کر لیا جائے پھر تو ناقصات دین نہ ہوئیں۔ اسی طرح قیاس علی المریض بھی صحیح نہیں کیونکہ مریض کی نیت مداومت کی تھی اور

۱۱۲۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثٍ لَّهٗ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۱۳۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَيْضِ يَسْاَلْنَهَا عَنِ الصَّلٰوةِ فَتَقُوْلُ لَهُنَّ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ

۱۱۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اپنی ایک حدیث میں کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا ایسا نہیں کہ عورت جب حیض میں ہوتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔"

اس حدیث کو شیخان نے بیان کیا ہے۔

۱۱۳۔ علقمہ نے کہا، میری والدہ جو کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ باندی ہے نے کہا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس عورتیں چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بھیجتیں جن میں روئی ہوتی، روئی میں حیض کے خون کا زرد رنگ ہوتا، ام المؤمنینؓ سے نماز کے بارہ میں پوچھتیں، تو ام المؤمنینؓ ان سے کہتیں جلدی نہ کرو، یہاں تک،

ساقط اہلیت بھی نہیں جب کہ حائضہ میں اہلیت مفقود ہو گئی ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

(۱۱۲) یہ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے ایک طویل روایت کا اقتباس ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۴۴ میں نقل کیا ہے مقصد واضح ہے جمہور کے مسلک کی مستدل ہے طہارت کے فقدان کی وجہ سے حائضہ نماز کی اہلیت نہیں رکھتی اس لیے وہ نماز کی مکلف بھی نہیں اور نہ ہی اس پر ان ایام کی قضا ہے روزہ کے لیے طہارت شرط نہیں اس لیے جنبی کا روزہ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ حائضہ روزہ کی اہلیت رکھتی ہے اس لیے اس پر ان ایام کی قضا واجب ہے۔ رہا شریعت کا حالت حیض میں روزہ کو ممنوع قرار دینا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایام نجاست کے ہوتے ہیں اور مقصد صوم تطہیر ہے اس لیے ان دنوں میں صوم کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

(۱۱۳) مضمون حدیث کی ترجمہ میں توضیح کر دی گئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبی بھیجتیں تھیں جس میں روئی ہوتی یہ درجہ وہ ظرف ہے جس میں کرسف اور روئی بند کر کے یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجتیں کہ اسی رنگ کا خون آتا ہے اس کا شمار حیض میں ہے یا نہیں اور حیض منقطع ہوا ہے یا نہیں سیدہ عائشہؓ اس کرسف کو دیکھ کر ارشاد فرماتیں لا تعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء یعنی جلدی نہ کرو جب تک چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھو۔

الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَالْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا۔

کہ تم سفید چونے کے رنگ کو دیکھ لو۔ ام المومنین رضؓ اس سے حیض سے طہر کا ارادہ کرتیں۔
اس حدیث کو مالک اور عبدالرزاق نے اسناد صحیح کے ساتھ اور بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے۔

اعتبار دم حیض کے الوان اور بیان مذاہب

(۱) حنفیہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ ایام حیض میں بیاض خالص کے سوا جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے فقہاء نے حیض کے چھ الوان بیان کیے ہیں (وانہ ستۃ السواد والحمرۃ والصفرۃ والکدرۃ والخضرۃ والتربیۃ (علی ہامش فتح القدیر ج ۱ ص۱۴۲) حضرت عائشہ رضؓ کی القصۃ البیضاء سے حیض سے پاک ہونا مراد لیتی تھیں اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جلدی نہ کریں حتیٰ کہ اس کرسف پر سفید رطوبت کو دیکھ لیں جو حیض کے آخر میں نکلتی ہے یہ رطوبت انقطاع حیض کی علامت ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی خفیف سا رنگ بھی شامل نہیں ہوتا حضرت عائشہ رضؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کوئی رنگ معتبر نہیں بلکہ خون نہ ہونا چاہیئے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول میں تشبیہ ہے مقصد یہ ہے کہ اس کرسف یا روئی پر خون کا اثر نہ ہو اور اس کی سفیدی چونے کی سفیدی کی طرح ہو۔

(۲) شوافع رحؒ موالک رحؒ اور حنابلہ رحؒ الوان کا اعتبار کرتے ہیں اور استدلال ابوداؤد کی ایک روایت سے کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضؓ سے فرمایا۔

(اذا کان الحیض فانہ دم اسود یعرف فامسکی عن الصلوٰۃ واذا کان الآخر فتوضئ وصلی (ابوداؤد ج ۱ باب من قال توضأ لکل صلوٰۃ) جس میں صراحتاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دم حیض کے لون اسود کی تصریحاً نشاندہی فرمائی ہے۔

ابو داؤد کی روایت سے حنفیہ کے جوابات

حنفیہ حضرات کا مستدل حضرت معاذہ رضؓ کی مذکورہ روایت ہے جس سے واضح طور پر یہی معلوم ہوا کہ بیاض کے سوا جتنے بھی رنگ ہیں سب حیض ہو سکتے ہیں ابوداؤد کی روایت سے قائلین الوان کے جواب میں حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ

(۱) یہ روایت قابل اعتبار نہیں کہ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے خود امام ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ اس روایت کو جب ابن عدی نے اپنی کتاب سے سنایا تو اسے فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت قرار دیا اور جب حافظہ سے سنایا تو حضرت عائشہؓ کی روایت قرار دیا۔

(۲) ابن ابی حاتم کے والد ابوحاتم نے اسے منکر قرار دیا ہے۔

(۳) ابن القطانؒ اسے منقطع قرار دیتے ہیں

(۴) ملاعلی قاریؒ صحت حدیث کی صورت میں اسے تمیز بالالوان عادت ہو جانے کی صورت پر عمل کرتے ہیں

(۵) دمِ اسود میں خصوصیت کا احتمال بھی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا ہو کہ اس عورت کے لیے دمِ اسود حیض اور اس کا ماسوی استحاضہ ہے۔

(۶) غذا کے اثرات بھی الوانِ دم پر مرتب ہوتے ہیں مختلف غذاؤں کے استعمال سے دمِ حیض کے الوان بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں لہٰذا صرف دمِ اسود ہی کے ساتھ حیض کو خاص کر دینا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

(۷) اگر حیض کو دمِ اسود کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً جب حیض کو اذیٰ قرار دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اذیٰ صرف دمِ اسود کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام الوانِ دم کو شامل ہے نصِ قرآنی اس کی مشیر ہے کہ تمام الوان حیض میں داخل ہیں۔

حیض کی اقل مدت اور اکثر مدت

یہاں پر یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت اور اکثر مدت کتنی ہے؟ تاکہ آئندہ باب الاستحاضہ کے احادیث کی مراد سمجھنا آسان ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے تین مذہب نقل کیے۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک حیض کے لیے نفاس کی طرح اقل مدت کی کوئی حد متعین نہیں ہے اور اکثر مدت ان کے نزدیک سترہ یا اٹھارہ یوم ہیں۔

(۲) امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی اقل مدت ایک دن ایک رات ہے اور اکثر مدت پندرہ یا سترہ یوم ہیں جب کہ پندرہ یوم کا قول زیادہ راجح ہے۔

(۳) حنفیہ کے یہاں حیض کی اقل مدت تین دن اور تین رات ہے البتہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے کہ دو دن کامل، اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے اور اکثر مدت دس دن دس رات ہے۔

عورتوں کی چار قسمیں

ابن دقیق العید احکام الاحکام ج ا ص۲۳ میں لکھتے ہیں کہ حیض اور استحاضہ کے بارے میں عورتوں کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مبتدئہ: وہ عورت ہے جس کی بلوغت ابتداءً حیض سے ہی شروع ہو اور پھر مرض استحاضہ میں مبتلا

بَابُ الْاِسْتِحَاضَةِ

۱۱۴۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ وَلٰكِنْ دَعِي الصَّلٰوةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا ثُمَّ

باب ۔ استحاضہ کے بیان میں (۱۱۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، فاطمہ بنت ابی حبیش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئی، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! بلاشبہ میں استحاضہ والی عورت ہوں (کبھی) پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا "نہیں یہ ایک رگ ہے حیض نہیں ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض چلا جائے تو اپنے سے خون دھو ڈالو، (یعنی غسل حیض کرو) اور نماز پڑھو" اس حدیث کو شیخین نے بیان کیا ہے اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ہوگئی ہو کہ دمِ حیض کے بعد خون کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔

۲۔ معتادہ: وہ عورت جس کی حیض کے سلسلہ میں عادت مقرر ہو پھر استحاضہ شروع ہوگیا مگر اسے اپنی عادت معلوم ہو جن عورتوں میں خون زیادہ ہوتا ہے وہ مرطوب مزاج ہوتی ہیں ان کو عموماً تو دس دن اور متوسط مزاج کو پانچ چھ دن اور جو قلتِ دم کا شکار ہوں ان کو تین چار دن تک آتا رہتا ہے۔

(۳) متحیرہ: وہ عورت ہے جو حیض اور استحاضہ کے درمیان فرق کرنے میں حیران ہو کبھی خون آجاتا ہو اور کبھی رک جاتا ہو فقہ کی کتابوں میں "المطھرا لمختلط بین الدمین" کا مسئلہ اسی سے متعلق ہے بحرالرائق، بدائع الصنائع، خلاصۃ الفتاوی اور شامی میں اس پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے "الاستفاضۃ فی بیان الاستحاضۃ" کے نام سے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔

(۴) متمیزہ: ہمارے نزدیک اس کا کوئی درجہ نہیں یہ بات اس پر مبنی ہے کہ دمِ حیض کی رنگت ہے کہ نہیں مراد وہ عورت ہے جو دمِ حیض اور دمِ استحاضہ میں رنگوں کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے امتیاز کرسکتی ہو۔

۱۱۴ تا ۱۱۶۔ مصنفؒ نے اس باب میں تین روایات نقل کی ہیں تینوں روایات حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں پہلی دو میں سیدہ عائشہؓ فاطمہ بنت ابی حبیش کا واقعہ نقل فرماتی ہیں تیسری روایت میں مستحاضہ کے

اغْتَسِلِي وَصَلِّي۔

"اور لیکن اتنے دنوں کی مقدار نماز چھوڑ دو جن میں تمہیں حیض آتا تھا پھر غسل کرو اور نماز پڑھو"

بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔

اس باب میں کچھ مسائل بطور مقدمہ وتوضیح کے ذکر کیئے جائیں گے پھر بعد میں اصل مسئلہ جو مقصود بالذات ہے بیان کیا جائے گا۔

دم حیض واستحاضہ میں فرق

دم حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم دان کی گہرائی سے بحالت صحت مقررہ وقت کے مطابق جاری ہوتا ہے اور دم استحاضہ وہ خون ہے جو رحمدان کے راستے سے کسی مرض کی بنا پر غیر معین وقت میں جاری ہوتا ہے حیض آنے والی عورت کو معروف کے صیغہ کے ساتھ حائضہ کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا خون معروف و متعین وقت کے مطابق آتا ہے اور دم استحاضہ والی عورت کو مجہول کے صیغہ کے ساتھ مستحاضہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا خون مجہول اور غیر معین وقت میں جاری ہوتا ہے مستحاضہ عورت پر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا بالاتفاق واجب ہے جیسا کہ باب ہذا کے احادیث سے بھی یہی مدلول ہے۔

مستحاضہ کے ساتھ وطی کا حکم

البتہ مستحاضہ کے ساتھ وطی کے جواز میں دو مذہب ہیں (۱) امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے البتہ طول مدت کی وجہ سے وطی کی جاسکتی ہے اور طول مدت چار مہینے ہیں۔ (۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا بالاتفاق جائز ہے یہ بات گذشتہ باب میں عرض کر دی تھی کہ حیض دس چیزوں سے مانع ہے وطی کے علاوہ باقی سب امور میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ استحاضہ ان چیزوں سے مانع نہیں وطی کے علاوہ باقی سب مسائل میں مستحاضہ عورت بالاجماع طاہرات کے حکم میں ہے۔

زمانہ نبوت کی مستحاضہ عورتیں

زمانہ نبوت میں کتنی عورتیں مستحاضہ تھیں معارف السنن ج ۱ ص۴۱۶ میں گیارہ فتح الملہم ج ص۴۵۲ میں دس عورتیں نقل کی گئی ہیں ہم دونوں کتابوں میں تکرار کو چھوڑ کر باقی کو جمع کرنے سے بارہ عورتوں کے نام ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

(۱) ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ (۲) ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ (۳) زوجہ طلحہ بن عبداللہ حمنہ بنت جحشؓ (۴) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ (۵) زوجہ عبدالرحمٰن بن عوف ام حبیبہ بنت

۱۱۵- وَعَنْهَا قَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱۱۵- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

جحش (۹) حضرت اسماء بنت عمیس جو کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن ہے (۸) زینب بنت ابی سلمہ (۹) ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا (۱۰) بادیہ بنت غیلان رضی اللہ عنہا (۱۱) سہلہ بنت سہیل (۱۱) اسماء بنت المرثد الحارثیہ (۱۲) ام سلمہ بنت الوامیہ۔

(۱۱۴) مضمون حدیث واضح ہے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور اکرم خون کے تسلسل کی وجہ سے مجھے طہارت میسر نہیں کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انما ذلك عرق ولیست بالحیضۃ یہ ایک رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے حیض صحت کی علامت ہے اور استحاضہ ایک رگ کا خون ہے جو بیماری کی وجہ سے آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فرق پر تنبیہ فرمائی کہ حیض اور استحاضہ کے احکام الگ الگ ہیں لہذا آپ نے احکام بھی بیان فرمائے فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوۃ واذا ادبرت فاغسلی عنك الدم۔ جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دے جب حیض چلا چلا جائے تو اپنا خون دھو ڈالو یعنی غسل حیض کر لو اور نماز پڑھو بخاری کی روایت کے الفاظ میں غسل حیض کی تصریح ہے ثم اغتسلی وصلی۔

حیض اور استحاضہ میں تمیز کی صورت

یہ روایت اس بات کا واضح اور قطعی مستدل ہے کہ مستحاضہ کے لیے حیض کے آنے اور جانے کی تعیین عادت و ایام سے کرنا ہوگا حیض اور نفاس میں تمیز کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ الوان سے یا ایام سے حنفیہ حضرات فقط ایام یعنی عادت کا اعتبار کرتے ہیں شوافع حضرات عادت کے ساتھ الوان کا بھی اعتبار کرتے ہیں نقط اقبال و ادبار میں دونوں احتمال برابر ہیں شوافع رحمہ اللہ کے ہاں حیض و استحاضہ کے درمیان عادت کے علاوہ خون کی رنگت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ عادت کا اعتبار اس طرح ہوگا کہ اگر عورت کو یہ معلوم ہے کہ ہر ماہ کے فلاں عدد میں اتنے دن حیض رہتا تھا تو اب بیماری اور استحاضہ کے خون کے دوران انہی ایام کو اپنے لیے ایام حیض سمجھے اور ان کے گزرنے کے بعد غسل کرے۔

مستحاضہ کے لیے نماز پڑھنے کا طریقہ

(۱۱۵) مضمون حدیث وہی ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکا ہے البتہ اس میں وضاحت

فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُسْتَحَاضُ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ فَقَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ بِحَيْضٍ وَلٰكِنَّهُ عِرْقٌ فَإِذَا أَقْبَلَ الْحَيْضُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ عَدَدَ أَيَّامِكِ الَّتِيْ كُنْتِ تَحِيْضِيْنَ فَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَتَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۱۷۔ وَعَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ فَقَالَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ غُسْلًا وَاحِدًا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں ایک ایک دو دو مہینہ تک مستحاضہ رہتی ہوں، تو آپ نے فرمایا، یہ حیض نہیں ہے اور لیکن یہ ایک رگ ہے، پس جب حیض آجائے تو اتنے ایام کی تعداد جن میں تمہیں حیض آتا تھا نماز چھوڑ دو، پھر جب حیض چلا جائے تو غسل کرو اور نماز کے لیے وضو کرو۔"

اس حدیث کو ابن حبان نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

۱۱۷۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ والی عورت کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے، پھر غسل کرے، پھر ہر نماز کے وقت وضو کرے۔"

اس حدیث کو ابن حبان نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

کا اضافہ ہے۔

۱۱۷۔ مضمون حدیث واضح ہے وہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے ایام میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے ثم تتوضأ عند کل صلوٰۃ۔

مندرجہ بالا دونوں روایات کے علاوہ مستحاضہ کے بارے میں حدیث کی روایات مختلف آئی ہیں بعض روایتوں میں تتوضأ لکل صلوٰۃ، بعض میں تتوضأ لوقت کل صلوٰۃ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں بعض میں تجمع بین الصلوٰتین بغسل واحد بعض میں تغتسل لکل صلوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں۔

اس لیے ذیل میں تطبیق احادیث کے ساتھ ساتھ بیان مذاہب اور مسلک راجح اور اس کے وجوہ ترجیح بیان کر دیے جاتے ہیں

بیان مذاہب | (۱) متحیرہ کے علاوہ باقی ہر مستحاضہ عورت کے بارے میں ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اس پر صرف ایک غسل واجب ہے یعنی جونہی حیض کے ایام ختم ہوں وہ غسل

کرلے اس کے بعد اس پر کوئی غسل واجب نہیں۔

(۲) غسل کے بعد نمازوں کے وضو کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ استحاضہ کی وجہ سے مستحاضہ کا وضو نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک دمِ استحاضہ کا خروج موجب وضو نہیں ہے وہ مستحاضہ اور معذور کے بارے میں حدث کو ناقض وضو نہیں تسلیم کرتے اگر ایک نماز کے لیے وضو کیا ہے تو اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آنے پر نیا وضو ضروری نہیں صرف استحباب کے درجہ میں ہے جن روایات میں وضو کا حکم آیا ہے جیسا کہ باب ہذا کی روایت ۱۱۵، ۱۱۶ میں تو وہ امام مالک کے نزدیک استحباب پر محمول ہیں۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص۳۴۰)

(۳) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دمِ استحاضہ کا خروج ناقض وضو ہے اس کو وضو کرنا پڑے گا پھر ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کرے یا ہر وقتِ نماز کے لیے۔

(۱) احناف کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرنا ضروری ہے اور دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلے اندرونِ وقت، وقتی فرض کے علاوہ دیگر فرائض اور نوافل بھی ادا کیے جا سکتے ہیں جب دوسری نماز کا وقت آئے گا تو اس کے لیے الگ وضو کرنا ہوگا۔

(ب) شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کرے اور ایک وضو سے ایک ہی فرض ادا کیا جا سکے گا گویا احناف کے ہاں ہر وقت کے لیے اور شوافع کے ہاں ہر نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔

وضو لکل صلوٰۃ اولوقت کل صلوٰۃ

مستحاضہ کو وضو کرنے کا حکم بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے ان میں دو حدیثیں اسی باب کی ۱۱۵ اور ۱۱۶ رہیں۔

اس قسم کی احادیث کی تخریج ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ، طحاویؒ اور دیگر بہت سے محدثین نے کی ہے پھر بعض احادیث میں مستحاضہ کو وضو کا حکم دیا گیا ان کے الفاظ تین طرح کے ہیں (۱) تتوضأ لکل صلوٰۃ (ترمذی ج ۱ ص۳۲) (۲) تتوضأ عند کل صلوٰۃ (ابوداؤد و ترمذی) تتوضأ لوقت کل صلوٰۃ (نصب الرایہ ص۲۰۴)

پہلی قسم کے روایات میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ لام اپنے اصلی معنیٰ پر ہو دوسرا یہ کہ لام توقیت کے لیے ہو شوافع پہلا احتمال لے کر اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے وضو واجب ہے دوسری اور تیسری قسم کی روایات اس بات میں صریح ہیں کہ ہر وقتِ نماز کے لیے وضو ضروری ہے ان دونوں قسم کی روایات سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں حنفیہ کے ہاں پہلی قسم کی روایات میں لام توقیت پر محمول ہے جیسے قرآن کریم میں ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس۔ دوسری اور تیسری قسم کے روایات حنفیہ کے نزدیک مفسر ہوں گی پہلی قسم کی روایات کے لیے۔ اس لیے کہ اگر لام کو توقیت پر محمول نہ کیا جائے تو دوسری اور تیسری قسم کی روایات کا

ترک لازم آئے گا اور اگر اس کو توقیت پر محمول کر لیا جائے تو ہر قسم کی روایات پر عمل ہو جائے گا۔

نظر طحاوی

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے غور و خوض کر کے دیکھا کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) وہ طہارت جو حدث کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ وضو پیشاب پاخانہ کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) وہ طہارت جو خروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ مسح علی الخفین کی طہارت خروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے، اور یہ طہارتیں متفق علیہ ہیں اور ان طہارتوں میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کو نماز توڑ دیتی ہو بلکہ ان طہارتوں کو یا تو حدث توڑتا ہے یا خروج وقت۔ اور یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ مستحاضہ عورت کی طہارت کو حدث، پیشاب پاخانہ بھی توڑ دیتا ہے اور غیر حدث بھی توڑ دیتا ہے لیکن غیر حدث جو مستحاضہ عورت کی طہارت کو توڑ دیتا ہے وہ کون سی چیز ہے اس میں اختلاف واقع ہوا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروج وقت ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروج وقت نہیں ہے بلکہ فراغ عن الصلوٰۃ ہے تو ہم نے جستجو کر کے دیکھا کہ ان دونوں میں سے کس کے لیے نظیر ملتی ہے تو معلوم ہوا کہ خروج وقت کے لیے نظیر موجود ہے جیسا کہ مسئلہ مسح علی الخفین میں ہے اور فراغ عن الصلوٰۃ کے لیے کوئی نظیر نہیں ملی ہے لہٰذا فراغ عن الصلوٰۃ کو ناقض وضو نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ خروج وقت کو ناقض وضو قرار دینا زیادہ اولیٰ ہوگا لہٰذا اس توجیہ سے ان لوگوں کی دلیل منضبط ہو جاتی ہے جو لوگ نماز کے ہر وقت کے لیے وضو کو لازم قرار دیتے ہیں یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔

غسل لکل صلوٰۃ اور جمع بین الصلوٰتین بغسل والی روایات میں تطبیق

ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک متحیرہ کی بعض صورتوں کے علاوہ مستحاضہ پر صرف ایک مرتبہ غسل کرنا ضروری ہے جب کہ بعض روایات میں مستحاضہ کو غسل لکل صلوٰۃ یا جمع بین الصلوٰتین بغسل کا حکم دیا گیا بعض سلف تو ہر مستحاضہ کے لیے غسل لکل صلوٰۃ کے قائل ہو گئے ہیں ان کے مذہب پر ان حدیثوں کا مطلب بالکل واضح ہے لیکن ائمہ اربعہ کے مسلک کے مطابق ان روایات میں توجیہ کی ضرورت ہے شارحین حدیث نے ان روایات کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یہ احادیث استحباب اور احتیاط پر محمول ہیں مطلب ان حدیثوں کا یہ ہے کہ مستحاضہ غیر متحیرہ پر اگرچہ انقطاع حیض کے علاوہ غسل واجب نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک ایک غسل یا دو نمازوں کے لیے ایک غسل کر لیا کرے۔

(۲) یہ احادیث معالجہ پر محمول ہیں مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں کو غسل کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے تاکہ

أَبْوَابُ الْوُضُوْءِ

بَابُ السِّوَاكِ

۱۱۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ - وَفِي رِوَايَةٍ

وضوء کے ابواب

باب - مسواک کا بیان (۱۱۷) حضرت ابوہریرہؓ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے لیے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات نہ ہوتی تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا"

اس حدیث کو جماعت محدثین نے بیان کیا ہے اور احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ٹھنڈے پانی سے خون میں تقلیل ہو جائے۔

(۴) یہ احادیث متحیرہ کی بعض حالتوں پر محمول ہیں متحیرہ کی بعض صورتوں میں ہمارے نزدیک غسل لکل صلوٰۃ یا جمع بین الصلوٰتین بغسل ضروری ہے۔

(نوٹ) حیض سے متعلق ایک ضروری بحث رہ گئی تھی اسے استحاضہ کی بحث میں درج کیا جاتا ہے۔

ممنوعات حیض شریعت میں حیض دس چیزوں سے مانع ہے (۱) رفع الحدث سے مانع ہے یعنی جب تک حیض رہے گا اس کا حدث ارتفع نہیں ہوگا (۲) وجوب صلوٰۃ سے مانع ہے (۳) صحۃ الصلوٰۃ سے مانع ہے یعنی حالت حیض میں نہ نماز پڑھنی صحیح ہے اور نہ ذمہ میں واجب ہوتی ہے (۴) صحت الصوم سے مانع ہے یعنی حالت حیض میں روزہ رکھنا صحیح نہیں لیکن حیض وجوب صوم سے مانع نہیں ہے حالت حیض میں اگر رمضان کے دن آجائیں تو رمضان کے روزے اس پر واجب ہو جائیں گے لیکن اس وقت ادا کرنا صحیح نہیں بعد میں قضا کرنا ضروری ہے بخلاف نماز کے کہ وہ اس حالت میں نہ واجب ہوتی ہے اور نہ صحیح خلاصہ یہ کہ حیض نماز کے وجوب اور صحت دونوں سے مانع ہے اور روزے کی صرف صحت سے مانع ہے وجوب سے نہیں۔

(۵) مس مصحف سے مانع ہے (۶) قراءت قرآن سے مانع ہے (۷) کتابت مصحف سے مانع ہے (۸) اعتکاف سے مانع ہے (۹) دخول مسجد سے مانع ہے (۱۰) طواف سے مانع ہے۔

(۱۱۷ تا ۱۲۴) طہارت اور نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے لہٰذا اس سے قبل کہ ارشادات

لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ وَلِلْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ۔

"میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا، اور بخاری نے تعلیقاً یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔"

باب اور ان سے متعلق بحث عرض کی جائے آغاز بحث میں مسواک کی فضیلت عرض کر دی جاتی ہے۔

(۱) حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت منقول ہے قال فضل الصلوٰۃ التی یستاك لها علی الصلوٰۃ التی لا یستاك لها سبعین ضعفا (مستدرك حاکم ج ۱ ص ۱۴۶) قال الحاکم والذهبی صحیح علی شرط مسلم قال الهیثمی رجاله موثقون (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸)

(۲) حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت ہے قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رکعتین بالسواك افضل من سبعین رکعة بغیر سواك (رواه ابو نعیم باسناد حسن (الترغیب والترهیب ج ۱ ص ۱۰۲)

(۳) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے قال علیه الصلوٰۃ والسلام لان اصلی رکعتین بسواك احب الی من ان اصلی سبعین رکعة بغیر سواك (الترغیب والترهیب ج ۱ ص ۱۰۲)

(۴) حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فیه سبعون فائدة ادناها ان یذکر الشهادة عند الموت وفی الافیون سبعون مضرة اقلها نسیان الشهادة نسأل الله العافیه اھ (مرقاة ج ۲ ص ۳)

(۵) اس باب کی تمام روایات سے مسواک کی اہمیت اور فضیلت ثابت ہے بالخصوص روایت نمبر ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۲۴ تو اپنے مضمون پر واضح اور فضیلت پر قطعی نصوص ہیں۔ حدیث نمبر ۱۲۲ اور ۱۲۳ کے علاوہ دیگر متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نیند سے جاگنے کے بعد خاص کر رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کیے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ

۱۱۸۔ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لَوْلَا اَنْ يَّشُقَّ عَلٰى اُمَّتِهٖ لَاَمَرَهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ
رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۱۸۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، اگر آپ کی امت پر مشقت والی بات نہ ہوتی تو آپ انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتے"
اس حدیث کو مالکؒ نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

بھی ہو جب بھی مسواک کر لینا چاہیئے۔

لغوی تحقیق سواک کے دو ترجمے کیے جاتے ہیں (۱) مصدری معنیٰ التسوك یا الاستیاک (۲) السواك یعنی اسم جنس آرہے تو سواك ما يتسوك به من العود وغیرہ یا الخشب الذی یتاک به کو کہتے ہیں سواک بالکسر پڑھنا زیادہ بہتر ہے یہ ساک یسوک سوکا سے ماخوذ ہے جس کے معنی رگڑنے اور ملنے کے ہوتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تساوك سے ماخوذ ہے عرب کہتے ہیں جاءت الابل تتساوك ای تتمایل فی مشیتها هزالًا۔

مقدار مسواک اور طریق استعمال سواک کو دانتوں پر عرضاً اور زبان پر طولاً استعمال کرنا افضل ہے جیسا کہ حضرت عطا بن ابی رباح سے مرفوعاً روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شربتم فاشربوا مصاً واذا استكتم فاستاكوا عرضاً (رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ تحت کتاب الطہارۃ ص)

ابن دقیق العید کہتے ہیں وقد ذکر الفقهاء انه يستحب الاستياك عرضاً وذلك فی الاسنان (احکام الاحکام ج ۱ ص) تثلیث اور ہر بار منہ کا دھونا بھی مستحب ہے تاہم مسواک کے لمبے اور موٹے ہونے کے بارے میں صحیح اور مرفوع حدیث نہیں اگرچہ فقہاء نے اس کی بھی تعیین کر دی ہے کہ اس کی موٹائی خنصر انگلی کے برابر اور طول ایک بالشت ہونا چاہیئے اور ایسے درخت سے ہو جس کے ریشے خوب مضبوط ہوں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شجر الاراك (پیلو کے درخت) کی مسواک کا استعمال ثابت ہے۔

موجودہ زمانہ میں برش وغیرہ کا استعمال اگرچہ شرعاً ممنوع نہیں ہے لیکن اگر اس میں بال ایسے ہوں جن کا استعمال شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے برش کا استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر مسواک نہ ہو تو انگلی وغیرہ سے دانتوں کو خوب رگڑ لے

۱۱۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَالْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا۔

۱۱۹۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسواک منہ کو پاکیزہ اور پروردگار کو راضی کرنے والی ہے۔
اس حدیث کو احمد اور نسائی نے صحیح سند سے اور بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے۔

وعند الفقهاء يعالج بالاصابع (هدايه)

کب استعمال کرنا چاہیے امام نوویؒ لکھتے ہیں فهو ان السواك مستحب في جميع الاوقات (کتاب الام للشافعیؒ ج ۱ ص ۲۳ میں بھی یہی بیان کیا ہے) ولكن في خمسة اوقات اشد استحبابا احدها عند الصلوٰة سواء كان متطهرا بماء او بتراب او غير متطهر كمن لم يجد ماء ولا ترابا الثاني عند الوضوء الثالث عند قراءة القرآن الرابع عند الاستيقاظ من النوم الخامس عند تغير الفم (شرح مسلم للنوویؒ ج ۱ ص ۱۲۷)

بیان مذاہب (۱) غیر مقلدین، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ استعمالِ سواک کے وجوب کے قائل ہیں (مگر امام نوویؒ نے اسحاق بن راہویہ کی طرف اس نسبت کا انکار کیا ہے) اور کہتے ہیں کہ سواک کے استعمال کے بغیر نماز ادا ہی نہیں ہوتی ترک سواک ترک واجب ہے ترک واجب سے وضو ہی نہ ہوا اور صلوٰۃ بغیر وضو کے ہوئی گویا تارک سواک تارک صلوٰۃ ہے۔

(۲) ان کا ایک غیر مشہور قول یہ بھی ہے تارک مسواک گو ترکِ واجب کا مرتکب ہے مگر اس کی نماز ہو جاتی ہے۔

(۳) جمہور علماء اہل سنت کا اجماع ہے کہ مسواک کا استعمال سنت یا مستحب ہے۔

البتہ بظاہر روایات باب کے یہ الفاظ کہ لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ حرف لو امتناعِ ثانی بسبب امتناعِ اول کے لیے آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ لو جئتني لاکرمتك امتناعِ ثانی جو اکرام ہے اس لیے نہ ہو سکا کہ اول کا امتناع آیا ہے اور جب لو پر لا داخل کر دیا جائے تو پھر امتناع ثانی بسبب وجودِ اول کے آتا ہے جیسے لولا علي لهلك عمر۔

اس قاعدہ کے مطابق حدیث باب میں امتناعِ ثانی بسبب وجود الاول صحیح نہیں کیونکہ وجود اول

۱۲۰۔ وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوْءِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ - رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ ـ

۱۲۰۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میرے لیے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات نہ ہوتی، تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔"

اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

مشقت تو امت پر موجود نہیں لہٰذا امتناع ثانی (مسواک کا عدم امر) بھی درست نہیں پھر متعدد احادیث میں مسواک کی ترغیب و فضیلت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسواک کے استعمال کا امر نہیں کیا گیا (جیسا حدیث باب میں لولا کے مفہوم کے اعتبار سے یہی متبادر الی الذہن ہوتا ہے) کیونکر صحیح ہو سکتا ہے سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ نے اس کے متعدد جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

(۱) یہ صحیح ہے کہ آپ نے مسواک کی ترغیب بھی دی ہے اور امر بھی کیا ہے مگر اس قبیل کی جملہ روایات امر استحبابی پر محمول ہیں امر وجوبی مراد نہیں اور حدیث باب امر وجوبی پر محمول ہے اور لولا اپنے مفہوم کے اعتبار سے امر وجوبی کے امتناع کو مستلزم ہے۔ (۲) نفی قید پر داخل ہوتی ہے مقید پر نہیں اور ان مصدریہ سے قبل مخافۃ او کراہۃ مقدر ہے جس کی نظیر قرآن میں بھی موجود ہے۔ یبین اللہ لکم ان تضلوا (الآیۃ) ای مخافۃ او کراہیۃ ان تضلوا۔ زیر بحث حدیث کی تقدیر عبارۃ بھی یوں ہوگی لولا مخافۃ او کراہیۃ ان اشق علی امتی لامرتھم (وجوبا) بالسواک اگرچہ مشقت بالفعل نہیں ہے لیکن خوف مشقت تو ضرور موجود ہے گویا وجود لولا مشقت نہیں بلکہ خوف مشقت ہے جو موجود ہے۔ (۳) ان اشق خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں امر سے مراد امر وجوبی ہے وجہ یہ ہے کہ وجوب مشقۃ کو مستلزم ہے جبکہ استحباب میں مشقت نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ یہی وجہ ہے کہ استحبابی امر اختیاری ہے اور وجوبی امر اختیاری نہیں۔

دوسرا قرینہ حدیث کے الفاظ "عند کل صلاۃ" ہے اس لیے کہ اگر امر کو وجوب کے لیے لیں تو لازم آتا ہے کہ صلاۃ کے متعلقات و متممات سب کے لیے مسواک واجب ہو کیونکہ لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ موجبہ کلیہ ہے مطلقہ عامہ نہیں اور موجبہ کلیہ کا حکم اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے لہٰذا تمام

۱۲۱۔ وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ مَعَ کُلِّ وُضُوْءٍ۔ رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَقَالَ الْھَیْثَمِیُّ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۱۲۱۔ حضرت علیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میرے لیے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات نہ ہوتی، تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔"
اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے اور ہیثمیؒ نے کہا ہے اس کی سند حسن ہے۔

نمازیں مثلاً فرض، واجب، سنت، مستحب تحیۃ المسجد تحیۃ الوضو سب کے لیے مسواک کرنا ضروری ہو جائے گا، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں حتیٰ کہ غیر مقلدین بھی، لہٰذا یہ کہنا صحیح ہوا کہ یہاں امر سے مراد امر وجوبی ہے۔ بہر حال حدیث کے سیاق و سباق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسواک شرعاً ایک امر مسنون ہے جو واجب نہیں، ہماری ان توجیہات سے وجوب کے قائلین کا بھی جواب ہو جاتا ہے۔
یہاں اس حدیث سے بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو بات فرمائی ہے وہ سب سے بہتر ہے۔ لولا الحرج لجعلت السواك شرطاً للصلوٰة كالوضوء۔

مسواک سنن صلوٰۃ سے ہے یا سنن وضو سے

پھر جمہور علماء اہل سنت (قائلین سنت و استحباب) کا مسواک کے موقع و محل میں اختلاف ہے کہ آیا مسواک سنن صلوٰۃ سے ہے یا سنن وضو سے۔

(۱) حنفیہ حضرات مسواک کو سنن وضو سے قرار دیتے ہیں
سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے اس کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں (ل) ہاتھ دھونے کے بعد مضمضہ کرتے وقت مسواک استعمال کیا جائے (ب) مسواک غسل یدین سے قبل کیا جائے یہ صورت پہلی کی بہ نسبت زیادہ مفید ہے کیونکہ منہ کا خون، لعاب اور تلویث دہن سب استعمال مسواک سے زائل ہو جائے گی پھر اس کے بعد وضو میں جب تین مرتبہ کلی کی جائے گی تو دہن کی بھی خوب صفائی ہو جائے گی دونوں صورتوں میں سنت ادا ہو جاتی ہے مگر دوسری صورت اولیٰ ہے (حقانی السنن ج ۱ ص ۱۹۳)
۲۔ امام شافعیؒ اس کو سنن صلوٰۃ سے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں قیام صفوف اور تکبیر تحریمہ کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔

۱۲۲- وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ. قَالَتْ بِالسِّوَاكِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ وَالتِّرْمِذِيَّ۔

۱۲۲۔ مقدام بن شریح سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا، میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتدا فرماتے تھے؟ ام المومنین نے کہا "مسواک سے"

بخاری اور ترمذی کے علاوہ اسے جماعت محدثین نے بیان کیا ہے۔

احناف کے دلائل

(۱) اسی باب کی پہلی روایت ۱۱۷ میں عند کل صلوٰۃ (فی روایۃ لاحمد) "مع کل وضوء" روایت نمبر ۱۱۸ میں مع کل وضوء، روایت ۱۲۰ میں مع الوضوء عند کل صلوٰۃ، روایت ۱۲۱ میں مع کل وضوء کی تصریحات موجود ہیں۔

(۲) طحاوی ص۲۱ میں مع کل وضوء سواک کے لفظ ہیں امام ابن قدامہ مقدسی الشرح میں لکھتے ہیں ورواتہ کلہم ائمۃ اثبات۔

(۳) حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ کما یتوضأون (مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۱) کا کے معنیٰ میں ظرفیت ہے۔

(۴) اس باب کی روایت ۱۱۹ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب۔ اس حدیث میں مسواک کو منہ پاک کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور یہ طہارت کے ساتھ ہی مناسب ہے جو وضو ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال اور جواب

حضرت امام شافعیؒ کا استدلال عند کل صلوٰۃ کے لفظ سے ہے حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ۔

(۱) تفصیلی روایات جن میں وضوء کی قید ہے زیادۃ ہے جو ثقات سے مروی ہے اصول حدیث کے لحاظ سے زیادۃ کا اعتبار ہوگا اور حدیث کا معنیٰ زیادۃ ثقہ کو ملحوظ رکھ کر کیا جائے گا۔

(۲) عند کل صلوٰۃ میں دو احتمال ہیں (الف) سواک کو صرف صلوٰۃ کے قیام کے وقت استعمال کیا جائے اور وضو کرنا ضروری نہ ہو (ب) اور یہ بھی احتمال ہے کہ قیام اور تکبیر تحریمہ کے وقت استعمال سواک کے لیے

۱۲۲ - وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ۔

---

۱۲۲ - حضرت حذیفہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ مبارک کو مسواک سے صاف فرماتے۔

اس حدیث کو ترمذی کے علاوہ جماعت محدثین نے بیان کیا ہے۔

جدید وضو کرنا بھی ضروری ہو لہٰذا "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" جب کہ عند کل وضوء کی صورت میں صرف ایک ہی مراد متعین ہے جو واضح ہے۔

(۲) حنفیہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں قیام صلوٰۃ کے وقت استعمالِ سواک میں خروجِ دم کا احتمال ہے جو ناقضِ وضو ہے یہ بجا ہے کہ شوافع کے نزدیک خروجِ دم ناقضِ وضو نہیں مگر یہ تو دم مسفوح ہے جس کا نگلنا حرام اور تھوکنا آدابِ مسجد کے خلاف ہے بالفرض اگر سواک کا استعمال کرنے والا عاری ہو تب بھی سواک تلویثِ دہن کو مستلزم ہے جو کراہت سے خالی نہیں۔

(۳) حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والے سینکڑوں صحابہؓ میں سے کسی نے بھی قیامِ صلوٰۃ کے وقت آپؐ کے مسواک کے استعمال کا عمل نقل نہیں کیا۔ اگر واقعۃً یہ عامۃ الورود اور حضورؐ کا معمول ہوتا تو ضرور صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک اُسے نقل کر دیتا حالانکہ آپؐ کے مرض الوفات تک کے سواک کا استعمال نقل کیا گیا ہے پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ تکبیرِ تحریمہ سے قبل کا سواک آپؐ سے کسی بھی صحابیؓ نے نقل نہیں کیا۔

روایات میں تطبیق

اگر تمام روایات کا تتبع کیا جائے تو تین قسم کے الفاظ ملتے ہیں (۱) مع کل وضوء (۲) عند کل وضوء (۳) عند کل صلوٰۃ۔ وضو کے ساتھ مع اور عند دونوں آتے ہیں صلوٰۃ کے ساتھ صرف عند منقول ہے عند اور مع کے معنی میں فرق ہے عند کسی چیز کے قرب حسی اور قرب معنوی بیان کرنے کے لیے آتا ہے جب کوئی چیز کسی کے قریب ہو تو عند کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ چیز اس کے ساتھ متصل ہو یا متصل نہ ہو۔ عند کے مفہوم میں اتصال اور اقتران داخل نہیں جب کہ مع کا لفظ اتصال اور اقتران پر دلالت کرتا ہے وضو کے ساتھ عند کا لفظ بھی ہے اور مع کا بھی جب کہ صلوٰۃ کے ساتھ صرف عند کا۔ ایک آدمی پہلے وضو کرتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے اس نے نماز کے وقت مسواک کی ہے وضو کے وقت نہیں کی تو یہاں کہہ سکتے ہیں کہ اس نے عند الصلوٰۃ مسواک کی ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عند الوضوء

مسواک کی ہے لیکن اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے مع الوضوء مسواک کی ہے اس صورت میں دو قسم کی روایتوں پر عمل تو ہو گیا مگر ایک قسم کی روایت پر عمل نہ ہوا یعنی مع کل وضوء اگر پہلے وضو کیا پھر نماز پڑھی اور وضو کے ساتھ مسواک بھی کر لی تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مع الوضوء مسواک کی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عند الوضوء مسواک کی اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ عند الصلوٰۃ مسواک کی۔ گویا تینوں قسم کی روایات پر عمل ہو گیا کسی روایت کا ترک لازم نہ آیا۔

ان روایات کی تطبیق نیل الاوطار کے ترجمۃ الباب میں حد درجہ احسن طریقہ سے کر دی گئی ہے تحریر فرماتے ہیں باب السواک مع الوضوء عند کل صلوٰۃ اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح وضوء عند کل صلوٰۃ ہے اسی طرح مسواک بھی عند کل وضوء ہے۔

شوافعؒ اور احناف کے درمیان اختلاف کی نوعیت

سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ شوافع اور احناف کے درمیان اس اختلاف کی نوعیت اور حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

جب اصل مسئلہ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فریقین میں اختلاف کی نوعیت محض نزاع لفظی کی سی ہے فقہ حنفیہ کی مشہور کتب فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں متقدمین احناف سے صراحتاً یہ منقول ہے کہ مسواک سنن دین میں سے ہے۔ اور اصفرار السن، تغیر رائحہ، القیام من النوم، قیام الی الصلوٰۃ اور کثرت کلام کے بعد مسواک کر لینا مستحب اور مسنون ہے اور استحباب و سنت قریب قریب ایک ہوتے ہیں دونوں میں کوئی خاص تفریق مشکل ہے۔

احناف کے اس مسلک کے پیش نظر ہے سے اختلاف ہی نہیں رہتا اور نہ ہی کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ درحقیقت احناف اور شوافعؒ کے مسلک میں کوئی اختلاف نہیں مسلکاً تو سب کا اتفاق ہے کہ مسواک مطلقاً سنت ہے بلکہ حدیث کے مفہوم کے مصداق میں اختلاف ہے۔ احناف اس کا مصداق وضوء اور شوافع صلوٰۃ قرار دیتے ہیں۔ احادیث۔ باب میں اجمالاً اس قدر معلوم ہوا کہ مسواک کا ایک موقعہ و محل ایسا بھی ہے جو شارع علیہ السلام کے نزدیک بہت مؤکد اور زیادہ اہم ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خوف مشقت نہ ہوتا تو میں اس کو ضرور فرض قرار دیتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ موقعہ اور محل کونسا ہے جو شارع علیہ السلام کے نزدیک اتنا مؤکد ہے مثلاً ایک استاذ درس میں یوں کہہ دے کہ اگر مجھے طلباء کے تعب میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ایک سبق کو حفظ کرنا لازمی قرار دے دیتا۔ اب سبق تو سارے لازمی اور ضروری ہیں مگر ایک سبق ایسا بھی ہے جو سب سے زیادہ اہم اور مؤکد ہے۔ لائق طلباء استاد کی اس تنبیہ پر اس کا اشارہ اب معلوم کر کے

۱۲۴۔ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا اُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهٗ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اَكْثَرُ اَحَادِيْثِ الْبَابِ تَدُلُّ عَلٰى اِسْتِحْبَابِ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ بَعْدَ الزَّوَالِ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ كَرَاهَتِهٖ شَيْءٌ۔

۱۲۴۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اتنی بار مسواک کرتے ہوئے دیکھا جسے میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے بیان کیا ہے (ترمذی) نے اسے حسن کہا ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے اور اسے بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے۔

نیموی نے کہا، اس باب کی اکثر احادیث زوال کے بعد بھی روزہ دار کے لیے مسواک کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی کراہت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

اس کے مقتضا پر عمل کرنا چاہتے ہیں لیکن تلامذہ کا اپنے استاد کے مشار الیہ کے مصداق اور اس کی تعیین میں اختلاف ہوجاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا مصداق صحیح بخاری ہے اس لیے کہ وہی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور بعض جامع ترمذی کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں اس لیے کہ فقہی ترتیب کے لحاظ سے وہ سب سے بہتر ہے۔ بعینہ حدیث زیر بحث میں بھی حنفیہ اور شوافع حضرات کا الفاظ حدیث کے مصداق میں اختلاف ہے حنفیہ اسے وضو اور شوافع اسے صلوٰۃ قرار دیتے ہیں۔

اس توضیح کے پیش نظر مذکورہ ترجیحات، توجیہات اور مجاز بالحذف و مجاز مرسل کی تاویلات کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ یہاں اختلاف کی حقیقت نزاع لفظی کی سی ہے۔

حالت صوم میں مسواک کے جواز اور عدم جواز

(۱۲۴) یہ روایت حضرت عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اتنی بار مسواک کرتے دیکھا جسے میں شمار نہیں کر سکتا۔

اسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً بیان کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے حسن قرار دیا ہے اسی مناسبت سے ذیل میں صوم کی حالت میں مسواک کے جواز اور عدم جواز کی اجمالی بحث عرض کر دی جاتی ہے۔

بَابُ التَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْوُضُوْءِ

۱۲۵- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا

باب- وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا ۱۲۵- حضرت ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے

---

(۱) ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ صیام میں مسواک کا استعمال درست ہے۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ روزے دار کے لیے آخر النہار میں مکروہ ہے کیونکہ اس میں لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک کا ازالہ ہوتا ہے اس کے جواب میں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ روزے دار کے منہ کی بُو سے خلو معدہ کی بُو مراد ہے گندہ دہنی مراد نہیں جس کو مسواک سے دور کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ کے دلائل میں پہلی دلیل یہی عامر بن ربیعہؓ کی روایت ہے جو بخاری ج ۱ ص ۲۵۹، ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ میں مسنداً ہے ویذکر عن عامر بن ربیعۃ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستاک وھو صائم ما لا احصی او اعد یہی روایت دارقطنی ج ۱ ص ۲۴۲ میں بھی ہے اس روایت کو ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۲ اور ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ میں بھی نقل کیا گیا ہے قال الترمذی حدیث حسن حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں ولا یصح عنہ انہ نھی الصائم عن السواک اول النہار ولا آخرہ بل قد روی عنہ خلافہ وقال فی ھذہ الصفحۃ قبل ھذا وصح عنہ انہ کان یستاک وھو صائم (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶۳) قاضی شوکانیؒ اس پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں فالحق انہ یستحب السواک للصائم اول النھار وآخر النھار وھو مذھب جمھور الائمہ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۲)

امام مالکؒ رقمطراز ہیں انہ سمع اھل العلم لا یکرھون السواک للصائم فی رمضان فی ساعۃ من ساعات النھار لا فی اولہ ولا فی آخرہ ولم اسمع احداً من اھل العلم یکرہ ذلک ولا ینھی عنہ (موطا ص ۲۴۲)

قال النیمویؒ خود مصنفؒ نے اسی مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اس باب میں وارد اکثر احادیث زوال کے بعد بھی روزہ دار کے لیے مسواک کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی کراہت میں کوئی چیز ثابت نہیں۔

۱۲۵- مضمون حدیث واضح ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو وضو تسمیہ بالخصوص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَإِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تُحْدِثَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الصَّغِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

ابوہریرہؓ! جب تم وضو کرو تو یوں کہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

بلاشبہ تمہاری حفاظت کرنے والے فرشتے تمہارے لیے اس وضو سے محدث ہونے تک برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

اس حدیث کو طبرانی نے صغیر میں بیان کیا ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

کے ارشاد فرمودہ الفاظ بسم اللہ والحمد للہ سے شروع کیا جائے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبانِ اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے پر مامور ہوتے ہیں۔

روایتِ باب کی سندی حیثیت

ہدیۃ الجتبیٰ ص۲۳ میں ہے کہ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد کتاب الطہارۃ ج۱، ص۲۲۰ باب التسمیۃ عند الوضوء اور علامہ عینیؒ بنایہ میں مرفوعاً حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے نیز اس روایت کو طبرانی نے بھی معجم صغیر ج۱ ص۲۳ میں نقل کیا ہے اس روایت کو اصل قرار دے کر باقی روایات کو اس کی تائید میں رکھ کر سنیت یا استحباب اس سے ثابت ہو جاتا ہے اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔

بیانِ مذاہب

(۱) جمہور علماء بالخصوص ائمہ احناف کے نزدیک وضو کے آغاز میں بسم اللہ سنت ہے اور امام اعظمؒ سے ایک قول اس کے استحباب کا بھی منقول ہے ایک روایت امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

(۲) امام اسحٰق بن راہویہؒ، داؤد بن علی الظاہریؒ اور ان کے پیروکار تسمیہ کو ضروری قرار دیتے ہیں حافظ ابن رشد المالکیؒ لکھتے ہیں وذھب قوم الی انہ من فروض الوضوء (بدایۃ المجتہد ۱ ص۷) وھو روایۃ عن احمد بن حنبلؒ (مرقاۃ ج ۲ ص۱۱)

قائلین وجوب کے دلائل اور جوابات

وجوبِ تسمیہ کے قائلین کی دلیل درج ذیل حدیث ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ (ترمذی ج ۱ ص۱۳) علماء احناف جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچتی امام ترمذیؒ نے خود امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے وقال احمد لا اعلم فی ھذا الباب حدیثاً لہ اسناد جید (ج ۱ ص۱۳) علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعیؒ امام حاکم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں لا یثبت فی ھذا الباب حدیث (نصب الرایہ ج ۱ ص۴) حافظ ابن رشدؒ رقمطراز ہیں وھذا الحدیث لا یصح عند اھل النقل (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۱) نقل ما روی فی ھذا الباب فلیس بقوی (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۵) تو ایسی روایات سے فرضیت، وجوب اور رکنیت کا ثبوت کیونکر درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۲) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیث صحیح ہے تب بھی لائے نفی جنس، نفی کمال کے لیے ہے یعنی جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو کامل نہیں ہوگا لائے نفی جنس دو معنی کے لیے آتا ہے کبھی نفسِ شئی کے نفی کے لیے اور کبھی کمالِ شئی کی نفی کے لیے۔ کمالِ شئی کی نفی کی مثال کثرت سے احادیث میں آئی ہیں جیسے (ا) لا ایمان لمن لا امانۃ لہ (ب) لا دین لمن لا عہد لہ (ج) لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔

(۳) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لا نفیٔ وضو کی نفی کے لیے ہے تب بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ یہ کلام تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کے قبیل سے ہے بلغاء کے ہاں کبھی ناقص چیز کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے یعنی بغیر بسم اللہ وضو ہو تو جاتا ہے لیکن ہوتا اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہوتا ہے۔

(۴) سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے جو حکیمانہ توجیہ فرمائی ہے وہ سب سے زیادہ لطیف ہے فرماتے ہیں۔

وجوبِ تسمیہ کی نفی پہ ایک اور لطیف توجیہ کی گئی ہے جو سب توجیہات سے بہتر ہے کہ حدیث باب کے الفاظ پہ غور کیا جائے تو حدیث میں "لا وضوء" منقول ہے لا طہور نہیں طہور اور وضو میں زمین و آسمان کا فرق ہے طہور ما یتطہر بہ کو کہتے ہیں جس سے نجاست حقیقی یا نجاست حکمی کا ازالہ ہوتا ہے جبکہ وضو ایسی طہارت کو کہتے ہیں جس پر وضاءت (نور اور روشنی) مرتب ہوتی ہو جبکہ وضو کی دو حیثیتیں ہیں۔

(۱) آلۂ ادائے صلوۃ جیسا کہ ابواب ترمذی میں روایت منقول ہے کہ مفتاح الصلوۃ الطہور (الحدیث) یہاں الطہور سے مراد وضو بحیثیت آلۂ ادائے صلوۃ کے ہے اس لیے اس کی تعبیر بھی الطہور سے کر دی۔

(۲) وضو کی دوسری حیثیت عبادت ہونا ہے جس پر اجر و ثواب اور وضاءت اور نورانیت کا ترتب ہوتا ہے۔
جب وضو کو اس دوسری حیثیت پر لیں گے تو پھر اس میں نیت اور تسمیہ دونوں ضروری ہو جاتے ہیں جس سے روحانی و
جسمانی وضاءت اور ایمانی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے وضو کرنے والے کے اعضاء قیامت کے روز
ایسے روشن ہوں گے جیسے رات کی تاریکیوں میں بجلی کے راڈ چمکتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
اسی روشنی اور نور سے قیامت کے دن پہچانی جائے گی۔

تو یہاں " لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ " میں وضوء کے اس دوسری حیثیت کی نفی ہے۔
کیونکہ سبب وضاءت مطلب طہارت کو مستلزم نہیں مگر وہ وضوء اس درجہ کا نہیں کہ اس پر نور اور
وضاءت بھی مرتب ہو۔

جمہور کے دلائل

(۱) وضو کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے نص قرآنی میں بیان فرمایا ہے جس میں چار فرائض ہیں
اگر وجوب تسمیہ کا قول کریں گے تو خبرِ واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے
گی اور وہ ناجائز ہے۔

(۲) حدیث مسیئ صلوٰۃ میں آپ نے وضو کا پورا طریقہ ارشاد فرمایا ہے لیکن اس میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے
اجمالاً واقعہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے نماز پڑھی مگر تعدیل ارکان نہیں کیا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ارجع فصل اس کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں توضأ کما امرک اللہ یہ لفظ ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ
میں موجود ہیں حضورؐ کے اس حکم سے معلوم ہوا کہ جن چار کاموں کا اللہ نے آیتِ وضو میں حکم دیا ہے ان سے واجبات
ادا ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی چیز واجب نہیں۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار قولی اور فعلی احادیث، وضوء کے بارے میں آپ سے
نقل کی گئی ہیں لیکن صحیح احادیث تسمیہ سے خالی ہیں۔

(۴) امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۶) عدم وجوب تسمیہ کے دلیل کے طور پر مہاجرؓ بن قنفذ کی
روایت پیش کرتے ہیں جسے امام نسائیؒ (ج ۱ ص ۔) اور ابوداؤد (ج ۱ ص ۔) نے بھی نقل کیا ہے وہ یوں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے یا وضو فرما رہے تھے انہوں نے سلام کیا تو حضورؐ نے جواب
نہ دیا بعد میں جب طہارت حاصل کر لی تو جواب دیا اور تاخیر کی وجہ یہ بتائی کہ میں باوضو نہیں تھا ارشاد فرمایا
کرهت ان اذکر اللہ الا علی طهر (نسائی ج ۱ ص ۔) چونکہ وضو سے قبل تسمیہ کے ذریعہ اللہ کا نام آتا
ہے اور وہ پسندیدہ نہیں تو اس حالت میں وجوب کہاں سے ہوگا؟ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہمیشہ آپ وضو سے پہلے
بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بقول ابن نجیم المصری کے اس استدلال سے تو قبل الوضوء

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْوُضُوْءِ

۱۲۶- عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ اَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَعَا بِإِنَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِي هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ.

باب۔ جو روایات طریقہ وضو کے بارے میں ہیں۔ ۱۲۶۔ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دیکھا انہوں نے برتن منگایا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پانی ڈال کر تین بار انہیں دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک جھاڑی، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین بار دھوئے پھر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے میرے وضو جیسا وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، ان دونوں رکعتوں میں اپنے جی میں باتیں نہ کیں۔ (یعنی خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھیں خیال منتشر نہ ہونے دیا) تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"۔
اس حدیث کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

کراہیت تسمیہ معلوم ہوتی ہے حالانکہ استحباب کے سبھی قائل ہیں (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۹) بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ راویان حضورؐ کا اس فضیلت پر عمل کرنے کا تھا کہ وضو کے بغیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔

۵۔ بیہقی اور دارقطنی کی حدیث ہے من توضأ وذکر اسم اللہ فانہ یطہر جسدہ کلہ ومن توضأ ولم یذکر اسم اللہ لم یطہر الا موضع الوضوء۔ اس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ کے بغیر موضع الوضوء پاک ہو گیا۔

(۱۲۶) حدیث باب جسے امام بخاری نے باب الوضوء ثلثاً ثلثاً میں نقل کیا ہے کا مضمون واضح ہے جس میں اعضاء وضو کو تین بار دھونے کا عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے تو یہ کمال اور سنت کا درجہ ہے علاوہ ازیں بخاری میں اس روایت سے قبل کے دو ابواب میں دیگر روایات بھی منقول ہیں جن

میں اعضاء وضو کو ایک بار دھونے اور دو بار دھونے کا عمل بھی نقل کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایک بار دھونے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے دو بار دھونے پر اکتفاء بھی جائز ہے اور یہ ایک بار دھونے سے افضل ہے مگر وضوء صلوٰۃ میں عموماً اعضاء وضو کا تین تین بار دھونا ہی آیا ہے جیسے کہ حدیث باب سے ظاہر ہے اس لیے کم پر اکتفاء بہت کم ہوا ہے اگرچہ یہ عمل بھی منقول ہے اس کی بھی وجہ تھی کہ یا تو پانی قلیل تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان جواز کے لیے ایسا کرتے تھے

بیان مذاہب اعضاء مقصودہ کو کتنی بار دھونا چاہیئے اس سلسلہ میں دو فقہی مذہب ہیں۔

۱۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اور تین سے کم یا زیادہ بار دھونا خلاف سنت ہے۔

۲۔ ائمہ ثلثہ اور جمہور کے نزدیک ایک مرتبہ فرض، دو مرتبہ مستحب اور تین مرتبہ سنت ہے۔

دلائل شوافع کے دلائل وہ احادیث ہیں جن کے اندر تین تین مرتبہ دھونا ثابت ہے ان میں سے ایک حدیث باب بھی ہے ایک قول کے مطابق ان کے نزدیک تین سے زیادہ مرتبہ دھونا مکروہ تحریمی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے وضو باطل ہو جاتا ہے مگر ان کا قول اول راجح ہے نسائی ترمذی اور ابن ماجہ میں تین مرتبہ دھونے کے عمل کے نقل کے بعد یہ اضافہ ہے فمن زاد او نقص فقد ظلم و تعدّی یہ ان کا مستدل ہے جمہور اور احناف کا مستدل وہ احادیث ہیں جن میں ایک ایک مرتبہ دھونا منقول ہے تو وہ فمن زاد الخ والی روایت کا معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ جو لوگ تین مرتبہ سے زیادہ دھوتے ہیں وہ اپنے آپ پر کمال ثواب سے محروم ہو کر ظلم اور تعدی کرتے ہیں ورنہ یہ ناجائز نہیں ہے نیز تین مرتبہ سے کم دھونے کو خلاف سنت بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ سے کم بھی دھویا ہے۔

تحیۃ الوضوء ثم صلی رکعتین ان رکعتین سے مراد "تحیۃ الوضوء" ہے یہ مستحب ہے اسے "شکر الوضوء" بھی کہتے ہیں جیسا کہ خود امام بخاریؒ نے باب المناسک میں تحیۃ الوضوء کو شکر الوضوء کے نام سے تعبیر کیا ہے گویا یہ نماز وضو کا شکرانہ ہے جو بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جاتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے وضو جیسی بڑی چیز بندوں کو سکھلا دی جس سے ظاہری اور باطنی پاکی بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور بندہ اس قابل بن جاتا ہے کہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو سکے جو اعلیٰ درجے کی نعمت عظمیٰ ہے قرآن مجید میں بھی وضو کو نعمت عظمیٰ قرار دیا گیا ہے۔

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (مائدہ ۶)	اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور پورا کرے احسان تم پر۔

بَابٌ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ

۱۲۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ

باب۔ مضمضہ اور استنشاق اکٹھا کرنا۔ ۱۲۷۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم الانصاری رضی اللہ عنہ یہ صحابی ہیں نے کہا کہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کرنے کے لیے کہا گیا، تو انہوں نے برتن منگایا اور اس

جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کی توفیق اور صلاحیت وضو کے ذریعہ سے عطا فرمائی تو فطرتِ سلیمہ رکھنے والے بندے کی طبیعت از خود اس بات کا تقاضا کرے گی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس مخصوص نعمت پر کوئی شکریہ پیش کرے جو یہی تحیۃ الوضوء ہے قرآن مجید میں بھی آیتِ وضو کے اختتام پر لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے اسی طرف لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خاص عمل حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس تحیۃ الوضوء کی مطلوبیت کو سمجھے ہوئے تھے اور وہ اس پر مداومت کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ تم کونسا عمل خاص کرتے ہو کہ میں نے لیلۃ المعراج میں جنت کے اندر تیرے جوتوں کی کھس کھساہٹ اپنے سے آگے سنی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایک عمل کرتا ہوں جس کے اجر کا میں امیدوار ہوں جب بھی وضو کرتا ہوں تو وضو کے بعد جتنی رکعتیں میرے لیے مقدر ہوتی ہیں پڑھ لیتا ہوں۔

تحدیث نفس سے کیا مراد ہے؟ لا يحدث فيهما نفسه امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفسہ مفعول ہے فاعل نہیں جبکہ بعض ائمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے بالفتح مفعول اور بعض نے بالضم فاعل قرار دیا ہے۔

اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے اور نہ دل میں ادھر ادھر کے خیالات بنائے نہ پکائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دل میں کوئی دوسرا خیال ہی نہ آئے جو چیز بلا کسب واختیار انسان کے دل میں آئے انسان اس کا مکلف نہیں حکیم ترمذی رحمہ اللہ کتاب الصلوٰۃ میں یہ حدیث لائے ہیں اس میں ایک لفظ زائد ہے لا يحدث فيهما نفسه من الدنيا یعنی نماز میں دنیاوی خیالات نہ لائے معلوم ہوا کہ اُخروی خیال آنے یا لانے سے کوئی منافات نہیں جیسا کہ خود سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انی لاجهز جيشي في الصلوٰة یعنی میں اپنے لشکر کو اپنی نماز میں تیار کرتا رہتا ہوں۔

(۱۲۷ تا ۱۳۲) **لغوی تحقیق** مضمضہ لغت میں تحویل اور تحریک کو کہتے ہیں اصطلاحاً تعریك الماء

قَالَ قِيْلَ لَهٗ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِإِنَاءٍ فَأَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

میں سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں تین بار دھویا، پھر اپنے ہاتھ کو پانی میں ڈالا، پانی نکال کر ایک ہی ہاتھ سے مضمضہ اور استنشاق کیا۔ پس تین بار ایسا ہی کیا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا، تین بار اپنا چہرہ دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا، پانی نکال کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو، دو بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا، اپنے سر کا مسح کیا، اپنے ہاتھوں کو سر پر آگے کی طرف اور پیچھے کی طرف لے گئے، پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا، پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اسی طرح تھا۔

اس روایت کو شیخان نے بیان کیا ہے۔

فی الفم یا تحریک الماء فی الفم کو کہتے ہیں۔ استنشاق، نشوق سے ہے جس کا معنی ہے کہ ناک کی طرف سے سانس لینے کے لیے ہوا کھینچنا تو استنشاق کے معنی اس کو مدنظر رکھ کر یہ ہوں گے کہ ادخال الماء فی الانف یعنی ناک میں پانی کھینچنا اور استنثار، استخراج الماء من الانف یعنی پانی کو ناک سے جھاڑنا۔

مضمضہ، استنشاق اور استنثار کے فوائد

سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ارشاد فرماتے ہیں کہ شریعت نے وضو کی تکمیل سے قبل اور ہاتھ دھونے کے بعد مضمضہ اور استنشاق کا حکم دیا ہے مقصد یہ ہے کہ اولاً پانی کا ذائقہ معلوم ہو جائے ممکن ہے کہ غیر مرئی طریقہ سے اس میں نجاست واقع ہوئی ہو اور اس نے پانی کے ذائقہ کو بدل دیا ہو جب ذائقہ معلوم ہو جائے گا تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اب پانی کی حالت کیسی ہے؟ اگر اس میں نجاست گری ہوئی ہو تو ایک نجس چیز کے استعمال سے حفظ ماتقدم حاصل ہو جائے گا اور جب ذائقہ معلوم ہو جاتا ہے۔

اور ذائقہ کے لحاظ سے پانی کی صفائی کا اطمینان بھی حاصل ہو جاتا ہے تو شریعت استنشاق کا حکم دیتی ہے تاکہ پانی کی بو بھی معلوم کی جاسکے اور وضو کرنے سے پہلے پہلے یہ اطمینان حاصل کیا جاسکے کہ وضو میں جس پانی

۱۲۸۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَجَمَعَ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۲۸۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو فرمایا اور مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) اکٹھا کیا۔

اس حدیث کو دارمی، ابن حبان، حاکم نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

کو استعمال کر رہا ہے وہ جس طرح ذائقہ کے اعتبار سے پاکیزہ ہے اسی طرح بو کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا اب اسے اطمینان سے وضو کر لینا چاہیئے اور اگر مضمضہ اور استنشاق سے اس کے ذائقہ یا رائحہ کے تغیر کا علم ہو گیا تو وہ ایسے پانی کو استعمال نہ کرے تاکہ بجائے تحصیل طہارت کے تنجیس اور تلویث نہ ہو اس کے علاوہ بھی بعض اوقات انسان کے منہ اور ناک میں جو میل کچیل اور کدورت پیدا ہو جاتی ہے مضمضہ اور استنشاق سے اس کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے علاوہ ازیں منہ اور ناک کے ذریعہ انسان سے جو گناہ صادر ہوتے ہیں بمقتضائے حدیث مضمضہ اور استنشاق سے وہ بھی بہہ جاتے ہیں۔

(حقائق السنن ج ۱ ص۲۲۰)

بیان مذاہب یہ تو سب کی متفق علیہ رائے ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل ہو یا وصل، سنت تو بہرحال دونوں صورتوں میں ادا ہو ہی جاتی ہے یہ اختلاف جواز یا عدم جواز کا نہیں محض اولویت اور غیر اولویت کا ہے (فتح القدیر ج ۱ ص۲۹، البحر الرائق ج ۱ ص۲۲، تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۴۳) یوں تو مضمضہ اور استنشاق کی متعدد صورتیں فقہاء سے منقول ہیں مگر زیادہ مشہور دو ہی ہیں۔

۱۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم جسے بویطیؒ نے نقل کیا ہے اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ستہ غرفات الفصل کی صورت اولیٰ اور راجح ہے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

۲۔ امام شافعیؒ کا مشہور مسلک (قول جدید) جسے المزنیؒ نقل کرتے ہیں یہ ہے کہ غرفات میں وصل کیا جائے یعنی ایک ہی چلو سے جمع بین المضمضۃ والاستنشاق کی صورت اختیار کی جائے وھو احدی الروایتین عن مالک

شوافع کا مستدل حدیث الباب فی الجمع بین المضمضۃ والاستنشاق بظاہر امام شافعیؒ کا

بَابٌ فِي الْفَصْلِ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ

۱۲۹- عَنْ اَبِي وَائِلٍ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَاَفْرَدَا الْمَضْمَضَةَ مِنَ الْاِسْتِنْشَاقِ ثُمَّ قَالَا هٰكَذَا رَاَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ ابْنُ السَّكَنِ فِي صِحَاحِهٖ۔

باب۔ مضمضہ اور استنشاق علیحدہ علیحدہ کرنا۔ ۱۲۹۔ ابووائل شقیق بن سلمہ نے کہا، میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس حاضر ہوا دونوں نے تین تین بار وضو کیا اور مضمضہ کو استنشاق سے علیحدہ کیا، پھر کہا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔
اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں بیان کیا ہے۔

مستدل ہے کیونکہ اس میں من کف واحد کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کے دونوں عمل ایک ہی چلو سے کیے گئے ہیں۔

موقف احناف اور دلائل

(۱) اصول اور قواعد احناف کے مؤید ہیں کیونکہ منہ اور ناک ہر ایک مستقل عضو ہے لہذا دوسرے اعضاء کے موافق ہر ایک کے لیے الگ غرفہ ہونا چاہیئے مقصد یہ ہے کہ انسان کے جسم میں ناک علیحدہ عضو ہے اور منہ علیحدہ عضو ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر عضو کے لیے جدید پانی لیا جائے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ منہ کے لیے ماء جدید لیا جائے اور ناک کے لیے بھی ماء جدید لیا جائے --- اور ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب ایک عضو کا غسل مکمل کر لیا جاتا ہے تب دوسرے کو توجہ دی جاتی ہے لہذا پہلے مضمضہ مکمل کر لیا جائے بعد میں استنشاق کو توجہ دی جائے ـــ نیز نسائی کی روایت میں صراحتاً یہ مذکور ہے کہ متوضی جب مضمضہ کرتا ہے تو اس کے منہ کے تمام خطایا بہہ جاتے ہیں اور جب استنشاق کرتا ہے تو ناک کے گناہ جھڑ جاتے ہیں (نسائی کتاب الطہارۃ ص۳۱) اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دونوں اعضاء ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اسی طرح ان کی طہارت کا حکم بھی یہی ہے کہ دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ پانی لیا جائے اور فصل کی صورت اختیار کی جائے والا نصل فصلهما فانه اشبه باعمال الوضوء۔ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۸)

۲۔ اس سے اگلے باب "الفصل بين المضمضة والاستنشاق" اور باب ما يستفاد منه الفصل کے تمام روایات ۱۲۹ تا ۱۳۲ حنفیہ کا مستدل ہیں بطور مثال۔

بَابُ مَا يُسْتَفَادُ مِنْهُ الْفَصْلُ

۱۳۰۔ عَنْ اَبِیْ حَیَّةَ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ كَفَّیْهِ حَتّٰی اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَّاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَّغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَّذِرَاعَیْهِ ثَلَاثًا وَّمَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْهِ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَكُمْ كَیْفَ كَانَ طَهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ۔

باب۔ جس سے مضمضہ اور استنشاق علیحدہ علیحدہ کرنا سمجھا جاتا ہے۔ ۱۳۰۔ ابو حیہ نے کہا میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا پس اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں خوب صاف کیا، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا، دونوں بازوؤں کو بھی تین بار دھویا اور ایک بار مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اسے کھڑے کھڑے ہی پی لیا، پھر کہا میں نے بہتر سمجھا کہ تمہیں دکھاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا۔ اس حدیث کو ترمذی نے بیان کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ ابی وائل شقیق کی روایت ۱۲۹ میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل نقل کیا گیا ہے وافردا المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأینا رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ۔

۳۔ ترمذی ج ۱ صلا کی روایت ہے جسے امام نیمویؒ نے ۳۰ انمبر میں درج کیا ہے ثم مضمض ثلاثاً واستنشق ثلاثاً

۴۔ ابوداؤد ج ۱ صلا کے حوالے سے ابن ابی ملیکہ کی روایت ہے جسے ہمارے مصنف نے ۱۳۱ نمبر پر درج کیا ہے۔ فمضمض ثلاثا اور آخر میں کہا هكذا رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضا۔

۵۔ آثار السنن کی روایت نمبر ۳۲ا جسے طبرانی اور مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۳۱ میں نقل کیا گیا ہے میں ثم تمضمض ثلاثاً واستنشق ثلاثاً کی تصریح ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم مازنیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضمض واستنشق ثلاثاً (صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص۲۴۲)

۱۳۱۔ وَعَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوْءِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأُتِيَ بِمِيْضَاةٍ فَأَصْغَاهَا عَلٰى يَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَدْخَلَهَا فِي الْمَاءِ فَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَّاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا وَّغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا وَّغَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاَخَذَ مَاءً فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ فَغَسَلَ بُطُوْنَهُمَا وَظُهُوْرَهُمَا مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُوْنَ عَنِ الْوُضُوْءِ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۳۱۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دیکھا ان سے وضو کے بارہ میں پوچھا گیا انہوں نے پانی منگایا تو لوٹا پیش کیا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے دائیں ہاتھ پر ڈالا۔ پھر وہ ہاتھ پانی میں داخل کر کے تین بار کلی کی اور تین بار ناک جھاڑا اور تین بار اپنا چہرہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ تین بار اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا پھر پانی لے کر اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کو ایک بار دھویا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا وضو کے بارہ میں پوچھنے والے کہاں گئے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔

یہ حدیث ابی داؤد نے بیان کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں یہ مضمون بھی ہے توضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتمضمض ثلاثًا واستنشق ثلاثًا (مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۰)

۸۔ حضرت ابوحیہ سے روایت ہے قال رأیت علیًا ..... ثم مضمض ثلاثًا واستنشق ثلاثًا اور آخر میں فرمایا احببت ان اریکم کیف کان طہورہ علیہ الصلٰوۃ والسلام۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ج ۱ ص ۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۔)

۹۔ حسن بصریؒ نے وضو کیا فتمضمض ثلاث مرات واستنشق ثلاث مرات ثم قال حدثنی انس بن مالک ان ھذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دارقطنی ج ۱ ص ۲۹)

شوافع کے استدلال سے جواب

من کف واحدۃ کے صرف وہی معنی نہیں ہیں جو شوافع نے لیے ہیں کہ دونوں عمل ایک ہی چلو سے لیے گئے اور نہ ہی یہ الفاظ اس مفہوم کے لیے نص ہیں چنانچہ علماء محدثین نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

١٣٢- وَعَنْ رَاشِدِ بْنِ نَجِيحٍ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحِمَّانِيِّ قَالَ رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ بِالزَّاوِيَةِ فَقُلْتُ لَهُ أَخْبِرْنِي عَنْ وُضُوءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ كَانَ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ كُنْتَ تُوَضِّئُهُ قَالَ نَعَمْ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأُتِيَ بِطَسْتٍ وَقَدَحٍ مَوْضُوعٍ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَكْفَأَ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْمَاءِ وَأَنْعَمَ غَسْلَ كَفَّيْهِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَخْرَجَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَغَسَلَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً غَيْرَ أَنَّهُ أَمَرَّهُمَا عَلَى أُذُنَيْهِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

١٣٢- راشد بن نجیح ابو محمد الحمانی نے کہا، میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کو زاویہ میں دیکھا، تو ان سے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارہ میں بتائیے کہ وہ کس طرح تھا؟ تحقیق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ انہیں وضو کراتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں تو انہوں نے پانی منگوایا، ایک طشت اور پیالہ لایا گیا (جو کہ چھیلا گیا تھا جیسا کہ چھیلا گیا تھا) ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا، پھر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ نکال کر اسے تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا، البتہ انہوں نے ہاتھ اپنے دونوں کانوں پر پھیرے اور ان کا مسح کیا۔

اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

---

(۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے معنی یہ ہوں گے مضمض من کف واستنشق من کف (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۳) باقی رہی واحد کی قید سو یہ احتراز ہے تثنیہ سے یعنی منہ دھوتے وقت جس طرح دونوں ہاتھوں کو ملا کر کام لیتے ہیں مضمضہ اور استنشاق میں ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی ہاتھ سے پانی لیا اس میں زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲- شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ من کف واحدۃ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (الف) یہ بمقابلہ کفین ہے اس کا مطلب یہ کہ مضمضہ اور استنشاق ایک ہاتھ سے کیا لا بضم الکفین جیسا کہ یہی متعارف بھی ہے (ب) یا یہ کہ من کف واحدۃ مقابلہ میں ہو من کفین علی سبیل التعاقب کے ہو یعنی مضمضہ اور استنشاق میں ایک ہی ہاتھ سے کام لیا یعنی جس ہاتھ سے کلی کی اسی ہاتھ سے ناک میں پانی دیا (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹)

بَابُ تَخْلِيْلِ اللِّحْيَةِ

۱۳۲۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا تَوَضَّأَ خَلَّلَ لِحْيَتَهٗ بِالْمَاءِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

باب۔ داڑھی کے خلال میں۔ ۱۳۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو پانی کے ساتھ اپنی داڑھی مبارک کا خلال فرماتے۔
یہ حدیث احمد نے بیان کی ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

۲۔ علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ کف واحد کا مطلب یہ ہے کہ علی سبیل التعاقب تھا یعنی ایسا نہیں کہ مضمضہ کے لیے مثلاً دایاں ہاتھ استعمال کیا ہو اور استنشاق کے لیے بایاں، بلکہ دونوں کے لیے ایک ہی کف استعمال کی چونکہ روایات کے اندر تصریح ہے کہ دائیں ہاتھ سے ناک صاف نہ کرنا چاہیئے یہاں شبہ تھا کہ ممکن ہے کہ استنشاق کے لیے دایاں ہاتھ استعمال نہ کیا ہو اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "من کف واحد" پر عمل کر کے اس شبہ کا ازالہ کیا کہ پانی دائیں ہاتھ سے ڈالے اور صاف بائیں ہاتھ سے کرے (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۸۹ فیض الباری ج ۱ ص ۲۹۱)

۳۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث وصل پر دلالت کرتی ہے تب بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ وصل جائز تو ہمارے ہاں بھی ہے گو افضل نہیں یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہو سکتی ہے بلکہ حنفیہ کی دوسری تعبیر کے مطابق وصل سنت بھی ہے اگرچہ کمال سنت فصل ہی ہے۔

لغوی تحقیق ۱۳۲۔ حیوان کے چہرے کے فک اسفل یا انسانی چہرے کی وہ ہڈی جس پر داڑھی کے بال اگتے ہیں کو لحیہ اور چہرے کے دونوں اطراف کو لحیین کہتے ہیں جو مضغ کے وقت حرکت میں آتے ہیں لحیہ کا اطلاق داڑھی کے بالوں پر تسمیۃ الحال باسم المحل کے قبیل سے ہے۔

لحیہ کے اقسام داڑھی کا خلال سب کے ہاں مستحسن ہے حدیث باب سب کے مسلک پر منطبق ہو سکتی ہے اس میں تو صرف اتنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال فرمایا ہے باقی اس خلال کی حیثیت کیا ہے اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے حیثیت کی تعیین ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد سے کی ہے بیان مذاہب سے پہلے ضروری ہے کہ لحیہ کے اقسام بیان کر دیئے جائیں سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ارشاد فرماتے ہیں کہ لحیہ کے مختلف اقسام ہے۔

۱۔ لحیہ کثہ (کثیفہ): داڑھی کے بال گھنے اور اس قدر کثیر ہوں کہ بالوں کے نیچے کی جلد نظر نہ آئے۔

۲۔ لحیہ غیر کثہ خفیفہ: اگر بال گھنے نہ ہوں اور نیچے کی جلد نظر آتی ہو تو وہ لحیہ غیر کثہ خفیفہ ہے پھر ان دونوں کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) لحیہ کثہ مسترسلہ: ایسے بال جو ٹھوڑی اور چہرہ کے دائرہ سے باہر لٹکے ہوئے ہوں مسترسلہ ہیں (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲)

(ب) اگر وہ چہرہ اور ٹھوڑی سے لگے ہوئے ہیں تو غیر مسترسلہ ہیں (حقائق السنن ج ۱ ص ۲۱)

بیان مذاہب

(۱) تخلیل لحیہ جمہور ائمہ، ائمہ اربعہ اور احناف کے نزدیک مستحب ہے اور آداب الوضوء سے ہے۔

(۲) امام مالکؒ سے روایات مختلف ہیں (الف) مندوب ہے (ب) جائز ہے (ج) بعض روایات میں کثہ اور خفیفہ کا فرق ہے۔

(۳) امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اکثر اہل علم خلال لحیہ کو سنت قرار دیتے ہیں امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مسلک ہے

(۴) امام اسحٰق بن راہویہؒ، امام حسن بن صالحؒ اور اہل الظاہر کہتے ہیں کہ غسل اور وضو میں خلال لحیہ واجب ہے (ترمذی ج ۱ ص ۶ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۶)

جمہور کا استدلال

(۱) آیت الوضوء نص قرآنی جس میں وضوء کے فرائض بیان کیئے گئے ہیں مگر اس میں خلال لحیہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) حدیث مسئ صلوٰۃ، اس میں بھی غسل اور وضو میں خلال کا ذکر نہیں ہے

(۳) علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ تخلیل لحیہ کی روایات غیر صحیح ہیں (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸)، مگر جمہور فرماتے ہیں اگر یہ روایات صحیح بھی تسلیم کر لی جائیں جیسا کہ سیدنا عثمانؓ کی روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص ۶ پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے تب بھی یہ روایات استحباب پہ محمول ہیں۔

قائلین وجوب کا استدلال اور جوابات

اہل الظاہر اور دیگر قائلین وجوب حضرت انس رضؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکه فخلل به لحیته وقال هکذا امرنی ربی (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹)

جمہور نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔

(۱) اس کی سند میں عامر بن شقیق ہے جو ضعیف ہے وقال ابو حاتم لیس بقوی وقال النسائی

ليس به باس (تهذيب التهذيب ج ۵ ص۹۵)

اس کا دوسرا راوی ولید بن زوران ہے جو مجہول الحال ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص۱۶۵)

(۲) اگر اس حدیث سے وجوب خلال تسلیم کر لیا جائے تو خبر واحد سے زیادۃ علی الکتاب لازم آتی ہے جب کہ قرآنی نصوص میں تخلیل لحیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقلین وضو تو کثیر صحابہؓ ہیں چند ایک نے تخلیل لحیہ کا ذکر کیا ہے۔ اگر یہ واجب ہوتا تو سب اس کو نقل کرتے۔

(۴) یہ بھی احتمال موجود ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اگر یہ حکم امت کو عام ہوتا تو الفاظ حدیث "ھکذا امرنی ربی" ہوتے قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں ھکذا امرنی ربی لا یفید الوجوب علی الامة لظهور ه فی الاختصاص به ... (نیل الاوطار ج ۱ ص۱۶۹)

لحیہ کا حکم | وضو میں داڑھی کا حکم کیا ہے فقہ حنفی کے مطابق اس کی قدرے تفصیل عرض کر دی جاتی ہے۔

لحیہ غیر کثہ (خفیفہ) کا حکم یہ ہے کہ کھال تک پانی پہنچانا ضروری ہے لحیہ کثہ (کثیفہ) کا حکم یہ ہے کہ اس کے اندر نیچے کھال تک پانی پہنچانا ضروری تو نہیں ہے۔ ڈاڑھی کے بالوں کا حکم کیا ہے اس میں قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ

لحیہ کثہ (کثیفہ) کے دو حصے ہیں ایک وہ جو چہرے کے دائرہ سے نیچے لٹک رہے ہوں جیسا کہ آغاز میں عرض کر دیا گیا اسی کو لحیہ مسترسلہ کہتے ہیں دوسرا وہ حصہ جو دائرہ سے نیچے نہیں لٹک رہا اس کو لحیہ غیر مسترسلہ کہتے ہیں۔ اس بات پر تمام حنفیہ حضرات متفق ہیں کہ لحیہ مسترسلہ کا نہ غسل ضروری ہے اور نہ مسح ضروری ہے البتہ خلال سنت یا مستحب ہے لحیہ غیر مسترسلہ کے بارے میں احناف کی آٹھ روایات ہیں۔

(۱) وجوب مسح الکل (۲) وجوب مسح الثلث (۳) وجوب مسح الربع (۴) وجوب مسح مایلاقی البشرۃ (۵) وجوب غسل الثلث (۶) وجوب غسل الربع (۷) وجوب الغسل والمسح۔ مگر یہ ساتوں روایات مرجوع عنہا اور غیر مفتیٰ بہا اقوال ہیں مرجوع الیہ اور مفتیٰ بہ قول یہ آٹھویں روایت ہے (۸) وجوب غسل الکل (البحر الرائق ج ۱ ص۱۶) مگر خود صاحب بحر نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ بہت سے اصحاب متون نے بھی مرجوع الیہ روایت کو چھوڑ کر مرجوع عنہ قول کو ذکر کر دیا ہے

خلال کا طریقہ | تخلیل لحیہ کے دو طریقے ہو سکتے ہیں اور دونوں جائز ہیں۔

(۱) اوپر سے آغاز کرے اور اوپر سے نیچے کی طرف خلال کرتا جائے۔

بَابُ تَخْلِيْلِ الْاَصَابِعِ

۱۳۴- عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيْطِ بْنِ صَبْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ الْاَصَابِعَ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا۔ رَوَاهُ الْاَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْبَغَوِيُّ وَابْنُ الْقَطَّانِ۔

باب۔ انگلیوں کے خلال میں۔ ۱۳۴- عاصم بن لقیط بن صبرۃ سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا، میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! مجھے وضو کے بارہ میں بتائیے، آپ نے فرمایا — اچھی طرح وضو کر، انگلیوں کا خلال کر، اور ناک میں خوب پانی چڑھا، مگر جب کہ تم روزہ سے ہو۔

یہ حدیث چاروں محدثین نے بیان کی ہے۔ ترمذی، ابن خزیمہ، البغوی اور ابن قطان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

---

(۲) نیچے سے ابتداء کرے اور اوپر کی طرف خلال کرتا جائے وکیفیتہ انہ یدخل اصابعہ فیہا ویخلل من الجانب الاسفل الی فوق وھو المنقول عن شمس الائمہ الکردری۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ سنن الوضوء)

۱۳۴، ۱۳۵- اسباغ الوضوء اور اس کی تین قسمیں

قال اسبغ الوضوء اسباغ کسی چیز کے اتمام اور اکمال کو کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ جب بھی وضو کیا جائے اس کو اپنے تمام فرائض، سنن اور مستحبات کے ساتھ پورا کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ادلکم علی ما یمحو اللہ بہ الخطایا ویرفع بہ الدرجات قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال اسباغ الوضوء علی المکارہ وکثرۃ الخطا الی المساجد وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ فذالکم الرباط۔

(ترمذی باب فی اسباغ الوضوء)

اسباغ الوضوء کے تین درجے ہیں (۱) اگر تکمیل عضو ہے تو فرض ہے یعنی عضو کو ایسا دھویا جائے کہ بال برابر جگہ خالی نہ رہے (۲) اگر تثلیث غسل اعضاء مراد ہے تو یہ سنت ہے (۳) اگر اطالۃ الغرۃ والتحجیل مراد ہے تو یہ مستحب ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو سے فارغ ہوتے تو اپنی پیشانی

۱۳۵۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

۱۳۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم وضو کرو تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔''

یہ حدیث احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے بیان کی ہے، اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

مبارک پر پانی بہا دیتے حتیٰ یسیلہ علی موضع سجودہ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۵) یہ اطالۃ الغرۃ کے لیے تھا مسلم میں تو اس عنوان پر مستقل باب قائم ہے ''استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۶) امام مسلم نے اس باب کے نیچے یہ حدیث بھی درج کی ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انتم الغر المحجلون یوم القیمۃ من اسباغ الوضوء فمن استطاع منکم فلیطل غرتہ وتحجیلہ حدیث نمبر ۱۳۴ میں اسباغ وضوء کے بعد وخلل الاصابع کا حکم ہے اسی طرح حدیث نمبر ۱۳۵ میں بھی وخلل اصابع یدیک ورجلیک کا حکم ہے۔

خلالِ اصابع کا طریقہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ کی خنصر سے رجلین کے اصابع کا دلک فرمایا اذا توضأ دلک اصابع رجلیہ بخنصرہ (ترمذی باب تخلیل الاصابع) فقہاء کرام نے اسی سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر سے رجلین کے اصابع کا خلال کیا جائے لکونھا ارق الاصابع فھی بالتخلیل انسب (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۳)

طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی خنصر سے شروع کرے کہ استحباب تیامن پر بھی عمل ہو جائے اور بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کرے (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳) رجلین کے نیچے کی جانب سے خنصر اندر کرکے یا اوپر کی جانب سے مسح کرنا دونوں صحیح ہیں باقی رہا اصابع الیدین کا خلال تو اس میں تشبیک، تصفیق اور تطبیق تینوں طریقے منقول اور جائز ہیں مگر والاولی فی الیدین التشبیک (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ الباب الاول فی الوضوء)

بیانِ مذاہب

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال عند البعض سنت اور عند البعض مستحب ہے امام مالکؒ وشافعیؒ تخلیل اصابع کو مستحب قرار دیتے ہیں (مقدمات ابن رشد ج ۱ ص ۴۴) امام اعظمؒ اس میں قدرے تفصیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر پاؤں کی انگلیاں ایسی

منضم ہیں کہ ظنِ غالب میں پانی ان کے وسط تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر وضو میں خلال کے ذریعہ پانی پہنچانا فرض ہے (البحر الرائق ج ۱ صـ۲۲، شرح النقایہ ج ۱ صـ۶، السعایہ ج ۱ صـ۱۲۷) یہی مسلک ترمذی کے شارح مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۳۹ میں علامہ ابن سید الناس الیعمری کا نقل کیا ہے جو کہ ترمذی کے شارح بھی ہیں۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ رجلین کے اصابع، یدین کے اصابع کی نسبت زیادہ منضم ہوتے ہیں اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ رجلین کے اصابع کے خلال کو مؤکد قرار دیا جائے جیسا کہ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اگر متوضی نے خلال کئے بغیر رجلین کا غسل کیا اور غالب ظن یہ رہا کہ اصابع رجلین کے درمیانی حصے خشک رہ گئے ہیں تو اس کا اعادہ ضروری ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو جب یہ روایت پہنچی تو انہوں نے احتیاطاً کئی سالوں کی نمازیں واپس لوٹائیں اور خلال فرماتے رہے اگر اصابع کشادہ ہیں اور پانی پہنچ جاتا ہے تو پھر خلال سنت ہے۔

۲- امام احمد بن حنبلؒ (فی روایۃ) امام اسحٰق بن راہویہؒ بعض ظواہر اور غیر مقلدین تخلیل اصابع کو فرض قرار دیتے ہیں (نیل الاوطار ج ۱ صـ۱۴۱) صاحب تحفۃ الاحوذی (ج ۱ صـ۳۹) نے وجوب کے مسلک کو صحیح قرار دیا ہے اور قاضی شوکانیؒ نے بھی نیل الاوطار ج ۱ صـ۱۴۱ میں وجوب ہی کے قول کو اختیار کیا ہے۔

قائلینِ وجوب کا استدلال اور جوابات

قائلین وجوب اس باب کے دونوں روایات جن میں وخلل الاصابع اور فخلل اصابع یدیک ورجلیک کے الفاظ منقول ہیں سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دونوں احادیث میں صیغہ امر کا استعمال ہوا ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے

جمہور علماء اور ائمہ احناف جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) احادیث باب میں امر استحباب کے لیے ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی اور حمل علی الاستحباب کا قرینہ ترمذی کی ایک روایت ہے (ذ) توضأ دلک اصابع رجلیہ بخنصرہ- (ترمذی باب فی تخلیل الاصابع)

اس حدیث میں دلک موجود ہے جب کہ دلک بالاجماع فرض نہیں ہے بلکہ مستحب ہے جب دلک مستحب ہے تو جن روایات میں بجائے دلک کے خلال مذکور ہے تو وہ بھی مستحب ہے اصل فرض بہرحال ایصال ماء ہے۔

(۲) حدیث مسی صلوٰۃ، نصوص قرآنی، اور دیگر احادیث میں جہاں جہاں وضو کے فرائض کا بیان کیا گیا ہے وہاں خلال کا ذکر نہیں ہے اگر خلال فرض ہوتا تو آپؐ اس کی بھی تعلیم فرماتے۔

بَابٌ فِی مَسْحِ الْاُذُنَیْنِ

۱۲۶ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَغَرَفَ غُرْفَۃً فَغَسَلَ وَجْہَہٗ ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَغَسَلَ یَدَہُ الْیُمْنٰی ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَغَسَلَ یَدَہُ الْیُسْرٰی ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَمَسَحَ بِرَأْسِہٖ وَاُذُنَیْہِ دَاخِلَہُمَا بِالسَّبَّاحَتَیْنِ وَخَالَفَ بِاِبْہَامَیْہِ اِلٰی ظَاھِرِ اُذُنَیْہِ فَمَسَحَ ظَاھِرَھُمَا وَبَاطِنَہُمَا ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَغَسَلَ رِجْلَہُ الْیُمْنٰی ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَغَسَلَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی۔

رَوَاہُ ابْنُ حِبَّانَ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَہُ ابْنُ خُزَیْمَۃَ وَابْنُ مَنْدَۃَ۔

باب۔ کانوں کے مسح میں۔ ۱۲۶۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، ایک چلو لیا اپنا چہرہ دھویا، پھر چلو لیا، اپنا دایاں ہاتھ دھویا، پھر چلو لیا اپنا بایاں ہاتھ دھویا، پھر چلو لیا، اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے کانوں کے اندرونی حصہ کا مسح شہادت کی انگلیوں سے کیا اور کانوں کے بیرونی حصہ پر اپنے دونوں انگوٹھے نیچے سے اوپر لے گئے (اس طرح) دونوں کانوں کے بیرونی اور اندرونی حصّہ کا مسح کیا، پھر چلو لے کر دایاں پاؤں اور پھر چلو لے کر بایاں پاؤں دھویا۔

یہ روایت ابن حبان اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، ابن خزیمہ اور ابن مندہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے

۳۔ حضورؐ کے ناقلینِ وضو صحابہ کی تعداد کثیر ہے مگر ان میں سے چند ایک ہیں جنہوں نے خلالِ اصابع کا ذکر کیا ہے اگر واقعتہً یہ فرض یا واجب ہوتا تو وہ اسے بھی ضرور نقل کرتے۔

۱۲۶۔ مصنفؒ کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کے درج کرنے سے کانوں کے مسح کا ثبوت، اس کے طریقہ اور راجح عمل کی تعیین ہے۔

مسح الاذنین اور مذاہب ائمہ

(۱) جمہور اہل سنت ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کا مسلک یہ ہے کہ وضو میں کانوں کا وظیفہ مسح ہے مصنفؒ نے اسی کی تائید میں اس باب کا انعقاد کیا ہے۔

(۲) داؤد بن علی الظاہریؒ (فی روایۃ) حسن بن صالحؒ اور امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر اذنین کا وظیفہ غسل اور باطن اذنین کا مسح ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے ازراہ تفنن فرمایا تھا کہ ان لوگوں کا معاملہ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ کانوں کا اگلا حصہ چہرے کے ساتھ دھونا چاہیئے اور

پچھلے حصہ کا سر کے ساتھ مسح کرنا چاہیئے۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص[۱۶۸])

(۳) امام زہریؒ اور داؤد ظاہریؒ (فی روایۃ) کا مسلک یہ ہے کہ اذنین کا وظیفہ غسل ہے۔

(۴) امام اسحق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ جب وجہ کا غسل کیا جائے تو اس وقت ظاہر اذنین کا مسح کیا جائے اور مسح راس کے وقت باطن اذنین کا مسح کیا جائے۔

جمہور کے دلائل جمہور کا مسلک تو پہلے عرض کر دیا کہ اذنین کا وظیفہ مسح ہے غسل نہیں مصنف رح نے بھی یہ باب ان لوگوں کی تردید میں قائم کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اذنین کا وظیفہ غسل ہے چنانچہ حدیث باب میں جمہور کا مسلک صراحتاً مذکور ہے۔

(۱) جمہور کا مستدل حضرت ابن عباسؓ کی یہی روایت ہے جس میں صراحتاً مذکور ہے۔

فمسح براسه واذنيه داخلهما بالسبابتين وخالف بابهاميه الى ظاهر اذنيه فمسح ظاهرهما وباطنهما۔

(۲) ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ان النبی علیه الصلوٰة والسلام مسح براسه واذنيه ظاهرهما وباطنهما (ترمذی ج ۱ ص۶) وقال الترمذی حسن صحیح۔

امام زہریؒ اور داؤد بن علی الظاہریؒ (فی روایۃ) نے اذنین میں مواجہت کی حیثیت کو ترجیح دی ہے چونکہ مواجہت، وجہ اور اذنین دونوں سے ہوتی ہے اس لیے اذنین کا وظیفہ بھی وہی قرار دیا ہے جو وجہ کا ہے یعنی غسل، اس لیے اذنین (ظاہر و باطن) کا وظیفہ بھی غسل ہے ــــــ امام شعبیؒ اور حسن بن صالح رح فرماتے ہیں کہ چونکہ اذنین کی مواجہت ان کے ظاہر سے ہوتی ہے باطن سے نہیں اس لیے ظاہر اذنین کا وظیفہ وہی ہونا چاہیئے جو وجہ کا ہے یعنی غسل اور باطن کا وظیفہ مسح ہونا چاہیئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذنین کی اپنی مستقل حیثیت ہے جو حساً بھی ایک علیحدہ عضو ہیں اور معناً بھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ اذنین کا اپنا ایک مستقل کام یعنی سماع ہے جو کسی بھی دوسرے عضو سے انجام نہیں پاتا اس لیے ان کا وظیفہ بھی مستقل وظیفہ ہونا چاہیئے لہٰذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اذنین کے لیے بھی تین بار ماءِ جدید لے کر مسح کیا جائے۔

کیفیت مسح فمسح براسه۔ الخ۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں، اور تین انگلیوں کے ساتھ سر کا استیعاب کیا جائے اور سبابتین کے ساتھ اذنین کے باطن کا مسح کیا جائے اور ابہامین کے ساتھ اذنین کے ظاہر کا۔

بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوْءِ

۱۴۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ۔ رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

باب۔ وضو میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا) ۱۴۷۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تم وضو کرو، تو اپنے دائیں جانب سے ابتدا کرو“
یہ روایت چاروں محدثین نے بیان کی ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۴۷۔ تیمّن کے معنی اخذ بالیمین اور ابتداء بالیمین کے ہوتے ہیں یعنی داہنی جانب سے ابتداء کرنا احکام وضو کا مسلسل بیان ہے وضو میں داہنی جانب سے ابتداء کرنا بھی احکام وضوء میں سے ہے حدیث باب میں صراحتاً وضو کرتے وقت تیامن کا حکم ہے صرف وضو کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ہر کام داہنی طرف سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا حتی کہ جوتا پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی تیامن ہی کو ترجیح دیتے تھے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ۔

(بخاری باب التیمن فی الوضوء والغسل)

بخاری میں اسی باب میں حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کے غسل کے بارے میں عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ داہنی طرف سے اور وضوء کے مقاموں سے اُن کا غسل کریں اِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا۔ بہرحال جب غسل میت کے وضوء میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا ثابت ہے تو زندہ کے وضو کے لیے اس کی رعایت لازماً ہوگی۔

امام نوویؒ کا ضابطہ امام نوویؒ نے تیامن اور تیاسر یعنی دائیں اور بائیں طرف سے شروع کرنے کے سلسلے میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ جس کام میں تشریف و تکریم اور تبرک ہو اس میں تیامن مستحب ہے اس کے علاوہ باقی تمام افعال میں تیاسر مستحب ہے لہٰذا دخول خلاء کے وقت تیاسر چاہیئے اور خروج کے وقت تیامن۔ اسی طرح مسجد کے دخول میں تیامن اور خروج میں تیاسر ہے۔

ایک لطیف اور پُر حقیقت نقطہ مظاہر حق میں لکھا ہے کہ جو کام از قبیل تکریم و تبرک نہ ہوں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنے میں ایک لطیف اور پُر حقیقت نقطہ بھی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزوں کی ابتداء بائیں طرف سے کرنے کی وجہ سے دائیں طرف کی تکریم اور احترام

بَابُ مَا يَقُوْلُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْوُضُوْءِ

۱۳۸- عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

باب ۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد کیا دعا پڑھے ۔ ۱۳۸۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر یہ دعا پڑھے۔

٭ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ٭	(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلے ہیں ان کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے، جس میں سے چاہے داخل ہو۔ یہ روایت مسلم اور ترمذی نے بیان کی ہے اور ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں۔

٭ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ٭	(اے اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں میں سے بنا دیں)

کا مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً جب کوئی شخص مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں قدم باہر نکالے گا تو دائیں قدم کی تکریم ہوئی بایں طور کہ دایاں قدم محترم جگہ میں باقی رہا اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہمراہ جو دو فرشتے ہوتے ہیں ان سے دائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں طرف کی فضیلت اور احترام کی بنا پر بائیں ہاتھ کے فرشتے پر شرف اور فضیلت رکھتا ہے نیز اسی نقطہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ دائیں طرف کا ہمسایہ بائیں طرف کے ہمسایہ پر مقدم ہے۔

۱۳۸ - سیدنا حضرت عمر فاروق رض کی اس روایت کو امام مسلم نے ج ۱ صـ۱۲۲ میں امام ترمذی نے باب مایقال بعد الوضوء میں نقل کیا ہے۔

فبلغ او فسبغ فاتفصیلیہ بھی ہوسکتی ہے اور تعقیبیہ بھی، ابلاغ اور اسباغ سے مراد وضو کے فرائض اور اس کے مکملات یعنی سنن اور مستحبات ہیں۔

وضوء کے اذکار اور ادعیہ: وضوء کے اذکار اور ادعیہ چار قوی روایات سے ثابت ہیں (۱) ابتداء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ وبحمد اللہ پڑھا کرتے تھے (رواہ العینی فی شرح الھدایہ ۲) دوسری یہ دعا ہے جسے ہمارے مصنف نے مسلم اور ترمذی کے حوالے سے نقل کیا ہے (۳) تیسری دعا یہ ہے اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی (رواہ النسائی) (۴) چوتھی دعا یہ ہے سبحانک اللھم وبحمدک لا الٰہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک واتوب الیک (رواہ النسائی)

اس کے علاوہ شوافع اور احناف کے کتب میں وضوء کے وقت میں مختلف اعضاء کے لیے مختلف اذکار وادعیہ مذکور ہیں ان کا ثبوت اگرچہ احادیث سے نہیں تاہم آثار الصالحین سے منقول ہیں صاحب درمختار نے امام مالکؒ سے ایسا ہی نقل کیا ہے

وقال النوویؒ اما احکام الحدیث ففیہ انہ یستحب للمتوضئ ان یقول عقب وضوءہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وھذا متفق علیہ وینبغی ان یضم الیہ ما جاء فی روایۃ الترمذی متصلاً بھذا الحدیث اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین ویستحب ان یضم الیہ ما رواہ النسائی فی کتابہ عمل الیوم واللیلۃ مرفوعاً سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک واتوب الیک قال اصحابنا وتستحب ھذہ الاذکار للمغتسل ایضاً واللہ تعالیٰ اعلم اھ ۔ شرح مسلم ج ۱ صـ۱۲۳

کلمہ شہادت کے فوائد: ثم یقول الخ کلمہ شہادت پڑھنے میں کئی فوائد مضمر ہیں (۱) ایمان تازہ ہوتا اور عقیدہ میں پختگی آتی ہے۔

(۲) جیسا کہ ظاہری طہارت پانی سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح باطن کی طہارت ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) کلمہ شہادت میں خدا کے حضور اپنے عجز وانکسار کا اظہار ہے کہ یا اللہ ظاہری طہارت جو میرے بس کی بات تھی پانی کے ذریعہ میں نے حاصل کرلی باطن کی صحیح طہارت جس کا اصل معیار کلمہ شہادت ہے آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے آپ ہی مجھے عقیدہ کی پختگی، وحدانیت باری تعالیٰ اور رسالت خاتم النبیین سے وابستگی عطا فرما۔ (حقائق السنن ج ۱ صـ۲۶۲)

(۴) وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاء وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لیے مومن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاء وضو تو دھولیے اور ظاہری طہارت اور صفائی کرلی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے اسی احساس کے تحت متوضی کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔

متوضی کے لیے فتح ابواب جنت

فتحت له ثمانية ابواب من الجنة حدیث کے اس حصہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ متوضی تو اس جہاں دنیا میں بیٹھا وضو کررہا ہے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلنے سے کیا فائدہ، جب کہ ان کا تعلق آخرت سے ہے، اس اشکال کے بھی کئی جوابات ہیں۔ (۱) فتحت سے مراد روز جزاء اور بدلے کا دن ہے، مراد یہ ہے کہ اس وضو کے عمل کے بدلے روز جزاء میں اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ (۲) یا دروازوں کا ابھی سے کھول دیئے جانے سے متوضی کا اعزاز واکرام مقصود ہے، جیسے بادشاہ نے مغرب کے وقت شہر میں داخل ہونا ہوتا ہے مگر چوکیدار صبح سے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دیتے ہیں۔ (۳) چونکہ موت کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ یہ وضو متوضی کا آخری وضو ہو اور حدیث کی مراد یہ ہو کہ اگر یہ متوضی وضو کی فراغت سے متصل وفات پا گیا، تو اپنے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے پائے گا۔ (۴) یا مراد یہ ہے کہ عین طہارت کے وقت جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جیسا کہ شہر رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ (۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث کے اس حصہ میں تشبیہ اختیار کی گئی ہو۔ ای صار بمنزلة من فتحت له ثمانية ابواب الجنة۔

کئی دروازے کھلنے کا فائدہ

ایک اشکال یہ بھی ہے کہ دخول کے لیے تو ایک ہی دروازہ کافی ہے آٹھوں دروازوں کے کھلنے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ (۱) متوضی کا احترام مقصود ہے جیسے شاہی محل میں داخل ہونے کے لیے عام لوگوں کے لیے تو ایک دروازہ کھلا رہتا ہے لیکن بادشاہ کی آمد پر محل کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اب بادشاہ جس دروازے سے چاہے داخل ہوسکتا ہے۔ اس لیے یہ اشکال بھی رفع ہوجاتا ہے کہ متوضی کے لیے آٹھوں دروازے کھلنے کی روایت ان احادیث کے خلاف ہے جن میں آتا ہے کہ صائم باب الریان سے مصلی باب الصلوٰۃ سے عابد اپنے دروازے سے اور مجاہد باب الجہاد سے جنت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ جیسے بادشاہ کی آمد کے موقع پر شہر پناہ

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

١٣٩- عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّيْ أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ موزوں پہ مسح کرنا۔ ١٣٩- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا کہ میں جھکا تا کہ آپ کے پاؤں مبارک سے موزے نکالوں، تو آپ نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو، تحقیق میں نے یہ طہارت کی حالت میں پہنے ہیں، پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا"

یہ روایت شیخینؒ نے بیان کی ہے۔

کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ جس دروازے سے بھی گزرے گا وہ لوگ اس کو اپنی سعادت سمجھیں گے تو یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں سے متوفی کے لیے حور و غلمان نکل نکل کر استقبال کریں گے اور اپنے اپنے دروازے سے اس کے گزرنے کے خواہشمند ہوں گے۔ تو متوفی کا دنیا میں جس جانب زیادہ رجحان ہوگا وہاں اسی دروازہ سے داخل ہو جائے گا۔ یا جیسے عام طور پر دنیا میں ایک محبوب لیڈر کو شہر کے مختلف دروازوں سے گزارا جاتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ متوفی کے اعزاز میں اس کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے گزارا جائے۔

(۳) اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين یہاں بھی تحصیل حاصل کا اشکال وارد ہو سکتا ہے۔ کہ جب وضو سے طہارت حاصل ہوگئی تو پھر اس کے بعد حصول طہارت کی دعا کس لئے کی جا رہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ (۱) دعا سے مقصود دوام علی الطہارت ہے، جیسے اهدنا الصراط المستقيم سے بھی یہی مراد ہے کہ صراط مستقیم پر دوام حاصل ہو جائے اسی طرح اس دعا سے بھی مقصد یہ ہے کہ طہارت پر دوام رہے۔ (۲) یا متطہرین سے مراد ایسے لوگ ہیں جو کفر و شرک اور ہر قسم کے اخلاق ذمیمہ و رذیلہ سے پاک ہوتے ہیں اور دعا کرنے والے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو اخلاق ذمیمہ سے مامون ہیں۔ (۳) یا مراد یہ ہے کہ یا اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے کر دے جو طہارت میں مبالغہ کرتے رہتے ہیں۔

١٣٩ تا ١٤٤- باب کی پہلی حدیث کا مضمون واضح ہے حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر میں تھا میں حضورؐ کے موزے اتارنے کے لیے جھکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ دعهما فاني ادخلتهما طاهرتين تم انہیں چھوڑ دو میں نے انہیں پاکی کی حالت میں موزوں کے اندر داخل کیا ہے

مسح علی الخفین اور بیانِ مذاہب

حضرت مغیرہؓ کی اس روایت سمیت باب ھٰذا کی تمام روایات سے مسح علی الخفین ثابت ہوتا ہے لہٰذا پہلے مسح علی الخفین پر اجمالی بحث عرض کر دی جاتی ہے انعقادِ باب کی غرض بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ مصنفؒ مسح علی الخفین کا ثبوت اور امامیہ اور خوارج کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ مسح علی الخفین کے بارے میں تین مسلک ہیں۔

(۱) مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی اس تفصیل کے ساتھ جو کثیر احادیث میں آئی ہے یہ مسلک جمہور اہلِ سنت والجماعت کا ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جاء فی مثل ضوء النہار بلکہ مسح علی الخفین تو اہلِ سنت والجماعت کا شعار ہے یہ بھی امام اعظمؒ کا مقولہ ہے تفضیل الشیخین وحب الختنین ونری المسح علی الخفین یہ بھی امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین۔ (حاشیہ الکوکب الدری ج۱ صلا)

(۲) مسح علی الخفین کسی بھی صورت میں جائز نہیں یہ گروہ امامیہ، خوارج اور اہلِ بدعت کا ہے ابن رشدؒ نے یہ مسلک لکھا ہے مگر انہوں نے اس گروہ کی نشاندہی نہیں کی ابن دقیق العیدؒ نے بھی احکام الاحکام ج۱ صـ۲ میں اس مسلک کی تصریح کی ہے البتہ قاضی شوکانیؒ نے تصریح کی ہے کہ اس مسلک کے قائلین خوارج اور امامیہ ہیں (نیل الاوطار ج۱ صـ۱۹۶)

(۳) مسح علی الخفین حالتِ اقامت (حضر) میں درست نہیں سفر میں جائز ہے جیسا کہ صلوٰۃ میں تخفیف صرف مسافر کی خصوصیت ہے مقیم چار رکعت کے بجائے دو رکعت نہیں پڑھ سکتا اسی بنا پر ضرورتِ مسافر کے لیے مسح علی الخفین جائز قرار دیا گیا ہے مقیم کو اس کی حاجت نہیں، مگر یہ مسلک غیر مشہور ہے ابن رشدؒ کہتے ہیں کہ یہ بعض مالکیوں کا ہے (بدایۃ المجتہد) علامہ کاسانی الحنفیؒ نے یہ مسلک امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ قال مالک یجوز للمسافر ولا یجوز للمقیم (بدائع الصنائع ج۱ صـ۷)

مسلک جمہور کے دلائل اور وجوہِ ترجیح

باب ھٰذا کی پہلی روایت سمیت تمام درج کردہ روایات کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق اسّی اور ایک روایت کے مطابق اسّی صحابہ کرام سے مسح علی الخفین ثابت ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ (فتح الملہم ج۱ صـ۴۲۰)

گویا مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع ہے پھر صحابہؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں ناقلین مسح علی الخفین کی تعداد تو اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ ان کا گننا ہی ممکن نہ رہا اس بنا پر بلا خوفِ تردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسح علی الخفین کی روایات متواتر اور مشہور ہیں چنانچہ اصول ہے کہ حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے نصِ قرآنی کی تبیین اور تخصیص جائز ہے لہٰذا جمہور اہلِ سنت فرماتے ہیں کہ غسلِ رجل کا حکم اس صورت میں ہوگا جب خفین

۴۰ - وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ أَتَيْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتْ عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

---

۴۰ - شریح بن ہانی نے کہا میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ ان سے موزوں پر مسح کے متعلق دریافت کروں، انہوں نے کہا، ابن ابی طالبؓ کے پاس جاؤ، بیشک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے، تو ہم نے حضرت علیؓ سے پوچھا، انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن، تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات تک مسح مقرر فرمایا؟ یہ روایت مسلم نے بیان کی ہے۔

نہ پہنے ہوں اگر خفین پہنے تھے تو مسح کی اجازت ہے اہل بدعت بھی نص قرآنی وارجلکم سے استدلال کرتے ہیں اس کا جواب عرض کر دیا کہ یہ استدلال درست نہیں کیونکہ دھونے کا حکم پاؤں ننگے ہونے کی صورت میں ہے موزے ہوں تو پھر مسح ہے سفر و حضر میں تفریق کرنے والوں کا استدلال نقلی دلیل سے نہیں صرف یہ قیاس کرتے ہیں کہ سفر احکام کی سہولت کا زیادہ محتاج ہے۔ جواب یہ ہے کہ قیاس بمقابلہ نص کے ہے کیونکہ صحیح روایات میں مقیم کے لیے یوم ولیلۃ اور مسافر کے لیے ثلاثۃ ایام ولیالیھا موجود ہے لہذا یہ قیاس مردود ہے۔

البتہ ایک سوال باقی رہا۔ وہ یہ کہ پاؤں کا دھونا افضل ہے یا مسح علی الخفین حافظ ابن مندہ اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ مسح افضل ہے کہ اس میں اہل بدعت سے اختلاف اور امتیاز کے ساتھ ساتھ احقاق حق اور اظہار سنت نمایاں ہوتا ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص [illegible]) جب کہ نوویؒ نے غسل کو ترجیح دی ہے کہ دھونے میں عزیمت ہے اور مسح میں رخصت ہے (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۳۲)

امام طحاویؒ اپنی فقہی نظر میں فرماتے ہیں کہ یہ دو حکم جدا جدا ہیں ننگے پاؤں ہوں تو دھونا ہے، اور موزے پہنے ہوں تو مسح درست ہے یعنی دونوں حکم اپنی اپنی جگہ درست اور با فضیلت ہیں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص [illegible])

توقیت مسح اور بیان مذاہب

۴۰ تا ۴۴

(۱) حضرت ائمہ ثلاثہ سفیان ثوریؒ امام ابن المبارکؒ اور امام اسحق

۱۴۱۔ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَۃً وَّلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیَھُنَّ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ رَوَاہُ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَہُ الشَّافِعِیُّ وَالْخَطَّابِیُّ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ۔

۱۴۱۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح میں مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن تین راتیں مدت مقرر فرمائی ۔

یہ روایت ابن جارود اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے اور اسے امام شافعیؒ، خطابیؒ اور ابن خزیمہؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابن راہویہ کا مسلک ہے کہ مسح کے لیے وقت مقرر ہے مقیم کے لیے ایک رات اور ایک دن اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام تابعین جمہور علماء کا یہی مسلک ہے صاحب تحفہ نے اسی کو حق اور صواب قرار دیا ہے وھو الحق والصواب (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۹۹)

(۲) علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ مسح علی الخفین میں توقیت کے قائل نہ تھے (بدایہ ج ۱ ص ۱۶) توقیت کے قائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسافر اور مقیم ایک دفعہ جب موزے پہن لیں تو جب تک پہنے رکھیں مسح کر سکتے ہیں امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع السنن (ج ۱ ص ۱۳) میں امام مالک کا یہی مسلک نقل کیا ہے امام خطابیؒ نے بھی امام مالکؒ کا یہی قول درج کیا ہے (معالم السنن ج ۱ ص ۱۱) امام نوویؒ بھی امام مالکؒ کا یہی قول مشہور بتاتے ہیں (شرح مسلم للنوویؒ ج ۱ ص ۱۳۵)

جمہور کے دلائل

(۱) اسی باب کی دوسری اور کتاب کی اعتبار سے ۱۴۰ ویں روایت جس میں حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا ہے فقال جعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاثۃ ایام ولیا لیھن للمسافر ویوماً ولیلۃً للمقیم (مسلم کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱۳۵) ابن رشد نے لکھا ہے حدیث علی صحیح خرجہ مسلم

(۲) حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی ظاھر خفیہ

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲)

(۳) حضرت ابوبکرہ کی روایت جسے مصنف نے ۱۴۱ ویں نمبر میں درج کیا ہے توقیت مسح پر تصریح ہے جعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم للمقیم یوماً ولیلۃً وللمسافر ثلاثۃ ایام ولیالیھن فی المسح علی الخفین (المنتقیٰ لابن جارود ص ۳۹ وموارد الظمآن ص ۴۲)

۲۴۳۔ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَآخَرُونَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْخَطَّابِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَحَسَّنَهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۴۳۔ صفوان بن عسال ؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ارشاد فرماتے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن اور تین راتیں اپنے موزے نہ اتاریں، ماسوا جنابت کے، لیکن پاخانہ، پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں) یہ حدیث احمد، نسائی، ترمذی اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے۔ ترمذی، خطابی، ابن خزیمہ نے اسے صحیح اور بخاری نے حسن قرار دیا ہے۔

---

(۲) حضرت صفوان بن عسال سے روایت (۲۴۳) ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا اذا کنا سفرا الخ۔

علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے فرمایا ابو بکرہؓ اور صفوان کی روایت حسن ہیں (نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۸۲)

لفظ لکن کی بحث

الا من جنابۃ ولکن من غائط وبول ونوم معروف لکن عطف کے لیے آتا ہے مفید استدراک ہوتا ہے یعنی پہلے اگر کوئی مشتبہ یا وہم کی شئ ہو تو حرف لکن سے اس کا ازالہ اور دفعیہ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حرف لکن سے قبل کے مضمون میں مطلقاً ابوت کی نفی ہے چونکہ ابوت عام ہے جسمانی وروحانی دونوں کو شامل ہے۔ لہذا جس طرح ابوت جسمانی کی نفی ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس سے ابوت روحانی کی بھی نفی کا شبہ ہو سکتا ہے حالانکہ پیغمبر امت کا روحانی اب ہوتا ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سے اس وہم کا دفعیہ کر دیا یعنی روحانی ابوت کے انقطاع کا جو وہم پیدا ہوتا تھا لفظ لکن سے اس کا ازالہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں خاتم النبیین اور روحانی اب ہیں آپ کی روحانی ابوت کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ تو یہاں بھی دراصل "الا من جنابۃ" کی وجہ سے ایک شبہ یا وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ حدیث میں تو جنابت کی وجہ سے خفین اتارنے اور پاؤں کے دھونے کا حکم مذکور ہے۔ اور جنابت میں بدن سے منی کا خروج ہوتا ہے جس کی نجاست مختلف فیہ ہے امام شافعیؒ منی کی طہارت کے قائل ہیں حنفیہ حضرات اس کو نجس قرار دیتے ہیں تو حسب خروج منی سے موزوں کے اتارنے کا حکم ہے جس کے نجس ہونے

٣٤١۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

٣٤١۔ حضرت علیؓ نے کہا، اگر دین رائے پر ہوتا تو موزوں کا نچلا حصہ اوپر کے حصہ سے مسح کے لیے بہتر ہوتا۔ اور تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موزوں کے اوپر والے حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

میں اختلاف بھی ہے تو بول و براز جو بالاتفاق نجس ہیں ان کے خروج سے تو بطریق اولیٰ موزوں کو اتارنا چاہیئے۔ تو لفظ الکن لانے سے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔ اور وجہ ظاہر ہے کہ جنابت شاذونادر پیش آتی ہے بول وبراز کثیر الوقوع ہیں اور حرج کو مستلزم ہیں۔ حقائق السنن ج ١ ص ٤١٧

(٢) عوف بن مالک اشجعی کی روایت ہے جسے امام نیمویؒ نے ٣٤٢ ویں نمبر پر درج کیا ہے قال ثلاث للمسافر ویوم ولیلة للمقیم۔ (مسند احمد ج ٦ ص ٢٧، سنن الکبری ج ١ ص ٢٧٥ دارقطنی ج ١ ص ١٩٧، ابن ابی شیبہ ج ١ ص ١٨١)

امام مالکؒ کے دلائل اور جوابات

(١) حضرت ابی بن عمارةؓ سے روایت ہے۔ قال یا رسول اللّٰہ أمسح علی الخفین قال نعم قال یوماً قال یوماً قال ویومین قال ثلاثة قال نعم وما شئت (ابوداؤد ج ١ ص ٢١)

جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس روایت کے اسناد ثابت نہیں لیس اسنادہ بقائم ولا ثبت (نیل الاوطار ج ١ ص ٢٠٢ تحفة الاحوذی ج ١ ص ٩٨) ابن عبدالبر نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں (بدایہ ج ١ ص ٢٠) نیز اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن رزین، محمد بن یزید اور ایوب بن قطن سب مجہول ہیں (دارقطنی ج ١ ص ١٩٨) خود امام ابوداؤدؒ نے اس کی تصریح کی ہے وقد اختلف فی اسنادہ ولیس بالقوی (ابوداؤد ج ١ ص ٢١)

(٢) خزیمہ بن ثابت سے روایت ہے عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسح علی الخفین للمسافر ثلاثة ایام وللمقیم یوم ولیلة ...... وقال فیہ ولو استزدناہ لزادنا، اس روایت کے آخری ٹکڑے سے استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جمہور کے جوابات یہ ہیں۔

۱۴۴۔ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَ ثَلَاثٌ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمٌ وَلَيْلَةٌ لِلْمُقِيْمِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔

۱۴۴۔ حضرت عوف بن مالکؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ہمیں موزوں پہ مسح کرنے کا حکم دیا، آپ نے فرمایا "مسافر کے لیے تین اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔"
یہ حدیث احمد اور طبرانی نے اوسط میں بیان کی ہے، ہیثمی نے کہا اس کے رجال صحیح احادیث کے رجال ہیں۔

(الف) امام خطابی جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں محض تخمین وظن کا ذکر ہے جس پہ احکام کا مدار نہیں جب کہ احکام صاحب شریعت کے قول وفعل سے ثابت ہوتے ہیں لا بظن الراوی (معالم السنن ج ۱ ص ۶۱)
(ب) قاضی شوکانیؒ نے ابن سید الناس کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روایت سے تو یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے تو زیادتی کی اجازت چاہی اور نہ ہی آپ نے زیادتی کی اجازت دی ظن کی وجہ سے قطعی اور یقینی بات کیسے چھوڑی جا سکتی ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۲) اور یہ بھی ابن سید الناس ہی کا مقولہ ہے کہ کسی عالم کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسی مظنون چیز کے لیے قطعی اور یقینی بات کو چھوڑ دے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۳۱)

شیعہ شنیعہ کا مسلک اور جمہور کے جوابات

مسئلہ مسح رجلین کے سلسلہ میں شیعہ شنیعہ کا مسلک ہے کہ وضو میں ننگے پاؤں پر مسح کافی ہے جمہور اہل سنت متفق ہیں کہ ننگے پاؤں کا وضو میں دھونا ضروری ہے۔

روافض کی دلیل

روافض آیت وضو کی قراءت جر سے استدلال کرتے ہیں۔ اس جگہ میں دو قراءتیں ہیں، نصب اور جر۔ اگر نصب ہو تو وجوھکم پر عطف ہوگا اب غسل کا حکم ثابت ہوتا ہے، جر کی صورت میں رؤس پر عطف ہوگا، سر مسوح ہے لہٰذا پاؤں بھی مسوح ہوگا۔

جواب

اگر قراءت جر کا وہ مطلب لیا جائے جو روافض نے لیا ہے تو کئی محالات شرعیہ لازم آتے ہیں اس لیے آیت کا وہ معنی نہیں ہو سکتا جو روافض نے لیا ہے وہ محالات یہ ہیں۔
۱۔ قرآن پاک کی ایک ہی آیت کی دو قراءتوں میں تعارض ہوگا۔ قرآن کی دو آیتوں کی تعارض محال ہے ایک ہی آیت کی دو قراءتوں میں تعارض بدرجہ اولیٰ محال ہوگا۔ قراءت نصب سے غسل ثابت ہوتا ہے قراءت جر سے تمہاری تفسیر کے مطابق مسح کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

(ب) احادیث متواترہ میں اور قرآن کی اس آیت میں تعارض لازم آئے گا یہ بھی محال ہے۔ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ازالہ حدث کے لیے وضو کیا تو پاؤں کو دھویا ہے ننگے پاؤں پہ ایک بار بھی مسح نہیں کیا۔ اگر مسح جائز ہوتا تو کبھی تو بیانِ جواز کے لیے مسح فرماتے۔

(ج) اگر قرأت جر کا یہ مطلب لیا جائے تو اجماع امت اور آیت میں تعارض ہوگا۔ اور اجماع آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا یہ محال ہے۔

(د) وہ احادیث صحیحہ جن میں ہے ویل للاعقاب من النار۔ ان میں اور اس آیت میں تعارض ہوگا کہ آیت سے ثابت ہوگا کہ مسح بھی کافی ہے اور حدیث میں ہے کہ تھوڑی جگہ بھی خشک رہ جائے تو عذاب ہوگا۔

قرأت جر کی توجیہات

قرأت جر کی مندرجہ بالا تفسیر محال ثابت ہوئی تو سوال پیدا ہوگا کہ اس کی صحیح تفسیر کیا ہے؟ اہل السنت والجماعت کی طرف سے جر والی قرأت کی کئی توجیہات کی گئی ہیں مثلاً

۱۔ قرأتِ جر میں بھی ارجلکم کا عطف وجوھکم پر پڑ رہا ہے اس لیے یہ غسلِ رجلین کے حکم پر ہی دال ہے۔ اور بظاہر منصوب پر عطف کی وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیئے تھی لیکن اس کے پاس والا لفظ رؤسکم مجرور ہے اس کے پڑوس کی رعایت کرتے ہوئے ارجلکم پر بھی جر آ گئی اصطلاح نحاۃ میں اس کو جرِ جوار کہا جاتا ہے۔ جر للجوار کلام عرب میں شائع ہے۔ اس توجیہ کے مطابق دونوں قرأتیں غسل رجلین کا حکم دے رہی ہیں۔

۲۔ ارجلکم مجرور کا عطف رؤسکم پہ ہی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ رؤس کا بھی مسح کرو اور ارجل کا بھی۔ مسح کے دو معنی ہیں ایک ہے تر ہاتھ کسی شی پہ پھیرنا۔ اور دوسرا معنی ہے غسل خفیف یعنی ہلکا سا کسی شی کو دھونا۔ یہاں امسحوا سے بطور عموم مجاز کے عام معنی مراد ہے جو تر ہاتھ پھیرنے اور غسل خفیف دونوں کو شامل ہے امسحوا کا تعلق رؤسکم کے ساتھ بھی ہے یہاں مراد تر ہاتھ سر پہ پھیرنا ہے اور اسی امسحوا کا تعلق ارجلکم کے ساتھ بھی ہے یہاں مسح سے مراد غسل خفیف ہے اس سے بھی یہ حکم نکلا کہ پاؤں کو ہلکا سا دھولو۔ مسح کا حکم نہ نکلا مسح بمعنی غسل کلام عرب میں آتا ہے کہا جاتا ہے مسح الارض المطر یعنی بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔

جر للجوار پڑھ کر یا رؤس پر عطف کر کے غسلِ خفیف کا حکم دینے میں نکتہ یہ ہے کہ پاؤں کے دھونے میں عام طور پر اسراف آ ہو جاتا ہے اس تعبیر سے اسراف مادے سے روکنا مقصود ہے کہ بھئی ہلکا سا غسل ہی کافی ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ منظر اسراف مادہ میں اگر غسل خفیف کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو بھی اس کا غسل دیگر اعضاء جیسا ہو جائے گا۔

۳۔ پاؤں کی دو حالتیں ہیں۔ ایک تخفف یعنی موزہ پہننے کی حالت دوسری عدم تخفف یعنی موزہ نہ پہننے

کی حالت قرأت نصب میں حالت عدمِ تخفف کا حکم بتلانا مقصود ہے یعنی جب ننگے پاؤں ہوں تو غسل ضروری ہے۔ قرأتِ جر سے حالتِ تخفف کا حکم بتانا مقصود ہے یعنی جب پاؤں میں موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان پر مسح کر لینا کافی ہے تو یہ دو قرأتیں دو جدا جدا حالتوں پر محمول ہیں اس لیے تعارض نہیں۔

۴۔ امام طحاویؒ اور ابن حزمؒ وغیرہ حضرات نے کہا ہے کہ ننگے پاؤں پر مسح کا جواز ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

محلِ مسح، صفتِ خف اور نواقضِ مسح اور لُبسِ خف کے شرائط

ذیل میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق چند ضروری امور مزید افادے کے لیے عرض کر دیے جاتے ہیں۔

(۱) محلِ مسح کے بارے میں دو قول ہیں (۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک موزے پر مسح کرنا جائز ہے جوربین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے (۲) امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک موزے اور جوربین دونوں پہ مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ جوربین ثخینین ہوں۔

صفتِ خف کے شرائط کے بارے میں چار اقوال ہیں صفت خف سے مراد موزے کا صحیح ہونا اور پھٹا ہوا ہونا مراد ہے (۱) امام مالکؒ کے نزدیک خرقِ یسیر معاف ہے اور اگر زیادہ پھٹا ہوا ہو تو اس پہ مسح جائز نہیں ہے نیز قلیل و کثیر کی مقدار متعین نہیں ہے۔

(۲) سفیان ثوریؒ کے نزدیک جب تک موزے کا نام باقی ہو تو اس پہ مسح کرنا جائز ہے چاہے کتنا ہی زیادہ پھٹا ہوا ہو اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔ (۳) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزد تین انگشت کی مقدار جائز ہے اس سے زیادہ نہیں (۴) امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مقدمِ خف سے پھٹا ہوا ہو تو تین انگلی کی مقدار ہو تو معاف ہے اس سے زیادہ نہیں اور اگر مؤخرِ خف سے پھٹ جائے تو علی الاطلاق جائز ہے چاہے کتنا ہی پھٹا ہوا ہو۔

لُبسِ خف کی شرط بالاجماع یہ ہے کہ موزہ بھی پاک ہو اور پاکی پہ ہی پہنا ہو نواقضِ مسح کے بارے میں گزارش ہے کہ ہر وہ چیز ناقضِ مسح ہے جو ناقضِ وضو ہے لیکن موزوں کا پیروں سے نکل جانا یا نکال لینا ناقضِ مسح ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اگر طہارت پہ نکل جائے تو صرف پیر دھو کر موزہ پہن لینا کافی ہے وضو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر حدث پہ نکل جائے تو وضو کی ضرورت ہے (۲) امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک موزہ کے نکل جانے کی وجہ سے طہارت ختم نہیں ہوتی ہے لہٰذا اگر طہارت پہ موزہ نکل جائے تو پیر دھونے کی ضرورت نہیں ہے بغیر دھلے موزہ پہن کر مسح کرنا جائز ہے ہاں البتہ موزہ نکل جانے کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو پھر طہارت کی ضرورت ہے۔

اَبْوَابُ نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْخَارِجِ مِنْ اَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ

۱۴۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی يَتَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضَرَ مَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ۔

ابواب : وضو توڑنے والی چیزوں میں

باب ۔ دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے کوئی چیز نکلنے پر وضو۔ ۱۴۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص بے وضو ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ وضو کر لے" حضر موت کے رہنے والے ایک شخص نے کہا، اے ابو ہریرہؓ بے وضو ہونا کیا ہے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا، پھسکی یا پاد (یعنی پچھلے راستہ سے ہوا خارج ہونا)۔
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

---

۱۴۵ تا ۱۵۰۔ یہاں سے مصنفؒ نواقض الوضوء کا بیان کرتے ہیں ان میں ایک " الخارج من احد السبیلین" بھی ہے اسی لیئے مصنفؒ نے ترجمۃ الباب بھی اسی عنوان سے قائم کیا ہے الخارج من احد السبیلین ایک جامع عنوان ہے جو خروج ریح مطلقاً (معتاد، غیر معتاد، مع الصوت بغیر الصوت، ضرطہ، فساء، انفلات الریح)، مذی، منی، ودی، بول و براز سب کو شامل ہے۔

۱۴۵۔ باب کی پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

الفاظ حدیث کی تشریح

لا تقبل سے مراد نفی قبول کی نفی ہے محض اجر و ثواب کی نفی نہیں، مقصد یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں یہ نماز نہیں لی جائے گی بلکہ رد کر دی جائے گی جب رد کر دی گئی تو اس کی قضا اور اعادہ ضروری ہوگا۔

ما الحدث یا ابا ھریرۃ قال فساء او ضراط حضر موت کے ایک شخص نے پوچھا ابو ہریرہ! حدث کسے کہتے ہیں انہوں نے کہا پھسکی یا پاد۔ یعنی ریح، آواز سے ہو یا بغیر آواز کے۔ فسا یفسو کے معنی خروج الریح من غیر صوت اور ضراط کے معنی ہیں خروج الریح مع الصوت۔

۱۴۶- وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۴۶- حضرت ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب اپنے پیٹ میں کوئی چیز (گڑگڑ) پائے پھر اسے (یہ معلوم کرنا) مشکل ہوگیا ہو کہ اس سے کوئی چیز (ہوا وغیرہ) نکلی ہے یا نہیں تو مسجد سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بو محسوس کرے۔
اس حدیث کو مسلم نے بیان کیا ہے۔

حدیث میں جو فساء اور ضراط پر اکتفاء کیا گیا بظاہر یہ تعبیر از عموم بالاخص ہے کیوں کہ حدث عام ہے بول و براز وغیرہ سے بھی حدث ہوتا ہے۔

مگر حضرت ابوہریرہؓ کی مراد تنبیہ کرنا ہے اخف سے اغلظ پر یعنی جب فساء اور ضراط سے وضو واجب ہے تو بول و براز جو اس سے اغلظ ہے اس سے تو وضو بطریق اولی واجب ہوگا اور نوم جو ناقض وضو ہے (جس کے لیے امام نیموی نے مستقلاً اگلا باب قائم کیا ہے) فساء اور ضراط کے مظنہ ہونے کی بنا پر ہے فی نفسہ وہ ناقض نہیں تو وہ بھی اس میں داخل ہے ـــــ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ دراصل نماز اور مسجد کا مسئلہ بیان کر رہے تھے چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اور نماز یا مسجد میں جس حدث کے لاحق ہونے کا مظنہ ہے وہ فساء اور ضراط ہی ہے پیشاب، پاخانہ مسجد یا نماز کے اندر کون کرتا ہے۔

امام کرخیؒ کا ارشاد

امام کرخیؒ فرماتے ہیں یہاں مطلق ریح مراد نہیں کیونکہ مطلق ریح تو ہر وقت بدن کی چھوٹی اور خارج میں موجود رہتی ہے اس کے علاوہ انسان کے سانس کے ذریعہ بھی ہر لمحہ خروج ریح کا تحقق ہوتا ہے اگر مطلق ریح مراد لی جائے تو پھر کسی لمحہ بھی وضو کا تحقق نہیں ہو سکے گا بلکہ یہاں ریح مخصوص مراد ہے جس کا انسانی بدن میں معدنی نجاست پر مرور ہوا اور جو بوقت خروج بدنی نجاست کے لطیف اجزاء کو بھی اپنے ساتھ خارج کر دے اور خروج ریح کے ناقض ہونے کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ نجاست کے اجزاء کا اختلاط ہوتا ہے۔

۱۴۶- یہ روایت بھی حضرت ابوہریرہؓ ہی سے منقول ہے اور اس میں بھی یہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

سماعِ صوت اور وجدانِ ریح سے مراد تیقن ہے

فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔

بظاہر الفاظ حدیث تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر صوت اور ریح نہ ہو تو پھر وضو نہیں ٹوٹے گا اور جدید وضو کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ـــــ مگر یہ ظاہری مراد لینا درست نہیں امام خطابیؒ فرماتے ہیں سماعِ صوت اور وجودِ ریح سے مراد تیقن ہے حتیٰ یتیقن استیقاناً بقدر ان یحلف علیہ وھذا قول ابن المبارک فی الترمذی ص۲۱ کیونکہ بہرا آدمی تو آواز نہیں سنتا جس کی قوتِ شامہ ختم ہو چکی ہو یعنی اخشم تو وہ تو ریح بھی نہیں پا سکتا جب کہ دوسرے لوگ صوت بھی سن سکتے ہیں اور ریح بھی محسوس کر سکتے ہیں (معالم السنن ج ۱ ص۱۲۵)

مطلقاً خروجِ ریح (صوت سے یا بغیر صوت کے) ناقض الوضوء ہے نصب الرایہ ج۱ ص۶۲ میں ارشاد نبوی ہے ما یخرج من السبیلین ففیہ الوضوء تو جو ریح بغیر صوت کے خارج ہوتی ہے وہ بھی ما یخرج من السبیلین کا مصداق ہے باب ہذا کی دیگر احادیث کا مصداق بھی یہی مفہوم ہے۔ اس حدیث میں حصر فی الصوت والریح، یہ حصر تحقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے

ایک اضافی فائدہ

ہم نے جو حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً سے تیقن مراد لیا ہے (۱) اس کی مزید تائید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ یاتی احدکم الشیطان فینفخ فی الیتیہ یخیل الیہ انہ خرج منہ ریح فلا یخرج و فی روایۃ فلا ینصرف حتی یجد ریحاً او یسمع صوتاً (سبل السلام ج ۱ ص۵۹ رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۱ ص۲۴۲ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۷۰)

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان الشیطن یاتی احدکم وھو فی صلوٰتہ فیمد شعرۃً من دبرہ فیری انہ قد احدث فلا ینصرف حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً (مسند ابو یعلیٰ و ابن ماجہ ص۳۹)

شیطان بہر حال اپنی شرارت میں لگا رہتا ہے وہ مصلی کی دبر سے بال کھینچتا ہے تاکہ وہ سمجھے کہ ہوا نکلی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے شک میں نہیں پڑنا چاہیے

بیانِ مذاہب

باب کی دیگر احادیث کی تشریح سے قبل مسئلہ زیر بحث میں ائمہ مذاہب کے مسالک بیان کر دیے جاتے ہیں۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کل ما خرج من السبیلین یعنی ہر ایسی نجاست جس کا انسانی جسم سے خروج متحقق ہو، ناقض وضو ہے منجملہ ان کے ایک ریح بھی ہے جس کا ذکر باب ہذا کی احادیث میں کیا گیا ہے

۱۴۷۔ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا فِيْ حَدِيْثٍ، لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَآخَرُوْنَ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۱۴۸۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِيْ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۴۹۔ وَعَنْ عَايِشِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ عَلَى مِنْبَرٍ

۱۴۷۔ حضرت صفوان بن عسالؓ کی مسح کے بارہ میں مرفوعاً روایت میں ہے: لیکن (وضو ٹوٹ جائے گا) پاخانہ پیشاب اور نیند سے۔

یہ حدیث احمد اور دیگر محدثین نے اسناد صحیح کے ساتھ نقل کی ہے۔

۱۴۸۔ حضرت علیؓ نے کہا، میں بہت مذی والا شخص تھا اور میں شرماتا تھا کہ دریافت کروں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں، کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھی، میں نے مقداد بن اسودؓ سے کہا۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا استنجا کرے اور وضو کرے۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۱۴۹۔ عائش بن انسؓ نے کہا میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو کوفہ کے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا۔

لہٰذا وہ بھی ناقض وضو ہے چاہے معتاد ہو یا غیر معتاد، ضرطہ ہو یا فسا۔

۲۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر خروج ریح معتاد ہے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ریح غیر معتاد ہے تو اس کے خروج سے نقض وضو لازم نہیں آتا۔

۳۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً سبیلین سے خروج ریح کا تحقق ناقض الوضوء ہے۔

۱۴۷۔ غائط، بول اور نوم تینوں نواقض الوضوء میں اول تو ما خرج من احد السبیلین کا مصداق ہیں جبکہ نوم میں اس بات کا مظنہ موجود ہے کہ استرخاء مفاصل کی وجہ سے کوئی چیز احد السبیلین سے نکلی ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۴۸ اور ۱۴۹ میں مذی کے ناقض الوضوء ہونے کا بیان ہے جس کی تفصیلی بحث آثار السنن کے باب ما جاء فی نجاسۃ المذی میں گزر چکی ہے۔

الْكُوفَةِ يَقُوْلُ كُنْتُ أَجِدُ مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً فَأَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتِ ابْنَتُهُ عِنْدِيْ فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ فَأَمَرْتُ عَمَّارًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيْ مِنْهُ الْوُضُوْءُ رَوَاهُ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۵۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ فَقَالَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ غُسْلًا وَاحِدًا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

میں مذی کی بہت شدت پاتا تھا، میں نے چاہا کہ (خود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں، اور آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھی تو میں شرما گیا کہ آپ سے پوچھوں، میں نے عمارؓ سے کہا، انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا "بلاشبہ اس سے وضو کافی ہے۔"

یہ حدیث حمیدی نے اپنی مسند میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۵۰۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ والی عورت کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے، پھر ایک بار غسل کرے، پھر ہر نماز کے وقت وضو کرے۔" یہ حدیث ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۵۰۔ یہ روایت سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے جس میں مستحاضہ کے لیے تتوضأ عند کل صلوٰۃ کا حکم ہے اس کی تفصیلی بحث باب الاستحاضہ میں گزر چکی ہے۔

مرد کے ذکر اور عورتوں کے قبل سے خروج ریح کا مسئلہ

یہاں مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے یہ اضافی بحث بھی ملحوظ رہے کہ

رجل کے ذکر اور عورتوں کے قبل سے خروج ریح کا حکم کیا ہے اس میں قدرے تفصیل ہے۔

(۱) مرد کے ذکر سے خروج ریح کے متعلق حنفیہ کے دو قول ہیں (ا) ناقض الوضوء ہے یہ قول امام محمدؒ کا ہے (ب) ناقض الوضوء نہیں ہے یہ امام کرخیؒ سے منقول ہے (راجع للبحث العمدۃ ج ۱ ص ۶۲۲ مالفتح ج ۱ ص ۱۶۱)

بَابُ مَاجَآءَ فِي النَّوْمِ

وَقَدْ تَقَدَّمَ حَدِيْثُ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ فِيْهِ

۱۵۱۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

باب - جو احادیث نیند کے بارہ میں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں صفوان بن عسال کی روایت گزشتہ باب میں نمبر ۱۴۷ پر گزر چکی ہے۔

۱۵۱۔ حضرت انس بن مالکؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپ کے زمانہ مبارک میں نماز

۲۔ امام مالکؒ کے نزدیک ذکر اور قبل سے خروج ریح مطلقاً ناقض الوضوء نہیں ہے کیونکہ ذکر کی ریح درحقیقت کوئی ریح نہیں بلکہ محض عضلات کا اختلاج ہے جس سے وضو نہیں ٹوٹتا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے فرمایا کہ طبی تحقیق بھی یہی ہے کہ قبل اور ذکر کے مثانہ میں ریح نہیں ہوتی اگر کبھی آلہ تناسل میں حرکت ریح محسوس بھی ہوتی ہے تو وہ بھی درحقیقت ریح نہیں بلکہ عضلات کی حرکت کا شاخسانہ ہے

البتہ عورتوں کے قبل کے بارے میں قدرے تفصیل ہے عورت اگر مفضاۃ (ھی التی اختلط سبیلاھا القبل والدبر فیمن مسلک البول والحیض تحفۃ الاحوذی ج ا ص۸۰) ہو تو قبل سے خروج ریح کی وجہ سے اس پر وضو واجب ہے اور اگر غیر مفضاۃ ہے تو اس میں حنفیہ کے دو قول ہیں (۱) ناقض الوضوء ہے (ب) ناقض الوضوء نہیں۔ پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کر لینا چاہیئے۔ شوافع حضرات غیر مفضاۃ کے قبل سے خروج ریح کو ناقض الوضوء قرار دیتے ہیں خلاصہ یہ کہ اصل اختلاف اس میں ہے کہ عورت کے قبل اور مرد کے ذکر سے خارج ہونے والی ریح ناقض الوضوء ہے یا نہیں، چونکہ حنفیہ حضرات کے نزدیک علت حکم خروج نجاست ہے جب کہ عورت کے قبل یا رجل کے ذکر سے خارج ہونے والی ریح محل نجاست سے نہیں اٹھتی اور نہ ہی نجاست پر سے اس کا گذر ہوتا ہے اس لیے اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔ درحقیقت بات بھی یہی ہے کہ ریح فی نفسہ ناقض وضو نہیں جب تک کہ اس میں نجاست کے اثرات کا اختلاط نہ ہو اس سے بڑھ کر یہ کہ قبل یا ذکر میں ریح ہوتی ہی نہیں اور جو محسوس کی جاتی ہے وہ عضلات کا اختلاج ہے۔ گویا اس مسئلہ کا مدار طبی تحقیق پر ہے تو جن حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ مثانہ میں ریح موجود رہتی ہے اور ذکر کے راستہ سے وہی ریح خارج ہوتی ہے تو ان کے نزدیک انکی اپنی طبی تحقیق کی بنا پر وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مثانہ میں ریح نہیں ہوتی تو ان کے نزدیک جب ذکر میں خروج ریح قسم کی کوئی چیز محسوس ہوتی ہے تو وہ اسے عضلات کا اختلاج قرار دیتے ہیں۔

۱۵۱-۱۵۲ - ناقض حقیقی اور ناقض حکمی | وضو کے نواقض کی دو قسمیں ہیں ایک ناقض حقیقی جب

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَهْدِهٖ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُءُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّئُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَاَصْلُهٗ فِيْ مُسْلِمٍ۔

عشاء کا انتظار کرتے رہتے، یہاں تک کہ ان کے سر اونگھ کی وجہ سے جھکتے پھر وہ نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ یہ روایت ابوداؤد، ترمذی نے اسناد صحیح کے ساتھ نقل کی ہے اور اصل اس کی مسلم میں موجود ہے۔

کوئی نجس چیز انسان کے بدن سے نکلے۔ دوسری ناقض حکمی۔ یہ فی نفسہٖ تو ناقض نہیں مگر ناقض حقیقی (یعنی نجاست کے خارج ہونے) کا سبب ہے جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا تھا کہ نوم فی نفسہٖ ناقض الوضوء نہیں مگر بعض اوقات بوجہ استرخائے مفاصل، نائم سے خروج ریح کا تحقق بھی ہوتا ہے اس لیے سبب کو مسبب کے قائم مقام قرار دے کر نوم کی بعض صورتوں کو ناقض الوضوء قرار دیا گیا امام نیموی ناقض حقیقی کے مسائل بیان کرنے کے بعد ناقض حکمی کے احکام بیان فرماتے ہیں۔

حدیث صفوان بن عسال

وقد تقدم حدیث صفوان بن عسال فیہ باب المسح علی الخفین میں صفوان بن عسال کی روایت کیطرف اشارہ ہے جس میں ملکن من غائط وبول ونوم کی تصریح ہے، احادیث کی توضیح سے قبل مذاہب عرض کیے جاتے ہیں۔

بیانِ مذاہب

نیند کی حالت میں وضو کے ٹوٹنے سے متعلق ائمہ سے متعدد اقوال مروی ہیں امام نوویؒ، امیر یمانیؒ اور قاضی شوکانیؒ نے آٹھ مذاہب نقل کیے ہیں (شرح مسلم للنووی ج ۱ صفحہ ۱۶۳ سبل السلام ج ۱ صفحہ ۹۳ نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۱۲)

مولانا بنوریؒ اور علامہ عینیؒ نے ۹ اقوال نقل کیے ہیں (معارف السنن ج ۱ صفحہ ۲۸۳ عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۸۶۵)

مگر ان سب اقوال کا مرجع تین مذہب ہیں ابن رشد نے بدایہ ج ۱ صفحہ ۳۴ میں یہی تصریح کی ہے۔

(۱) نوم مطلقاً ناقض الوضوء نہیں قیاماً، قعوداً، اضطجاعاً حالت صلوٰۃ ہو یا نہ ہو بدایہ میں اس مسلک کے لوگوں کے نام کی تصریح نہیں کی گئی مگر حافظ ابن حجرؒ نے بتایا کہ یہ مذہب حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابن المسیبؒ کا ہے (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۵۱)

(۲) نوم مطلقاً ناقض الوضوء ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، یہ مسلک اسحٰق بن راہویہ، حسن بصریؒ، ابوبکر بن المنذرؒ، امام المزنیؒ اور ابوعبید قاسم بن سلامؒ کا ہے (شرح مسلم للنوویؒ ج ۱ صفحہ ۱۶۳ عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۸۶۴)

۳۔ محققین علماء کرام کا قول یہ ہے کہ اگر نوم میں استرخاء اعضا کا تحقق ہو جائے تو یہ ناقض الوضوء ہے ورنہ قبل الاسترخاء سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی تعبیر بعض حضرات نے یوں بھی کی ہے کہ نوم کثیر جس میں مقعدزمین پر نہ رہ سکے ناقض ہے اور نوم قلیل جس میں مقعدزمین پر ٹکی رہی ناقض وضو نہیں یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور حماد بن سلیمانؒ کا ہے (معارف السنن ج ۱ ص۲۸۲) علامہ عینی نے امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے

وقال الترمذی وبہ یقول الترمذی وابن المبارک واحمد (ترمذی ج ۱ ص۱۲)

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ متوضی صلوٰۃ میں ہو اور ہیأت صلوٰۃ میں سے کسی ایک ہیئت پر سو گیا ہو اور اس سے نماز کی ہیئت مسنونہ متغیر نہ ہوئی ہو تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر اضطجاع یا استلقاء کی صورت میں سو گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نوم غیر ہیئت صلوٰۃ پر ہے تو اگر تماسک المقعد علی الارض باقی ہے تو نقض وضو لازم نہیں آتا اگر تماسک فوت ہو گیا تو نقض وضو متحقق ہو جائے گا۔ (حقائق السنن ج ۱ ص۲۴۲)

نیند کے تین درجے دلائل مذاہب اور وجوہ ترجیح سے قبل نوم کی حقیقت سمجھ لینے سے اصل مسئلہ کی تفہیم آسان ہو جائے گی دراصل نیند کی تکمیل کے تین مراحل ہیں اطباء حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ اولاً بخارات معدہ سے اوپر کو اٹھتے ہیں اس کا اثر آنکھوں میں ظاہر ہوتا ہے آنکھیں بوجھل ہو جاتی ہیں یہ نوم کا پہلا مرحلہ ہے اسے وسن بھی کہتے ہیں اور نعسہ بھی اس سے عقل مغلوب نہیں ہوتی اس سے نہ تو کمل غفلت طاری ہوتی ہے اور نہ شعور غائب ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ بخارات دماغ کو پہنچتے ہیں تو انسان اونگھنے لگتا ہے اس حالت کو نعاس بھی کہتے ہیں اور خفقہ بھی اس سے سر ہلنے لگتا ہے اور ٹھوڑی سینے پر گرنے لگتی ہے مگر دل اس حالت میں بھی بیدار رہتا ہے اس کے بعد نیند کا مرحلہ آتا ہے پہلی دونوں صورتیں نیند کی اصل صورت نہیں ہیں بلکہ اس کے ابتدائی درجات ہیں ان دونوں مراحل میں انسان کا شعور و احساس اور قلب بیدار رہتا ہے جس سے وہ اپنے بدن سے ما خرج کو محسوس کر سکتا ہے۔

تیسرا درجہ نوم کا ہے جب بخارات دماغ پر تسلط کے بعد قلب پر محیط ہو جاتے ہیں نوم بالاتفاق ناقض الوضوء ہے مگر یاد رہے انبیاء کرام نوم کی اس تیسری قسم سے بھی بالکل محفوظ اور مامون ہیں ان کے قلوب پر کبھی بھی غفلت طاری نہیں ہوتی۔

حنفیہ کے دلائل اور وجوہ ترجیح (۱) اسی باب کی پہلی روایت صفوان بن عسالؓ سے ہے جس میں صراحۃً نوم کو ناقض الوضوء قرار دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں سب سے

۱۵۲۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْمُحْتَبِي النَّائِمِ وَلَا عَلَى الْقَائِمِ النَّائِمِ وَلَا عَلَى السَّاجِدِ النَّائِمِ وُضُوْءٌ حَتّٰى يَضْطَجِعَ فَإِذَا اضْطَجَعَ تَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

۱۵۲۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا سونے والے محتبی (جس کے چوتڑ زمین پر ٹکے ہوئے ہوں) پر وضو نہیں اور نہ کھڑے ہو کر سونے والے پر وضو ہے اور نہ سجدہ میں سونے والے پر وضو ہے، یہاں تک کہ وہ پہلو پر لیٹ جائے، پس جب وہ پہلو پر لیٹ جائے تو وضو کرے۔

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں کہا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے۔

قوی ترین دلیل ہے جس کو امام ترمذیؒ اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱۵۱) حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں صراحتاً یہ آگیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرامؓ عشاء کا انتظار کرتے حتی کہ ان پر اونگھنا، خفقہ غالب آجاتا مگر اس کے باوجود وہ نماز پڑھ لیتے اور خفقہ کے بعد بھی نماز کے لیے جدید وضو کا اہتمام نہیں کرتے تھے ۔۔۔ گویا یہ حدیث صریح ہے کہ نیند کے پہلے دو مراحل موجب وضو نہیں۔

۱۵۲۔ محتبی نائم (جس کے مقاعد زمین پر ٹکے ہوئے ہوں) قائم نائم اور ساجد نائم پر وضو نہیں جب تک کہ اضطجاع متحقق نہ ہو اضطجاع ہو تو وضو کا حکم ہے کہ غالب نوم سے استرخائے مفاصل آتا ہے جیسا ترمذی ج ۱ صـ۱۲ کی روایت میں صراحتاً یہی علت بیان کی گئی ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں سو گئے تھے نام وھو ساجد ا جب آپؐ نے نماز مکمل فرمائی تو حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا انک قد نمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہیئت سجدہ میں نوم ناقض الوضوء نہیں ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعاً فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ صراحتہً معلوم ہوا سجدہ میں سونا استرخاء کے مفاصل کو مستلزم نہیں امام احمدؒ ابویعلی اور علامہ ہیثمیؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے رجالہ موثقون (مسند احمد ج۱ صـ۲۲۲) فتح الملہم ج ۱ صـ۳۰۰)

ایک اشکال اور اس کا حل

مذکورہ روایت کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند بھی ناقض الوضوء تھی خفقت یا رسول اللہ

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الدَّمِ

۱۵۴۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِهِ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَتَقَدَّمَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِيْ بَابِ الْاِسْتِحَاضَةِ۔

باب ۔ خون (نکلے) سے وضو ۔ ۱۵۴۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جسے قے، نکسیر، الٹی یا مذی آ جائے تو (نماز سے) پھر جائے اور وضو کرے، پھر اپنی اسی نماز پر بنا کرے، وہ نماز کے اندر ہے جب تک اس نے کلام نہ کیا۔“

یہ حدیث ابن ماجہ نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب الاستحاضہ میں اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

انلث قد نمت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعًا سوال کے بعد حضورؐ کے جواب کو دیکھا جائے تو یہ معنی متبادر اور واضح ہے کہ حضورؐ کی نیند بھی ناقض الوضوء ہے اگر صورت مسئولہ میں اس لیے ناقض نہ تھی کہ حالت اضطجاع نہ تھی۔ اس کے جواب میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضورؐ اس سوال کے جواب میں صرف یہ فرما دیتے کہ میری نیند ناقض الوضوء نہیں تو عام سامعین اور امت کا کچھ فائدہ نہ ہوتا حضورؐ کی نیند کے ناقض الوضوء نہ ہونے کی بات اپنی جگہ قطعی اور مسلم ہے مگر حضورؐ نے اپنے ذاتی مسئلہ کے بجائے امت کی تعلیم کے لیے ایک ضابطہ اور قاعدہ بیان فرمایا اسے جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں

(۱۵۴ تا ۱۵۶) مصنفؒ نے وضو کے نواقض میں دم اور اگلے باب میں قئی کا مسئلہ بیان فرمایا؟ علامہ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ (ص ۲۳) میں لکھا ہے کہ جو چیزیں انسان کے بدن سے نکلتی ہیں ان کے ناقض الوضوء ہونے اور نہ ہونے میں تین مذہب ہیں۔

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ، ان کے تلامذہ، سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے بدن سے خارج ہونے والی ہر چیز ناقض وضو ہے وہ مطلقاً ”خروج نجاست“ کو مناط حکم قرار دیتے ہیں جب نجاست کا خروج کسی بھی جگہ اور مخرج سے متحقق ہو جائے حتیٰ کہ اگر منہ سے بھی نجاست کا خروج ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا امام

۱۵۴۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا رَعَفَ رَجَعَ فَتَوَضَّأَ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ ثُمَّ رَجَعَ وَبَنٰی عَلٰی مَا قَدْ صَلّٰی۔ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ وَآخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۱۵۴۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب انہیں نکسیر پھوٹتی، تو لوٹ کر وضو کرتے اور کلام نہ کرتے پھر لوٹتے اور پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرتے۔

یہ حدیث بیہقی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اعظمؒ کے نزدیک قئی اور رعاف ناقض الوضوء ہیں امام اعظمؒ اس میں قدرے مزید تفصیل بھی کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

(ا) اگر قئی طعام کی ہے اور کثیر ہے اور ایسی قئی جو ملأ الفم ہو ناقض الوضوء ہے قلیل قئی نقض وضو کو مستلزم نہیں۔

(ب) خون کی قئی بشرطیکہ خون غالب ہو ناقض الوضوء ہے اس کے لیے ملأ الفم ہونا شرط نہیں اگر خون مغلوب ہے تو ناقض نہیں۔

(ج) بلغم کی قئی مطلقاً ناقض الوضوء نہیں اس تفصیل کی وجہ بھی یہی ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نقض وضوء کی اصل علت "خروج نجاست" ہے خواہ وہ بدن کے کسی بھی حصہ سے ہو اسی طرح بزاق (تھوک) سرخ رنگ کا ہے تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ دم غالب ہے جو بہہ کر آتا ہے اور بوجہ دم مسفوح ہونے کے ناقض الوضوء ہے اگر بزاق زرد رنگ کا تھا تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ دم مغلوب ہے جو بوجہ غیر مسفوح ہونے کے بہہ کر نہیں آیا بلکہ بزاق سے آگیا ہے اس لیے ناقض الوضوء نہیں بلغم کا محل دماغ ہے جو محل نجاست نہیں اسی لیے بلغم پاک ہے اس کی قلیل اور کثیر قئی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا خروج سبیلین سے ہو ناقض الوضوء ہے اس کے علاوہ کسی اور مقام سے نکلے تو ناقض نہیں ان کے نزدیک "مناط حکم" خروج شیء من مخرج معتاد ہے گویا شوافعؒ اور موالکؒ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ غیر سبیلین سے کسی نجاست کا خروج نقض وضو کو مستلزم نہیں امام شافعیؒ کے تلامذہ کے علاوہ محمد بن عبدالحکم المالکی کا بھی یہی مسلک ہے۔

۳۔ امام مالکؒ اور ان کے اجلہ تلامذہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ خارج ہونے والی چیز، مخرج اور صفت کو ملحوظ رکھتے ہیں گویا ان کے نزدیک "خروج معتاد من مخرج معتاد علی وجہ معتاد مناط حکم" ہے لہذا سبیلین سے خارج والی معتاد چیزیں بول، براز، غائط، منی، مذی اور ودی وغیرہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر خارج ہونے والی چیز غیر معتاد ہو جیسے دم حیض اور نفاس کے بغیر، حصاۃ (کنکری) دودہ (کیڑا) وغیرہ تو

۱۵۵- وَعَنْهُ قَالَ إِذَا رَعَفَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ أَوْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ أَوْ وَجَدَ مَذْيًا فَإِنَّهُ يَنْصَرِفُ وَيَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُتِمُّ مَا بَقِيَ عَلٰى مَا مَضٰى مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهٖ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۵۵- حضرت ابن عمرؓ نے کہا جب کسی شخص کو نماز میں نکسیر پھوٹ پڑے یا قے غالب آجائے یا مذی پائے تو وہ نماز سے پھر جائے، وضو کرے، پھر لوٹے، باقی ماندہ نماز کو پڑھی ہوئی پر بنا کرے پوری کرے جب تک اس نے کلام نہ کیا ہو۔

یہ حدیث عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام ابو حنیفہؒ و من وافقہ کے دلائل

(۱) باب الوضوء من الدم کی تینوں روایات (۱۵۳ تا ۱۵۵) حضرات حنفیہ کے مسلک کی قوی مستدل ہیں چونکہ ان احادیث میں قے اور رعاف کو ناقض الوضوء قرار دیا گیا ہے حضرت عائشہؓ کی روایت سب سے زیادہ قوی اور مستند مستدل ہے۔

(۲) باب الوضوء من القیٔ کی روایت بھی اپنے مفہوم پر واضح ہے حدیث باب کے الفاظ قاء فتوضأ کا مدلول واضح ہے کہ وضو کا منشاء اور سبب قے تھا جیسا کہ توضأ پر لفظ ف داخل ہے جس کا ماقبل علت اور مابعد مدلول ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

روایت (۱۵۰) پر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض روایات سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کرنے کے بعد وضو نہیں کیا کیونکہ جب قے ملأ الفم ہوتی تھی تب آپ اس سے وضو کر لیا کرتے تھے وجہ یہ ہے کہ ملأ الفم قے قعر معدہ سے آتی ہے اسی وجہ سے بعض اوقات اس سے بدبو بھی محسوس ہوتی ہے اگر قے ملأ الفم نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جدید وضو کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ احناف کا مسلک بھی یہی ہے اور اس سے دونوں قسم کے روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے مقصد یہ ہوا جن روایات میں قے سے حضور کے وضو کرنا ثابت ہے وہ کثیر قے پر محمول ہیں اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قے سے وضو نہیں کیا وہ قلیل قے پر محمول ہیں۔

۳- امام زیلعیؒ نے کامل ابن عدیؒ کے حوالے سے سنداً یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْقَيْءِ

۱۵۶۔ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّاَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا صَبَبْتُ لَہٗ وَضُوْءَہٗ۔ رَوَاہُ الثَّلَاثَۃُ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ وَقَدْ تَقَدَّمَ اَحَادِیْثُ الْبَابِ فِی الْبَابِ السَّابِقِ۔

باب۔ قے سے وضو۔ ۱۵۶۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے آنے پر وضو فرمایا، (معدان بن ابی طلحہ نے کہا) میں حضرت ثوبانؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم) سے دمشق کی مسجد میں ملا، میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے کہا (ابوالدرداءؓ نے) سچ کہا، میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی ڈالا تھا۔

یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے، اس باب کی احادیث اس سے پہلے باب میں بھی گزر چکی ہیں۔

نے فرمایا قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوضوء من کل دم سائل (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۸)

نصب الرایہ کے اسی صفحہ پر حضرت تمیم داری سے بھی ایک روایت مرفوعاً منقول آتی ہے۔

۳۔ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے استحاضہ کی شکایت کی اور پوچھا کہ کیا حیض کی طرح استحاضہ کی وجہ سے بھی نماز چھوڑ دی ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا انما ذلک عرق ولیس بالحیضۃ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴) یعنی یہ کسی رگ کا خون ہے حیض یعنی رحم سے آنے والا خون نہیں ہے نیز ابوداؤد، ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ کی روایات یہ بھی ہیں کہ آپ نے ان کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم فرمایا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۴۲۔ ابن ماجہ ص ۴۶ شرح معانی الآثار ص ۶۱، السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۳۴۳)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دم استحاضہ موجب وضو ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکے موجب ہونے کی علت اس کا احد السبیلین سے خروج نہیں بلکہ اصل علت کسی رگ کا خون ہونا ہے جیسا کہ انما ذلک عرق سے معلوم ہوا اور خون جسم کے جس حصہ سے بھی نکلے گا وہ کسی رگ ہی کا خون ہوگا اس کا بھی وہی حکم ہونا چاہیئے جو دم استحاضہ کا ہے بوجہ اشتراک علت کے۔

موالکؒ اور شوافعؒ کے دلائل | (۱) شوافعؒ اور موالکؒ حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ خارج من

غیر السبیلین ناقض الوضو نہیں ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے جابر بن بشر، عمارہ بن حزم کا واقعہ ہے

حنفیہ حضرات نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں (ا) امام خطابیؒ نے لکھا ہے کہ خود امام شافعیؒ بھی نجاستِ دم کے قائل ہیں تو جب بدن سے خون نکلا، کپڑے اور بدن پلید ہوئے تو پلید بدن اور خون آلود کپڑوں سے نماز کیسے ہوئی؟ اس کا جواب بھی خود شوافع حضرات نے یہ دیا ہے کہ خون بدن سے دھاری بن کر نکل گیا ہوگا بدن اور کپڑے کو نہیں لگا ہوگا۔

(قال الخطابی هذا العجیب، معالم السنن ج ۱: ص ۱۳۳)

(ب) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحابی کا ذاتی اجتہاد اور ذاتی عمل تھا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل نہیں تھا نہ حضور ﷺ کو اس کا علم تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔

(بذل المجہود ج ۱ ص ۱۲۲)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حینِ حیات "فعل صحابی" جس میں حضور ﷺ کی اجازت، سکوت یا تقریر ثابت نہ ہو حجت نہیں نہ ہی فہم صحابی جس کی تصویب نبوت سے ثابت نہ ہو حجت ہے لہذا احادیث کے ذخیرہ میں کہیں بھی اس صحابی کے فعل کی حضور ﷺ سے تائید یا تصویب ثابت نہیں۔

(ج) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں یہ ایک جزوی واقعہ، ایک مجبوری اور ناگزیر کیفیت کا ایک اضطراری عمل ہے اس ایک جزئیہ پر فقہی مسئلہ کا مدار کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۲۳)

مسئلۃ البناء، بیانِ مذاہب اور وجوہ ترجیح

دونوں ابواب کے انعقاد سے مصنفؒ کی غرض دم اور قئ کو ناقض الوضوء ثابت کرنا ہے مگر پہلے باب کے تینوں روایات میں الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ "مسئلۃ البناء" کی توضیح بھی آگئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ثم لیبن علی صلوتہ وھو فی ذلک لا یتکلم ابن عمرؓ کے روایات میں وبنی علی ما قد صلی اور فیتم ما بقی علی ما مضی ما لم یتکلم کے الفاظ منقول ہیں۔

(ا) شوافعؒ حضرات کہتے ہیں کہ "بناء علی الصلوۃ" جائز نہیں ان کا مستدل حضرت ابن عمرؓ کی مشہور روایت ہے لا تقبل صلوۃ بغیر طھور (ترمذی باب ما جاء لا تقبل صلوۃ بغیر طھور) ان کا استدلال یوں ہے کہ جب مصلی کو نماز میں حدث لاحق ہو گیا تو "بناء علی الصلوۃ" کی صورت میں نمازی اس کو طہارت کے لیے آنا جانا ہوتا ہے ایسی صورت میں جس قدر وقت بھی بغیر طہارت کے گزرتا ہے لا محالہ یہ وقت حکماً گویا صلوۃ بغیر طہارت کے ہے تو حدیث مذکور لا تقبل صلوۃ بغیر طھور کی رو سے ناجائز ہے۔

۲۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ نماز کے لیے طہارت کے لیے آنا جانا عمل کثیر ہے عمل کثیر کے تخلل سے نماز فاسد ہو جاتی ہے نیز اگر یہ آنا جانا صلوٰۃ یا جزءِ صلوٰۃ نہیں ہے تو پھر اس میں تکلم بھی جائز ہونا چاہیئے۔

حنفیہ حضرات جواب میں فرماتے ہیں کہ

(۱) بنا علی الصلوٰۃ ، نماز میں اس صورت میں جائز ہے جہاں حدث طاری ہو حدثِ طاری کو حدث بالعمد پر قیاس کرنا یا اس سے ملحق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ،

(۲) جب نماز میں حدثِ طاری لاحق ہو جائے تو وضو کے لیے ایاب ذہاب اگر تو نماز ہے اور نہ نماز کا جزء ہے اس لیے ایسے مصلی کو جس پر نماز میں حدث طاری ہوگیا ہے نماز وہاں سے ادا کرنی ہوگی جہاں اس نے چھوڑی ہے۔ اگر حدث لاحق ہونے کے بعد آنا جانا بھی نماز یا جزءِ صلوٰۃ ہوتا تو یہ وقت اور ایاب و ذہاب بھی حکماً صلوٰۃ شمار ہوتا تو ایسا شخص حکماً امام کی اقتداء میں ہوتا تب نماز بھی اس کی وہی ہوتی جو امام کی ہے —— دریں صورت یہ اشکال لازم آتا کہ نماز کا ایک حصہ بغیر طہارت کے ادا ہوا ہے چونکہ ایاب و ذہاب نماز کا حصہ نہیں اس لیئے یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

۳۔ محدث کی نماز کا بناء علی الصلوٰۃ کی صورت میں عمل کثیر سے فاسد نہ ہونا اور اس دوران آنے جانے (ایاب و ذہاب) میں کلام کا ممنوع ہونا دونوں احادیث سے ثابت ہیں حضرت عائشہؓ کی حدیث ۴ ۵ اور حضرت ابن عمرؓ کی احادیث ۴ ۵ اور ۵ ۵ میں صراحتاً اس کی توضیح آگئی ہے فلینصرف فلیتوضا ثم لیبن علی صلواته وھو فی ذلک لا یتکلم۔

۴۔ بہت سے موقوفات اور اقوالِ صحابہؓ جو حکماً مرفوع ہیں اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اذا وجد احدکم فی بطنه اذًا او قیئًا او رعافًا فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته ما لم یتکلم (سنن دارقطنی ج ۱ صـــ) اس کے علاوہ بھی احادیث کے کتب میں صحابہؓ سے اس قسم کے بہت سے آثار منقول ہیں چونکہ صحابہ کرام کے موقوفات اور اقوال حکماً مرفوعات ہیں جو مسئلہ زیرِ بحث کی مکمل تائید کرتے ہیں۔

۵۔ باقی رہا مسئلہ آنے جانے کا تو یہ نہ تو صلوٰۃ ہے نہ جزءِ صلوٰۃ۔ اور نہ منافیٔ صلوٰۃ ہے بلکہ اس کی نظیر وہی ہے جو صلوٰۃ الخوف کے بارے میں قرآن میں منصوص ہے صلوٰۃ الخوف میں طائفتین کے لیے ایاب و ذہاب ثابت ہے اور ایاب و ذہاب کے ہوتے ہوئے بھی قرآن نے ان کی نماز کو صحیح قرار دیا ہے۔

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الضِّحْكِ

۱۵۷۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَتَرَدّٰى فِيْ حُفْرَةٍ كَانَتْ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ فِيْ بَصَرِهِ ضَرَرٌ فَضَحِكَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحِكَ اَنْ يُّعِيْدَ الْوُضُوْءَ وَيُعِيْدَ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ وَاِرْسَالٌ صَحِيْحٌ فِي الْبَابِ۔

باب۔ ہنسنے سے وضو۔ ۱۵۷۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور مسجد میں ایک گڑھا تھا اس میں گر گیا اور اس کی نظر میں نقص تھا۔ نمازی میں بہت سے لوگ ہنس پڑے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہنسا ہے، وہ وضو بھی لوٹائے اور نماز بھی۔

یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور ارسال اس باب میں صحیح ہے۔

(۱۵۷ تا ۱۵۸) احادیثِ باب سے استدلال، مسلکِ حنفیہ کی توضیح اور خصم کے مسلک و استدلال اور اس کے جوابات سے قبل قہقہہ، ضحک اور تبسم کے بارے میں اجمالاً گزارش ہے کہ

قہقہہ، ضحک اور تبسم شمس الائمہ حلوانیؒ سے قہقہہ کی تعریف منقول ہے کہ جب نواجذ یعنی اضراس (ڈاڑھیں) نمایاں ہو جائیں اور قراءت میں رکاوٹ ہو جائے تو یہ قہقہہ ہے لیکن اکثر مشائخ صاحب محیط اور صاحب کافی وغیرہ سے قہقہہ کی وہی تعریف منقول ہے جسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ ہنسنے والا خود بھی اور آس پاس والے بھی آواز سن لیں اس کا حکم یہ ہے کہ عمداً یا سہواً دانت نمایاں ہوں یا نہ ہوں بہرصورت وضوء، تیمم اور نماز کو ختم کر دیتا ہے اور ضحک کی تعریف یہ ہے کہ ہنسنے کی آواز اتنی ہو کہ خود تو سن لے لیکن برابر والے نہ سن سکیں لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نماز تو خراب ہو جائے گی مگر وضو باقی رہے گا جامع المضمرات میں ہے کہ یہ حکم اجماعی ہے تاہم صاحب ہدایہ کی اس مقام پر عبارت رحو علی ما قیل یفسد الصلوٰۃ دون الوضوء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے انہوں نے ضحک کے غیر ناقض وضو ہونے پر حدیث جابرؓ سے استدلال کیا ہے جس کی تخریج دارقطنی نے مرفوعاً کی ہے الضحک ینقض الصلوٰۃ ولا ینقض الوضوء لیکن اس کے راوی ابوشیبہ کو امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے حافظ بیہقی نے ثابت

۱۵۸۔ وَعَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الرِّيَاحِيِّ أَنَّ أَعْمٰى تَرَدّٰى فِي بِئْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهٖ فَضَحِكَ بَعْضُ مَنْ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ضَحِكَ مِنْهُمْ أَنْ يُعِيْدَ الْوُضُوْءَ وَيُعِيْدَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهٖ وَإِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

۱۵۸۔ ابوالعالیہ ریاحی نے کہا، بلا شبہ ایک اندھا کنوئیں میں گر گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے کچھ لوگ ہنس پڑے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ان میں سے ہنسا ہے، وہ وضو بھی لوٹائے اور نماز بھی۔"

یہ حدیث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

ہیں کہ اس کا رفع ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ موقوف ہے دارقطنی کہتے ہیں کہ ضعف اسناد کے ساتھ ساتھ اس کے متن میں بھی اضطراب ہے چنانچہ اسی اسناد کے ساتھ یہ متن بھی مروی ہے الکلام ینقض الصلوٰۃ ولا ینقض الوضوء اور تبسم میں بالکل آواز ہی نہیں ہوتی اس سے نہ وضو جاتا ہے اور نہ نماز ہی خراب ہوتی ہے۔ چنانچہ طبرانی، ابویعلی موصلی اور دارقطنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھاتے ہوئے تبسم فرمایا نماز کے بعد آپ سے تبسم کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میرے سامنے میکائیلؑ اور ایک روایت کے مطابق جبرئیلؑ گزرے ان کے بازوں پر غبار تھا وہ مجھ کو دیکھ کر ہنسے تو میں نے بھی تبسم کیا۔

احناف کا مسلک

احناف کے یہاں نمازی کا ٹھٹھا مار کر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ عقل و نقل ہر دو کے خلاف ہے، احناف پر بہت کچھ لے دے کی ہے حالانکہ اس مسئلہ میں حنفیہ متفرد نہیں ہیں بلکہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حسن بصری، سفیان ثوری، محمد بن سیرین، اوزاعی، عبید اللہ، ابراہیم نخعی کہ یہ سب حضرات نماز میں قہقہہ لگانے سے نقض وضو کے قائل ہیں۔ جیسا کہ علامہ عینیؒ نے بنایہ میں نقل کیا ہے نیز اس مسئلہ میں متعدد احادیث و اخبار وارد ہیں جن میں سے بعض صحیح و قوی ہیں اور بعض ضعیف اور احادیث صحیحہ میں سے بعض سند میں بعض مرسل۔ اور ابن الجوزی نے "التحقیق" میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ مرسل اور ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم کیا جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس مقام پر مرسل قوی کو بلکہ مسند جید کو ترک کر کے قیاس کو اختیار کیا ہے۔ نیز

امام شافعی کا مذہب ہے کہ اگر کوئی روایت من وجہ مرسل اور من وجہ مسند ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور جب حدیث قہقہہ مرسل و مسند دونوں طریق سے ثابت ہے۔ (جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے) تو شافعیہ کا قول اور مذہب بھی یہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ابن حزم کہتے ہیں "کان یلزم المالکیین والشافعیین ان یقولوا بہ لانہ من عددمن ارسلہ"۔

بہر کیف حدیث صحیح مرسل اور مسند حسن کے مقابلہ میں احناف نے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ اور شوافع و موالک بلکہ حنابلہ نے بھی قیاس کے مقابلہ میں اتنی مضبوط روایات کو ترک کر دیا ہے۔ اور بقول علامہ عینی لطف یہ ہے کہ پھر بھی حنفیہ کو قیاس کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے والی اللہ المشتکی۔

قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے کی چند شرطیں

قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں اوّل یہ کہ قہقہہ لگانے والا بالغ ہو مرد ہو یا عورت، منفرد ہو یا مقتدی، پس بحالتِ نماز بچہ کے قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے گا (محیط) بعض حضرات نے کہا ہے کہ بچہ کے قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز باطل نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک وضو اور نماز دونوں باطل ہو جاتے ہیں لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ دوم یہ کہ قہقہہ نماز میں ہو خواہ اس کے کسی جزو میں ہو نیز نماز فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، یہاں تک کہ اگر قعدۂ اخیرہ میں مقدارِ تشہد کے بعد یا سجدہ سہو میں قہقہہ لگایا تو وضو ٹوٹ جائے گا (محیط) اور اگر سلام پھیرنے کے وقت دانستہ قہقہہ لگایا تو نماز تو پوری ہو جائے گی لیکن ساتھ ہی وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر بلا قصد قہقہہ لگایا تو نماز اور وضو، دونوں باطل ہو جائیں گے (شرنبلالی) سوم یہ کہ نماز رکوع و سجدہ والی ہو، پس نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقضِ وضو نہ ہوگا بلکہ صرف نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت باطل ہوں گے۔

پھر "صلوٰۃ ذاتِ رکوع و سجود" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی نماز ہو جس میں رکوع و سجدہ ہوتا ہے گو بالفعل رکوع و سجدہ نہ ہو پس اگر ایسی نماز عذر کی بنا پر اشارہ سے پڑھ رہا ہو یا بحالتِ سواری نفل نماز اشارہ سے پڑھ رہا ہو اس میں بھی قہقہہ ناقضِ وضو اور مبطلِ نماز ہوگا۔

قہقہہ کے چند اختلافی مسائل

قہقہہ کی بابت چند مسائل میں اختلاف ہے۔ اوّل یہ کہ اگر نماز میں سو گیا اور نیند کی حالت میں قہقہہ لگایا تو یہ بھی ناقض ہے یا نہیں؟ فخر الاسلام اور صاحب محیط کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس سے نہ نماز جائے گی اور نہ وضو۔ (فتاوی مرغینانی، تبیین، ذخیرہ، فتح، درر) البتہ امام کرخی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ نماز اور وضو دونوں باطل ہو جاتے ہیں، عام مشائخ متاخرین نے احتیاطاً اسی کو لیا ہے۔ فضل بزدوی نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور وضو فاسد نہ ہوگا (صحراوی الاصول والفروع، انبلاء ستغفی الوضوء)۔

دوم یہ کہ بھول کر قہقہہ لگانا بھی ناقض ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کے نزدیک یہ غیر ناقض ہے (ازالہ جنایہ

الدر المقصود، لیکن صاحب بحر نے ناقض ہونے کو ترجیح دی ہے کیونکہ نماز حالت مذکرہ ہے لہذا اس میں نسیان کو عذر نہ مانا جائے گا۔

سوم یہ قہقہہ اس وضو کے لیے بھی ناقض ہوتا ہے جو غسل کے ضمن میں ہوتا ہے یا ناقض نہیں ہوتا؟ عام مشائخ کا قول یہ ہے کہ جو وضو غسل کے ضمن میں ہوتا ہے وہ باطل نہیں ہوتا، لیکن قاضیخان وغیرہ متاخرین حضرات نے نقض وضو کی تصحیح کی ہے۔ پس اگر کسی نے غسل کے بعد نماز میں قہقہہ لگایا تو نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جائے (محیط، فتح، تاتارخانیہ) مگر یہ اختلاف اس وضو میں ہے جو غسل کے ضمن میں بدون مستقل نیت کے حاصل ہو جائے اور اگر مستقل وضو کر کے غسل کیا ہے تو یہ قہقہہ سے باطل ہو جائے گا۔ (م۔ط)

احناف کے دلائل

قہقہہ کے ناقض وضو ہونے کی بابت احناف کے پاس احادیث مسندہ بھی ہیں اور احادیث مرسلہ بھی، احادیث مسندہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ اور عمران بن حصینؓ سے مروی ہیں، ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ جو باب ہذا کی پہلی روایت ہے اس کی تخریج طبرانی نے معجم کبیر میں کی ہے "قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس اذ دخل رجل فتردی فی حفرۃ کانت فی المسجد وکان فی بصرہ ضرر، فضحک کثیر من القوم وھم فی الصلوٰۃ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ضحک ان یعید الوضوء ویعید الصلوٰۃ" (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر صحابی درمیان میں آئے اور گڑھے میں گر پڑے جو مسجد میں تھا، اس پر بہت سے لوگ ہنس پڑے، پس آپ نے ایسے لوگوں کو وضو اور نماز لوٹانے کا حکم فرمایا) علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد ص۲۴۶ میں کہا ہے کہ اس کی تخریج طبرانی نے معجم کبیر میں کی ہے اور اس کی سند میں محمد بن عبدالملک دقیقی ہے جس کا ترجمہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے ذکر کیا ہے اور باقی رجال ثقہ ہیں اور ص۲۴۶ میں ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں اور بعض کی بابت خلاف ہے۔ دارقطنی نے محمد بن عبدالملک کی بابت امام ابوداؤد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ محکم العقل نہیں ہے، لیکن امام نسائیؒ، مسلمہ، حضرمی، مطین اور دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے، اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات ہی میں ذکر کیا ہے۔

(۲) حدیث ابوہریرہؓ۔ اس کی تخریج دارقطنی نے سنن میں کی ہے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا قہقہہ اعاد الوضوء والصلوٰۃ" دارقطنی اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کے دو راوی عبدالعزیز بن الحصین اور عبدالکریم بن ابی امیہ ضعیف ہیں والجواب انہ یصلح شاہدا للاحادیث سواہ ویدل علی ان لہ اصلاً۔

(۳) حدیث ابن عمرؓ۔ اس کی تخریج ابن عدی نے "الکامل" میں کی ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ضحک فی الصلوٰۃ قہقہۃ فلیعد الوضوء والصلوٰۃ" ابن الجوزی نے "العلل المتناہیۃ" میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح

نہیں کیونکہ بقیہ کی عادت تدلیس ہے۔ اور یہ حدیث اس نے غالباً کسی ضعیف راوی سے سنی ہے اس لئے اس کا نام ذکر نہیں کیا، مگر یہ بات اس لیے صحیح نہیں کہ بقیہ نے اس میں تحدیث کی تصریح کی ہے (فانہ قال: ثنا ابی ثنا عمرو بن القیس) اور مدلس راوی جب تحدیث کی تصریح کر دے اور وہ خود صدوق بھی ہو تو تہمت تدلیس زائل ہو جاتی ہے اور بقیہ راوی اسی شان کا ہے۔

(۴) حدیث انس رض۔ اس کی تخریج دارقطنی نے کی ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بنا فجاء رجل ضریر البصر الخ" دارقطنی کہتے ہیں کہ اس کا راوی داؤد بن المحبر متروک اور ایوب بن خوط ضعیف ہے، حدیث انس رض ایک اور طریق سے بھی مروی ہے جس کی تخریج ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے "تاریخ جرجان" میں کی ہے۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قہقہہ فی الصلوٰۃ قہقہۃ شدیدۃ فعلیہ الوضوء والصلوٰۃ"

(۵) حدیث جابر رض۔ اس کی تخریج بھی دارقطنی نے کی ہے، "قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ضحک منکم فی صلاتہ فلیتوضأ ثم لیعد الصلوٰۃ" دارقطنی کہتے ہیں کہ ابوفروہ یزید بن سنان رہاوی اور اس کا بیٹا محمد دونوں ضعیف ہیں، اور اس حدیث میں دو جگہ وہم ہوا ہے اول اس کے مرفوع ہونے میں دوم اس کے الفاظ میں کیونکہ اعمش سے ثقہ راویوں کی ایک جماعت نے جن میں سفیان ثوری، ابومعاویہ ضریر، وکیع، عبداللہ بن داؤد خریبی (یا حریثی) اور عمر بن علی مقدمی ہیں انہوں نے حضرت جابر سے ان کا قول یوں روایت کیا ہے۔ "من ضحک فی الصلوٰۃ اعاد الصلوٰۃ ولم یعد الوضوء"

(۶) حدیث عمران بن الحصین رض۔ اس کی تخریج دارقطنی اور بیہقی نے کی ہے، "من ضحک فی الصلوٰۃ قرقرۃ فلیعد الوضوء والصلوٰۃ"، دارقطنی نے اس کے راوی عمر بن قیس کی معروف بسندل کو ضعیف وذاہب الحدیث کہا ہے، اور عمرو بن عبید کی بابت کذاب نقل کیا ہے، ابن عدی نے اس کو ایک اور طریق سے یوں روایت کیا ہے، "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال، لرجل ضحک فی الصلوٰۃ اعد وضوئک" اور اس میں یہ کلام کیا ہے کہ اس کا راوی محمد خزاعی، بقیہ کے مجہول شائخ میں سے ہے، یہ تفصیل تو احادیث مسندہ کی ہے، احادیث مرسلہ میں سے مرسل ابوالعالیہ، مرسل معبد خزاعی، مرسل ابراہیم نخعی اور مرسل حسن بصری چار مراسیل مشہور ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) مرسل ابوالعالیہ جو باب ہذا کی دوسری روایت ہے یہ دو وجہ سے منقول ہے۔ وجہ اول ان کا خود اپنا مرسل جو قتادہ، حفصہ بنت سیرین اور ابوہاشم زمانی (یا رمانی) کی جہت سے مروی ہے۔ حدیث قتادہ کے راوی معمر، ابوعوانہ، سعید بن ابی عروبہ اور سعید بن بشیر ہیں۔ معمر کی روایت مصنف عبدالرزاق میں اور باقی تینوں کی روایات دارقطنی میں مخرج ہیں اور حدیث حفصہ کے راوی خالد حذاء، ایوب سختیانی، ہشام بن حسان، مطر وراق اور حفص بن سلیمان ہیں

بَابُ الْوُضُوْءِ بِمَسِّ الذَّكَرِ

۱۵۹۔ عَنْ بُسْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ

باب۔ عضو تناسل کے چھونے سے وضو۔ ۱۵۹۔ حضرت بسرۃؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان کی روایات کی تخریج دارقطنی نے کی ہے، اور حدیث ابوہاشم کے راوی شریک اور منصور ہیں جن کی روایات دارقطنی نے لی ہیں اور ابن ابی شیبہ نے صرف شریک سے تخریج کی ہے، وجہ دوم مرسل عن الغیر جس کو دارقطنی نے خالد بن عبداللہ واسطی کی جہت سے روایت کیا ہے «عن ابی العالیۃ عن رجل من الانصار» ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فمر رجل فی بصرہ سوء فتردی فی بئر فضحک طوائف من القوم فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان ضحک ان یعید الوضوء والصلوٰۃ۔

(۲) مرسل معبد: اس کی تخریج دارقطنی نے یوں کی ہے «عن الامام ابی حنیفۃ عن منصور بن زاذان الواسطی عن الحسن عن معبد الجہنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بینما ہو فی الصلوٰۃ اذ اقبل اعمی یرید الصلوٰۃ فوقع فی زبیۃ فاستضحک القوم حتی قہقہوا فلما انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان منکم قہقہ فلیعد الوضوء والصلوٰۃ» دارقطنی کہتے ہیں کہ اس میں امام ابوحنیفہ کو وہم ہوا ہے کیونکہ منصور اس کو عن محمد بن سیرین عن معبد روایت کرتا ہے جیسا کہ غیلان بن جامع اور ہشیم بن بشیر نے عن منصور عن ابن سیرین روایت کیا ہے، اور یہ دونوں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ حافظ اسناد ہیں، نیز یہ بھی کہا ہے کہ روایت میں جو معبد ہے وہ صحابی نہیں ہے۔ شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ جو معبد صحابی نہیں ہے وہ معبد جہنی بصری ہے جس کی بابت حسن بصری کہا کرتے تھے «ایاکم ومعبدؓ فانہ ضال مُضِلٌ»۔ اور روایت میں جو معبد ہیں وہ معبد بن ابی معبد خزاعی ہیں جیسا کہ مسند ابوحنیفہ میں مصرح ہے۔ اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک ہی نہیں چنانچہ ابن مندہ اور حافظ ابونعیم نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں دیکھا ہے۔ اور ان کے بارے میں حضرت جابرؓ نے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔

(۳) مرسل ابراہیم نخعی۔ کی تخریج دارقطنی نے کی ہے اور (۴) مرسل حسن بصری۔ کی تخریج دارقطنی نے سنن میں، امام شافعی نے مسند میں اور امام محمد نے کتاب الآثار میں کی ہے۔

۱۵۹ تا ۱۶۷۔ مصنفؒ نواقض الوضوء حکمیہ کے مسائل بیان کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مس ذکر بھی ہے بعض حضرات کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لیے مصنف نے   دونوں

اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ وَآخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَفِي الْبَابِ أَحَادِيْثُ أُخَرُ۔

تم میں سے کوئی جب اپنے عضوِ تناسل کو چھوئے تو وضو کرے۔

یہ حدیث مالکؒ نے مؤطا میں اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ احمد، ترمذی، دارقطنی اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں اور روایات بھی ہیں۔

جانب کی احادیث کو درج کیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ محدثین اور فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآراء رہا ہے۔

بیان مذاہب (۱) مسِ ذکر مطلقاً ناقض الوضوء نہیں ہے یہ مسلک امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء کا ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۴) سعید بن المسیبؒ، ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے (کتاب الاعتبار للحازمیؒ ص ۴۳ بذل المجہود ج ۱ ص ۱۱۱) علاوہ ازیں حسن بصریؒ، حسن بن حیؒ، ربیعۃ الرائےؒ، سعید بن جبیرؒ اور عروۃ بن زبیرؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

۲۔ امام مالکؒ کے نزدیک مسِ ذکر نقضِ وضو کو مستلزم ہے مگر وہ اس میں تین شرطیں ضروری قرار دیتے ہیں (۱) باطنِ کف سے پکڑنے سے وضو ٹوٹتا ہے ظاہر کف سے نہیں (ب) کپڑے کے اندر سے بغیر حائل کے پکڑنے سے وضو ٹوٹتا ہے کپڑے کے اوپر سے نہیں ٹوٹتا (ج) مسِ ذکر سے لذت حاصل ہو تو وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں ٹوٹتا۔

۳۔ مسِ ذکر ہر حال میں ناقض الوضوء ہے یہ مسلک امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، داؤد بن علی ظاہریؒ، امام اوزاعیؒ، سعید بن مسیبؒ، امام زہریؒ اور عطاء بن رباحؒ کا ہے۔ (بذل المجہود ج ۱ ص ۱۱۱، اوجز المسالک ج ۱ ص ۹۲، امانی الاحبار ج ۱ ص ۲۳۹)

احناف کے دلائل (۱) حنفیہؒ کا مستدل طلق بن علیؓ کی روایت ہے جسے امام نیمویؒ نے ۱۶۰ نمبر پر اسی باب میں دوسری حدیث کے طور پر نقل کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا مسست ذکری او قال الرجل یمس ذکرہ فی الصلوٰۃ علیہ وضوء؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا انما ھو بضعۃ منک اس روایت کو ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

۱۶۰۔ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مَسَسْتُ ذَكَرِي أَوْ قَالَ الرَّجُلُ يَمَسُّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ أَعَلَيْهِ وُضُوْءٌ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ. أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالطَّبَرَانِيُّ وَابْنُ حَزْمٍ، وَقَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ: هُوَ أَحْسَنُ مِنْ حَدِيْثِ بُسْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

۱۶۰۔ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک شخص نے کہا "میں نے اپنے عضو تناسل کو چھوا ہے" یا اس نے یوں کہا "ایک شخص نماز میں اپنے عضو تناسل کو چھوتا ہے، کیا اس پر وضو ہے؟" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلاشبہ وہ تو تیرے جسم کا ہی ایک حصہ ہے۔"

یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، ابن حبان، طبرانی اور ابن حزم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ابن المدینی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے احسن ہے۔

اور مسند احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اصح و احسن ہے ابن رشدؒ فرماتے ہیں۔ وصححہ کثیر من اھل العلم الکوفیون وغیرھم (بدایہ ج ۱ ص۳۰) نیز علی بن المدینیؒ، عمرو بن علی الفلاسؒ، طحاویؒ، ابن حبانؒ، طبرانیؒ، ابن حزمؒ اور ابن عبدالبرؒ اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں (نیل الاوطار ج ۱ ص۲۰۵) ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (کتاب المسائل والاجوبۃ فی الحدیث واللغۃ لابن قتیبہؒ ص۱۲۲)

(۲) آثار السنن میں اسی باب کی پہلی روایت کے علاوہ باقی تمام روایات اور صحابہؓ کے فتاویٰ ۱۶۱ سے ۱۶۷ تک احناف کے مسلک کے مستدل اور قوی مؤیدات ہیں

مس ذکر کو ناقض سمجھنے والوں کی دلیل

اسی باب کی پہلی روایت جسے بسرہؓ نے روایت کیا ہے اذا مس احدکم ذکرہ فلیتوضأ جسے امام مالکؒ نے مؤطا ص۴۲ ترمذی نے جامع السنن ج ۱ ص۱۲ میں نقل کیا ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث بسرہؓ کا پس منظر

امام طحاویؒ نے اس حدیث کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مروان بن حکم کی مجلس میں حضرت عروہ بن زبیرؓ اور مروان بن حکم مسائل مس ذکر پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے تو مروان بن حکم نے حضرت بسرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی

۱۶۱۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى فِیْ مَسِّ الذَّكَرِ وُضُوْءً رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۶۲۔ وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ مَا أُبَالِیْ أَنْفِیْ مَسَسْتُ أَوْ أُذُنِیْ أَوْ ذَكَرِیْ رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَفِیْ إِسْنَادِهٖ لِيْنٌ۔

۱۶۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ عضو تناسل کے چھونے سے وضو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۶۲۔ حضرت علیؓ نے کہا، مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں اپنی ناک یا کان کو چھوؤں یا اپنے عضو تناسل کو ہاتھ لگاؤں (یعنی ان سب کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا)
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کچھ نرمی ہے۔

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مس ذکر سے وضو کا حکم فرمایا ہے یہ سن کر حضرت عروہ بن زبیرؓ نے سر تک نہیں اٹھایا تو مروان نے حضرت بسرہؓ کے پاس ایک شرطی (پولیس مین) بھیجا کہ معلوم کر کے آئے انہوں نے آ کر وہی حدیث بیان کی جو مروان نے بیان کی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے۔

حدیث بسرۃؓ سے حنفیہ کے جوابات

(۱) حضرت بسرہؓ کی یہ روایت طحاوی نسائی اور ابوداؤد میں تین طرق سے نقل کی گئی ہے (الف) عروۃؓ اور بسرۃؓ کے درمیان صرف مروان کا واسطہ ہے (ب) عروۃؓ اور بسرۃؓ کے درمیان مروان اور شرطی دونوں کا واسطہ ہے (ج) دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جیسا کہ ترمذی نے اس روایت کو کلمۂ عن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
اولاً! تو اس حدیث میں یہ اضطراب ہے کہ عروۃ با لواسطہ اور بغیر واسطہ کے بھی اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ اگر واسطہ صحیح ہے تو کون ہے صرف مروان یا مروان اور شرطی دونوں اور اگر واسطہ صحیح نہیں تو پھر بالواسطہ روایت کیوں نقل کی گئی ہے ثانیاً! مروان تو معروف شخص ہے لیکن وہ شرطی کون تھا؟ ایک حکمران کا سپاہی اور پولیس، سپاہی تو فاسق، فاجر، ظالم اور نیک و بد بھی ہو سکتے ہیں تو یہاں تو شرطی مجہول ہے
(اعلاء السنن ج ا ص ۲)

۱۶۳ - وَعَنْ أَرْقَمَ بْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنِّيْ أَحُكُّ جَسَدِيْ وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَأَمَسُّ ذَكَرِيْ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ. رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْمُوَطَّأ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۶۴ - وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ مِثْلُ أَنْفِكَ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْمُوَطَّأ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۱۶۳ - ارقم بن شرحبیل نے کہا، میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، میں اپنے جسم کو نماز میں کھجاتا ہوں تو اپنے عضو تناسل کو چھو جاتا ہوں، تو انہوں نے کہا: "بلاشبہ وہ تو تیرے جسم کا ایک حصہ ہی ہے۔"

یہ حدیث محمد بن حسن نے موطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۶۴ - حضرت براء بن قیس نے کہا، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے عضو تناسل کے چھونے کے بارہ میں کہا: "وہ تیری ناک کی مانند ہے۔"

یہ حدیث محمد نے موطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

باقی رہی مروان کی شخصیت اس کی مرویات کی حیثیت تو اس سلسلہ کی تفصیلی بحث حقائق السنن ج ۱ صـ ۳۶۰ میں ملاحظہ کر لی جائے۔

حدیث بسرةؓ من حیث المعنیٰ

(۲) اگر بسرہؓ کی روایت پر من حیث المعنیٰ غور کیا جائے تب بھی اس کا ضعف اور اس سے استدلال کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ مس ذکر کا مسئلہ رجال کے ساتھ مختص ہے بلکہ عامۃ الورود اور عامۃ الابتلاء ہونے کی وجہ سے تقریباً ہر شخص اس میں مبتلا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بذات خود نقض الوضوء بھی ایک اہم مسئلہ ہے تو اس قدر اہم ترین عامۃ الابتلاء مسئلہ ہونے کے باوجود بھی ایک مرد بھی ایسا نہیں جس نے اس روایت کو نقل کیا ہو یہ بات تو بہر حال قیاس سے بھی بعید تر ہے کہ لاکھوں مردوں نے تو اسے نظر انداز کر دیا ہو اور ایک عورت نے اس کو نقل کر دینا ضروری سمجھ لیا ہو۔ اصولی طور پر ہم قانون شہادت میں ایک مثال دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام ربیعہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص کی جوتی پر کوئی دعویٰ کر دے اور اس کی شہادت کے لیے بغیر بسرہ کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو کیا صرف بسرہ کی شہادت سے وہ جوتی مدعی کو مل جائے گی ہرگز نہیں۔ اور اس تمثیل سے صحابیہ کی توہین (العیاذ باللہ) مقصود نہیں مگر یہ تو قرآن حکیم کا فیصلہ ہے۔ کہ واستشهدوا شهيدين من رجالكم

۱۶۵ - وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَيَحِلُّ لِيْ اَنْ اَمَسَّ ذَكَرِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ اِنْ عَلِمْتَ اَنَّ مِنْكَ بَضْعَةً نَجِسَةً فَاقْطَعْهَا - رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْمُوَطَّا وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

---

۱۶۵ - قیس بن حازمؒ نے کہا، ایک شخص حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس آیا اور کہا، کیا میرے لیے جائز ہے کہ نماز میں اپنے عضو تناسل کو چھو دوں، تو انھوں نے کہا "اگر تیرے خیال میں وہ تیرے جسم کا ایک ناپاک حصّہ ہے تو اسے کاٹ ڈالو"۔

یہ روایت محمدؒ نے موطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احدهما فتذکر احدهما الاخری۔ - ترجمہ ایک عورت کی شہادت سے رہا ہے وہ صحابیہ ہی کیوں نہ ہو کسی شخص کا چور ثابت نہیں ہو سکتا تو اس کی شہادت سے پورے عالم انسانیت کے وضو کو کیونکر توڑا جا سکتا ہے جب کہ بسرہؓ کے مقابلہ میں طلق بن علیؓ رجال میں سے ہیں۔ اور مسئلہ بھی مردوں کا ہے۔ اور طلق بن علیؓ کے کثیر مؤیدات بھی موجود ہیں۔ لہٰذا اصولاً ترجیح انہی کو ہونی چاہیے۔

۲ - بظاہر طلق بن علیؓ اور حضرت بسرہؓ کی روایات میں تعارض ہے رفع تعارض کے لیے تین صورتیں اختیار کی جاتی ہیں ۱- اسقاط، ترجیح اور تطبیق دونوں روایات قوی، مستند اور اپنی اپنی جگہ قابل استدلال ہیں لہٰذا دونوں کا ساقط کر دینا صحیح نہیں بغیر اسقاط کے ترجیح یا تطبیق کی صورت بن سکے تب بھی تعارض کے وقت صحابہ کرامؓ کا عمل، آثار اور ان کے فتاویٰ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں صحابہ کرامؓ کی اکثریت کا عمل طلق بن علیؓ کی روایت کے مطابق رہا ہے امام طحاویؒ نے اس موقع پر حضرت سعدؓ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے جسے امام نیمویؒ نے اسی باب میں ۱۶۵ نمبر میں درج کیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے ایک موقع پر غصہ میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر یہ جسم کا پلید اور نجس ٹکڑا ہے تو اسے کاٹ دیا جائے علاوہ ازیں امام طحاویؒ نے بہت سے صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ بھی سند کے ساتھ اس کی تائید میں نقل کر دیے ہیں۔

اگر رفع تعارض کے لیے ترجیح کی صورت اختیار کی جائے تو طلق بن علیؓ کی روایت کئی وجوہ سے راجح ہے۔ (الف) مسئلہ زیر بحث چونکہ مردوں کے ساتھ خاص ہے لہٰذا ترجیح بھی اسی روایت کو دی جائے گی جس کو مرد نے نقل کیا ہو (ب) قیاساً بھی طلق بن علیؓ کی روایت کو ترجیح حاصل ہے مثلاً اگر متوضی نجاست

۱۶۶۔ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِّنْكَ۔ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۶۷۔ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ خَمْسَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَحُذَيْفَةُ

۱۶۶۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے عضو تناسل کو چھونے کے بارہ میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا، وہ تیرے جسم کا ایک حصہ ہے۔

یہ حدیث محمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۶۷۔ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہؓ کرام جن میں علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، عمران بن حصینؓ ایک اور صحابیؓ ہیں عضو تناسل کے چھونے سے وضو

کو مس کرے یا اس کے ہاتھ کو نجاست لگ جائے تو اس سے نقض وضو لازم نہیں آتا صرف ہاتھ دھونا ضروری ہوتا ہے جب بول وبراز نجس العین ہیں ان کا مس بھی کسی کے نزدیک بھی ناقض الوضوء نہیں لہٰذا ذکر قبل یا دبر جو کسی کے نزدیک بھی نجس العین نہیں کے مس سے تو بطریق اولیٰ نقض وضو نہیں آنا چاہیئے حدیث بسرۃؓ کا محمل اور مصداق متعین نہیں جب کہ حدیث طلق متعین المحمل ہے متعین المحمل کو غیر متعین المحمل پر ترجیح حاصل ہے۔ اور اگر تطبیق کی صورت اختیار کی جائے تب بھی حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے (۱) مس ذکر سے مراد مباشرت فاحشہ ہے جو تماس ختانین سے کنایہ ہے مفعول استجاءً یا استنجاءً بذکرہ حذف کر دیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے من مس ذکرہ بفرج امرأتہ فلا یصل حتی یتوضأ، (ب) مس ذکر، بول سے کنایہ ہے یعنی من بال و مس ذکرہ، جب کہ بول کے وقت مس ذکر سے چھٹکارا نہیں (فتح القدیر ج ۱ ص۳۹) (ج) مس ذکر کے بعد وضو استنجاء سے مراد ہوگا (علوم الحدیث للحاکم ص۳۷) (د) مس ذکر کنایہ ہے خروج مذی کا شہوت سے اگر ذکر کو مس کیا جائے تو مذی نکلتی ہے ایسی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ کنایہ ہی سے گفتگو کرتے تھے (ہ) وضو شرعی مراد نہیں بلکہ وضو لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ دھونا۔

۱۶۷۔ عن الحسن عن خمسۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصنف نے امام طحاویؒ کے حوالے سے بطور مثال ۵ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ اور عمل کو حنفیہ کے مؤید کے طور پر نقل کر دیا ہے حضرت علیؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور ابن مسعودؓ کے فتاویٰ تو اسی باب میں ذکر ہو چکے ہیں علاوہ ازیں

بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَجُلٌ آخَرُ أَنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرَوْنَ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ وُضُوْءًا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کا فتویٰ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ذکر بھی ناک کی طرح ایک عضو ہے اور ہتھیلی کے لئے بہت سی جگہ ہے جہاں وہ پہنچ جائے ناک کو پہنچے یا ذکر کو پہنچے برابر حکم ہے (طحاوی)

حضرت ابوہریرہؓ کا بھی فتویٰ ہے جسے شرح معانی الآثار ص۴۵ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک مناظرہ ملاحظہ فرمادیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام رجاء بن المرجاء فرماتے ہیں کہ مسجد خیف کے اندر ایک مرتبہ میں اور امام احمد بن حنبلؒ یحییٰ بن معینؒ علی بن المدینیؒ چار آدمی تھے مس ذکر کے سلسلے میں مذاکرہ کیا تو یحییٰ بن معینؒ نے بسرۃؓ بنت صفوان کی روایت پیش کی اور فرمایا کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تو حضرت امام علی بن المدینیؒ نے فرمایا کہ بسرۃؓ کی روایت ضعیف ہے کہ حضرت عروہ نے بسرۃؓ سے نہیں سنا بلکہ دونوں کے درمیان میں مروان اور سپاہی ہے اور دونوں کے دونوں متکلم فیہ ہیں۔ اور ساتھ ساتھ حضرت طلق بن علیؓ کی روایت پیش کی تو حضرت یحییٰ بن معینؒ نے طلق بن علیؓ کی روایت پر جرح پیش کی اور فرمایا کہ اس روایت کی سند میں محمد بن جابر متکلم فیہ ہیں تو علی بن مدینیؒ نے جواب دیا کہ ہم محمد بن جابر کی روایت سے استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ ملازم بن عمرو عن عبداللہ بن بدر سحیمی کے طریق سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر یحییٰ بن معینؒ نے اشکال کیا کہ عبداللہ بن بدر کے استاذ قیس بن طلق ہیں اور محدثین نے ان کی روایت قبول نہیں کی۔ تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تم دونوں کی بات صحیح ہے کہ یہ دونوں روایت متکلم فیہ ہے تو اس پر امام یحییٰ بن معینؒ نے سلسلۃ الذہب پیش کیا اور سلسلۃ الذہب حسب ذیل سند کو کہا جاتا ہے۔ مالک عن نافع عن عبد اللّٰه بن عمر۔ تو اس پر علی بن مدینیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی اور فرمایا کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں تعارض ہو جائے تو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس پر یحییٰ بن معینؒ نے اشکال کر کے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ابو قیس آیا ہے جو کہ کمزور راوی ہے تو اس پر علی بن مدینیؒ نے عمار بن یاسرؓ کی روایت اس طرح پیش کی حدثنا ابونعيم قال حدثنا مسعر عن عمير بن سعيد عن عمار بن ياسر اور فرمایا کہ اس سند کے سارے راوی معتبر ہیں تو اس پر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ اور عمار بن

بالآخر دونوں ایک درجے کے راوی ہیں۔ (اوجز المسالک ج ۱ ص۹۲ امانی الاحبار ج ۱ ص۲۳۵)

اس مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان چاروں حفاظ حدیث کے نزدیک حضرت بسرہؓ کی روایت ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں ہے جس کی طرف امام طحاویؒ نے ص۴۳ میں علی بن مدینی بقول حدیث ملازم هذا احسن من حدیث بسرۃؓ سے اشارہ فرمایا ہے۔

قائلین نقض وضو کا حدیث ابوہریرہؓ سے استدلال اور جمہور کا جواب

میں ذکر ہے قائلین نقض وضو حضرت

ابوہریرہؓ کی ایک روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ میں امام محی السنۃؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ طلق بن علیؓ کی روایت منسوخ ہے لان ابا هريرةؓ اسلم بعد قدوم طلق وقد روى ابو هريرةؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا افضى احدكم بيده الى ذكره ليس بينه وبينها شيء فليتوضأ امام خطابیؒ اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ طلق بن علی مسجد نبویؐ کی تعمیر میں شریک تھے (معالم السنن ج ۱ ص۶۶ تهذيب سنن ابي داود ج ۱ ص۱۳۵) حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے

قال بنيت المسجد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث (مجمع الزوائد ج ۲ ص۹)

جب کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال ہوئی اور حضرت ابوہریرہؓ بالاتفاق اسلام ساتویں ہجری میں فتح خیبر کے بعد لائے اس سے معلوم ہوا کہ طلق بن علیؓ کی روایت پہلے کی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی بعد کی ہے ظاہر ہے کہ اسے ہی ناسخ قرار دیا جا سکتا ہے۔

جمہور نے اس سے متعدد جوابات دیے ہیں۔

(۱) طلق بن علیؓ کی روایت صحیح اور ابوہریرہؓ کی ضعیف ہے کہ اس کی سند میں محمد بن جابر اور ایوب بن عتبہ ضعیف ہیں ضعيفان عند اهل العلم بالحديث (کتاب الاعتبار للحازمیؒ ص۴۴)

ضعیف روایت سے صحیح روایت کا نسخ کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۲) سات ہجری کے بعد دوبارہ بھی مسجد نبویؐ کی تعمیر ہوئی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر میں شریک تھا (مجمع الزوائد ج ۲ ص۹)

انهم كانوا يحملون اللبن الى بناء المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم قال فاستقبلت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عارض لبنة على بطنه فظننت انها شقت عليه فقلت ناولنيها يا رسول الله قال خذ غيرها يا ابا هريرة فانه لا عيش الا عيش الآخرة رواه احمد ورجاله رجال الصحيح۔

بَابُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

۱۶۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۶۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب - آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو - ۱۶۸ - حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "اس چیز کے کھانے سے وضو کرو جسے آگ نے چھوا ہو"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۶۹ - ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس چیز سے وضو کرو، جسے آگ نے چھوا ہو" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

لہذا حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا مؤخر اور ناسخ ہونا باطل ہے بلکہ جمہور کا دعویٰ ہے کہ طلق بن علیؓ کی روایت ناسخ اور بسرہؓ کی روایت منسوخ ہے کیونکہ طلق بن علیؓ اس وفد میں شامل تھے جس میں مسیلمہ کذاب تھا اس موقع پر طلق مسلمان ہوئے (طبقات ابن سعد ج ۱ ص۵۵ و کتاب الاعتبار ص۴۳ نصب الرایہ ج ۱ ص...) وفد مسیلمہ کذاب ۹ ہجری میں مدینہ آیا تھا (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص۵۵) وبسرة قدیمة صحبتها وهجرتها (کتاب الاعتبار للحازمی ص۴۳)

امام ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ طلقؓ کی روایت ناسخ ہے اور روایت بسرہؓ منسوخ ہے کتاب المسائل والاجوبة ص۲۲) اور اس حقیقت سے انکار کیونکر ممکن ہے کہ حضرت طلق بن علیؓ کی روایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام، اور تابعین عمل پیرا ہیں جب کہ بسرہؓ کی روایت پر حضرت ابن عمرؓ اور کچھ دوسرے لوگ عمل کرتے ہیں۔

(۱۶۸ تا ۱۷۵) نواقض الوضوء کا بیان ہو رہا ہے چونکہ بعض حضرات کے نزدیک اکل ممامست النار بھی ناقض الوضوء ہے اس لیے مصنفؒ نے بھی مندرجہ بالا ترجمۃ الباب کا انعقاد کیا اس باب میں آٹھ روایات درج کی گئی ہے پہلی دو روایات (۱۶۸، ۱۶۹) کے علاوہ باقی تمام روایات اکل ممامست النار سے عدم وجوب وضو کا مستدل ہیں۔

مسئلہ مماست النار کی تحقیق

صدرِ اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مماست النار سے وضو کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف تھا بعض صحابہؓ اس سے وضوء کے قائل تھے علامہ حازمیؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو طلحہؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور امام زہریؒ وغیرہ (الاعتبار صـــ۴۷) جب کہ خلفاء اربعہؓ عبد اللہ بن عباسؓ جابر بن عبد اللہؓ حضرت ام سلمہؓ، ابو سعید خدریؓ ابو رافعؓ سوید بن نعمان عمر بن امیہ اور اکثر صحابہ نقض وضو کے منکر تھے (ایضاح الطحاوی ج ا صـــ۲۰۹) لیکن بعد میں صحابہ اور تابعین کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ماست النار کا استعمال ناقض وضو نہیں ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی اس کے نقض وضوء کا قائل ہو تو وہ مجوج بالا جماع ہے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کا بھی اس پر عمل تھا جن میں تین کا عمل موطا امام مالکؒ صـــ۱ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عمل موارد الظمآن صـــ۶۹ میں ہے۔ اور ائمہ اربعہ کا بھی اس پر اتفاق ہے (کتاب الاعتبار للحازمیؒ صـــ۴۷ شرح مسلم للنووی ج ا صـــ۱۵۶ نیل الاوطار ج ا صـــ۲۲۱)

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں وعلیہ فقہاء الامصار (بدایہ ج صـــ۲۹)

قاضی شوکانیؒ پر تعجب

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے قاضی شوکانیؒ سے انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ صرف لحم شاۃ سے وضو نہیں باقی تمام ماست النار سے وضو ہے علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ داؤد ظاہریؒ نے حدیث لا یبولن احدکم فی الماء الدائم سے یہ کہہ دیا ہے کہ پانی میں پیشاب کرنا منع ہے پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں الٹ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں (فضل الباری ج ۲ صـــ۲۶۳)

قائلین نقض وضوء کا استدلال

پہلی دونوں روایات حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جن کو امام مسلمؒ نے کتاب الحیض باب الوضوء مماست النار میں نقل کیا ہے دونوں میں صراحتاً ماست النار سے وضوء کا حکم ہے۔

مگر امام مسلمؒ نے اس باب میں دوسری قسم کی روایات بھی جمع کر دی ہیں جو ماست النار سے ترک وضوء والے حضرات کا مستدل بنتی ہیں۔

مطبوخ کے استعمال پر وضوء لازم ہو جانے کی جتنی احادیث ہیں ان کے متعلق علماء نے دو طریق اختیار کر رکھے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہ تمام احادیث جو ماست النار سے وضو پر دلالت کرتی ہیں منسوخ ہیں اور ترک الوضوء مماست النار کی احادیث ان کے لیے ناسخ ہیں یعنی یہ حکم اوائل میں تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔

۱۷۰۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاۃٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۱۷۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا بازو تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔"
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

چنانچہ امام مسلمؒ کے طرز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے انہوں نے اولاً وضوء مما مست النار کی روایات نقل کردیں جن میں ابوہریرہؓ اور عائشہؓ کے مذکورہ دونوں احادیث بھی ہیں اس کے بعد ترک الوضوء مما مست النار کی روایتیں لائے جس سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ وہ منسوخ ہیں اور یہ ناسخ ہیں۔

(ب) دوسرا طریق یہ ہے کہ وضوء مما مست النار کی جتنی بھی احادیث ہیں سب استحباب پر محمول ہیں اور صیغۂ امر کو بھی استحباب کے معنیٰ میں لیا جائے استحباب کی وجہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر امر کو ایجاب پر محمول کیا جائے تو منسوخ ہے اگر استحباب مراد ہو تو مسلم ہے مزید مفصل بحث فتح الملہم جلد اول ص۴۸۹، ۴۹۰ پر ملاحظہ کرلی جائے۔

(۲) قائلین نقض وضو کا دوسرا استدلال اس روایت سے ہے جس میں صراحتاً "الوضوء مما مست النار" ترمذی ج ۱ ص۱۲) کی تصریح ہے جمہور نے اس کے بھی متعدد جوابات دیے ہیں (ا) یہ حکم منسوخ ہے جیسے کہ ہم نے مسلم کے حوالے سے ابھی یہ گزارش عرض کردی ہے۔

(ب) علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ وضوء مما مست النار سے وجوب مراد نہیں استحباب مراد ہے

(معالم السنن ج ۱ ص۱۵)

(ج) وضو سے مراد "وضو لغوی" ہے ای غسل الیدین والفم جیسا کہ حدیث میں آتا ہے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ (ترمذی ج ۲ ص۸ ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۲ مسند طیالسی ص۹)

قائلین ترک وضوء کے دلائل (۱) اسی باب کے روایات ۱۷۰ سے ۱۷۵ تک قائلین ترک وضوء کا مستدل ہیں مصنفؒ کی اس صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مما مست النار سے وضو والی روایات منسوخ ہیں۔

۱۷۱۔ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۷۲۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَاَكَلَ مِنْهَا فَدُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَامَ وَطَرَحَ السِّكِّيْنَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۷۱۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے کہا "بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس (بکری کا) بازو تناول فرمایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔"

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۱۷۲۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمریؓ نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا بازو کاٹتے ہوئے دیکھا پھر آپ نے اس سے تناول فرمایا، پھر نماز کی طرف بلایا گیا تو آپ اٹھے چھری ایک طرف رکھ دی، نماز ادا فرمائی لیکن (نیا) وضو نہیں فرمایا۔"

یہ روایت شیخان نے بیان کی ہے۔

---

(۲) اس سلسلہ میں ترک وضو والے حضرات اپنی دلیل حضرت جابرؓ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں عملوں میں آخری عمل ترک وضوء مما مست النار ہے قال کان اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار (ابوداؤد ج ۱ صـ۲ نسائی ج ۱ صـ۲ طحاوی ج ۱ صـ۲ منتقی ابن جارود صـ۲۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں وھو حدیث صحیح اخرجہ ابوداؤد والنسائی وغیرھما من اصحاب السنن باسانیدھم صحیحۃ (شرح مسلم ج ۱ صـ۱۵۶) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں صححہ ابن خزیمۃ وابن حبان وغیرھما (فتح الباری ج ۱ صـ۲۵)

(۳) تیسرا استدلال خلفاء راشدینؓ کا عمل ہے جیسا کہ کنز العمال میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے قال اکلت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر وعمر وعثمان خبزا ولحما فصلّوا ولم یتوضؤا

(۴) حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ کھانا کھا لینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ منہ

۱۷۳ - وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ جَلَسَ عَلَى الْبَابِ الثَّانِيْ مِنْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِكَتِفٍ فَتَعَرَّقَهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ثُمَّ قَالَ جَلَسْتُ مَجْلِسَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْتُ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَنَعْتُ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَزَّارُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُ اَحْمَدَ ثِقَاتٌ۔

۱۷۴ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْكُلُ اللَّحْمَ ثُمَّ يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَا يَمَسُّ مَاءً۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ مُوَثَّقُوْنَ۔

---

۱۷۳ - حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دوسرے دروازے (باب ثانی) پر تشریف فرما تھے پھر ایک (بکری کا) بازو منگا کر اس کا گوشت کھایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی لیکن نیا وضو نہیں کیا پھر کہا، میں وہاں بیٹھا جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، اور میں نے وہی کھایا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور میں نے وہی کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔"

یہ حدیث احمد، ابویعلی اور بزار نے نقل کی ہے ہیثمی نے کہا کہ احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

۱۷۴ - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت تناول فرماتے، پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور پانی کو چھوتے تک بھی نہ تھے۔

یہ روایت احمد اور ابویعلی نے نقل کی ہے، اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

دھونے کا حکم دیا (امر بغسل الیدین والفم للتنظیف (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۵۲)

(۵) حضرت عبدالرحمن بن غنم الانصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاذؓ سے دریافت کیا ھل کنتم توضأون مما غیرت النار انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم کھانا کھا لیتے تو فنغسل ایدینا ووجوھنا ونعدّ ھذا الوضوء یعنی ہم اسی کو وضو سمجھتے تھے مراد وضو لغوی ہے

نظر طحاویؒ

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے سلسلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہی چیز اگر آگ پر پکنے سے پہلے کھائی جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ کیا آگ کے لیے اشیاء کے اندر

۱۷۵ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِالْقِدْرِ فَيَأْخُذُ الْعَرْقَ فَيُصِيْبُ مِنْهُ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَزَّارُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔

۱۷۵۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے کہا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنڈیا کے پاس سے گزرتے، تو اس میں سے گوشت لے کر کھاتے، پھر نماز پڑھتے، نہ تو وضو فرماتے اور نہ پانی کو چھوتے“
یہ حدیث احمد، ابویعلیٰ اور بزار نے نقل کی ہے، ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

کوئی ایسا اثر ہوتا ہے جو اشیاء کے حکم کو دوسری طرف منتقل کر دے تو ہم نے خالص پانی کو دیکھا کہ اس سے طہارت حاصل کر کے فرض ادا کیا جا سکتا ہے
پھر ہم نے اس کو دیکھا کہ اگر خالص پانی کو گرم کر دیا جائے تو پانی اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جاتا ہے آگ میں پکنے کی وجہ سے اس کا حکم دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا ہے اور نہ آگ اس پانی میں کوئی نیا حکم پیدا کرتی ہے بلکہ پانی پہلے حکم پر باقی رہتا ہے تو ایسا ہی غور و فکر کا تقاضا یہ ہے کہ جب پانی کھانا پکنے سے پہلے اس کا کھانا حدث نہیں ہے تو آگ میں پکنے کے بعد بھی کھانا حدث نہیں ہونا چاہیئے اور اپنے اصلی حکم میں کوئی تغیر نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی قیاس و نظر کا تقاضا ہے اور یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول بھی ہے۔

ما مست النار سے وضوء کی حکمتیں اور فائدے

(۱) ابن مہلب نے شرح البخاری میں لکھا ہے کہ اوائل میں اہل عرب نظافت اور طہارت کے زیادہ عادی نہ تھے پانی کی بھی قلت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما مست النار سے وضوء کا حکم اس لیے دیا کہ ان کو طہارت اور نظافت کی عادت پڑ جائے (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۵)

(۲) امام شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آگ چونکہ غضب خداوندی کی مظہر ہے لہٰذا آگ پر پکائی ہوئی چیز کے بعد تبرید الماء (الوضوء) مناسب ہے (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۰)

(۳) حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے تو جو چیز آگ پر پکے گی تو اس میں لامحالہ کچھ نہ کچھ اثرات ناریہ ہوں گے تو بذریعہ وضوء اس کا ازالہ کیا گیا تاکہ مشابہت نہ رہے (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۸۱)

(۴) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد انسان کو ارتفاق کامل (انتفاع کامل) حاصل ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ فرشتوں سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کھاتے پیتے نہیں تو

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الْمَرْأَةِ

۱۷۶- عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ وَطَارِقِ بْنِ شِهَابٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی (اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ) قَوْلًا مَعْنَاهُ مَا دُوْنَ الْجِمَاعِ - رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ وَقَالَ هٰذَا اِسْنَادٌ مَوْصُوْلٌ صَحِیْحٌ۔

باب- عورت کے چھونے سے وضو ۱۷۶- ابو عبیدہ اور طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔)

کا معنی، جماع سے علاوہ چھونا ہے۔

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد متصل اور صحیح ہے۔

اس موقع پر شریعت نے وضو کا حکم دیا تاکہ فرشتوں سے جو مشابہت کٹ گئی ہے وہ عود کر آئے ماست افاد سے وضو کی یہ حکمتیں ہیں تب بھی جب واجب اور غیر منسوخ تھا اور اب بھی جب مستحب ہے۔

۱۷۶ تا ۱۸۱- مس المرأۃ، ان مسائل میں سے ہے جو فقہاء کرام اور ائمہ متبوعین کے درمیان معرکۃ الآراء رہا ہے مس المرأۃ ناقض الوضوء ہے یا نہیں اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے

بیانِ مذاہب (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک مس المرأۃ مطلقاً ناقض الوضوء ہے خواہ مس بشہوۃ ہو یا بغیر شہوت کے ہو، خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو محرم ہو یا غیر محرم، سب کو شامل ہے بعض روایات میں امام شافعیؒ کی یہ بھی منسوب ہے کہ اگر محرم نے مس مرأۃ کا ارتکاب کر لیا مثلاً اپنی والدہ سے ہاتھ ملایا یا کوئی عورت بیمار تھی اس کی نبض دیکھی یا چھوٹی اور معصوم بچی کے سر پر دست شفقت رکھا تو وضو ٹوٹ جائے گا مگر سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ فرماتے تھے کہ یہ روایات شاذ ہیں اور خود شوافع حضرات بھی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ البتہ قول مشہور میں امام شافعیؒ سے اجنبیہ اور مشتہاۃ عورت ہونے کی شرط منقول ہے امام احمدؒ کی ایک روایت امام شافعیؒ کی طرح منقول ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ امام اوزاعیؒ اور امام اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مس مرأۃ میں وضو ہے امام مالکؒ کا یہ مسلک بدایہ ج ۱ ص۳۹ امام شافعیؒ کا شرح المہذب ج ۱ ص۲۲ امام احمدؒ کا مغنی لابن قدامہ ج ۱ ص۱۴۱ میں بھی لکھا ہے۔

امام احمدؒ (فی روایۃ) اور امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ مس بشہوۃ ناقض ہے مس بغیر شہوت کے ناقض

۱۷۷۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ قُبْلَۃُ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَہٗ وَجَسُّھَا بِیَدِہٖ مِنَ الْمُلَامَسَۃِ فَمَنْ قَبَّلَ اِمْرَاَتَہٗ اَوْ جَسَّھَا بِیَدِہٖ فَعَلَیْہِ الْوُضُوْءُ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ فِی الْمُوَطَّا وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۱۷۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے "مرد کے لیے اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے اپنا ہاتھ لگانا، یہ ملامستہ سے ہے، تو جو کوئی اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اسے اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو لازم ہے۔
یہ حدیث مالک نے موطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نہیں ہے۔

۲۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ صحابہؓ میں حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں عطاؒ اور طاؤسؒ کا مسلک ہے کہ قبلۃ الرجل امرأتہ وجسھا بیدہ واو لمسھا بیدہ سے وضو نہیں ٹوٹتا (نیل الاوطار ج ا ص۲۱۶) سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے (ترمذی ج ا ص۲۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور جوابات

(۱) باب کی پہلی دو روایات ۱۷۶ اور ۱۷۷ سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں مگر یہ دونوں روایات موقوفات صحابہ ہیں جن کو امام مالکؒ نے موطا ص۱۴ بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ا ص۱۲۴ اور مصنف عبدالرزاق اور ابن شیبہ میں نقل کیا گیا ہے۔

حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں یہ موقوف روایات ہیں جو مرفوع احادیث کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں باقی روایات کی مناسب تاویل کرلی پڑتی ہے۔

۲۔ قرآن پاک میں اِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا (الآیۃ) آئی ہے شوافع حضرات اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں آیت میں لٰمَسْتُمُ النساء سے لمس بالید مراد ہے اس کا حقیقی معنیٰ بھی یہی ہے جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے تو صیرورت الی المجاز نہیں ہے۔

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے جماع سے۔ یہاں حقیقت پر عمل کرنا متعذر ہے وجہ یہ ہے کہ (الف) لمستم باب مفاعلہ سے ہے جو فعل کے صدور میں طرفین کی مشارکت کا متقاضی ہے جب کہ یہ معنی مجامعت میں متحقق ہوسکتا ہے (ب) قرآن میں جہاں بھی لفظ لمس یا مس عورتوں کی طرف منسوب ہو کر آیا ہے اس سے جماع ہی مراد ہے مثلاً وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن الآیۃ، لاجناح علیکم ان طلقتم النسا

۱۷۸ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

---

۱۷۸ ـ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور

مالم تمسوھن (د) علماء امت کا اتفاق ہے کہ تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی کے قول کو ترجیح حاصل ہے اور کیوں نہ ہو کہ ان کے لیے حضور نے اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل کے الفاظ کے ساتھ دعا کی تھی (سبل السلام ج ۱ صفحہ نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۱۰) خود امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس کا یہ تفسیری قول نقل کیا ہے قال ابن عباس الملامسة والملمس والمس والافضاء والدخول نکاح (تحفة الاحوذی ج ۱ صفحہ)

(ن) امیر یمانی لکھتے ہیں کہ اگر قرآنی آیت سے مراد لمس بالید ہو تو بعد از جنابت تیمم کا مسئلہ قرآن سے ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی حدث اصغر ہے بخلاف اس کے کہ اگر اس سے مراد جماع ہو تو حدث اکبر میں تیمم کا مسئلہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہو جاتا ہے۔

۲۔ یہ حضرات ترمذی کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کا بوسہ لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا فامرہ ان یتوضأ ویصلی (ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۳۶) اس سے پتہ چلا کہ قبلہ ناقض وضوء ہے جو مس مرأة ہی کی صورت ہے علماء احناف نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں (۱) خود امام ترمذی نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے ھذا حدیث لیس اسنادہ بمتصل پھر منقطع روایت کو مستدل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

(ب) قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا کہ پہلے یہ شخص باوضوء تھا اور پھر قبلہ سے اس کا وضوء ٹوٹ گیا حضور کا مقصد یہ تھا کہ جس بات کو تم دہرا رہے ہو اسے چھوڑ دو، وضوء کرو اور نماز پڑھو (نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۱۵)

(ج) امام زیلعی فرماتے ہیں کہ حضور کا حکم وضوء کے لیے نقض وضوء سے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ وضوء کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں ان الحسنات یذھبن السیئات۔

حنفیہ کے دلائل

(۱) اسی باب میں حدیث (۸) احنفیہ کا قوی مستدل ہے جسے امام بخاری نے ج ۱ صفحہ باب التطوع خلف المرأة میں نقل کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ سے واضح ہے اس میں تصریح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو مجھے غمز کرتے تھے یعنی چھوتے اور قدم سے دباتے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں اذا اراد ان یسجد غمز رجلی ثم سجد اس میں تصریح ہے حضور

وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۶۹۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی جگہ ہوتے تھے۔ پس جب آپ سجدہ کرتے، مجھے چھوتے، تو میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی، پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو میں انہیں پھیلا دیتی، اور گھروں میں ان دنوں چراغ نہیں تھے۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۱۶۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، میں نے ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا، میں نے آپ کو تلاش کیا، تو میرا ہاتھ آپ کے مبارک قدموں کے تلوؤں پر لگا، آپ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے، آپ کے دونوں قدم مبارک کھڑے تھے، آپ فرما رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔

(اے اللہ! میں آپ کی رضا کے ساتھ آپ کی ناراضگی سے اور آپ کی معافات کے ساتھ آپ کی سزا سے، اور آپ کے ساتھ آپ سے پناہ مانگتا ہوں، میں آپ کی ثنا اس طرح نہیں کر سکتا جیسے آپ نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے پاؤں کا غمز کرتے تھے چھوتے تھے اور تجدید وضو کی کوئی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔

۲۔ دوسری حدیث ۱۶۹ بھی سیدہ عائشہؓ کی روایت ہے مضمون حدیث کو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے اس میں تصریح ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا ہاتھ حضورؐ کے بطن قدم پر لگا اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہے معلوم ہوا کہ مس المراۃ ناقض الوضوء نہیں۔ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس میں یہ تاویل کرنے کی کوشش کی کہ ممکن ہے کہ حضورؐ کے پاؤں ننگے نہ ہوں مگر امیر یمانیؒ اور قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو

۱۸۰۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاِنِّيْ لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوْتِرَ مَسَّنِيْ بِرِجْلِهٖ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۸۰۔ قاسم سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اور میں آپ کے سامنے جنازہ کی طرح پڑی ہوتی تھی، یہاں تک کہ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنے پاؤں مبارک سے چھوتے"

یہ حدیث نسائی نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول کرنا یا یہ کہنا کہ پاؤں پر پردہ تھا بعید ہے اور ظاہر کے منافی ہے۔

(سبل السلام ج ۱ ص۹۸، نیل الاوطار ج ۱ ص۲۱۳)

۳۔ اسی باب کی روایت ۱۸۰ بھی حنفیہ کا مستدل ہے اس کا مضمون بھی وہی ہے جو روایت ۱۷۸ کا ہے اس روایت کو امام نسائیؒ نے "ترک الوضوء من مس الرجل امرأته" میں نقل کیا ہے حضرت عائشہؓ کی حدیثیں مختلف سندوں کے ساتھ پیش کی ہیں۔

۴۔ اسی باب کی روایت نمبر ۱۸۱ جس کا مضمون واضح ہے کان یقبل بعض نسائه ثم یصلی ولا یتوضأ (نصب الرایہ ج ۱ ص۷۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رواته ثقات (الدرایہ ص۲۰)

۵۔ قاضی شوکانیؒ طبرانی فی الصغیر کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ کا ارشاد ہے ایک مرتبہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں تھے مجھے خیال گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لونڈی ماریہؓ کے پاس چلے گئے ہیں جب میں نے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے میں نے اپنا ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں گھسیڑا مقصد یہ تھا کہ دیکھ لوں کہ آپؐ نے کہیں غسل تو نہیں کیا؟ فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قد اخذك شیطانك یا عائشه حضورؐ بدستور نماز پڑھتے رہے اور وضو نہ کیا معلوم ہوا کہ مس امراۃ ناقض وضو نہیں۔

۶۔ ترمذیؒ میں سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے انه علیه السلام قبل بعض نسائه ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ قال قلت من هی الا انت فضحکت۔ (ترمذی ج ۱ ص۱۳)

۱۸۱۔ وَعَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۱۸۱۔ عطاء نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں فرماتے تھے۔
یہ حدیث بزار نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۱ اور اس کا مضمون واضح ہے یہ اس باب میں نص صریح ہے کہ قُبلہ ناقض الوضوء نہیں ہے مگر اس حدیث پر متعدد اعتراضات کیے گئے ہیں حنفیہ حضرات نے ان کا تفصیل سے جواب دیا ہے ذیل میں اجمالاً اعتراضات اور ان کے جوابات درج کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس روایت کی سند میں حبیب ابن ابی ثابت نے عروہ سے سماعت نہیں کی جیسا کہ امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے لہذا یہ روایت منقطع ہے جو قابل استدلال نہیں حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں روی حبیب بن ابی ثابت عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ حدیثاً صحیحاً
(ابوداؤد ج ۱ ص۲۲)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عروۃ نے حضرت عائشہؓ سے سماعت نہیں کی جیسا کہ علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ ج ۱ ص۷۲ میں لکھا ہے لہذا یہ روایت منقطع ہے مگر درحقیقت یہ ایک مغالطہ ہے دراصل جھگڑا عروۃ کی تعیین میں ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں عروۃ المزنی بھی آیا ہے مگر وہ روایت صحیح نہیں اگر عروۃ سے مراد عروۃ المزنی ہی ہوں تو یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سماعت نہیں کی ہے اور اگر عروہ بن الزبیرؓ ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عروہ بن زبیرؓ ہی ہیں تو ان کی روایت عن عائشہؓ ثابت اور قطعی ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عقلاً بھی عروۃ کا عروۃ بن الزبیرؓ ہونا ثابت ہے کیونکہ وہ سیدہ عائشہؓ کے محرم اور حقیقی بھانجے ہیں ان کی تربیت اور تعلیم سیدہ عائشہؓ سے ہے (الدرایۃ ص۲۲) عروۃ المزنی غیر محرم تھے ان کا سیدہ عائشہ سے من ھی الا انت جیسی بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال عروۃ سے، عروۃ بن الزبیرؓ ہی متعین ہیں مولانا سہارنپوری نے (بذل المجہود ج ۱ ص۱۰۷) میں اس پر ساٹھ دلائل قائم کیے ہیں کہ عروہ سے مراد عروہ بن الزبیرؓ ہی ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے جس عروہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے وہ عروہ بن زبیرؓ ہیں جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماءؓ کے فرزند ہیں چوں کہ

حضرت عائشہؓ کی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے انہوں نے اپنے بھانجے حضرت عروہ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا حضرت عروہ بوجہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے و متبنیٰ اور قریب ترین رشتہ دار ہونے کے اور پھر ہر وقت ساتھ رہنے کے علوم عائشہؓ کے حافظ ہو گئے تھے۔ اعلم الناس بعلوم العائشۃ العروۃ بن الزبیر۔ حضرت عائشہؓ کے علوم بحر ناپیداکنار ہیں خوش نصیب ہیں حضرت عروہ جو شب و روز حضرت عائشہؓ کی خدمت میں رہ کر بحر علوم میں غوطہ زن رہے اور پھر علوم عائشہؓ میں اس قدر تخصص و امتیاز حاصل کر لیا کہ اب جب کبھی حضرت عائشہؓ کے تلامذہ میں عروہ مطلقاً مذکور ہو تو مراد ابن زبیر ہی ہوتے ہیں۔ جیسے عبادلہ جب عبداللہ مطلقاً مذکور ہو تو مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔

فتنۂ انکار حدیث کا شاخسانہ

منکرین حدیث اور جدید ماڈرن طبقہ کے بعض افراد اس حدیث پر اور ایسے مضامین پر مشتمل دیگر احادیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ کا یہ روایت کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یہ حیاء کے خلاف ہے پھر حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہؓ کا یہ سوال کہ ھل ھی الا انت اس سے بھی زیادہ خلاف حیاء ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور عروہ سے ایسی گفتگو سرزد نہیں ہو سکتی یہ بے حیائی کی باتیں ہیں اور ان کا دامن اس سے پاک ہے بقول اُن کے یہ بھی سازش ہے جو احادیث رسولؐ میں در آئی ہے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے اس کا مفصل اور حکیمانہ جواب دیا ہے ذیل میں ان ہی کی تقریر پیش خدمت ہے۔

عروہ کا سوال اور اس کی صحیح توجیہ

اشکال یہ ہے کہ حضرت عروہ کا ام المؤمنینؓ حضرت عائشہؓ کے سامنے اس انداز سے سوال کرنے کا منشا کیا ہے بظاہر ایسا انداز گفتگو سوء ادب کو مستلزم ہے تو جواب یہ ہے کہ دراصل یہ مسئلہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے کہ آیا مس المرأۃ ناقض الوضوء ہے یا نہیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے "قبل بعض نسائہ" سے تقبیل بعض ازواج پر تصریح کر دی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ تقبیل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا وضو نہیں بنایا تو اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) حضرت عائشہؓ خود صاحب واقعہ ہوں اور تقبیل بعض ازواج کا مصداق آپ خود ہی ہوں تو بات قطعی اور یقینی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ کو تو پیش نہ آیا ہو البتہ امہات المؤمنینؓ میں سے کسی ایک سے سنا ہو اور پھر اسی واقعہ کو نقل فرما دیتی ہوں۔ تو یہ خبر واحد بن گئی جو ظنی ہے جس سے ایک یقینی اور قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو حضرت عروہ "من ھی الا انت" کا سوال کر کے مختلف فیہ مسئلہ کی اصل روح تک رسائی حاصل کر کے اس سوال سے حضرت عائشہؓ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ ہی صاحب واقعہ ہیں تو یہ بات قطعی ہے اور اس میں کسی بھی جانب مخالف کا احتمال نہیں ہے

لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبلہ ناقض الوضوء ہے تو ان کے اس قول کا بوجہ بے دلیل ہونے کے کوئی اعتبار نہیں۔
۔ باقی رہا سوءِ ادب کا اشکال، تو اسے ایک تمثیل کے ذریعہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک طالب علم جو اپنے
استاد اور شیخ کا شب و روز بلکہ ہمہ وقت بے تکلف خادم ہمنشیں واقف کار اور مزاج شناس بن چکا ہے
جب شیخ نے اس طالب علم کے سامنے اپنے استاد سے سنی ہوئی کوئی ایسی روایت نقل کر دی جس میں اسے
اپنے شیخ سے اختصاص حاصل تھا تو طالب علم نے اپنے شیخ سے وہ روایت سنتے ہی بڑی بے تکلفی سے کہہ
ڈالا کہ حضرت! اس روایت میں اپنے شیخ کی توجہ و عنایت کا یہ منفرد مقام تو آپ ہی کو حاصل ہے آپ ہی اپنے
شیخ کے خصوصی مذاق شناس اور منظورِ نظر تھے دوسرے کا یہ مقام کہاں؟ حضرت عروہ بھی چونکہ ام المومنین
حضرت عائشہؓ کے ایک مخلص خادم لاڈلے بھانجے اور عزیز متبنّٰی تھے اس لیے بے تکلفی سے "من هی
الا انت" سے یہ کہہ ڈالا کہ یہ اختصاص اور تفوق تو آپ ہی کو حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ ازواج مطہرات میں سب
سے زیادہ محبوبیت کا مقام آپ ہی کو حاصل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پس منظر میں یہ دریافت کرنا چاہا کہ آیا
خبر قطعی ہے یا ظنی؟ "فضحكت" چونکہ ضحک جو ایک گونہ اعتراف و اقرار کی علامت ہے جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے
کہ واقعہ کے قطعی ہونے میں کسی قسم کے ارتیاب اور شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اور ممکن ہے کہ ام المومنین
حضرت عائشہؓ کو اس سوال سے تکدر ہوا ہو مگر انہوں نے بجائے غصہ و غضب کے ضحک میں اپنے قلبی تکدر کو چھپا
لیا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بعض اوقات طالب علم کے کسی بے جا سوال پر استاد کو سخت غصہ آ جاتا ہے مگر طالب علم
کا اخلاص اس کے ہمہ جہتی صفات اور خود سوال کا منشا استاد کے لیے اظہار غصہ سے مانع بن جاتے ہیں اور
وہ غصہ کو ہنسی میں ضبط کر لیتا ہے تو یہاں بھی کچھ ایسی ہی بات ہے کہ حضرت عروہؓ کے سوال کی وجہ سے منشاء سوال کی
عظمت کے پیش نظر ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی اپنی کبیدہ خاطری کو ہنسی خوشی ضبط کر لیا۔

منکرینِ حدیث کا ایک بے جا اعتراض

بعض لوگ جن کے باطن نورِ ایمان سے خالی اور خباثت و انکارِ حدیث میں غالی ہیں ایسی احادیث کا مذاق اڑاتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نوع کی احادیث کا مضمون اخلاق و شرافت کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ
اپنے مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی "عقل" کو معیار قرار دے کر انکارِ حدیث کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ اگر
غور کیا جائے تو اس میں نہ تو کوئی قباحت ہے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز موجود ہے جسے اخلاقی معیار اور شرافت
کے اعتبار سے گرا ہوا قرار دیا جا سکے بلکہ اس سوال سے تو حضرت عروہؓ اپنی ایک گونہ فضیلت نسبتی شرافت اور
فضل و برتری کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ مجھے ازواج مطہرات میں ایسی ام المومنین کے تلمیذ بلکہ بھانجہ ہونے کا
شرف حاصل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب اور قریب ترین تھیں جسے ہر موقع پر نبی کریم

بَابُ التَّيَمُّمِ

۱۸۲ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِيْ فَأَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوْا عَلٰى

باب تیمم ۱۸۲ - ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفر میں ہم آپ کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ جب ہم بیداء یا ذات الجیش میں تھے، تو میرا ہار ٹوٹ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلاش کرنے کے لیے پڑاؤ کیا۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑاؤ کیا اور وہ پانی کے پاس نہ تھے تو لوگوں نے

صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و اختصاص کا ایسا مقام حاصل تھا جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ نیز ایسی جرأت و جسارت بھی وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ازواج مطہرات کی ناز برداری حاصل ہو ورنہ کیا مجال کہ غیر محرم یا پرائے لوگ ادھر نگاہ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ اور اس وقت تو ازواج مطہرات کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جب صحابہ کرامؓ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ہاں مسائل دریافت کرنے تشریف لے جاتے تھے تو درمیان میں حائل پردہ موجود رہتا تھا۔ اگر کہیں سامنا ہو جاتا تو سب کی نگاہیں جھک جایا کرتی تھیں۔ فاروقی دور حکومت میں جب امہات المؤمنینؓ نے حج پر جانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اخراجات سے سب کو حج کرایا۔ حجاج کا یہ قافلہ جس میں ازواج مطہرات بھی شریک تھیں جب روانہ ہوا تو امہات المؤمنینؓ کو قافلہ کے عام افراد سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر الگ رکھ کر لایا جا رہا تھا۔ نیز حضرت عمرؓ کا اہل قافلہ کو یہ حکم تھا کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہودج (کجاوہ) مبارک جس جانب بھی جا رہا ہو اس جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے اور روایت میں ہی ہے کہ کسی نے بھی ہودج پر نظر اٹھانے کی جرأت نہیں کی اور یہ جرأت کسی سے کیسے ہو سکتی تھی۔ قرآنی بے تکلفی سے مومن کی ادائے ... کہہ دینے والا پرایا نہیں تھا اور نہ ہی ہو سکتا تھا بلکہ اپنا تھا۔ اپنا پروردہ، عزیز، بھانجا اور جنتی تھا۔ (حقائق السنن ج ۱ صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰)

۱۸۲ تا ۱۹۱ - واقعہ حدیث اور آیت تیمم کا نزول

باب کی پہلی روایت ۱۸۲ میں حکم تیمم کے شان نزول کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے جسے امام بخاریؒ نے ج ۱ صفحہ ۴۸ میں نقل کیا ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ ہم کسی سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب ہم بیداء یہ بیداء وہی ہے جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے لوذیؒ سے سہو ہو گیا کہ اس کو خیبر کے قریب کہہ دیا

مَآءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَلَيْسَ
مَعَهُمْ مَآءٌ فَجَآءَ اَبُوْبَكْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ
قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَلَيْسَ
مَعَهُمْ مَآءٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ
بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَآءٍ فَاَنْزَلَ
اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ
يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

ابوبکر صدیقؓ کے پاس آکر کہا کیا تم نہیں دیکھتے جو عائشہؓ نے کیا ہے؟ لوگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرا
لیا ہے، جب کہ نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے۔" ابوبکرؓ آئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میری ران پر سر مبارک رکھ کر سو چکے تھے، ابوبکرؓ نے کہا "تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا ہے
جب کہ نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا مجھے ابوبکر
صدیقؓ نے ڈانٹا اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہا، اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں کچوکے مارنے لگے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے میری ران پر ہونے نے ہی مجھے ہلنے سے روکے رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے
بغیر ہی صبح کر بیٹھے ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، پھر لوگوں نے تیمم کیا، اُسَید بن حُضیرؓ نے کہا
اے آل ابوبکرؓ! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (یعنی امت مسلمہ پر تمہاری بے شمار برکات ہیں) ام المومنینؓ نے
کہا پھر ہم نے وہ اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار اس کے نیچے سے پا لیا۔
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

فتح الملہم (ص ۳۰۳) یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا وہیں ہار کی تلاش کے لیے صبح
کی روشنی کا انتظار تھا اس لیے وہیں قیام کرنا پڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی وجہ سے صحابہ کرامؓ بھی رک گئے۔
صبح کی نماز کا وقت آگیا قریب میں کہیں بھی پانی نہ تھا کہ وقت کے اندر وضو کر کے نماز پڑھ سکیں اس کی وجہ سے
سب کو پریشانی ہوئی یہ واقعہ میری وجہ سے پیش آیا تھا اس لیے کچھ حضرات نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شکایت

۱۰۴۳۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْنِيْ

۱۰۴۳۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہوئے، تو دیکھا کہ ایک شخص علیحدہ ہے اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تو آپ نے فرمایا: اے فلاں شخص! تجھے لوگوں کے ساتھ پڑھنے سے کس نے روکا ہے؟ اس نے

کی کہ الا تری ما صنعت عائشۃ آپ کو معلوم ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا! جب میرے والد یہ شکایت سن کر میرے پاس آئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سو رہے تھے انہوں نے مجھ پر غصہ کیا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچے دیے میں ضرور تڑپتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اپنی ران پر ہونے کی وجہ سے ہل نہ سکی چنانچہ جب آپ صبح کو اٹھے تو وہاں پانی موجود نہ تھا فانزل اللہ اٰیۃ التیمم یہ سفر غزوۂ مریسیع کا تھا جس کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہا جاتا ہے اس قصہ تیمم میں حضرت اسید بن حضیر جوان لوگوں کے امیر تھے جنہیں ہار ڈھونڈنے کے لیے بھیجا گیا تھا واپس آکے یہ کہا کہ ما ھی باول برکتکم گویا انہوں نے صحیح قدر پہچانی۔

باقی رہی یہ بات کہ آیت سے مراد کونسی آیت ہے سورۂ مائدہ کی یا نساء کی بعض حضرات نے اگرچہ آیت نساء مراد لی ہے مگر راجح قول یہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ انہوں نے تو ترجمۃ الباب ہی میں متعین کر دیا ہے کہ اس سے مراد سورۂ مائدہ کی آیت ہے بخاری ہی کی بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ یہ آیت سورۃ مائدہ کی ہے — بعض لوگوں نے آیت نساء مراد لی ہے اس جگہ بہر حال تحت تخلیص اشکال ہے ابن عربی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں اس پر ... ہے ھذہ معضلۃ ما وجدت لداءھا دواء اس کا حل اور تفصیلی بحث فضل الباری ج ۲ صفحہ ... میں ملاحظہ کرلیں۔

باب ہذا کی دوسری حدیث (۱۰۴۳) بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح ج ۱ صفحہ ... میں تفصیل سے نقل کی ہے مضمون حدیث ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اذا ھو برجل معتزل اس شخص کا نام معلوم نہیں ہوا کچھ حضرات نے کہا کہ یہ خلاد بن رافع تھا مگر خلاد رضی اللہ عنہ تو بدر میں شہید ہو چکا تھا جب کہ یہ واقعہ بدر کے بعد پیش آیا تھا ان ما منعک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے لوگوں کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی وجہ دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ اگر

جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

۱۸۴ - وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

کہا مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اور پانی نہیں، آپ نے فرمایا "تمہارے لیے مٹی ہے اور وہ تمہیں کافی ہے" (یعنی تیمم کرو اور نماز پڑھو)۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۱۸۴۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمیں دوسری امتوں سے تین چیزوں کی فضیلت عطا کی گئی ہے، ہماری صفوں کو فرشتوں کی طرح قرار دیا گیا ہے اور ہمارے لیے تمام روئے زمین مسجد بنا دی گئی ہے (یعنی ہم ہر جگہ نماز ادا کر سکتے ہیں، جب کہ پہلی امتوں کے عبادت خانے مخصوص تھے) اور جب ہم پانی نہ پائیں تو زمین کی مٹی ہمارے لیے طہور بنا دی گئی ہے"۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کوئی شخص بلا وجہ نماز میں شرکت نہ کرے تو اس کو ٹوکنا جائز ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ٹوکا۔ اس نے جواب میں عرض کیا کہ مجھ کو نہانے کی ضرورت درپیش ہے اور پانی نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علیك بالصعید فانه یکفیك مٹی لے لے وہ تجھ کو کافی ہے یعنی اگر پانی میسر نہیں ہے تو مٹی سے تیمم کرلو کیونکہ یہ پانی کا بدل ہے اور پانی ہی کا کام دے گا۔

تیمم یعنی تلویث تراب سے تیمم کی حکمتیں

اب سوال یہ ہے کہ مٹی اور تطہیر میں کیا مناسبت ہے بظاہر مٹی ملوث ہے اور مفضی الی التلوث ہے۔ جب کہ شریعت نے اسے مطہر قرار دیا ہے سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ نے اس سوال کے جواب میں مفصل حکیمانہ کلام کیا ہے وہی نذر خدمت ہے

تیمم یعنی تلویث تراب سے تطہیر کی حکمتیں

اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ مٹی اور تطہیر میں کیا مناسبت ہے بظاہر مٹی ملوث ہے اور مفضی الی التلوث ہے جب کہ شریعت نے اسے مطہر قرار دیا ہے تو جواب یہ ہے کہ (۱) انسان کی تخلیق عناصر اربعہ سے ہوئی ہے جس میں غالب

۱۸۵ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ
ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ أَنْ أَغْتَسِلَ فَأَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي الصُّبْحَ
فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ
وَأَنْتَ جُنُبٌ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي مَنَعَنِي مِنَ الْاِغْتِسَالِ وَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُولُ وَلَا
تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ
يَقُلْ شَيْئًا - رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ -

---

۱۸۵ - حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہوگیا، میں ڈرا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہوجاؤں گا۔ میں نے تیمم کرکے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، آپ نے فرمایا "اے عمرو! تم نے جنبی ہوتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی" تو میں نے آپ کو وہ بات بتادی جس نے مجھے غسل سے روکا، اور میں نے عرض کیا، بلاشبہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک کو سنا کہ انہوں نے فرمایا "اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نہایت رحم کرنے والا ہے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ فرمایا۔
یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

عنصر ارضی ہے۔ ارض کو اگر نجاست لاحق ہوتی ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے جب ایک انسان ناپاک ہوجاتا ہے اور طہارت کے لیے پانی نہیں پاتا تو (عند الحسرة والمصيبة كل شئ يرجع الى اصله) کے پیش نظر انسان اپنے اصل غالب کو رجوع کرتا ہے کہ وہ ارض ہے، اپنے اصل یعنی مٹی کو رجوع کرنے سے گویا خود کو مٹی ہونا ظاہر کرتا ہے چونکہ مٹی درجہ ذات میں پاک ہے تو جو شخص رجوع الی الارض کرکے خود کو مٹی بنادے لہٰذا اس پر بھی طہارت کا حکم لگا دیا جائے گا۔

(۲) تخلیق انسان کا واحد مقصد اور علت غائی عبدیت ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ
چونکہ مقصود بالذات علت غائی ہوتی ہے لہٰذا جس چیز میں علت غائی کا تحقق ہوتا ہے وہ چیز بھی محبوب و مقرب بن جاتی ہے، عبدیت کا ضد کبر ہے جس کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں مذکور ہیں (الكبرياء ردائي فمن نازعني القيته في النار الحديث) يحشر المتكبرون يوم القيامة امثال الذر في صور الناس تو کبر و غرور ایک قسم کی نجاست ہے جب بندہ اس سے ملوث ہوجاتا ہے تو اس کا ازالہ اس کی ضد تواضع و عبدیت سے کیا جاتا ہے

۱۸۶۔ وَعَنْ عَمَّارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ فِي الْقَوْمِ حِيْنَ نَزَلَتِ الرُّخْصَةُ فِي الْمَسْحِ بِالتُّرَابِ إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ فَأَمَرَنَا فَضَرَبْنَا وَاحِدَةً لِلْوَجْهِ ثُمَّ ضَرْبَةً أُخْرٰى لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الدِّرَايَةِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۱۸۶۔ حضرت عمارؓ نے کہا ہمیں پانی نہ ملنے کی صورت میں جب مٹی کے ساتھ تیمم کی رخصت نازل ہوئی تو میں بھی لوگوں میں موجود تھا، حکم دیا گیا، ہم نے ایک بار ہاتھ زمین پر مارے چہرے کے لیے پھر دوسری بار دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔

یہ حدیث بزار نے نقل کی ہے، حافظ نے درایہ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

جس کی ایک صورت قصداً لصعید الطیب کی ہے کہ خود کو مٹی سے آلودہ کرلے، یہ تواضع ہے جو عین عبادت ہے اور عبادت چونکہ علت غائی ہے جو مٹی سے تلوث (تیمم) میں متحقق ہوگئی ہے لہٰذا تلوث ارض بھی خدا کے نزدیک محبوب ہے انسان تیمم سے پہلے بوجہ تلوث نجاست کے مبغوض تھا اب علت غائی کے تحقق سے محبوب ہوگیا اور نجاست زائل ہوگئی۔

(۳) استعمال تراب یعنی تیمم کا مطہر ہونا قیاس کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے وجہ یہ ہے کہ عناصر اربعہ میں انتہائی ذلیل عنصر مٹی ہے۔ عناصر میں جونسا عنصر بھی جس قدر زیادہ لطیف ہے اسی قدر زیادہ صاف بھی ہے اور اس کی منفعت بھی زیادہ ہے اور ان سے انسانی احتیاج بھی زیادہ وابستہ ہے بخلاف عنصر کثیف کے کہ وہ لطیف بھی کم ہے اور اس کی منفعت بھی کم ہے اور دیگر عناصر کی نسبت زیادہ کثیف ہے ان کو احتیاج بھی کم ہے مثلاً مٹی جو دیگر عناصر کی نسبت تو پانی ہوا اور نار کی نسبت انسانی احتیاج بھی اس کو کم ہے مٹی سے زیادہ لطیف عنصر پانی ہے جو ہمیں گھٹے اگر انسان کو پانی میسر نہ ہو تو بے حد کلفت ہوتی ہے مٹی کی نسبت اس کو انسانی احتیاج زیادہ ہوتا ہے پانی سے زیادہ لطیف عنصر ہوا ہے چند لمحے میسر نہ ہو تو سانس گھٹ جاتا ہے اور انسان مر جاتا ہے پانی کی نسبت ہوا کو انسانی احتیاج زیادہ ہے۔ نار (حرارت غریزی) ان سب عناصر سے زیادہ لطیف ہے اگر ایک سیکنڈ کے لیے بند ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے دوران خون حرکت قلب سب اسی پر موقوف ہے اس کو سب عناصر سے زیادہ انسانی احتیاج ہوتی ہے۔ انسان عبد ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد عبدیت ہے انتہائی عجز و نیاز اور انتہائی تذلل کو عبدیت کہتے ہیں۔ عبادت کے وقت انسان کو انتہائی عجز و نیاز اور انتہائی

۱۸۷۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ۔

۱۸۷۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیمم ایک بار ہاتھوں کو زمین پر مارنا ہے، چہرہ کے لیے اور ایک بار بازوؤں کے لیے کہنیوں سمیت"۔
یہ حدیث دارقطنی اور حاکم نے نقل کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تذلل کا مظاہرہ کرنا چاہیئے چونکہ پانی کو اللہ رب العزت نے طہور بنایا ہے جب پانی موجود نہیں تو عناصر میں صرف مٹی ہی ایک ایسی جنس ہے جو سب سے زیادہ حقیر اور عجز و نیاز کی مظہر ہے تو تیمم میں جب انسان مٹی اٹھا کر منہ پر ملتا اور ہاتھوں پر لگاتا ہے اور مٹی سے ملوث ہو کر خود کو بھی حقیر مٹی ظاہر کرتا ہے یہ عاجزی مسکنت اور تواضع کا مظاہرہ ہے۔ من تواضع للہ فقد رفعہ اللہ کے پیش نظر انسان کو بھی یہ رفعت حاصل ہوئی کہ استعمال تراب سے اس کی نجاست زائل کر دی گئی اور اسے طاہر قرار دے کر پاکان حق کے زمرہ میں داخل کر دیا۔

امت محمدیہ کی تین خصوصیتیں حدیث نمبر ۱۸۸ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب المساجد ج ۱ ص ۱۹۹ میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں اس امت کی تین خصوصیتیں اور خصوصی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں احادیث سے اور بھی خصوصیات اس امت کی ثابت ہیں یہ حدیث ان کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ اصول ہے ایک عدد ما پنے سے زیادہ کی نفی نہیں کرتا یہاں ان تین کی تخصیص خصوصیت مقام کی وجہ سے کی گئی ہے یا اس وقت وحی انہیں کے متعلق نازل ہوئی ہوگی لہٰذا ان تین خصوصیات کے بیان پر اکتفا کیا گیا جعلت صفوفنا کصفوف الملائکۃ یعنی نماز یا جہاد میں اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی شمار کی گئی ہیں جس طرح فرشتے صف بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جس کی بنا پر انہیں مقام قرب میسر ہے اسی طرح امت کو بھی جہاد یا نماز میں صف بندی کی وجہ سے مقام قرب حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے یہ امت سابقہ امتوں پر فضیلت دی گئی ہے کہ سابقہ امتوں میں صف بندی اور جماعت نہیں تھی وہ لوگ جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے۔

وجعلت لنا الارض کلھا مسجدا اس امت کے لوگوں کے لیے تمام زمین کو سجدہ گاہ قرار دیا گیا کہ

۱۸۸۔ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ اَصَابَتْنِیْ جَنَابَةٌ وَّاِنِّیْ تَمَعَّکْتُ فِی التُّرَابِ فَقَالَ اضْرِبْ هٰکَذَا وَضَرَبَ بِیَدَیْهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ بِیَدَیْهِ فَمَسَحَ بِهِمَا اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ۔ رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۱۸۸۔ حضرت جابرؓ نے کہا، ایک شخص نے آ کر کہا: مجھے جنابت لاحق ہو گئی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا تو انہوں نے کہا اس طرح مارو، اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پہ مار کر اپنے چہرے کا مسح کیا، پھر دونوں ہاتھ مار کر ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔ یہ حدیث حاکم، دارقطنی اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بندہ زمین کے جس پاک حصہ پر چاہے خدا کی بارگاہ میں جبین نیاز جھکا دے اور نماز ادا کر دے اس کی نماز قبول ہو جائے گی جب کہ پہلی امتوں کے لیے یہ سہولت نہیں تھی لوگوں کو اپنے عبادت خانوں کے علاوہ دوسری جگہ عبادت کی اجازت نہیں تھی وجعلت تربتها طهورا اس امت کے لیے تیمم کو جائز کر کے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر عظیم فضیلت عنایت فرمائی ہے یعنی اگر پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا پانی کے استعمال سے معذور ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے نماز جائز ہو جائے گی۔

تیمم مطلق جنس ارض سے جائز ہے

وجعلت تربتها طهورا سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تیمم صرف مٹی ہی سے کرنا چاہیئے اور کسی چیز سے تیمم کرنا درست نہ ہوگا امام شافعیؒ وغیرہ کا یہی مسلک ہے اور ان کا مستدل بھی حدیث کا یہی حصہ ہے۔ مگر حنفیہ حضرات سمیت، امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تیمم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو زمین کی جنس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو نہ تو آگ سے پگھلیں نہ نرم ہوں اور نہ جل کر راکھ ہوں جیسے مٹی، پتھر اور چونا وغیرہ ان حضرات کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے جعلت لی الارض مسجدا وطهورا (بخاری) یعنی زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے بعض حضرات نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ تیمم کے لیے ارض منبت اور غیر منبت کا فرق ہے یا بلا تفریق جنس تیمم جائز ہے حنفیہ حضرات کا مسلک ہے کہ مطلق جنس ارض سے جائز ہے چاہے زمین شور یا منبت ہو۔

لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف

تیمم تفعل کے باب سے ہے لغوی معنیٰ قصد کے ہوتے ہیں۔ تیممت فلانا ای قصدته امیر جانیؒ نے اس کی شرعی اور اصطلاحی تعریف یوں کی ہے و فی الشرع القصد الی الصعید بمسح الوجه والیدین لاستباحة

۱۸۹۔ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ التَّيَمُّمِ فَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ وَمَسَحَ بِهِمَا يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرٰى فَمَسَحَ بِهِمَا ذِرَاعَيْهِ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۸۹۔ نافعؒ نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تیمم کے بارہ میں پوچھا، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا، اور دوسری بار ہاتھ مارے تو ان کے ساتھ اپنے بازوؤں کا مسح کیا۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

الصلوٰۃ اوغیرھا (سبیل السلام ج ۱ صفحہ)

ضربات تیمم اور بیان مذاہب مسئلہ تیمم میں دو امور ائمہ مجتہدین اور علماء میں مختلف فیہ رہے ہیں (۱) تعداد ضربات، (۲) محل مسح یعنی مسح کہاں تک کیا جائے کفین یا رسغین تک یا مرفقین تک، محل مسح مثل کعب اور آباط کو بھی محیط ہے یا نہیں۔

(۱) ائمہ ثلاثہ سفیان ثوریؒ، امام ابن مبارکؒ اور جمہور حنفیہ ضربتین کے قائل ہیں فرماتے ہیں التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین۔

(۲) امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق بن راہویہؒ کا مسلک ہے کہ التیمم ضربۃ للوجہ والکفین۔

(۳) ایک غیر مشہور مسلک امام ابن سیرینؒ کا ہے فرماتے ہیں کہ تیمم میں ضربات ثلثہ واجب ہیں۔

جمہور کے دلائل (۱) عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے جسے مصنفؒ نے ۱۸۶ نمبر میں نقل کیا ہے جس میں تصریح ہے فضربنا واحدۃ للوجہ ثم ضربۃ اخرٰی للیدین الی المرفقین (ہدایہ ج ۱ صفحہ درایۃ صفحہ)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اخرجہ بزار باسناد حسن الدرایۃ صفحہ وتلخیص الحبیر صفحہ۔

(۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے قال التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین

امام نیمویؒ نے اس روایت کو ۱۸۸ نمبر میں درج کیا ہے اسی باب میں حضرت جابرؓ سے دوسری روایت ۱۸۰ ہے کہ ایک آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جنابت کی اصابت کا ذکر کرکے کہا انی تمعکت فی التراب پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اس طرح کرو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اپنے چہرے پر مسح کیا

۱۹۰۔ وَعَنْهُ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْجُرُفِ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالْمِرْبَدِ نَزَلَ عَبْدُ اللهِ فَتَيَمَّمَ صَعِيْدًا طَيِّبًا فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۹۰۔ نافعؒ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ (مقام) جرف سے واپس آئے یہاں تک کہ جب وہ (مقام) مربد میں نکلے، تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا، اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا ۔ یہ حدیث مالکؒ نے مؤطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

پھر دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت مسح کیا۔

امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد اور علامہ ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے (مستدرک ج ۱ صـ۱۸۰) بعض حضرات نے اس روایت کو موقوف قرار دینے کی کوشش کی ہے مگر محدثین حضرات کا قاعدہ ہے کہ جب کسی روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کا جھگڑا ہو اور اس کے رواۃ ثقہ ہوں تو عند الجمہور وہ مرفوع ہی ہوتی ہے (مقدمہ نوویؒ) اور اگر بالفرض اس حدیث کو موقوف بھی مان لیا جائے تب بھی حکماً مرفوع ہے کیونکہ تیمم ایک ایسی چیز ہے جس میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ صحابی جب کوئی ایسی بات بیان کرے جو مالا مجال للاجتهاد فيه ولا له تعلق ببيان لغة او شرح حديث (شرح نخبة الفكر صـ۶۵) یعنی اجتہاد کی جگہ میں نہ ہو تو وہ حکماً مرفوع ہوتی ہے (خزائن السنن ج ۱ صـ۱۲۸) حدیث جابرؓ پر موقوف ہونے کا اعتراض اور اس کے تفصیلی جوابات خزائن ج ۱ صـ۱۲۲ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں)

۲۔ حضرت نافعؒ نے ابن عمرؓ سے تیمم کے بارے میں روایت کیا انہوں نے دو ضربوں کے عمل سے تیمم کی تکمیل فرمائی یہ روایت بھی اسی باب میں ۱۸۹ پر درج ہے۔

علاوہ ازیں حاکمؒ اور دارقطنیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے عن النبي صلى الله عليه وسلم قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين (مستدرک حاکم ج ۱ صـ۱۷۹ دارقطنی ج ۱ صـ۱۸۰) بعض حضرات نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے اور اس کے ایک راوی علی بن ظبیان پر اعتراض کیا ہے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس موقوف روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ موقوف روایت مسئلہ مالا یدرک بالقیاس میں بمنزلہ مرفوع کے ہوتی ہے اور اس سے استدلال صحیح ہوتا ہے باقی رہا اس کے ایک راوی علی بن ظبیان

۱۹۱۔ وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَيَمَّمَ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ ضَرْبَةً فَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ ضَرْبَةً أُخْرٰى ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَلَا يَنْفُضُ يَدَيْهِ مِنَ التُّرَابِ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۹۱۔ سالمؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب تیمم کرتے، اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتے تو ان کے ساتھ اپنے چہرہ کا مسح کرتے، پھر دوسری بار دونوں ہاتھ زمین پر مارتے اور ان کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرتے، اور اپنے ہاتھوں کو مٹی کی وجہ سے جھاڑتے نہ تھے۔

یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

پر اعتراض کا مسئلہ تو وہ اس روایت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں بلکہ اس کے کثیر متابعات موجود ہیں۔

۴۔ حدیث نمبر ۱۹۰ اور ۱۹۱ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تیمم کے بارے میں ضربتان کا معمول منقول ہے۔

۵۔ تیمم وضو کا نائب اور خلیفہ ہے خلیفہ کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے گویا مسح الیدین فی التیمم یہ غسل الیدین فی الوضوء کا خلیفہ ہے وضو میں ہاتھوں کا مرفقین تک دھونا ضروری ہے تو تیمم کو بھی بطور نیابت کے مسئلہ وضو پر حمل کیا جائے۔

امام احمدؒ وغیرہ کے دلائل اور جوابات

(۱) حضرت عمارؓ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ بالتیمم للوجہ والکفین (ترمذی ج ۱ ص ۲۱)

امام بخاریؒ نے وجہہ وکفیہ کے الفاظ نقل کیے ہیں (بخاری ج ۱ ص ۴۸)

امام مسلمؒ نے فمسح وجہہ وکفیہ اور ایک روایت میں ثم تمسح وجہک وکفیک کے الفاظ سے روایات نقل کی ہیں (مسلم ج ۱ ص ۱۶۱) جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

(ا) اس روایت میں الی الکوعین اور المرفقین کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں جیسا کہ یہ روایت مسند طیالسی ص ۸۹ پر انہی الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہے تو علی التعیین اسے کفین پر کیسے حمل کریں گے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

(ب) بخاری اور مسلم کی اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے

وشرح مسلم ج ۱ ص۱۶۱) دراصل بات یہ تھی کہ حضرت عمارؓ نے بوجہ جنابت کے ناحق ہونے کے اپنے قیاس سے زمین پر تمسک کیا تھا یعنی زمین پر لوٹ پوٹ ہوتے رہے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمارؓ کے متعلق کی اطلاع ملی تو ارشاد فرمایا انما کان یکفیک ان تضرب بیدیک الارض بہر حال اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ کو تیمم کا پورا طریقہ تعلیم نہیں فرما رہے تھے بلکہ طریقہ تیمم کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا آثار السنن کے اسی باب میں روایت نمبر ۱۸۶ میں حضرت عمارؓ کی یہی روایت آتی ہے جس سے اس توجیہ کی تائید اور تصویب ہوتی ہے حافظ زیلعیؒ نے درایہ میں اس کے اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

(ج) حضرت عمارؓ کی روایت مجاز مرسل کے قبیل سے ہے ای ضربۃ للکفین مع ما یلحق۔

(د) جب احادیث میں تعارض کے وقت زیادۃ والی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے لہذا مرفقین کی روایت پر عمل کرنے سے حضرت عمارؓ کی روایت میں مذکور کفین پر عمل ہو جاتا ہے دونوں روایات پر عمل کی یہ صورت گویا روایات میں تطبیق ہے۔

(ہ) مرفقین کی روایات قاعدہ کلیہ اور حضرت عمارؓ کی روایت ایک جزئیہ ہے تعارض کے وقت ترجیح کلیہ کے اصول کے پیش نظر مرفقین کی روایات کو ترجیح دی جائے گی۔

۔ ترمذی کی روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جس طرح آیت سرقہ فاقطعوا ایدیھما نکالا من اللہ الآیۃ میں ید مطلقاً مذکور ہے اور اس کا اطلاق رسغین تک ہوتا ہے اسی طرح تیمم میں بھی بوجہ اس کے مطلق ذکر ہونے کے اس کا صحیح مصداق رسغین تک ہونا چاہیے بخلاف آیت وضو کے کہ وہاں مرفقین کی تحدید مذکور ہے لہذا اسے وضو کے ساتھ خاص قرار دیا جائے گا۔

جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ وضوء میں الی المرفقین کی قید نص قرآنی میں موجود ہے اور تیمم وضوء کا خلیفہ ہے تو اس میں بھی وہی مراد ہونی چاہیئے اس کو سرقہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ تیمم بھی وضو کی طرح ایک طہارت اور عبادت ہے اس کا قیاس بھی وضوء پر زیادہ مناسب ہے بخلاف قطع ید کے کہ وہ محض عقوبت ہے سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا ارشاد ہے کہ سرقہ میں کف عامل ہوتا ہے اس لیے اس کو سزا ملنی چاہیئے جب کہ وضو اور تیمم سے گناہوں کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اس لیے اس میں مرفقین تک تحدید ضروری ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ گناہوں کا ازالہ ہو سکے کیونکہ طہارت عبادت ہے اور عبادت میں عمل بالاکثر اولیٰ ہے بخلاف حد سرقہ کے کہ وہ عقوبات کے قبیلہ سے ہے اور عقوبت میں عمل بالاقل اولیٰ ہے۔

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

۱۹۲ - عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَتَاهُ سَائِلٌ يَسْأَلُهُ عَنْ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا قَالَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ انْشَقَّ الْفَجْرُ وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالظُّهْرِ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْقَائِلُ يَقُوْلُ قَدِ انْتَصَفَ النَّهَارُ وَهُوَ كَانَ أَعْلَمَ مِنْهُمْ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْعَصْرِ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ وَقَعَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَخَّرَ الْفَجْرَ مِنَ الْغَدِ حَتّٰى انْصَرَفَ مِنْهَا

کتاب الصلوٰة

باب - اوقات کا بیان - ۱۹۲ - حضرت ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل مسئلہ پوچھنے والا آیا، اوقات نماز کے بارہ میں مسئلہ پوچھنے لگا آپ نے اُسے کچھ جواب نہ دیا (ابوموسیٰ ؓ نے کہا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ؓ سے فرمایا تو انہوں نے فجر کی تکبیر کہی جب کہ لوگ (اندھیرے کی وجہ سے) ایک دوسرے کو شناخت نہیں کر سکتے تھے، پھر ان (حضرت بلال ؓ) سے کہا، تو ظہر کھڑی کی گئی، جب سورج ڈھل گیا اور کہنے والا کہہ سکتا کہ نصف النہار ہے، حالانکہ آپ ان سے زیادہ جاننے والے تھے، پھر ان سے کہا، تو عصر کھڑی کی گئی، جب کہ سورج بلند تھا، پھر اُن سے کہا تو مغرب کھڑی کی گئی، جب کہ سورج غروب ہو گیا، پھر ان سے

---

۱۹۲ تا ۱۹۵ لفظ صلوٰۃ کی لغوی تشریح لفظ صلوٰۃ کے متعدد لغوی معانی منقول ہیں (۱) صلوٰۃ بمعنی دعا سے مشتق ہے (۲) صلوٰۃ بمعنی رحمت سے مشتق ہے (۳) صلوٰۃ بمعنی صلہ سے مشتق ہے صلہ تعلق کو کہتے ہیں کیونکہ صلوٰۃ عبد اور معبود کے درمیان ایک تعلق اور رابطہ ہے (۴) صلوٰۃ بمعنی قوام سے مشتق ہے عرب کہتے ہیں صلیت العود علی النار اذا قومته لانها تقوم العبد علی اطاعته (۵) صلوٰۃ کا معنی الاقبال علی الشیء وتقربا الی الشیء ہے اور صلوٰۃ اصطلاحی میں بھی تو ہے (۶) صلوٰۃ کا معنی لزوم ہے گویا عبد نے اس عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور یہ عبادت

وَالْقَائِلُ يَقُوْلُ قَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ اَوْ كَادَتْ ثُمَّ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى كَانَ قَرِيْبًا مِنْ وَقْتِ الْعَصْرِ بِالْاَمْسِ ثُمَّ اَخَّرَ الْعَصْرَ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا وَالْقَائِلُ يَقُوْلُ قَدِ احْمَرَّتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى كَانَ عِنْدَ سُقُوْطِ الشَّفَقِ ثُمَّ اَخَّرَ الْعِشَاءَ حَتّٰى كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلُ ثُمَّ اَصْبَحَ فَدَعَا السَّائِلَ فَقَالَ الْوَقْتُ بَيْنَ هٰذَيْنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کہا ترت اکھڑی کی گئی، جب کہ شفق غائب ہوگئی، پھر دوسرے دن فجر کو مؤخر کیا، یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوئے اور کہنے والا کہتا تھا کہ سورج نکل آیا ہے یا طلوع کے بالکل قریب ہے، پھر ظہر کو مؤخر کیا، یہاں تک کہ پہلے دن جو عصر پڑھی تھی اس سے بالکل قریب تھا، پھر عصر کو مؤخر کیا، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے والا کہتا تھا کہ سورج سرخ ہوگیا، پھر مغرب کو مؤخر کیا، یہاں تک کہ وقت غروبِ شفق کے بالکل قریب تھا، پھر عشاء کو مؤخر کیا یہاں تک کہ رات کی پہلی تہائی گذر گئی، پھر آپ نے صبح کی تو مسئلہ پوچھنے والے کو بلا کر فرمایا وقت ان دونوں کے درمیان ہے۔

یہ حدیث مسلم نے بیان کی ہے۔

عبد کے ساتھ لازم ہے (۲) صلوٰۃ بعض تحدیث الصلوین سے ماخوذ ہے الصلوین عرقان من یمین الذنب وشماله، والعظمان الناتیان عند العجیزة فالمصلی یحرك صلویه امام نووی نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے وقیل هی الدعا لاشتمالها علیه وهذا قول جماهیر اهل العربیة والفقهاء وغیرهم (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۱۶۲)

اس کے علاوہ بھی شارحین حدیث نے کئی اقوال نقل کیے مزید تفصیل کے لیے المصباح المنیر ج ۱ ص۳۹۵، فقہ اللغۃ لابن الفارس ص۱۰۳ عمدۃ القاری ج ۲ ص۱۷۵ اور فتح الملہم ج ۲ ص۱۰۲ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

مواقیت : مواقیت، میقات کی جمع ہے میقات وقت محدود کو کہتے ہیں (المغرب للمطرزی ج ۲ ص۳۷۳) وقت، تو مطلقاً وقت کو کہتے ہیں مگر میقات سے مراد ایسا وقت ہے جس کے لیے کوئی عمل متعین ہو اور وہ وقت محدود ہو۔

ایک اشکال اور اس کا حل : مواقیت جمع کثرت ہے جب کہ اوقاتِ نماز پانچ ہیں جو جمع قلت ہیں سوال یہ ہے کہ صاحب کتاب نے جمع قلت کے لیے

۱۹۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبْ

۱۹۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر کا وقت ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد برابر ہو جائے جب تک کہ عصر کا وقت نہ آ جائے، اور عصر کا وقت جب تک کہ سورج زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور

جمع کثرت کا صیغہ کیوں استعمال کیا ہے

اس کے چار جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) نماز کے اوقات کل تین طرح کے ہوتے ہیں وقتِ استحبابؔ، وقتِ جوازؔ اور وقتِ قضاؔ، ان تین کو پانچ میں ضرب دینے سے پندرہ ہو جاتے ہیں جو جمع کثرت ہے اس لیے مصنفؒ جمع کثرت کا صیغہ لائے ہیں۔

(۲) اصل نمازیں پچاس ہیں جو شبِ معراج میں مقرر ہوئیں۔

(۳) ہر نماز میں دس نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو پانچ نمازوں میں پچاس کا ثواب ملتا ہے۔

(۴) پوری زندگی میں ہر روز اوقاتِ نماز لوٹ لوٹ کر آیا کرتے ہیں گویا زندگی بھر میں اوقاتِ نماز ان گنت ہو جاتے ہیں اس اعتبار سے جمع کثرت کا صیغہ لاتے ہیں۔

چند اصطلاحی الفاظ کی تشریح

احادیثِ باب کی تشریح سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اصطلاحی الفاظ کی تشریح کر دی جائے جن کو سمجھ لینے کے بعد اصل مقصد کے تفہیم میں سہولت رہے گی۔ زوال: آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں جسے ہمارے عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے۔ سایہ اصلی: اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں۔ زوال اور سایۂ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑ دی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان سے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء

الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

نمازِ عشاء کا وقت آدھی رات درمیانی حصہ کے نصف تک اور نمازِ صبح کا وقت طلوعِ فجر سے جب تک کہ سورج نہ نکل آئے، پس جب سورج طلوع ہو جائے تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔"
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

سکتے ہیں۔
ایک مثل! سایۂ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔
دو مثل! سایۂ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے (مظاہر حق جدید جلد اول ص۲۲)
باب میں پہلی روایت حضرت ابو موسیٰ سے اور دوسری عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے پہلی روایت میں سائل کا واقعہ ہے دوسری مطلق ہے تیسری روایت میں امامت جبرئیل میں اوقات صلوٰۃ کی تعلیم ہے اور چوتھی روایت میں بھی سائل کے جواب میں اوقات صلوٰۃ کی تعیین ہے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ۱۹۳ کی تشریح کر دی جاتی ہے جسے امام ترمذیؒ نے باب ما جاء فی مواقیت الصلوٰۃ ج۱ ص۳۹ میں نقل کیا ہے

حدیثِ امامتِ جبرئیل اس روایت کو "حدیثِ امامتِ جبرئیل" کہتے ہیں اور یہ باب مواقیت میں اصل ہے اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر تھے کہ مواقیتِ صلوٰۃ کی تعلیم زبانی طور سے دے دی جاتی لیکن حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ عملی تعلیم کرا اختیار کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت و عظمت اجاگر ہو اور عملی نمونہ سے وہ اوقع فی القلب ہو۔

امامتِ مفضول حضرت جبرئیلؑ کی امامت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مفضول کو امام بنا دیا جائے تو افضل کے لیے اس کی اقتداء جائز ہے اور بسبب ضرورت ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، حدیث کے بیان کردہ واقعہ میں حضرت جبرئیل مفضول ہیں اور ایک تعلیمی ضرورت کی بنا پر وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امام بنے تھے۔

۱۹۴ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَّنِيْ جِبْرِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى الظُّهْرَ فِي الْاُوْلٰى مِنْهُمَا حِيْنَ كَانَ الْفَيْءُ مِثْلَ الشِّرَاكِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهٖ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِيْنَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَاَفْطَرَ الصَّائِمُ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ بَرَقَ الْفَجْرُ وَحَرُمَ الطَّعَامُ عَلَى الصَّائِمِ وَصَلَّى الْمَرَّةَ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ

---

۱۹۴ - حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جبرئیل نے مجھے بیت اللہ کے پاس دو دفعہ امامت کرائی، ان میں سے پہلی بار ظہر پڑھی، جب کہ سایۂ تسمہ کے برابر تھا، پھر عصر پڑھی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اسکے مثل ہو گیا، پھر مغرب پڑھی جب کہ سورج ڈوب گیا اور روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا، پھر عشاء پڑھی، جب کہ شفق ختم ہو گئی، پھر فجر پڑھی، جب کہ صبح روشن ہو گئی اور روزہ دار پر کھانا حرام ہو گیا اور دوسری دفعہ ظہر پڑھی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو گیا، جس وقت کہ پہلے دن عصر پڑھی تھی، پھر عصر کی نماز پڑھی،

اقتداء المتنفل خلف المفترض

شوافعؒ حضرات اس واقعہ سے نفل پڑھنے والے کے پیچھے مفترض کی نماز کے جواز کا استدلال کرتے ہیں امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، امام زفرؒ بن ہذیل بھی اس کو درست قرار دیتے ہیں۔

ائمہ ثلثہ کا مسلک ہے کہ صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل درست نہیں شوافع حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل غیر مکلف تھے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکلف تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فرض تھی جبرئیل علیہ السلام متنفل تھے تو امام اور مقتدی میں عدم توافق کے پیش نظر صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل کیسے درست ہوئی نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں امام مفضول ہے اور مقتدی افضل ہے حالانکہ امامت میں تو افضل کو مقدم ہونا چاہیئے ائمہ ثلاثہ نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو نماز کا حکم دیا تو وہ ان پر بھی فرض ہو گئی اس لحاظ سے گویا یہ صلوٰۃ المفترض خلف المفترض ہے لہٰذا اشکال ہی باقی نہ رہا (عارضۃ الاحوذی ج ا صفحہ ۲۰۸)

(۲) یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے اوائل میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

(۳) حضرت جبرئیل کی یہ نماز عالم مثال میں تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ رہے تھے اور

ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ لِوَقْتِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ حِيْنَ أَسْفَرَتِ الْأَرْضُ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاؤُدَ وَأَحْمَدُ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اَلْمُرَادُ بِالْوَقْتِ وَقْتُ الْفَضْلِ جَمْعًا بَيْنَ الْأَحَادِيْثِ۔

جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا، پھر مغرب کی نماز اس کے پہلے وقت ہی میں پڑھی، پھر عشاء آخرہ کی نماز جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا، پھر صبح کی نماز پڑھی، جب کہ زمین روشن ہو گئی، پھر جبرئیلؑ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: "اے محمدؐ! آپ سے پہلے انبیاء (علیہم السلام) کا یہ وقت ہے، اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے"۔

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، احمد، ابن خزیمہ، دارقطنی اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نیموی نے احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے کہا، وقت سے مراد افضل وقت ہے۔

آپ کے پیچھے جو صحابہؓ تھے وہ نہیں دیکھ رہے تھے حضرت جبرئیلؑ جو طریقہ آپؐ کو بتلاتے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو ادا کرتے جاتے تھے (معارف السنن ج ۲ صـ۔)

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کی جن جن نمازوں میں اقتداء کی وہ صرف تربیت، عملی نمونہ اور بطور مشق کے تھیں فرض نماز نہیں تھیں کہ اعتراض کیا جائے۔

۵۔ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے اس کو قاعدہ کلی اور قانون تصور کرنا درست نہیں۔

صلوٰۃ ظہر سے آغاز کیوں

فصل الظهر فی الاولیٰ بظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ یہ سلسلۂ صلوٰۃ صبح سے شروع ہونا چاہیے تھا نیز محدثین مؤرخین اور تمام ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جبرئیل امین نے یہ سلسلہ صلوٰۃ لیلۃ الاسراء کے بعد شروع کیا تھا جب کہ آپؐ سفر معراج سے تشریف لا چکے تھے شارحین حدیث نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن السہیلی اپنی کتاب "الروض الانف ج ۱ صـ۱۶۲ میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

۱۹۵- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا دَلَكَتِ الشَّمْسُ اَذَّنَ بِلَالٌ لِلظُّهْرِ فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ بِالْعَصْرِ حِيْنَ ظَنَنَّا اَنَّ ظِلَّ

۱۹۵- حضرت جابر بن عبداللہؓ نے کہا، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے وقت کے بارہ میں پوچھا پس جب سورج ڈھلا تو بلالؓ نے ظہر کی اذان دی پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو انہوں نے نماز کی اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ پھر عصر کی اذان دی، جب کہ ہمارے خیال میں آدمی کا سایہ اس

لیلۃ الاسراء سے قبل بھی صبح کی نماز پڑھتے تھے لہٰذا اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی اس لیے اس کا آغاز ظہر سے کیا مگر اس روایت میں خامی یہ ہے کہ اس میں صلوٰۃ عصر کا ذکر بھی ہے حالانکہ آپؐ تو صلوٰۃ عصر بھی لیلۃ الاسراء سے پہلے پڑھا کرتے تھے نیز احادیث میں اس بات کی بھی تو تصریح موجود ہے کہ اگرچہ یہ سلسلہ صلوٰۃ ظہر سے شروع ہوا مگر تعلیم فجر کا اہتمام بھی باقاعدہ دو دن ہوتا رہا۔

۲- علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ صبح کے وقت جبرئیل امین تشریف لائے تھے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جگایا فلم یوقظہ (العرف الشذی ج ۱ ص ۹۶)

۳- ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ سلسلہ صلوٰۃ فجر سے شروع ہوا (دارقطنی ج ۱ ص ۹۲) مگر یہ روایت ضعیف ہے اس کے ایک راوی محبوب بن الجہم کو ضعیف قرار دیا گیا ہے نیز یہ روایت اگر صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو ان صحیح اور صریح روایات کا خلاف لازم آتا ہے جن میں ظہر سے شروع کرنے کا تذکرہ ہے۔

۴- ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے لیے جاتے ہوئے حضرات انبیاء کرام کو نماز پڑھائی ثم دخلت الی بیت المقدس فجمع لی الانبیاء علیہم السلام فقدمنی جبرئیل حتی اممتہم ثم صعد بی الی السماء الدنیا (نسائی ج ۱ ص ۸۰) ۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ نے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کے تحت لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو جاتے ہوئے اکیلے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی واپسی پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی جو صلوٰۃ الصبح تھی (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز وہاں پڑھ کر آئے تھے اس لیے آگے سلسلہ ظہر سے شروع کیا باقی فجر کے اوّل اور آخر وقت کی تعیین کے لیے باقی نمازوں کی طرح اسے بھی دو دن پڑھایا گیا (خزائن السنن ج ۱ ص ۱۲۰)

۴ الرَّجُلِ أَطْوَلُ مِنْهُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِيْنَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ

سے لمبا تھا، پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو انہوں نے اقامت کہی، اور آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر مغرب کی اذان کہی، جب کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا تو انہوں نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی، پھر عشاء کی اذان دی جب کہ دن کی سفیدی چلی گئی اور وہ شفق ہے، پھر ان

لفظ فئی کی تحقیق

حین کان الفئی مثل الشراک لفظ فئی کتاب الجہاد میں بولا جاتا ہے تو مال غنیمت مراد ہوتا ہے اور کتاب الطلاق میں استعمال ہوتا ہے تو رجعت کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایلاء کر کے رجعت کرنے کے لیے فئی کا لفظ بولا جاتا ہے اور جب کتاب الصلوٰۃ میں بولا جاتا ہے تو اس کا معنی سایہ کا ہوتا ہے تو یہاں فئی بمعنی سایہ کے ہے۔ اور الفاظ حدیث میں زوال کے متصل بعد کا وقت مراد ہے اس وقت سایہ شراک (تسمیہ) کی طرح بہت چھوٹا ہوتا ہے مقصد یہ بتانا ہے کہ جوں ہی زوال ہوا بس اسی وقت فوراً نماز ظہر ادا کی۔

سایہ اصلی کا اعتبار ضروری ہے

سایۂ اصلی کے اعتبار سے متعلق دو مسلک ہیں۔

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سایۂ اصلی مثل اول اور مثلین میں شمار نہیں ہوتا چنانچہ حنفیہ حضرات کی کتابوں میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے۔

۲۔ دوسرا مسلک بعض غیر مقلدین کا ہے جو کہتے ہیں کہ سایۂ اصلی کے استثناء پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اعتراض قطعاً مہمل ہے بلکہ سایۂ اصلی کے استثناء پر کسی نقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کو ہر انسان معمولی سی عقل و فہم سے بھی سمجھ سکتا ہے در حقیقت سایۂ اصلی وہ ہے جو عین استواء شمس کے وقت موجود ہوتا ہے پھر یہ سایہ مختلف علاقوں اور مختلف ممالک میں چھوٹا بڑا ہوتا رہتا ہے پھر جو علاقے خطِ استواء کے بالکل نیچے ہیں ان میں یہ سایہ بالکل نہیں ہوتا پھر جتنے ممالک خط استواء سے قریب تر ہیں ان میں یہ سایہ چھوٹا ہوتا ہے مگر جوں جوں قطبین کی طرف بڑھتے چلے جایئے یہ سایہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قطبین کے بعض مقامات ایسے ہیں جہاں عین استواء شمس کے وقت سایہ ایک مثل یا دو مثل ہوتا ہے تو

الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ بِالْفَجْرِ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَاَمَرَہٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ الْغَدَ بِالظُّهْرِ حِیْنَ دَلَکَتِ الشَّمْسُ فَاَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَهٗ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ وَصَلّٰی

سے کہا تو انہوں نے اقامت کہی، اور آپؐ نے نماز پڑھائی، پھر فجر کی اذان کہی جب کہ فجر طلوع ہوئی تو آپؐ نے ان سے کہا انہوں نے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی پھر بلالؓ نے دوسرے دن ظہر کی اذان کہی جب کہ سورج ڈھل گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مؤخر کی، یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا، تو انہوں نے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھی، پھر

اگر سایہ اصلی کے استثناء کا اعتبار نہ کیا جائے تو غیر مقلدین کے نزدیک وہاں کبھی ظہر کا وقت آنا ہی نہ چاہیئے اور عین نصف النہار کے وقت عصر کا وقت ہونا چاہیئے جب کہ اس کا غیر معقول ہونا ظاہر ہے علاوہ ازیں سایۂ اصلی کے استثناء پر ایک نقلی دلیل بھی موجود ہے سنن نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔
ثم صلی العصر حین کان الفیء قدر الشراک وظل الرجل (نسائی ج۱ ص۹۱) اس روایت میں مثل اول کو قدر شراک کے بعد شمار کیا گیا ہے۔

عصر کا وقتِ مستحب اور بیانِ مذاہب

ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله — انتہاء وقتِ ظہر اور ابتدائے وقتِ عصر کی تفصیلی بحث اگلے ابواب میں تفصیل سے عرض کی جائے گی یہاں اس قدر یاد رہے کہ (۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مشہور روایت ہے کہ عصر کا وقتِ مستحب مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے
۲۔ ائمہ ثلثہ اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ مثلِ اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے تاہم امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت مثلِ اول کے بعد صلوٰۃ عصر کے جواز کی منقول ہے۔ (شرح النقایہ ج۱ ص۸)

شفق سے مراد بیاض ہے یا حمرۃ

حین غاب الشفق — شفق سے مراد کیا ہے اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

۱۔ ائمہ ثلثہ اور صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ شفق سے مراد شفق احمر (سرخی) ہے۔ یہی قول حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، عبادہ بن الصامتؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے شداد بن اوس بھی اسی کے قائل ہیں۔

ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعَصْرِ فَاَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَادَ يَغِيْبُ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ

عصر کی اذان کہی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مؤخر فرمایا، یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تو انہوں نے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی، پھر مغرب کی اذان کہی جب کہ سورج غروب ہوگیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب مؤخر کی، یہاں تک

۲۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد شفق ابیض یعنی وہ سفیدی ہوتی ہے جو سرخی کے بعد تھوڑی دیر تک رہتی ہے یہی قول صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعب اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی منقول ہے بعد کے فقہاء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ بن مبارک، ابو ثور، امام اوزاعی (فی روایۃ) اور امام مالک (فی روایۃ) اس کے قائل ہیں اس کا ثمرۂ اختلاف یہ ہوگا کہ اگر سرخی ختم ہوگئی اور اس کے بعد سفیدی میں عشاء کی نماز پڑھی گئی تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز جائز نہیں ہوگی اور ائمہ ثلاثہ و صاحبین اس کے جواز کے قائل ہیں، اسی طرح اگر سرخی کے زائل ہونے کے بعد سفیدی میں صلوٰۃ مغرب پڑھی گئی تو یہ امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے بلکہ عندھم یہ قضا ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل

(۱) ایک روایت میں آیا ہے کہ عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد جائز ہے اسی روایت میں شفق کے تعین کے لیے وھو الحمرۃ کے الفاظ آئے ہیں (دار قطنی ج ۱ ص ۲۶۱)

معروف غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ قال البیہقی الصحیح انہ موقوف (التعلیق المغنی)

(۲) اس حدیث میں لفظ شفق مطلق آیا ہے امام لغت خلیل بن احمد کا قول یہ ہے کہ "الشفق ھو الحمرۃ"

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے دلائل

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مبرد، فراء۔ اور ثعلب کے نزدیک شفق کا اطلاق حمرۃ اور بیاض دونوں پر ہوتا ہے غیبوبت شفق تب متحقق ہوگی جب کہ دونوں غائب ہوجائیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے

فَبَيْنَمَا يُرٰى ثُمَّ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ بِالْعِشَاءِ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ فَنِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مِرَارًا ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَنْتَظِرُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ غَيْرُكُمْ وَاِنَّكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ

کہ بادی النظر میں دن کی سفیدی جو کہ شفق سے غائب ہونے والی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، تو انہوں نے اقامت کہی اور نماز پڑھی، پھر نمازِ عشاء کے لیے اذان کہی جب کہ شفق غائب ہو گیا، تو ہم سو گئے، پھر ہم کئی بار اٹھے، پھر ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا۔

(وان اول وقت العشاء الآخرۃ حین یغیب الافق (ترمذی ج ۱ صـ۲۲ باب منہ) یہاں شفق کے بجائے افق غائب ہونے کا ذکر ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ بیاض غائب ہو جائے نیز اس باب میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی اس روایت کو مواقیت کے سلسلہ میں اصح کہا ہے۔

(۲) امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں مغرب کا آخری وقت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے حین یسود الافق اور یہ تو ظاہر ہے کہ بیاض کی موجودگی میں سوادِ افق متحقق نہ ہو گا (ابو داؤد ج ۱ صـ۵۶ باب المواقیت)

(۳) ابوداؤد کی روایت سے بھی زیادہ صریح روایت طبرانی نے معجم اوسط میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے ثم اذن للعشاء حین ذھب بیاض النھار وھو الشفق (مجمع الزوائد ج ۱ صـ۳۰۴) یہ اوقات کے بارے میں تفصیلی روایت ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عشاء کا وقت اس وقت داخل ہو گا حین سقط نور الشفق (مسند احمد ج ۲ صـ۲۱۳)

وقتِ ظہر و عصر میں اشتراک اور عدمِ اشتراک کی بحث

وصلی المرۃ الثانیۃ الظھر حین کان ظل کل شیء مثلہ لوقت العصر بالامس بظاہر حدیث کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ ابن رشدؒ نے بھی لکھا ہے کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور داؤد بن علی ظاہریؒ کے نزدیک ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ صـ۹۱) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے پھر اس حدیث کے پیش نظر ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

باقی ائمہ جو دونوں وقتوں کو علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں ان پر اعتراض ہو گا ——— نیز ان لوگوں پر بھی جو

مَا انْتَظَرَهَا غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُ بِتَأْخِيرِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ إِلٰى
نِصْفِ اللَّيْلِ أَوْ أَقْرَبَ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ أَذَّنَ بِالْفَجْرِ فَأَخَّرَهَا حَتّٰى كَادَتِ
الشَّمْسُ أَنْ تَطْلُعَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى ثُمَّ قَالَ الْوَقْتُ بَيْنَ

"لوگوں میں تمہارے علاوہ اور کوئی بھی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، اور اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو یہ نماز آدھی رات یا اس کے قریب تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا"
پھر فجر کے لیے اذان کہی تو آپؐ نے اُسے مؤخر کیا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے والا تھا، آپؐ نے

دونوں وقتوں کے اشتراک کے قائل ہیں ابن رشدؒ ہی کے حوالے سے یہ اعتراض وارد ہوگا کہ خود ابن رشدؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ لا یخرج وقت صلوٰۃ حتی یدخل وقت اخری (بدایۃ المجتہد ج۱ ص۹۳)
نیز انہوں نے اسی پر حدیث ثابت کا حکم بھی لگایا ہے اور انہوں نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ میں جب ثابت کا لفظ بولوں گا تو مراد بخاری اور مسلم میں سے کسی ایک کی روایت ہوگی یا دونوں کی ہوگی۔ (بدایۃ المجتہد ج۱ ص۹۳) بہر حال اس صحیح روایت سے اشتراک کی نفی ہوتی ہے،
علاوہ ازیں ایک یہ روایت ہے کہ وقت صلوٰۃ الظہر ما لم یحضر العصر وھو حدیث حسن ذکرہ (ابو داؤد ج۱ ص۵۹)
قائلین عدم اشتراک حدیث باب سے متعدد جوابات ذکر کرتے ہیں (۱) لوقت العصر بالامس میں تعیین اور تحدید مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ آج کی ظہر کا وقت تقریباً وہی ہے جو کل کی عصر کا تھا یعنیہ وہ وقت نہ تھا اس کی دلیل یہ روایت ہے ثم اخر الظھر حتی کان قریباً من وقت العصر بالامس (مسلم ج۱ ص۲۲۳)
(۲) امام خطابیؒ اور قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ صلّی بمعنی فرغ الصلوٰۃ کے ہے اور دوسری جگہ صلّی بمعنی شرع فی الصلوٰۃ کے ہے (معالم السنن ج۱ ص۱۳۳) لہٰذا معنیٰ یہ ہوگا کہ فرغ من الظھر حین صار ظل کل شئ مثلہ وشرع فی العصر الیوم الاول حین صار ظل کل شئ مثلہ فلا اشتراک بینھما (نیل الاوطار ج۱ ص۳۲۲)

اوقاتِ خمسہ کا انبیاء سابقین کی طرف انتساب کیوں؟

فقال یا محمد ھذا وقت الانبیاء من قبلک حدیث کی اس عبارت پر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ صلواتِ خمسہ تو پچھلی کسی بھی امت پر فرض نہیں تھیں اور نہ ہی کسی نبی کو اس کی تعلیم دی

هٰذَیْنِ - رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَقَالَ الْهَیْثَمِیُّ اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -
قَالَ النِّیْمَوِیُّ هٰذَا الْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الشَّفَقَ هُوَ الْبَیَاضُ کَمَا ذَهَبَ اِلَیْهِ
اَبُوْحَنِیْفَةَ رح -

ان (بلالؓ) سے کہا، تو انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی، پھر آپؐ نے فرمایا: "وقت ان دونوں کے درمیان ہے"۔
یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں بیان کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔
نیموی نے کہا، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ شفق وہ سفیدی ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا ہے۔

گئی تھی تو پھر ان اوقات خمسہ کو انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا یا ان کے ساتھ مشابہت دینے کا کیا مطلب ہے؟
شارحین حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔
۱- علامہ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ صرف وقت کے محدود ہونے میں ہے مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات اس طرح محدود کر دیئے گئے ہیں جس طرح پچھلے انبیاء کرام کے لیے محدود کر دیئے گئے تھے۔
۲- اگرچہ صلوات خمس پچھلی امتوں پر فرض نہیں تھیں لیکن ممکن ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام ان اوقات میں تطوعاً نماز پڑھتے ہوں۔
۳- تیسرا اگر سب سے بہتر اور صحیح جواب علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے دیا ہے وہ یوں کہ اگرچہ پانچ نمازیں پوری کی پوری کسی بھی پچھلی شریعت میں اور کسی پیغمبر پر فرض نہ تھیں لیکن ان میں سے مختلف نمازیں مختلف انبیاء کرام پر فرض رہی ہیں چنانچہ شرح معانی الآثار (ج ۱ ص ۸۶) میں ایک روایت ہے کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی اس وقت فجر کا وقت تھا اس وقت حضرت آدمؑ نے شکر کے طور پر دو رکعات ادا فرمائیں یہ نمازِ فجر کی اصل ہوئی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام (راجح قول کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے فدیہ میں دنبہ نازل ہوا وہ ظہر کا وقت تھا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعات ادا فرمائیں یہ نماز ظہر کی اصل ہے اور جس وقت حضرت عزیر علیہ السلام دوبارہ زندہ کیے گئے وہ وقت عصر تھا اس وقت انہوں نے چار رکعات ادا کیں یہ عصر کی اصل ہوئی اور جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی

وہ مغرب کا وقت تھا انہوں نے بھی شکرانہ کی تین رکعتیں پڑھیں یہ مغرب کی نماز کی اصل ہوئی اور نماز عشاء امت محمدیہ کے سوا کسی اور امت نے نہیں پڑھی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اعتموا بھذہ الصلوٰۃ فانکم قد فضلتم بھا علی سائر الامم ولم تصلھا امۃ قبلکم (ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۹۱)

دیگر احادیثِ باب کی اجمالی تشریح

حدیث امامت جبرئیل جو اس باب میں اصل ہے کی تشریح کے بعد اب باب ہذا کی دیگر روایات کی بھی ضروری توضیح کر دی جاتی ہے۔

(۱۹۲) یہ باب کی پہلی حدیث ہے جسے ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے جو صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۲۲۳ کے باب اوقات الصلوٰۃ الخمس سے منقول ہے فلم یرد علیہ شیئاً یعنی ان کو تعلیماً کوئی جواب دینے اور تفصیلاً اوقات بتانے کے بجائے حکم دیا کہ ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھ لے تاکہ حقیقت اوقات سے خود واقف ہو جائے اور عملاً اس کی توضیح ہو جائے۔

(۱۹۳) عبداللہ بن عمرو کی اس روایت کو بھی مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ صفحہ ۲۲۳ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس میں نقل کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ سے واضح ہے وقت الظھر اذا زالت الشمس ظہر کا اول وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب آسمان کے درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے ما لم یحضر العصر۔ یہ جملہ دراصل پہلے جملے کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا عصر کا وقت شروع ہو گیا نیز یہ جملہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے۔

اصفرار شمس

ووقت العصر ما لم یصفر الشمس آفتاب کے اصفرار سے مطلب یہ ہے کہ سورج کی ٹکیہ اتنی متغیر ہو جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے تو اصفرار شمس متحقق ہوتا ہے جن حضرات کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

طلوع استواء اور غروب آفتاب کے وقت صلوٰۃ سے نہی کیوں؟

فاذا طلعت الشمس فامسک عن الصلوٰۃ

الخ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں

بَابُ مَاجَآءَ فِي الظُّهْرِ

۱۹۶- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ.

باب - جو روایات (وقت) ظہر کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۱۹۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کرو، بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے۔"

یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

کے درمیان نکلتا ہے اس کا مطلب خود ایک روایت نے بتا دیا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان آفتاب کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سر آفتاب کے نزدیک کر لیتا ہے اسی طرح غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے اس کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ان کفار کے اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اپنا گمان یہ رکھتا ہے کہ لوگ میری عبادت کر رہے ہیں اس طرح وہ اپنے تابعداروں کے ذہن میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ یہ لوگ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہیں بلکہ درحقیقت میری عبادت کر رہے ہیں اور میرے سامنے ماتھے ٹیکتے ہیں اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں تاکہ مسلمانوں کی عبادت شیطان کو پوجنے والوں کی عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔

۱۹۶ تا ۱۹۹ ابتداء وقت ظہر

ظہر کے اول وقت کے سلسلہ میں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوال شمس سے شروع ہوتا ہے شروع شروع میں ابتدائے وقت ظہر کے بارے میں بعض صحابہ کرامؓ کا کچھ اختلاف ہوا تھا بعض زوال سے قبل بھی ظہر کو جائز قرار دیتے تھے بعد میں اتفاق ہو گیا البتہ جمعہ کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق بن راہویہؒ کا قول ملتا ہے کہ ان کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال شمس سے پہلے جائز ہے مگر ان اقوال کی طرف فقہاء اور محدثین نے کوئی توجہ نہیں کی البتہ وقت ظہر کی انتہاء کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

انتہاء وقت ظہر

امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ صاحبینؒ اور جمہورؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور

۱۹۷۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ یُّؤَذِّنَ لِلظُّہْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَہٗ اَبْرِدْ حَتّٰی رَاَیْنَا فَیْءَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَہَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۱۹۷۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر پہ تھے۔ مؤذن نے ظہر کے لیے اذان کہنی چاہی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "ٹھنڈا کرو" اس نے پھر اذان پکارنی چاہی تو آپ نے اس سے فرمایا، "ٹھنڈا کرو" یہاں تک کہ جب ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے، جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کرو"۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے مگر اس میں مزید قدرے تفصیل ہے (ا) امام مالکؒ کے نزدیک ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت پڑھنے کی مقدار وقت مشترک ہوتا ہے کہ اس وقت کے اندر ظہر کی نماز بھی جائز ہے اور عصر کی نماز بھی جائز ہے (ب) امام شافعیؒ اور اصحاب ظواہرؒ کے نزدیک ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت نماز پڑھنے کی مقدار وقت فاصل ہوتا ہے کہ اس وقت میں ظہر کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور عصر کی نماز جائز ہی نہیں ہے (ج) صاحبینؒ کے نزدیک دونوں نمازوں کے درمیان وقت مشترک یا وقت فاصل نہیں ہے بلکہ ظہر کے بعد متصلاً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں کئی روایتیں ہیں۔

(ا) مشہور روایت یہ ہے کہ ظہر کا وقت "مثلین" تک ہے جب سایہ دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے امام اعظمؒ کا قول مشہور یہی ہے بعض کتابوں میں اسی قول کو ظاہر الروایۃ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے مگر اشکال یہ ہے کہ ظاہر الروایہ یعنی امام محمدؒ کی کتب جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات میں کسی ایک کتاب میں یہ قول موجود نہیں ہے البتہ موطا امام محمد سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کو ظاہر الروایۃ کہنا درست نہیں موطا امام محمد کے آغاز میں حضرت ابوہریرہؓ کا اثر نقل کیا گیا ہے صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك اس اثر کے بعد امام محمدؒ فرماتے ہیں

۱۹۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ

۱۹۸۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بلاشبہ تمہارا وقت (زندگی) گذشتہ امتوں کے وقت کی نسبت اتنا ہے جتنا نمازِ عصر سے سورج کے غروب ہونے تک ہے اور تمہاری یہود و نصاریٰ کی نسبت مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مزدور کو اجرت پر لیا اور طے یہ کیا کہ جو میرا کام نصف النہار (دوپہر) تک ایک قیراط پر کرے گا اسے ایک قیراط ملے گا، تو یہود نے دوپہر تک ایک قیراط پر کام کیا (ان کے لیے) ایک قیراط ہے پھر اس نے کہا، جو شخص میرا کام دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک قیراط پر کرے گا اسے ایک

ھذا قول ابی حنیفۃؒ فی وقت العصر

(ب) امام اعظمؒ کا دوسرا قول مسئلہ زیر بحث میں جمہور کے موافق ہے یعنی مثلِ اول پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا شروع ہو جاتا ہے۔

(ج) امام اعظمؒ کا تیسرا قول یہ ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہو جائے (سایہ اصلی کے علاوہ) تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے مگر عصر کا وقت ابھی شروع نہ ہوگا عصر کا وقت مثلِ ثانی کے بعد شروع ہوگا مثلین کے درمیان وقتِ مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا ہے اور نہ عصر کا۔

(د) چوتھا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت تو مثلِ ثانی ختم ہونے پر شروع ہوگا اور ظہر کا وقت مثلِ ثانی سے ذرا پہلے ختم ہو جاتا ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ اور احوط طریقہ

(۱) صاحب درمختار نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے یعنی جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہے اور عصر کا شروع ہے یہ جمہورؒ اور صاحبینؒ کا مذہب اور امام اعظمؒ کی ایک روایت ہے بہت سی کتابوں کے حوالے سے درمختار میں اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔

(۲) لیکن علامہ شامیؒ نے اس کی تردید کی ہے ان کا میلان اس طرف ہے کہ اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ امام اعظمؒ کی

فعملت النصارى من نصف النهار إلى صلوة العصر على قيراط قيراط ثم قال من يعمل لي من صلوة العصر إلى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين ألا فأنتم الذين يعملون من صلوة العصر إلى مغرب الشمس ألا لكم الأجر مرتين فغضب اليهود والنصارى فقالوا نحن أكثر عملا وأقل عطاء قال الله تعالى فهل ظلمتكم من حقكم قالوا لا قال الله تعالى فإنه فضلي أعطيه من شئت. رواه البخاري -

---

قیراط ملے گا، تو نصاریٰ نے دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر کام کیا اور ان کے لیے ایک قیراط ہے، پھر اس نے کہا جو شخص میرے لیے نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر کام کرے گا تو اسے دو قیراط ملیں گے۔ خبردار! تم ہی وہ لوگ ہو، جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرتے ہو، خبردار! تمہارے لیے دوگنا اجر ہے، پس یہود و نصاریٰ نے غضب ناک ہو کر کہا، ہم کام کرنے کے اعتبار سے زیادہ ہیں اور اجرت کے اعتبار سے کم ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"کیا میں نے تمہارے لیے تمہارے رکھے شدہ حق سے کم کیا ہے؟" انہوں نے کہا نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "بلاشبہ یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہوں دیتا ہوں۔"

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

روایت مشہورہ ہے کہ جب سایہ مثلین ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے صاحب بحر کا میلان بھی اسی کی ترجیح کی طرف ہے فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کے بکثرت حوالے دے کر اسی کا راجح ہونا ثابت کیا ہے فقہ حنفی کے اکثر متون میں بھی اسی روایت کو لیا گیا ہے اکثر شارحین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے بدائع ینابیع اور ضبط وغیرہ میں بھی مثلین کی روایت کی تصحیح کی گئی ہے بہرحال اس مسئلہ میں خود امام صاحبؒ سے روایتیں مختلف ہیں پھر تصحیح اور ترجیح میں بھی مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے ایک مثل والی روایت کو ترجیح دی ہے مگر اکثر نے مثلین والی روایت کو راجح قرار دیا ہے تاہم دلیل کے اعتبار سے جو روایت بھی راجح ہو عمل کے لحاظ سے محتاط طریقہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثل اوّل سے پہلے پڑھ لی جائے خصوصاً صلوٰۃ الجمعہ۔ اور عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے اس صورت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں سب کے نزدیک صحیح ہو جائیں گی اور اگر ظہر کی نماز مثل اول کے بعد پڑھی یا عصر کی مثل ثانی سے پہلے پڑھ لی تو یہ نماز مختلف فیہ ہو جائے گی۔

۱۹۹- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ

۱۹۹- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے آزاد کردہ غلام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نماز کے وقت کے بارہ میں پوچھا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں تمہیں

وقتِ ظہر میں امام اعظمؒ کی روایت مشہورہ کے دلائل

(۱) امام تیمویؒ کی باب ہذا میں درج کردہ چاروں روایات امام اعظمؒ کی روایتِ مشہورہ کے دلائل ہیں۔

باب کی پہلی روایت ۱۹۲ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جسے بخاری، ترمذی، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے نقل کیا ہے صاحب ہدایہ نے بھی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے بعض روایات میں ظہر کی تصریح بھی منقول ہے ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم یعنی ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو اس لیے کہ گرمی کی جو شدت ہے یہ جہنم کی تپش اور بھاپ سے ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دیار عرب میں ایک مثل کے وقت گرمی کی شدت باقی ہوتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد بھی ظہر کی گنجائش باقی ہے۔

فان شدة الحر من فيح جهنم سے متعلق تفصیلی بحث باب ہذا کے آخر میں عرض کر دی جائے گی۔

۲- دوسری دلیل حضرت ابوذر الغفاریؓ کی حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے ص۷۶ میں نقل کیا ہے اور مصنف نے ص۱۹۹ نمبر میں درج کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ سے واضح ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ظہر کی اذان اس وقت ہوئی جب ٹیلوں کا سایہ ٹیلوں کے برابر ہو چکا تھا یعنی جب ان کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا اجسام منتصبہ کا سایہ یقیناً ایک مثل سے زیادہ ہوگا یہ اذان کا وقت ہے اور نماز اس کے بعد ہوئی یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے

حافظ ابن حجرؒ کا اعتراض اور حنفیہ کے جوابات

حنفیہؒ کے استدلال پر حافظ ابن حجرؒ نے کچھ اعتراضات کیے ہیں اور حدیث میں تاویلیں کی ہیں مثلاً ایک تاویل یہ کی ہے کہ اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الصلوتین کرنا چاہتے تھے یعنی عصر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں کو پڑھنا چاہتے تھے وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ظہر ایک مثل کے بعد ہوئی لیکن یہ عصر کے وقت میں بطور جمع بین الصلوتین کے پڑھی گئی ہے مگر حنفیہ حضرات

أَنَا أُخْبِرُكَ صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَمَا بَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلِّ الصُّبْحَ بِغَبَشٍ يَعْنِي بِغَلَسٍ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بتاتا ہوں، ظہر اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر (ایک مثل) ہو جائے اور عصر جب کہ تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے اور مغرب جب سورج غروب ہو جائے۔ اور عشاء اپنے اس وقت سے ایک تہائی رات کے درمیان اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو۔"

یہ روایت مالکؒ نے موطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ تاویل درست نہیں اولاً تو اس لیے کہ جمع بین الصلاتین حقیقی طور پر ثابت نہیں ثانیاً یہ کہ حدیث میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان دینا چاہی اس میں عصر یا جمع کا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اذان ظہر کی تھی اور وہ یقیناً وہی اذان ہو سکتی ہے جو ظہر ہی کے وقت میں ہوئی ہو عصر کے وقت جو اذان ہوگی وہ عصر ہی کی سمجھی جائے گی ثالثاً بہت سے محققین مصنفین اور شارحینِ حدیث نے اس حدیث کو تاخیر ظہر کی دلیل بنایا ہے کسی نے وجوباً اور کسی نے استحباباً ــــ مگر یہ دلیل تب ہی بن سکتی ہے جب کہ اس کو عام رکھا جائے اور جمع بین الصلاتین کے ساتھ خاص نہ کیا جائے رابعاً ! ابراد کے حکم کی علت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمادی ہے ان شدۃ الحر من فیح جھنم یہ علت صاف بتارہی ہے کہ ظہر کی اذان میں اتنی تاخیر اس وجہ سے ہوئی ہے

جو حدیث میں مذکور ہے اس تاخیر کا منشا جمع بین الصلاتین کا ارادہ نہیں ہے حدیث میں جو علت بیان کی گئی ہے وہ عام ہے ہر صورت میں پائی جاتی ہے خواہ جمع کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

ایک اور تاویل کا جواب

بعض علماء نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ یہاں سائے کی ٹیلوں کے ساتھ جو مساوات بتائی گئی ہے یہ مساوات کمیت اور مقدار میں مراد نہیں ہے بلکہ مساوات فی الظہور مراد ہے یعنی ٹیلوں کی طرح سائے بھی ظاہر ہو گئے ظاہر ہونے میں دونوں مساوی ہو گئے مقدار میں برابری مراد نہیں ہے مگر یہ تاویل نہایت رکیک اور ضعیف ہے حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ سایہ اتنی مقدار لمبا ہو گیا جتنا ٹیلا اونچا ہے مساوات عام طور پر مقدار ہی میں بیان کی جاتی ہے۔

۳۔ امام اعظمؒ کی روایت مشہورہ کی تیسری دلیل کے طور پر امام نیمویؒ نے ابن عمر کی روایت مسلۃ ۱۹۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اِسْتَدَلَّ الْحَنَفِيَّةُ بِهٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ عَلٰى اَنَّ وَقْتَ الظُّهْرِ لَا يَنْقَضِيْ بَعْدَ الْمِثْلِ بَلْ يَبْقٰى بَعْدَهٗ وَوَقْتُهٗ اَزْيَدُ مِنْ وَقْتِ الْعَصْرِ وَفِي الْاِسْتِدْلَالِ بِهَا اَبْحَاثٌ وَاِنِّيْ لَمْ اَجِدْ حَدِيْثًا صَرِيْحًا صَحِيْحًا اَوْ ضَعِيْفًا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ وَقْتَ الظُّهْرِ اِلٰى اَنْ يَّصِيْرَ الظِّلُّ مِثْلَيْهِ وَعَنِ الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِ قَوْلَانِ۔

نیموی نے کہا احناف (کرام) نے ان احادیث سے استدلال کیا کہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے بعد بھی باقی رہتا ہے نیز ظہر کا وقت عصر کے وقت سے زیادہ ہے، اور ان احادیث کے ساتھ استدلال کرنے میں کئی بحثیں ہیں اور مجھے کوئی حدیث صریح صحیح یا ضعیف نہیں ملی جو اس پر دلالت کرے کہ ظہر کا وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔

نقل کردی ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الانبیاء (ص ۴۹۲) میں درج کیا ہے، مضمون حدیث لفظی ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے حدیث میں بیان کردہ تفصیلی مثال اس صورت میں صادق آسکتی ہے کہ عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہو اس صورت میں عصر سے مغرب کا وقت کم ہوگا اور ظہر سے عصر تک کا زیادہ اور اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع کیا جائے تو معاملہ برعکس ہو جائے گا اور مثال صادق نہیں آسکے گی۔

۴۔ چوتھی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اثر ہے جسے مصنف نے ۱۰۹ نمبر میں موطا امام مالکؒ (کتاب وقوت الصلوٰۃ ص ۸) کے حوالے سے درج کیا ہے جس میں لفظ مثلین کی تصریح ہے صل الظهر اذا کان ظلك مثلك والعصر اذا کان ظلك مثليك۔

ایک قیاسی دلیل اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ زوال کے وقت بالیقین ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوا یا نہیں ــــ بعض روایات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا ہے

جب کہ باب ہذا کی مندرجہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مثل اول کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے لہذا اختلاف ادلہ کی وجہ سے مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہونے میں شک اور تردد پیدا ہو گیا محض شک و تردد سے اس کے ختم ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بخلاف مثلین کے اس وقت بالیقین ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

(قال النیموی استدل الحنفیہ: امام نیموی نے کہا کہ احناف مندرجہ بالا احادیث سے امام اعظمؒ

کی روایت مشہورہ کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد باقی رہتا ہے استدلال کرتے ہیں۔

والی نما احد حدیثاً صریحاً۔ احناف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ ایسی روایات صریحہ تو نہیں ملتیں جن میں مثلین کا لفظ صراحتاً مذکور ہو البتہ ایسے دلائل ضرور ملتے ہیں جن سے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ مثل اول کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی رہتا ہے جن روایتوں میں ایک مثل کا صراحۃً تذکرہ ہے اور ان سے ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ استدلال کرتے ہیں وہ روایات پہلے کی ہیں جیسے حدیث امامت جبرئیل وغیرہ، یہ مکی زندگی کا واقعہ ہے اور جو روایات حنفیہ پیش کرتے ہیں وہ بعد کی ہیں لہٰذا بعد والی روایات پر عمل کرنا چاہیئے۔

ظہر کی نماز میں تعجیل افضل ہے یا تاخیر

وقت ظہر کے ساتھ احادیث باب میں ایک اور مسئلہ بھی مذکور ہے کہ آیا صلوٰۃ ظہر جلدی پڑھنی چاہیئے یا اس میں تاخیر کی جائے اولیٰ کونسا عمل ہے؟

(۱) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ، امام ابن المبارکؒ اور امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے (ترمذی ج ۱ ص۲۲ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۹۶)

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر مسجد دور ہو تو گرمی میں ظہر تاخیر سے پڑھنی چاہیئے اور اگر اکیلا ہو یا محلے کی مسجد ہو تو گرمی میں بھی تعجیل بہتر ہے (ترمذی ج ۱ ص۲۳)

گرمی میں تاخیر صلوٰۃ ظہر پر امام اعظمؒ کا مستدل چاروں احادیث باب ہیں جن میں صراحتاً ابراد کا حکم مذکور ہے جو لامحالہ تاخیر ہی میں ہوسکتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر حين زالت الشمس (ترمذی ج ۱ ص۲۲) مگر حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا محل سردی کا موسم ہے لما فی صحیح البخاری من حدیث انسؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر بالصلوٰۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰۃ والمراد الظهر (معارف السنن ج ۲ ص۲۸)

نیز امام شافعیؒ نے جو تاخیر ظہر کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو دور سے آتے ہوں یہ منفرد اور محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے بارے میں نہیں ہے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۲۳ میں امام شافعیؒ کا نام لے کر اس تاویل اور توجیہ کی تردید کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام سفر میں اکٹھے تھے پھر بھی آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا ابرد اس سے معلوم ہوا کہ تاخیر صلوٰۃ الظہر کی علت دور سے آنا نہیں بلکہ گرمی ہے۔

باب کی پہلی حدیث کی حکیمانہ تشریح

سیدی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ نے باب کی پہلی حدیث کی بڑی حکیمانہ تشریح کی ہے ذیل میں وہی من وعن منقول ہے۔

حرارت وبرودت کے اسباب فیح جہنم اور آفتاب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم۔ (ترجمہ) جب گرمی شدید ہو تو ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھڑاس رفیح (سے ہے۔"

اس حدیث میں یہ بتایا جارہا ہے کہ دنیا میں گرمی اور اس کی شدت کا اصل سبب فیح جہنم ہے۔ مگر ظاہر پرست سائنس دان اور ظاہر بین اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمین کی گرمی وسردی کا اصل سبب آفتاب ہے، سورج کے سمت الراس کے قریب ہونے سے حرارت اور بعید سے برودت پیدا ہوتی ہے، لہذا حرارت اور گرمی کی شدت کو فیح جہنم کا نتیجہ قرار دینا مشاہدہ کے خلاف ہے ___ لیکن تدبر سے غور وفکر اور بغیر تعصب کے اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سچا ہے اور اپنی حقیقت پر محمول ہے نہ تاویل کی ضرورت ہے اور نہ انکار کی گنجائش۔

اسباب باطنی بھی ہوتے ہیں اور ظاہری بھی

دراصل یہ دنیا دار الاسباب ہے کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے امور کا تعلق اسباب سے ہے، اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی۔ حرارت کا ظاہری سبب نار ہے یا شمس ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ سورج میں یہ حرارت کہاں سے آئی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فان شدۃ الحر من فیح جہنم کہ آفتاب کی حرارت فیح جہنم کی وجہ سے ہے جو حرارت کا باطنی سبب ہے، سائنسدانوں اور ظاہر بینوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی، مگر اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی میں اس کے اصل اور باطنی سبب کی بھی نشاندہی کردی ___ لہذا سائنسدانوں کے قول اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کوئی تعارض نہیں، سائنسدانوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی اس لیے حرارت کی نسبت سورج کی طرف کردی۔ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حقیقت اور اصل سبب پر تھی اس لیے حرارت کا سبب فیح جہنم کو قرار دیا۔

جہنم کے دو سانس

جہنم نے خدا کے حضور شدتِ حرارت کی شکایت کی اور عرض کیا کہ اکل بعضی بعضًا کہ میرا بعض حصہ دوسرے حصہ کو کھائے جارہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اعتدال پر رکھنے کے لئے نفسین (دو سانسوں) کی اجازت مرحمت فرمائی۔ فاذن لہا بنفسین نفس فی

الشتاء و نفس فی الصیف۔

جہنم کے تنفس (سانس لینے) کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سال میں دو سانس نکالتی ہے، ایک جانب جنوب اور دوسرا جانب شمال کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نفسین سے مراد دو سانس ہیں کہ ایک لیتی ہے اور دوسرا نکالتی ہے۔

نظامِ کائنات میں حکمت اور مصلحت

قدرت کی حکمت کائناتی نظام کے ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے۔ فیح جہنم گو بظاہر گرمی اور شدتِ حرارت کا نام ہے مگر باطن انسانی مفاد اور دنیا کی بقاء کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

جب آپ فیح جہنم اور شمسی نظام کے قیام پر غور کریں گے تو یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جائے گا کہ فیح جہنم کی وجہ سے سال بھر کا موسم یکساں کیوں نہیں رہتا۔

جہنم کی حرارت اور اس کی شدت کا یہ عالم ہے کہ اگر جہنم کا ایک ذرہ بھی اس کائنات میں ڈال دیا جائے تو سارا کائناتی نظام جل کر راکھ ہو جائے، اور جنت کی چیز اگر ناخن برابر بھی دنیا پر ظاہر ہو جائے تو ساری کائنات شاداب اور منور ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ یقینی بات ہے کہ اس کے تنفس سے یہ عالم جل بھن کر راکھ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تدارک کے لیے آفتاب بنا دیا اور فیح جہنم کو اس کے ذریعے سے دنیا کو منتقل کرنا منظور ہوا۔

اگر حرارت براہ راست جہنم سے دنیا کو منتقل ہوتی تو ساری کائنات جل کر راکھ ہو جاتی۔ اس کی مثال آپ تربیلہ بند کو لے لیں، اگر وہاں سے براہ راست یہاں بجلی منتقل کر دی جاتی تو سارے مکانات جل جاتے۔ مگر وہاں سے یہاں تک کئی واسطوں سے بجلی پہنچتی ہے پھر شہر سے باہر ٹرانسفارمر لگایا گیا ہے جس سے ایک خاص مقدار میں بجلی شہر کو منتقل ہوتی ہے۔

فیح جہنم کا کرۂ شمس میں منتقل ہونا

کرۂ شمس جو زمین سے کئی سو گنا بڑا ہے، فیح جہنم کے ایام میں وہ جہنم کے محاذات پر آجاتا ہے اور جہنم کی فیح (یعنی گرمی و حرارت) کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے جس سے کرۂ شمس میں بھی گرمی آجاتی ہے۔ ادھر چونکہ زمین بالطبع بارد و یابس تھی اور کمال برودت و یبوست کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ اس پر انسان یا حیوان زندہ رہ سکیں یا وہ کسی فصل وغیرہ کی کاشت کے قابل ہو، اب اللہ نے سورج کی جو حرارت کا کرہ ہے، کرۂ ارض پر آہستہ آہستہ تدریجی طور پر گرمی اور حرارت پہنچانے کی ڈیوٹی لگا دی۔

سورج میں فیح جہنم کی حرارت محصور اور محفوظ ہو جاتی ہے۔ پھر تمام سال سورج حسب ضرورت و حکمت

زمین کو پہنچا تا رہتا ہے۔ اس حکیمانہ نظام کے تحت سورج کا اپنے مدار میں سال بھر کا چکر برودت اور حرارت کا باعث ہوتا ہے۔ اگر چوبیس گھنٹے روشنی اور حرارت ہی باقی رہتی تو زندگی مشکل تھی اور کائنات کی بقاء اور استحکام خطرہ میں تھا۔ اس لیے بارہ یا چودہ گھنٹے سورج کی حرارت اور پھر اس کے غروب سے برودت کا نظام قائم کیا گیا۔

نار اور نور کی ضرورت و تقسیم

چونکہ فیح جہنم میں ناریت بھی تھی اور نورانیت بھی، کائنات کو دونوں چیزوں کی ضرورت تھی۔ نورانیت کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سورج کے محاذات میں چاند بنا دیا ہے، نور القمر مستفاد من نور الشمس، چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے، گویا فیح جہنم کی نورانیت بواسطہ شمس کے قمر نے محفوظ کر لی اور اب حکمت و تدریج سے کائنات میں اسے تقسیم کرنے کی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے۔

عدم علم عدم وجود کی دلیل نہیں

کسی چیز کا ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں نہ آنا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ واقعۃً بھی وہ چیز موجود نہیں۔ ریڈیو میں باتیں ہوتی ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ وہ ہوائی لہروں کے ذریعہ سے ریڈیو میں آتی ہیں۔ مگر ہمیں یہ مشاہدہ نہیں کہ وہ کس جانب سے اور کیسے آرہی ہیں۔ مشکوٰۃ کی روایات میں جو نیل و فرات اور جیحون و سیحون کو انہار الجنۃ قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت پر بھی یہی اشکال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر تجربہ و مشاہدہ میں دریائے سیحون وغیرہ کے پانیوں کا سرچشمہ پہاڑوں کے تالاب اور وہاں پانی کے ذخائر ہیں، انہیں میں۔ انہار الجنۃ قرار دینا بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دریائے سیحون گلگت کے کوہستانوں سے آتا ہے جہاں پانی کے تالاب اور ذخائر موجود ہیں، اتنا کچھ تو ہمارے مشاہدہ میں ہے مگر اب یہ دوسری چیز مشاہدہ میں نہیں ہے کہ گلگت کے کوہستانی پہاڑوں میں پانی کہاں سے آتا ہے، اب پانی کا تعلق ہے مگر اس کے طریق آمد کا ہمیں علم نہیں ہے۔ عدم علم سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے اور الصادق الامین نبی ہیں آپ نے جو فرمایا سچ فرمایا۔ لاجب دنیا کی گرمی فیح جہنم کا اثر ہے، اور سیحون و جیحون کا پانی انہار جنت سے ہے۔ رہا یہ سوال کہ فیح جہنم کا اثر دنیا میں کیسے آتا ہے یا انہار جنت سے پانی دنیا کو کیسے منتقل ہوتا ہے تو اس کا ہمارے مشاہدہ میں نہ آنا عدم واقعہ کی دلیل نہیں ہے۔

ایک اشکال کا جواب

بعض ظاہر بین یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ جب جیحون و سیحون انہار جنت سے ہیں اور ان کا پانی بھی جنت سے آتا ہے، پھر تو چاہیے کہ ان میں جنت کے پانی کے اوصاف بھی پائے جائیں: جنت کے پانی میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے پینے سے پیاس نہیں لگتی، بھوک ختم ہو جاتی ہے اور اس میں انسان غرق نہیں ہوتا بلکہ وہ پانی حیات کا باعث ہے۔

علماء نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ معدن کے بدلنے سے اشیاء کا حکم بھی بدل جاتا ہے اور ظرف کے بدلنے سے مظروف کا حکم بدل جاتا ہے اہل منطق کا مشہور اصول ہے کہ حصول اشیاء بانفسہا ہوتا ہے ایک دوسرا قول بھی منقول ہوا ہے کہ حصول اشیاء باشباہہا ہوتا ہے، مگر یہ قول ضعیف اور مجروح ہے، پہلا قول مشہور اور راجح ہے۔ جب خارجی اشیاء کا ہم نے تصور کیا مثلاً نار کا تصور کیا، جبل (پہاڑ) اور بحر (دریا) کا تصور کیا تو منطقی اصول حصول اشیاء بانفسہا کے پیش نظر چاہیے کہ حرق (جلانا) و خرق (پھٹنا اور توڑ دینا) اور غرق (ڈبو دینا) کا تحقق بھی ہو جائے۔ کیونکہ نار کی خاصیت حرق ہے جبل کی خاصیت خرق ہے اور بحر کی خاصیت اغراق ہے۔ جب تصور کیا تو کسی ایک وصف کا تحقق بھی نہ ہوا، حالانکہ حصول اشیاء بانفسہا اس کا متقاضی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ایک ظرف خارج ہے اور ایک ظرف ذہن اسی طرح ایک وجود خارجی ہے اور ایک وجود ذہنی، دونوں ظرفوں کے احکام اور خواص علیحدہ علیحدہ ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ نار، جبل اور بحر ظرف ذہن میں تصور آ جاتے ہیں اور تینوں کا وجود ذہنی محقق ہو جاتا ہے۔ مگر یاد رہے اس سے ظرف خارج اور وجود خارجی ظرف ذہن میں منتقل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ظرف خارج اور وجود خارجی کے اثرات حرق، خرق اور غرق بھی ظرف ذہنی پر مرتب نہ ہوں گے۔

اسی طرح نیل و فرات اور جیحون و سیحون جو انہار جنت سے ہیں، جب ان کا ظرف جنت ہے تو ان کی خاصیت وہاں بھی وہی ہے جو احادیث میں مذکور ہوئی ہے کہ اس کے پینے سے نہ پیاس لگتی ہے نہ بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ اور نہ اس میں انسان غرق ہوتا ہے بلکہ وہ تو حیات اور بقاء کا باعث ہے، مگر جب ظرف بدل گیا اور پانی دنیا کو منتقل ہوا، حصول اشیاء بانفسہا ہوگی، ماہیت اور مظروف منتقل ہو گیا ہے، ظرف اپنی جگہ باقی رہا اس کے خاصیات منتقل نہ ہوئے بلکہ اب جب دنیا ظرف بن گئی ہے تو لامحالہ مظروف پر بھی دنیا کے اثرات مرتب ہوں گے۔

چاند اور سورج کی جہنم میں ڈال دیا جائے گا

جب وقوع قیامت کے بعد جہنم کو انسانیت کے کافرانہ طبقہ کا ایندھن مل جائے گا تو اس کی حرارت میں بھی اعتدال آجائے گا اور مزید تنفس (سانس نکالنے) کی حاجت باقی نہیں رہے گی، جب وہ سانس نہیں نکالے گی تو اس کی فیح کو محفوظ کرنے کے لیے جو کرۂ شمس پیدا کیا گیا ہے اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی لہٰذا یہ چاند سورج بیکار ہو جائیں گے، اور حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب ابتدائے آفرینش سے تا قیام قیامت اطاعت اور فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ لا یعصون اللہ ما امرھم اور انہیں جہنم میں ڈال دینا گویا انہیں سزا دینا ہے۔ کمال اطاعت کا یہ صلہ بظاہر عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے، مگر قدرے تأمل سے یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جاتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف راجع ہوتی ہے کل شئ یرجع الی اصلہ۔ سورج فیح جہنم کا صندوقچہ ہے، گویا اسی

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْعَصْرِ

۲۰۰۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ الْاَحْزَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَلَأَ اللّٰہُ قُبُوْرَھُمْ وَبُیُوْتَھُمْ نَارًا کَمَا حَبَسُوْنَا وَشَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ وَلِمُسْلِمٍ فِیْ رِوَایَۃٍ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ۔

باب ۱۔ جو روایات (وقت) عصر (کے بارہ میں) آئی ہیں۔ ۲۰۰۔ حضرت علیؓ نے کہا، جب کہ احزاب کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے، جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے سورج کے غروب ہونے تک روکے رکھا اور مشغول رکھا۔"

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "انہوں نے ہمیں مشغول رکھا۔ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر سے۔"

سے ہے اور اس کا بچہ ہے۔ اور نورِ قمر شمس سے مستفاد ہے۔ ان کو جہنم میں ڈال دینا گویا اپنی ماں کی گود میں پہنچا دینا ہے۔ جب دونوں کی اصل جہنم ہے تو انہیں اپنے اصل کو واپس کر دینا گویا عین حق شناسی اور احسان مندی ہے اور یہی انصاف کا تقاضا ہے۔

(۲۰۰ تا ۲۰۴) احادیث الباب کی تشریح، اور "صلوٰۃ الوسطیٰ" کی تعیین عصر کا وقت مستحب ائمہ کے مذاہب اور مسلک راجح کے دلائل سے قبل عصر کے وقت کے بارے میں قدرے تفصیل ملحوظ رہے۔

وقت عصر کی تفصیل عصر کے اول وقت کے سلسلہ میں چار اقوال ہیں۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک ایک مثل سے ذرا پہلے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے یعنی وقتِ مشترک سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اور داؤد ظاہریؒ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے ختم ہونے کے بعد بقدر چار رکعت پڑھنے کی مقدار وقتِ فاصل گزرنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) صاحبینؒ اور جمہور کے نزدیک ایک مثل گزرنے کے بعد متصلاً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اس میں نہ وقتِ مشترک ہوتا ہے نہ وقتِ فاصل

(۴) امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو مثل گزرنے پر متصلاً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے

۲۰۱۔ وَعَنْ شَقِيْقِ بْنِ عُقْبَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ فَقَرَأْنَاهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ

۲۰۱۔ شقیق بن عقبہ سے روایت ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے کہا یہ آیت نازل ہوئی۔
حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ حفاظت (پابندی) کرو تمام نمازوں کی بالخصوص نماز عصر کی)
تو ہم نے یہ آیت تلاوت کی جتنی دیر کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ فرما دیا تو یہ

عصر کے آخری وقت کے سلسلے میں بھی چار اقوال ہیں۔
(۱) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وقت قضاء شروع ہو جاتا ہے۔
(۲) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عصر کا وقت اصفرار شمس پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد وقت قضاء شروع ہو جاتا ہے۔
(۳) اصحاب ظواہر کے نزدیک غروب شمس سے پہلے ایک رکعت بقدر وقت باقی رہنے پر عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے
(۴) حنفیہ اور جمہور کے نزدیک غروب شمس پر عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

عصر کا وقت مستحب
(۱) احناف کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر بہتر ہے مگر اتنی تاخیر نہیں ہونی چاہیے کہ سورج زرد پڑ جائے اصفرار شمس ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا حنفیہ حضرات کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔
(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر کی نماز میں تعجیل افضل ہے۔

تاخیر عصر میں حنفیہ کے دلائل
(۱) اسی باب کی آخری حدیث ۲۰۴ جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے جسے ترمذی اور امام احمدؒ کے حوالے سے مصنف نے نقل کیا ہے قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلاً للظھر منکم وانتم اشد تعجیلاً للعصر منہ۔

۲۔ عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا بتاخیر العصر (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۴۴)

نَسَخَهَا اللّٰهُ فَنَزَلَتْ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى فَقَالَ رَجُلٌ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ شَقِيْقٍ لَهُ هِيَ إِذًا صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَقَالَ الْبَرَاءُ قَدْ أَخْبَرْتُكَ كَيْفَ نَزَلَتْ وَكَيْفَ نَسَخَهَا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

آیت نازل ہوئی۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ (تمام نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص نماز عصر کی)

تو ایک شخص نے جو کہ شقیق کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان سے کہا یہ تو پھر نماز عصر ہی ہوئی، تو براءؓ نے کہا میں نے تمہیں بتلا دیا ہے کہ یہ کیسے نازل ہوئی اور اسے اللہ تعالیٰ نے کیسے منسوخ کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

---

(۳) عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔

(معارف السنن ج ۲ ص۲۸)

(۴) حاکمؒ نے اپنے مستدرک میں حضرت علیؓ کے اثر کی تخریج کی ہے عن زیاد بن عبد اللہ النخعی قال کنا جلوساً مع علی فی المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال الصلوٰۃ یا امیر المومنین فقال اجلس فجلس ثم عاد فقال له ذلک فقال علی هذا الکلب یعلمنا السنة؟ فقام علی فصلی بنا العصر الی آخرہ (مستدرک ج ۱ ص۱۹۲ نصب الرایہ ج ۱ ص۲۴۴) اس میں حضرت علیؓ کا تاخیر عصر کرنا ثابت ہے اور اس کے اگلے حصے میں تو یہاں تک ہے کہ جب نماز پڑھ کر اپنی جگہ پر آئے تو سورج ڈوبنے کے قریب نظر آ رہا تھا حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے ذہبیؒ نے بھی تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے اس اثر کی تخریج دارقطنی نے بھی کی ہے۔

صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق

قرآن میں آیت کریمہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ میں صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق کونسی نماز ہے چنانچہ اس کی تعیین کے سلسلہ میں اوجز المسالک ج ۲ ص۲۲ میں بائیس اقوال نقل کیے گئے ہیں امانی الاحبار ج ۲ ص۳۴۵ میں اکیس اقوال کے ساتھ مزید تفصیلات بھی منقول ہیں قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۱ ص۳۲۵ میں سترہ قول نقل کیے ہیں علامہ انور شاہ کشمیریؒ العرف الشذی ص۸۱ میں لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پینتالیس قول ہیں لیکن مشہور اقوال تین ہیں۔

۲۰۷ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الْعَصْرِ - رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ -

---

۲۰۷ - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَلٰوۃِ الوسطیٰ نماز عصر ہے۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

---

(۱) امام مالکؒ کا ایک قول ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد نمازِ فجر ہے۔
(۲) امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ اس سے مراد نماز فجر ہے۔
(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃِ وسطیٰ صلوٰۃِ عصر ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص ۶۲) امام نوویؒ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۲۷) میں لکھتے ہیں کہ علامہ ماوردی شافعیؒ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ العصر ہی صلوٰۃ الوسطیٰ ہے اور امام شافعیؒ کو یہ صحیح روایات نہیں پہنچیں مبارک پوری تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۶۱ میں لکھتے ہیں کہ حق اور صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ، صلوٰۃ العصر ہی ہے اور صحیح احادیث اس کی مؤید ہیں۔

صلوٰۃ الوسطیٰ کی وجہ تسمیہ وسطیٰ اوسط کی تانیث ہے جس کا معنیٰ اعدل اور افضل ہوتا ہے تو وسطیٰ بمعنیٰ فضلیٰ کے ہوئی۔ امام طحاویؒ نے اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں دو قول نقل کیے ہیں۔

(۱) عصر کی نماز سے پہلے دو نمازیں صلوٰۃ نہاریہ ہیں یعنی فجر اور ظہر، اور عصر کی نماز کے بعد دو نمازیں صلوٰۃ لیلیہ ہیں یعنی مغرب اور عشاء۔ تو معلوم ہوا کہ عصر کی نماز بیچ میں ہے اس لیے اس کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا جاتا ہے۔
(۲) حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے باہر نکلے تو چار رکعت نمازِ شکرانہ ادا فرمائی ایک رکعت رات کی تاریکی کی ظلمت سے، دوسری رکعت سمندر کے پانی کی ظلمت سے اور تیسری رکعت مچھلی کے پیٹ کی ظلمت سے نجات کے شکریہ میں پڑھی اور چوتھی رکعت کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ جس مچھلی نے حضرت یونسؑ کو نگل لیا تھا اس کو ایک دوسری مچھلی نے نگل لیا تھا تو یہ ایک دوسری ظلمت ہوگئی تو چوتھی رکعت ادا فرمائی اور بعض حضرات نے کہا کہ چوتھی رکعت ذلت کی ظلمت سے نجات کے شکریہ میں ادا فرمائی۔

قائلین عصر کے دلائل (۱) اسی باب کی پہلی روایت جو حضرت علیؓ سے منقول ہے اور جسے بخاری و مسلم کے حوالے سے مصنف نے ۲۰۰ نمبر میں درج کیا ہے حاصل غزوہ خندق کے

۲۰۴ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

---

۲۰۴ - حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "یہ منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا رہتا ہے اور سورج کا انتظار کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے، کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں لگا دیتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہی تھوڑا کرتا ہے۔"
یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے۔

زمانے میں جنگ کی مصروفیت کی وجہ سے عصر کی نماز میں تاخیر ہو گئی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے کنارے اور ڈھال پر بیٹھ کر فرمایا ملأ اللہ قبورهم وبيوتهم نارا كما حبسونا وشغلونا عن الصلوة الوسطى اور مسلم کے الفاظ میں "صلوٰۃ العصر" کی تصریح بھی منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الوسطیٰ عصر ہی کی نماز ہے چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ احزاب سے پہلے صبح کی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ سمجھتے تھے لیکن جب غزوۂ احزاب کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے لیے صلوٰۃ الوسطیٰ ہونے کی صراحت فرما دی تو ہم عصر کی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ سمجھنے لگے

(۲) باب ہذا کی دوسری حدیث ۲۰۱ بھی حنفیہ کا مستدل ہے جس کا مضمون ترجمہ سے واضح ہے کہ اولاً "حافظوا علی الصلوات وصلوۃ العصر" تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گئی اور والصلوۃ الوسطیٰ کے الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی اس روایت کو امام مسلم نے ج ۱ ص ۲۲۷ میں نقل کیا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

مگر اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ام کلثومؓ سے آیت کریمہ کی قراءت یوں بھی ثابت ہے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ وصلوۃ العصر (طحاوی) اس میں صلوۃ الوسطیٰ کے بعد صلوۃ العصر کا اضافہ ہے نیز صلوۃ العصر کا عطف صلوۃ الوسطیٰ پر کیا گیا ہے جب کہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہوتی ہے جیسا کہ جاءنی زید و عمرو، جو عمرو ہوگا وہ زید نہیں ہو سکتا ایسا ہی جو صلوۃ العصر ہوگی وہ صلوۃ الوسطیٰ نہیں ہو سکتی۔ شارحین حدیث نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

۴۰۲۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعْجِيْلًا لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِيْلًا لِلْعَصْرِ مِنْهُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۰۲۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر تمہاری نسبت زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم نماز عصر آپ کی نسبت زیادہ جلدی پڑھتے ہو۔

یہ حدیث احمد اور ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۱) جب ذات کا عطف ذات پر ہو تو دونوں میں مغایرت لازمی ہوتی ہے جیسا کہ عمر کا عطف زید پر مگر جب صفت کا عطف صفت پر ہو جیسے جاءنی زید ن الکریم والعاقل تو اس صورت میں مغایرت لازم نہیں ہوتی بلکہ اتحاد ضروری ہوتا ہے مندرجہ بالا قراءت میں بھی عطف کی دوسری صورت ہے کہ نماز ایک ایسی شئی ہے جس کے دو صفتی نام ہیں صلوٰۃ الوسطیٰ، صلوٰۃ العصر دونوں صفات ہیں ایک دوسرے پر عطف مغایرت کو مستلزم نہیں ہے۔ یہ جواب قراءت حفصہؓ کے پیش نظر دیا ہے ورنہ قراءت مشہورہ میں صلوٰۃ العصر کا اضافہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت حفصہؓ کے مصحف کے اندر حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وھی صلوٰۃ العصر کا لفظ ہے تو اس صورت میں نہ تو کوئی اشکال کی ضرورت ہے اور نہ جواب کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

(۳) براء بن عازبؓ کی روایت (جس کو بطور استدلال پیش کرنے پر یہ سوال اٹھایا گیا اور جس کو مصنف نے اپنی کتاب میں ۱۰۲ نمبر میں درج کیا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی مذکورہ روایت منسوخ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے نزول اول میں صلوٰۃ الوسطیٰ کے بعد صلوٰۃ العصر کا بھی اضافہ تھا اور نزول ثانی میں صلوٰۃ العصر کا اضافہ نہیں تھا بلکہ صرف صلوٰۃ الوسطیٰ تک تھا ہم کو نزول ثانی سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) نزول ثانی سے عصر کی نماز کے صلوٰۃ الوسطیٰ ہونے کو منسوخ کیا گیا ہے (۲) عصر کی نماز کے دو نام ہیں نزول ثانی میں ایک کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہے لیکن حکم باقی ہے یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ العصر ہے اس طرح کے نسخ کو مفسرین کی اصطلاح میں منسوخ التلاوۃ دون الحکم کہتے ہیں۔

نسخ کی چار قسمیں

اسی مناسبت سے نسخ کی چار قسمیں بھی ملحوظ رہیں۔

(۱) منسوخ الحکم والتلاوۃ، جیسا کہ سورۂ احزاب دو سو آیات پر

مشتمل تھی ان میں سے قرآن مجید میں جو موجود ہے ان کے علاوہ جو آیتیں تھیں ان کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) منسوخ التلاوۃ دون الحکم! جیسا کہ الشیخ والشیخۃ الخ اس آیت کریمہ کا حکم باقی ہے لیکن تلاوت منسوخ ہے اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں صلوٰۃ العصر کی تلاوت منسوخ ہے لیکن حکم باقی ہے۔

(۳) منسوخ الحکم دون التلاوۃ! جیسا کہ سورۃ کافرون کی اس سورۃ کا حکم باقی نہیں ہے لیکن تلاوت باقی ہے۔

(۴) منسوخ المطلق بالمقید! اس کو منسوخ الصفۃ بھی کہا جاتا ہے یعنی حکم عام کو کسی صفت کے ذریعہ سے مقید کرکے حکم عام اور مطلق کو منسوخ کر دینا ہے جیسا کہ آیت وضوء میں مطلقاً پیر دھونے کا حکم ہے لیکن حدیث مسح علی الخفین نے آکر آیت کریمہ کے اطلاق اور عمومیت کو منسوخ کرکے مقید کر دیا ہے مطلب یہ ہوگا کہ فاغسلوا ارجلکم حال عدم الخف۔

قائلین عصر کے مزید دلائل

اس ضمنی بحث کے بعد ہم پھر قائلین عصر کے دیگر دلائل بیان کرتے ہیں۔

(۳) روایت باب ۲۰۲ جسے امام ترمذی نے ج ا ص۲۳ میں نقل کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے جس میں صراحتاً حضورؐ کا ارشاد صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ العصر آیا ہے۔

(۴) امام طحاویؒ فرماتے ہیں دور نبوت کے بعد دور صحابہ میں اجلہ صحابہ کرامؓ نے اس بات پر فتویٰ دیا ہے کہ صلوٰۃ الوسطی عصر کی نماز ہے اس بحث میں حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن لبیبہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے صلوٰۃ الوسطی کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ قرآن پڑھا جاؤں تم نماز کے مصداق سمجھتے جاؤ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے ظہر کے نماز کے متعلق اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس پڑھا اور مغرب کے متعلق الی غسق اللیل اور عشاء کے متعلق ومن بعد صلوٰۃ العشاء اور فجر کے متعلق ان قرآن الفجر کان مشھودا اور عصر کے متعلق حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی پڑھا اور کہا کہ صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ عصر ہی ہے (شرح معانی الآثار ص۱۲۳)

۵۔ حضرت انسؓ کی روایت (۲۰۳) سے صلوٰۃ عصر کے صلوٰۃ وسطی ہونے کی تعیین، اصفرار شمس میں کراہت اور اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

فنقر اربعا۔ ٹھونگے مارنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر طمانیت اور سکون کے اس طرح جلدی جلدی سجدے کرتا ہے جیسے جانور دانے چگتا ہے عصر کی نماز میں سجدے آٹھ ہوتے ہیں مگر یہاں چار اس لیے فرمائے ہیں کہ جب اس نے پہلے سجدے سے اچھی طرح سر نہیں اٹھایا گویا دونوں سجدے ایک سجدے کے حکم میں آگئے یا دونوں سجدوں کو ایک ہی رکن اعتبار کرکے بجائے آٹھ کے چار کا عدد فرمایا ہے۔ یہاں عصر کی نماز کا ذکر خصوصیت سے کیا

بَابُ مَاجَاءَ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

۲۰۵۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا النَّسَائِيَّ۔

باب۔ جو روایات نماز مغرب کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۲۰۵۔ حضرت سلمہؓ بن الاکوعؓ نے کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت ادا فرماتے جب کہ سورج غروب ہو جاتا تھا اور پردے کے پیچھے چھپ جاتا۔ یہ حدیث نسائی کے علاوہ جماعت محدثین نے نقل کی ہے۔

گیا ہے اور دوسری نمازوں کا ذکر نہیں ہوا وجہ یہی ہے کہ یہی نماز وسطیٰ ہے مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عصر کی نماز کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا اس نے اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ظاہر کیا۔

(مظاہر حق ج ۱ صـ۴۲۳)

(۲۰۵ تا ۲۰۶) صلوٰۃ مغرب کے اوّل اور آخری وقت کے بارے میں تفصیل درج ذیل ہے۔

نماز مغرب کے اوّل وقت کے سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام عطاء بن رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ اور وہب بن منبہؒ کے نزدیک مغرب کا وقت طلوع نجوم سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک مغرب کا وقت غروب شمس سے شروع ہوتا ہے۔

(ا) باب ہذا کی پہلی حدیث ۲۰۵ جمہور کا مستدل ہے جس میں صراحتاً غربت الشمس وتوارت بالحجاب کے الفاظ منقول ہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سورج کے غروب ہوتے ہی متصلاً ادا فرمالیا کرتے تھے چاہے ستارہ طلوع ہوا یا نہ ہو۔

(ب) امام طحاویؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے متعلق واقعہ نقل کیا ہے کہ ابو عطیہؒ اور حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ حضورؐ کے دو صحابی ہیں اور دونوں حضرات ایسے ہیں کہ خیر سے گریز نہیں کرتے ہیں اور نہ خیر کی باتوں میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن دونوں میں سے ایک افطار اور مغرب کی نماز میں جلدی کرتے ہیں

اور دوسرے افطار اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرتے ہیں ان دونوں میں سے کون زیادہ افضل ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا جو جلدی کرتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کرتے ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن

۲۰۶ - وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ أَوْ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتّٰى تَشْتَبِكَ النُّجُومُ — رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۲۰۶ - عقبہ بن عامرؓ نے کہا، بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت بھلائی پر رہے گی یا فرمایا فطرت پر رہے گی، جب تک کہ وہ نماز مغرب کو ستاروں کے جھگمٹے تک مؤخر نہ کریں۔

یہ حدیث احمد، ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

مسعودؓ (شرح معانی الآثار ص [illegible])

رج : امام طحاویؒ نے حضرت عمر فاروقؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فتاویٰ نقل کیے ہیں کہ وہ مغرب کا وقت غروب سے متصلاً قرار دیتے ہیں۔

(د) عقبہ بن عامرؓ کی روایت جسے مصنف نے اسی باب کے آخر میں درج کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت بھلائی پر رہے گی یا فرمایا فطرت پر رہے گی جب تک کہ وہ نماز مغرب کو ستاروں کے جھگمٹے تک مؤخر نہ کریں۔

تحریر موضوع کے بعد مغرب کے آخری وقت کی تفصیل اور اختلاف بھی درج کر دیا جاتا ہے مغرب کے آخری وقت کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق اطمینان اور سکون سے وضو کر کے خشوع و خضوع کے ساتھ تین رکعت پڑھنے کے بعد اتنا وقت گزرنے پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) صاحبین، اسحاق بن راہویہؒ، احمد بن حنبلؒ اور سفیان ثوریؒ اور جمہورؒ کے نزدیک (نیز امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق) مغرب کا وقت شفق احمر پر ختم ہو جاتا ہے یعنی شفق احمر کے غائب ہونے پر مغرب ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، ابو العباس مبردؒ اور ابوالحسنؒ فراء وغیرہ کے نزدیک شفق ابیض پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ

۲۰۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَآءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ۔

باب۔ جو روایات نمازِ عشاء کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۲۰۷۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں اپنی امت پر مشقت خیال نہ کرتا تو انہیں ایک تہائی رات (فرمایا) یا نصف رات تک نمازِ عشاء کے مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

یہ حدیث احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی ہے اور (ترمذی نے) اسے صحیح قرار دیا ہے۔

---

۲۰۷ تا ۲۱۰ وقتِ عشاء کی تفصیل اور بیانِ مذاہب عشاء کے وقتِ اول کے بارے میں وہی تین اقوال ہیں جو مغرب کے آخری وقت کے بارے میں گزرے ہیں مزید توضیح اور تنویرِ بحث کے لیے دوبارہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ غروبِ شمس کے بعد اطمینان سے وضو کر کے خشوع اور خضوع سے تین رکعت نماز پڑھنے کے بقدر وقت گذرنے کے بعد شفق سے پہلے پہلے عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) صاحبینؒ اور جمہورؒ فقہاء کے نزدیک نیز امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قولِ مشہور کے مطابق عشاء کا اول وقت شفق احمر کے اختتام پر شروع ہوتا ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، ابوالعباد مبردؒ، ابوالحسن فراءؒ وغیرہ کے نزدیک شفق ابیض کے اختتام کے بعد شروع ہوتا ہے۔

عشاء کے وقتِ آخر کے بارے میں بھی چار اقوال منقول ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق عشاء کا وقت ثلث لیل پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) امام مالکؒ اور شافعیؒ کے قولِ ثانی کے مطابق عشاء کا وقت نصف لیل پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر شدید ضرورت نہیں ہے تو ثلثِ لیل پر ختم ہو جاتا ہے اور شدتِ ضرورت کی وجہ سے طلوعِ فجر تک باقی رہتا ہے۔

۲۰۸۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ انْتَظَرْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً بِصَلٰوۃِ الْعِشَاءِ حَتّٰی ذَھَبَ نَحْوٌ مِّنْ شَطْرِ اللَّیْلِ قَالَ فَجَاءَ فَصَلّٰی بِنَا ثُمَّ قَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَکُمْ فَاِنَّ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوْا مَضَاجِعَھُمْ وَاِنَّکُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِیْ صَلٰوۃٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْھَا وَلَوْلَا ضُعْفُ الضَّعِیْفِ وَسُقْمُ السَّقِیْمِ وَحَاجَۃُ ذِی الْحَاجَۃِ لَاَخَّرْتُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ اِلٰی شَطْرِ اللَّیْلِ۔ رَوَاہُ الْخَمْسَۃُ اِلَّا التِّرْمِذِیَّ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۲۰۸۔ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا ہم نے ایک رات نماز عشاء کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا یہاں تک کہ ایک تہائی رات کے قریب وقت گزر گیا۔ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا، پھر آپ تشریف لائے تو ہمیں نماز پڑھائی، پھر فرمایا "اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو بلا شبہ لوگ اپنے بستروں پر لیٹ چکے ہیں اور تم نماز میں ہی ہو جب سے تم اس کے انتظار میں ہو اگر کمزور کی کمزوری، بیمار کی بیماری اور ضرورت مند کی ضرورت نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرتا۔"

یہ روایت ترمذی اور ابن خزیمہ کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۲) حنفیہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک عشاء کا وقت جواز طلوع فجر تک رہتا ہے

مسلک احناف کی توضیح اور استدلال

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ عشاء کی تاخیر ثلث لیل تک افضل ہے یہ رات کا حصہ اول ہے جو شفق کے بعد سے ثلث لیل تک کا درمیانی حصہ ہے نصف لیل تک مستحب ہے جو ثلث لیل سے نصف لیل تک کا درمیانی حصہ ہے اور اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے جو نصف لیل سے طلوع فجر تک کا درمیانی حصہ ہے حنفیہ کے مسلک پر کوئی ایک جامع حدیث تو نہیں پیش کی جا سکتی البتہ حنفیہ کا مسلک مجموعہ روایات پر مبنی ہے۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثلث لیل کے بعد بھی نماز پڑھنا ثابت ہے اور نصف لیل کے بعد بھی اسی طرح نصف لیل تک مؤخر کرنے کی آرزو بھی ثابت ہے امام نیمویؒ نے بھی باب ہذا میں جو احادیث درج کی ہیں حنفیہ حضرات کے مسلک کا مستدل قرار پاتی ہیں مثلاً

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۲۰۷ جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے حضورؐ فرماتے ہیں اگر مجھے امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ایک تہائی رات تا نصف رات تک نماز عشاء مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔ علاوہ

۲۰۹- وَعَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كَتَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَصَلِّ الْعِشَاءَ أَيَّ اللَّيْلِ شِئْتَ وَلَا تَغْفُلْهَا - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ -

---

۲۰۹- نافع بن جبیر نے کہا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف لکھا "اور عشاء کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو اور اس سے غفلت نہ کرو"

یہ روایت طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ازیں امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۵ میں حضرت انسؓ کی روایت بھی بطور استدلال پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو نصف لیل تک مؤخر فرمایا ہے ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف لیل کے گذرنے کے بعد بھی نماز عشاء ادا فرمائی ہے لہٰذا کہنا ہوگا کہ نصف لیل کے گزرنے کے بعد بھی عشاء کا وقت باقی رہتا ہے ۔—— مگر یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں نصف لیل تک حکم صلوٰۃ عشاء کا ذکر ہے اور حضرت انسؓ کی روایت میں بھی نصف لیل تک نماز پڑھنے کا حکم یا پڑھنے کا عمل ثابت نہیں ہے بلکہ نصف لیل تک مؤخر کرنا ثابت ہے تو اس سے نصف لیل کے بعد پڑھنا کہاں ثابت ہوتا ہے! جواب بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو نصف لیل پر جا کر شروع کرنے کی تمنا کا اظہار کیا ہے عملاً شروع کیا تو لامحالہ اختتام نصف لیل کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

(۲) باب کی دوسری حدیث ۲۰۸ بھی کا مضمون بھی یہی ہے کہ ولولا ضعف الضعیف وسقم السقیم وحاجۃ ذی الحاجۃ لاخرت هذه الصلوۃ الی شطر اللیل۔

(۳) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی ذھب عامۃ اللیل وحتی نام اھل المسجد ثم خرج فصلی۔

شیخ ابن الہمامؒ نے ان تمام روایات کو قابل استدلال قرار دیا ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ وقت عشاء فجر تک باقی رہتا ہے ۔

(۴) بعض صحابہ کرامؓ کے آثار سے بھی حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ امام نیمویؒ نے روایت ۲۰۹ میں نافع بن جبیر کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا مکتوب نقل کیا ہے کہ عشاء کی نماز نصف لیل تک پڑھ سکتے ہیں یا رات کے کسی بھی حصہ تک پڑھ سکتے ہو لیکن غفلت نہیں ہونی چاہیئے۔

۲۱۰۔ وَعَنْ عُبَيْدَةَ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا اِفْرَاطُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ قَالَ طُلُوْعُ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ دَلَّ الْحَدِيْثَانِ عَلٰى اَنَّ وَقْتَ الْعِشَاءِ يَبْقٰى بَعْدَ مُضِيِّ نِصْفِ اللَّيْلِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَلَا يَخْرُجُ بِخُرُوْجِهٖ فَالْجَمْعُ بَيْنَ الْاَحَادِيْثِ كُلِّهَا يَثْبُتُ اَنَّ وَقْتَ الْعِشَاءِ مِنْ حِيْنِ دُخُوْلِهٖ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ اَفْضَلُ وَبَعْضُهٗ اَوْلٰى مِنْ بَعْضٍ وَاَمَّا بَعْدَ نِصْفِ اللَّيْلِ فَلَا يَخْلُوْ مِنَ الْكَرَاهَةِ۔

۲۱۰۔ عبیدہ بن جریج نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا، عشاء کی نماز میں کوتاہی کیا ہے؟ (حضرت ابو ہریرہؓ نے) کہا "طلوع فجر"۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نیموی نے کہا، دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عشاء کا وقت آدھی رات گزر جانے کے بعد بھی طلوع فجر تک باقی رہتا ہے، اور آدھی رات گزرنے پر اس کا وقت نہیں نکلتا، تمام احادیث میں تطبیق اس طرح ہو گی کہ عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد آدھی رات تک افضل ہے اور اس میں بھی بعض حصہ (تہائی رات تک) بعض (تہائی سے نصف رات تک) سے اولیٰ ہے، مگر آدھی رات کے بعد کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔

ف۔ مصنف نے روایت نمبر ۲۱۰ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ نقل کیا ہے جس سے طلوع فجر تک عشاء کا وقت باقی رہنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ امامت جبرئیل کی روایت جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے اس کے اندر اس کی وضاحت ہے کہ یوم ثانی میں عشاء کی نماز رات کی ایک گھڑی گزرنے کے بعد ادا کی گئی تھی تو معلوم ہوا کہ امامت جبرئیل میں وقت فضیلت میں نماز ادا کی گئی۔

قال النیموی۔ صحابہؓ کے آثار بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ کے احکام اور ابو ہریرہؓ کے فتاویٰ جمع کرنے کی صورت یہ ہو گی کہ عام طور پر نصف لیل تک مؤخر کرنا ہی غفلت کی بنا پر ہوتا ہے اس لیے اس کے ثواب میں کمی ہو سکتی ہے مگر ثلث لیل تک مؤخر کرنا غفلت کی بنا پر نہیں ہوتا ہے اس لیے ثواب میں کمی نہیں ہو سکتی بلکہ پوری فضیلت حاصل ہو جائے گی اور ثلث لیل گزرنے کے بعد نصف لیل کے درمیان کے حصہ میں فضیلت بھی درمیانی ہو گی یعنی ثلث لیل کے مقابلہ کم اور نصف لیل کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہو گی بہر حال صحابہؓ کے آثار پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ طلوع فجر تک پوری رات عشاء کے وقت میں داخل ہے لہذا پوری رات کے اندر کوئی وقت قضاء کا وقت نہیں رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّغْلِیْسِ

۲

۲۱۱ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلٰوةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

جو روایات منہ اندھیرے (نماز پڑھنے) کے بارہ میں ہیں ۲۱۱ - ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا ایمان والی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز فجر پڑھنے کے لیے حاضر ہوتیں، اپنی چادروں سے لپٹی ہوئیں، پھر اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں، جب کہ نماز پوری کر لیتیں، اندھیرا ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی بھی نہ پہچان سکتا۔
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

---

۲۱۱ تا ۲۱۳ - مصنف پہلے باب میں تغلیس اور دوسرے باب میں اسفار کی احادیث لائے ہیں اس سلسلہ میں ائمہ کے تین مذاہب مشہور ہیں۔

(۱) ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز بدایۃً اور نہایۃً غلس یعنی اندھیرے میں پڑھنی چاہیے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ سفیان ثوریؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الصبح اسفار میں ہونی چاہیے بدایۃً بھی اور نہایۃً بھی۔

(۳) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الصبح کی ابتداء تو غلس میں ہو مگر ختم اس وقت کرے جب اسفار ہو چکا ہو۔ امام طحاویؒ نے اسی قول کو پسند کیا ہے امام طحاویؒ نے اس قول کی نسبت حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کی طرف کی ہے لیکن صاحب فتح القدیر وغیرہ نے اس نسبت کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل | باب ہذا کے تمام مرویات ائمہ ثلاثہ کے دلائل ہیں قائلین غلس ان تمام فعلی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر کی نماز غلس میں پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث عائشہؓ کے بعض الفاظ کی تشریح | (۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۲۱۱ جسے امام بخاریؒ نے باب وقت الفجر ۱ ص۸۲ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے بعض روایتوں میں متلفعات آیا ہے (ترمذی ج ۱ ص۲۲) دونوں کے معنیٰ ایک ہی یعنی چادر اوڑھنا تلفف لفافہ سے نکلا ہے اور تلفع لفاع سے دونوں کے معنیٰ چادر کے ہیں

۲۱۴ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

۲۱۴- حضرت جابرؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کو، عصر کی نماز جب کہ سورج روشن ہوتا، مغرب جب کہ سورج غروب ہوتا اور عشاء کی نماز اگر لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی ادا فرماتے اور اگر لوگ کم ہوتے، تو مؤخر فرماتے اور صبح کی نماز منہ اندھیرے ادا فرماتے۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

البتہ بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ لفافہ وہ چادر ہے جس سے سر ڈھک جائے اور لفاع اس کو کہتے ہیں جس سے سر نہ ڈھکے مروط مرط کی جمع ہے اس کے معنی بھی چادر کے ہیں الغلس لغۃ ظلمۃ اللیل کو کہتے ہیں اس کا اطلاق اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے جو طلوع فجر کے بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے یہاں وہی اندھیرا مراد ہے

حدیث عائشہؓ سے حنفیہ کے جوابات

حنفیہ حضرات اس حدیث سے استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ

(ا) اس حدیث میں من الغلس کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں بلکہ مدرج ہے ان کا قول تو لا یعرفھن پر ختم ہو گیا یہی روایت ابن ماجہ ج ا ص۴۹ میں ہے جس میں راوی کہتا ہے تعنی من الغلس یعنی بقول راوی حضرت عائشہؓ اس کی مراد غلس لیتی ہیں حالانکہ حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ تھا کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتی ہیں اس لیے انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننا اندھیرے کی وجہ سے تھا اس لیے من الغلس کا اضافہ کر دیا گویا یہ راوی کا ادراج ہے جو حجت نہیں ـــــ اگر صرف عدم معرفت سے استدلال کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عدم معرفت چادروں کی وجہ سے تھی غلس کی وجہ سے نہ تھی۔

(ب) اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اصل حدیث میں من الغلس موجود ہے تب اس حدیث سے استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ دراصل اس زمانے میں مسجد نبوی کی دیواریں چھوٹی تھیں چھت نیچی تھی اور اس میں کھڑکیاں بھی نہیں تھیں اس لیے اسفار کے باوجود اس میں اندھیرا چھایا رہتا تھا جس کی وجہ سے عورتیں نہیں پہچانی جاتی تھیں۔

۲۱۳- وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَأَخْبَرَنِيْ بِوَقْتِ الصَّلٰوةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسِبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حِيْنَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ مِنَ الصَّلٰوةِ فَيَأْتِيْ ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

۲۱۳- حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "جبرئیل نازل ہوئے اور مجھے نماز کے وقت بتلائے تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی " آپ اپنی انگلیوں پر پانچ نمازیں گنتے رہے۔
تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج ڈھل گیا اور کبھی جب کہ گرمی شدید ہوتی تو اُسے مؤخر فرماتے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے جبکہ سورج بلند روشن ہوتا، پہلے اس کے کہ سورج زردی میں داخل ہو، تو آدمی نماز سے فارغ ہو کر، سورج کے غروب

(ج) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم علی الرأس والعین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الصبح اندھیرے ہی میں پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا۔ مگر امت کو اسفار کا حکم دیا اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر- اور یہ اصول ہے کہ قولی اور فعلی احادیث کے تعارض کے وقت ترجیح قولی احادیث کو دی جاتی ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے فعلی احادیث سے استدلال کے مقابلہ میں احناف کا قولی احادیث سے استدلال زیادہ محکم ہے (نیل الاوطار ج ۲ صلاؔ)
امام محمدؒ نے دونوں حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ تغلیس اور اسفار کی دونوں روایتیں جمع ہو جائیں تاہم قاضی شوکانیؒ کی بات بڑی وزنی ہے اور امت کے لیے قولی حدیث ہی قابل عمل ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت سے استدلال اور حنفیہ کا جواب

۲- ائمہ ثلاثہ کا دوسرا مستدل حضرت جابرؓ کی روایت ہے جسے بخاری ج ۱ صـ۸۰ اور مسلم ج ۱ صـ۲۳۰ میں نقل کیا گیا ہے۔

وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ حِينَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الْأُفُقُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثُمَّ صَلَّى مَرَّةً أُخْرَى فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيسَ حَتَّى مَاتَ لَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ حِبَّانَ وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَالزِّيَادَةُ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ۔

ہر شے سے پہلے ذرا لمبا ہو جاتا، اور مغرب اس وقت ادا فرماتے جب کہ سورج چھپ جاتا اور عشاء کی نماز اس وقت ادا فرماتے جب کہ افق سیاہ ہو جاتا اور بسا اوقات اسے مؤخر فرماتے تاکہ لوگ اکٹھے ہو جائیں اور صبح کی نماز کبھی منہ اندھیرے پڑھتے، پھر کبھی دوسری مرتبہ اس کو روشن کر کے پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد آپ کی نماز منہ اندھیرے ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ وفات پاگئے۔ آپ نے اسے روشنی کی طرف نہیں لوٹایا۔

یہ حدیث ابوداؤد، ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے اور زیادتی غیر محفوظ ہے۔

ابومسعود الانصاریؓ کی روایت سے قائلین غلس کا استدلال اور حنفیہ کے جوابات

۲۔ المکۃ الثالثہ کا تیسرا

مستدل حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے جسے امام ابوداؤدؒ نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۵۶ میں اور امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجرای وقت ھو میں نقل کیا ہے اور امام نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں ص ۲۱۲ نمبر کی روایت کے طور پر درج کیا ہے طحاویؒ کے الفاظ میں یہ روایت یوں منقول ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الغداۃ فغلس بھا ثم صلاھا فاسفر ثم لم یعد الی الاسفار حتی قبضہ اللہ عزوجل اور ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں جسے خود مصنفؒ نے بھی ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے وصلی الصبح مرۃ بغلس ثم صلی مرۃ اخری فاسفر بھا ثم کانت صلوٰتہ بعد ذلک التغلیس حتی مات لم یعد الی ان یسفر۔

اس کا جواب خود امام نیمویؒ نے ان الفاظ کے ساتھ دیا ہے وفی اسنادہ مقال والزیادۃ غیر محفوظۃ دراصل یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے حدیث امام نیمویؒ نے بھی نقل کر دی ہے۔ اس کے مواقیت والے حصے کو خود امام ابوداؤد نے معلول قرار دیا ہے انہوں نے معلول قرار دینے کی وجہ یہ بیان

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْإِسْفَارِ

۲۱۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةً لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَلِمُسْلِمٍ قَبْلَ وَقْتِهَا بِغَلَسٍ۔

باب: جو روایات روشنی میں (نماز پڑھنے کے بارہ میں) آئی ہیں ۲۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو نمازوں کے علاوہ بغیر وقت کے کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا اور فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ (فجر کی نماز) وقت سے پہلے منہ اندھیرے پڑھی۔

کی ہے کہ اس حدیث کو امام زہریؒ سے اسامہ بن زیدؓ کے علاوہ معمرؒ، امام مالکؒ، سفیان بن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ، لیث بن سعد اور دوسرے حفاظ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان میں سوائے اسامہ بن زید لیثی کے کسی نے بھی مواقیت والا حصہ روایت نہیں کیا قال ابن خزيمة هذه الزيادة لم يقلها احد غير اسامة بن زيد (صحیح ابن خزيمة) یہ گویا صرف اسامہ بن زید لیثی کا تفرد ہے لہذا ان کی یہ روایت دوسرے ائمہ کی روایات کے مقابلہ میں معلول ہے کیونکہ اگر اسامہ بن زید کو ثقہ بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی دوسرے رواۃ اُن سے زیادہ اوثق ہیں علاوہ ازیں اسی حدیث میں ظہر کی نماز کے بارے میں یہ آیا ہے کہ ربما اخرها (الظهر حين يشتد الحر) حالانکہ امام شافعیؒ اسے تسلیم نہیں کرتے لہذا حنفیہ حضرات کی صریح اور صحیح مستدلات کے مقابلہ میں یہ روایت حجت نہیں قرار دی جا سکتی۔

۴۔ قائلین غلس کا چوتھا استدلال حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا غلس میں نماز پڑھنے کا معمول ہے مگر حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ اُن کا یہ استدلال اس وقت صحیح اور تام ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حضرات غلس میں شروع کر کے غلس ہی میں ختم کیا کرتے تھے جب کہ یہ ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے عن انسؓ ان ابا بكر قرأ في صلوٰة الصبح بالبقرة فقال له عمر حين فرغ قربت الشمس ان تطلع قال لو طلعت لم تجدنا غافلين (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵۳ ما يقرأ في صلوٰة الفجر)

(۴) (۲ تا ۲۲۲) اس باب کی تمام روایات حنفیہ حضرات کے مسلک کا مستدل ہیں کہ صلوٰۃ الصبح اسفار

٢١٥ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعًا فَصَلَّى الصَّلَاتَيْنِ كُلَّ صَلٰوةٍ وَحْدَهَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَالْعَشَاءُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ يَقُوْلُ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِيْ

٢١٥- عبداللہ بن یزیدؒ کہتے ہیں، میں حضرت عبداللہؓ کے ساتھ مکہ کی طرف نکلا، پھر ہم مزدلفہ آئے تو انہوں نے دو نمازیں پڑھیں، ہر نماز علیحدہ، اذان اور اقامت کے ساتھ، اور ان دونوں کے درمیان رات کا کھانا کھایا، پھر فجر کی نماز جب فجر طلوع ہوگئی، کہنے والا کہتا کہ فجر طلوع ہوگئی ہے اور کوئی کہتا کہ فجر طلوع نہیں ہوئی پھر ابن عمرؓ نے کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک یہ دو نمازیں اس جگہ اپنے وقت سے ہٹا دی گئیں ہیں،

میں ہونی چاہیے ہدایہؒ بھی اور نہایہؒ بھی، سفیان ثوریؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

قبل میقاتہا سے مراد کیا ہے

باب کی پہلی روایت ٢١٦ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے (ج ۱ ص۲۲۸) اور مسلم نے (ج ۱ ص۴۱۷) میں نقل کیا ہے جس میں اصل موضع استشہاد وصلی الفجر قبل میقاتہا کے الفاظ ہیں مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فجر کی نماز وقت سے قبل پڑھی سوال یہ ہے کہ قبل میقاتہا سے مراد کیا ہے شارحین حدیث نے اس کی توضیح میں کہا ہے کہ

(ا) علامہ ابن الترکمانیؒ فرماتے ہیں معناہ قبل وقتہا المعتاد اذ فعلہا قبل طلوع الفجر غیر جائز، لہٰذا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاخیر (اسفار) کی عادت تھی مگر آج کے روز انہوں نے اپنے وقت معتاد (اسفار) سے پہلے پڑھ لی (الجوہر النقی علی السنن البیہقی ج ۱ ص[illegible])

(ب) امام زیلعیؒ فرماتے ہیں قال العلماء یعنی وقتہا المعتاد فی کل یوم لا انہ صلاھا قبل الفجر وانما غلس بہا جدا ویوضحہ روایۃ فی البخاری والفجر حین بزغ وھذا دلیل علی انہ علیہ السلام کان یسفر بالفجر دائماً وقلّما صلاھا بغلس واللہ اعلم (نصب الرایہ)

(ج) امام نوویؒ فرماتے ہیں المراد قبل وقتہا المراد وقتہا المعتاد لا قبل طلوع الفجر لان ذلک لیس بجائز باجماع المسلمین (شرح المسلم للنوویؒ ج ۱ ص۴۱۷)

(د) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں والحدیث استدل بہ من قال باستحباب الاسفار لان قولہ

هٰذَا الْمَكَانِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَلَا يَقْدَمُ النَّاسُ جَمْعًا حَتّٰى يُعْتِمُوْا وَصَلٰوةَ الْفَجْرِ هٰذِهِ السَّاعَةَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ هُمَا صَلٰوتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ وَالْفَجْرِ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔

مغرب اور عشاء یہیں لوگ مزدلفہ میں نہ آئیں، جب تک اندھیرا نہ کرلیں اور فجر کی نماز اس وقت پڑھیں۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے۔

جب فجر طلوع ہوئی تو ابن عمرؓ نے کہا، بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر یہ نماز اس جگہ، اسی دن، عبداللہؓ نے کہا، وہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے پھر گئی ہیں، مغرب کی نماز اس کے بعد کہ لوگ مزدلفہ میں آجائیں اور فجر یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جائے (حضرت عبداللہؓ نے) کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

قبل ميقاتها فدبين رواية مسلم انه في وقت الغلس فدل على ذلك الوقت اعني وقت الغلس مقدم على ميقات الصلوٰة المعروف عند ابن مسعودؓ فيكون الميقات المعهود هو الاسفار لانه الذي يعقب الغلس فيصلح ذلك للاحتجاج به على الاسفار۔

(۲) یہی روایت ابوداؤد طیالسی ص۳۲ میں بھی منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھائی پھر فرمایا ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي هذه الصلوٰة في هذا الوقت الا في هذا المقام او كما قال (واللفظ للطيالسي) اس روایت کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تغلیس میں نماز پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہ تھا

اسفار کے معنیٰ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی توجیہ اور حنفیہ کے جوابات

اسفار کے معنیٰ میں شوافع حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں وقال الشافعي واحمد واسحٰق معنى الاسفار ان يضح الفجر

۲۱۷ - وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْفِرُوْا بِالصَّلٰوةِ الْفَجْرِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ اَوْ قَالَ لِاُجُوْرِكُمْ رَوَاهُ الْحُمَيْدِيُّ وَاَصْحَابُ السُّنَنِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

---

۲۱۹ - رافع بن خدیجؓ نے کہا ، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فجر کی نماز کو روشنی کر کے پڑھو ، بے شک یہ ثواب کے لیے زیادہ بہتر ہے ، یا آپ نے یوں فرمایا "تمہارے ثواب کے لیے زیادہ بہتر ہے"
یہ روایت حمیدی اور اصحاب سنن نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فلا یشک فیہ ولم یروان معنی الاسفار تاخیر الصلوٰۃ (ترمذی ج ۱ ص۲۲) مگر علماء احناف کہتے ہیں کہ یہ تاویل درست نہیں اس کے متعدد وجوہات ہیں۔

۱۔ اولاً اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بلال اسفر بالصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار (ابو داؤد طیالسی ص۱۲۹ ، نصب الرایہ ج ۱ ص۲۳۸ ، الدرایہ ص۵۴) جس میں آپؐ نے واضح طور پر اسفار کی مراد متعین فرما دی ہے۔

۲۔ ثانیاً اس لیے بھی کہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ شوافع کی یہ تاویل باطل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر لفظ اعظم اسم تفضیل ہے اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ طلوع فجر کے بعد نماز کا اجر زیادہ ہوگا اور طلوع فجر سے پہلے نماز جائز اور صرف اجر والی ہے حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ طلوع فجر سے پہلے نماز فجر جائز ہی نہیں۔

۳۔ امام خطابیؒ نے اس اشکال کا ایک جواب دینے کی کوشش کی ہے مگر وہ جواب بھی عجیب ہے فرماتے ہیں کہ طلوع فجر سے قبل نماز فجر تو باطل ہے لیکن اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اذا اجتھد الحاکم فان اصاب فلہ اجران وان اخطأ فلہ اجر واحد (بخاری ج ۲ ص۱۰۹۲) یعنی فی صورۃ الخطأ حکم تو باطل ہے لیکن اجر ملے گا ایسے ہی اس مقام پر قبل طلوع نماز تو باطل ہو گی لیکن اجر ملے گا (معالم السنن ج ۱ ص۱۴۹) مگر امام خطابیؒ کے جواب کی یہ کوشش اور یہ توجیہ باطل ہے وجہ ظاہر ہے کہ مجتہد کا اجتہاد غیر منصوص چیزوں میں ہوتا ہے جب کہ فجر کا علی وقتہ ادا کرنا منصوص ہے تو قیاس المنصوص علی غیر المنصوص باطل ہے ——— علاوہ ازیں حدیث میں دا عظم — اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مفضل علیہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے مگر حیرت ہے کہ اس نکتے کو بھی امام خطابیؒ نے ملحوظ نہیں رکھا اور بڑے اطمینان سے کہدیا کہ نماز تو باطل ہے مگر اجر ملے گا۔

۷۱۷ ۔ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ عَنْ رِجَالٍ مِّنْ قَوْمِهِ الْاَنْصَارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ الزَّيْلَعِيُّ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ ۔

---

۷۱۷ ۔ محمود بن لبیدؓ اپنی قوم انصار کے مختلف آدمیوں سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم فجر کو جو روشن کرکے پڑھتے ہو، یہ ثواب کے لیے (غلس کی نسبت) زیادہ ہے۔"
یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے، حافظ زیلعیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ ہے ۔

مضمون حدیث واضح ہے اور یہ حدیث جسے امام بخاریؒ نے کتاب الحج ج ۱ صفحہ ۲۲۸ باب متی یصلی الفجر بجمع اور صفحہ ۲۲۷ میں باب من اذن و اقام لکل واحد منھما میں نقل کیا ہے فجر کی نماز طلوع فجر کے بعد ایسے وقت میں پڑھی فلما طلع الفجر قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی ھذہ الساعۃ الا ھذہ الصلوٰۃ فی ھذا المکان من ھذا الیوم ۔

مسئلہ الجمع بین الصلوٰتین | باب ہٰذا کی پہلی دونوں روایات کے اندراج کا اصل مقصد تو اگرچہ اسفار کے استحباب پر استدلال ہے مگر دونوں احادیث میں مسئلہ الجمع بین الصلوٰتین بھی مذکور ہے لہٰذا اسی مناسبت سے ذیل میں اجمالاً اس کی بحث بھی درج کر دی جاتی ہے۔

جمع بین الصلوٰتین کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

۱ ۔ جمع صوری ! اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول نماز کو اپنے وقت کے بالکل اخیر میں پڑھا جائے اور ثانی نماز کو اپنے وقت کے بالکل شروع میں پڑھا جائے تو دونوں نمازیں تو اپنے اپنے وقت پڑھی جائیں گی لیکن صورت و شکل کے اعتبار سے جمع بین الصلوٰتین ہے کیونکہ اس سے فارغ ہوتے ہی بلا کسی توقف کے دوسری نماز ادا کی گئی ہے ایسی جمع کو جمع صوری کہا جاتا ہے اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

۲ ۔ جمع حقیقی ! اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو نمازوں کو کسی ایک وقت میں جمع کرکے پڑھا جائے چاہے پہلی والی نماز کو اپنے وقت سے ہٹا کر دوسری والی نماز کے وقت میں جمع کرکے پڑھی جائے جیسا کہ یوم مزدلفہ میں مغرب اور عشاء دونوں کو عشاء کے وقت میں جمع کرکے پڑھا جاتا ہے اس طرح کی جمع کو جمع تاخیر کہا جاتا ہے اور یا بعد والی نماز کو اپنے وقت سے مقدم کرکے پہلی والی نماز کے وقت میں پڑھا جائے جیسا کہ یوم عرفہ میں عصر کی نماز کو مقدم کرکے ظہر اور عصر کو جمع کرکے دونوں کو ظہر کے وقت میں پڑھا جاتا ہے اس طرح

۲۱۸- وَعَنْ هُرَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّيْ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ نَوِّرْ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْإِسْفَارِ۔ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ وَابْنُ عَدِيٍّ وَالطَّيَالِسِيُّ وَاِسْحَاقُ وَابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۲۱۸- ہریر بن عبدالرحمٰن بن رافع بن خدیج ؓ نے کہا میں نے اپنے دادا" رافع بن خدیج ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا "اے بلال ؓ! صبح کی نماز میں" تک روشن کرو کہ قوم روشنی کی وجہ سے اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ سکے"۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم، ابن ابی عدی، طیالسی، اسحٰق، ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کی جمع کو جمع تقدیم کہا جاتا ہے تو جمع حقیقی کی یہ دونوں صورتیں عرفات اور مزدلفہ میں بالاتفاق جائز ہیں۔

البتہ اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ اس طرح کی جمع، عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ دوسرے مقامات اور دوسرے حالات اور زمانوں میں جائز ہے یا نہیں؟

جمع بین الصلوٰتین اور بیان مذاہب | یوں تو جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں شروح حدیث کی کتابوں میں بہت اقوال نقل کئے گئے ہیں فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۲۹۰، اوجز المسالک ج ۲ صفحہ ۔۔۔، بذل المجہود ج ۲ صفحہ ۲۲۳، معارف السنن ج ۲ صفحہ ۱۶۱، امانی الاحبار ج ۲ صفحہ ۲۱۸ میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہیں ہم ذیل میں مشہور اقوال نقل کر دیتے ہیں۔

(۱) سفر، مرض، مطر اور عذر کی صورت میں جمع بین الصلوٰتین تقدیماً بھی درست ہے اور تاخیراً بھی مثلاً صلوٰۃ عصر کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ پڑھنا جمع تقدیماً ہے اور صلوٰۃ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھنا جمع تاخیراً ہے یہ مسلک امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ مریض کے لیے نہیں مانتے۔

جب کہ عطاء ابن رباح، طاؤس ابن کیسان، محمد ابن منکدر، صفوان ابن سلیم اور امام مجاہدؒ وغیرہ کے نزدیک ہر حال میں سفر و حضر، عذر و غیر عذر علی الاطلاق جائز ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، حسن بصریؒ، محمدؒ ابن سیرینؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے نزدیک جمع حقیقی علی الاطلاق جائز نہیں ہے نہ جمع تقدیماً نہ جمع تاخیراً بجز عرفات اور مزدلفہ کے، عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیمی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیری۔ ابن رشدؒ فرماتے ہیں عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین

۲۱۹ - وَعَنْ بَيَانٍ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدِّثْنِي بِوَقْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ عِنْدَ دُلُوكِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ بَيْنَ صَلَاتَيْكُمُ الْأُولَى وَالْعَصْرِ وَكَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّفَقِ وَيُصَلِّي الْغَدَاةَ عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ حِينَ يَفْسَحُ الْبَصَرُ كُلُّ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَقْتٌ أَوْ قَالَ صَلٰوةٌ رَوَاهُ أَبُو يَعْلٰى وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۱۹۔ بیان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا وقت بتا دیجئے۔ انہوں نے کہا "آپ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے اور عصر کی نماز تمہاری پہلی نماز اور عصر کے درمیانی وقت میں پڑھتے اور سورج کے غروب کے وقت مغرب ادا فرماتے، اور عشاء غروب شفق کے وقت ادا فرماتے، اور فجر کی نماز طلوع فجر کے وقت جب کہ آنکھ کھل جاتی (یعنی چیزیں صاف نظر آنے لگ جائیں) ان تمام اوقات کے درمیان (نماز کا) وقت ہے یا فرمایا نماز ہے۔"

یہ حدیث ابو یعلیٰ نے نقل کی ہے، ہیثمیؒ نے کہا اس کی اسناد حسن ہے۔

میں تمام آئمہ کا اتفاق ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ صفحہ ۱۱۹)

باب ہذا کی پہلی دونوں روایات حنفیہ کا مستدل ہیں جن میں مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں اکٹھا پڑھا گیا پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ان ھاتین الصلوا تین حولتا عن وقتھما فی ھذا المکان المغرب والعشاء باقی رہیں وہ احادیث جن میں مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ دیگر مقامات اور اوقات میں نمازوں میں جمع کا ذکر آیا ہے تو وہ جمع صوری اور فعلی پر محمول ہیں جمع صوری کا مطلب اس سے قبل بھی عرض کر دیا گیا ہے مثلاً صلوٰۃ ظہر کو مؤخر کیا جائے اور ظہر کے آخری وقت میں پڑھا جائے جب اس سے فارغ ہو تو عصر کا وقت داخل ہو جائے گا اس میں عصر پڑھے یعنی دونوں اپنے اپنے وقتوں میں ایک اول میں اور ایک آخر میں۔

احناف کے دلائل

عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کسی بھی جگہ پر جمع بین الصلوا تین حقیقی صحیح نہیں ائمہ احناف اس کے کئی دلائل بیان فرماتے ہیں۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (بقرہ) ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرو۔

۲۔ ان الصلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتا (نساء) یعنی نماز وقت معین کے اندر لکھی

۲۲۰۔ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الصُّبْحَ بِغَلَسٍ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَسْفِرُوا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَإِنَّهُ أَفْقَهُ لَكُمْ إِنَّمَا تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَخْلُوْا بِحَوَائِجِكُمْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۲۰۔ جبیر بن نفیر نے کہا، حضرت امیر معاویہؓ نے ہمیں صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھائی تو حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا "اس نماز کو روشن کرو، بلاشبہ یہ تمہارے لیے زیادہ سمجھ کی بات ہے تم یہ چاہتے ہو کہ اپنی ضروریات کے لیے (جلدی) فارغ ہو جاؤ" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ہوگی اور فرض کی پوری ہے۔

۳۔ فویلٌ للمصلین الذین ھُمْ عن صلاتھم ساھون، اس کی تفسیر بعض سلفِ صالحین نے یوں کی ہے ساھون ای یؤخرون عن اوقاتھا اسی طرح فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اضاعوا الصلوٰۃ ای اَخَّرُوْھَا عَنْ اوقاتھا سے کی گئی ہے تو جن لوگوں نے وقت کی پابندی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی مذمت بیان فرمائی تو تاخیر اور تقدیم کیسے درست ہو سکتی ہے۔

(۲۱۶) مضمونِ حدیث ترجمہ سے واضح ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ابواب الصلوٰۃ ج ۱ ص۲۲ باب ما جاء فی الاسفار بالفجر میں نقل کیا ہے یہ حدیث حنفیہ کی مؤید بلکہ قوی مستدل ہے اور اصح ما فی الباب ہونے کے ساتھ ساتھ صریح بھی ہے جسے تمام اصحاب صحاح نے نقل کیا ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں الحدیث حسن صحیح حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں "حدیث صحیح" (فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۱ ص۹۵) علامہ عزیزیؒ بھی فرماتے ہیں "حدیث صحیح" السراج المنیر شرح جامع الصغیر ج ۱ ص۲۶۱ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "صححہ غیر واحد" (فتح الباری ج ۲ ص۴۴) علامہ ہیثمیؒ نے لکھا ہے بروایۃ ھریر بن عبد الرحمٰن بن رافع بن خدیج مرفوعاً نوروا بالصبح بقدر ما یبصر القوم مواقع نبلھم وقال ھریر ذکرہ ابن حبان فی الثقات (مجمع الزوائد ج ۱ ص۳۱۶) موارد الظمآن ص۸۹ میں ایک روایت یوں بھی آئی ہے کلما اصبحتم فانہ اعظم لاجورکم اور ایک روایت کے الفاظ ایسے بھی آتے ہیں اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر طحاوی میں ایک روایت آتی ہے کلما اصبحتم بالفجر فانہ اعظم للاجر اور دوسری روایت میں نوروا بالفجر فانہ اعظم للاجر آتا ہے ——

باقی رہی یہ بات کہ شوافع حضرات نے ان احادیث کی جن میں اسفار آیا ہے ظہورِ فجر سے تاویل کی ہے یہ

۲۲۱- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ يَا مُؤَذِّنُ أَسْفِرْ أَسْفِرْ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَالطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۲۱- علی بن ربیعہ نے کہا میں نے حضرت علیؓ کو مؤذن سے یہ کہتے ہوئے سنا نماز فجر کو (روشنی کرو) روشن کرو۔ یہ حدیث عبدالرزاقؒ، ابوبکر بن ابی شیبہ اور طحاویؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

تاویل باطل ہے۔

امام زیلعیؒ نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ فان الغلس الذی یقولون بہ ھو اختلاط ظلام اللیل بنور النہار کما ذکرہ اھل اللغۃ وقبل ظھور الفجر لا یصح صلوٰۃ الفجر فثبت ان المراد بالاسفار انما ھو التنویر وھو التاخیر عن الغلس وزوال الظلمۃ (نصب الرایہ ج ۱ ص۲۳۹ بحوالہ التعلیق الحسن علی آثار السنن)

اس کا تفصیلی جواب اس سے قبل عرض کر دیا گیا ہے۔

(۲۱۷) اس روایت کو امام نسائی (ج ۱ ص۹۴) سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے بھی نصب الرایہ ج ۱ ص۲۳۴ میں اسے سند صحیح کے ساتھ منقول ہونے کا درجہ دیا ہے عن رجال یہاں رجال کے مجہول ہونے کا اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ من قوم من الانصار سے واضح ہے کہ رجال صحابہ کرامؓ تھے اور وہ سب کے سب عدول ہیں۔

(۲۱۸) اس روایت کو معجم طبرانی (رقم الحدیث ص۹۶۱) کامل ابن عدی، مصنف عبدالرزاق مستدرک حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا نور بصلوٰۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار (نقلہ الہیثمی فی الزوائد ۱ : ۳۱۶) اس قسم کی حدیث حافظ ابن حجرؒ نے بھی تلخیص الحبیر (ج ۱ ص۱۸۳) میں نقل کی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں وہ فرماتی ہیں ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ لوقتہا الآخر حتی قبضہ اللہ (دارقطنی ج ۱ ص۲۶۲) لیکن حافظ ابن حجرؒ کا یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر اس کا کوئی طریق درست ہو تب بھی اس میں حضرت عائشہؓ کا مقصد آپ کی عام عادت بیان کرنا ہے کہ آپ نماز کے بالکل انتہائی وقت میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور اسفار بالکل آخری وقت نہیں ہوتا

(۲۱۹) اس روایت کو علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۳۱۶ باب بیان الوقت میں نقل

۲۲۲۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۲۲۔ عبدالرحمٰن بن یزید نے کہا ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے تھے، تو وہ فجر کی نماز روشن کرتے۔

یہ حدیث طحاویؒ، عبدالرزاقؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کیا ہے موضع استشہاد حدیث کے یہ الفاظ ہیں ویصلی الغداۃ عند طلوع الفجر حین یفتح البصر حکذا مابین ذلک وقت۔

(۲۲۰) اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے بالکل غلس میں نماز ادا فرمائی تو حضرت ابو الدرداءؓ نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ فجر کی نماز میں اسفار کیا کرو اس لیے کہ یہ تم کو آخرت کی زیادہ یاد دلانے والا ہے اس سے دنیا کے مقابلے میں آخرت زیادہ یاد آیا کرے گی تم لوگ چاہتے ہو کہ جلدی سے فراغت حاصل کرکے اپنی دنیاوی ضروریات میں مصروف ہو جاؤ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں حضرت ابو الدرداءؓ کا نکیر اس بنا پر تھا کہ فجر کی نماز میں قراءت کو لمبا کر دیا جائے یہاں تک کہ اسفار میں جا کر ختم کر دیا جائے ان کی نکیر کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ غلس میں نماز شروع نہ کی جائے بلکہ غلس میں شروع کرکے طول قراءت کے ذریعے اسفار میں جا کر ختم کرنا مقصد ہے۔

(۲۲۱) اس روایت میں حضرت علیؓ کا ارشاد منقول ہے حضرت علیؓ کا فتویٰ اور عمل اسفار پر رہا ہے کہ وہ غلس میں شروع کرکے اسفار میں ختم کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ اپنے شاگرد قنبر سے کہا کہ اسفار کیا کرو اسفار کیا کرو اور حضرت علیؓ کے دوسرے شاگرد حضرت عبد خیر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ فجر کی نماز کو کبھی بالکل اسفار اور چاند نے میں پڑھا کرتے تھے اور کبھی بالکل غلس میں پڑھا کرتے تھے امام طحاویؒ فرماتے ہیں مطلب ظاہر ہے کہ غلس میں نماز شروع فرما کر قراءت کو لمبی کر دیا کرتے تھے جس کے ذریعے سے اسفار کو پا لیا کرتے تھے۔

اس کے بعد روایت نمبر ۲۲۲ حضرت عبداللہ بن مسعود کا عمل امام طحاوی نے نقل کیا ہے جس کا مضمون واضح ہے علاوہ ازیں ترمذی ج ۱ ص ۲۱ میں حدیث امنی جبرئیل کے اندر یہ جملہ بھی ہے ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض اور یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۵۶، ۵۷ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۶ میں بھی ہے جس کے الفاظ ہیں

اسفر جداً قال الحاکم والذہبی صحیح۔

امام طحاویؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ما اجتمع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی شیء ما اجتمعوا علی التنویر (شرح معانی الآثار ج ۱ کتاب الصلوٰۃ فی آخر باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر)

حنفیہ کے مسلک کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ ان کے مستدلات قولی بھی ہیں اور فعلی بھی، بخلاف شوافع کے مستدلات کے کہ وہ صرف فعلی ہیں جب کہ قولی حدیث راجح ہوتی ہے۔

رفع تعارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسفار اور تغلیس کے باب میں تعارض حدیث کے رفع کا ایک طریقہ یہ اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ اسفار افضل ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قولی روایت میں جو حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کا حکم دیا ہے لیکن عملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلس میں بھی بکثرت نماز پڑھی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تقریباً تمام صحابہ کرامؓ نماز تہجد کے عادی تھے اور جہاں تہجد پڑھنے والوں کی اتنی کثرت ہو وہاں ان کی سہولت کی خاطر تغلیس ہی بہتر ہوتی ہے جیسا کہ خود حنفیہ کے نزدیک رمضان میں تغلیس بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غلس میں جماعت کا اجتماع ہو جائے یا غلس کی صورت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ رہتی ہو اس وقت حنفیہ حضرات بھی تغلیس کی افضلیت کے قائل ہیں لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس خصوصی عمل (نماز تہجد) کی بنا پر زیادہ تر تغلیس رہا لیکن جہاں پر یہ وجہ موجود نہ ہو وہاں اس پر اصل حکم اسفار لوٹ آئے گا۔

اَبْوَابُ الْاَذَانِ

بَابٌ فِیْ بَدْءِ الْاَذَانِ

۲۲۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِیْنَ قَدِمُوا الْمَدِیْنَۃَ یَجْتَمِعُوْنَ فَیَتَحَیَّنُوْنَ الصَّلٰوۃَ لَیْسَ یُنَادِیْ لَہَا فَتَکَلَّمُوْا یَوْمًا فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰی وَقَالَ بَعْضُھُمْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْیَھُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا یُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوۃِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

اذان کے ابواب

باب۔ اذان کی ابتداء میں۔ ۲۲۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا مسلمان جب مدینہ منورہ آئے تو وہ جمع ہوکر نماز کا وقت مقرر کرلیتے نماز کے لیے کوئی پکارتا نہ تھا، انہوں نے ایک دن اس سلسلہ میں مشورہ کیا کچھ لوگوں نے کہا عیسائیوں جیسا ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا یہود کے سینگ کی طرح بگل بنالو، حضرت عمرؓ نے کہا تم کیوں کسی آدمی کو نہیں بھیجتے جو نماز کے لیے پکارے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بلالؓ! اٹھو اور نماز کے لیے پکارو۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

(۲۲۴ تا ۲۲۵) لغت میں اذان کا معنیٰ اعلام اور اطلاع دینا ہے اور اصطلاحِ شریعت میں اعلام باوقات الصلوات بالفاظِ مخصوصۃ اذان ہے۔

جمہور محدثین اور مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی اور صحیح بھی یہی قول ہے جیسا کہ باب ہذا کے روایات بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اذان کی تعلیم کہاں ہوئی

البتہ حافظ ابن حجرؒ نے طبرانی اور ابن مردویہؒ کے حوالہ سے بعض روایات نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اذان کی تعلیم مکہ مکرمہ میں ہوچکی تھی اور جب آپ معراج پر تشریف لے گئے تھے وہاں حضرت جبرئیل نے آپ کو اذان سکھائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ کو اذان دیتے ہوئے سنا تھا مگر حافظؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اگر بالفرض ان روایات کو صحیح مان لیا جائے تو علامہ سہیلیؒ نے روض الانف میں یہ تطبیق دی ہے کہ

۲۲۴۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۲۴۔ حضرت انسؓ نے کہا، (صحابہؓ کے مشورہ میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کا تذکرہ کیا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلالؓ سے فرمایا کہ اذان کو دوہرا اور اقامت کو اکہرا کہو،

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

لیلۃ الاسراء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان سنائی گئی تھی مگر اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا بعد میں جب حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے خواب (جسے ہمارے مصنف نے (۲۲۵) نمبر میں درج کیا ہے) کے ذریعہ اذان کی تعلیم دی گئی تو اس وقت آپؐ کو وہ کلمات یاد آ گئے جو لیلۃ الاسراء میں ملائکہ سے سنے تھے چنانچہ آپؐ نے بلا تامل ارشاد فرمایا ان ھذہ لرؤیا حق۔

مشروعیت اذان کا قصہ بہرحال یہ بات محقق ہے کہ اذان مدینہ طیبہ میں ہی شروع ہوئی جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جب مسجد نبوی تعمیر ہو گئی تو لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی فکر ہوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرامؓ سے مشاورت ہوئی باب ہذا کی تینوں روایات میں تفصیل آ گئی ہے اصل حدیث اور ترجمہ میں تفصیل مذکور ہے بہرحال اس موقع پر بعض نے کہا ناقوس بناؤ مثل ناقوس النصاریٰ ناقوس خشبۃ کبیرۃ طویلۃ کو کہتے ہیں جو چھوٹی لکڑی کے ساتھ بجائی جاتی ہے جس کا نام وبل ہے بعض نے یہ تجویز دی کہ مجوس کی طرح اونچی جگہ آگ جلانی چاہیئے جس کو دیکھ کر لوگ آئیں بعض کہا بوق یا قرن ہو مثل قرن الیھود جس کے معنیٰ بگل کے ہوتے ہیں مگر ان میں کسی بھی چیز پر اتفاق رائے نہ ہو سکا کیونکہ ان میں سے جس چیز کو بھی اختیار کیا جاتا غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت کے اندیشے سے ترک کر دیا جاتا تھا جیسا کہ باب ہذا کی دوسری روایت کے الفاظ فذکروا الیھود والنصاریٰ سے یہی مدلول ہے کہ ان کی مشابہت کا ذکر ہوا فقال عمر اَوَلَا تبعثون رجلاً ینادی بالصلوٰۃ حضرت عمرؓ کی اس تجویز پر ایک آدمی کو گلی کوچوں میں منادی کے لیے مقرر کر دیا جائے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اس کے لیے مقرر فرمایا کہ وہ گلی کوچوں میں جا کر الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان کریں باب ہذا کی پہلی روایت فناد بالصلوٰۃ سے یہی مراد ہے جیسا کہ حضرت نافع بن جبیر کی ایک روایت بھی اس کو ثابت کرتی ہے جس میں یہ الفاظ مروی ہیں فنصیح بالصلوٰۃ الصلوٰۃ جامعۃ (فتح الباری ج ۲ ص۲) اسی دوران حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب دیکھا

۲۲۵- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ فَقَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ فَقُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَذَكَرَ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ قَالَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ

۲۲۵- حضرت عبداللہ بن زید بن عبداللہؓ نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا حکم دے دیا، تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کی خاطر بجایا جائے۔ تو میں سو رہا تھا، میرے پاس ایک آدمی آیا جو کہ اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا، میں نے اسے کہا، اے اللہ کے بندے! کیا تم ناقوس بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اسے کیا کرو گے، میں نے کہا، ہم اس کے ساتھ لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے، اس نے کہا لیکن میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں، میں نے اسے کہا، ہاں (بتایئے) اس نے کہا یوں کہو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے) تو اس نے پوری اذان اور اقامت کا ذکر کیا، حضرت

ان کو خواب میں ایک شخص ملا جو در حقیقت فرشتہ تھا اس کے پاس ناقوس تھا عبداللہ بن زید نے کہا یہ مجھے دیدو ہم نماز کے لیے لوگوں کو جمع کیا کریں گے انہوں نے پھر اذان کا طریقہ اور کلمات بتائے جس کی تفصیل اسی باب کی آخری روایت میں ہے جسے ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صك باب کیف الاذان میں نقل کیا ہے۔

ایسا ہی خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا والذی بعثک بالحق یا رسول اللہ لقد رأیت مثل ما رأی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فللّٰہ الحمد۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ ہجرت کے کونسے سال اذان سکھائی گئی اس میں اختلاف ہے حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ اذان کی تعلیم کا واقعہ ہجرت کے دوسرے سال پیش آیا علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اذان کی مشروعیت ہجرت سے پہلے سال ہوئی امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے پہلے سال اذان مشروع ہوئی کیونکہ امام بخاریؒ نے آیت قرآنی یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (جمعہ-۹) سے استدلال کیا وہ کیونکہ جمعہ ہجرت کے فوراً بعد فرض ہو گیا تھا اور اس میں اذان کا ذکر ہے۔

ایک تعارض اور اس کا حل | فلما سمع ذلک عمر بن الخطاب عبداللہ بن زیدؓ کی روایت سے

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهِ قَالَ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهِ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَأَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

عبداللہ بن زیدؓ نے کہا جب میں نے صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جو میں نے دیکھا تھا آپ کو اس کی اطلاع دی، اس پر آپ نے فرمایا، بلاشبہ یہ سچا خواب ہے ان شاء اللہ، تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، تو میں وہ کلمات (بلالؓ کو) بتاتا اور وہ اذان پکارتے (حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے) کہا، یہ اذان حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنی جب کہ وہ اپنے گھر میں تھے، وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (یعنی جلدی سے) یہ کہتے ہوئے نکلے، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ بلاشبہ میں نے (رات) بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے، جیسا اب دیکھ رہا ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔"
یہ حدیث ابوداؤد اور احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اذان کے الفاظ کی مشروعیت کا علم اس وقت ہوا جب حضرت بلالؓ نے اذان دی لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن زیدؓ خواب سنا رہے تھے حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے (ابوداؤد جلد ۱ صـ) بلکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں تو یہ الفاظ مروی ہیں کہ قال وكان عمرؓ بن الخطاب قد راٰه قبل ذلك فكتمه عشرين يومًا قال ثم اخبر النبى صلى الله عليه وسلم فقال ما منعك ان تخبرنى فقال سبقنى عبد اللهؓ بن زيد فاستحييت (ابوداؤد ج ۱ صـ) ان مختلف روایات کی وجہ سے اصل صورت حال کے سمجھنے میں الجھن اور بظاہر تعارض پیدا ہو گیا ہے شارحین حدیث رفع تعارض میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ خواب حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے بیس روز پہلے دیکھا تھا مگر وہ اس کو بھول گئے تھے مگر جب حضرت عبداللہؓ نے خواب سنایا تو انہیں یاد آ گیا مگر متقاضیا خاموش رہے کیونکہ حضرت عبداللہؓ پہل کر چکے تھے والفضل للمتقدم اور ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گھر تشریف لے گئے ہوں بعد میں جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو اس وقت انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہی عرض کیا کہ والذى بعث بالحق الخ اے اللہ کے پیغمبر! اس

ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جو شب میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ اب دیکھ رہا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابو بکرؓ نے بھی دیکھا تھا حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہ ہیں مگر ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ نے اس کی تردید کی ہے

(فتح الباری ج ۲ ص ۶۳)

اذان کا شرعی حکم

ابن رشدؒ نے اذان کے بارے میں ائمہ مذاہب کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ امام مالکؒ سے اذان کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ ایک قول میں وہ اسے فرض اور دوسرے قول میں سنت قرار دیتے ہیں جماعت کے حق میں بھی اور منفرد کے حق میں بھی یہی کہتے ہیں مگر جماعت کے لیے اذان زیادہ مؤکد ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۰۳)

۲۔ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ اذان کے فقہی حکم کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے مشہور یہ ہے کہ سنت ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص ۳۵)

۳۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اصطخری شافعیؒ کے نزدیک اذان واجب ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۳)

۴۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے منقول ہے کہ اذان ہمارے نزدیک سنت ہے اور امام محمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ واجب ہے (العرف الشذی ص ۱۰۰) قائلین وجوب مالک بن حویرثؓ کی روایت فلیؤذن احدکما اور ایک دوسری روایت فاذنا ثم اقیما کے صیغۂ امر سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے قائلین سنیت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان کا فقہی حکم فرض وجوب وغیرہ تو منقول نہیں چونکہ آپ نے مواظبت کی لہذا سنت مؤکدہ کہنا چاہیے چنانچہ اصول فقہ والے لکھتے ہیں۔

والمواظبۃ من غیر ترک دلیل الوجوب والمواظبۃ بترک دلیل السنیۃ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّرْجِیْعِ

۲۲۶۔ عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاَذَانَ فَقَالَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

باب: جو روایات ترجیع کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۲۲۶۔ حضرت ابو محذورۃؓ نے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی، آپ نے فرمایا۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

(اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

(۲۲۶ تا ۲۲۷) ترجیع کے معنیٰ ہیں کہ اذان میں شہادتین کو چار مرتبہ اسی طرح ادا کیا جائے کہ دو مرتبہ پست آواز سے کہنے کے بعد دوبارہ دو مرتبہ بلند آواز سے کہا جائے پہلے باب میں ترجیع کی مثبت احادیث درج ہیں دوسرے باب میں وہ احادیث لائی گئی ہیں جو عدم ترجیع پر دلالت کرتی ہیں۔

دونوں ابواب کے احادیث کو سمجھنے اور ان سے استدلال کے لیے تمہیداً تعداد کلمات اذان اور اس سلسلہ میں ائمہ کے اختلاف اور بیان مذاہب ملحوظ رہیں تو سہولت رہے گی۔

تعدادِ کلماتِ اذان میں اختلاف کلمات اذان کی تعداد میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے اور اختلاف بھی دو جگہ میں ہے (۱) تکبیر کے تثنیہ یا تربیع میں، یعنی اذان کے آغاز میں اللہ اکبر دو دفعہ کہنا چاہیئے یا چار مرتبہ (۲) ترجیع یا عدم ترجیع میں، ترجیع کا مطلب آغاز باب میں عرض کر دیا ہے کہ پہلے شہادتین کو دو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جائے پھر شہادتین کو دو دو مرتبہ دوبارہ بلند آواز سے کہا جائے۔

(۱) تکبیر کے تثنیہ یا تربیع کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں شروع میں تکبیر دو مرتبہ کہی جائے یعنی

ثُمَّ يَعُوْدُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَاَخْرَجَهٗ مُسْلِمٌ بِتَثْنِيَةِ التَّكْبِيْرِ۔

وہ (موذن) لوٹے اور کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	(آؤ نماز کے لیے (آؤ نماز کے لیے آؤ کامیابی کے لیے آؤ کامیابی کے لیے (اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں۔

یہ حدیث نسائی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ حدیث مسلم نے بھی تکبیر کے دوبار ذکر کے ساتھ نقل کی ہے۔

اس کے تثنیہ کے قائل ہیں۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء کے نزدیک شروع اذان میں تکبیر میں تربیع (چار مرتبہ) کہنا ہے دوسرے مسئلہ ترجیع میں بھی ائمہ کے دو مذہب مشہور ہیں۔

(۱) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترجیع مسنون ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ترک ترجیع مسنون ہے۔ البتہ بعض محدثین تجیر کے قائل ہیں۔

خلاصہ ان مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالکؒ تثنیۂ تکبیر اور ترجیع کے قائل ہیں ان کے نزدیک کلماتِ اذان کی تعداد سترہ ہے

امام شافعیؒ تربیعِ تکبیر اور ترجیع کے قائل ہیں ان کے نزدیک کلماتِ اذان انیس ہوں گے حنفیہ اور حنابلہ تربیعِ تکبیر اور ترکِ ترجیع کے قائل ہیں ان کے نزدیک کلماتِ اذان پندرہ ہوں گے چونکہ بعض روایات میں شروع میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا مذکور ہے ایسی روایات کی بنا پر امام مالکؒ تثنیۂ تکبیر کے قائل ہوئے لیکن اکثر روایات صحیحہ میں چار مرتبہ اللہ اکبر آیا ہے اس لیے جمہور تربیعِ تکبیر کے قائل ہیں۔

۲۲۶ - وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۲۲۶۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے انیس کلمات اذان اور سترہ کلمات اقامت سکھائی۔

یہ حدیث ترمذی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قائلین ترجیع کے دلائل

قائلین ترجیع کا مستدل حضرت ابو محذورہؓ کی روایات ہیں جسے ہمارے مصنف نے باب ہذا میں درج کیا ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص ۷۳ اور ترمذی ج ۱ ص ۲۶ میں نقل کیا گیا ہے ابو محذورہؓ کا نام سمرۃؓ بن معیر ربیعہ وزن منبر ہے ان کے قبول اسلام کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے ہجرت کا آٹھواں سال اور شوال کا مہینہ تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے اس وقت ابو محذورہؓ جو اس وقت ایک شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اور اپنے ہی جیسے نو دیگر یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہو رہے تھے راستہ ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات ہوگئی نماز کا وقت آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان دی ہم سب اس اذان سے منکر اور متنفر تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز پہنچ گئی تو آپ نے ہم سب کو بلوا بھیجا ہم لاکر آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے آپ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی (ابو محذورہؓ کہتے ہیں) کہ میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کیا اور بات سچی بھی تھی آپ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو ابو محذورہؓ کا بیان ہے کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے جس اذان دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی یعنی میرا دل معاذ اللہ آپ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن میں مجبور اور بے بس تھا اس لیے ناچار حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی جب میں اذان ختم کر چکا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی اور میرے سر کے اگلے حصے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھا اور پھر آپ نے دست مبارک میرے

بھروبر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور پھر قلب وجگر پر اور پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا اور یہ دعا دی بارک اللہ فیک وبارک اللہ علیک یہ دعا آپؐ نے مجھے تین دفعہ دی حضورؐ کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لعنت دور ہوگئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہوگئی اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکۂ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیجئے آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ! ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو ۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہؓ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہ وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے جیسے بال نہ کٹوانا ان کی عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ترجیع بھی ان کی عاشقانہ ادا تھی اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا اس لیے کہ اس کے جواز میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

بہرحال حضرت محذورہؓ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے باب کی دونوں روایات میں ترجیع مذکور ہے۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ایک دفعہ میں نے آپؐ کے سامنے آہستہ کہا اور ایک دفعہ آپؐ نے بلند کہلوایا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہاں تعلیم اذان مقصود نہ تھی بلکہ ان کے دل میں حالتِ کفر میں جو شہادتین سے نفرت تھی اسے کم کرنا تھا۔

دلائل ترجیع سے قائلینِ عدم ترجیع کے جوابات

(۱) حضرت ابو محذورہؓ کی روایت کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ ابو محذورہؓ کی اذان والی روایات دو قسم پر ہیں بعض میں ترجیع منقول ہے اور بعض میں منقول نہیں جیسا کہ طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت ابو محذورہؓ کی اذان بغیر ترجیع کے نقل کی ہے (معارف السنن ج ۲ ص۱۸۱) گویا دونوں روایات میں تعارض ہوا اذا تعارضا تساقطا کے ضابطے کے مطابق دونوں روایات ساقط ہوگئیں اب ان کے بجائے باقی جن روایات سے استدلال کیا جائے گا وہ سب ترجیع سے خالی ہیں ـــــ مگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ جواب کمزور ہے کیونکہ تعارض سے تساقط وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں جانب کی روایات مساوی ہوں مگر یہاں تو وہ روایات زیادہ قوی ہیں جن میں ترجیع ثابت ہے جن میں ترجیع نہیں ہے وہ اس درجہ کی نہیں لہٰذا یہ بات بہرحال ماننی پڑے گی کہ ابو محذورہؓ کی اذان ترجیع والی تھی۔

۲۔ صاحب ہدایہ نے ابو محذورہؓ کی روایت سے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ وکان ما روا ہ تعلیماً فظنہ ترجیعاً یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی غرض سے شہادتین کو بار بار دہرایا حضرت ابو محذورہؓ سمجھے یہ اذان کا جزو ہے (ھدایہ فی باب الاذان) مگر صاحب ہدایہ کی یہ توجیہ حضرت ابو محذورہؓ کے فہم سے بدگمانی پر مبنی ہے جو مناسب نہیں نیز ابوداؤد کی روایت میں "ثم ارجع فمد صوتک

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ الخ کے صریح الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں۔

۲۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ابو محذورہؓ کو ترجیع کی اجازت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جو ان کی خصوصیت تھی ترجیع کو اذان کی سنتِ عامہ قرار دینا مقصود نہ تھا خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ ترجیع کی یہ صورت حضرت ابو محذورہؓ کے اسلام کا سبب بنی تھی حضورؐ نے خصوصیت سے ان کو ترجیع کی اجازت اس لیے دی تاکہ اسلام کا سبب یاد آ کر دل کی لذت اور شکر کا سبب بن سکے (فتح الملہم ج ۲ صت)

۴۔ بعض نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ ابو محذورہؓ کو ترجیع کی اجازت خصوصیتِ بلد کی وجہ سے تھی ابو محذورہؓ مکۃ المکرمہ میں ترجیع کرتے تھے یہ مکۃ المکرمہ کی خصوصیت تھی وجہ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام کی عظمت و جلال اور شوکت و رفعت کا اظہار ہے کیونکہ وہی شہر ہے جس میں کسی وقت شہادتین کا اظہار جرم تھا اللہ نے فتح کرایا پورا غلبہ اور تسلط دلایا شہادت کا تکرار کر کے اسلامی عظمت اور شوکت کا اظہار کیا جا رہا ہے خلاصہ یہ کہ خصوصیتِ مؤذن ہو یا خصوصیتِ بلد، یہ بات ماننی لازمی ہے کہ ترجیع اذان کی سنتِ عامہ نہیں ہے اگر یہ اذان کی سنت ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی اذان اس سے خالی نہ ہوتی۔

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ان الاختلاف فی کلمات الاذان کالاختلاف فی احرف القرآن کلہا نقات مقصد یہ ہے کہ اذان کے تمام کلمات شروع ہی سے منزل من اللہ ہیں حضرت بلالؓ کی اذان میں ترجیع نہ تھی حضرت ابو محذورہؓ کی اذان میں ترجیع تھی اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سعد القرظؓ جو قبا کے مؤذن تھے کی اذان ترجیع پر مشتمل تھی (سنن دارقطنی ج ۱ صفحہ ۲۳۶ باب ذکر سعد القرظؓ) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ترجیع صرف حضرت ابو محذورہؓ کے ساتھ خاص نہ تھی جبکہ حضرت سعد القرظؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں بغیر ترجیع کے اذان دیا کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱ صفحہ)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بھی روایات مروی ہیں کہ وہ شہادتین کو تین مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ صفحہ) ان روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب طریقے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور جائز ہیں۔

البتہ حنفیہؒ نے عدم ترجیع کو راجح قرار دیا کہ حضرت بلالؓ سفر و حضر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا معمول یہ تھا کہ وہ بغیر ترجیع کے اذان دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں احناف کے دلائل اگلے باب میں آ رہے ہیں ـــــ مگر یاد رہے کہ بات اولویت اور غیر اولویت کی ہے۔ احناف کے نزدیک عدم ترجیع اولیٰ ہے تاہم ترجیع کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَدَمِ التَّرْجِيعِ

۲۲۸۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ جو روایات عدم ترجیع کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۲۲۸۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تم میں سے بھی جس کسی نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، پھر مؤذن نے اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، اس نے بھی اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، پھر مؤذن نے اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا، اس نے بھی اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا، پھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہا، اس نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ہے۔)

پھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہا، اس نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہا، پھر مؤذن نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، اس نے بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، پھر مؤذن نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، اس نے بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، (یہ کلمات اس نے) دل سے کہے تو جنت میں داخل ہو گیا۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

(۲۲۸ تا ۲۲۹) باب ہذا کی دونوں روایات قائلین عدم ترجیع کے دلائل ہیں پہلی روایت (مسلم، کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ [illegible]) اور دوسری روایت ترمذی ج ۱ صفحہ [illegible] میں منقول ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح: حضرت عمر بن الخطاب کی روایت میں اللہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ کہا گیا ہے کہ سمجھانے کے لیے دو مرتبہ کہنا کافی تھا اس لئے شہادتین میں بھی صرف ایک مرتبہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا معنی واضح ہے کہ برائی سے بچنے اور نیک کام کی توفیق اللہ ہی کی طرف

۲۲۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ هَمَّ بِالْبُوْقِ وَاَمَرَ بِالنَّاقُوْسِ فَنُحِتَ فَأُرِيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فِي الْمَنَامِ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فَقُلْتُ لَهُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ تَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهِ قُلْتُ اُنَادِيْ بِهِ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكَ قُلْتُ وَمَا هُوَ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

۲۲۹۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے کہا، رسول اللہ علیہ وسلم نے بگل کا ارادہ فرمایا تھا اور ناقوس بنانے کے لیے حکم دے دیا تھا۔ تو وہ چھیل کر بنا لیا گیا تو عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں دکھایا گیا (حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے) کہا، میں نے ایک آدمی کو جس پر دو سبز چادریں تھیں۔ ناقوس اٹھائے ہوئے دیکھا، تو میں نے اسے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا تم ناقوس فروخت کرتے ہو۔ اس نے کہا، تم اس کے ساتھ کیا کرو گے۔ میں نے کہا میں اس کے ساتھ نماز کے لیے پکاروں گا۔ اس نے کہا کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ بتاؤں؟ میں نے کہا، وہ کیا ہے؟ اس نے

سے ہے جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے ساتھ لوگوں کو نماز کی دعوت دیتا ہے تو اس کے جواب میں یہ کلمات کہنے والا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں میری قوت اور طاقت کہاں؟ کہ اس عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کا تحمل کر سکوں یہ تو صرف اللہ ہی کی قدرت و توفیق پر مبنی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے کلمات کو اسی طرح دہرا کر جواب دینا مستحب ہے حیعلتین کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہیے۔

اذان کا جواب ہر شخص دے سکتا ہے کہ خواہ بے وضو ہو یا باوضو جنبی ہو یا حائض بشرطیکہ جواب دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہو مثلاً پاخانہ، جماع، یا نماز میں مصروفیت وغیرہ مگر ان امور سے فراغت کے بعد کلمات اذان کے جواب میں کلمات کہہ دیئے۔

من قلبه دخل الجنة اس کا تعلق یا تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے ہے یا اذان کے پورے کلمات سے ہے جب کہ ظاہری طور پر بھی دوسرا مفہوم متبادر ہے، دخول جنت ہوگا خواہ عذاب کے بغیر یا عذاب بھگتنے کے بعد، مقصد یہ ہے کہ مؤذن کا جواب دینے والا نجات پائے گا۔ فانه اندی صوتاً صاحب قاموس نے "اندی" کے معنی احسن بتائے ہیں اور بعض دوسرے اہل لغت نے اس کے معنی

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا رَأٰى قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْتُ رَجُلًا عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فَقَصَّ عَلَيْهِ الْخَبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ رَأٰى رُؤْيَا فَاخْرُجْ مَعَ بِلَالٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَلْقِهَا عَلَيْهِ وَلْيُنَادِ بِلَالٌ

کہا تم یوں کہو۔

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ۔

(راوی نے) کہا حضرت عبداللہ بن زیدؓ (گھر سے) نکلے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب دیکھا تھا بتا دیا، انہوں نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے ایک آدمی کو جس پر دو سبز کپڑے تھے ناقوس اٹھائے ہوئے دیکھا، پھر تمام واقعہ آپ کو بتا دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ تمہارے ساتھی نے

ادغم کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

قائلین عدم ترجیع کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے جس میں ترجیع نہیں ہے۔

۲۔ دوسری روایت جو عبداللہ بن زیدؓ سے منقول ہے اصل اذان بھی وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو ملک منزل نے سکھائی ہے اس میں شہادتین کی ترجیع نہیں ہے قال ابن الجوزیؒ فی التحقیق حدیث عبد اللہ بن زیدؓ ھو اصل فی التاذین ولیس فیہ ترجیع فدل علی ان الترجیع غیر مسنون۔

(حواشی آثار السنن للنیمویؒ ص۶۳)

۳۔ حضرت بلالؓ آخر وقت تک بلا ترجیع اذان دیتے رہے حالانکہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً دس سال تک سفر و حضر کے رفیق تھے اور ایک روایت کے مطابق ان کو ترجیع والی اذان بھی تعلیم کی گئی تھی۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص۲۳۶)

فَإِنَّهُ أَنْدَى صَوْتًا مِنْكَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَ بِلَالٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَجَعَلْتُ أُلْقِيهَا عَلَيْهِ وَهُوَ يُنَادِي بِهَا قَالَ فَسَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالصَّوْتِ فَخَرَجَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ الَّذِي رَأَى - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُو دَاوُدَ وَأَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْبُخَارِيُّ فِيمَا حَكَاهُ عَنْهُ التِّرْمِذِيُّ فِي الْعِلَلِ-

---

ایک خواب دیکھا ہے، تم بلال رضؓ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ، تم بلال رضؓ کو یہ کلمات بتاؤ اور بلال رضؓ پکاریں بلاشبہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں (حضرت عبداللہ بن زید رضؓ نے) کہا میں بلال رضؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا، میں وہ کلمات ان کو بتاتا جاتا اور وہ پکارتے جاتے، (عبداللہ بن زید رضؓ نے) کہا، حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے آواز سنی تو گھر سے نکل کر کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! خدا کی قسم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا اُس نے دیکھا ہے۔

یہ حدیث ابن ماجہ، ابو داؤد اور احمد نے نقل کی ہے، ترمذی، ابن خزیمہ اور بخاری نے "جیسا کہ ترمذی نے کتاب العلل میں بخاری سے نقل کیا ہے" اسے صحیح قرار دیا ہے۔

البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضؓ کی اذان میں حضرت ابو محذورہ رضؓ کے واقعہ کے بعد تغیر پیدا ہو گیا تھا مگر ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ حضرت سوید بن غفلہ رضؓ فرماتے ہیں سمعت بلالاً یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنیٰ (شرح معانی الآثار ج ۱ باب الاقامۃ کیف ھی)

حضرت سوید رضؓ مخضرمین میں سے ہیں حافظ ابن حجرؒ تقریب میں لکھتے ہیں کہ یہ ٹھیک اس روز مدینہ منورہ پہنچے جس روز حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس دفن کیا گیا تو اس سے یہ واضح ہے کہ انہوں نے حضرت بلال رضؓ کی اذان حضور ﷺ کی وفات کے بعد سنی لہٰذا اس روایت سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ ابو محذورہ رضؓ کے واقعہ کے بعد بلال رضؓ کی اذان میں تغیر ہو گیا تھا۔

۴۔ مسجد نبوی کے دوسرے مؤذن عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ اور مسجد قبا کے مؤذن حضرت سعد رضؓ کی اذان میں بھی ترجیع نہیں ہوتی تھی۔

۵۔ نسائی اور ابو داؤد میں حضرت ابن عمر رضؓ کی روایت ہے قال کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثنیٰ مثنیٰ (ولفظہ للنسائی فی کتاب الاذان واخرجہ ابوداؤد ج ۱ ص ۷۲ باب فی الاقامۃ) اذان مثنیٰ مثنیٰ تب ہی بنتی ہے جب ترجیع نہ ہو ترجیع کی صورت میں اذان کا بڑا حصہ

بَابٌ فِيْ إِفْرَادِ الْإِقَامَةِ

۲۳۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔

باب۔ اقامت کو اکہرا کہنے کے بارہ میں۔ ۲۳۰۔ حضرت انس بن مالکؓ سے کہا بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان کو دوہرا اور اقامت کو اکہرا کہے۔

یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے اور بعض نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ قد قامت الصلوٰۃ کے سوا یعنی انہیں دوہرا کہے۔

یعنی شہادتین مثنیٰ مثنیٰ نہیں رہتا بلکہ اربع مرات بن جاتا ہے۔

۲۔ امام طحاویؒ عدم ترجیع پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شہادتین کی ترجیع کے سلسلے میں دو قسم کی روایات اور اقوال مذکور ہیں تو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کونسا قول زیادہ صحیح ہے ہم نے غور و خوض کر کے دیکھا کہ اذان کے اندر جتنے کلمات ہیں ان میں سے کسی میں ترجیع نہیں ہے علاوہ شہادتین کے، اور خود شہادتین میں اختلاف ہے تو شہادتین کے سلسلہ میں ایک قول ترجیع کا ہے اور اس کے لیے کوئی نظیر نہیں ہے اور ایک قول عدم ترجیع کا ہے اس کے لیے نظیر ہے کہ اذان کے دوسرے کلمات میں بالاجماع ترجیع نہیں ہے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے شہادتین پر ترجیع نہیں ہونا چاہیے۔ یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔
(شرح معانی الآثار ۱/۷۴)

(۲۳۰ تا ۲۳۲) اقامت کی کیفیت اور کمیت کیا ہے یعنی اقامت میں کتنے کلمات ہیں اور کس طرح کہی جائے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث بدایۃ المجتہد ج ۱ صـ۱۰۰ اوجز المسالک ج ۱ صـ۱۷۶ نیل الاوطار ج ۱ صـ۳۳ فتح الملہم ج ۲ صـ۱ بذل المجہود ج ۱ صـ۲۸۱ الکوکب الدری ج ۱ صـ۱۰۰ امانی الاحبار ج ۲ صـ۲۱۲ میں ملاحظہ فرمائیے مذکورہ کتب میں تین مذاہب نقل کیے گئے ہیں۔

۱۔ امام سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ، اصحاب الرائےؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور اہل کوفہؒ کا مسلک ہے کہ اذان بھی مثنیٰ مثنیٰ ہے اور اقامت بھی، ان کے نزدیک کلمات اقامت سترہ ہیں یعنی اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ بھی ہے گویا ان حضرات کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں اور اقامت میں ایتار نہیں۔ صاحب بحر نے لکھا ہے کہ یہ

۲۳۱- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۳۱- حضرت ابن عمرؓ نے کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو، دو بار تھی اور اقامت ایک ایک بار مگر وہ (اقامت کہنے والا) کہتا، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ (یعنی یہ جملہ دو بار کہتا)، یہ حدیث احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نزدیک ترجیع مباح ہے نہ سنت ہے نہ مکروہ (البحر الرائق ج ۱ صـ۲۶۹) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اسی پر اعتماد ہے (العرف الشذی صـ۱۰۱)

۲- امام مالکؒ، ربیعۃ الرائےؒ اور اہل مدینہؒ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ، شہادتین دو مرتبہ، حیعلتین دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ ایک مرتبہ، پھر اللہ اکبر ایک مرتبہ پھر کلمۂ توحید ایک مرتبہ یہ کل دس کلمات ہوئے گویا ان کے نزدیک سارے کلمات میں ایتار یا افراد ہے۔

۳- امام شافعیؒ امام احمدؒ اسحٰق بن راہویہؒ امام اوزاعیؒ حسن بصریؒ اہل مصرؒ اہل یمن، اہل شام اور اہل حجاز کے ہاں کلماتِ اقامت گیارہ ہیں یہ بھی ایتار فی الاقامت کے قائل ہیں مگر قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہوگا۔ دوسرا اور تیسرا مذہب تقریباً ایک ہی ہے صرف قد قامت الصلوٰۃ میں فرق ہے اس لیے ہم ان دونوں مسلکوں کو فریق ثانی اور پہلے مسلک کو فریق اول سے تعبیر کریں گے۔

فریق ثانی کے دلائل اور ان کے جوابات

باب ہذا کی تینوں روایات فریق ثانی کا مستدل ہیں (۱) پہلی روایت صـ۲۳۰ حضرت انسؓ سے منقول ہے جس میں اذان میں شفع اور اقامت میں، ، دیوتر الاقامۃ کی تصریح ہے جسے (بخاری کتاب الاذان ج ۱ صـ۸۵) میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲) باب کی دوسری روایت (۲۳۱) جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے جسے ابوداؤد ج ۱ صـ۷۶ میں نقل کیا گیا ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل ہے جس میں والاقامۃ مرۃ مرۃ غیر انہ یقول قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ آیا ہے اسی طرح مسلم ج ۱ صـ۱۶۴ کی روایت ہے جس میں دیوتر الاقامۃ الا قد قامت الصلوٰۃ کی تصریح ہے، ہو سکتا ہے امام مالکؒ کو الا قد قامت الصلوٰۃ کی استثناء نہ مل سکی ہو اور یہ بھی

۲۳۲ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَذَكَرَ الْاَذَانَ بِتَرْبِيْعِ التَّكْبِيْرِ بِغَيْرِ تَرْجِيْعٍ وَالْاِقَامَةَ فُرَادٰى اِلَّا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ ۔

---

۲۳۲ - حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے کہا جب کہ میں سویا ہوا تھا ایک شخص نے میرے پاس چکر لگایا، تو اس نے کہا تم یوں کہو اَللّٰهُ اَكْبَرُ تو اس نے اذان چار بار تکبیر کے ساتھ بغیر ترجیع (یعنی شہادتین کو دوہرا کہنا) کے اور اقامت ایک ایک بار مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دو۔

یہ حدیث احمد، ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ممکن ہے کہ انہوں نے کوئی مناسب تاویل کرلی ہوگی۔

۳۔ باب کی تیسری روایت ۲۲۲ عبداللہ بن زیدؓ سے ہے جس کے حوالے اور تفصیل پہلے گزر چکی ہے جو اس باب میں گویا اصل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں صرف والاقامۃ فرادیٰ کے الفاظ منقول ہیں۔

حنفیہ حضرات فریق ثانی کے دلائل سے متعدد جوابات دیتے ہیں۔

(۱) جن روایات میں اذان میں شفع اور اقامت میں ایتار کا بیان ہے جیسا کہ باب ہذا کی پہلی روایت میں آیا ہے ان میں کلمات کا شفع اور ایتار مراد نہیں بلکہ شفع اور ایتار فی النفس والصوت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اذان کہتے وقت شفع فی النفس کرو یعنی اذان میں ایک قسم کے دو دو کلموں کو دو دو سانسوں میں ادا کرو مثلاً اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کو ایک مستقل سانس میں پھر آواز کاٹ دی جائے دوسرے اشھد الخ کو دوسرے نفس اور صوت میں ادا کیا جائے بخلاف اقامت کے کہ اس میں افراد فی النفس والصوت ہونا چاہیے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک قسم کے دو دو کلموں کو ایک سانس میں ادا کیا جائے چاروں اللّٰہ اکبر کو ایک سانس میں، توحید کی دونوں شہادتوں کو ایک سانس میں، علیٰ ہذا القیاس ۔۔ اس توجیہ سے تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اذان میں شفع فی الصوت اور اقامت میں ایتار فی الصوت۔ اذان کے شفع فی النفس کو دوسری حدیثوں میں ترسل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اقامت کے ایتار فی النفس کو حدر سے

۲۔ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس پر محققانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے مؤذن بلالؓ ہیں ان کی اذان اور اقامت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

(۱) وہ روایات جن میں بلالؓ کو اذان میں شفع اور اقامت میں ایتار کا حکم دیا گیا ہے۔

بَابٌ فِيْ تَثْنِيَةِ الْإِقَامَةِ

۲۲۳- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدِنِ الْاَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ

باب۔ دُو۔ دُو بار اقامت کہنے کے بارہ میں۔ ۲۲۳۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے خواب میں دیکھا، گویا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور

(ب) وہ روایات جن میں بلالؓ کا عمل اذان میں شفع اور اقامت میں ایتار کا بیان کیا گیا ہے۔

(ج) وہ حدیثیں جن میں بلالؓ کا یہ عمل بتایا گیا ہے کہ وہ اذان اور اقامت دونوں میں شفع کرتے تھے یعنی دونوں میں کلمات دُو دُو مرتبہ کہتے تھے جیسا کہ اس سے قبل سوید بن غفلہؒ کی روایت نقل کر دی گئی ہے قال سمعت بلالاً یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنیٰ بظاہر ان تینوں قسم کے روایات میں تعارض ہے لہٰذا ایسے موقع پر اصول ہے کہ انما یؤخذ من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر اب سوال یہ ہے کہ مختلف اعمال میں آخری عمل کون سا ہے سوید بن غفلہؒ کی روایت بتاتی ہے کہ آخری عمل اذان اور اقامت کے کلمات ایک جیسے ہونے کا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا تھا کہ سوید بن غفلہؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا اور کہتے ہیں کہ میں نے بلالؓ کی اذان و اقامت مثنیٰ مثنیٰ سنی ہے ظاہر ہے کہ ان کا یہ سننا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال کے بعد ہی ہو سکتا ہے حضورؐ کے بعد بلالؓ وہی عمل اختیار کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہو گا معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت کا آخری معمول اذان و اقامت دونوں مثنیٰ مثنیٰ تھا لہٰذا امت کو بھی وہی عمل اختیار کرنا چاہیئے (اشرف التوضیح ج ۱ ص۲۱۳)

۲۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت بلالؓ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ بھی کہتے ہوں بیان جواز کے لیے کیونکہ ہمارے نزدیک ایتار جائز ہے لیکن بہتر شفع ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں انہا کاحرف القرآت کلہا کاف شاف جیسا کہ پہلے تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے۔

۲۲۳ تا ۲۴۵۔ اس سے قبل عرض کیا تھا کہ حنفیہ حضرات کے ہاں کلماتِ اقامت کل سترہ ہیں اور

اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۴۲۳۔ وَعَنْہُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ زَیْدٍ الْاَنْصَارِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَاٰی فِی الْمَنَامِ الْاَذَانَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ عَلِّمْہُ بِلَالًا فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَقَعَدَ قَعْدَۃً رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

اس پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں، پھر وہ دیوار پر کھڑا ہوا تو اس نے اذان دو دو بار کہی اور اقامت بھی دو دو بار کہی۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۴۲۳۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا مجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ نے خواب میں اذان (کا واقعہ) دیکھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بتایا، آپ نے فرمایا یہ بلالؓ کو بتاؤ۔ تو انہوں نے اذان کہی، دو دو بار اور اقامت بھی دو دو بار کہی (اور درمیان میں) تھوڑی دیر بیٹھے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

شہادتین حیعلتین اور اقامت تینوں دو دو بار اور شروع میں تکبیر چار مرتبہ کہی جائے گی گویا اذان کے پندرہ کلمات میں صرف دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ حیعلتین کے بعد کیا جائے گا۔

حنفیہ کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۴۲۲) مصنف ابن ابی شیبہؒ کتاب الاذان ص ۲۰۳ سے منقول ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھائی گئی تھی اور وہ بھی اذان کی طرح تشفیع پر مشتمل تھی اور اس میں سب سے زیادہ صریح اور صحیح روایت یہی ہے جس میں فاذن مثنیٰ مثنیٰ واقام مثنیٰ مثنیٰ کی تصریح مذکور ہے حافظ زیلعیؒ نے یہ روایت نصب الرایہ میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ علامہ تقی الدین بن دقیق العیدؒ نے اسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ ھذا اسناد فی غایۃ الصحۃ علامہ ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کی صحت کو دیکھ کر التحقیق میں ترک ترجیع اور تشفیع اقامت کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے۔
بہرحال یہ روایت باب اذان و اقامت میں حنفیہ کی مضبوط دلیل ہے ـــــ نیز اسی روایت میں ایک مسئلہ اور بھی حل ہو گیا ہے۔

۲۲۵۔ وَعَنْ اَبِی الْعُمَیْسِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّہٗ اُرِیَ الْاَذَانَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَالْاِقَامَۃَ مَثْنٰی مَثْنٰی قَالَ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ عَلِّمْہُنَّ بِلَالًا قَالَ فَتَقَدَّمْتُ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اُقِیْمَ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِی الْخِلَافِیَاتِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِی الدِّرَایَۃِ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۲۲۶۔ وَعَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ اَذَانَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اَذَانُہٗ وَاِقَامَتُہٗ مَثْنٰی مَثْنٰی۔ رَوَاہُ اَبُوْ عَوَانَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ وَھُوَ مُرْسَلٌ قَوِیٌّ۔

۲۲۵۔ ابوالعمیس نے کہا، میں نے عبداللہ بن محمد بن زید انصاری کو بواسطہ اپنے والد دادا سے بیان کرتے ہوئے سنا، کہ مجھے خواب میں اذان دو، دو بار اور اقامت دو دو بار دکھائی گئی (حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے) کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کو بتلایا تو آپ نے فرمایا یہ کلمات بلالؓ کو سکھاؤ، انہوں نے کہا تو میں آگے بڑھا، پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ میں اقامت کہوں۔
یہ حدیث بیہقیؒ نے "خلافیات" میں نقل کی ہے اور حافظؒ نے "درایہ" میں بیان کیا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

۲۲۶۔ شعبی سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زید انصاریؓ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان سنی، آپ کی اذان اور اقامت دو دو بار تھی۔
یہ حدیث ابوعوانہ نے نقل کی ہے اور یہ مرسل قوی ہے۔

رہ یہ کہ ترمذی باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت میں ہے قال کان اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفعاً شفعاً فی الاذان والاقامۃ شوافع" حضرات نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ کی عبداللہ بن زید سے لقاء ثابت نہیں مگر یہ اعتراض باطل ہے علامہ خطیبؒ نے تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۰۰ میں لکھا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی ولادت ۱۷ھ میں ہوئی اور تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۳ میں ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی علامہ ماردینیؒ الجوھر النقی ج ۱ ص ۲۲۱ میں لکھتے ہیں کہ پندرہ سال کے اس عرصے میں امکان لقاء یقینی ہے اور جمہور امکان لقاء کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں حضرت عبداللہ

۲۳۷۔ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَّالْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۲۳۸۔ وَعَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَالْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً اَلْاَذَانُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَذَكَرَهٗ بِالتَّرْجِیْعِ مُفَسَّرًا قَالَ وَالْاِقَامَةُ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۲۳۷۔ حضرت ابو محذورۃؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان انیس کلمات اور اقامت سترہ کلمات سکھائے۔

یہ حدیث ترمذی، نسائی اور دارمی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۲۳۸۔ حضرت ابو محذورۃؓ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ اذان اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پھر ترجیع کے ساتھ تفصیل سے بیان کی اور اقامت سترہ کلمات۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اسکی اسناد صحیح ہے۔

بن زیدؓ کے شاگردوں کی فہرست میں عبدالرحمن بن ابی لیلی کا نام بھی شمار کیا ہے نیز حافظ جمال الدین زیلعیؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب دوسرے طریق میں یہ ثابت ہوگیا کہ عبدالرحمن بن ابی لیلی نے کسی دوسرے صحابی کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی یہ روایت سنی تھی تو پھر عدم لقاء کا اعتراض ہی باقی نہیں رہتا کہ صحابی کی جہالت معتر نہیں۔ اس کی تائید باب ہذا کی پہلی اور دوسری روایت (۲۲۴) سے ہو جاتی ہے۔

۲۳۹۔ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مَحْذُوْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُؤَذِّنُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُقِيْمُ مَثْنٰى مَثْنٰى۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۲۴۰۔ وَعَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُثَنِّي الْاَذَانَ وَيُثَنِّي الْاِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَاُ بِالتَّكْبِيْرِ وَيَخْتِمُ بِالتَّكْبِيْرِ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۳۹۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا میں نے حضرت ابو محذورہؓ کو اذان دو دو بار اور اقامت دو دو بار کہتے ہوئے سنا۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اسناد حسن ہے۔

۲۴۰۔ اسود بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ اذان دو، دو بار اور اقامت دو، دو بار کہتے تھے۔ اور وہ تکبیر سے شروع کرتے اور تکبیر پر ختم کرتے۔

یہ حدیث عبدالرزاق، طحاوی اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۲) یہ دوسری روایت (۲۲۴) بھی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے جسے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۹۳ میں نقل کیا جو پہلی روایت کی مؤید ہے۔

۳۔ روایت ۲۲۵ بھی اپنے مضمون اور استدلال میں واضح ہے لفظی ترجمہ میں اس کے مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے۔

۴۔ روایت (۲۲۶) میں اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کی اذان ہے اس روایت کو ابو عوانہ نے اپنے مسند الصحیح کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۳۳۱ باب تاذین النبیؐ میں نقل کیا ہے یہ روایت صحیح ہے اور اس کا ہر راوی ثقہ ہے۔

(۵) روایت ۲۲۷ اور ۲۲۸ حضرت ابو محذورہؓ سے منقول ہے پہلی روایت کو امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۴۸ میں اور دوسری روایت کو ابو داؤدؒ نے ج ۱ ص۷۳ میں نقل کیا ہے دونوں روایات میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہؓ کو اقامت کے ۱۷ کلمات سکھائے تھے اسی پر حنفیہ کا عمل ہے باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابو محذورہ کو اذان کے ۱۹ کلمات کیوں سکھائے تھے اس کی توجیہ اس سے قبل گذر چکی ہے۔

روایت نمبر ۲۲۹ میں بھی یہی مضمون ہے جسے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۹۵ میں نقل

۲۴۱۔ وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ سَمِعْتُ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُؤَذِّنُ مَثْنَى وَيُقِيمُ مَثْنَى۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۴۲۔ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُؤَذِّنُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثْنَى مَثْنَى وَيُقِيمُ مَثْنَى مَثْنَى۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

۲۴۱۔ سوید بن غفلہ نے کہا میں نے حضرت بلالؓ کو اذان دو دو بار اقامت دو دو بار کہتے ہوئے سُنا۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۲۴۲۔ عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد سے بیان کیا کہ حضرت بلالؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذان دو دو بار اور اقامت دو دو بار کہتے۔
یہ حدیث دارقطنی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

کیا ہے۔

۶۔ روایت نمبر ۲۴۰ میں حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت کا ذکر ہے کان یثنی الاذان والاقامة (طحاوی ج ۱ ص۸۷ نصب الرایہ ج ۱ ص۲۶۷) اسی روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں البتہ امام ابن الجوزیؒ نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے راوی اسود بن یزید جنہوں نے حضرت بلالؓ سے سماعت نہیں کی اس کا جواب یہ ہے یہ ابن الجوزیؒ کا وہم ہے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۴۸ میں ہے کہ اسود بن یزید کی حضرت بلالؓ سے سماعت ثابت ہے۔

(۷) روایت ۲۴۱ میں بھی سوید بن غفلہ کی روایت کے حوالے سے حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت مثنیٰ مثنیٰ منقول ہے اس روایت کو طحاویؒ ج ۱ ص۸۸ میں نقل کیا گیا ہے یہ پہلے بھی عرض کیا گیا سوید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچے ہیں جب صحابہ کرام آپؐ کی تدفین سے فارغ ہو چکے تھے اس لیے ان کو شرف صحابیت حاصل نہ ہو سکا ظاہر ہے کہ انہوں نے بلالؓ کی اذان و اقامت حضورؐ کی وفات کے بعد ہی سنی ہوگی اور یہ وہی اذان و اقامت ہوگی جو عہد رسالت کے آخر میں کہی جاتی ہوگی۔

(۸) روایت (۲۴۲) میں حضرت ابو جحیفہؓ کی روایت میں حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت کا بیان ہے

۲۴۳۔ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا لَمْ يُدْرِكِ الصَّلٰوةَ مَعَ الْقَوْمِ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَيُثَنِّي الْاِقَامَةَ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۴۴۔ وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُؤَذِّنُ مَثْنٰى وَيُقِيْمُ مَثْنٰى رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَهُوَ مُرْسَلٌ۔

۲۴۵۔ وَعَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيْفَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ ذُكِرَ لَهُ الْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ هٰذَا شَيْءٌ اِسْتَخَفَّهُ الْاُمَرَاءُ اَلْاِقَامَةُ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاَبُوْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۴۳۔ یزید بن ابی عبید نے سلمہ بن اکوعؓ سے بیان کیا کہ وہ جب با جماعت نماز نہ پاتے تو اذان اور اقامت کہتے اور اقامت دو دو بار کہتے۔

یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۲۴۴۔ ابراہیم (نخعی) نے کہا کہ حضرت ثوبانؓ اذان اور اقامت دو، دو بار کہتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور یہ مرسل ہے۔

۲۴۵۔ فطر بن خلیفہ نے مجاہد سے بیان کیا کہ ان کے لیے اقامت ایک بار کہی گئی تو انہوں نے کہا یہ ایک ایسی چیز ہے کہ امراء نے اسے ہلکا کر دیا ہے، اقامت دو دو بار ہے۔

یہ حدیث عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

جیسے دارقطنی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۲۴۱ میں نقل کیا ہے ابو جحیفہؓ کا اصل نام وہب بن عبداللہؓ ہے ان سے علامہ ہیثمیؒ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ اذن بلالؓ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مثنیٰ مثنیٰ واقام مثل ذلک قال الہیثمیؒ رواتہ ثقات (مجمع الزوائد ج ۱ ص۳۳۰)

(۹) روایت ۲۴۳ اور ۲۴۴ کے حوالے سے مصنف دارقطنی ج ص۲۴۱ اور طحاوی ج ۱ ص۹۵ کے حوالے سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ زمانہ نبوت کے بعد صحابہ کی ایک جماعت نے بھی اقامت دو دو مرتبہ کہی ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ اور حضرت ثوبانؓ جب کہ حضرت ابومحذورہؓ کا عمل بھی اس سے قبل مثنیٰ مثنیٰ کا نقل کر دیا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلوٰةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

۲۴۶۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِي اَذَانِ الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے بارہ میں۔ ۲۴۶۔ حضرت انسؓ نے کہا یہ بات سنت ہے کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) کہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۔ باب کے آخر میں مصنف نے فطر بن خلیفہؒ کے حوالے سے حضرت مجاہدؒ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اصل اقامت دو مرتبہ ہے مگر امراء نے اپنی تخفیف کے لیے ایک مرتبہ کا رواج ڈالا ہے یہ فتویٰ مصنف عبدالرزاقؒ کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۹۵ سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۱۔ امام طحاویؒ عقلی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیعلتین کے بعد لفظ اللہ اکبر کے دو مرتبہ کہے جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں تنصیف ممکن ہے تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ جس طرح اذان کے اندر حی علی الفلاح کلمۂ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح اقامت کے اندر بھی کلمۂ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے لہٰذا اقامت کے بقیہ کلمات بھی اذان کے بقیہ کلمات کی طرح مستقل ہوں گے اس لیے کہ یہاں پر تنصیف ممکن ہونے کے باوجود اقامت میں تنصیف نہیں کی گئی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا حکم یکساں ہے تو جس طرح اذان دو دو مرتبہ دی جاتی ہے اسی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ کہی جائے گی یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول بھی ہے۔

(۲۴۶ تا ۲۴۸) یہاں سے مصنفؒ تثویب کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم، کہنا تثویب ہے، تثویب اعلام بعد الاعلام کو کہتے ہیں پہلا اعلان حی علی الفلاح ہے دوسرا اعلان ،، الصلوٰۃ خیر من النوم ہے ہوا شرعاً اس کا اطلاق۔ دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) صبح کی اذان میں حیعلتین کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا یہ تثویب فجر ہی کی اذان کے ساتھ خاص ہے اور فجر کے علاوہ باقی نمازوں کے لیے جائز نہیں۔

(۲) تثویب کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان الصلوٰۃ جامعۃ یا حی علی الصلوٰۃ

۴۷۲۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ الْأَوَّلُ بَعْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ۔ أَخْرَجَهُ السَّرَّاجُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ وَسَنَدُهٗ حَسَنٌ۔

۴۷۲۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا پہلی (فجر کی) اذان حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دو بار اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ تھی۔

یہ حدیث سراج طبرانی اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ حافظ نے تلخیص میں بیان کیا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ استعمال کرنا، اس صورت کی تثویب کو اکثر علماء نے بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے تثویب کی یہ صورت عہد رسالت میں ثابت نہیں مگر اس کو بدعت قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ امام ابو یوسفؒ مشتغلین بالعلم کے لیے اس کو پسند کیا کرتے تھے مقصد یہ تھا کہ اقامت سے کچھ پہلے اساتذہ علم اور مصنفین کو یاد دہانی کرائی جائے فقہاء کرام کہتے ہیں کہ اس قسم کی یاد دہانی مباح تھی کیونکہ قرآن وسنت میں نہ تو اس کا حکم کیا گیا تھا اور نہ اس سے منع کیا گیا تھا مگر بعض لوگوں نے بعض علاقوں میں اس کو سنت کی حیثیت سے اختیار کیا اور اس پر اصرار کیا تو اس پر علماء نے اسے بدعت قرار دیا اب علماء کہتے ہیں کہ ضرورت کے موقع پر اگر اس کو سنت اور عبادت سمجھے بغیر اختیار کر لیا جائے تو مباح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ مدرس مفتی، قاضی مصنف اور خالص دینی کاموں میں مشغول حضرات کے لیے اس تثویب کی گنجائش ہے۔

شیعہ کو اشتباہ ہوا البتہ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کو اہل تشیع بدعت عمری کہتے ہیں دراصل ان کو مؤطا امام مالکؒ کی ایک روایت سے اشتباہ ہوا ہے جس میں آیا ہے ایک مرتبہ صبح کے وقت مؤذن حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ آرام کر رہے تھے مؤذن نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم یا امیر المومنین فامرہ ان یجعلها فی اذان الفجر (کما قال صـ۲۲) شیعہ نے اسی روایت سے یہ تاثر لیا کہ یہ اضافہ حضرت عمر فاروقؓ کا ہے یا ان کے حکم سے اس کو زیادہ کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں لہٰذا حضرت عمرؓ کے قول کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ لا تجب وزعن الاذان فقل هذه الکلمة فی اذان الفجر لا خارجه فتدبر۔

ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد

۲۴۸- وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ السَّائِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ وَاُمُّ عَبْدِ الْمَلِکِ ابْنِ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَیْنٍ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ وَفِیْہِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ- رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ مُخْتَصَرًا وَصَحَّحَہُ ابْنُ خُزَیْمَۃَ-

---

۲۴۸- عثمان بن السائب نے کہا، مجھ سے میرے والد اور عبدالملک بن ابی محذورۃؓ کی والدہ نے بیان کیا کہ حضرت ابی محذورۃؓ نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے نکلے اور آگے حدیث بیان کی اور اس میں ہے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ- اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ- یہ حدیث نسائی اور ابو داؤد نے مختصر بیان کی ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا مسنون ہے بعض حضرات نے حنفیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نزدیک یہ سنت نہیں لیکن یہ انتساب صحیح نہیں کیونکہ امام طحاویؒ نے اس کی سنیت کا قول حنفیہؒ کے ائمہ ثلثہؒ سے نقل کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کیونکہ الطحاویؒ اعلم بمذھب ابی حنیفۃ۔

جمہور کے دلائل باب ہذا کی تمام روایات تثویب کی سنیت کے مستدلات ہیں۔

(۱) (۲۴۶) یہ باب ہذا کی پہلی روایت ہے جسے امام طحاویؒ نے ج ۱ ص۸۲، قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص۳۸ اور بیہقیؒ نے ج ۱ ص۴۲۳ میں حضرت انسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان میں حیعلتین کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا سنت ہے شوکانیؒ فرماتے ہیں قال ابن سید الناس صحیح حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں صححہ ابن السکن (تلخیص الحبیر ص۷۸)

۲- (۲۴۷) اس روایت کو طحاویؒ نے ج ۱ ص۸۲، قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص۳۸ میں نقل کیا ہے جس کا واضح مضمون یہی ہے کہ فجر کی اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تثویب ہوا کرتی تھی ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں سندہ حسن (التلخیص الحبیر ص۷۸) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں قال ابن سید الناس الیعمری ھذا اسناد صحیح (نیل الاوطار ج ۲ ص۳۸)

۳- (۲۴۸) حضرت ابو محذورۃؓ کی حدیث کا تذکرہ ہے جس میں حیعلتین کے بعد تثویب کا عمل منقول ہے

بَابٌ فِيْ تَحْوِيْلِ الْوَجْهِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا

۲۴۹- عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰى بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا بِالْاَذَانِ اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

باب چہرے کو دائیں بائیں پھیرنے کے بیان میں - ۲۴۹- ابوجحیفہ رض سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلال رض کو اذان دیتے ہوئے دیکھا تو میں اذان میں ان کے منہ کی طرف نظر پھیرتا اس طرف اور اُس طرف (یعنی دائیں اور بائیں) یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

اس روایت کو نسائی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۷۳ میں نقل کیا گیا ہے ابوداؤد ج ۱ ص۷۳ میں حضرت ابومحذورہ رض کی روایت کے الفاظ یوں منقول ہیں اذا کان اذان الفجر فقل بعد حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم۔

قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں صححه ابن خزیمه (نیل الاوطار ج ۲ ص۴۴)

(۲) ابن ماجہ ص۵۲ میں حضرت بلال رض کی اذان (نیل الاوطار ج ۱ ص۴۴) میں حضرت عائشہ رض اور ابن النجام کی روایات بھی اسی مضمون کی موجود ہیں لیکن ان کی سندیں کمزور ہیں (خزائن السنن)

اذان سے قبل اور بعد درود وسلام کا مسئلہ

باقی رہا یہ مسئلہ کہ اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھنے کا حکم کیا ہے؟ اور اب جو پاکستان بالخصوص پنجاب میں ایک مکتبِ فکر اس پر اصرار کرنے لگا ہے بلکہ اس کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ہے ـــــ اذانوں سے قبل یا بعد، اذان ہی کی طرح بلند آواز سے درود شریف کو لازمۂ اذان بنا کر پڑھنا بدعت ہے امام شعرانی رح لکھتے ہیں کہ قال شیخنا لم یکن التسلیم الذی یفعله المؤذنون فی ایام حیاته صلی الله علیه وسلم ولا الخلفاء الراشدین قال کان فی ایام الروافض بمصر (کشف الغمة ج ۱ ص۱۳۱) خود شامی رح نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ۷۸۱ھ میں شروع ہوئی پھر جس کے حکم سے شروع ہوئی اس کا نام نجم الدین محمد الطنبدی تھا وہ بڑا ظالم، راشی اور بے حد حرام خور تھا (خزائن السنن) (تاریخ الخلفاء - تاریخ و تحقیق اہل بیت)

(۲۴۹ تا ۲۵۱) کی تینوں روایات سے یہ ثابت ہے کہ اذان میں حیعلتین کے وقت یمیناً اور شمالاً تحویل وجہ ثابت اور جائز ہے پہلی روایت بخاری ج ۱ ص۸۸ میں اور دوسری روایت ابوداؤد ج ۱ ص۷۷ میں آئی ہے اور ابوداؤد نے تو اپنی کتاب میں باب المؤذن یستدیر فی اذانه کا عنوان قائم کیا ہے۔

۲۵۰۔ وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ إِلَى الْأَبْطَحِ فَأَذَّنَ فَلَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ لَوٰى عُنُقَهُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَلَمْ يَسْتَدِرْ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۵۱۔ وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالًا يُؤَذِّنُ وَيَدُوْرُ وَيَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَإِصْبَعَاهُ فِيْ أُذُنَيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْعَوَانَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۲۵۰۔ ابوجحیفہؓ نے کہا میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ ابطح رجگہ کا نام ہے) کی طرف نکلے، تو اذان پکاری، جب حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ و حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچے تو اپنی گردن، دائیں اور بائیں جانب پھیری اور خود نہیں گھومے۔
یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۲۵۱۔ ابوجحیفہؓ نے کہا میں نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے ہوئے گھومتے اور چہرے کو ادھر اُدھر پھیرتے دیکھا اور ان کی دو انگلیاں اُن کے دونوں کانوں میں تھیں۔
یہ حدیث ترمذی، احمد اور ابوعوانہ نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا، اس کی سند حسن صحیح ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

ابوجحیفہ کی روایت (۲۵۰) میں ولم یستدر کے الفاظ آئے ہیں جب کہ ان ہی کی دوسری روایت (۲۵۱) میں ویدور کی تصریح ہے بظاہر تعارض ہے۔

۱۔ ولم یستدر سے مراد ولم یستدر کلہ ہے۔

۲۔ بعض نسخوں میں ولم یستدیر کے الفاظ آئے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے پھر تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

۳۔ جن روایات میں استدارۃ کا ثبوت ہے مراد استدارۃ الراس ہے اور جن روایات میں نفی ہے مراد استدارۃ الجسد ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ حیعلتین میں دائیں بائیں التفات کرے البتہ اگر منارہ وسیع ہے تو استدارۃ کرنا چاہیئے بلکہ ویخرج راسہ منہا قال فی ردالمختار قولہ ویستدیر فی المنارۃ یعنی ان لم یتم الاعلام بتحویل وجہہ مع ثبات قدمیہ قولہ ویخرج راسہ منہا ای من کوتہا الیمنی آتیا بالصلوۃ ثم یذھب ویخرج راسہ من الکوۃ الیسری بالفلاح۔

(بذل المجہود ج ۱ ص ۲۹۹)

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ سَمَاعِ الْاَذَانِ

۲۵۲- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَآءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ -

۲۵۳- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَحَدُکُمُ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ قَالَ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّاَبُوْدَاوُدَ -

---

باب- اذان سننے کے وقت کیا کہے- ۲۵۲- حضرت ابو خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہے۔"
یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۲۵۳- حضرت عمر الخطابؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مؤذن نے اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہا، تم میں سے جس کسی نے (جواباً) اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہا، پھر مؤذن نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اس نے بھی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، پھر مؤذن نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا، اس نے بھی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا، پھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ کہا، اس نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہا، پھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہا، اس نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہا پھر مؤذن نے اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ کہا، اس نے بھی اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ کہا، پھر مؤذن نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اس نے بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، دل کی تصدیق سے، تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"
یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

---

(۲۵۲) باب کی پہلی روایت جسے امام ترمذیؒ نے ابواب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۸ میں نقل کیا ہے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سمعتم النداء فقولوا مثل

۲۵۴- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۲۵۴- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، "جب تم مؤذن (کی اذان) سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو، بلاشبہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر میرے لیے (دعائے) وسیلہ مانگو، بے شک وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا، پس جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی، اس کے بارہ میں (میری) سفارش منظور ہوگی" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ما یقول المؤذن۔

(۱) بعض ائمہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اذان کے دیگر کلمات کی طرح حیعلتین کا جواب بھی حیعلتین سے دیا جائے گا جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سے ایک ایک روایت میں یہی منقول ہے۔

۲- امام اعظم ابوحنیفہؒ حنابلہ اور جمہور کا مسلک ہے کہ حیعلتین کا جواب لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے جسے اصطلاح میں حوقلہ کہتے ہیں جیسا کہ اسی باب کی دوسری روایت (۲۵۲) جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔

جسے امام مسلمؒ نے ج ۱ ص ۱۶۷ میں نقل کیا ہے سے یہی ثابت ہے کہ حیعلتین کے جواب میں حوقلہ کی تصریح ہے مسلم شریف کی یہ حدیث مفسر ہونے کی وجہ سے ابوسعید الخدریؓ کی روایت کے لیے مخصص ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس کو جمہور کا مسلک قرار دیا ہے چنانچہ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ شوافعؒ اور موالکؒ کا مفتیٰ بہ قول بھی یہی ہے۔

فقولوا۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے کہ حدیث باب کا یہ صیغہ امر ندب کے لیے

بَابُ مَا يَقُوْلُ بَعْدَ الْاَذَانِ

۲۵۵- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ

باب۔ اذان کے بعد کیا دعا پڑھے۔ ۲۵۵۔ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ سے روایت ہے، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ۔۔۔ (اے اللہ اس کامل دعوت (اذان) اور قائم

ہے یا وجوب کے لیے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے وجوب کا قول منقول ہے احناف حضرات کی بعض متون کی کتب میں بھی وجوب کا قول نقل کیا گیا ہے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ امر ندب کے لیے ہے جیسا کہ شمس الائمہ حلوانیؒ وغیرہ نے اسے ندب پر حمل کیا ہے فتویٰ بھی اسی پر ہے اسی طرح اقامت کا جواب بھی حنفیہ حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح

(۲۵۴) ثم صلوا علی یعنی فراغت کے بعد مجھ پر درود پڑھو، صلی اللہ علیہ عشرا یعنی اللہ پاک اس کو دس مرتبہ رحمت عطا فرمادیں گے ثم سلوا اللہ، مراد اذان کے بعد کی دعا ہے جو اگلے باب میں آرہی ہے الوسیلۃ امام توربشتی فرماتے ہیں کہ ما یتوصل بہ الی الشئ ویتقرب بہ الیہ کو کہتے ہیں جمع وسائل آتی ہے چنانچہ جنت کے ایک خاص اور اعلیٰ درجے کا نام وسیلہ اس لیے ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے اسے باری تعالیٰ عزاسمہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اس کے دیدار کی سعادت میسر آتی ہے نیز جو فضیلت اور بزرگی اس درجہ والے کو ملتی ہے وہ دوسرے درجہ والوں کو نہیں ملتی۔

ارجوان اکون انا خالص عاجزی، عبدیت اور انکساری کے طور پر ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل اور بہتر ہیں تو یہ درجہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیلئے ہے کوئی دوسرا اس درجہ کے لائق کس طرح ہوسکتا ہے؟ لہٰذا اس لفظ کی تاویل یہ کی جائے گی کہ یہ یقین سے کنایہ ہے یعنی مجھے یقین ہے کہ یہ درجہ مجھے ہی حاصل ہوگا (مظاہر حق)

(۲۵۵) اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے ایک وسیلہ، دوسرے فضیلہ اور تیسرے مقام محمود۔۔۔۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں وسیلہ کی تشریح خود

اٰتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَاً الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ	ہونے والی نماز کے پروردگار! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر فائز فرما، جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے،

تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت جائز ہو گئی ؂

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت اور محبوبیت کا ایک خاص بالخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے اور فضیلہ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے اسی طرح مقام محمود وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہو گا اور سب اس کے ثنا خوان اور شکر گزار ہوں گے احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہو گا اور سارے انسان اپنے اعمال و احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے حتیٰ کہ حضرت نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت سید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی انا لہا انا لہا کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہ گاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا خود آپ کا ارشاد ہے انا اول شافع و اول مشفع نیز حضورؐ کا ارشاد ہے وانا حامل لواء الحمد یوم القیمۃ تحتہ آدم فمن دونہ ولا فخر یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا الغرض اس خاص الخاص مرتبہ اور درجہ کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلہ کہا گیا ہے اور عزت و امتیاز اور محمودیت عامہ کا وہ مقام بلند جس کو قرآن مجید میں اور اس حدیث میں مقام محمود کہا گیا ہے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے والے ہیں تقدیر الٰہی ازل ہی سے ان کو نامزد کر چکی ہے لیکن آپ کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَذَانِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوْعِہٖ

۲۵۶- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۲۵۷- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْنَعَنَّ اَحَدَکُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سُحُوْرِہٖ فَاِنَّہٗ یُؤَذِّنُ اَوْ یُنَادِیْ بِلَیْلٍ لِیَرْجِعَ قَائِمَکُمْ وَلِیُنَبِّہَ نَائِمَکُمْ۔ اَخْرَجَہُ الشَّیْخَانِ۔

باب۔ جو روایات طلوع فجر سے پہلے اذان فجر کے بارہ میں ہیں۔ ۲۵۶۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ بلالؓ رات کو اذان پکارتا ہے پس تم کھاؤ اور پیو یہاں تک ابن ام مکتومؓ اذان پکار دے"۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۲۵۷۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کو بلالؓ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے، بلاشبہ وہ رات کے وقت اذان پکارتا ہے تاکہ تم میں تہجد پڑھنے والا لوٹ آئے (یعنی کھانا کھالے) اور سونے والا بیدار ہو جائے"۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

زیر بحث حدیث میں آپ نے ہم کو اس بات کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے و مقامات آپ کو عطا کیے جائیں اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔

(۲۵۶ تا ۲۶۶) اس بات پر تمام ائمہ کرام متفق ہیں کہ فجر کے علاوہ باقی تمام نمازوں کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں ہے اور اگر وقت سے پہلے دے دی گئی تو اس کا اعادہ واجب ہے البتہ فجر کی اذان کے متعلق اختلاف ہے کہ فجر کی اذان قبل طلوع الفجر جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں شارحین حدیث نے دو مذہب نقل کئے ہیں۔

بیان مذاہب

(۱) ائمہ ثلثہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام اوزاعیؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اذان فجر کے وقت سے پہلے ہو جائے تو جائز ہے اور اس کا اعادہ ضروری نہیں (معالم السنن ج ۱ ص ۲۸۶) قائلین جواز کا پھر آپس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک نصف لیل کے بعد جو بعض کے نزدیک رات کا چودھواں حصہ باقی رہے تو جائز ہے بعض کے نزدیک نواں حصہ باقی رہے تو

۲۵۸- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَغُرَّنَّ أَحَدَكُمْ نِدَاءُ بِلَالٍ مِنَ السَّحُورِ وَلَا هٰذَا الْبَيَاضُ حَتّٰى يَسْتَطِيرَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۵۹- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ فَإِنَّ فِي بَصَرِهِ شَيْئًا. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۲۵۸- سمرہ بن جندبؓ سے کہا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "تم میں سے کسی کو سحری رکھنے سے بلالؓ کی اذان دھوکہ میں نہ ڈالے، اور نہ یہ سفیدی (یعنی صبح کاذب) یہاں تک کہ یہ سفیدی پھیل جائے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۲۵۹- حضرت انسؓ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں بلالؓ کی اذان دھوکہ میں نہ ڈالے بلاشبہ اس کی نگاہ میں کچھ کمزوری ہے" یہ روایت طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

جائز ہے بعض کے نزدیک چوتھائی حصہ باقی رہے تو جائز ہے بعض کے نزدیک جب دو ثلث باقی رہ جائیں بعض کے نزدیک پو پھٹنے سے متصل قبل اور بعض کے نزدیک عشاء کے بعد جائز ہے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام محمدؒ، حضرت علقمہؒ، حسن بصریؒ، اسود بن یزیدؒ، ابراہیم نخعیؒ اور اصحاب ظواہرؒ کے نزدیک طلوع فجر سے قبل اذان مشروع نہیں ہے اگر قبل از وقت دے دی گئی تو اس کا اعادہ واجب ہے جیسے باقی نمازوں میں تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے (معالم السنن ج ۱ ص۱۴۸)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور جوابات

ائمہ ثلاثہ طلوع فجر سے قبل اذان کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بلالاً یوذن بلیل فکلوا واشربوا حتی تسمعوا تاذین ابن ام مکتوم (ترمذی باب ماجاء فی الاذان باللیل) مگر ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ائمہ ثلثہ کا استدلال قوی نہیں ہے ان کا استدلال اس وقت درست ہوتا جب کہ عہد رسالت میں صرف اذان باللیل پر اکتفاء کیا گیا ہوتا حالانکہ جن روایات میں اذان باللیل مذکور ہے انہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ فجر کا وقت ہونے کے بعد پھر دوسری اذان بھی دی گئی ہے جیسا کہ باب ہذا کی روایات میں یہی منقول ہے۔

۲۶۰۔ وَعَنْ شَيْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تَسَحَّرْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ الْمَسْجِدَ فَاسْتَنَدْتُ إِلَى حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنِيْ أَتَسَحَّرُ فَقَالَ أَبُوْ يَحْيٰى؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ قُلْتُ إِنِّيْ أُرِيْدُ الصِّيَامَ قَالَ وَأَنَا أُرِيْدُ الصِّيَامَ وَلٰكِنْ مُؤَذِّنُنَا هٰذَا فِيْ بَصَرِهِ سُوْءٌ أَوْ قَالَ شَيْءٌ وَإِنَّهُ أَذَّنَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَحَرَّمَ الطَّعَامَ وَكَانَ لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يُصْبِحَ۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الدِّرَايَةِ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۶۰۔ حضرت شیبانؓ نے کہا ، میں نے سحری کھائی ، پھر مسجد میں آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک سے ٹیک لگا دی ، میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ سحری کھا رہے ہیں ، آپ نے فرمایا ابو یحییٰ ! میں نے عرض کیا ، جی ہاں ، آپ نے فرمایا ، آؤ صبح کا کھانا کھا لو ، میں نے عرض کیا ، میں نے تو روزے کا ارادہ کیا ہے ، آپ نے فرمایا ، اور میں نے بھی روزے کا ارادہ کیا ہے ، اور لیکن ہمارے اس مؤذن کی نظر میں کچھ خرابی ہے ، اور اس نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی ہے ۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور کھانا بند کر دیا اور آپ اذان کہتے نہیں دیتے تھے ، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتے ۔ یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

احناف کے دلائل

(۲۵۶ ، ۲۵۷) باب ہٰذا کی پہلی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے ج ۱ صـ۸۶ میں اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ صـ۳۵۰ میں نقل کیا ہے جس کا واضح مضمون یہ ہے کہ بلالؓ کی اذان صلوٰۃ فجر کے لیے نہیں ہوتی صلوٰۃ فجر کے لیے ابن ام مکتومؓ اذان دیتے ہیں دوسری روایت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے اسے بھی بخاری ج ۱ صـ۸۶ اور مسلم ج ۱ صـ۳۵۰ میں نقل کیا گیا ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت بلالؓ کی اذان سحر رات میں ہوا کرتی تھی وہ صلوٰۃ فجر کے لیے نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ اس کا مقصود دوسرا تھا صورت یہ تھی کہ صحابہ کرام میں سے بعض شروع رات میں آرام فرماتے تھے اور آخری رات میں حضرت بلالؓ کی اذان سن کر جاگ جاتے تھے اور بعض حضرات شروع رات سے عبادت میں مصروف رہتے تھے اور اخیر رات میں اذان بلال سن کر گھر میں حاضر ہو کر ضروریات پوری کر لیا کرتے تھے پھر تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیا کرتے تھے ۔

حدیث کے الفاظ لیرجع قائمکم و لینبہ نائمکم سے یہی مراد ہے۔

(۲۵۸) سمرۃ بن جندبؓ کی اس روایت سے ائمہ ثلاثہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ طلوع

۲۶۱- وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذٰلِكَ فَقَالَ اسْتَيْقَظْتُ وَأَنَا وَسْنَانُ فَظَنَنْتُ أَنَّ الْفَجْرَ طَلَعَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنَادِيَ بِالْمَدِينَةِ ثَلَاثًا إِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ ثُمَّ أَقْعَدَهُ إِلَى جَنْبِهِ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۶۲- وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ لَيْلَةً بِسَوَادٍ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَقَامِهِ فَيُنَادِيَ أَنَّ الْعَبْدَ نَامَ فَرَجَعَ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ فِي الْإِمَامِ وَهُوَ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ لَيْسَ فِي رِجَالِهِ مَطْعُونٌ فِيهِ۔

۲۶۱- عبدالعزیز بن ابی روادؒ نے بواسطہ نافع، ابن عمرؓ بیان کیا کہ بلالؓ نے طلوع فجر سے پہلے اذان کہہ دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا، میں بیدار ہوا اور لیکن میں اونگھ رہا تھا، میں نے سمجھا کہ طلوع فجر ہو چکی ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا مدینہ منورہ میں تین دفعہ اعلان کرو کہ اذان دینے والا بندہ نیند میں تھا، پھر انہیں اپنے پہلو میں بٹھا لیا، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔

یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۲۶۲- حمید بن ہلال سے روایت ہے کہ بلالؓ نے ایک رات اندھیرے میں اذان کہہ دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اذان کی جگہ جا کر اعلان کرو کہ بندہ نیند میں تھا۔ تو وہ لوٹ گئے۔

یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور "امام" میں کہا ہے کہ مرسل جید ہے اس حدیث کے رجال میں کسی پر طعن نہیں کیا گیا۔

فجر سے قبل اذان دیا کرتے تھے مگر حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی روایت سے اس حدیث کی توضیح ہو جاتی ہے کہ حضرت بلال کیوں قبل از وقت اذان دیتے تھے۔ قبل از وقت اذان دینا ثابت ہے جس کے حنفیہ بھی قائل ہیں مگر وہ صلوٰۃ فجر کے لیے نہیں ہوتی تھی قائلین جواز پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی ایسی روایت پیش نہیں کر سکتے جس میں صرف اذان باللیل پر اکتفا کیا گیا ہو۔ یہ اذان تہجد تھی۔

(۲۵۹) یہ روایت بھی حنفیہ کی دلیل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں بلالؓ کی
کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے اس لیے بلالؓ کی بصارت میں کچھ کمی ہے ضعف بصر کی وجہ سے وہ عام طور

۲۶۳- وَعَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ قَالَتْ كَانَ بَيْتِيْ مِنْ أَطْوَلِ بَيْتٍ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَكَانَ بِلَالٌ يَأْتِيْ بِسَحَرٍ فَيَجْلِسُ عَلَيْهِ يَنْظُرُ إِلَى الْفَجْرِ فَإِذَا رَآهُ أَذَّنَ- رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الدِّرَايَةِ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ-

۲۶۴- وَعَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بِالْفَجْرِ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَحَرَّمَ الطَّعَامَ وَكَانَ لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يُصْبِحَ- رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ-

---

۲۶۳- قبیلہ بنی نجار کی ایک عورت نے کہا میرا گھر مسجد کے ارد گرد کے گھروں میں سب سے اونچا تھا، حضرت بلال سحری کو آتے تو اس پر بیٹھ جاتے، فجر کی طرف دیکھتے رہتے، پھر جب اسے دیکھ لیتے تو اذان کہہ دیتے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور حافظ نے درایہ میں بیان کیا کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

۲۶۴- ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ جب مؤذن فجر کی اذان دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھتے، پھر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے اور کھانا بند کر دیتے، اور آپ صبح ہی کو اذان کہتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔

پر دھوکہ کھا جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی اذان دور صحابہؓ میں طلوع فجر کے بعد متعارف تھی لیکن حضرت بلالؓ کی نگاہ کمزور تھی اس لیے کبھی کبھی صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ کر مغالطہ میں صبح صادق سے پہلے اذان دے دیا کرتے تھے تاہم اس غلطی کا اعلان کر دیا جاتا تھا جیسا کہ اسی باب کی اگلی روایات میں آرہا ہے حضرت انسؓ کی اس روایت کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۹۵ میں نقل کیا ہے، امام نیمویؒ فرماتے ہیں واسنادہ صحیح۔

(۲۶) حضرت شیبانؓ کی اس روایت کا پورا حصہ ترجمہ میں لکھ دیا گیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الفجر اذان کو موذن کی سو نظر قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ حضرت شیبان یہ فرماتے ہیں وکان لا یؤذن حتی یصبح اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر ج ۷ ص ۳۱۲ میں اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۲ میں میں نقل کیا ہے۔

۲۶۵ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا كَانُوْا يُؤَذِّنُوْنَ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ
أَخْرَجَهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ وَأَبُو الشَّيْخِ فِيْ كِتَابِ الْأَذَانِ وَ
إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۶۵- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے کہا صحابہؓ اذان نہیں دیتے تھے یہاں تک فجر طلوع ہوجاتی۔ یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل اور ابوالشیخ نے "کتاب الاذان" میں نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

---

(۲۶۱) حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت میں طلوع فجر سے پہلے حضرت بلالؓ کی اذان پر نکیر کی جارہی ہے اس سے یہ بات مزید واضح ہوجاتی ہے کہ رات میں جو اذان دی جاتی وہ صبح کی نماز کے لیے نہیں تھی اور یہاں پر جس اذان کا ذکر ہے یہ نماز فجر کی اذان ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے اذان دینے پر نکیر فرمائی ہے لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ طلوع فجر سے پہلے فجر کی اذان جائز نہیں ہوسکتی۔
ابن عمرؓ کی یہ روایت امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ ج ۱ ص۳۸۳ میں نقل کی ہے امام نیمویؒ فرماتے ہیں واسنادہ حسن۔

(۲۶۲) یہ روایت بھی اسی مضمون کی حامل ہے جس میں حضرت بلالؓ کو رات میں قبل از وقت اذان دینے پر ان العبد نام کا اعلان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

(۲۶۳) مضمون حدیث ترجمہ میں واضح ہے اس روایت کو ابوداؤد نے ج ۱ ص۷۷ میں نقل کیا ہے بنی نجار کی عورت کے حوالے سے (ردالشامی ج ص۲۶۰ ام زید بن ثابت ......) وہ فرماتی ہیں کہ ان کا گھر مسجد نبوی کے قریب سب سے اونچا گھر تھا جب سحری کا وقت ہوتا تو حضرت بلالؓ میرے مکان پر چڑھ آتے اور طلوع صبح صادق کو دیکھتے رہتے بعض روایات میں فلما رأہ تمطی (انگڑائی لیتے) پھر اذان دیتے قال الحافظ فی الدرایہ ص۶۶ واسنادہ حسن اس روایت میں حضرت بلالؓ کا فجر کی اذان کے لیے معمول مذکور ہے۔

(۲۶۴) اس روایت کو بیہقی نے ج ۱ ص۳۸۴ اور طحاوی نے ج ۱ ص۸۹ میں نقل کیا ہے حضرت حفصہؓ کی اس روایت میں اس امر کی وضاحت ہے کہ طلوع فجر سے پہلے فجر کی اذان نہیں دی جاتی تھی وکانوا لا یؤذنون حتی یصبح۔

۲۶۶۔ وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مُؤَذِّنٍ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُقَالُ لَهٗ مَسْرُوْحٌ أَذَّنَ قَبْلَ الصُّبْحِ فَأَمَرَهٗ عُمَرُ أَنْ يَّرْجِعَ فَيُنَادِيَ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ ثَبَتَ بِهٰذِهِ الْأَخْبَارِ أَنَّ صَلٰوةَ الْفَجْرِ لَا يُؤَذَّنُ لَهَا إِلَّا بَعْدَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا وَأَمَّا أَذَانُ بِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَبْلَ طُلُوْعِهٖ فَإِنَّمَا كَانَ فِيْ رَمَضَانَ لِيُنَبِّهَ النَّائِمَ وَلِيُرْجِعَ الْقَائِمَ لَا لِلصَّلٰوةِ وَأَمَّا فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ فَكَانَ ذٰلِكَ خَطَأً مِّنْهُ لِظَنِّهٖ أَنَّ الْفَجْرَ قَدْ طَلَعَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۲۶۶۔ نافعؒ نے حضرت عمرؓ کے مؤذن جنہیں "مسروح" کہا جاتا تھا، سے بیان کیا کہ میں نے صبح (صادق) سے پہلے اذان کہہ دی، تو حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ لوٹ کر دوبارہ اذان کہو۔

یہ حدیث ابوداؤد اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نیموی نے کہا، ان احادیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی اذان، فجر کا وقت داخل ہونے پر ہی کہی جائے، مگر بلالؓ کی اذان طلوع فجر سے پہلے، تو وہ (صرف) رمضان میں ہوتی تھی تاکہ سونے والا بیدار ہو جائے اور تہجد پڑھنے والا لوٹ آئے (وہ اذان) نماز کے لیے نہیں ہوتی تھی، مگر رمضان المبارک کے علاوہ تو یہ ان سے غلطی سے ہوا کیونکہ انہوں نے سمجھا فجر طلوع ہو چکی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲۶۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت میں بھی مؤذنین کے عام معمول کا ذکر ہے ما کانوا یؤذنون حتی ینفجر الفجر اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف ج ۱ ص۲۱۷ میں نقل کیا ہے۔

(۲۶۶) اس روایت میں حضرت عمرؓ کے مؤذن "مسروح" نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ قبل الفجر اذان دی تو حضرت عمر فاروقؓ نے دوبارہ کہلوائی اس روایت کو ابوداؤد ج ۱ ص۷۹ میں نقل کیا گیا ہے۔

امام طحاویؒ کی نظر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے مختلف دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ فجر کی اذان کا وقت طلوع فجر کے بعد ہی کا وقت ہے جس میں عبداللہ بن ام مکتومؓ اذان دیا کرتے تھے۔

لیکن ماقبل میں حضرت بلالؓ کا اس وقت سے پہلے اذان دینا بھی ثابت ہو چکا ہے جب فجر کی اذان کے وقت میں اختلاف ہوا تو ہمیں غور و فکر سے کام لینے کی ضرورت ہوگی تاکہ دونوں قولوں میں سے

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْمُسَافِرِ

۲۶۷ - عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

باب - جو روایات مسافروں کی اذان کے بارہ میں ہیں۔ ۲۶۷ - مالک بن الحویرث نے کہا، دو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو سفر کا ارادہ رکھتے تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "جب تم جاؤ تو اذان کہو، پھر اقامت کہو، پھر تم میں سے بڑا تمہیں امامت کرائے۔"
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

صحیح قول ہمارے سامنے آجائے تو ہم نے غور کرکے دیکھا کہ فجر کے علاوہ باقی تمام نمازوں کی اذان وقت ہونے پر دینا لازم ہے وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے اور فجر کی اذان کے سلسلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ وقت سے پہلے جائز نہیں ہے لیکن فجر کی اذان کو دوسری نمازوں کی اذانوں پر قیاس کرکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی اذان بھی وقت سے پہلے جائز نہ ہو کہ تمام نمازوں کی اذان کا حکم یکساں ہو جائے یہی نظر و فکر کا تقاضا ہے (شرح معانی الآثار ۱ صـ ۸۲)

بہر حال اس باب میں حنفی مسلک نہایت مضبوط اور مستحکم ہے اس لیے کہ قیاس کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ اذان کا اصل مقصد اعلانِ وقت صلوٰۃ ہے اور رات کو اذان دینے میں اعلان نہیں بلکہ اضلال ہے۔

امام نیموی کی تطبیق قال النیموی امام نیموی بھی مختلف احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے یہی فرماتے ہیں یہ تو قطعی طور پر احادیث سے ثابت ہے کہ فجر کے لیے دخولِ وقت کے بعد اذان دی جاتی تھی مگر حضرت بلالؓ اذان قبل طلوع الفجر کیوں دیا کرتے تھے احادیث میں اس کی وجوہات بھی آگئی ہیں اولاً یہ کہ یہ اذان صرف رمضان میں ہوا کرتی تھی تاکہ سونے والے بیدار ہوں اور تہجد والے لوٹ آئیں اور غیر رمضان میں اگر انہوں نے کبھی قبل الفجر اذان دی تو وہ ان کی خطا تھی اور سوء نظر سے مغالطہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سفر میں اذان اور اقامت کا مسئلہ (۲۶۷) مضمون حدیث ترجمہ سے واضح ہے سفر میں خواہ منفرد ہو یا رفقاء کے ساتھ ہو، مگر اخواہ سفر شرعی ہو یا عرفی ہو، اذان کے متعلق دو مسلک مشہور ہیں۔

(۱) امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی صورت میں اذان اور اقامت دونوں مسنون ہیں امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق مروی ہے۔

(۲) امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف اقامت پر اکتفاء بلاکراہت جائز ہے اور اذان مسنون نہیں۔

حدیث باب جس کو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ ص۸۸ باب الاذان للمسافر میں نقل کیا ہے شوافعؒ اور حنابلہؒ کا مستدل ہے جس میں صراحتاً فاذنا ثم اقیما کے الفاظ آتے ہیں جمہور احناف بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ سفر میں اذان واقامت دونوں کہنی چاہئیں یہی روایت صحاح کی دوسری کتابوں میں یوں منقول ہے قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا وصاحب لی فاقمنا عندہ فلما اردنا الانصراف قال لنا اذا حضرت الصلوٰۃ فاذنا واقیما ولیؤمکما اکبرکما اذان واقامت دونوں کا ترک مکروہ ہے کیوں کہ اس صورت میں مسافر حقیقۃً اور تشبیہاً ہر اعتبار سے نماز با جماعت کا ترک کرنے والا ہوگا۔ ثم لیؤمکما اکبرکما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے بڑی عمر والے کو امامت کرنے کے لیے ترجیح دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں علم اور قراءۃ قرآن میں مساوی تھے ورنہ دیگر روایات سے یہ قطعی ثابت ہے اعلم اور اقرأ احق بالامامۃ ہے۔

اور صلوٰۃ بالجماعت کا ترک مکروہ ہے اگر صرف اقامت پر اکتفا کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اذان کا سقوط کی جگہ ثابت ہے جیسے فائتہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے بعد والی نمازوں میں اسی طرح عرفہ کی دوسری نماز میں اذان ساقط ہے بخلاف اقامت کے کہ اس کا سقوط کسی موقع پر نہیں ہے۔

(فتح القدیر)

حضرت نافع نے حضرت ابن عمرؓ کا اثر روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سفر میں صرف اقامت پر اکتفاء کیا کرتے تھے بجز فجر کی نماز کے، کہ اس میں اذان اور اقامت، دونوں کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اذان تو امام کی طرف لوگوں کے مجتمع کرنے کے لیے ہے۔

البتہ اگر اذان کہہ کر اقامت چھوڑ دی تو یہ مکروہ ہے (شرح طحاوی) ظہیر الدین نے اپنے حواشی میں مبسوط سے نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ اذان کی بہ نسبت اقامت کی زیادہ تاکید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جَوَازِ تَرْكِ الْأَذَانِ لِمَنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ

۲۶۸- عَنِ الْأَسْوَدِ وَعَلْقَمَةَ قَالَا: أَتَيْنَا عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي دَارِهِ فَقَالَ أَصَلَّى هٰؤُلَاءِ خَلْفَكُمْ قُلْنَا لَا، قَالَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا وَلَمْ يَأْمُرْ بِأَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُسْلِمٌ وَآخَرُوْنَ۔

باب۔ گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے اذان چھوڑ دینے کے جواز میں۔ ۲۶۸- اسود اور علقمہ نے کہا، "ہم عبداللہ ابن مسعود کے گھر گئے، تو انہوں نے کہا: کیا انہوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی ہے؟" ہم نے کہا، نہیں! عبداللہؓ نے کہا" اٹھو! اور نماز پڑھو ہمیں اذان اور اقامت کے لیے نہیں کہا۔"

یہ حدیث ابن ابی شیبہ اور مسلم اور دوسرے لوگوں نے نقل کی ہے۔

صلوٰۃ فی البیت کے لیے اذان کا مسئلہ

۲۶۸- حدیث باب جسے ہمارے مصنف نے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الاذان ج ۱ ص۲۲۰ باب من کان یقول لیجزیہ ان یصلی سے نقل کیا ہے کا مضمون واضح ہے کتاب الآثار میں ہے علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ نماز کا وقت آگیا تو آپ نماز کے لیے اٹھے اس میں ہے کہ آپ نے اذان و اقامت کے بغیر نماز ادا فرمائی اور فرمایا یجزی اقامۃ الناس حولنا۔

صاحب ہدایہ نے بھی اسی اثر کو مبسوط نقل کیا ہے روی عن ابن مسعودؓ انہ صلی بعلقمۃ والاسود فی بیتہ فقیل لہ الا تؤذن؟ فقال اذان الحی یکفینا۔

اندرون شہر گھر میں رہتے ہوئے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے خواہ تنہا پڑھے یا جماعت کے ساتھ (تبیین و فتح القدیر)، تاکہ نماز کی ادائیگی جماعت کے طرز پر ہو جائے اور اگر دونوں چھوڑ دے تو یہ بھی جائز ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد نقل کر دیا ہے کہ اذان الحی یکفینا یعنی محلہ کی اذان ہمارے لیے کافی ہے حدیث باب کا بھی یہی مدلول ہے۔

بَابُ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

۲۶۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَهُوَ بِمَكَّةَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَالْكَعْبَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ ۲۶۹۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے، بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے، اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔
یہ حدیث احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اسکی اسناد صحیح ہے۔

اشتراط قبلہ فی الصلوٰۃ

(۲۶۹ تا ۲۷۶) صحت نماز کے لیے استقبال قبلہ شرط ہے فقہاء کے قول استقبال القبلۃ میں سین برائے طلب نہیں اس لیے فرض مقابلہ ہے نہ کہ طلب مقابلہ، بلکہ یستقبل بمعنی یتقبل ہے بعض حضرات نے یہاں یہ کہا ہے سین برائے طلب بھی تو ہو سکتا ہے اس طرح کہ اس سے نیت استقبال کعبہ کے شرط ہونے کی طرف اشارہ ہو مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اشتراط نیت کعبہ صرف جرجانیؒ اور ان کے متبعین کا قول ہے اور صحیح یہ ہے کہ نماز کے لیے نیت کعبہ شرط نہیں ہے جیسا کہ خلاصہ اور بنایہ میں اس کی تصریح ہے صحت صلوٰۃ کے لیے اشتراط قبلہ کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (پھیر اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف) بعض مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ شطر بمعنی وسط کے ہے فمعناہ فول وجهك وسط المسجد الحرام اور مسجد حرام وہی کعبہ ہے فانها واقعة في وسط المسجد الحرام۔ قاضی بیضاوی کا میلان اسی طرف ہے۔

وحیث ما کنتم فولوا کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاں کہیں ہوا کرو حضر میں یا سفر میں، مدینہ میں یا کسی دوسرے شہر میں، جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں غرض جہاں بھی ہوا کرو کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اشتراط قبلہ پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ عبادت تو خدا کے لیے ہے اور خدا کے لیے کوئی جہت نہیں پھر کعبہ کی طرف رخ کرنے کا ضروری ہونا چہ معنی دارد؟ اس لیے کہ عبادت تو بے شک خدا ہی کے لیے ہے لیکن بقول کسے ع

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

۲۷۰۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۷۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، جب کہ ایک آنے والے نے آ کر کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو قرآن پاک نازل ہوا، اور انہیں حکم دیا گیا کہ کعبہ کی طرف منہ کریں تو تم کعبہ کی طرف منہ کرو، اور ان کا چہرہ شام کی طرف تھا، وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

ہر قدم پر ہر شخص کا ایک طبعی رجحان اور قلبی میلان ہوتا ہے جو اس کو کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونے کا داعی بنتا ہے شریعت نے ملت ابراہیمیہ کے متبع کو غیر متبع سے ممتاز کرنے کے لیے اسی جہت کو متعین کر دیا یا یوں کہا جائے کہ اس میں بندہ کی آزمائش مقصود ہے کیونکہ عاقل بالغ شخص جو خدا تعالیٰ کے حق میں جہت کو محال جانتا ہے اس کی اصل فطرت اس کی مقتضی ہے کہ وہ نماز میں کسی خاص طرف منہ کرے اللہ نے ایسی بات کا حکم کیا جو اس کے اصل فطرت کے مقتضی کے خلاف ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حکم مانتا ہے یا نہیں۔

مکہ میں استقبال قبلتین کی صورت

(۲۶۹) مضمون حدیث واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۱ ص ۳۲۵ میں نقل کیا ہے۔

بعض محدثین کی رائے ہے کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے لیکن اس طرح پر کہ بیت اللہ کو درمیان میں لیتے تھے تاکہ دونوں کا استقبال ہو جائے البتہ ظاہری طور پر لوگوں کو پتہ نہیں چل سکا اس حدیث باب کا بھی یہی مدلول ہے جس کی صورت یہ ہے —— مکہ —— مدینہ —— بیت المقدس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے اس طور پر نماز پڑھتے رہے کہ قبلتین سامنے ہوتے تھے یعنی کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہوتے تھے بعد میں جب مدینہ منورہ تشریف لانا ہوا تو سمتیں مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کا اجتماع نہ ہو سکا۔

۲۷۱۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ، أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَأَنَّهُ صَلَّى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُونَ فَقَالَ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۷۱۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب شروع میں مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار میں اپنے ننھیال یا اپنے ماموؤں کے پاس اترے اور آپ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینہ تک نماز پڑھی، اور آپ کو یہ بات بہت زیادہ پسندیدہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو اور آپ نے پہلی نماز جو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی، ایک شخص جس نے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی نکلا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا، جب کہ وہ رکوع میں تھے، اس شخص نے کہا، میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، تو وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

بیت المقدس اس میں دو لغت مشہور ہیں (۱) فتح المیم و اسکان القاف، (بیت المَقْدِس) (۲) ضم المیم و فتح القاف (بیت المُقَدَّس) یہ تقدیس سے ہے بمعنی تطہیر کے (نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۲۰۱) الکعبہ کعب اور چوکور چیز کو کہتے ہیں چونکہ یہ مکان چوکور ہے اس لیے تسمیۃ المحاط باسم المحیط کے طور پر اس کو کعبہ کہنے لگے۔

(۲۷۰) عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ باب تحویل القبلۃ من القدس الی الکعبۃ میں نقل کیا ہے۔

اذ جاءھم آت آنے والے کا نام نہیں بتایا گیا بعض حضرات نے کہا یہ عباد بن بشرؓ تھے جو بنی حارثہ کے پاس آئے تھے (فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۱۴۰) قرآن قرآن کے نکرہ لانے میں اس کی بعضیت کی طرف اشارہ ہے مراد قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (الآیات) والی آیات ہیں۔

۲۷۲- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَقَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۷۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے" یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور بخاری نے قوی قرار دیا ہے۔

جہت کعبہ اور ایک فقہی بحث

جہت کعبہ سے متعلق اجمالاً یہ بحث بھی ملحوظ رہے کہ نمازی مکہ میں ہو گا یا مدینہ میں یا حرمین شریفین کے علاوہ کسی اور جگہ میں پس اگر مکہ میں ہو تو اس کا فرض استقبال عین کعبہ ہے یعنی عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا اور کعبہ کی سیدھ باندھنا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتی کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کے لیے اس طرح پڑھنا ضروری ہے کہ اگر دیوار دور کر دی جائے تو کعبہ سامنے ہو جائے پس اگر مکہ میں کعبہ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کر نماز پڑھے کہ اس کے چہرے کی سیدھ سے خارج ہونے والا خط مستقیم کعبہ پر منطبق نہ ہو تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی امام نسفیؒ کی عبارت کنز کا ظاہر یہی ہے اور کافی میں اس کی تصریح ہے۔ لیکن معراج الدرایہ اور تجنیس میں اس کی تصحیح کی ہے کہ عین کعبہ کی شرط اس کے حق میں ہے جو مشاہد کعبہ ہو اگر مشاہد کعبہ نہ ہو بلکہ اس کے اور کعبہ کے درمیان دیوار، پہاڑ وغیرہ کی آڑ ہو تو اس کا حکم مثل غائب کے ہے یعنی اس کا قبلہ جہت کعبہ ہے نہ عین کعبہ، صاحب بحرؒ نے اس کی اتباع کی ہے اور تمرتاشیؒ نے منح الغفار میں اس کو برقرار رکھا ہے اسی پر شرنبلالیؒ نے جزم کیا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ غیر مشاہد کعبہ کے لیے صرف جہت شرط ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء امام ثوریؒ، ابن المبارکؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ، داؤدؒ، مزنیؒ، امام شافعیؒ اور احناف سب کا یہی قول ہے یہی امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے شیخ ابوبکر رازیؒ بھی اسی کے قائل ہیں امام سیوطیؒ نے در منثور میں لکھا ہے کہ

"انه اخرج البيهقي عن ابن عباس مرفوعاً انه قال البيت قبلة لاهل المسجد والمسجد قبلة لاهل الحرم والحرم قبلة لاهل الارض في مشارقها و مغاربها من امتي" اس سے مذہب جمہور کی تائید ہوتی ہے (السعایہ)

۲۷۳۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۷۳۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس تم جب نماز کے لیے کھڑے ہو (یعنی نماز کا ارادہ کرو) تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف منہ کرو اور تکبیر کہو۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

بحث تحویل قبلہ

(۲۷۱) حضرت براء کی اس روایت (جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الایمان ج ۱ صفحہ باب الصلٰوۃ من الایمان میں نقل کیا ہے) کی تشریح سے پہلے تحویل قبلہ کے متعلق اجمالاً گذارش ہے کہ تحویل قبلہ کے تعدد میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات تو اس کے قائل ہیں کہ تحویل قبلہ صرف ایک مرتبہ ہوئی پھر اُن میں بھی دو فریق ہیں۔

(ق) ایک فریق کہتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں شروع ہی سے قبلہ بیت المقدس تھا لیکن آپؐ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال ہو جائے پھر مدینہ طیبہ میں بھی ایک عرصے تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم رہا لیکن وہاں آپ کے لیے دونوں قبلوں کا استقبال ممکن نہیں تھا اس لیے آپؐ کی خواہش تھی کہ قبلہ بدل جائے چنانچہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

(ب) دوسرا فریق کہتا ہے کہ ابتداء اسلام میں قبلہ کے بارے میں کوئی صریح حکم نہیں آیا تھا اور آپؐ چونکہ ایسے معاملات فیما لم یؤمر فیہ میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب موافقۃ اھل الکتاب فیما لم یؤمر فیہ (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۷۷)

اس لیے کعبہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال فرماتے تھے

۲۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ نسخ دو مرتبہ ہوا وہ اس طرح کہ مکہ مکرمہ میں استقبالِ کعبہ کا حکم تھا پھر ابتدائی مدنی دور میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا اور سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس ہی قبلہ رہا پھر دوسری بار نسخ ہوا اور کعبہ کو مستقل قبلہ بنا دیا گیا یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے چنانچہ قرآنی آیت وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۴۷۴- وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ وَصَفَهَا ثُمَّ قَالَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ وَلَا اَرَى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۴۷۴- نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے بیان کیا کہ جب ان سے صلوٰۃ خوف کے بارے میں پوچھا جاتا، اسے بیان کر دیتے، پھر کہتے اگر خوف اس سے زیادہ ہو تو پیادہ یا پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور سوار ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے۔ نافعؒ نے کہا، میرے خیال میں حضرت ابن عمرؓ نے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی بیان کیا ہے۔
یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

اجداد و اخوال کا مصداق ایک ہے

نزل علی اجدادہ او قال علی اخوالہ یہ او شک کے لیے ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اجداد سے مراد اجداد من قبل الام یعنی ننہال مراد ہے تو وہ اخوال ہی ہوا۔

مدینہ میں بیت المقدس کتنے ماہ قبلہ رہا

ستۃ عشر شھرا او سبعۃ عشر شھرا یہاں سے مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت بتلا رہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور اگلے سال ماہ رجب میں قبلہ بدل گیا اب یہاں اختلاف یہ ہے کہ آپؐ نے کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس میں تین طرح کی روایات ہیں ایک میں سولہ ماہ مذکور ہے دوسری روایت میں سترہ ماہ اور تیسری روایت میں اٹھارہ ماہ مذکور ہیں ان روایات میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ماہ ربیع الاول کے کچھ حصہ کے گزر جانے کے بعد ہجرت کی گئی تھی اور ادھر رجب کے آخر میں تحویل ہوئی تو بعض نے کسر کو شمار نہ کر کے پورے سولہ ماہ ذکر کر دیے اور بعض نے دونوں مہینوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو ایک ہی ماہ شمار کر کے سترہ ماہ بتلا دیے اور بعض حضرات نے دونوں کو مستقل مہینہ شمار کر کے اٹھارہ ماہ بتلائے

حضورؐ کو تحویل قبلہ کیوں پسند تھا

وکان یعجبہ ان تکون قبلتہ وجہ ظاہر ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کا حکم آیۂ کریمہ واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا میں دیا گیا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۲۷۵۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ اَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۷۵۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نماز نفل پڑھتے جس طرف بھی متوجہ ہوتے اور وتر بھی اسی پر ہی پڑھتے، مگر فرض نماز اس پر نہیں پڑھتے تھے،
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

اپنے آبائی قبلہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے (۲) لباب النقول میں ابن جریر نے تخریج کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضورؐ کے تحویل قبلہ پر مشرکین کہنے لگے کہ محمدؐ دین کے باب میں متحیر معلوم ہوتے ہیں ہمارے قبلہ کی طرف ان کا متوجہ ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ ہم کو اپنے سے زیادہ صحیح راستہ پر سمجھنے لگتے ہیں اسی لیے امید رکھنی چاہیئے کہ وہ ہمارے دین کو بھی اپنا لیں گے تو تحویل قبلہ میں مخالفین کی حجت قطع کرنی ہے نیز پچھلی کتابوں کی پیش گوئی دربارہ قبلہ پورا کرنا ہے اور اسی میں اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت بھی ہے۔

عالمگیر نبی کا قبلہ مرکزی اور بین الاقوامی ہے

(۳) چونکہ تحویل قبلہ اسلام میں یہ پہلا نسخ تھا جو مسلمانوں کے لیے ایک نئی چیز تھی اور مخالفین کے لیے فتنہ پردازی کا بہانہ، لہٰذا ان چند در چند وجوہ کے پیش نظر قرآن مجید میں کئی کئی پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی گئی اور حکم کو مکرر سہ کرر بیان کیا گیا حضرت ابراہیمؑ کا اقوام عالم کی امامت سے سرفراز ہونا۔ ام القریٰ مکہ معظمہ میں عبادت گاہ کعبہ کی تعمیر کرنا، ایسے مقدس وقت میں امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا کرنا خود اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایک مذہب حق اسلام کا انتخاب کر کے اس کی وصیت کرنا وقت موعود پر پیغمبر اسلام کا ظہور اور ان کی تعلیم و تربیت سے ایک بہترین امت کا رونما ہو جانا اور سارے عالم کی ہدایت و تعلیم ان کے سپرد ہونا اور اس کی روحانی ہدایت کے لیے ایک مرکز کا ہونا جو قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا کیوں کہ یورپ ایشیا۔ افریقہ کا مرکزی حصہ یہی ام القریٰ ہے جس کو کہ ناف ارض کہا گیا ہے چنانچہ تحویل قبلہ سے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا گیا اور پیروان حق کو بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بار آور ہو گیا ہے اب وہ بہترین امت تم ہو اور عالمگیر نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو ان کے بین الاقوامی مشن کی رو سے ایک مرکزی قبلہ دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی جملہ اوصاف کے حامل ہیں جن

۲۷۶۔ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُومِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۷۶۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ اپنے سر کے ساتھ اشارہ فرماتے جس طرف بھی آپ متوجہ ہوتے اور آپ فرض نماز میں ایسا نہیں فرماتے تھے۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

خصوصیات کا خاکہ ان کے جد امجد نے کھینچا تھا۔

تحویل قبلہ کب اور کہاں

: وانہ صلی اول صلوٰۃ صلاھا صلوٰۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تقریر بخاری میں فرماتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ تحویل قبلہ کہاں اور کب ہوا (۱) ایک قول یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ہوا (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ بنو سلمہ میں ہوا پھر دونوں میں دو، دو قول ہیں ایک یہ کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی دوسرے یہ کہ عصر کی نماز میں تحویل ہوئی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے لامع الدراری کے حاشیہ میں چاروں قول نقل کئے ہیں لامع الدراری کے متن میں راجح یہ بتلایا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی مگر یہ اس کے خلاف ہے جو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے اوجز المسالک میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ تحویل مسجد نبوی میں ظہر و عصر کے درمیان ہوئی اور یہی ان کے نزدیک راجح ہے۔

ہمیں اپنے استاذ نے فرمایا تھا کہ راجح یہ ہے کہ تحویل کے بعد آپؐ نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی جبکہ بعض روایات میں عصر کا ذکر آتا ہے واقعہ اصل میں یوں ہے کہ تحویل قبلہ کے دن آپ نے ظہر کی نماز مسجد بنی سلمہ المعروف بہ مسجد "القبلتین" میں پڑھی اور نماز کے دوران تحویل قبلہ کا حکم ہوا پھر مسجد نبوی میں آپ نے عصر کی نماز ادا کی لہذا جن لوگوں نے عصر روایت کی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ تحویل کے بعد پہلی مکمل نماز عصر تھی۔

فاستداروا کما ھم قبل البیت دوسری مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ان کو نماز میں تحویل قبلہ کی نہایت انتظار کے بعد خبر ملی تو وہ لوگ کھڑے کھڑے الٹی طرف گھوم گئے لیکن اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ امام تمام مقتدیوں کے پیچھے ہو جائے اور سارے مقتدی امام سے آگے مگر کسی اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں کہ اس امام کا کیا ہوا؟ مگر محدثین نے اس کے جواب میں اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ امام اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے پہنچ گیا اس لئے کہ اتنی مشی مفسد نہیں ہے جب کہ توالی حرکات نہ ہو

دوسرا اشکال یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ قطعی الثبوت ہے لہٰذا خبر واحد کی بنا پر جو کہ ظنی ہی ہے یہ لوگ کیسے پھر گئے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی جائے جس کا ذکر آیۂ شریفہ قد نری تقلب وجھك فی السماء میں ہے اور صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش معلوم تھی اس سبب سے اس خبر پر محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے اعتماد کرکے صحابہؓ نے کعبہ کا استقبال کر لیا۔

اہل مدینہ کے لیے قبلہ کا حکم

(۲۷۲) حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ابواب الصلوٰۃ ج ۱ ص۴۹ میں نقل کیا ہے اس حدیث میں بیان کردہ حکم اہل مدینہ ومن علی جھتھا کے لیے ہے کیونکہ قبلہ وہاں سے جنوب میں ہے پھر حدیث میں ما بین کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نصف دائرہ کی پوری قوس قبلہ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قبلہ اس کے وسط میں ہے شارحین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نماز کے اندر پینتالیسؐ درجہ جانب یمین میں اور پینتالیسؐ درجہ جانب یسار میں انحراف ہو جائے تب بھی نماز ہو جاتی ہے البتہ اس سے زائد انحراف کی صورت میں نماز درست نہیں ہوتی۔

صلوٰۃ الخوف کی صورت میں استقبال قبلہ کا حکم

(۲۷۳) اس روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب التفسیر ص۶۵۰ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔
اس حدیث میں صلوٰۃ الخوف کی صورت میں جہت قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے دراصل استقبال قبلہ کا فریضہ قدرت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا جہاں قدرت نہ ہو وہاں جہت قدرت ہی قبلہ ہے چنانچہ درمختار میں ہے وقبلۃ العاجز عنھا جھۃ قدرتہ یہاں تک کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے میں جان یا مال کا قوی خطرہ ہو تب بھی جہت قدرت کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیت کریمہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ایک تو اشتباہ قبلہ کی حالت کے بارے میں ہے نیز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ پر بھی محمول ہے۔

صلوٰۃ الوتر علی الراحلہ کا مسئلہ

وبیوتر علیھا علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے کہ بحالت سفر (بغیر عذر کے) سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو اس سلسلہ میں «الغیب الاذکار جلد ثالث نصف ثانی ص۲۲» اور بذل المجہود ج ۲ ص۲۴۱ میں دو مذہب نقل کیے گئے ہیں۔
(۱) امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے نزدیک وتر کی نماز حالت سفر میں (بغیر عذر کے بھی) سواری پر اشارے سے پڑھنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر واجب نہیں ہے بلکہ نفل ہے اور

نفل نماز سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے الفاظ دیوتر علیہا ان کا مستدل بنتے ہیں۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ، امام محمد، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک وتر کی نماز (بغیر عذر کے) سواری پر پڑھنا مسافر کے لیے بھی جائز نہیں ہے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حنظلہ بن ابی سفیان کے طریق سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت پیش کی ہے کہ انہوں نے خود زمین پر وتر پڑھ کر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے اور مجاہد بن جبیرؒ کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سواری پر نماز پڑھتے تھے جب رات کا آخری حصہ ہو جاتا تو سواری سے اتر کر وتر کی نماز ادا کرتے تھے۔

بظاہر حضرت ابن عمرؓ کی دونوں روایات میں تعارض ہے مگر درحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز سواری پر ادا فرمائی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب وتر کا حکم آیا تھا مگر اس کی پابندی پر شدت نازل نہیں ہوئی تھی پھر بعد میں جب وتر کا حکم مستحکم ہو گیا اور رخصت کا حکم ختم ہو چکا تو سواری پر پڑھنے کی گنجائش بھی ختم ہو گئی حضرت ابن عمرؓ نے سواری پر نماز پڑھ کر حضورؐ کے اس عمل کو نقل کر کے زمانۂ رخصت کی خبر دی ہے جو مستدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ متفق علیہ ضابطہ یہ ہے کہ فرض نماز وہ ہے کہ جس کو قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو حالت سفر میں سواری پر (بغیر عذر کے) اشارہ سے پڑھنا جائز ہے اور نفل نماز وہ ہے جس کو قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اور حالت سفر میں سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے پھر ہم نے وتر پر غور کیا ہے کہ بالاتفاق وتر کی نماز قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے جو نماز قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اس کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لہٰذا اسی قاعدہ کی رو سے وتر کی نماز بھی سواری پر جائز نہیں ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول ہے۔

صلوٰۃ النافلہ علی الدابہ کی صورت میں استقبال قبلہ کا حکم

(۲۷۵، ۲۷۶) دونوں روایات میں صلوٰۃ النافلہ علی الدابہ کی صورت میں جہت قبلہ (جب قدرت نہ ہو) کے اشتراط کے سقوط کا بیان ہے ان دونوں روایات کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب صلوٰۃ المسافرین ج ا ص۲۴۴ باب جواز صلوٰۃ النافلہ علی الدابہ حیث توجہت میں نقل کیا ہے۔

اس پر تو فقہاء کا اجماع ہے کہ نفل نماز دابہ پر علی الاطلاق جائز ہے خواہ اترنا ممکن ہو یا نہ ہو نیز اس پر بھی ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ جب اترنا کسی عذر کی وجہ سے متعذر ہو تو فرض نماز بھی دابہ پر انفراداً جائز ہے عذر مثلاً

بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّیْ

۲۷۷۔ عَنْ اَبِیْ جُہَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

باب۔ نمازی کا سترہ۔ ۲۷۷۔ حضرت ابوجہیم بن الحارث رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر جانتا ہو کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس (سال) کھڑا رہنا اس کے لیے بہتر ہے اس

ہو سکتا ہے کہ اترنے میں جان ومال یا آبرو کا خوف ہو یا بارش کی وجہ سے کیچڑ اتنا ہو کہ چہرہ لت پت ہو جانے کا اندیشہ ہو اور کوئی جائے نماز وغیرہ بچھانے سے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تاہم محض معمولی سا بھیگ جانے کا ثبوت عذر نہیں، فقہاء نے ای زجہ توجیہ اور دیگر روایات میں حیث ما توجہت کے الفاظ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نفلی نماز سواری پر مطلقاً جائز ہے اس میں استقبال قبلہ کی شرط نہیں اور رکوع وسجود کی بھی نہیں بلکہ رکوع وسجود کے لیے اشارہ کافی ہے بلکہ در مختار میں لکھا ہے کہ اگر زمین پر نجاست کثیرہ ہو تب بھی جائز ہے یہی حکم بسوں والی سواری کا ہے کہ اس پر نفلی نماز مطلقاً جائز ہے (در مختار ج ۱ ص ۴۷۲) ٹرینوں اور موٹروں میں بغیر استقبال قبلہ کے نفل نماز اشارہ سے پڑھی جا سکتی ہے البتہ فرائض میں تفصیل ہے کہ اگر سواری ایسی ہے جس میں استقبال قبلہ، قیام رکوع وسجود ہو سکتے ہوں تو کھڑے ہو کر پڑھنا جائز ہے لیکن اگر قیام اور رکوع وسجود ممکن نہ ہوں اور وقت گذرنے سے پہلے اتر کر نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر بیٹھ کر بھی جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر وقت میں وسعت تھی لیکن ابتداء وقت ہی میں بیٹھ کر نماز پڑھ لی اترنے کا انتظار نہ کیا تب بھی علامہ شامیؒ کا رجحان جواز کی جانب ہے اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ اس وقت تک انتظار کیا جائے جب تک یا تو کھڑے ہو کر پڑھنے پر قدرت ہو جائے یا وقت نکلنے کا اندیشہ ہو جائے (رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۲)

زیر بحث دونوں احادیث میں نفل صلوٰۃ کے دابہ پر جواز اور استقبال قبلہ کے اشتراط کے سقوط کا مسئلہ واضح ہے یسبح علی الراحلۃ میں تسبیح سے مراد صلوٰۃ ہے۔ اطلاق اسم البعض علی الکل کے قبیل سے ہے اولان المصلی منزہ للہ سبحانہ وتعالیٰ باخلاص العبادۃ والتسبیح التنزیہ فیکون من باب الملازمۃ واما اختصاص ذلک بالنافلۃ فھو عرف شرعی واللہ اعلم۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۲۵۹)

سترہ کی حکمت وضرورت اور مسائل (۲۷۷ تا ۲۸۸) سترہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے مصلی کے سامنے کھڑی کیا جائے جیسے دیوار، ستون، لکڑی یا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

کے آگے گزرنے سے" یہ حدیث متفق علیہ نقل ہے۔

لوہا وغیرہ۔ نمازی کے آگے سترہ کھڑا کرنے کی بنیادی حکمت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے سجود کی جگہ متمیز ہو جائے اور نمازی کے آگے سے گذرنے والا شخص گنہ گار نہ ہو سترہ کی لمبائی کم سے کم ایک ہاتھ اور موٹائی کم از کم ایک انگشت ہونا ضروری ہے۔

مقتدیوں کے لیے امام کا سترہ کافی ہے یعنی اگر امام کے آگے سترہ کھڑا ہو تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے اگرچہ ان کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو۔ امام اور سترہ کے درمیان سے گزرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی نمازی پیچھے سے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کیلئے جائز ہے کہ پچھلی صفوں کے سامنے سے گزرتا ہوا پہلی صف میں خالی جگہ پہنچ کر کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ پچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انہوں نے آگے بڑھ کر پہلی صف میں جگہ کو پُر کیوں نہ کیا سترہ سے متعلق مفصل احکام حسب موقع احادیث کی تشریح میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

نمازی کے آگے گزرنا گناہ اور جرم عظیم

(۲۷) ان یقف اربعین امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں فرمایا ہے کہ یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن، اور انہوں نے یہ بات حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے پیش کی ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم احدکم ما لہ فی ان یمر بین یدی اخیہ معترضاً فی الصلوٰۃ کان لان یقیم مائۃ عام خیر لہ من الخطوۃ التی خطا (رواہ ابن ماجہ)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گذرنا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کیلئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔

نمازی کے آگے گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے مشکوٰۃ باب السترہ میں کعب احبارؓ سے روایت ہے قال لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یخسف بہ خیراً لہ من ان یمر بین

۲۷۸ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ فَقَالَ كَمُؤْخَرَةِ الرَّحْلِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

۲۷۸ - ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سترہ کے بارہ میں پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا، کجاوہ کے پچھلے حصہ جتنا (یعنی تقریباً ایک ہاتھ)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

یدیہ و فی روایۃ اھون علیہ رواہ مالک۔

یعنی نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کے جرم کی سزا کیا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو اور ایک روایت میں بجائے "بہتر" کے "زیادہ آسان" کا لفظ آیا ہے

(۲۷۸) کموخرۃ الرحل یعنی کجاوہ کے پیچھے کی لکڑی جو ایک ذراع کی مقدار ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت جو عکرمہ کے طریق سے مروی ہے اس میں قدر رمیۃ آیا ہے یعنی ایک تیر کے بقدر اس روایت کو امام مسلمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صـ۱۹۵ باب سترۃ المصلی میں نقل کیا ہے۔

نمازی کے سامنے گذرنے کا مسئلہ

(۲۷۹ تا ۲۸۱) عبداللہ بن صامتؓ کی اس روایت جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ صـ۴۶ میں نقل کیا ہے کے علاوہ اسی باب کی روایت ۲۸۰ جس کے راوی طلحہ بن عبیداللہؓ ہیں اور روایت ۲۸۱ جس کے راوی حضرت انس رضؓ ہیں جو کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صـ۲۲ میں منقول ہے تینوں روایات اور اس نوع کے دیگر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلب اسود، خنزیر، حمار، حائضہ عورت اور کافر کے مصلی کے آگے گزرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جب کہ اسی باب کے تحت مندرجہ روایات ۲۸۲ تا ۲۸۸ کا مدلول یہ ہے کہ ان چیزوں کا مرور مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اس سلسلہ میں نوویؒ ج ۱ صـ۱۹۷، بذل المجہود ج ۱ صـ۴۷۱، التعلیق الافکار ج ۲ صـ۳۰۳ اور دیگر شروح کتب میں دو مذہب نقل کئے گئے ہیں۔

بیان مذاہب

(۱) امام احمد بن حنبلؒ، اہل ظواہرؒ امام اسحٰقؒ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ اور ابوالاحوصؒ وغیرہ ان احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے مصلی کے سامنے گزرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۲۷۹- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ یُصَلِّیْ فَاِنَّہٗ یَسْتُرُہٗ اِذَا کَانَ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلُ اٰخِرَۃِ الرَّحْلِ فَاِذَا لَمْ یَکُنْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلُ اٰخِرَۃِ الرَّحْلِ فَاِنَّہٗ یَقْطَعُ صَلٰوتَہُ الْحِمَارُ وَالْمَرْاَۃُ وَالْکَلْبُ الْاَسْوَدُ قُلْتُ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا بَالُ الْکَلْبِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْکَلْبِ الْاَحْمَرِ مِنَ الْکَلْبِ الْاَصْفَرِ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا سَاَلْتَنِیْ فَقَالَ الْکَلْبُ الْاَسْوَدُ شَیْطَانٌ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا الْبُخَارِیَّ۔

۲۷۹- عبداللہ بن الصامت سے روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو اس کا سترہ بن جاتا ہے جب اس کے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصہ کے برابر کوئی چیز ہو، اور جب اس کے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصہ کے برابر نہ ہو تو اس کی نماز گدھا، عورت اور سیاہ کتا جب کہ سامنے سے گزرے "توڑ دیتا ہے"۔ میں نے کہا اے حضرت ابوذر! کیا حال (فرق) ہے کالے کتے کا سرخ اور زرد کتے سے، انہوں نے کہا، اے بھتیجے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سوال کیا جیسے تو نے کیا، تو آپ نے فرمایا "سیاہ کتا شیطان ہے"۔ یہ حدیث بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

---

(۲) جمہور اہل سنت والجماعت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ سفیان ثوریؒ عامر شعبیؒ ابراہیم نخعیؒ محمد بن سیرینؒ وغیرہ کے نزدیک مذکورہ چیزوں کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ان حضرات کا مستدل اسی باب کی روایات ۲۸۲ تا ۲۸۸ ہیں اور ان کے علاوہ کئی احادیث ہیں جو اس مسئلہ میں نص صریح کا درجہ رکھتی ہیں۔

دلائل اور ترجیح مسلک راجح

فریق اول کے دلائل میں عبداللہ بن صامت عن ابی ذر کی روایت ۲۷۹ ہے جس میں گدھے، عورت اور کتے گزرنے کو قطع صلوٰۃ کا سبب بتایا گیا ہے روایت نمبر ۲۸۰ میں سترہ کی اہمیت و تاکید ہے اگر سترہ لگ گیا تو ان چیزوں کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں روایت نمبر ۲۸۱ جو حضرت انس سے مروی ہے میں بھی صراحتاً کلب حمار اور امرأۃ کے مرور کو قاطع صلوٰۃ کہا گیا ہے فریق ثانی یعنی احناف حضرات اور جمہور اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان احادیث میں قطع سے مراد فساد صلوٰۃ نہیں بلکہ قطع الوصلۃ بین المصلی وربہ ہے جہاں تک مذکورہ احادیث یا اس مضمون کی دیگر روایات کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور

۷۸۰۔ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۸۱۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ۔ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۷۸۰۔ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز رکھ لے، تو نماز پڑھے، اور کوئی پرواہ نہ کرے جو اس کے آگے سے گزرے؛ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۷۸۱۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ ڈالتے ہیں" یہ حدیث بزار نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

تاکید بیان کرنے میں مبالغہ کے طریقہ پر آئی ہیں۔

اشیاء ثلثہ کی تخصیص کی وجہ البتہ ایک اشکال یہ ہوتا ہے احادیث میں ان تین اشیاء، حمار، کلب اور امرأۃ کی تخصیص کیوں کی گئی ہے وجہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو خشوع وخضوع اور حضوری قلب کو کھو دیتی ہیں جو نماز کی اصل اور روح ہے نمازی کا دل، ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے گویا نماز معنوی طور پر بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے چنانچہ عورتوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حبائل الشیطان (مشکوٰۃ ج ۲ ص) گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر وبیشتر شیاطین رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے چیخنے کے وقت تعوذ پڑھنا مستحب ہے جیسے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے واذا سمعتم نہیق الحمار فتعوذوا باللہ من الشیطان فانہا رأت شیطانا (مسلم) اسی طرح کتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن صامت کی روایت میں ہے کہ الکلب الاسود شیطان کتے سے تلویث نجاست کے اندیشے کے ساتھ ساتھ ایذاء پہنچنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے جب وہ سامنے سے گزرے تو نمازی کا ذہن تیزی سے اس کی طرف جھکتا ہے لہذا۔ فلکل من الثلاثۃ علاقۃ بالشیطان لہذا خصوصیت سے ان تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بہرحال صحیح بات یہ ہے کہ انابت الی اللہ، اور تعلق باللہ ایک غیر مدرک بالقیاس

۲۸۲۔ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلّٰى فِي صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالَى بِذٰلِكَ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۲۸۲۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم اپنے دیہات میں تھے، آپ کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے صحرا میں نماز پڑھی، آپ کے سامنے سترہ نہیں تھا، ہماری گدھی اور کتیا آپ کے سامنے کھیلتے تھے، آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔

یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی اور ان جیسے دیگر حضرات نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

چیز ہے لہٰذا کون سی چیز اس کے لیے قاطع اور کونسی واصل ہے اس کا صحیح علم وحی ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور قیاس کو اس میں دخل نہیں ۔۔۔

جب سترہ ہو تو نمازی کے سامنے گزرنے کا حکم

یہی وجہ ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۲۸۰ جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح ج ۱ ص ۱۹۵ میں نقل کیا ہے میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جب نمازی سترہ کے قابل کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور سترہ کے سامنے سے کوئی گزرے تو وہ پرواہ نہ کرے یعنی اس کا خیال نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں سامنے سے کسی کا گزرنا نماز کے خشوع وخضوع پر اثر انداز نہیں ہوگا یا وہ پرواہ نہ کرے کا تعلق گزرنے والے سے ہوگا یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ ہو تو اس کے سامنے سے گزرنے والا شخص کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔

جمہور اہل سنت اور ائمہ احناف کے دلائل

(۲۸۲) فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت فریق ثانی یعنی جمہور اہل سنت اور علماء احناف کا مستدل ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۲ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ لوگ چند دنوں کے لیے جنگل میں جا کر خیمہ زن ہو جایا کرتے تھے اور وہاں رہا کرتے تھے ہر جماعت کا اپنا اپنا متعین جنگل ہوا کرتا تھا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھی اپنا جنگل تھا جن ایام میں وہ اپنے جنگل میں خیمہ زن تھے جیسا ونحن فی بادیۃ لنا کا یہی مدلول ہے تو حضور اقدس

۲۸۳ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جِئْتُ أَنَا وَغُلَامٌ مِّنْ بَنِيْ هَاشِمٍ عَلٰى حِمَارٍ فَمَرَرْنَا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَنَزَلْنَا عَنْہُ وَتَرَكْنَا الْحِمَارَ يَأْكُلُ مِنْ بَقْلِ الْأَرْضِ أَوْ قَالَ نَبَاتِ الْأَرْضِ فَدَخَلْنَا مَعَہٗ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ رَجُلٌ أَكَانَ بَيْنَ يَدَيْہِ عَنَزَةٌ قَالَ لَا رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى - وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ -

---

۲۸۳ - حضرت ابن عباسؓ نے کہا، میں اور بنی ہاشم کا ایک لڑکا گدھے پر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے اس سے اتر کر گدھا چھوڑ دیا کہ وہ زمین سے سبزہ چرلے، ہم آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے، ایک شخص نے کہا، کیا آپ کے سامنے سترہ تھا؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ یہ حدیث ابویعلیٰ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تشریف لے گئے راوی وہیں کا واقعہ بیان کر رہے ہیں اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر گدھے اور کتے وغیرہ گزر جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی وہیں یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ گزرگاہ پر نماز پڑھنے کی شکل میں نمازی کو اپنے آگے سترہ کھڑا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

(۲۸۳) حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت بھی اپنے مضمون میں واضح اور جمہور کا قوی مستدل ہے جسے مسند ابویعلیٰ ج ۳ ص ۱۱۲ میں نقل کیا گیا ہے۔

عنزۃ بڑے نیزے کو کہتے ہیں حربہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں اور عکازہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو چرواہے کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے کونے پر لوہے کا پنجہ بنا ہوتا ہے جس سے وہ درخت سے پتے اور شاخیں توڑتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ سترہ کرنے یا ڈھیلے وغیرہ توڑنے کے لیے اکثر اوقات خدام آپؐ کے ہمراہ ایک نیزہ لے کر چلتے تھے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے كان النبي صلى الله عليه وسلم يغدو إلى المصلى والعنزة بين يديه حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عیدگاہ تشریف لے جاتے اور آپؐ کے آگے آگے ایک نیزہ بھی لے جاتا تھا جو عیدگاہ میں آپ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا تھا کیونکہ عیدگاہ میں سامنے کوئی دیوار وغیرہ نہیں تھی بلکہ میدان ہی میدان تھا اس لیے نیزہ سترہ کے طور پر آپ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

۷۸۴۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَمَرَّ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ حِمَارٌ فَقَالَ عَيَّاشُ بْنُ أَبِيْ رَبِيْعَةَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْمُسَبِّحُ آنِفًا سُبْحَانَ اللّٰهِ؟ قَالَ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ سَمِعْتُ أَنَّ الْحِمَارَ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۷۸۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ کے سامنے سے گدھا گذرا تو عیاش بن ربیعہ نے سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا ابھی کون سُبْحَانَ اللّٰهِ کہہ رہا تھا عیاش نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں کہہ رہا تھا، کیونکہ میں نے سنا تھا کہ گدھا نماز کو توڑ دیتا ہے، آپ نے فرمایا نماز کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی۔ اس حدیث کو دارقطنی نے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۷۸۴) حضرت انسؓ کی یہ روایت دارقطنی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۳۶۷ میں ہے جب حضرت عیاش بن ربیعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انی سمعت ان الحمار یقطع الصلوٰۃ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ قال لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ جمہور اہل سنّت اور حنفیہ کا مستدل ہے۔

(۷۸۵) سالم بن عبداللہ کی یہ روایت جسے امام مالکؒ نے اپنی مؤطا کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر صفحہ ۵۵ باب الرخصۃ فی المرور بین یدی المصلی میں نقل کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ ہے جس میں تصریح ہے کہ نمازی کے سامنے مرور قاطع صلوٰۃ نہیں۔

نمازی کے سامنے گزرنے والے سے مقاتلہ والی روایات کی توضیح

البتہ حضرت ابن عمرؓ سے ایسی روایات بھی آتی ہیں جن میں ہے کہ نمازی اپنے سے آگے گزرنے والے کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ کرے تو اُن کی روایت میں جو شدت ہے وہ ان کے فتویٰ میں نہیں ہے جب کہ فتویٰ روایت سے مؤخر ہے اس لیے فتویٰ پر عمل کرنا زیادہ اولیٰ ہوگا مقاتلہ کی روایت کو منسوخ مانا جائے گا۔

البتہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید کی روایت میں جو فان ابیٰ فلیقاتلہ (مشکوٰۃ باب السترہ) کے الفاظ آتے ہیں تو اوائل میں سہی پھر بھی نماز میں مقاتلہ کی کس طرح اجازت دی گئی حالانکہ یہ تو مفسد صلوٰۃ ہے

۲۸۵ - وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ مِمَّا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ - رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۲۸۵ - سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے نمازی کے سامنے سے گزرنے والی کوئی چیز نماز کو نہیں توڑتی - یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے -

---

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ

(۱) قتال کی روایات اس زمانہ کی ہیں کہ جس میں نمازی کے لیے عمل کثیر اور کلام الناس وغیرہ جائز تھے بعد میں وقوموا للّٰہ قانتین آیۃ شریفہ نازل ہوئی تو یہ سب منسوخ ہو چکے ہیں -

(۲) مالکیہ حدیث میں قتال کو بمعنیٰ بددعا کے محمول کرتے ہیں اور یہ قتل الخراصون کی طرح ہے -

(۳) اکثر شارحین حدیث نے اس کو بعد الصلوٰۃ پر محمول کیا ہے کہ بعد میں تنبیہ کرے کہ اعمال کثیرہ نماز میں ممنوع ہیں -

(۴) بعض نے کہا کہ یہ متروک و مجہول ہے جو کسی حال میں نہ مانتا ہو -

روایت نمبر ۲۸۶ میں بھی طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۳۱۲ کے حوالے حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ منقول ہے

(۲۸۷) اس روایت میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے فتاویٰ پیش کیے گئے ہیں حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۳۱۲ میں ایک سند کے ساتھ اور حضرت عثمانؓ کا فتویٰ دو سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ مسلمان کی نماز کو کوئی چیز (حمارہ کلب اسود، اور حائضہ عورت، کتا وغیرہ) فاسد نہیں کر سکتی -

حضرت عثمانؓ کے فتویٰ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے سامنے سے حضرت سلیط بن ابی سلیط گزرے تو حضرت ابراہیم نے حضرت سلیط کو کھینچ کر گرا دیا اور سر پھوڑ دیا حضرت عثمانؓ کے یہاں یہ مقدمہ پہنچا اور حضرت عثمان نے حضرت ابراہیم سے معلوم کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نماز کی حالت میں میرے سامنے سے گزر رہا تھا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی -

اس کے علاوہ بھی جمہور اہل سنت اور احناف مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان (یعنی آپ کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا جاتا ہے (مشکوٰۃ باب السترہ)

۷۸۶۔ وَعَنْهُ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ أَبِيْ رَبِيْعَةَ يَقُوْلُ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ ۔

۷۸۶۔ سالم بن عبداللہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عیاش بن ربیعہؓ کہتے ہیں۔ "نماز کو کتا اور گدھا توڑ دیتے ہیں" تو ابن عمرؓ نے کہا "مسلمان کی نماز (سامنے سے گزرنے والی کوئی چیز نہیں توڑتی" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع الصلوٰۃ شئ وادرأوا ما استطعتم فانما ھو شیطان (ابوداؤد)

عصا کو طولاً رکھنے کا حکم

(۷۸۸) حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت جسے ابوداؤد نے اپنی سنن کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۰۰ باب الخط اذا لم یجد عصا میں نقل کیا ہے ایک تو اس بات کی دلیل ہے کہ یعنی سترہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے دوسرا یہ ثابت ہے کہ جب نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترہ کے طور پر کام دے سکے تو وہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کرلے اب اس سلسلہ میں اتنی مزید سہولت یہ دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو اور عصا کا گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کے بجائے اپنے سامنے طولاً رکھ لیا جائے تاکہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو۔ فقہ کی کتابوں شرح منیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترہ کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک اس کے لیے یہ سترہ کے طور پر کافی ہو جائے گا یعنی سترہ کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترہ کے طور پر کافی نہ ہوگا کفایہ میں ہے کہ اگر کوئی نمازی سترہ کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہے تو اسے عصا کو طولاً رکھنا چاہیے نہ کہ عرضاً ـــ (مظاہر حق)

جب سترہ نہ ہو تو خط پر اکتفا کرنے کا حکم

فلیخطط خطاً اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ اگر نمازی کو سترہ اور عصا میسر نہ ہو تو وہ لکیر کھینچ کر نماز پڑھے یہی لکیر سترہ بن جائے گی چنانچہ امام شافعیؒ کا قول قدیم اور امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے حنفیہ میں بھی بعد کے علماء نے یہی قول اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ اور بہت سے مشائخ کا مختار یہ ہے کہ

۷۸۷- وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَا لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ وَادْرَءُوْا عَنْهَا مَا اسْتَطَعْتُمْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۸۸- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخُطَّ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ أَمَامَهٗ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَأَحْمَدُ وَإِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

۷۸۷- سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے کہا: مسلمان کی نماز کوئی چیز نہیں توڑتی اور اسے ہٹاؤ جتنا تم ہٹا سکو۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۸۸- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھے، پس اگر وہ کوئی چیز نہ پائے تو لاٹھی کھڑی کرے، اگر اس کے پاس لاٹھی نہ ہو، تو وہ لکیر کھینچ دے، پھر اسے اس کے سامنے سے گزرنے والی کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔ یہ حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ اور احمد نے نقل کی ہے اس کی اسناد ضعیف ہے۔

خط کھینچنے کا کوئی فائدہ نہیں محقق ابن الہمامؒ کے نزدیک خط کھینچ لینا چاہیے اس سے نماز میں دلجمعی حاصل ہو جاتی ہے امام ابو یوسفؒ کی روایت بھی محقق ابن الہمام کے مطابق ہے "تاہم شیخ ابن الہمام کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ خط کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سنت کی بنا پر اولی اور بہتر ہے کیونکہ سامنے کھڑا ہوا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے امتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو شکوک و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

پھر جن حضرات کے نزدیک خط، سترہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے انہوں نے وضع خط میں اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر تو بشکل ہلال کھینچنی چاہیے بعض حضرات نے جانب قبلہ طولاً کھینچنے کا لکھا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں جانب کھینچی جائے اور مختار طولاً ہی کھینچنا ہے (مظاہر حق)

بَابُ الْمَسَاجِدِ

۲۸۹ - عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب - مسجدوں کے بارے میں - ۲۸۹ - حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔" یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

نمازی کے آگے کتنے فاصلے سے گزرنا چاہیئے | یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ سترہ نہ ہونے کی صورت میں نمازی کے آگے سے کتنی دور گزرنا جائز ہے

اس میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے تاہم بہتر قول یہ ہے کہ نمازی اگر مسنون جگہ پر نظر رکھے تو جو جگہ اس کے نظر کے دائرہ میں آتی ہے وہاں سے گزرنا جائز نہیں اس کے علاوہ جائز ہے۔

نظر طحاویؒ | امام طحاویؒ مسلک جمہور کی تائید میں شرح معانی الآثار ج ۱ صفحہ ۲۶۹ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ

ہم نے کلب اسود اور غیر اسود کے بارے میں دیکھا کہ اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے جب کہ کلب اسود و غیر اسود سب یکساں طور پر حرام ہیں حرمت کی علت ان کا لون در رنگ نہیں ہے بلکہ ان کی ماہیت میں حرمت کی علت موجود ہے اسی طرح تمام غیر ماکول اللحم کا حکم ہے کہ ان میں الوان کی وجہ سے حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اسی طرح اہلی گدھوں کے بارے میں حکم ہے کہ الوان کی وجہ سے کسی حکم میں کوئی فرق نہیں آتا تو جس طرح کلب اسود و غیر اسود سب کا حکم باب حرمت میں یکساں ہے اسی طرح مرور بین یدی المصلی میں بھی یکساں حکم ہونا چاہیئے کہ جس طرح کلب غیر اسود کے مرور سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح کلب اسود کے مرور سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی نیز جب مرور کلب کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو مرور حمار کی وجہ سے فساد صلوٰۃ نہ ہوگا یہی ہمارے علماء ثلثہ کا مسلک ہے۔

مساجد کی اہمیت، فضائل و مسائل اور احکام | (۲۸۹ تا ۳۰۰) جو عظیم اور وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں ان کی تحصیل و تکمیل کے

لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت

۲۹۰۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۹۰۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کی نماز جماعت سے پچیس گنا زیادہ ثواب والی ہے اس کے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے، اور یہ اس وقت ہے، جب کہ وہ اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد کی طرف نکلے، نماز کے علاوہ اسے کوئی اور چیز نکالنے والی نہ ہو، وہ کوئی قدم نہیں اٹھائے گا، مگر اس کے لیے ایک درجہ بلند ہو گا اور اس کا ایک گناہ معاف ہو گا، پھر جب وہ نماز پڑھے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں ہے (فرشتے کہتے ہیں) اے اللہ! اس پر رحمت بھیج، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اور تم میں سے کوئی مسلسل نماز میں رہتا ہے، جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہے۔ یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

کو بنایا گیا ہے ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "خدا کا گھر" اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے اس کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے اس باب کا انعقاد بھی اسی غرض کے لیے ہے۔

مسجد بنانے والے کیلئے جنت میں شاندار محل

(۲۸۹) مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات

۲۹۱۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اَسْوَاقُهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۹۱۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مقامات اس کی مسجدیں ہیں اور سب سے برے مقامات اس کے بازار ہیں" یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہو گا اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے من بنی للّٰہ خدا کے لیے بنانے کا مطلب یہ ہے مسجد بنانے سے مقصد نام کی تشہیر نہ ہو ریا نہ ہو خالص خدا کی رضا کے لیے ہو۔

مسجداً میں تنوین تنکیر تقلیل (عمومیت) کے لئے ہے یعنی اگرچہ کوئی مسجد کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ بنائے اس کا بدلہ اسی طرح دیا جائے گا جس طرح کسی بڑی اور عالی شان مسجد بنانے والے کو دیا جاتا ہے چنانچہ ایک روایت ہے کہ اگرچہ وہ مسجد بٹیر کے گھونسلے کے برابر ہو۔ یہ مسجد کی تنگی اور اختصار میں مبالغہ ہے۔ خدا تعالیٰ تو نیت دیکھتے ہیں جس کی جیسی نیت ہوگی اس کے مطابق جزا پائے گا حضرت عثمانؓ کی اس روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۶۴ باب من بنی مسجد میں نقل کیا ہے۔

باجماعت نماز کا ثواب (۲۹۰) حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت بخاری ج ۱ ص۸۹ اور مسلم ج ۱ ص۲۳۲ میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچیس درجہ زیادہ ثواب کی فضیلت اس وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز جماعت کے ساتھ اور مسجد میں پڑھی جائے۔

ایک روایت میں فرشتوں کی دعا کا استحقاق تب حاصل ہوتا ہے جب تک کہ مالم یؤذ فیہ ومالم یحدث فیہ (متفق علیہ مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی وہ کسی مسلمان کو اپنے کسی عمل یا اپنے کسی قول سے ایذا نہیں پہنچاتا گویا فرشتوں کے دعا کرنے کے حق میں یہ حدث معنوی ہے اور مالم یحدث فیہ کے ساتھ حدثِ ظاہری کا ذکر کیا گیا ہے ایک اور روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں اللھم تب علیہ کا اضافہ بھی ہے۔

نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھے رہنا باعث فضیلت ہے مادام فی مصلاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کو فرشتوں کی دعا کی فضیلت اس وقت حاصل ہوگی جب کہ نمازی نماز پڑھ کر وہیں مصلے پر بیٹھا ہے اگر وہیں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے گا

۲۹۲۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۹۳۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَآخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

۲۹۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری اس مسجد میں نماز ایک ہزار گنا زیادہ بہتر ہے اس کے علاوہ دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے سوائے مسجد حرام کے۔"
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۲۹۳۔ حضرت انسؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے سامنے میری اُمت کے ثواب پیش کیے گئے، یہاں تک کہ تنکا جسے آدمی مسجد سے نکال دے۔"
یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے، ابن خزیمہ نے اُسے صحیح قرار دیا ہے۔

تو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی بعض مشائخ اور بزرگ نماز پڑھ کر ریا اور نمائش وغیرہ کے خوف سے مصلے سے اٹھ جاتے ہیں اور کسی گوشہ وغیرہ میں بیٹھ کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں گو ان کی نیت صحیح اور ان کا یہ طریقہ قابل جزاء و انعام ہے کہ انہیں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہوتی ہے مگر نماز پڑھ کر مصلے ہی پر بیٹھے رہنے کی جو فضیلت ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی (مظاہر حق)

(۲۹۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

مساجد دینی اعمال و اشغال اور بازار منکرات و معصیات کے مراکز ہیں

ہے کہ خدا کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بدترین و ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص ۲۳۶ باب فضل الجلوس فی مصلاہ میں نقل کیا ہے۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک ملکوتی و روحانی یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے اور دوسرا مادی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے ملکوتی اور روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال اور اعمال ہیں انہیں سے اس پہلو کی تربیت اور تکمیل ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے انسان

۲۹۴۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۹۵۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲۹۴۔ حضرت انسؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اُسے دفن کرنا ہے"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۲۹۵۔ حضرت جابرؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے یہ بدبودار پودا (لہسن، پیاز، گندنا وغیرہ) کھایا، وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، بلاشبہ فرشتے تکلیف اٹھاتے ہیں اس سے جس سے انسان تکلیف اٹھاتے ہیں"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے اور ان مبارک اعمال و اشغال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اس لئے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں ـــــ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسان کی مادی اور بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جاکر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ بت خانے شراب خانے اور چکلے وغیرہ تو بازار سے بھی بدترین ہیں پھر انہیں خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور مبغوض ترین مقامات کیوں نہیں کہا گیا ہے؟ بازار کو کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب شارحین حدیث نے یہ دیا ہے کہ بازاروں کو قائم کرنے کا حکم شارع کی جانب سے ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے بنانے اور قائم رکھنے کا حکم شارع کی جانب سے نہیں ہے لہٰذا ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جن مقامات کو بنانا اور قائم رکھنا جائز ہے ان میں بدترین اور ناپسندیدہ مقام بازار ہے۔

۲۹۶ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيْعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ۔

---

۲۹۶ - حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم دیکھو کہ مسجد میں خرید و فروخت ہو رہی ہے تو تم کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے۔"
یہ حدیث نسائی اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

گھر، جامع مسجد، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور حرم شریف میں نمازوں کے اجر و ثواب

(۲۹۲) یہ روایت بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے مسلم ج ۱ ص۴۴۷ بخاری ج ۱ ص۱۵۹ سے منقول ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

الا المسجد الحرام۔ مسجد حرام کو اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی برکت، عظمت و فضیلت کے اعتبار سے دنیا کی تمام مساجد بشمول مسجد نبوی سے بھی افضل ہے چنانچہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔

البتہ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ حرم شریف میں وہ کونسی جگہ ہے جہاں نماز ادا کرنے سے اتنا ثواب ملتا ہے (۱) پہلا قول یہ ہے کہ وہ کوئی متعین جگہ نہیں ہے بلکہ پورا حرم شریف اس فضیلت و برکت کا حامل ہے (۲) جس جگہ جماعت ہوتی ہے وہ جگہ مراد ہے علماء حنفیہ کے اقوال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (۳) وہ جگہ خاص خانہ کعبہ ہے مگر یہ قول سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

عام و خاص مساجد کی فضیلت اور اجر و ثواب کے امتیاز کے متعلق ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر اور محلہ کی مسجد میں اس کی نماز پچیس نمازوں کے برابر اور اس مسجد میں جہاں جمع ہوتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) اس کی نماز ۵۰۰ نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس میں) اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔"
(مشکوٰۃ باب المساجد)

۲۵۷۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوْهُ بُيُوْتِ أَصْحَابِهِ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ يَنْزِلَ فِيْهِمْ رُخْصَةٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا لِجُنُبٍ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۲۵۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو آپ کے صحابہؓ کے مکانوں کے دروازے مسجد میں کھلے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا ان گھروں کو مسجد سے پھیر دو، آپ پھر تشریف لائے، تو لوگوں نے ابھی تک کچھ بھی نہ کیا تھا اس امید پر کہ ان کے معاملہ میں کچھ رخصت نازل ہو جائے، آپ ان کی طرف نکلے اور فرمایا۔ ان گھروں کو مسجد سے پھیر ڈالو، میں حیض والی عورت اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

مساجد کی صفائی کا اہتمام

(۲۹۳) حضرت انسؓ کی یہ روایت ابوداؤد (کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۶۶ باب کنس المسجد) سے منقول ہے مطلب یہ ہے کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے ان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور و آباد رہے سچے ایمان کی نشانی ہے ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

(۲۹۴) اس روایت کا تعلق بھی آداب مسجد سے ہے جو مسلم ج ۱ ص۲۰۷ کتاب المساجد سے منقول ہے وکفارتہا دفنہا امام نوویؒ فرماتے ہیں یدفنہا فی تراب المسجد او رملہ (محصاتہ) وحکی الرویانی ان المراد بدفنہا اخراجہا من المسجد (صلاۃ فتح الملہم ج ص۱۲۶)

بدبو سے مساجد کی حفاظت

(۲۹۵) یہ حدیث بخاری ج ۱ ص۱۱۸ اور مسلم ج ۱ ص۲۰۹ سے منقول ہے مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ سے خاص تعلق کے پیش نظر ان کا یہ حق بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ لہسن پیاز وغیرہ کھا کر مسجدوں میں نہ آئیں اس کی وجہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ جس چیز سے سلیم الطبع آدمیوں کو

۲۹۸۔ وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَوْ أَبِي أُسَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۹۸۔ ابو حمیدؓ یا ابو اسیدؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)

اور جب نکلے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (اے اللہ میں آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے چونکہ مساجد میں فرشتے کثرت سے آتے ہیں لہٰذا انہیں تکلیف ہوگی ابوداؤد کی ایک روایت میں پیاز لہسن کی تصریح ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی ہوں تو وہ پکا کر ان کی بدبو زائل کر لیا کرے اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبودار ہو اور جس سے سلیم الفطرت انسان کو اذیت پہنچے اس کا تعلق خواہ کھانے پینے سے ہو یا رہن سہن سے مثلاً منہ کی غلاظت و بدبو بغل وغیرہ کی گندگی اور تعفن وغیرہ پھر مسجد ہی کی طرح ان دوسری جگہوں کا بھی یہی حکم ہے جہاں مجالس ذکر و عبادت اور وعظ منعقد ہوتے ہوں یا جہاں قرآن و سنت کی تعلیم ہوتی ہو یا جہاں ذکر و تعلیم کے حلقے ہوتے ہوں کہ ان مقامات پر بھی بدبودار چیزوں کے ہمراہ نہیں جانا چاہیے۔

مساجد میں خرید و فروخت منع ہے

(۲۹۹) حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو امام ترمذیؒ نے کتاب البیوع ج ۱ ص۱۵۲ باب النہی عن البیع فی المسجد میں نقل کیا ہے چونکہ مسجد خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو ایسے مشغلے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور دین سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہوں (خواہ کاروباری ہوں جیسے تجارت سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے مشاعرے یا ادبی مجلسیں) مسجدیں ان کے لیے نہ استعمال کی جائیں ہاں مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو مسجدوں میں مشورے کیلیے

۲۹۹- وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ السَّلَمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ۔ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ۔

۲۹۹- حضرت ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے" یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

جا سکتے ہیں مگر اس میں بھی مسجد کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہو گا چونکہ خرید و فروخت کا تعلق محض دنیا طلبی سے اور دنیوی معاملہ ہے اس لیے ممنوع ہے۔

مساجد کو گذرگاہ نہیں بنانا چاہیئے

(۲۹۷) مضمون حدیث اس کے تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا ہے حضرات صحابہ کرامؓ کی تمنا اور خواہش کے باوجود مسجد کی جانب ان کے کھلنے والے دروازے بند کر دیئے گئے تاکہ مسجد، عبادت گاہ ہی رہے گزرگاہ نہ بننے پائے اور اگر دروازے کھلے رکھے جانے کی اجازت دے دی جاتی تو پھر بعد میں وہ گزرگاہ بھی بن سکتی تھی جس میں چھوٹے بڑوں، اور حائض و جنب کے لیے بھی راستہ بن جانے کے پیش نظر گزرنے سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ لہذا دروازے ہی بند کر دیئے گئے باقی رہا یہ مسئلہ کہ حائض اور جنب کے مرور فی المسجد کا حکم کیا ہے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث اپنے مقام پر کر دی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ابوداؤد کتاب الطہارۃ ج ۱ صـ۳ باب فی الجنب یدخل فی ... میں آئی ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا

(۲۹۸) مسجد کے داخلے کے وقت طلب رحمت اور نکلتے وقت طلب فضل کی ان دعاؤں کا اصل مقصد اور خاص منشا یہ ہے کہ بندہ مسجد میں آتے جاتے کے وقت غافل نہ ہو اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر اخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور ان میں زیادتی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے داخلے کے لیے فتح ابواب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل

٣٠٠۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ بَعْدَ مَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔

٣٠٠۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، ایک شخص (مسجد سے) مؤذن کے اذان کہنے کے بعد نکلا تو انہوں (ابوہریرہؓ) نے کہا، مگر یہ شخص تو اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔ پھر کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "جب تم مسجد میں ہو اور اذان کہہ دی جائے، تو تم میں سے کوئی نماز پڑھے بغیر باہر نہ جائے۔"

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا، اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے باب کی اس روایت کو جو ابی حمیدؓ سے مروی ہے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص ۲۴۸ میں نقل کیا ہے علاوہ ازیں فاطمہ بنت الحسین سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد تشریف لاتے تو محمدؐ پر درود و سلام پڑھتے صلی اللہ علی محمد وسلم یا اللھم صلی علی محمد وسلم پڑھتے پھر دخول مسجد کی دعا کرتے جب باہر نکلتے تب بھی دعا سے پہلے درود و سلام پڑھتے (مشکوٰۃ باب المساجد)

تحیۃ المسجد

(۲۹۹) حضرت ابوقتادہ کی اس روایت میں تحیۃ المسجد کا بیان ہے یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے یہ داخلہ کے آداب سے ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے اس کو اصطلاح میں تحیۃ المسجد کہتے ہیں جمہور کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے جبکہ شوافعؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں اور وہ یہاں امر کو وجوب کے لیے لیتے ہیں۔

اذان کے بعد بغیر عذر کے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے

(۳۰۰) حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۲ ص ۵۲۷ میں روایت کیا ہے ثم قال امرنا الخ حدیث کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ بھی مرفوع ہے بنیادی طور پر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ بغیر عذر کے اذان کے بعد مسجد سے خروج مکروہ ہے البتہ عذر کی تفصیلات میں تھوڑا سا اختلاف ہے اس بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری مسجد

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَآءِ اِلَى الْمَسَاجِدِ

۱۳۰۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَاْذَنَكُمْ نِسَآؤُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاْذَنُوْا لَهُنَّ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا ابْنَ مَاجَةَ۔

باب۔ عورتوں کا مسجدوں میں جانا۔ ۱۳۰۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم سے تمہاری عورتیں رات کو (نماز کے لیے) مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دو" یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ جماعت محدثین نے نقل کی ہے۔

ہیں امام ہو یا اپنی نماز پہلے پڑھ چکا ہو یا کوئی ضروری کام پیش آگیا ہو اور کسی دوسری جگہ جماعت ملنے کی توقع ہو تو خروج جائز ہے باب کی حدیث ۱۳۰۰ میں حضرت ابوہریرہؓ کو کسی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ جانے والا شخص بغیر عذر کے جا رہا ہے ورنہ مجرد کسی کے خروج پر عصیان کا حکم لگانا صحیح نہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ معذور ہو۔

(۱۳۰۱ تا ۱۳۰۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جب کہ مسجد نبوی میں پانچوں وقت کی نماز بہ نفس نفیس آپ خود پڑھاتے تھے تو آپ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث میں آ رہا ہے بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر) مسجد میں جا کر حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورتیں رات کی نمازوں میں مسجد آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دینا چاہیئے۔ لیکن خود عورتوں کو آپؐ برابر یہی سمجھاتے رہے کہ بیبیو! تمہارے لیے زیادہ بہتر اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا ہے۔

باب ہذا کی پہلی تین روایات کا مدلول

(۱۳۰۱ تا ۱۳۰۳) تینوں روایات کا مدلول یہ ہے کہ عورتوں کو مساجد میں اجازت لینے پر اجازت دینی چاہیئے اس کے بعد کی باب ہذا کی تمام روایات یا تو خروج الی المساجد سے منع پر دلالت کرتی ہیں یا پھر گھر ہی میں نماز پڑھنے کی ترغیب پر مبنی ہیں (اذنوا) حدیث باب کا یہ لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کے لیے بغیر اجازت کے گھروں سے نکلنا درست نہیں اگرچہ خروج عبادت و طاعت کے لیے ہو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورتوں کو اپنے اولیا (و ازواج) کی اجازت کے ساتھ خروج الی المساجد کی اجازت دی تو جہاں ان کو عدم خروج کی اجازت دی وہیں ان کے خروج کو زینت نہ کرنے کے ساتھ مشروط کر دیا چنانچہ

۳۰۲۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاؤدَ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۰۳۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ الْمَسَاجِدَ وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۰۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو، اور انہیں بغیر زینت کے نکلنا چاہیئے۔"
یہ حدیث احمد، ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے، اس کی اسناد حسن ہے۔

۳۰۳۔ حضرت زید بن خالد الجہنیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو، انہیں چاہیئے کہ وہ بغیر زیب و زینت کے نکلیں۔"
یہ حدیث احمد، بزار اور طبرانی نے نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

باب کی ۳۰۲ اور ۳۰۳ حدیث میں ولیخرجن تفلات کی تصریح ہے لا تمنعوا اماء اللہ بعض صحابہ کرامؓ جو اپنی بیویوں کو مساجد میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے ان کا یہ اجازت نہ دینا کسی فتنہ کے اندیشہ یا کسی بدگمانی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ اس لحاظ سے ہر طرح قابل اطمینان تھا بلکہ ایک غیر شرعی قسم کی غیرت اس کی بنیاد تھی جسے ہم عرفی غیرت یا خاص انداز طبع سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بہر حال یہ اجازت دینے کا حکم اس وقت کا ہے جب کہ عورتوں کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا۔

باب ہذا کی پہلی تینوں روایات عہد نبوی میں عورتوں کے خروج الی المساجد پر نص ہیں جس سے بظاہر خروج الی المسجد کا جواز و استحباب ثابت ہوتا ہے علاوہ ازیں ترمذی باب فی خروج النساء الی العیدین میں حضرت ام عطیہؓ کی مفصل روایت میں عورتوں کے خروج للعیدین کے جواز پر نص قطعی مذکور ہے۔

بیان مذاہب عورتوں کے خروج الی المساجد اور خروج للعیدین کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔

۳۰۴۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي اِسْرَائِيلَ اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

۳۰۵۔ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُورًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

۳۰۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا "اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ لیتے جو عورتوں نے اب زیب و زینت کے ساتھ مسجد میں جانا شروع کیا تو انہیں مسجدوں سے اسی طرح روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں" یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

۳۰۵۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو عورت خوشبو لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو" یہ حدیث مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے۔

---

(۱) بعض نے مطلقاً اجازت دی جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔
(۲) بعض نے مطلقاً ممنوع قرار دیا یہ مذہب عروہؒ، قاسمؒ، نخعیؒ اور یحییٰ الانصاریؒ کا ہے۔
(۳) بعض نے اس ممانعت کو شابات کے ساتھ خاص کیا ہے یہ مذہب امام مالکؒ امام ابویوسفؒ کا ہے۔
(۴) اس بارے میں امام اعظمؒ سے ایک روایت جواز کی ہے اور ایک عدم جواز کی اور امام شافعیؒ کے نزدیک عجائز کا عیدگاہ میں حاضر ہونا مستحب ہے (معارف السنن ج ۴ ص۴۴۵)

شابہ کو کسی صورت بھی خروج الی المساجد کی اجازت نہیں

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک شابہ کو نہ ہی جمعہ و عیدین کے لیے خروج کی اجازت ہے اور نہ ہی کسی اور نماز کے لیے لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وجہ یہ ہے کہ ان کا خروج فتنہ کا سبب ہے پھر عجائز کے حق میں یہ مفسدہ نہیں ہے اس لیے انہیں خروج للعیدین کی بھی اجازت ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک عام نمازوں میں فجر مغرب اور عشاء میں عجائز کے حضور میں کوئی حرج نہیں اور صاحبینؒ نے تو پانچوں نمازوں میں اس کی اجازت دی ہے وکما فی الهدایہ ج ۱ ص۱۲۶ باب الامامۃ) تاہم جمہور احنافؒ کے نزدیک ان کے حق میں بھی عدم خروج ہی افضل ہے۔

۳۰۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سُوَیْدٍ الْاَنْصَارِیِّ عَنْ عَمَّتِہٖ اُمِّ حُمَیْدٍ اِمْرَاَۃِ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّھَا جَاءَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّکِ تُحِبِّیْنَ الصَّلٰوۃَ مَعِیَ وَصَلٰوتُکِ فِیْ بَیْتِکِ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ حُجْرَتِکِ وَصَلٰوتُکِ فِیْ حُجْرَتِکِ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ دَارِکِ وَصَلٰوتُکِ فِیْ دَارِکِ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ مَسْجِدِیْ قَالَ فَاَمَرَتْ فَبُنِیَ لَھَا مَسْجِدٌ فِیْ اَقْصٰی شَیْءٍ مِّنْ بَیْتِھَا وَاَظْلَمِہٖ فَکَانَتْ تُصَلِّیْ فِیْہِ حَتّٰی لَقِیَتِ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۳۰۶۔ عبداللہ بن سوید انصاریؓ نے اپنی پھوپھی، حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی بیوی "ام حمیدؓ" سے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا! اے اللہ کے پیغمبر! میں آپ کے ہمراہ نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہوں" آپ نے فرمایا! "مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز کو پسند کرتی ہو اور تیری نماز تیرے لیے تیرے رہائشی کمرہ میں بہتر ہے بہ نسبت بیٹھک کے اور تیری نماز بیٹھک میں تیرے لیے بہتر ہے بہ نسبت حویلی کے اور تیری نماز حویلی میں تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اپنے قبیلہ کی مسجد سے اور اپنے قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا تیرے لیے زیادہ بہتر ہے، میری مسجد میں نماز پڑھنے سے" (عبداللہ بن سوید انصاریؓ نے) کہا تو انہوں نے حکم دیا، ان کے لیے ان کے رہائشی کمرہ کے آخری کونے کے تاریک حصہ میں مسجد بنادی گئی (یعنی نماز کے لیے جگہ مخصوص کردی گئی) تو وہ اسی میں نماز ادا کرتی رہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جا ملیں۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

امام طحاویؒ کا ارشاد | امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لیے نکلنے کا حکم ابتداء اسلام میں دشمنوں کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ دف

روایۃ ابی یوسفؒ عن ابی حنیفۃ رولا یصلین بل یکثرن سواد المسلمین وینتفعن بدعائھم

(معارف السنن ج ۴ ص۳۲۷)

اب یہ علت باقی نہیں رہی علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جب کہ امن کا دور دورہ تھا۔

اب جب کہ دونوں علتیں ختم ہوچکی ہیں لہٰذا اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

۳۰۷۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا صَلَّتِ امْرَأَةٌ خَيْرٌ لَهَا مِنْ قَعْرِ بَيْتِهَا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ أَوْ مَسْجِدُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا امْرَأَةٌ تَخْرُجُ فِي مَنْقَلَيْهَا يَعْنِي خُفَّيْهَا۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔

۳۰۷۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ، کسی عورت نے نماز نہیں پڑھی جو اس کے لیے اپنے گھر کے پوشیدہ حصہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہو، مگر یہ کہ مسجد حرام ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد، مگر وہ عورت جو اپنے چری موزے پہن کر نکلے۔

یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے ، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عدم خروج الی المساجد کی اولویت کے دلائل

(۳۰۴ تا ۳۰۹) یہاں سے باب ہذا کی تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے متاخرین علماء جو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں عورتوں کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں ہے ان کا مستدل بھی یہی احادیث ہیں مثلاً باب ہذا کی روایت نمبر ۳۰۴ جو سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے صراحتاً فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ اب عورتوں کو مساجد میں دیکھ لیتے تو ان کو ضرور منع کرتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا جس کا واقعہ اسی باب کی روایت ۳۰۸ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں ایک تو فتنہ کا احتمال کم تھا دوسرے عورتیں بغیر تزئین کے باہر نکلا کرتی تھیں اس لیے ان کو نمازوں کی جماعات میں حاضر ہونے کی اجازت تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے تزئین کا طریقہ اختیار کیا نیز فتنہ کے مواقع بڑھ گئے اس لیے اب انہیں جماعات میں حاضر نہیں ہونا چاہیئے اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہوتے تو آپ بھی اس زمانہ میں عورتوں کو خروج للصلوٰۃ کی اجازت نہ دیتے۔

(۳۰۵) بخوراً ۔ بالفتح ما یتبخر بہ ویتعطر کو کہتے ہیں مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ کی اس روایت میں حضورؐ نے متطیبات کو صراحۃً مساجد میں حضور سے منع فرمایا ہے۔

(۳۰۸) تلبس القالبین یہ لکڑی سے بنایا ہوا نعل ہوتا تھا جس کے پہننے سے قد بڑھ جاتا تھا مفرد

۳۰۸۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا كَانَ لَهَا خَلِيْلٌ تَلْبَسُ الْقَالِبَيْنِ تَطُوْلُ بِهِمَا لِخَلِيْلِهَا فَأَلْقَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِنَّ الْحَيْضَ فَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ أَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ قُلْنَا مَا الْقَالِبَيْنِ قَالَ رَفِيْصَتَيْنِ مِنْ خَشَبٍ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔

۳۰۸۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا بنی اسرائیل کے مرد، عورتیں اکٹھے نماز پڑھتے تھے جب کسی عورت کا کوئی دوست ہوتا، تو وہ قالبین پہن کر اپنے دوست کے لیے اونچی ہو جاتی (اور دور سے پہچانی جاتی) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حیض مسلط کر دیا، تو ابن مسعودؓ کہا کرتے تھے، انہیں نکالو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکالا ہے ہم نے کہا قالبین کیا چیز ہے، انہوں نے کہا، لکڑی کے بنے ہوئے جوتے۔

یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے ہیثمی نے کہا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

غالب اور جمع ثواب ہے۔

(۳۰۹) اخرجہ ابن ابی شیبہ عن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز بھی عورتوں کو مسجد سے نکلنے کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز بھی نمازیں عورتوں کے لیے حضور مسجد سے گھر میں اولیٰ ہے۔

مذکورہ تمام روایات میں عدم خروج الی المساجد کی فضیلت اور ترغیب ہے علاوہ ازیں سنن ابی داؤد ج ا ص۸۴ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا (وھو البیت الصغیر الذی یکون داخل البیت) افضل من صلوٰتھا فی بیتھا۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے خیر مساجد النساء قعر بیوتھن (المجمع للھیثمی ج ۲ ص۳۳) حضرت ابن مسعودؓ سے ایک اور روایت مرفوعاً منقول ہے کہ المرأۃ عورۃ وانھا اذا خرجت استشرفھا الشیطان وانھا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتھا (طبرانی)
یہ تمام روایات عدم خروج پر دلالت کرتی ہیں۔

۳۰۹۔ وَعَنْ اَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ اَنَّهٗ رَاٰى عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُخْرِجُ النِّسَاءَ مِنَ الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقُوْلُ اُخْرُجْنَ اِلٰى بُيُوْتِكُنَّ خَيْرٌ لَّكُنَّ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهٗ مُوَثَّقُوْنَ۔

۳۰۹۔ ابو عمرو الشیبانی سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہؓ (بن مسعود) کو جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے ہوئے دیکھا، وہ کہہ رہے تھے "اپنے گھروں میں جاؤ، وہ تمہارے لیے بہتر ہیں۔"
یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

بہرحال یہ امر قابل غور ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتوں کا خروج الی المساجد مشروط تھا جس کا تفصیلی ذکر احادیث باب میں آگیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور تو خیر و برکت، تقویٰ وطہارت پرہیزگاری اور تقویٰ کا دور تھا تو ہمارے پُرفتن دور کا کیا حکم ہوگا؟۔

اَبْوَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ بِالتَّكْبِيْرِ

۳۱۰۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

ابواب نماز کا طریقہ

باب تکبیر سے نماز شروع کرنا۔ ۳۱۰۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلے کی طرف منہ کر کے تکبیر کہو۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۳۱۰ تا ۳۱۳) باب ہذا کی چاروں روایات میں تکبیر تحریمہ کا حکم مذکور ہے (۳۱۰) باب کی پہلی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جو امام بخاری ج ۲ صفحہ ۹۲۴ اور مسلم ج ا صفحہ ۱۷۰ میں منقول ہے۔

فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلۃ فکبر۔ اسباغ الوضوء اور استقبال قبلہ سے متعلق تفصیلی بحث گذشتہ ابواب میں اپنے موقع پر گذر چکی ہے یہاں موضع استشہاد فکبر ہے جس سے قیام الی الصلوٰۃ کے وقت تکبیر کہنا مستفاد ہے۔

شروع صلوٰۃ کے لیئے ذکر کا مسئلہ

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ شروع صلوٰۃ کے لیے تکبیر یا کوئی اور ذکر ضروری ہے یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں۔

(۱) حضرت سعید ابن المسیبؒ اور حضرت حسن بصریؒ کا مسلک یہ ہے نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر یا کوئی اور ذکر ضروری نہیں بلکہ مجرد نیت سے نماز شروع کی جا سکتی ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک محض نیت سے ابتداء نہیں ہو سکتی بلکہ ذکر ضروری ہے اس مسئلہ میں باب کی چاروں احادیث پہلے مسلک کے خلاف جمہور کی حجت ہیں۔

تکبیر رکن ہے یا شرط

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر رکن نہیں بلکہ شرط ہے والشرط لشیء خارج عنہ (۲) باقی ائمہ ثلاثہ اس کو فرض اور رکن قرار دیتے ہیں۔

۱۱۳۱۔ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

۱۱۳۱۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کی چابی طہارت ہے اور اس کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس سے حلال کرنے والا سلام ہے"
یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

وهل تكبيرة الاحرام ركن او شرط قال بالاول الشافعية والمالكية والحنابلة وقال الحنفية بالثاني (حاشية بخاري ج ۱ صـ ۱۰۲)

مفتاح الصلوٰة الطهور

مفتاح الصلوٰة الطهور یہ باب ہذا کی دوسری روایت ہے یہاں باب سے متعلق موضع استشہاد تو اس کا دوسرا حصہ ہے مگر طلبہ حدیث کے افادہ کے لیے حدیث کے اس پہلے حصہ کی توضیح بھی ہو جائے تو زیادہ نافع رہے گی استاذی الکبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز حدیث کے اس حصہ کی تشریح کرتے ہوئے حقائق السنن ج ۱ صـ ۲۳۲ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حدیث باب میں صلوٰۃ کو مقفل مکان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مکان میں دخول تب ممکن ہے جب چابی سے قفل کھولا جائے یہاں قفل عدم طہارت یعنی حدث ہے جس کو طہارت کی چابی سے جب تک نہ کھولا جائے اس وقت تک محل صلوٰۃ میں دخول ناممکن ہے۔

فاقد الطہورین کا مسئلہ

اب یہاں ایک اشکال ہے کہ جب نماز کی کنجی طہور ہے یعنی پانی یا مٹی کا استعمال تو فاقد الطہورین نماز پڑھے گا یا نہیں جب کہ فقدان طہور کی وجہ سے مفتاح صلوٰۃ کا فقدان ہے اور فاقد الطہورین سے مراد وہ شخص ہے جو نہ تو پانی کے استعمال پر قادر ہو اور نہ ہی اسے مٹی میسر ہو ایسی صورت پہلے زمانہ میں بہت کم ہی پیش آتی تھی مگر آج کل ہوائی جہاز میں اس مسئلہ سے واسطہ پڑتا ہے، جب کہ محدود پانی سے جہاز والے وضو کی اجازت بھی نہیں دیتے اور پانی کا جہاز میں گر جانے سے فنی نقصانات کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

ائمہ کے اقوال اور دلائل

فاقد الطہورین کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس پر نماز کا ادا کرنا واجب نہیں بلکہ وہ انتظار کرے گا جب بھی احد الطہورین (مٹی یا پانی) کے

۲۱۴۔ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍنِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۲۱۴۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے، ہاتھوں کو اٹھاتے اور فرماتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے تب اس پر نماز واجب ہو جائے گی اختصاراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ لا یصلی بل یقضی مثلاً ایک آدمی کو نجاست خانہ میں بند کر دیا گیا جیسے کہ تحریک آزادی ہند کے زمانہ میں انگریز علماء کو نجاست خانوں میں بند کر دیا کرتے تھے، تو ایسے شخص پر صلوٰۃ لازم نہیں بلکہ اپنی آزادی کا انتظار کرے گا جس کے ختم ہونے پر نماز بھی اس پر واجب ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ حدیث اذا نھیتکم عن شئ فانتھوا سے استدلال کرتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ معلوم ہوا کہ طہارت مفتاح صلوٰۃ ہے جیسے کسی مقفل مکان میں بغیر مفتاح کے داخلہ ناممکن ہے اسی طرح صلوٰۃ میں دخول کے لیے مفتاح صلوٰۃ کا ضروری ہے اس لیے شرعاً بغیر طہارت کے صلوٰۃ ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔

نیز حدیث " لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور " میں طہارت کو صلوٰۃ کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے (جب لا تقبل بمعنی لا تصح کے لیں) اور یہ قاعدہ ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط جب وضو نہ ہوگا تو نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔

۲۔ دوسرا مسلک امام مالکؒ کا ہے فرماتے ہیں کہ ایسا شخص نہ نماز پڑھے اور نہ بعد میں اس کا اعادہ کرے لا یصلی ولا یقضی جیسا کہ بلغار میں عشاء کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور وجہ یہ ہے کہ وہاں عشاء کا وقت ملتا نہیں۔ غروب شمس کے ساتھ طلوع شمس ہو جاتا ہے۔ (۳) امام شافعیؒ سے چار قول منقول ہیں (ا) فی الحال اس پر نماز واجب نہیں بعد میں قدرت پالینے پر اعادہ واجب ہے استدلال " لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور " سے کرتے ہیں۔

(ب) احتراماً للوقت فی الحال استحباباً نماز ادا کرے بعد میں قدرت حاصل ہونے پر وجوباً اعادہ ضروری ہے۔

(ج) فی الحال وجوباً پڑھے بعد میں اعادہ ضروری نہیں۔

(د) اس وقت میں بھی ادائے صلوٰۃ واجب ہے بعد میں طہارت کے حصول پر قادر ہو جانے کی صورت میں

۱۳۱۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ التَّکْبِیْرُ وَانْقِضَاؤُهَا التَّسْلِیْمُ۔ رَوَاهُ اَبُوْنُعَیْمٍ فِیْ کِتَابِ الصَّلٰوةِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِی التَّلْخِیْصِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۱۳۱۔ حضرت عبداللہؓ (ابن مسعودؓ) نے کہا: نماز کی چابی تکبیر ہے اور اس کا پورا ہونا سلام پھیرنے سے ہے۔ یہ حدیث ابونعیم نے "کتاب الصلوٰۃ" میں نقل کی ہے۔ امام حافظ نے تلخیص (الحبیر) میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

اعادہ بھی واجب ہوگا۔ وہذا اصح اقوال عنہ۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ فی الحال وجوباً ادا کرے گا بعد میں اس پر قضا نہیں ہے۔ یصلی ولا یقضی۔

۵۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فاقد الطہورین نماز نہ پڑھے مگر احتراماً للوقت تشبیہ بالمصلین کرنا ضروری ہے نیت اور قرأت کئے بغیر رکوع و سجدہ کرنا ہے جیسے مسافر مفطر جب نصف یوم کے بعد مقیم ہو جائے تو وہ تشبیہ بالصائمین کے پیشِ نظر کھانا وغیرہ نہ کھائے مگر شرعاً یہ اس کا روزہ نہیں شمار ہوگا۔ اسے اس روزہ کی قضا کرنی پڑے گی۔ فاقد الطہورین کو بھی جب طہارت کے حصول پر قدرت میسر آجائے تو صلوٰۃ کا اعادہ ضروری ہے۔

صاحبین کا استدلال "اذا امرتکم بشیء فافعلوا ما استطعتم" سے ہے فاقد الطہورین کو اگرچہ حصول طہارت پر قدرت حاصل نہیں مگر تشبیہ بالمصلین کی استطاعت تو رکھتا ہے۔ اس لیے اسے حسب استطاعت تشبیہ بالمصلین کر لینی چاہیئے۔ اخیر عمر میں امام ابو حنیفہؒ سے بھی صاحبین کے مسلک کو رجوع ثابت ہے اور اب فتویٰ بھی صاحبین کے مسلک پر ہے۔

تشبیہ بالمصلین کے فقہی نظائر

اس نوعیت کی تشبیہ کے فقہی نظائر سے صاحبین کے مسلک کو مزید تائید و ترجیح اور تصویب حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۔ اس بات پر اجماع منعقد ہے کہ اگر ایک حائضہ عورت رمضان میں پاک ہو جائے تو حرمتِ شہر کی وجہ سے بقیہ یوم کھانے پینے سے احتراز کرے تشبیہاً بالصائم۔ اور یہی حکم صبی جب بالغ ہو، طاہرہ جب حائضہ ہو، صائم کسی وجہ سے جب صوم توڑ دے سب کو شامل ہے۔

۲۔ اگر افعالِ حج ادا کرتے ہوئے کسی وجہ سے حج فاسد ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حج کے

افعال کو جاری رکھے گا اس سے اس کے ذمہ سے حج ساقط نہیں ہو جاتا۔ مگر تشبیہ بالحجاج اس کے لیے ضروری ہے اسی حج کو پھر دوبارہ اگلے سال ادا کرے۔

حج میں تشبیہ بالحجاج اور صوم میں تشبیہ بالصائمین کے پیش نظر صاحبین جو ——————

تشبیہ بالمصلین کا حکم استنباط کرتے ہیں بطور تعدیہ حکم من الاصل الی الفرع اور قیاس کے۔ مگر بعد میں بشرطِ قدرت اس کی قضا ضروری ہے دین اللہ احق ان یقضی۔

بلا طہارت سجدہ فاقد الطہورین کے لیے تشبیہ بالمصلین کی صورت میں بغیر وضو کے سجدہ لازم آتا ہے جب کہ فقہا کی تصریح کے مطابق بغیر وضو سجدہ کرنا ناجائز بلکہ کفر ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے اولاً یہ تصریح کر دی تھی کہ فاقد الطہورین تشبیہ بالمصلین تو کرے گا مگر صلوٰۃ کی نیت اور قراءت نہیں کرے گا۔

اور اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ بلا وضو سجدہ اس صورت میں کفر ہے جب اہانۃ مقصود ہو اور شریعت کے اس شعار (سجدہ) سے تمسخر ہو جب کہ فاقد الطہورین کا رکوع و سجدہ سے نہ تو اہانت دین مقصود ہے اور نہ تمسخر بلکہ احترام وقت اور احترام امر کے پیش نظر وہ تشبیہ بالمصلین کرتا ہے۔

اسی طرح وہ شخص جس کا دوران صلوٰۃ وضو ٹوٹ جائے اور وہ شرم کے مارے نماز میں شریک رہے اور نیا وضو کئے بغیر سجدے وغیرہ کرتا رہے تو وہ بھی کافر نہیں ہو جاتا اس لیے کہ ان سجدوں سے اس کا مقصود اہانت نہیں بلکہ شرم اور حیاء کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے جب کہ شرعاً اسے ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

تکبیر تحریمہ کے الفاظ اور ائمہ کا اختلاف پھر اس ذکر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے موقع پر کونسا لفظ کہا جا سکتا ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کوئی بھی ایسا ذکر جو مشعر بتعظیم اللہ ہو تکبیر کے مقام پر آ سکتا ہے اور اس سے فریضۂ تحریمہ ادا ہو جاتا ہے مثلاً اللہ اجل، اللہ اعظم کہنے سے نماز کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا

(۲) امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ صیغۂ تکبیر کی فرضیت کے قائل ہیں پھر ان حضرات کا صیغۂ تکبیر کی تعیین میں اختلاف ہے (ا) امام مالکؒ اور امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ اکبر درست ہے (ب) امام شافعیؒ اللہ اکبر اور اللہ الاکبر دونوں کو درست قرار دیتے ہیں (ج) امام ابو یوسفؒ ان دونوں کے ساتھ اللہ کبیر اور اللہ الکبیر کو بھی شامل فرماتے ہیں۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا استدلال (۲۱) وتحریمها التکبیر حضرت علیؓ کی یہ روایت (ترمذی ابواب الصلوٰۃ ج ۱ ص ...)

امام مالکؒ اور امام احمدؒ تکبیر کی فرضیت پر باب ہذا کی اس دوسری حدیث کے جملہ وتحریمھا التکبیر سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں خبر معرف باللام ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تحریمہ تکبیر میں منحصر ہے جیسا کہ مفتاح الصلوٰۃ "الطہور" میں منحصر ہے۔

ذکر ایک اصولی اختلاف کا

دراصل ائمہ کا یہ اختلاف ایک اور اصولی اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے اور فرض اور سنت کے درمیان ماموررات کا کوئی اور درجہ نہیں چنانچہ یہ حضرات اخبار احاد سے بھی فرضیت ثابت ہونے کے قائل ہیں اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک فرض اس مامور بہ کا نام ہے جو کسی قطعی الثبوت نص سے قطعی الدلالۃ طریقہ پر ثابت ہوا ہو اور اگر کوئی مامور بہ قطعی الثبوت نہ ہو یا قطعی الدلالت نہ ہو تو اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے دلائل

(۱) چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں بھی حنفیہ حضرات کا استدلال آیت قرآنی وذکر اسم ربہ فصلی سے ہے کہ اس میں مطلق اسم باری تعالیٰ کا بیان ہے صیغہ تکبیر کی کوئی خصوصیت نہیں اور بعض احادیث باب میں صیغہ تکبیر کی جو تخصیص کی گئی ہے وہ خبر واحد ہونے کی بناء پر قطعی الثبوت نہیں لہٰذا اس سے فرضیت تو ثابت نہ ہوگی البتہ وجوب ثابت ہوگا لہٰذا ترک واجب سے اگرچہ فریضہ تو ادا ہوجائے گا مگر اعادہ بھی واجب ہوگا۔

(۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ای فعظمہ لہٰذا اس نص قرآنی کے مطابق جو لفظ بھی تعظیم پر دال ہو درست ہے

(۳) علامہ عینیؒ عمدۃ القاری ج ۳ صـــــ میں لکھتے ہیں کہ ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی تابعیؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرات انبیاء کرام کس چیز سے نماز شروع کرتے تھے قال بالتحمید والتسبیح والتہلیل اور علامہ عینیؒ نے اسی مقام پر امام شعبیؒ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے جو نام بھی اس کی تعظیم پر دال ہو اس سے اگر نماز شروع کرے اجزاہ اور امام ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ سبحان اللہ اور الحمدللہ سے بھی افتتاح درست ہے۔

اختلاف کی حقیقت

مذکورہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے عملی اعتبار سے دونوں مذاہب میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے کیونکہ صیغہ تکبیر کے چھوڑ دینے سے نماز دونوں فریق کے نزدیک واجب الاعادہ رہتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں فرضیت ساقط نہیں ہوتی لہٰذا ان کے نزدیک ایسے شخص کو جو صیغہ تکبیر کے ساتھ نماز کا اعادہ نہ کرے تارک صلوٰۃ کہا جائے گا اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو تارک واجب یا گنہ گار تو کہیں گے لیکن مطلق

نماز کا تارک نہیں کہہ سکتے فتح القدیر ج ۱ صٓـــ۲۷ البحر الرائق صٓـــ۱۰ اور شامی ج ۱ صٓـــ۳۵ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا تھا علامہ عینیؒ شرح کنز صٓـــ۴۲ پر نقل کرتے ہیں وعلیہ الفتویٰ لہٰذا اب نزاع ختم ہو گیا ہے۔

صیغہ سلام اور بیان مذاہب وتحلیلہا التسلیم صیغہ سلام کے اندر بھی اسی طرح کا اختلاف ہے جس طرح صیغہ تکبیر میں تھا۔

(۱) ائمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خروج عن الصلوٰۃ کے لئے لفظ سلام کہنا فرض ہے اگر خصوص سلام کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے گا تو نماز نہیں ہوگی۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنع المصلی فرض ہے اور سلام اس کی ایک صورت اور بدرجہ وجوب کے ہے شیخ ابن الہمامؒ بھی اس کے وجوب کو نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی صیغہ سلام کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر نماز واجب الاعادہ رہے گی امام نوویؒ شرح مسلم ج ۱ صٓـــ۱۹۱ میں یہی مسلک امام ثوریؒ اور امام ابو عمرو عبد الرحمٰن اوزاعیؒ کا نقل کرتے ہیں کہ سلام رکن نہیں۔

احنافؒ کے دلائل (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُسِیُ الصلوٰۃ کی حدیث میں سلام کی تعلیم نہیں دی اگر یہ رکن اور فرض ہوتا تو آپؐ مقام تعلیم میں تھے ضرور اس کی تعلیم دیتے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا وہ واقعہ بھی حنفیہ کا مستدل ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد کی تعلیم دے کر فرمایا اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوٰتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد (ابو داؤد ج ۱ صٓـــ۱۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ قعود بقدر التشہد کے بعد کوئی اور فریضہ نہیں ہے البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت اور احادیث باب سے وجوب ضرور معلوم ہوتا ہے سو احنافؒ اس کے قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل اور جواب ائمہ ثلاثہ باب ہذا کی دوسری روایت وتحلیلہا التسلیم سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں خبر معرّف باللام ہونے کی بنا پر مفید حصر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز سے حلال ہونا صیغہ تسلیم کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اسی باب کی چوتھی روایت وانقضاؤھا التسلیم کا بھی یہی مدلول ہے حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہے جسے امام احمدؒ اور ابن سعدؒ نے "منکر الحدیث" ابن معینؒ نے ضعیف لا یحتج بحدیثہ امام نسائیؒ نے "ضعیف" ابو حاتمؒ نے لین الحدیث

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ تَكْبِيْرَةِ الْاِحْرَامِ وَبَيَانُ مَوَاضِعِهٖ

۳۱۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا اور ہاتھ اٹھانے کے مقام۔ ۳۱۴۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے ؛ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

لیس بالقوی خطیبؒ نے سیئی الحفظ اور ابن حبانؒ نے ردی الحفظ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۴۱۲)

۲۔ اس روایت میں قصر حقیقی نہیں بلکہ قصر کمال اور قصر عادی ہے جیسے لا فتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار میں قصر کمال ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا دوسرا استدلال حدیث نبوی صلوا کما رأیتمونی اصلی سے ہے حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے علی الخصوص تکبیر اور تسلیم کی رکنیت ثابت نہیں ہو سکتی ورنہ جملہ افعال رکن نماز ثابت ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ رفع الیدین عند الافتتاح، آمین، تسبیحات، رکوع و سجود اور قعدہ اولی وغیرہ رکن نہیں حالانکہ آپؐ نے تو وہ بھی ادا کیے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور بیان مذاہب

(۳۱۴ تا ۳۲۰) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء اور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہیے البتہ اس کی حیثیت میں اختلاف ہے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین واجب ہے یہ مسلک داؤد ظاہری کا ہے۔

(۲) جمہور احناف بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اس کا تارک گنہ گار ہوگا بعض کے نزدیک گنہگار نہیں ہوگا دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ اگر ترک کی عادت بنالے تو گنہ گار ہوگا ورنہ نہیں۔

باب ہذا کی ساتوں احادیث کے علاوہ اس سلسلہ کی جمیع احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

۵۱۳۔ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ۔

۵۱۳۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے، حدیث آخر تک بیان کی۔

یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، احمد اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا مذکور ہے ابن المنذرؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ جمہور اہل سنتؒ اس پر متفق ہیں کہ حضورؐ نے اس عمل پر مواظبت کی تھی۔

رفع یدین اور تکبیر کب ہو

رفع یدین اور تکبیر کب ہوں اس میں تین اقوال ہیں۔

(۱) رفع یدین اور تکبیر دونوں ایک ساتھ ہوں قاضی خانؒ، بقالیؒ خواہر زادہؒ امام ابو یوسفؒ امام طحاویؒ امام مالکؒ، صاحب تحفہؒ امام احمدؒ اور صاحبؒ بدائع و محیط اس کے قائل ہیں ان حضرات کا مستدل سنن ابی داؤد کی یہ روایت ہے انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه مع التكبير۔

(۲) پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے صحیح مسلم کی روایت اذا صلى كبر ثم رفع يديه سے یہی مدلول ہے۔

(۳) پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے صاحبؒ ہدایہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے یہ مسلک طرفینؒ کا ہے عام علماء اور مشائخ اسی پر ہیں باب ہذا کی پہلی روایت جو ابن عمرؓ سے منقول ہے كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوٰة ان کا مستدل ہے صاحب ہدایہؒ کی بھی یہی رائے ہے وہ اسے اصح قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا یہ فعل (یعنی رفع یدین) غیر اللہ سے کبریائی کی نفی کرنا ہے اور نفی مقدم ہوتی ہے نیز ابو حمید الساعدی کی روایت (۵۱۶) مشکوٰۃ میں مفصل منقول ہے جس میں يحاذى بهما منكبيه ثم يكبر کے الفاظ ہیں جن سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ پہلے رفع یدین کرتے پھر تکبیر کہتے۔

۲۱۶۔ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِہِمَا مَنْکِبَیْہِ اَلْحَدِیْثَ اَخْرَجَہُ الْخَمْسَۃُ اِلَّا النَّسَائِیَّ وَصَحَّحَہُ التِّرْمِذِیُّ۔

۲۱۶۔ ابوحمید الساعدیؓ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں کندھوں کے برابر کرتے۔" حدیث آخر تک بیان کی۔
یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے

ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا چاہیئے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں بعض روایات میں یرفع یدیہ الی منکبیہ ہے بعض میں الی اذنیہ اور بعض میں الی فروع اذنیہ کے الفاظ آئے ہیں۔

ہاتھوں کو اٹھانے کے حدود اور بیان مذاہب

(۱) امام شافعیؒ کے مذہب مشہور کے مطابق ہاتھوں کو اٹھانے کی حد مونڈھوں تک ہے امام مالکؒ سے بھی ایک قول ایسا ہی مروی ہے۔
(۲) ہاتھوں کو سینہ تک اٹھانا چاہیئے مگر ان کا پہلا قول اصح ہے۔
(۳) امام اعظمؒ کے نزدیک کانوں کی لو تک اٹھانا چاہیئے۔
(۴) امام احمدؒ سے تین اقوال ہیں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا (الف) میں بھی مونڈھوں تک کہتا ہوں (ب) لیکن جو کانوں تک اٹھانے کو کہتے ہیں وہ بھی میرے نزدیک اچھے ہیں (ج) تیسری روایت تخییر کی ہے۔

شوافع کے دلائل

(۱) ۲۱۷ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت امام شافعیؒ کی دلیل ہے جس کی تخریج بخاری ج ۱ صـــ۱۰۲ اور مسلم ج ۱ صـــ۱۶۸ میں کی گئی ہے جس میں حذو منکبیہ کی تصریح ہے اسی طرح روایت نمبر (۵) ۲۱ جو حضرت علیؓ سے منقول ہے جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ صـــ۵۹ میں نقل کیا ہے یہ بھی شوافع کا مستدل ہے جس میں رفع یدیہ حذو منکبیہ نص قطعی ہے ابوحمید الساعدیؓ کی روایت (۲) ۲۱۶ بھی شوافع کی دلیل ہے کہ رفع یدیہ یحاذی بہما منکبیہ کے الفاظ آئے ہیں اس روایت کو ابوداؤد نے ج ۱ صـــ۱۰۶ میں نقل کیا ہے (۷) ۲۱۴ حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت (ترمذی ج ۱ صـــ۵۹) کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ اپنی ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی فطرت کے

۳۱۷- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا - رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۱۷۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے اٹھاتے۔"

یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مطابق کھلی رکھتے تھے۔

امام شافعیؒ کی تطبیق روایات

حضرت امام شافعی اس سلسلہ کے تمام روایات کی تطبیق کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح اٹھانا چاہیئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کاندھوں کے مقابل رہیں انگوٹھے کانوں کے لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ممکن ہو جائے اور روایات میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے۔

احنافؒ کے دلائل اور شوافع کے دلائل سے جوابات

(۳۱۸) مالک بن حویرثؓ کی یہ حدیث جس کی تخریج امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۶۸ میں کی ہے حنفیہ کا مستدل ہے جس میں رفع یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیہ اور ایک روایت فروع اذنیہ کے الفاظ آئے ہیں۔

(۳۱۹ و ۳۲۰) دونوں روایات وائل بن حجرؓ سے مروی ہیں پہلی روایت کی تخریج امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۷۳ اور دوسری کی تخریج امام ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۰۵ میں کی ہے۔
ابووائلؓ کی ان دونوں روایات میں حیال اذنیہ کی تصریح ہے علاوہ ازیں حنفیہ حضرات حضرت براءؓ کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رفع یدیہ حتی تکون ابھاماہ حذاء منکبیہ اس کی تخریج امام احمدؒ، امام اسحاقؒ دارقطنیؒ اور طحاویؒ نے کی ہے۔

حنفیہ کا ایک اور مستدل حضرت انسؓ کی روایت ہے قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبر فحاذی بابھامیہ اذنیہ اس کی تخریج حاکم دارقطنیؒ اور بیہقیؒ نے کی ہے حاکمؒ کہتے ہیں کہ

۲۱۸۔ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۱۸۔ حضرت مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کے برابر کرتے ۔ اور ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر کرتے ۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

اس کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی تطبیق روایات اور وجہ ترجیح

یہ سب روایات اس پر دال ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کانوں تک ہونا چاہیئے اور یہ سب روایات صحیح ہیں حضرت ابن عمرؓ کی روایت (۲۱۴) اس پر دال ہے کہ رفع یدین منکبین تک ہونا چاہیئے مگر حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں لفظ ید ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اصابع کی محاذات منکبین سے ہو اور اس صورت سے ہو کہ انگلیوں کی انتہاء کانوں تک ہو اور انگوٹھے کانوں کے نیچلے حصے کی اور ہتھیلیاں منکبین کی محاذات میں ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ انگلیوں کی انتہاء تو کانوں تک ہو اور ہاتھوں کا زیریں حصہ منکبین کے مقابل ہو تو ابن عمرؓ کی روایت کا ظاہری مدلول احتمال اول ہی تھا بشرطیکہ دوسری روایات متعارض نہ ہوتیں لیکن چونکہ دوسری روایتیں ابن عمرؓ کے معارض ہیں اور ابن عمرؓ کی روایت اپنے مدلول میں غیر صریح اور رفع ابهاميه الى شحمتى اذنيه (نسائی) صریح ہے اس لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ابن عمرؓ کی روایت کے دوسرے معنی لیے جس سے جملہ روایات معنی اور مدلول میں بالکل منطبق اور متفق ہو گئیں کہ انگلیاں منتہاء کانوں تک پہنچیں اور انگوٹھے کانوں کی لو تک اور ہاتھوں کا زیریں حصہ منکبین کے مقابل ہے۔ ثم اتيتهم روایت کا یہ حصہ امام شافعی کے استدلال کا جواب ہے کہ صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا عذر کی حالت پر محمول ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا اصل ہے حضرت وائلؓ نے اس حدیث میں بتلا دیا کہ ان لوگوں کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے پر اقتصار کرنا ان کے لباس سرمائی وجہ سے تھا۔

مزید فقہی تائید محقق ابن الہمامؒ، صاحب بنایہ ، ملا علی قاریؒ اور علامہ جونپوریؒ وغیرہ نے ذکر

۱۳۱۹۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَصَفَ هَمَّامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۳۱۹۔ وائل بن حجرؓ نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ نے نماز میں داخل ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، تکبیر کہی، ہمام نے بیان کیا، اپنے دونوں کانوں کے برابر۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کیا ہے کہ در حقیقت ان احادیث میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ ان میں تطبیق ممکن ہے بایں طور کہ ہتھیلیاں کاندھوں کے بالمقابل، انگوٹھے کان کی لو کے سامنے اور انگلیوں کے سرے کان کے آخری حصہ تک پہنچ جائیں امام نوویؒ نے شرح مسلم میں یہی تطبیق ذکر کی ہے شافعی مذہب کی کتب معتبرہ شرح مختصر ابو شجاع، انوار، منہاج اور تحفہ وغیرہ میں یہی مذکور ہے

حرف آخر وھو تفصیل حسن ملا علی قاریؒ اور علامہ طیبیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ مصر گئے ان سے کیفیتِ رفع کا سوال ہوا تو فرمایا کہ ہاتھ اس طرح سے اٹھائے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں مونڈھوں کے مقابل ہو جائیں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپری حصوں کے سامنے ہو جائیں اس طرح منکبین، اذنین اور فروع الاذنین والی تینوں روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مذاہب کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے (غایۃ السعایہ ج ۲ ص۲۰)

صحت تحریمہ کے شرائط اور رفع یدین کے فوائد

(فائدہ اولیٰ) فائدہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حکمت کے بارے میں شارحؒ کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہاتھ اٹھانا غیر اللہ سے کبریائی کی نفی ہے اور اس کے بعد تکبیر اللہ کے لیے اثبات وحدت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ نمازی کو جب دوسرا شخص دیکھے گا اگرچہ وہ بہرا ہو یا دور ہو وہ بھی نماز شروع کر سکے گا۔

۳۔ دنیا کو چھوڑ کر بالکلیہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کی علامت ہے۔

۴۔ پوری طرح حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرنے کا اشارہ ہے۔

۵۔ جس نماز کو شروع کرنے والا ہے اس کے کمال عظمت کا اقرار ہے۔

۳۲۰- وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُهُمْ يَرْفَعُوْنَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُوْرِهِمْ فِيْ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَأَكْسِيَةٌ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۲۰- حضرت وائل بن حجرؓ نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر اٹھایا۔ حضرت وائل بن حجرؓ نے کہا: میں پھر آیا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو سینوں تک اٹھاتے تھے اور ان پر لمبی ٹوپیاں اور چادریں تھیں۔
یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عابد و معبود اور ساجد و مسجود کے درمیان حجابات نماز میں اٹھ جاتے ہیں۔
۷۔ حق تعالیٰ کی جانب ہمہ تن متوجہ ہونے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔
۸۔ اس سے قیام للہ کی تکمیل ہوتی ہے (زرقانی)
۹۔ حق تعالیٰ کی غایتِ تعظیم کا اظہار ہے (۱۰) کفار قریش اور دوسرے مشرک لوگ اپنی نمازوں میں بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے، اپنے بتوں کو بغلوں میں دبائے رکھتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کیا جائے تاکہ وہ بت گر جائیں (ابن رسلان) (۱۱) دنیا کو پس پشت پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔

فائدۂ ثانیہ علامہ شرنبلالیؒ نے صحتِ تحریمہ کے لیے پندرہ شرطیں ذکر کی ہیں۔

(۱) اکل و شرب وغیرہ اجنبی فعل سے فصل کے بغیر نیت کا مقارن ہونا (۲) تحریمہ کا بحالتِ قیام ہونا (۳) تحریمہ سے نیت کا مؤخر نہ ہونا (۴) تحریمہ کا اس طرح تلفظ کرنا کہ خود سن سکے (۵) مقتدی کے لیے اصل صلوٰۃ کی نیت کے ساتھ متابعت کی نیت کرنا (۶) فرض کی تعیین (۷) واجب کی تعیین (۸) لفظ اللہ کے ہمزہ کو اور اکبر کی بار کو دراز نہ کرنا (۹) جملہ تامہ کا ہونا۔ اگر صرف اللہ کہا تو شارع فی الصلوٰۃ نہ ہوگا۔ (۱۰) تحریمہ کا بذکر خالص للہ ہونا (۱۱) بسم اللہ کے ذریعہ سے نہ ہونا (۱۲) لفظ اللہ کی ہاء کو حذف نہ کرنا (۱۳) لفظ اللہ کے الف اور لام ثانیہ کو ادا کرنا (۱۴) تکبیر کا کسی امر مفسد کے ساتھ مقترن نہ ہونا (۱۵) عربی لفظ کے ساتھ ہونا۔

یہ پندرہ شرطیں شرنبلالیؒ نے مراقی الفلاح اور نور الایضاح میں ذکر کی ہیں اور ایک مستقل نظم میں بیس شرطیں

جمع کی ہیں اور اس نظم کو اپنے رسالہ درر الکنوز اور شرح وہبانیہ میں درج کیا ہے دیوبند۔

سہ شروط لتحريمة حظيت بجمعها مهذبة حسناء مدى الدهر تزهر

تحریمہ کی کچھ شرطیں ہیں جن کے جمع کرنے سے میں بہرہ ور ہوا اور وہ خوبی سے آراستہ ہیں جو زمانہ بھر چمکتی رہیں گی۔

سہ دخول لوقت واعتقاد دخوله وستر وطهر والقيام المحرر

وقت فرض کا داخل ہونا، دخول وقت کا اعتقاد ہونا، ستر عورت، طہارت اور قیام تنقیح کیا ہوا۔

سہ ونية اتباع الإمام ونطقه وتعيين فرض او وجوب فيذكر

متابعت امام کی نیت کرنا تکبیر کا تلفظ کرنا، فرض یا واجب کا متعین کرنا ظہر ہے یا عصر، ادا ہے یا قضاء، پھر بولے۔

سہ بجملة ذكر خالص عن مراده وبسملة عرباء ان هو يقدر

ذکر کا ایک جملہ جو خالص ہو اس کی حاجت سے۔ اور بسم اللہ سے اور ہو وہ جملہ عربی اگر نمازی عربی پر قادر ہو۔

سہ وعن ترك هاء اولها جلالة وعن مد همزات وباء باكبر

اور خالی ہو لفظ اللہ کے الف دوم اور ہاء کے چھوڑنے سے اور اللہ اور اکبر کے دونوں ہمزوں اور اکبر کی ب مد کے سے

سہ وعن فاصل فعل كلام مباين وعن سبق تكبير ومثلك يعذر

اور خالی ہو خلاف نماز فعل اور کلام کے بیچ میں آنے سے اور اللہ اکبر کے پیشتر کہنے سے اور تیرا مثل معذور رکھتا ہے۔

سہ فدونك هذي مستقيما لقبلة لعلك تحظى بالقبول فتشكر

پس لے ان کو سیدھا باندھنے والا قبلہ کی طرف تاکہ تو بہرہ پائے ان اشعار کے قبول کا اور شکر گذار ہو۔

سہ فجملتها العشرون بل زيد غيرها وناظمها يرجو الجواد فيغفر

مجموعہ ان کا بیس ہوا بلکہ ان کے سوا زیادہ بھی کی گئی ہیں اور ان شرطوں کا ناظم توقع رکھتا ہے بہت جود کرنے والے سے کہ وہ اس کی مغفرت کرے گا۔

مگر ان شرطوں میں سے بعض تو نفس صلوٰۃ کے شرائط میں سے ہیں اور بعض بعض میں متداخل ہیں اور پندرھویں شرط غیر صحیح ہے (سعایہ، غایۃ الاوطار)

(غایۃ السعایہ)

بَابُ وَضْعِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى

۲۲۱- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اَبُوْ حَازِمٍ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا يَنْمِيْ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

باب- دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا- ۲۲۱- حضرت سہل بن سعدؓ نے کہا، لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں کی کلائی پر رکھیں ابو حازمؒ نے کہا میں تو یہی جانتا ہوں کہ حضرت سہلؓ نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان کی۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد یدین کے متعلق چار مباحث

(۲۲۱ تا ۲۲۴) تکبیر تحریمہ کے بعد قیام کی حالت میں یدین کا مسئلہ کئی وجوہ سے مختلف فیہ ہے (۱) پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ ہاتھوں کو چھوڑا جائے یا باندھ لیا جائے یعنی وضع ہے یا ارسال۔ باب ہذا کی تمام روایات اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

دوسرا مسئلہ یدین کے محل وضع کا ہے کہ زیرِ ناف باندھے یا بالائے ناف یا سینہ پر (صدر پر، فوق السرہ، یا تحت السرہ) اگلے تین ابواب اسی سے متعلق ہیں تیسرا مسئلہ وقتِ وضع کا ہے کہ تکبیر کے بعد فوراً ہاتھ باندھے یا کچھ وقفہ کے بعد، چوتھا مسئلہ اختلافِ صفتِ وضع کا ہے آخری دونوں مسائل بھی اسی ضمن میں حل کئے جائیں گے۔

وضع یدین یا ارسال

(۱) علماء احنافؒ، شوافعؒ، حنابلہؒ اور جمہور علماء کا مسلک ہاتھ باندھنے (وضع) کا ہے جیسا کہ قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں تصریح کی ہے حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، نخعیؒ، سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے (عینی) امام مالکؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

باب ہذا کی چاروں روایات اس مسلک کی مستدل اور مؤید ہیں۔

(۲) امام مالکؒ، ابن زبیرؓ، حسن بصریؒ اور لیث بن سعدؒ ارسال کے قائل ہیں امام مالکؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ فرائض میں ارسال کرے اور نوافل میں ہاتھ باندھ لے تاہم مطلقاً ارسال ان کی مشہور روایت ہے اور یہی ان کی کتب میں مصرح ہے۔

۳۲۲ - وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ وَكَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ -

۳۲۳ - وَعَنْهُ قَالَ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۳۲۲ - وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز میں داخل ہوئے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کہی، پھر اپنا کپڑا اوڑھ لیا، پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔"

یہ حدیث احمد اور مسلم نے نقل کی ہے۔

۳۲۳ - حضرت وائل بن حجرؓ نے کہا، "پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی گٹ اور کلائی کی پشت پر رکھا۔

یہ حدیث احمد، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۳) امام اوزاعیؒ اور علامہ ابن المنذرؒ وضع وارسال میں تخییر کے قائل ہیں اور امام احمدؒ سے بھی ایک قول تخییر کا منقول ہے۔

وضع وارسال کے دلائل اور ترجیح مسلک راجح

جو لوگ ارسال کے قائل ہیں ان کے نزدیک وضع یدین و عدم وضع یدین کے سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں چنانچہ حافظ ابن المنذرؒ نے اپنی بعض تصانیف میں کہا ہے لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك شيء اس لیے ان حضرات کے یہاں ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں وضع وارسال دونوں سے متعلق احادیث کتابوں میں آئی ہیں مالکیہؒ نے اپنے اصول کے مطابق ارسال کو اصل قرار دیا اور باقی روایات کو نوافل یا بیان جواز پر محمول کیا اور ائمہ ثلاثہؒ نے اپنے اصول کے مطابق وضع کی روایات کو راجح قرار دیا کہ وضع کی روایات مصرح ہیں جب کہ روایات ارسال مجمل ہیں لہٰذا وضع کی روایات راجح ہوں گی چنانچہ وضع یدین کی بابت متعدد احادیث ثابت ہیں باب ہذا کے انعقاد کی غرض بھی یہی ہے جیسا کہ امام نیویؒ نے اس باب کے تحت چار احادیث درج کی ہیں۔

(۳۲۱) باب کی یہ پہلی روایت حضرت سہل بن سعدؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان

۲۲۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْيُمْنٰى فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى۔ رَوَاهُ الْاَرْبَعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۲۴۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ نماز ادا کرتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھتے پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔
یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ج ۱ ص۱۷۲ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے یہ باب کی دوسری روایت ہے جس کے راوی وائل بن حجرؓ ہیں جس کی تخریج امام مسلمؒ نے ج ۱ ص۱۷۳ میں کی ہے مضمون حدیث ترجمہ میں واضح ہے
(۲۲۳) یہ حدیث بھی وضع یدین میں نص صریح ہے جو ابو داؤد ج ۱ ص۱۰۵ کے علاوہ مسند احمد اور نسائی میں بھی منقول ہے۔
(۲۲۴) یہ باب ہذا کی چوتھی روایت ہے جو امام ترمذیؒ کے علاوہ اربعہ میں مذکورہ ہے اس کی روایت میں حجاج بن ابی زینب اگرچہ متکلم فیہ ہے
ابن المدینیؒ نے اسے ضعیف اور امام نسائیؒ نے غیر قوی کہا ہے لیکن ابن معینؒ فرماتے ہیں لیس بہ باس ابن عدیؒ کہتے ہیں ارجو انہ لا باس بہ بلکہ امام نوویؒ نے خلاصہ اور شرح مہذب میں اس کی اسناد کو شرط مسلم پر بتایا ہے اور امام احمدؒ و حافظ طبرانیؒ نے اس کو حضرت جابرؓ سے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔
اس کے علاوہ حافظ دارقطنیؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے قال انا معشر الانبیاء امرنا ان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰۃ اور امام ترمذیؒ ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت ہلبؓ سے روایت کیا ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔
علامہ صاحبؒ ہدایہ نے وضع الیمین علی الشمال کے لیے حضرت علیؓ کا اثر نقل کیا ہے ان من السنۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ محدثین کے یہاں لفظ سنت مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے جب کوئی صحابی لفظِ سنت کو مطلق ذکر کرے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے اور اگر

بَابٌ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ

۲۲۵- عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ- رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهِ وَفِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ وَزِيَادَةُ عَلٰى صَدْرِهِ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ-

---

باب ۔ ہاتھوں کو سینے پر رکھنا۔ ۲۲۵۔ حضرت وائل بن حجرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کی، تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔

یہ حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔ سینے پر ہاتھ رکھنے کے الفاظ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔

غیر صحابی یہ لفظ بولے تب بھی یہی مطلب ہوتا ہے تاوقتیکہ وہ اس کو صاحب سنت کی طرف منسوب نہ کرے حافظ ابن عبدالبرؒ نے التقصی میں یہی تصریح کی ہے۔

شوافع حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہاتھوں کو اٹھائے تو ارسال کرے پھر اس کے بعد ہاتھ باندھے احنافؒ وحنابلہؒ کہتے ہیں کہ کسی روایت سے نصاً یہ ثابت نہیں کہ پہلے ارسال کرے پھر وضع کرے لہذا تکبیر کے ساتھ معاً وضع کرنا ہوگا۔

(۲۲۵ تا ۲۲۷) یہاں سے اس مسئلہ کی توضیح بیان کی جا رہی ہے کہ ہاتھ کہاں باندھیں جائیں اس سلسلہ میں تین مذہب مشہور ہیں۔

(۱) احنافؒ سفیان ثوریؒ، امام اسحٰق بن راہویہ، شوافع میں ابو اسحاق مروزیؒ کے نزدیک ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے تیسرے باب کی احادیث (۲۲۰ تا ۲۲۲) ان کا مستدل ہیں۔

(۲) امام شافعیؒ سے تین روایات منقول ہیں (۱) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھا جائے امام نوویؒ نے یہی روایت نقل کی ہے کتاب الام اور الوسیط میں بھی یہی ہے (ب) اسی طرح یدین فوق الصدر رکھے جائیں صاحب ہدایہ نے شافعیؒ کی یہی روایت لی ہے۔ باب ہذا کی روایات اسی کی مؤید اور بظاہر مستدل ہیں اور یہی ان کا مشہور مسلک ہے۔ (ج) تحت السرہ رکھے جائیں۔

(۳) امام احمدؒ سے تین روایتیں منقول ہیں (۱) امام ابوحنیفہؒ کے مطابق یعنی تحت السرہ یہی ان کی مشہور روایت ہے (ب) سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر (ج) دونوں میں اختیار ہے۔

۳۲۶۔ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ وَوَصَفَ يَحْيٰى الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصِلِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ لٰكِنْ قَوْلُهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔

۳۲۶۔ قبیصہ بن ھلبؓ سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی دائیں جانب سے پھرتے اور بائیں جانب سے بھی، اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے یہ اپنے سینے پر رکھا" یحییٰ نے طریقہ بیان کیا کہ دایاں ہاتھ بائیں پر جوڑ کے اوپر"

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ لیکن ان کی بات "سینے" پر غیر محفوظ ہے۔

شوافع کا مستدل اور اس کے جوابات

باب ہٰذا کی تینوں روایات شوافع کے مسلک مشہور وضع الیدین علی الصدر کا مستدل ہیں مگر ان کی سندی حیثیت کیا ہے خود امام نیمویؒ نے آثار السنن کے حاشیہ "التعلیق الحسن" میں اس پر مفصل بحث کی ہے مترجم حضرت مولانا محمد اشرف مدظلہ کے الفاظ میں ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے

(۳۲۵) یہ روایت اعلام الموقعین ص ۲ الثانی ات فی والستون میں علامہ ابن قیمؒ نے بحوالہ ابن خزیمہ نقل کی ہے اور ساتھ یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ روایت محدثین کی ایک جماعت نقل کرتی ہے، لیکن علی صدرہ کے الفاظ صرف مؤمل بن اسمٰعیل ہی نقل کرتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے مذکورہ حدیث سے ہاتھ کھلے چھوڑنے کو سنت صحیحہ صریحہ کی مخالفت قرار دیا ہے کیونکہ ہاتھ باندھنا سنت ہے، ساتھ ہی علامہ موصوف نے علی صدرہ کے الفاظ غیر محفوظ ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ یہ الفاظ صرف مومل بن اسمٰعیل نے نقل کیے ہیں، سفیان ثوریؒ کے دیگر شاگرد یہ روایت تو نقل کرتے ہیں، لیکن یہ الفاظ نقل نہیں کرتے۔

مصنفؒ نے التعلیق الحسن میں کہا ہے کہ مجھے صحیح ابن خزیمہ کا نسخہ نہیں ملا، صحیح ابن خزیمہ کی سند اس طرح ہے۔

اخبرنا ابو طاهر نا ابو بكر نا ابو موسىٰ نا مؤمل نا سفيانؒ عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر قال صليتُ الخ۔

یہ روایت السنن الکبریٰ للبیہقیؒ کتاب الصلوٰۃ ص ۳۰ ج ۲ باب وضع الیدین علی صدرہ میں موجود ہے التعلیق الحسن

۷۲۳۔ وَعَنْ طَاؤُسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بِهِمَا عَلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيْلِ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِي الْبَابِ اَحَادِيْثُ اُخَرُ كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ۔

۷۲۳۔ طاؤس نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے اور آپ نماز میں ہوتے تھے۔

یہ حدیث ابوداؤد نے مراسیل میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

نیمویؒ نے کہا اور اس باب اور بھی احادیث ہیں جو سب کی سب ضعیف ہیں۔

ہیں اس کی پوری سند بعینہٖ موجود ہے، اس میں بھی مؤمل بن اسمٰعیل عن الثوریؒ عن عاصم بن کلیب ہے۔

مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ہی مصنفؒ نے کہا ہے "وَفِيْ اِسْنَادِهٖ نَكَارَةٌ" کیونکہ مؤمل پر شدید جرح ہے ابوحاتم اسے کثیر الخطاء اور امام بخاری اسے منکر الحدیث کہتے ہیں، امام ابوزرعہ کہتے ہیں "فِيْ حَدِيْثِهٖ خَطَأٌ كَثِيْرٌ" (میزان الاعتدال ص۲۲۸ ج ۴ رقم ۸۹۴۹)

یہ روایت ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ ص۱۱۰ باب رفع الیدین، ابن ماجہ، ابواب الصلوٰۃ ص۵۹ باب وضع الیمین علی شمال میں دو سندوں سے، نسائی کتاب الصلوٰۃ ص۱۴۱ ج ۱ باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ اور مسند احمد ص۳۱۶ ج ۴ میں ایک سند و ص۳۱۸ ج ۴ میں دو سندوں سے ص۳۱۹ ج ۴ میں ایک سند سے یعنی صرف مسند احمد میں چار سندوں سے موجود ہے۔ کہیں بھی علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں، یہ الفاظ صرف مؤمل بن اسمٰعیل نے نقل کیے ہیں اور یہ راوی اتنی زیادہ جرح ہوتے ہوئے کسی طرح بھی یہ الفاظ ثابت نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں امام سفیان ثوریؒ کا اپنا عمل ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر ہے، اور پھر ان الفاظ میں اضطراب بھی ہے، ابن خزیمہ میں علی صدرہ ہے، مسند بزار میں عند صدرہ اور ابن ابی شیبہ میں تحت السرۃ ہے۔

تنبیہ۔ مصنفؒ نے التعلیق الحسن میں علامہ ابن قیمؒ پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن قیمؒ نے کیسے سینے پر ہاتھ باندھنے کو سنت صحیحہ صریحہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ علی صدرہ کے الفاظ شاذ غیر محفوظ ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں اضطراب بھی ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ سے اس مقام پر علامہ ابن قیمؒ کی عبارت سمجھنے میں سہو ہوا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ

ہاتھ باندھنے کو سنت صحیحہ صریحہ اور کھلے چھوڑنے کو اس کی خلاف ورزی کہتے ہیں، سینے پر ہاتھ باندھنے کو علامہؒ نے سنت صحیحہ صریحہ نہیں کہا، کیونکہ علامہ موصوف خود البدائع الفوائد میں لکھتے ہیں۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يَّجْعَلَهُمَا عَلَى الصَّدْرِ وَ	اور مکروہ ہے کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں اور
ذٰلِكَ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه	یہ اس وجہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
وسلم اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ التَّكْفِيْرِ وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ	روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے تکفیر سے منع
عَلَى الصَّدْرِ (بدائع الفوائد ص۹۱ ج۳)	فرمایا ہے اور وہ ہاتھ سینے پر رکھنا ہے۔

اسی طرح رواه الجماعة پر تنقید بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حدیث جماعت محدثین نے ہی نقل کی ہے اور ابن قیم بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ حدیث تو جماعت نے نقل کی ہے لیکن علی صدرہ صرف ابن خزیمہ میں ہے اس میں بھی مؤمل بن اسمٰعیل ہے۔ فافہم

(۲۲۶) یہ حدیث ترمذی، ابواب الصلوٰۃ ص۵۹ ج ۱ باب وضع الیمین علی الشمال الخ، ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ ص۵۹ باب وضع الیمین علی الشمال الخ، دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ ص۲۸۵ ج ۱ باب فی اخذ الشمال بالیمین الخ مسند احمد ص۲۲۶ ج ۵ میں موجود ہے لیکن ان میں علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں، نیز اس کی سند میں سماک بن حرب مختلف فیہ راوی ہے (میزان الاعتدال ص۲۳۲ ج ۲ م۳۵۴۸)

(۲۲۷) یہ روایت ایک تو مرسل ہے، دوسرا اس کی سند میں سلمان بن موسیٰ ہے، امام نسائیؒ کہتے ہیں، قوی راوی نہیں، امام بخاریؒ کہتے ہیں عندہ مناکیر (تہذیب التہذیب ص۲۲۶ ج ۴ وفی حدیثہ بعض لین (تقریب ص۱۳۶) قول علماء حنیفۃ۔ (۱) امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰۃ ص۳۰ ج ۱ باب وضع الیدین علی الصدر میں حضرت وائل بن حجرؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے، اس کی سند میں ایک تو محمد بن حجر الحضرمی پر جرح ہے (میزان الاعتدال ص۵۱۱ ج ۳ م۷۳۶۱)

دوسرا سعید بن عبدالجبار پر بھی جرح ہے (میزان الاعتدال ص۱۴۷ ج ۲ م۳۲۲۵) تیسرا سعید بن عبدالجبار عن ابیہ عن امہ میں امہ بھی مجہول ہے۔

(۲) امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰۃ ص۳۱ ج ۲ باب وضع الیدین علی الصدر الخ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے، ایک تو اس کی سند میں روح بن المسیب پر شدید جرح ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں، یہ شخص ثقہ راویوں سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، اس کی روایت بیان کرنا حلال نہیں (میزان الاعتدال ص۶۱ ج ۲ م۲۸۱۲) دوسرا اس میں عند النحر کے الفاظ ہیں۔

بَابٌ فِيْ وَضْعِ الْيَدَيْنِ فَوْقَ السُّرَّةِ

۳۲۸- عَنْ جَرِيْرِنِ الضَّبِّيِّ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ- رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَزِيَادَةُ فَوْقَ السُّرَّةِ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ-

۳۲۹- وَعَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ اَمَرَنِيْ عَطَاءٌ اَنْ اَسْاَلَ سَعِيْدًا اَيْنَ تَكُوْنُ الْيَدَانِ فِي الصَّلٰوةِ فَوْقَ السُّرَّةِ اَوْ اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ سَعِيْدٌ فَوْقَ السُّرَّةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ- وَاِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ-

---

باب۔ ہاتھوں کو ناف کے اوپر رکھنے کے بارہ میں۔ ۳۲۸- جریرالضبیؒ نے کہا "میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ انہوں نے ناف کے اوپر رکھے ہوئے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے ساتھ گٹے کے اوپر سے پکڑا ہوا تھا۔

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور "ناف کے اوپر" کے الفاظ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔

۳۲۹- ابوالزبیرؒ نے کہا، مجھے عطاءؒ نے کہا کہ میں سعید (ابن جبیرؒ) سے پوچھوں کہ نماز میں ہاتھ کہاں ہوں، ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے، میں نے ان سے پوچھا تو سعید نے کہا، ناف کے اوپر۔

یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

---

(۳۲۸) یہ روایت بخاری کتاب التہجد ص۱۵۹ ج ۱ باب استعانۃ الید فی الصلوٰۃ میں تعلیقاً اور مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات ص۳۹۱ ج ۱ باب وضع الیمین علی الشمال میں موجود ہے۔ ان میں فوق السرۃ کے الفاظ نہیں ہیں، فوق السرۃ کے الفاظ نقل کرنے میں شجاع بن الولید عن ابی طالوت عبدالسلام بن حازم متفرد ہے۔ جو کہ مختلف فیہ ہے (میزان الاعتدال ص۲۶۲ ج ۲ ۴۹۶۸)

(۳۲۹) اس حدیث کی سند میں زید بن الحباب ہے، امام احمدؒ کہتے ہیں سچا ہے لیکن کثیر الخطاء ہے، ابن معین کہتے ہیں۔

احادیثہ عن الثوری مقلوبۃ (میزان الاعتدال ص۱۰۰ ج ۲ ۲۹۹۶)

نیز اس کی سند میں یحییٰ بن ابی طالب پر بھی کافی جرح ہے۔ میزان الاعتدال ص۳۸۶ ج ۴ ۹۵۲۷)

بَابٌ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ تَحْتَ السُّرَّةِ

۲۲۰۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ۔ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

باب۔ ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھنا۔ ۲۲۰۔ علقمہ بن وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا،" یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

وائل بن حجرؓ کی روایات

(۲۲۰ تا ۲۲۲) باب ہذا کی تمام روایات حنفیہ کا مستدل ہیں پہلی روایت وائل بن حجرؓ سے ہے دراصل وضع یدین میں اختلاف کا اصل سبب حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں الفاظ کا اختلاف ہے، صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج ۱ ص ۲۲۴، تحت رقم ۳۳۱) باب صفۃ الصلوۃ، اور مسند بزار میں انہی سے "عند صدرہ" (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۴، باب صفۃ الصلوۃ والتکبیر فیہا) اور مصنف ابن ابی شیبہ میں "تحت السرۃ" کے الفاظ منقول ہیں، (انظر معارف السنن ج ۲ ص ۴۳۴ و اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۴۳، باب وضع الیدین تحت السرۃ وکیفیۃ الوضع، وآثار السنن ص باب فی وضع الیدین تحت السرۃ)

شافعیہ پہلی دو روایتوں کو اختیار کرتے ہیں، جب کہ حنفیہ نے اس آخری روایت کو اختیار کیا ہے، یہاں یہ واضح رہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کا جو نسخہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے اس میں حضرت وائل بن حجرؓ کی اس روایت میں "تحت السرۃ" کے الفاظ نہیں ہیں لیکن علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں جو روایات نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اکثر نسخوں میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سند کے اعتبار سے یہ تینوں روایتیں ضعیف ہیں، صحیح ابن خزیمہ کی روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کا مدار مؤمل بن اسمٰعیل پر ہے جو ضعیف ہیں، نیز حضرت وائلؓ کی یہ حدیث دوسری کتب حدیث میں بھی ثقات سے مروی ہو کر آئی ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی "علی الصدر" کی زیادتی نقل نہیں کرتا، نیز حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۹ ص ۲۰۶ میں ایک مقام پر تصریح کی ہے کہ

۴۳۱۔ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْ سَأَلْتُهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ اَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَيَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ۔ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۴۳۱۔ حجاج بن حسان نے کہا، میں نے ابومجلز سے سنا یا کہا ان سے پوچھا (راوی کو شک ہے) میں نے کہا میں ہاتھ کیسے رکھوں، انہوں نے کہا کہ وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے، اور انہیں ناف سے نیچے رکھے۔

یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

"مؤمل بن اسمٰعیل عن سفیان الثوریؒ" کا طریق ضعیف ہے، اور یہ روایت اسی طریق سے مروی ہے پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سفیان ثوریؒ جو اس حدیث میں مومل بن اسمٰعیل کے استاذ ہیں، خود وضع الیدین تحت السرہ کے قائل ہیں،

بعض حضرات نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ کہا ہے کہ ابن خزیمہؒ کا اپنی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کرنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت اُن کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ صحیح ابن خزیمہؒ نفس الامر کے اعتبار سے صحیح مجرد نہیں ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں لکھا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں بعض احادیث ضعیف اور منکر بھی آگئی ہیں۔

اس پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ "صححہ ابن خزیمۃ" جس کا حاصل یہ ہوا کہ ابن خزیمہ نے یہ حدیث صرف ذکر ہی نہیں کی بلکہ اس کی تصحیح بھی کی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے یہ جملہ اس لیے لکھا ہے کہ اُن کے خیال میں ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں صرف روایت کر دینا ہی اس کی صحت کی دلیل تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ شوکانی کے زمانہ میں صحیح ابن خزیمہ دستیاب نہیں تھی، کہ وہ اس کو دیکھ کر تصحیح نقل کرتے۔ بلکہ صحیح ابن خزیمہ تو حافظ ابن حجرؒ ہی کے زمانہ میں نایاب ہو گئی تھی، اور خود حافظ ابن حجرؒ کے پاس بھی اس کا مکمل نسخہ نہیں تھا، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ شوکانیؒ کے پاس صحیح ابن خزیمہ نہیں تھی، اور انہیں اس روایت کا صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہونا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا تھا، پھر چونکہ ان کے نزدیک ابن خزیمہ کا کسی روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنا ہی تصحیح کے مرادف تھا، اس لیے

۴۳۲- وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَضَعُ يَمِيْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ - وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

---

۴۳۲- ابراہیم نخعیؒ نے کہا "نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھے" یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

انہوں نے "رواہ ابن خزیمۃ و صححہ" لکھ دیا، پہلے ہم یہ بات محض قیاس سے کہتے تھے لیکن اب الحمدللہ چند سال قبل صحیح ابن خزیمہؒ کی دو جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آگئی ہیں، ان کی مراجعت کرنے سے اس قیاس کی پوری تصدیق ہوگئی، کیونکہ امام ابن خزیمہؒ نے اس میں یہ حدیث مؤمل بن اسمٰعیل کے طریق سے تخریج کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، صراحتًا اس کی تصحیح نہیں کی، (صحیح ابن خزیمہ، ج ۱ ص ۲۴۳، رقم الحدیث ۴۷۹) اور کسی حدیث پر حافظ ابن خزیمہؒ کا سکوت اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا طرز یہ ہے کہ وہ امام ترمذیؒ کی طرح حدیث کی حیثیت بیان کرتے ہیں، اس لیے کسی حدیث پر محض ان کے سکوت سے اس حدیث کی صحت لازم نہیں آتی بالخصوص جب کہ وہ مؤمل بن اسمٰعیل جیسے ضعیف راوی کا تفرد ہو، نیز حضرت وائلؓ کی یہ حدیث دوسری کتب حدیث میں بھی ثقات سے مروی ہو کر آئی ہے، ان میں سے کوئی بھی "علی الصدر" کی زیادتی نقل نہیں کرتا، چنانچہ علامہ نیمویؒ نے آثار السنن کے ان ابواب میں ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے حضرت وائل بن حجرؓ کی اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے، ان کے علاوہ مسند ابوداؤد طیالسی اور صحیح ابن حبانؒ میں اس کے مزید طرق ہیں ان میں سے کسی طریق میں بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا مذکور نہیں، بلکہ علامہ ابن القیمؒ نے بھی "اعلام الموقعین" میں یہ اعتراف کیا ہے کہ مؤمل بن اسمٰعیل کے سوا کوئی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا، لہٰذا ان تمام راویوں کے مقابلہ میں مؤمل جیسے ضعیف راوی کا تفرد حجت نہیں ہو سکتا۔

رہی مسند بزار والی روایت جس میں "عند صدرہ" کے الفاظ آئے ہیں سو اس کا مدار محمد بن حجرؒ پر ہے، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں "لہ مناکیر" کما نقل الہیثمی فی الزوائد، (ج ۲ ص ۱۳۵ باب صفۃ الصلوٰۃ والتکبیر فیہا) لہٰذا یہ روایت بھی قابل استدلال نہیں ہے۔

امام شافعیؒ مسند احمد میں حضرت ہلبؓ کی ایک روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن شمالہ ویضع ھذہ علی صدرہ"

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ نیمویؒ نے التعلیق الحسن میں مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس روایت

کے الفاظ میں تصحیف ہوئی ہے اور یہ اصل میں "یضع ھذہ علی ھذہ" تھا، جس کو غلطی سے کسی نے "یضع ھذہ علی صدرہ" بنادیا، لہٰذا اس روایت سے بھی استدلال درست نہیں۔

امام شافعیؒ کے ایک اور استدلال سے جواب

شافعیہؒ کا ایک اور استدلال سننِ بیہقی میں حضرت علیؓ کے ایک اثر سے ہے، کہ انہوں نے آیتِ قرآنی فصل لربک وانحر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا، "وضع یدہ الیمنی علی وسط یدہ الیسری ثم وضعھا علی صدرہ" (بیہقی ج ۲ ص ۳۰) لیکن علامہ ماردینیؒ نے الجوہر النقی میں ثابت کیا ہے کہ اس روایت کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے، امام بیہقیؒ نے آیت کی یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں روح بن المسیب ہیں، جن کے بارے میں ابن حبان کا قول ہے "یروی الموضوعات لا تحل الروایة عنه" (الجوہر النقی ۲: ۳۰) اور علامہ ساعاتیؒ "مسند احمدؒ" کی تبویب کی شرح میں لکھتے ہیں: نسبة ھذا التفسیر الی علیؓ وابن عباسؓ لا تصح کما قال ابن کثیرؒ والصحیح نحر البدن (الفتح الربانی ص ۱۷۴ ج ۳)

دلائل احناف

حنفیہ کی طرف سے سب سے پہلی دلیل باب ہذا کی پہلی روایت حضرت وائلؓ کی مصنف ابن ابی شیبہؒ والی روایت ہے: قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰۃ تحت السرۃ"

مگر بعض حضرات کے نزدیک اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اول تو اس لیے کہ اس روایت میں "تحت السرۃ" کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگرچہ علامہ نیمویؒ نے "مصنف" کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ ان میں یہ زیادتی مذکور ہے، تب بھی اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنادیتا ہے، نیز حضرت وائل بن حجرؓ کی یہ روایت مضطرب المتن ہے، کیونکہ بعض میں "علی صدرہ" بعض میں ... "عند صدرہ" اور بعض میں "تحت السرۃ" کے الفاظ مروی ہیں، اور اس شدید اضطراب کی صورت میں کسی کو بھی اس سے استدلال نہ کرنا چاہیے۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں حضرت علیؓ کے اثر سے ہے: "ان من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" کما نقل البنوریؒ فی معارف السنن (ج ۲ ص ۴۴۴ و ۴۴۳) وایضاً اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه (ج ۱ ص ۳۹۱) وضع الیمین علی الشمال، بھذا الالفاظ عن علیؓ قال "من سنة الصلوٰۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ"، یہ روایت ابوداؤد کے ابن الاعرابی والے نسخے میں موجود ہے، کما فی بذل المجہود، نیز یہ مسند احمدؒ (ص ۱۱۰ ج ۱) اور بیہقیؒ (ص ۳۱ ج ۲) میں

بھی مروی ہے، اور اصول حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی عمل کو سنت کہے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، اگرچہ اس روایت کا مدار عبدالرحمن ابن اسحٰق پر ہے، جو ضعیف ہے، لیکن چوں کہ اس کی تائید صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ کے آثار سے ہو رہی ہے اس لیے اس سے استدلال صحیح اور درست ہے۔

چنانچہ حضرت ابومجلزؒ "روایت نمبر ۳۳" حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہم کے آثار "الجوہر النقی" اور مصنف ابن ابی شیبہؒ وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، یہ تمام آثار حنفیہؒ کی تائید کرتے ہیں بطور مثال عن ابی ھریرۃؓ قال "وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" وعن انسؓ قال ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الید الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" ملخصاً من الجوہر النقی علی السنن الکبریٰ للبیہقی رج ۲ ص ۳۱ و ۳۲) باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ

حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سالتہ قال قلت کیف یصنع قال یضع باطن کف یمینہ علی ظاہر کف شمالہ و یجعلھا اسفل من السرۃ" وعن ابراھیمؒ قال "یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" (مصنف ابن ابی شیبہؒ رج ۱ ص ۳۹۰ و ۳۹۱) وضع الیمین علی الشمال ۲)

شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ روایات کے تعارض کے وقت ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا تو وہ حنفیہؒ کی تائید کرتا ہے، کیونکہ ناف پر ہاتھ باندھنا تعظیم کے زیادہ لائق ہے، البتہ عورتوں کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنے کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ اس میں ستر زیادہ ہے، واللہ اعلم،

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں بارگاہِ خداوندی میں حضوری ہوتی ہے اور جتنی بڑی بارگاہ ہوتی ہے اس کا ویسا ہی ادب ہونا چاہیئے اور غایۂ ادب یہ ہے کہ منتہاء نظر پہ ہاتھ باندھے ہوں یہ نہیں کہ سینہ پہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جائیں جیسے کہ بادشاہوں اور بزرگوں کے یہاں قاعدہ ہے کہ خدام بالکل نیچے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں سے

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

شوافع حضرات کہتے ہیں کہ عالی بارگاہ میں حاضری ہے جتنی بڑی بارگاہ ہوتی ہے اتنا ہی بڑا نذرانہ ہونا چاہیئے اور دل سے بڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کے لائق کوئی چیز نہیں ہو سکتی ناس لیے کہ دہی محل ایمان ہے محل انوار ہے جب کوئی کسی سے محبت کرتا اور جان نثار کرتا ہے تو زبان سے کچھ نہیں کہتا ہاتھ دل پر رکھ کر اس طرف اشارہ کرتا ہے سے

حاولن تفدیتی وخفن مراقبا فوضعن ایدیھن فوق ترائبا

(تقریر بخاری ج ۳ ص ۱۱۹)

بَابُ مَا يُقْرَأُ بَعْدَ تَكْبِيْرَةِ الْإِحْرَامِ

۳۳۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً قَالَ اَحْسِبُهُ قَالَ هُنَيَّةً فَقُلْتُ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ۔

باب: تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے۔ ۳۳۳۔ حضرت ابی ہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءۃ اور تکبیر کے درمیان خاموشی اختیار فرماتے (راوی نے کہا) میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا تھوڑی دیر "خاموش فرماتے" (ابوہریرہؓ نے کہا) میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ تکبیر اور قراءۃ کے درمیان خاموشی کے دوران کیا پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا میں کہتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ	(اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس
كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ	طرح دوری فرمادیں جس طرح آپ نے مشرق ومغرب
الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ	کے درمیان دوری فرمائی ہے، اے اللہ! مجھے
الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ	خطاؤں سے ایسے صاف ستھرا فرمادیں جیسے سفید
الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ	کپڑا میل سے صاف ستھرا کیا جاتا ہے اے اللہ میری
خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔	خطاؤں کو پانی، برف اور اولوں سے دھوڈالیں۔

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ جماعت محدثین نے نقل کی ہے۔

(۳۳۳ تا ۳۳۸) تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے شروع میں دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے ذیل کے باب کی تمام احادیث اس کا مستدل ہیں تاہم اس میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور سورۃ الفاتحہ کے درمیان کوئی ذکر نہ تو واجب ہے اور نہ مسنون اور نہ اس کے پڑھنے کا کوئی فائدہ ہے بلکہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے ابتداء براہ راست

۴۳۴- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

۴۳۴- حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پڑھتے۔

"وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا اِلٰهَ اِلَّا

میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف یکسو ہو کر پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز قربانی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ان کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے

سورۃ الفاتحہ سے ہوتی ہے وہ ترمذی رح ، باب افتتاح القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین میں حضرت انسؓ کی اس روایت سے تمسک کرتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین۔

(۲) جمہور کے نزدیک تکبیر اور فاتحہ کے درمیان کوئی نہ کوئی ذکر مسنون ہے امام شافعیؒ تو ثنا اور توجیہ (انی وجھت وجھی الخ) کو واجب قرار دیتے ہیں جمہور، امام مالکؒ کے استدلال سے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں افتتاح سے مراد افتتاح قراءت جہریہ ہے لہٰذا قراءت سریہ اس کے منافی نہیں۔

ثنا یا توجیہ، بیان مذاہب اور وجوہ ترجیح

پھر اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر اور فاتحہ کے درمیان کونسا ذکر افضل ہے؟ اور اسے کہاں پڑھنا چاہیے۔

(۱) شوافعؒ توجیہ سمیت تمام اذکار سب یا بعض کو فرائض اور نوافل میں پڑھنا مستحب قرار دیتے ہیں اور توجیہ کو افضل قرار دیتے ہیں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ امام مالکؒ (فی روایۃ) اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صرف ثنا سبحانک اللھم الخ

أنت ربي وأنا عبدك ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفر لي ذنوبي جميعا إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت واهدني لأحسن الأخلاق لا يهدي لأحسنها إلا أنت واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها إلا أنت لبيك وسعديك والخير كله في يديك والشر ليس إليك أنا بك وإليك تباركت وتعاليت أستغفرك وأتوب إليك وإذا ركع قال إلى آخر الحديث۔ رواه مسلم في صلاة الليل۔

أنت، أنت ربي وأنا عبدك ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفر لي ذنوبي جميعا إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت واهدني لأحسن الأخلاق لا يهدي لأحسنها إلا أنت واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها إلا أنت لبيك وسعديك والخير كله في يديك والشر ليس إليك، أنا بك وإليك تباركت وتعاليت أستغفرك وأتوب إليك۔

اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اے اللہ! آپ بادشاہ ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ میرے پروردگار ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، پس آپ مجھے میرے تمام گناہ معاف فرمادیں، کیونکہ آپ کے بغیر کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا اور عمدہ اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرمائیں، اچھے اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا، اور آپ کے سوا مجھ سے برے اخلاق کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ میں آپ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوں اور تمام بھلائی آپ کے قبضہ میں ہے اور برائی آپ کی طرف نہیں آ سکتی میں آپ کے ساتھ اور آپ کی طرف پناہ پکڑتا ہوں آپ بابرکت اور بلند ہیں میں آپ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور جب رکوع فرماتے تو آخر تک حدیث بیان کی۔
یہ حدیث مسلم نے باب الصلاۃ اللیل میں نقل کی ہے۔

پڑھنا افضل ہے اس کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں وہ سب نوافل پر محمول ہیں۔
(۲) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ثنا اور توجیہ دونوں دعاؤں کو پڑھنا چاہیئے امام طحاویؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دونوں دعاؤں کی ترتیب میں نمازی کو اختیار ہے جو نسی پہلے پڑھے تاہم بہتر ہے کہ توجیہ پہلے

۲۳۵۔ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ اللهُ أَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۲۳۵۔ محمد بن سلمہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے۔
"اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ"
پھر قراءۃ فرماتے۔
یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

پڑھے اور ثنا بعد میں

(۲۳۴) امام شافعیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی اس دعا اللھم باعد الخ کو اختیار کیا ہے جو صحیح بخاری باب یقرأ ج ۱ صـ۱۰۳ میں آئی ہے قوت اسناد کے لحاظ سے یہی روایت اولیٰ ہے مگر جب تعامل پر نظر کی جائے تو حنفیہؒ کے اختیار کردہ ثنا کی روایات (۲۳۶ تا ۲۳۸) اعلیٰ ہیں کہ وہ تعامل پر مبنی ہیں۔ تعامل کی توضیح آگے بیان کی جا رہی ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح

اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد یہاں اشکال یہ ہے کہ جب کپڑا میلا ہو جاتا ہے تو وہ گرم پانی سے صاف ہوتا ہے اور یہاں حضورؐ ثلج اور برد سے دھونے کی دعا فرما رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا مادی میل کے ازالہ کے لیے نہیں بلکہ غیر مادی میل کے ازالہ کے لیے ہے جو سبب ہے جہنم کا۔
لہذا جس قسم کا دنس ہے اسی قسم کا پانی بھی اس کے لیے چاہیے۔

۳۴۶ - وَعَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِيْ كِتَابِهِ الْمُفْرَدِ فِي الدُّعَاءِ وَاِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

۳۴۶۔ حمید الطویلؒ سے روایت ہے حضرت انس بن مالکؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو پڑھتے ۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

(اے اللہ! آپ پاک ہیں، ہم آپ کی تعریف بیان کرتے ہیں، آپ کا نام بابرکت ہے، آپ کی بزرگی بلند ہے، اور آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔)

یہ حدیث طبرانی نے اپنی کتاب "المفرد" (باب) دعا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد جیّد ہے ۔

اول المسلمین کی بحث

(۳۴۳) وانا من المسلمین بعض روایات میں وانا اول المسلمین بھی آیا ہے جس کی تشریح میں علماء لکھتے ہیں کہ اول المسلمین ہونے کی خصوصیت صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلا اسلام آپؐ کا ہے کیونکہ پیغمبر اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے چونکہ قرآن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اسی طرح کہیں اس لیے آپؐ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہ بات کہ وہ انا اول المسلمین کہے درست نہیں ہے اس لیے کہ اس روایت میں بھی وانا من المسلمین مذکور ہے اول المسلمین کہنے میں ایک قسم کا جھوٹ ہوگا چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اس مسئلہ میں صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آیت قرآنی کی تلاوت کی نیت سے پڑھے نہ کہ اپنی حالت کی خبر دینے کی نیت سے ادا کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی مسئلہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جملہ کو "خبر" قرار نہ دے بلکہ اس کا مقصد تجدید ایمان و اسلام کی انشا اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ امراء و سلاطین کے فرمانبردار لوگ کسی حکم کے صادر ہونے کے وقت کہتے ہیں کہ جو بھی حکم ہو اس کی اطاعت پہلے جو کرے گا وہ میں ہوں گا گویا اس طرح اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار مقصود ہے۔ (مظاہر حق)

۲۲۷- وَعَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوۃَ قَالَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیُّ وَالطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۲۲۷- اسود سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔
"سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ"
یہ حدیث دارقطنی اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۲۲۵) اس روایت میں وانا اول المسلمین کے اصل الفاظ منقول ہیں توجیہ عرض کر دی گئی ہے۔

حنفیہؒ کے دلائل اور وجوہ ترجیح

(۲۲۶ تا ۲۲۸) تینوں روایات حنفیہ کا مستدل ہیں۔
۱۔ پہلی روایت حمید الطویل کی وساطت سے حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استفتاح صلوٰۃ میں ثنا کہا کرتے تھے اس روایت کو دارقطنیؒ نے سنن میں اور طبرانیؒ نے معجم اوسط میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے (سنن اربعہ اور مسند احمد میں) حضرت عائشہؓ سے (ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ دارقطنی اور مستدرک حاکم میں) بھی اسی مضمون کی روایات آتی ہیں صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے متعلق مروی ہے انہ کان یجھر بھؤلاء الکلمات یقول سبحانک اللھم وبحمدک علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی ج ۱ ص۲۲ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ورواتہ کلھم ثقات اسی باب کی آئندہ کی دونوں روایات ۲۲۷ و ۲۲۸ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل منقول ہے کہ یہ حضرات بھی ثنا سے افتتاح صلوٰۃ کیا کرتے تھے سعید بن منصورؒ نے سنن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی یہی عمل نقل کیا ہے لہذا ان حضرات کا ثنا سے آغاز صلوٰۃ اور حضرت عمرؓ کا اس کو بقصد تعلیم جہر سے پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اور اکثری فعل یہی تھا لہذا اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

ایک اصولی بحث

اگرچہ بعض دیگر اذکار از روئے اسناد اس سے بھی قوی تر ہیں اس واسطے کہ کبھی اسناد مرفوع پر غیر مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے جب کہ اس کے ساتھ ایسے

۴۳۸۔ وَعَنْ اَبِی وَائِلٍ قَالَ کَانَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اِذَا فْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ یَقُوْلُ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰـہَ غَیْرُکَ۔ یُسْمِعُنَا ذٰلِکَ۔ رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۴۳۸۔ ابووائل نے کہا، حضرت عثمانؓ جب نماز شروع کرتے تو کہتے۔
"سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰـہَ غَیْرُکَ"
ہمیں یہ سناتے۔ یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

قرائن یوں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استمراری فعل ہونا ثابت ہو محدث شہیر علامہ توربشتی حنفیؒ نے لکھا ہے کہ ثناء والی حدیث استفتاح حدیث حسن مشہور ہے جس پر خلفاء راشدین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ فقہاء صحابہ کرام نے اختیار کیا ہے اور علماء تابعینؒ نے بھی پھر اسی کو امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے جلیل القدر علماء و محدثین مثل سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ اور اسحق بن راہویہؒ نے معمول بنایا اس کے علاوہ دوسری وجوہ روایت بھی ہیں مثلاً ابوداؤد وغیرہ کی حدیث ۔۔۔۔۔۔
لہذا تعامل پر نظر کرتے ہوئے ثنا کی احادیث اولیٰ ہیں امام احمدؒ نے بھی ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جس دعا کو حضرت عمرؓ نے اختیار کیا تھا اس کو ہم بھی اختیار کرتے ہیں پھر مشہور تو یہ ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں دعاء استفتاح نہیں ہے مگر ابوبکر ابن العربیؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ خود پڑھتے تھے اور دوسروں کو حکم نہیں کرتے تھے گویا اس کو امر مستحب خیال کرتے تھے۔

قرآنی آیات سے استدلال حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اپنے مسلک پر قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے جو سورۂ انعام میں آئی ہے اور اس میں ھذا اکبر کے فوراً بعد انی وجھت الخ مذکور ہے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے سورۂ طور کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔
وسبح بحمد ربک حین تقوم الخ۔

بَابُ التَّعَوُّذِ وَقِرَاءَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَتَرْكُ الْجَهْرِ بِهِمَا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

۳۳۹ - عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَتَعَوَّذُ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب۔ تعوّذ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا اور انہیں بلند آواز سے نہ پڑھنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم قرآن پاک پڑھو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو۔

۳۳۹۔ اسود بن یزید نے کہا میں نے عمر بن الخطابؓ کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

اس کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھتے۔

یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ضروری ابحاث (۳۳۹ تا ۳۴۶) (۱) پہلی بحث تو یہ ہے کہ بسملہ قرآن کی سورتوں بالخصوص سورۂ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں (۲) بسملہ نماز میں پڑھی جائے یا نہیں (۳) بسملہ اگر نماز میں پڑھی جائے تو جہراً پڑھی جائے یا سراً یہی مسئلہ اس باب میں مقصود بالذات ہے اور اسی پر اس باب میں اہمیت کے ساتھ بحث کی جائے گی اور آخر میں تعوذ کا مسئلہ بھی بیان کیا جائے گا۔

بسملہ کے جہر و اخفاء میں اختلاف ائمہ کی حیثیت اس سلسلہ میں تمہیدی گذارش یہ بھی ہے کہ بسملہ کی جہر اور سر کا مسئلہ ایک زمانہ میں معرکۃ الآراء رہا ہے دونوں طرف سے زبانی اور قلمی معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں حنفیہؒ میں اس موضوع پر سب سے مفصل کلام امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں کیا ہے جو تقریباً ساٹھ صفحوں پر مشتمل ہے شوافع میں خطیب بغدادیؒ اور امام دارقطنیؒ پیش پیش رہے ہیں مگر اس تمام تر نزاع معرکہ آرائی اور مفصل مباحث و رسائل کے باوجود بسملہ کے جہر و اخفاء کے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے محض افضل اور مفضول کا اختلاف ہے۔

۳۴۰- وَعَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانُوْا یُسِرُّوْنَ التَّعَوُّذَ وَالْبَسْمَلَۃَ فِی الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ سَعِیْدُ ابْنُ مَنْصُوْرٍ فِیْ سُنَنِہٖ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۳۴۰- ابووائل نے کہا کہ وہ (صحابہ کرامؓ) نماز میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ آہستہ پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بسملہ جزوِ فاتحہ ہے یا نہیں

(۱) امام مالکؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ بغیر سورۂ نمل کے کسی بھی سورۃ کی جزو نہیں امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بسملہ ہر سورت کی اور خصوصاً سورۃ فاتحہ کی جزو ہے۔

امام احمدؒ سے بھی ایک روایت امام شافعیؒ کی طرح منقول ہے۔

دلائل اور مسلک راجح کے وجوہ ترجیح

حنفیہؒ کا دعویٰ ہے کہ کوئی صحیح اور صریح روایت ایسی موجود نہیں جس میں یہ ثابت ہو کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ فاتحہ کا جزو ہے۔

(۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔ والحق انہا من القرآن انزلت للفصل ...... والدلیل علی انہا لیست من الفاتحۃ۔ مارواہ الشیخان عن انسؓ قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخلف ابی بکرؓ وخلف عمرؓ فلم یجہر احد منہم ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وماسنذکرہ من حدیث ابی ھریرۃؓ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین (الحدیث)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردی ہے وہ جب الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حمدنی عبدی حدیث میں آخر تک ایک ایک جملہ کا تقابل بیان کیا ہے کہ بندہ یہ کہتا ہے اور رب تعالیٰ یہ کہتے ہیں (آثار السنن میں یہ حدیث ۳۵۲ نمبر میں درج ہے یہ روایت بخاری کے علاوہ تمام صحاح ستہ میں مذکور ہے مسلم ج ۱ ص۱۷۰ مسند احمد ج ۲ ص۲۸۵ اور ابوعوانہ ج ۲ ص۱۲۲ میں مذکور ہے) اگر بسملہ سورۃ فاتحہ کی جزو ہوتی تو سورۃ فاتحہ الحمد للہ سے شروع نہ ہوتی بلکہ بسم اللہ سے شروع ہوتی۔

(۲) اور ایک دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے عن انسؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۳۴۱- وَعَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ آمِيْنَ فَقَالَ النَّاسُ آمِيْنَ وَيَقُوْلُ كُلَّمَا سَجَدَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوْسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَإِذَا سَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَشْبَهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُوْدِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۳۴۱- نعیم المجمر نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی، تو انہوں نے پڑھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں۔)

پھر انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی، یہاں تک کہ جب "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ" پہ پہنچے تو آمین کہی، لوگوں نے بھی آمین کہی جب سجدہ کرتے تو "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہتے اور جب دو رکعتوں میں بیٹھ کر کھڑے ہوئے "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہا اور جب سلام پھیرا تو کہا، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہی تم سب سے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ ہوں۔

یہ حدیث نسائی، طحاوی، ابن خزیمہ، ابن الجارود، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ یفتتحون القراءۃ بالحمد للّٰہ رب العالمین قال الترمذی حدیث حسن صحیح (ترمذی ج ۱ صـ۳۳)

شوافعؒ کے دلائل اور حنفیہؒ کے جوابات

(۱) شوافع حضرات حضرت ابوہریرہؓ کی اس مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

واذا قرأتم الحمد للّٰہ فاقرء و بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فانها من القرآن۔

(دار قطنی ج ۱ صـ۱۱)

حنفیہؒ حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت کے آخر میں امام دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ موقوف ہے مرفوع نہیں تو مرفوع اور صحیح روایات کے مقابلہ میں اسے کیسے مان لیا جائے۔

۴۴۳۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ وَزَادَ مُسْلِمٌ لَایَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ قِرَاءَۃٍ وَلَا فِیْ اٰخِرِھَا۔

۴۴۳۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرماتے تھے۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے اور مسلم نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں اور یہ حضرات قراءۃ کے شروع اور آخر میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ذکر نہیں فرماتے تھے۔

---

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انا اعطینا لک الکوثر اس سے معلوم ہوا کہ بسملہ سورۃ کوثر کی جزء ہے (مسلم ج ۱ صـ۱۷۲)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور ؐ نے بسملہ بطور تبرک کے پڑھی اس کا تو ہم بھی انکار نہیں کرتے مگر اس سے جزئیت ثابت نہیں ہوتی (فتح الملہم ج ۲ صـ۲۹) ایک اور قرینہ ہے جسے قاضی شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین اول مرتبہ جو وحی لائے تو وہ اقرأ باسم ربک الخ سے شروع ہوئی بسم اللہ سے نہیں اگر بسم اللہ جزو ہوتی تو اس کا ضرور ذکر ہوتا (نیل الاوطار ج ۲ صـ۲۰) علاوہ ازیں اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ بسم اللہ سورۃ کوثر کا جزو ہے تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ فاتحہ کا بھی جزو ہے۔

(۳) حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کان یقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین (دار قطنی ج ۱ صـ۳۱۱) اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں بسملہ بطور تبرک کے ہے دوسرا یہ کہ اس کی سند میں ہارون راوی ہے جسے ابن معین لیس بشئی، ابن مبارک کاذب، نسائی متروک الحدیث امام ابوداؤدؒ غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کوئی صحیح اور صریح روایت اس پر موجود نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جزو ہے۔

قراءتِ بسملہ سراً یا جہراً بیان مذاہب

(۱) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تسمیہ سرے سے مشروع ہی نہیں ہے لا یقرأ ذلک احد لا سرًا ولا علانیۃ لا امام ولا غیرہ

۴۴۳۔ وَعَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ وَعُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَاُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۴۳۔ حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ نماز پڑھی، میں نے ان میں سے کسی ایک سے بھی نہیں سنا جو بسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے ہوں۔"
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

امام (مدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۴)

(۲) امام شافعیؒ قراءت تسمیہ کو مسنون قرار دیتے ہیں مگر وہ اس میں تفصیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ پڑھی جائے گی اور جو سری نمازیں ان میں سراً پڑھا جائے گا۔

(۳) ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ بسملہ پڑھنا مسنون ہے البتہ اس کا ہر حال میں سراً پڑھنا افضل ہے خواہ نمازیں جہری ہوں یا سری بعض محققین شوافع کا بھی یہی مسلک ہے امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ بھی اس مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں مصنفؒ نے تینوں مذاہب کے دلائل ذکر کیے ہیں۔

امام مالکؒ کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

(۱) اسی باب کی روایت ۴۴۵ جو عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے امام ترمذیؒ نے اپنی سنن ج ۱ ص ۵۷ میں اس کی تخریج کی ہے ابن مغفل فرماتے ہیں کہ جب میرے والد نے مجھے نماز میں بسملہ جہراً پڑھتے ہوئے سنا تو اسے بدعت قرار دیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں فلم اسمع احدا منهم فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العالمين۔

(۲) اسی باب میں حضرت انسؓ سے تین روایات ۴۴۲ تا ۴۴۴ مروی ہیں سب کا مضمون ایک ہی نوعیت کا ہے۔ كانوا يفتتحون بالحمد لله رب العالمين۔

حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان روایات سے استدلال ناکافی ہے کیونکہ صحیح اور صریح روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے بسملہ پڑھی ہے جیسا کہ اسی باب میں مذکور ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان روایات کو کیسے اور کہاں ترک کریں۔

۴۴۳- وَعَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۴۴۳- حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہیں نے ان میں سے کسی ایک سے بھی نہیں سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے پڑھتے ہوں۔

یہ حدیث نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۱) روایات بالجہر منسوخ ہیں علامہ الحازمیؒ اور امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ روی الطبرانی باسناد صحیح عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر بھا اذا کان بمکۃ وانہ لما ھاجر الی المدینۃ ترک الجھر بھا حتی مات (کتاب الاعتبار للحازمیؒ ومنہ وتنوع العبادات لابن تیمیہ صـ۲۷ واللفظ لہ)

اس روایت سے پتہ چلا کہ روایات جہر منسوخ ہیں۔

لہٰذا موالکؒ کی مستدل روایات میں مطلق تسمیہ کی نفی نہیں بلکہ جہر بالتسمیہ کی نفی ہے جیسا کہ ابن مغفل کی روایت کے الفاظ سمعنی ای سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیہ جہر سے پڑھا ہوگا۔ تو انہوں نے جہر بالتسمیہ پر نکیر فرمائی حدیث میں فلا تقلھا بمعنی فلا تجھر بھا کے ہے جیسا کہ اسی روایت کے بعض طرق میں فلا تقلھا کے بجائے فلا تجھر بھا کے الفاظ منقول ہیں۔

شوافع کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

(۱) امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل اسی باب کی روایت (۴۴۲) ہے جسے امام طحاویؒ اور نسائیؒ ج ا صـ۱۴۴ میں نقل کیا ہے نعیم المجمر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بسملہ کی قراءت کی پھر فاتحہ کی الخ اور آخر پر فرمایا۔ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حافظ زیلعیؒ نصب الرایہ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (۱) یہ روایت شاذ اور معلول ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کے ۸۰۰ شاگرد تھے مابین صاحب وتابع ان میں سے کسی نے واقعہ بیان کیا ہے لیکن سوائے نعیم المجمر کے کوئی بھی قراءۃ تسمیہ کا یہ جملہ نقل نہیں کرتا۔

۳۴۵۔ وَعَنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ سَمِعَنِیْ اَبِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوةِ اَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَقَالَ لِیْ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ اِیَّاكَ وَالْحَدَثَ قَالَ وَلَمْ اَرَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَبْغَضَ اِلَیْهِ الْحَدَثُ فِی الْاِسْلَامِ یَعْنِیْ مِنْهُ وَقَالَ قَدْ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَعَ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ یَقُوْلُهَا فَلَا تَقُلْهَا اِذَا اَنْتَ صَلَّیْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَحَسَّنَهُ۔

۳۴۵۔ ابن عبداللہ بن المغفل نے کہا، مجھے میرے والد نے سنا میں نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ رہا تھا تو انہوں نے مجھے کہا "اے میرے بیٹے! یہ (دین میں) نئی بات ہے اور تم نئی بات سے بچو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں کسی کو نہیں دیکھا کہ جس کے نزدیک اسلام میں نئی چیز پیدا کرنے سے زیادہ کوئی چیز بری ہو۔ اور (میرے والد نے) کہا "تحقیق میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے ہمراہ نماز پڑھی ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی نہیں سنا جو یہ (اونچی آواز سے) پڑھتا ہو تو تم بھی یہ (اونچی آواز سے) نہ پڑھو جب تم نماز پڑھو تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہو۔"

یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

(ب) اور اگر بالفرض اس کا اعتبار کر بھی لیا جائے تب بھی یہ روایت شوافع کے مسلک پر صریح نہیں کیونکہ قراءت کے لفظ سے بسم اللہ کی نفس قراءت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اس کا جہر، اس لیے کہ قراءت کے لفظ میں قراءت بالسر کا بھی احتمال ہے لہٰذا اس روایت سے شافعیہ کا استدلال تام نہیں۔

(۲) مذکورہ نعیم المجمر کی روایت شوافع کا قوی مستدل ہے مگر خطیب بغدادیؒ اور امام دارقطنیؒ نے شوافعؒ کی تائید میں متعدد روایات جمع کی ہیں اور تفصیل سے لکھا ہے مگر نصب الرایہ میں امام زیلعیؒ نے ان سب کا تفصیلی جواب دیا ہے اور ان کی تضعیف کی ہے۔ ایک علمی لطیفہ یہ بھی نقل ہوتا چلا آیا ہے جسے حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ ج ۱ ص۳۵۹ میں نقل کیا ہے امام دارقطنیؒ نے جہر بسملہ کی روایات جمع کیں اور اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا تو بعض مالکیان کے پاس آئے اور قسم دے کر ان سے پوچھا کہ اس میں صحیح احادیث بھی ہیں یا نہیں؟ تو امام دارقطنیؒ نے جواب میں فرمایا کل ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہر فلیس

۳۴۶ - وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ ذٰلِكَ فِعْلُ الْأَعْرَابِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۳۴۶ - عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اونچی پڑھنے کے بارہ میں بیان کیا کہ انہوں نے کہا "یہ دیہاتیوں نے شروع کیا ہے۔"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

بصحیح وما عن الصحابۃ فمنہ صحیح وضعیف بہرحال یہ شوافع کے مستدلات کی کمزوری ہے جس کا اعتراف خود امام دارقطنیؒ کر رہے ہیں۔

حنفیہ کے دلائل

(۱) اسی باب کی روایات (۳۴۳ اور ۳۴۴) حضرت انسؓ سے منقول ہیں پہلی روایت مسلم ج ۱ ص۱۷۲ کی ہے جبکہ دوسری روایت نسائی ج ۱ ص۱۴۴ سے منقول ہے دونوں کا ایک مضمون ہے اور ایک دوسرے کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور نسائی کی روایت میں بجائے یقرأ کے یجھر کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ صحیح مسلم کی روایت میں قراءت کی نفی سے جہر کی نفی مراد ہے۔

(۲) اسی باب میں حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت (۳۴۱) بھی حنفیہ کا مستدل ہے اس روایت میں لا تقلھا یعنی لا تجھر بھا ہے نسائی ج ۱ ص۱۴۴ میں حضرت انسؓ کی ایک اور روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یسمعنا قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی بنا ابوبکر وعمر فلم نسمعھا منھما اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کا منشا جہر تسمیہ کی نفی کرنا ہے نہ کہ نفس قراءت کی۔ شوافعؒ نے عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ مجہول ہے۔ لہذا یہ روایت ساقط الاعتبار ہے اس کے جواب میں شارحین حدیث فرماتے ہیں۔ کہ ان کا نام یزید ہے اور ان سے تین راوی روایت کرتے ہیں اور قاعدہ کے مطابق جس شخص سے روایت کرنے والے دو ہوں اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے اور یہاں تو ان سے روایت کرنے والے دو سے زائد ہیں یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس روایت پر حدیث عبداللہ بن مغفل حدیث حسن کا حکم لگایا ہے۔

(۳) حضرت عکرمہ کی ابن عباسؓ سے روایت (۲۴۶) ہے جسے مصنفؒ نے باب کے آخر میں درج کیا ہے ابن عباسؓ جہری بسملہ پڑھنے کو دیہاتیوں کا فعل قرار دیتے ہیں۔

(۴) حضرت ابووائل روایت ہے قال کان عمرؓ و علیؓ لا یجھران بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۰)

(۵) اسی باب کی روایت ۲۴۹ بھی حضرت ابووائل سے منقول ہے جس میں جمہور صحابہؓ کا عمل نقل کیا گیا ہے کہ وہ تسمیہ اور تعوذ آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

تعوذ کا مسئلہ آغاز باب کی پہلی روایت سے تعوذ کا پڑھنا ثابت ہے جو قرات کا تابع ہے ثنا کا نہیں لہذا مسبوق اس کو پڑھے لیکن مقتدی کے لیے پڑھنا درست نہیں ہے (ہدایہ)

ثنا پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھے امام ہو یا منفرد، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نہ اعوذ باللہ پڑھے نہ بسم اللہ، کیونکہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یہ سب حضرات نماز کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے ہماری دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ثنا پڑھتے پھر اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھتے۔ حضرت عطاؒ اور سفیان ثوریؒ قرات قرآن کے وقت اس کے وجوب کے قائل ہیں قرات نماز میں ہو یا خارج نماز میں بظاہر امر الوارد بقولہ تعالیٰ " فاذا قرأت القرآن " الخ، لیکن جمہور کے نزدیک امر برائے وجوب نہیں کیونکہ صاحب شرع سے ترک ثابت ہے بلکہ قرات شروع کرتے وقت تعوذ سنت ہے قرات نماز میں ہو یا خارج نماز کیونکہ روایات میں اس کا ثبوت موجود ہے (ابوداؤد، بیہقی عن عائشہؓ، ابن ابی شیبہ، بیہقی عن جبیر بن مطعمؓ ابوداؤد، بیہقی، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد عن ابی سعیدؓ، ابن خزیمہ، ابن ماجہ، حاکم عن ابن مسعودؓ)۔

قولہ والاولی الخ الفاظ تعوذ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کے لیے کونسا لفظ مختار ہے، شمس الائمہ حلوانیؒ فرماتے ہیں لیس علا ستعاذۃ حد ینتھی الیہ من شاء زاد ومن شاء نقص، ائمہ قرات میں سے حمزہ نے اور فقہاء میں سے ابوجعفر ہندوانیؒ نے استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم کو اختیار کیا ہے (اور حمزہ سے نستعیذ اور استعذتُ بھی منقول ہے، ابن سیرینؒ کا قول بھی یہی ہے، صاحب ہدایہؒ نے اسی کو اولیٰ کہا ہے تاکہ قرآن کے موافق ہو جائے) لیکن استعاذہ کا معلوم و معروف طریقہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے اور اس کو ائمہ قرات میں سے ابوعمروؒ، عاصم اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی کو ہمارے اصحاب اور اکثر اہل علم نے لیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہی افضل ہے کیونکہ اکثر اخبار و آثار میں یہی وارد ہے، یہی مذہب مختار اور اسی پر فتویٰ ہے (نہایہ) حفص نے بطریق ہبیرہ اعوذ باللہ العظیم السمیع العلیم زیادہ کیا ہے،

بَابٌ فِیْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ

۲۴۷ - عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ -

---

باب - سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارہ میں - ۲۴۷ - حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی ۔
یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے ۔

اور اسی کو امام محمدؒ نے لے کر آخر میں "ان اللہ ھو السمیع العلیم" پڑھایا ہے، اور نافع، ابن عامر اور کسائی نے قول اول میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پر ان اللہ ھو السمیع العلیم کا اضافہ کیا ہے، اور یہی سفیان ثوریؒ کا قول ہے ۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استعاذہ تابع ثناء ہے اور طرفین کے نزدیک تابع قرأت اور یہی مختار ہے، اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک مقتدی اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا کیونکہ وہ قرأت نہیں کرتا اور امام ابو یوسف کے نزدیک پڑھے گا کیونکہ ثناء وہ بھی پڑھتا ہے ۔

فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے یا نہیں (۲۴۷ تا ۲۵۱) اس باب میں نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی حیثیت کے تعین کا بیان کیا گیا ہے بعض حضرات اس کی بھی رکنیت کے قائل ہیں اور بعض عدم رکنیت کے یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں بعض اس کی فرضیت کے قائل ہیں اور بعض وجوب کے

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں فرضیت کے نہیں۔ وہ مطلق قرأت کو فرض قرار دیتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۴)

حنفیہ کے نزدیک سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں کا حکم ایک ہے یعنی دونوں واجب ہیں حتی کہ ان میں سے کسی ایک کے ترک سے فرض تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن نماز واجب الاعادہ رہتی ہے ۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اس کی رکنیت یعنی فرضیت کے قائل ہیں عدم ترک صلوٰۃ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وہ ضم سورت کو مسنون یا مستحب قرار دیتے ہیں۔

(۳) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ الفاتحۃ لا تتعین بلکہ قرآن کا جونسا حصہ بھی پڑھا جائے تو تجزی۔

۴۴۸- وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهِیَ خِدَاجٌ يَقُوْلُهَا ثَلٰثًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۴۸- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے نماز پڑھی، اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، تو یہ نماز ناقص ہے" یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

دلائل وتوضیح اور مسلک راجح کی ترجیح

(۴۴۷) ائمہ ثلاثہ عبادہ ابن الصامتؓ کی اس روایت سے قراءۃ فاتحہ کی رکنیت اور فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اس روایت کو ترمذی ج ۱ ص۵۷ میں نقل کیا گیا ہے جس میں صراحتہً آگیا ہے کہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ علماء احناف نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) یہ لا نفی کمال کے لیے ہے مگر محققین شارحین حدیث اس توجیہ کو پسند نہیں کرتے شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لا کو نفی کمال کے لیے لیا جائے تو " لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد (دار قطنی) کی رو سے فاتحہ کو واجب قرار دینا بھی مشکل ہو جائے گا۔

جیسا کہ دار قطنی کی اس روایت میں لا نفی کمال کے لیے ہے لیکن مسجد میں نماز ادا کرنا واجب صلوٰۃ نہیں لہٰذا اگر جار المسجد گھر میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ فاتحہ کے چھوڑنے والے کی نماز بھی واجب الاعادہ نہ ہو حالانکہ احناف اس کو واجب الاعادہ قرار دیتے ہیں

(۲) یہ لا نفی کمال کے لیے نہیں نفی ذات کے لیے ہے مقصد یہ ہے کہ عدم قراءت کی صورت میں نماز بالکل فاسد ہو جاتی ہے یہاں قراءت سے مراد صرف فاتحہ نہیں بلکہ مطلق قراءت ہے اس توجیہ کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ یہی روایت مسلم ج ۱ ص۱۶۹ اور نسائی ج ۱ ص۱۴۵ میں فاتحہ کے بعد "فصاعداً" کے الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہے بعض روایات میں فما زاد بعض میں وما تیسّر اور بعض میں سورۃ اور بعض میں معھا شئ کے الفاظ آئے ہیں جس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص "فاتحہ" اور "ما زاد" یا "فصاعداً" نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی لہٰذا جب قراءت بالکل منتفی ہوگی تو عدم صلوٰۃ کا حکم لگے گا۔ اس حدیث میں مذکورہ اضافی الفاظ کے پیش نظر ائمہ ثلاثہ کو چاہیئے کہ فاتحہ کے ساتھ ساتھ فصاعداً یا وما زاد کی رکنیت کے بھی قائل ہوں تو جو جواب وہ

۳۴۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۵۰۔ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُمِرْنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْيَعْلٰى وَابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۴۹۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "جس نے نماز پڑھی، اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو یہ نماز ناقص ہے"۔
یہ حدیث احمد، ابن ماجہ اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۳۵۰۔ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو قرآن میں سے آسان ہو پڑھیں"۔
یہ حدیث ابو داؤد، احمد، ابو یعلی اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

وما زاد وغیرہ کی عدم رکنیت کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے فاتحہ کی عدم رکنیت کا ہوگا فما هو جوابهم فهو جوابنا۔

(۲) اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فصاعدًا یا فما زاد وغیرہ کی زیادۃ کا ثبوت نہیں ہے تب بھی حدیث میں فاتحہ پر ب کا دخول اس بات کی دلیل ہے کہ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھوانا مقصود ہے کیونکہ افعال ب کے واسطہ کے بغیر متعدی ہوں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ مفعول بہ کل مفعول ہے اس کے ساتھ مفعولیت میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور جب بواسطہ ب کے متعدی ہو تو مراد یہ ہوتی ہے کہ مفعول بہ بعض مفعول ہے اور مفعولیت میں کوئی اور بھی اس کے ساتھ شریک ہے مثلاً بخاری میں ہے فقرأ علیهم سورة الرحمٰن ترجمہ: ان قرأ بغیر ب کے متعدی ہے مراد یہ ہے کہ سورۃ رحمٰن پڑھی اس کے ساتھ کچھ اور نہیں پڑھا اور احادیث میں قرأ کی ب کے ساتھ تعدیۃ بھی آیا ہے مثلاً یقرأ بالطور قرأ فی المغرب بالطور اور کان یقرأ فی الفجر بق والقرآن المجید وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں مراد ظاہر ہے کہ سورہ طور اور سورۃ ق تنہا نہیں پڑھیں بلکہ ان کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا لہٰذا حدیث زیر بحث میں ب کے دخول کے بعد مراد یہ ہوگی کہ مفعول، کل مقروء نہیں ہے بلکہ جزو مقروء ہے اور اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ نماز میں صرف فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا جائے گا یعنی ضم سورۃ کرنا ہوگا۔

٣٥١ - وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى قَرِيبًا مِنْهُ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ أَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي كَيْفَ أَصْنَعُ قَالَ إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ

٣٥١- حضرت رفاعہ بن رافع الزرقیؓ اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ہیں نے کہا، ایک شخص آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اس نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا "نماز دوبارہ پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! مجھے بتائیے کریں کیسے کروں، آپ نے فرمایا۔ "جب تم قبلہ کی طرف منہ کرو تو تکبیر کہو، پھر سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر قرآن میں سے جو چاہو پڑھو، جب تم رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ دو اپنی پشت پھیلا دو، اپنا رکوع اطمینان سے کرو پس جب تم

لہٰذا اس حدیث سے حنفیہ کی تردید نہیں ہوتی۔

(٣٤٨) حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث حنفیہ کا مستدل ہے جسے امام مسلمؒ نے ج ۱ ص ۱۶۹ اور ابو داؤد ج ۱ ص ۱۱۸ میں نقل کیا ہے جس میں فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج کہا گیا ہے جس کا مفہوم ناقص اور ناتمام ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں کمی آتی ہے۔ اصلاً ہی بطلان نہیں ہوتا ذات کی نفی نہیں اگر فاتحہ رکن نماز ہوتی تو سرے سے نماز ہی نہ ہوتی (٣٤٩) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت کا وہی مفہوم ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا ہے۔

(٣٥٠) حضرت ابو سعید الخدریؓ کی یہ روایت جسے ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۱۸ پر نقل کیا ہے حنفیہ کا مستدل ہے جو فاتحۃ الکتاب اور ما تیسر من القرآن بعد الفاتحہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ خلاد بن رافعؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیتے ہوئے یہی فرمایا تھا اقرأ بما تیسر من القرآن ان روایات سے یہی ثابت ہوا کہ مطلق قرأت قرآن فرض ہے جیسا کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے مستفاد ہے البتہ تعیین فاتحہ واجب ہے۔

وَمَكِّنْ لِرُكُوعِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا وَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِسُجُودِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاجْلِسْ عَلَى فَخِذِكَ الْيُسْرَى ثُمَّ اصْنَعْ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اپنا سر اٹھاؤ تو اپنی کمر سیدھی کر دو، یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک لوٹ جائیں، جب سجدہ کرو تو اپنا سجدہ اطمینان سے کرو، پھر جب سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ، پھر اسی طرح ہر رکعت میں کرو۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۲۵۱) رفاعہ بن رافع الزرقی کی روایت بھی حنفیہ کا مستدل ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند ج۲ ص۳۴ میں نقل کیا ہے۔

ثم اقرأ بأم القرآن میں اقرأ امر ہے جو مطلقاً وجوب کیلئے آتا ہے ام القرآن سے مراد فاتحہ ہے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مزید مضمون اور مفہوم حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

حنفیہ حضرات کا مسلک تو یہی ہے فرض قراءت، کسی آیت قرآن کا پڑھنا ہے سورۃ فاتحہ خصوصاً پڑھنا فرض نہیں واجب ہے اگر کسی نے نماز میں ایک آیت بھی نہ پڑھی تو فرض چھوٹ گیا اور اگر کسی بھی جگہ سے ایک آیت پڑھ لی لیکن فاتحہ نہ پڑھی تو فرض قراءت ادا ہوگیا واجب رہ گیا سجدہ سہو سے جبیرۂ نقصان ہو سکتا ہے حنفیہ کا قوی ترین مستدل اور خصوم کے دلائل کا قطعی جواب قرآن مجید کی نص قطعی ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن اس آیت میں قرآن سے ما تیسر سے قراءت کا امر ہے مطلق قراءت واجب ہے قرآن نے قراءت کا فرض بیان کرتے ہوئے فاتحہ کی تعیین نہیں کی اگر عبادہ بن الصامت کی روایت (باب ہذا کی پہلی روایت) سے تعیین فاتحہ فرض کر دیں تو یہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادۃ ہے جو ناجائز ہے لہذا ہم نے ہر دلیل کو اپنا مقام دیا نص قطعی سے ثابت مطلق قراءت کو فرض اور خبر واحد سے ثابت قراءت فاتحہ کو واجب قرار دیا۔

بَابٌ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

۳۵۲۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَقَدْ تَقَدَّمَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِي الْاِسْتِدْلَالِ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ نَظَرٌ۔

باب۔ امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں ۔۳۵۲۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔"

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے ،حضرت ابوہریرہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے ۔

نیموی نے کہا ،ان احادیث سے (امام کے پیچھے پڑھنے پر) استدلال کرنے میں اعتراض ہے ۔

(۳۵۲ تا ۳۵۸) یہاں سے تینوں ابواب (۳۵۲ تا ۳۷۶) قرارت خلف الامام سے متعلق ہیں ان ابواب کی احادیث کو سمجھنے کے لیے بحث میں یہ ترتیب قائم کی جائے گی کہ اولاً ائمہ متبوعین کے مذاہب بیان کر دیے جائیں گے ثانیاً مثبتین قرارت خلف الامام کے دلائل اور ان کے جوابات عرض کیے جائیں گے آخر میں منکرین قرأت خلف الامام کے دلائل قائم کرکے اپنے مدعیٰ کو ثابت کیا جائے گا مصنفؒ نے بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے لہذا احادیث ابواب کو سمجھنے میں سہولت رہے گی ۔

بیان مذاہب (۱) (فریق اوّل) (الف) امام مالکؒ کے نزدیک سرّی نمازوں میں مستحب اور ایک روایت میں جہری نمازوں میں مباح ہے مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷ میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ جہری نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے موطا امام مالکؒ ص ۲۹ میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں خلف الامام قراءۃ کے قائل نہ تھے۔

(ب) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سرّی نمازوں میں مستحب اور جہریہ میں مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۲۰۶ تنوع العبادات لابن تیمیہؒ ص ۸۳ روح المعانی للآلوسیؒ ج ۹ ص ۱۳۵ اور تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷ میں اس کی تصریح ہے ۔

(ج) امام شافعیؒ داؤد ظاہریؒ ، اسحٰق بن راہویہؒ ، امام اوزاعیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے قول مشہور کے مطابق صلوٰۃ سرّیہ اور صلوٰۃ جہریہ دونوں میں قرارت خلف الامام واجب ہے ۔

۳۵۳۔ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

۳۵۳۔ حضرت عبادہ بن الصامت ؓ نے کہا، نماز فجر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءۃ فرمائی، تو آپ پر قراءۃ ثقیل (بھاری) ہوگئی، جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا، "شاید کہ تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو" ہم نے عرض کیا، جی ہاں پڑھتے ہیں اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ نے فرمایا "ایسا نہ کرو، مگر سورۃ فاتحہ بلاشبہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے یہ نہیں پڑھی"۔

مسلک شافعیؒ کی تحقیق مزید تاہم حضرت امام شافعیؒ کا مسلک نقل کرنے میں قدیماً وحدیثاً اختلاف چلا آرہا ہے۔

بعض نے کہا کہ سب نمازوں میں وہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے بعض نے کہا کہ قول قدیم میں قائل نہ تھے قول جدید میں قائل ہوگئے تھے مگر تحقیق یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام شافعیؒ قراءۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے سری میں قائل تھے اور عمدہ یہی قول جدید ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی کتاب الام کتب جدیدہ میں سے ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ حسن المحاضرہ ج ۱ ص۱۲۳ میں لکھتے ہیں ثم خرج الی مصر وصنف بها كتب الجديدة كالام ..... الخ اور ابن کثیر البدایہ ج ۱۰ ص۲۵۲ میں لکھتے ہیں ثم انتقل منها (بغداد) الى مصر فاقام بها الى ان مات في هذه السنة ۲۰۴ھ وصنف بها كتابه الام وهو من كتبه الجديدة لانها من رواية ربيع بن السليمان وهو مصري وقد زعم امام الحرمين وغيره انه من القديم وهذا بعيد وعجيب من مثله

اب کتاب الام کے حوالے بھی ملاحظہ ہوں امام شافعیؒ کتاب الام ج ۱ ص۸۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ والعمد في ترك القراءة بام القرآن والخطأ سواء في ان لا يجزي ركعة الا بها او بشيء منها الا ما يذكر من المأموم ان شاء الله اور ص۹۳ میں لکھتے ہیں فوجب على من صلى منفردا او اماما ان يقرأ بام القرآن في كل ركعة لا يجزئه غيرها واحب ان يقرأ معها شيئا آية او اكثر وسأذكر المأموم ان شاء الله اور ج ۷ ص۱۵۳ میں لکھتے ہیں ونحن نقول كل صلوة

وَالْبُخَارِيُّ فِي جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَآخَرُونَ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ فِيْهِ مَكْحُوْلٌ وَهُوَ يُدَلِّسُ۔ رَوَاهُ مُعَنْعَنًا وَقَدِ اضْطُرِبَ فِيْ إِسْنَادِهٖ وَمَعَ ذٰلِكَ قَدْ تَفَرَّدَ بِذِكْرِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ فِيْ طَرِيْقِ مَكْحُوْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ وَهُوَ لَا يُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ فَالْحَدِيْثُ مَعْلُوْلٌ بِثَلَاثَةِ وُجُوْهٍ۔

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، بخاری نے جزالقراءۃ میں اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔
نیموی نے کہا، اس حدیث کی سند میں مکحول ہے اور وہ مدلس ہے۔ اس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے اور وہ اس کی اسناد میں مضطرب بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مکحول کی سند میں یہ حدیث حضرت عبادہؓ سے نقل کرنے میں محمود بن ربیع کا ذکر صرف اکیلے محمد بن اسحاق نے کیا ہے اور جس سند میں محمد بن اسحٰق اکیلا ہو، اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی، تو یہ حدیث تین طریقہ سے معلول ہے۔

صلیت خلف الامام وانا امام یقرأ أقرأ؟ لا یسمع فیھا فلا تقرأ فیھا (حزانۃ المفتی ج ۲ ص ۱۸۸)

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مذہب نمبر ا اور نمبر ۲ بھی فی الجملہ قرات خلف الامام کے قائل ہیں لہٰذا درس و تفہیم میں سہولت کے لیے اور استدلال میں ایک ہی موقف کے پیش نظر ہم ان تینوں مذاہب کو آئندہ بحث میں فریق اوّل قرار دیں گے۔

(۲) (فریق ثانی) امام اعظم ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ ابراہیم نخعیؒ عامر شعبیؒ حسن بن صالحؒ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ عبدالرحمٰن بن وہبؒ اشہب مالکیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک قرادت خلف الامام جائز نہیں ہے نہ تو فاتحہ پڑھنا جائز ہے اور نہ دوسری سورت —— جیسا کہ موطا امام محمد ص ۹۴ جامع المسانید ج ۱ ص ۳۲۶ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۵ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۵ میں امام صاحب رہ کے مسلک کی یہی تصریح ہے یہی مسلک امام ابو یوسف رہ کا بھی ہے (فتح الملہم ج ۲ ص ۲) امام محمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے (کتاب الآثار لمحمد ص ۲۱) جن حضرات نے امام محمدؒ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ سری نمازوں میں خلف الامام قراۃ کے قائل ہیں مردود ہے کیونکہ انہوں نے خود موطا ص ۹۴ میں اس کی تصریح کی ہے کہ خلف الامام قراۃ نہیں ہے خواہ صلوٰۃ جہری ہو یا سری۔

۴۵۴- وَعَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُوْدِ بْنِ رَبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اَبْطَأَ عُبَادَةُ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَاَقَامَ اَبُوْ نُعَيْمٍ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى اَبُوْ نُعَيْمٍ بِالنَّاسِ وَاَقْبَلَ عُبَادَةُ وَاَنَا مَعَهٗ حَتّٰى صَفَفْنَا خَلْفَ اَبِيْ نُعَيْمٍ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فَجَعَلَ عُبَادَةُ يَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ لِعُبَادَةَ سَمِعْتُكَ تَقْرَاُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ قَالَ اَجَلْ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِيْ يُجْهَرُ فِيْهَا الْقِرَاءَةُ قَالَ فَالْتَبَسَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا

۴۵۴- نافع بن محمود بن ربیع الانصاریؓ نے کہا صبح کی نماز سے حضرت عبادہؓ لیٹ ہوگئے، تو ابونعیم مؤذن نے نماز کھڑی کی ابونعیم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ حضرت عبادہؓ آگئے میں ان کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ ہم ابونعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے، ابونعیم اونچی آواز میں قراءۃ کر رہے تھے، حضرت عبادہؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کردی، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے حضرت عبادہؓ سے کہا میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا، جب کہ ابونعیم اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے، انہوں نے کہا ہاں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، جس میں اونچی آواز سے قراءۃ کی جاتی ہے، تو آپ پر قراءۃ خلط ملط ہوگئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا "کیا تم پڑھتے ہو، جب میں اونچی آواز سے قراءۃ کرتا ہوں؟"

قائلین قراءۃ خلف الامام کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۴۵۲) فریق اوّل کی سب سے قابل اعتماد اور قوی ترین مستدل ہے جو حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ صفحہ ۱۰۴ اور امام مسلمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۶۹ میں نقل کیا ہے یہ حدیث بظاہر فریق اول کے مسلک پر صریح ہے ان کا کہنا ہے کہ لفظ مَنْ عام ہے جو امام اور مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے (تحقیق الکلام ج ۱ صفحہ ۱ ، ابکار المنن صفحہ ۱۲۰ و تفسیر واضح البیان صفحہ ۱۱)

فریق ثانی نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) فریق اوّل نے مَنْ کو مطلقاً عموم کے لیے لیا ہے حالانکہ وہ اپنی تعمیم میں نص قطعی نہیں ہے بلکہ عموم اور خصوص دونوں کے لیے آتا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں ومن لا یفید العموم (تفسیر کبیر ج ، صفحہ ۲۹)

علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں۔ الموصولات لم توضع للعموم بل هی للجنس یحتمل العموم و الخصوص (شرح مواقف ج ۲ صفحہ ۴۵۸) ملا جیونؒ فرماتے ہیں ما ومن یحتملان العموم

بِوَجْهِهِ فَقَالَ هَلْ تَقْرَؤُونَ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ بَعْضُنَا إِنَّا لَنَصْنَعُ ذٰلِكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا وَأَنَا أَقُولُ مَا لِي يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَؤُوا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِي جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَخَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَآخَرُونَ وَفِيهِ مَسْتُورٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ حَدِيْثَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فِي الْتِبَاسِ الْقِرَاءَةِ قَدْ رُوِيَ بِوُجُوهٍ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ۔

ہم میں سے کچھ لوگوں نے کہا، ہم تو ایسا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، میں نے کہا مجھے کیا ہے کہ میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیا جاتا ہے جب میں اونچی آواز سے پڑھوں تو سوائے سورۃ فاتحہ کے قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھو۔

یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، بخاری نے جزء القراءۃ وخلق افعال العباد میں اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ اور اس میں ایک راوی مستور الحال ہے۔

نیموی نے کہا، قراءۃ کے خلط ملط ہونے کے بارہ میں حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہے، سب کے سب ضعیف ہیں۔

والخصوص (نور الانوار ص۹۳)

قرآن مجید میں بھی اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ یہاں من سے عموم مراد نہیں بلکہ خصوص یعنی صرف مومن مراد ہیں دوسری جگہ ارشاد ہے أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ — اس مقام پر من سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے حالانکہ یہ قطعی نصوص سے ثابت ہے کہ آسمانوں میں فرشتے اور ارواح انبیاء وغیرہم بھی موجود ہیں۔

(ب) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے (موطا امام مالک ص۲۸، ۲۹) امام احمدؒ بھی اس کے منفرد کے حق میں ہونے کے قائل ہیں (ترمذی ج ۱ ص۴۲) سفیان بن عیینہؒ بھی اسی کے قائل ہیں (بذل المجہود ج ۲ ص۳۳)

(ج) جمہور کا مسلک ہے کہ جس نے نماز میں رکوع پالیا گویا اس نے رکعت پالی یہی مسلک ائمہ اربعہ کا ہے وقال ابن عبد البر قال جمهور العلماء من ادرك الامام راكعا وركع [illegible]

۲۵۵- وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ أَتَقْرَءُونَ فِي صَلَاتِكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكَتُوا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُونَ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ- رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَآخَرُونَ وَأَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ بِأَنَّ هٰذِهِ الطَّرِيقَ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ-

---

۲۵۵- ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، جب آپ نے اپنی نماز پوری فرمائی تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "کیا تم اپنی نماز میں امام کے پیچھے پڑھتے ہو جب کہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے، صحابہؓ خاموش رہے یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی، ایک صحابی نے یا متعدد صحابہؓ نے عرض کیا (راوی کو شک ہے) ہم ایسا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا "تم ایسا نہ کرو تم میں سے کوئی ایک اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔"

یہ حدیث بخاری نے جزء القراءۃ میں اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے اسے معلول قرار دیا ہے کہ یہ سند غیر محفوظ ہے۔

بدیہ من رکبتیہ قبل ان یرفع الامام راسہ من الرکوع فقد ادرک الرکعۃ ۔ الی قولہ ھذا مذھب مالک والشافعی وابی حنیفۃ واصحابھم وھو قول الثوری والاوزاعی وابو ثور واحمد بن حنبل واسحق ..... الخ (التمہید ج ، ص۲۲)

مولانا شمس الحقؒ لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانیؒ کا پہلے یہ فتویٰ تھا کہ مدرکِ رکوع مدرک رکعت نہیں اب ان کا فتویٰ ہے مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے (عون المعبود ج ۱ ص۳۳۲)

صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی یہی لکھا ہے کہ مدرکِ رکوع، مدرک رکعت ہے (تحفہ ج ۱ ص۲۶۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متن سے فریق ثانی نے جو تعمیم مراد لی ہے وہ درست نہیں اور وہ ان قواعد کے بھی خلاف ہے۔

(۱) اس حدیث میں فصاعداً کی زیادتی صحیح روایات میں ثابت ہے مسلم ج ۱ ص۱۶۹ ابوعوانہ ج ۲ ص۱۲۴ نسائی ج ۱ ص۱۰۱ پوری حدیث اس طرح ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا مطلب

۲۵۶- وَعَنْهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ یَّقْرَأَ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۲۵۶- ابو قلابہ نے بواسطہ محمد بن ابی عائشہ صدیقیؓ بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شاید کہ تم پڑھتے ہو جب کہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے، آپ نے یہ بات دو یا تین بار فرمائی (راوی کو شک ہے) صحابہؓ نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہم تو ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا "ایسا مت کرو، مگر یہ کہ تم میں سے کوئی سورۃ فاتحہ پڑھ لے"

یہ حدیث احمد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ ہوگا کہ جس نے فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ضم سورۃ کا بھی وہی حکم ہے جو سورۃ فاتحہ کا ہے فما هو جوابكم فی ضم السورة فهو جوابنا فی الفاتحة بعض روایات میں فصاعداً کے علاوہ ما تیسر کے الفاظ کی زیادتی آئی ہے (ابوداؤد ج ۱ ص۱۱۸ مسند احمد ج ۳ ص۴۵) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں سنده قوی (فتح الباری ج ۲ ص۲۰۳) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں اسناده صحیح ورجاله ثقات (نیل الاوطار ج ۲ ص۲۳۱)

احادیث باب سے استدلال کی حقیقت

(ذ) قال النیموی و فی الاستدلال بهذه الاحادیث نظر حضرت مولانا محمد اشرف مدظلہ نے اس کے حواشی میں تفصیل سے لکھا ہے نافعیت اور جامعیت کے پیش نظر درج ذیل ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ یہ حدیث منفرد اور امام کے متعلق ہے، مقتدی کے بارہ میں نہیں، حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے لیے نہیں (موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ ص۹۶ باب ما جاء فی ام القرآن وترمذی ابواب الصلوٰۃ ص۴۲ ج ۱ باب ما جاء فی ترک القراءة خلف الامام اذا جهر بالقراءة) امام احمدؒ کہتے ہیں "یہ حدیث منفرد کے لیے ہے" (ترمذی ابواب الصلوٰۃ ص۴۲ ج ۱ باب ایضاً) امام سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں "یہ حدیث منفرد کے لیے ہے (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۱۹ باب من

۳۵۷- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ

۳۵۷- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی، اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، تو وہ نماز ناقص ہے، تین بار فرمایا کہ ناقص ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے کہا گیا، ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (حضرت ابوہریرہؓ نے) کہا تم اسے اپنے جی میں پڑھ لو، بلاشبہ میں نے رسول اللہ

ترك القراءة في صلاته) لہٰذا اس حدیث سے امام کے پیچھے قراءۃ پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

درحقیقت یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا ضامن ہو، خواہ منفرد ہو یا امام ہو کیونکہ اس حدیث میں لمن یقرأ بفاتحة الكتاب کے آگے فصاعدا یا اس طرح کے دوسرے الفاظ ہیں، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۱۶۹) باب وجوب القراءۃ فی کل رکعۃ الخ، نسائی، کتاب الصلوٰۃ الافتتاح ج ۱ ص ۱۴۳ باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب میں فصاعدا کے الفاظ زیادہ ہیں۔ مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۸ باب من ترك القراءة في صلاته منتقی ابن جارود رقم ۱۸۶ ص ۷۵ صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۴۱ ح ۱۷۸۸، میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں نکل کر اعلان کردوں "فاتحہ اور اس سے زیادہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس میں وما زاد کے الفاظ ہیں۔

ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۸ باب من ترك القراءة في صلاته مسند احمد ج ۳ ص ۴۵ ج ۳ ص ۹۷ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ ج ۳ ص ۱۴۰ ح ۱۷۸۷، مسند ابی یعلی الموصلی ج ۲ ص ۴۱۷ ح ۴۲۶ (۱۲۱۰) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم فاتحہ کے ساتھ جو آسان ہو پڑھیں اس میں وما تیسر کے الفاظ ہیں۔

مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۲۳۶ ح ۱۴۳ (۱۰۷۷) پر حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے لا تجوز صلوٰۃ لا یقرأ فیها بفاتحة الكتاب وشیء معها اس میں وشیء معها کے الفاظ ہیں۔ مسند ابی یعلی کی اس روایت کی سند میں ابوسفیان طریف السعدی پر اگرچہ کچھ جرح موجود ہے، لیکن مستدرک حاکم میں سعید بن مسروق الثوری اس کا تابع موجود ہے۔

فصاعدا، وما زاد، وما تیسر اور وشیء معها کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ حکم مقتدی کے لیے نہیں، امام یا منفرد کے لیے ہے، امام و منفرد ہی فاتحہ اور اس سے زیادہ کی قراءۃ کرتے ہیں جو زیادہ کی قراءۃ کرے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ قَالَ ھٰذَا

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے صلوٰۃ (فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری حمد بیان کی، اور جب بندہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری ثنا بیان کی اور جب بندہ مٰلِکِ یَوْمِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور جب بندہ

فاتحہ کی قراءۃ کا حکم بھی اسی کو ہے، امام اپنی اور تمام مقتدیوں کی جیب کہ منفرد اپنی نماز کا ضامن ہوتا ہے اور مقتدی کسی کی بھی نماز کا ضامن نہیں ہوتا اسی باب کی دوسری روایت بھی حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ صفحہ ۴۱ اور ابوداؤد نے ج ۱ صفحہ ۱۱۹ میں نقل کیا ہے۔

مکحول دمشقی قال النیموی فیہ مکحول، اس کی سند میں مکحول دمشقی ہے جو ضعیف بھی ہے اور اور مدلس بھی، وہ صحابہ کرامؓ سے مرسلاً روایت کرتا ہے (میزان الاعتدال ج ۴ صفحہ ۱۷۷، تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۲)

مدلس کا عنعنہ رواہ معنعناً ایک تو مکحول مدلس ہے دوسرا یہ ان کا عنعنہ ہے، یعنی عن، عن کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتا ہے یعنی عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت یا عن مکحول عن نافع بن محمود الخ....

اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے اگر وہ عادل بھی ہو تب بھی اس کا عنعنہ قبول نہیں کیا جاتا جب کہ یہاں تو مکحول ہے جو ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی،

عبادہ کی روایت کا سندی اضطراب وقد اضطرب فی اسنادہ جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت کا مدار امام مکحولؒ پر ہے اور امام مکحولؒ سے یہ روایت پانچ طریقے سے مروی ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ وَإِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ (آیت) میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، اور جب بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

طریقہ نمبر (۱)۔ مکحول عن محمود ابن الربیع عن عبادۃ ابن صامتؓ۔

طریقہ نمبر (۲)۔ مکحول عن نافع ابن محمود بن عبادۃ ابن صامت۔

طریقہ نمبر (۳)۔ مکحول عن نافع ابن محمود عن محمود ابن الربیع عن عبادۃ ابن صامتؓ۔

طریقہ نمبر (۴)۔ مکحول عن عبادۃ ابن صامتؓ۔

طریقہ نمبر (۵)۔ مکحول عن نافع ابن محمود عن ابی نعیم عن ابی عبادۃ ابن صامتؓ۔

تو ان گوناں گوں اضطرابات کی بناء پر حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت قرأت خلف الامام کے ثبوت میں قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ اس کی تفصیل بذل المجہود ج ۲ ص۲۵ میں موجود ہے۔

محمد بن اسحاق کا تفرد

وقد تفرد بذکر محمود بن ربیع یعنی اس کی سند میں محمود بن الربیع کا ذکر ہے جن کو ہم نے سند کے اضطراب میں تیسرے درجہ میں ذکر کیا ہے محمود بن الربیع کا ذکر صرف محمد بن اسحاق کرتے ہیں اور جس روایت میں محمد بن اسحاق اکیلے رہ جائیں وہ قابل استدلال نہیں رہتی۔

بہرحال اس روایت کی سند میں تین راوی متکلم فیہ ہیں (۱) مکحول مدلس ہے (۲) محمد بن اسحاق کا عنعنہ محدثین کے ہاں غیر معتبر اور ساقط الاعتبار ہے (۳) محمود بن الربیع مجہول راوی ہیں۔

متن کا اضطراب

اسی طرح اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے حضرت عبادۃ ابن صامتؓ کی روایت کا متن چار طریقہ سے ثابت ہے۔

٨٥٣ - وَعَنْهُ قَالَ اِذَا قَرَأَ الْاِمَامُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاقْرَءُوْا بِهَا وَاسْبِقُوْهُ فَاِنَّهُ اِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ اٰمِيْنَ مَنْ وَّافَقَ ذٰلِكَ قَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ

٨٥٣۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی وہ پڑھو، اور اس سے آگے نکل جاؤ بلاشبہ وہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتا ہے، تو فرشتے آمین کہتے ہیں جو اس کے موافق ہو گیا تو وہ اس لائق ہے کہ

طریقہ نمبر (۱) طحاوی شریف ج ۱ ص۱۲۸ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَتَثَاقَلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ اِلٰى قَوْلِهٖ فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا۔

طریقہ نمبر (۲) ابوداؤد شریف میں ہے کُنَّا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ۔

طریقہ نمبر (۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ خَلْفَ الْاِمَامِ۔

طریقہ نمبر (۴) لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (كما فى البيهقى) تو ان گوناگوں اضطرابات کی وجہ سے حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت قابلِ استدلال نہیں ہو سکتی اس لیے ہم کو صحیح سندوں کے ساتھ دوسری روایات تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

فالحدیث معلول بثلاثۃ اوجہ پہلی وجہ سند میں مکحول دمشقی ہیں کہ وہ ضعیف بھی ہیں اور مدلس بھی، دوسری وجہ اس کا سندی اضطراب ہے تیسری وجہ محمود بن ربیع کا ذکر ہے جسے صرف محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے جس میں وہ اکیلا رہ جائے تو وہ بات قابلِ استدلال نہیں رہتی اس کی تفصیلی بحث گذشتہ صفحات میں عرض کر دی گئی۔

(۲) نافع بن محمود بن ربیع انصاریؓ کی یہ روایت (۸۵۳) بھی حضرت عبادہؓ ہی کا واقعہ ہے جو قائلین قراءۃ خلف الامام کا مستدل ہے مگر امام نیمویؒ فرماتے ہیں۔ وفیہ مستور کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی نافع بن محمود بن الربیع مجہول الحال ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۴۲ تقریب ص ۳۵۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے مگر یاد رہے کہ ان کی تحسین رفع جہالت کے لیے کافی نہیں وجہ یہ ہے کہ راوی کے حال سے رفع جہالت کے لیے امام دارقطنیؒ کا جمہور علماء کے ساتھ مذہب میں اختلاف ہے باقی رہا ابن حبان کا نافع کو اپنی کتاب الثقات میں لکھنا، یہ بھی اُن کی جہالت کے رفع کے لیے کافی نہیں کیوں کہ ابن حبان اس مسئلہ میں متساہل مشہور ہیں تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ نافع مجہول العین نہیں بلکہ مجہول الحال ہے یعنی

بِهِمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔
قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِي الْبَابِ آثَارٌ أُخَرُ عَنِ الصَّحَابَةِ۔

ان کی دعا قبول ہو جائے۔"

یہ حدیث بخاری نے جزء القراءۃ میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نیموی نے کہا اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دیگر آثار بھی موجود ہیں۔

اس کی شخصیت تو معلوم ہے مگر ثقہ اور غیر ثقہ ہونے میں اس کی حالت معلوم نہیں۔

(۵) حضرت ابوقلابہ کی یہ روایت (۳۵۵) فریق اول کا مستدل ہے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف ج ۱ صـ۳۷۳ میں اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف ج ۲ صـ۱۲۷ میں نقل کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکِ قرأۃ خلف الامام افضل قرار دیا ہے لہٰذا یہ حدیث فریق اول کے خلاف جاتی ہے اس سے تو بظاہر صرف خلف الامام فاتحہ کی قرأۃ ثابت ہوتی ہے اگر اس بنیاد پر اسے حنفیہ کے خلاف قرار دیا جائے تب بھی بات نہیں بنتی کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ صلوٰۃ سری کے متعلق ہو اور سری نمازوں کے بارے میں حنفیہ کا مسلکِ مختار جواز قراءت فاتحہ خلف الامام کا ہے اور اگر بالفرض کسی جہت سے یہ فریق اول کی دلیل بن جاتی ہے تب بھی قابلِ استدلال نہیں کیونکہ علامہ عثمانیؒ نے اس کو مضطرب الاسناد والمتن قرار دیا ہے (اعلاء السنن ج ۴ صـ۳۳) واعلہ البیہقی آپ مضمون حدیث کو دیکھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے بار بار استفسار فرماتے ہیں مگر صحابہؓ کا سکوت ہے اگر بالفرض یہ فرض ہوتی تو لامحالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس سے آگاہ فرماتے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار میں فوراً جواب دیتے مگر یہاں تو انداز ایسے لگتا ہے جیسے سب گھبرا گئے ہوں وہ حضورؐ کے لہجہ کو سمجھ گئے تھے اس لیے تو خاموش رہے اس تمام تر صورت حال و پس منظر کو سامنے رکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام امام کے پیچھے قرأۃ نہ تو فرض سمجھتے تھے اور نہ وہ اسے خود پڑھتے تھے۔

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (۳۵۶) بھی فریق اول کا مستدل ہے جسے امام مسلمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صـ۱۶۹ میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ یہ روایت ابوعوانہ ج ۲ صـ۱۲۶ اور ابوداؤد ج ۱ صـ۱۱۹ میں بھی آئی ہے ——— مگر اس سے بھی استدلال متعدد وجوہ سے کمزور ہے (۱) اس کی سند میں ایک راوی علاء بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں ابن معینؒ نے لیس حدیثہ بحجۃ ابن عدی نے لیس بالقوی

اور ابو حاتم نے منکر قرار دیا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں العلاء لیس بالمتین عندھم وقد انفرد بھذا الحدیث لیس یوجد الا لہ ولا تروی الفاظہ عن احد سواہ (الانصاف ص ۱۹)۔

(ب) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے دو جزء ہیں ایک مرفوع ہے جس میں صرف اتنا آیا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نا مکمل ہے حنفیہ کے دلائل کی روشنی میں یہ حکم امام اور منفرد کے لیے ہے جب کہ اس روایت کا دوسرا جزء حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے فاتحہ کے بارے میں فرمایا اقرأ بھا فی نفسك ——— اول تو یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں ہرگز حجت نہیں ——— دوسرا یہ کہ اس کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تلفظ کے بغیر دل دل میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے بعض حضرات نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ بعض اوقات فی نفسہ کا محاورہ حالت انفراد کے لیے بھی ہوتا ہے تو اس کا معنی ہوگا اقرأ بھا حال کونك منفردا ——— اس کی مثال بھی حدیث قدسی میں موجود ہے ارشاد ہے فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱) اس میں فی نفسہ کا فی ملأ سے تقابل اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ فی نفسہ سے حالت انفراد مراد ہے ——— بہر حال اقرأ بھا فی نفسك مرفوع روایت نہیں، نفسك تو دل میں پڑھنا ہے اور دل میں پڑھنے کو قراءت نہیں کہتے قراءۃ وہی ہے جو زبان سے پڑھی جائے دل کے خیالات قراءت نہیں کہلاتے حتی کہ دل کی باتوں پر مواخذہ بھی نہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ما حدثت بہ انفسھا ما لم تعمل او تتکلم (بخاری ج ۲ ص ۷۹۴) اسی طرح حضرت قتادہ کا ارشاد ہے اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیء (بخاری ج ۲ ص ۷۹۳)

(ج) لفظ خداج اور غیر تام رکنیت کو نہیں چاہتا ایک روایت میں آیا ہے الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیہ وتقول اللھم اللھم ومن لم یفعل فھی خداج (ترمذی ج ۱ ص ۸۷) ظاہر بات ہے کہ عاجزی اور زاری کرنا جن کی علامت وزاری پر لفظ خداج آیا ہے رکن صلوۃ نہیں تو پتہ چلا کہ اس کا اطلاق غیر رکن پر بھی ہوتا ہے

(۲) باب کی آخری حدیث (۲۵۰۸) بھی حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے جس میں واسبقہ یعنی مقتدی کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم قراءت میں امام سے بھی آگے بڑھ جاؤ ——— صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف ہے جس کے راوی خود حضرت ابوہریرہؓ ہیں جس میں فرمایا گیا ہے۔

مزید تحقیق | کہ انما جعل الامام لیؤتم بہ (ابوداؤد ج ۱ ص ۸۹) وفی الباب آثار خود امام

بَابٌ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الْجَهْرِيَّةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

۳۵۹۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ وَاِذَا قَرَأَ الْاِمَامُ فَاَنْصِتُوْا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

باب۔ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قراءۃ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اُسے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۳۵۹۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی، آپ نے فرمایا "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہیں امامت کرائے اور جب امام قراءۃ کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔"

یہ حدیث احمد اور مسلم نے نقل کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

نیموی نے "التعلیق الحسن میں" اس موضوع کے بہت سے آثار نقل کر دیے ہیں پھر ان کی سندی حیثیت اور ان سے استدلال کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے بہر حال فریق اول کے اس سلسلہ میں مذکورہ دلائل کے علاوہ بھی بہت سے دلائل ہیں مگر یاد رہے کہ ان میں سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے جو بیک وقت اپنے موضوع پر صریح بھی ہو اور صحیح بھی، الغرض یہ ہے کہ اولاً تو ان کے تمام مستدلات ضعیف ہیں اور اگر بعض روایات صحیح بھی ہیں تو وہ غیر صریح ہیں حالتِ انفراد پر محمول ہیں یا حالتِ امامت پر ــــ اس سلسلہ کے تفصیلی دلائل اور جوابات مطولات بالخصوص "احسن الکلام فی ترک قراءت خلف الامام از شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم" اور اعلاء السنن ج ۴ ص ۴۲ تا ۱۲۴ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

فریق ثانی کے دلائل یہ دونوں ابواب فریق ثانی (احناف) کے مستدل ہیں۔

(۱) احناف کی سب سے پہلی اور قوی ترین دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (اعراف) قرآن مجید کی یہ آیت قرآن کی تلاوت کے وقت استماع اور انصات کے وجوب پر نص صریح ہے بلکہ اس آیت کا تو شانِ نزول ہی

۳۶۰۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

۳۶۰۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے، تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قراءۃ کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہی قرات خلف الامام کا مسئلہ ہے ابن جریر طبری بسیر بن جابر کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں صلی ابن مسعود فسمع اناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقهوا اما آن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ (تفسیر طبری ج ۹ ص ۱۰۳) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں وکذا قال سعید بن جبیر والضحاک وابراهیم النخعی وقتادة والشعبی والسدی وعبد الرحمن بن زید ان المراد بذالک فی الصلوٰۃ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۱) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن ..... الخ یعنی فی الصلوٰۃ المفروضة (کتاب القراءۃ ص ۴۳)

امام بیہقیؒ نے کتاب القراءت میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض حضرات صحابہ قرءت خلف الامام کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن الخ — بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے مگر یاد رہے کہ روایت حضرت مجاہدؒ کی مرسل ہے جنہیں اعلم الناس بالتفسیر کہا گیا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے بارے میں عقلاً صرف تین احتمال ہیں (۱) ایک یہ کہ صرف نماز کے بارے میں ہو اس صورت میں ہمارا مدعا ثابت ہے (۲) دوم یہ کہ یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں کے بارے میں ہو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے (کما فی روایة عن مجاهد فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوٰۃ والخطبة (بیهقی کتاب القراءت) تیسرا یہ کہ یہ صرف خطبہ جمعہ کے بارے میں ہو اور نماز سے متعلق نہ ہو صرف اس صورت میں ہمارا استدلال تام نہیں ہوگا لیکن یہ احتمال مردود ہے کیوں نہ آیت مکی ہے اور خود شافعیہ بھی اس کے قائل نہیں کیونکہ وہ خود قراءت سورۃ خلف الامام کے ترک پر اسی

۳۶۱ - وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ صَلٰوةً

---

۳۶۱ - سفیان بن عیینہ نے زہری سے بیان کیا کہ ابن اکیمہ نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، ہمارا خیال ہے کہ وہ صبح کی نماز تھی، تو آپ نے

آیت سے استدلال کرتے ہیں، امام ابن تیمیہؒ کے اس ارشاد سے حقیقت مزید نکھر گئی ہے جب کہ شوافع حضرات میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں نماز شامل ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آیت میں استماع کا حکم ہے جو جہری نمازوں میں ہو سکتا ہے سری میں ممکن نہیں حنفیہ حضرات میں جو سری نمازوں میں جواز قرارت کے قائل ہیں ان پر تو یہ کوئی اعتراض ہی نہیں البتہ جو حنفیہ حضرات سری نمازوں میں بھی ترک قرارت کے قائل ہیں وہ جواب میں کہتے ہیں کہ آیت میں دو حکم مذکور ہیں ایک حکم استماع قرارت کا ہے دوسرا انصات کا اور نماز کی بھی دو حالتیں ہیں لہٰذا جہری نمازوں میں استماع کا حکم ہے اور سری نمازوں میں انصات کا۔

(۲) فریق ثانی (حنفیہ حضرات) کی دوسری دلیل باب ہٰذا کی پہلی روایت (۳۵۹) ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۷۴ میں نقل کیا ہے جس میں صراحتاً واذا قرأ الامام فانصتوا کی تصریح ہے یہی روایت ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۰ اور ابوعوانہ ج ۲ ص۱۳۳ میں بھی قدر سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ آئی ہے جس کا واضح مدلول یہی ہے کہ مقتدی سورت فاتحہ اور سورۃ کی قرارت میں خاموش رہیں اس روایت میں امام کی قرارت کے وقت مطلق انصات کا حکم ہے جو قرارت فاتحہ و سورت دونوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں میں تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس روایت میں سلیمان تیمی قتادہ سے نقل روایت میں متفرد ہیں حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ سلیمان تیمی بالاتفاق ثقہ ہیں اور یہ زیادۃ الثقۃ مقبولۃ کے قبیل سے ہے لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں سلیمان تیمی متفرد بھی نہیں چنانچہ عمر بن عامر سعید بن عروبہ اور ابوعبیدہ نے قتادہ سے اس زیادتی کے نقل کرنے میں سلیمان تیمی کی متابعت کی ہے امام مسلمؒ اپنی صحیح کی املا کراتے ہوئے جب اشعریؓ کی حدیث پر پہنچے جس میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی سلیمان تیمی کے طریق سے مروی ہے

تَظُنُّ اَنَّهَا الصُّبْحُ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ اِنِّيْ اَقُوْلُ مَالِيْ أُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

فرمایا "کیا تم میں سے کسی نے پڑھا ہے"، ایک شخص نے کہا: میں نے، آپ نے فرمایا "میں کہتا ہوں، مجھے کیا ہے کہ میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیا جارہا ہے"۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس وقت امام مسلمؒ کے شاگرد ابوبکر بن اخت ابی النضرؒ نے اس حدیث کی صحت کے بارے میں سوال کیا تو امام مسلم نے جواب دیا تریدا حفظ من سلیمان (مسلم ج ۱ صـ۱۷۴) پوری صحیح مسلم میں یہ واحد مقام ہے جہاں امام مسلم نے صریح لفظوں میں حدیث کی تصحیح کی ہے۔

(۳) تیسری دلیل باب ہذا کی روایت (۲۶۰) ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے جسے ابوداؤد نے ج ۱ صـ۸۹ میں نقل کیا ہے اس میں بھی واذا قرأ فانصتوا کے الفاظ منقول ہیں نواب صدیق حسن خانؒ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں رجال اسنادہ ثقات (دلیل الطالب صـ۲۹۲) اور اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔

ھذا الحدیث ماثبت من اھل السنن وصححہ جماعۃ من الائمۃ۔

اگر تفصیلی حدیث پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک عمل کے بارے میں طریقہ بیان فرماتے ہیں اگر فاتحہ اور سورۃ کی قراءت کے بارے میں کوئی علیحدہ علیحدہ حکم ہوتا تو آپ ضرور اسے واضح فرماتے مگر حضورؐ نے یہاں اذا قرأ فانصتوا پر اکتفا فرما کر یہ بات واضح فرمادی کہ جب امام قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہے۔

ایک اعتراض اور حضرت کشمیریؒ کا جواب

مذکورہ دونوں روایات پر جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہیں شوافع کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ دونوں روایات میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہی احادیث حضرت انسؓ (ترمذی ج ۲ صـ۲) اور حضرت عائشہؓ (بخاری ج ۱ صـ۱۵) سے بھی آتی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اس کا ذکر نہیں کرتا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کا بڑی تفصیل سے تحقیقی اور تطبیقی جواب دیا ہے۔ اور ایک عجیب تحقیق بیان فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "انما جعل الامام لیؤتم بہ" کی حدیث چار صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے،

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ، ان میں سے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیثوں میں "واذا قرأ فانصتوا" کی زیادتی موجود ہے اور حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیثوں میں یہ زیادتی موجود نہیں، احادیث کے تتبع اور غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث دو مرتبہ ارشاد فرمائی، ایک مرتبہ "واذا قرأ فانصتوا" بھی اس میں شامل تھا، اور ایک مرتبہ شامل نہیں تھا، پہلی مرتبہ آپ نے یہ حدیث سقوط عن الفرس کے واقعہ میں ارشاد فرمائی جب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، صحابہ کرامؓ نے اس وقت آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی، تو آپ نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، اور نماز کے بعد یہ حدیث ارشاد فرمائی اور آخر میں فرمایا: "واذا صلی جالساً فصلوا جلوساً" کما فی روایۃ عائشۃ رعند ابی داؤد فی سننہ (ج ۱ ص ۸۹) باب الامام یصلی من قعود) اور حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "واذا صلی قاعداً فصلوا قعوداً اجمعون" (ترمذی ج ۱ ص ۴۷، و ۴۸) باب ماجاء "اذا صلی الامام قاعداً فصلوا قعوداً") اس موقع پر چونکہ آپ کا اصل منشا یہ مسئلہ بیان کرنا تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھنی چاہیے، اس لیے آپ نے ذکر میں تمام ارکان صلوٰۃ کا استیعاب نہیں فرمایا، البتہ ضمناً بعض دوسرے ارکان کا بھی ذکر آگیا، بہر حال استیعاب چونکہ مقصود نہیں تھا اس لیے اس موقع پر آپ نے "واذا قرأ فانصتوا" کا جملہ ارشاد نہیں فرمایا، پھر اس موقع پر چونکہ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں موجود تھے، اس لیے انہوں نے "انما جعل الامام لیؤتم بہ" کی حدیث کو "واذا قرأ فانصتوا" کی زیادتی کے بغیر روایت کیا، اس موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ مدینہ طیبہ میں موجود نہیں تھے، کیونکہ حافظ ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق سقوط عن الفرس کا واقعہ ۵ھ میں پیش آیا، اس وقت تک حضرت ابوہریرہؓ مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، اس لیے کہ وہ ۷ھ میں اسلام لائے، اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی اس وقت حبشہ میں تھے، اور وہ بھی ۷ھ میں حبشہ سے واپس آئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ میں سے کوئی بھی سقوط عن الفرس کے موقع پر موجود نہیں تھے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات جس حدیث کی روایت کر رہے ہیں وہ سقوط عن الفرس کے واقعہ کے بہت بعد یعنی ۷ھ میں یا اس کے بھی بعد ارشاد فرمایا گیا ہے، اور اس وقت چونکہ اس حدیث کا منشا صرف بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا نہیں تھا بلکہ یہ قاعدہ کلیہ بیان کرنا تھا کہ مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہیے، اس لیے اس موقع پر آپ نے تمام ارکان میں متابعت کا طریقہ بتایا، اور "واذا قرأ فانصتوا" کا بھی اضافہ فرمایا، لہٰذا حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کا واقعہ بالکل جدا ہے، اور اس کا سیاق بھی مختلف ہے، اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی احادیث کا سیاق اور واقعہ بالکل دوسرا ہے، اور پہلے

واقعہ میں "واذا قرأ فانصتوا" کے موجود نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بھی یہ زیادتی ضعیف ہو" (درس ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حنفیہ کی تیسری دلیل میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلوٰۃ جھر فیھا بالقراءۃ فقال ھل قرأ معی۔

(۴) حنفیہ کا چوتھا مستدل بھی حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے جسے ابن ماجہ ص۶۱ میں حضرت سفیان بن عیینہ نے زہری سے روایت کیا ہے یہی روایت امام مالکؒ نے اپنی مؤطا ص۲۹ میں نقل کی ہے نیز ابوداؤد ج ا ص۱۲۰ اور نسائی ج ا ص۱۴۶ میں بھی آئی ہے۔

ھل قرأ منکم احد قال رجل انا سے پتہ چلا کہ آپ کے پیچھے صرف ایک شخص ہی قراءت کرنے والا تھا اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا بلکہ واضح اور عمومی الفاظ میں قراءت خلف الامام سے منع فرمایا مفصل روایت یوں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من الصلوٰۃ جھر فیھا بالقراۃ فقال ھل قرأ معی منکم احد انفا فقال رجل نعم انا یا رسول اللہ قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اقول مالی انازع القرآن فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءۃ حین سمعوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لہذا جہری نمازوں میں وہ سب رک گئے گویا جہری نماز میں ترک القراءۃ خلف الامام پر یہ حدیث نص ہے حدیث کے مضمون پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت خلف الامام کو منازعۃ القرآن قرار دیا جس کے بعد صحابہ کرامؓ نے قراءت خلف الامام کو ترک کر دیا تھا ——— بعض لوگوں نے اس حدیث میں بھی یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں قراءۃ سورۃ خلف الامام سے منع کیا گیا ہے نہ کہ مطلق قراءت خلف الامام سے مگر یہ تاویل درست نہیں کیوں کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کی علت بھی بیان فرما دی ہے اور وہ ہے منازعۃ القرآن" منازعۃ القرآن کی یہ علت جس طرح سورۃ میں پائی جاتی ہے اسی طرح فاتحہ میں بھی پائی جاتی ہے۔

لہذا جو حکم سورۃ کا ہوگا وہی حکم فاتحہ کا بھی ہونا چاہئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس جملے سے نصیحت حاصل کی اور پھر کبھی کسی بھی نماز میں قراءت خلف الامام نہیں کیا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءت خلف الامام کے ثبوت میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب بعد میں منسوخ ہو چکی ہیں۔

بَابٌ فِیْ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ فِی الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا

۳۶۲- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّهْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ يَقْرَأُ خَلْفَهٗ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی فَلَمَّا انْصَرَفَ

باب۔ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قراءة نہ کرنا۔ ۳۶۲۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی، تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے (سورة) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھنی شروع کر دی جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا، تم میں سے کس نے پڑھا، یا فرمایا، تم میں سے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر اعتراضات کے جوابات

بعض حضرات نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں ابن اکیمة اللیثی مجہول ہے مگر اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں ابن اکیمہ کا اصل نام عمارہ ہے ابو حاتم اور یحییٰ بن سعید نے اسے ثقہ قرار دیا ہے یعقوب بن سفیانؒ کہتے ہیں کہ یہ مشہور تابعی ہیں ابن حبان نے بھی انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب ج ۷ ص۴۱۰)

امام تیمیہؒ فرماتے ہیں قال ابو حاتم صحیح الحدیث وحدیثه مقبول (فتاویٰ ج ۲ ص۲۷۱) مبارکپوری لکھتے ہیں ان ابن اکیمة اللیثی ثقة (تحفة ج ۱ ص۲۵۵ وابکار المنن ص۱۱۶)

بعض حضرات نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ روایت میں فانتهی الناس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ زہریؒ کا قول ہے مگر یہ اعتراض بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ ابو داؤد میں یہ روایت سند صحیح کے ساتھ منقول ہے جس میں قال ابوهريرة فانتهى الناس کی تصریح ہے (ج ۱ ص۱۲۰) امام تیمیہؒ نے اس کا خوب جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اولاً تو یہ تسلیم نہیں کہ یہ جملہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا یہ کوئی کم دلیل ہے کہ یہ قول امام زہریؒ کا ہے زہریؒ کوئی معمولی آدمی تو نہ تھے وہ تابعی اور اعلم بالسنة تھے وہی زہریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے قرأت خلف الامام ترک کر دی تھی پھر کیا یہ کوئی کم شہادت ہے اور بالفرض یہ بھی تسلیم کہ فانتهى الناس عن القراءة زہریؒ کا ادراج ہے تب بھی حنفیہ کا مستدل کمزور نہیں کیونکہ حنفیہ حضرات کے استدلال کے لیے یہ جملہ موقوف نہیں بلکہ ان کا استدلال تو مالی انازع القرآن سے ہی مکمل ہو جاتا ہے۔

(۳۶۲ تا ۳۷۲) اس باب سے مصنفؒ کی غرض آن احناف کے مستدلات کا بیان ہے۔ جو صلوات جہریہ اور سریہ سب میں عدم جواز قرأت خلف الامام کے قائل ہیں۔

قَالَ اَيُّكُمْ قَرَأَ اَوْ اَيُّكُمُ الْقَارِئُ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا فَقَالَ قَدْ ظَنَنْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيْهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۳۶۳۔ وَعَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقِرَاءَةَ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۳۶۴۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ رَوَاهُ الْحَافِظُ اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْمُؤَطَّا وَالطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

کون پڑھنے والا ہے " (راوی کو شک ہے) ایک شخص نے عرض کیا، میں، تو آپ نے فرمایا "میں سمجھا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ جھگڑ رہا ہے۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۳۶۳۔ ابوالاحوص سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءۃ کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا "تم نے مجھ پر قراءۃ خلط کردی ہے۔

یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۳۶۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءۃ اس کے لیے قراءۃ ہے "

یہ حدیث حافظ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں، محمد بن الحسن نے مؤطا میں نیز طحاوی اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۱) چنانچہ باب کی پہلی روایت (۳۶۲) میں صلوٰۃ ظہر (سری) میں ایک شخص کے قرارت خلف الامام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ مخالجہ یعنی جھگڑا قرار دیا اس روایت کو امام مسلمؒ نے ج ۱ صفحہ ۱۷۲ میں نقل کیا ہے یہ حدیث نص ہے کہ قرارت خلف الامام جہری نمازوں کی طرح سری نمازوں میں بھی نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت (۳۶۳) کا ماحصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت کیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقِرَاءَةَ تم نے مجھ پر قرارت

۳۶۵۔ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ وَإِذَا صَلّٰى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۶۶۔ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۶۷۔ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ۔
رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ بَابِ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ۔

۳۶۵۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا تم میں سے کوئی جب امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءۃ کافی ہے اور جب وہ اکیلا پڑھے تو قراءۃ کرے اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ امام کے پیچھے قراءۃ نہیں کرتے تھے۔ یہ حدیث مالک نے مؤطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۳۶۶۔ وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، جس شخص نے ایک رکعت پڑھی، اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی، تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۳۶۷۔ عطاء ابن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قراءۃ کے بارہ میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا کسی چیز میں بھی امام کے ساتھ قراءۃ نہیں۔
یہ حدیث مسلم نے باب سجود التلاوۃ میں نقل کی ہے۔

غلط کردی ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ قراءت خلف الامام مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ نماز جہری ہو یا سری۔

حضرت جابرؓ کی روایت پر اعتراضات اور جوابات

(۳) حضرت جابرؓ کی روایت ۳۶۶ کو امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۱ ص۱۵۱، علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۱ اور امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۲۹ میں نقل کیا ہے امام

۲۶۸ - وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ اَنَّهٗ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالُوْا لَا يُقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلَوٰتِ - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

۲۶۹ - وَعَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنْصِتْ لِلْقِرَاءَةِ فَاِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شُغْلًا وَسَيَكْفِيْكَ ذٰلِكَ الْاِمَامُ - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۲۶۸ - عبید اللہ بن مقسم نے کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو ان سب نے کہا "کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قراءۃ نہ کی جائے"۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۲۶۹ - ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا "قراءۃ کے وقت خاموش رہو، بلاشبہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہیں اس میں امام کفایت کرے گا"۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

شمس الدین ابن قدامہؒ شرح مقنع للکبیر برحاشیہ مغنی ج ۲ ص۱۱ میں یہی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ وقال ھذا اسناد صحیح متصل رجالہ کلھم ثقات مگر مبارکپوری نے تحقیق الکلام ج ۲ ص۱۲۰ میں اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ ولہ طرق عن جماعۃ من الصحابۃ کلھا معلولۃ مگر اس اعتراض کا کوئی وزن نہیں کیونکہ کلھا کی ضمیر طرق عن جماعۃ من الصحابۃ کی طرف راجع ہے ضعیف ہیں تو وہ طرق ضعیف ہیں حضرت جابرؓ کی یہ حدیث بہرحال صحیح ہے۔

حدیث جابر میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہو جاتی ہے لہذا مقتدی کو قراءت کی ضرورت نہیں نیز حدیث جابرؓ میں مطلق قراءت کا حکم ہے جو قراءت فاتحہ و سورۃ دونوں کو شامل ہے لہذا دونوں میں امام کی قراءت حکماً مقتدی کی قراءت قرار پائے گی۔

بعض صحابہ کرامؓ کے آثار

(۳) یہاں سے مصنفؒ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار نقل کرتے ہیں جن میں مطلقاً قراءت خلف الامام کے ترک کا واضح مضمون منقول ہے۔ روایت (۲۶۵) میں حضرت ابن عمرؓ کا اثر ہے جسے امام دارقطنیؒ نے ج ۱ ص۴۰۱

۲۷۰۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَيْتَ الَّذِيْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوْهُ تُرَابًا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۷۱۔ وَعَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ فَقَالَ لَا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۲۷۰۔ علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا "کاش وہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے"

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۲۷۱۔ ابو جمرہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا "کیا میں قراءۃ کروں جب کہ امام میرے آگے ہو، تو انہوں نے کہا، نہیں"

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

اور امام مالکؒ نے موطا صـ۲۹ میں نقل کیا ہے اور اس میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ وکان ابن عمر لا یقرء خلف الامام۔ روایت نمبر ۲۶۳ حضرت جابرؓ کا فتویٰ ہے جو حضرت جابرؓ کی روایت ۲۶۴ کا مؤید ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس اثر کو مرفوعاً بھی تخریج کیا ہے روایت ۲۶۷ حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر ہے جیسے نسائی ج ۱ صـ۱۱۱ مسلم ج ۱ صـ۲۱۵، ابو عوانہ ج ۱ صـ۲ اور طحاوی ج ۱ صـ۱۲۷ میں نقل کیا گیا ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ لا قراءۃ مع الامام فی شیء، روایت ۲۶۸ طحاوی ج ۱ صـ۱۲۸ میں منقول ہے جس میں عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور جابر بن عبداللہؓ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں۔ لا یقرء خلف الامام فی شیء من الصلوات۔ روایت نمبر ۲۶۹ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ ہے ۲۷۰ میں بھی حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ۲۷۱ میں حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے اور ۲۷۲ میں حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت نقل کی گئی ہے یہ تمام فتاویٰ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں متعدد سندوں کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

بہر حال ان فتاویٰ اور صحابہ کے آثار سے یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر فتویٰ اور عمل ثابت ہے بلکہ متواتر سندوں کے ساتھ جماعت صحابہ سے قراءت خلف الامام کی ممانعت موجود ہے لہٰذا جن صحابہ سے قراءت خلف الامام ثابت ہے

٤٧٢- وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفِي كُلِّ صَلٰوةٍ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَجَبَ هٰذَا فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَا كَثِيْرُ وَأَنَا إِلٰى جَنْبِهِ لَا أَرَى الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا قَدْ كَفَاهُمْ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَفِي الْبَابِ آثَارُ التَّابِعِيْنَ۔

٤٧٢- کثیر بن مرۃ سے روایت ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، اے اللہ پیغمبر! کیا ہر نماز میں قراءۃ ہے، آپ نے فرمایا، ہاں تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا یہ تو ضروری ہو گئی، تو ابوالدرداء نے کہا، اے کثیر! میں اس کے پہلو میں تھا، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جب امام لوگوں کو جماعت کرائے تو وہ ان کی طرف سے کافی ہے۔

یہ حدیث دار قطنی، طحاوی، احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے، اور اس مسئلہ میں تابعین رضوان اللہ علیہم کے آثار موجود ہیں۔

وہ یا تو ممانعت سے پہلے کا عمل ہے یا پھر ان صحابہ کرامؓ کو ممانعت کا علم نہ ہو گا۔

لہذا یہ بات مسلّم ہوئی کہ قراءت خلف الامام کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے یہی نظر کا بھی تقاضا ہے

امام طحاوی کی نظر | تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ امام کے رکوع میں ہونے کی حالت میں آنے والا بحالت قیام تکبیر تحریمہ کے بغیر اگر رکوع میں چلا جائے اور امام کے ساتھ شریک ہو جائے تو اس کی نماز نہیں ہوتی ہے، نہ وہ رکعت ہوتی ہے اور نہ پوری نماز، حالانکہ قیام تکبیر کو فوت رکعت کے خوف اور ضرورت کی وجہ سے اس نے ترک کر دیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قیام حالت ضرورت اور غیر ضرورت دونوں صورتوں میں لازم ہیں اور ہر حالت میں یکساں حکم رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ اور قیام نماز کے اندر فرائض میں سے ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اگرچہ فوت رکعت کے خوف کی وجہ سے کیوں نہ ہو اور قراءت کے بارے میں علماء کا اجماع ثابت ہو چکا ہے کہ آنے والے اگر قراءت ترک کر کے بحالت قیام تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہو جائے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ قراءت دیگر فرائض کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب دیگر فرائض بحالت ضرورت وغیر ضرورت ہر حال میں یکساں حکم رکھتے ہیں، تو فوت رکعت کے خوف کی ضرورت اور غیر ضرورت دونوں صورتوں میں ساقط نہیں ہوتے ہیں۔ تو فریضۂ قراءت جو بالکل مخالف ہے اس کا حکم بھی مخالف پہلو میں یکساں ہونا چاہئے، کہ فوت رکعت کی ضرورت اور غیر ضرورت دونوں صورتوں میں ساقط ہو جایا کرے۔ اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ احتمال نمبر ۲ کو ترجیح حاصل ہے کہ آنے والے سے بھی قراءت ہو جاتی ہے۔ وہ مقتدی کے اوپر قراءت لازم نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بات مسلّم ہو گئی کہ قراءت خلف الامام جائز نہیں ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہؒ کا قول ہے۔

بَابُ تَأْمِيْنِ الْإِمَامِ

۳۷۳ - عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ

باب - امام کا آمین کہنا - ۳۷۳ - حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بلاشبہ جس کی آمین امام کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔

یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

(۳۷۳ تا ۳۷۶) انعقاد باب کی غرض تامین کی فضیلت کا بیان ہے۔

آمین کا معنی آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے آمین کا معنی استجب دعاءنا یا فلیکن کذالک ہے بعض حضرات نے اس کا معنی لا تخیب رجاءنا سے کیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آمین عربی زبان کا اسم فعل ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ یہ لفظ سریانی زبان سے نقل ہو کر آیا ہے کیونکہ بائیبل کے مختلف صحائف میں بھی یہ کلمہ اسی طرح موجود ہے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے جب ایک یہودی عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین سنا تو اس نے اس کی حقانیت کا اعتراف کیا اور کہا والذی حدثکم آمین انکم لعلی الحق (المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ ج ا ص۱۲۳)

بہرحال تامین میں بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کرے اس لیے عاجزانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرما دے اور میری دعا قبول فرمالے اس طرح یہ مختصر سا لفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔

فرشتوں کی آمین سے موافقت کی مراد (۱) باب کی پہلی روایت حضرت ابوہریرۃؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان ج ا ص۱۰۸ میں نقل کیا ہے۔

۲۷۴۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُہٗ۔

۲۷۵۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَبَیَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلٰوتَنَا فَقَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لْیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یُحِبُّکُمُ اللّٰہُ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۲۷۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب امام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہے، تو تم آمین کہو، بلاشبہ جس کا قول (آمین کہنا) ملائکہ کے قول کے مشابہ ہوگیا، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔“

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے اور مسلم میں بھی اس جیسی روایت ہے۔

۲۷۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک لمبی حدیث میں کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہم سے ہماری سنتیں بیان کیں اور ہمیں ہماری نماز سکھائی اور فرمایا ”جب تم نماز پڑھنے لگو، تو اپنی صفوں کو سیدھا کرو، پھر تم میں سے ایک تمہیں امامت کرائے، جب وہ تکبیر کہے، تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ۔ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔“ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

من وافق تامینہ تامین الملٰئکۃ کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین حدیث نے کئی مطلب بیان کئے ہیں ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہتے ہیں اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اسی وقت آمین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے ان کے سابقہ گناہ معاف

۲۷۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَقُوْلُ اٰمِيْنَ وَاِنَّ الْاِمَامَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۷۶۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، بلاشبہ فرشتے آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے، پس جس کا آمین کہنا، فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگیا، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

یہ حدیث نسائی اور دارمی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فرما دیئے جائیں گے۔

(۲) دوسری روایت بھی حضرت ابوہریرہؓ کی ہے اسے بھی امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان ج اص۱۰۸ میں نقل کیا ہے۔

ولا الضالین فقولوا آمین سورۂ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے جیسا کہ پہلے ابواب میں گزرا کہ اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعا کی تمہید ہے اس کے بعد تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ختم پر آمین کہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام فاتحہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں تو حضورؐ کا ارشاد ہے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں آمین کہنے والے فرشتے وہی ہیں جو اعمالنامے لکھتے ہیں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ان کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں روایت ۲۷۵ صحیح مسلم ج اص۱۷۶ اور روایت ۲۷۶ مسند احمد ج ۲ ص۲۳۳ میں نقل ہوئی ہے دونوں کا تعلق فضیلت تامین سے ہے۔

آمین، رب العالمین کی مہر ہے | علاوہ ازیں سنن ابی داؤد میں ابو زہیر نمیری سے روایت ہے فرماتے

بَابُ الْجَهْرِ بِالتَّأْمِيْنِ

٢٧٧- عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْآخَرُوْنَ وَهُوَ حَدِيْثٌ مُضْطَرِبٌ.

باب۔ اونچی آواز سے آمین کہنا۔ ۲۷۷۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھتے تو آمین کہتے، اس کے ساتھ آواز بلند فرماتے۔
یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور یہ حدیث مضطرب ہے۔

ہیں کہ ایک رات ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگا دے تو یہ ضرور قبول کرائے گا صحابہؓ میں سے بعض نے عرض کیا بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ کس چیز کی مہر، حضورؐ نے فرمایا قال بِآمِيْن یعنی آمین کی مہر لگا دے تو اس کے لیے جنت و مغفرت واجب ہوگئی اور اس کی دعا قبول ہوگئی۔

ختم کے دو معنی نقل کیے گئے ہیں مہر لگانا یا ختم کرنا پہلے معنی اس حدیث آمین خاتم رب العالمین کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ و بہتر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آمین اللہ رب العالمین کی مہر ہے کہ اس کی وجہ سے آفات و بلائیں ختم ہوتی ہیں جس طرح کہ مہر سے خط محفوظ رہتا ہے یا وہ چیزیں قابل اعتماد ہوتی ہیں جن پر مہر لگی ہوتی ہے لہٰذا حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پروردگار سے دعا مانگے تو اس کو چاہیئے کہ دعائیہ کلمات کہنے کے بعد آمین بھی کہے تاکہ اس کی برکت کی وجہ سے وہ بارگاہ قاضی الحاجات میں مقبولیت کے مرتبہ سے نوازی جائے اور وہ دعا کامل رہے کیونکہ آمین بمنزلہ مہر کے ہے۔

(۲۷۷ تا ۲۸۰) اس باب اور اس سے اگلے باب کے انعقاد سے مصنف بیان مذاہب و دلائل اور مذہب راجح کی ترجیح کے وجوہ راجح بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جواز میں اتفاق افضلیت میں اختلاف | آمین سراً ہو یا جہراً جائز ہے اور اس کے جواز پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے البتہ اس کی افضلیت میں اختلاف ہے جواز میں نہیں، مگر یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے حالانکہ کوئی باانصاف صاحب علم اس سے

۸۷۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ رَفَعَ صَوْتَهٗ وَقَالَ اٰمِیْنَ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَالْحَاكِمُ وَفِیْ اِسْنَادِهٖ لِیْنٌ۔

۸۷۸۔ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۃ فاتحہ کی قراءۃ سے فارغ ہوتے آواز بلند فرماتے اور آمین کہتے ۔"

یہ حدیث دارقطنی اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے ۔

انکار نہیں کر سکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور سر کی بھی اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضؓ اور تابعینؒ دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسر کہنے والے بھی اور یہ بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپ کے زمانے میں دونوں طرح عمل ہوا ہے یہ ناممکن ہے کہ آپ کے زمانے میں کبھی آمین بالجہر نہ کہی گئی ہو اور آپ کے بعض صحابہؓ جہر سے نہ کہنے لگے ہوں اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپ کے دور میں اور آپ کے سامنے آمین بالسر پر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہؓ ایسا کرنے لگے ہوں الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جانا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح عمل ہوا ہے پھر ائمہ کی معلومات اور مجتہدات کی بنا پر اس میں اختلاف ہوا اصل اور افضل جہر ہے یا سر، جواز سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

بیان مذاہب

(۱) شوافع اور حنابلہ آمین بالجہر کو افضل قرار دیتے ہیں امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اما المأموم فقد قال الشافعیؒ فی الجدید لا یجهر وقال فی القدیم یجهر (شرح المهذب ج ۳ ص۳۷۱) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں الجهر للمأموم وذهب الیه الشافعی فی القدیم وعلیه الفتوی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بہتر توضیح خود امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کی فرمائی ہے تحریر فرماتے ہیں وقال الشافعی فاذا فرغ الامام من قراءة ام القرآن قال آمین ورفع بها صوته یقتدی به من كان خلفه فاذا قال قالوها واسمعوا انفسهم ولا احب ان یجهروا بها فان فعلوا فلا شیء علیهم۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک آمین سراً کہنا افضل ہے۔ امام ثوریؒ کے نزدیک

۳۷۹۔ وَعَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمِّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِيْنَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَ أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ

۳۷۹۔ ابو عبد اللہ بن عم ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ نے کہا، لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتے تو آمین کہتے، یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے یہاں تک کہ اس کے ساتھ مسجد گونج اٹھتی۔"
یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

بھی اخفاء افضل ہے امام مالک کے بارے میں المدونۃ الکبریٰ ج ا ص۷۱ میں ہے قال مالک ویخفی من خلف الامام آمین۔

قائلین جہر کے دلائل

باب ہذا کے تمام روایات قائلین جہر کا مستدل ہیں وائل بن حجر کی روایت ۳۷۷ آمین بالجہر والوں کا قوی مستدل ہے۔ دراصل یوں تو اس موضوع پر فریقین کی طرف سے کثیر روایات بطور دلیل کے پیش کی جاتی ہیں مگر ایسی تمام روایات صحیح نہیں ہیں اور اگر صحیح ہیں تو صریح نہیں ہیں مگر وائل بن حجر کی یہ روایت صحیح ترین روایت ہے اسی روایت سے شوافع اور حنابلہ کی طرح حنفیہ اور مالکیہ بھی اخفا کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت دو طریق سے مروی ہے ایک سفیان ثوری کے طریق سے جس کے الفاظ یہ ہیں عن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین وقال آمین ومدبہا صوتہ دوسرا شعبہ کے طریق سے جس کے الفاظ یہ ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین وخفض بہا صوتہ امام ترمذیؒ نے ان دونوں طریق سے باب ما جاء فی التامین میں اپنی جامع میں تخریج کی ہے۔

شوافع اور حنابلہ سفیان کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور شعبہ کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں احناف اور موالک شعبہ کی روایت کو ترجیح دے کر سفیان کی روایت میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس میں ومد بہا صوتہ سے مراد جہر نہیں بلکہ آمین کی ی کو کھینچنا ہے خود امام نیمویؒ نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔

۳۸۰۔ وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ وَهِيَ فِيْ صَفِّ النِّسَآءِ رَوَاهُ ابْنُ رَاهْوَيْهِ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَفِيْهِ اِسْمٰعِيْلُ

۳۸۰۔ ام الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ نے وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہا، تو آپ نے آمین کہی، جسے میں نے سُنا، حالانکہ میں عورتوں کی صف میں تھی۔

یہ حدیث ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے۔ اس کی سند میں اسمٰعیل

رفع صوت کی مراد

رفع بہا صوتہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آواز قدرے بلند تھی جسے پہلی صف میں کھڑے مقتدیوں نے سن لیا یہ مراد نہیں کہ تکبیر کی طرح مقتدیوں کو سنانا مقصود تھا اس کے کئی نظائر موجود ہیں مثلاً عبداللہ بن زیاد کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دن کی ایک نماز میں قراءت سنی (حالانکہ وہ جہری نمازیں نہیں ہیں) وہ کہتے ہیں کہ میں ظہر اور عصر میں حضرت ابن مسعودؓ کے پہلو میں کھڑا تو انہیں پڑھتے ہوئے سنا اسی طرح حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو میں نے انہیں رب زدنی علما پڑھتے ہوئے سنا اسی سے میں نے یہ سمجھا کہ وہ نماز میں سورۃ طٰہٰ پڑھ رہے ہیں نیز حمید اور عثمانی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انسؓ کے پیچھے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی انہیں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے ہوئے سنا علامہ ہیثمیؒ نے اس قسم کی تمام روایات طبرانی کبیر کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد ان تمام روایات کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۱)

روایت سفیان کی وجوہ ترجیح اور ان کے جوابات

چونکہ شوافع اور حنابلہ سفیان کی روایت کو لیتے اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں لہٰذا ذیل میں ہم روایت سفیان کی وجوہ ترجیح اور ان کے جوابات بھی تفصیل سے عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ نے سفیان کی روایت کا ایک متابع بھی ذکر کیا ہے، اور وہ ہے علاء بن الصالح الاسدی۔ لیکن یہ وجہ ترجیح اس لیے ناکافی ہے کہ علاء بن الصالح باتفاق ضعیف ہیں (قال النیموی فی آثار السنن العلاء بن صالح لیس من الثقات الاثبات قال فی التقریب صدوق لہ اوہام وقال الذہبی فی المیزان قال ابو حاتم کان من عتق الشیعۃ وقال ابن المدینی روی احادیث مناکیر) اس لیے ان کی متابعت کا کوئی اعتبار نہیں،

بْنَ مُسْلِمٍ الْمَكِّيِّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ لَمْ يَثْبُتِ الْجَهْرُ بِالتَّأْمِيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنِ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَمَا جَاءَ فِي الْبَابِ فَهُوَ لَا يَخْلُوْ عَنْ شَيْءٍ۔

بن مسلم المکی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

نیموی نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم سے اونچی آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں، اور جو روایات اس سلسلہ میں آئی ہیں۔ وہ کسی نہ کسی چیز (ضعف) سے خالی نہیں ہیں۔

---

(۲) دوسری وجہ ترجیح یہ بیان کی جاتی ہے کہ علاء بن الصالح کے علاوہ محمد بن سلمہ بن کہیل۔ (کما فی الدارقطنی، ج ۱ ص ۳۳۴ و ۳۳۵) اور علی بن صالح نے بھی سفیان کی متابعت کی ہے، (کما فی سنن ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۳۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن سلمہ بھی نہایت ضعیف ہیں، امام ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ علامہ جوزجانیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا ذاھب واھی الحدیث۔ آثار السنن لہٰذا ان کی متابعت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اور جہاں تک علی بن صالح کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ثقہ ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان کی روایت صرف ابوداؤد میں موجود ہے، اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے "التلخیص الحبیر فی تخریج الرافعی الکبیر" میں لکھا ہے کہ درحقیقت ابوداؤد کی روایت میں علی بن صالح کا نام ذکر کرنے میں کسی کاتب یا راوی سے غلطی ہوگئی ہے، اصل میں یہ علاء بن صالح ہی تھا جسے غلطی سے علی بن صالح بنادیا گیا۔ اس کی دلیل علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت تین طریقوں سے مروی ہے، ترمذی میں اس کی سند یہ ہے "عن محمد ابن ابان عن ابن نمیر عن العلاء ابن صالح عن سلمة بن کھیل"، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کی سند یہ ہے "عن ابن نمیر عن العلاء بن صالح" اور ابوداؤد میں اس کی سند یہ ہے: عن مخلد بن خالد الشعیری نا ابن نمیر نا علی بن صالح عن سلمة بن کھیل" اس سے واضح ہوا کہ ان تینوں روایتوں کا مدار عبداللہ بن نمیر پر ہے، اور ان کے دو شاگرد یعنی محمد بن ابان اور ابوبکر بن ابی شیبہ ان کے استاذ کا نام علاء بن صالح ذکر کرتے ہیں، جب کہ صرف مخلد بن خالد الشعیری ان کا نام علی بن صالح ذکر کرتے ہیں، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ محمد بن ابان اور ابوبکر بن ابی شیبہ دونوں شعیری کے مقابلہ میں احفظ ہیں، لہٰذا ان کی روایت راجح ہوگی۔ اس کی ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں

سفیان کی روایت کے متابعات ذکر کرنے میں بہت کوشش کی ہے، اس کے باوجود وہ علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ کے سوا کوئی متابع نہیں لا سکے، اگر علی بن صالح نے بھی سفیان کی متابعت کی ہوتی تو وہ ضرور اس کو ذکر کرتے، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ روایت کے راوی علاء بن صالح ہیں نہ کہ علی بن صالح، اور علاء بن صالح ضعیف ہیں، لہٰذا شعبہ کے مقابلہ میں ان کی متابعت معتبر نہیں۔

(۳) شوافع سفیان کی روایت کی تیسری وجہ ترجیح یہ بیان کرتے ہیں کہ خود شعبہ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ امام بیہقیؒ نے شعبہ سے ایک ایسی روایت نقل کی ہے جس میں خفض بھا صوتہ کے بجائے رافعاً بھا صوتہٗ کے الفاظ آئے ہیں (سنن کبریٰ بیہقی، ج ۲ ص ۵۸)

اس کا جواب علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں یہ دیا ہے کہ بیہقی کی یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ یہ روایت شعبہ سے درجنوں طُرُق سے مروی ہے اُن میں سے صرف بیہقی کی روایت میں رافعاً بھا صوتہ کے الفاظ آئے ہیں جب کہ باقی تمام ائمہ وحفاظِ حدیث اُن سے خفض بھا صوتہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت شاذ ہونے کی بناء پر ناقابلِ قبول ہے۔

سفیان کی روایت کی تائید میں شوافع کی طرف سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے جو ابن ماجہ میں مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ترك الناس التأمين وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمعها اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد، ص ۲، باب الجہر بآمین۔

لیکن اس حدیث کا مدار بشر بن رافع پر ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہیں، علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں حافظ ابن عبد البرؒ کا قول اُن کی کتاب "الانصاف" سے نقل کیا ہے: "اتفقوا على انكار حديثه وطرح ما رواه وترك الاحتجاج به لا يختلف علماء الحديث في ذلك"۔

(۴) چوتھی وجہ ترجیح یہ بیان کی جاتی ہے کہ سفیان ثوری شعبہ کے مقابلہ میں احفظ ہیں، جس کا اعتراف خود شعبہ نے کیا ہے، چنانچہ ان کا مقولہ مشہور ہے "سفیان احفظ منی"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ شعبہ کا یہ مقولہ ثابت ہے، اور یہ مقولہ سفیان کی روایت کے لیے وجہ ترجیح بن سکتا ہے، لیکن یہ تنہا ایک وجہ ترجیح اُن وجوہ ترجیح کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو شعبہ کی روایت کو حاصل ہیں۔

(درس ترمذی جلد دوم)

(۲) شوافع اور حنابلہ کا دوسرا مستدل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (۸، ۳) ہے جسے دارقطنی ج ۱ ص ۳۳۵ اور مستدرک ج ۱ ص ۲۲۳ میں تخریج کیا گیا ہے، امام دارقطنی نے اس پر مزید یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اسنادہ حسن

وقال الحاکم والذھبی صحیح علی شرط الشیخین امام نیمویؒ جواب میں فرماتے ہیں وفی اسنادہ لین کیونکہ اس کی سند میں اسحٰق بن ابراہیم زبیدی ہے جس کو امام نسائی نے لیس بثقۃ امام ابوداؤدؒ نے لیس بشیء قرار دیا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص۸۵) خود امام نیمویؒ تعلیق الحسن میں فرماتے ہیں قد اعل الدارقطنی ھذا الحدیث فی کتاب العلل تہذیب ج ۲ ص۲۱۹ میں ہے قال النسائی لیس بثقۃ وروی الآجری عن ابی داؤد ان محمد بن عون قال ما اشک ان اسحٰق بن زبریق یکذب۔

(۳) قائلین آمین بالجہر کا تیسرا استدلال حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ۳۷۹ سے ہے جس کو ابن ماجہ نے ص۶۲ میں نقل کیا ہے مگر خود امام نیمویؒ جواب میں کہتے ہیں واسنادہ ضعیف کیونکہ اس روایت کی سند میں بشر بن رافع ہے جو کذاب ہے اور اختراعی حدیثیں بیان کرتا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص۱۳۱)

(۴) یہ حضرات چوتھا استدلال ام حصین کی روایت (۳۸۰) سے کرتے ہیں۔

اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر ج ۲۵ ص۱۵۸ میں نقل کیا ہے علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ ج ۱ ص۳۷۱ میں اور مبارکپوری تحفہ ج ۱ ص۲۰۸ میں لکھتے ہیں اخرجہ اسحٰق بن راھویہ فی مسندہ خود امام نیمویؒ فرماتے ہیں وفیہ اسمٰعیل بن مسلم المکی وھو ضعیف کیونکہ اس کی سند میں اسمٰعیل بن مسلم ابن ابی زیاد ہے جو جھوٹا ہے اور اختراعی حدیثیں بیان کرتا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص۲۳۱)

امام احمدؒ نے اسماعیل بن مسلم مکی کو منکر الحدیث ابن معینؒ نے لیس بشیء، ابن مدینیؒ نے لایکتب حدیثہ، امام نسائیؒ نے متروک، ابن حبانؒ نے ضعیف، بزارؒ نے لیس بالقوی اور امام حاکمؒ نے لیس بالقوی قرار دیا ہے تہذیب التہذیب ج ۱ ص۳۳۲)

وقال النیموی لم یثبت الجھر امام نیموی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ سے اونچی آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں ہے اور جو روایات اس مسئلہ میں آتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز ضعف سے خالی نہیں ہیں۔

چند مزید دلائل | مصنفؒ کی ذکر کردہ روایات کے علاوہ بطور مثال قائلین آمین بالجہر کے بعض دیگر مستدلات اور ان کے جوابات بھی توضیح مسئلہ کے لیے اجمالاً عرض کئے جاتے ہیں۔

(۱) نسائی ص۱۴۷ ج ۱، ابن ماجہ ص۶۲ اور دارقطنی ص۱۲۷ ج ۱ میں عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہؓ روایت ہے، قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم الیٰ ان قال۔ قال آمین یرفع بہا صوتہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ترمذی ص۱/۵۸ ج ۱ میں ہے: عبد الجبار بن وائل لم یسمع من ابیہ...
الخ امام نووی شرح المہذب ج ۳ ص۱۰۳ میں لکھتے ہیں کہ الائمۃ متفقون علی ان عبد الجبار
بن وائل لم یسمع عن ابیہ شیئاً وقال جماعۃ انما ولد بعد وفات ابیہ بستۃ اشہر
تو یہ روایت منقطع ہے درمیان کی کڑی غائب ہے۔

(ب) ابن ماجہ ص۶۲ میں روایت ہے: عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ماحسدتکم الیہود علی شیء ماحسدتکم علی قول آمین فاکثروا من
قول آمین پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما موصولہ ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔
(۱) اس کی سند میں طلحہ بن عمرو ہے۔ جمہور محدثینؒ اس کی سخت تضعیف کرتے ہیں، چنانچہ تہذیب ج ۵ ص۲۳
اور نیل الاوطار ج ۲ ص۲۲۹ میں اس پر محدثین کی جرح تفصیل سے منقول ہے۔
(۲) یہ روایت جہر والوں کو مفید نہیں کیونکہ قول بالآمین کے ہم بھی قائل ہیں اور جہر کا لفظ اور ذکر یہاں
نہیں ہے اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص۵۶ میں روایت ہے: عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یحسدونا الیہود بشیء ماحسدونا بثلاث التسلیم والتامین
واللّٰھم ربنا لک الحمد۔ تو جہر والوں کے قاعدہ سے چاہیے کہ سلام اور تحمید بھی مقتدی جہر سے کہیں۔
(ج) دارقطنی ج ۱ ص۱۲۷ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کان اذا قال ولا الضالین قال آمین ورفع بہا صوتہ۔
جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں بحر السقاء راوی ہے۔ خود امام دارقطنیؒ کہتے ہیں ضعیفٌ ج ۱ ص۱۲۷
اور کتب رجال میں بھی اس پر کڑی تنقید ہے۔

(د) نیل الاوطار ج ۲ ص۲۲۹ میں معجم کبیر طبرانی کے حوالہ سے حضرت سلمانؓ سے مرفوعاً اور اسی طرح ام
الحصینؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔

جواب یہ ہے حضرت سلمانؓ کی روایت میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے اور حضرت ام الحصینؓ کی
روایت میں اسمٰعیل بن مسلم المکی ہے جس پر جرح گزر چکی ہے۔

الغرض آمین بالجہر والوں کے پاس کوئی روایت صحیح اور قابل اعتماد سند سے مروی نہیں اگر کوئی روایت
ہے تو وہ یہ ہے جو مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۳ میں ہے: عن وائل قال رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم دخل فی الصلوٰۃ فلما فرغ من فاتحۃ الکتاب قال آمین ثلٰث مرات رواہ طبرانی

بَابُ تَرْكِ الْجَهْرِ بِالتَّامِيْنِ قَالَ عَطَاءٌ اٰمِيْنَ دُعَاءٌ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً

۱۸۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا يَقُوْلُ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِیُّ يُسْتَفَادُ مِنْهُ اَنَّ الْاِمَامَ لَا يَجْهَرُ بِاٰمِيْنَ۔

باب۔ آمین اونچی نہ کہنا۔ عطاء نے کہا، آمین دعا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنے پروردگار کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔

۱۸۳۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے، امام سے جلدی نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (اللہ تعالیٰ نے اسکی دعا سن لی جس کی اس نے تعریف کی)

کہے تو تم کہو

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے اللہ! ہمارے پروردگار! آپ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا اس حدیث سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ امام آمین اونچی آواز سے نہ کہے۔

فی الکبیر ورجالہ ثقات۔ لیکن اس پر جہر والوں کا عمل نہیں وہ تین مرتبہ نہیں صرف ایک مرتبہ کہتے ہیں۔

احناف و موالک کے دلائل (۲۸۱ تا ۲۸۵)

اس باب کے تمام مرویات حنفیہؒ اور موالکؒ کا مستدل ہیں ترجمۃ الباب میں عطاءؒ کا قول اور قرآنی آیت حنفیہ اور موالکؒ کی سب سے زیادہ قوی اور مضبوط دلیل ہے۔

(۱) قال عطاء آمین دعاء یہ عطاء ابن ابی الرباحؒ کا قول ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص

۲۸۲- وَعَنِ الْحَسَنِ اَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ

۲۸۲- حسن سے روایت ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے آپس میں مباحثہ کیا، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے (یعنی قراءۃ کے درمیان خاموش ہونا) یاد کیے ہیں، ایک سکتہ جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے، اور ایک سکتہ جب آپ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کی قراءۃ سے فارغ ہوتے، یہ بات حضرت سمرہؓ نے یاد

میں نقل کیا ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا میں قرآنی تعلیمات کے مطابق اخفاء اور ستر ہی بہتر ہے کما قال تعالیٰ اللہ تعالیٰ ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔

(۲) گذشتہ باب کی روایت (۲۷۷) شعبہ کے حوالے سے وائل بن حجرؓ کی روایت حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال ہے جس میں وخفض بھا صوتہ کی تصریح ہے (ترمذی ج ۱ ص۳۴، مسند احمد ج ۴ ص۳۱۶، ابو داؤد طیالسی ص۱۳۸، سنن الکبریٰ ج ۲ ص۵۷، دارقطنی ج ۱ ص۱۲۷)

شعبہؒ کی روایت کے وجوہ ترجیح اور اعتراضات کے جوابات

(ا) سفیان ثوریؒ اپنی جلالت قدر کے باوصف کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں اس کے برخلاف شعبہ تدلیس کو اشد من الزنا سمجھتے تھے ان کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے لان اخر من السماء احب الی من ان ادلس اسی سے ان کی غایت احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

(ب) سفیان ثوریؒ اگرچہ جہر بآمین کے راوی ہیں مگر خود ان کا اپنا مسلک شعبہؒ کی روایت کے مطابق اخفاء آمین کا ہے۔

(ج) باب ہذا کی تمام روایات سے شعبہ کی روایت کی تائید ہوتی ہے اس روایت پر بعض اعتراضات بھی کیئے جاتے ہیں مگر تفحص اور تحقیق کے بعد ان کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی مثلاً ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں حجر ابو العنبس مستور راوی ہے جس کا حال معروف نہیں گویا راوی مجہول ہے یہ اعتراض ابن القطان الفاسیؒ نے اپنی کتاب الوھم والایھام میں نقل کیا ہے زیلعیؒ نے نصب الرایہ ج ۲ ص۳۷۰ میں ان

فَحَفِظَ ذٰلِكَ سَمُرَةُ وَاَنْكَرَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَتَبَا فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَ فِيْ كِتَابِهٖ اِلَيْهِمَا اَوْ فِيْ رَدِّهٖ عَلَيْهِمَا اَنَّ سَمُرَةَ قَدْ حَفِظَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَالِحٌ۔

کی، اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا، تو دونوں نے اس مسئلہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جو خط ان کی طرف لکھا یا جو جواب انہیں بھیجا اس میں یہ تھا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے صحیح یاد رکھا ہے۔
یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صالح ہے۔

ہی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ یہ راوی مجہول نہیں بلکہ ثقہ اور معروف ہے ابن معین نے کوفی ثقہ مشہور خطیب نے کان ثقۃ کا حکم لگایا ہے دارقطنی نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کو شمار کیا ہے تہذیب (التہذیب ج ۲ ص۲۱۲) قاضی شوکانی لکھتے ہیں وخطئہ الحافظ وقال انہ ثقۃ وقیل لہ صحبۃ ووثقہ ابن معین (نیل الاوطار ج ۲ ص۲۲۲)

شعبہؒ کی روایت پر امام ترمذیؒ کے اعتراضات کے تفصیلی جوابات

شعبہؒ کی روایت پر امام ترمذیؒ نے اعتراضات کئے ہیں

ذیل میں اعتراضات مع جوابات پیش خدمت ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ ج ۱ ص۳۴ میں لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے سفیانؒ کی روایت کو شعبہؒ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شعبہؒ اپنی روایت میں حجر ابوالعنبس کہتے ہیں اور سفیانؒ اپنی روایت میں حجر ابن العنبس کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی کنیت ابوالسکن تھی اور امام بخاریؒ اور ابوزرعہؒ سفیانؒ کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) ابوالعنبس صرف شعبہؒ ہی نہیں کہتے بلکہ سفیانؒ کی روایت میں بھی ابوالعنبس ہے دارقطنی ج ۱ ص۱۲۷۔ دارمی ص۱۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۳ میں ہے واللفظ لہ حدثنا محمد بن کثیر انا سفیان عن سلمۃ (بن کہیل) عن حجر ابی العنبس .... الخ۔ تو جو قصور اس میں شعبہؒ کا ہے وہی سفیانؒ کا ہے۔

(ب) حجر ابن العنبس بھی ہے اور ابوالعنبس بھی ہے چنانچہ دارقطنی ج ۱ ص۱۲۷ میں روایت ہے: عن حجر ابی العنبس وھو ابن العنبس۔ حافظ ابن حجرؒ تہذیب ج ۲ ص۲۱۴ میں لکھتے ہیں حجر ابن العنبس

٣٨٢۔ وَعَنْهُ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلّٰى بِهِمْ سَكَتَ سَكْتَتَيْنِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سَكَتَ أَيْضًا هُنَيَّةً فَأَنْكَرُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَكَتَبَ إِلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ أُبَيٌّ أَنَّ الْأَمْرَ كَمَا صَنَعَ سَمُرَةُ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔

٣٨٢۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو دو دفعہ خاموش ہوتے، جب نماز شروع کرتے اور جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتے تو کچھ تھوڑی دیر خاموش ہو جاتے، لوگوں نے اس بات کا ان پہ انکار کیا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا تو حضرت ابیؓ نے جواب دیا کہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسا سمرہؓ نے کیا ہے۔

یہ حدیث احمد اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

الحضرمی ابو العنبس ویقال ابو السکن کوفی ۔ قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۲ ص۲۲۳ میں لکھتے ہیں :
فلا مانع من ان یکون لہ کنیتان مولوی شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد التعلیق المغنی ج ۱ ص۳۳۲ میں لکھتے ہیں
وقال ابن حبانؒ فی الثقات حجر ابن العنبس (وھو ابو العنبس) الکوفی۔

(۲) امام ترمذیؒ ج ۱ ص۳۴ میں لکھتے ہیں کہ شعبہؒ اپنی روایت میں علقمہؒ بن وائل کا نام زیادہ بتاتے ہیں اور سند میں علقمہؒ نہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت ابو داؤد طیالسی ص۱۳۸ میں یوں ہے، حدثنا شعبۃ قال اخبرنا سلمۃ بن کہیل قال سمعت ابا العنبس قال سمعت علقمۃ بن وائل یحدث عن وائل وقد سمعت من وائل یعنی ابو العنبس نے علقمہ سے بھی سنا اور وائل سے بھی اور یہ درست ہے اور اسی طرح یہ سند سنن الکبریٰ ج ۲ ص۵۷ اور تلخیص الحبیر ص۸۹ میں درج ہے۔ (خزائن السنن ج ۲ ص۶۶)

(۳) حنفیہ کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ۳۸۱ ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۷۶ میں نقل کیا ہے جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ واذا قال ولا الضآلین فقولوا آمین اس روایت میں امام کے ولا الضالین کہنے کو آمین کہنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اگر جہراً آمین افضل ہوتا تو خود امام کے آمین کہنے کو ذکر کیا جاتا لہٰذا اس روایت کا ظاہر اخفاء آمین پہ دلالت کرتا ہے اس روایت سے شعبہؒ کی روایات کی بھی تائید ہو جاتی ہے۔

۳۸۴۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى وَسَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ الطَّيَالِسِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَفِيْ مَتْنِهٖ اِضْطِرَابٌ۔

۳۸۴۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھا تو آمین کہی، اس کے ساتھ اپنی آواز کو آہستہ کیا، اور اپنا دایاں ہاتھ مبارک بائیں ہاتھ پر رکھا، اپنی دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرا۔

یہ حدیث احمد، ترمذی، ابو داؤد الطیالسی، دار قطنی، حاکم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے، اس کی اسناد صحیح اور متن میں اضطراب ہے۔

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے اذا امن الامام فامنوا (ترمذی باب ماجاء فی فضل التامین) مگر حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس میں جہر کی صراحت نہیں بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ تامین اس وقت ہونی چاہیے جب امام آمین کہے جس کا طریقہ پہلی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ولا الضالین کہنے کے بعد آمین کہا جائے گویا پہلی روایت اس روایت کے لیے مفسر ہے لہٰذا دونوں کے مجموعہ سے حنفیہ ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

ابن دقیق العیدؒ احکام الاحکام ج ۱ ص؁ میں لکھتے ہیں کہ امن کا معنی ہے جب ارادہ آمین کرے تو وہ یاں طور ہوگا کہ جب وہ ولا الضالین پڑھے جیسے انجد اذا بلغ نجد اور اتھم اذا بلغ تھامہ واحرم اذا بلغ الحرم۔ اور فیض الباری ج ۲ ص؁ میں ہے کہ اذا امن کے معنی عندنا یہ ہیں کہ آمین کہلوائے یعنی ولا الضالین پڑھے۔

(۲) تیسری دلیل جس سے شعبہؒ کی روایت کی تائید ہوتی ہے اور حنفیہ کا مستدل قرار پاتی ہے حسن کے حوالے سے سمرۃ بن جندبؓ کی روایت (۳۸۶) ہے جسے ابو داؤد ج ۱ ص؁ میں نقل کیا گیا ہے قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہی روایت ترمذی باب ماجاء فی السکتتین میں نقل ہوئی ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

۳۸۵۔ وَعَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَا یَجْھَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِاٰمِیْنَ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَابْنُ جَرِیْرٍ وَاِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ۔

۳۸۵۔ ابو وائل نے کہا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ تعوذ (اعوذ باللہ) اور آمین کو اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی اور ابن جریر نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ ولا الضالین کے بعد سکتہ ہوا کرتا تھا اگر آمین بالجہر ہوتا تو اس سکتہ کا کوئی مطلب نہیں رہتا روایت نمبر ۳۸۳ میں بھی اسی واقعہ کا ذکر ہے جو سمرۃ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ کے درمیان پیش آیا تھا روایت نمبر ۳۸۴ سے بھی وائل بن حجر کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو شعبہؒ کے طریق سے مروی ہے جس میں واخفی بھا صوتہ کی تصریح ہے۔

(۴) امام طحاویؒ نے ابو وائل کی روایت (۳۸۵) نقل کی ہے (شرح معانی الآثار ج ا ص۱۵۰) اور بتایا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ آمین میں تسمیہ اور تعوذ کی طرح جہر نہیں کیا کرتے تھے بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کا مدار ابو سعید بقال پر ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابو سعید بقال مختلف فیہ راوی ہیں بعض حضرات نے اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے لیکن بعض دوسرے علماء محدثین مثلاً ابن جریج حاکمؒ اور ابو زرعہؒ نے ان کی توثیق کی ہے علامہ ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں ثقۃ مدلس حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں ایک ایسی حدیث کی تحسین کی ہے جس کا مدار ابو سعید بقال پر ہے نیز امام ترمذیؒ نے علل کبریٰ میں ان کے بارے میں امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے مقارب الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں لہذا ان کی روایت درجۂ حسن سے کم درجے کی نہیں۔

(۵) حضرت ابراہیمؒ نے جن پانچ اخفائی چیزوں کو شمار کیا ہے ان میں ایک آمین ہے جیسا کہ روایت (۳۹۶) کا یہی مدلول ہے اس روایت کو مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص۸۷ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۶) اسی طرح حضرت عمرؓ سے اثر منقول ہے اربع یخفین عن الامام التعوذ و بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و آمین و اللھم ربنا و لک الحمد (کنز العمال ج ۴ ص۲۴۹)

۲۸۶- وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ خَمْسٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَالتَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاٰمِيْنَ وَاَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۲۸۶- ابراہیم نے کہا "پانچ چیزوں کو امام آہستہ کہے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تعوذ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آمین اور اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔"

یہ حدیث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

خلفاء راشدین اور صحابہؓ کا معمول

بہر حال صحابہ کرام اور خلفاء راشدینؓ کا معمول بھی اخفاء کا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ اخفاء تامین پر عامل تھے (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۰۸) اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر فقہاء صحابہ کرامؓ سے اخفاء تامین ثابت ہو جاتا ہے جس کے برخلاف کسی بھی صحابیؓ سے جہر تامین پر عمل کرنا منقول نہیں صرف عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنے زمانۂ خلافت میں جہر بالتامین کرتے تھے (معارف السنن ج ۲ ص۴۱۹) لیکن اول تو حضرت ابن زبیرؓ کا اثر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے آثار کا مقابلہ نہیں کر سکتا دوسرے بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانہ میں کچھ حضرات نے آمین پڑھنے کو بدعت سمجھ کر بالکل ترک کر دیا تھا ایسے حضرات کی تردید کے لیے حضرت ابن زبیرؓ نے جہر شروع کر دیا ہو تو کچھ بعید نہیں بہر حال حضرت ابن زبیرؓ اور وائل بن حجر (بروایت سفیان) کسی بھی صحابیؓ سے جہر تامین ثابت نہیں نہ قولاً نہ فعلاً جب کہ ان دونوں کی روایات بھی محتمل التاویل ہیں، تو یہ اس بات کی قاطع دلیل ہے جہر تامین افضل نہیں بلکہ اس کا اخفاء افضل ہے۔

حضرت عطاءؒ کے اثر سے جواب

بعض حضرات نے حضرت عطاءؒ کے اثر ادرکت مائتین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سمعت لھم رجۃ باٰمین (سنن کبریٰ للبیھقی ج ۲ ص۵۹) سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اکثر صحابہؓ کا یہ معمول تھا مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اثر معلول ہے ہرگز قابل استدلال نہیں عطاءؒ کا دو سو صحابہ کرام

بَابُ قِرَاءَةِ السُّوْرَةِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ

۳۸۷۔ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَا لَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰکَذَا فِی الصُّبْحِ۔ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ۔

باب ۔ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھنا ۔ ۳۸۷۔ ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ تلاوت فرماتے اور ہمیں کوئی آیت سنا دیتے پہلی رکعت میں قراءۃ لمبی فرماتے جتنی کہ دوسری رکعت میں لمبی نہ فرماتے، اسی طرح عصر اور صبح میں فرماتے۔"

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

سے ملاقات کرنا قطعاً ثابت نہیں اور اگر غور کیا جائے تو بظاہر اسباب یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ حضرت حسن بصریؒ عمر میں حضرت عطاء سے چھوٹے ہیں مگر ان کی ملاقات صرف ۱۲۰ صحابہ کرامؓ سے ہوئی تھی نیز حضرت عطاءؒ کے مراسیل اضعف المراسیل ہیں (تدریب الراوی للسیوطی)

ظہر اور عصر میں قراءت کا مسئلہ (۳۸۷ تا ۳۹۲) باب ہٰذا کی روایات سے یہ قطعی طور ثابت ہے کہ دیگر نمازوں کی طرح ظہر اور عصر میں بھی قراءت ہے مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار ج ۳ ص۳۵ میں تفصیلاً اور علامہ ابن رشد مالکیؒ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۲۳ میں اجمالاً مذہب نقل کیے ہیں۔

(۱) امام مالکؒ (فی روایۃ) امام حسن بن صالحؒ، سعید بن خفقۃؒ ابراہیم ابن علیہؒ وغیرہ کے نزدیک ظہر یا عصر میں جہراً یا سراً کسی بھی طرح قراءت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) امام مالکؒ کے قول مشہور، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ظہر اور عصر کے اندر قراءت واجب ہے لیکن جہراً پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ سراً پڑھنا لازم ہے باب ہٰذا کی پہلی روایت میں صراحتاً ظہر اور عصر کی تصریح ہے۔

٣٨٨- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ- رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ-

---

٣٨٨- جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ طور تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

باب ہذا کی چاروں احادیث مختلف نمازوں میں قراءۃ کی مقدار مسنون سے متعلق ہیں باب کی غرض انعقاد بھی یہی ہے

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھنا مسنون ہے پھر اس میں بھی اصل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب ہے جو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ جس میں مقدار قراءت کی تفصیل تحریر فرمائی تھی قال کتب عمر الی ابی موسیٰ ان اقرأ فی المغرب بقصار المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل۔

(مصنف عبد الرزاق ج ٢ ص ١٠٤)

سورتوں کے اعتبار سے قرآن کی تقسیم

سورتوں کے اعتبار سے قرآن پاک کی تقسیم چار قسموں کی طرف کی گئی ہے۔ السبع الطوال۔ اس میں پہلی سورت البقرہ ہے اور آخری سورۂ براءۃ، یہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے، لیکن حاکم اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سات بڑی سورتیں بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ انعام اور اعراف ہیں، راوی نے کہا کہ ساتویں کا نام میں بھول گیا، ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک صحیح روایت میں مجاہد وسعید بن جبیر سے وہ ساتویں سورت یونس اور حاکم کی ایک روایت میں سورۂ کہف منقول ہے۔ السبع الطوال کے بعد آنے والی سورتوں کو المئین کہتے ہیں بایں معنی کہ ان میں سے ہر ایک سورت سو آیتوں سے زائد یا اسی تعداد کے قریب قریب ہے، اور اس کے بعد واقع ہونے والی سورتوں کو المثانی کہتے ہیں کیونکہ وہ مئین سے دوسرے نمبر پر واقع ہیں۔ اور بقول فراء مثانی وہ سورت ہے جن کی آیتیں سو سے کم ہیں وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورتیں طوال اور مئین کی بہ نسبت بہت زیادہ دہرائی جاتی ہیں، اور بقول بعض وجہ تسمیہ ان میں عبرت انگیز قصص اور اخبار کے ساتھ واقعات کو مکرر بیان کرنا ہے، یہ بات نکزاوی نے بیان کی ہے مثانی کے بعد والی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں

۳۸۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۳۸۹۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف تلاوت فرمائی اور اسے دو رکعتوں میں تقسیم کیا۔"
یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کیونکہ ان کے مابین بکثرت تسمیہ کے ساتھ فصل واقع ہوا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں منسوخ کی کمی ہونا اس نام رکھنے کا موجب ہے اسی لیے ان کو محکم بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ بخاری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ "قرآن کے جس حصہ کو تم مفصل کہتے ہو وہی محکم ہے"۔

مفصلات کا خاتمہ تو بلا نزاع سورۂ ناس پر ہے لیکن آغاز کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں بارہ قول ہیں (۱) مفصلات کی پہلی سورت سورۂ قٓ ہے (۲) سورۂ حجرات ہے۔ اس قول کو نووی نے صحیح قرار دیا ہے (۳) سورۂ قتال ہے۔ اس کو ماوردی نے بہت سے لوگوں کی جانب منسوب کیا ہے (۴) سورۂ جاثیہ ہے، اس کے راوی قاضی عیاض ہیں (۵) سورۂ صافات ہے (۶) سورۂ صف ہے (۷) سورۂ تبارک ہے۔ یہ تینوں قول ابن ابی الصیف یمنی نے کتاب التنبیہ پر نکات میں بیان کئے ہیں (۸) سورۂ فتح ہے۔ اس کا راوی کمال ذماری ہے جس نے یہ بات شرح تنبیہ میں لکھی ہے (۹) سورۂ رحمٰن ہے۔ اس کو ابن السید نے کتاب مؤطا پر اپنی امالی میں ذکر کیا ہے (۱۰) سورۂ انسان ہے (۱۱) سورۂ سبح ہے۔ اس کو ابن الفرکاح نے اپنی کتاب التعلیق میں مرزوقی سے بیان کیا ہے (۱۲) سورۂ ضحیٰ ہے۔ اس کے قائل خطابی ہیں، امام راغبؒ کی مفردات القرآن میں ہے کہ مفصل قرآن کے آخری ساتویں حصہ کو کہتے ہیں (اتقان)۔

مفصل میں طوال، اوساط اور قصار سورتیں بھی ہیں، ابن معن کا قول ہے کہ طوال مفصل سورۂ عم تک ہیں اور اوساط مفصل سورۂ عم سے سورۂ ضحیٰ تک اور سورۂ ضحیٰ سے آخر قرآن تک باقی سورتیں قصار مفصل ہیں۔ (اتقان)

شیخ رملی نے حاشی بحر میں ذکر کیا ہے کہ ابن ابی شریف نے مفصل کی بابت اقوال مختلف کو اس قطعہ میں نظم کیا ہے ؎

مفصل قرآن باوّلہ الخلف   خلاف فصلت قاف رقان و سبح
وجاثیۃ ملک وصف قتالہا   وفتح ضحیٰ حجراتہا ذا المصحح

(سعایہ)

۴۹۰- وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي اِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ- رَوَاهُ الشَّيْخَانِ-

---

۴۹۰- حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، تو عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں (سورۃ) وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ تلاوت فرمائی۔
یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

اس سے قبل حضرت عمر فاروقؓ کا جو خط حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ذکر کیا گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی یہی تھا جیسا کہ مجموعہ روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے البتہ کبھی کبھار اس کے خلاف بھی ثابت ہے جیسا کہ بعض احادیث باب سے بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً مغرب کی نماز میں سورۃ طور، سورۃ مرسلات اور سورۃ دخان کی قراءت، تاہم شارحین حدیث کہتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات بیان جواز پر محمول ہیں تا کہ لوگ کسی خاص سورۃ کو واجب نہ سمجھ لیں۔

پہلی دو رکعتوں میں مقدار قراءت کا مسئلہ

ویطیل فی الرکعۃ الاولیٰ اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل کرے، جماعت پا لینے پر لوگوں کی اعانت کی خاطر، اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہوں گی، اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ہر نماز میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو اس کے علاوہ پر تمام نمازوں میں طول دیتے تھے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں قراءت کے استحقاق میں برابر ہیں تو مقدار میں بھی دونوں برابر رہیں گی بخلاف فجر کے کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، اور حدیث باعتبار ثناء و تعوذ و تسمیہ طول دینے پر محمول ہے اور تین آیات سے کم مقدار کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس سے بچنا حرج کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

تشریح: قولہ ویطیل الرکعۃ الاولیٰ الخ: نماز فجر میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل کرے تاکہ لوگ اول رکعت کے ساتھ پوری جماعت پا لیں، اور ظہر کی دونوں میں شیخین کے نزدیک قراءت کی مقدار برابر ہوگی، اکثر شافعیہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی پہلی رکعت کو دوسری پر طول دینے میں کوئی مضائقہ نہیں (عینی) لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو طول دینا مستحب ہے ظہر ہو یا کوئی اور نماز ہو کیونکہ صحیح بخاری میں "باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب" کے حوالے سے

۳۹۱۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ لَقَدْ شَكَوْكَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلٰوةِ قَالَ اَمَّا اَنَا فَاَمُدُّ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَاَحْذِفُ فِي الْاُخْرَيَيْنِ وَلَا اٰلُوْ مَا اقْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۳۹۱۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا "لوگوں نے ہر چیز یہاں تک کہ نماز میں بھی تمہاری شکایت کی ہے، حضرت سعدؓ نے کہا "مگر میں تو پہلی دو رکعتوں میں (قراءۃ) لمبی کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں مختصر اور میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اقتداء کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "تم نے سچ کہا، میرا تمہارے بارہ میں یہی خیال تھا۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت اسی باب کے آغاز میں درج کردی گئی ہے کان یقرء فی الظہر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیۃ ویطول فی الرکعۃ الاولیٰ ما لا یطیل فی الرکعۃ الثانیۃ وھکذا فی العصر وھکذا فی الصبح "رکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور ہم کو کوئی آیت کبھی کبھی سنا دیتے تھے، اور پہلی رکعت میں جو طول دیتے وہ دوسری رکعت میں نہ دیتے تھے، اور عصر و صبح میں بھی یہی صورت تھی)

سنن ابو داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ "اس سے ہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ طول دینے سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ پہلی رکعت پالیں، علامہ عینیؒ نے عشاء میں بھی اسی طرح کا معمول ذکر کیا ہے، اسی قول کو امام نوویؒ نے اختیار کیا ہے اور خلاصہ میں اسی کو مستحب کہا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے

شیخین اور جمہور شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں استحقاق قراءت میں برابر ہیں تو مقدار میں بھی برابر ہونی چاہئیں، رہی فجر سو اس میں بھی دونوں رکعتیں برابری ہی کی مستحق ہیں۔ لیکن عارضی حالت کی وجہ سے فرق کردیا گیا اور وہ لوگوں کی بے اختیاری ہے کہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، سوال نص کے مقابلہ میں قیاس صحیح نہیں ہونا چاہیئے، جواب حدیث ابو قتادہؓ میں جو پہلی رکعت کا طویل ہونا مذکور ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ ثناء اور تعوذ اور تسمیہ کی وجہ سے پہلی رکعت بڑھ جاتی تھی اس لیے دوسری رکعت میں وہ طول نہ ہوتا تھا جو پہلی میں

۳۹۲۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَمَا تَیَسَّرَ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْیَعْلٰی وَابْنُ حِبَّانَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۳۹۲۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم سے کہا گیا کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو (قرآن پاک میں سے) آسان ہو پڑھیں"

یہ حدیث ابوداؤد، احمد، ابویعلی اور ابن حبان نے نقل کی ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ہوتا تھا رہا حق مقدار قراءت سو اس میں دونوں برابر رہتی تھیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تاویل ظہر وعصر میں تو بوجہ اختلاف قراءت کے ممکن مگر فجر و عشاء میں یہ تاویل محل تامل ہے کیونکہ فجر میں تو بالاجماع طول قراءت ہے، اسی لیے فتح القدیر میں اسکو خلاف متبادر قرار دے کر کہا ہے کہ اسی وجہ سے خلاصہ میں امام محمدؒ ہی کا قول احب یعنی پسندیدہ قرار دیا ہے۔

پھر شیخان کے نزدیک جو مساوات ہے وہ از رُو آیات ہے، اور جب آیات میں طول وقصر کا فرق ہو تو پھر کلمات وحروف سے برابری معتبر ہوگی جیسا کہ مرغینانی نے کہا ہے (تبیین)

لیکن حق یہ ہے کہ معتبر مقدار تین آیات ہیں کیونکہ تین آیت سے کم مقدار کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اگر تین آیات زیادہ پڑھیں تو ایک زیادہ اور دوسری کم بھی جائے گی ایک دو آیت کی زیادتی کا اعتبار ساقط ہے کیونکہ اس کی رعایت بغیر حرج کے ممکن نہیں اور حرج کو شرع نے اٹھا دیا ہے اس لیے اتنی کمی بیشی کا اعتبار بھی اٹھا دیا گیا ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں قل (اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے حالانکہ اول سورت میں ایک آیت کم ہے اور دوسری میں ایک آیت زیادہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک دو آیت کی کمی بیشی کا کچھ اعتبار نہیں (عینی الہدایہ بزیادۃ)

(۳۸۸) یقرء فی المغرب بالطور مغرب میں سورہ طور کا پڑھنا بیان جواز پر محمول ہے، روایت نمبر (۳۸۹) میں بھی یہی توجیہ انسب ہے۔

سفر میں قراءت کا مسئلہ

(۳۹۰) کان فی سفر سفر وحضر کے اعتبار سے قراءت کی مقدار مختلف ہوتی ہے، پس سفر میں مسنون قراءت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ جو سورت چاہے پڑھے کیونکہ امام ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے

روایت کیا ہے، "قال کنت اقود لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقتہ فی السفر فقال لی: یا عقبة! الا اعلمک خیر سورتین قرئتا فعلمنی قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس، قال: فلم یرنی سررت بھما جداً فلما نزل لصلاة الصبح صلی بھما صلاة الصبح للناس فلما فرغ التفت الی فقال: یا عقبة! کیف رأیت؟" حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں نہ بتلاؤں؟ چنانچہ آپؐ نے مجھے معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائیں، مگر آپؐ نے مجھے ان سے کچھ زیادہ خوش نہیں دیکھا، پس جب آپؐ صبح کی نماز کے لیے اترے تو لوگوں کو نماز میں یہی دو سورتیں پڑھائیں، جب آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا۔

اس کی سند میں ابو عبدالرحمٰن قاسم بن عبدالرحمٰن قرشی اموی ہے جس کی بابت گو بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے تاہم یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے والمنذری انتہی۔ اسکو ابن حبان نے صحیح میں بطریق معاویہ بن صالح عن عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر بایں الفاظ روایت کیا ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امھم بالمعوذتین فی صلاة الصبح"، اور حاکم کی مستدرک میں یہ الفاظ ہیں "سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المعوذتین: امن القرآن هما؟ فامّنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاة الفجر بھما"، اسی طرح اس حدیث کو امام احمدؒ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، زیر بحث مسئلہ کے لیے مشہور استدلال اسی حدیث سے ہے،

لیکن یہ استدلال اس لیے محل تأمل ہے کہ اس کے جمیع طرق کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز فجر میں معوذتین کی قراءت کرنا ان کی عظمتِ قدر کے اظہار کے لیے تھا نہ یہ کہ آپ نے سفر عجلت کی وجہ سے ایسا کیا ہے، اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ سفر عجلت میں ایسا ہوا ہے تو اس سے بوقت ضرورت چھوٹی سورتوں کی قراءت کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ سنیت تخییر، اور غالباً اسی لیے صاحب ہدایہ نے سنیت کو ذکر نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا ہے "وفی السفر یقرأ بفاتحة الکتاب" اھ۔

البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں متعدد آثار موجود ہیں جن سے بحالت سفر تخفیف قراءت کی گنجائش نکلتی ہے۔ مثلاً (۱) عن سوید انہ قال: خرجنا حجاجاً مع عمرؓ فصلی بنا الفجر بالم تر کیف ولایلاف قریش
(۲) عن ابن میمون قال: صلی بنا عمرؓ الفجر فی السفر فقرأ قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد
(۳) عن الاعمش عن ابراھیم قال: کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرؤن فی السفر

بالسور القصار (م) عن ابی وائل قال صلی بنا ابن مسعودؓ فی السفر الفجر باخرتین اسرائیل رکعۃ اذکر فی البنایۃ۔

بحالتِ سفر تخفیفِ قرأت کی عقلی دلیل یہ ہے کہ سفر کی وجہ سے مسافر کے لیے چار کے بجائے دو رکعتیں رکھی گئی ہیں پس جب شطرِ صلوٰۃ کے اسقاط میں سفر کی تاثیر ہوئی تو تخفیفِ قرأت میں بطریقِ اولیٰ ہوگی، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہمارے مذہب کے مطابق اسقاطِ صلوٰۃ میں سفر کی کوئی تاثیر نہیں ہے اس لیے کہ سفر کی نماز تو اصل ہی سے دو رکعتیں ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے " ان الصلوٰۃ فرضت رکعتین فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر، (ابتداء میں نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی پس سفر میں وہی دو رکعتیں باقی رکھی گئیں اور حضر میں بڑھادی گئیں) صاحبِ بنایہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ حضر میں نماز کا اضافہ امرِ تعبدی ہے اور سفر میں دو رکعتوں کو برقرار رکھنا برائے تخفیف ہے وان کان فی الاصل شرع کذلک فکان السفر ہو الذی اثر فی الاسقاط واوجب التخفیف۔

(۲۹۱) فامد فی الاولیین۔ تفصیلی بحث اس سے قبل گذر چکی، پہلی دو رکعتوں میں بہرحال تطویل بہتر ہے

(۲۹۲) وماتیسر اور بحالتِ حضر نمازِ فجر میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ چالیس پچاس آیتیں پڑھنی چاہئیں یعنی ہر رکعت میں فاتحہ کے علاوہ کم از کم بیس یا پچیس آیتیں ہوں (عینی) اور ایک قول میں چالیس سے ساٹھ آیات تک کی تعداد ہے اسی طرح ایک قول میں ساٹھ سے سو آیتوں تک بھی ہے اور ان تینوں اقوال میں سے ہر ایک کے لیے اثر وارد ہے چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث جابر بن سمرہؓ میں سورۂ ق اور اس کے مثل کی قرأت مروی ہے اور شیخان کی حدیث ابو برزہؓ میں مابین ساٹھ او سو کے وارد ہے اور صحیح ابن حبان میں ساٹھ سے سو تک کے الفاظ ہیں، نیز صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے سورۂ صافات کی قرأت اور حضرت جابر بن سمرہؓ سے سورۂ واقعہ کی قرأت مروی ہے، اور حدیث عمرو بن حریث میں اذا الشمس کورت ہے (مسلم) اور حدیث عبداللہ بن سائب میں سورۂ مؤمنون ہے (ترمذی وعلقہ البخاری) اور حضرت ابوبکرؓ نے دونوں رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی ہے اور حضرت عثمانؓ سورۂ یوسف پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے سورۂ یوسف وسورۂ حج پڑھی ہے (مالک) حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نمازِ فجر میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے اور جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے (مسلم، سنن اربعہ) معاذ بن عبداللہ الجہنیؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی ہر ایک رکعت میں سورۂ اذا زلزلت پڑھی ہے (ابوداؤد)

بہرکیف آثارِ مختلفہ کی وجہ سے روایتِ مذہب بھی مختلف ہیں اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ رغبت رکھنے والے مقتدیوں کے ساتھ سو آیات تک پڑھے اور کسل وسستی کرنے والوں کے ساتھ چالیس آیات پڑھے اور اوسط درجہ

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّكُوْعِ

۳۹۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْہِ حَذْوَ مَنْكِبَيْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا

باب۔ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھانے۔ ۳۹۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے، اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں کے برابر

والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ تک پڑھے اور یہ مقدار دونوں رکعتوں میں ملا کر ہے،

بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ سردی کے موسم میں رات چونکہ بڑی ہوتی ہے اس لیے اس میں زیادہ پڑھے اور گرمی کے موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے اس لیے اس میں کم پڑھے۔ اور بعض حضرات مشغولیت کی کمی بیشی کی رعایت بھی کرتے ہیں جیسے وقت میں گنجائش ہے اسی اعتبار سے قراءت میں بھی کمی بیشی ہے، اسی طرح تغلیس و اسفار کی بھی رعایت رکھے یعنی اگر غلس ہی میں شروع کرے تو زیادہ پڑھے اور اسفار میں شروع کرے تو کمی کرے اور ایک اہم لحاظ یہ ہے کہ طلوع آفتاب تک کا وقت نماز و ذکر ہی میں ختم ہو اس لیے امام اس کو حسن تدبیر سے مقتدیوں کے لیے انجام دے خصوصاً اس زمانہ میں مگر حضر میں بھی اضطرار کی حالت ہو یعنی وقت تنگ ہو یا جان و مال کا خوف ہو تو اسی قدر پر اکتفاء کرے کہ وقت یا امن نہ جائے (عینی الہدایہ بتہذیب)

اور نماز ظہر میں اسی کے مثل قراءت کرے، کیونکہ یہ دونوں نمازیں وقت کی گنجائش میں برابر ہیں، اور امام محمدؒ نے اصل یعنی مبسوط میں فرمایا ہے کہ یا اس سے کم پڑھے، کیونکہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے تو ملال سے بچنے کے لیے کچھ کم کر دے، اور عصر و عشاء برابر ہیں ان میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب میں اس سے کم یعنی قصار مفصل پڑھے۔

(۳۹۴) مسئلہ رفع یدین میں اختلاف کی نوعیت

جس طرح کہ آمین بالجہر اور بالسر کی بحث میں گزارش کی تھی وہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے اس میں شک کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت، بلکہ سجدے سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کیلئے

رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اٹھاتے، جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو دونوں ہاتھ بھی اسی طرح اٹھاتے، اور فرماتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اور آپ سجدہ میں ایسا نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث شیخان نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا، اس سلسلہ میں ابو حمید الساعدیؓ، مالک بن الحویرثؓ، وائل بن حجرؓ، علیؓ اور ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہؓ سے روایات موجود ہیں۔

کھڑے ہونے کے وقت بھی رفع یدین کیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، وائل بن حجر اور ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اس لیے مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور فضیلت کا ہے دونوں طریقوں کے جواز اور ثبوت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حنفیہ حضرات بھی رفع یدین کو ثابت مانتے ہیں اس لیے وہ رفع یدین کی احادیث کا انکار نہیں کرتے لہذا یہ بات ذہن نشین رہے کہ مصنفؒ کے انعقادِ ابواب اور ہماری گفتگو کا منشاء یہ ثابت کرنا نہیں کہ رفع یدین ناجائز ہے یا احادیث سے ثابت نہیں بلکہ ہمارا منشاء یہ ثابت کرنا ہے کہ ترک رفع یدین بھی احادیث سے ثابت ہے اور یہی طریقہ راجح اور افضل ہے۔

متفقہ مشروع و متروک البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ وہ مشروع ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ

عند السجود وعند الرفع منہ رفع یدین بالاتفاق متروک ہے۔

بیانِ مذاہب

(۱) شوافع اور حنابلہ عند الرکوع اور عند الرفع منہ دونوں مواقع پر رفع یدین کے قائل ہیں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ فقال الشافعیؒ واحمد وجمہور العلماء من الصحابۃ فمن بعدھم یستحب رفعھما عند الرکوع وعند الرفع منہ۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، عطاء بن رباحؒ مجاہد بن جبیر، طاؤس ابن کیسانؒ اور سالم بن عبداللہ کے نزدیک بھی بوقت تکبیر رکوع اور تکبیر سجود رفع یدین لازم ہے امام شافعیؒ کے نزدیک قعود سے قیام کی طرف انتقال کے وقت بھی رفع یدین لازم ہے۔

(۲) امام حمیدیؒ اور امام اوزاعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ رفع یدین کو واجب کہتے ہیں مگر یہ بعض غیر مقلدین کا مغالطہ ہے ان دونوں حضرات سے رفع یدین کا جو قول منسوب ہے وہ افتتاح صلوٰۃ کے وقت کا رفع یدین ہے نہ کہ عند الرکوع اور عند رفع الراس من الرکوع کا۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ عند الرکوع وعند الرفع عنہ ترکِ رفع کے قائل ہیں اگرچہ امام مالکؒ سے ایک روایت شوافع کے مسلک کے مطابق منقول ہے لیکن خود امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مسلک ترک رفع کا تھا بہر حال مالکیہ کے نزدیک ترک رفع کا قول مفتیٰ بہ ہے جیسا کہ ان کے ایک شاگرد ابن القاسمؒ اور ابن رشد مالکیؒ نے اس کی تصریح کی ہے خلفاء راشدینؓ عشرہ مبشرہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابراہیم نخعیؒ سفیان ثوریؒ، عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰؒ اور عاصم بن کلیبؒ اور اکثر فقہاء کرام کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی کہیں بھی رفع یدین جائز نہیں ہے۔

مثبتین رفع یدین کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۲۴۲) مثبتین رفع یدین کا قوی ترین مستدل ہے جو اصح مافی الباب ہے اور اس کی سند سلسلۃ الذہب ہے مگر اس کے باوجود حنفیہ حضرات ترکِ رفع یدین کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ خود حضرت ابن عمرؓ کی روایات باہم اتنی متعارض ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت بخاری ج ۱ ص ۱۰۲، مسلم ج ۱ ص ۱۶۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴، ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۶۷ اور ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع میں تخریج کی گئی ہے اس روایت میں چھ قسم کا اضطراب ہے

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں چھ اضطراب

(۱) مدونۃ الکبریٰ میں اس روایت کو نقل کیا گیا ہے جس میں صرف عند الافتتاح رفع یدین ہے مدونہ میں صرف اسی کے اثبات کے لیے اسے نقل کیا گیا ہے امام طحاویؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے صرف تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین روایت کیا ہے (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۰) اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس اس معاملہ میں کوئی حدیث مرفوع ضرور ہوگی اسی طرح کی ایک روایت بیہقی (بحوالہ نصب الرایہ ج ۱ ص۴۰۴) میں بھی آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر افتتاح کے بعد رفع یدین کا اعادہ نہیں فرماتے تھے۔

(۲) امام مالکؒ سے اس روایت کو امام شافعیؒ، عبداللہ بن مسلمہ القعنبیؒ اور یحییٰ بن یحییٰ لیثیؒ نے نقل کیا ہے اس میں صرف دو مرتبہ رفع یدین ذکر کیا گیا ہے ایک تکبیر تحریمہ کے وقت اور دوسرے رکوع سے رفع کے وقت، مگر رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذلک ایضاً (موطا امام مالک ص۵۹)

(۳) صحیح بخاری ج ۱ ص۱۰۲ میں حضرت نافع کے طریق سے اس روایت میں چار جگہ رفع یدین کا ذکر ہے عندالافتتاح، عندالرکوع، عند رفع من الرکوع اور چوتھے اذا قام من الرکعتین یعنی پہلے قعدہ سے قیام کے وقت۔

(۴) صحاح ستہ میں ابن وھب عن القاسم عن مالک کی روایت میں تین مواقع پر رفع یدین نقل ہوا ہے افتتاح کے وقت، رکوع کے وقت اور بعد الرکوع۔

(۵) امام بخاریؒ نے اس روایت کو جزء رفع الیدین میں نقل کیا ہے جس میں سجدوں میں جاتے وقت بھی رفع الیدین کا ذکر ہے (بحوالہ معارف السنن ج ۲ ص۴۶۷)

(۶) امام طحاویؒ مشکل الآثار میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث مرفوع اس طرح نقل کرتے ہیں کہ اس میں مذکورہ مقامات کے علاوہ عند کل خفض و رفع و بین السجدتین بھی رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔

حنفیہ کی معقول توجیہ اور ابن عمرؓ کی روایات میں تطبیق

شوافع حضرات ان روایات میں صرف تکبیر تحریمہ، رکوع اور رفع من الرکوع کے مواقع پر رفع یدین والی روایت پر عمل کرتے ہیں اور باقی تمام طرق کو چھوڑ دیتے ہیں احناف حضرات صرف پہلی روایت تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو اختیار کرتے ہیں جب کہ احناف کے پاس اس کی معقول توجیہ بھی موجود ہے ــــ وہ یہ کہ نماز کے احکام تدریجاً حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں ابتداءً

نماز میں باتیں کرنا جائز تھیں بعد میں منسوخ کر دی گئیں پہلے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی بعد میں اسے مفسدِ صلوٰۃ قرار دے دیا گیا پہلے نماز میں التفات کی گنجائش تھی بعد میں وہ بھی منسوخ ہو گیا اسی طرح شروع میں کثرتِ رفع یدین کی بھی اجازت تھی کہ ہر خفض و رفع اور ہر انتقال کے وقت مشروع تھا پھر اس میں کمی کی گئی اور صرف پانچ مواقع پر جائز رکھا گیا پھر بعد میں مزید کمی کی گئی اور چار جگہ مشروع رہ گیا پھر اس میں مسلسل کمی ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ اب وہ صرف تکبیر تحریمہ تک باقی رہ گیا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے دیگر جوابات

(۱) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نیل الفرقدین ص۳۱ اور علامہ بنوریؒ معارف السنن ج ۲ ص۴۵۲ میں لکھتے ہیں کہ علامہ زرقانیؒ شرح مؤطا ج ۱ ص۷۵ میں لکھتے ہیں کہ قال الاصیلی لم یاخذ بہ مالک لان نافعاً وقفہ علی ابن عمر وھو احد المواضع الاربع التی اختلف فیھا سالم ونافع الی ان قال وبہ یعلم تحامل الحافظ فی قولہ لم ار للمالکیۃ دلیلاً علی ترکہ ولا متمسکا الا قول ابن القاسم انتھی لان سالماً ونافعاً لما اختلفا فی رفعہ ووقفہ ترک مالک فی المشہور القول باستحباب ذلک لان الاصل صیانۃ الصلوٰۃ عن الافعال۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص۲۶۸ میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ قال حدثنا ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد قال ما رایت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اول ما یفتتح یہی روایت امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۰ میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ۔ یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یا تو عند الرکوع والرفع منہ والی روایت منسوخ ہے جیسا کہ امام طحاویؒ اور ابن ہمام کا بھی یہی دعویٰ ہے یا پھر رفع واجب اور ضروری چیز نہیں۔

قال النیموی وفی الباب یہاں سے مصنف مثبتین رفع یدین کے دیگر دلائل کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رفع یدین کے ثبوت میں ابو حمید الساعدیؓ، مالک بن الحویرثؓ وائل بن حجرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات آئی ہیں ہم ذیل میں ان روایات اور دلائل کا جائزہ لیتے ہیں اور احناف کی طرف سے جوابات پیش کرتے ہیں۔

ابو حمید الساعدی کی روایت سے جواب

ابو حمید الساعدیؓ کی روایت عبد الحمید ابن جعفر کے طریق سے روایت ہے انہ کان فی عشرۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم ابو قتادۃ قال ابو حمید انا اعلمکم بصلوٰۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث) (ابوداؤد ج ۱ ص۱۰۶) اس حدیث میں آگے یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عند الرکوع و عند الرفع منہ رفع یدین کیا حنفیہ حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) یہ روایت مضطرب ہے ابوداؤد میں سند یوں ہے محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدیؓ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۰۶) اور امام بیہقیؒ اسے یوں نقل کرتے ہیں محمد بن عمرو بن عطاء عن عباس بن سھل عن ابی حمید الساعدیؓ (سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۱۸)

نیز امام بیہقیؒ نے اسے ایک دوسرے طریق سے بھی روایت کیا ہے محمد بن عمرو بن عطاء عن عباس بن سھل اور عیاش (سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۰۱)

اصولاً جب روایت مضطرب ہو تو وہ ضعیف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ابوحمید الساعدی کی اس روایت کو نہ اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور نہ جزء رفع الیدین میں ذکر کیا ہے (البتہ رفع الیدین عند الرکوع وعند رفع الرأس منہ کی زیادت کے بغیر ابوحمید جن کا نام عبدالرحمٰن یا المنذر تھا کی روایت بخاری ج ۲ ص۱۱۳ میں موجود ہے) جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سے مسئلہ رفع یدین ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) امام طحاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۱) کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عمرو بن عطاء ہیں جن کی سماعت ابوحمید الساعدیؓ سے ثابت نہیں نیز امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے (کتاب العلل لابن ابی حاتم ج ۱ ص۱۶۳)

(۳) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں عبد الحمید بن جعفر کان الثوری یضعفہ من اجل القدر وکان یحیٰ القطان یضعفہ وقال ابن حبان ربما اخطأ وقال النسائی فی کتابہ الضعفاء لیس بقوی (تہذیب التہذیب ج ۶ ص۱۱۲)

مالک بن الحویرث کی روایت سے جواب

مالک بن الحویرث کی حدیث امام نیمویؒ نے باب رفع الیدین للسجود میں ۳۹۶ نمبر پہ درج کی ہے عن مالک بن الحویرثؓ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی صلوٰتہ اذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع واذا سجد واذا رفع راسہ من السجود (نسائی ج ۱ ص۱۲۳ ص۱۲۵ ابوعوانہ ج ۲ ص۹۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں واصح ما وقفت علیہ من الحدیث فی الرفع فی السجود ما روی النسائی الیٰ ان قال ولم ینفرد بہ سعید بن ابی عروبہ فقد تابعہ ھمام عن قتادہ رواہ ابوعوانہ فی صحیحہ (فتح الباری ج ۲ ص۱۸۱)

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ مالک بن الحویرث کی حدیث سے شوافع کا استدلال ناقص ہے کیونکہ اگر اس حدیث سے رفع یدین عند الرکوع وعند الرفع منہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے تو سجود کے وقت وعند رفع الرأس من السجود بھی تو اس سے ثابت ہے جس کے شوافع قائل نہیں ہیں عجیب بات ہے۔ نصف حدیث تو قابل احتجاج ہے اور نصف متروک ہے۔

وائل بن حجرؓ کی روایت سے جواب

امام نیموئیؒ نے مثبتین رفع یدین کے مستدلات میں وائل بن حجر کی روایت کا تذکرہ کیا ہے امام طحاویؒ نے اُن کی روایت شرح معانی الآثار میں دو سندوں کے ساتھ نقل کی ہے ان کی روایت میں بھی تین دفعہ رفع یدین ثابت ہے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲۳ میں اس کا مفصل جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

حضرت مغیرہ ابن مقسمؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے یہ فرمایا تھا کہ حضرت وائل ابن حجرؓ نے حضورؐ کو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر رکوع اور تکبیر سجود وغیرہ میں بھی ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت ابراہیم نخعیؒ نے جواب دیا کہ اگر حضرت وائل ابن حجرؓ نے حضورؐ کو رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے حضورؐ کو رفع یدین نہ کرتے ہوئے پچاس مرتبہ دیکھا ہے۔ نیز حضرت عمرو ابن مرہ فرماتے ہیں کہ میں مقام حضرموت میں داخل ہوا تو علقمہ ابن وائل سے یہ حدیث شریف بیان کرتے ہوئے سنا۔ جس کے اندر رفع یدین کا تذکرہ ہے۔ تو میں نے یہ حدیث شریف سن کر حضرت ابراہیم نخعیؒ کے پاس آکر ذکر کیا تو حضرت ابراہیم نخعیؒ نے غضبناک ہوکر فرمایا کہ کیا حضرت وائل ابن حجرؓ نے حضورؐ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ و دیگر صحابہؓ نے نہیں دیکھا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت وائل ابن حجرؓ نے ۹ھ میں اسلام قبول فرمایا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے نبوت کے پہلے سال اسلام قبول فرمایا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ دسویں مسلمان ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اسلام کے بائیس سال بعد حضرت وائل ابن حجرؓ نے اسلام قبول فرمایا ہے۔ اور پورا دور نبوت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی آنکھوں کے سامنے گذرا ہے۔ اس لیے حضورؐ کی مزاج شناس اور حضورؐ کے افعال واقوال پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو جتنی واقفیت ہو سکتی ہے اس کا عشر عشیر بھی حضرت وائل ابن حجرؓ کو نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ بات مسلم ہوگی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا جواب ہی قابل استدلال ہو سکتا ہے۔ امام طحاویؒ نے اس مضمون کی روایت کو دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت سے جواب

مثبتین کا ایک مستدل حضرت علیؓ کی وہ روایت بھی ہے جس میں چار مرتبہ رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے تکبیر تحریمہ کے

وقت تکبیر رکوع کے وقت، بوقت تکبیر سجود، بوقت تکبیر قیام بین السجودین۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ص۱۳۶ میں ساڑھے نو سطروں کے اندر حضرت علیؓ کی روایت کا جواب دیا جاتا ہے۔ جواب کا ماحصل یہ ہے مثبتین رفع یدین نے رفع یدین کے ثبوت میں حضرت علیؓ کی روایت حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی الزنادؒ کے طریق سے پیش کی ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کی دوسری روایت بھی ہے جو حضرت عاصم بن کلیبؒ کے طریق سے ثابت ہے۔ اس روایت کے اندر مصرح ہے کہ حضرت علیؓ تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی پوری نماز کے اندر کہیں بھی رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ تو اب حضرت علیؓ کی روایت جس کو حضرت عبدالرحمٰن ابن الزنادؒ نے نقل کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کا عمل جس کو عاصم بن کلیبؒ نے نقل کیا ہے۔ دونوں کے درمیان تعارض لازم ہو چکا ہے۔ اس لیے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ تو ہم نے غور کر کے دیکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت تین احتمال رکھتی ہے۔

احتمال ۱:۔ عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت ضعیف اور سقیم ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد متکلم فیہ راوی ہیں۔ تو ان کی روایت سے استدلال کرنا مثبتین رفع یدین کے لیے کیسے درست ہو سکتا ہے!

احتمال ۲:۔ عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت میں درحقیقت رفع یدین کا ذکر ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس روایت کا مدار عبداللہ بن الفضل پر ہے۔ اور عبداللہ بن الفضل کے دو شاگرد ہیں۔

(ا) حضرت موسیٰ ابن عقبہؒ ہیں۔ اور موسیٰ ابن عقبہؒ سے عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد نے نقل کیا ہے۔

(ب) حضرت عبدالعزیز بن ابی سلمہؒ ہیں۔ ان سے عبداللہ بن صالح اور وہبی نے نقل کیا ہے۔ اور عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی سند کے اندر رفع یدین کا ذکر ہے اور عبداللہ بن صالح وغیرہ کی روایت میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے اور عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کا متکلم فیہ ہونا مسلّم ہے۔ اور عبداللہ بن صالحؒ وغیرہ کی روایت محفوظ اور مقبول ہوگی۔ اور عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت خطا اور شاذ کے درجہ میں ہوگی۔ لہٰذا اس تقریر سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

احتمال ۳:۔ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے جس کے اندر انہوں نے زیادتی کی ہے تو اس صورت میں ان کی روایت کا منسوخ ہونا مسلم ہوگا۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے کیونکہ خلاف عمل اس بات پر دلیل ہوتا ہے کہ راوی کے نزدیک روایت کا منسوخ ہو جانا متحقق ہو چکا ہے۔ اور یہاں پر ایسا ہی ہوا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ حضورؐ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھیں پھر وہ حضورؐ کے بعد رفع یدین ترک کر دیں۔ لہٰذا عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد کی روایت کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا منسوخ ہونا مسلم ہوگا۔ اس

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ رَفْعَ الْیَدَیْنِ فِی الرُّکُوْعِ وَاظَبَ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَادَامَ حَیًّا

۴۹۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ فَمَا زَالَتْ تِلْکَ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ وَھُوَ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ بَلْ مَوْضُوْعٌ۔

باب: جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں ہاتھ اٹھانے پر ہمیشگی کی ہے، جب تک آپ زندہ رہے۔

۴۹۴۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے، اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب آپ رکوع فرماتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے، اور آپ سجدہ میں ایسا نہیں فرماتے تھے، آپؐ کی نماز اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔“

یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے، اور یہ حدیث ضعیف بلکہ من گھڑت ہے۔

جیسے استدلال مسلم نہیں ہوگا۔

(۴۹۴) اس حدیث سے بعض حضرات رفع یدین کے وجوب کا استدلال کرتے ہیں ان کا مستدل فما زالت تلك صلوته حتی لقی اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں یہ مسلک امام اوزاعیؒ اور امام حمیدیؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ان سے وجوب رفع الیدین کا جو قول منقول ہے وہ افتتاح الصلوٰۃ کے وقت کا رفع الیدین ہے عند الرکوع اور عند رفع الرأس من الرکوع کا نہیں علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ وھذا الرفع مستحب عند جمھور العلماء عند افتتاح الصلوٰۃ لا واجب کما قال الاوزاعی والحمیدی شیخ البخاری وابن حزیمہ وداؤد بعض الشافعیہ والمالکیہ قال ابن عبد البر وکل من نقل عنہ الوجوب قال لا تبطل الصلوٰۃ بترکہ الا فی روایۃ عن الاوزاعی والحمیدی وھو شذوذ وخطاء (شرح الموطا ج ۱ ص ۱۴۵)

یہ بات گذشتہ ابحاث میں عرض کردی گئی کہ رکوع کو جانے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْقِيَامِ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

۳۹۵۔ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

باب۔ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا۔ ۳۹۵۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ابن عمرؓ یہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان کرتے (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔)

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

کی شرعی حیثیت دو ائمہ کے نزدیک استحباب کی ہے اور دوسرے کے نزدیک تو وہ مستحب بھی نہیں پہلے بھی عرض کیا گیا کہ امام نووی نے صراحتاً یہ لکھ دیا ہے کہ رفع یدین کے عدم وجوب پر سب کا اتفاق ہے وقال ابوحنیفۃ واصحابہ و جماعۃ من اہل الکوفۃ لا یستحب فی غیر تکبیرۃ الاحرام وھو اشہر الروایات عن مالک واجمعوا علی انہ لا یجب شیء من الرفع شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۱۶۸ حدیث باب سے شوافع حضرات یہ استدلال بھی کرتے ہیں کہ اس روایت میں تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل رفع یدین کا تھا جو پچھلے تمام طریقوں کے لیے گویا ناسخ تھا۔ مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں کیونکہ فمازالت تلک صلوتہ کا اضافہ ضعیف اور موضوع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں عصمہ بن محمد الانصاری اور عبدالرحمٰن بن قریش دو راوی آتے ہیں دونوں راوی حد درجہ ضعیف بلکہ متہم بالوضع ہیں لہذا اس روایت کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں خود امام نیموی نے اس پر ھو حدیث ضعیف بل موضوع کا حکم لگایا ہے پھر اس روایت کا اعتبار کیسے کر سکتے ہیں جبکہ خود حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا ہے بعد میں نہیں کیا (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۰ المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱ ص۲۳۷)

(۳۹۵) اس سے قبل بھی عرض کیا گیا تھا رکعتین سے قیام کے وقت اور رفع یدین للسجود متفق طور پر متروک ہے حدیث باب جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۰۲ میں نقل کیا ہے بظاہر رفع الیدین عند القیام

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ لِلسُّجُوْدِ

۳۹۶۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي صَلٰوتِهِ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَإِذَا سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۹۷۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۹۶۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے اپنی نماز میں رکوع فرمایا اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھایا جب سجدہ فرمایا اور جب سجدہ سے سر مبارک اٹھایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ انہیں اپنے کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر فرمایا۔

یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۳۹۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ یہ حدیث ابو یعلی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

من المرکعتین کا بھی مستدل ہے مگر شارحین حدیث اور ائمہ احناف کہتے ہیں ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی درست نہیں یعنی صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی پر موقوف ہے مرفوع نہیں جیسا کہ امام ابو داؤد فرماتے ہیں الصحیح قول ابن عمر لیس بمرفوع (سنن ابی داؤد ج ا ص[illegible])

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں وحکی الاسماعیلی عن بعض مشائخہ انہ اومأ الی ان عبد الاعلی اخطأ فی رفعہ قال الاسماعیلی وخالفہ عبد اللہ بن ادریس وعبد الوھاب الثقفی والمعتمر بن سلیمان عن عبید اللہ فرووہ موقوفا عن ابن عمر، خود امام بخاری نے بھی ج ۲ ص[illegible] میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

(۳۹۶ تا ۴۰۱) سجدہ کے وقت رفع یدین بھی متفقہ طور پر متروک ہے باب ہذا کی پہلی حدیث

۳۹۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ تَكْبِيْرِ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ التَّكْبِيْرِ حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۹۹۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَحِيْنَ يَرْكَعُ وَحِيْنَ يَسْجُدُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرُوَاتُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ اِلَّا اِسْمٰعِيْلَ بْنَ عَيَّاشٍ وَهُوَ صَدُوْقٌ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ عَنْ غَيْرِ الشَّامِيِّيْنَ كَلَامٌ۔

۴۰۰۔ وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَحَدَّثَهٗ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ صَلَّيْنَا فِيْ مَسْجِدِ الْحَضْرَمِيِّيْنَ فَحَدَّثَنِيْ عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ

۳۹۸۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی تکبیر اور اس تکبیر کے وقت جب کہ سجدہ کرنے کے لیے جھکتے۔ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

۳۹۹۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا جب کہ آپ نماز شروع فرماتے اور جب آپ رکوع فرماتے اور جب آپ سجدہ فرماتے۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، مگر اسمٰعیل بن عیاش اور وہ صدوق ہے البتہ شامیوں کے علاوہ دوسرے محدثین سے اس کی روایت میں کلام ہے۔

۴۰۰۔ حصین بن عبدالرحمٰن نے کہا ہم ابراہیم (نخعیؒ) کے پاس گئے، تو عمرو بن مرہ نے کہا ہم نے حضرمیین کی مسجد میں نماز پڑھی تو علقمہ بن وائل نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع فرماتے رکوع

مالک بن الحویرث سے منقول ہے جس کا تفصیلی جواب باب رفع الیدین عند الرکوع کے تحت حدیث نمبر ۲۹۳ میں گزر چکا ہے باب ہذا کی دوسری احادیث بھی بشمول رفع یدین اور ترک رفع یدین کے مباحث میں ذیلاً زیر بحث آ چکی ہیں۔ جہاں تک روایات کا تعلق ہے جیسا کہ امام بغویؒ نے باب ہذا کے آخر میں وقال البغوی سے اس جانب اشارہ بلکہ تصریح کی ہے کہ تکبیر تحریمہ ہیبت، رکوع اور اس سے رفع کے وقت کی طرح رفع الیدین للسجود بھی ثابت ہے جس طرح کہ ترک رفع یدین ثابت ہے جہاں تک رفع یدین کے ثبوت کا تعلق ہے حنفیہ

رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ مَا أَرَى أَبَاكَ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا ذٰلِكَ الْيَوْمَ الْوَاحِدَ فَحَفِظَ ذٰلِكَ وَعَبْدُ اللّٰهِ لَمْ يَحْفَظْ ذٰلِكَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ إِنَّمَا رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۰۱۔ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ قَالَ رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ لَمْ يُصِبْ مَنْ جَزَمَ بِأَنَّهُ لَا يَثْبُتُ شَيْءٌ فِيْ رَفْعِ الْيَدَيْنِ لِلسُّجُوْدِ وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى النَّسْخِ فَلَيْسَ لَهُ دَلِيْلٌ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا مِثْلُ دَلِيْلِ مَنْ قَالَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ غَيْرِ تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ۔

اور سجدہ فرماتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا، ابراہیمؒ نے کہا میرے خیال میں تو تمہارے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ایک دن دیکھا، تو ان سے یہ بات یاد کرلی عبداللہؓ نے یاد نہیں کی، پھر ابراہیمؒ نے کہا "رفع یدین صرف نماز کے شروع ہی میں ہے"۔

یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۴۰۱۔ یحییٰ بن ابی اسحٰق نے کہا میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔

یہ حدیث بخاری نے جزء رفع یدین میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نیموی نے کہا "یقیناً یہ بات صحیح نہیں ہے کہ سجدہ کے وقت رفع یدین میں کوئی چیز ثابت نہیں، اور جس نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، تو اس کے لیے اس دعویٰ پر اور کوئی دلیل نہیں، مگر جیسی دلیل اس شخص کی ہے جس نے یہ کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرو۔

اس کے منکر نہیں البتہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ترک رفع احادیث سے ثابت نہیں حنفیہ دلائل کے ساتھ ان کی تردید کرتے ہیں ہاں احناف یہ کہتے ہیں کہ ترک رفع یدین بھی احادیث سے ثابت ہے اور وہ اسی کو افضل اور راجح قرار دیتے ہیں اس کے دلائل اور وجوہ ترجیح کیا ہیں اگلے باب کی غرض انعقاد یہی ہے۔

بَابُ تَرْكِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِيْ غَيْرِ الْاِفْتِتَاحِ

۴۰۲۔ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

باب تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا۔ ۴۰۲۔ علقمہ نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز نہ پڑھاؤں، انہوں نے نماز پڑھی تو پہلی بار کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴۰۲ تا ۴۰۷) یہاں سے مصنفؒ ترک رفع یدین والوں کے دلائل ذکر کرتے ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ ترک رفع یدین کو افضل سمجھتے ہیں امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ وبہ یقول غیر واحد (بے شمار) من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة (ترمذی ج ۱ ص۳۵)

پہلی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت

(۱) باب ہذا کی سب سے پہلی روایت نمبر ۴۰۲ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے جسے اکثر اصحاب سنن نے روایت کیا ہے ابوداؤد نے ج ۱ ص۱۰۹ ترمذی نے ج ۱ ص۳۵ اور نسائی نے ج ۱ ص۱۲۱ طحاوی نے ج ۱ ص۱۱۰ اور امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۱ ص۳۸۸ میں تخریج کی ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں الا اصلی بکم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يرفع يديه الا في اول مرة۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث ترک رفع یدین کے مسلک پر صریح بھی ہے اور صحیح بھی، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن (ترمذی ج ۱ ص۳۵)

امام سیوطیؒ نے (اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص۱۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے امام ابن حزم محلی لکھتے ہیں وهذا الحديث صحيح علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں وصححه ابن القطان المغربي في كتاب الوهم والايهام وكذا الك صححه ابن حزم الاندلسي ونقل الحافظ تصحيح الدارقطني حديث الترك في الدراية (العرف الشذی ص۱۳۲)

۴۰۲۔ وَعَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَهُوَ اَثَرٌ صَحِيْحٌ ۔

۴۰۲۔ اسود نے کہا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور یہ اثر صحیح ہے۔

ابن مسعودؓ کی روایت پر مخالفین کے اعتراضات اور جوابات

مخالفین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت پر متعدد اعتراضات کئے ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ نے ابن مسعودؓ کی روایت نقل کر کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ حنفیہ حضرات نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

(ا) امام زیلعیؒ فرماتے ہیں قال الشیخ ابن دقیق العیدؒ فی الامام (اسم کتابہ) وعدم ثبوت الخبر عند ابن المبارک لا یمنع من النظر فیہ وھو یدور علی عاصم بن کلیب وقد وثقہ ابن معین ...... (نصب الرایہ ج ۱ ص۳۹۵)

(ب) حافظ ابن حجرؒ نتائج الافکار میں فرماتے ہیں لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحۃ فلا ینتفی الحسن۔

(ج) حضرت ابن مسعودؓ کی دو حدیث منقول ہیں ایک قولی مرفوع ہے اور دوسری فعلی مرفوع ہے حضرت ابن المبارکؒ قولی مرفوع کو ضعیف قرار دیتے ہیں فعلی مرفوع کو نہیں چنانچہ قولی مرفوع ترمذی ج ۱ ص۳۵، دارقطنی ج ۱ ص۱۱۱ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص۷۹ میں یوں تخریج کی گئی ہے عن عبداللہ بن المبارک قال لا یثبت عندی حدیث ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ اول مرۃ ..... الخ لہٰذا اس کو فعلی مرفوع روایت پر چسپاں کرنا درست نہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور یہ ان کا تفرد ہے۔ علماء احناف کہتے ہیں کہ نسائی اور ابن معین نے اسے ثقہ ابوحاتم نے صالح اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے احمد بن صالح المصری نے انہیں ثقۃ مامون ابن سعد نے ثقۃ یحتج بہ

۴۰۴۔ وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدُ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۴۰۴۔ عاصم بن کلیب نے اپنے والد سے بیان کیا کہ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور احمد نے لا باس بحدیثہ کے الفاظ کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے (تہذیب ج ۵ ص۵۶) صرف یہ نہیں بلکہ جلیل القدر محدثین اور شارحین حدیث نے ان کی روایت کردہ احادیث کا اعتبار کیا ہے مثلاً حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر ص۱۱۳ میں ایک روایت کے بارے میں کہتے ہیں حدیث صحیح رواہ ... وفی سندہ عاصم بن کلیب اور فتح الباری ج ۹ ص۳۵۱ میں ایک حدیث کے بارے میں کہتے ہیں بسند قوی وفیہ عاصم بن کلیب امام حاکم المستدرک ج ۴ ص۲۱۵ میں ایک حدیث کے بارے میں کہتے ہیں ھذا حدیث صحیح الاسناد علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں صحیح والسند عاصم بن کلیب امام دارقطنیؒ ج ۱ ص۱۲۹ میں لکھتے ہیں حدیث ثابت صحیح وفیہ عاصم بن کلیب مشہور غیر مقلد مبارک پوری تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۱۲۳ میں ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں رواتہ ثقات وفیہ عاصم بن کلیب اس صدی میں فن حدیث میں تحقیق اور حدیث فہمی میں غیر مقلدین کے نزدیک مبارک پوریؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے بلکہ تمام غیر مقلدین فرق العدد والی روایات کو صحیح مانتے ہیں حالانکہ اس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے۔ (خزائن السنن ملخصاً)

عاصم بن کلیب کی ثقاہت کے لیے مذکورہ حوالہ جات کافی ہیں بہر حال وہ مسلم کے رواۃ سے ہیں اور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں، دوسرا یہ گمان کی طرف تفرد کا انتساب بھی صحیح نہیں کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان کی متابعت کی ہے مسند امام اعظم میں یہ حدیث حماد عن ابراھیم عن الاسود کے طریق سے مروی ہے (جامع المسانید ج ۱ ص۳۵۵) اور یہ گویا سلسلۃ الذہب ہے۔

(۴) بعض حضرات نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں ثم لا یعود کے الفاظ ہیں مگر اس میں وکیع منفرد ہیں لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا حنفیہ حضرات کہتے ہیں تمام محدثین کا اس پر اتفاق اور یہ بمنزلہ اصول کے یہ قاعدہ ہے کہ ثقہ کی زیادۃ معتبر ہے مثلاً امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمہور محدثین علماء فقہاء

۴۰۵۔ (عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى مِنَ الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ۔

۴۰۵۔ مجاہد نے کہا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ صرف نماز کی پہلی تکبیر میں ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے معرفت (کتاب کا نام ہے) میں نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اور اصولیین اس پر متفق ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادۃ واجب القبول ہے (مقدمہ مسلم ص۱۸ و شرح مسلم ج ۱ ص۱۷۲) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں و شک نیست کہ زیادۃ ثقہ مقبول است (حدود والاہلہ ص۹۵) مشہور غیر مقلد محدث مبارک پوری نے بھی تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۰ میں یہی فرمایا ہے امام بخاری فرماتے ہیں۔ والزیادۃ مقبولۃ اذا رواہ اہل الثبت (صحیح بخاری ج ۱ ص۲۰۱) مزید لکھتے ہیں کہ ان ہذہ زیادۃ الفعل والزیادۃ مقبولۃ اذا ثبتت (جزء رفع یدین ص۲۵) پھر حیرت ہے کہ جب وکیع ثقہ اور ثبت ہیں تو ان کی زیادۃ کیونکر قابل قبول نہیں قرار دی جا سکتی۔ اور یہ دعویٰ بھی درست نہیں کہ وکیع منفرد ہیں بلکہ نسائی ج ۱ ص۱۱۱ میں امام ابن المبارکؒ ان کے متابع ہیں۔

(۴) بعض لوگوں نے خواہ مخواہ یہ اعتراض بھی جڑ دیا ہے کہ وکیعؒ کے تلامذہ اس زیادۃ کو نقل نہیں کرتے حالانکہ قدرِ تحقیق و تتبع سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وکیع کے ایک شاگرد جو معمولی آدمی نہیں بلکہ امام الائمہ ہیں یعنی امام احمد حنبل ہیں جو مسند احمد ج ۱ ص۴۴۲ میں اس زیادۃ کے ناقل ہیں وکیع کے دوسرے جلیل القدر تلمیذ عثمان بن ابی شیبہ ہیں ان سے ابوداؤد ج ۱ ص۱۰۹ میں یہ زیادہ منقول ہے تیسرے شاگرد محمود بن غیلان ہیں ان سے نسائی ج ۱ ص۱۲۰ میں چوتھے شاگرد ھناد بن السری ہیں اُن سے ترمذیؒ ج ۱ ص۳۵ میں اور پانچویں شاگرد نعیم بن حماد ہیں جن سے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۰ میں یہ زیادۃ منقول ہے۔

(۵) مخالفین ایک اعتراض امام بخاریؒ کا پیش کرتے ہیں جو انہوں نے جزء رفع الیدین میں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے معلول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں ثم لا یعود کی زیادۃ سفیان ثوریؒ کی ہے عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں صرف وہی اس کے ناقل ہیں جو یہ زیادۃ نقل کرنے

۴۰۶ - وَعَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ إِلَّا فِي الْاِفْتِتَاحِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ۔

۴۰۶۔ ابراہیمؒ نے کہا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز کی کسی چیز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، سوائے شروع کے۔ یہ حدیث طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

میں خاطی ہیں حالانکہ عاصم بن کلیب کے ایک دوسرے تلمیذ عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ زیادۃ موجود نہیں حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اولاً اگر یہ زیادۃ ثابت نہ بھی ہو تب بھی یہ حنفیہ کے مسلک کے لیے مضر نہیں لیکن ان کا استدلال اس کے بغیر بھی پیدا ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ سفیان ثوریؒ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادۃ معتبر ہے۔

سوم یہ کہ کتاب العلل دارقطنی ص۱۴۳ میں ابوبکر نہشلی سفیان کے متابع ہیں۔

چہارم یہ کہ بقول علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے کہ آمین بالجہر کے مسئلہ میں تو سفیان احفظ الناس تھے مگر یہاں اس مسئلہ میں ان کے حافظہ کا کیوں اعتبار نہیں کیا جاتا (یا للعجب سفیان اذا روی لهم الجهر بآمين كان احفظ الناس ثم اذا روى ترك الرفع صار انسى الناس نيل الفرقدين ص۳۲)

بعض لغو بیہودہ اور بیجا گانہ اعتراضات بھی کیے گئے ہیں جن سے حضرت ابن مسعودؓ کے علم و تفقہ اور عظیم شخصیت پر بھی العیاذ باللہ جرح ہوتی ہے حالانکہ وہ افقہ الصحابہؓ اور حبر الامۃ ہیں وہ سالہا سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر کمسن بچے اور بچوں کی صف میں کھڑے ہوتے تھے لہٰذا ایسے اعتراضات کے نقل کرنے اور جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے الغرض اس حدیث کو بہت سے محدثین جن میں امام ترمذیؒ علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ ابن حزمؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کا نام سرفہرست ہے حسن یا صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس کے قوی مستدل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دوسری دلیل حنفیہ کا دوسرا مستدل مصنفؒ نے حضرت اسودؒ کی روایت (۴۰۳) کے حوالے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا معمول نقل کیا ہے۔ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ اس روایت کو امام ابن ابی شیبہؒ نے ج ۱ ص۲۶۸ اور امام طحاویؒ نے ج ۱ ص۱۳۳ میں نقل کیا ہے جناب مصنفؒ نے اسے وھو اثر صحیح قرار دیا ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔ ھو حدیث صحیح علاوہ

۴۰۷۔ وَعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَصْحَابُ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ وَكِيْعٌ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِیُّ اَلصَّحَابَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مُخْتَلِفُوْنَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَاَمَّا الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَثْبُتْ عَنْهُمْ رَفْعُ الْاَيْدِیْ فِیْ غَيْرِ تَكْبِيْرَةِ الْاِحْرَامِ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۴۰۷۔ ابو اسحٰق نے کہا حضرت عبداللہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھی اپنے ہاتھ صرف نماز کے شروع میں ہی اٹھاتے تھے، وکیع (راوی) نے کہا پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نیموی نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے رہے ہیں، بہرحال چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم (حضرت صدیق اکبرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) سے یہ ثابت نہیں کہ وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھاتے ہوں۔

ماردینیؒ فرماتے ہیں ھذا سند علی شرط مسلم (الجوھر النقی ج ۲ ص۷۹) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رواتہ ثقات (الدرایہ ص۸۵)

تیسری دلیل امام نیمویؒ حنفیہ کے مسلک کے لیے آثار صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے تیسری دلیل روایت (۴۰۴) میں حضرت علیؓ کا اثر نقل کرتے ہیں جسے امام طحاویؒ نے ج ۱ ص۱۱۰ ابن ابی شیبہ نے ج ۱ ص۲۳۶، بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۲ ص۸۰ میں تخریج کیا ہے ان علیاً کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد امام طحاویؒ حضرت علیؓ کے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں "فان علیاً لم یکن یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ثم یترک ھو الرفع بعدہ الا وقد ثبت عندہ نسخ الرفع فحدیث علیؓ اذا صح ففیہ اکثر الحجۃ لقول من لا یری الرفع ـــــــ حضرت علیؓ کے اس اثر کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رواتہ ثقات ص۸۵ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں قال الزیلعی ھو اثر صحیح وقال العینی علی شرط مسلم (نیل الفرقدین ص۱۰)

چوتھی دلیل صاحب آثار السنن حنفیہ کی چوتھی دلیل حضرت مجاہد کی روایت (۵۰۴) لاتے ہیں جس کی تخریج طحاوی ج ۱ ص۱۱۰ مصنف ابن ابی شیبہؒ ج ۱ ص۲۳۷ میں کی گئی ہے حدیث باب کے الفاظ طحاوی کے ہیں جب کہ یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے قال ما رایت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اول ما یفتتح حضرت ابن عمرؓ جو رفع یدین کی حدیث کے راوی ہیں اور جن کی روایت قائلین رفع یدین کے لیے سب سے زیادہ قوی ترین مستدل ہے اس روایت میں ان ہی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دینے کی کوشش کی ہے مثلاً امام بیہقیؒ نے اسے باطل قرار دیا ہے ان کا یہ حکم بلا دلیل ہے بلکہ محض وہم ہے انہوں نے اس کی وضعیت اور بطلان کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ان سے رفع کا تذکرہ ہے حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں اور ان کے درمیان تطبیق اور جمع ممکن ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ان الجمع بین الروایتین ممکن وھو انہ لم یکن یراہ واجباً ففعلہ تارۃً وترکہ تارۃً (فتح الباری ج ۲ ص۱۷۴) اور امیر یمانیؒ لکھتے ہیں کہ بان ترکہ لذالک اذا ثبت کما رواہ مجاھد یکون مبیناً لجوازہ وانہ لا یراہ واجباً (سبل السلام ج ۱ ص۲۵۸)

پانچویں دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا اثر (۵۰۶) ہے جسے طحاوی ج ۱ ص۱۱۱ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص۲۳۶ میں نقل کیا گیا ہے۔

لا یرفع یدیہ فی شیء من الصلوٰۃ الا فی الافتتاح اس پر بھی معترضین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم کی ابن مسعودؓ سے ملاقات ثابت نہیں مگر حنفیہ حضرات کی جانب سے مصنفؒ فرماتے ہیں واسنادہ مرسل جید دار قطنی ج ۱ ص۲۹۶، زاد المعاد ج ۲ ص۲۵ اور درایہ ص۸۵ میں ہے مراسیل ابراھیم صحیحۃ الاحدیث تاجر البحرین (تاجرالجرین) کی حدیث مجمع الزوائد ج ۲ ص۲۸۳ میں منقول ہے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ کان ابراھیم اذا ارسل عن عبد اللہ لم یرسلہ الا بعد صحتہ عندہ وتواتر الروایۃ عن عبد اللہ۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۱)

چھٹی دلیل مصنفؒ ابو اسحٰق کی روایت (۵۰۷) لاتے ہیں جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے رفقاء کا عدم رفع یدین کا معمول منقول ہے اس اثر کو امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف ج ۱ ص۲۶۷ میں تخریج کیا ہے امام ماردینیؒ اس اثر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ھذا السند ایضاً

صحیح علی شرط مسلم۔

ساتویں دلیل

قال النیموی امام نیمویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد میں آنے والے رفع الیدین کے مسئلہ میں اختلاف کرتے رہے مگر چاروں خلفاء سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کیا ہے بلکہ ترک ثابت ہے۔

البتہ بقول علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رفع یدین کی احادیث معنوی طور پر متواتر ہیں جب کہ ترک رفع کی احادیث عملاً متواتر ہیں یعنی ترک رفع پر صحابہ و من بعدھم کا تواتر بالعمل پایا جاتا ہے اس کی تفصیل اور نظائر وہ نیل الفرقدین فی رفع الیدین میں بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ترک رفع پر تعامل تھا کوفہ میں بھی ترک پر تعامل تھا البتہ امام شافعیؒ نے اہل مکہ کے تعامل کا اعتبار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے عہد خلافت میں وہاں رفع یدین شروع ہوا کہ وہ اس کے قائل تھے لہذا تمام اہل مکہ میں رواج پا گیا۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ قائلین عدم رفع کا مسلک عدمی ہے لہذا وہ روایات بھی ان کا مستدل قرار پاتی ہیں جو صفت صلوٰۃ کو بیان کرتی ہیں لیکن رفع اور ترک رفع سے ساکت ہیں اسی لیے اگر رفع یدین ہوتا تو صفت صلوٰۃ بیان کرتے وقت احادیث ان کے ذکر سے ساکت نہ ہوتیں۔

آٹھویں دلیل

ترک رفع یدین والے حدیث مسیئ الصلوٰۃ سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں حضورﷺ نے علاوہ رفع کو باقی چیزوں کی تعلیم دی ہے لیکن رفع یدین کی تعلیم نہیں دی حالانکہ یہ موقع تعلیم کا تھا اگر رفع یدین کی کوئی خاص اہمیت ہوتی تو حضورﷺ ضرور اسے تعلیم دیتے قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں وقد تقرر ان حدیث المسیئ ھو المرجع فی معرفۃ واجبات الصلوٰۃ (نیل الاوطار ج ۲ ص۱۹۹) ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں تکرر من الفقہاء الاستدلال علی وجوب ما ذکر فی ھذا الحدیث وعدم وجوب ما لم یذکر فیہ (احکام الاحکام ج ۱ ص۲۳) امیر یمانیؒ فرماتے ہیں واما الاستدلال بان کل ما لم یذکر فیہ لایجب فلان المقام مقام تعلیم الواجبات فی الصلوٰۃ فلو ترک ذکر بعض ما یجب لکان فیہ تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ وھو لایجوز بالاجماع (سبل السلام ج ۱ ص۲۸۳)

نویں دلیل

علاوہ ازیں حنفیہ حضرات کے لیے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود (ابو داؤد ج ۱ ص۱۰۹) معترضین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسے خود امام ابو داؤدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے قال ابو داؤد ھذا الحدیث لیس بصحیح جواب یہ ہے کہ

یہ روایت امام ابوداؤدؒ نے تین طریقوں سے نقل کی ہے آغاز کے دو طریقوں کا مدار یزید بن ابی داؤد ہے جب کہ ایک طریق میں اس کے مدار عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں امام ابوداؤدؒ پہلے دو طریقوں کو ضعیف نہیں قرار دیتے بلکہ انہوں نے صرف آخری طریق کو ضعیف قرار دیا ہے جو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کیونکہ وہ ضعیف ہیں پہلے دونوں طریق پر ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے۔

دسویں دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جسے طبرانی (بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ صہ ۱۰۳) نے مرفوعاً اور ابن ابی شیبہؒ نے موقوفاً (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ صہ ۲۳۷) روایت کیا ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترفع الایدی فی سبعۃ مواطن افتتاح الصلاۃ واستقبال البیت والصفا والمروۃ والموقفین وعند الحجر (اللفظ للطبرانی) صاحب ہدایہ نے بھی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ان سات مقامات میں تکبیر افتتاح کا تو ذکر ہے لیکن رکوع اور رفع من الرکوع کا ذکر نہیں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی نیل الفرقدین صہ ۱۰۹ میں ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث قابل استدلال ہے

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال امام طحاویؒ شرح معانی الآثار ج ۱ صہ ۱۳۳ میں عقلی دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بوقت تحریمہ رفع یدین جائز اور مشروع ہے اور بوقت تکبیر بین السجدتین رفع یدین عملاً متروک اور مشروع نہیں ہے لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ بوقت تکبیر رکوع و تکبیر نہوض رفع یدین مشروع ہے یا نہیں تو اس سلسلہ میں دو جماعتیں ہوگئی ہیں ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تکبیر رکوع وغیرہ میں تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کرنے کا حکم ہے اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ تکبیر بین السجدتین کی طرح تکبیر رکوع وغیرہ میں رفع یدین مشروع نہیں ہے تو ہم نے غور و خوض کر کے صحیح معنی نکالنے کا ارادہ کیا کہ تکبیر رکوع و نہوض کو کس کے ساتھ مشابہت ہے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ تکبیر تحریمہ صلب صلوٰۃ میں سے ہے اس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی ہے اور تکبیر بین السجدتین صلب صلوٰۃ میں سے نہیں ہے بلکہ سنت ہے اس کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے پھر ہم نے دیکھا کہ تکبیر رکوع اور تکبیر نہوض صلب صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اور اس کے ترک کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے تو تکبیر رکوع وغیرہ کو تکبیر بین السجدتین کے ساتھ ہی مشابہت ہے اس لیے یہ بات مسلم ہوگی کہ جس طرح بوقت تکبیر بین السجدتین رفع یدین مشروع نہیں ہے اسی طرح بوقت تکبیر رکوع وغیرہ میں بھی رفع یدین مشروع نہیں ہونا چاہیے یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے درمیان مناظرہ اس سلسلہ میں اس مناظرہ کا ذکر مناسب ہوگا جو امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام

اوزاعیؒ کے درمیان پیش آیا، ہوا یہ کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے دار الحناطین میں فقیہ امت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ جمع ہوگئے اور وہاں رفع یدین کا مسئلہ زیر بحث آگیا تو امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا "ما بالکم (وفی روایۃ: ما بالکم یا أھل العراق!) لا ترفعون أیدیکم فی الصلوٰۃ عند الرکوع وعند الرفع منہ؟" امام صاحب نے جواب دیا "لأجل أنہ لم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شیء (أی لم یصح سالماً عن المعارض)" اس پر امام اوزاعیؒ نے فرمایا "کیف لا یصح؟ وقد حدثنی الزھری عن سالم عن أبیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ کان یرفع یدیہ إذا افتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ" اس پر امام اعظمؒ نے فرمایا "وحدثنا حماد عن إبراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ إلا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشیء من ذلک" یہ سن کر امام اوزاعیؒ نے اعتراض کیا "أحدثک عن الزھری عن سالم عن أبیہ وتقول حدثنی حماد عن إبراھیم!" امام اوزاعیؒ کے اعتراض کا منشا یہ تھا کہ میری سند عالی ہے کیونکہ اس کی سند میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں زہری اور سالم جب کہ آپ کی سند میں صحابی تک تین واسطے ہیں حماد، ابراہیم، علقمہ لہٰذا علو اسناد کی بنا پر میری روایت راجح ہے۔ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا "کان حماد أفقہ من الزھری وکان إبراھیم أفقہ من سالم وعلقمۃ لیس بدون ابن عمر فی الفقہ وإن کانت لابن عمر صحبۃ ولہ فضل صحبۃ فعبد اللہ ھو عبد اللہ" اس پر امام اوزاعیؒ خاموش ہوگئے۔ امام سرخسی اور شیخ ابن ہمامؒ اس مناظرہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "إن أبا حنیفۃ رجح روایتہ بفقہ الرواۃ کما رجح الأوزاعی بعلو الإسناد وھو المذھب المنصور عندنا لأن الترجیح بفقہ الرواۃ لا بعلو الإسناد (ذکرھا الإمام السرخسی فی کتابہ المبسوط ج ۱ ص ۱۴) وابن الھمام فی الفتح (أی فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۹) والحارثی فی جامع المسانید (ج ۱ ص ۳۵۲ و ۳۵۳) والموفق المکی فی "المناقب" من طریق سلیمان الشاذکونی عن سفیان بن عیینۃ (کذا فی معارف السنن ج ۲ ص ۴۹۹)

جمالِ یوسف

(تذکرہ وسوانح مولانا محمد یوسف بنوریؒ)

از!

مولانا عبدالقیوم حقانی

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ وسوانح، تحصیل وتکمیل علم، فقرو درویشی، عبدیت وانابت، عشق رسول ﷺ واتباع سنت، درس وتدریس حدیث، محدثانہ جلالتِ قدر، عظیم فقہی مقام، فضل وکمال، دینی وعلمی کارنامے، سیرت واخلاق، مجاہدانہ کردار، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف قادیانیت کا فاتحانہ تعاقب، اعلاءکلمۃ الحق کے لئے مساعی، جہادؑ الغرض دلچسپ، جامع اور رلا دینے اور عملِ صالح کی انگیخت کرنے والے حیرت انگیز واقعات۔

صفحات : 304 ....

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیشِ لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات' احادیثِ نبوی' عبادات' معاملات' اعمال کے فضائل' بلندیٔ اخلاق و خصائل' محبت واطاعتِ رسول' محرمات سے اجتناب' منہیات کی نشان دہی' فرقِ باطلہ کا تعاقب' ردِّ بدعات' دعوتِ سنت واتحادِ اُمت' خدمتِ انسانیت ...... الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور' مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل واحکام' سلیس اور بامحاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلّم اور محسن کتاب' اپنے موضوعات کے تنوع' تفہیم وتسہیل' افادیت اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 .... رنگزین .... قیمت : 350

القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی علمی اور روحانی پیشکش

سوانحِ مجاہدِ ملت حضرت مولانا

غلام غوث ہزاروی

رحمۃ اللہ علیہ

از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

تذکرہ وسوانح، تحصیل علم وتکمیل، خدمت علم وتدریس دعوت وجہاد، شخصیت وکردار، اخلاص و للّٰہیت، صبر واستقامت فقر وایثار، خوش طبعی ولطائف، روحانی مقام اور اوراد ووظائف، فرق باطلہ کا تعاقب، قادیانیت، شرک وبدعت اور روافض کا رد، تحریکِ ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار، قومی وملی اور سیاسی خدمات اور سفرِ آخرت کی ایمان افروز داستان ...... شائد ارطباعت، کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد بندی اور دیدہ زیب کمپیوٹرائز ٹائٹل ۔

صفحات : 227 .... قیمت : =/90روپے

القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی نئی اور تازہ پیشکش

اماں جی مرحومہ ومغفورہ

تحریر!

مولانا عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز، روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی داستان جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے۔ چار رنگہ کمپیوٹرائزڈ خوبصورت ٹائٹل، شاندار طباعت، مضبوط جلد بندی اور نفیس کاغذ میں چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے۔ خواہشمند حضرات القاسم اکیڈمی سے طلب کر سکتے ہیں۔

صفحات : 135 .... قیمت : =/90 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

خصائل اور سیرت نبوی ﷺ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

حدیث کی جلیل القدر کتاب آثار السنن

للامام النیموی کی مبسوط اور مدلل اردو شرح

جلد دوم

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

نام کتاب -------- توضیح السنن شرح آثار السنن (جلد دوم)

تصنیف -------- مولانا عبدالقیوم حقانی

پروف ریڈنگ -------- مولانا محمد زمان حقانی، جناب مشتاق احمد

کتابت -------- محمد نواز خرم حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

ضخامت -------- 714 صفحات

تعداد -------- 1100

تاریخ طباعت دہم -------- ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ / اکتوبر 2010ء

ناشر -------- القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

☆ مکتبہ رشیدیہ' جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی

☆ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ معارف جنگی محلہ پشاور ☆ ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

☆ مکتبہ سلطان عالمگیر بالمقابل شاہ عالم مارکیٹ ۵ لوئر مال چوک گامے شاہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ اشرفیہ ...... قاسم سینٹر ...... اردو بازار ...... کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث گفتنی

حضرات صحابہ کرامؓ جن کو دولت ایمان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کی نسبت بھی نصیب تھی جو کچھ آپ سے سنتے تھے اور جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے اس کو یاد رکھتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اس کے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق و محبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اس کو اپنی اہم ذمہ داری بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے ۔۔۔ بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ آپ کے ارشادات خود آپؐ کی اجازت سے قلمبند بھی کرتے تھے۔

پھر جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نصیب نہیں ہوا، اور انہوں نے آپ کے فیضیافتہ صحابہ کرامؓ کو پایا انہوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ اُن سے حاصل کیا۔ اس دور میں یعنی دور تابعین میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابہ کرام کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔

حتیٰ کہ امام بخاری، امام مسلم اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انہوں نے اس سلسلہ میں وہ کام کیا جو ان کی مرتبہ کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

ان کے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماء اُمت نے احادیث کے ان مجموعوں یا انہی سے مرتب ہونے والی دوسری تالیفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا، اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق اُن کی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ہمارے اس زمانہ کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کے طرز فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، اس لیے تعلیمات محمدیؐ کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو ڈھائی سو سال پہلے جبکہ اس وقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی اُن کی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ"

میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کے لیے پوری روشنی موجود ہے۔ اس گنہ گار نے بھی علماء، طلبۂ حدیث کی درسی ضرورت کے ساتھ ساتھ اس دور کی خصوصیات کو بھی سامنے رکھ کر اردو میں آثار السنن کی شرح کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جو اب خدا کی توفیق سے دوسری جلد میں مکمل ہو گیا ہے والحمد للہ علی ذالک حمدا کثیرا۔

توضیح السنن میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور اکابر علماء دیوبند نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اس کی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے احقر نے اسی کی اتباع اور انہی کے گلشن علم و ادب سے خوشہ چینی کی ہے جس سے اس دور کے ذہن بھی مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی واجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے، اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری درس گاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

آغاز کار میں اسے تین جلدوں میں ترتیب دینے کا خیال تھا مگر طباعت کے مصارف اور طلبۂ مدارس کے لیے اس کی قوت خرید اور موجودہ دور کی شدید مہنگائی کے پیش نظر اس ارادہ کو ملتوی کر دیا۔

جلد ثانی کی تکمیل میں اپنے تمام اکابر مشائخ، اساتذہ اور علماء اور رفقاء کار کا ممنون اور شکر گزار ہوں جنہوں نے مسائل کے استخراج و استنباط، حوالہ جات کی تخریج اور ترتیب و تسوید میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا بالخصوص درویش خدا مست بوذر دوران سلمان کے اوصاف کے مظہر استاذی و استاذ العلماء حضرت العلامہ مولانا محمد زبان صاحب حقانی مدظلہ استاذ اعلیٰ مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی کا تو بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے علمی، اور تدریسی مشاغل اور قیمتی اوقات سے مستقلاً دس یوم نکال کر توضیح السنن ج ۲ کے مضامین پر نظر ثانی فرمائی اور اصلاح و تصحیح کے صعب ترین مراحل میں مؤلف کی ہمت افزائی فرمائی واجرہم علی اللہ

اپنے قارئین سے ایک درخواست یہ بھی ہے کہ مضامین کے جمع و ترتیب حوالہ جات کے نقل و اندراج اور کتابت کی تصحیح و پروف ریڈنگ میں اپنے تئیں کوتاہی نہیں کی مگر پھر بھی سہو و نسیان لازمۂ انسان ہے اور اپنا تجربہ بھی یہ ہے کہ دسیوں مرتبہ کی تصحیح کے باوجود بھی کتابت کی غلطیاں بہر حال رہ جاتی ہے امید ہے قارئین اس سلسلہ میں تسامح اور بصورت اطلاع تعاون فرمادیں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ ممکن ہو سکے واجرہم علی اللہ

(عبدالقیوم حقانی)

۲۶-۲-۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست ابواب و مضامین توضیح السنن جلد دوم

۲

پیش لفظ

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد

ملت اسلام میں احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوات و تسلیمات کا مقام و مرتبہ نہایت بلند و اہم ہے۔

قرآن حکیم کے بعد احادیث نبویہ اسلامی اصول و فروع، فقہی احکام اور شرعی تعلیمات کا بڑا مرجع و ماخذ ہیں۔

چنانچہ احادیث مبارکہ کی حفاظت درحقیقت پورے اسلام کی حفاظت ہے۔ احادیث و سنن کی حفاظت کا بہترین ذریعہ تصنیفِ کتبِ حدیث ہے۔ کتبِ حدیث و سنت تبلیغِ احادیث و حفاظتِ شریعت اسلامیہ کا قوی ذریعہ ہیں۔

فطوبیٰ لھذہ الکتب المبارکۃ وطوبیٰ ثم طوبیٰ لمصنفیھا وجامعیھا ان مبارک کتبِ حدیث میں سے ایک نافع و اہم کتاب آثار السنن تالیفِ محدث اکمل و شیخ اجل امام ہمام علامہ اجل محقق افضل مولانا محمد بن علی ابو الخیر ملقب بہ ظہیر الدین نیموی رحمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ کتاب برصغیر کے علماء کبار و صغار میں نہایت مقبول، مشہور اور تحقیقات مسائل فقہیہ و تدقیقات و غوامض حدیثیہ میں مرجع الانام ہے۔ محدثینِ عصر ہذا و فقہاء زمانہ ہذا نہایت شیفتگی سے اس کے گرویدہ ہیں۔ تقریباً ہر محدث اسے اپنے پاس رکھنا لازم اور ضروری سمجھتا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع میں نہایت جامع، محقق، نافع و معتمد علیہ ہے۔
اس کتاب کی مقبولیت و شہرت و مرجع اہل علم ہونے کے اسباب تین ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ ابحاثِ فقہیہ دقیقہ غریبہ و حقائق علمیہ حدیثیہ عجیبہ و مآخذ نکات و ادلّہ فقہیہ قویہ پر مشتمل ہونے کے علاوہ صغیر الحجم و کبیر العلم ہے۔ وہ باعتبار ظاہری عبارات موجز و مختصر ہے لیکن بلحاظ معنوی ایماآت و علمی اشارات و فقہی استخراجات مطوّل و مبسوط ہے لہٰذا اسے سہل ممتنع اور علم کا کبار مرتفع کہنا بعید نہیں۔

دوم یہ کہ وہ صحیح و حسان و قوی احادیث و موثوق علیہا آثار کا دلکش مجموعہ ہے۔ اس سلسلے میں وہ نہایت دقیق، جامع، لاجواب اور مضبوط کتاب ہے۔ وہ تصحیح اخبار، تحسینِ آثار، اہم فقہی مسائل کے استنباط و

استخراج وما خذ استخراج تحقیق طرق حدیث اور استقراء احوالِ رجالِ اسانید کا مستند شاہکار اور صحیفۂ النابیۃ مُغنی عن الکتب الکبار ہے۔

سوم یہ کہ وہ اہم مسائلِ فقہ حنفی کا مجموعہ وحصن حصین ہے۔ آثار السنن علماء حنفیت کے لیے قوی سہارا اور بے بہا نعمت ہے۔ آثار السنن فقہ حنفی کی مؤید قوی و مستند احادیث کا جامع۔ نافع۔ تام ودافع مجموعہ ومرقع ہے۔ اس کتاب میں احادیثِ مؤیدۂ للحنفیۃ جمع ہونے کے ساتھ مخالفین کے اہم اعتراضات خدشات کے اطمینان بخش جوابات درج ہیں۔

پس اس کتاب میں فقہ حنفی کی تائید وحفاظت کے وافر علمی سامان کے علاوہ دفاعِ مخالفین کا بھی کافی ذخیرۂ نفیسہ مذکور ہے۔

آثار السنن کے رتبۂ فخیمہ وحیثیتِ عظیمہ کے پیش نظر شدید ضرورت تھی کہ اس کے مرتبہ عالیہ کے مطابق کوئی عالم کبیر وفاضل جلیل اردو زبان میں اس کی ایسی شرح لکھے جو متن کی طرح جامع مانع کافی شافی ووافی ہو۔ تاکہ اس کتاب کے علوم و مضامین سے علماء وطلبہ کے ساتھ ساتھ دیگر اردو خوان طبقہ اور تعلیم یافتہ حضرات بھی پوری طرح مستفید ومستفیض ہوتے ہوئے مذہب حنفی کے بارے میں اطمینانِ قلبی حاصل کر سکیں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ توضیح السنن شرح آثار السنن کی تالیف سے یہ ضرورت بطریق اکمل واوفی پوری ہوئی۔

توضیح السنن کے مصنف فضیلۃ الشیخ علامہ مولانا محترم عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ مکرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب عصر ہذا کے محقق۔ جامع الفنون صاحبِ مکارمِ اخلاق مصنفِ تصانیفِ کثیرہ غریبہ بدیعہ۔ رفیعہ۔ مفیدہ مقبولہ ہیں۔

ان کی ہر تصنیف اہل علم عوام وخواص میں مشہور ومقبول ومحبوب ہے۔ داد تحسین وصول کر چکی ہے کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ ان کی ہر کتاب میں کتاب کے کلام میں للّٰہیت خلوص مہارت اور تفوّق فی الفنون عیاں ہے۔

مولانا حقانی صاحب کی یہ مبسوط۔ جامع۔ نافع۔ وافع۔ تام رفیع بدیع محققانہ شرح آثار السنن علم حدیث وفقہ کی عظیم خدمت بھی ہے۔ اور احناف پر بڑا احسان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

توضیح السنن کی چند خصوصیات نادرہ جاذبہ یہ ہیں۔

۱۔ متن میں مذکورہ احادیث مبارکہ کا مفید سلیس اور شگفتہ اردو ترجمہ درج ہے۔ اردو ترجمہ سے افادہ

کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔

۲۔ مسائل کی تفصیل و توضیح کے ضمن میں مشہور و معرکۃ الآراء کتابوں کے حوالے اور اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ تا کہ مسئلے کی تحقیق و تشریح کا حق پوری طرح ادا ہو جائے۔

۳۔ مشکل الفاظ و مبہم کلمات کا آسان و مختصر لغوی حل ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ہر مسئلہ کے بیان و اثبات کے سلسلے میں مکمل دلائل کا اندراج ہے۔ با ادلہ مسائل کے بسط و بیان ہی سے ایک مشتاقِ علم کی تشفی ممکن ہو سکتی ہے۔ اسی طریقۂ بیان سے وہ مشتاقِ علم دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

۵۔ فقہی مسائل و فروعی ابحاث کی تحقیق و تشریح میں تمام مذاہب کے ادلہ و مآخذ کا کافی احاطہ کیا گیا ہے۔

۶۔ بالخصوص مسلک حنفی کے مسائل کی توضیح و تحقیق۔ ان کے مناط و مدار و حکم و اسرار کے ایضاح و اثبات کے سلسلے میں فقہ حنفی کی معتمد کتب کے ضروری اقتباسات اور حوالے پیش کئے گئے ہیں۔

۷۔ مسلک حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب کے ادلہ کی کافی و وافی تنقیح کرنے کے علاوہ فراخ دلی سے ہر مذہب کے ادلہ کا تذکرہ ہے۔

۸۔ بقدر ضرورت و کفایت رُواۃِ حدیث کی تعدیل و جرح اور فہم حدیث و بسط مسائل کے مقتضی کے پیش نظر رجال اسنادِ حدیث کے ممتاز و اہم احوال کا تذکرہ ہے۔

۹۔ تعصب و تعنت سے ہٹ کر پورے انصاف سے دلائل و قرائنِ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کی روشنی میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں مذہب حنفی کی تقویت و تائید و ترجیح کی تسلی بخش تفصیل و توضیح پیش کی گئی ہے۔

۱۰۔ مذہب حنفی پر اور امام الائمہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر مخالفین کے اعتراضات و خدشات و رد و قدح کے منصفانہ مفصل اطمینان بخش جوابات کا ذکر مفصل۔

بہر حال یہ شرح "نور صحیح السنن" علماء و طلبہ، اردو خوان حضرات، تعلیم یافتہ دانشوروں اور عام پڑھے لکھے عوام و خواص کے لیے مؤلف علام کی جانب سے انمول تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ذخیرۂ عقبیٰ بنائیں آمین ثم آمین۔

تاثرات وتبرکات

امام حرم الشیخ صالح بن حمید سابق رئیس جامعہ مدینہ منورہ

امام حرم الشیخ صالح بن حمید رئیس جامعہ مدینہ منورہ کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں آمد کے موقع پر جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں ادارۃ العلم والتحقیق کے دفتر میں تشریف لائے مولانا سمیع الحق نے انہیں توضیح السنن کا نسخہ پیش کیا تو بہت خوش ہوئے احادیث پر اعراب لفظی ترجمہ اور تشریح کے بارے میں خوب دلچسپی لی کتاب دیر تک ان کے ہاتھوں میں رہی اور کتاب کی اردو شرح کو عربی میں منتقل کرنے کی خواہش کا اظہار اور اصرار کیا۔

حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی البرنی مدینہ منورہ

مولانا (عبدالقیوم حقانی) کی توضیح السنن کا اشتہار پڑھتا رہتا ہوں ابھی تک کوئی نسخہ نہیں ملا کتاب دیکھے بغیر ہی داد دینے کو جی چاہتا ہے بارک اللہ فی علومہ واعمالہ وجہودہ واشغالہ۔

الحاج صوفی عبدالمالک صاحب مدینہ منورہ

توضیح السنن شرح اردو آثار السنن میرے مطالعہ میں رہتی ہے نظر کمزور ہے ایک صاحب سے پڑھوا کر التزام کے ساتھ سنتا ہوں آپ نے بڑی محنت کی ہے متقدمین اور متاخرین محدثین کے حدیثی علوم و معارف کی ایک حسین مالا پرو دی ہے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کے وقت آپ کے سلام بھی عرض کئے اور کتاب کی قبولیت کے لیے خصوصیت سے مسجد نبوی میں دعاؤں کا اہتمام بھی کیا ہے اس کتاب کی توفیق ملنا ہی قبولیت کی علامت ہے۔

صوفی عبدالمالک مدینہ منورہ

۳

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

مُبسملاً و محمدلاً و مصلیاً و مسلماً اما بعد ۔ دنیا میں تمام مروجہ مذاہب میں اب صرف اسلام ہی سچا اور نجات والا مذہب ہے و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ اور یہ اکمل اور جامع مذہب انسان کو صحیح معنیٰ میں انسان بننے کی تعلیم دیتا ہے اور عملی طور پر انسان بننے کا بہترین طریقہ سکھاتا ہے جس کی بنیاد چار ادلہ پر ہے قرآن مجید ۔ حدیث شریف ۔ اجماع امت اور قیاس و اجتہاد اول تین ادلہ قطعی اور چوتھا ظنی ہے جو اپنی شرائط کے ساتھ مطلوب ہے قرآن کریم کے بعد حدیث شریف اسلام کا دینی سرمایہ ہے جو حدیث کے منکر ہیں وہ گویا کہ اسلام ہی کے منکر ہیں اور جو اجماع کے منکر ہیں وہ گویا کہ اپنی غیر معصوم آراء کو دخیل قرار دینے کے درپے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ مقلدین کے مجتہد تھے اپنی اپنی صوابدید اور دانست کے مطابق اپنے مسلک کے لیے قرآن کریم اور حدیث سے دلائل پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احناف جن کی دنیا میں اکثریت ہے قرآن کریم اور حدیث سے متمسک ہیں مسلمانوں کی بدقسمتی سے اسلام کا نام لینا والا گرگٹ مزاج ایک ایسا فرقہ انگریز کے زمانہ میں پیدا ہوا یا کر دیا گیا جس نے انگریزی کی نگیتیں گا میں مگر مقلدین اور خاص طور پر احناف پر خوب برسا کہ یہ لوگ سنت کے خلاف چلتے ہیں اور احادیث کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف اپنے امام ابو حنیفہؒ کے مسائل پر چلتے ہیں اور بعض علماء کے کمزور اقوال کو بنیاد بنا کر اپنے غلط نظریہ کی بنیاد استوار کی ۔ علماء حق نے اس کم فہم متعصب اور غالی فرقہ کی چیرہ دستیوں کی اچھی طرح نشاندہی کی اور دفاع کیا اس سلسلہ کی ایک کڑی علامہ نیمویؒ کی کتاب آثار السنن بھی ہے جس میں صحیح احادیث سے احناف کے مسلک کو مبرہن کیا کاش کہ یہ کتاب مکمل اور پوری ہو جاتی تو بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دیتی بہر حال جتنا حصہ بھی لکھا گیا وہ بہت مفید اور کار آمد ہے خود مؤلف مرحوم نے التعلیق الحسن کے نام سے اس کا مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے اور بعض حضرات نے آثار السنن کا اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے جن میں مدرسہ نصرۃ العلوم کے فاضل اور سابق مدرس مولانا محمد اشرف صاحب بھی ہیں زیر نظر کتاب توضیح السنن بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے جس کے مؤلف فاضل نوجوان حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب دام مجدھم ہیں جنہوں نے ایک خاص ترتیب سے محققین کے ٹھوس حوالے نقل کر کے اس کتاب کو مدلل و مبرہن کر دیا ہے ۔ راقم اثیم نے جستہ جستہ چند مقامات دیکھے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف علام نے بڑی عرقریزی اور تحقیق سے حوالے جمع کئے ہیں اور علماء و طلباء کے لیے بہترین علمی مواد سہل طریقہ پر جمع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ مؤلف محقق کو جزاء خیر دے اور ان کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور طلبہ کو مستفید ہونے کا موقع بخشے آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ الی یوم القیامۃ اجمعین۔

العبد الحقیر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ منڈی ومدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا فیض احمد صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ امداد العلوم ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ۔ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدھم ابھی نوعمر ہیں۔ عالم شباب سے گذر رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں متعدد بار آپ سے ملاقات ہوئی۔ ایک مرتبہ موصوف کا خطاب بھی سنا۔ آپ کی بعض تصنیفات و تالیفات اور مقالات کے بعض حصے بھی مطالعہ سے گذرے۔

مولانا حقانی عنفوان شباب سے ہی ایک مقبول مصنف۔ ایک کامیاب اور مؤثر خطیب۔ ایک بہترین شفیق مدرس وکھائی دے رہے ہیں یہ نوجوان عالم ان شاء اللہ الکریم صحیحین کی معروف حدیث شریف شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ۔ کے مصداق میں شامل ہیں۔ جن کا نشوونما اور جن کی تربیت آغاز سے ہی خصوصی رحمت خداوندی کے زیر سایہ ہورہی ہے۔ فیاض ازل نے حقانی صاحب کو دیگر کمالات کے ساتھ ساتھ اکابر کا ادب واحترام اور خدمت کا جذبہ کچھ زیادہ عطا فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمہ الباری نے کتاب العلم میں تراجم واحادیث کے بَیْنَ السُّطُوْرِ اہل علم بالخصوص عزیز طالب علموں کے لیے بہت سے قیمتی آداب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چلتے چلتے باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ کا عنوان قائم کرکے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث قَالَ ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔ نقل فرمائی ہے۔ اس ضمن میں ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ طالب علم کامیاب ہے جو حصول علم کے لیے سفر وحضر کی اور بحر وبر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے پوری یکسوئی سے اپنی تعلیم میں مصروف رہے۔ اس کے ساتھ اپنے اساتذہ کرام کی بے ساختہ دعاؤں کے حصول کی کوشش بھی کرتا رہے جس کا آسان ذریعہ ادب واحترام اور خدمت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کا واقعہ بطور شاہد کے پیش فرمایا ہے مشہور قول کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کی عمر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل تیرہ سال تھی۔ محدثین کرام آپ کو حبر الامۃ۔ بحر العلم۔ رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن کے مقدس القاب سے یاد کرتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۵)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "مجلس شوریٰ" میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ کے برابر اس نوجوان صحابی کی نشست متعین تھی۔ ایک موقع پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کی یہ نشست ان کی خصوصیت ہے جس کی وجہ علوم قرآن میں ان کا تفوق و برتری ہے عالی مقام امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر جس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے شارحین بخاری نے اس کو مفصل اور مدلل تحریر فرمایا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے بچپن کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں تفویض و سپردگی ادب واحترام اور خدمت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بے ساختہ لسان نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بار بار یہ دعائیں آپ کو نصیب ہوئی ہیں۔ ۱ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔ ۲ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ۔ ۳ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ ۴ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ وَتَاوِیْلَ الْکِتَابِ (عمدۃ القاری ج ۲ صـ ۲ والاصابۃ ج ۲ صـ ۳۲۲) ان مبارک دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تفسیری اقوال کا مجموعہ تفسیر ابن عباس کے نام سے دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔

اہل حق کی درس گاہیں تربیت گاہیں اور ان میں پڑھنے پڑھانے والے مدینہ منورہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا۔ کی مسجد نبوی کی پہلی درس گاہ و تربیت گاہ سے کچھ نہ کچھ نسبت رکھتے ہیں خواہ ایک فی لاکھ سہی۔ تو جس قدر آج کی درس گاہ کو اس پہلی درس گاہ سے آج کے استاذ کو معلم اول محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آج کے متعلم کو دور اول کے متعلمین صحابہ عظام رضی اللہ عنہم سے نسبت و مشابہت ہوگی۔ اسی قدر علم و عمل کی برکات ثمرات کا ظہور و شیوع ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی بہت خوش نصیب عالم ہیں کہ فیاض ازل نے آپ کو سیدی و مرشدی۔ فخر المحدثین قدوۃ العارفین۔ مرکز المجاہدین۔ محبوب العلماء والصلحاء والقائدین۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز۔ کی خدمت اقدس میں پہنچا دیا۔ مولانا حقانی نے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ادب واحترام، جانثاری تفویض۔ اور خدمت کا حق ادا کر دیا۔ رفتہ رفتہ موصوف حضرت شیخ الحدیث کے علوم کے ترجمان اور توجہات و دعوات کے مرکز و محور بن گئے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ مزید برآں قدوۃ العلماء و اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی دامت برکاتہم کی تربیت و شفقت نے اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے تربیت یافتہ صاحبزادے ان تھک مجاہد جوہر شناس۔ محقق عالم حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی شفقت و سرپرستی اور اعانت و رہنمائی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

مولانا حقانی زید مجدھم کی کتاب "حقائق السنن" اردو شرح آثار السنن نہ صرف آثار السنن پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے ایک بہترین رہنما ثابت ہوگی۔

بلکہ توقع ہے کہ مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب حدیث کا درس کام کرنے والوں کے لیے بھی ایک حد تک ممد و معاون کا کام دے گی۔ ان شاء اللہ الکریم۔ دعا ہے کہ رب کریم محض اپنے فضل و احسان سے حضرت مولانا حقانی صاحب کے علم و تقویٰ اور عمر و صحت میں مزید برکت عطا فرمائیں۔ طلبہ اسلامیہ کو اس کتاب سے اور حقانی صاحب کے دیگر علوم و برکات سے استفادہ کی مزید توفیق مرحمت فرمائیں مولانا موصوف کے لیے رفع درجات وہجوم برکات کا وسیلہ بنائیں۔ آمین۔ فیض احمد خادم مدرسہ امداد العلوم ملتان پاکستان

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ العالی مؤسس و رئیس الجامعۃ العربیہ احسن العلوم کراچی

الحمد للہ وکفیٰ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی رسولہ المصطفیٰ ونبیہ المجتبیٰ وعلی آلہ واصحابہ افضل الخلائق بعد الانبیاء وعلماء الامۃ الفقہاء الی یوم الجزاء اما بعد!

عظیم القدر محترمی و مکرمی حضرت مولانا عبد القیوم حقانی دامت برکاتہم وکثر اللہ امثالہم کی تازہ گراں قدر تصنیف "توضیح السنن" جو ہندوستان کے محقق محدث اور ناقد فقیہ علامہ ظہیر احسن نیمویؒ کی شاہکار کتاب آثار السنن کی نمائندہ شرح ہے کی جلد اول منصۂ شہود پر آچکی ہے محققانہ ابحاث اور مدققانہ محاکمے اور مبصرانہ ترجیح الراجح حنفی مذہب جو قرآن و سنت کی اقرب ترین تشریح اور سلف صالحین کا طائفہ منصورہ ہے کے وجوہ استنباط اور مواطن استخراج بڑی شان اور قابل قدر طرز سے سامنے لائے گئے ہیں۔ اعلیٰ ترین طباعت اور دیدہ زیب عنوان بس پر مستزاد کو دیکھ کر قلبی فرحت اور دماغی بشاشت اور حسن اتفاقات سے وارفتگی کے ساتھ دیکھتا رہا

کشمس فی کبد السماء وضوءھا — یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

کالبدر فی وسط السماء ونورھا — یھدی الی عینیک نورا ثاقبا

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

برادرم محترم حضرت مولانا عبد القیوم صاحب حقانی مدظلہ کی تصنیفات اور فقہاء احناف سے گہری وابستگی دیکھ کر حکومت عثمانیہ ترکیہ کے شیخ الاسلام اور بلاد عرب کے علامہ انور شاہ شیخ زاہد الکوثری اعلی اللہ مقامہ اور زمانہ حال کے امام اہل سنت محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر بارک اللہ فی حیاتہ المقیمہ کی جلیل القدر دینی خدمات کی جھلک آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جو دل و دماغ کے سکون اور روح و ایمان کی تازگی و بشاشت کا باعث ہوتی ہے۔ نیز جہاں توضیح السنن کے بعض مقامات پر

حضرت مولانا کی خدمت میں ہدیۂ تبرکات پیش کرتا ہوں وہاں کچھ گذارشات بھی کرنی تھیں۔ مگر وقت کی قلت اور عدیم الفرصتی کے عارضہ سے اس کا موقع ہی نہیں ملا صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ وضع الید علی الصدر یا الفاء الرکبتین کے مسئلہ پر امام العصر حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیریؒ کے امالی فیض الباری کی عبارت سامنے رکھنی تھی اور فتاویٰ ہندیہ میں بحوالہ غرائب اسے حسن کہنے کی حکمت یا تعلیل ذکر کرنی تھی نیز حافظان جیلانی بغداد اور شہاب کی "سدۂ" اور "فتح" کی عبارات ملاحظہ کرنی تھیں تاکہ عزیزاور وضع کا فرق اور امام خطابیؒ کی توضیح کی معقولیت سامنے آجاتی۔ تاکہ زمانۂ حال کے مبتدعین کے لیے بدعات ومحدثات کے ابواب کھولنے کی گنجائش نہ رہ جاتی حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کے قلم میں طاقت بھی ہے اور ان کے بیان میں روانی اور ان کی نظر میں وسعت ہے اور ان کے اسلوب میں شائستگی بھی، اس جامعیت کے پیش نظر وہ اس کا خاصہ مداوا اپنے توضیحی اقدام میں مہیا فرما سکتے تھے بایں ہمہ وجوہ یہ کتاب ایک نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔ اور حضرت مولانا مدظلہ کے دینی علوم پر وسعتِ نظر اور تبحر کی آئینہ دار ہے۔ اور سلف صالحین پر حسنِ اعتماد کا شاہکار ہے علوم دینیہ کے قدر دان علماء کرام اور طلباء عظام اور دیگر مسلمان بھائیوں کو حضرت مولانا حقانی صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے کہ یہ علمی جواہر پارے ان کی وجہ سے منظر عام پر آرہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ ثابت فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ محمد زرولی خان خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم۔ کراچی

علامہ مولانا سید تصدق بخاری مدظلہ گوجرانوالہ

علامہ ابوالخیر محمد بن سبحان علی نیموی علیہ سحائب الرحمت والرضوان ولادت ۱۲۷۸ھ متوفی ۱۷ رمضان ۱۳۲۲ھ کی آثار السنن کے شارح حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی عالم ربانی کے ترشحاتِ فکرِ مستقیم اور نزاوشِ ذوقِ سلیم نے تحقیقِ انیق کر کے کتاب وسنت کے بحرِ عمیق سے درِ ثمین کا اجتنار فرما کر علماء کرام داعیانِ اسلام کے لیے خصوصاً اور عام خوانندگان مسلمانوں کے لیے اپنے کارگزار سے تحقیقی وعلمی اور روحانی ارمغانِ احتفاظ اور احادیث مقدسہ کا ایک ایسا عصارہ مفواد تیار کر دیا ہے جس کے مطالعہ سے قاری کے قلب وذہن میں انفراج وانشراح ہوتا چلا جاتا ہے اس بابہ الاحتفاظ انفراج وانشراح سے قاری کے سامنے یہ بات اجلیٰ واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ فقہ حنفی احادیث نبوی سے ہی مستنبط ہے اور شارح موصوف کی ژرفِ نگاہی وحدیثیات کے جواہر ریزوں کا رہوار علوم اسلامیہ کی اکناہ وکنہہ کے روض الانف وا۔ان کے ضمرت، وہ باغ جس سے کسی جانور نے ایک پتہ بھی پہلے نہ لیا ہو میں پہنچا دیتا ہے، اور شارح کی عارفانہ فقاہت وعالمانہ نکاہت

کے علمی حقائق و دقائق کے کارواں نے فقہ حنفی کو قیاسیات سے تعبیر کرنے والوں کے صراطِ مستقیم پر کھوٹے کئے ہوئے نظریاتی عوائق اور اعتراضات کے سیدہ کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ آثار السنن کی شرح توضیح السنن کی دو ضخیم جلدیں تریاق بن کے آرہی ہیں ان سے فقہ حنفی کی مزید صداقت و حقانیت اجاگر ہوگی۔ حضرت مولانا بالفضل اولیٰ کی توضیح السنن اسم بامسمیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید علمی انکشافات اور حقائق و دقائق کا ایسا علمی شاہکار ہے جو علماء مدرسین و مناظرین اور عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے ایک جیسا چراغِ راہ ہے۔ شارح موصوف نے ص۲۱۶ تا ص۲۱۷ پر فاغسلوا وجوھکم الخ میں شیعہ حضرات کی نحوی تک بندیوں اور تحریف کا رد قرآنی فلسفہ قرآنی منشاء کے مطابق مدلّلانہ و محققانہ و فلسفیانہ جواب پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ غرض توضیح السنن کی ایک ایک سطر خاص و عام اہالیانِ اسلام کے لیے راہنما روشن منارہ ہے۔

اکثر حضرات نماز کے اصل شرعی اوقات اور اصلی سایہ وغیرہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں مولانا موصوف نے ص۸۲ پر اس کی خوب وضاحت فرمادی ہے یہ مسئلہ سمجھ میں آجائے تو بہت اختلافی مسائل جھگڑے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت مولانا محمد حسن جان زید عرفانہ کی عربی تقدیم نے توضیح السنن کو اور بھی مزین و مرصع کر دیا ہے۔

نیز چشمۂ ادراک منبع فیوضات مخزنِ برکات معدنِ شفقات حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ العالی نے توضیح السنن کا مقدمتہ الکتاب لکھ کر اس میں علم و عرفان اور روحانیت کی ایسی چاشنی بھر دی ہے کہ کتاب پڑھنا شروع کرو تو ختم کئے بغیر اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور جب مطالعہ مکمل کر لو تو دل کی گہرائیوں سے تحریک ہوتی ہے کہ اسے پھر سے پڑھ لیا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مولانا حقانی کے قلب و ذہن کو کتاب و سنت کی ضو سے اور منور فرمائے تاکہ آپ جیسی حیات تنبیع اسلام میں محو و منہمک رہیں آمین۔ متی قن قنّ من منّ بہ علی عبدہ الاحقر۔ سید تصدق بخاری

حضرت العلامہ مولانا محمد عبد المعبود مصنف تاریخ مدینہ منورہ و مکہ معظمہ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ۔ الحدیث

بنی نوعِ انسان کی رہنمائی اور فلاحِ دارین کے لیے قرآن و حدیث ہی مشعلِ راہ اور ملجا و ماویٰ ہیں۔ قرآن مجید کی تشریح و توضیح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال سے پیش فرمائی تھی۔ بعد میں لسانِ نبوی سے

"گلہائے احادیث" ائمہ محدثین نے بڑی نفاست اور سلیقے سے کتابوں میں سجائے۔ جن کی لافانی اور عنبر بیز مہک سے دنیا جہاں کے مسلمانوں نے اپنے قلب کو معطر کیا۔ اور جن کی عطر فشانی سے آج بھی عالم اسلام کے قلوب معطر ہو رہے ہیں۔ "آثار السنن" کے مؤلف علامۃ الاجل المحدث الاکمل محمد بن علی النیموی قدس سرہ العزیز نے ان احادیث کا دل آویز روح پرور اور ایمان افروز گلدستہ سجایا۔ جن پر ائمہ احناف کے مسلک اعتدال کی پرشکوہ عمارت قائم ہے۔

زیر نظر کتاب "توضیح السنن" اسی نادر روزگار کتاب کی دل آویز اور محیر العقول تشریح و توضیح ہے جس میں علامہ عبدالقیوم حقانی مدظلہم نے کتب متداولہ کے بحر عمیق سے در ہائے ناسفتہ نکال کر انبار لگا دیا ہے۔ موصوف علام کی علمی و تحقیقی خدمات کا بدر منیر افق علم و ادب پر پوری تابانی کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ جس کی ضیا بار، روپہلی کرنوں سے اہل علم بہرہ یاب ہو رہے ہیں۔ موصوف نے بڑی جاں فشانی اور تحقیق و تحسین سے مسلک احناف کی حقانیت کو آشکارا کیا اور حاسدین کے اس بے ہودہ الزام کو کہ "احناف کا دامن تابدار احادیث کے موتیوں سے خالی ہے" کو تار تار کرکے پیوند خاک کر دیا۔

"آثار السنن" کے مؤلف نے احادیث و آثار پر اصول حدیث کی روشنی میں جرح و قدح کرکے راجح اور اولیٰ کو واضح کر دیا تھا۔ جب کہ علامہ حقانی ممدوح نے بڑی محنت اور کاوش سے شہرہ آفاق ائمہ جرح و تعدیل اور نابغۂ روزگار محدثین کے اقوال سے ان کی تائید و توثیق کی گراں قدر خدمت انجام دی۔ جس سے کتاب کی افادیت فزوں تر ہو گئی ہے۔ اس طرح یہ علم و عرفان کے انمول موتی تحقیق و تدقیق کا مایۂ ناز شاہکار اور ایک وقیع علمی دستاویز معرض وجود میں آ گئی ہے۔ جو علماء، اساتذہ، منتہی طلبا اور ہر ذی علم کے لیے یکساں طور پر نفع بخش اور بے حد مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ حقانی کے علم و عمل میں برکت اور ترقی عطا فرمائے اور ان کے قلم فیض رقم کی جولانیوں میں بے پناہ اضافہ فرمائے۔ ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

عبدالمعبود عفی عنہ ۲۷ مئی ۱۹۹۳ء

علاوہ ازیں ملک بھر کے اکابر علماء و مشائخ اساتذۂ حدیث اور مذہبی سکالروں کے تاثرات موصول ہوئے ہیں بعض حضرات مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ اکوڑہ خٹک، حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ کراچی، حضرت مولانا حبیب اللہ مختار مدظلہ کراچی، الدکتور مولانا سید شیر علی شاہ مدظلہ اکوڑہ خٹک، حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی، حضرت مولانا فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ لاہور، شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان چارسدہ، حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدظلہ حضرت علامہ مولانا سید تصدق بخاری گوجرانوالہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب راولپنڈی، معروف سکالر جناب طالب ہاشمی صاحب حضرت مولانا مفتی محمد انور

شاہ صاحب مدظلہ ملتان، حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کلاچی، حضرت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی مدظلہ راولپنڈی، حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری مدظلہ لاہور، حضرت مولانا شیخ التفسیر محمد محمد صاحب مدظلہ کراچی، حضرت مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی مدظلہ، محترم جناب مشتاق احمد صاحب پشاور، الحاج محمد منظور الزمان صدیقی کراچی، حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچی، حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کراچی، حضرت مولانا سعید الرحمن علوی لاہور، حضرت مولانا عبید اللہ عابد صدیقی مدظلہ خانیوال، حضرت مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی کراچی، حضرت مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی مدظلہ نوشہرہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی لودھراں، حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم مدظلہ کلاچی، حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ مدظلہ بنوں، حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمن اوگی، الحاج صوفی عبدالکریم صابر شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام مدظلہ شیخ الحدیث مولانا محمد صابر حضرو مدظلہ، حضرت مولانا قاضی عبداللطیف سابق سینیٹر حضرت مولانا محمد اعظم طارق مدظلہ جھنگ ایم۔ این۔ اے حضرت مولانا محمد ابراہیم امیچی مدظلہ لندن، حضرت مولانا منور حسین سورتی مدظلہ لندن حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ ملتان کے آراء و مکاتیب اور نقد تبصرہ کو برادر مکرم حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی مدظلہ العالی نے علیحدہ کتابی شکل میں مرتب فرمایا ہے جسے بلند پایہ علمی کتاب کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو نقد و تبصرہ اور کتاب ہذا سے استفادہ کا بھرپور نفع ہو۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ لِلرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَالرَّفْعِ

۴۰۸۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِيْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ رکوع، سجدہ اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا) ۴۰۸۔ حضرت ابوہریرۃ رضہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ فرماتے، جب کھڑے ہوتے، تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع کرتے تکبیر کہتے، پھر جب رکوع سے پشت اٹھاتے تو کہتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، پھر آپ کھڑے ہوتے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہتے، پھر جب سجدہ کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے پھر جب اپنا سر مبارک اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر تکبیر کہتے، جب سجدہ فرماتے، پھر جب اپنا سر مبارک اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر آپ اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرتے، یہاں تک کہ آپ اپنی نماز پوری فرما لیتے اور جب دو رکعتوں پر بیٹھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے۔"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۴۰۸ تا ۴۱۲) یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ نماز کے اندر بوقت تحریمہ تکبیر کہنا واجب ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے مگر ائمہ متبوعین کا اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر دیگر ارکانِ انتقالیہ میں تکبیر جائز ہے یا نہیں، سو اس باب کی غرضِ انعقاد بھی اسی مسئلہ کی توضیح ہے تاکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر ارکانِ انتقالیہ میں بھی تکبیر کا حکم واضح ہو جائے۔

امام نیموی نے یہ ترجمۃ الباب مستقلاً کیوں قائم کیا ہے؟ صرف امام نیموی ہی نہیں بلکہ امام ترمذی نے بھی "باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود" کے عنوان سے یہی ترجمۃ الباب قائم کیا ہے ـــــ دراصل اس باب کے انعقاد کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ خلفاء بنی امیہ نے رکوع اور

۴۰۹ ۔ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

---

۴۰۹ ۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے تو وہ جب بھی (نماز میں) جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے اور جب سلام پھیرتے تو کہتے میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھاتا ہوں ۔"

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے

سجود کی طرف جاتے وقت بلند آواز سے تکبیر کہنا ترک کر دیا تھا کانت بنو امیہ یترکون التکبیر فی الخفض (عمدۃ القاری ج ۳ ص۱۱۹) ان کا خیال یہ تھا جب امام نیچے جھکتا ہے تو مقتدی اس کی اس حرکت کو واضح طور پر دیکھتے ہیں ۔ بعض حضرات نے ان کی اس حرکت یا شاہی ادا کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ایسا کرتے تھے مگر ان کا یہ کہنا اس لیے غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ترک تکبیر کا ارتکاب نہیں کیا تھا بلکہ ضعف اور پیرانہ سالی اور غایت حیا کی وجہ سے ان کی یہ آواز نہیں جا سکتی تھی مگر بنو امیہ اسے کو تخرے کے طور پر کرتے تھے کانت بنو امیۃ تفعل ذلک (طحاوی ج ۱ ص۱۴۸)

مگر بنی امیہ کی یہ حرکت درست نہیں تھی اور ان کا یہ نظریہ غلط تھا کیونکہ مقتدیوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کی آنکھیں کام نہیں کرتیں جب وہ امام کو نہیں دیکھیں گے تو نماز میں خلل اور انتشار پیدا ہو گا ۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام بیہقی رح نے اسی ضرورت کے پیش نظر مستقل ترجمۃ الباب قائم کر کے اس غلط نظریہ کی تردید کی اور صحیح مسئلہ نقلی دلائل سے واضح کر دیا ۔

بیان مذاہب

شارحین حدیث نے تین مذاہب نقل کیے ہیں جنہیں اوجز المسالک ج ۱ ص۲۱۲ فتح الملہم ج ۲ ص۱۸ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۲۱ بذل المجہود ج ۲ ص۶ نیل الاوطار ج ۲ ص۱۲۳ امانی الاحبار ج ۲ ص۹۰ میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے ۔

(۱) خلفاء بنی امیہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، امام ابن سیرینؒ، سعید بن جبیرؒ، قاسم بن محمدؒ سالم بن عبد اللہؒ اور امام قتادہؒ وغیرہ کے نزدیک تمام ارکان انتقالیہ میں تکبیر مشروع نہیں ہے عندھم صرف عند الرفع یعنی نیچے سے اوپر اٹھتے وقت تکبیر مشروع ہے مثلاً جب رکوع سے قومہ کی طرف آئے اور سجدے سے

۱۰۱۔ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ وَحِيْنَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۱۰۱۔ ابو سعید بن الحارث نے کہا ہمیں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، تو بلند آواز سے تکبیر کہی جب کہ اپنا سر سجدہ سے اٹھایا اور جب سجدہ فرمایا، جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوئے " اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے۔
یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

قیام کی طرف انتقال کرے۔ اور عند الخفض یعنی اوپر سے نیچے کی طرف جاتے وقت تکبیر مشروع نہیں ہے مثلاً قیام سے رکوع کی طرف، قومہ سے سجدہ کی طرف۔

(۲) جمہور فقہاء و محدثین امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک عند الخفض اور عند الرفع دونوں صورتوں میں تمام ارکان انتقالیہ میں انتقال کے وقت تکبیر مسنون اور مشروع ہے۔

(۳) اصحاب ظواہرؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کی طرح تمام ارکانِ انتقالیہ کے وقت بھی تکبیر واجب ہے — یہ تینوں مذاہب امام طحاویؒ نے بھی شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۱۳۱ میں تفصیل سے نقل کیے ہیں مگر تیسرے مذہب میں کوئی تفصیلی بحث نہیں کی ہے۔

منکرین تکبیر عند الخفض کے دلائل اور جوابات

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۱۳۰ میں رکوع کو جاتے وقت ترکِ تکبیر کے قائلین کی دو دلیلیں نقل کی ہیں۔

(۱) عبد الرحمان بن ابزی کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام ارکان انتقالیہ میں "لا یتم التکبیر" یعنی پوری تکبیر نہیں کہا کرتے تھے اس مضمون کی روایت کو امام طحاویؒ نے دو سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے امام ابو داؤد نے قال ابو داؤد کے تحت اس روایت کے الفاظ "لا یتم التکبیر"

۱۱۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ رَفْعٍ وَّخَفْضٍ وَّقِيَامٍ وَّقُعُوْدٍ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

۱۱۴۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اٹھتے، جھکتے، کھڑے ہونے، اور بیٹھتے وقت تکبیر کہتے ہوئے دیکھا۔

یہ حدیث احمد نسائی اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رکوع سے سجدے کی طرف جانے وقت اسی طرح سجدے سے قیام کے وقت تکبیر نہیں کہا کرتے تھے (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۲)

بذل المجھود ج ۲ ص ۶۳ میں ہے کہ تکبیروں کی تعداد پوری نہیں کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیرات انتقالیہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے البتہ عند الرفع اللہ تعالیٰ کی کبریائی ثابت کرنے کے لیے کہنا چاہیے۔

مگر جمہور فقہاء اور محدثین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی روایت میں نکات روینہ التکبیر کے لفظ سے صاف طور پر یہ واضح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عند الخفض تکبیر نہیں کہا کرتے تھے حالانکہ یہ تو ایک مجمل روایت ہے نیز کثرت طرق سے ثابت بھی نہیں ہے ــــــ جب کہ اس کے بالمقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل عند الخفض وعند الرفع دونوں صورتوں میں تکبیرات انتقالیہ کے ثبوت میں تواتر سند کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ باب ہذا کی تمام روایات اس کی شاہد ہیں لہٰذا عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی تنہا مجمل روایت کو تواتر سند کے ساتھ ثابت شدہ قطعی اور تفصیلی روایات کے مقابلہ میں مستدل نہیں بنایا جا سکتا۔

(۲) منکرین تکبیر عند الخفض کی دوسری دلیل حضرت عثمان رض کا فعل ہے وہ عند الخفض تکبیر نہیں کہا کرتے تھے جمہور علماء و محدثین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رض عمر رسیدہ بشر تھے اور آخر عمر میں ضعیف و کمزور ہو گئے تھے اپنی طبیعی نقاہت کی وجہ سے عند الخفض اپنی آواز کو مبالغہ کے ساتھ بلند نہیں کر پاتے تھے پیچھے بعض لوگ یہ محسوس کرتے گویا حضرت عثمان رض عند الخفض تکبیر ہی نہیں کہتے۔ حضرت شاہ صاحب رح بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رض خفض کے وقت بہت آہستہ سے تکبیر کہا کرتے تھے جس سے بعض لوگوں نے

۴۱۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ ثَلَاثٌ کَانَ یَعْمَلُهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرَکَهُنَّ النَّاسُ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ رَفَعَ یَدَیْهِ مَدًّا وَکَانَ یَقِفُ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ هُنَیَّةً وَکَانَ یُکَبِّرُ فِیْ کُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۴۱۲۔ حضرت ابوہریرۃ رضؓ نے کہا "تین چیزیں ایسی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، لوگوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو ہاتھوں کو اونچا کر کے اٹھاتے، آپ قراءۃ سے پہلے تھوڑی دیر چپ رہتے اور آپ سر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے" یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

یہی سمجھا کہ وہ تکبیر نہیں کہتے حضرت معاویہ رضؓ نے اسی کے مطابق ان کی اقتداء کی اور زیاد نے حضرت معاویہؓ کی اقتداء کی مگر حقیقت یہی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ تکبیر کہا کرتے تھے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ حیا کی وجہ سے جہوری الصوت نہ تھے جب کہ حضرت علی رضؓ جہوری الصوت تھے زمانہ فرقہ پرستی کا ہو گیا تھا علوی حضرت علیؓ کی ہر بات میں اقتداء کرتے تھے اور عثمانی حضرت عثمانؓ کی۔ دونوں حضرات کی آوازوں میں جہر و عدم جہر طبعی تھی مگر کچھ لوگوں نے پارٹی بنا لی تو حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ خلافت میں جو امری عمال و حکمران تھے وہ حضرت عثمانؓ کی اقتداء میں یا تو بالکل آہستہ کہتے یا کہتے ہی نہ تھے چونکہ اس سنت میں اس کا وہم تھا اس لیے امام بخاریؒ نے اور دیگر محدثین نے یہ ابواب "اتمام التکبیر فی الرکوع والسجود" کے باندھے تا کہ کہیں تکبیرات بالکل نہ چھوٹ جائیں (تقریر بخاری ج ۳ ص۴۵)

لہٰذا حضرت عثمان رضؓ کے عمل کے ذریعہ سے عدم جواز تکبیر پر استدلال درست نہیں ہو سکتا ہے۔

مثبتین تکبیر عند الخفض کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۴۰۸) جو حضرت ابوہریرۃؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ ص۱۰۹ باب التکبیر اذا قام من السجود، امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۶۹ باب اثبات التکبیر فی کل خفض میں نقل کیا ہے جس کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے اور ماحصل یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عند الخفض اور عند الرفع تکبیر کہا کرتے تھے۔

(۲) دوسری دلیل حضرت ابوسلمہ کی روایت (۴۰۹) ہے جس میں حضرت ابوہریرۃؓ کا عمل نقل کیا

گیا ہے اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الاذان ج ۱ ص۱۰۸ باب اتمام التکبیر فی الرکوع میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ امامت کراتے وقت عند الخفض وعند الرفع تکبیر کہا کرتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے إِنِّي لَأُشْبِهُكُمْ صَلَاةً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) باب ہذا کی تیسری روایت ۲۱۰ میں سعید بن الحارث کی روایت میں حضرت ابوسعیدؓ کا امامت کرانے میں عمل منقول ہے اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الاذان ج ۱ ص۱۱۴ باب یکبر وھو ینھض من السجدتین میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے بھی خفض ورفع میں تکبیرات کہے اور پھر ارشاد فرمایا ھکذا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) روایت (۱۱۴) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے جسے امام ترمذیؒ نے ابواب الصلوٰۃ ج ۱ ص۳۵ باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے یکبر فی کل رفع وخفض وقیام وقعود۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں ان کی روایت دو سندوں کے ساتھ نقل کی ہے جس میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کو دیکھا ہے کہ یہ سب حضرات تمام ارکان انتقالیہ کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے چاہے عند الرفع ہو یا چاہے عند الخفض (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۳۰)

(۵) حضرت ابوہریرہ روایت ۲۱۲ جسے مصنف نے باب کے آخر میں درج کیا ہے جسے امام نسائیؒ نے کتاب الافتتاح ج ۱ ص۱۶۲ باب رفع الیدین مدا میں نقل کیا ہے جمہور فقہاء ومحدثین کی پانچویں دلیل ہے جس میں صراحۃً کان یکبر فی کل خفض ورفع کی تصریح ہے۔

(۶) امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۳۰ میں ذھبوا فی ذلک ما تواترت بہ الآثار سے تفصیل کے ساتھ احادیث متواترہ نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کثیر تعداد کے صحابہ کرامؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ثابت ہے کہ آپ ہر انتقال کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے چاہے عند الخفض ہو یا عند الرفع، حضرت عثمانؓ کو مستثنیٰ کر کے خلفاء راشدین سے بھی یہی ثابت ہے اس معمول کی روایت کو امام طحاویؒ نے چھ صحابہ کرامؓ سے چودہ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابومسعود بدری انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت تفصیل سے درج کی ہیں آخر پر ان روایات سے نتیجہ مرتب کرتے ہوئے

بَابُ هَيْآتِ الرُّكُوْعِ

۱۴۱۳۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ صَلَّيْتُ إِلٰى جَنْبِ أَبِيْ فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ

باب۔ رکوع کی حالتیں ۱۴۱۳۔ مصعب بن سعد نے کہا، میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی، تو

فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام صحابہ کرام کی روایات عند الخفض وعند الرفع دونوں صورتوں میں ثبوت تکبیرات کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں لہٰذا عبد الرحمٰن بن ابزی کی روایت ان متواتر روایات کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی لہٰذا عند الرفع تکبیر حضور اور صحابہ سے ثابت اور مسنون ہے۔

(۱) زمانہ نبوت کے بعد خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ ان سب حضرات کا عمل ارکان انتقالیہ کے وقت تکبیر کہنے پر ہے چاہے عند الخفض ہو یا عند الرفع پھر حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ عمل تواتر کے ساتھ ہمارے زمانہ تک ثابت ہے امام طحاویؒ نے خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا عمل نقل فرمایا ہے جو اجماع صحابہؓ کی دلیل ہے۔

نظر طحاویؒ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ا ص۱۳۱ میں عقلی استدلال پیش کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ عند الخفض تکبیر کرنا جائز کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بوقت تکبیر تحریمہ اور ارکان انتقالیہ میں عند الرفع یعنی رکوع سے قومہ کی طرف اور سجدہ سے قیام کی طرف اور قعدہ سے قیام کی طرف انتقال کے وقت میں تکبیر کو مشروع کہتے ہیں تو ہم نے ان ارکان کے اندر جواز تکبیر کی علت پر غور کیا کہ ان کے اندر علت کیا ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر اور انتقال ہی جواز تکبیر کی علت ہے۔ اور ان ارکان انتقالیہ کی تکبیر پر علماء کا اجماع بھی ہے۔ اور عند الخفض یعنی قیام سے رکوع کی طرف، اور قومہ سے سجدہ کی طرف جانے وقت جو تکبیر کہی جاتی ہے اس کی علت بھی تغیر احوال، اور انتقالِ احوال ہے۔ تو نظر وفکر کا تقاضا یہی ہوگا کہ عند الرفع جس علت کی بنا پر تکبیر مشروع ہے وہی علت عند الخفض میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے عند الخفض بھی تکبیر کی مشروعیت مسلم ہوگی۔ یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول ہے۔

بیان مذاہب (۱۴۱۳ تا ۱۴۱۵) ہیئت رکوع میں دو صورتیں اور دو مذاہب منقول ہیں۔

(۱) تطبیق۔ رکوع اور تشہد میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر تشبیک کر کے دونوں رانوں

وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

میں نے اپنے دونوں ہاتھ بند کر کے اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیے، مجھے میرے والد نے منع کیا اور کہا ہم ایسا کرتے تھے، تو ہمیں اس سے منع کیا گیا اور ہمیں کہا گیا کہ ہم اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھیں۔"
یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

کے درمیان کمان کی طرح رکھ دیا جائے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ تطبیق بحالت رکوع و تشہد مسنون ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت اسود بن یزیدؒ، علقمہ، اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ سے یہی منقول ہے

(۲) جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ تطبیق مسنون نہیں ہے بلکہ مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قدرے کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھ دیا جائے اور ایسا معلوم ہو جیسا گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے

اس سلسلہ کی مفصل بحث فتح الملہم ج۲ ص۱۲۳، نووی شرح مسلم ج۱ ص۲۰۱، امانی الاحبار ج۳ ص۲۲۳ میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے موقع و محل اور طلبہ کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تلخیصاً فریقین کے دلائل اور مسلک راجح کے وجوہ ترجیح پیش خدمت ہیں۔

قائلین تطبیق کے دلائل

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار باب التطبیق فی الرکوع کے آغاز میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تین سندوں کے ساتھ وہ روایات پیش کی ہیں جن سے تطبیق کی مشروعیت اور جواز ثابت ہوتا ہے نیز اسی مضمون کی ایک روایت نسائی ج۱ ص۱۵۰ میں موجود ہے۔

عدم تطبیق کے قائلین کے دلائل اور وجوہ ترجیح

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (رقم ۴۱۲) جو مصعب بن سعدؓ سے منقول ہے جسے بخاری ج۱ ص۱۰۹، مسلم ج۱ ص۲۰۲، نسائی ج۱ ص۱۵۰ میں نقل کیا ہے مصعب اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ اپنی ایک نماز پڑھنے کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے جب اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی تو فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ یعنی میں نے اپنے دونوں ہاتھ بند کر کے اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیے تو مجھے میرے والد حضرت سعدؓ نے منع کیا اور کہا کہ ہم بھی شروع اسلام میں ایسا کرتے تھے یعنی صحابہ کرامؓ بھی آغاز میں بحالت رکوع تطبیق کیا کرتے تھے بعد میں

۴۴۱۔ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَكَعَ فَجَافَى يَدَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ مِنْ وَرَاءِ رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۴۴۱۔ ابو مسعود عقبہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ (بغل سے) دور رکھے اور اپنے ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو اپنے گھٹنوں کے سامنے حصہ پر پکڑ کر رکھا اور فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا ہے"
یہ حدیث احمد، داؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی امرنا ان نضع ایدینا علی الرکب اور اب ہمیں کہا گیا کہ ہم اپنے گھٹنوں پہ ہاتھوں کو رکھا کریں۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت میں ابو مسعود عقبہ بن عامر کی روایت ۴۴۱ بھی جمہور فقہاء و محدثین کا مستدل ہے جس میں عدم تطبیق کے فعل کا ارتکاب ہے پھر کہا گیا کہ میں نے حضورؐ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس روایت کو ابوداؤد ج ص۱۲۶ میں نقل کیا گیا ہے۔

(۳) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار باب التطبیق فی الرکوع میں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت حضرت عمرؓ، حضرت ابو مسعودؓ، حضرت ابوحمید الساعدیؓ حضرت وائلؓ بن حجر اور حضرت ابوہریرہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نقل فرمایا ہے کہ آپ رکوع کی حالت میں تطبیق نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے۔

(۴) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں عدم تطبیق پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے اس طرح دور رکھتے تھے کہ آپؐ کے بغل کی سفیدی نظر آجاتی تھی تو جس طرح سجدے کی حالت میں مبالغہ کے ساتھ اعضاء کو دور دور رکھنا ثابت ہے اسی طرح رکوع میں بھی اپنے اعضاء کو دور دور رکھنا فعل رسولؐ کے تقاضا اور دلالت سے ثابت ہے لہٰذا تطبیق درست نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس سے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پہ رکھنا ثابت اور لازم ہوگا امام طحاویؒ اسی استدلال کے استحکام میں اسی باب میں تو صحابہ کرام حضرت

۴۱۵ - وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ لَوْ صُبَّ عَلَى ظَهْرِهِ مَاءٌ لَاسْتَقَرَّ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

---

۴۱۵ - حضرت ابو برزہ الاسلمیؓ نے کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو اگر ان کی پشت مبارک پر پانی بہا دیا جاتا ، وہ ٹھہر جاتا (یعنی پشت مبارک ہموار رکھتے۔

یہ حدیث طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ابن عباسؓ حضرت میمونہؓ حضرت جابرؓ ، حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت براء بن عازبؓ حضرت عبداللہ ابن بحینہؓ حضرت عبید اللہ ابن عبد اللہ ابن اقرم الکعبیؓ ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت احمد بن شہاب سے گیارہ سندوں سے تجافی فی السجود کی روایات نقل کی ہیں۔

(۵) ارشاد الساری میں کتاب الفتوح سے منقول ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہؓ سے تطبیق کی بابت دریافت کیا آپ نے کہا یہ یہود کا شیوہ ہے اور حضورؐ اولاً ہر ایسے کام میں جس کی بابت کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے بعد میں آپ کو ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ابن المنذر نے باسناد قوی حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے ان التطبيق انما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم مرة واما فعل ابن مسعود فيحمل على انه لم يبلغه النسخ او حمله على كراهة التنزيه (عاية الاوطار)

خلاصہ الغرض خلاصہ یہ کہ تصریح اور جلد درجہ توضیح کے ساتھ روایات میں تطبیق کی منسوخیت اور وضع الاکف علی الرکب کا امر وارد ہوا ہے اس لیے نہ تو ائمہ اربعہ میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی ظاہریہ کا کوئی اختلاف ہے یہ مسئلہ بہرحال مجمع علیہ ہے البتہ سلف صالحین میں بعض صحابہؓ اور بعض تابعین کا اختلاف تھا جس کو پہلے قائلین تطبیق کے عنوان سے عرض کیا گیا ہے یہ حضرات تطبیق کے قائل تھے مگر تصریحاً تطبیق کی تنسیخ کی وجہ سے جماہیر امت اس کے قائل نہیں ہیں۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۵ میں اس پر تقریباً چھ سطروں میں ثم التمسنا حکم ذلك من طریق النظر کے عنوان سے عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تطبیق کے اندر دونوں ہاتھوں کو ملا کر رکھنا پایا جاتا ہے۔ اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں دونوں ہاتھوں کو دور دور رکھنا پایا جاتا ہے۔

اور ہم نے نماز کے اندر ارکانِ صلوٰۃ کی ہیئت کے سلسلہ میں غور کر کے دیکھا کہ حضور ارکانِ صلوٰۃ میں اپنے اعضاء کو کس ہیئت پر رکھا کرتے تھے تو ہم نے حضور کا طریقہ دیکھا کہ حضور رکوع و سجود کے اندر اعضاء کے درمیان تجافی اور تفریق اختیار کرتے تھے۔ اور تمام علماء کا اس طرح اعضاء کا کشادہ اور دور دور رکھنے پر اجماع ہے۔ نیز حضرت ابن مسعود جو ثبوت تطبیق کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نمازی کو حکم کیا گیا کہ اپنے قدمین کے درمیان مراوحت کریں یعنی دونوں قدموں کو قدرے فاصلہ پر رکھ کر تھوڑی تھوڑی دیر ایک ایک قدم پر ٹیک لگا کر آرام لیا جائے اور دونوں قدموں کو دور دور رکھنے کی صورت میں تطبیق ممکن نہیں ہے بلکہ تفریق لازم آتی ہے۔ اور اس طرح بعض اعضاء کو بعض سے تجافی اور دور دور رکھنا بالاتفاق جائز اور اولیٰ ہے۔ اور رکوع کے بارے میں الصاق اور تفریق کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے لہٰذا مسئلہ اختلافی کو مسئلہ اجماعی پر قیاس کرنا لازم ہوگا کہ جس طرح دیگر ارکان کے اندر تطبیق درست نہیں ہے بلکہ تجافی اور تفریق لازم ہے۔ اسی طرح رکوع میں بھی تفریق لازم ہوگی یعنی دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا جائے۔ اور یہی مطلوب اور مسنون ہوگا۔

بسطِ ظہر کا مسئلہ باب ہٰذا کی روایت نمبر ۵ اس میں بسطِ ظہر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس روایت کو مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ ج۲ ص۱۲۳ میں نقلاً عن الطبرانی والکبیر وابی یعلیٰ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے

امام ہیثمیؒ نے اسی روایت کی سند پر "رجالہ ثقات" کا حکم بھی لگایا ہے ابو برزہ الاسلمیؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو لو صُبَّ علی ظہرہ ماءٌ لاستقر یعنی اگر پشت مبارک پر پانی بہا دیا جاتا تو وہ ٹھہرتا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے ابو برزہ اسلمیؓ کے مثل روایت نقل کی ہے علاوہ ازیں ابن ماجہ میں حضرت وابصہ بن معبد سے روایت ہے رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فکان اذا رکع سوّی ظہرہ حتی لو صُبَّ علیہ الماء لاستقر۔

نیز امام ترمذیؒ اور ابن حبان نے ابو حمید ساعدیؓ سے روایت کی ہے اس میں ہے ثم قال اللہ اکبر ورکع ثم اعتدل فلم یصوّب رأسہ ولم یُقنع، لہٰذا ان روایات کا تقاضا ہے کہ رکوع میں سر پشت اور سرین سب برابر رہنے چاہئیں نہ سر کو پشت سے جھکائے اور نہ اونچا اٹھائے۔

بَابُ الْاِعْتِدَالِ وَالطُّمَانِيْنَةِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

۱۶ام۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا فَقَالَ وَالَّذِيْ

باب۔ رکوع اور سجدہ میں اعتدال ۔ ۱۶ام۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص نے آ کر نماز پڑھی، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا "لوٹ کر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی" وہ نماز پڑھ کر پھر حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا، آپ نے فرمایا "لوٹ کر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی" آپ نے تین بار ایسے ہی فرمایا، اس نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے

(۱۶ام تا ۲۲ام) رکوع سے اٹھ کر اطمینان سے کھڑا ہونا جس کو قومہ کہتے ہیں، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا جس کو جلسہ کہتے ہیں اسی طرح رکوع و سجود میں قرار پکڑنا کہ ہر عضو اپنی جگہ پر سکون ہو جائے جس کو تعدیل وطمانینت کہتے ہیں الغرض نماز کا ہر رکن اتنے اطمینان سے ادا کیا جائے کہ تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر مستقر ہو جائیں اعتدال اور طمانینت ہے۔

بیان مذاہب (۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک "الاعتدال والطمانینۃ فی الارکان" فرض ہے یہی مسلک امام ابو یوسفؒ کا بھی ہے عدم اس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہ سے ایک روایت سنیت اور ایک روایت فرضیت کی بھی منقول ہے سنیت کی صورت میں اس کے ترک سے نماز واجب الاعادہ نہیں تاہم امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کا مسلک مختار یہ ہے کہ تعدیل ارکان نہ تو فرض ہے اور نہ سنت البتہ واجب ہے یعنی ترک اعتدال سے نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا تاہم نماز واجب الاعادہ رہے گی۔

بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلٰوتِكَ كُلِّهَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

ساتھ بھیجا ہے میں اس سے بہتر طریقہ پر نماز نہیں پڑھ سکتا، آپ مجھے سکھا دیں تو آپ نے فرمایا، جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر تمہیں قرآن پاک میں سے جو آسان ہو، پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک جب تمہیں رکوع کی حالت میں اطمینان ہو جائے، تو اٹھو یہاں تک کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تمہیں سجدہ کی حالت میں اطمینان ہو جائے، پھر سجدہ سے اٹھو یہاں تک کہ تمہیں بیٹھے ہوئے اطمینان ہو جائے، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تمہیں سجدہ کی حالت میں اطمینان ہو جائے، پھر تمام نمازیں اسی طرح کرو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

قائلینِ فرضیت کے دلائل اور احناف کے جوابات

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۱۲ م قائلینِ فرضیت کا قوی مستدل ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جس میں خلاد بن رافع کا واقعہ مذکور ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادہ ج ۱ ص۱۰۹ کتاب الاستیذان باب من رد فقال علیہ السلام ج ۲ ص۹۲۳ کتاب الایمان والنذور اذا حنث ناسیا فی الایمان ج ۲ ص۹۸۶ میں تخریج کیا ہے امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۴ ص۳۴۰ میں امام ترمذیؒ نے باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ ج ۱ ص۶۵ میں نقل کیا ہے۔ امام نیمویؒ نے بھی مسند احمد کے حوالے سے اسی باب میں ۱۰۴ نمبر میں اسے نقل کیا ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ خلاد بن رافع کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے جب تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارجع فصل فانک لم تصل، حدیث کے یہ الفاظ اسی پر دال ہیں کہ تعدیل ارکان اور طمانینت فرض ہے کیونکہ خلاد بن رافعؓ نے نماز کے ارکانِ مشہورہ میں سے کوئی رکن بھی ترک نہیں کیا تھا بلکہ صرف تعدیل و اطمینان ترک کیا تھا اس پر حضورؐ نے فرمایا فانک لم تصل معلوم ہوا کہ ترکِ تعدیل مبطلِ صلوٰۃ ہے۔

۷۱۴۔ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِّنَ السَّوَآءِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۱۴۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، سجدہ اور دو سجدوں کا درمیانی وقفہ اور جب آپ اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھاتے، سوائے قیام اور قعود یعنی تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھنا سب کے تقریباً برابر ہوتا تھا۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

امام طحاویؒ کی روایت رفاعہ بن رافع میں یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی نگاہوں سے اس کا نماز پڑھنا دیکھ رہے تھے اور سلام کے بعد بیٹھ گیا تھا۔

حدیث المسئ فی الصلوٰۃ

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ خلاد بن رافع کے واقعہ والی یہ حدیث "حدیث المسئ فی الصلوٰۃ" کے نام سے مشہور ہے فقہا اور محدثین بحث و استدلال کے دوران اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں یہ تنبیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ کتابوں میں کہیں طلبہ کی نظر پڑے کہ "فی حدیث المسئ فی الصلوٰۃ کذا" اور وہ اس کو نہ سمجھ سکیں حالانکہ فقہا اور ائمہ مجتہدین نے کثرت سے اس سے مسائل کے اخذ و استنباط میں استدلال کیا ہے۔

حدیث المسئ فی الصلوٰۃ سے حنفیہ کا جواب اور استدلال

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مستدل بھی یہی روایت ہے جس میں خلاد بن رافع کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جسے امام ترمذیؒ نے باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ ج ۱ ص۳۸ میں نقل کیا ہے جس میں تعدیل ارکان کی تعلیم و تاکید کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا فاذا فعلت ذلك فقد تمت صلاتك وان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلاتك، ابوداؤد کے شیخ قعنبی کی روایت میں بھی یہ الفاظ اس طرح نقل ہوئے ہیں وما انتقصت من هذا شيئا فانما انتقصته من صلاتك" اگر اعتدال و طمانینت فرض ہوتی تو آپ اس پر نماز کا اطلاق نہ کرتے۔ اس میں حضور نے تعدیل ارکان کے ترک پر بطلان صلوٰۃ کا حکم نہیں لگایا بلکہ نقصان کا حکم لگایا ہے اور صحابہ کرام نے بھی اس کا یہی مطلب

۸۱۴۔ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِى الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى قَرِيْبًا مِّنْهُ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلٰوتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَنَحْوِ مَا صَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ إِلٰى

۸۱۴۔ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک شخص آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کے قریب نماز پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاکر آپ کو سلام کہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی نماز لوٹاؤ بلاشبہ تم نے نماز نہیں پڑھی" اس نے لوٹ کر اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ کی طرف لوٹ کر آپ کو سلام کہا، آپ نے فرمایا اپنی

سمجھا ہے کہ تعدیل کے ترک سے پوری نماز باطل نہیں ہوگی البتہ اس میں شدید نقصان آجائے گا چنانچہ سنن ترمذی ہی کی روایت میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد آخر میں راوی نے کہا ہے وکان هذا اهون عليهم من الاولى انه من انتقص من ذلك شيئًا انتقص من صلاته ولم تذهب كلها۔

شیخ بنوریؒ کا ارشاد | حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ معارف السنن ج ۳ ص۱۳۳ میں لکھتے ہیں۔

قال شيخ مشائخنا الشيخ محمود حسن الديوبندی رحمه الله ان الشافعی رحمه الله قد فهموا من قول النبی صلی الله عليه وسلم "صل فانك لم تصل" ما فهمه الصحابة قبل بيان النبی صلی الله عليه وسلم من نفی الصحة وابوحنيفة رحمه الله فهم منه ما فهموا بعد بيانه صلی الله عليه وسلم من نفی الكمال و التمام فلختر ايهما شئت الآن۔

تعدیل ارکان عند الصاحبہ واجب کیوں ایک اشکال کا جواب | بعض حضرات نے یہاں ایک سوال یہ بھی اٹھایا ہے کہ

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ جو مامور بہ قطعی الثبوت ہو اور قطعی الدلالۃ بھی تو وہ فرض ہوتا ہے اور ایسا مامور بہ جو نہ تو قطعی الثبوت ہو اور نہ قطعی الدلالۃ ہو وہ واجب ہوتا ہے لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے فرض

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعِدْ صَلٰوتَكَ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ فَقَالَ اِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَا شِئْتَ فَاِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ وَمَكِّنْ رُكُوْعَكَ فَاِذَا رَفَعْتَ رَاْسَكَ فَاَقِمْ

نماز لوٹاؤ بلاشبہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اس نے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! آپ مجھے سکھائیں، تو آپ نے فرمایا "جب تم قبلہ کی طرف منہ کرو تو تکبیر کہو، پھر سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر (قرآن پاک میں سے) جو چاہو پڑھو، جب تم رکوع کرو، تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو، اپنی پشت پھیلا دو، اور اپنا رکوع اطمینان سے کرو، جب تم اپنا سر اٹھاؤ تو اپنی پشت سیدھی کر دو، یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر

اور واجب کی تفریق ہمارے لحاظ سے تو درست ہو مگر حضرات صحابہ کرامؓ کے لحاظ سے ہر مامور بہ ان کے لیے بمنزلہ فرض کے ہونا چاہیئے وجہ ظاہر ہے کہ انہوں نے تمام مامورات کا حکم براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس اعتبار سے ہر مامور بہ اُن کے نزدیک قطعی الثبوت ہے اس اصول کے پیش نظر تعدیل ارکان بھی حضرات صحابہؓ کے ہاں فرض ہونی چاہیئے واجب نہیں مگر اس کے باوجود انہوں نے اس پر واجب کا حکم کیوں لگایا؟ یہ اعتراض بظاہر واقعۃً وزنی ہے۔

مگر علامہ بحر العلوم نے اسی کو جس انداز سے حل فرمایا ہے وہ بھی اپنی جگہ ایک قابل تسلیم حقیقت ہے انہوں نے اپنی کتاب "رسائل الارکان" میں لکھا ہے کہ احناف کے ہاں دو طریقہ سے واجب کا ثبوت ہوتا ہے ——— (۱) بعض اوقات مامور بہ قطعی الثبوت نہیں ہوتا اس کی عدم قطعی الثبوت ہونے کی وجہ سے واجب ثابت ہو جاتا ہے ایسے مامور بہ کے لیے یہ کہنا کہ وہ ہمارے لیے واجب ہے درست ہے اور صحابہ کرام کو جب یہ حکم قطعی الثبوت طریقہ سے پہنچا تو ان کے لیے یہ حکم واجب نہیں بلکہ فرض ہے۔ (۲) واجب کی دوسری قسم یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرما دی ہو کہ اس کا ترک مبطل عمل نہیں بلکہ منقص عمل ہے اس قسم کے واجب میں ہمارے اور حضرات صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں ایسا مامور بہ صحابہ کرامؓ کے حق میں بھی واجب ہے اور ہمارے حق میں بھی واجب ہے لہٰذا تعدیل ارکان اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔

ایک اصولی اختلاف یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک

صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰى مَفَاصِلِهَا فَاِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِسُجُوْدِكَ فَاِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَّسَجْدَةٍ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

آجائیں اور جب تم سجدہ کرو، اپنا سجدہ اطمینان سے کرو، اور جب سجدے سے) اپنا سر اٹھاؤ اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ، پھر اسی طرح ہر رکوع اور سجدہ میں کرو۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

یہ اختلاف ایک اور اصولی اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ اخبار آحاد سے فرضیت کے ثبوت کے قائل نہیں جب کہ امام اعظمؒ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان ایک درجہ واجب کا بھی ہے اور اخبار آحاد سے ان کے نزدیک وجوب ہی ثابت ہوتا ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں۔

ثمرۂ اختلاف یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان تعدیل ارکان کی فرضیت و وجوب کے سلسلہ میں یہ اختلاف دنیا میں حکم و عمل کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا کیوں کہ ترک تعدیل سے ہر ایک کے ہاں نماز واجب الاعادہ ہے۔

حدیث براءؓ بن عازب کی تشریح (۱۷۱م) براءؓ بن عازب کی اس روایت..... جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۸۹ اور امام بخاری نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۰۹ میں تخریج کیا ہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارکان نماز کی مقدار اس طرح بیان کی گئی ہے کہ چار ارکان یعنی رکوع قومہ اور جلسہ سب آپس میں تقریباً برابر تھے البتہ قیام میں چونکہ قرات کرتے تھے اور قعود میں التحیات پڑھتے تھے اس لیے یہ دونوں ارکان بقیہ ارکان کے مقابلہ میں طویل ہوتے تھے۔

الغرض اس روایت سے اعتدال کی مقدار معلوم ہوئی کہ مقدار اتمام کیا ہونی چاہیئے؛ اس میں حضرت براءؓ بن عازب کی یہی روایت مشہور ہے جو بخاری میں کئی جگہ نقل کی گئی ہے۔

قریباً من السواء کا مطلب قریباً من السواء کے تین مراد ہو سکتے ہیں۔

(۱) قریب سے قریب تام مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر

۴۱۹۔ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَۃً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ لَا یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا وَلَا یُقِیْمُ صُلْبَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَلَا فِی السُّجُوْدِ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِیُّ وَقَالَ الْھَیْثَمِیُّ رِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحِ۔

۴۱۹۔ حضرت ابو قتادہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوری کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! وہ اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا، "نماز میں رکوع اور سجدہ پوری طرح نہیں کرتا، رکوع اور سجدہ میں اپنی پشت سیدھی نہیں رکھتا۔"

یہ حدیث احمد و طبرانی نے نقل کی ہے ہیثمی نے کہا ہے۔ اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

رکوع ایک منٹ کا ہوتا تو سجود بھی ایک منٹ کا ہوتا تھا اور اگر سجود ایک منٹ کا ہوتا تو ما بین السجدتین اور قومہ بھی ایک ہی منٹ کا ہوتا سوائے قیام و قعود کے اس لیے کہ اس میں برابری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

(۲) قریبا سے مراد قرب تناسب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود و قومہ اور جلسہ سب مناسب ہوتے یہ نہیں کہ ایک چیز تو ایک گھنٹہ کی اور دوسری چیز ایک منٹ کی۔

(۳) مساوات سے مراد مساوات النظیر بالنظیر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت کا رکوع دوسری رکعت کے رکوع کے برابر اور ایک رکعت کا سجدہ دوسری رکعت کے سجدے کے برابر ہوتا تھا۔ وعلیٰ ھذا القیاس ۔۔۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قیام و قعود میں مساوات نہیں ہو سکتی اور اولین دو قیام میں فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں ہوتا ہے اور ثانیین میں صرف فاتحہ، اسی طرح اول قعدہ میں صرف تشہد اور ثانی میں درود شریف وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔

نماز میں سرقہ مال کے سرقہ سے زیادہ مذموم ہے

(۴۱۹) حضرت ابو قتادہ کی یہ روایت مسند احمد ج ۵ ص۳۱۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ ص۲۴۲ مستدرک حاکم ج ۱ ص۲۲۹ اور مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۲۰ میں نقل کیا گیا ہے جس میں نماز کی چوری کی مذمت ہے مال کی چوری کرنے سے نماز کی چوری کرنے والا شخص اس لیے زیادہ برا ہے کہ مال چرانے والا شخص کم از کم چوری کے مال سے کم از کم دنیا میں فائدہ تو اٹھا لیتا ہے

۴۲۰ - وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنَ الْوَفْدِ قَالَ خَرَجْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا خَلْفَهٗ فَلَمَحَ بِمُؤْخَرِ عَيْنِهٖ رَجُلًا لَا يُقِيْمُ صَلٰوتَهٗ يَعْنِيْ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۴۲۰ - حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ اور یہ وفد میں سے تھے - نے کہا ہم نکلے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ہم نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے پیچھے نماز ادا کی، آپ نے گوشہ چشم سے خفیف نظر سے ایک شخص کو دیکھا، جو اپنی نماز کو سیدھا نہیں کر رہا تھا یعنی رکوع اور سجود میں اپنی پشت کو سیدھا نہیں رکھتا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا "اے مسلمانوں کی جماعت اس شخص کی نماز نہیں جو رکوع اور سجود میں اپنی پشت کو سیدھا نہیں رکھتا"

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور پھر یہ کہ مالک سے معاف کرانے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مواخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا شخص ثواب کے معاملہ میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلے میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان وخسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں لگتا۔

علی بن شیبان کی روایت کی تشریح

(۴۲۰) علی بن شیبان کی اس روایت کو ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۶۳ باب الرکوع فی الصلوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔

فلمح بموخر عینیہ - اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی منقول ہے جسے مسند احمد کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث میں نقل کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ظہر کی نماز پڑھائی آخر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی جب اس نے سلام پھیرا تو آنحضرت صلی اللہ

۱۲۱۴۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَجْدَۃٌ مِّنْ سُجُوْدِ ھٰؤُلَاءِ اَطْوَلُ مِنْ ثَلَاثِ سَجَدَاتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۱۲۱۴۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان لوگوں کے سجدوں میں سے ایک سجدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سجدوں سے زیادہ لمبا ہے۔

یہ حدیث احمد، طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

علیہ وسلم نے اسے آواز دے کر فرمایا کہ اے فلاں! کیا تم اللہ بزرگ و برتر سے نہیں ڈرتے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے نماز کس طرح پڑھی ہے تم یہ تو جانتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو مجھے معلوم نہیں ہوتا حالانکہ خدا کی قسم! جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ لیتا ہوں اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔

ہم یہاں کسی جدید تشریح و توضیح کے بجائے مظاہر حق ج ۱ کے حصے میں وعن علامہ نواب محمد قطب الدین خان مرحوم کی توضیح نقل کیے دیتے ہیں۔

اپنے پیچھے کی اشیاء کا دیکھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ

اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں شریعت حق دے کر مبعوث فرمایا تو جہاں آپ کی رسالت و نبوت کے دلائل و شواہد میں بہت ساری چیزیں دیں وہیں آپ کو کچھ معجزات بھی عنایت فرمائے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے ذہن و فکر پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری اور آپ کی سچائی و صداقت عیاں ہو سکے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ جس طرح اپنے سامنے اور آگے کی چیزوں کو دیکھ لیتے تھے ایسے ہی اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھنے پر قادر تھے اور یہ دیکھنا خرق عادت یعنی معجزہ کے طور پر ہوتا تھا جس کی راہنمائی وحی و الہام کے ذریعہ ہوتی تھی۔

مگر اتنی بات یاد رکھ لیجئے کہ اس معجزہ سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو علم غیب حاصل تھا کیونکہ اول تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ کو یہ خصوصیت صرف معجزہ کے طور پر حاصل تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ اس وصف پر از خود قادر نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں وحی و الہام کے ذریعہ آپ کی رہنمائی کی جاتی تھی۔ پھر

٤٢٢- وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ أَمَّنَا فَلْيُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَإِنَّ فِيْنَا الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَالْمَرِيْضَ وَعَابِرَ سَبِيْلٍ وَذَا الْحَاجَةِ هٰكَذَا كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

٤٢٢- حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا، جو ہمیں امامت کرائے تو وہ رکوع و سجود پورا کرے، بلاشبہ ہم میں کمزور، بوڑھے، مسافر اور ضرورت مند لوگ موجود ہوتے ہیں، ہم اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔"

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ہے کہ آپ کو یہ وصف ہمیشہ حاصل نہیں رہتا تھا بلکہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا تھا۔ اگر آپ کو علمِ غیب حاصل ہوتا تو نہ صرف یہ کہ آپ وحی یا الہام کی راہنمائی کے بغیر از خود اس وصف پر قادر ہوتے بلکہ یہ وصف آپ کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتا چنانچہ اس کی تائید خود ایک روایت سے ہوتی ہے کہ:

"غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں غائب ہو گئی، جب بہت زیادہ تلاش کے بعد بھی اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو یہ کہتے ہیں کہ میں آسمان کی باتیں تم تک پہنچاتا ہوں تو کیا وہ اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم! میں تو صرف انہیں چیزوں کو جان سکتا ہوں جن کے بارے میں میرا خدا مجھے علم دے! اور اب میرے خدا نے مجھے بتا دیا اور دکھا دیا ہے کہ میری اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں اٹکی ہوئی ہے۔"

اس کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ "میں انسان ہوں، میں تو واللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر یہ بھی نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟"

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

بہر حال۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ نماز آپ کی دوسری حالتوں کے مقابلہ میں زیادہ افضل و اعلیٰ ہوتی تھی اس لیے دوسرے مواقع کی بہ نسبت آپ پر حالتِ نماز میں کائنات کی چیزوں کی حقیقت و معرفت

کامل طور پر واضح وظاہر ہوتی تھی۔ پس یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور متوجہ الی اللہ ہونے کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ کائنات سے بے خبر ہو جاتے تھے بلکہ نماز کی حالت میں آپ اشیاء کائنات سے پوری پوری طرح باخبر رہتے تھے آپ کا احساس وشعور پوری قوت سے اشیاء عالم کا ادراک کرتا تھا، چنانچہ خدا کے وہ نیک وفرمانبردار بندے بھی جو ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بنا پر کاملین کے درجہ میں ہوتے ہیں حالت نماز میں کائنات کی اشیاء سے باخبر رہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ان کے قلوب بارگاہ خداوندی میں پوری طرح حاضر رہتے ہیں تو دوسری طرف ان کے احساس و شعور دنیا کی چیزوں سے بھی مطلع رہتے ہیں اسی وجہ سے مشائخ کہتے ہیں کہ نماز مقام کشف و حضور ہے نہ کہ محل غیبت اور استغراق!

بعض حضرات نے ان تمام مباحث سے ہٹ کر یہ بھی کہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دو سوراخ تھے جن کے ذریعہ آپ پیچھے کی جانب دیکھتے تھے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے بلکہ کسی ذہن کی اختراع محض ہے۔

(مظاہر حق جدید جلد اول ص۵۵)

ایک مزید تحقیقی فائدہ امام ابن دقیق العید احکام الاحکام ج ۱ ص۲ میں تحریر فرماتے ہیں: کہ دو چیزیں ہیں ایک نفس رکوع و سجود تو ارکعوا واسجدوا سے اسی حکم کی طرف اشارہ ہے جب کہ دوسری چیز اطمینان اور اعتدال ہے یہ مدلول اس سے پورا نہیں ہوتا اس کے لیے اور حکم ہے اور وہ اسی سے پورا ہوتا ہے علامہ ابن رشد ہدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۳۰ میں لکھتے ہیں کہ وہ حکم ثم ارکع حتی تطمئن راکعا (الحدیث) سے پورا ہوگا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم ج ۲ ص۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ علامہ عینیؒ، ابن الہمامؒ اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاجؒ وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ رکوع اور سجود اور قومہ وجلسہ میں اطمینان اور اعتدال واجب ہے اور فرماتے ہیں دلائل کے لحاظ سے یہی بات حق صواب اور قوی ہے بلکہ اس مسئلہ پر علامہ برکلی حنفیؒ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے المعدال فی ارکان الصلوٰۃ جس میں دلائل کے ساتھ اعتدال کو واجب ثابت کیا ہے۔

حدیث (۴۲۱) اور (۴۲۲) کا معنی اور مدلول تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُوْدِ

۴۲۴۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِي سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

باب۔ رکوع اور سجدہ میں کیا کہا جائے۔ ۴۲۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کی، آپ نے رکوع کیا، تو آپ نے رکوع میں فرمایا۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (پاک ہے میرا رب عظمت والا)

اور آپ نے اپنے سجود میں فرمایا۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى (پاک ہے میرا پروردگار جو بلند و برتر ہے)

یہ حدیث نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

رکوع وسجود کی اہمیت

(۴۲۴ تا ۴۲۵) نماز اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب وقالب اور قول وعمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیازمندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت وجلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ ہے قیام وقعود اور رکوع وسجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے ان سب کی روح یہی ہے لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال واجزاء میں رکوع وسجود ہیں۔ سر اونچا رکھنا تکبر برتری وبادشاہی کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق ومالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے اس لحاظ سے رکوع وسجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے اور بہترین کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

۴۲۴۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۴۲۴۔ حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ نے کہا جب (آیت) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے اپنے رکوع میں رکھو"، اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی، تو آپ نے فرمایا "اسے اپنے سجدہ میں رکھ دو"

یہ حدیث احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

تسبیحات رکوع وسجود رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجود میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور احادیث باب کا مدلول ہے۔

رکوع وسجود میں ان تسبیحات کو تین مرتبہ پڑھنا ادنیٰ درجہ کمالِ سنت کا ہے ورنہ تو اصلِ سنت ایک مرتبہ میں بھی ادا ہوجاتی ہے اور کمالِ سنت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے جبکہ انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ تک بھی پڑھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر تابعیؒ سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع وسجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا تو وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔

البتہ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لیے زحمت اور گرانی کا باعث ہو۔

بعض حضرات نے (جب مصلی منفرد ہو) تو تقریباً قیام کی مقدار تک تسبیحات کا کہا ہے تاہم امام کو بہرصورت مقتدیوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت باب ہذا کی روایت ابی بکرہ ص۲۲ میں ثلاثاً کی تصریح ہے جبکہ

۴۲۵- وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَبِّحُ فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلَاثًا وَّفِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلَاثًا- رَوَاہُ الْبَزَّارُ وَالطَّبَرَانِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔ ۵

۴۲۵- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع کی تسبیح تین بار سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور اپنے سجدہ میں تین بار سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی فرماتے ؛؛
یہ حدیث بزار اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رض سے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع احدکم فلیقل ثلاث مرات سبحان ربی العظیم وذلک ادناہ " سے مراد کیا ہے؟ سو حافظ بیہقی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اس کے معنی ادنی الکمال کے ہیں، غایۃ البیان میں شمس الائمہ کی مبسوط سے منقول ہے کہ اس سے جواز کا کمتر درجہ مراد نہیں کہ اس سے کم جائز نہ ہو کیونکہ رکوع وسجود تو اس تسبیح کے بغیر بھی جائز ہے (الا علی قول ابی مطیع) بلکہ کمال کا کمتر درجہ مراد ہے یعنی اس سے کم میں کامل سنت ادا نہ ہو گی، شرح حمید الدین میں ہے کہ ادنی جمع مسنون مراد ہے اس لیے کہ اگر تسبیح بالکل نہ کہے تب بھی نماز جائز ہے اور اگر تین مرتبہ سے کم کہے تو تارک سنت ہوتا ہے اور اگر تین مرتبہ سے زائد کہے تو عامل بالفضیلۃ ہوتا ہے فیکون الثلاثۃ ادنی الوجہ المسنون، صاحب ہدایہ نے اس کی تفسیر ادنی کمال الجمع سے کی ہے، صاحب عنایہ کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ مشہور تو یہ ہے کہ ادنیٰ جمع تین ہے پھر کمال جمع کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ لغۃً ادنیٰ جمع کا تصور دو میں بھی ہو سکتا ہے، رہا کمال جمع سو وہ تین ہی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ کمال جمع تو حدیث میں مذکور ہی نہیں، جواب یہ ہے کہ ذکر لفظ سے دلالۃً اس کا ذکر ہو چکا، بہرکیف رکوع میں تین بار تسبیح کہنا کمالِ جمع یا کمالِ سنت کا ادنی درجہ ہے پس تسبیح کا ترک کرنا یا تین سے کم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں منفرد کے حق میں تین سے زائد افضل ہے طاق عدد کے ساتھ، امام احمد کے نزدیک ایک بار تسبیح کہنا واجب ہے اور حلبی کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ کمال سنت گیارہ یا نو مرتبہ تسبیح کہنا ہے اور اوسط درجہ پانچ مرتبہ کہنا ہے اگر کسی نے صرف ایک بار تسبیح کہی تب بھی تسبیح کا حصول ہو جائے گا، امام ترمذی نے حضرت عبداللہ

بن المبارک اور اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ امام کے لیے پانچ مرتبہ تسبیح کہنا مستحب ہے، امام ثوری اسی کے قائل ہیں۔

شرح اسبیجابی میں ہے کہ اگر کسی نے تین مرتبہ تسبیح نہ کہی یا اتنی مقدار نہ ٹھہرا تو اس کا رکوع اور سجدہ نہ ہوگا۔ مگر یہ قول شاذ ہے، جیسے تسبیحات کے متعلق ابو مطیع بلخی کا فرضیت کا قول شاذ ہے، اسی طرح جن حضرات نے نو مرتبہ سے زائد تسبیح کہنے پر سجدۂ سہو واجب کیا ہے وہ بھی بلا دلیل ہے۔

(ملخصاً از فتح القدیر وغیرہ)

تسبیح و تقدیس کے بعض دیگر کلمات باب ہذا کی تینوں روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت اور تلقین فرمائی اور یہی آپ کا معمول تھا لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی رکوعہ وسجودہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوْحِ (رواہ مسلم) وعن عائشۃؓ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ فِیْ رُکُوْعِہٖ وَسُجُوْدِہٖ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ (رواہ البخاری ومسلم)

بیان مذاہب، وادلہ اور ترجیح راجح گذشتہ بحث سے اجمالاً یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے تاہم طلبہ کی سہولت کے لیے اس میں مزید توضیح بھی نفع سے خالی نہیں، لہٰذا یہاں دو مسئلے بیان کئے جاتے ہیں۔

تسبیح کا درجہ اور بیان مذاہب رکوع اور سجود میں تسبیح کا درجہ کیا ہے اس سلسلہ میں حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود ج ۲ ص ۔۔۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۲۸ اور امام نوویؒ نے شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۱ میں دو مذہب نقل کئے ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک رکوع اور سجود میں تسبیح واجب ہے اگر عمداً ترک کر دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) احنافؒ، موالکؒ اور جمہور فقہاءؒ و محدثینؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

تسبیح مسنون اور بیان مذاہب

رکوع اور سجود میں کون سی تسبیح مسنون ہے علامہ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد ج ا ص۱۲۳ میں مولانا محمد یوسف نے امانی الاحبار ج ۳ ص۲ میں اور حضرت بنوری نے معارف السنن ج ۳ ص۲ میں تین مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) داؤد بن علی الظاہریؒ امام اسحٰق بن راہویہؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع اور سجود میں ما احب من الدعا مسنون ہے اور کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ حسن بصریؒ وغیرہم کے نزدیک رکوع و سجود میں مخصوص دعا مسنون ہے جو احادیث باب میں منقول ہے ما احب من الدعا مسنون نہیں ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک رکوع میں تسبیح عظیم اور سجود میں تسبیح اعلیٰ اور اس کو تین مرتبہ دہرانا مسنون ہے

(۳) امام مالکؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کے نزدیک رکوع میں تسبیحِ عظیم اور سجود میں ما احب من الدعا مسنون ہے۔

مسلکِ احناف کے وجوہ ترجیح

(۱) باب کے تینوں احادیث کا مضمون حنفیہ کا مستدل ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ جب آیت کریمہ فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو حضورؐ نے حکم فرمایا کہ اسی آیت کریمہ کو رکوع میں پڑھا جائے اور جب سورۃ اعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے حکم فرمایا کہ سورۃ اعلیٰ کی پہلی آیت سجدہ میں پڑھی جائے اس سے واضح ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود کے اندر یہی مخصوص تسبیح مسنون ہو سکتی ہے۔

(۲) تسبیح کی عمومیت کی جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب منسوخ ہیں کہ پہلے عمومیت کی اجازت تھی اور جب آیت عظیم اور آیتِ اعلیٰ نازل ہوئی تو عمومیت کا حکم منسوخ ہو چکا اور خصوصیت کا حکم ثابت ہوا ہے۔

لہٰذا عمومیت کی روایات اگرچہ اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں لیکن منسوخ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہیں۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال

(۳) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۳۹ میں و اما وجهه ذلك من طريق النظر سے تقریباً بارہ سطروں میں عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نے نماز کے اندر بہت سے ایسے

بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

۴۲۶ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ

باب۔ جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے۔ ۴۲۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے، پھر جب رکوع فرماتے تو تکبیر کہتے، پھر جب

مقامات کو دیکھا جن میں ذکر الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ بوقت تحریمہ اور بوقت ارکان انتقالیہ اللہ اکبر کہنا، اور بوقت قعود تشہد ابن مسعود پڑھنا اور بوقت قومہ امام کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا وغیرہ ان تمام مقامات میں خاص خاص اذکار متعین ہیں اور مخصوص ذکر سے ہٹ کر کوئی دوسرا ذکر الٰہی ان مقامات میں کرنا غیر موزوں سمجھا جاتا ہے اور تمام امت کو اس کا علم اور واقفیت حاصل ہے مثلاً اللہ اکبر کی جگہ اللہ اعظم کہا جائے تو برا سمجھا جاتا ہے اور قعدہ میں تشہد ابن مسعود چھوڑ کر دوسرا تشہد پڑھا جائے تو برا سمجھا جاتا ہے اسی طرح بوقت قومہ سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد چھوڑ کر دوسرا ذکر کیا جائے تو برا سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح بوقت فراغ عن الصلوٰۃ لفظ سلام کو چھوڑ کر کوئی اور ذکر کیا جائے تو برا سمجھا جاتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر وہ ارکان اور مکان جن میں ذکر الٰہی ہوتا ہے ان مقامات کے لیے مخصوص ذکر مقرر ہیں اور رکوع وسجود بھی ایسے مقامات ہیں جن میں ذکر الٰہی ہوتا ہے لہٰذا ان مقامات میں بھی مخصوص ذکر ہونا چاہیے اور وہ مخصوص ذکر احادیث الباب سے ثابت ہے کہ رکوع میں تسبیح عظیم اور سجدے میں تسبیح اعلیٰ پڑھنا ہے لہٰذا فکر ونظر کے تقاضے سے رکوع اور سجدہ میں بھی مخصوص تسبیح متعین ہوگی ان سے ہٹ کر دوسری تسبیحات سے سنت ادا نہیں ہوگی۔

تسمیع کا ترجمہ وتحقیق

(۴۲۶ تا ۴۲۸) سمع اللہ لمن حمدہ معنی یہ ہیں کہ قبل اللہ حمد من حمدہ کلام عرب میں اس کی نظیریں موجود ہیں مثلاً کہا جاتا ہے سمع الامیر کلام فلان اذا تلقاہ بالقبول اسی سے یہ حدیث ہے اللھم انی اعوذبک من دعاء لا یسمع ای لا یستجاب اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی دعا سے جو مسموع نہ ہو

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ حِیْنَ یَرْفَعُ صُلْبَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ ثُمَّ یَقُوْلُ وَھُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

اپنی پشت مبارک رکوع سے سیدھی فرماتے تو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے، پھر کھڑے کھڑے فرماتے "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

یعنی استجاب وقبول فرمایا ——— مشہور نحوی امام علامہ رضی نے ذکر کیا ہے کہ لام کبھی بمعنیٰ الیٰ کے بھی آتا ہے جیسے سمع اللہ لمن حمدہ ای استمع الی من حمدہ (فتح القدیر وغیرہ ملخصاً)

حمدہ کی ھا پر اسے سکتہ یا کنایہ اور اس کا حکم

(۱) بنایہ میں فوائد حمیدیہ سے منقول ہے کہ حمدہ کی ھا سکتہ اور استراحت کے لیے ہے نہ کہ کنایہ کے لئے هکذا نقل عن الثقات (۲) مستصفیٰ سے منقول ہے کہ ھا برائے کنایہ ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ‏(؟) اشکروالہ (۳) معراج میں ہے کہ حمدہ کی ھا کی ضمیر مجزوم ہونی چاہئے جیسا کہ وقف کی شان یہی ہے (۴) صلوٰۃ مسعودی میں ہے کہ اگر کوئی شخص ھا کے بغیر حمد کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن فساد کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ جب بالکلیہ سمع اللہ لمن حمدہ کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو ایک حرف کے ترک سے کیسے فاسد ہو سکتی ہے۔

بیان مذاہب

رکوع سے سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کون کہے اور ربنا لک الحمد کون؟ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا تو اس کے بعد امام کے لیے ربنا ولک الحمد کہنا بھی درست ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں مولانا خلیل احمدؒ نے بذل المجہود ج ۲ ص۱۷، علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص۱۲۳، علامہ بنوریؒ نے معارف السنن ج ۲ ص۲۷۶ اور مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار ج ۳ ص۲۹۸ میں مذہب نقل کئے ہیں۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ رسالہ ابن ابی زید میں ہے حافظ ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوہریرہؓ اور شعبیؒ سے بھی یہی حکایت کیا ہے خود ابن المنذر کہتے ہیں کہ میں بھی اس کا قائل ہوں سفیان ثوریؒ امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام احمد بن حنبلؒ

۴۲۷۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۴۲۷۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو، بلاشبہ جس کا قول ملائکہ کے قول کے مشابہ ہوگیا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

(۱) امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ (صاحبین)۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ (فی روایۃ) عطاء بن ابی رباحؒ، ابوبردہؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن سیرینؒ، عامر شعبی اور امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ امام تسبیع وتحمید دونوں کو جمع کرے گا اس کے بعد مقتدی صرف تحمید کہے گا (اگرچہ ان ہی سے بعض حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ تسبیع وتحمید دونوں کہے خواہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ وموافقہ کے دلائل

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مستدل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ۴۲۷ ہے جس کی تخریج ابن ماجہ کے علاوہ اصحاب خمسہ نے کی ہے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان ج ۱ ص[illegible] باب فضل اللھم ربنا ولك الحمد، اور امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص[illegible] باب التسمیع والتحمید والتامین میں نقل کیا ہے۔ مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے۔

(۲) اسی باب کی روایت ۴۲۸ حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے جسے بخاری ج ۱ ص[illegible] اور مسلم ج ۱ ص[illegible] میں تخریج کیا گیا ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ اذا قال (الامام) سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لك الحمد۔

(۳) مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا

۴۲۸۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَقَطَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ شِقُّہُ الْاَیْمَنُ فَدَخَلْنَا عَلَیْہِ نَعُوْدُہٗ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَصَلّٰی بِنَا قَاعِدًا فَصَلَّیْنَا وَرَاءَہٗ قُعُوْدًا فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ

۴۲۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے تو آپ کی دائیں طرف خراش آگئی ہم آپ کے پاس آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، نماز کا وقت ہوا تو آپ نے بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھائی ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب آپ نے نماز پوری

ربنا لك الحمد یسمع اللہ لکم۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ ان احادیث میں تقسیم ہے کہ امام صرف تسمیع کہے اور مقتدی صرف تحمید اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اس لیے امام تحمید میں شریک نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مقتدی ہمارے نزدیک تسمیع نہیں کہتا کہ قسمت منافی شرکت ہے۔

ایک اعتراض کا جواب البتہ بعض حضرات نے یہاں ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ تسمیع و تحمید کی طرح مسئلہ تامین بھی ہے حالانکہ اس میں تقسیم کا اعتبار نہیں کیا گیا شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ تامین کے متعلق خود آخر حدیث میں صراحۃً آیا ہے فان الامام یقولہ آمین معلوم ہوا کہ اس میں تقسیم مراد نہیں ہے۔

امام اعظمؒ کی عقلی دلیل صاحب ہدایہ نے امام اعظمؒ کی عقلی دلیل نقل کی ہے کہ فیما نحن فیہ میں شرکت اس لیے بھی نہیں ہوسکتی کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا تو مقتدی ربنا لك الحمد کہے گا اگر امام بھی ربنا لك الحمد کہے تو یقیناً اس کی تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگی اور یہ موضوع امامت کے خلاف ہے۔

صاحبینؒ ومن وافقہما کے دلائل وجوابات اور ترجیح راجح (۱) امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۳۲ میں صاحبینؒ ومن وافقہما کی طرف سے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایات سے استدلال کے جواب میں کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولك الحمد میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تحمید صرف مقتدی ہی کہہ سکتا ہے

فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

کی تو فرمایا ، بلا شبہ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے ، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو ، جب رکوع کرے ، تو تم بھی رکوع کرو ، جب وہ اٹھے ، تو تم بھی اٹھو جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

غیر مقتدی نہیں۔ اگر واقعہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ تو یہ بات محال ہوتی کہ غیر مقتدی کے لیے تحمید کہنا جائز ہو حالانکہ سب لوگوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ غیر مقتدی تسمیع کے ساتھ تحمید بھی کہہ سکتا ہے منفرد مقتدی نہیں ہے تو امام بھی مقتدی نہیں ہے تو جس طرح منفرد کے لیے دونوں جائز ہیں تو امام کے لیے بھی دونوں جائز ہونا چاہیئے۔

(۲) باب ہذا کی پہلی روایت (۴۲۶) جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ اور امام مسلمؒ نے ج ۱ صفحہ ۱۶۹ میں تخریج کیا ہے جس میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھا کر ربنا لک الحمد کہا کرتے تھے علاوہ ازیں امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ صفحہ ۱۴۰ میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو حمیدؓ سے بھی اسی مضمون کی روایات نقل کی ہیں تو ان روایات کا مدلول یہی ہے کہ امام کے لیے بھی تحمید کہنا مسنون ہے۔

ایک اور اعتراض کا جواب

بعض حضرات نے ان روایات پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بحالتِ امامت تحمید کہنے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ آپ نے تنہا نماز پڑھتے وقت تحمید بھی کہی ہو اور حالتِ امامت پر یہ روایات محمول نہ ہوں امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ج ۱ صفحہ ۱۴۰ میں اسی اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ جب مذکورہ روایات میں حالتِ امامت اور حالتِ انفراد دونوں کا احتمال ہے تو مستقل طور پر حالتِ امامت میں تحمید کہنے پر کوئی روایت ملتی ہے یا نہیں؟ جب ہم نے غور سے دیکھا تو ہمیں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت مل گئی وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فجر کی نماز میں رکوع سے سر اٹھا کر تسمیع کے ساتھ تحمید بھی کہا ہے۔ اور

قنوتِ نازلہ بھی پڑھی ہے اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ حالتِ امامت میں بھی تحمید کہا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر اعتراض اور جواب اس روایت پر بھی بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضورؐ نے یہ تحمید اس زمانہ میں پڑھی تھی جس زمانہ میں قنوتِ نازلہ کے ذریعہ سے کفار پر بد دعا کی تھی جب قنوتِ نازلہ کا سلسلہ ختم کر دیا تو تحمید کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا ہوگا اس شبہ کے ازالہ کے لیے امام طحاویؒ نے تین صحابہ سے روایات نقل کی ہیں (۱) حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے متعلقین کو نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا کہ حضورؐ کی نماز ہے جس میں تسبیح کے ساتھ تحمید بھی نقل کی حضرت ابوہریرہؓ نے جو نماز دکھائی وہ حضورؐ کی جماعت کی نماز ہے (۲) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں سورج گرہن ہوا تو آپؐ نے باجماعت صلوٰۃ الکسوف امامت فرمائی اور اس میں تسبیح کے ساتھ ساتھ آپؐ نے تحمید بھی کہی ہے (۳) حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضورؐ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تسبیح کے ساتھ تحمید بھی کہا کرتے تھے تینوں صحابہ کرامؓ کی روایات میں تسبیح کے ساتھ تحمید بھی حضورؐ سے ثابت ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ تسبیح کے ساتھ تحمید کہنا بھی مسنون ہے۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال امام طحاویؒ شرح معانی الآثار ج ا صفحہ ۱۴۱ میں وامامن طریق النظر سے عقلی استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا منفرد کے بارے میں اتفاق ہے کہ منفرد تسبیح و تحمید دونوں کہے گا تو ہم نے امام کے بارے میں غور کر کے دیکھا کہ امام کا حکم منفرد کی طرح ہے یا نہیں چنانچہ ہم نے دیکھا کہ افعال صلوٰۃ میں سے ہر ایک میں امام اور منفرد یکساں حکم رکھتے ہیں کہ جس طرح امام کے اوپر تکبیر، قرأت، قعود، تشہد لازم ہیں اسی طرح منفرد پر بھی یکساں طور پر لازم ہیں اور ہم نے فسادِ صلوٰۃ کے اسباب کو دیکھا کہ امام کی نماز ان تمام اسباب کی بنا پر فاسد ہو جاتی ہے جن کی بنا پر منفرد کی نماز فاسد ہوتی ہے اور جن اسباب کی بنا پر منفرد پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے ان ہی اسباب کی بنا پر امام پر بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ارکان صلوٰۃ کے اندر امام بالکل منفرد کی طرح حکم رکھتا ہے اور جب منفرد کے لیے تسبیح اور تحمید دونوں کہنا مسنون ہے تو امام کے لیے بھی دونوں ہی مسنون ہوں گی اور یہی صاحبین ومن دافقہما کا مدعا ہے۔

کلماتِ تحمید الیاس بزادہ کی شرح نقایہ میں ہے کہ تحمید کے الفاظ کے متعلق چار روایات ہیں (۱) اللھم ربنا ولک الحمد (۲) اللھم ربنا لک الحمد (۳) ربنا ولک الحمد (۴) ربنا لک الحمد یہ چاروں کلمات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں الخ

اختلاف صرف افضلیت میں ہے تفصیل و تفصیل اور دلائل متعلقہ کتب میں ملاحظہ کیجئے علامہ شامی صاحب بحر، صاحب مجتبیٰ اور صاحب ذخیرہ وغیرہ نے اسی مسئلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

منفرد کے لیے تسمیع و تحمید کا حکم

امام اور مقتدی کا حکم تو معلوم ہو گیا، رہا منفرد سو وہ صرف تسمیع کہے یا تحمید یا دونوں کو جمع کرے؟ اس کی بابت تین قول ہیں (۱) تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کرے، یہ امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت ہے، صاحب ہدایہ نے ہدایہ اور مختارات النوازل میں حصکفی نے درمختار و خزائن الاسرار میں، شرنبلالی نے مراقی الفلاح اور نور الایضاح میں اور صاحب مجمع البحرین، صاحب ملتقی الابحر اور باقلانی نے اسی کو اصح کہا ہے صدر شہید فرماتے ہیں علیہ الاعتماد، صاحب تنویر الابصار، شارح نقایہ اور شراح کنز وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ دونوں کو جمع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کا محل حالت انفراد کے سوا اور کوئی نہیں، لہٰذا منفرد رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہو کر تحمید کہے۔

(۲) صرف تسمیع پر اکتفاء کرے، یہ معلی کی روایت ہے جو بواسطہ امام ابو یوسف امام صاحب سے مروی ہے علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ نوادر کی روایت ہے، صاحب بحر نے کہا ہے کہ اس روایت پر اعتماد نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ میں نے کسی سے اس کی تصحیح نہیں پائی، لیکن علامہ حصکفی نے خزائن الاسرار میں بحوالہ معراج شیخ الاسلام سے اس کی تصحیح نقل کی ہے (۳) صرف تحمید پر اکتفا کرے، یہ جامع صغیر کی روایت ہے، حافظ الدین نسفی نے کنز میں اسی کو اختیار کیا ہے اور موصوف نے کافی میں اور صاحب مبسوط نے اسی کی تصحیح کی ہے اور اکثر مشائخ اسی پر عمل پیرا ہیں، حلوانی اور طحاوی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، صاحب بحر کہتے ہیں کہ جب اس مسئلہ میں تصحیح مختلف ہوئی تو ترجیح کا ہونا ضروری ہے پس از روئے مذہب تو یہ راجح ہے کیوں کہ یہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اس کی تصریح کی ہے اور از روئے دلیل وہ راجح ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اصح کہا ہے۔ (ملخصاً از فتح القدیر وغیرہ)

قومہ کی دیگر مسنون دعائیں

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن اوفیٰ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے "سمع اللہ لمن حمدہ، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔ (اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لیے ساری حمد و ستائش ہے اتنی کہ جس سے زمین و آسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان کے آگے جو سلسلۂ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں)

بَابُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ عِنْدَ الْاِنْحِطَاطِ لِلسُّجُوْدِ

۴۲۹ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ

باب - سجدہ کے لیے جھکتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنا - ۴۲۹ - حضرت ابوہریرہ رضؓ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا

اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے قومہ میں یہی دعا کچھ اور اضافہ تک ثابت مروی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللّٰه لمن حمدہ کے بعد کبھی صرف اللّٰھم ربنا لک الحمد کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبداللہ بن اوفیٰ رضؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا

حضرت رفاعہ بن رافع رضؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا سمع اللّٰه لمن حمدہ تو آپ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ (اے ہمارے رب اے آپ ہی کے لیے ہے ساری حمد بہت زیادہ حمد ، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا اس وقت یہ کہنے والا کون تھا ؟ اس شخص نے کہا میں تھا آپ نے فرمایا میں نے تیس سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے (صحیح بخاری)

(۴۲۹ تا ۴۳۰) نماز کے اندر سات اعضاء کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے قدمین رکبتین اور جبہہ ان میں سے قدمین تو پہلے ہی سے زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں باقی رہے پانچ اعضاء تو ان میں سے پیشانی کا سب سے آخر میں سجدے میں رکھنے پر سب کا اتفاق ہے البتہ یدین اور رکبتین کے رکھنے کے سلسلہ میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے کہ سجدے میں جاتے وقت یدین پہلے رکھے جائیں یا رکبتین ؟ تو اس سلسلہ میں امانی الاحبار ج ۴ ص۶۳ نیل الاوطار ج ۲ ص۱۲۶ تحفۃ الاحوذی ص۲۳۳ ، بذل المجہود ج ۲ ص۲۲ الکوکب الدری ج ۱ ص۱۳۲ اور معارف السنن ج ۳ ص۲۷

اَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ ثُمَّ رُكْبَتَيْهِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ وَهُوَ حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ۔

سجدہ (یعنی اونٹ پہلے گھٹنے رکھتا ہے) اُسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ رکھے پھر اپنے گھٹنے رکھے۔ یہ حدیث احمد اور اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے اور یہ حدیث معلول ہے۔

میں دو مشہور مذہب نقل کیئے گئے ہیں اور ایک مذہب غیر مشہور بھی۔

بیان مذاہب

(۱) امام مالکؒ (فی روایۃ) امام احمدؒ (فی روایۃ) امام اوزاعیؒ اور حسن بصری کے نزدیک رکبتین سے قبل یدین کو زمین پر رکھنا زیادہ افضل اور مسنون ہے۔ امام ابن حزمؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۲) حنفیہؒ شوافعؒ امام احمد (فی روایۃ) اسحاق بن راہویہؒ سفیان ثوریؒ مسلم بن یسارؒ ابراہیم نخعیؒ تمام اہل کوفہ اور عام فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ یدین سے قبل رکبتین کو زمین پر رکھنا زیادہ افضل اور مسنون ہے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے یہی حضرات ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا مختار ہے
(۳) ایک تیسرا غیر مشہور مسلک یہ ہے کہ مصلی کو تخییر ہے کہ دونوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے کوئی حرج نہیں ہے یعنی پہلے گھٹنے رکھے یا پہلے دونوں ہاتھ رکھے۔

قائلین وضع الیدین قبل الرکبتین کے دلائل

مصنفؒ نے اس باب میں قائلین وضع الیدین قبل الرکبتین کے دلائل نقل کیے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت (۹۲۳) ہے جسے مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱ ترمذی ج ۱ ص ۶۱ نسائی ج ۱ ص ۱۶۵ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۲ میں تخریج کیا گیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ گر پڑے بلکہ دونوں ہاتھ رکھے پھر دونوں گھٹنے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں آپ نے فرمایا کہ فلا یبرك كما یبرك البعیر اونٹ ہی کی طرح نہ گر پڑے اور یہ بات معلوم ہے کہ اونٹ پہلے دونوں پیر رکھتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ ولیضع یدیہ ثم رکبتیہ یعنی دونوں ہاتھ رکھے پھر دونوں گھٹنے۔

۴۳۰- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
اِسَجَدَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَالْحَاكِمُ
بْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَهُ وَهُوَ مَعْلُوْلٌ۔

۴۳۰- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے
وں سے پہلے اپنے ہاتھ مبارک رکھتے۔"
یہ حدیث دارقطنی، طحاوی، حاکم اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا
،، اور یہ حدیث معلول ہے۔

یث ابوہریرہؓ کے دو حصوں میں تعارض اور جواب

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت میں دو ٹکڑے ہیں فلا یبرك

ما یبرك البعیر اور دوسرا ٹکڑا ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے
ونٹ بیٹھتے وقت اولاً اپنے ہاتھوں کو رکھتا ہے اس کے بعد اپنے پیروں کو رکھتا ہے اور دوسرے
ے میں کہا جا رہا ہے کہ تم پہلے اپنے ہاتھوں کو رکھو اور بعد میں گھٹنوں کو رکھو جس سے پہلے ٹکڑے میں
نعت کی گئی ہے لہٰذا متن حدیث کے دونوں ٹکڑوں میں تعارض ہے۔ شارحین حدیث نے اس کا جواب
یا ہے کہ اونٹ بلکہ تمام جانوروں کے گھٹنے ہاتھوں (اگلے پیروں) میں ہوتے ہیں جنہیں وہ ٹیک کر
ھتے بیٹھتے ہیں بخلاف بنی آدم کے کہ اس کے گھٹنے پیروں میں ہوتے ہیں پس اس محاورے کے مطابق
پ نے فرمایا کہ اونٹ جس طرح پہلے دو گھٹنے رکھتا ہے اس طرح تم میں سے کوئی سجدہ کرتے ہوئے
ہ اپنے گھٹنے نہ رکھے یعنی گھٹنے ٹیک کر سجدہ میں نہ جائے بلکہ پہلے دونوں ہاتھ رکھے اسی صورت میں
ٹ کی نشست کے برخلاف ہوگا۔

(۲) باب ہٰذا کی دوسری روایت (۴۳۰) بھی قائلین وضع الیدین قبل الرکبتین کا مستدل
جس میں حضرت ابن عمرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ
ہ وسلم سجدہ کرتے وقت رکبتین سے قبل یدین رکھا کرتے تھے اس روایت کو دارقطنی ج ۱ صفحہ ۳۴۴
وی ج ۱ صفحہ ۱۷۱ مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۲۲۶ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۳) حدیث ابوہریرہؓ کی مزید تائید حضرت ابن عمرؓ کے فعل سے بھی ہوتی ہے جس کو امام بخاریؒ نے

بَابُ وَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْاِنْحِطَاطِ لِلسُّجُوْدِ

۴۲۱ - عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَابْنُ السَّكَنِ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

باب۔ سجدہ کے لیے جھکتے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنا۔ ۴۲۱ - وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے سجدہ فرمایا تو اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھے اور جب آپ اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ اٹھائے۔

یہ حدیث اصحاب اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابن السکن نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

صحیح میں تعلیقاً اور ابن خزیمہ اور امام طحاویؒ نے موصولاً روایت کیا ہے کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یضع یدیہ قبل رکبتیہ اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں کہا ہے کہ حدیث ابوہریرہؓ حدیث وائل (۴۲۱) سے قوی تر ہے کیونکہ حدیث ابن عمرؓ حدیث ابوہریرہؓ کے لیے شاہد ہے۔

وھو حدیث معلول ۱۱، امام نیمویؒ نے باب ہذا کی دونوں روایات پر معلول ہونے کا حکم لگایا ہے جس کی وجہ سے ان سے استدلال کمزور ہو جاتا ہے وجوہات تعلیل کیا ہیں۔

خود امام نیمویؒ نے تعلیق الحسن میں اس کی توضیح کر دی ہے لہٰذا مزید کسی توضیح کے بغیر اسی پر اکتفا کیا گیا اور اگلے باب میں قدرے اشارہ بھی کر دیا گیا ہے

قائلین وضع الرکبتین قبل الیدین کے دلائل

۴۲۱ تا ۴۲۲ باب ہذا کی دونوں روایات قائلین وضع الرکبتین قبل الیدین کا مستدل ہیں۔

(۱) پہلی روایت (۴۲۱) حضرت وائل بن حجرؓ سے منقول ہے جسے ترمذی ج ۱ ص۳۵، ابوداؤد ج ۱ ص۱۲۲، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور طحاوی ج ۱ ص۱۷۱ میں تخریج کیا گیا ہے جس میں تصریح ہے کہ اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ حدیث وائل اثبت ہے کیونکہ حفاظ کی ایک جماعت نے

۴۳۱۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ قَالَا حَفِظْنَا عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فِیْ صَلٰوتِہٖ

۴۳۱۔ علقمہ اور اسود نے کہا ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی نماز میں یہ بات یاد رکھی ہے کہ

اس کی تصحیح کی ہے رہی یہ بات کہ اس کی سند میں قاضی شریکؒ ہے جو قوی نہیں ہے مگر یہ بات اس لیے مضر نہیں کہ امام مسلمؒ نے قاضی شریکؒ سے روایت لی ہے۔ نیز یہ روایت دیگر طرق سے بھی مروی ہے جس سے جبر ضعف ہو جاتا ہے کذا ذکرہ الخطابی وابن حجر فی شرح المشکوٰۃ۔

حدیث ابو ہریرہ اور حدیث وائل کے درمیان محاکمہ

امام طحاویؒ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضع یدین ورکبتین کی تقدیم وتاخیر میں اختلاف نقل ہوا تو ہم نے اس پر نظر غائر ڈالی اور غور کیا تو معلوم ہوا کہ حدیث ابو ہریرہ میں اختلاف ہے اُن سے دو قسم کی روایات منقول ہیں حدیث ۴۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں سے قبل رکھنا مسنون ہے جب کہ ان کی دیگر روایات جنہیں امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے فلیبدا برکبتیہ قبل یدیہ ولا یبرک بروک الفحل سے معلوم ہوتا ہے کہ گھٹنوں کو ہاتھ سے قبل رکھنا مسنون ہے لہٰذا ان کی دونوں متعارض روایات میں کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے دوسرے صحابہ کرامؓ کی روایات تلاش کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ ہم کو وائل بن حجرؓ کی یہ روایت مل گئی۔ کہ حدیث وائل میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا حضرت ابو ہریرہ کی روایت وضع الیدین قبل الرکبتین قابل استدلال نہ ہوگی بلکہ وضع الرکبتین قبل الیدین والی روایت حضرت وائلؓ کی روایت کے ساتھ مل کر قابل حجت ہو سکتی ہے اور یہ کہنا درست ہوگا کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو رکھنا مسنون نہیں ہے بلکہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھنا مسنون ہے باقی رہا قائلین وضع الیدین کا حضرت ابن عمرؓ کے اثر سے استدلال تو جمہور کہتے ہیں کہ وائل بن حجر کی روایت مرفوع ہے حضرت ابن عمرؓ کا اثر موقوف ہے ویرجح المرفوع علی الموقوف۔

(۲) قائلین وضع الرکبتین قبل الیدین کا دوسرا مستدل حضرت عمرؓ کا فعل ہے جسے حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت ۴۳۲ میں نقل کیا گیا ہے جسے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے نیز امام طحاویؒ نے وقد روی ذلک (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۱) سے جلیل القدر صحابہ کرام اور اجلہ تابعین کا عمل پیش کیا ہے کہ وہ پہلے اپنے گھٹنوں کو پھر ہاتھوں کو زمین پر رکھتے تھے اسی

أَنَّهُ خَرَّ بَعْدَ رُكُوعِهِ عَلَىٰ رُكْبَتَيْهِ كَمَا يَخِرُّ الْبَعِيرُ وَوَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

وہ رکوع کے بعد اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھے جیسے کہ اونٹ بیٹھتا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مضمون کو امام طحاویؒ نے دو صحابی اور ایک تابعی سے تین سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت عمرؓ سے ایک سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے ایک سند کے ساتھ تابعین میں سے ابراہیم نخعی۔ ان کی روایت ایک سند کے ساتھ ہے چنانچہ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جو شخص رکبتین سے پہلے یدین کو رکھتا ہے وہ احمق یا مجنون اور پاگل ہے۔

(۲) شیخ میرک نے تصحیح مصابیح سے نقل کیا ہے، قال: كنا نضع اليدين قبل الركبتين فامرنا بوضع الركبتين قبل اليدين" اگر حدیث ابوہریرہ اس سے پہلے کی نہ ہو تو نسخ مرتین لازم آئے گا جو خلافِ دلیل ہے۔

(۳) حدیث ابوہریرہؓ فی نفسہٖ متناقض ہے گویا بعض رواۃ کو وہم ہوا ہے اور لا یضع کو ولیضع سے محرف کر دیا اس لیے کہ جب گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے گا تو بروک بعیر ہو جائے گا کیونکہ بوقت بروک اونٹ اپنے دونوں ہاتھ پیروں سے پہلے زمین پر ٹیکتا ہے اگرچہ اس کے دونوں گھٹنے بھی اس کے ہاتھوں ہی میں ہوتے ہیں فیوافق حدیث وائل۔

ابن القیم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ لغت میں اونٹ کے لیے رکبتین فی الیدین کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ غلط ہے اس لیے کہ یہ بات تو اہلِ لغت کے یہاں بہت معروف ہے، عربی کی مشہور کتاب "لغت اللسان" میں ہے کہ اونٹ کا گھٹنا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور یہ کہ ہر چوپائے کے گھٹنے اس کے دونوں ہاتھوں میں اور ایڑیاں اس کے پیروں میں ہوتی ہیں، بخلاف انسان کے کہ اس کا گھٹنا پیروں میں ہوتا ہے، پس جب آدمی ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے گا تو وہ بروک بعیر کی طرح ہوگا۔ فیحتج النهی عن البروك دون وضع اليدين قبل الركبتين فالبروك هو وضع الركبة فمن الانسان بوضع الرجلين ومن البعير بوضع اليدين۔

۲

(۴) بقول ابن القیم حدیث ابوہریرہؓ میں قلب ہو گیا ہے اصل عبارت یوں تھی " ولیضع رکبتیہ قبل یدیہ " چنانچہ شیخ اثرم نے سنن میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ابوہریرہؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے " اذا سجد احدکم فلیبدا برکبتیہ قبل یدیہ "

(۵) حدیث ابوہریرہؓ میں اضطراب بھی ہے کوئی تو " ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ " روایت کرتا ہے جیسا کہ بیہقی میں ہے اور کوئی اس جملہ کو ذکر ہی نہیں کرتا۔ والقلب والاضطراب من اسباب الضعف (سعایہ، بذل)

(۶) صاحب انوار الباری نے شاہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ ارشاد نبوی کا منشاء یہ ہے کہ اونٹ کی طرح اگلا دھڑ سارا گرا کر پچھلا دھڑ کھڑا رکھ کر سجدہ میں نہ جاؤ، بلکہ معذوری کی حالت میں ایسا کرو کہ زمین پر ہاتھ ٹیک کر سارا دھڑ ساتھ ہی نیچے لے جاؤ، نسائی وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح بروک نہ کرو اور ہاتھوں کو ٹیک کر گھٹنے بھی زمین پر رکھ دو، اس طرح حدیث ابوہریرہ کا مطلب لیا جائے تو اس کا مقصد ہاتھوں یا گھٹنوں کا مقدم و مؤخر کرنا نہ ہوگا بلکہ صرف بروک ابل کی نفی ہوگی، دوسرا احتمال یہ ہے کہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے سے قبل ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس صورت میں بھی ترتیب یا تقدیم و تاخیر کا بیان نہیں ہوتا بلکہ نفی ہوگی سقوط بلا اختیار کی کہ اونٹ کی طرح نہ گر جاؤ، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر احتیاط کے ساتھ سجدہ میں جاؤ۔

نظر طحاویؒ امام طحاویؒ شرح معانی الآثار ج ا صـ۱۵۱ میں واما وجہ ذلک من طریق النظر سے عقلی دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم کو جن اعضاء کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کل سات ہیں قدمین، رکبتین، یدین اور جبہہ چنانچہ ان سات اعضاء سے سجدہ کرنے کی روایات کو امام طحاویؒ نے تین صحابہ کرام سے چھ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے (۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے دو سندوں کے ساتھ (۲) حضرت عباس بن عبدالمطلب سے دو سندوں کے ساتھ (۳) حضرت عبداللہ بن عباس سے دو سندوں کے ساتھ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذکورہ سات اعضاء کے ساتھ سجدہ کیا جائے اور یہی لازم ہے اور ہم نے غور کرکے دیکھا کہ ان ساتوں اعضاء کے اٹھانے اور رکھنے میں کیا ترتیب ہے تو ثابت اور معلوم ہوا کہ قدمین پہلے ہی سے زمین سے لگے رہتے ہیں اور پیشانی رکھنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور بالاتفاق سر سب سے آخر میں رکھا جاتا ہے اور یدین اور رکبتین کے رکھنے میں اختلاف ہے اور اٹھانے میں سب کے نزدیک یہ ترتیب ہے کہ اولاً سر اٹھایا جائے اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ پھر اپنے دونوں گھٹنے تو اس سے

بَابُ هَيْئَاتِ السُّجُوْدِ

۴۳۴ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

باب - سجود کی کیفیات ۔ ۴۳۴ - حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے سجدہ میں اعتدال پیدا کرو، اور تم میں سے کوئی کتے کی طرح اپنے بازو نہ پھیلائے۔" یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے ۔

معلوم ہوا کہ جو اعضاء سب سے آخر میں رکھے جاتے ہیں وہ سب سے پہلے اٹھائے جاتے ہیں جیسے کہ پیشانی سب سے آخر میں رکھی جاتی ہے اور اٹھانے میں سب سے پہلے اٹھائی جاتی ہے تو اسی طریقہ سے یدین اور رکبتین میں ترتیب ہونی چاہیئے کہ یدین بالاتفاق رکبتین سے پہلے اٹھائے جاتے ہیں لہذا رکھے بھی رکبتین کے بعد رکھنا ہوگا یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے ۔

(۴۳۴ تا ۴۳۸) باب کی پہلی روایت (۴۳۴) حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جس میں اعتدال فی السجود کا حکم دیا گیا ہے اس روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ صـ۱۱۳ امام ترمذیؒ نے ج ۱ صـ۳۶ اور امام ابوداؤدؒ نے ج ۱ صـ۱۳۰ میں نقل کیا ہے۔

سجدہ میں طمانیت کا حکم ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں اعتدال کیا جائے مراد یہ ہے کہ سجدہ میں طمانیت یعنی خاطر جمعی سے ٹھہرا جائے اور سجدہ میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اسے اطمینان سے پڑھا جائے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ پشت کو ہموار رکھا جائے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جائیں کہنیاں زمین سے اوپر اٹھی رہیں اور پیٹ رانوں سے الگ رہے۔

اعضاء سجدہ باب کی دوسری روایت (۴۳۴) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ صـ۱۱۲ صحیح مسلم ج ۱ صـ۱۹۳ میں تخریج کیا گیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ سجدہ میں جسم کے کس کس عضو کو ٹیکنا چاہیئے چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ کے وقت پیشانی، دونوں

۴۳۴۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ عَلَی الْجَبْھَۃِ وَاَشَارَ بِیَدِہٖ اِلٰی اَنْفِہٖ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ وَلَا نَکْفُتُ الثِّیَابَ وَالشَّعْرَ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۴۳۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنی ناک مبارک کی طرف اشارہ فرمایا، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدموں کے کنارے (اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز میں) ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

ہاتھوں دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہیے۔

سجدہ کی تین صورتیں فقہاء نے سجدہ کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہو (۲) صرف پیشانی پر ہو (۳) صرف ناک پر ہو ان میں سے پہلی صورت سجدہ کا اعلیٰ مرتبہ ہے جو متعدد احادیث سے مفہوم و مستفاد ہے جیسا کہ باب ہذا میں ابوحمید ساعدی کی روایت ۴۲۶ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے جس کی تخریج امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، امام مالک اور نسائی وغیرہ نے فضائل لیلۃ القدر سے متعلق ایک طویل حدیث میں کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں فصلّٰی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی رایت اثر الطین والماء علی جبھتہ وارنبتہ وائل بن حجر کی روایت میں ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یضع انفہ مع جبھتہ فی السجدۃ اس کی تخریج طبرانی اور ابویعلیٰ موصلی نے کی ہے۔

بیان مذاہب اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ سات اعضاء سے ہوتا ہے یدین رکبتین قدمین اور وجہ۔ پھر وجہ میں تفصیل ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر اقتصار جائز ہے یا نہیں۔

(۱) امام احمدؒ ابن حبیب مالکیؒ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ اور امام اسحاق کے نزدیک پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہے صرف پیشانی پر اکتفاء جائز نہیں ہوگا۔

۴۲۵- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلّٰى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۴۲۵- حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے، بازوؤں کو کھولتے، یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوتی۔"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

---

(۲) شوافع حضرات، اکثر موالک اور صاحبینؒ کے نزدیک پیشانی کا ٹیکنا ضروری ہے محض اقتصار علی الانف جائز نہیں ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض مالکیہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ چہرہ کا جو حصہ بھی بہیئت تعظیم کے ساتھ زمین پر رکھ دیا جائے اس سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے ہیئت تعظیم کی قید اس لیے لگائی کہ اگر ہیئت تمسخر یہ کے ساتھ چہرہ کا کوئی حصہ زمین پر رکھا جائے تو اس سے سجدہ ادا نہیں ہوگا چنانچہ اگر صرف رخسار یا ٹھوڑی زمین پر رکھی جائے تو سجدہ نہ ہوگا اس توضیح کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنے سے سجدہ ہو جائے گا تاہم اقتصار علی احدھما امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

قائلین وضع الانف والجبہۃ کے وجوب کے دلائل

(۱) باب ہذا کی دوسری روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے جس میں سبعۃ اعظم پر سجدے کا حکم ہے بقول امام نوویؒ اکثر علماء کے نزدیک پیشانی اور ناک کا حکم عضو واحد کا ہے اس لیے کہ حدیث میں ساتھ لفظا کا ذکر موجود ہے اگر پیشانی اور ناک دونوں کو دو عضو مانا جائے تو اعضائے سجدہ آٹھ ہو جاتے ہیں لہٰذا دونوں پر سجدہ واجب ہے کہ سبعۃ کی نص پر عمل ہو سکے۔

(۲) اس کی تائید امام نسائیؒ کی تخریج کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عن سفیان قال: قال لنا ابن طاؤس الزادی ووضع یدیہ علی جبھتہ وامرّہا علی انفہ وقال ھذا واحد (فتح القدیر)

۲۳۴۔ عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا سَجَدَ اَمْکَنَ اَنْفَہٗ وَجَبْہَتَہٗ مِنَ الْاَرْضِ وَنَحّٰی یَدَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ۔

۲۳۴۔ ابو حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے، تو اپنی ناک اور پیشانی مبارک زمین پر جما دیتے، اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے کندھوں کے برابر رکھتے۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے۔

---

(۳) حضرت ابو حمید الساعدیؓ سے روایت (۲۳۴) ہے کان اذا سجد امکن انفہ وجبہتہ من الارض جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۳۵ ابوداؤدؒ نے ج ۱ ص۱۳۱ میں نقل کیا ہے۔

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جبہ اور انف دونوں پر سجدہ کرنے کی مواظبت ثابت ہے مندرجہ بالا روایات کے علاوہ حدیث وائلؓ کا مضمون بھی یہی ہے جس کی تخریج ابو یعلیٰ موصلیؒ نے مسند میں اور طبرانیؒ نے معجم میں کی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع انفہ علی الارض مع جبہتہ اور آپ سے اس کا خلاف ثابت نہیں۔

قائلین اقتصار علی الجبہہ کے دلائل

شوافعؒ، مالکیہؒ اور صاحبینؒ اقتصار علی الجبہہ کے جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کی اس روایت ۲۳۳ میں سات اعضاء پر سجدہ کا ذکر ہے کفین رکبتین قدمین اور وجہ، سجدہ علی الوجہ صرف پیشانی رکھنے سے متحقق ہوگا لہٰذا اقتصار علی الجبہہ درست ہوگا لیکن اقتصار علی الانف درست نہ ہوگا کیونکہ صرف انف کے زمین پر ٹیکنے سے سجدہ علی الوجہ متحقق نہ ہوگا۔

قائلین اقتصار علی الانف کے دلائل

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف انف پر بھی سجدہ جائز ہے شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص۲۶۶ میں امام صاحبؒ کی طرف سے بطور دلیل یہ روایت پیش کی ہے جسے ہمارے مصنف امام نیمویؒ نے اسی باب میں دوسرے نمبر پر ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا امرت ان اسجد علی سبعۃ

۲۲۴۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۲۴۔ وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو اپنی ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ فرمایا۔
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

اعظم واشار بیدہ الی انفہ لیکن امیر یمانی سبل السلام ج ا ص۲۷۶ میں لکھتے ہیں کہ نسائی ج ا ص۱۲۳ میں روایت یوں ہے۔ فاشار الی جبھتہ وانفہ ولفظہ الجبھۃ والانف تو یہ متصل روایت جبہہ کو بھی شامل ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ سجود کا امر آیا ہے اور لفظ سجود کا معنی وضع الوجہ علی الارض بما لا سخریۃ فیہ کے ہوتے ہیں لہٰذا صرف ناک رکھ دینے سے یا صرف پیشانی رکھ دینے سے یہ مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں اعضاء سجدہ میں سے صرف وجہ کا ذکر آیا ہے چنانچہ سنن اربعہ، ابونعیم، احمد، طحاوی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عباس بن المطلب سے روایت کیا ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سجد العبد سجد سبعۃ آراب وجھہ وکفاہ ورکبتاہ وقدماہ حدیث میں لفظ وجہ آیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ چہرے کا بعض حصہ رکھنے سے سجدہ متحقق ہو جاتا ہے اس لیے کہ پورے چہرہ کا رکھنا نہ بالاجماع مراد ہے اور نہ یہ ممکن ہے کیونکہ پیشانی اور ناک کی ابھری ہوئی ہڈی جمیع وجہ کے رکھنے سے مانع ہے اور جب کل چہرہ رکھنا متعذر ہوا تو چہرہ کا کچھ حصہ رکھنا ہی مامور بہ ہوگا پھر گال اور ٹھوڑی بالاجماع خارج ہیں کیوں کہ ان کے رکھنے کے ذریعے تعظیم کا اظہار مشروع نہیں ہے پس پیشانی اور ناک باقی رہے جس طرح پیشانی محل سجدہ ہے تو ناک بھی محل سجدہ ہوگا لہٰذا جس طرح پیشانی پر اقتصار جائز ہے ناک پر بھی اقتصار جائز ہوگا۔

رجوع ابوحنیفہؒ اور قول مفتیٰ بہ | ان تمام دلائل کے باوجود یہ بات ذہن نشین رہے کہ اقتصار علی الانف کے جواز کا قول، امام ابوحنیفہؒ کا

۴۳۳۔ وَعَنْهُ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ۔ رَوَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالنَّسَائِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۳۳۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغور دیکھا کہ جب آپ نے سجدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک اپنے کانوں کے برابر رکھے۔
یہ حدیث اسحٰق بن راہویہ، عبدالرزاق، نسائی اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قولِ قدیم ہے ورنہ امام صاحبؒ سے بعد میں امام مالکؒ اور صاحبین کے قول کی طرف رجوع ثابت ہے مولانا عثمانیؒ نے فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۹۸ میں درمختار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا طرابلسیؒ نے مواہب الرحمٰن میں، حصکفیؒ نے شرح تنویر و شرح ملتقیٰ میں اور شرنبلالیؒ وغیرہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے کہ اقتصار علی الجبهة سے تو نماز ہو جائے گی لیکن اقتصار علی الانف سے نہ ہوگی لہٰذا صاحبینؒ کی طرح امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہوا کہ بلا عذر ایسا کرنے سے نماز نہ ہوگی حافظ ابن الہمامؒ زاد الفقیر صفحہ ۳۱ میں لکھتے ہیں ویکفی فیہ وضع الجبهة بالاتفاق وکذا الانف عندہ وعندھما لا یکفی الا من عذر وروی عنه توبھما وعلیه الفتوىٰ۔

تحقیق و تطبیق
امام ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں، ابن نجیمؒ نے بحر میں، ابن امیر حاجؒ نے منیہ میں، شیخ ابراہیم حلبیؒ نے شرح منیہ میں کہا ہے کہ تینوں اکابر حنفیہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ امام اعظمؒ بھی اقتصار علی الانف کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں جو ترک واجب کی صورت میں ہوتا ہے اور صاحبین کے قول عدم جواز کا مطلب بھی عدم حلت ہے جو کراہت تحریمی کو مقتضی ہے لہٰذا پیشانی پر سجدہ کرنا بالاتفاق واجب ہوا اور یہی حدیث و آثار کا مقتضیٰ ہے چنانچہ دار قطنیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے قالت ابصر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم امرأة من اھله تصلی ولا تضع انفها بالارض فقال یا ھذہ ضعی انفک بالارض فانه لا صلوٰة لمن لم یضع انفه بالارض مع جبهته۔

سجدہ میں بال اور کپڑے ہٹانے اور سمیٹنے کی ممانعت

ولا نکفت الثیاب والشعر حدیث کے اس آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بالوں اور کپڑوں کو اس غرض سے سمیٹنا اور ہٹانا تاکہ وہ خاک آلود اور گندے نہ ہوں ممنوع ہے ویسے بھی بغیر اس مقصد کے یوں ہی کپڑوں اور بالوں کو سمیٹنا یا دامن وغیرہ کو باندھ لینا ممنوع ہے بالوں کو سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بالوں کو جمع کر کے دستار وغیرہ کے اندر کر لیا جائے "تاکہ سجدہ میں لٹکنے نہ پائیں اس سے بھی منع کیا گیا ہے اس کا مسئلہ یہ ہے کہ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دینا چاہیئے "تاکہ وہ بھی سجدہ کریں (مظاہر حق)

سجدہ میں کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ

باب کی تیسری روایت ۵۲۴ حضرت عبداللہ بن مالک سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۱۲ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۹۴ میں نقل کیا ہے اس روایت میں کہنیوں کو سجدہ میں رکھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدے میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو اس قدر کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرا ارشاد منقول ہے۔ اذا سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیک کہنیوں کو اونچا رکھنے کے دو ہی معنیٰ ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں بہر صورت یہ حکم خاص مردوں کے لیے ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدہ میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لیے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے (مظاہر حق)

حکمت رفع مرافق

سجدہ میں بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھنے میں یہ حکمت ملحوظ ہے کہ وہ بھی آزادی سے مستقلاً سجدہ کریں اگر بازوؤں کو پہلو سے ملا لیا تو ان کا سجدہ الگ متصور نہ ہو گا چنانچہ منشاء شارع یہ ہے کہ نمازی کے سارے اعضاء ربہ سجود ہوں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سجدہ میں تمام اعضاء سجدہ کرتے ہیں اگر جسم کو سمیٹ کر سجدہ کر لیا تو سب اعضاء سمٹ کر بمنزلہ عضو واحد ہو جائیں گے اور ہر عضو کو مستقل طور سے سجدہ کا حصہ نہ مل سکے گا جو مطلوب شرع ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ کے بدن مبارک پر چادر نہ تھا یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ کے بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور بغلوں کی سفیدی اس لیے کہا ہے کہ آپ کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ

کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا دوسرے لوگوں کی طرح آپ کی بغلیں سیاہ اور مکدر نہ تھیں۔

بُحَینہ | یہ حضرت عبداللہؓ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ان کے والد کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک بحینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ جانیں کہ بحینہ کے لڑکے حضرت عبداللہ ہی ہیں اور ابن مالک اور ابن بحینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں (مظاہر حق)

سجدہ میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت بیان مذاہب و دلائل

اس عنوان کے تحت یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کہاں رکھنا بہتر ہے اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کیئے گئے ہیں جیسا کہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۳۳ معارف السنن ج ۲ ص۳ اور امانی الاحبار ج ۴ ص۱۳ میں تفصیل منقول ہے

(۱) حنفیہ حضرات سفیان ثوری سعید بن جبیرؒ اور امام احمد (فی روایۃ) کا مسلک یہ ہے کہ بحالت سجدہ اپنے چہرے کو ہتھیلیوں کے درمیان اور ہاتھوں کو کانوں کے مقابل رکھنا چاہیئے۔

(ا) ان حضرات کا مستدل باب ہذا کی روایت ۴۳۴ ہے جو وائل بن حجرؓ سے منقول ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۱۷۳ میں نقل کیا ہے جس میں صراحۃً سجد بین کفیہ مذکور ہے روایت (۲۴۴) بھی اسی کی مؤید ہے۔

(ب) امام طحاویؒ نے حفص بن غیاث عن الحجاج ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت براءؓ بن عازب سے معلوم کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پیشانی کہاں رکھتے تھے فرمایا دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔

(۲) امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ (فی روایۃ) اور امام اسحٰقؒ بن راہویہ کے نزدیک دونوں ہاتھوں کو سجدے کی حالت میں مونڈھوں کے برابر رکھنا مسنون ہے ان کا مستدل اسی باب کی روایت ۲۴۴ ہے جسے حمید الساعدی نے نقل کیا ہے جس میں تصریح ہے کہ ووضع کفیہ حذو منکبیہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بارے میں گو کلام ہے لیکن راجح یہی ہے کہ قابل حجت ہے تاہم کلام کی وجہ سے اس حدیث وائل (۲۴۴) کو جو صحیح مسلم میں ہے ترجیح دی گئی ہے اس کے مثل علامہ عینیؒ نے کہا ہے۔

تطبیق و توفیق | اس بارے میں مختلف روایاتؓ مختلف الفاظ منقول ہیں مثلاً ووضع کفیہ

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْاِقْعَاءِ كَاِقْعَاءِ الْكَلْبِ

۴۲۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب۔ کتے کی طرح بیٹھنے کی ممانعت ۔ ۴۲۹۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حذو منکبیه ، وضع یدیه حذاء اذنیه ، سجد بین کفیه اذا سجد وضع وجهه بین کفیه (طحاوی ج ۱ ص ۱۲۵) ان تمام روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہاتھوں کا وہ حصہ جو کلائی سے متصل ہے اسے منکبین کے بالمقابل رکھا جائے اور بقیہ حصہ کو اذنین اور وجہ کے مقابل ، اس طرح تمام روایات اپنے اپنے محل پر صحیح حمل ہو جائیں گی۔

محقق ابن الہمامؒ کی رائے محقق ابن الہمام رحمہ اور شیخ حلبیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے افعال میں صرف ایک وضع پر حصر نہ کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرح کیا ہو یعنی کبھی ہتھیلیاں کندھوں کے بالمقابل اور کبھی کانوں کے مقابل رکھی ہوں پس سنت یہ ہے کہ دونوں میں سے جو میسر ہو وہ کرے تاکہ مرویات میں اتفاق ہو جائے بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ کرتے اور کبھی وہ کرتے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کانوں کے مقابل رکھنے میں ہاتھوں کا پہلو سے جدا رکھنا جو مسنون ہے وہ زیادہ ممکن ہے اور یہی معقول ہے واللہ اعلم

(عین الہدایہ تہذیب)

سجدہ میں دیگر مسنون دعائیں (۱) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ)

(۲) حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے یہ دعا نقل کی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ كَمَا اَنْتَ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ)

قعود بین السجدتین کی تین صورتوں میں پہلی صورت کا حکم ۴۲۹ تا ۴۴۰ قعود بین السجدتین کی تین صورتیں ہیں (۱) الیتین پر

عَنْ ثَلَاثٍ عَنْ نَقْرَةٍ كَنَقْرَةِ الدِّيْكِ وَإِقْعَاءٍ كَإِقْعَاءِ الْكَلْبِ وَالْتِفَاتٍ كَالْتِفَاتِ الثَّعْلَبِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

۴۴۰۔ وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِقْعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ۔

مجھے تین باتوں سے منع فرمایا (نماز میں) مرغ کی طرح ٹھونگا لگانے، کتے کی طرح بیٹھنے اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے سے"۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔

۴۴۰۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

یہ حدیث حاکم نے نقل کی ہے اور امام حاکمؒ نے کہا، یہ حدیث بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے، لیکن شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔

بیٹھے اور اپنے پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ گھٹنے شانوں کے مقابل آجائیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک لے اس کو اقعاء کہتے ہیں اور

اس معنی کے لحاظ سے اقعاء بالاتفاق مکروہ ہے اس باب کی غرض انعقاد یہی ہے۔
احادیث باب کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

---

[1] چوتڑ زمین پر ٹیک کر گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا۔

بَابُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْعَقِبَيْنِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

۱۴۴۔ عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْإِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ فَقَالَ هِيَ السُّنَّةُ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۴۴۔ وَعَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُقْعُونَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

باب۔ دو سجدوں کے درمیان ایڑھیوں پر بیٹھنا۔ ۱۴۴۔ طاؤس نے کہا ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قدموں پر بیٹھنے کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا "یہ سُنت ہے" ہم نے کہا ہم اسے پاؤں کے ساتھ ظلم سمجھتے ہیں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۲۴۴۔ ابن طاؤس نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نماز میں ایڑھیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے"

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قعود بین السجدتین کی دوسری صورت

۱۴۴ تا ۲۴۴۔ قعود بین السجدتین کی دوسری صورت یہ ہے کہ مصلی سجدتین کے درمیان دونوں پاؤں کو پنجوں کے بل کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھ جائے یہ دوسرا معنیٰ بھی اقعاء کا آیا ہے اس باب میں اقعاء کا یہی معنیٰ مراد ہے اس دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے اقعاء کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں دو مذہب مشہور ہیں۔

(۱) احناف، موالک اور حنابلہ اور جمہور کے نزدیک اقعاء کی یہ صورت بھی علی الاطلاق مکروہ ہے البتہ بوقت ضرورت اجازت ہے۔

(۲) امام شافعی سجدتین کے درمیان اس کو بھی سنت کہتے ہیں اور ان کے نزدیک بھی اس کے سنت

بَابُ اِفْتِرَاشِ الرِّجْلِ الْيُسْرٰى وَالْقُعُوْدِ عَلَيْهَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَتَرْكُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْعَقِبَيْنِ

۴۴۳ ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ۔ دو سجدوں کے درمیان بایاں پاؤں پھیلا کر اس پر بیٹھنا اور ایڑھیوں پر نہ بیٹھنا ۔ ۴۴۳ ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں پھیلا دیتے اور اپنا دایاں

ہونے کا یہ مطلب ہے کہ سجدتین کے درمیان دو طریقے مسنون ہیں افتراش بھی اقعاء کی یہ دوسری صورت بھی

شوافعؒ کا استدلال اور جمہور کا جواب

شوافع حضرات کا مستدل اس باب کی پہلی روایت ۴۴۱ ہے جسے امام مسلم نے طاؤس سے ج ۱ ص ۲۱۲ میں نقل کیا ہے۔

جمہور حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں۔

(ا) کہ علامہ خطابیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ب) بعض حضرات نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ شاید حضرت ابن عباس کو اس کے نسخ کا علم نہ تھا (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۵۷)

(ج) شوافع اور بعض دیگر حضرات اسے اقعاء کی دوسری صورت قرار دے کر بیان جواز پر حمل کرتے ہیں۔

(د) جمہور اس کو عذر پر محمول کرتے ہیں چنانچہ مؤطا امام محمد (باب الجلوس فی الصلوٰۃ) میں حضرت مغیرہ بن حکیم سے مروی ہے فرماتے ہیں رأیت ابن عمر یجلس علی عقبیه بین السجدتین فی الصلوٰۃ فذکرت له فقال انما فعلته منذ اشتکیت اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل اصل میں تو خلاف سنت ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے مرض کی بنا پر ایسا کیا تھا اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ابن عباسؓ کے مقابلہ میں احفظ ہیں اسی باب کی دوسری روایت (۴۴۱) کا محمل بھی یہی ہے۔

قعود بین السجدتین کی تیسری صورت اور جمہور کے دلائل

۴۴۳ تا ۴۴۵ ۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اس کو افتراش کہتے ہیں یہی صورت سب سے اولیٰ ہے

يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ۔ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَهُوَ مُخْتَصَرٌ۔

۴۴۴۔ وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا ثُمَّ يَهْوِي إِلَى الْأَرْضِ فَيُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَقْعُدُ عَلَيْهَا وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ إِذَا سَجَدَ ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ أَكْبَرُ الْحَدِيثَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۴۴۵۔ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ حَكِيمٍ أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرْجِعُ فِي سَجْدَتَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُورِ قَدَمَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ ذُكِرَ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ سُنَّةَ الصَّلٰوةِ وَإِنَّمَا أَفْعَلُ هٰذَا مِنْ أَجْلِ أَنِّي أَشْتَكِي۔ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

پاؤں مبارک کھڑا رکھتے، اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے اور یہ حدیث مختصر ہے۔

۴۴۴۔ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (سجدہ کے لیے) زمین کی طرف جھکے، اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھا پھر اپنا سر مبارک اٹھایا، بایاں پاؤں دوہرا کیا اور اس پر بیٹھ گئے اور جب سجدہ فرمایا اپنے پاؤں مبارک کی انگلیاں کھولیں پھر سجدہ فرمایا پھر اللہ اکبر کہا، آگے پوری روایت بیان کی۔

یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۴۴۵۔ مغیرہ بن حکیم نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، نماز میں دو سجدوں کے درمیان اپنے قدموں کے پنجے پر لوٹ رہے تھے، جب انہوں نے نماز پوری کی، یہ بات ان سے ذکر کی گئی، تو انہوں نے کہا یہ نماز کی سنت نہیں ہے، میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ میں بیمار ہوں۔

یہ حدیث مالک نے مؤطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مصنف کی غرض بھی انعقاد باب سے یہی ہے کہ وہ اس کی افضلیت ثابت کر دیں یہی مسلک جمہور کا ہے باب کی تینوں روایات جمہور کا مستدل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۴۴۳ میں حضرت عائشہؓ نے بین السجدتین خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نقل کیا ہے جو افتراش کا تھا اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ ص ۱۹۵ میں نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا يُقَالُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

۲۴۶- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاٰخَرُوْنَ وَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ۔

باب۔ دو سجدوں کے درمیان جو دعا پڑھی جاسکے۔ ۲۴۶۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (اے اللہ! مجھے معاف فرمادیں مجھ پر رحم فرمادیں میرا نقصان پورا فرمادیں میری رہنمائی فرمادیں اور مجھے رزق عطا فرمادیں)

یہ حدیث ترمذی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

وكان ينهى عن عقبة الشيطان

(۱) دوسرا مستدل ابوحمید ساعدی کی روایت ۲۴۴ ہے جسے ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۰۷ ترمذی ج ۱ صفحہ ۳۸ اور صحیح ابن حبان ج ۳ صفحہ ۱۷ میں مرفوعاً نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ کا معمول بین السجدتین افتراش کا تھا۔

(۲) باب کی آخری روایت ۲۴۵ عبداللہ بن عمرؓ کا عمل اقعاء (دوسری صورت) کی توجیہ خود ان کی زبانی منقول ہے فرماتے ہیں انما هذا من اجل انه اشتكي (موطا امام مالک۔ ج ۱ ص ۷۹)

(۳) خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا لا تقع بين السجدتين (ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ الاقعاء بین السجدتین) تاہم امام ترمذیؒ نے اسی حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کا مدار حارث اعور پر ہے جو ضعیف ہے محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دیگر متعدد روایات سے مؤید ہے جن میں سے بعض صحیح اور حسن بھی ہیں خصوصیت سے ان میں سے ایک روایت مستدرک حاکم کی ہے جو بلاشبہ صحیح ہے نهانى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الاقعاء فى الصلوٰة وانظر لهذه الرواية مويدات اخرى (معارف السنن ج ۳ صفحہ ۲۴) نیز یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے قول سے بھی مؤید ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ کے سوا کوئی بھی اقعاء کا قائل نہیں ہے اور ان کے قول میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ سنت سے مراد عادت عبد کی سنت ہے۔

(۲۴۶) حدیث باب کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ج ۱ صفحہ ۳۸ میں نقل کیا ہے امام نیمویؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور تعلیق الحسن میں اس کے وجوہ ضعف

بَابٌ فِي جَلْسَةِ الْاِسْتِرَاحَةِ بَعْدَ السَّجْدَتَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَالثَّالِثَةِ

۷۴۴۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ۔

باب ۔ پہلی اور تیسری رکعت میں دو سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت ۔ ۷۴۴ ۔ مالک بن الحویرث اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب آپ اپنی

سے تفصیل بحث کی ہے مگر یاد رہے کہ اس حدیث کا تعلق فضائل سے ہے جس میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔
اس کے علاوہ نسائی اور دارمی میں حضرت حذیفہ رضی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اس روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں یہ دعائیہ کلمات تین مرتبہ مذکور ہیں یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعائیں مرتبہ پڑھتے تھے۔

امام کے لیے تنبیہ رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں جو کلمات اور دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اس کا طرز عمل مقتدیوں کے لیے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

حدیث باب کی توضیح فقہی نقطہ نظر سے فقہی نقطہ نظر سے سلسلہ میں دو آراء ہیں (۱) حنابلہ اور شوافع حضرات سجدتین کے درمیان اس ذکر کو فرائض اور نوافل دونوں میں مسنون قرار دیتے ہیں (۲) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فرائض میں کوئی ذکر مسنون نہیں حدیث باب عندھم تطوع پر محمول ہے۔ البتہ بعض حنفیہ حضرات نے فرائض میں بھی اس ذکر کو بہتر قرار دیا ہے کذا فی مالا بد منہ حضرت کشمیری بھی فرماتے ہیں کہ اختلاف سے بچنے کے لیے اس کا پڑھنا بہتر ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہ جائز ہے صرف اس کے سنت ہونے میں اختلاف ہے لہذا سجدتین میں اعتدال اور طمانیت کا یقین حاصل کرنے کے لیے اس کا پڑھنا بہتر ہے وبالاخص فی ھذا العصر الذی قلما یعتنی فیہ بالاطمینان فی الجلسۃ۔ (درس ترمذی)

(۷۴۴) جلسہ استراحت بھی ان مسائل میں سے ہے جن میں ائمہ متبوعین کا اختلاف جواز اور عدم

يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ ۷

نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اٹھتے نہیں تھے، یہاں تک کہ سیدھے بیٹھ جاتے۔"

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے شیخ حمید الدین نے شمس الائمہ سرخسیؒ سے نقل کیا ہے اختلاف مذکور (جلسہ استراحت میں) افضلیت میں ہے نہ کہ جواز میں، جمہورؒ کے نزدیک بھی جلسۂ استراحت اگر کیا جائے تو جائز ہے اور اگر نہ کیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک بھی جائز ہے، جمہورؒ کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون نہیں بلکہ سیدھا کھڑا ہونا افضل ہے حنفیہ کی کتب میں اس کے جواز کی تصریح مذکور ہے چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت کی مقدار بیٹھ جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ائمہ کی حیثیت وہی ہے جو رفع یدین اور قراءت خلف الامام میں ہے طلبہ کی فکری تربیت اور اصل حقیقت کے اظہار کے لیے یہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد نقل کردیا ہے جو نافع رہے گا فرماتے ہیں۔

میری طبیعت اس (مسئلہ رفع الیدین وغیرہ جیسے معرکۃ الآراء مسائل) میں لگتی نہیں اس لیے تم جو اپنے اساتذہ کے ہاں سنتے چلے آئے ہو وہی بحثیں بار بار کیا کریں اس میں دو تین دن خرچ کرو پھر کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا طبیعت تو تراجم بخاری میں لگتی ہے اور اصل وجہ یہ ہے کہ میں نے ۱۳۴۴ھ میں جب مشکوٰۃ شریف پڑھائی تو میں نے مسائل مختلف فیہا تلاش کئے اس میں مجھے صرف چار رکعات میں دو سو سے زائد اختلافات ملے اور وہ سارے اس سلسلہ میں تھے کہ فلاں چیز فلاں امام کے یہاں اولیٰ ہے اور فلاں کے یہاں نہیں اور یہ چیز ان کے یہاں مستحب ہے اور ان کے یہاں مستحب نہیں اور ایک چیز ایک کے یہاں سنت ہے تو دوسرے کے یہاں مسنون نہیں ان ہی میں رفع یدین ہے آمین بالجہر ہے فاتحہ خلف الامام ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان ہی چند کی کیا خصوصیت ہے اور باقی کے متعلق کیوں کلام نہیں کرتے کیا وجہ ہے کہ یہی چند مسائل معرکۃ الآراء بن گئے ہیں سنو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ نا اہلوں کے ہاتھ میں آگیا علامات قیامت کی احادیث میں ایک حدیث ہے اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ اور

ہمارے اکابرین میں سے بعض نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی نااہل کے زیر نگرانی آ جائے بس اس کی قیامت آ گئی اسی طرح بیان بھی ہو رہا ہے آتنا اختلاف کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کر گزرتے ہیں۔ (تقریر بخاری جلد سوم ص۹۱)

بیان مذاہب

جلسہ استراحت کے بارے میں شارحین حدیث نے دو مشہور مسلک نقل کئے ہیں۔

(۱) ائمہ متبوعین میں صرف امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے فراغت کے بعد جلسہ استراحت مسنون ہے ابن بنت تمیمؒ کی نوادر الفقہاء میں ترک جلسہ استراحت کی افضلیت پر اجماع نقل کیا گیا ہے صرف امام شافعیؒ کا اختلاف بتایا گیا ہے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون نہیں اس کے بجائے سیدھا کھڑا ہو جانا افضل ہے یہی حضرت ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابوسعید خدریؓ اور ابن الزبیرؓ کا مختار ہے اکثر صحابہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے امام احمدؒ سے بھی مشہور روایت ترک جلسہ استراحت کا ترک ہی منقول ہے خود امام احمدؒ کا قول ہے کہ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے البتہ حافظ ابن حجرؒ، قاضی شوکانیؒ اور ابن القیمؒ وغیرہ نے جلسہ استراحت کے اثبات کی طرف امام احمدؒ کا رجوع نقل کیا ہے سو ہو سکتا ہے کہ آخر عمر میں امام احمدؒ نے ضعف کے باعث جلسہ استراحت کیا ہو جس کو ان حضرات نے رجوع بنا لیا ورنہ ظاہر ہے اگر ان کا رجوع ہوتا تو ان کے اصحاب جلسہ استراحت کو کیوں ترک کرتے۔ اس بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ رجوع عدم جواز سے جواز کی طرف تھا نہ کہ جواز سے سنیت کی طرف۔ بہرکیف ائمہ ثلاثہ بلکہ جمہور کے نزدیک اسی کا ترک ہی مختار ہے۔

امام عبدالبرؒ کی توضیح مذاہب

امام ابن عبدالبرؒ التمہید میں لکھتے ہیں۔

"اختلف الفقهاء في النهوض عن السجود فقال مالكؒ والاوزاعيؒ والثوريؒ وابوحنيفةؒ واصحابهٗ ينهض على صدور قدميه ولا يجلس وقال النعمان بن ابي عياش ادركت غير واحد من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يفعل ذالك وقال ابوالزناد ذالك السنة وبه قال احمدؒ وابن راهويهؒ وقال احمدؒ واكثر الاحاديث يدل على هذا كذا في العيني ص۹۹ وقال ابن الهمامؒ و قول الترمذيؒ العمل عليه عند اهل العلم يقتضي قوة اصله وان ضعف خصوص هذا الطريق ولان فيه خالد بن اياس - ضعفه) واخرج ابن ابي شيبة عن ابن مسعودؓ

اذ کان ینہض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ ولم یجلس واخرج نحوہ عن علیؓ وکذا عن ابن عمرؓ وابن الزبیرؓ وکذا عن عمرؓ فقد اتفق اکابر الصحابۃؓ الذین کانوا اقرب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم من مالکؓ بن الحویرث فوجب تقدیمہ ویحمل ماروا ہ علی حالۃ الکبر۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۲۷۲ وکذا فی ھامش البخاری ج ۱ ص۱۱۳ ص۱۱۴)۔

امام شافعیؒ کے دلائل اور جمہور کے جوابات

باب ہذا کی روایت یہ امام شافعیؒ کا قوی اور واحد مستدل ہے جسے مالک بن الحویرث رضؓ نے روایت کیا ہے امام بخاریؒ نے ج ۱ ص۱۱۳ میں اس کی تخریج کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ جلسہ استراحت منقول ہے لم ینہض حتی یستوی قاعداً وفی ھامش البخاری ج ۱ ص۱۱۳ وفیہ دلیل للشافعیۃ علی ندبیۃ جلسۃ الاستراحۃ۔

جمہور اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جلسہ بظاہر کبر سنی اور مشقتِ قیام کی وجہ سے تھا اس لیے نہ تھا کہ جلسۂ استراحت بھی نماز کا فعل ہے اور نہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ تھی علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ھذا محمول عند الحنفیہ علی حالۃ الکبر (عمدۃ القاری ج ۶ ص۹۹)

چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا تھا لا تبادرونی بالقیام والقعود فانی قد بدنت کہ اب میرا بدن بھاری ہوگیا ہے لہذا قیام وقعود کے وقت مجھ سے سبقت نہ کرو۔

حضرت ابن عمر رضؓ نے بھی یہ صورت اپنے بدن کے بھاری ہونے کے عذر کی وجہ سے اختیار کی تھی۔

(۲) مالک بن الحویرثؓ نو عمر تھے ونحن شببۃ متقاربون (بخاری ج ۱ ص۸۸) اور وہ بھی صرف بیس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے (بخاری ج ۱ ص۸۸)، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۲ ص۱۲۵ میں لکھتے ہیں مالک بن الحویرث قدم المدینۃ حین التجہیز للتبوک فاقام عندہ عشرین لیلۃ اور غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا تھا اس وقت حضورؐ کی عمر ۶۲ سال تھی ضعف و کمزوری اور بڑھاپے کا زمانہ تھا۔

لہذا وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اس کو نماز کا ایک فعل سمجھے اور وہ اسی پر عمل پیرا رہے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دائماً رہنے والے صحابہ کرام رضؓ اس کارروائی کو آپؐ کے

بَابٌ فِيْ تَرْكِ جَلْسَةِ الْاِسْتِرَاحَةِ

۸۴۴۔ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ

باب۔ جلسہ استراحت نہ کرنا۔ ۸۴۴۔ عکرمہ نے کہا میں نے مکہ کے شیخ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے

ضعف اور کمزوری پر عمل کرتے رہے۔ والحق معھم۔

(۳) قائلین جلسۂ استراحت کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن الحویرث صلوا کما رأیتمونی اصلی پر عمل پیرا تھے جمہور جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن الحویرث حدیث کے مذکورہ عموم لفظ سے جلسۂ استراحت کو بھی نماز کا ایک فعل سمجھتے رہے حالانکہ جلسۂ استراحت نماز کا فعل نہیں ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئ صلوٰۃ کو دوسرے سجدے کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا ہے اور آپ کا قول امت کے لیے قانون کا حکم رکھتا ہے یہ اس بات کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ جلسۂ استراحت صلوا کما الخ کے حکم اور مفہوم میں ہرگز داخل نہیں ہے البتہ دیگر افعال میں تشبیہ ہے جب کہ تشبیہ میں من کل الوجوہ مشابہت شرط نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں قلت التشبیہ لا عموم لہ فلا یلزم ان یکون فی جمیع الاجزاء (شرح نخبۃ الفکر ص)

(۴) علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں ابو عبدالملک کا قول نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے جلسۂ استراحت والی بات کیا اہل مدینہ سے مخفی رہتی جب کہ انہوں نے دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ و تابعینؒ نے بھی ان کو نمازیں پڑھائی ہیں ایسی بڑی بات ان سب سے چھپی رہتی؟ یہ بہت ہی مستبعد امر ہے۔

(۵) علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ نے اپنے رسالہ الاسوس فی کیفیۃ الجلوس میں محب الدین عبدالسلام بن تیمیہ کی شرح ہدایہ ابی الخطاب سے نقل کیا ہے ان الصحابۃ قد جمعوا علی ترک جلسۃ الاستراحۃ فلاجرم یحمل حدیث مالک علی العذر علامہ موفق حنبلیؒ بھی فرماتے ہیں کہ جمع بین الاخبار اور توسط بین القولین کے لیے حدیث مالک بن الحویرثؓ کو حالت عذر پر محمول کرنا ہی بہتر ہے۔

جمہور کے دلائل اور وجوہ ترجیح (۸۴۴ تا ۸۵۲) باب ہذا کی غرض انعقاد امام مالکؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ اور جمہور فقہاء کے مسلک

تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

قَالَ النِّيمَوِيُّ يُسْتَفَادُ مِنْهُ تَرْكُ جَلْسَةِ الْاِسْتِرَاحَةِ وَإِلَّا لَكَانَتِ التَّكْبِيْرَاتُ أَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً لِأَنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَقِيَامٍ وَقُعُوْدٍ

بائیس تکبیریں کہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا بلاشبہ یہ بیوقوف شخص ہے، تو حضرت ابن عباس رضی نے کہا، تجھے تیری ماں گم پائے۔ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا، اس سے جلسہ استراحت کا ترک کرنا سمجھا جاتا ہے، ورنہ تکبیریں چوبیس مرتبہ ہوتیں، اس لیے کہ تحقیق سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکتے، اُٹھتے، قیام اور بیٹھتے وقت تکبیر کہتے۔

افضلیتِ ترکِ جلسۂ استراحت کے دلائل کا بیان ہے۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۸۴۴ حضرت عکرمہ سے منقول ہے جس کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے اس روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان باب التکبیر اذا قام من السجود ج ۱ ص۱۰۱ میں نقل کیا ہے، جس میں حضرت ابن عباسؓ نے بائیس تکبیرات ہی کو سنۃ ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا امام نیمویؒ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اگر جلسۂ استراحت مسنون ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول كان يكبر فی کل خفض و رفع و قیام و قعود کے مطابق تکبیرات چوبیس قرار پاتیں مگر اس کے باوجود بائیس تکبیرات ہوئیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ جلسۂ استراحت افعالِ صلوٰۃ سے نہیں ہے۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت ۹۴۴ جسے امام ابوداؤدؒ نے کتاب الصلوٰۃ باب افتتاح الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۰۷ میں نقل کیا ہے جس میں راوی عباس یا عیاش ہے کے والد سہل السعدی۔

جو جلیل القدر صحابہ سے تھے حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوحُمید الساعدیؓ حضرت ابواُسیدؓ نے ایک حدیث

۴۴۹۔ وَعَنْ عَبَّاسٍ اَوْ عَيَّاشِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ فِيْهِ اَبُوْهُ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَجْلِسِ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبُوْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبُوْ اُسَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَفِيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۴۴۹۔ عباس یا عیاش بن سہل الساعدی سے روایت ہے کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں میرے والد جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ میں سے تھے "بھی موجود تھے اور اسی مجلس حضرت ابوہریرہؓ ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ اور ابواسید رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے حدیث بیان کی، اس میں یہ بھی بیان کیا کہ "پھر آپ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی تو کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بیان کی جس میں صراحۃً ولم یتورک کی تصریح ہے جس کا واضح ترین مدلول ترک جلسۂ استراحت ہے جیسا کہ تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے

(۳) امام نیمویؒ نے عبدالرحمٰن بن غنم کی روایت ۴۵۰ میں حضرت ابومالک الاشعریؓ کی وہ تفصیلی تعلیم درج کی ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے رجال و نساء کو جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتائی جس میں جلسۂ استراحت نہیں ہے آخر میں حضرت ابومالک الاشعریؓ نے فرمایا احفظوا تکبیری وتعلموا رکوعی وسجودی فانہا صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی کان یصلی لنا کذا لساعۃ من النہار (مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

(۴) اس روایت (۴۵۱) میں نعمان بن عیاش اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں جنہوں نے متعدد صحابہ کرام کو دیکھا تھا فرماتے ہیں کہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے اٹھتے وقت کسی بھی صحابیؓ کو جلسہ استراحت کرتے نہیں دیکھا قام کما ھو ولم یجلس اس روایت کو ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف کتاب الصلوٰۃ باب من کان یقول اذا رفعت راسک من السجدۃ الثانیہ الخ ج ۱ ص ۳۹۴ میں نقل کیا ہے۔

(۵) روایت نمبر ۴۵۲ اور ۴۵۳ میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے معمولات منقول

۴۵۰۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ اَنَّ اَبَا مَالِكٍ الْاَشْعَرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَمَعَ
قَوْمَهٗ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ اجْتَمِعُوْا وَاجْمَعُوْا نِسَاءَكُمْ وَاَبْنَاءَكُمْ اُعَلِّمْكُمْ
صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى لَنَا بِالْمَدِيْنَةِ فَاجْتَمَعُوْا وَاَجْمَعُوْا نِسَاءَهُمْ
وَاَبْنَاءَهُمْ فَتَوَضَّاَ وَاَرَاهُمْ كَيْفَ يَتَوَضَّاُ فَاَحْصَى الْوُضُوْءَ اِلٰى اَمَاكِنِهٖ حَتّٰى لَمَّا اَنْ
فَاءَ الْفَيْءُ وَانْكَسَرَ الظِّلُّ قَامَ فَاَذَّنَ فَصَفَّ الرِّجَالَ فِيْ اَدْنَى الصَّفِّ وَصَفَّ الْوِلْدَانَ
خَلْفَهُمْ وَصَفَّ النِّسَاءَ خَلْفَ الْوِلْدَانِ ثُمَّ اَقَامَ الصَّلٰوةَ فَتَقَدَّمَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَكَبَّرَ
فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ يُسِرُّهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ

۴۵۰۔ عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا،
اے اشعریین کی جماعت! خود بھی جمع ہو جاؤ، اپنی عورتوں اور بیٹوں کو بھی جمع کر لو میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتا ہوں جو آپ نے ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھائی، چنانچہ قبیلے کے لوگ خود بھی جمع ہو گئے،
اپنی عورتوں اور بیٹوں کو بھی جمع کر لیا، انہوں نے وضو کیا اور انہیں دکھایا کہ آپ کیسے وضو فرماتے تھے، تو پھر
اعضاء وضو کو مکمل طور گھیرا اچھی طرح دھویا، اور جب سایہ بڑھنے لگا اور سایۂ اصلی ٹوٹا تو انہوں نے کھڑے
ہو کر اذان کہی، پھر پہلی صف میں مردوں نے صف بنائی ان کے پیچھے بچوں نے اور عورتوں نے بچوں کے
پیچھے صف بنائی، پھر نماز کی اقامت کہی، تو وہ آگے بڑھ گئے، پھر ہاتھوں کو اٹھا کر تکبیر کہی، پھر سورۂ فاتحہ اور
ایک اور سورۃ پڑھی، دونوں کو آہستہ پڑھا، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا تو۔

ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی جلسۂ استراحت نہیں کیا عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت کو السنن الکبریٰ
کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص۱۲۵ باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ اور مجمع الزوائد ج
۲ ص۱۳۶ میں نقل کیا ہے اور وہب بن کیسان کی روایت کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف ج ۱ ص۳۹۴
باب من کان ینہض علی صدور قدمیہ میں تخریج کیا ہے۔

(۲) ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ینہض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ قال ابو عیسٰی حدیث ابی ہریرۃؓ علیہ العمل
عند اهل العلم یختارون ان ینہض الرجل فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ وخالد بن
ایاس ضعیف عند اهل الحدیث۔

وَبِحَمْدِهٖ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَاسْتَوٰى قَائِمًا ثُمَّ كَبَّرَ وَخَرَّ سَاجِدًا ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا فَكَانَ تَكْبِيْرُهٗ فِيْ أَوَّلِ رَكْعَةٍ سِتَّ تَكْبِيْرَاتٍ وَكَبَّرَ حِيْنَ قَامَ إِلَى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ أَقْبَلَ إِلٰى قَوْمِهٖ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ احْفَظُوْا تَكْبِيْرِيْ وَتَعَلَّمُوْا رُكُوْعِيْ وَسُجُوْدِيْ فَإِنَّهَا صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ كَانَ يُصَلِّيْ لَنَا كَذَا السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہم اللہ تعالیٰ جملہ عیوب سے منزہ ہے اور ہم اس کی تعریف کرتے ہیں تین بار کہا، پھر کہا، سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور سیدھے کھڑے ہو گئے، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ میں چلے گئے پھر تکبیر کہی، تو اپنا سر اٹھایا، پھر تکبیر کہی تو سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی تو سیدھے اٹھ کھڑے ہوئے، تو ان کی تکبیریں پہلی رکعت میں چھ تکبیریں تھیں اور جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے، تو تکبیر کہی، جب انہوں نے اپنی نماز پوری کی تو قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا، میری تکبیر یاد کر لو، میرا رکوع اور سجود سیکھو لو، بلاشبہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اسی وقت پڑھاتے تھے۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

خالد بن ایاس کی تضعیف اور جمہور کا جواب

امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے ابن عدیؒ نے الکامل میں بخاریؒ نسائیؒ احمدؒ اور ابن معینؒ سے اس کی تضعیف نقل کی ہے تہذیب التہذیب میں ہے کہ خالد بن ایاس کو امام احمدؒ نے متروک الحدیث، ابن معینؒ نے لیس بشئ، ابو حاتم نے ضعیف منکر الحدیث اور ابوزرعہ نے غیر قوی کہا ہے ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس کی تمام احادیث غرائب و مناکیر ہیں ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے بھی موضوعات نقل کرتا ہے۔

حافظ برہان الدین حلبی کتاب الاغتباط عمن رمی بالاختلاط میں کہتے ہیں کہ اس کی تضعیف تو مشہور ہے مگر جمہور کہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اسی حدیث کی تخریج کے بعد یہ بھی کہا ہے علیہ العمل عند اهل العلم معلوم ہوا کہ اصل حدیث بجائے خود قوی ہے اگرچہ مذکورہ خاص طریق سے ضعیف ہے۔ (اشار الیہ ابن الہمام فی الفتح) علامہ عینیؒ بنایہ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ ضعیف بھی ہو تو یہ ان آثار سے

۴۵۱- وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ قَالَ أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَّالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ۔ رَوَاهُ أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۴۵۲- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ رَمَقْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الصَّلٰوةِ فَرَأَيْتُهُ يَنْهَضُ وَلَا يَجْلِسُ قَالَ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى وَالثَّالِثَةِ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي السُّنَنِ الْكُبْرٰى وَصَحَّحَهُ۔

۴۵۱- نعمان بن ابی عیاش نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ کو دیکھا، جب وہ پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تو وہیں سے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور بیٹھتے نہیں تھے۔ یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۴۵۲- عبدالرحمن بن یزید نے کہا: میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں غور سے دیکھا، میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کھڑے ہوتے اور بیٹھتے نہیں، راوی نے کہا: وہ پہلی اور تیسری رکعت میں اپنے قدموں کے بل اٹھ کھڑے ہوتے۔
یہ حدیث طبرانی نے کبیر اور بیہقی نے سنن الکبریٰ میں نقل کی ہے اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مؤید ہے جو اسی بات میں مروی ہیں جنہیں ہمارے مصنف علامؒ نے بھی اس باب میں درج کردیا ہے شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے بھی تعامل صحابہ سے مؤید ہے اس لیے قابل قبول ہے پھر صحابہ میں ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے جبال علم و فضل ہیں جو مالک بن الحویرثؓ کے مقابلہ میں حضورؐ کی صحبت سے زیادہ مستفید ہوئے۔

(۲) جمہور کا استدلال صحیح بخاری (ج ۲ ص۹۸۶) میں مسیء الصلوٰۃ کی حدیث سے بھی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلاد بن رافعؓ کو نماز کا صحیح طریقہ بتاتے ہوئے سجدہ کی تعلیم کے بعد فرمایا ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم افعل ذلك فی صلوتك كلها اس میں آپؐ نے دوسرے سجدہ کے بعد نماز کی ہر رکعت میں سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا اور بیٹھنے کا ذکر نہیں فرمایا قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ والی رکعتوں کو خارج کرنے کے بعد ظاہر ہے کہ یہ حکم پہلی اور تیسری رکعت پر لگے گا۔

۴۵۳۔ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الثَّانِيَةَ قَامَ كَمَا هُوَ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ۔ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۵۳۔ وہب بن کیسان نے کہا میں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب انہوں نے دوسرا سجدہ کیا، تو اپنے پاؤں کے بل جیسے تھے کھڑے ہو گئے۔

یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۸) علاوہ ازیں حضرت ابو حمید الساعدیؓ نے دس صحابہ کرامؓ کی جماعت میں بڑی ذمہ داری سے انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے آپؐ کی نماز کا جو طریقہ بتایا اس میں دوسرے سجدے کے بعد فرمایا ثم کبر فقام ولم یتورک (الحدیث) (ابوداؤد ج ۱ ص۱۰۶ طحاوی ج ۱ ص۱۲۶) اور یہ بھی یاد رہے کہ اس کی سند میں نہ تو عبد الحمید بن جعفر ضعیف راوی ہے اور نہ یہ منقطع ہے۔

عقلی استدلال

(۹) احناف جلسۂ استراحت کے مسنون نہ ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ قعدہ استراحت کے لیے ہے اور نماز استراحت و آرام کے لیے موضوع نہیں ہے اس پر چار رکعت والی نماز کے قعدہ اولیٰ سے اشکال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی قعدہ استراحت ہے حالانکہ قعدہ اولیٰ واجب ہے جواب یہ ہے کہ پہلی دو رکعت میں قیام وغیرہ ارکان کی ادائیگی کے بعد تھک جانا اور فتور رغبت کا عارض ہونا غیر اختیاری چیز ہے اس لیے شارع علیہ السلام نے عام رعایت سے دو رکعت پر قعدۂ استراحت کا حکم دیا ہے۔

(۱۰) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی امام نیمویؒ کی طرح بات کی ہے صاحب انوار الباری نے ان سے نقل کیا ہے کہ جلسۂ استراحت کو اختیار کرنا اس لیے بھی محل تامل ہے کہ جلسہ کے بعد اگر اٹھتے ہوئے تکبیر نہ کہے گا تو خلاف سنت معہودہ ہوگا کیونکہ ہر رفع و خفض میں تکبیر ہے اگر کہے گا تو بائیس تکبیرات مقررہ سے تعداد بڑھ جائے گی اور اگر سجدہ سے اٹھتے ہوئے جو تکبیر کہی تھی اس کو اتنا طویل کرے گا کہ وہ جلسہ میں بھی رہے اور اس کے اٹھنے کے وقت تک چلتی رہے (جیسا کہ شوافع نے تاویل کی ہے) تو اس میں دشواری ہے شاہ صاحبؒ نے مزاحاً یہ بھی فرمایا کہ اتنی لمبی چوڑی والی تکبیر شاید مصری لہجہ کی ہوگی۔

بَابُ اِفْتِتَاحِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ

٤٥٤ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب - دوسری رکعت کو قراءۃ سے شروع کرنا - ٤٥٤ - حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت میں اٹھتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے قراءۃ شروع فرماتے اور سکوت نہیں فرماتے تھے (یعنی کھڑے ہوتے ہی قراءۃ شروع فرما دیتے)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

---

(٤٥٤) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب ایثال بین تکبیرۃ الاحرام والقراءۃ ج ١ ص ٢١٩ میں نقل کیا ہے۔

جو اس بات کا واضح مدلول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت شروع فرماتے ثنا و تعوذ اور تسمیہ پڑھے بغیر سورۃ فاتحہ سے قراءت شروع کر دیا کرتے تھے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

يفعل فی الركعة الثانية مثل ما فعل فی الركعة الاولی [illegible] الا انه لا يستفتح ولا يتعوذ لانهما لم يشرعا الا مرة واحدة یعنی دوسری رکعت میں وہی کچھ کرے جو پہلی رکعت میں کیا ہے کیونکہ جو ارکان و واجبات اور سنن و آداب وغیرہ اعمال پہلی رکعت میں کر چکا ہو دوسری رکعت میں بھی کرے البتہ تعوذ و ثنا نہ پڑھے کیونکہ یہ دونوں صرف ایک بار مشروع ہیں ثنا اول صلوۃ میں اور تعوذ اول قراءت میں فلا يبتدئ الا بتبدل المجلس جیسا کہ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت سے یہی ثابت ہے اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسملہ بھی نہیں پڑھتے تھے اور ظاہر مذہب بھی یہی ہے جیسا کہ حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام صاحب سے روایت کیا ہے اور امام صاحب سے امام ابویوسف رحمہ اللہ کی روایت اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ ہر رکعت میں بسملہ پڑھے اور یہی احوط ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّوَرُّکِ

۴۵۵۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَآءٍ اَنَّهٗ كَانَ جَالِسًا فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَا صَلٰوةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

باب۔ جو روایات تورک کے بارہ میں آئی ہیں۔ ۴۵۵۔ محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کرام کی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

کیفیاتِ جلوس اور تعددِ جلسات

(۴۵۵) نماز میں جلوس کی کیفیات مختلف ہیں (۱) تربیع یعنی چار زانو ہوکر بیٹھنا (۲) اضجاع القدمین یعنی قدمین کو جھکا کر ان پر بیٹھنا (۳) اقعاء یعنی پنڈلیاں کھڑی کرکے دسرین زمین سے لگاکر بیٹھنا (۴) تورک یعنی بائیں کولھے پر بیٹھنا اور دونوں پاؤں دائیں جانب باہر نکال لینا جیسا کہ حنفی عورتیں بیٹھتی ہیں یا دایاں پاؤں کھڑا کرکے بایاں پاؤں دیچھے کو ہٹا کر زمین پر بیٹھنا (۵) افتراش یعنی دایاں پاؤں کھڑا کرکے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا۔

پھر نماز میں جلسات بھی متعدد ہیں (۱) دونوں سجدوں کے درمیان (۲) سجدۂ ثانیہ کے بعد قیام کے وقت (۳) ثلاثی اور رباعی نماز کی دوسری رکعت کے سجدۂ دوم کے بعد (۴) تیسری رکعت میں سجدۂ ثانیہ سے رفع کے بعد قیام کے وقت (۵) آخری رکعت میں رفع کے بعد تشہد کے وقت۔

تربیع، اضجاعِ قدمین اور اقعاء کا حکم

جلوس کی پہلی کیفیت یعنی تربیع کے متعلق حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ انسؓ جعفر بن محمدؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات متربع یعنی چار زانو ہوکر بیٹھتے تھے لیکن عام اہل علم کے نزدیک بلا عذر یہ کیفیت تمام جلسات میں مکروہ ہے اسی طرح اضجاع قدمین بھی تمام جلسات میں بلا خلاف مکروہ ہے صرف امام نوویؒ نے روضہ میں جلوس بین السجدتین کی بابت ایک شاذ اور ضعیف وجہ ذکر کی ہے اسی طرح اقعاء بھی جمہور اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے جس کی تفصیلی بحث گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔

تورک اور افتراش میں بیان مذاہب

اب دو کیفیتیں باقی رہیں ایک تورک اور ایک افتراش ان کے بارے میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے قعدہ کی ان دونوں حیثیتوں افتراش اور تورک کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور دونوں احادیث سے ثابت ہیں

أَبُوْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ

نماز کا ذکر کیا از حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم میں سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو زیادہ یاد رکھنے والا ہوں میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ جب تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں سے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر لگا دیتے، پھر آپ اپنی پشت مبارک کو ہموار کر دیتے پھر جب آپ اپنا سر مبارک اٹھاتے، تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ کمر کی ہر

---

(۱) حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لیے افتراش مسنون ہے اور یہ ہر جلسہ کے لیے ہے خواہ قعدۂ اولیٰ ہو یا اخیرہ یا سجدتین کے درمیان ہو ہر قعود میں افتراش افضل ہے جب کہ عورتوں کے لیے ہر جلسہ میں تورک مسنون ہے اور مردوں کے لیے تورک مکروہ ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول سفیان ثوریؒ ابن المبارکؒ اور اہل کوفہ کا ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک ہر جلسہ میں تورک افضل ہے اس حکم میں مردوں اور عورتوں کا بھی کوئی فرق نہیں ہے البتہ بعض مالکیہ نے دونوں تشہد کے جلسوں میں حنفیہ کی طرح مردوں کے لیے افتراش کو اختیار کیا ہے۔

(۳) شوافع کے نزدیک جس قعدہ کے بعد سلام ہو اس میں تورک ہے اور جس قعدہ میں سلام نہ ہو اس میں حنفیہ کی طرح افتراش افضل ہے یعنی نماز صبح و جمعہ کے جلسہ تشہد میں شافعی ان کے یہاں تورک ہوگا۔ کیونکہ وہ آخری تشہد ہے اور اس کے بعد سلام ہے۔

(۴) امام احمد کے نزدیک ثنائی یعنی دو رکعت والی نماز میں افتراش افضل ہے اور ثلاثی و رباعی نماز کے صرف قعدۂ اخیرہ میں تورک افضل ہے۔

تورک کی تین صورتیں پھر کیفیت جلوس کی بابت احادیث میں جو تورک آیا ہے اس کی کیفیت بھی مختلف ہے۔

(۱) پہلی صورت تو وہ ہے جو سنن ابو داؤد کی روایت ابن لہیعہ عن یزید بن ابی حبیب

بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

ہڈی اپنی جگہ آجاتی، پھر جب آپ سجدہ فرماتے تو ہاتھ اس طرح رکھتے کہ نہ بچھے ہوتے نہ سمیٹے ہوئے اور اپنے پاؤں مبارک کی انگلیاں قبلہ رُخ کرتے اور جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر دیتے، اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کر دیتے اور دوسرا پاؤں کھڑا کر دیتے اور اپنا جسم اطہر زمین پر ٹکا دیتے۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

میں مذکور ہے " فاذا کانت الرابعۃ افضی بورکہ الیسری الی الارض و اخرج قدمیہ من ناحیۃ واحدۃ " کہ آپ چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو اپنی بائیں سرین زمین سے لگاتے اور دونوں پاؤں ایک طرف نکال بیٹھتے تھے، امام شافعیؒ کے یہاں تورک کی یہی کیفیت معمول بہا ہے، چنانچہ کتاب الام میں ہے " فاذا جلس فی الرابعۃ اخرج رجلیہ معًا من تحتہ وافضی بالیتیہ الی الارض " اس ہیئت پر دایاں پاؤں بھی بائیں پاؤں کی طرح زمین پر بچھ جائے گا۔

(۲) تورک کی دوسری کیفیت سنن ابوداؤد میں روایت عیسٰی بن عبداللہ بن مالک عن عباس او عیاش بن سہل میں مذکور ہے " فتورک ونصب قدمہ الاخری " کہ آپ سرین پر بیٹھے اور دوسرے قدم کو کھڑا کیا۔ دو سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں یہی تورک آیا ہے، مگر امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں، بلکہ اس کو امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے اور آپ کے یہاں تمام جلسوں میں تورک کی یہی کیفیت معمول بہا ہے۔

(۳) تورک کی تیسری کیفیت وہ ہے جس کو امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابن الزبیرؓ سے قعدہ اخیرہ سے متعلق روایت کیا ہے " انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجعل قدمہ الیسری بین فخذہ وساقہ ویفرش قدمہ الیمنی " کہ آپ بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان رکھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

قائلین تورک کے دلائل اور جوابات | باب ہذا کی حضرت ابوحمید ساعدی والی روایت ۵۵

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ عَدَمِ التَّوَرُّكِ

۴۵۷ـ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَآءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ

باب۔ تورک نہ کرنے کے بارہ میں جو روایات آئی ہیں۔ ۴۵۷۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ نماز شروع فرماتے اور قراءۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع فرماتے، اور آپ جب رکوع فرماتے، تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے اور نہ جھکاتے اور لیکن اس کے درمیان رکھتے اور جب اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو سجدہ نہ فرماتے، جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب آپ سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ فرماتے، جب تک کہ

قائلین تورک کا قوی مستدل یہی روایت ترمذی ج ۱ ص۶۷ باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ میں بھی آئی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں حتی کانت الرکعۃ التی تنقضی فیھا صلوتہ اخر رجلہ الیسری وقعد علی شقہ متورکا ثم سلم امام طحاوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے اگرچہ اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دیا ہے شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۲۷ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ کیف ھو، مگر آثار السنن کے باب ہذا کی یہ روایت صحیح بخاری سے نقل کی گئی ہے اور یہ اعتراضات کے ان کے تمام وجوہ سے خالی ہے جو امام طحاوی ترمذی کی روایت پر بیان کیے ہیں لہٰذا قابل استدلال ہے لہٰذا اس کا صحیح جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ یا تو حالت عذر پر محمول ہے یا بیان جواز پر اور اختلاف چونکہ محض افضلیت میں ہے اس لیئے بیان جواز کچھ بعید نہیں البتہ عورت کے لیے تورک اس لیے افضل قرار دیا گیا ہے کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

قائلین افتراش کے دلائل اور وجوہ ترجیح

(۴۵۶ تا ۴۵۸) (۱) باب کی پہلی روایت (۴۵۶) صحیح مسلم ج ۱ ص۱۹۴ میں حضرت عائشہ رضی سے منقول ہے جس میں تصریح ہے کہ وکان یفرش رجلہ الیسری وینصب رجلہ الیمنی۔

يَسْجُدُ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَلتَّحِيَّةَ وَكَانَ يُفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطٰنِ وَيَنْهٰى اَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵۴۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَعَدَ وَتَشَهَّدَ فَرَشَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْاَرْضِ وَجَلَسَ عَلَيْهَا رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَالطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

سیدھے بیٹھ جاتے، اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے اور آپ بایاں پاؤں مبارک بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے، اور آپ شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے، اور آپ اس سے بھی منع فرماتے کہ آدمی درندے کی طرح اپنے بازو بچھا دے، اور آپ اپنی نماز سلام کے ساتھ ختم فرماتے تھے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۷۵۴۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا تو اپنا بایاں پاؤں مبارک زمین پر بچھا دیا اور اس پر بیٹھ گئے۔
یہ حدیث سعید بن منصور اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت (۷۵۴) قوی مستدل ہے جس میں تصریح ہے کہ و تشھد فرش قدمه الیسری علی الارض وجلس علیھا اس روایت کو امام طحاویؒ نے (ج ۱ ص۱۵۲ باب صفة الجلوس) میں تخریج کیا ہے ان کے علاوہ سنن سعید بن منصور، ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے نقل کیا ہے امام ترمذیؒ اس کو تخریج کرنے کے بعد فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ عند اکثر اھل العلم وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک واھل الکوفہ شوافع حضرات اسی حدیث کو قعدۂ اولیٰ پر محمول کرتے ہیں لیکن یہ تاویل بعید ہے کیونکہ اس میں حضرت وائل کا فرمان لانظرن الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی) آپ کی نماز کو اہتمام کے ساتھ دیکھنے پر دلالت کرتا ہے لہذا اگر دونوں قعدوں میں ہیئت کے اعتبار سے کچھ فرق ہوتا تو حضرت وائلؓ اسے ضرور بیان کرتے لہذا شافعیہ کی یہ جواب بھی مفید استدلال نہیں ہے۔

۴۵۸- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ تُنْصَبَ الْقَدَمُ الْيُمْنٰى وَاسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى - رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

8

۴۵۸- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "نماز کی سنت میں سے یہ بھی ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرنا اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ کرنا، اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا"
یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت (۴۵۸) میں سنۃ الصلوٰۃ قرار دیا گیا ہے اس روایت کو امام نسائی نے اپنی سنن کتاب الافتتاح باب الاستقبال باطراف اصابع القدم..... ج ۱ ص ۱۷۳ میں نقل کیا ہے۔

(۴) نسائی میں حضرت میمونہؓ سے روایت ہے قالت کان اذا سجد جوی بیدیہ وانا قعد اطمأن علی فخذہ الیسری۔

(۵) طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتشہد فی الصلوٰۃ اذا جلس علی ورکہ الیسری اسی طرح امام احمدؒ نے ثقہ رجال کی اسناد کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ ہی سے روایت کیا ہے علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشہد فی وسط الصلوٰۃ وفی آخرھا فکان یقول اذا جلس فی الصلوٰۃ وفی آخرھا علی ورکہ الیسری التحیات للہ الخ۔

(۶) اعلاء السنن میں مستدرک حاکم اور سنن بیہقی کی یہ حدیث بھی استدلال میں ذکر کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے تورک فی الصلوٰۃ مکروہ ہے اور تشہدین کے جلسوں میں کوئی فرق اس بارے میں نہیں ہے کیونکہ نماز کا لفظ عام ہے تو جس طرح اقعاء سب کے نزدیک نماز میں مکروہ ہے اسی طرح تورک بھی مردوں کے لیے مکروہ ہونا چاہیے اور جس حدیث سے تورک ثابت ہو اس کو عذر پر محمول کرنا چاہیے اس لیے کہ جب ممانعت و اباحت ایک ہی چیز کے لیے وارد ہوں تو ممانعت کو ترجیح ہوتی ہے اور اباحت کو کسی ضرورت یا عذر کی حالت پر محمول کرنا بہتر ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّشَهُّدِ

۴۵۹۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

باب۔ جو روایات تشہد کے بارہ میں آئی ہیں۔

۴۵۹۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، تو ہم کہتے اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ عَلٰی فُلَانٍ عَلٰی فُلَانٍ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہی سلام ہے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو یوں کہے۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ	(تمام بدنی، قولی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے
وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	لیے ہیں، سلامتی ہو آپ پر اے اللہ تعالیٰ کے نبی

چوبیس صحابہؓ جن سے تشہد منقول ہے

(۴۵۹ تا ۴۶۱) تشہد کے الفاظ چوبیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں تشہد عمرؓ، تشہد ابن عمرؓ، تشہد عائشہؓ، تشہد جابر بن عبداللہؓ، تشہد ابوموسیٰ اشعریؓ، تشہد ابن الزبیرؓ، تشہد ابن عباسؓ، تشہد ابن مسعودؓ، تشہد سمرہ بن جندبؓ، تشہد علیؓ۔ یہ دس تشہدات ایسے ہیں جن میں تشہد ابن مسعودؓ کے علاوہ بعض تشہدات مرفوع ہیں بعض موقوف بعض بسند قوی اور بعض بسند ضعیف مروی ہیں جب کہ تشہد ابن مسعودؓ مرفوع اور اعلیٰ درجہ کا قوی ہے ان کے علاوہ حافظ طبرانیؒ نے معجم کبیر میں تشہد معاویہ بن ابی سفیانؓ طبرانی و بزار نے تشہد سلمان فارسیؓ، امام طحاویؒ نے تشہد ابی سعید خدریؓ طبرانی نے تشہد ابوحمید الساعدیؓ، ابن ابی شیبہ نے تشہد ابوبکر صدیقؓ بھی تشہد ابن مسعودؓ کی طرح روایت کیا ہے نیز ابوبکر بن مردویہ نے "کتاب التشہد" میں تشہد طلحہ بن عبیداللہؓ تشہد انس بن مالکؓ تشہد ابوہریرہؓ تشہد فضل بن عباسؓ تشہد ام سلمہؓ تشہد حذیفہؓ تشہد مطلب بن ربیعہ، تشہد عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور تشہد حسین بن علیؓ بھی روایت کیا ہے ان سب صحابہ کرامؓ سے منقول تشہدات کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے اس پر تمام ائمہ کا اتفاق

اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ اور اس کی رحمت اور اس کی برکتیں سلامتی ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر،

بلاشبہ جب تم نے یہ کہہ لیا، تو تمہارا سلام اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندہ کو پہنچے گا جو آسمان پر ہو یا زمین پر۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

سو کہ ان میں سے جو صیغہ بھی پڑھ لیا جائے جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

مالکیہؒ کا مختار تشہد، وجہ ترجیح اور جواب

امام مالکؒ اور ان کے متبعین نے حضرت عمر فاروقؓ کے تشہد کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ابن ابی زید کے رسالہ میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں التحيات لله الزاكيات لله الطيبات الصلوٰة لله اسلام عليك (والباقي كتشهد ابن مسعود) (عن عبد الرحمٰن بن القاري انه سمع عمر بن الخطاب وهو على المنبر يعلم الناس التشهد الخ (موطا امام مالك ص۲۷ سنن الكبرىٰ ج ۲ ص۱۴۲ مستدرك ج ۱ ص۲۶۶) وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ تشہد لوگوں کو بر سر منبر سکھایا ہے فدلّ على تفضيله اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشہد موقوف ہے اور مرفوع فلا يلحق بالمرفوع

شافعیہ کا مختار تشہد، وجہ ترجیح اور جواب

امام شافعیؒ اور ان کے متبعین حضرت ابن عباسؓ کے تشہد کو ترجیح دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله سلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته سلام علينا الخ (والباقي كتشهد ابن مسعودؓ) (ترمذی ج ۱ ص۳۸ اعلاء السنن)

۴۶۰ - وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاِذَا قَعَدْتُمْ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَقُوْلُوْا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

---

۴۶۰ - حضرت عبد اللہؓ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم ہر دو رکعتوں میں بیٹھو تو کہو، اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

اس کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نوجوان صحابہ میں سے ہیں تو ان کو اپنی روایت اضبط اور زیادہ محفوظ ہوگی علامہ زیلعیؒ نے شرح کنز میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ غایہ میں مذکور ہے کہ اہل نقل دفقہ میں سے کسی نے بھی حضرت ابن عباسؓ وصغار صحابہؓ کی روایت کو ابو بکرؓ وعمرؓ اور کبار صحابہؓ کی روایات پر ترجیح نہیں دی، علاوہ ازیں یہ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ اس مسئلہ میں تو شوافع نے صغر سنی کی وجہ سے روایت ابن عباسؓ کو ترجیح دی ہے اور بعض دیگر مسائل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو چھوڑ کر دوسرے صحابہ کی روایت کو لیا ہے، مثلاً ظہر وعصر کی قرأت کے سلسلہ میں حضرت ابوقتادہؓ کی روایت کو لیا ہے اور اس کو روایت ابن عباسؓ پر ترجیح دی ہے وقالوا: لانہ اکبر واقدم صحبۃً واکثر اختلاطاً بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ النووی فی شرح المہذب، شوافع کے نزدیک دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ تشہد ابن عباسؓ میں الفاظ ثنائیہ زائد ہیں، جواب یہ ہے کہ پھر تو تشہد علیؓ اولیٰ ہونا چاہیے کہ اس میں یہ بات سب سے زیادہ ہے تیسری وجہ ترجیح یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حدیث ابن عباسؓ کی اسناد حجازی ہے اور حدیث ابن مسعودؓ کی اسناد کوفی ہے اور حجازی اسناد کوفی اسناد پر مقدم ہے، جواب یہ ہے کہ تقدم وتفضل کا مدار تصحیح کا مدار تصحیح محدثین پر ہے نہ کہ اسناد کے حجازی اور کوفی ہونے پر، اور محدثین اس بات میں حدیث ابن مسعودؓ کی ترجیح پر متفق ہیں اسی لیے امام ابوحنیفہؒ، آپ کے اصحاب امام احمد اور آپ کے متبعین نے تشہد ابن مسعودؓ کو اختیار کیا ہے اور تشہد ابن عباسؓ کے مقابلہ میں اس کو متعدد وجوہ سے ترجیح دی ہے،

حنفیہ کے مختار تشہد ابن مسعودؓ کی وجوہ ترجیح

(۱) صاحب نصب الرایہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ تشہد ابن مسعود پر ائمہ ستہ کا اتفاق ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث وہ ہے جس پر امام بخاریؒ ومسلمؒ متفق ہوں

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ اَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ فَلْيَدْعُ بِهٖ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

وَرَسُوْلُہٗ ہے

پھر تم میں سے کوئی ایک دعا منتخب کرے جو اسے پسند ہو تو وہ اپنے پروردگار عزوجل سے دعا کرے۔ یہ حدیث احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اگرچہ اصل معنی میں اتفاق نہ ہوتا کہ لفظ میں تو پھر یہ درجہ کس قدر اعلیٰ ہو گیا کہ اس کے ہر لفظ پر دونوں امام بلکہ سب اصحاب صحاح متفق ہیں جیسا کہ باب ہذا کی پہلی روایت ۵۹ کو امام بخاری نے کتاب الاذان ج ۱ صفحہ باب التشہد فی الاخرۃ میں اور امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ باب التشہد فی الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے باب کی دوسری روایت ۶۰ کو امام احمد نے اپنی مسند ج ۱ صفحہ میں اور امام نسائی نے کتاب الافتتاح ج ۱ صفحہ باب کیف التشہد میں تخریج کیا ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ صحاح کی تمام روایات میں اس تشہد کے الفاظ میں سرمو اختلاف نہیں و ذلک نادر جدا جب کہ دیگر تشہدات کے الفاظ میں اختلاف موجود ہے

(۲) امام ترمذیؒ نے ابن مسعودؓ کی روایت کو اصح مافی الباب قرار دیا ہے چنانچہ امام نیمویؒ فرماتے ہیں قال الترمذی حدیث ابن مسعود قد روی عنہ من غیر وجہ وھو اصح حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعمل علیہ عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم من التابعین۔

(۳) حضرت ابن مسعودؓ نے تصریح کی ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے اس تشہد کی تعلیم میرا ہاتھ پکڑ کر دی تھی علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشہد کفی بین کفیہ کما یعلمنی السورۃ من القرآن الخ جو شدت اہتمام پر دلالت کرتی ہے (مسلم ج ۱ صفحہ) علامہ بنوریؒ نے معارف السنن ج ۳ صفحہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسلسل بالاخذ بالید بھی ہے۔

صاحب ہدایہ کی وجوہ ترجیح

(۴) صاحب ہدایہ نے تشہد ابن مسعودؓ کی چار وجوہ ترجیح بیان کی ہیں (۱) اوّل یہ کہ اس میں امر ہے احادیث میں اس کے لیے

قَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَهُوَ اَصَحُّ حَدِيْثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ ۔

امام ترمذی نے کہا، ابن مسعودؓ کی حدیث ان سے متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے اور وہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد کے بارے منقول احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

فلیقل، قولوا اور فقولوا کے الفاظ آتے ہیں جن کا کمتر درجہ استحباب ہے یہ بات صرف تشہد ابن مسعود میں ہے بخلاف غیرہ فانہ مجرد حکایہ (ب) اس میں لفظ سلام معرف باللام ہے اور الف ولام مفید استغراق ہوتے ہیں (ج) اس تشہد میں واؤ کی زیادتی ہے یعنی التحیات ﷲ والصلوٰۃ والطیبات اور واؤ نئے کلام کے لیے آتا ہے اس صورت میں ہر کلام مستقل ثنا ہو گا کیونکہ معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے بخلاف تشہد ابن عباسؓ کے کہ اس کے کسی طریق میں واؤ نہیں ہے تو پورا کلام موصوف صفت سے مل کر ثنا واحد ہو گیا۔

علمی لطیفہ زیادتی واؤ کے سلسلہ میں امام صاحب سے ایک لطیفہ منقول ہے جس کو شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری نے اپنے اس رسالہ میں ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے صاحب منخول کے رد میں لکھا تھا، لطیفہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی نے آکر سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، دیہاتی نے سوال کیا: ابواو ام بواوین؟ امام صاحب نے برجستہ جواب دیا: بواوین، دیہاتی نے کہا: بارک اللہ فیك کما بارک فی لا ولا، اس پر سب حاضرین متحیر رہ گئے اور ان میں سے کوئی یہ سوال وجواب نہ سمجھ سکا، انہوں نے امام صاحبؒ سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ اس نے التحیات کے متعلق پوچھا ہے کہ واؤ کے بغیر ہے یا دو واؤ کے ساتھ ہے میں نے بتلا دیا کہ دو واؤ کے ساتھ ہے پس اس نے مجھے دعا دی کہ حق تعالیٰ تیرے علم میں اسی طرح برکت دے جیسے کہ شجرہ زیتون کو بابرکت کیا ہے حیث قال من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ۔

۲۷۱۔ وَعَنْهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يُّخْفَى التَّشَهُّدُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ۔

۲۷۱۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے کہا" یہ بات سنت میں سے ہے کہ تشہد کو آہستہ پڑھا جائے"
یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، اسے حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

(د) تشہد ابن مسعودؓ میں تعلیم کی تاکید ہے جو تعلیم با لخذ الید ہے جو مزید توجہ و اہتمام پر دال ہے
(۵) تشہد ابن مسعودؓ کو امام ترمذی، علامہ خطابی، شیخ ابن المنذر، امام زہری، اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ علماء نے اس باب میں اصح قرار دیا ہے، حافظ ابوبکر بزار فرماتے ہیں کہ تشہد کے سلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ابن مسعودؓ ہے جو تقریباً بیس طرق سے مروی ہے، علامہ بغوی نے بھی شرح السنہ میں اسی پر جزم کیا ہے، محمد بن یحییٰ ذہلی فرماتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ اصح ما روی فی التشہد، حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں بریدہ بن الخصیب کا قول روایت کیا ہے ما سمعت احسن من تشہد ابن مسعودؓ، یہاں تک کہ محققین شافعیہ نے اس کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں "حدیث تشہد ابن مسعودؓ عند المحدثین اشد صحۃً وان کان الجمیع صحیحاً"
علامہ سیوطی التوشیح میں فرماتے ہیں "اتفق اهل الحديث على ترجيح حديث ابن مسعودؓ وقالوا انه اصح حديث ورد في التشهد لانه روى عنه من نيف وعشرين طريقاً وهو اصح الاحاديث اسناداً واشهرها رجالاً۔

(۶) امام مسلم فرماتے ہیں۔ انما اجمع الناس على تشهد ابن مسعودؓ لان اصحابه لا يخالف بعضهم بعضاً وغيره قد اختلف اصحابه۔

(۷) علامہ بیہقی شرح کنز فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو یہ تشہد سکھایا اور دوسروں کو سکھلانے کا حکم فرمایا جیسا کہ امام احمد نے روایت کیا ہے، یہ بات دیگر تشہدات میں نہیں ہے۔
(۸) شرح کنز میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی موافقت صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے کمعاویۃ وسلمان عند الطبرانی والبزار وکعائشۃ عند البیہقی وکابی حمید وغیرہم، بخلاف حضرت ابن عباسؓ کے۔

(۹) یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ تشہد لوگوں کو برسر منبر سکھلایا ہے کما فی روایۃ الطحاوی، ولیس ذلک فی غیرہ۔

(۱۰) یہ بھی کہا ہے کہ جمہور اہل علم نے تشہد ابن مسعودؓ کو اپنایا ہے بخلاف تشہد ابن عباسؓ کے کہ اس پر صرف امام شافعی اور ان کے متبعین نے عمل کیا ہے،

(۱۱) یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث ابن مسعودؓ میں کوئی اضطراب نہیں ہے بخلاف حدیث ابن عباسؓ کے،

(۱۲) یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کی تعلیم میں شدید اہتمام فرماتے تھے یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس تشہد کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس طرح حفظ کرتے تھے جیسے قرآن کے حروف حفظ کرتے تھے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تشہد کے الفاظ کا ضبط بہت اعلیٰ درجہ کا ہے،

(۱۳) حضرت عائشہ رضؓ نے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشہد فرمایا ہے جیسا کہ حافظ بیہقی نے اور غیلانیات میں دارقطنی نے روایت کیا ہے،

(۱۴) نصب الرایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ امام ترمذی نے عن معمر عن خصیف روایت کیا ہے، خصیف کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا! یا رسول اللہ! لوگ تشہد کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: تشہد ابن مسعودؓ، لیکن علامہ بنوری اور صاحب سعایہ فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی کے موجودہ نسخوں میں یہ روایت نہیں ملی،

(۱۵) تشہد ابن مسعودؓ میں اول وہلے ہی اسم اللہ کی تقدیم ہے، اور اول کلام میں اذا لۂ اجمال فی المدح ہی اولیٰ ہے۔

التحیات کا شان ورود

قاضی حسین بن محمد دیار بکری نے اپنی تاریخ الخمیس فی احوال النفس النفیس میں بحث معراج سے متعلق ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حاصل ہوئی اور آپ بارگاہ خداوندی میں باریاب ہوئے تو آپ نے پاک رب العلمین کی طرف سے ندا پائی، ”ادن الی ربک“، پس آپ نے بالہام خداوندی اللہ جل شانہ کی تعریف میں ”التحیات للہ والصلوات الخ“ تحیہ پیش کیا، اس کے جواب میں بارگاہ الوہیت سے آپ کو تحفہ عطاء ہوا ”السلام علیک ایہا النبی الخ“ پس آپ نے عرض کیا ”السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین“ جب آپ نے یہ عرض کیا تو حضرت تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا ”اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ“،

شیخ حلبی نے غنیۃ المستملی میں اور شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، حکاہ علی القاری

عن عبد الملک فی المرقاۃ ج ۱ ص۵۵۶) وکذا النقل فی معارف السنن ج ۳ ص۸۵)
تاہم محتاط محدثین کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے سند کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

التحیات پڑھتے وقت بارگاہ ربوبیت میں حاضری

پھر مجتبیٰ، درمختار اور ابو داؤد وغیرہ میں ہے کہ متشہد کو چاہیے کہ لیلۃ المعراج میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین جو مخاطبہ واقع ہوا ہے نہ اس کی حکایت کا قصد کرے اور نہ بطور خبر کے ارادہ کرے بلکہ بطریق انشاء الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا اس طرح قصد کرے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو التحیات پڑھ رہا ہوں، اور نبی علیہ السلام پر اور اپنے اور تمام صالحین پر بھیجتا ہوں، پھر صیغۂ خطاب سے یہ عقیدہ نہ کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کلام سن رہے ہیں یا اس کو جانتے ہیں اگر ایسا کرے گا تو منکر شرعی کا مرتکب ہوگا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی السلام علیک اور اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ کہتے تھے، السلام علی اور اشہد انی رسول اللہ نہیں کہتے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے، البتہ خارج نماز کی بابت صحیح بخاری کی حدیث سلمہ بن الاکوعؓ میں مذکور ہے کہ آپ نے اشہدان لا الہ الا اللہ واشہد انی رسول اللہ کہا ہے۔

التحیات کی لغوی تحقیق اور مفہوم

قولہ التحیات الخ تحیات تحیہ کی جمع ہے بمعنی سلام، بعض نے اس کی معنی بقاء، بعض نے عظمت، بعض نے جمیع آفات ونقائص سے سلامتی اور بعض نے بمعنی ملک کہا ہے۔ محب طبری کہتے ہیں کہ ممکن ہے لفظ تحیہ ان معانی میں مشترک ہو۔ لیکن یہاں اس کا بمعنی سلام ہونا ہی انسب ہے، صلوات سے مراد یا تو خاص طور سے صلوات خمس ہیں یا اس سے عام مراد ہے نوافل ہوں یا فرائض اور بقول بعض ان سے مراد جمیع عبادات ہیں، صاحب انوار الباری نے حضرت شاہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ شاہ اسمٰعیل صاحب نے الایضاح میں اس سے استدلال کیا ہے کہ جمع معرف باللام مفید استغراق ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ ادعیہ، منصوصہ، ایمان کے بارے میں تو یہ قاعدہ مسلم ہے کیوں کہ ان سب کا مبنی نفس الفاظ پر ہوتا ہے لیکن ان کے سوا دوسری چیزوں میں قطعیت عموم واستغراق کی بات تسلیم نہیں ہے طیبات سے مراد ذکر اللہ یا اقوال صالحہ یا اعمال صالحہ ہیں، عباد اللہ کے ساتھ الصالحین کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بدبخت وبدکار بندوں پر سلام بھیجنا مناسب نہیں، اس سعادت کے حق دار وہی بندے ہیں جو اپنے عقیدہ، فکر اور اعمال وکردار کے اعتبار سے خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی نظر میں پسندیدہ ہیں جنہیں صالحین کہا جاتا ہے، اور بندۂ صالح وہی ہے جو حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کو پورا کرتا ہے، شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ صلاح ازل

اس حالت کا نام ہے کہ جس میں بندہ کے ذاتی و نفسانی ارادے و خواہشات موت کے اُتر جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد و مقصد پر قائم رہے۔

تحیات میں انتقالاتِ ثلاثہ اور غیب سے خطاب کی طرف عدول میں حکمت

سلام کے موقع پر

مقتضائے سیاق السلام علی النبی بطریق غیبت ہے کہ اس صورت میں تحیۃ اللہ سے تحیۃ النبی کی طرف پھر تحیۃ النفس کی طرف اس کے بعد تحیۂ صالحین کی طرف انتقال ہوتا پھر غیب سے خطاب کی طرف عدول کرنے میں کیا حکمت ہے۔

صاحب سعایہ نے اپنے والد کے رسالہ نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ تشہد میں غیبت سے خطاب کی طرف عدول کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ گویا ہر وجود میں جاری و ساری اور ہر بندہ کے دل میں حاضر ہے، اور اس حالت کا انکشاف علی وجہ الاتم نماز کی حالت میں ہوتا ہے فصل محل الخطاب،

بعض عارفین کا قول ہے کہ بندہ جب ثنا رباری عز اسمہ سے مشرف ہوتا ہے تو گویا اس کو حریم حرم الٰہی میں داخلہ کی اجازت ہو جاتی ہے اور وہ حبیب خدا کو حرم حبیب میں حاضر پاتا ہے لہٰذا وہ بطریق خطاب کہتا ہے السلام علیک ایہا النبی یہی مضمون حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ طیبی سے نقل کیا ہے۔

تشہد میں صیغہ خطاب کی سنیت و حکمت اور وجوہ ترجیح

السلام علیک ایہا النبی اکثر روایات میں یہ جملہ اسی طرح بصیغہ خطاب نقل ہوا ہے البتہ مجاہدؒ سے ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ تشہد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں وھو رای ھذا التشھد حیثما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین ظھرانینا فلما قبض قلنا السلام علی النبی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ صفحہ ۲۹۲)

لہٰذا بعض اہل ظاہر نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ یہ صیغۂ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے (۱) لیکن محققین نے اس کی تردید کی ہے اس بحث کو معارف السنن میں مفصل دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ وہاں مجاہدؒ کی زیادتی فنی حدیثی لحاظ سے بھی مرجوح اور غیر مقبول ہے کیونکہ دیگر ثقہ رواۃ نے اس کو روایت نہیں کیا اور مروجہ تشہد بصیغۂ خطاب کی روایات راجح اور مؤید بالتعامل والتوارث ہیں۔

(۱) علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے کہ فرق کرنے والے حضرت ابن عباس مجاہد وغیرہ کا شمار مکیین (اہل مکہ) میں ہے اور مکہ معظمہ ہی میں ان کا علم پھیلا ہے ان کی موافقت اس مسئلہ میں نہ اہل مدینہ نے کی نہ اہل عراق نے کی ہے اور اہل مکہ کے تفردات بکثرت ہیں۔

(۳) مسلم شریف میں مجاہدؒ سے جو روایت منقول ہے وہ اس زیادتی سے خالی ہے حالانکہ اس کے راوی بھی بعینہ وہی ہیں جو بخاریؒ کی روایت میں ہیں اس سے معلوم ہوا کبھی تو مجاہدؒ صرف اصل روایت کو بیان کرتے تھے اور کبھی زیادتی والے الفاظ بڑھا دیتے تھے جو بظاہر ان کا اپنے شیخ ابن عباسؓ کے اجتہاد سے موافقت کی وجہ سے تھا لہٰذا اس کو ابن مسعودؓ کے کلام کے ساتھ جوڑنا محل نظر ہے۔

(۴) نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ایک موقع پر غائب کا صیغہ استعمال کیا ہو اور اس سے بیان جواز مقصود ہو۔

(۵) علامہ بنوریؒ نے حافظ حدیث جمال الدین کا قول بھی المعتصر ج ۱ ص ۳۵ سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ زیادتی منکر غیر صحیح ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ جو تشہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا وہ بعد کو بدل دیا گیا حالانکہ یہ بات عام صحابہ اور آثار مرویہ صحیحہ کے خلاف ہے اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں تشہد السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ ہی لوگوں کو سکھایا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور جو کچھ غلطی آئی ہے وہ مجاہدؒ وغیرہ سے آئی ہے۔

(۶) علامہ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو خاص عظمت اور بزرگی اور جلالت قدر اپنے نبی علیہ السلام کو دی تھی اسی میں سے یہ بھی ہے کہ ان پر بعد وفات بھی وہی سلام مشروع ہو جو آپؐ کی زندگی میں تھا (معارف السنن ج ۳ ص ۸۷)

(۷) حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور غیبت کا فرق صحابہ کرامؓ میں عام طور سے نہ تھا اسی لیے اس کا توارث بھی جاری نہ ہوا اور حضرت ابن مسعودؓ راوی تشہد اور آپ کے اصحاب نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صیغہ خطاب کی تعلیم دی ہے اور جو آپؐ کی حیات طیبہ میں تھا اسی کو باقی رکھا ہے ایک حرف کا بھی تغیر اس میں نہیں کیا اور حضرت عمرؓ نے منبر نبوی پر صحابہؓ و تابعینؒ کے مجمع میں بھی صیغہ خطاب ہی کے ساتھ لوگوں کو تشہد سکھایا تھا۔ (انوار الباری)

(۸) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لیے اس میں ایک خاص لطف ہے اب جو لوگ اس صیغہ خطاب

سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان وادب کی لطافتوں سے بالکل ہی ناآشنا ہیں (معارف الحدیث ج ۳ ص ۲۹۳)

حضور کو صیغۂ خطاب اور موہم شرک الفاظ کے استعمال سے اجتناب کی ضرورت

التحیات میں ایہا النبیؐ سے حضورؐ کو خطاب ہو یا درود وسلام میں خطاب کے الفاظ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ وغیرہ کلمات کا استعمال ہو اگر عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر زمان و مکان میں موجود ہیں ہر آواز کو سنتے، ہر حرکت کو دیکھتے ہیں تو یہ واضح شرک ہے اور معاذ اللہ عیسائیوں کی طرح رسول کو خدا کا درجہ دینا ہے کہ خدائی صفات میں رسول کو شریک کر رہا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ہماری محفل درود وسلام میں آتے اور ہمارا سلام سنتے ہیں یہ عقیدہ بھی بے بنیاد اور افتراء ہے کسی آیت وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے عن ابی ھریرۃ رضـ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن صلّی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیًا (ای بعید؟) ابلغته (مشکوٰۃ المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۸۷) حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے ان للّٰہ ملٰئکته سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (مشکوٰۃ ص۸۶)

اور اگر مذکورہ عقیدہ نہ بھی ہو تب بھی موہم شرک ہونے کی وجہ سے ایسے الفاظ ممنوع ہیں لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے پھر ایسے ماحول میں کہ ان ہی الفاظ سے تساہل سے عقیدہ فاسدہ کو راہ ملتی ہے اجتناب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اسی توہم شرک سے اجتناب کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آقا کو ربی اور غلام کو عبدی کے الفاظ سے پکارنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا یقل احدکم ربی ولیقل سیدی ومولای ولا یقل احدکم عبدی وامتی ولیقل فتای وفتاتی غلامی، (صحیح مسلم۔

کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا باب حکم اطلاق لفظۃ العبد والامۃ والمولیٰ والسید ج ۲ ص۲۳۸) ممانعت کی وجہ ظاہر ہے یہی ہے کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں لہٰذا درود وسلام میں بھی الفاظ خطاب کا عمومی استعمال اگرچہ کسی غلط عقیدہ کی وجہ سے نہ بھی ہو تب بھی موجب شرک وافتراء ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے البتہ گنبد خضراء کے مکین کی بارگاہ قدسیؐ میں حاضری کے وقت خطاب

بَابُ الْاِشَارَةِ بِالسَّبَّابَةِ

۲۶۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ یَدْعُوْ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی وَیَدَہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہِ السَّبَّابَۃِ وَوَضَعَ اِبْہَامَہُ عَلٰی اِصْبَعِہِ الْوُسْطٰی وَیُلْقِمُ کَفَّہُ الْیُسْرٰی رُکْبَتَہُ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا۔ ۲۶۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر دعا فرماتے، تو دایاں ہاتھ دائیں ران مبارک پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران مبارک پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنا انگوٹھا مبارک انگلی پر رکھتے اور آپ کی بائیں ہتھیلی آپ کے گھٹنے کو لقمہ (کی مانند) بنائے ہوتی۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست آپ کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام (مشکوٰۃ ص ۸۶)

اخفاء تشہد کا مسئلہ باب ہذا کی روایت ۲۶۱ بھی حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے جسے ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اخفاء التشہد، ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء انہ یخفی التشہد میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۲۶۲ تا ۲۶۵) حنفیہ حضرات کی "ظاہر الروایۃ" اور معتبر متون میں چونکہ اشارہ بالسبابہ کا ذکر نہیں تھا نہ اثبات میں اور نہ نفی میں، پھر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ بالسبابہ کی سنیت سے انکار کیا ہے اور اس پر تفصیل سے بحث بھی کی ہے انہوں نے اپنی بحث میں یہ بھی کہا

۲۶۳۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَّخَمْسِيْنَ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۶۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے، تو اپنا بایاں ہاتھ مبارک بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ مبارک دائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنی انگلیوں سے ترپن کے عدد کی طرح گرہ بناتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ہے کہ اشارہ بالسبابہ کی احادیث مضطرب المتن ہیں کیونکہ اشارہ کی ہیئتوں کے بیان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں اگر اضطراب کی بنا پر احناف حضرات قلتین کی احادیث کو رد کر سکتے ہیں تو اشارہ بالسبابہ کی احادیث کو بھی اسی بنا پر رد کیا جا سکتا ہے۔

احادیثِ اشارہ بالسبابہ | توضیح مسئلہ کے لیے اس سلسلہ میں وارد احادیث بھی ذیل میں درج کر دی جاتی ہیں۔

(۱) فجاء فی روایۃ ابن عمر عند ابی داؤد (ج ۱ ص۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشہد) قبض اصابعہ کلہا واشار باصبعہ التی تلی الابہام (۲) وفی روایۃ وائل بن حجر عند النسائی (ج ۱ ص۱۸۷ باب قبض الثنتین من اصابع الید الیمنٰی وعقد الوسطٰی والابہام منہا) ثم قبض اثنتین من اصابعہ وحلق حلقۃً ثم رفع اصبعہ فرأیتہ یحرکہا یدعو بہا (۳) وفی روایۃ ابن الزبیر عند ابی داؤد (ج ۱ ص۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشہد) کان یشیر باصبعہ اذا دعا ولا یحرکہا (۴) وفی روایۃ نمیر عند ابی داؤد (ج ۱ ص۱۴۲) رافعًا اصبعہ السبابۃ قد حناہا شیئًا (ای امالہا قلیلًا) (۵) وفی روایۃ عبید اللہ بن الزبیرؓ عند مسلم (ج ۱ ص۲۱۶ باب صفۃ الجلوس وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین) واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطٰی (۶) وفی روایۃ ابی ہریرۃ عند النسائی (ج ۱ ص۱۸۷ باب النہی عن الاشارۃ باصبعین وبای اصبع یشیر) ان رجلًا کان یدعو (ای یتشہد) باصبعیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴۶۴۔ وَعَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَلَّقَ الْإِبْهَامَ وَالْوُسْطٰى وَرَفَعَ الَّتِيْ تَلِيْهِمَا يَدْعُوْبِهَا فِي التَّشَهُّدِ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۶۴۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا اور ان کے ساتھ والی (انگشت شہادت) کو بلند کیا اور اس کے ساتھ تشہد میں اشارہ فرمایا۔

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

احد احد وھکذا۔

اشارۃ بالسبابہ مسنون ہے

مگر واقعہ یہ ہے کہ اشارہ بالسبابہ مسنون ہے اس کی سنیت پر روایات شاہد ہیں جمہور سلف اور خلف کا اس کی سنیت پر اتفاق ہے اشارہ کی روایات حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں باب ہذا کی چاروں روایات اس کے جواز وسنیت پر نص قطعی ہیں پہلی روایت (۴۶۲) عبداللہ بن الزبیرؓ سے منقول ہے جسے امام مسلمؒ نے کتاب المساجد ج ۱ ص ۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ میں دوسری روایت (۴۶۳) کو جو ابن عمرؓ سے منقول ہے بھی اسی باب اور اسی صفحہ میں نقل کیا ہے۔ روایت (۴۶۴) وائل بن حجرؓ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۰ نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ ابن ماجہ ص ۶۵ مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۸ اور ترمذی میں نقل کیا گیا ہے۔

روایت (۴۶۵) مالک بن نمیر الخزاعیؓ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۲ میں تخریج کیا گیا ہے اور اس سے قبل بھی متعدد روایات درج کردی گئی ہیں۔

علامہ کیدانی اور مجدد الف ثانیؒ کو جواب

جہاں تک احناف حضرات کے ظاہر الروایۃ اور متون کے کتابوں میں اشارہ بالسبابہ کے عدم ذکر کا تعلق ہے یاد رہے کہ اس کی وجہ سے احادیث صحیحہ پر عمل کو ترک کرنا کسی طرح بھی درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علامہ کیدانی نے اسے بدعت قرار دیا اور بعض متشددین نے تو یہاں تک کہا کہ ہمارا قول ابوحنیفہ کا یہ قول رسولؐ کا فی نیست العیاذ باللہ آخر یہ تشدد کہاں کا انصاف ہے قوم کی بدقسمتی ہے کہ

۵۶۴۔ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ نُمَيْرٍ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى فِي الصَّلٰوةِ وَيُشِيْرُ بِإِصْبَعِهِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۶۴۔ مالک بن نمیر الخزاعی نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے ہوئے اپنی انگلی مبارک کے ساتھ اشارہ فرماتے ہوئے دیکھا۔"
یہ حدیث ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بعض علاقوں میں اس پر مصر رہے ہوئے اور قائلین و مرتکبین کی انگلیاں کاٹی گئیں حالانکہ احناف کی متون میں زیادہ سے زیادہ یہ عدم ذکر ہی تو ہے اور عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہیں ہوتا نیز خود امام محمدؒ نے مؤطا باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ وما یکرہ من تسویتہ صفحہ ۱۰۹ میں اشارہ بالسبابہ کی حدیث ذکر کی ہے اور فرمایا ہے قال محمد و بصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول ابی حنیفہ امام نیمویؒ نے بھی قال النیمویؒ سے ادھر اشارہ کیا ہے۔ اسی قدر واضح تصریح کے بعد پھر بھی کسی شک وشبہ کو راہ دینا ہرگز قرین انصاف نہیں جہاں تک خلاصہ کیدانی کی بات ہے تو حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ معارف السنن ج ۳ صفحہ ۱۰۰ میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ کیدانی فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے تو مصنف بھی غیر معروف ہیں۔ "الخلاصۃ الکید انیۃ رسالۃ صغیرۃ فی مسائل صفۃ الصلاۃ بیّن ما فیھا من انواع المشروعات والمحظورات الثانیۃ ای الفرض والواجب والسنۃ والمستحب والحرام والمکروہ تحریماً وتنزیہاً والمباح وفیھا مسائل ضعیفۃ ومصنفھا لم یعرف حالہ بل لم یعرف جزماً اسمہ۔

علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں لکھا ہے کہ محض اس کتاب کو دیکھ کر فتویٰ دینا بھی جائز نہیں ۔۔ باقی رہا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا فتویٰ تو اس کا جواب یہ ہے بلکہ قرین انصاف اور حق یہ ہے کہ ان کی عظمت علم اور شان رفیع کے باوجود اس مسئلہ میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا لان الحق ان الحق لیس معہ فی ھذہ المسئلۃ۔

اضطراب فی المتن کی حقیقت | حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت امام ربانیؒ کے جواب

قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ الْإِشَارَةَ بِالسَّبَّابَةِ فِي التَّشَهُّدِ ذَهَبَ إِلَيْهَا جَمَاعَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي مُوَطَّاهُ۔ ۹

نیموی نے کہا شہادت کی انگلی کے ساتھ تشہد میں اشارہ کرنا، اہل علم کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جیسا کہ محمد بن الحسنؒ نے اپنے مؤطا میں نقل کیا ہے۔

یوں فرماتے ہیں کہ ہیئت اشارہ کے بارے میں روایات میں جو اختلاف آیا ہے اور اُسے اضطراب فی المتن قرار دے کر مسترد کرنے کا کہا گیا ہے واقعہ یہ ہے کہ اس اختلاف کو ہرگز اضطراب نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اضطراب اسی وقت متحقق ہوتا ہے جب حدیث ایک ہی ہو اور اس کے الفاظ میں کوئی ناقابل تطبیق اختلاف پایا جاتا ہو جب کہ یہاں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف ایک حدیث کے الفاظ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ متعدد صحابہ کرامؓ کی روایات کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنا پر تمام روایات کی اس قدر مشترک کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اشارۃ فی التشہد مسنون ہے پھر اس قدر مشترک کا ثبوت بھی شہرت کے ساتھ ہے مزید برآں اس کی سنیت پر اجماع بھی ہے۔

اختلاف ہیئت، دلیل اضطراب نہیں باقی رہی اشارہ کے ہیئتوں میں اختلاف کی بات، تو وہ بھی درحقیقت واقعات و زمانہ کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک ہیئت سے اشارہ فرمایا کبھی دوسری ہیئت سے۔ اس اختلاف کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب نہیں کہا جا سکتا پھر اشارہ کی جو ہیئتیں احادیث میں ثابت ہیں ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا جائز ہے مگر جمہور احناف کے نزدیک ترجیح اس کو حاصل ہے کہ ابہام اور وسطیٰ سے ایک حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کیا جائے جیسا کہ باب ہذا کی روایت عبداللہ بن الزبیرؓ بروایت وائل بن حجرؓ سے یہی ثابت ہے فیرفعها عند النفی (ای لا إله) و یضعها عند الاثبات (ای الا الله) قاله شمس الائمه الحلوانی کما فی ابن الهمام فی الفتح (ج ۱ ص ۲۲۱) وزاد لیکون الرفع للنفی والوضع للاثبات اه (کذا فی معارف السنن ج ۳ ص ۱۰۱)

عقدِ ترپن کی صورت وعقد ثلاثًا وخمسین روایت کے ان الفاظ میں عقدِ ترپن کی صورت مروی ہے وہ یوں کہ خنصر، بنصر اور وسطیٰ کو بند کر لیا جائے اور ابہام

بَابٌ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ

۴۶۶۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِيْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَلَا اُهْدِيْ لَكَ هَدِيَّةً اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا

باب ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ۔ ۴۶۶ ۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا ، حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ مجھے ملے ، تو انہوں نے کہا ، کیا میں تمہیں ایک خاص قسم کا ہدیہ نہ دوں ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ، تو ہم نے عرض کیا ، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ! بلاشبہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ آپ پر سلام کیسے بھیجیں (تشہد میں) لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں ، آپ نے فرمایا یوں کہو ۔

کو وسطیٰ کے درمیانی جوڑ پر رکھا جائے پھر انگشت شہادت سے اشارہ کیا جائے اس کی تفصیل فتاویٰ شامی ج ا صفحہ اور نیل الاوطار ج ۲ صفحہ میں موجود ہے ۔

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

۴۶۶ تا ۴۶۸ ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۃ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ (احزاب ۔ ع ۷)	اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی پر ، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو ان پر ۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جابجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے ، لیکن جس طرح نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ رواه الشيخان۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ آپ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی ہے۔ بلاشبہ آپ بہت تعریف کیے گئے بزرگی والے ہیں، اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد کو برکت عطا فرما جیسا کہ آپ نے آلِ ابراہیم کو برکت عطا فرمائی۔ بلاشبہ آپ بہت تعریف کیے گئے بزرگی والے ہیں)

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی پڑھا جائے۔)

بعض اکابر کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) کے نزول کے وقت بھی صحابۂ کرام رض کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزو اخیر قعدۂ اخیرہ ہے —— اس بارے میں کوئی صریح روایت تو نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر یہ خیال قائم کیا گیا ہے وہ باب ہٰذا کی پہلی روایت ۶۶ ہے جو کعب بن عجرہ سے مروی ہے جسے بخاری ج ۲ ص ۹۴۰ مسلم ج ۱ ص ۱۷۵ میں نقل کیا گیا ہے۔

دوسری روایت ۶۷ بھی اس کی مؤید ہے جسے بخاری ج ۱ ص ۱۷۵ میں تخریج کیا گیا ہے۔

منشاء سوال جیسا کہ سورۂ احزاب کی مندرجۂ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس کی بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں۔

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا — حضرت! ہم جب نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو

۴۶۷۔ وَعَنْهُ قَالَ لَقِيَنِيْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ اَلَا اُهْدِيْ لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰى فَاَهْدِهَا لِيْ فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ

۴۶۷۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا، مجھے حضرت کعب بن عجرہؓ ملے تو فرمایا "کیا میں تمہیں ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، تو میں نے کہا، ہاں آپ مجھے وہ ہدیہ عطا فرمائیں، تو انہوں نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہم نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اے اہلِ بیت آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلا دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں، تو آپ نے فرمایا" یوں کہو ۔

عَلَيْكَ فِيْ صَلٰوتِنَا ؟ — کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا یہ سوال نماز میں دُرود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ دُرود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سندِ قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے۔ ——

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ۔ — آدمی نماز میں (یعنی قعدۂ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لیے دُعا کرے۔

(فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم پ ۲۶ ص۱۵۳)

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو دُرود شریف پڑھنا چاہیے۔
بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس بارے میں صحابہ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدۂ اخیرہ ہے۔ اس کے بعد انہوں

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

(اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد پر جیسا کہ آپ نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور آلِ ابراہیم پر، بلاشبہ آپ بہت تعریف کیے گئے بزرگی والے ہیں۔ اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد کو برکت عطا فرما جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی، ابراہیم (علیہ السلام) اور آلِ ابراہیم کو، بلاشبہ آپ بہت تعریف کیے گئے بزرگی والے ہیں)

نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درودِ ابراہیمی تلقین فرمایا جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لیے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربارِ عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لیے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواجِ مطہرات اور آپ کی ذریتِ طیبہ کے لیے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور

۴۶۸- وَعَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُمْ قَالُوْا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

۴۶۸- ابو نعیم المجمر نے حضرت ابوہریرہؓ سے بیان کیا کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ، اے اللہ تعالیٰ کے
پیغمبرؐ! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ

اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبۂ ممنونیت کا اظہار اور
احسان مندی کا حق ادا کر سکے ـــــ اسی کے لیے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے۔

یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لیے صرف انہی دو حدیثوں پر بیان اکتفا
کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابلِ ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق
کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ "کتاب الدعوات" میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور
مندرجہ بالا دونوں ابراہیمی کے علاوہ "صلوٰۃ وسلام" کے جو اور صیغے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قابلِ
اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

بیان مذاہب نماز کے قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کے حکم کے بارے میں فقہاء کا
اختلاف ہے۔

(۱) احنافؒ امام مالکؒ اور جمہورؒ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔

(۲) علامہ ابن عبدالبرؒ نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ (فی روایۃ) سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کے
نزدیک تشہد اخیر کے بعد درود شریف مستحب ہے تارک خطا کار ہے لیکن اس کے باوجود نماز درست
ہے فی روایۃ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔

(۳) امام شافعیؒ اس کی فرضیت کے قائل ہیں (قاله فی الام کما فی الفتح ج ۱۱ ص ۱۳۲
معارف ج ۳ ص ۲۹۵) یعنی اگر تشہد اخیر کے بعد اور سلام سے پہلے درود شریف نہ پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی
کا حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی امام شعبیؒ کا قول ہے وقال النووی فی
شرح مسلم) اس مسئلہ میں امام شافعیؒ پر بہت تنقید کی گئی ہے وقد شذ الشافعی ولا سلف له
فی هذا القول ولا سنة يتبعها وشنع عليه فيه جماعة فيهم الطبری والقشيری وخالفه

وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ رَوَاهُ اَبُوالْعَبَّاسِ السَّرَّاجُ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

یہ حدیث ابوالعباس السراج نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

من اہل مذہبہ الخطابی وقال لا اعلم لہ قدوۃ کذا فی الکبیری ص۳۳۲ صفۃ الصلوٰۃ۔

یہ کبیری منیۃ المصلی کا معروف نام ہے جس کی شرح غنیۃ المصلی میں امام شافعیؒ کے اولہ اور ان کے جوابات نقل کئے گئے ہیں۔

خارج صلوٰۃ درود شریف کا حکم

(۱) زندگی بھر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے بالاتفاق۔

(۲) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سننے میں آئے تو واجب ہے۔

(۳) اگر ایک مجلس میں بار بار آپ کا اسم گرامی آئے تو اس میں اختلاف ہے۔

(ا) شمس الائمہ امام سرخسیؒ کے نزدیک جب خارج صلوٰۃ ایک مجلس میں آپ کا نام نامی کئی بار آئے تو ایک بار درود پڑھنا واجب اور باقی مستحب ہے صاحب مبسوط کے نزدیک یہی مختار ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اسی پر علماء کا فتویٰ ہے تنویر میں ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے صاحب درمختار کہتے ہیں کہ مذہب تو استحباب تکرار کا ہے جس پر فتویٰ ہے۔

(ب) امام طحاویؒ کے نزدیک ہر مرتبہ واجب ہے روایات سے امام طحاویؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے صاحب بحر نے احادیث وعید رغم والبعاد وبخل اور جفا کی وجہ سے امام طحاویؒ کے قول کو ترجیح دی ہے احادیث وعید یہ ہیں۔

(۱) وعید رغم یہ ہے رغم انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی (ترمذی ج۲ ص۱۹۶) (۲) وعید البعاد یہ ہے۔ بعد من ذکرت عندہ فلم یصل علیک (۳) وعید شقاوت یہ ہے من ذکرت عندہ فلم یصل علی فقد شقی (ابن السنی عن جابر موقوعاً) (۴) وعید بخل یہ ہے: بخیل من ذکرت

عنده فلم يصل علی (نسائی ابن حبان حاکم، ترمذی عن علی رض) وعید جفاء ہے من الجفاء ان اذکر عنده فلم يصل علی (عبد الرزاق عن قتادہ مرسلاً)

تاہم تیسیر، طبعی کسل، اور تساہل کے پیش نظر سلف صالحین نے ایک مجلس میں صرف ایک مرتبہ وجوب کا حکم دیا ہے (کذا فی شرح المنیہ ص ۳۴۴)

مروجہ صلوٰۃ وسلام، عقیدۂ حاضر وناظر اور محفل درود کا شرعی حکم

بعض علاقوں میں کچھ لوگ نماز جمعہ کے بعد اجتماع والتزام اور بلند آواز کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں کچھ اردو کے اشعار کے علاوہ عربی میں - صلی اللہ علیک یا رسول اللہ، سلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ بعض ہدیہ سلام بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہیں بعض لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور ہماری اس محفل درود وسلام میں تشریف بھی لاتے ہیں اسی عقیدہ کی بنا پہ بغرض احترام قیام کرتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ہمارا سلام سنتے ہیں اور خود ہمارے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں صرف اس پہ اکتفاء ہی نہیں کیا جاتا بلکہ جو لوگ جو اُن کا یہ عقیدہ نہیں رکھتے یا ان کے ساتھ محفل صلوٰۃ وسلام میں شریک نہیں ہوتے تو یہ لوگ ان کو مطعون کرتے انہیں گستاخ رسول کہتے اور ان پر منکرین درود وسلام کے فتوے بھی لگاتے ہیں۔

قطعی نصوص اور تعلیمات اسلام میں یہ طریقہ کھلی گمراہی اور بدعت ہے اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ ناظر و ناضر، محفل درود وسلام میں حضورؐ کی تشریف آوری، مجلس میں آکر سلام سننا اور اس کا جواب دینا، نماز کے بعد اجتماع اور التزام کے ساتھ کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا قرآن وسنت، آپؐ کے فرمودات، صحابہ وتابعین کے تعلیمات ائمہ متبوعین کے مجتہدات، سلف صالحین کے فتاویٰ اور علماء وسلف کے اعمال میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہے اگر دین میں یہ بھی کوئی پسندیدہ عمل ہوتا تو اکابر علماء ومشائخ اور سلف صالحین اس کی پوری پابندی کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ درود وسلام کے لیے اجتماع اور التزام عند ہم بھی بدعت اور ناجائز ہے اور جب آپؐ کے احادیث مبارکہ قطعی نصوص کی صورت میں امت کے سامنے موجود ہیں مثلاً حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں۔

کل عبادۃ لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبد وھا ...... وخذ وا بطریق من کان قبلکم (کتاب الاعتصام للشاطبی ج ۲ ص ۳۱۱)

حضرت عائشہ رضہ سے مرفوعاً مروی ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد (صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب نقض الاحکام الباطلہ ج ۲ ص ۷۷) ان ہی سے ایک دوسری روایت منقول ہے من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۷) اس قدر صریح ارشادات نبوی کی روشنی میں ان افعال مذکورہ کے بدعت ہونے میں تامل کرنا بھی موجب اساءت اور باعث گناہ ہے۔

درود میں قیام کو ضروری قرار دینا بدعت ہے

درود شریف بھی ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریم کی طرح ایک عبادت ہے جو بیٹھ کر، کھڑے ہو کر لیٹے ہوئے چلتے پھرتے الغرض ہر طرح جائز ہے درود و سلام میں قیام کو ضروری سمجھنا اور قیام نہ کرنے والوں پر نکیر کرنا بدعت اور شرعاً جرم عظیم ہے وجہ ظاہر ہے کہ جب درود کھڑے ہو کر پڑھنا آپ سے صحابہؓ اور ائمہ متبوعینؒ و سلف صالحینؒ سے ثابت نہیں اور ایک شخص کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی قرار دیتا ہے تو ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی ناجائز جسارت ہے پھر جب ہم دیکھتے ہیں جیسا کہ باب ہذا کی احادیث کا بھی یہی مدلول ہے کہ حضورؐ نے نماز میں بیٹھ کر درود پڑھنے کی تعلیم دی ہے مگر اس کے باوجود ایک شخص بیٹھ کر پڑھنے کو خلاف ادب قرار دیتا ہے اور قیام کو ضروری قرار دیتا ہے تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی عمداً مخالفت کر رہا ہے ـــــــ اس کی تو ایسے مثال ہوئی جیسے ایک شخص یہ کہے کہ قرآن مجید کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے اگر کوئی اس کی اس بات کو نہیں مانتا تو وہ بے ادب ہے اور گستاخ ہے تو ایسے شخص کے بارے میں ارباب علم و دانش جو فیصلہ دیں گے وہی فیصلہ درود و سلام کے بارے میں قیام کو ضروری قرار دینے والوں کے بارے میں دیا جانا چاہئے۔

پھر کسی محفل درود و سلام میں حضورؐ کا بنفس نفیس تشریف لانا اور ان کے احترام میں کھڑے ہونا آخر اس کے لیے کونسی دینی اور شرعی بنیاد ہے۔

پھر قیام بھی محمود نہیں اگر حضورؐ ہی کے لیے قیام ہو تو پھر حضورؐ کی خوشنودی کے لیے حضورؐ ہی کے احکام و ہدایات پر عمل پیرا ہونا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی حیات طیبہ میں بھی اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے چنانچہ حضرت انس رضہ فرماتے ہیں لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من

کراهیة لذلک (سنن ترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل ج ۲ صفحہ ۱۰۰) مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ آپ کو دیکھتے تو قیام نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس عمل کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

مساجد میں جہراً درود پڑھنا بھی بدعت ہے

اسی مکتب فکر کے لوگ جب اس قسم کے اجتماع و التزام سے محفل درود کا انعقاد کرتے ہیں تو لازماً یہ درود جہراً پڑھا جاتا ہے اس طرح جہراً پڑھنا بھی درست نہیں بلکہ شرعاً بدعت ہے وجہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ مساجد میں جو تمام مسلمانوں کی مشترک عبادت گاہیں ہیں اس طرح کے جہری اعمال سے اُن کے انفرادی عبادات نماز تسبیح، درود، تلاوت، ذکر و اذکار اور فکر و مراقبہ میں خلل انداز ہوتے ہیں اس سے ایک تو ایذاءِ مسلم لازم آتا ہے دوسرا عام اخلاقی اقدار کی بھی توہین ہے اجتماع و التزام اور قیام کے ساتھ درود تو ہے ہی ناجائز، اگر بالفرض کوئی شخص مسجد میں کسی ایسے جائز اور مستحسن عمل کا ارتکاب کرتا ہے اس طرح کہ اس سے دوسروں کی عبادات متاثر ہوتی ہیں تو وہ بھی فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے مثلاً مسجد میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت، تسبیح، ذکر جہری وغیرہ جس سے دوسرے لوگوں کی نماز اور تسبیح و تلاوت میں خلل آتا ہو ناجائز ہے (شامی، خلاصۃ الفتاوی ملخصاً)

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے لوگوں کو بدعتی قرار دیا تھا کہ اُن کے بارے میں مروی ہے کہ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جهرًا وقال لهم ما اراکم الا مبتدعین (المنهاج الوا ضح (۱۲۷) بحوالہ شامی ج ۲ صفحہ ۳۵ وفتاوی بزازیہ ج ۳ صفحہ ۳۷۵ علی هامش الهندیہ)

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لیے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ اُن کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے،

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّسْلِیْمِ

۴۶۹۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ یَسَارِهٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب - جو روایات سلام پھیرنے کے بارہ میں ہیں۔ ۴۶۹۔ عامر بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں سلام پھیرتے ہوئے دیکھا تھا یہاں تک کہ میں آپ کے رخسارِ انور کی سفیدی دیکھ لیتا۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کیونکہ ساری مخلوق میں انھیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد میں ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہر حال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دُعا گو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دُعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

درود جو نماز میں زیادہ معمول ہے باب کی آخری روایت ۴۶۸ نُعیم المجمر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم واللیلة میں تخریج کیا ہے اس میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین کئے گئے ہیں وہ باب کی پہلی احادیث سے قدرے مختلف ہیں لیکن معنیٰ اور مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان میں ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے لیکن معمول زیادہ تر پہلے والا ہی ہے۔

مضمون حدیث (۴۶۹ تا ۴۷۰) باب کی پہلی روایت ۴۶۹ عامر بن سعد عن ابیہ سے مروی ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب المساجد ج ۱ ص۲۱۶ باب السلام للتحلیل من الصلوٰة میں تخریج کیا ہے دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے جسے خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے ابواب الصلوٰة ج ۱ ص۳۵ باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوٰة میں اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

دونوں کا مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ؛ السلام علیکم

۴۷۰- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ یَّسَارِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّہٖ - رَوَاہُ الْخَمْسَۃُ وَصَحَّحَہُ التِّرْمِذِیُّ -

---

۴۷۰- حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ (تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، تم پر سلامتی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔)

یہاں تک کہ میں آپ کے رخسار انور کی سفیدی دیکھ لیتا۔"

یہ حدیث اصحابِ خمسہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ورحمۃ اللہ کہہ کر فارغ ہوتے تھے مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپؐ کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا قربان جایئے حضرت کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا

کاشکے اندر نماز م جا شود پہلوئے تو تا بہ تقریب سلام افتد نظر بر روئے تو

اس باب میں دو باتیں عرض کی جائیں گی (۱) سلام کی کیفیت اور تعداد (۲) دوسرے سلام کو سلام مستحب ہے یا سنت فرض ہے یا واجب۔

علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۲ ص۲۹۳ علامہ بنوریؒ نے معارف السنن ج ۳ ص۱۰۹ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۴۳ حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود ج ۲ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم ج ۲ ص۱۷۱ اور مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار ج ۳ ص۱۳۳ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

تعدادِ سلام اور بیانِ مذاہب (۱) امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، محمد بن سیرینؒ، حسن بصریؒ، بن عبدالعزیز اور امامیہ کے نزدیک منفرد اور امام پر سامنے کی طرف ایک سلام کرنا لازم ہے اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے اور مقتدی پر تین سلام لازم ہیں ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف اور ایک سامنے کی طرف۔

(۲) حضرات حنفیہؒ شافعیہ، حنابلہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک امام منفرد اور مقتدی سب کے لیے
سلام کرنا مشروع ہے ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف نہ سامنے کی طرف سلام مشروع ہے اور نہ
ـ سلام کافی ہے۔ دوسرے سلام میں پہلے سلام کی بہ نسبت آواز کچھ پست رکھے یہ احسن ہے (عینی)
المنذرؒ نے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ نافع بن
ـ حارثؓ اور تابعینؒ میں عطا بن ابی رباحؒ علقمہ، شعبیؒ اور ائمہ میں امام احمدؒ اسحاقؒ اور ابوثورؒ سے
حکایت کیا ہے۔

ـلین سلام واحد کا استدلال اور جواب

قائلینِ سلام واحد حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں ان رسول
ـصلی اللہ وسلم کان یسلم فی الصلوٰۃ تسلیمۃ واحدۃ تلقاء وجہہ ثم یمیل الی
ق الایمن شیئاً (ترمذی باب منہ ایضاً)

جمہور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس میں زہیر بن محمد موجود ہے گو وہ رجالِ صحیحین میں
ـ ہے مگر اس کی روایات مناکیر ہیں اور یہ روایت بھی انہیں میں سے ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ
ـ سے اہل شام منکر احادیث روایت کرتے ہیں اور یہ روایت بھی اہل شام ہی کی ہے لہٰذا قابلِ
ـتدلال نہیں ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے پھر یہ حدیث اصل میں حضرت عائشہؓ پر موقوف
ـ امام نوویؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم کی تصحیح ناقابلِ قبول ہے۔

علامہ عقیلیؒ فرماتے ہیں ورد اسانید صحاح ثابتۃ فی حدیث ابن مسعود فی تسلیمتین
یصح فی تسلیمۃ واحدۃ شئی (بہر حال ایک سلام والی روایات اول تو اکثر ضعیف ہیں دوسرے
جن اصحاب سے ایک سلام مروی ہے تقریباً ان سب سے دو سلام کی روایات بھی ہیں۔

ـور کا استدلال

باب ہذا کی دونوں احادیث جمہور کا مستدل ہیں جن میں تسلیمتین کی تصریح
ہے علاوہ ازیں امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں تسلیمتین کی احادیث
ـ صحابہ کرام سے نقل کی ہیں لہٰذا اس تواتر کو چند ضعیف یا محتمل روایات کی بنا پر چھوڑنے کا کوئی سوال

ـمت تسلیمتین

تاتارخانیہ میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ پہلا سلام تحیۂ خروج ہے دوسرا
ـم تحیۂ حاضرین ہے اس لیے کہ نمازی تحریمہ صلوٰۃ کے بعد گویا لوگوں سے غائب ہو گیا تھا کہ نہ وہ
ـ سے بات کر سکا اور نہ کوئی اس سے گفتگو کر سکا اور تحلیل کے بعد گویا وہ لوگوں کے پاس آ گیا۔

بَابُ الْاِنْحِرَافِ بَعْدَ السَّلَامِ

۴۷۱۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

باب۔ سلام کے بعد (مقتدیوں کی طرف) پھرنا ۴۷۱۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے، تو رُخِ انور کے ساتھ ہماری طرف توجہ فرماتے ۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

دوسرے سلام کا حکم | پھر جو لوگ دو سلاموں کے قائل ہیں ان کے یہاں دوسرا سلام واجب ہے یا نہیں ؟ سو جمہور اس کے وجوب کے قائل نہیں بلکہ ان کے یہاں مستحب ہے علامہ ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص صرف ایک سلام پر اکتفاء کرے اس کی نماز صحیح ہے۔ امام نوویؒ نے بھی شرح مسلم میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ صرف ایک ہی سلام واجب ہے۔

(۴۷۱ تا ۴۷۳) باب ہذا کی تینوں روایات کا مدلول یہ ہے کہ نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے پہلی روایت (۴۷۱) سمرہ بن جندبؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان ج ۱ ص۱۱۷ باب یستقبل الامام الناس اذا سلم میں تخریج کیا ہے دوسری روایت ۴۷۲ براء بن عازب سے مروی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب صلوٰۃ المسافرین ج ۱ ص۲۴۷ باب جواز الانصراف من الصلوٰۃ عن الیمین والشمال کے تحت نقل کیا ہے اس کے علاوہ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے قال لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوتہ یریٰ ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ)

مندرجہ بالا چاروں احادیث کا حاصل یہ ہے۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیر کر دعا مانگتے

۴۷۲- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَّكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاوٗدَ۔

۴۷۳- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَكْثَرُ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۷۲- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے، تو ہم چاہتے کہ آپ کے دائیں جانب کھڑے ہوں، تو (نماز کے بعد) آپ ہماری طرف رُخِ انور کے ساتھ توجہ فرماتے۔"

یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

۴۷۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر اپنے دائیں طرف سے پھرتے دیکھا۔"

اور اپنے حجرۂ شریف کی جانب جو بائیں طرف تھا تشریف لے جاتے اور کبھی اس کا برعکس کرتے تھے کہ بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریقہ کو عزیمت یعنی اولیت پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اکثر اسی طرح ہوتا تھا، لیکن حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار کیا جاتا تھا لیکن سنت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے صرف پہلی ہی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت ہے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔"

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یعنی اولیت ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ

بَابُ فِی الذِّکْرِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ

۴۷۴ ـ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ـ نماز کے بعد ذکر ـ ۴۷۴ ـ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو اپنی نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے اولیٰ و افضل نہ سہی بہرحال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافع نے ان احادیث سے مصلّی کے لیے درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت و سہولت جس طرف دیکھے اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہیئے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا چاہیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کرکے اور پشت قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھتے تھے، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا۔ ابن مسعود کی روایت میں جو لا یجعل احدکم الشیطان شیأ من صلوٰتہ آیا ہے یعنی

"نماز میں شیطان کا حصہ" اس لیے کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب و لازم ہونے کا اعتقاد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہوا لہٰذا اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے کسی امر مستحب کو مستقل طریقہ سے اختیار کئے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو سمجھو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔

کاش کہ اہل بدعت اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے امر مستحب تو کجا خلاف شرع چیزوں اور بدعات کو اپنے اوپر لازم و واجب گردان کر اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی کی کس وادی میں پھینک رکھا ہے اور اپنے اوپر شیطان کو کتنا مسلط کر رکھا ہے۔

یہ چاروں حدیثیں یعنی حدیث عامرؓ، حدیث سمرۃؓ، حدیث انسؓ اور حدیث عبداللہؓ اس باب کے موضوع سے متعلق تو نہیں ہیں البتہ اس کے متعلقات سے ہیں۔

۴۷۴ تا ۴۸۱ ـ اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جا رہی ہیں جن سے نماز کے بعد دعا اور دیگر

۱۰ كَانَ يَقُولُ فِيْ دُبُرِ صَلٰوتِهٖ إِذَا سَلَّمَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلے ہیں ان کا کوئی شریک نہیں، انہیں کے لیے بادشاہی ہے اور انہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں جو آپ عطا فرمادیں، اور کوئی دینے والا نہیں جو آپ روک دیں، اور کسی بخت والے کو اس کا بخت آپ سے نفع نہیں دیتا۔)

اوراد و وظائف کے پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے یہاں ذکر کا لفظ عام ہے جو دعا اور اوراد و وظائف سب پر حاوی ہے۔

نماز کے بعد اوراد و وظائف اور دعا کے لیے موزون اوقات

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد نمازی دعا اور اوراد و وظائف کے لیے کتنی دیر بیٹھ سکتا ہے چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے البتہ اللھم انت السلام الخ کے بقدر دعا وغیرہ پڑھنے کے لیے کچھ دیر بیٹھنا ثابت ہے۔

علامہ حلوانی ؒ کا قول ہے کہ اوراد و وظائف پڑھنے کی غرض سے فرض اور سنتوں کے درمیان وقفہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس قول کو کمال ؒ نے بھی اختیار کیا ہے علامہ حلبی ؒ نے ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں پیدا کی ہے کہ اگر یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی نہ لیا جائے بلکہ مکروہ تنزیہی مراد لیا جائے تو ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا کیونکہ پہلے قول کا پھر مطلب یہ ہوگا کہ اوراد و وظائف پڑھنے کے لیے سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر تاخیر نہ کی جائے تو بہتر ہوگا اسی طرح علامہ حلوانی ؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز

۴۷۵۔ وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِہٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا الْبُخَارِیَّ۔

۴۷۵۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرنے لگتے تو تین بار استغفار کرتے (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے) اور فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ۔ (اے اللہ! سلامتی والے آپ ہی ہیں، اور سلامتی آپ ہی سے ہے، بڑے بابرکت ہیں آپ اے بزرگی اور عزت والے رب)

یہ حدیث بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے کے لیے سنتوں میں تاخیر کرنے میں اگرچہ کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن مناسب یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے اس طرح یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ پر صحیح رہے اور دونوں میں کوئی تضاد بھی باقی نہیں رہا۔

بعد الصلوٰۃ ادعیہ میں ترتیب صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نماز جس کے بعد سنت نہ پڑھی جائیں ان میں فرض کے بعد، اور جس کے بعد سنت پڑھی جائیں ان میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھا جائے آیت الکرسی اور معوذات پڑھی جائیں اور سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھے جائیں پھر ایک مرتبہ تہلیل (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ) پڑھ کر ۱۰۰ کے عدد کو پورا کیا جائے پھر اس کے بعد دعا مانگی جائے اور دعا کو اس جملے پر ختم کیا جائے سبحان ربک رب العزۃ الخ۔

(مظاہر حق ج ۱ ص ۳۳۶)

سنتوں کے بعد مسنون ذکر و دعا کا وہی ثواب ہے جو فرض کے بعد ہوتا ہے اگر کوئی شخص فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھ لے اور اس کے بعد احادیث میں مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہو گا جو احادیث میں مذکور ہے یعنی احادیث میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد فلاں فلاں دعا یا وظیفہ

۷۷۴۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۷۴۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد صرف اتنی مقدار بیٹھتے جس میں یہ دعا پڑھ لیتے۔ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

پڑھا جائے تو اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر پہلے سنتیں پڑھے اور پھر اس کے بعد مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس فضیلت سے محروم رہا کیوں کہ حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ اوراد و وظائف نماز کے بعد پڑھے جائیں خواہ سنتوں کے بعد کیوں نہ ہوں بلکہ سنتوں کے بعد ہی پڑھنا زیادہ مناسب ہے اسی طرح صحیح احادیث سے چونکہ ثابت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر دس مرتبہ پڑھا جائے یا ان نمازوں کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے تو اگر کوئی شخص مغرب کی فرض نماز کے بعد پہلے سنتیں پڑھ لے اور پھر اس کے بعد آیۃ الکرسی یا مذکورہ بالا تہلیل پڑھے تو حدیث کے مطابق اسے وہی فضیلت حاصل ہوگی جو فرض نماز کے بعد انہیں پڑھنے پر حاصل ہوتی۔

احادیث الباب کی تشریح

(۷۷۲) باب کی پہلی روایت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے جسے صحیح بخاری کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۱ صـ۱۱۷ اور صحیح مسلم کتاب المساجد باب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ ج ۱ صـ۲۱۸ میں تخریج کیا گیا ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے

(۷۷۵) یہ روایت حضرت ثوبانؓ امام بخاری کے علاوہ اصحاب ستہ نے نقل کی ہے مسلم ج ۱ صـ۲۱۸ ترمذی ج ۱ صـ۶۶ ابو داؤد جلد ۱ صـ۲۱۲، نسائی ج ۱ صـ۱۹۶ میں اس کی تخریج کی گئی ہے۔

حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی

۷۷۴- وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ تَسْبِيحَةً وَثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ تَحْمِيدَةً وَأَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ تَكْبِيرَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۷۴- حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- نماز کے بعد چند کلمات کہے جاتے ہیں، جن کا ہر فرض نماز کے بعد کہنے والا یا فرمایا کرنے والا (راوی کو شک ہے) ناکام نہیں ہوتا، ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ اور بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ استغفار کے لیے تین مرتبہ استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھتے تھے۔

یہ دراصل کمالِ عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصوروار اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگے اس حدیث میں جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے عوام میں اس دعا کے بعد ومنک السلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے والیک یرجع السلام حیّنا ربنا بالسلام وادخلنا الجنۃ دار السلام محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔

نماز کے بعد حضورؐ کا قعود

(۷۷۴) حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ ج ۱ ص ۲۱۸ میں نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی قدر بیٹھتے تھے کہ یہ دعا پڑھ لیں لیکن جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر و عصر ان کے سلام پھیرنے کے بعد آپ کا اس سے زیادہ بیٹھنا بھی ثابت ہے چنانچہ اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ان نمازوں کے بعد طلوعِ آفتاب و غروب

۴۷۸- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَبَّحَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۷۸۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ و ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۳ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا تو یہ ننانوے بار ہوا اور اس نے سو پورا کرتے ہوئے کہا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

(۱) مسئلہ لم یقعد کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ آپ بعدِ نماز صرف اتنی ہی دیر تک بیٹھے رہتے کہ یہ دعا پڑھ لیں یا یہ کہ آپ اکثر و بیشتر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق و تطبیق

حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے فوراً بعد اٹھ جاتے تھے لیکن اس باب میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

بعض حضرات نے تو اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس باب میں وارد احادیث میں اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے علاوہ جن دعاؤں اور تسبیح و تہلیل کے جن کلمات کا ذکر کیا گیا ہے یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصل نہیں پڑھتے تھے بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد

۹۷۴۔ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي سَعِيْدٍ هَلْ حَفِظْتَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا يَقُوْلُهُ بَعْدَ مَا سَلَّمَ قَالَ نَعَمْ كَانَ يَقُوْلُ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔

۹۷۴۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نے حضرت ابوسعیدؓ سے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز یاد کی ہے جو آپ نماز کے بعد فرماتے، انہوں نے کہا، ہاں، آپ نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

"سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

(آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت والا ہے، ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔)

یہ حدیث ابویعلیٰ نے نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

پڑھا کرتے تھے اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے مگر اس باب میں وارد اکثر احادیث کے ظاہر الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصل یہ دعائیں اور ذکر کے کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے اسی سلسلہ میں صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے وہ سلام کے بعد ان تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں فرماتے ہیں۔

وبہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں اور ذکر الٰہی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے پڑھے جائیں کیوں کہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے .... اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے.......

رہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اللھم انت السلام۔ الخ کہنے کے بقدر بیٹھتے تھے تو اس کی کئی توجیہیں کی جاسکتی ہیں مثلاً کہا

۸۰۴۔ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ إِلَى الصَّلٰوةِ الْأُخْرٰى۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۸۰۴۔ حضرت حسن بن علیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دوسری نماز تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوگا۔"
یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے اس کے بعد نشست بدل دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے (جیسا کہ گذشتہ ابواب میں آپ کا یہ معمول بعض روایات میں مذکور ہے)۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ہی ایسا کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللھم انت السلام...... پڑھ کر اٹھ جاتے تھے اور ایسا آپ غالباً اس لیے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے بھی معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعائیں اور ذکر کے اِن کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص۱۱)

انگلیوں کھجور کی گٹھلیوں اور مروجہ تسبیح پر پڑھنے کا حکم

(۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶) کعب بن عجرہ کی روایت امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ ج ۱ ص۲۱۸ میں اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی اسی باب میں اسی صفحہ میں تخریج کی ہے۔

بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحیی ویمیت اور بعض روایات میں بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول ہیں مذکورہ بالا کلمات جو نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کے مختلف عدد منقول ہیں چونکہ آپ خود بھی انہیں مختلف عدد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لیے ان کلمات کو احادیث میں مذکورہ اعداد میں سے جس عدد کے ساتھ بھی پڑھا جائے گا اصل سنت ادا ہو جائے گی حافظ زین عراقیؒ

۴۸۱- وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ اٰیَةَ الْکُرْسِیِّ دُبُرَ کُلِّ صَلٰوةٍ مَکْتُوْبَةٍ لَمْ یَمْنَعْہُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ- رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَصَحَّحَہُ ابْنُ حِبَّانَ-

---

۴۸۱- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکے گی " یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعداد بہتر ہیں اور جو عدد سب سے بڑا ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ان تسبیحات کے ورد کے سلسلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ انہیں داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ انہیں انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ قیامت کے روز انگلیوں (بندوں کے اعمال کے سلسلہ میں) سوال کیا جائے گا اور (جواب کے لیے) انہیں گویائی کی قوت دی جائے گی صحابہ کرامؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ انہیں کھجور کی گٹھلیوں پر پڑھتے تھے بہر حال ان تسبیحات کو انگلیوں پر پڑھنا ہی افضل ہے اور گٹھلیوں وغیرہ پر پڑھنا بھی جائز ہے مروجہ تسبیح بھی جائز ہے سلف صالحین اسے مذکرہ کہتے ہیں

قیامت کے روز بھرپور پیمانے سے اجر ملے گا

(۹/۴) اس روایت کو امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد ج ۲ صفحہ ۱۴۱ میں ابو یعلی کے حوالے سے تخریج کیا ہے نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا تمام ادعیہ و اذکار کے آخر پہ پڑھنی چاہیئے جیسا کہ اس سے قبل عرض کر دیا گیا ہے یہی روایت علامہ قرطبیؒ نے بھی اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنا کہ آپ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیات تلاوت فرماتے تھے سبحان ربک رب الخ نیز متعدد تفاسیر میں امام بغویؒ کے حوالے سے حضرت علیؓ کا یہ قول منقول ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اسے بھرپور پیمانے سے اجر ملے اسے چاہیئے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے آخر میں یہ (آیات) پڑھا کرے یہی قول (ابن ابی حاتمؒ نے حضرت شعبیؒ کی روایت سے مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي الدُّعَآءِ بَعْدَ الْمَكْتُوْبَةِ

۴۸۲ - عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الدُّعَآءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

باب - جو روایات فرض نماز کے بعد دعا کے بارہ میں ہیں۔ ۴۸۲۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا عرض کیا گیا۔ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتا ہے، آپ نے فرمایا، رات کے آخری نصف میں اور فرض نمازوں کے بعد۔"

یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

دخولِ جنت سے موت کے مانعیت کا مطلب

۴۸۰، ۴۸۱۔ پہلی روایت حسن بن علیؓ سے ہے جسے طبرانیؒ نے معجم کبیر ج ۳ صـ۸۳ میں نقل کیا ہے اور دوسری روایت حضرت ابی امامہؓ سے ہے جسے نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کیا ہے دونوں میں فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کی فضیلت وا ہمیت کا ذکر ہے۔ احادیث کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت سے ایک خلجان واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ موت دخول جنت سے مانع نہیں ہے بلکہ موت تو خود جنت میں جانے کا ذریعہ ہے لہذا چاہیئے تو یہ تھا کہ بجائے اس کے یہ فرمایا جاتا کہ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الحیاۃ کیونکہ اس دنیا میں انسان حیات کے جال میں پھنسا ہوا ہے جب زندگی ختم ہوگی اور موت آئے گی جنت میں اسی وقت دخول ممکن ہوگا لہذا دخول جنت کی مانع موت نہیں ہے حیات ہے اس کا مختصر جواب علامہ طیبیؒ نے یہ دیا ہے کہ بندہ اور جنت کے درمیان موت ایک پردہ ہے کہ ایک طرف تو حیات ہے اور دوسری طرف جنت ہے جب یہ پردہ ہٹے گا یعنی بندہ کو موت آئے گی تو وہ فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں موت سے مراد بندہ کا قیامت کے روز قبر سے اٹھنے سے پیشتر قبر میں بند رہنا ہے چنانچہ بندہ قبر سے اٹھے گا فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا ایک روایت میں آیت الکرسی کے ساتھ سورۃ اخلاص کا بھی ذکر ہے۔

سلام پھیرنے مقتدی کے لیے امام کی اقتداء دعا ضروری ہے یا نہیں

(۴۸۴) حضرت ابوامامہؓ کی اس

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الدُّعَاءِ

۸۴۳ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا رَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب - دعا میں ہاتھ اٹھانا - ۸۴۳ - ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا فرماتے ہوئے دیکھا آپ فرما رہے تھے۔

روایت کو امام ترمذیؒ نے اپنی سنن ابواب الدعوات ج ۲ صـ۱۸۷ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث لفظی ترجمہ سے واضح ہے تاہم بیان کیلئے ایک مسئلہ کی توضیح ضروری ہے وہ یہ کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان سے تو یہ معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نمازی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے اس لیے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

۸۴۳ تا ۸۴۵ - باب کی غرض انعقاد ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ دعا کے وقت رفع یدین مسنون ہے باب کی پہلی اور دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے پہلی روایت امام بخاریؒ نے ادب المفرد باب رفع الایدی فی الدعا صـ۹۳ اور دوسری روایت کی جزء رفع یدین میں تخریج کی ہے تیسری روایت ۸۴۵ حضرت سلمانؓ سے منقول ہے جسے امام ابو داؤد نے کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء صـ۲۰۹ اور امام ترمذی نے ابواب الدعوات ج ۲ صـ۱۹۵ میں تخریج کیا ہے۔

باب کی تینوں احادیث میں یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ رفع الیدین فی الدعا سنت ہے سو ہے کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں چنانچہ ہاتھ کے اٹھانے کی مقدار کے بارے میں احادیث جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ ۔۔۔ حتی یری بیاض ابطیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت

يَدْعُوْ رَافِعًا يَدَيْهِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَلَا تُعَاقِبْنِيْ أَيُّمَا رَجُلٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ أَوْ شَتَمْتُهٗ فَلَا تُعَاقِبْنِيْ فِيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ هُوَ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَلَا تُعَاقِبْنِيْ أَيُّمَا رَجُلٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ أَوْ شَتَمْتُهٗ فَلَا تُعَاقِبْنِيْ فِيْهِ۔	(اے اللہ! بلاشبہ میں انسان ہوں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں جس مومن کو میں نے تکلیف دی ہو یا بُرا بھلا کہا تو مجھ سے اس میں مواخذہ نہ فرمائیں۔

یہ حدیث بخاری نے ادب المفرد میں نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح (الباری) میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی، سہل ابن سعد کی روایت ہے قال کان یجعل اصبعیہ حذاء منکبیہ ویدعو (آپ اپنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے اپنے مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور پھر دعا مانگتے یہ دونوں روایات مشکوٰۃ المصابیح کتاب الدعوات سے منقول ہیں۔

سہل بن سعد کی روایت میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی جو مقدار بیان کی گئی ہے ہاتھ کے اٹھانے کا یہی اوسط درجہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت اکثر اپنے ہاتھوں کو اتنا ہی اٹھاتے تھے جہاں تک اس سے پہلی حدیث کا تعلق ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں جس سے ہاتھوں کو زیادہ اوپر اٹھانا معلوم ہوتا ہے تو یہ صورت بعض اوقات پر محمول ہے یعنی جب دعا میں بہت ہی زیادہ استغراق، مبالغہ اور محویت منظور ہوتی تھی مثلاً استسقاء یا سخت آفات و مصائب کے وقت تو آپ اس موقع پر اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

ہاتھوں کا اٹھانا کب خلاف سنت ہے

البتہ ایک اشکال باقی رہ جاتی ہے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انہ یقول ان رفع ایدیکم بدعۃ ما زاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا یعنی الی الصدر (مشکوٰۃ کتاب الدعوات) اشکال واضح ہے کہ حضرت ابن عمرؓ دعا میں ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرار دے رہے ہیں شارحین حدیث نے جواب میں کہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ

۴۸۴۔ وَعَنْهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَافِعًا يَدَيْهِ حَتّٰى بَدَا ضَبْعَاهُ يَدْعُوْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَجَرٍ

۴۸۵۔ وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ سَنَدُهُ جَيِّدٌ۔

۴۸۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرتے دیکھا ، یہاں تک کہ آپ کی بغل مبارک ظاہر ہو گئی ۔"

یہ حدیث بخاری نے جزو رفع یدین میں نقل کی ہے اور ابن حجرؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۴۸۵۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلا شبہ تمہارے پروردگار حیا کرنے والے ، درگزر کرنے والے ہیں ، بندہ جب اپنے ہاتھ اٹھائے ، تو اسے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرماتے ہیں ۔"

یہ حدیث ابوداؤد ، ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے ، حافظ نے فتح (الباری) میں کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

نے لوگوں کے ہاتھوں کو زیادہ اٹھانے کو بدعت اس لیے کہا کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو اکثر اوقات بہت ہی زیادہ اٹھانے لگے تھے اور حالات و مواقع میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ ایک مقصد کے لیے تو ہاتھوں کو سینہ تک اٹھاتے اور مونڈھوں تک دوسرے مقصد کے لیے اسی طرح اور مقصد کے لیے مونڈھوں سے اوپر اٹھاتے اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں سمجھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کی مقدار کا فرق حالات و مواقع کے اختلاف پر مبنی تھا کہ آپ اکثر تو اپنے ہاتھ سینہ تک اٹھاتے تھے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے جن لوگوں کو تنبیہ کی وہ مواقع اور حالات کے اختلاف کو مد نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر موقع پر اور ہر دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو بہت ہی زیادہ اوپر اٹھانے لگے تھے اس لیے حضرت ابن عمرؓ نے ان کے اس طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کیا اور اسے سنت کے خلاف قرار دیا۔

بَابٌ فِي صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

۴۸۶ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُؤَذِّنَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اَنْطَلِقَ مَعِيْ بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمًا الْحَطَبِ اِلٰى قَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ بِالنَّارِ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

باب - باجماعت نماز کے بارہ میں - ۴۸۶ - حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " بلاشبہ میں نے ارادہ کیا کہ میں مؤذن سے کہوں کہ وہ اذان کہے، پھر کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں، ایسے لوگوں کی طرف جاؤں جو باجماعت نماز سے پیچھے رہتے ہیں، تو ان کے گھروں کو آگ کے ساتھ جلا ڈالوں "

یہ حدیث بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

جماعت دین محمدی کی خاصیت

(۴۸۶ تا ۴۹۴) باب کی تمام احادیث نماز باجماعت کی فضیلت اہمیت اور اس کے احکام پر مبنی ہیں صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ جماعت دین محمدی کے خصائص میں سے ہے اس سے پہلے کسی دین میں جماعت مشروع نہ تھی پھر اس میں شک نہیں کہ شریعت محمدیہ میں جماعت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ نماز جیسی عظیم عبادت کی شان اسی کی متقاضی تھی کہ جس چیز سے اس کی تکمیل ہو اعلیٰ درجہ پہ پہنچائی جائے۔

بیان مذاہب

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ جماعت کی نماز کا حکم کیا ہے۔

(۱) فرض عین ہے اور صحت صلوٰۃ کے لیے شرط ہے لا تصح الصلوٰۃ بترکہا یہ مسلک امام احمدؒ، ابن منذرؒ، ابن حبانؒ اور داؤد ظاہریؒ کا ہے (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۱)

قائلین فرضیت عین کے دلائل

(۱) ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ۴۹۴ ہے جسے آئندہ باب میں نقل کیا گیا ہے قال من سمع النداء فلم یاتہ فلا صلوٰۃ الا من عذر (ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۹)

۴۸۷۔ وَعَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَآءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۸۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میرے پاس ساتھ چلنے والا کوئی شخص نہیں جو مجھے مسجد تک ساتھ لے چلے، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرے آپ نے اُسے اجازت عطا فرمادی، جب وہ مڑا تو آپ نے اُسے بلا کر فرمایا، کیا تم اذان سنتے ہو اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا تو اُسے قبول کرو (یعنی مسجد میں حاضر ہو جاؤ) یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ یعنی حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص اذان سنے اور جماعت کے لئے حاضر نہ ہو تو اس کی نماز نہیں مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ ــــ علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے تو صرف وجوب ثابت ہو سکتا ہے فرضیت نہیں لان الفرض لا یثبت بخبر الواحد۔

(ب) ان حضرات کی دوسری دلیل اسی باب کی پہلی روایت ۴۸۶ ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اس روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ ص ۸۹ اور مسلم نے کتاب المساجد ج ۱ ص ۲۳۲ میں تخریج کیا ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقد ھممت ان اٰمر المؤذن الخ مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

امام ترمذیؒ ان لوگوں کا استدلال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر جماعت فرض عین نہ ہوتی تو آپ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے سبب کفایت ہو جاتی اور آپ ان کو آگ میں جلانے پر آمادگی کا اظہار نہ کرتے (ترمذی ج ۱ ص ۳۰، مسلم جلد ۱ ص ۲۳۲ اور ابو عوانہ ج ۲ ص ۲۷ میں یہ روایت ہے ثم احرق البیوت علی من فیھا تو آدمیوں کا جلانا اور ان کے مکانات کا راکھ کر دینا رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ کی جماعت فرض عین ہے اگر ایک

۴۸۸۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ

۴۸۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص اس پر خوش ہوتا ہے کہ وہ کل اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہوتے ہوئے ملاقات کرے، تو وہ ان نمازوں پر پابندی کرے، جہاں ان کے لیے پکارا جائے، پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کے راستے ظاہر فرمائے ہیں اور بلاشبہ یہ نماز بھی ہدایت کے راستوں میں سے ہیں، اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی، جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، تو تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا اور اگر تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا، تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، کوئی ایسا شخص نہیں جو اچھے طریقہ سے طہارت حاصل کرے، پھر ان

مانع نہ ہوتا تو آپ یہ ارادہ پورا فرما دیتے اور وہ مانع گھروں میں عورتوں اور بچوں کی موجودگی تھی چنانچہ مسند طیالسی ص۳۳ اور مشکوٰۃ ص۹۷ میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت مرفوعاً منقول ہے آپ نے فرمایا لولا فی البیوت من النساء والولدان یعنی اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ارادہ پورا کر دیتا۔

قائلین فرضیت عین کے دلائل سے جوابات

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۲ ص۱۲۶تا۱۲۷ میں اس پر بحث کرتے ہوئے حدیث کے کئی جوابات لکھتے ہیں (۱) ایک یہ کہ اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ نے اس کو چھوڑنے کا ارادہ نہ فرمایا ہوتا لیکن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ یہاں آپ کے حق میں ترک جماعت لازم نہیں آتی آپ اس کے بعد باجماعت ہی نماز ادا کرتے زیادہ سے زیادہ آپ نے اہم سے اہم تر چیز کی طرف توجہ فرمائی۔ (۲) حافظ ابن حجرؒ نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ آپ کا یہ فرمان تشدید و تہدید کے لیے تھا تاکہ لوگ جماعت کے معاملہ میں تاخیر اور سستی نہ کریں۔

مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا حَسَنَةً وَّيَرْفَعُهٗ بِهَا دَرَجَةً وَّيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَّلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

مساجد میں سے کسی مسجد کا ارادہ کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر قدم پر جو وہ چلے ایک نیکی لکھ دیں گے ایک درجہ بلند فرمائیں گے اور ایک گناہ معاف فرمائیں گے اور تحقیق میں اپنی جماعت (صحابہ کرامؓ) کو دیکھتا ہوں اور اس سے ایسا منافق ہی پیچھے رہتا ہے جس کا نفاق معلوم ہوا اور ایک شخص کو دو آدمیوں کے درمیان سہارا دے کر لایا جاتا یہاں تک کہ وہ صف میں کھڑا ہو جاتا۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ضرورت کی وجہ سے امام جا سکتا ہے

ثم انطلق یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عذر کی بنا پر کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے اور خود اپنی ضرورت کی وجہ سے چلا جائے (مظاہر حق)

احراق بالنار پر اشکال اور جواب

فاحرق علیھم بیوتھم بالنار بظاہر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس روایت کا بخاری ج ۱ ص۴۲۳ کی روایت لا یعذب بھا الا اللہ سے تعارض ہے جواب واضح ہے کہ (۱) آگ میں آپ نے جلایا نہیں محض آرزو کی ہے لہٰذا لا یعذب بھا الا اللہ سے اس کی مخالفت لازم نہیں آتی (۲) علاوہ ازیں پہلے اجازت تھی بعد میں اس کی نہی آگئی۔

(۲) دوسرا مذہب فرض عین کا ہے لیکن صحت نماز کے لیے شرط نہیں ہے عطاء، اوزاعی، ابوثور کا قول اور امام احمدؒ کا صحیح مذہب یہی ہے اصحاب شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے ابن خزیمہؒ ابن المنذرؒ اور شیخ رافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۳) فرض کفایہ ہے اگر بعض نے جماعت کر لی تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہے یہ امام شافعیؒ اور ان کے جمہور اصحابؒ کا قول ہے (نیل الاوطار ج ۲ ص۱۲۶) اور ہمارے مشائخ میں سے امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

۴۸۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۴۸۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے ثواب میں ستائیس درجہ بڑھ جاتی ہے۔
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

---

(۴) واجب ہے یہ عام مشائخ حنفیہ کا قول ہے صاحب بحر، صاحب غنیہ، صاحب بدائع اور صاحب مجتبیٰ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے بحرالرائق میں ہے کہ اہل مذہب کے نزدیک یہی روایت قوی ہے محقق ابن الہمامؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

(۵) سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے یہ بعض حضرات حنفیہؒ کا قول ہے صاحب ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے مختصر البحر المحیط میں ہے۔ الاکثر علی انہا سنۃ مؤکدۃ شرح خواہر زادہ میں ہے سنۃ مؤکدۃ بغایۃ التاکید مجمع الانہر میں ہے الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ ای قریبۃ من الواجب۔

وجوب ــ سنت مؤکدہ | صاحب بحر فرماتے ہیں کہ ادنیٰ وجوب اور اعلیٰ سنت مؤکدہ کا درجہ ایک ہے معلوم ہوا کہ یہ سنن مؤکدہ میں سے اعلیٰ درجہ کی سنت ہے شیخ زاہدیؒ مجتبیٰ شرح مختصر القدوری میں کہتے ہیں کہ فقہاء نے "تاکید سے وجوب مراد لیا ہے یعنی جو لوگ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں ان کے قول میں اور جو لوگ واجب کہتے ہیں ان کے قول میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ "تاکید سے مراد واجب ہوتا ہے۔

(۶) مستحب ہے اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو بلفظ فضل وارد ہوئی ہیں جیسا کہ اسی باب کی روایت (۴۸۹) حضرت ابن عمر سے مروی ہے "صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ" (رواہ البخاری کتاب الاذان ج ۱ ص ۸۹ باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ) مگر استحباب کا یہ قول شاذ اور مردود ہے کیونکہ آگے اس باب میں متعدد احادیث ایسی درج کی گئی ہیں جن میں تارک جماعت کے متعلق سخت وعیدات ہیں ظاہر ہے کہ تارک مستحب پر ملامت نہیں ہوتی۔

۴۹۰- وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْکٰی مِنْ صَلٰوتِہٖ وَحْدَہٗ وَصَلٰوتُہٗ مَعَ الرَّجُلَیْنِ اَزْکٰی مِنْ صَلٰوتِہٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا کَثُرَ فَھُوَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۴۹۰- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی نماز ایک شخص کے ساتھ (یعنی دو شخصوں کا باجماعت نماز پڑھنا) زیادہ بہتر ہے، اکیلے نماز پڑھنے سے اور اس کا دو آدمیوں کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔ ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھنے سے اور جس قدر اس سے بڑھ جائے، تو آنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت عتبانؓ (نابینا) کو جماعت چھوڑنے کی اجازت اور عبداللہ ابن ام مکتومؓ (نابینا) کو جماعت نہ چھوڑنے کی تاکید کیوں؟

(۴۸۷) باب ہذا کی یہ دوسری روایت بھی امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد ج ۱ ص ۲۳۲ باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ میں نقل کی ہے صحیحین کی حدیث میں منقول ہے کہ جب حضرت عتبانؓ بن مالک نے اپنی بینائی کا شکوہ کیا کہ اس کی وجہ سے مسجد میں حاضری سے محروم ہوں تو آنحضرتؐ نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کریں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نابینا شخص کو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے مگر حدیث باب میں جس رجل اعمیٰ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ ہیں ان کو آپؐ نے جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فضلائے مہاجرین میں سے تھے ان کی شان کے لائق یہی بات تھی کہ وہ اولیٰ پر عمل کریں یعنی جماعت میں حاضر ہوا کریں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں اجازت دے دی مگر پھر وحی آجانے یا اجتہاد بدل جانے کی وجہ سے آپؐ نے اجازت واپس لے لی اس حدیث میں اذان سننے کے بعد مسجد میں حاضری کی ضرورت و اہمیت کو کمالِ مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

عبداللہ ابن مسعود کی روایت کا مضمون

(۴۸۸) حضرت ابن مسعودؓ کا اپنے اس ارشاد میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب

۴۹۱۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَۃِ عَلٰی صَلٰوتِہٖ وَحْدَہٗ بِضْعٌ وَعِشْرُوْنَ دَرَجَۃً۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۴۹۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد کا باجماعت نماز پڑھنا اس کے اکیلے نماز پڑھنے پر بیس سے کچھ اوپر درجہ فضیلت رکھتا ہے۔
یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فضل صلوٰۃ الجماعۃ ج ۲ ص ۲۳۲ میں تخریج کیا ہے نماز باجماعت کو "سنت ہدیٰ" اور گھروں میں نماز پڑھنے کو گمراہی قرار دیا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس امت کے اس اولین دور میں خوشحالی اور معیاری دور تھا منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور واللہ کے بعض صاحب عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آکر جماعت میں شرکت کرتے تھے حضرت ابن مسعودؓ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت اُن کے اور عام صحابہ کرام رضہ کے نزدیک سنت مؤکدہ اور دینی واجبات کی سی ہے پس جن حضرات نے اس روایت کے الفاظ "سنن الہدیٰ" سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس "سنت" کا ہے غالباً انہوں نے غور کرتے وقت حضرت ابن مسعودؓ کے پورے ارشاد کو سامنے نہیں رکھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی دو قسمیں

سنن الہدیٰ ان طریقوں اور راستوں کو کہتے ہیں جن پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور حق تعالیٰ شانہ کے قرب و رضا کا باعث ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دو قسم کے ہوتے تھے ایک قسم کے افعال تو وہ تھے جنہیں آنحضرت بطریق عبادت کرتے تھے دوسرے قسم کے افعال وہ تھے جو آپ بطریق عادت کرتے تھے جن افعال کو آپ بطریق عادت کرتے تھے کہا انہیں "سنن زوائد" کہا جاتا ہے اور جن افعال کو آپ بطریق عبادت کرتے تھے انہیں سنن الہدیٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پھر سنن الہدیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) سنن مؤکدہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال ہیں

۴۹۲ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ عَلٰى صَلٰوةِ الْفَذِّ وَصَلٰوةِ الرَّجُلِ وَحْدَهٗ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ صَلٰوةً رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

---

۴۹۲ - حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز اکیلے کی نماز سے اور مرد کے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجات بڑھ جاتی ہے۔"
یہ حدیث بزار نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

جنہیں آپ نے بطریق مواظبت کے کیا اور لوگوں کو بھی ان افعال کے کرنے کی تاکید فرمائی۔

(۲) سنن غیر مؤکدہ: وہ افعال ہیں جو نہ تو آپ ؐ سے بطریق مواظبت کے صادر ہوتے تھے اور نہ ان پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو تاکید فرماتے تھے۔

اس حدیث میں جن سنن ہدیٰ کا ذکر فرمایا گیا ہے مراد سنن مؤکدہ ہیں جو حضرات جماعت کو واجب قرار دیتے ہیں یہ اصطلاح ان کے نقطۂ نظر کے بھی منافی نہیں ہے کیونکہ لغۃً واجب بھی سنن ہدیٰ کی تعریف میں داخل ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشار الیہ

کما یصلی هذا المتخلف فی بیته بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص شخص تھا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح یہ شخص اپنے کو جماعت کی سعادت سے محروم کرکے گھر میں نماز پڑھ لیتا اسی طرح اگر تم لوگ بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے تو سمجھنے لگو کہ اس شخص کی طرح تمہارا بھی یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑنے کے مترادف ہوگا اور ظاہر ہے کہ سنت کو چھوڑنے والا شخص ضلالت وگمراہی کی تباہ کن گھاٹی میں گرتا ہے۔

منافق سے مراد کون؟

وما یتخلف عنها الا منافق صاحب عنایہ فرماتے ہیں کہ اس میں منافق سے مراد اصطلاحی منافق نہیں جو دل میں کفر رکھتا ہو اور اسلام ظاہر کرتا ہو ورنہ جماعت فرض قرار پائے گی اس لیے کہ منافق کافر ہے اور کفر کا ثبوت غیر فرض کے ترک سے نہیں ہوتا نیز اسی صورت میں آخر کلام اول کلام سے متناقض ہوگا۔ فیکون المراد به العاصی۔

۴۹۳۔ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَيَعْجَبُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْجَمِيْعِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۴۹۳۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ جماعت کے ساتھ نماز پسند فرماتے ہیں۔"
یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

علامہ عینیؒ کا استدلال

علامہ عینی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اثر ابن مسعود اس پر دال ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے اس لیے کہ الحاقِ وعید، ترکِ واجب کی وجہ سے ہوتا ہے یا ترکِ سنتِ مؤکدہ کی وجہ سے۔

درجات فضل میں تفاوت اور رفع تعارض

(۴۹۰) حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت، جسے امام بخاری نے کتاب الآذان ج ۱ صفحہ ۸۹ میں مسلم نے کتاب المساجد، صفحہ ۲۳۱ میں تخریج کیا ہے میں باجماعت نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے سے سبع وعشرین درجۃ افضل قرار دیا گیا ہے اسی باب میں روایت ۴۹۱ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۱ صفحہ ۴۳۷ میں نقل کیا ہے۔ بضع وعشرون درجۃ افضل قرار دیا ہے روایت ۴۹۲ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے جسے کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ صفحہ ۲۲۲ میں نقل کیا گیا ہے باجماعت نماز کو منفرد کی نماز سے خمسا وعشرین صلوٰۃ افضل قرار دیا ہے ان روایات میں بظاہر تعارض ہے علماء وشارحین حدیث اس کے متعدد جواب دیئے ہیں جوابات سے قبل تمہیدی گذارش بھی ملحوظ رہے۔

نماز کے خواص و اثرات میں تفاوت

جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کی بنا پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عمل کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے

۴۹۴ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَعْجَبُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْجَمِيْعِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۴۹۴ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ بلاشبہ اللہ عزوجل جماعت کے ساتھ نماز پسند فرماتے ہیں۔"
یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

درجے افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بنا پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے کہ پس آپ کا یہ ارشاد فرمانا کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ۲۵ درجہ یا ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۵ گنا یا ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتائی اسی حدیث سے ضمنا یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۴ یا ۲۶ درجے کی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے اس سے قائلین فرضیت عین لو تصح الصلوٰۃ بغیر ها کی رد بھی ہو جاتی ہے۔

ستائیس کے عدد کی تخصیص میں علمی نکتہ

۲۷ کے عدد کی تخصیص کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں علامہ بلقینی رحمہ سے ایک لطیف نکتہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جماعت کا ادنیٰ اطلاق تین پر ہوتا ہے لہذا ایک جماعت اصلاً تین نیکیوں پر مشتمل ہوتی ہے دکل حسنۃ بعشر امثالہا اس طرح یہ تین نیکیاں اپنی فضیلت کے اعتبار سے تیس نیکیوں کے برابر ہوتی ہیں اور تیس کا عدد اصل اور فضیلت دونوں کا مجموعہ ہے اس میں سے اصل یعنی تین کو نکال لیا جائے تو عدد فضیلت ستائیس ہی رہ جاتا ہے۔ یہ توجیہ ان روایات کے مطابق ہے جن میں سبع و عشرین کا عدد مذکور ہے لیکن دوسری روایات جن میں خمس و عشرین آیا ہے وہ اس حساب پر پوری نہیں بیٹھتیں۔

متعارض روایات میں تطبیق و توفیق

بہرحال دونوں روایات میں تطبیق کے لیے کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ابن دقیق العیدؒ احکام الاحکام ج ۱ ص۱۸۶ میں لکھتے ہیں کہ جزو بڑا ہوتا ہے اور درجہ چھوٹا، اگر جزو چھوڑ کر درجے بنائے جائیں تو ستائیس درجے بنتے ہیں اور درجوں کو چھوڑ کر اجزاء بنائیں تو اس کے برعکس پچیس بنیں گے مآل دونوں کا ایک ہے۔

(۲) ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ نماز اور نماز میں فرق ہے مثلاً قراءت والی جہری نماز میں ستائیس[۱] درجے اور سری نماز میں پچیس[۲] درجے ہیں وجہ ظاہر ہے کہ جہری میں استماعِ قراءت ہے اور دوسری میں نہیں۔

(۳) بعض حضرات نے اوقات و اشخاص کا فرق بھی ظاہر کیا ہے اور قرب و بعد کو بھی ملحوظ رکھا ہے مثلاً اگر معذور، بوڑھا، نابینا اور صاحب عوارض مسجد میں آتا ہے اور باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کو ستائیس درجے ثواب ملے گا جو ان صفات سے موصوف نہیں اس کو پچیس درجے ثواب ملے گا اسی طرح سخت گرمی اور سخت سردی اور شدید اندھیرے میں آنے والے کو ۲۷ درجے اور اس کے برعکس کو ۲۵ درجے ثواب ملے گا اسی طرح دور سے آنے والے کو ۲۷ اور قریب سے آنے والے کو ۲۵ درجے ملیں گے اسی طرح بعض حضرات نے اخلاص کی کمی و بیشی کے لحاظ سے درجات کے تفاوت کا اعتبار کیا ہے۔ کذا فی تعلیق المحمود ج ۱ ص۲۴۳

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عدد اقل، اکثر کی نفی نہیں کرتا یا اختلاف باعتبار خشوع و خضوع کے ہے بعض نے کہا کہ ۲۵ درجات مسجد محلہ کے لیے اور ۲۷ درجات مسجد جامع کے لیے۔

۵۔ حافظ ابن حجرؒ نے ایک اور جواب بھی دیا ہے جو اس سے ماقبل حافظ بلقینیؒ کے حوالے سے ذکر کردہ توجیہ کے مشابہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ ترین جماعت دو آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک امام اور ایک مقتدی لہٰذا جن روایات میں ۲۵ کا عدد مذکور ہے وہاں صرف اجرِ فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور ۲۷ والی روایات میں اجرِ فضیلت کے ساتھ دو آدمیوں کے اجرِ اصل کو بھی شامل کیا گیا ہے اس طرح وہ ستائیس[۳] ہو گیا۔

فضیلتِ جماعت مسجد کے ساتھ خاص نہیں اس بارہ میں بھی علماء میں اختلاف ہے کہ ثواب کی زیادتی کی یہ فضیلت اس جماعت کی نماز کے ساتھ مختص ہے جو مسجد میں ادا کی جائے گی یا اس جماعت کی نماز کے لیے بھی ہے جو مسجد میں نہیں بلکہ گھر وغیرہ میں ادا کی جائے چنانچہ کچھ علماء کی رائے تو یہ ہے کہ یہ فضیلت مسجد کی جماعت کے ساتھ مختص ہے مگر دیگر بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فضیلت عمومی طور پر ہر جماعت کی نماز کے لیے ہے خواہ مسجد

میں ادا کی جائے والی جماعت ہو یا مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر۔

جماعت کے لیے کثرت تعداد کی ضروری نہیں

(۴۹۰) حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت کو ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی فضل الجماعۃ ج ۱ ص۸۳ میں تخریج کیا گیا ہے مطلب واضح ہے کہ جماعت کے انعقاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ ہوں یا کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ اگر صرف دو آدمی ہوں اور ان میں سے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی۔ اسی طرح دونوں مل کر نماز پڑھ لیں تو جماعت ہو جاتی ہے اور دونوں کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے اور انفرادی نماز سے دو کی جماعت کی نماز بہر حال بہتر اور افضل ہے۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے

(۴۹۴، ۴۹۵) پہلی روایت حضرت عمرؓ سے ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند ج ۲ ص۸ میں تخریج کیا ہے دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ سے ہے جسے امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ الجماعۃ ج ۲ ص۳۹ میں نقل کیا ہے دونوں کا مضمون ایک ہے۔ جماعت بہر حال خدا تعالیٰ کی پسندیدہ ہے اس کی حکمتیں کیا ہیں؟ اس کے کیا فائدے مرتب ہوتے ہیں اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلہ میں امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو لطیف اور جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں

کوئی چیز اس سے زیادہ سود مند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسم عام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری ہو جائے کہ اس کو چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم و شاندار کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خاص اہتمام کیا جائے۔

(۱) مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی لہٰذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتا دے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام رکھنے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی ہے بتلا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی اصلاح کا یہ ایک ذریعہ ہوگا۔

(۲) جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

بَابُ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ لِعُذْرٍ

۴۹۵- عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ

باب - عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑنا۔ ۴۹۵- نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سخت ٹھنڈی اور تیز ہوا والی رات نماز کے لیے اذان کہی پھر کہا خبردار اپنے اپنے ٹھکانوں میں

---

(۳) چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولیت کے لیے ایک عجیب اہمیت رکھتا ہے۔

(۴) اس امت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمۂ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی مذہب اسلام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کے ہوں، عام و خاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لیے جمع ہوں اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی عظمت کو اپنی اجتماعیت سے ظاہر کریں۔ انہیں تمام مصالح کے پیش نظر شریعت کی پوری توجہ جماعت کی طرف مصروف ہوگئی اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

(۵) جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور ایک دوسرے کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہوگا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید و فضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانہ کی نظریاتی دوڑ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریہ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ خدا کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب و مرتبہ کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری و فوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کر خدا کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سربسجود ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۴۹۵ تا ۴۹۹- جیسا کہ اس سے قبل کے باب میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر عاقل بالغ غیر معذور

وَرِیْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ یَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ - رَوَاہُ الشَّیْخَانِ -

---

نماز ادا کر لو، پھر کہا " بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت ٹھنڈی اور بارش والی رات ہوتی تو مؤذن سے فرماتے کہ یہ کہو خبردار! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز ادا کر لو۔"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

یہ جماعت واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص معذور ہو اور ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس کے لیے جماعت واجب نہیں رہتی اس باب میں ایسے ہی اعذار کا بیان ہے فقہاء نے ترک جماعت کے لیے ۱۵ اعذار لکھے ہیں۔ اعذار کے بیان سے قبل احادیث الباب کی مختصر توضیح پیش خدمت ہے۔

حضرت نافع کی روایت کی تشریح

(۴۹۵) حضرت نافع کی اس روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ج ۱ صـ۹۲ میں تخریج کیا ہے مضمون حدیث لفظی ترجمہ ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے اسی طرح اگر بارش اتنی ہو کر مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو یا راستے میں پانی یا کیچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی میں پڑھ لی جائے ایسی سب صورتوں میں جماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت اور معمول کی توضیح

(۴۹۶) یہ روایت بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب الاذان باب اذا حضر الصلاۃ ج ۱ صـ۹۲ اور امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام ج ۱ صـ۲۰۸ میں تخریج کیا ہے۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی

۴۹۶۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَأُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۴۹۶۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کے لیے رات کا کھانا چن دیا جائے، اور نماز کھڑی کر دی جائے تو پہلے کھانا شروع کرو، جلدی مت کرو، جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ حضرت ابن عمرؓ کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا اور نماز کھڑی ہو جاتی، تو وہ نماز کے لیے نہ آتے، یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاتے، اور وہ امام کی قراۃ سنتے تھے۔"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

کھانے میں لگا رہے اس لیے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور مسلم کی اس حدیث میں راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے وکان ابن عمر الخ کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بھاگتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے حالانکہ (مکان مسجد سے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قراءت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شریعت و سنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

شریعت میں انسانی مشکلات اور فطری تقاضوں کا لحاظ

(۴۹۷، ۴۹۸) حضرت عائشہ کی روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب کراہۃ الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۸ میں نقل کیا ہے اور عبداللہ بن ارقم کی روایت کو امام ترمذی نے ابواب الطہارۃ ج ۱ صفحہ ۲۲ میں تخریج کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے سامنے کھانا آ گیا ہو یا اسے پیشاب و پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے

۴۹۷- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۴۹۷- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کھانے کی موجودگی میں (جب کہ بھوک شدید ہو) نماز نہیں ہوتی اور نہ جب کہ بول و براز اسے پریشان کر رہے ہوں۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

پیشاب و پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیئے بلکہ وہ ان چیزوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جب کسی کے سامنے کھانا آجائے اور اسے کھانے کی خواہش بھی ہو یا اسی طرح بول و براز کا تقاضہ ہو تو ایسی صورت میں اسے نماز پڑھنی مکروہ ہے اور ریح و سنے بھی اسی حکم میں ہے یعنی ان کو روک کر نماز نہ پڑھے کیونکہ ان کی وجہ سے نماز میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع باقی نہیں رہے گا جس کی وجہ سے نماز کامل طور پر ادا نہیں ہو گی مگر ان سب صورتوں میں وسعت وقت شرط ہے اگر وقت تنگ ہو تو بہر صورت نماز پہلے پڑھنی چاہیئے۔

نیز ان احادیث میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات یا کھانے پینے اور پیشاب پاخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج)	اللہ نے دین میں تمہارے لیے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔

جمہور کے نزدیک فلا صلوٰۃ لہ کا مطلب

(۴۹۹) حضرت ابن عباس رضہ کی اس روایت کو حاکم نے مستدرک کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۵ میں تخریج کیا ہے اس حدیث کی اجمالی بحث اور بحیثیت مستدل ہونے کے کچھ توضیح گذشتہ باب میں عرض کر دی گئی ہے اس میں بھی تارکین جماعت کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بنا پر یہ ہے کہ جماعت وضو وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت

۴۹۸۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّذْھَبَ اِلَی الْخَلَاءِ وَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلْیَبْدَاْ بِالْخَلَاءِ۔ رَوَاہُ الْاَرْبَعَۃُ وَصَحَّحَہُ التِّرْمِذِیُّ۔

۴۹۸۔ حضرت عبداللہ بن ارقم رضؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا "جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ کرے اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے بیت الخلا سے فارغ ہو جائے"

یہ حدیث اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ہوتی ہے اور اس کا ثواب بہت کم ہوتا ہے جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے اور دوسری ان حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔

ترک جماعت کے عذر

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عاقل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص معذور ہو اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس کے لیے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترکِ جماعت کے پندرہ عذر بیان کیے ہیں۔

(۱) نماز کے صحیح ہونے کی کسی شرط مثلاً طہارت یا ستر عورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

(۲) پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسنا، اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لیے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

(۳) مسجد کے راستہ میں سخت کیچڑ کا ہونا۔

(۴) سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

۴۹۹- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلٰوةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۹۹- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اذان سنی اور جماعت کے لیے حاضر نہیں ہوا، تو اس کی نماز قبول نہیں، مگر عذر کی وجہ سے۔ یہ حدیث ابن ماجہ، ابن حبان، دار قطنی اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۵) مسجد تک جانے میں مال واسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

(۶) مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

(۷) مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے کا اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرض کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر ہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اور اس کو ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۸) رات اس قدر اندھیری ہو کر راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لالٹین وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

(۹) رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

(۱۰) کسی مریض کی تیمارداری کرتا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

(۱۱) پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

(۱۲) سفر کا ارادہ رکھتا ہو، یہ خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جائے گا، ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ وہاں ایک قافلہ کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن میں کئی مرتبہ جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ ملی تو دوسرے وقت جا سکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہوتا ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

(۱۳) فقہ وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ

۵۰۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا

باب۔ صفوں کو سیدھا کرنا۔ ۵۰۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، نماز کے لیے اقامت کہی گئی،

---

(۴) کوئی ایسی بیماری مثلاً فالج وغیرہ ہو یا اتنا ضعف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا نابینا ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا لنجا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔"

(۵) کھانا تیار یا تیاری کے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ایک علمی توجیہ بہرکیف اگر ترکِ جماعت پر وعید والی احادیث پر نظر کی جائے تو جماعت کا فرض و واجب جیسا درجہ نظر آتا ہے اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں بظاہر معمولی اعذار کے سبب بھی ترکِ جماعت کی گنجائش نکلتی ہے جیسا کہ بابِ ہذا کی روایات سے یہی مدلول ہے تو اس کا درجہ سنت ہی ماننا پڑتا ہے یہ تو پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام احمدؒ کا مشہور قول وجوب کا ہے جب کہ امام شافعیؒ اسے فرض کفایہ اور سنت علی العین قرار دیتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کی بھی ایک روایت اسی کے موافق ہے پھر ہر ایک کے نزدیک ترکِ جماعت کے کچھ اعذار ہیں اور ان کا باب بہت وسیع ہے علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے مآل کار کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں ہے کیونکہ روایات سے ایک طرف جماعت کے معاملہ میں تغلیظ اور تشدید معلوم ہوتی ہے دوسری طرف معمولی اعذار کی وجہ سے ترکِ جماعت کی اجازت بھی مفہوم ہوتی ہے پہلی قسم کی روایات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا درجہ فرض و واجب سے کم نہیں ہونا چاہیے اور دوسری قسم کی روایات کو دیکھا جائے تو اس کا درجہ اتنا بلند نظر نہیں آتا چنانچہ حنابلہ اور حنفیہ نے یہ کیا کہ پہلی قسم کی روایات کو اصل قرار دے کر جماعت کو فرض و واجب تو کہہ دیا لیکن دوسری روایات کے پیشِ نظر اعذارِ ترکِ جماعت کا باب وسیع کر دیا اور شافعیہؒ نے اس کے برعکس جماعت کو سنت کہہ کر اعذار کے دائرہ کو تنگ کر دیا لہٰذا مآل کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں رہا۔

جماعت میں صف بندی (۵۰۰ تا ۵۰۳) نماز کے لیے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ انور ہماری طرف پھیر کر فرمایا "صفیں سیدھی کرو اور مل جل کر کھڑے ہو، بلاشبہ میں تمہیں اپنی پشت پیچھے سے دیکھتا ہوں"۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے۔

" اور ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملاتا تھا"۔

طریقہ تعلیم فرمایا کہ لوگ صفیں بنا کر برابر کھڑے ہوں ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لیے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی پھر اس کی تکمیل کے لیے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔ پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے بڑے، اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور موثر بنانا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے نیز امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈراتے تھے۔

بیان مذاہب

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تسویۂ صفوف سنت ہے (عمدۃ القاری) ج ۲ ص ۹۱۷۔

(۲) امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے (ایضاً)

(۳) حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۲ ص ۲۷۵ میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک تسویہ فرض ہے جس نے صف درست نہ کی اس کی نماز باطل ہے۔

(۴) جمہورؒ تسویہ صفوف کو کو سب سے زیادہ سنت موکد یا واجب کہتے ہیں ان کے نزدیک تسویہ

۱۴

۵۰۱- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۰۱- حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے، فرماتے سیدھے رہو اور اختلاف مت کرو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور چاہیے کہ تم میں سے عقل اور سمجھ والے میرے ساتھ کھڑے ہوں اور پھر جو ان سے ملتے ہیں (یعنی چھوٹے ہیں) پھر جو ان سے ملتے ہیں "ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، پس تم آج اختلاف میں زیادہ سخت ہو" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ تسویہ حقیقتِ نماز میں داخل نہیں۔

جمہور کا مستدل جمہور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تسویہ صفوف کے بارے میں خاص تاکید فرمائی ہے جیسا کہ باب ہذا کے احادیث کا بھی یہی مدلول ہے مگر کسی بھی حدیث میں ترکِ تسویہ پر اعادہ اور بطلانِ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا اور ایسا کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

ابن حزم الظاہریؒ کا استدلال اور جمہور کا جواب (۱) ابن حزم ظاہریؒ نعمان بن بشیرؓ کی روایت کے ان الفاظ لیخالفن اللہ بین وجوھکم (مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف) سے استدلال کرتے ہیں کہ قدرے صف ٹیڑھی تھی لوگ کچھ آگے پیچھے تھے تو حضورؐ نے فرمایا عباد اللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم اور ایک روایت میں آیا ہے من تمام الصلوٰۃ اقامۃ الصف (ترمذی ج ۱ ص ۲)

جمہورؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تسویہ کا اہتمام اور خیال ملحوظ رکھنا ہمارے نزدیک بھی مسلّم ہے اور ان روایات میں اسی بات کو واضح کیا گیا ہے اس سے تسویہ کی فرضیت اور رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

۵۰۲۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

۵۰۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اپنی صفوں کو ملاؤ اور انہیں قریب کرو اور (صفوں کو) گردنوں کے ساتھ برابر کرو، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بلاشبہ میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کے درمیان سے داخل ہوتا ہے گویا کہ وہ بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ ہے۔"

یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مخالفتِ وجوہ کی توجیہ

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مخالفت وجوہ سے مراد کیا ہے۔ (۱) دلوں میں بغض اور کینہ پیدا ہوگا ابوداؤد کی ایک روایت (اولیخالفن اللہ بین قلوبکم، ج ۱ ص۹۷ باب تسویۃ الصفوف) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) اور ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ تمہاری شکلیں مسخ کر دی جائیں گی مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے جس میں مخالفت کے بجائے طمس کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں (اعلاء السنن ج ۴ ص۲۳۶ باب سنیۃ تسویۃ الصف ورصها)۔

امتِ محمدیہ اور مسخ کا مسئلہ

البتہ اس دوسری توجیہ پہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس امت میں مسخ تو نہیں پھر مسخ کے معنی ہوگا اس کا جواب شارحین حدیث یہ دیتے ہیں کہ امت مجموعی لحاظ سے مسخ سے محفوظ رہے گی البتہ بعض قوموں اور بعض افراد کا مسخ صحیح روایات سے ثابت ہے چنانچہ بعض افراد کا مسخ بصورت خنازیر کا واضح ثبوت بخاری ج ۲ ص۸۳۷ میں ثابت ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ویمسخ آخرین قردۃ وخنازیر الی یوم القیامۃ علاوہ ازیں مستدرک حاکم ج ۴ ص۵۱۵ میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت قال الحاکم والذہبی صحیح میں موجود ہے اور ترمذی ج ۲ ص۴۴ کی روایت میں ہے فی ھذہ الامۃ خسف ومسخ وقذف۔

۵۰۳ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطٰنِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ۔

---

۵۰۳ - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صفوں کو سیدھا کرو، اور کندھوں کو برابر کرو، دراڑیں بند کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے خالی جگہ مت چھوڑو، جو شخص صف سے ملا اللہ تعالیٰ اسے ملائیں گے اور جس نے صف کو کاٹا، اللہ تعالیٰ اُسے کاٹیں گے"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے، ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

انس بن مالک رضؓ کی روایت کی تشریح

(۵۰۰) باب کی پہلی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ ص۱۰۰ باب اقبال الامام علی الناس عند تسویۃ الصفوف میں تخریج کیا ہے۔

فانی اراکم من وراء ظھری۔ یعنی نماز کی حالت میں مکاشفہ کے ذریعہ نمازیوں کے احوال پر مطلع رہتا ہوں اور ایک روایت میں اتموا الصفوف کے الفاظ آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کرو ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ آگے صف میں جگہ خالی ہو اور اس میں مزید نمازیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہو لیکن اس کے باوجود پیچھے دوسری صف قائم کرلی جائے ایسا کرنا غلط ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضؓ کی روایت کی تشریح

۵۰۱ باب کی دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف واقامتھا ج ۱ ص۱۸۱ میں تخریج کیا ہے۔

مونڈھوں کے نرم ہونے کی مراد

بمسح مناکبنا فی الصلوٰۃ مقصد یہ ہے کہ تسویہ صفوف کے لیے حضورؐ ہمارے مناکب کو چھوتے ابن عباسؓ کی ایک روایت میں خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ (مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف)

کے الفاظ آئے ہیں نماز میں مونڈھوں کے ممسوس ہونے یا نرم ہونے کی توضیح و تشریح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس کے کئی معنی بیان کیے ہیں۔

(۱) ایک معنی تو یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص جماعت میں اس طرح کھڑا ہو کہ صف برابر نہ ہوئی ہو اور پیچھے سے آکر کوئی شخص اس کا مونڈھا پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا ہو جانے کے لیے کہے تو وہ ضد و ہٹ دھرمی اور تکبر نہ کرے بلکہ اس شخص کا کہنا مان لے اور سیدھا کھڑا ہو کر صف برابر کر لے۔

(۲) دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص صف میں کھڑا ہونا چاہے جب کہ صف میں جگہ بھی ہو تو اسے منع نہ کرے بلکہ صف میں کھڑا ہو جانے دے۔

(۳) تیسرے معنی یہ ہیں کہ مونڈھوں کو نرم رکھنا نماز میں خشوع و خضوع اور سکون و وقار کے لیے کنایہ ہے یعنی نماز میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو نہایت خاطر جمعی، حضور قلب اور اطمینان و وقار کے ساتھ نماز پڑھتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب صف بندی کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھو کہ سب کے بدن برابر رہیں ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو کر کھڑے نہ ہو اور اپنے بدن کا کوئی عضو صف سے باہر نہ نکالو اگر تم لوگ صف میں اپنے بدن کے ظاہری اعضاء کو غیر برابر ناہموار رکھو گے تو اس کا اثر باطنی طور پر یہ ہوگا کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جائے گا کیونکہ بدن کے ظاہری اعضاء اور قلب کے درمیان بڑا لطیف تعلق ہے اور ایک دوسرے کی تاثیر بڑی عجیب ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا سکتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کی ٹھنڈک باطنی اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور باطنی اعضاء کی ٹھنڈک ظاہری اعضاء کو متاثر کرتی ہے اسی طرح صف میں ظاہری بدن کو برابر نہ رکھنا قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے کہ دلوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث کے دوسرے جزو میں صف کی ترتیب یہ بتائی گئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحب عقل و فہم اور بالغ ہوں، یعنی پہلی صف میں ان لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے جو بالغ اور عقل و فہم کے مالک ہوں تاکہ وہ نماز کی کیفیت اور اس کے احکام دیکھیں اور یاد کریں اور پھر امت کے دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم دیں، پھر دوسری صف میں وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مراہق و جو بالغ ہونے کے قریب ہوں اور لڑکے، اور پھر تیسری صف میں وہ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مخنث (جن میں مرد و عورت دونوں کی علامتیں پائی جائیں) پھر ان سب کے بعد آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے یہاں حدیث میں عورتوں کی صف کے بارہ میں ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ متعین ہے آخر میں عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے۔

آخر میں حضرت ابو مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آج تمہارے اندر افتراق وانتشار کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور آپس میں تم لوگ جو اتنا اختلاف کرتے ہو جن فتنوں کی جو بھرمار ہورہی ہے ان سب کی وجہ یہی ہے کہ تم لوگ اپنی صفیں برابر نہیں کرتے لہٰذا تم لوگ اگر ان فتنوں اور اختلافات سے بچنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ظاہری اختلاف کو ختم کرو، یعنی صفوں کو برابر رکھو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے باطنی اختلاف کو بھی ختم کردے گا۔

باب کی آخری دو روایات کی تشریح

۵۰۲، ۵۰۳ پہلی روایت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جسے امام ابو داؤدؒ نے کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف ج ۱ صفحہ ۹۷ میں نقل کیا ہے قاربوا بینہما یعنی دو صفوں کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ ایک صف اور کھڑی ہوسکے وحاذوا بالاعناق یعنی صف میں تم میں سے کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو بلکہ ہموار جگہ پر کھڑا ہو تاکہ سب کی گردنیں برابر رہیں دوسری روایت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے جو ابو داؤد سے بحوالہ مذکور تخریج کی گئی ہے دونوں کا مضمون تسویہ صفوف کی تاکید ہے۔

تسویۂ صفوف امام کی ذمہ داری

تسویہ صف امام پر لازم ہے اگر صف درست نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا (العرف الشذی ص ۱۲۰) حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے تسویۂ صفوف کے لئے آدمی مقرر کئے تھے (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۳)

وفی الترمذی ج ۱ ص ۳۲ وروی عن عمر انہ کان یوکل رجلا باقامۃ الصفوف ولا یکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت وروی عن علیؓ وعثمانؓ انہما کانا یتعاھدان ذلک ویقولان استووا وکان علیؓ یقول تقدم یا فلان تأخر یا فلان۔ انتہی۔ وروی ابو داؤد ص ۹۷۔ (والحدیث فی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۸) عن النعمانؓ بن بشیرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسوی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبر وفی مؤطا مالک ص ۵۵ حتی جاء رجال قد کان (عثمانؓ) وکلھم بتسویۃ الصفوف فاخبروہ ان الصفوف قد استوت فقال لی استو فی الصف ثم کبر۔ انتہی۔

(بحوالہ خزائن السنن ج ۲ ص ۶۹)

صفوں کی ترتیب

فقہاء نے لکھا ہے کہ کل صفیں جو ہوسکتی ہیں وہ بارہ ہیں بایں طور کہ مقتدی مذکر ہوگا یا مؤنث یا خنثیٰ، پھر ان میں سے ہر ایک بالغ ہوگا یا نابالغ یہ چھ قسم کے مقتدی ہوئے، پھر ان میں سے ہر ایک آزاد ہوگا یا غلام پس یہ کل بارہ ہوگئے جن کی تفصیل ترتیب حلبیہ میں یوں مذکور

بَابُ إِتْمَامِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

۵۰۴۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

باب ۔ پہلی صف کو پورا کرنا ۔ ۵۰۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگلی صف کو پورا کرو، پھر جو اس سے ملتی ہے اور جو کمی ہو تو وہ آخری صف میں ہونی چاہیے۔

یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ہے کہ اول صف آزاد بالغ لوگ کریں دوم آزاد لڑکے سوم غلام بالغ، چہارم غلام لڑکے پنجم آزاد بالغ خنثی ششم آزاد لڑکے خنثی ہفتم غلام بالغ خنثی ہشتم غلام لڑکے خنثی، نہم آزاد عورتیں بالغ دہم نابالغ آزاد عورتیں یازدہم بالغ باندیاں، دوازدہم نابالغ باندیاں۔ صاحب درمختار کہتے ہیں کہ ان سب صفوں کا صحیح ہونا ضروری نہیں کیونکہ خنثی صحت صف کو نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے کہ ایک خنثی کا دوسرے خنثی کے برابر یا اس کے پیچھے کھڑا ہونا صحیح نہیں اس احتمال کہ ممکن ہے اگلا عورت ہو اور پچھلا مرد ہو یا برابر والوں میں سے ایک خنثی مرد ہو اور دوسرا عورت ہو علامہ شامی نے امداد الفتاح سے نقل کیا ہے کہ بالغ خنثوں کو ایک صف میں اس طرح کھڑا کیا جائے کہ دو شخصوں کے بیچ میں کوئی چیز آڑ ہو یا ایک شخص کا فاصلہ چھوڑا رہے ہونکہ ان کا برابر کھڑا ہونا ایک دوسرے کی نماز کے لیے مضر ہے، آزاد اور غلاموں کو ایک ہی صف میں جمع کر دیا جائے کیونکہ ایک دوسرے کے پیچھے ہونے میں بھی مضر ہے (رغایۃ الاوطار)

صف اوّل کی تکمیل اور فضیلت

(۵۰۴) یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف ج ۱ ص ۹۸ میں نقل کیا ہے مضمون حدیث واضح ہے مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جا سکے تو لوگوں کو چاہیے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے کھڑے نہ ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور

بَابُ مَوْقِفِ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ

۵۰۵- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ جَدَّتَهٗ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُمْتُ اِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ

باب- امام اور مقتدی کے کھڑا ہونے کی جگہ- ۵۰۵- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری نانی یا دادی ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جو کہ انہوں نے آپ کے لیے تیار کیا تھا، آپ نے اس سے تناول فرمایا، پھر فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنی ایک چٹائی لانے کے لیے اٹھا جو کہ کثرت استعمال سے سیاہ ہو چکی تھی، تو میں

جو کمی کسر رہے گی وہ سب سے آخری ہی صف میں رہے گی

صف اوّل کی تکمیل کی تاکید کے ساتھ ساتھ صف اول کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے جیسا کہ مسند احمد کے حوالے سے حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی الصف الاول- کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لیے بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری کے لیے بھی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے، آپؐ نے پھر پہلی بات دھرائی تیسری مرتبہ سوال کے جواب میں آپؐ نے پھر وہی پہلی بات دہرا دی پھر جب چوتھی مرتبہ عرض کیا گیا تب آپ نے فرمایا کہ "اور دوسری صف والوں کے لیے بھی ......

بیان مذاہب (جب مقتدی ایک ہو) (۵۰۵ تا ۵۰۸) (۱) اگر مقتدی صرف ایک ہو اور مرد ہو اگرچہ سمجھدار بچہ ہی ہو تو وہ امام کے برابر دائیں طرف کھڑا ہو یہی مذہب مختار ہے یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک کچھ پیچھے ہٹ کے رہنا مستحب ہے لیکن یہ خلاف ظاہر ہے۔

(۳) امام محمدؒ کا مسلک ہے کہ مقتدی اپنا پنجہ امام کے ایڑیوں کے محاذات میں رکھے گا فقہاء حنفیہؒ فرماتے ہیں اگرچہ دلیل کے اعتبار سے شیخینؒ کا قول راجح ہے لیکن تعامل امام محمدؒ کے قول پر ہے

فَنَضَحْتُهُ بِالْمَآءِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ اَنَا وَالْيَتِيْمُ وَرَآءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَآئِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا ابْنُ مَاجَةَ ۔

نے اُسے پانی سے دھویا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے میں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، بوڑھی عورتوں نے ہمارے پیچھے آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائی، پھر آپ تشریف لے گئے۔ یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

اور وہ احوط بھی ہے کیونکہ برابر کھڑے ہونے میں غیر شعوری طور پر آگے بڑھ جانے کا اندیشہ پایا جاتا ہے جب کہ امام محمدؒ کا قول اختیار کرنے کی صورت میں یہ خطرہ نہیں ہے اس لیے فتویٰ بھی امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ اگر مقتدی بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی البتہ بعض مشائخ نے صریح مکروہ کہا ہے اور یہی صحیح ہے۔

شیخینؒ کی دلیل اور وجہ ترجیح شیخینؒ اسی باب کی روایت ۷۰۵ سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جسے دیگر اصحاب صحاح کے علاوہ امام بخاریؒ نے بیس سے زائد مقامات پر تخریج کیا ہے (الصحیح للبخاری کتاب الاذان باب اذا لم ینو الامام ان یوم .... ج ۱ صـ۹۷)

جس میں حضرت ابن عباسؓ تصریح کرتے ہیں فاخذ فی بیمینہ فادارنی من ورائہ فاقامنی عن یمینہ فصلیت معہ اس واقعہ کے وقت حضرت ابن عباسؓ طفل ممیز ہو چکے تھے اس سے دائیں جانب اور برابر میں کھڑا ہونا ثابت ہوا اور برابر کھڑے ہونے میں بھی ایڑی کا اعتبار ہے پنجوں کا نہیں اور اگر مقتدی کے قدم کا اکثر حصہ آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی شاید اسی احتیاط سے تھوڑا پیچھے رہنا بہتر ہے۔

حدیث ابن عباسؓ کے مختلف الفاظ میں تطبیق بعض روایات میں فاخذ بیدی او بعضدی (شک من ابن عباس قالہ الکرمانی (بخاری ج ۱ صـ) بعض میں واخذ باذنی الیمنی (نسائی ج ۱ صـ۲۲۱) کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں مگر تعارض اس لیے نہیں کہ تینوں کو پکڑا ہو گا پہلے سر پھر کان پھر ہاتھ۔ اور

۵۰۶ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتّٰى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِأَيْدِينَا جَمِيعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

---

۵۰۶ - حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پوری طرح گھمایا، یہاں تک کہ مجھے اپنی بائیں طرف کھڑا کر لیا، پھر حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمیں پیچھے کیا، یہاں تک کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

یہ عمل قلیل تھا اس لیے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

حدیث ابن عباسؓ سے بعض مسائل کا استنباط شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے (۱) نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے (۲) اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام ہو اور ایک مقتدی تو مقتدی کو امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے (۳) نماز میں تھوڑا سا عمل جائز ہے (۴) مقتدی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ امام کے آگے ہو کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کے بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لا کھڑا کیا (۵) ایسے شخص کے پیچھے اقتدا جائز ہے جس نے شروع سے امامت کی نیت نہ کر رکھی ہو (مظاہر حق جدید ج ۱ ص ۷۴۲)

بیان مذاہب جب مقتدی ایک سے زائد ہوں (۱) اگر مقتدی دو ہوں یا دو سے زائد ہوں تو امام ان کے آگے کھڑا ہو یہ جمہور کا مسلک ہے طرفین بھی اسی کے قائل ہیں اگر دو کے درمیان میں کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اگر دو سے زائد کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی دو ہوں تو امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہیے۔

امام ابو یوسفؒ کے دلائل امام ابو یوسف اگلے باب "باب قیام الامام بین الاثنین"

۵۰۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ وَاِیَّاکُمْ وَھَیْشَاتِ الْاَسْوَاقِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۵۰۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے سمجھ اور عقل والوں کو میرے ساتھ (قریب) کھڑے ہونا چاہیے، پھر جو ان سے ملتے ہیں۔ (یعنی چھوٹے) پھر جو ان سے ملتے ہیں اور اختلاف مت کرو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور بازاری آوازوں (شور و شغب) سے بچو۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کی روایت ۵۰۱ سے استدلال کرتے ہیں صحیح مسلم کتاب المساجد باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ...... ج ۱ ص ۲۰۲) کی اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علقمہ و اسودؒ کو گھر میں نماز پڑھانے کا واقعہ مذکور ہے کہ نماز پڑھاتے وقت وہ خود درمیان میں کھڑے ہوئے جب فارغ ہوئے تو فرمایا ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب کی دوسری روایت ۵۰۱ میں بھی یہی واقعہ ابوداود (کتاب الصلوٰۃ باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ج ۱ ص ۹۹) کے حوالے سے مذکور ہے جس کے آخر میں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ھکذا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل۔

مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس کے رفع کا انکار کیا ہے اور اس کو حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف مانا ہے لیکن علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں کہ امام مسلمؒ نے اس کو تین طرق سے روایت کیا ہے جن میں سے موقوف روایت کیا ہے اور ایک طریق سے مرفوع روایت کیا ہے وقال فیہ ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز امام ترمذیؒ نے جامع میں کہا ہے وروی عن ابن مسعود انہ صلی بعلقمۃ والاسود فقام بینھما، قال ورواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح حافظ بیہقی اور امام احمدؒ و طحاویؒ نے عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن ابیہ روایت کیا ہے جس کے آخر میں مقام بیلنا ہے مسند احمدؒ میں اس کے بعد یہ بھی ہے فصففنا خلفہ صفاً واحداً وقال ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ یصنع اذا کانوا ثلثۃ (نصب الرایۃ

۵۰۸۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَاَطْلَقَ الْقِرْبَةَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ اَوْكَاَ الْقِرْبَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ كَمَا تَوَضَّأَ ثُمَّ

۵۰۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے، پانی کی مشک کھول کر وضو فرمایا پھر مشک کا بندھن (تسمہ) سے باندھ دیا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، میں اٹھا اور وضو کیا جیسا کہ آپ

امام ابو یوسفؒ کے استدلال سے جمہورؒ کا جواب

امام ابو یوسفؒ کے استدلال حضرت ابن مسعودؓ کے اس اثر سے جمہورؒ نے چند جوابات دیئے ہیں۔

(۱) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ فھذا لو فضیلۃ کہ حدیث انس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور (تقدم) دلیل افضلیت ہے اور حدیث ابن مسعودؓ دلیل اباحت ہے۔

(۲) علامہ زیلعیؒ نے ابن مسعودؓ کے اثر سے تین جواب ذکر کیے ہیں (۱) اول یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ کو حدیث انسؓ والی حدیث نہیں پہنچی تھی (ب) حضرت ابن مسعودؓ کا فعل تنگی مسجد یا کسی اور عذر پر محمول ہے (کما الطحاوی عن ابن سیرین) (ج) سوم یہ کہ حافظ بیہقیؒ نے کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کے بائیں جانب حضرت ابوذرؓ نماز پڑھ رہے تھے کل واحد یصلی لنفسہ حضرت ابن مسعودؓ دونوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا اشارہ فرمایا اس سے خود سمجھ لیا کہ سنت موقف یہی ہے حالانکہ حضورؐ ان میں سے کسی کی بھی امامت نہیں کر رہے تھے اس لیے حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے یصلی کل رجل منا لنفسہ (رواہ احمد فی مسندہ)

(۳) شیخ حازمیؒ نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھا ہے کہ حدیث ابن مسعودؓ منسوخ ہے اور اس میں نماز کا اس وقت کا طریقہ مذکور ہے جب آپ مکہ میں تھے چنانچہ حدیث ابن مسعودؓ میں تطبیق وغیرہ ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو بعد میں متروک ہو گئے تھے دلیل نسخ۔ صحیح مسلم (باب حدیث جابر الطویل وقصہ ابی الیسر ج ۲ ص ۴۱۸) کی حدیث جابر ہے جسے ہمارے مصنف نے اسی باب

جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَنِيْ بِيَمِيْنِهٖ فَاَدَارَنِيْ مِنْ وَّرَائِهٖ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ ۔

نے وضو فرمایا تھا پھر میں آیا اور آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پیچھے سے گھمایا اور اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا میں نے آپ کے ہمراہ نماز ادا کی یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

میں ۵۰۱ نمبر میں درج کیا۔

جو اس پر دال ہے کہ اس میں جو حکم مذکور ہے وہی آخری حکم ہے اس لیے کہ حضرت جابرؓ شرکت انہی مشاہد میں ہوئی ہے جو بدر کے بعد ہوئے ہیں علاوہ ازیں جبار بن صخرؓ کا حضور صلی اللہ علیہ کی بائیں جانب کھڑا ہونا یہ بتا رہا ہے کہ حکم اول مشروع تھا اور جبار بن صخرؓ اسی پر عمل کر رہے حتی منع منه وعرف الحكم الثاني (نصب الرايه)

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے نسخ اور جگہ کی تنگی کے جواب کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن جیسے جہارت سے بہت بعید ہے کہ وہ نسخ سے بے خبر رہے ہوں دوسرا یہ کہ یہ حدیث ساکت عن ہے اور ایسی روایت کو بغیر کسی دلیل یا قرینہ کے عذر (تنگی وغیرہ) پر محمول کرنا درست نہیں۔ لہذا شاہ صا فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں وسط میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے جو جواز ہی کا ایک شعبہ ہے اور یہ ہے کہ حضور نے بعض مقامات پر بیان جواز کے لیے مکروہ تنزیہی پر عمل فرمایا ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی ہی ہوا ہو اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی اقتداء فرمائی ہو اور یہ کوئی بعید نہیں۔

ابن مسعودؓ کی لاعلمی سے ان پر اعتماد مجروح نہیں ہوتا

بعض حضرات نے حضرت ابن مسعود پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اتنا اہم بھی ان کو معلوم نہیں تو رفع الیدین وغیرہ کے مسئلہ میں ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ جب تین آدمی ہوں تو سنت یہ ہے کہ امام آگے ہو اور مقتدی پیچھے علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ ج ۲ ص میں اس کے تین جواب دیے ہیں چوتھا جواب حافظ ابن القیمؒ کا ہے۔

(۱) ہو سکتا ہے کہ ان کو سمرۃؓ بن جندب کی یہ روایت نہ پہنچی ہو؟ امرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا كنا ثلثة ان يتقدمنا احدنا (ترمذی ج ۱ ص ۳۲) اور اس لاعلمی

رت ابن مسعودؓ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت جدہ
ے متعلق ایک مسئلہ معلوم نہ تھا۔ لوگوں (محمدؓ بن مسلمہ اور مغیرہ بن شعبہؓ) نے بتایا اور جیسے کہ حضرت
ؓ کو ارضِ طاعون میں جانے اور نہ جانے کے متعلق ایک مسئلہ معلوم نہ تھا حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ
عوف نے بتایا اور اس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں اور جیسے حضرت ابن عمرؓ کو مسح علی الخفین کا مسئلہ
م نہ تھا۔

(۲) امام طحاویؒ ابن سیرینؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جگہ کی قلت تھی دو آدمی پیچھے کھڑے نہ ہو
تے تھے۔

(۳) امام بیہقیؒ کی کتاب المعرفۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کو سنت سمجھتے
ا اور ان کی تحقیق یہی تھی چنانچہ امام ترمذیؒ ج ۱ ص۳۲ میں لکھتے ہیں: ورفعاہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ
ہ وسلم۔

(۴) یہ جواب حافظ ابن القیمؒ نے بدائع الفوائد ج ۳ ص۹۱ میں دیا ہے کہ جس وقت ایک نابالغ
ور دوسرا بالغ تو ایک کو میمین میں اور دوسرے کو شمال میں کھڑا کرے جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کیا ہے
(۵) وقد تکلم بعض الناس فی اسمٰعیل بن مسلم من قبل حفظہ کہ بعض نے اس
کے حفظ پر کلام کیا ہے وفیہ نظر کیونکہ تعالیٰ اُمت اسی پر ہے۔

ر اور طرفین کا استدلال — طرفین اور جمہور باب ہذا کی پہلی روایت ۵۰۵ سے استدلال کرتے ہیں جسے امام بخاریؒ نے ج ۱ ص۱۱۹ مسلم ج ۱ ص۲۳۴
ج ۱ ص۳۱ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الرجل یصلی ومعہ رجال ونساء ج ۱
ص۹ ابوداؤد ج ۱ ص۸ میں تخریج کیا ہے۔

ن الفاظ حدیث کی تحقیق — ما لبس ای من ما خلط لونہ من اللبس من باب
ضرب بمعنی الخلط لا بمعنی اللبس من باب سمع۔

ن کے الفاظ ان جدتہ ملیکہ میں ضمیر اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی طرف راجع ہے جو حضرت
س سے راوی ہیں جدہ سے مراد اسحاق کی دادی زوجہ ابوطلحہ انصاری ہیں یہ ام سلیم بنت ملحان ہیں جو حضرت
ن بن مالک کی ماں ہیں رجاء ذلک مصرحاً فی البخاری) اور یتیم سے مراد ضمرہ بن سعد حمیری ہیں (کذا
ہ ابو عمرو النووی) انا والیتیم وراءہ یہ طرفین و جمہور کی دلیل ہے کہ دو آدمیوں کا امام آگے
ہوگا اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور آپ کے پیچھے

بَابُ قِيَامِ الْإِمَامِ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ

۵۰۹۔ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ

باب۔ امام کا دو آدمیوں کے درمیان کھڑے ہوکر نماز پڑھنا۔ ۵۰۹۔ علقمہؒ اور اسودؒ سے روایت

حضرت انسؓ اور یتیم تھے اور ان دونوں کے پیچھے ملیکہ کھڑی تھیں۔ وا لعجوز من ورائنا (۱)

معلوم ہوا کہ عورت خواہ ایک ہو وہ پیچھے کھڑی ہوگی۔

نوافل میں جماعت کا مسئلہ

فصلّی بنا رکعتین یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ نفل نماز تھی اس سے امام شافعی نوافل کی جماعت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں حنفیہ کے نزدیک استسقاء تراویح اور کسوف کے سوا کہیں نوافل کی جماعت جائز نہ حدیث باب حنفیہ کے خلاف حجت نہیں ہے کیوں کہ یہاں جماعت روعلی سبیل التداعی تھی اور کے نزدیک نوافل کی جماعت اس وقت مکروہ ہے جب کہ تداعی ہو اور تداعی کا مطلب یہیں واضح ہو چکا ہے کہ کم از کم چار افراد امام کے علاوہ ہوں۔

صف بندی میں ترتیب کی حکمتیں

(۵۰۷) گذشتہ باب میں روایت نمبر ۵۰۱ میں اس حدیث کی تفصیلی توضیح عرض کردی گئی ہے اس روایت میں صف بندی سے متعلق یہ ہدایت بیان کی گئی ہے کہ امام کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے ان کے بعد اس لحاظ سے دوم درجہ والے ان کے بعد سوم درجہ والے ——— ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم و تربیت کی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز صلاحیتوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔

احلام جمع حلم بکسر الحاء اور بضمها والنُّهٰی العقول۔

اہل بصیرت لوگ امام کے قریب کھڑے ہوں اس کی کئی حکمتیں ہوسکتی ہیں مثلاً۔

(۱) یہ کہ اگر استخلاف کی ضرورت پیش آئے تو امامت کے لائق آدمی فوراً مل سکے (۲) نسیان کی صورت میں صحیح لقمہ دیا جاسکے (۳) یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو اچھی طرح کر دوسروں تک پہنچا سکیں پہلے دونوں سبب آج بھی باقی ہیں لہٰذا اس حکم کا اطلاق موجودہ زمانہ پر بھی

۵۰۹ تا ۵۱۰ باب ہٰذا کی دونوں روایات سے متعلق ضروری بحث اور ان کے مستدل ہونے

فَقَالَ أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ قَالَا نَعَمْ فَقَامَ بَيْنَهُمَا وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِيْنِهِ
وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ رَكَعْنَا فَوَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلَى رُكَبِنَا فَضَرَبَ
أَيْدِيَنَا ثُمَّ طَبَّقَ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ
هٰكَذَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۱۰۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ اسْتَأْذَنَ عَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ
عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ كُنَّا أَطَلْنَا الْقُعُوْدَ عَلَى بَابِهِ فَخَرَجَتِ الْجَارِيَةُ
فَاسْتَأْذَنَتْ لَهُمَا فَأَذِنَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

کہ ہم دونوں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا، کیا نماز پڑھ چکے ہیں جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں۔ ہم نے کہا جی ہاں وہ ہمارے درمیان کھڑے ہوگئے۔ ایک کو انھوں نے اپنے دائیں طرف اور دوسرے کو اپنے بائیں طرف کھڑا کرلیا، پھر ہم نے رکوع کیا، تو ہم نے اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیے، انہوں نے ہمارے ہاتھوں پر مارا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ دیا، کہا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۱۰۔ عبدالرحمٰن بن الاسود سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا، علقمہ اور اسودؒ (راوی حدیث عبدالرحمٰن کے والد) نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حاضر ہونے کے لیے اجازت مانگی اور ہم کافی دیر سے ان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، ایک باندی نکلی، اس نے دونوں کو اجازت (کی اطلاع) دی، پھر انہوں نے اذان کہی، پھر میرے اور اس کے درمیان کھڑے ہوگئے، پھر کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حیثیت توضیح گذشتہ باب بیان کی جاچکی ہے لہذا یہاں کسی جدید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

تاہم ان الباب میں چونکہ امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز کے وابستہ ہونے کے مسائل کا بیان تھا لہٰذا ذیل میں امامت صغریٰ کے لیے دس شرطیں بھی بیان کردی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ امامت ہر پہلو واضح ہو۔

بَابُ مَنْ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ

۵۱۱۔ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ

باب۔ امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ ۵۱۱۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں کو نماز پڑھائے جو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر وہ پڑھنے میں برابر ہوں، تو جو اُن میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو اور اگر وہ سُنّت کے علم میں برابر ہوں،

---

(۱) نیتِ اقتدار۔ اگر مقتدی نے اقتدار کی نیت نہیں کی تو نماز نہ ہوگی (۲) اتحادِ مکان۔ اگر امام اور مقتدی کے درمیان نہر وغیرہ حائل ہو تو نماز نہ ہوگی (۳) اتحادِ نماز۔ اگر امام ظہر کی نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی عصر کی نیت کرلے تو نماز نہ ہوگی (۴) مقتدی کے اعتقاد میں امام کی نماز کا صحیح ہونا۔ اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز فاسد ہوگئی تو اقتدار صحیح نہ ہوگی (۵) عدم محاذات۔ یعنی عورت کا برابر میں نہ ہونا کیونکہ عورت کی محاذات مفسد نماز ہے (۶) مقتدی کی ایڑی کا امام سے آگے نہ ہونا۔ اگر ایڑیاں برابر ہوں یا پاؤں بڑا ہونے کی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں آگے بڑھی ہوئی ہوں تو اقتداء درست ہے (۷) مقتدی کو اپنے امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کا علم ہونا خواہ امام کو دیکھنے سے ہو یا آواز سننے سے ہو یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر ہو (۸) مقتدی کو اپنے امام کا حال معلوم ہونا کہ وہ مقیم ہے یا مسافر، خواہ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا بعد میں، پس اگر امام نے چار رکعت والی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ اس نے بھول کر دو پڑھی ہیں یا سفر کی وجہ سے تو نماز نہ ہوگی (۹) مقتدی کا امام کے ساتھ ارکان میں شریک ہونا اگر مقتدی نے کسی رکن کو چھوڑ دیا تو نماز باطل ہو جائے گی (۱۰) امام کا مقتدی کے لیے لائق امامت ہونا مثلاً اگر امام ارکان اشارہ سے ادا کرتا ہو تو مقتدی بھی اشارہ سے کرتا ہو یا مقتدی اشارہ کرنے والا ہو اور امام رکوع اور سجدہ کرنے والا ہو تو اقتداء درست ہوگی،

یہ کل شرطیں صحتِ اقتداء کی ہیں اگر ان میں سے کوئی شرط فوت ہوگئی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

منصبِ امامت (۵۱۱ تا ۵۱۲) دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے جو جسم انسانی میں قلب

۱۳ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلٰى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

ترجمہ ہجرت میں پہلا ہو اور اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں، تو جو عمر میں بڑا ہو۔ اور کوئی شخص کسی شخص کو اس کے سلطنت (مقام و محل) میں امامت نہ کرائے اور نہ بیٹھے اس کے گھر میں اس کے تکیے (مسند یا گدی وغیرہ) پر اس کی اجازت کے بغیر" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کا ہے، اس لیے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لیے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتاً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو، اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ پایا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اوّل اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لیے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اُتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اُن سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لیے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر سے ہوں، تو پھر جو کوئی اُن میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لیے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیوں کہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلّم فضیلت ہے۔

بہرحال امامت کے لیے یہ اصولی ترتیب عقلِ سلیم کے بالکل مطابق اور مقتضائے حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت ہے۔

۵۱۲ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانُوْا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَحَدُهُمْ وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَأُهُمْ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ۔

۵۱۲۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب وہ تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک انہیں امامت کرائے اور ان میں امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں قرآن کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔ یہ حدیث احمد، مسلم اور نسائی نے نقل کی ہے۔

بیان مذاہب

(۱) امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقرأ احق بالامامۃ ہے اور اعلم پر مقدم ہے اقرأ سے مراد وہ شخص ہے جو تجوید و قراءت میں زیادہ ماہر ہو اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت امام احمدؒ اور امام ابو یوسف کے مسلک کے مطابق ہے سفیان ثوریؒ اسحاق بن راہویہؒ اور احنف بن قیسؒ بھی یہی مسلک رکھتے ہیں کیونکہ قراءت نماز کا ایک رکن ہے جس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی بخلاف علم کے کہ اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اعلم اور افقہ کو اقرأ پہ ترجیح دیتے ہیں مالکیہ کی دوسری روایت بھی اسی کے مطابق ہے (راجع حاشیہ ص ترمذی ص۳۲) عطا بن ابی رباحؒ، امام اوزاعیؒ اور ابو ثورؒ وغیرہ اکثر علماء بھی اسی کے قائل ہیں بشرطیکہ وہ بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قراءت کر سکتے ہوں کیونکہ قراءت کی ضرورت ایک رکن کے لیے ہے اور علم کی ضرورت تمام ارکان میں ہے تو تمام ارکان کی ضرورت مقدم ہوگی۔

مسلکِ امام احمد و ابو یوسف کی دلیل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۵۱۱ حضرت ابو مسعودؓ سے مروی ہے جسے امام مسلم نے کتاب المساجد ج ۱ ص۲۳۶ باب من احق بالامامۃ میں تخریج کیا ہے حضرت ابو مسعودؓ کی اس روایت میں کو اعلم پر ترجیح دی گئی ہے اسی طرح باب کی دوسری روایت جسے حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں میں بھی احق بالامامۃ اقرأھم کی تصریح ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب من

احق بالامامة ج ۱ ص۱۳۶ میں تخریج کیا ہے۔

امام صاحب ومن وافقہ کا حدیث باب سے جواب اور دلائل

امام اعظمؒ ومن وافقہ نے اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں

(۱) صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اعلم اور اقرا میں کوئی امتیاز نہیں تھا جو اقرا تھا وہی اعلم ہوتا تھا گویا اقرا اور اعلم کے درمیان تساوی کی نسبت تھی صاحب ہدایہ نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ جو حضرات آپؐ سے قرآن حاصل کرتے تھے وہ معانی وتفسیر سمیت حاصل کرتے تھے ان میں جو اقرا ہوتا تھا وہی اعلم وافقہ بھی ہوتا تھا (ہدایہ ج ۱ ص۱۰۰)

مگر علامہ انور کشمیریؒ نے اس توجیہ کی تضعیف کرتے ہوئے کہا ہے (الف) کہ عہد رسالت میں بھی قراء صحابہ حافظ قرآن ہی کو کہا جاتا تھا جیسا کہ غزوہ بیر معونہ اور جنگ یمامہ میں شہید ہونے والوں پر قراء کا اطلاق کیا گیا یقال لهم القراء (بخاری ج ۲ ص۵۸۶) فذا استحر القتل وکثر یوم الیمامة بقراء القرآن (بخاری ج ۲ ص۷۴۵) (ب) انہوں نے دوسرا اشکال یہ بھی اٹھایا ہے کہ اگر اقرا سے اعلم مراد لیا جائے تو ارشاد نبوی واقرأهم ابی ابن کعب کی مراد یہ ہوگی وہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ اعلم تھے جب کہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے (ج) نیز باب کی حدیث ابو مسعودؓ میں اقرا اور اعلم کو صراحۃً الگ الگ ذکر کیا گیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اقرا سے مراد اعلم نہیں۔

(۲) صحیح توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے آغاز میں قراء اور حفاظ قرآن قلیل تھے ہر فرد کو اتنا قرآن یاد نہ تھا کہ قراءت مسنونہ کا حق ادا کیا جا سکتا چنانچہ آپؐ نے حفظ و قراءت قرآن کی ترغیب کے لیے امامت میں اقرا کو مقدم فرمایا جب یہ مقصد حاصل ہوگیا حفظ و قرأت کی خوب خوب ترغیب ہوگئی تو اعلمیت کو استحباب امامت کا اولین معیار قرار دیا گیا کیونکہ بقول صاحب ہدایہ کے کہ اقرا کی ضرورت نماز کے صرف ایک رکن قراءت کے لیے ہوتی ہے اور اعلم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) اس مسئلہ میں امام بخاریؒ نے بھی حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے چنانچہ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة کے ترجمۃ الباب میں وہ حضرت موسیٰ اشعری کی روایت درج کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لیے مقدم کیا تھا اگر وجہ ترجیح بجائے علم کے حفظ کے لیے ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کی جگہ امامت کے مستحق ابی بن کعبؓ

ہونے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کا اقرأ و احفظ فرمایا تھا علم کے مقابلہ میں حفظ کی شان تو حدیث میں بھی کم ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے مگر علم و فہم حدیث کے لحاظ سے یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کا درجہ سب سے اوپر ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام مقرر کرنا ان کے اعلم ہونے کی بنا پر تھا اور چونکہ یہ واقعہ بالکل آخری زمانہ کا ہے اس لیے ان تمام احادیث کے لیے ناسخ کی حیثیت رکھتا ہے جن میں اقرأ کی تقدیم کا بیان ہے۔

حدیث میں اقرأ کی اعلم پر وجہ تقدیم پہلا سوال یہ ہے کہ حدیث میں اقرأ کو اعلم پر مقدم کیا گیا اور امام صاحب و من وافقہ کے نزدیک اس کا عکس ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ شارحین حدیث کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں جو قاری قرآن ہوتا تھا وہ عالم بالسنۃ بھی ہوتا تھا لہٰذا وہ سب کے سب علم میں برابر ہوتے تھے کیوں کہ صحابہ کرام قرآن پاک کی تلقی بالاحکام کرتے تھے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کوئی سورۃ نازل نہ ہوتی تھی مگر یہ کہ ہم اس کے امر و نہی زجر و توبیخ اور حرام و حلال سے واقف ہوتے تھے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی کسی سورت کی قرات کرتا تو جب تک اس کے حلال و حرام کا پورے طور پر علم حاصل نہ کرتا اس وقت تک آگے نہیں بڑھتا تھا حضرت عمرؓ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے سورۂ بقرہ بارہ سال میں حفظ کی تھی بہرکیف صحابہؓ میں جو اقرأ ہوتا وہی افقہ بھی ہوتا تھا مگر آج کل صورت حال بالعکس ہے حفظ و قرات اور تجوید کے ماہرین دینی معلومات اور مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں لہٰذا اقرأ پر اعلم کو تقدیم حاصل رہے گی۔

دوسرا سوال یہ وارد کیا گیا ہے کہ اگر حدیث میں اقرأ سے مراد اعلم ہے تو پھر حدیث میں اقرأ کے بعد اعلم کیوں کہا گیا؟ اس سے تو تکرار لازم آتا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہو جاتی ہے یؤم القوم اعلمهم فان تساووا فاعلمهم شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں فاعلمهم سے مراد اعلم باحکام القرآن ہے اور اعلمهم بالسنۃ سے مراد اعلم بالحدیث ہے پس تکرار لازم نہیں آتا۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح اعلمهم بالسنۃ (۱) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اعلمهم بالسنۃ میں سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں (۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی میں سنت سے مراد وہ مسائل ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق نماز اور اس کے بارے میں ہدایات کے علم و مشاہدہ سے حاصل ہوتے تھے

اور اعلم بالسنۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ بقدرِ ضرورتِ صلوٰۃ قرآن مجید صحیح طور سے پڑھنے کے ساتھ مسائل متعلقہ نماز کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتا ہو۔

فان قدموا ھجرۃ حدیث میں مذکور ہجرت سے مراد وہ ہجرت ہے جو ابتداءِ اسلام میں مدارِ ایمان تھی بعد میں اس کا مدارِ ایمان ہونا منسوخ ہو گیا بقول ابن ملکؒ ہجرت کی تقدیم و تاخیر بلکہ حقیقت کا لحاظ دورِ صحابہؓ میں تھا آج کل اس کا لحاظ نہیں ہے بلکہ ہجرتِ معنویہ یعنی ہجرت عن المعاصی معتبر ہے اب فقہاء اس اصطلاحی ہجرت کی جگہ ادرع کو رکھا ہے لہٰذا ان میں جو اورع ہو وہی اولیٰ ہو گا یہ بات غالباً ان احادیث سے ماخوذ ہے جن میں ارشاد ہے المہاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ (بخاری ج ۱ ص ۶) قال علیہ السلام لا ھجرۃ بعد الفتح وانما المھاجر من ھجر السیئات "وقال علیہ السلام الجھاد جہادان احدھما افضل من الآخر وھو ان تجاھد نفسک وھوالک والھجرۃ ھجرتان احدھما افضل من الاخری وھو ان تھجر السیئات۔

ورع اور تقویٰ
ورع یہ ہے کہ جن چیزوں میں شرعاً شبہ ہو اگرچہ ان کا ارتکاب جائز ہو ان سے بھی پرہیز کرے اور تقویٰ یہ ہے کہ حرام اور مکروہ تحریمی سے بچ جائے (تاالہ ابن نجیم وغیرہ۔

جہاں امام مقرر ہو تو دوسرے کو بغیر اجازت کے امامت کا حق نہیں ہے

ولا یؤم الرجل فی

سلطانہ یعنی کوئی شخص اپنی ملکیت یا غلبہ کی جگہ میں ماموم نہ بنایا جائے جہاں جو شخص امام ہو وہاں وہی شخص نماز پڑھائے مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی سلطنت و علاقہ میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو جیسا کہ ایک روایت میں "فی اہلہ" کے الفاظ سے ثابت یہی ثابت ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اس کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کرکے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحبِ خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے شخص کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امورِ سلطنت میں انحطاط و آپس میں بغض و عناد، ترکِ ملاقات، افتراق و اختلاف اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھلتا ہے جب کہ

بَابُ إِمَامَةِ النِّسَاءِ

۵۱۴۔ عَنْ اُمِّ وَرَقَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

باب ۔عورتوں کی امامت۔ ۵۱۴ ۔حضرت ام ورقہ انصاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بانشبہ رسول اللہ

جماعت کی مشروعیت ہی انہی غیر اخلاقی چیزوں کے سدباب کے لیے ہوئی ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل و شرف اور علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم و فاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے (مظاہر حق جدید ج ۱ ص ۳۵۰)

الا باذنہ استثناء کا حکم | ولا یقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الا باذنہ جب دو معطوف جملے آجائیں اور اس کے بعد کوئی استثناء واقع ہو یا شرط مذکور ہو تو اس میں اختلاف ہے کہ اس کا تعلق دونوں جملوں سے ہوگا یا صرف آخری جملہ سے (۱) امام شافعیؒ اس کا تعلق دونوں جملوں سے قرار دیتے ہیں (۲) احناف کہتے ہیں کہ اس کا تعلق صرف آخری جملہ سے ہوگا۔

لہٰذا حدیث باب کے مندرجہ بالا الفاظ پر شوافع کے اصول کے مطابق تو کوئی اشکال ہی وارد نہیں ہوتا البتہ احنافؒ کے اصول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ الا باذنہ کا استثناء صرف تعود علی التکرمتہ سے متعلق ہوگا امامۃ فی سلطانہ سے نہیں جبکہ احناف حضرات بھی حکم میں دونوں کو مساوی قرار دیتے ہیں۔

شارحین حدیث اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اذن کے ساتھ امامۃ فی سلطانہ کا جائز ہونا استثناء سے نہیں ہے بلکہ اس کے جواز کی وجہ دوسری ہے وہ یہ کہ ہم نے جب امامۃ فی سلطانہ کی ممنوعیت کی علت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے امام کو تکلیف ہوگی اور اس کے حق میں مداخلت ہوگی جس سے اس کا دل تنگ ہوگا کہ اس سے منصب امامت غصب کر لیا گیا لیکن وہ اگر خود اجازت دے دے تو یہ علت مرتفع ہو جاتی ہے لہٰذا بصورت اذن امامت جائز ہے۔

اذا کانوا ثلاثۃ ثلاثہ کی قید اتفاقی ہے تین سے کم یا زیادہ ہونے کی شکل میں بھی حکم یہی ہے کہ ان میں سے ایک امام بن جائے اور باقی مقتدی۔

بیان مذاہب ۵۱۴ تا ۵۱۵ | (۱) محض عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے نفل ہو یا فرض۔ یہ مسلک امام مالکؒ کا ہے احناف کے متون میں دیکھو کے

وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنْطَلِقُوْا بِنَا اِلَى الشَّهِيْدَةِ فَنَزُوْرُهَا وَاَمَرَ اَنْ يُّؤَذَّنَ لَهَا وَيُقَامَ وَتَؤُمَّ اَهْلَ دَارِهَا فِي الْفَرَائِضِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ وَاَخْرَجَهٗ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْفَرَائِضِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، ہمارے ساتھ شہیدہ کے پاس چلو تا کہ ہم اس کی ملاقات کریں، اور آپ نے ان کے لیے اذان اور اقامت کی اجازت عطا فرمائی تھی اور یہ اپنے اہل خانہ کو فرائض میں امامت کرائی تھیں، یہ حدیث حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے اور اسے ابو داؤد نے بھی نقل کیا ہے، لیکن فرائض کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

الفاظ آئے ہیں در مختار اور بحر میں اس کی تصریح ہے کہ مکروہ تحریمی ہے صاحب ہدایہ کی تعلیل سے بھی یہی نکلتا ہے کہ وہ بھی اس کی کراہت تحریمی کے قائل ہیں علامہ ازاری نے شرح غایۃ البیان میں اس کو بدعت کہا ہے۔

(۲) محض عورتوں کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے مرجحہا ملاوت نروقی، علامہ عینیؒ، محقق ابن الہمامؒ نے شرح ہدایہ میں اور مولانا عبدالحیٔ نے تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء میں اس کے کراہت تحریمی ہونے کی تردید کی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مستحب ہے۔

قائلین مکروہ تحریمی کے دلائل

کراہت تحریمی کے قائلین کہتے ہیں کہ عورتوں کی جماعت کی دو ہی صورتیں ہیں اول یہ کہ ان میں جو امام بنے گی وہ صف کے درمیان کھڑی ہوگی دوم یہ کہ حسب مقتضائے امامت وہ آگے کھڑی ہوگی اگر صف کے درمیان کھڑی ہو تو یہ فعل خود مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی فعل آگے کھڑا ہونا تھا تو یہی واجب ہوگا اور اگر آگے کھڑی ہوں تو زیادتی کشف جو ہو جائے خود ایک فعل مکروہ تحریمی ہے اس کی وجہ سے جماعت بھی مکروہ ہوگی (جوھرہ) پس ایسی کوئی شکل نہیں ہے کہ کسی فعل مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے بغیر ان کی جماعت ہو سکے۔ جیسے ننگے آدمی اگر جماعت کرنا چاہیں تو ان کی جماعت بھی مکروہ تحریمی ہے

قائلین کراہت تنزیہی کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۱۲ از حضرت ام ورقہ رضہ سے مروی ہے جسے امام حاکمؒ نے مستدرک کتاب الصلوٰۃ

۵۱۴۔ وَعَنْ رَيْطَةَ الْحَنَفِيَّةِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَمَّتْهُنَّ وَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِيْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۵۱۴۔ ریطہ حنفیہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں نماز پڑھائی اور فرض نماز میں ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب امامۃ المراۃ ..... الخ ج ۱ صفحہ ۲۲۳ اور ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء ج ۱ صفحہ ۸۷ میں تخریج کیا ہے۔

قصہ حضرت شہیدہؓ کا

حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث بن عومیر انوفل فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی لڑائی میں جانے لگے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بھی اپنے ساتھ جہاد میں چلنے کی اجازت دیجئے میں بیمار مجاہدین کی خدمت کروں گی شاید حق تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرما دے آپؐ نے فرمایا اپنے گھر میں بیٹھی رہ! اللہ تعالیٰ تجھے شہادت عطا کرے گا راوی کہتے ہیں کہ اس روز سے ان کا نام شہیدہ ہو گیا انہوں نے قرآن پڑھا تھا تو آپؐ سے اجازت چاہی اپنے گھر میں موذن مقرر کرنے کی آپؐ نے اجازت دیدی انہوں نے اپنے ایک غلام اور باندی کو مدبر کیا تھا وہ دونوں رات میں اٹھے اور ایک چادر سے ان کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئیں اور وہ دونوں بھاگ نکلے جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ کا عہد تھا تو انہوں نے فرمایا کہ جس کو ان دونوں کا حال معلوم ہو وہ ان کو حاضر کرے چنانچہ وہ دونوں پکڑے گئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور وہ دونوں سولی کھینچے گئے یہ مدینہ میں پہلی سولی تھی جو انہیں کو ہوئی۔ اس کے بعد امام ابوداؤد نے عبدالرحمان بن خلاد کے طریق سے یہ بھی روایت کیا ہے وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا فی بیتھا وجعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اھل دارھا قال عبدالرحمن فانا رأیت مؤذنھا شیخا کبیرا ——— اس کی اسناد میں ولید بن جمیع ہے جس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابن حبانؒ نے ولید میں کلام کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام مسلمؒ نے اس سے حدیث کی تخریج کی ہے اور یہی کافی ہے ابن معینؒ اور عجلیؒ نے اس کو ثقہ کہا ہے امام احمدؒ وابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ یہ صالح حدیث ہے خود ابن حبانؒ نے بھی اس کو

۵۱۵۔ وَعَنْ حُجَيْرَةَ بِنْتِ حُصَيْنٍ قَالَتْ أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِيْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ فَقَامَتْ بَيْنَنَا۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۵۱۵۔ حجیرہ بنت حصین نے کہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عصر کی نماز میں ہمیں امامت کرائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ثقات میں لکھا ہے۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت ۵۱۴ ریطۃ الحنفیہ سے مروی ہے جسے عبدالرزاق نے المصنف کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تؤم النساء ج ۳ ص۱۴۱ میں تخریج کیا ہے اس کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اُن کے الفاظ یہ ہیں فقامت بینھن وسطا امام نووی نے خلاصہ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے علاوہ ازیں حاکم نے بھی مستدرک میں حضرت عائشہ رض سے روایت کیا ہے انھا کانت تؤذن وتقیم وتؤم النساء فتقوم وسطھن حاکم نے اس کی تخریج کے بعد سکوت کیا ہے۔

امامت عائشہ اور فریقین کا موقف

قائلین کراہت تحریمی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کا فعل مذکور ابتداء اسلام میں تھا بعد میں عورتوں کی جماعت منسوخ ہو گئی مگر علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ تو احادیث اور تاریخ سیرت سے ناواقفیت ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال رہے (کمارواہ البخاری ومسلم) پھر مدینہ میں حضرت عائشہ رض کو نکاح میں لائے جب ان کی عمر چھ سال تھی جب نو برس کی ہوئیں تو ان کی رخصتی عمل میں آئی آپ کی حیات میں نو برس رہیں لہذا امامت کرنا بلوغ کے بعد ہوگا تو یہ ابتداء اسلام کا فعل کیسے ہو سکتا ہے حاکم اور ابوداؤد کی مذکورہ روایات نسخ کی تمام توجیہات کی نفی کرتی ہیں۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ ناسخ بھی صحیح طور پر کوئی متعین نہیں —— صاحب عنایہ نے صاحب ہدایہ کی توجیہ کہ امامت عائشہ کا فعل ابتداء اسلام پر محمول ہے کی توضیح میں کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں عورتوں کی جماعت بطور سنت جائز تھی جو عورت امام ہوتی وہ درمیان میں کھڑی ہوتی تھی بعد میں اس کی سنیت منسوخ ہو گئی نہ کہ جواز یہاں تک کہ اگر اب عورتیں جماعت کریں تو بالاجماع جائز ہے امام آگے ہو یا درمیان میں لاستجماع شرائط الجواز البتہ افضل یہی ہے کہ درمیان میں کھڑی ہو وجعان جانب الستر۔

بَابُ إِمَامَةِ الْاَعْمٰی

۵۱۶ - عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ اَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَؤُمُّ

باب - اندھے کی امامت - ۵۱۶ - محمود بن الربیع سے روایت ہے کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ لوگوں کو

اصول فقہ کا ایک قاعدہ نور الانوار وغیرہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ ہمارے ہاں صفت وجوب کا انتفا صفت جواز کے انتفاء کو مستلزم ہوتا ہے اور اس میں وجوب وسنت کا فرق نہیں ہے پس جب کہ سنیت منسوخ ہو گئی تو جواز بھی منسوخ ہوا اور استدلال بالمنسوخ صحیح نہیں ہے صاحب عنایہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جو جواز بضمن کراہت ہے اور جو جواز بضمن سنت تھا وہ اس کے ساتھ منسوخ ہو گیا حضرت عائشہ کے فعل سے استدلال اسی بات کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ عورتوں کی جماعت سنت تھی جو منسوخ ہو گئی اور ہمارے زمانے میں جو اس کو جائز رکھا گیا ہے وہ اس جواز کے مقتضی کی بنا پر ہے جو اجتماع سے شر انقذر انتفاء موانع کے پیش نظر ہے - (۳) حجیرہ بنت حصین کی روایت ۵۱۵ میں بھی صراحۃً حضرت ام سلمہؓ کی امامت مذکور ہے اس روایت کو عبدالرزاق نے المصنف کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تؤم ..... ج ۳ صلا میں تخریج کیا ہے۔

قول فیصل بہرکیف باب ہذا کی تینوں روایات عورتوں کی جماعت سے جواز عدم کراہت کا واضح ثبوت ہے اور مذہب میں صحیح قول بھی یہی ہے کہ ان کی جماعت بلا کراہت جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے چنانچہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت عائشہؓ کا اثر کہ آپ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں ، ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے قال محمد لا یعجبنا ان تؤم المرأۃ کہ ہم کو یہ پسند نہیں کہ عورت امام بنے یہی ابوحنیفہ کا قول ہے یہ قول عورتوں کی جماعت کے خلاف اولیٰ ہونے پر ہی دال ہے

نیز خلاصہ میں ہے صلوٰتھن فرادیٰ افضل یعنی عورتوں کا تنہا تنہا نماز پڑھنا افضل ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں بلکہ خلاف افضل ہے پس جب روایت مذہب درایت کے موافق ہے تو اس پر اعتقاد ہونا چاہیے لہٰذا صحیح حکم یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت بلا کراہت جائز ہے ان میں جو عورت امام بنے وہ وسط میں کھڑی ہو البتہ اولیٰ یہی ہے کہ عورتیں تنہا تنہا نماز پڑھیں۔

۵۱۶ تا ۵۱۸ باب ہذا کی پہلی روایت ۵۱۶ محمود بن الربیع سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ج ۱ صلا میں تخریج کیا ہے دوسری روایت ، ۵ حضرت انسؓ سے منقول ہے جسے امام ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ الاعمیٰ ج ۱ صلا

قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمَى وَأَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ فِي الْبَيْتِ فَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۵۱۷۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمَى۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۵۱۸۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ عَلَى الْمَدِينَةِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

امامت کراتے تھے، حالانکہ وہ نابینا تھے اور انہوں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اندھیرا اور پانی (راستہ میں) ہوتا ہے اور میں نابینا شخص ہوں، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ میرے گھر میں ایسی جگہ نماز ادا فرمائیں، جہاں میں نماز کی جگہ بنالوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا "تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں"، اس نے گھر میں ایک جگہ اشارہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۵۱۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے قائم مقام بنایا، حالانکہ وہ نابینا تھے۔"

یہ حدیث ابوداود نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۵۱۸۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں (اپنی عدم موجودگی کے دوران) لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے نائب بنایا۔

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

میں نقل کیا ہے آخری روایت ۵۱۸ حضرت عائشہ سے مروی ہے جسے صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۶۲ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۸ میں تخریج کیا گیا ہے۔ تینوں روایات کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امامت کی اجازت دی تھی بلکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے خلیفہ بنایا تھا تینوں روایات کا مدلول یہ ہے کہ نابینا کی امامت جائز ہے

بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ

۵۱۹ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعًا بِقُبَاءٍ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى أَبِيْ حُذَيْفَةَ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ -

---

باب غلام کی امامت - ۵۱۹ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اولین عصبہ "جو کہ قباء میں ایک جگہ ہے" میں آئے تو انہیں سالم مولی ابی حذیفہؓ امامت کراتے تھے، اور وہ ان میں قرآن زیادہ پڑھے ہوئے تھے - یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے -

---

فقہاء نے جو مکروہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے پورے طور پر پاکی کی احتیاط نہیں کر سکتا مگر چونکہ نجاست کا محض احتمال ہے اس لیے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کسی ذریعہ سے وہ نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کر لیتا ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے احادیث باب اسی پر دال ہیں نیز اگر نابینا تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں جاتے وقت عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ اور عتبان بن مالکؓ کو جو نابینا تھے خلیفہ بنایا تھا اور وہ دونوں امامت وغیرہ کے فرائض سرانجام دیتے تھے -

(۵۱۹ تا ۵۲۰) باب کی پہلی روایت حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے منقولہ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے امام بخاری نے کتاب الاذان باب امامة العبد والمولیٰ ج ۱ ص۹۶ میں اس کی تخریج کی ہے دوسری روایت ابن ابی ملیکہ کی ہے جس کو سنن الکبریٰ کتاب الصلوٰۃ ج ۳ ص۸۸ باب امامة العبید میں نقل کیا گیا ہے دونوں سے عبد کی امامت کا جواز ثابت ہے۔

فقہاء نے غلام (اگرچہ وہ آزاد کر دیا گیا ہو) کی امامت کو جو مکروہ تنزیہی لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامی کی حالت میں اس کے اپنے مالک کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے تحصیل علم اور مسائل نماز سیکھنے کی فرصت نہیں ملتی عبید جاہل کی مثال اعرابی دیہاتی اور گنوار کی سی ہے جس کے پیچھے بوجہ جہالت کے نماز مکروہ ہے

جاہل گنوار کا لطیفہ | ہمیں اپنے شیخ نے ایک لطیفہ سنایا تھا کہ کسی گنوار نے مغرب کی نماز میں ایک امام کی اقتداء کی امام نے یہ آیت پڑھی اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا الخ

۵۲۰۔ وَعَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَأْتُونَ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ بِأَعْلَى الْوَادِي هُوَ وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وَالْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ وَنَاسٌ كَثِيرٌ فَيَؤُمُّهُمْ أَبُو عَمْرٍو مَوْلَى عَائِشَةَ وَأَبُو عَمْرٍو غُلَامُهَا حِينَئِذٍ لَمْ يُعْتَقْ قَالَ وَكَانَ إِمَامَ بَنِي مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُرْوَةَ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ فِي مُسْنَدِهِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۵۲۰۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گاؤں کے بالائی حصہ میں حاضر ہوتے ہیں عبید بن عمیر، مسور بن مخرمہ اور بہت سے دوسرے لوگ تو لوگوں کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابوعمرو نماز پڑھاتے تھے اور ابوعمرو اس وقت ام المومنین رض کے غلام تھے ابھی آزاد نہیں کیے گئے تھے (ابن ابی ملیکہ نے) کہا، وہ بنی محمد بن ابی بکر اور عروۃ کے امام تھے۔

یہ حدیث شافعیؒ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

گنوار یہ سنتے ہی فوراً توڑ کر ایک ڈنڈا لایا اور پھر نماز میں شامل ہو گیا اب امام نے یہ آیت پڑھی وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تو گنوار نماز ہی میں کہنے لگا کہ مجھے ڈنڈے ہی نے سیدھا کیا ہے فهذا يدل على غلبة جهلهم عليهم ۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے صرف امام مالک رح نے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ غلام احرار کے امام نہ بنیں البتہ اگر وہ قاری و عالم ہو اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں بجز جمعہ وعیدین کے کہ وہ غلام پر فرض نہیں ہیں علامہ اشہب مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ بھی درست ہے کیوں کہ جب غلام شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی ادا ہوگا۔

(فتح الباری)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ إِمَامَةِ الْجَالِسِ

۵۲۱- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ- رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ جو روایات بیٹھنے والے کی امامت کے بارہ میں ہیں۔ ۵۲۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے، تو اس سے گر گئے، آپ کی دائیں طرف زخمی ہو گئی، آپ نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی، تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "بلاشبہ امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے، تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۵۲۱ تا ۵۲۴) تمہیداً گذارش ہے کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ امام اور منفرد کے لیے بغیر عذر کے فرض نماز قاعداً ادا کرنا درست نہیں ایسا کرنے والے کی نماز نہ ہو گی البتہ اگر امام بعذر قاعداً نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اس کے طریقہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

بیان مذاہب امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قائم، قاعد کی اقتداء نہیں کر سکتا مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی حالت، امام کی حالت سے قوی ہے ان کا استدلال لا یؤمن رجل بعدی جالساً (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص۴۶۳) سے جمہور کہتے ہیں کہ اس کا مدار جابر جعفی ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہیں امام دارقطنی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں لم یروہ غیر جابر الجعفی عن الشعبی وھو متروک والحدیث مرسل لا تقوم بہ حجۃ (سنن دارقطنی

۵۲۲۔ وَعَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِنَّهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلّٰى جَالِسًا وَصَلّٰى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنْ اجْلِسُوْا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۵۲۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھی، لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، تو آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ جب آپ نے سلام پھیرا، تو فرمایا بلاشبہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے، تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

ج ا صفحہ ۲۹۸) لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

(۲) امام احمدؒ امام اوزاعیؒ، اہل ظاہرؒ اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں اگرچہ ان کو کوئی عذر نہ ہو محدثین شافعیہ کی ایک جماعت ابن خزیمہؒ ابن المنذرؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۳) امام احمدؒ کے مذہب میں یہ تفصیل بھی منقول ہے کہ امام کو اگر عذر درمیان صلوٰۃ میں طاری ہوا تو مقتدی کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں اور اگر عذر شروع ہی سے تھا تو ان کو بھی امام کی طرح بیٹھ کر پڑھنی چاہیے۔

(۴) امام اعظم ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ سفیان ثوریؒ ابو ثورؒ اکثر فقہاء اور جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے امام حازمی نے اس کو اکثر اہل علم کا مسلک قرار دیا ہے (کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ صفحہ ۱۰۹)

امام احمدؒ و من وافقہ کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۵۲۱) جو حضرت انسؓ سے مروی ہے ان کا مستدل ہے جسے امام بخاریؒ نے

۵۲۳ - وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ
أَلَا تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَهُمْ
يَنْتَظِرُوْنَكَ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ
لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا

---

۵۲۳ - عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کہا، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت
میں حاضر ہو کر عرض کیا، کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفات کے بارہ میں بتائیں گی
انہوں نے کہا، ہاں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے"
ہم نے عرض کیا نہیں، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا، میرے لیے
ٹب میں پانی رکھو، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کہا، ہم نے پانی رکھ دیا تو آپ نے غسل فرمایا، آپ نے بمشکل اٹھنا چاہا کہ آپ

کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ج ۱ ص ۹۶ اور امام مسلمؒ نے کتاب الصلوٰۃ
باب ائتمام الماموم بالامام ج ۱ ص ۱۷۷ میں تخریج کیا ہے۔ جس میں تصریح ہے واذا صلی
قائماً فصلوا قیاماً واذا صلی جالسا فصلوا جلوساً۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت ۵۲۲ بھی صحیحین میں منقول ہے آخر میں ہے واذا صلی جالساً
فصلوا جلوساً بخاری ج ۱ ص ۹۶ و مسلم ج ۱ ص ۱۷۷ صحابہؓ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ ابوہریرہؓ
اسید بن حضیرؓ اور قیس بن فہدؓ اور تابعین میں سے جابر بن زیدؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے حافظ ابن حجرؒ
نے باوجود اپنے عظیم علم و تبحر کے شافعی مذہب کے مقابلہ میں حنابلہ کو قوی کہا ہے۔

فائدہ جحش کا معنی کھال کا چھل جانا ہے ابوداود ج ۱ ص ۹۰ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
کا داہنا پہلو چھل گیا تھا حافظ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵ھ کا ہے۔

امام احمدؒ کے مستدل سے جمہور کا جواب

امام احمدؒ کے مستدل حدیث انسؓ کا جواب یہ ہے کہ یہ اور اس سلسلہ کی باقی تمام
احادیث منقول حدیث باب کے حدیث عائشہ (۵۲۳) سے منسوخ ہیں چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح میں دو جگہ
اس پر تصریح کی ہے (۱) باب انما جعل الامام لیؤتم بہ میں اپنے شیخ حمیدی کا قول ذکر کیا ہے (۲)

هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ

۱۴

کو غشی آگئی، پھر افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا: میرے لیے ٹب میں پانی رکھو، آپ بیٹھے آپ نے غسل فرمایا، آپ نے بمشکل اٹھنا چاہا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی، پھر آفاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم عرض پرداز ہوئے، نہیں اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! وہ آپ کے منتظر ہیں تو آپ نے فرمایا: میرے لیے ٹب میں پانی رکھو آپ بیٹھے اور غسل فرمایا، پھر آپ بمشکل اٹھنا چاہتے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی، پھر افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ آپ نے عرض کیا نہیں، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! وہ آپ کے منتظر ہیں، لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشاء کی نماز کے لیے

کہتے ہیں کہ آپؐ کا ارشاد اذا صلی جالساً فصلوا جلوساً آپ کے مرض قدیم (گھوڑے سے گرنے کے واقعہ) میں تھا پھر آپؐ نے اس کے بعد (مرض وفات میں) بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہؓ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی اس وقت آپؐ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں فرمایا اور حضورؐ کے آخری آخر فعل ہی کو معمول بنایا جا سکتا ہے (ب) باب اذا عاد مریضاً فحضرت الصلاۃ فصلی بھم جماعۃ کے ذیل میں ہے کہ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ شیخ حمیدیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیوں کہ آپؐ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی جس میں لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے شیخ حازمیؒ نے بھی اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں اس حدیث کا منسوخ ہونا علماء سے نقل کیا ہے۔

جمہور کے دلائل (۱) باب ہذا کی آخری روایت ۲۲۳ جسے عبیداللہ بن عبداللہ رضؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے صحیحین میں بخاری ج ۱ صـ۹۵ اور مسلم ج ۱ صـ۱۷۷ میں تخریج کی گئی ہے جمہور کا مستدل ہے تفصیلی واقعہ حدیث عائشہ کے لفظی ترجمہ میں واضح ہے کہ حضور اقدس

فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ثُمَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ قَالَ أَجْلِسَانِي إِلَى جَنْبِهِ فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ

انتظار کر رہے تھے، پھر آپ نے حضرت ابو بکر رض کو پیغام بھیجا لوگوں کو نماز پڑھاؤ، تو قاصد نے آکر کہا "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ، ابو بکر رض نے کہا" اور وہ نرم دل والے تھے " اے عمر! لوگوں کو نماز پڑھاؤ" تو حضرت عمر رض نے کہا تم اس کے زیادہ حقدار ہو، تو ان دنوں ابو بکر رض نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کچھ تندرست محسوس کیا تو دو شخصوں کے درمیان سہارا لگا کر تشریف لائے، ایک ان میں سے عباس رض تھے، ظہر کی نماز ادا فرمانے کے لیے اور ابو بکر رض لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب ابو بکر رض نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، نبی اکرم صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور قوم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کی بیہقی کی کتاب المعرفہ میں یہ الفاظ ہیں فکان علیہ السلام بین یدی ابی بکر یصلی قاعداً وابو بکر یصلی بصلوتہ قائماً والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر والناس قیام خلف ابی بکر لہذا یہ حدیث اس سلسلہ کی باقی تمام احادیث کے لیے ناسخ ہے۔

حدیث عائشہ رض پر اعتراض اضطراب اور اس کا مفصل جواب

(حدیث عائشہ رض جو حنفیہ وغیرہ کا مستدل ہے) یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں اضطراب ہے بعض راویوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بتلایا ہے اور بعض نے حضرت ابو بکر رض کو اس لیے وہ ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، چنانچہ حدیث عائشہ رض چار طرق سے مروی ہے (۱) طریق موسیٰ بن ابی عائشہ رض عن عبید اللہ (۲) طریق اعمش عن ابراہیم (۳) طریق عروہ عن عائشہ (۴) طریق ابو وائل عن مسروق ان میں سے پہلے تین طریقے صحیحین میں موجود ہیں اور ان چاروں طرق میں اختلاف واقع ہوا ہے اضطراب کے اس اجمال کی تفصیل اس نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے

فَجَعَلَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ وَهُوَ قَائِمٌ بِصَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَاحَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ

علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو، مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو، تو انہوں نے آپکو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا (راوی نے) کہا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھانے لگے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ عبیداللہ نے کہا، میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو میں نے ان سے کہا، کیا

اس اعتراض کے جواب میں علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ اضطراب قادح حدیث نہیں ہے کیونکہ علماء نے ان میں تطبیق دی ہے چنانچہ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں لکھا ہے کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جس نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے وہ نماز ظہر تھی ہفتہ کے دن کی یا اتوار کی اور جس میں آپ مقتدی تھے وہ پیر کے دن کی نماز صبح تھی جو آپ کی آخری نماز تھی۔

ابن حبان کہتے ہیں، کہ یہ سب احادیث جو اس واقعہ کے بارے میں وارد ہیں صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں دو نمازیں مسجد میں پڑھی ہیں ایک میں امام تھے اور دوسری میں مقتدی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت عبیداللہ عن عائشہؓ میں ہے کہ آپ حضرت عباس و علی کے سہارے تشریف لائے اور روایت مسروق میں ہے کہ آپ حضرت بریرہ اور حضرت نوبیہ کے سہارے تشریف لائے۔

اور اگر اضطراب ہی تسلیم کر لیا جائے تو حنابلہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس میں بھی اضطراب ہے کیونکہ وہی حدیث انس رضی اللہ عنہ مسلم شریف میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے بیٹھ کر ہی آپ کی اقتداء کی (فتح الملہم صفحہ ۳۲۸) لہذا حدیث سقوط میں بھی اضطراب ہو گیا اگرچہ تاویل کی گنجائش ہر جگہ نکل سکتی ہے۔ (انوار المحمود)

حضرت ابوبکرؓ کی استحقاق خلافت کا اشارہ

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ حَدِیْثَہَا فَمَا أَنْکَرَ مِنْہُ شَیْئًا غَیْرَ أَنَّہٗ قَالَ أَسَمَّتْ لَکَ الرَّجُلَ الَّذِیْ کَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ ھُوَ عَلِیٌّ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

میں آپ کے سامنے وہ حدیث پیش کروں جو مجھے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارہ میں بیان کی، انہوں نے کہا، لاؤ، میں نے انہیں ام المؤمنین کی بیان کردہ حدیث سنادی، انہوں نے کسی چیز کا انکار نہیں کیا، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کیا ام المؤمنینؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بتایا جو عباسؓ کے ہمراہ تھا، میں نے کہا، نہیں، انہوں نے کہا، وہ علیؓ تھے۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

بعد تمام لوگوں میں افضل ہیں نیز یہ کہ تمام لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی آنحضرتؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور سب سے اولیٰ ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے اس عظیم اور سب سے اہم منصب کا اہل و اولیٰ قرار دیئے جانے کے پیش نظر ہی بعض جلیل القدر صحابہ کا یہ اظہار بالکل حقیقت پسندانہ اور منشاء رسالت کے عین مطابق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین (کی پیشوائی) کے لیے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا (کی رہبری) کے لیے پسند نہ کریں.....؟ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زندگی میں دین کا سب سے بڑا اور اہم منصب امامت عنایت فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی کی وہ شخصیت ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کی دینی پیشوائی و رہبری کو انجام دے سکے تو حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی دنیوی رہبری اور پیشوائی کے بدرجۂ اولیٰ مستحق ہوگئے لہٰذا خلافت جیسے عظیم الشان منصب کے سب سے زیادہ اہل وہی ہیں۔

رجلین کا مصداق

رجلین (دو صحابہؓ) سے مراد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی ذات گرامی ہے یعنی آپؐ اپنی کمزوری و ناتوانی کے سبب حجرۂ مبارک سے مسجد نبویؐ تک ان دونوں جلیل القدر صحابیوںؓ کے مونڈھوں پر سہارا دے کر تشریف لائے۔

اقتداء ابوبکرؓ کی مراد

حدیث کے الفاظ والناس یصلون بصلوٰۃ ابی بکرؓ (اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے تھے اس لئے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم جو فعل کرتے حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے اور جو فعل حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے دوسرے مقتدی بھی اسی طرح کرتے جاتے تھے۔ لہٰذا یہاں اقتدار کے یہ معنیٰ ہیں یہ معنیٰ مراد نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابوبکرؓ کے امام تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوسرے مقتدیوں کے امام تھے کیونکہ مقتدی کی اقتدار کرنا جائز نہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کی اقتدار کر رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی آپ ہی کی اقتدار میں نماز پڑھ رہے تھے۔

کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے؟ یعنی نماز شروع ہو چکی ہے ایک امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے ایک دوسرا شخص آتا ہے اور شروع سے نماز پڑھانے والے امام کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے اور امامت شروع کر دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ جیسا کہ واقعۂ مذکورہ میں صورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کر دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کی جگہ لوگوں کی امامت شروع فرمادی؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اجماع ہے کہ صورت مذکورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل آپ کے خصائص میں سے تھا، یعنی دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس طرح امامت میں تغیر کیا جائے۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کی طرح امامت اور اقتدار جائز ہے (ملاحظہ فرمائیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت تک نماز شروع نہیں کی تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور امامت شروع فرمادی واللہ اعلم۔

جمہور کا استدلال آیت قرآنی سے

جمہور آیت قرآنی وقوموا للہ قانتین (بقرہ) سے بھی استدلال کرتے ہیں اس آیت میں قیام کو مطلقاً فرض صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے البتہ وہ لوگ جو معذور ہیں شرعاً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں بحکم لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا مگر ایسے لوگ جو غیر معذور ہیں ان کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُفْتَرِضِ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ

۴۲۵۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِهٖ

باب۔ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ۔۴۲۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز عشاء ادا کرتے پھر

حدیث عائشہ کے علاوہ دیگر احادیث سے جمہور کا استدلال

اس کے علاوہ تمام احادیث بھی جمہور کا مستدل ہیں جن میں قادر علی القیام کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صراحتاً ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد باب فی صلوٰۃ القاعد ج ۱ صکا ۱۳ میں حضرت عمران بن حصین کی روایت فرماتے ہیں کان بی الناصور فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنبہ

بیان مذاہب

(۴۲۵) اس باب کے تحت ایک معرکۃ الآراء اختلافی مسئلہ پیش کیا جاتا ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے یا نہیں؟ اقتداء المفترض خلف المتنفل کا کیا حکم ہے؟ تو اس بارے میں بذل المجہود ج ۱ صـ ۳۳۲ میں دو مذہب نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعیؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، سلیمان بن حربؒ، داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک۔ نیز امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے۔

(۲) حضرات حنفیہ، مالکیہ، امام حسن بصریؒ، ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب، یحییٰ بن سعید انصاری، ابوقلابہؒ وغیرہ کے نزدیک۔ نیز حضرت امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔ اور مقتدیوں کی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ ومن وافقہ کے دلائل

باب ہذا میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے ۴۲۵ کہ جسے بخاری کتاب الاذان باب اذا طول الامام ج ۱ صـ ۹۸ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی العشاء ج ۱ صـ ۱۸۷ پر تخریج کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر اپنے قبیلہ بنی سلمہ میں پہنچ کر قبیلے کے لوگوں کو دوبارہ عشاء کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور جب حضرت معاذؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھ لی ہے تو ان کا

فَيُصَلِّيْ بِهِمْ تِلْكَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ - وَزَادَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالشَّافِعِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ هِيَ لَهٗ تَطَوُّعٌ وَّلَهُمْ فَرِيْضَةٌ - وَفِيْ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ كَلَامٌ -

---

اپنی قوم کی طرف آکر یہی نماز انہیں بھی پڑھاتے۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے اور عبدالرزاق، شافعی، طحاوی، دارقطنی اور بیہقی نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے، "یہ نماز ان (حضرت معاذ رضؓ) کے لیے نفل ہوتی اور قوم کے لیے فرض" اور اس زیادت میں کلام ہے۔

فرض ادا ہو چکا ہے۔ اور بعد میں جو قبیلہ والوں کے ساتھ پڑھی ہے وہ ان کے حق میں نفل تھی۔ لہٰذا مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے اس حدیث سے جائز ثابت ہوتا ہے۔

حدیث معاذ کا جواب

حضرت معاذ رضؓ کی وہ نماز جو وہ قبیلہ میں جاکر ادا فرمائی ہے اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور نفل کے شرکت کیا کرتے تھے اور پھر قبیلہ میں جاکر بطور فرض پڑھا کرتے تھے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور فرض شرکت فرمایا کرتے تھے اور قبیلہ میں جاکر بطور نفل پڑھا کرتے تھے۔ تو احتمال ۱ کے اعتبار سے تمہارا مدعیٰ باطل ہے اس لیے کہ یہاں اقتداء المفترض خلف المتنفل لازم ہی نہیں آتا ہے۔ اور احتمال ۲ کے اعتبار سے تمہارا مدعیٰ صحیح ہو سکتا ہے لیکن حدیث شریف میں دونوں احتمال موجود ہیں تو بغیر دلیل شرعی کے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہ ہوگی۔ لہٰذا حدیث شریف ساقط الاعتبار ہوگی۔ اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔

مجوزین کی جانب سے ایک اشکال کا جواب

امام شافعی اور ان کے رفقاء کی طرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضؓ جو نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت میں پڑھتے تھے وہ فرض ہوتی تھی اور جو قبیلہ میں جاکر پڑھتے تھے وہ نفل ہوتی تھی۔ اس پر ہم کو ابن جریج عن عمرو عن جابر رضؓ کے طریق سے صریح روایت مل گئی کہ جس میں صلوٰۃ ثانیہ جو قبیلہ میں جاکر پڑھا کرتے تھے وہ نفل ہوتی تھی جیسا کہ روایت باب میں لہ تطوع ولہم فریضہ کی تصریح ہے لہٰذا اقتداء المفترض بالمتنفل جائز ہونا چاہیے۔

اس اشکال کے دو جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(۱) مذکورہ روایت عمرو بن دینار سے جس طرح ابن جریج نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ نے بھی نقل کیا ہے۔ اور ان کی روایت میں پوری حدیث شریف موجود ہے۔ اور سفیان بن عیینہ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ان کی روایت ابن جریج کی روایت سے مقدم ہے۔ لیکن سفیان بن عیینہ کی روایت میں ھی له تطوع ولهم فريضة کا لفظ نہیں ہے۔ لہذا اس لفظ کا اضافہ یا ابن جریج نے کیا ہے یا عمرو بن دینار نے یا حضرت جابر نے تو تینوں صورتوں میں حضرت معاذ رض کے فعل کی حقیقت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ صلوٰۃ معاذ نفل تھی یا فرض؟ اس لیے کہ ان میں سے کسی نے حضرت معاذ رض کا قول نقل نہیں کیا ہے۔ نیز اگر بالفرض حضرت معاذؓ سے فرض ثابت بھی ہو جائے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس پر برقرار رکھتے۔ یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا حکم فرماتے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا مدعی اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ نیز حضرت عمر رض کے دورِ خلافت میں جب حضرات صحابہ رض کے درمیان التقاء ختانین پر غسل میں اختلاف ہوا۔ اور حضرت رفاعہ بن رافع رض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بغیر انزال کے غسل نہیں کیا جاتا تھا۔ تو حضرت عمر رض نے فرمایا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ لوگوں نے اس عمل کی اطلاع دی ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تمہارے لیے رضا مندی ظاہر فرمائی ہے؟ تو حضرت رفاعہ رض نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوا۔ تو حضرت عمر رض نے حضرت رفاعہ رض کی روایت کو اس لیے حجت قرار نہیں دیا۔ تو ایسا ہی اگر حضرت معاذ رض کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ثابت بھی ہو جاتا ہے تو یہ اس پر دلیل نہیں بن سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی ایسا کیا کرتے تھے۔ لہذا صلوٰۃ معاذ رض سے تمہارا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت معاذ رض اپنی قوم میں جا کر نماز لمبی پڑھایا کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شکایت پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ چاہیے تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم میں جا کر ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں حضرت معاذ رض کے فعل کے بارے میں یہی تھا کہ حضرت معاذؓ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور یا اپنی قوم میں جا کر۔ یعنی جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس روز قوم کو نہیں پڑھاتے تھے۔ اور جس روز قوم کو پڑھاتے تھے اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

نہیں ہوئے تھے۔ لہذا ان احتمالات کے پیش نظر استدلال درست نہ ہوگا۔ اور اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رات میں دونوں جگہ نماز پڑھتے تھے اور یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا۔ تو یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جس میں ایک فرض دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا۔ اور یہ اوّل اسلام میں جائز تھا۔ اور بعد میں اس کی ممانعت وارد ہو گئی ہے اس لیے صلوٰۃ معاذ رضی اللہ عنہ کو منسوخ تسلیم کرنا لازم ہو گا۔

علماء احناف رحمہم اللہ کے دلائل

امام طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۴۲ پر عقلی دلیل پیش کی ہے کہ مقتدی کی نماز اپنی صحت و فساد میں امام کی نماز کے تابع ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اگر امام کو سہو ہو جائے تو مقتدیوں پر بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ اور اگر مقتدیوں سے سہو ہو جاتے اور امام سے سہو نہ ہو تو نہ امام پر سجدہ سہو لازم ہے اور نہ ہی مقتدیوں پر۔ لہذا جب ثابت ہوا کہ صلوٰۃ الماموم صحت و فساد، اور سہو وغیرہ میں صلوٰۃ امام کے تابع ہوتی ہے۔ تو فرض ہونے اور نفل ہونے میں بھی صلوٰۃ امام کے تابع ہوگی۔ لہذا اگر امام کی نماز فرض ہے تو مقتدی کی نماز فرض بن سکتی ہے۔ اور اگر امام کی نماز نفل ہے تو مقتدیوں کی نماز بھی نفل ہی ہوا کرے گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ امام کی نماز نفل ہو اور مقتدیوں کی نماز فرض ہو جائے۔ نیز نماز فرض قوی ہوتی ہے نماز نفل کے مقابلہ میں۔ اور ضعیف قوی کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اور قوی ضعیف کے تابع نہیں ہوا کرتا۔ لہذا صلوٰۃ نفل صلوٰۃ فرض کے تابع ہو کر صحیح ہو سکتی ہے لیکن صلوٰۃ فرض صلوٰۃ نفل کے تابع ہو کر صحیح نہ ہو گی۔ لہذا مقتدیوں کی فرض نماز امام کی نفل نماز کے تابع ہو کر صحیح نہ ہو گی۔ ہاں البتہ مقتدی کی نفل نماز مفترض امام کے تابع ہو کر صحیح ہو سکتی ہے لہذا اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہ ہو گی۔

عقلی استدلال پر تین اشکالات اور اس کے جوابات

یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ جس طرح نفل پڑھنے والے کی نماز فرض پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فرض پڑھنے والے کی نماز بھی نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہو جانی چاہیے۔

علماء احناف کی جانب سے جواب دیا جاتا ہے کہ نوافل کا سبب فرائض کے سبب کا بعض اور جزو ہوا کرتا ہے جیسا کہ نوافل محض دخول صلوٰۃ کی نیت سے صحیح ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ نفل یا فرض کی نیت نہ کی ہو لیکن فرائض محض دخول صلوٰۃ کی نیت سے صحیح نہیں ہوتے بلکہ ساتھ ساتھ فرض اور وقت کی نیت بھی شرط ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دخول فرض کے لیے اس سبب کے ساتھ ساتھ دوسرے اسباب کی بھی ضرورت ہے لہذا جو نفل پڑھتا ہے وہ اگر مفترض کی اقتداء کرتا ہے تو ایسے امام کی اقتداء ثابت ہوتی ہے جو تمام اسباب

کو شامل ہے۔ اور جو شخص فرض پڑھتا ہے وہ اگر متنفل کی اقتداء کرتا ہے تو ایسے امام کی اقتداء نہیں ثابت ہوتی ہے جو تمام اسباب کو شامل ہے اور صحت فرض کے لیے تمام اسباب لازم ہیں اور وہ یہاں مفقود ہے لہذا اقتداء المفترض خلف المتنفل کے سلئے آپ کا مدعیٰ باطل ہوگا۔

(۲) دوسرا یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حالت جنابت میں نماز پڑھائی تو حضرت عمرؓ نے نماز لوٹائی اور مقتدیوں نے نہیں لوٹائی لہذا مقتدیوں کی نماز صلوٰۃ امام کے تابع نہ ہوگی۔

علماء احناف کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبل الصلوٰۃ جنابت کا یقین نہیں تھا اس لیے اپنے واسطے احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا۔ اور غیروں کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اراني قد احتلمت یعنی مجھے شبہ ہوا کہ مجھے قبل الصلوٰۃ احتلام ہوا ہے اور مجھے پتہ نہ چلا اور بغیر غسل کے نماز پڑھلی ہے۔ پھر میں نے جہاں جہاں کپڑے میں نجاست کا اثر دیکھا اس کو دھو دیا۔ اور سورج بلند ہونے پر نماز کا اعادہ کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبل الصلوٰۃ جنابت کا یقین نہیں تھا بلکہ شبہ تھا۔ اور قاعدہ ہے

الیقین لا یزول بالشك۔ نیز اس پر یہ بھی دلیل بن سکتی ہے کہ صلوٰۃ ماموم فاسد ہو جاتی ہے صلوٰۃ امام کے فساد سے جیسا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ صلوٰۃ مغرب میں قراءت بھول گئے تو اپنی اور تمام مقتدیوں کی نماز کا اعادہ کرایا ہے کیونکہ ان کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو چکی ہے اور ترک قراءت کی وجہ سے فساد صلوٰۃ میں اختلاف ہے اور ترک طہارت کی وجہ سے فساد صلوٰۃ متفق علیہ ہے۔ اور جب مسئلہ اختلافی میں اعادہ کرایا ہے تو مسئلہ اتفاقی میں بطریق اولیٰ اعادہ کرانا چاہیئے تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ نے مسئلہ جنابت میں اعادہ نہیں کرایا ہے تو قبل الصلوٰۃ جنابت کا یقین نہ ہونا مسلم ہوگا۔

اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے اس کے خلاف روایت مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے نماز میں قراءت بالکل نہیں کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے رکوع و سجود مکمل نہیں کیا ؟ تو کہا کہ ہاں مکمل کیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قراءت لازم نہیں ہے۔ لہذا آپ نے مسئلہ قراءت سے جو استدلال کیا ہے وہ باطل ہوگا۔ علماء احناف کی جانب سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جو روایت ہم نے پیش کی ہے وہ متصل السند ہے اور جو روایت تم نے پیش کی ہے وہ متصل السند نہیں ہے۔ اس لیے ہماری روایت زیادہ اولیٰ ہوگی۔ نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ امام کے فساد کی وجہ سے صلوٰۃ مقتدی بھی فاسد ہو جاتی

چاہے مقتدی کو علم ہو یا نہ ہو۔ اور جب حضرت عمرؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ اگر میری نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس مسئلہ کے معلوم ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ کا مقتدیوں کو لوٹانے کا اعلان نہ کرانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبل الصلوٰۃ احتلام کا یقین نہیں تھا ورنہ ضرور اعادہ کرواتے پس صلوٰۃ امام اور صلوٰۃ مقتدی کے درمیان حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ج ا ص۲۳۹ میں اجلہ تابعین پانچ افراد کا فتویٰ مذکورہ جواب کی تائید میں پیش کیا ہے کہ صلوٰۃ مقتدی صلوٰۃ امام سے حکم کے اعتبار سے ایک نہیں ہوتی ہے۔ تو اگر حضرت عمرؓ کی نماز یقیناً فاسد ہو گئی ہوتی تو مقتدیوں کی نماز بھی لازمی طور پر فاسد ہو چکی ہوتی۔ اور جب حضرت عمرؓ نے مقتدیوں کی نماز لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا تو لازمی بات ہے کہ حضرت عمرؓ کی نماز بھی یقینی طور پر فاسد نہیں ہوئی ہوگی۔ لہٰذا اب کوئی اشکال نہ ہونا چاہیئے۔ اور جن کا فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت امام طاؤس بن کیسانؒ، امام مجاہد بن جبرؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ،

نیز حضرت ابن عمرؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ اگر اتفاق سے عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہر پڑھ لی ہے تو دوبارہ دونوں نمازوں کو اس طرح لوٹاتے کہ اولاً ظہر پھر عصر پڑھتے تھے اس لیے امام و مقتدی کے درمیان اتحادِ صلوٰۃ شرط ہے اور یہاں ظہر و عصر کے ساتھ افتراق ہو چکا ہے۔ سب کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔

ابن العربی کی توجیہ قاضی ابوبکر ابن العربی عارضۃ الاحوذی ج ۲ ص۹۶ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاذؓ ان کی نماز آپؐ کے ساتھ پڑھتے پھر رات کی نماز قوم کو پڑھاتے یعنی جو نماز وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے وہ اور ہوتی تھی اور جو قوم کو پڑھاتے وہ اور ہوتی۔

بعض فقہاء احناف کی ایک اور توجیہ بعض فقہاء احناف نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ عبارت یوں ہے کان یصلی مع رسول صلی اللہ علیہ وسلم العشاء اس سے عشاء اولی یعنی مغرب مراد ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں مغرب کی تصریح ہے۔ اور یرجع الی قومہ فیصلی بہم تلک الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ سے مراد عشاء آخرہ مراد ہے۔

جمہور کے نقلی دلائل (۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامام ضامن والموذن موتمن (سنن ترمذی باب ماجاء م

بَابُ صَلوٰةِ الْمُتَوَضِّئِ خَلْفَ الْمُتَيَمِّمِ

۵۲۵- عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ احْتَلَمْتُ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَاشْفَقْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ فَاَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِاَصْحَابِيَ الصُّبْحَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِاَصْحَابِكَ وَاَنْتَ جُنُبٌ فَاَخْبَرْتُهُ بِالَّذِيْ مَنَعَنِيْ مِنَ الْاِغْتِسَالِ وَقُلْتُ اِ

باب - وضو کرنے والے کی نماز تیمم کرنے والے کے پیچھے ۵۲۵ - حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا، غزوہ ذات السلاسل میں ایک ٹھنڈی رات مجھے احتلام ہو گیا، میں ڈرا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا، پھر میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا "اے عمرو! تم نے جنبی ہوتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا

ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ج ۱ ص

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما جعل الامام لیؤتم به الخ (صحاح ستہ کلها (بخاری ج ۱ ص ۱۵ مسلم ج ۱ ص نسائی جلد ۱ ص ترمذی ج ۱ ص ابن ماجہ ابو داؤد ص)

(۳) عن سلیمان مولی میمونة قال رأیت ابن عمر جالساً علی البلاط (موضع بالمدینة اتخذه عمر لمن یتحدث لمعات) والناس یصلون قلت یا ابا عبد الرحمٰن ما لک قال انی قد صلیت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تعاد الصلوٰۃ فی یوم

بیان مذاہب (۵۲۵) تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں اس میں دو مذاہب ہیں۔

(۱) متیمم، متوضئین کی امامت کر سکتا ہے یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ (شیخین) کا ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں شیخینؒ تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) امام محمدؒ کے نزدیک یہ ناجائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے والضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ۔

شیخین کا مستدل اور وجوہ ترجیح باب ہذا کی روایت عن عمرو بن العاص شیخینؒ کا تو

سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فَضَحِكَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا
وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

ں نے آپ کو وہ بات بتلا دی جس نے مجھے غسل سے روکا اور میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا اللہ تعالیٰ
ے فرمایا "اپنے آپ کو مت قتل کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمانے والے ہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم ہنسے اور کچھ نہ فرمایا" یہ حدیث ابوداؤد نے اور بخاری نے تعلیقاً نیز دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور
ماکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ستدل ہے جس کو بخاری ج ۱ ص۴۹ کتاب التیمم باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض
...... میں اور امام ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ ج ۱ ص۴۸ باب اذا خاف الجنب البرد .....
ں تخریج کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لشکر کا سریہ بنا کر بھیجا جب لوگ واپس آئے
آپ نے عمرو بن العاصؓ کا حال دریافت فرمایا لوگوں نے عرض کیا کہ نیک سیرت ہیں لیکن ایک روز انہوں نے
کو جنابت میں نماز پڑھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا ـــــ آگے
تفصیلی قصہ حدیث باب میں ہے آخر میں ولم یقل شیئا سے مراد یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو نماز کے اعادے
حکم نہیں فرمایا معلوم ہوا متوضئین کی نماز خلف المتیمم جائز ہے۔

یمم طہارت مطلقہ ہے یا ضروریہ

بیان مذاہب میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام محمد تیمم کو طہارۃ ضروریہ قرار دیتے ہیں و کذلک لم یجوز امامتہ
لمتوضئین مگر مسئلہ رجعت میں وہ تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں چنانچہ مطلقہ عورت کے تیسرے حیض
ے خون اگر دس دن سے کم میں بند ہو جائے تو وہ تیمم کرلے تو امام محمدؒ کے نزدیک حق رجعت
تیمم سے بھی ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ عورت کے غسل کر لینے سے حق رجعت ختم ہو جاتا ہے اور شیخینؒ نے
س کا عکس کیا ہے یعنی یہاں مسئلہ زیر بحث میں تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیا ہے حتی تجوز امامتہ
متوضئین اور رجعت میں طہارت ضروریہ مانا ہے یہاں تک کہ شیخین کے نزدیک صورت مذکورہ میں
ب تک عورت تیمم کے بعد نماز نہ پڑھ لے اس وقت تک حق رجعت نہیں جاتا۔
اس شبہ کا حل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ بھی ہے اور طہارت ضروریہ بھی، مطلقہ تو اس حیثیت

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی کَرَاهَةِ تَکْرَارِ الْجَمَاعَةِ فِیْ مَسْجِدٍ

۵۲۵۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ مِنْ نَوَاحِیِ الْمَدِیْنَةِ یُرِیْدُ الصَّلٰوةَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا فَمَالَ اِلٰی مَنْزِلِهٖ فَجَمَعَ اَهْلَهٗ فَصَلّٰی بِهِمْ رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَالْاَوْسَطِ وَقَالَ الْهَیْثَمِیُّ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔

باب ۔ مسجد میں دوبارہ جماعت کے مکروہ ہونے پر جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے ۔

۵۲۵۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے اطراف سے تشریف لائے ، آپ نماز ادا فرمانا چاہتے تھے کہ لوگوں کو دیکھا انہوں نے نماز پڑھ لی تھی ، آپ اپنے گھر تشریف لے گئے ، اپنے گھر والوں کو جمع فرما کر ان کو نماز پڑھائی ۔"

یہ حدیث طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کی ہے ہیثمی ؒ نے کہا اس کے رجال ثقہ ہیں ۔

سے ہے کہ اس کے ذریعہ سے طہارت مطلقاً حاصل ہوجاتی ہے ایسا نہیں ہے کہ طہارت مستحاضہ وغیرہ کی طرح وقت کے ساتھ مقید ہو بلکہ ہمیشہ کے لیے تیمم طہارت مطلقہ ہے جب تک بھی پانی میسر نہ ہو خواہ دس سال کیوں نہ گزر جائیں اور ضروریہ اس حیثیت سے ہے کہ مٹی کے ذریعہ سے تلوث ہو جاتی ہے حدث حقیقۃً اٹھ نہیں جاتا یہاں تک کہ اگر متیمم پانی پر قادر ہو جائے تو حدث بحدث سابق ہوتا ہے پس امام محمد ؒ نے دونوں مسئلوں میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے اور شیخین ؒ نے نماز اور اس کے متعلقات میں جانب اطلاق کا اعتبار کیا ہے کیونکہ شریعت نے تیمم کو طہارت مطلقہ کا حکم نماز ہی کے حق میں عطا کیا ہے حیث قال ولکن یرید لیطہرکم اور نماز کے علاوہ میں حقیقت پر عمل کیا ہے کہ مٹی کا استعمال درحقیقت تلویث ہے ۔

۲۲۷ ـ باب ہذا اور اگلا باب مسجد میں تکرار جماعت سے متعلق ہے اس سلسلہ میں دو مذاہب منقول ہیں ۔

بیان مذاہب (۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مسجد کے لیے باضابطہ امام اور موذن کا تقرر ہوا ہو اور اس میں ایک مرتبہ اہل محلہ نماز با جماعت پڑھ چکے ہوں وہاں پر دوبارہ جماعت مکروہ تحریمی ہے باب ہذا کی غرض انعقاد بھی جمہور کے مسلک کی توضیح اور بیان دلیل ہے ۔

البتہ امام ابو یوسف ؒ سے اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اگر ایسی صورت میں محراب

سے ہٹ کر اذان اور اقامت کے بغیر اور تداعی کے بغیر نماز ادا کرلی جائے تو جائز ہے۔ تاہم حنفیہ کی معتبر کتب میں مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس طرح بھی دوسری جماعت کرنا درست نہیں ہے تاہم فقہ کی کتب میں اس کی مزید توضیح بھی آئی ہے وہ یہ کہ کسی مسجد میں محلہ والوں کے بغیر دوسرے لوگوں نے آکر جماعت کرلی تو اہل محلہ دوبارہ جماعت کرسکتے ہیں اور اگر بعض اہل محلہ نے چپکے سے اذان کہہ کر یا وقت سے قبل نماز پڑھ لی جس کی اطلاع دیگر محلے والوں کو نہ ہوسکی تو ان کے لیے بھی تکرارِ جماعت جائز ہے۔ ایک توضیح یہ بھی ضروری ہے کہ مسجدِ طریق میں جماعتِ ثانیہ کی کراہت تحریمی نہیں ہے مسجدِ طریق وہ ہے جس کا امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اس میں بھی تکرارِ جماعت جائز ہے۔ مندرجہ بالا چند ایک استثنائی صورتوں کے علاوہ دوسری کسی بھی صورت میں تکرارِ جماعت جائز نہیں ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل اور اہلِ ظاہر جماعتِ ثانیہ کے جواز کے قائل ہیں۔

قائلین کراہتِ تحریمی کے دلائل

(۱) باب ہذا کی روایت جس کے راوی ابوبکرۃ ہیں اور جس کی طبرانی نے تخریج کی ہے امام ہیثمی نے مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب فیمن جاء الی المسجد فوجد الناس قد صلوا ج ۲ ص۴۵ میں اسے نقل کیا ہے اور اس پر رجالہ ثقات کا حکم بھی لگایا ہے مضمونِ حدیث لفظی ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے جمہور کا مستدل ہے ائمہ ثلاثہ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر جماعتِ ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو آپ مسجدِ نبوی کو ہرگز نہ چھوڑتے لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر پہ نماز پڑھنا تکرارِ جماعت کی کراہت پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد هممت ان آمر فتیتی ان یجمعوا حزم الحطب ثم آمر بالصلوٰۃ فتقام ثم احرق علی اقوام لا یشهدون الصلوٰۃ (سنن ترمذی باب ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب) بعض حضرات ابوہریرہؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی جماعت ہی میں حاضری ضروری ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر تکرارِ جماعت جائز ہوتا تو پہلی جماعت سے رہ جانے والوں کے پاس یہ عذر موجود تھا کہ ہم دوسری جماعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق مطلوب ہو تو سید الطائفہ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کا رسالہ القطوف الدانیہ فی کراهۃ الجماعۃ الثانیہ ملاحظہ کرلیا جائے جو ہر لحاظ سے شافی اور جامع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ جَوَازِ تَکْرَارِ الْجَمَاعَۃِ فِیْ مَسْجِدٍ

۵۲۷۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصْحَابِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّتَصَدَّقُ عَلٰی ذَا فَیُصَلِّیَ مَعَہٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَصَلّٰی مَعَہٗ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَحَسَّنَہٗ وَالْحَاکِمُ وَقَالَ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

باب۔ مسجد میں دوبارہ جماعت کے جواز میں جو روایات ہیں۔ ۵۲۷۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو نماز پڑھا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون کون اس پر صدقہ کرے گا تاکہ اس کے ساتھ نماز ادا کرے، لوگوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز ادا کی۔

یہ حدیث احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے، یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(۵۲۷ تا ۵۲۸) باب ہذا کی غرض الفقد حنابلہ اور اہل ظاہر کے مسلک جواز کے دلائل کا بیان ہے۔

قائلین جواز تکرار الجماعۃ فی المسجد کے دلائل

(۱) باب ہذا کی دونوں روایات قائلین جواز کا مستدل ہیں، پہلی روایت حضرت ابوسعیدؓ سے منقول ہے جسے مسند احمد ج ۳ ص۵ سنن ترمذی ج ۱ ص۵۳ وغیرہ میں تخریج کیا گیا ہے دوسری روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے جسے دارقطنی نے کتاب الصلوٰۃ باب اعادۃ الصلوٰۃ فی جماعۃ ج ۱ ص۲۷۶ میں نقل کیا گیا ہے دونوں میں ایک ہی واقعہ مذکور ہے جو لفظی ترجمہ سے واضح ہے۔ فقام رجل بیہقی کی روایت کے مطابق یہ صاحب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے۔ وفیہ فقام ابوبکر فصلی معہ وقد کان صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص۶۹: وصلی معہ یہ جماعت ثانیہ تھی حنابلہ اور اہل ظاہر اسی سے استدلال کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲) قائلین جواز کی دوسری دلیل حضرت انسؓ کا وہ واقعہ ہے جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے وجاء انس بن مالک الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ

۵۲۸- وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ وَقَدْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ يُصَلِّي وَحْدَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَتَّجِرُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهٗ اَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔ ۱۵

۵۲۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما چکے تھے، وہ کھڑا ہو کر اکیلا نماز پڑھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون اس کے ساتھ (نفع کی) تجارت کرتا ہے کہ اس کے ہمراہ نماز ادا کرے"
یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(صحیح للبخاری باب فضل الجماعۃ ج ۱ ص۸۹)

قائلین جواز کے دلائل سے جمہور کے جوابات

(۱) جہاں تک احادیث باب کا تعلق ہے جمہور اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس جماعت میں تو کل دو آدمی شریک تھے اور یہ جماعت بھی تداعی کے بغیر تھی اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تداعی کے بغیر تکرار جماعت تو جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے البتہ شرط یہ ہے کہ گاہے گاہے ایسا کرے عادت بنا لینا مکروہ ہے باقی رہی تداعی کی حد تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہیں بعض فقہاء کہتے ہیں کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہو جائیں۔

(۲) علاوہ ازیں حدیث باب میں جو فقام رجل آیا ہے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو متنفل تھے کیونکہ اس سے قبل وہ فرض نماز پڑھ چکے تھے جب کہ مسئلہ مبحوث فیہا یہ ہے کہ جب امام اور مقتدی دونوں فرض نماز پڑھتے ہوں۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ تکرار جماعت پر کاربند رہے ہوں یا انہوں نے کبھی اس کی ترغیب یا اجازت دی ہو احادیث باب کا ایک واقعہ بس ایک جزوی واقعہ ہے جو ہرگز اجازت عام کے لیے مستدل بننے کی حیثیت نہیں رکھتا اگر اس کی یہ حیثیت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی ضرور اس کے مطابق ہوتا۔

(۴) احادیث باب میں ایک جزوی واقعہ مذکور ہے اس کے علاوہ تمام ذخیرہ حدیث میں کوئی ایسا واقعہ یا عمل مثال موجود نہیں ہے جس میں مسجد نبوی میں کبھی دوسری جماعت کی گئی ہو سو اگر تکرار جماعت کی

بَابُ صَلٰوةِ الْمُنْفَرِدِ خَلْفَ الصَّفِّ

۵۲۹۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِّيْ اُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز۔ ۵۲۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اور ایک یتیم نے ہمارے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی، میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے تنہا تھیں۔
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

اجازت دیدی جائے تو جماعت کی اہمیت وسجد میں اس کی ضرورت اور مطلوبہ حکمت رونق قائم نہیں رہتا چنانچہ عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے کہ جہاں تکرار جماعت کا رواج ہوتا ہے وہاں لوگ پہلی جماعت میں حاضری میں دلچسپی کم لیتے ہیں بلکہ تکاسل ہوتا ہے لوگ سست ہونے لگتے ہیں کہ مسجد میں ہر وقت جماعت متوقع ہوتی ہے اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو مزید انتشار وافتراق کا بھی اندیشہ ہے۔

(۲) جہاں تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور تکرار جماعت کی بات ہے تو شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ راستہ کی مسجد ہو اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسند ابو یعلیٰ میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی (فتح الباری ج ۲ صفحہ) جب کہ اس نام سے مدینہ منورہ میں کوئی مسجد معروف نہیں ہے ورنہ مدینہ منورہ کی تو چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد طریق تھی علاوہ ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا اذا فاتتہم الجماعۃ صلوا فی المسجد فرادیٰ (معارف السنن ج ۲ صفحہ) اس سے صراحۃً جماعت ثانیہ کی نفی مدلول ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح | من یتجر علی ھذا۔ یتجر کے بارے میں شارحین کے دو اقوال ہیں (۱) یہ تجارت سے مشتق ہے مراد اخروی تجارت ہے اس توجیہ کے پیش نظر معنی یہ ہیں کہ تم میں سے کون اس کے ساتھ نماز پڑھ کر نیکی کی تجارت کرے گا (۲) یہ اجر سے نکلا ہے گویا اصل میں یأتجر ہے جیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان تتزر (یہ ازار سے نکلا ہے) اس توجیہ کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم میں سے کون ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھ کر اجر حاصل کرے۔

(۵۲۹ تا ۵۳۲) اس باب کے تحت ایک اہم اختلافی مسئلہ زیر بحث ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو اس بارے میں بذل المجہود ج ۱ صفحہ ۳۶۹ اور المنتخب الافکار ج ۲ نصف ثانی

٥٣٠ - وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

---

۵۳۰ - حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچا، جب کہ آپ رکوع فرما رہے تھے میں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کیا تو اس کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ (نماز کے بارہ میں) تمہاری حرص زیادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرو۔"

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

مسئلہ ۱۵۱ اس میں دو مذاہب نقل کیے گئے ہیں۔

بیان مذاہب (۱) امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ، حماد بن ابی سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور وکیع بن الجراح ابن حزم ظاہری اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اگر خلف الصف کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے (معالم السنن ج ۱ ص۲۳۳ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۴۲)

(۲) ائمہ ثلٰثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز جائز البتہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے مگر خطابی لکھتے کہ اعادہ مستحب ہے (معالم السنن ج ۱ ص۲۳۴) التعلیق المحمود ج ۱ ص۹۹ میں ہے کہ خلف الصف اکیلے کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے تاہم امام اعظم ابوحنیفہؒ اس میں قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر کوئی شخص ایسے وقت میں جماعت میں پہنچا جب آخری صف مکمل طور پر بھر چکی ہو تو اسے چاہیئے کہ دوسرے شخص کی آمد کا انتظار کرے تنہا نہ کھڑا ہو اور اگر اسی رکعت کے رکوع تک کوئی دوسرا شخص نہ پہنچے تو اگلی صف سے کسی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کرلے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے تاکہ خلف الصف وحدہٗ کا حکم اس پر لاگو نہ ہو سکے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے اگر کوئی شخص پچھلی صف میں اکیلا ہو تو وہ اگلی صف سے آدمی کھینچ لے (نصب الرایہ ج ۲ ص۳۸ نیل الاوطار ج ۳ ص۱۲۹)

البتہ اگر ایسا کرنے میں ایذاء کا اندیشہ ہو یا بوجہ لاعلمی کسی فتنہ و انتشار کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تنہا خلف الصف کھڑے ہو کر نماز پڑھ لینا جائز ہے (معارف السنن ج ۶ ص۴۲۰) اور نماز بہرحال ہو جائے گی اور اس میں کسی قسم کی کراہت نہ ہوگی البتہ اگر ان احکام کی رعایت نہ کی گئی تو کراہت ہوگی۔

امام احمدؒ وغیرہ من وافقہٗ کے دلائل (۱) باب ہٰذا کی روایت ۵۳۱ جو وابصہ بن معبد سے مروی ہے جسے سنن

۵۳۱ - وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى رَجُلاً يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَأَمَرَهٗ أَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ ـ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ـ

---

۵۳۱ - وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، تو آپ نے اُسے نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، ترمذی نے اُسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ترمذی ج ا ص۵۳ میں تخریج کیا گیا ہے جس میں تصریح ہے کہ فامرہ ان یعید الصلوٰۃ۔

(۲) علی بن شیبان کی روایت ۲۲ھ جسے مسند احمد ج ۴ ص۲۳ اور ابن ماجہ ص۷۱ کے حوالے سے تخریج کیا گیا ہے ہیں بھی اس پر تصریح ہے کہ منفرد خلف الصف کی نماز نہیں ہوتی واجب الاعادہ ہے فقال لہ استقبل صلواتک فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف۔ قبیلہ ثقیم کا ایک وفد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان میں سے ایک خود حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی حضورؐ نے نماز پوری کر لی تو دیکھا کہ ایک شخص تنہا صف سے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے جو غالباً مسبوق تھا تو حضورؐ اس کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے جب اس نے نماز پوری کر لی تو حضورؐ نے فرمایا کہ نماز دوبارہ از سر نو پڑھو اس لیے کہ تنہا ایک آدمی کا صف کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے

امام احمدؒ کے استدلال سے جمہور کے جوابات

(۱) وابصہ بن معبد کی روایت میں اعادہ کا امر استحباب پر محمول ہے (۲) ابن رشدؒ بدایۃ المجتہد ص۱۴۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے فلہذا لا تقوم بہ الحجۃ۔ امام بیہقی المعرفہ میں لکھتے ہیں وانما لم یخرجہ صاحبا الصحیح لما وقع فی اسنادہ من الاختلاف امام شافعی فرماتے ہیں لو ثبت الحدیث لقلت بہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث حجت نہیں (۳) دیگر ائمہ بھی اعادۂ صلوٰۃ کے قائل ہیں بعض وجوباً اور بعض استحباباً لہذا ان کا قول حدیث کے خلاف نہیں (۴) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں دو احتمال ہیں (ا) صف کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے اس لیے اعادہ کا حکم فرمایا ہے (ب) دوسری علت کی بنا پر اعادہ کا حکم فرمایا ہے وہ یہ کہ

۵۴۲ - وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ فَوَقَفَ حَتَّى انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ لَهُ اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ فَلَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

---

۵۴۲ - حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، آپ ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ اس نے سلام پھیرا، تو آپ نے اسے فرمایا "اپنی نماز دوبارہ پڑھو، صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز نہیں"
یہ حدیث احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نماز پڑھنے والے نے نماز کے صفات اور شرائط کا لحاظ نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ حضرت رفاعہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے اس قسم کی روایات مروی ہیں کہ صفات و شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے کئی مرتبہ نماز لوٹانے کا حکم فرمایا فصل فانک لم تصل تو یہاں بھی اسی وجہ سے اعادۂ صلوٰۃ کرایا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ خلف الصف منفرداً نماز نہیں ہوتی ہے (شرح معانی الآثار ج: ص۲۲۳)
(۵) ابن ماجہ کی روایت جو علی بن شیبانؓ سے مروی ہے کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ملازم بن عمرو اور عبداللہ بن بدر دونوں راوی ضعیف ہیں اس لیے یہ حدیث بھی قابل استدلال نہیں (۶) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ علی بن شیبان کی روایت میں بھی دو احتمال ہیں (الف) صفات کے اعادہ کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ حدیث وابصہ میں ہے (ب) لا صلوٰۃ میں نفی جواز و صحت نہیں بلکہ نفی کمال ہے کیونکہ صفات صلوٰۃ اور سنت صلوٰۃ میں سے اتصال صفوف اور انسداد فرجہ بھی ہے لہٰذا یہ معنی لا صلوٰۃ صلوٰۃ متکاملۃ کے ہوگا لہٰذا خلف الصف منفرداً نماز کو باطل کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ کمال ثواب سے محروم ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہو سکتی ہے (شرح معانی الآثار)

جمہور کے دلائل

(۱) جمہور کا استدلال حضرت ابوبکرہ کی روایت ۵۴۰ سے ہے مضمون حدیث لفظی ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے جس کی تخریج امام بخاری رح اعتنا ہی کی ہے اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے فعل کو تسلیم کیا اور آئندہ اس فعل کے نہ کرنے کی تاکید فرمائی زادک اللہ حرصاً فلا تعد جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صلوٰۃ خلف الصف وحدہ مفسد صلوٰۃ نہیں البتہ مکروہ ضرور ہے۔

(۲) باب ہذا کی پہلی روایت ۲۲۵ جس کے راوی انس بن مالکؓ ہیں جسے امام بخاری نے ج ۱ ص [illegible] میں تخریج کیا ہے اس میں بھی وامّ سلیم خلفنا کا مدلول واضح ہے کہ انہوں نے خلف الصف وحدہٗ نماز ادا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔

مسلک جمہور کے وجوہ ترجیح

(۱) امام طحاویؒ فرماتے ہیں حضورؐ نے ابوبکرہ کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ تو اگر خلف الصف نماز ناجائز اور باطل ہوتی تو جو شخص خلف الصف نماز میں داخل ہو جائے تو اس کا دخول صلوٰۃ بھی صحیح نہ ہوتا جب حضرت ابوبکرہ کا دخول صحیح ہو گیا تو پوری نماز کا صحیح ہونا لازم ہوگا یہ ایسا ہے کہ جب کوئی آدمی ناپاک جگہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی اور اسی طرح جو ناپاک جگہ پر شروع کرتا ہے پھر چل کر پاک جگہ پہنچ کر نماز پوری کرتا ہے تو اس کا دخول فی الصلوٰۃ بھی صحیح نہیں ہوتا جب حضرت ابوبکرہؓ کا خلف الصف دخول فی الصلوٰۃ صحیح ہوا تو خلف الصف اتمام صلوٰۃ بھی صحیح ہونا چاہیئے۔

لاتعد کے دو معانی

(۲) بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرہ کی روایت کے الفاظ لاتعد پر اشکال پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے کیا معنیٰ ہیں امام طحاویؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے (۱) لاتعد بمعنی لاتعد ان ترکع دون الصف حتی تقوم فی الصف یعنی آئندہ سے صف کے پیچھے نماز کی نیت کبھی نہ باندھنا اور اس فعل کا اعادہ نہ کرنا جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ خلف الصف نماز شروع نہ کرے یہاں تک کہ صف میں داخل ہو جائے اور صف میں داخل ہو کر نماز شروع کیا کرے (ب) لاتعد بمعنی لاتعد ان تسعیٰ الی الصلوٰۃ یعنی نماز میں عجلت کے ساتھ دوڑتا ہوا نہ آیا کرے کہ نفس دھکار سے کہ عجلت میں بند کر دے بلکہ سکون و وقار کے ساتھ آ کر صف میں داخل ہو کر نماز شروع کرے لاتعد کا مطلب یہ ہے کہ حرص کرنا مبارک ہے لیکن عجلت اچھی نہیں لہٰذا لاتعد کے دونوں معنوں میں ایک معنیٰ بھی ایسا نہیں کہ خلف الصف منفرداً نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑے اور فساد صلوٰۃ کی علت بن سکے۔ (شرح معانی الآثار ملخصاً)

اَبْوَابُ مَا لَا يَجُوْزُ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُبَاحُ فِيْهَا

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَسْوِيَةِ التُّرَابِ وَمَسْحِ الْحَصٰى فِي الصَّلٰوةِ

۵۲۳ - عَنْ مُعَيْقِيْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ -

۵۲۴ - وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ رَوَاهُ الْاَرْبَعَةُ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

---

ابواب - جو چیزیں نماز میں ناجائز ہیں اور جو جائز ہیں

باب - نماز میں مٹی برابر کرنے اور کنکریاں چھونے کی ممانعت - ۵۲۳ - معیقیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جو سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کر رہا تھا، اگر تجھے ایسا کرنا ہی ہے تو ایک ہی دفعہ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۵۲۴ - حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریاں نہ چھوئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہے۔

یہ حدیث اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۵۲۳ تا ۵۲۵) ان ابواب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا حرام مکروہ اور مباح ہے اور جن سے نماز پر کسی بھی حیثیت سے اثر پڑتا ہے نیز ان امور کا بھی بیان ہوگا جن کو نماز میں اختیار کرنا جائز ہے۔ باب کی پہلی روایت ۵۲۳ حضرت معیقیب سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب التہجد ج۱ صفحہ ۱۶۱ باب مسح الحصی فی الصلوٰۃ ج۱ صفحہ ۱۶۱ میں مسلم نے ج۱ صفحہ ۲۰۶ میں تخریج کیا ہے جس میں اگر مٹی برابر کرنے کی ضرورت پڑے تو بھی "فواحدۃ" کی اجازت دی گئی ہے دوسری روایت ۵۲۴ حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے جسے امام ترمذی نے سنن ج۱ صفحہ ۹ میں نقل کیا ہے نسائی نے ج۱ صفحہ ۱۷۱ ابوداؤد نے ج۱

۵۲۵۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسْحِ الْحَصَا فَقَالَ وَاحِدَۃٌ وَلَاَنْ تُمْسِکَ عَنْہَا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ مِائَۃِ نَاقَۃٍ کُلُّہَا سُوْدُ الْحَدَقِ رَوَاہُ اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۵۲۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کنکر چھونے کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "ایک بار، اور اگر اس سے بھی رک جاؤ تو تمہارے لیے ایسے سو اونٹوں سے بہتر ہے جو سارے کے سارے کالی آنکھوں والے ہوں۔"
یہ حدیث ابوبکر بن شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ص۱۳۶ اور ابن ماجہ نے ج۱ ص۷۲ میں تخریج کیا ہے جس میں صراحۃً کنکریوں کے چھونے سے ممانعت ہے وجہ نہی یہ ہے کہ فان الرحمۃ تواجھہ تیسری روایت ۵۲۵ حضرت جابر بن عبداللہ سے ہے مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۴۱۲ میں تخریج کیا گیا ہے جس میں بوقت ضرورت ایک بار کنکریاں چھونے کی اجازت ہے اور اگر اس سے بھی خود کو روک لے تو یہ کرنا ایسے سو اونٹوں سے بہتر ہے جو سارے کے سارے کالی آنکھوں والے ہوں۔

نماز کے لیے کنکریوں کا الٹ پھیر کرنا بھی مکروہ ہے الّا یہ کہ اچھی طرح سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ایک مرتبہ تسویہ کی اجازت ہے ظاہر الروایہ یہی ہے غیر ظاہر الروایہ میں اس کی دو مرتبہ اجازت ہے (فیض) اور ایک مرتبہ بھی کرنے سے خود کو بچانا بہرحال افضل ہے جیسا کہ جابر بن عبداللہ کی روایت کا یہی مدلول ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت کے بارے میں امام زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ غریب ہے البتہ احمدؒ نے اپنی مسند ص۱۶۳ میں ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کل شی حتی سألتہ عن مسح الحصٰی فقال واحدۃ او دع۔ حضرت حذیفہؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔

بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّخَصُّرِ

۵۲۶ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

باب - پہلو پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت - ۵۲۶ - حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی نماز پڑھے اور وہ پہلو پر ہاتھ رکھے ہوئے ہو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

---

۵۲۶ - نماز میں مکروہات میں سے ایک تخصر بھی ہے باب ہذا کی روایت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب التہجد باب الخصر فی الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۶۳ اور امام مسلم نے باب کراہۃ الاختصار فی الصلوٰۃ ج ۱ ص۲۰۶ میں نقل کی ہے۔

روایت تخصر کے مختلف الفاظ امام ابوداؤد کی حدیث ابوہریرہ رضؓ میں " نہی عن الاختصار فی الصلوٰۃ" ہے بخاری کی روایت یوں ہے " نہی عن الخصر فی الصلوٰۃ" نیز بخاری کی ایک دوسری روایت اور امام مسلم ترمذی، نسائی اور دارمی کی روایت یوں ہے۔ " نہی ان یصلی الرجل مختصراً" اور بیہقی کی روایت میں یہ ہے " نہی عن التخصر "

تخصر واختصار کے معانی اب تخصر اور اختصار کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

(۱) علامہ خطابی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ہاتھ میں چھڑی وغیرہ لے کر اس کے سہارا لینا اختصار کہلاتا ہے، ومنہ قولہ علیہ السلام لابن انیس وقد اعطاہ عصا: تخصر بہا فان المتخصرین فی الجنۃ لیکن حافظ ابن العربی نے شرح ترمذی میں اس کا انکار کیا ہے۔

(۲) ابن الاثیر نہایہ میں لکھتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ سورہ کو مختصر کرکے آخر کی ایک دو آیتیں پڑھے۔

(۳) علامہ ہروی کہتے ہیں کہ اختصار کا مطلب تخفیف صلوٰۃ ہے کہ اس کے قیام کو صحیح معنی میں دراز کرے اور نہ رکوع اور سجود کو تمام۔

(۴) بعض حضرات نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جن آیات میں سجدۂ تلاوت والی آیت ہے ان کو مختصر کرکے پڑھنا تاکہ سجدۂ تلاوت کی نوبت نہ آئے اختصار کہلاتا ہے۔ (حکاہ الغزالی)

(۵) لیکن اختصار کی مشہور تفسیر وہ ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں محمد بن سیرین سے اور حافظ بیہقی نے سنن میں ہشام سے نقل کیا ہے یعنی اپنے ہاتھ کو کوکھ پر رکھنا۔ امام ابوداؤد نے حدیث ابوہریرہ رضؓ میں اختصار کی یہی تفسیر کی ہے فرماتے ہیں "یعنی تضع یدہ علی خاصرتہ" نیز ابوداؤد ونسائی کی روایت بعین زیاد بھی اسی کی مؤید ہے قال صلیت الی جنب ابن عمر فوضعت یدی علی خاصرتی فلما

ولی قال: هذا الصلب فی الصلاۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہی عنہ " سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پہلو میں نماز پڑھی تو اپنا ہاتھ کمر پر رکھ لیا، جب ابن عمر نماز پڑھ چکے تو فرمایا: یہ سولی کی شکل نماز میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے "وضع الید علی الخاصرۃ" کہہ کر اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، اور جمہور اہل لغت و فقہ و حدیث کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

بیان مذاہب اور فقہی احکام

(۱) تخصر یعنی کمر یا کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ، ابراہیم نخعی، مجاہد، ابومجلز اور دیگر حضرات کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام اوزاعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۲) اہل ظاہر کے یہاں اختصار فی الصلاۃ حرام ہے، عملاً بظاہر الحدیث، چنانچہ ابن ماجہ کے علاوہ ائمہ خمسہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جسے ہمارے مصنف امام بغوی نے شیخین کے حوالے سے تخریج کیا ہے کہ "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل مختصراً" حاکم نے مستدرک میں تخریج کے بعد اس کو شرط شیخین پر مانا ہے اور کہا ہے "ولم یخرجاہ" علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ موصوف کا وہم ہے کیونکہ شیخین نے اس کی تخریج کی ہے اور امام بخاری نے اس کے لیے مستقل عنوان "باب التخصر فی الصلاۃ" قائم کیا ہے پھر بحر الرائق میں ہے کہ تخصر کی کراہت تحریمی ہے، بنایہ میں ہے کہ کراہت تخصر متفق علیہ ہے مرد کے حق میں بھی اور عورت کے حق میں بھی، صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے کہ تخصر خارج صلاۃ بھی مکروہ ہے، صرف اتنی بات ہے کہ خارج صلاۃ مکروہ تنزیہی ہے۔

تخصر سے ممانعت کی حکمتیں

حدیث میں جو تخصر کی ممانعت آئی ہے اس کی متعدد حکمتیں ذکر کی گئی ہیں (۱) ابلیس لعین کا ہبوط اسی حالت میں ہوا تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے بطریق حمید بن ہلال موقوفاً روایت کیا ہے (۲) یہ یہود کا فعل ہے پس تشبہ بالیہود سے بچانا ہے، چنانچہ امام بخاری نے بنی اسرائیل کے تذکرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے "انہا کانت تکرہ ان یجعل الرجل فی خاصرتہ وتقول، ان الیہود تفعلہ" ابن ابی شیبہ کی روایت میں لفظ "فی الصلاۃ" کی زیادتی بھی ہے (۳) ہیئت تخصر دوزخیوں کی راحت ہے، ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے "قال: وضع الید علی الحقو استراحۃ اہل النار" (۴) یہ شعر خوانی کے وقت راجزین کی صفت ہے، یہ سعید بن منصور نے بطریق قیس بن عباد باسناد حسن روایت کیا ہے (۵) یہ متکبرین کا فعل ہے (حکاہ المہلب بن ابی صفرہ) (۶) یہ شکل اہل مصائب کی ہے کہ جب وہ ماتم کے لیے اٹھتے ہیں تو کوکھ پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہیں (حکاہ الخطابی) (فتح الباری ج۳)

بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ

۵۲۷- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۵۲۸- وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

باب۔ نماز میں دائیں بائیں گردن موڑنے کی ممانعت۔ ۵۲۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ جھپٹ مارنا ہے شیطان بندہ کی نماز سے جھپٹ ار لیتا ہے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۵۲۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز میں چہرہ ادھر ادھر کرنے سے بچو، بلاشبہ نماز میں چہرہ ادھر ادھر کرنا موت ہے پس اگر ضروری ہو تو نفل میں فرض میں نہیں (باوجود مکروہ ہونے کے نفل میں کسی حد تک قابل برداشت ہے)

یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

تخصر کی سماجی حیثیت کمر پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سماجی حیثیت سے بھی کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی، جاننے والے جانتے ہیں کہ اکثر و بیشتر کمر پہ ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا یا چلنا دنیا کے ان بدنصیبوں کا شیوہ ہے جنہیں دنیا و سماج کے ہر طبقہ میں انتہائی ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یعنی زنخے اور ہیجڑے (مظاہر)

(۵۲۷ تا ۵۲۹) نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت متفق علیہ ہے مصنف علامؒ نے اس باب میں تین روایات درج کی ہیں پہلی روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الاذان ج ۱ ص ۱۰۴ باب الالتفات فی الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے دوسری روایت ۵۲۸ حضرت انسؓ سے مروی ہے امام ترمذی نے سنن باب ماذکر فی الالتفات فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۲ میں تخریج کیا ہے تیسری روایت ۵۲۹ کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اسے بھی امام ترمذیؒ نے بحوالہ بالا نقل کیا ہے۔ تینوں ا...

۵۳۹- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْحَظُ فِي الصَّلٰوةِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَلَا يَلْوِيْ عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ- رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

---

۵۳۹- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ چشم (آنکھ کے کنارہ) سے نماز میں دائیں اور بائیں دیکھتے اور اپنی گردن مبارک اپنی پشت کے پیچھے نہیں گھماتے تھے۔
یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کا مفہوم لفظی ترجمہ میں واضح ہے۔

التفات فی الصلاۃ سے متعلق دیگر احادیث

اس سلسلہ میں اور بہت سی احادیث مروی ہیں (۱) حدیث کعب رضی اللہ عنہ ما من مؤمن یقوم مصلیا الا وکل بہ ملک ینادی: یا ابن آدم! لو تعلم ما فی صلاتک ومن تناجی ما التفت (بیہقی فی شعب الایمان) اس کے راوی عباد بن کثیر کی بابت کلام ہے (۲) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع ایاکم والالتفات فی الصلاۃ فان احدکم یناجی ربہ ما دام فی الصلاۃ، (طبرانی فی الاوسط) بچو تم نماز میں التفات سے کیونکہ تم میں کوئی جب تک نماز میں ہے اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، علامہ ہیثمی زوائد میں فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد میں محمد بن عمر واقدی ہے جو ضعیف ہے (۳) حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ مرفوع، لا یزال اللہ مقبلا علی العبد وھو فی صلاتہ ما لم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ (ابوداؤد، نسائی، احمد، دارمی، حاکم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برابر حق تعالیٰ اپنے بندہ پر نماز میں متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھے، جب ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے تو اپنا وجہ کریم اس سے پھیر لیتا ہے، شیخ منذری نے اپنے حواشی میں کہا ہے کہ اس کا راوی ابوالاحوص غیر معروف ہے اور اس سے صرف زہری راوی ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے، امام نووی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے کہ اس میں جہالت ہے، لیکن امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا فہو حسن عندہ۔

التفات کی چند صورتیں

التفات ونظر کی چند صورتیں ہیں (۱) محض گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھنا، پیش نظر قول میں یہی مراد ہے جو سب کے نزدیک جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے یہ سب سے اخف ہے (۲) بلا ضرورت تحویل وجہ کے ساتھ دیکھنا، یہ سب کے نزدیک مکروہ ہے یہ

بَابٌ فِي قَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ

۴۰۵ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ - رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ -

---

باب - نماز میں سانپ اور بچھو مارنا - ۴۰۵ - حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسودین کو نماز میں (بھی) مارو، سانپ اور بچھو۔

یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اختلاس شیطان ہے اس میں اور چوتھے میں اشد کراہت ہے (۳) اس طرح دیکھنا کہ سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے، یہ حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہے، مالکیہ کے یہاں اگر دائیں بائیں مڑ جائے اور دونوں پاؤں قبلہ کی طرف قائم رہیں تو بلا ضرورت مکروہ ہے حنابلہ کے نزدیک اگر بلا ضرورت مرض و خوف وغیرہ التفات ہو تو مکروہ ہے اور بطلان صلوٰۃ کا حکم صرف استدبار قبلہ سے ہوگا۔ (۴) التفات قلبی یعنی قلب دوسری طرف متوجہ ہو جائے اس کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی لیکن یہ حضور الہٰی سے اعراض شمار ہوگا

حدیث عائشہ کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری کا ارشاد

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ میں یہ آیا ہے کہ هو اختلاس یختلسه الشیطان من العبد میرے نزدیک عالم غیب کی ساری چیزیں حقیقت پر مبنی ہیں اس میں تاویل و استعارہ کی گنجائش نہیں ہے اس لیے اگر کسی کو اپنی التفات والی نماز منتشل کر کے دکھا دی جائے تو وہ ضرور اس کو دیکھے گا کہ مختلس مجروح ہے جگہ جگہ سے کٹی ہوئی بوجہ التفات وغیرہ نقائص کے۔

(۴۰۵) حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو ترمذی ج ۱ ص ۸۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۳ نسائی ج ۱ ص ۱۴۱ ابن ماجہ ص ۸۹ اور مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ میں تخریج کیا گیا ہے مفہوم حدیث لفظی ترجمہ میں واضح ہے۔

نماز میں سانپ اور بچھو کے مارنے کا حکم

نماز میں سانپ بچھو مار دینا جائز ہے ایک ضرب سے مرے یا زیادہ سے نیز خوف ہو یا نہ ہو، یہی اظہر ہے (مبسوط) یہی امام شافعی و احمد کا قول ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے "اقتلوا الاسودین

بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ السَّدْلِ

۴۱۵ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى ــــ

باب - (نماز میں) سدل کی ممانعت - ۴۱۵ : حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ

فی الصلوٰۃ الحیۃ والعقرب" (سنن اربعہ، احمد، ابن حبان، حاکم) جسے ہمارے مصنف نے اس باب میں نقل کیا ہے امام ترمذی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے "واقتلوا الحیۃ والعقرب وان کنتم فی صلاتکم" (ابن حبان، مختصر) اور مارنا اس لیے بھی جائز ہے کہ اس سے دل کی مشغولیت دور ہوتی ہے تو یہ گذرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہوگیا۔

یہ حکم تمام سانپوں کے انواع کو شامل ہے

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں "ویستوی جمیع انواع الحیات ھو الصحیح" حکم مذکور میں تمام اقسام کے سانپ داخل ہیں سفید ہو یا گیسو دار یا کالا ناگ یہی صحیح ہے کیونکہ حدیث مذکور علی الاطلاق سب کو شامل ہے اور اسود سے مراد صرف کالا ہی سانپ نہیں بلکہ عرف عرب میں اسود سانپ کو کہتے ہیں خواہ کسی رنگ کا ہو، فقیہ ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ بعضے سانپ گھروں میں سفید گیسو دار رہتے ہیں اور سیدھے چلتے ہیں وہ جن ہیں ان کو قتل کرنا مباح نہیں جب تک پہلے یہ نہ کہدے کہ تم چلے جاؤ ورنہ ہم مار ڈالیں گے، حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ سانپ کی اذیت کا خوف نہ ہو تو مارنا جائز نہیں، امام مالک اور ابراہیم نخعی بھی اسی کے قائل ہیں لقولہ علیہ السلام "ان فی الصلوٰۃ لشغلا" نیز ان حضرات کے نزدیک سفید سانپ کو مارنا بھی مناسب نہیں جو سیدھا ہو کر چلتا ہے اس لیے کہ یہ جنات میں سے ہے، حدیث میں ہے "اقتلوا ذا الطفیتین والابتر وایاکم والحیۃ البیضاء فانھا من الجن" لیکن فقیہ ابو جعفر طحاوی نے اس کو یوں رد کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے عہد لیا تھا کہ کبھی امت کے سامنے سانپ کی صورت میں ظاہر نہ ہوں اور نہ ان کے گھروں میں گھسیں پس جب انہوں نے بدعہدی کی تو ان کا قتل مباح ہوگیا، شمس الائمہ اور صاحب ہدایہ کے نزدیک یہی مختار ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جس نے سانپوں کو بخوف طلب چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں کیونکہ جب سے اس نے ہم سے محاربہ کیا کبھی مصالحت نہیں کیا، شیطان کی موافقت میں حضرت آدم کو ضرر پہنچانے کی طرف اشارہ ہے (کفایہ، عنایہ) (فائدہ) صدر الاسلام نے کہا ہے کہ قتل جنہ میں احتیاط ہی مناسب ہے کیونکہ میرے ایک بڑے بھائی نے گھر میں ایک بڑے سانپ کو تلوار سے مار ڈالا تو جنات نے اس کو اتنا مارا کہ ایک ماہ تک ہاتھ پاؤں حرکت نہ کرسکے یہاں تک کہ ہم نے کسی تدبیر سے اس کو راضی کیا تب اس نے ہمارا پیچھا چھوڑا۔

(۴۱۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السدل فی الصلوٰۃ

عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنْ يُّغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ حِبَّانَ وَ اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے اور آدمی کو نماز میں اپنا منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے۔
یہ حدیث ابوداؤد اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ج ۱ ص۹۴ اور صحیح ابن حبان ج ۵ ص۲۰ میں تخریج کیا گیا ہے۔

سدل کی تفسیریں

ائمہ لغت نے سدل کی مختلف تفسیریں کی ہیں (۱) جوہری نے لکھا ہے کہ سدل ثوبہ یسدلہ بالضم سدلا ای ارخاہ یعنی کپڑا لٹکانا۔ (۲) ابو عبید کہتے ہیں کہ کپڑے کو اس کے دونوں کنارے سمیٹے بغیر لٹکا ہوا چھوڑ دینا اور بکل نہ مارنا سدل کہلاتا ہے (۳) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ سدل کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اس طرح چھوڑ دے کہ وہ زمین تک لٹکا رہے (۴) صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ اوپر سے کپڑا اوڑھ کر دونوں ہاتھ اندر کر کے نماز پڑھنا سدل کہلاتا ہے اور اس کا تحقق قمیص وغیرہ ہر کپڑے میں ہو سکتا ہے (۵) بعض حضرات نے سدل کو جبہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ اس کو پہن لے اور ہاتھ آستینوں کے اندر نہ کرے (۶) اس کی ایک تفسیر اسبال الازار الی تحت الکعبین کے ساتھ بھی کی گئی ہے

وجوہ ممانعت

بہر کیف سدل کی جو بھی صورت ہو شریعت کی نظر میں یہ فعل ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ شیوۂ یہود ہے۔ ابو عبید نے الغریب میں بطریق عبدالرحمن بن سعید بن وہب حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو کپڑا لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا یہ سب یہودی ہیں اور ایک ہی مدرسہ سے نکلے ہیں۔ امام ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کیا ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن السدل فی الصلوٰۃ" جسے مصنف علام اسی باب میں درج کیا ہے۔

بیان مذاہب

اسی لیے حضرت ابن عمرؓ، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ نے بھی اس فعل کو مکروہ کہا ہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ امام احمد صرف نماز کی حالت میں مکروہ کہتے ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابن سیرین، مکحول، زہری اور امام مالک کے یہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام ابوداؤد نے بطریق ابن جریج حضرت عطاء کا فعل روایت کیا ہے کہ وہ اکثر اوقات سدل کی حالت میں نماز پڑھتے تھے اس کی بابت موصوف کہتے ہیں کہ یہ فعل ان کی اس روایت کو ضعیف کر دیتا ہے جس میں انہوں

بَابُ مَنْ يُصَلِّي وَرَأْسُهُ مَعْقُوصٌ

۵۴۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا- رَوَاهُ الشَّيْخَانِ-

---

باب- جو شخص نماز پڑھے اور اس کا سر گوندھا ہوا ہو- ۵۴۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

نے سدل سے ممانعت کی روایت کی ہے اس واسطے کہ راوی جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف کرے تو اس کی روایت کمزور ہو جاتی ہے۔

حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے حضرت عطاءؒ ممانعت سدل والی حدیث کو بھول گئے ہوں یا وہ اس ممانعت کو ازراہ تکبر و غرور سدل کرنے پر محمول کرتے ہوں۔

مزید توضیح امام احمدؒ کے نزدیک اگر سدل قمیص کے اوپر ہو یعنی قمیص پہن کر اس پر چادر یا رومال لٹکا دیا گیا ہو تو کوئی کراہت نہیں گویا امام احمدؒ کے نزدیک سدل کی کراہت کا مدار ثوب واحد پر ہے کیوں کہ اس صورت میں سدل کرنے سے مصلی کی نظر اپنی شرمگاہ پر پڑنے کا اندیشہ ہے اور یہ مکروہ ہے لیکن ائمہ ثلاثہ نے سدل کی کراہت کا دارو مدار خلاف معروف طریقہ پر کپڑے کے استعمال کو قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سدل علی القمیص اور سدل علی الازار بھی مکروہ ہوگا عبداللہ بن المبارک کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۵۴۲ تا ۵۴۳) باب کی پہلی روایت ۵۴۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے اس روایت کو امام بخاری نے ج ۱ صـــ۱۱۳ اور امام مسلم نے ج ۱ صـــ۱۹۳ میں تخریج کیا ہے دوسری روایت مسلم نے ج ۱ صـــ۱۹۴ میں نقل کی ہے۔

معقوص الشعر ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، عقص شعر کی صورت یہ ہے کہ سر پہ بالوں کا جوڑا جمع کر کے ڈور سے باندھے یا گوند سے جمائے، اس کا مقصد بالوں کو بلند رکھنا ہوتا ہے، وجہ کراہت یہ ہے کہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہے باب ہذا کی دونوں روایات کے علاوہ دیگر احادیث بھی یہ مضمون آیا ہے- چنانچہ (۱) ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل وھو

۵۴۳- وَعَنْ كُرَيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ يُصَلِّي وَرَأْسُهُ مَعْقُوصٌ مِنْ وَرَائِهِ فَقَامَ فَجَعَلَ يَحُلُّهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِرَأْسِي فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا مَثَلُ هٰذَا مَثَلُ الَّذِي يُصَلِّي وَهُوَ مَكْتُوفٌ- رَوَاهُ مُسْلِمٌ-

بَابُ التَّسْبِيحِ وَالتَّصْفِيقِ

۵۴۴- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَآخَرُونَ فِي الصَّلَاةِ-

---

۵۴۳- کریب نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں (ابن عباسؓ) نے عبداللہ بن الحارث کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب کہ ان کے سر کے بال پیچھے کی طرف گوندھے ہوئے تھے (یعنی سر کے بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا) تو ابن عباسؓ اٹھے اور بالوں کو کھولنا شروع کر دیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ آپ میرے بالوں کے ساتھ کیا کر رہے تھے، تو ابن عباسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو نماز پڑھتا ہے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہیں ؎ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

باب۔ تسبیح کہنا اور تالی بجانا (ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مارنا) ۵۴۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق (ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مارنا) عورتوں کے لیے ہے۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے مسلم اور دیگر محدثین نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں "نماز کے اندر"

معاقص شعرہ " (۲) امام احمد اور عبدالرزاق کی روایت میں ہے "نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص" (۳) حافظ طبرانی اور اسحاق بن راہویہ نے یہی الفاظ حضرت ام سلمہؓ سے روایت کئے ہیں (۴) عبدالرزاق نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے " قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تعقص شعرک فی الصلوٰۃ فانہ کفل الشیطان "

(۵۴۳ تا ۵۴۴) باب ہذا کی دونوں روایات میں یہ ثابت ہے کہ نماز میں رجال تسبیح اور عورتیں تصفیق سے اشارہ کر سکتی ہیں پہلی روایت امام بخاری نے کتاب التہجد باب التصفیق للنساء ج ص۱۶۰،

۵۴۵۔ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلٰى بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ أَتُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَأُقِيْمَ قَالَ نَعَمْ فَصَلّٰى أَبُوْ بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ فَتَخَلَّصَ

۵۴۵۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے پاس ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے، نماز کا وقت قریب ہوگیا تو مؤذن نے ابو بکر صدیق رضہ کے پاس آکر کہا کیا تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ گے کہ میں اقامت کہوں، انہوں نے کہا، ہاں تو ابو بکر رضہ نے نماز پڑھائی لوگ ابھی نماز میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ راستہ بناتے ہوئے پہلی صف میں جا کر کھڑے ہوگئے، لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دی اور حضرت ابوبکر رضہ

اور مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۸۱ میں اور دوسری روایت ۵۴۴ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۶۹ اور مسلم ج ۱ صفحہ ۱۷۹ میں کی ہے۔

احادیث باب کی توضیح

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھا جس کا لقب نجاشی تھا چونکہ وہ ایک عالم تھا اس لیے جب توریت و انجیل کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا معلوم ہوا تو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا کر خدا کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہوگئے، جب ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت افسوس ہوا۔ اور آپ نے صحابہ کرام کے ہمراہ کھڑے ہو کر ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔

چونکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لیے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہوگئے اور ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے تو اکثر صحابہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہؓ کی آمد کو اپنے لیے دین و دنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہؓ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہؓ کو علم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت ابن مسعودؓ بیان فرما رہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلہ میں

حَتّٰى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا اَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيْقَ اِلْتَفَتَ فَرَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى مَا اَمَرَهُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ اَبُوْبَكْرٍ حَتَّى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ

نماز میں کسی طرف توجہ نہیں دیتے تھے خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے تھے اجب لوگ زیادہ تالیاں بجانے لگے وہ متوجہ ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو ا ابوبکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکریہ ادا کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ا پھر ابوبکرؓ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ صف کے برابر ہو گئے ا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے تشریف فرما ہو کر نماز پڑھائی پھر آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا اے

میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپ کو سلام کیا مگر آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شغل ہے یعنی نماز میں قرآن تسبیحات اور دعاء و مناجات پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے سلام و کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا یہ کہ نمازی کا فرض ہے کہ وہ نماز میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ ہونے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا یا کسی سے گفتگو کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

بیان مذاہب

(۱) جمہور عورت اور مرد دونوں کے اشارہ میں تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت تصفیق کرے گی اور مرد تسبیح پڑھے گا کیونکہ باب ہٰذا کی پہلی روایت سمیت سنن کی روایات تسبیح الرجال و التصفیق النساء آیا ہے لہٰذا ائمہ ثلٰثہ اس کے پیش نظر تفریق کے قائل ہیں۔

(۲) حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ دونوں تسبیح پڑھیں گے مالکیہ کہتے ہیں حدیث ابوہریرہ میں التصفیق للنساء علامت کے طور پر فرمایا ہے ان کا استدلال باب ہٰذا کی دوسری روایت جو سہل بن الساعدی سے منقول ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَثْبُتَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ مَا کَانَ لِابْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا لِیْ رَاَیْتُکُمْ اَکْثَرْتُمُ التَّصْفِیْقَ مَنْ نَّابَہٗ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّہٗ اِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ اِلَیْہِ وَاِنَّمَا التَّصْفِیْحُ لِلنِّسَآءِ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

ابوبکر! آپ کو کس چیز نے روکا (وہاں) ٹھہرے رہنے سے روکا، جب کہ میں آپ سے کہہ چکا تھا! ابوبکرؓ نے کہا، ابن ابی قحافہ کی مجال نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہو کر نماز پڑھائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ سے، فرمایا: کیا بات ہے کہ میں نے تمہیں بہت زیادہ تالیاں بجاتے ہوئے دیکھا، جسے نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو وہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہے، بے شک جب وہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہے گا، تو امام اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور بلاشبہ تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے۔" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے

کے الفاظ من نابہ شئ فی صلوتہ فلیسبح سے ہے اس میں تسبیح کا امر ہے اور من نابہ عام ہے عورت کے لیے بھی اور مرد کے لیے بھی لہٰذا مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت دونوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جمہور کے مستدل التسبیح للرجال والتصفیق للنساء کا تعلق نماز سے نہیں ہے بلکہ مطلق ایک عادت بیان فرمائی ہے جمہور کہتے ہیں کہ اس جملہ کے بعد اگلی عبارت اور ہے فلیسبح الرجال والیصفق النساء یہ دلیل ہے کہ آپؐ نے یہ مسئلہ نماز ہی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔

سہل بن سعد الساعدی کی روایت کی مزید تشریح

چونکہ باب ہذا کی دوسری حدیث ۵۴۵ سے ایک دوسرے مسئلہ کی بھی توضیح ہوتی ہے لہٰذا اس کی مزید تشریح بھی پیش خدمت ہے۔

جب امام راتب آجائے اور جماعت کھڑی ہو

اگر امام راتب کہیں چلا جاوے، اور نماز کھڑی ہو جائے، اور پھر وہ امام آجائے تو جمہور فرماتے ہیں کہ امام راتب اس امام کی اقتدا کرے، اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو امام کی اقتداء کرے یا آگے بڑھ جائے اور یہ عارضی امام ہٹ جائے، یہی حضرت امام بخاری کی رائے ہے، استدلال حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف میں ۸ھ یا ۹ھ میں صلح کرانے تشریف لے گئے اور بلال سے کہہ گئے کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے تو ابو بکر سے کہہ دینا کہ نماز پڑھا دیں نماز کا وقت ہو گیا، حضرت بلالؓ نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے، نماز شروع ہو گئی ابھی ہو رہی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اصحاب نے دیکھ کر تالیاں بجانی شروع کر دیں، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ نماز میں ادھر ادھر توجہ نہیں فرمایا کرتے تھے، جب لوگوں نے بہت تالیاں بجائیں تو حضرت ابو بکر متوجہ ہوئے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امکث مکانک مگر حضرت ابو بکر سے نہ رہا گیا اور پیچھے ہٹ گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور نماز پڑھائی تو اب استدلال اس سے ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر کو ٹھہرے رہنے کا امر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ امام راتب کو اقتدار جائز ہے، اور حضرت ابو بکر نہیں ٹھہرے بلکہ پیچھے ہٹ گئے اور پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، اس سے معلوم ہوا کہ امام راتب کو آگے بڑھ جانے کا اختیار ہے، جمہور جواب دیتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ رقیق القلب تھے، نماز پڑھا نہیں سکتے تھے، بلکہ حصر ہو گیا تھا، جیسا کہ حضرت ابو بکر کے ارشاد ماکان لابن ابی قحافۃ ان یصلی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے حضورؐ نے نماز پڑھائی،

ایک اشکال اب یہاں پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ یہاں پر تو حضرت ابو بکر صدیقؓ پیچھے ہٹ گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ اس وقت پیچھے نہیں ہٹے تھے، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی وجہ سے فجر کے وقت دیر ہو گئی تھی، تو لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن کو آگے بڑھا دیا تھا، بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو حضرت عبدالرحمٰن نے پیچھے ہٹنا چاہا تو حضورؐ نے کھڑے رہنے کو فرمایا، اس پر حضرت عبدالرحمٰن کھڑے رہے اور حضورؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے، اس کا ایک جواب تو دیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کے واقعے میں ایک رکعت ہو چکی تھی، تو خوف تھا کہ آگے پیچھے ہٹنے میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو نماز ہی چلی جائے گی اس لیے کہ آخری وقت میں تو نماز شروع ہوئی تھی، بخلاف حضرت ابو بکر صدیقؓ کے واقعے کے،

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کو حصر ہو گیا تھا اس لیے پیچھے ہٹ گئے تھے، اور حصر ہو جانا کوئی قادح نہیں ہے جو جتنا اونچا ہوتا ہے، وہ بڑوں کا اتنا ہی قدرشناس ہوتا ہے، ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ

۵۴۶ - عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ

باب - نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت - ۵۴۶ - حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نماز میں باتیں کرتے

جتنی حضرت ابوبکرؓ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہوگی وہ ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمان کے دل میں اتنی نہیں ہوگی، بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے آس پاس تو حضرت عمرؓ بھی نہیں تھے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانب ادب کی رعایت کی اور حضرت عبدالرحمان نے جانب امتثال امر کی۔

ادب اولیٰ ہے یا امتثال امر

اب اس میں اختلاف ہے کہ جانب ادب اولیٰ ہے یا امتثال امر، جو ثانی کو افضل کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امر کے اندر آمر کا قصد موجود ہے، اور ادب کے اندر وہ اپنے زعم کے مطابق ایک کام کر رہا ہے نیز آمر کے امر کو نہ ماننا یہ اس کے امر کی اہانت ہے اور جو حضرات ادب کے ملحوظ رکھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو لیکن تم یہ دیکھو کہ ادب کس نے کیا اور کس نے امتثال امر کیا اور پھر خود ہی فیصلہ کرو، ادب کرنے والے تو حضرت ابوبکرؓ ہیں اور تم کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر کون ہیں اور امتثال کرنے والے حضرت عبدالرحمنؓ ہیں اب دونوں کے افعال کا موازنہ کر لو (تقریر بخاری ملخصاً)

جب امام قراءت سے عاجز ہو

باب کی اس حدیث سے احناف کے ایک اصول کی تائید ہو رہی ہے کہ جب امام قراءت سے عاجز ہو جائے تو دوسرے شخص کو امام بنا دیا جائے، یہاں پر ایسا ہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر قراءت سے عاجز ہو گئے تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر امامت کی۔

(۵۴۶ تا ۵۴۹) باب ہذا اور اس سے اگلے باب میں "الکلام فی الصلوٰۃ" سے متعلق احادیث لائے گئے ہیں ان دونوں ابواب میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ دوران صلوٰۃ کلام کرنا جائز ہے یا نہیں خواہ یہ کلام اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو، مقتدی امام سے یا امام مقتدی سے کلام کرے اسی طرح اگر امام اور مقتدی سے علی سبیل السہو کلام صادر ہو جائے تو یہ مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں اس سلسلہ میں بذل المجہود ج ۲ صـ۱۳۰ اور المنتخب الافکار ج ۲ صـ۷ میں دو مذہب نقل کئے گئے ہیں ذیل میں بحث کے دوران

الرَّجُلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ اِلٰی جَنْبِهٖ فِی الصَّلٰوۃِ حَتّٰی نَزَلَتْ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ فَاُمِرْنَا بِالسُّکُوْتِ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا ابْنَ مَاجَۃَ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاؤدَ وَنُهِیْنَا عَنِ الْکَلَامِ۔

نیچے آدمی اپنے ساتھی سے جو اس کے پہلو میں کھڑا ہوتا باتیں کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "اور کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے ساتھ" تو ہمیں خاموشی کا حکم دے دیا گیا۔"

یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے مسلم اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں "اور ہمیں کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے۔"

دونوں ابواب کی احادیث بطور دلیل غیر مرتب طور پر تشریح کی جائے گی تاہم راوی اور روایت نمبر دے کر پہچان کی سہولت کو باقی رکھا جائے گا۔

بیان مذاہب

(۱) اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کلام عمداً ہو اور اصلاح صلوٰۃ کے لیے نہ ہو تو سب کے نزدیک وہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

(۲) امام شافعیؒ امام مالکؒ (فی روایۃ) امام احمد بن حنبلؒ (فی روایۃ) اسحٰق بن راہویہ ربیعۃ الرائے وغیرہم کے نزدیک اصلاح صلوٰۃ کے لیے امام مقتدی سے اور مقتدی کا امام سے اثناء صلوٰۃ کلام کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اسی طرح علی سبیل السہو اگر امام و مقتدی میں سے کوئی کلام کرتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۳) علماء احناف امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ امام محمد بن حسنؒ امام ابراہیم نخعیؒ امام قتادہؒ امام حماد بن ابی سلیمانؒ عبداللہ بن وہبؒ ابن نافع مالکیؒ وغیرہم کے نزدیک اثناء صلوٰۃ میں مقتدی و امام میں سے کسی کے لیے بھی اس قسم کا کلام کرنا جائز نہیں ہے چاہے اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو یا سہو وغیرہ کی وجہ سے جہلاً عن الحکم ہو یا خطاءً کسی بھی طرح کا کلام کرنا ہر حال میں ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت حنفیہ کے مطابق ہے۔

(۴) امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ کلام اگر اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ قدرے جزوی اختلاف کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں کلام فی الصلوٰۃ کے غیر مفسد ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں ائمہ ثلاثہ

۵۴۷ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شُغْلًا - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

۵۴۷ ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے تھے اور آپ نماز میں ہوتے تھے آپ ہمیں جواب دیتے، جب ہم نجاشی کی طرف ہو کر واپس لوٹے، تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! ہم نماز میں آپ کو سلام کہتے تھے، تو آپ ہمیں جواب دیتے تھے، آپ نے فرمایا " بلاشبہ نماز میں مصروفیت ہے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

ذوالیدین کے اس تفصیلی واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جسے مصنف نے اگلے باب میں ۵۵۰ نمبر پر نقل کیا ہے امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ ج ۱ ص۶۹ اور امام مسلم نے کتاب المساجد ج ۱ ص۲۱۳ میں اس کی تخریج کی ہے مضمون حدیث لفظی ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

واقعہ ذوالیدینؓ سے ائمہ ثلثہ کے علیحدہ علیحدہ وجوہ استدلال

(ا) امام شافعی فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ کلام جہلاً عن الحکم تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام نسیاناً تھا اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کلام اگر نسیاناً ہو یا جہلاً عن الحکم ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں بشرطیکہ طویل نہ ہو قال النوویؒ الثالث ان یتکلم ناسیًا ولا یطول کلامہ فمذھبنا انہ لا تبطل صلوٰتہ وبہ قال جمہور العلماء منھم ابن مسعودؓ وابن عباسؓ وابن الزبیرؓ وانسؓ وعروہؒ بن الزبیرؓ وعطاءؒ والحسن البصریؒ والشعبیؒ وقتادہؒ وجمیع المحدثین ومالکؒ والاوزاعیؒ واحمد فی روایۃ واسحٰقؒ وابوثور (المجموع شرح المہذب ج ۴ ص۸۵)

(ب) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت اصلاح صلوٰۃ کے لئے تھی کیونکہ ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کلام اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

(ج) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت یہ سمجھ کر تھی کہ نماز پوری ہو چکی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

۵۴۸۔ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ قَبْلَ اَنْ نَأْتِيَ اَرْضَ حَبَشَةَ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَاَخَذَنِيْ مَا قَرُبَ وَمَا بَعُدَ فَجَلَسْتُ حَتّٰى قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ فَقُلْتُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَآءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَكَلَّمُوْا فِي الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۵۴۸۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حبشہ سے آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کہتے، آپ ہمیں جواب دیتے ہم واپس لوٹے، تو میں نے آپ کو سلام کہا جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے مجھے جواب نہیں دیا تو مجھے قریب اور دور کی فکروں نے آگھیرا (یعنی خدا جانے آپ میری کس بات سے ناراض ہو گئے ہیں کہ آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا) میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے آپ کو سلام کہا جب کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے، آپ نے مجھے جواب نہیں دیا، آپ نے فرمایا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ میں جو چاہتے ہیں نئے احکام (نازل) فرماتے ہیں اور ان احکام میں سے جو اللہ تعالیٰ نے نئے (نازل) فرمائے ہیں، یہ ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو۔ یہ حدیث حمیدی نے اپنی مسند میں ابوداؤد، نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نے تو یہی سمجھ کر تکلم فرمایا تھا کہ چار رکعات پوری ہو چکی ہیں اور حضرت ذوالیدینؓ بھی یہی سمجھ کر بولے تھے کہ نماز پوری ہو چکی ہے کیونکہ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کی تعداد رکعات میں کمی ہو گئی ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ امام احمدؒ سے چار روایات منقول ہیں تین روایات تو مذاہب ثلثہ کی طرح ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کلام کرے کہ ابھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ ہوگا خواہ وہ کلام امام کو اتمام صلوٰۃ کا حکم دینے کے لیے ہی ہو، ہاں البتہ اگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ کلام کرے کہ اس کی نماز پوری ہو چکی اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا حدیث ذوالیدینؓ میں امام احمدؒ کی توجیہ اس چوتھی روایت کے مطابق ہے۔

جمہور احناف کے دلائل (۱) جمہور احناف واقعہ ذوالیدینؓ اور اس سے استنباط کردہ الکلام فی الصلوٰۃ

۵۴۹۔ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا أَنَا أُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ إِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِأَيْدِيْهِمْ عَلٰى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِأَبِيْ هُوَ وَأُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِّنْهُ فَوَاللهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ إِنَّ

۵۴۹۔ معاویہ بن الحکم اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کر رہا تھا لوگوں میں سے ایک آدمی نے نماز میں چھینک ماری، میں نے کہا، یَرْحَمُكَ اللہ تو لوگوں نے مجھے اپنی نظروں سے گھورنا شروع کر دیا، میں نے کہا، تمہیں تمہاری مائیں گم پائیں، تمہیں کیا ہے کہ تم مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو، پس وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں۔ لیکن باوجود نہ چاہنے کے میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے، تو میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور بعد میں بھی کوئی استاد ایسا نہیں دیکھا جو تربیت و تعلیم دینے میں آپ سے اچھا ہو، خدا کی قسم آپ نے نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا، آپ نے فرمایا، بلاشبہ یہ نماز

کے حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۵۴۶ حضرت زید بن ارقم رض سے مروی ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب ما ینہی من الکلام فی الصلاۃ ج ۱ صفحہ ۱۶۰ مسلم نے کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۴ میں تخریج کیا ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اوائل میں نماز میں تکلم کیا جاتا تھا مگر جب آیت قرآنی ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ نازل ہوئی فَاُمِرْنَا بِالسُّکُوْتِ راوی خود قنوت کا معنی سکوت کا بیان کرتے ہیں علاوہ ازیں بکثرت روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ آیت تکلم فی الصلاۃ سے روکنے کے لیے نازل ہوئی تھی پھر اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا اس نص قرآنی کی رو سے نماز میں ہر نوعیت کا کلام منسوخ ہو گا۔

(۲) اسی باب کی دوسری روایت ۵۴۷ اور تیسری روایت ۵۴۸ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے مروی ہیں پہلی روایت امام بخاری نے ج ۱ صفحہ ۱۶۰ اور امام مسلم نے ج ۱ صفحہ ۲۰۴ اور دوسری روایت ابوداؤد

هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ وَإِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُونَ الْكُهَّانَ

لوگوں کی گفتگو کی گنجائش نہیں رکھتی، یہ تو تسبیح، تکبیر اور قرآن پاک کی قراءۃ ہے، یا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میرا ابھی جاہلیت کے ساتھ نیا زمانہ ہے (یعنی میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی مسلمان ہوا ہوں) ہم میں کچھ لوگ غیب کی خبریں بتلانے والوں کے پاس جاتے ہیں آپ نے فرمایا "تم ان کے پاس مت جاؤ (حضرت معاویہ بن حکم نے) کہا ہم میں کچھ لوگ شگون لیتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک

ج۱، صـ۱۳۳ نسائی ج۱ صـ۱۸۱ میں تخریج کی ہے مفہوم واضح ہے حضرت ابن مسعودؓ نے حضورؐ کے نماز سے فراغت کے بعد دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ان اللہ قد یحدث من امرہ ما یشاء وان مما احدث لا تکلموا فی الصلوٰۃ یعنی اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں نیا حکم نازل فرما دیتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کا کلام نماز میں ناجائز ہے یہاں تک کہ سلام و دعا تک ممنوع ہے لہٰذا اصلاح وغیرہ کے لیے کلام کو جائز کہنا باطل ہے۔

(۲) حضرت معاویہ بن الحکم سُلمی کی روایت ۲۰ ء بھی جمہور احناف کا مستدل ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ ج ۱ صـ۲۰۳ میں تخریج کیا ہے۔

مضمون حدیث لفظی ترجمہ میں واضح ہے قال ان ھٰذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیہا شئی من کلام الناس الخ کی تصریح کے بعد تکلم فی الصلوٰۃ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اگر امام سے کوئی رکن فعلی یا قولی ترک ہو جائے تو بطور نیابت تسبیح، تہلیل یا تلاوت قرآن کے ذریعہ سے لقمہ دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ کلام ناس وغیرہ کا استعمال جائز نہیں ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جمہور احناف کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا دلائل اور نقلی روایات نے تکلم فی الصلوٰۃ کی ہر نوع کو منسوخ کر دیا لہٰذا حدیث ذوالیدین بھی انہی دلائل سے منسوخ ہے۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال

امام طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۲۶۱ میں واما وجہ ذلک من طریق النظر سے یہ عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم نے جب تمام عبادات کا بغور مطالعہ کر کے دیکھا کہ ہر قسم کی عبادات میں داخل ہو جانا بعض اشیاء کو مانع ہوا

قَالَ فَلَا تَأْتِهِمْ قَالَ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وسوسہ ہے جسے لوگ اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں، پس یہ وسوسہ ان کے لیے ہرگز رکاوٹ نہ بنے (حضرت معاویہ بن حکم نے) کہا، میں نے عرض کیا ہم میں کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں، آپ نے فرمایا "انبیاء کرام (علیہم السلام) میں ایک نبی بھی لکیر کھینچتے تھے، جس کی لکیر ان کے موافق ہو گئی، تو وہ درست ہے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کرتا ہے مثلاً دخولِ صلوٰۃ کلام اور ہر منافی افعالِ صلوٰۃ کو مانع ہے اور دخولِ صوم اکل و شرب اور جماع کو مانع ہے اور دخولِ حج وعمرہ، جماع، طیب اور مخصوص لباس کو مانع ہے دخولِ اعتکاف جماع اور تجارت کو مانع ہے اب ہم مزید غور کرتے ہیں تو روزہ کو "عبادات حرکیہ" میں پاتے ہیں اور بقیہ کو عبادات وجودیہ میں سے پاتے ہیں اور صوم میں اگر مذکورہ اشیاء ممنوعہ عمداً پیش آ جائیں تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر نسیاناً پیش آ جائیں تو بعض کے نزدیک مفسد اور بعض کے نزدیک مفسد نہیں ہے (مثلاً امام مالک، عطاء بن رباحؒ وغیرہ کے نزدیک ہر حال میں مفسد صوم ہے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام اوزاعیؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک نسیاناً کی صورت میں مفسد صوم نہیں (کذا فی المنخب الافکار ج ۴ ص ۹۹)

اور حج وعمرہ و اعتکاف میں اگر جماع کیا جائے تو عمداً و نسیاناً دونوں صورتوں میں بالاتفاق مفسد ہے ان اشیاء کی طرح صلوٰۃ بھی عبادات وجودیہ میں سے ہے۔

لہٰذا جب بلا وجہ اور بلا عذر کلام فی الصلوٰۃ بالاتفاق مفسد ہے تو عذر اور سہو وغیرہ کی صورت میں بھی کلام فی الصلوٰۃ مفسد ہوگا جیسا کہ دیگر عبادات وجودیہ میں عمد و نسیان دونوں صورتوں میں یکساں حکم ہے ایسے ہی صلوٰۃ میں بھی یکساں حکم ہوگا لہٰذا اصلاحِ صلوٰۃ اور سہو وغیرہ کے عذر کی وجہ سے کلام فی الصلوٰۃ جائز نہ ہوگا اور یہی ہمارے علماء ثلثہ کا مسلک ہے۔

امام طحاویؒ کا ایک اور استدلال امام طحاویؒ حدیث ذی الیدین کی تنسیخ پر ایک اور استدلال یوں پیش کرتے ہیں کہ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر امام سے کوئی بات ترک ہو جائے تو مقتدی کو تسبیح کے ذریعہ سے لقمہ دینے کا حکم ہے اور واقعہ ذی الیدین میں حضرت ذوالیدین خرباق بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کے ذریعہ سے لقمہ

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰى اَنَّ كَلَامَ السَّاهِيْ وَكَلَامَ مَنْ ظَنَّ التَّمَامَ لَا يُبْطِلُ الصَّلٰوةَ

۵۵۰ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ

باب - ان احادیث میں جن سے استدلال کیا گیا ہے کہ بھول کر کلام کرنا اور ایسے شخص کا کلام کرنا جو یہ خیال کرے کہ نماز پوری ہوچکی ہے، نماز کو باطل نہیں کرتا۔ ۵۵۰ - حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پچھلے پہر دو نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی، ابن سیرین نے کہا حضرت ابوہریرۃ رض نے اس نماز کا نام لیا تھا، لیکن مجھے بھول گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا، پھر آپ نے مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہوکر اس پر ٹیک لگا دی، گویا آپ ناراض تھے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیاں ایک دوسرے پر ڈالیں اور اپنے

نہیں دیا بلکہ صاف کلام ناس کے ذریعہ سے اطلاع کی ہے اور آپ نے اُن پر کوئی نکیر نہیں فرمائی نہ کلام سے ممانعت فرمائی اور نہ ہی تسبیح وغیرہ کی تلقین فرمائی تو یہ اس بات پر دال ہے کہ کلام سے ممانعت اور تسبیح و تلقین کی روایات بعد کی ہیں اور حدیث ذی الیدین پہلے کی ہے لہٰذا حدیث ذی الیدین منسوخ ہوگی۔

۵۵۰ - حدیث باب ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے ان کی وجوہ استدلال گذشتہ باب میں عرض کر دی ہیں ذیل میں ائمہ ثلاثہ کے احناف پر اعتراضات، حدیث ذوالیدین سے متعلق اُن احناف کے توضیحات اور اسی سلسلہ کی بحث کی ضروری تنقیحات پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ذوالیدین رض ان کا اسم گرامی خرباق بن عبد عمرو السلمی ہے ان کو ذوالشمالین بھی کہا جاتا ہے سنن دارمی صـ۱۸۵ باب سجدۃ السہو من الزیادۃ میں حضرت ابوہریرۃ رض کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ صـ۲۷۷، ۵۷۹ پر حضرت ابن عباس سے اور شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۳۰۱، نسائی ج ۱ صـ۱۸۱ میں موجود ہے کہ ذوالشمالین نے عرض کیا حضرت نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے تو آپ نے دیگر صحابہ سے ان کی تصدیق چاہتے ہوئے فرمایا اصدق ذوالیدین؟ معلوم ہوا کہ دونوں نام ایک

بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُولٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُولُ

دائیں رخسار مبارک کو اپنے بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھا اور جلدی جانے والے مسجد کے دروازوں سے نکلے، تو کچھ لوگوں نے کہا، نماز کم کر دی گئی ہے اور لوگوں میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے، اور یہ دونوں آپ سے بات کرنے سے گھبرائے اور انہیں لوگوں میں ایک شخص جس کے ہاتھ قدرے لمبے تھے اور اُسے ذوالیدین کہا جاتا تھا اس نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے، آپ نے فرمایا، میں بھولا نہیں اور نہ ہی نماز کم کی گئی ہے، پھر آپ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا،

ہی صحابی کے تھے ان کو ذوالیدین اور ذوالشمالین اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ بہت لمبے تھے جیسا کہ حضرت عمران رضؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس کی صراحت ہے اور علامہ سمعانیؒ نے کتاب الانساب میں نقل فرمایا ہے کہ ان کو ذوالیدین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر کام دونوں ہاتھ لگا کر کرتے تھے مگر پہلی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس واقعہ کو حدیث الخرباق، حدیث ذی الیدین حدیث ذوالشمالین سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی واقعہ کے دن کو یوم ذی الیدین اور یوم خرباق کہا جاتا ہے کیونکہ اس واقعہ میں جرأت مندی سے سوال کرنے والے یہی تھے۔

شوافع کے اعتراضات اور حنفیہ کے جوابات

ذیل میں شوافع حضرات کے حنفیہ کے دلائل کے جوابات میں اعتراضات اور ان کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ابن مسعودؓ کی ہجرت حبشہ کی تحقیق اور استدلال

(۱) شوافع حضرات کہتے ہیں الکلام فی الصلوٰۃ کے نسخ کے بعد ذوالیدین کا واقعہ پیش آیا ہے لہٰذا اسے مندرجہ بالا دلائل سے منسوخ قرار دینا درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ جب حبشہ سے واپس آئے تو اس وقت الکلام فی الصلوٰۃ سے نہی آچکی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے تب ان کو معلوم ہوا کہ نسخ کلام مکہ میں ہو چکا ہے جب کہ یہ بات قطعی ہے کہ

ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ وَکَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ وَکَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْہُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

کیا بات ایسے ہی ہے جیسے ذوالیدین کہہ رہا ہے لوگوں نے عرض کیا جی ہاں، اس پر آپ آگے بڑھے اور جس قدر نماز چھوٹ گئی تھی، وہ پڑھائی، سلام پھیرا اور تکبیر کہہ کر اپنے سجدوں کی مانند یا ان سے لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر آپ نے تکبیر کہہ کر اپنے سجدوں کی مانند یا ان سے لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی، بسا اوقات لوگ ابن سیرینؒ سے پوچھتے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، تو ابن سیرینؒ کہتے، مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر آپ نے سلام پھیرا۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

ذوالیدین کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا تو پھر اس کو کس طرح منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ شوافع کا یہ دعویٰ ہرگز درست نہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نسخ کلام غزوہ بدر سے کچھ پہلے مدینہ منورہ میں ہو چکا تھا باقی رہی حضرت ابن مسعودؓ کی ہجرت کی بات تو محققین کی تحقیق یہ ہے کہ وہ دوبار ہجرت حبشہ کے لیے گئے ہیں جب پہلی بار ہجرت کی تو حبشہ میں انہیں یہ خبر ملی کہ پورا قبیلہ قریش مسلمان ہو گیا ہے لہٰذا وہ ۵ھ نبوی کے رمضان المبارک میں واپس مکۃ المکرمہ تشریف لے آئے جب یہاں انہیں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی تو دوبارہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اس دوسری ہجرت سے وہ ۲ھ کو مدینہ منورہ تشریف لائے اُن کی تشریف آوری غزوہ بدر سے کچھ پہلے تھی کما صرح بہ موسیٰ بن عقبہ فی مغازیہ و مغازیہ اصح المغازی عند اھل الحدیث چنانچہ حافظ ابن حجرؒ، ابن اثیرؒ اور دوسرے بہت سے علماء و محدثین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی واپسی مدینہ طیبہ میں ۲ھ میں ہوئی قال الحافظ فی الفتح (ج ۲ ص۷۰) وقد ورد انہ قدم المدینۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتجھز الی بدر وقد ذکر ابن کثیر فی تاریخہ (ج ۲ ص۶۹) حدیثا عن مسند احمد فی ذکر المہاجرین الی الحبشۃ و فیھم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ثم تعجل عبد اللہ بن مسعودؓ حتی ادرک بدرا قال ابن کثیر وھذا اسناد جید قوی وکذالک نقلہ الذیلعی عن موسیٰ

قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ وَإِنْ كَانَتْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ لٰكِنَّهَا مُضْطَرِبَةٌ بِوُجُوْهٍ وَفِي الْبَابِ أَحَادِيْثُ أُخْرٰى كُلُّهَا لَا تَخْلُوْ عَنْ نَظَرٍ۔

نیموی نے کہا یہ روایت اگرچہ صحیحین میں ہے لیکن کئی اعتبار سے مضطرب ہے اور اس باب میں اور بھی احادیث ہیں۔ تمام کی تمام کلام سے خالی نہیں (یعنی ہر ایک پہ جرح موجود ہے)۔

ابن عقبہ (ملخصاً از معارف السنن ج ۳ ص ۱۵)

ان حقائق کے پیش نظر حنفیہ کہتے ہیں کہ نسخ کلام کا حکم ابن مسعودؓ کی حبشہ سے واپسی سے کچھ پہلے ہوا مگر یہ ان کی دوسری واپسی تھی جب وہ حبشہ سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے جس کی تائید حضرت معاویہ بن الحکم سُلمی کی روایت ۹۴۹ھ سے بھی ہوتی ہے جس میں تشمیت عاطس کا واقعہ مذکور ہے یہ واقعہ بھی مدینہ منورہ میں پیش آیا اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن الحکم انصاری صحابی ہیں اور حضورؐ کی ہجرت کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے ظاہر ہے کہ ان کا واقعہ ہجرت کے بعد ہی پیش آیا ہوگا ان کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ کی حرمت اس واقعہ سے کچھ قبل ہی نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کے قبول اسلام کے اعتراض کی حقیقت اور تحقیقی جواب

شوافع حضرات ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر نسخ کلام مدینہ منورہ میں غزوہ بدر سے کچھ پہلے مان لیا جائے تب بھی ذوالیدین کا واقعہ اس کے بعد کا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس واقعہ کے ایک راوی حضرت ابوہریرہؓ بھی ہیں ان کی روایت کے بعض طرق میں صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۳) بعض میں صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی ج ۱ ص ۱۸۱) اور بعض میں بینا انا اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم (مسلم ج ۱ ص ۲۱۳) کے الفاظ مروی ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ذوالیدینؓ کے واقعہ میں خود موجود تھے اور یہ بھی قطعی حقیقت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے لہذا ذوالیدینؓ کا واقعہ بھی ۷ھ کے بعد کا ہو سکتا ہے لہذا نسخ کلام کی مذکور احادیث جو ہجرت کے دوسرے سال سے قبل کی ہیں اس واقعہ کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتیں کہ اس سے تو منسوخ کو متقدم کے ذریعہ منسوخ کرنا لازم آتا ہے اور یہ ممکن نہیں حنفیہ حضرات اس سے کئی طریقوں سے جواب دیتے ہیں۔

۱۷

(د) ہمیں بھی یہ مسلّم ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے مگر وہ واقعہ ذی الیدین میں حاضر نہیں تھے لیکن یہ مسلّم نہیں ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ مکہ مکرمہ میں منسوخ ہوا ہے یہ بے دلیل بات ہے بلکہ کلام فی الصلوٰۃ کا مدینہ منورہ میں منسوخ ہونا صریح روایت سے ثابت ہے جیسا کہ ما قبل باب کی روایت ۴۴۵ زید بن ارقم سے مروی ہے اور زید بن ارقم نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا ہے۔

(ب) ذوالیدین کا واقعہ بھی لازماً سنہ ۲ھ سے پہلے کا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ذوالیدین بدری صحابی ہیں اور غزوہ بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے جیسا کہ امام طحاویؒ نے حضرت ابن عمرؓ کا ایک اثر روایت کیا ہے انه ذكر له حديث ذي اليدين فقال كان اسلام ابي هريرة بعد ما قتل ذواليدين (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۸) اس روایت کے تمام رواۃ ثقات ہیں اس سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالیدین غزوہ بدر میں شہید ہو چکے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ ان کی شہادت کے بہت بعد ایمان لائے لہٰذا واقعہ ذی الیدین بلا شک وشبہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے جب کہ غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا ہے۔

روایت ابوہریرہ کے بعض صیغوں کی تحقیق

(ج) باقی رہا شوافع کا حضرت ابوہریرہ کی روایت کے بعض صیغوں سے واقعہ ذوالیدین میں شرکت کا دعویٰ۔

تو یہ بھی درست نہیں امام طحاویؒ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۶۱ میں اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ ذی الیدین میں شرکت نہ کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یوم ذی الیدین میں نماز پڑھائی ہے یہ عین محاورہ کے مطابق ہے کہ صیغہ جمع متکلم بول کر جماعت مسلم مراد لی جاتی ہے یہاں صلی بنا سے مراد صلی بالمسلمین ہے روایات میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں مثلاً حضرت نزال بن سبرہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں کیا مگر اس کے باوجود وہ کہتے ہیں قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم یہاں سب کہتے ہیں کہ قال لنا سے مراد قال لقومنا ہے اسی طرح حضرت طاؤس بن کیسان نے حضرت معاذ بن جبل کو نہیں دیکھا ہے بلکہ جس وقت حضرت معاذ یمن تشریف لے گئے اس وقت حضرت طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کے باوجود حضرت طاؤس کہتے ہیں قدم علينا معاذ بن جبل فلم يأخذ من الخضروات شيئاً لہٰذا سب کہتے ہیں کہ ان کے قول قدم علينا سے مراد قدم على قومنا یا قدم بلدنا ہے اسی طرح حضرت عتبہ بن غزوان نے واقعہ صفین سے ایک سال قبل بصرہ تشریف لا کر بصرہ والوں کو ایک خطبہ پیش کیا جب کہ حضرت حسن بصری اس وقت تک بصرہ تشریف نہیں لائے تھے حسن بصری مدینہ منورہ سے زمانہ صفین میں بصرہ تشریف لائے تھے مگر اس کے باوجود حضرت حسن بصری فرماتے ہیں خطبنا عتبة بن غزوان (يريد خطبة بالبصرة)

یہاں خطبنا سے خطب اهل بلدنا مراد ہے یہ تمام آثار امام طحاوی نے شرح معانی الآثار جلد اوّل میں نقل کئے ہیں۔

علامہ بنوریؒ نے معارف السنن ج ۳ ص۵۱۲ تا ۵۱۶ میں ایسے مزید بہت سے اشلہ پیش کئے ہیں جہاں حضرات صحابہؓ نے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے اور مراد عام مسلمان ہیں اور خود متکلم اس سے خارج ہے یہی صورت حضرت ابوہریرہؓ کی ذوالیدین والی روایت میں پیش آئی۔

ابوہریرہؓ کے الفاظ بینا انا اصلی کے متعلق محدث کشمیریؒ کے توجیہات

اب صرف ایک روایت رہ جاتی ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ کی طرف یہ الفاظ منسوب ہیں کہ بینا انا اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسلم ج ۱ ص۲۱۴)

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ صرف ایک راوی یعنی شیبان کا تفرد ہے، اور ان کے سوا حضرت ابوہریرہؓ کا کوئی شاگرد "بینا انا اصلی" کے الفاظ نقل نہیں کرتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت میں "صلی بنا" تھا، اور حضرت ابوہریرہؓ نے مذکورہ بالا تشریح کے مطابق جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تھا جس میں راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے تصرف کیا اور اس کو واحد متکلم سے بدل دیا، احادیث میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً مستدرک حاکم میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک روایت مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، "دخلت علی رقیۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ج ۴ ص۴۸) حالانکہ حضرت رقیہؓ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے سے پانچ سال پہلے وفات پا چکی تھیں، لہٰذا حضرت ابوہریرہؓ کے ان کے پاس جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہاں اس کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں کہ اصل لفظ "دخلنا" تھا اور اس کے معنی "دخل المسلمون" تھے راوی نے اس میں تصرف کرکے اس کو "دخلت" بنا دیا، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے معارف السنن ج ۳ ص۵۱۴ میں اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی ہیں، لہٰذا تنہا یہ واحد متکلم کا صیغہ ان دلائل قطعیہ کو رد نہیں کر سکتا جو اس واقعہ کے ۲ھ سے قبل واقع ہونے پر دال ہیں،

پھر حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اور بھی متعدد ایسے دلائل موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالیدینؓ کا واقعہ ۲ھ سے کافی پہلے پیش آچکا تھا اسلام پھیرنے کے "فقام الی خشبۃ معروضۃ فی المسجد فاتکأ علیہا کأنہ غضبان" بخاری ج ۱ ص۶۹ اور مسند احمد ج ۲ ص۲۳۴ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشبۂ معروضہ اسطوانۂ حنانہ، تھا، ادھر یہ ثابت ہے کہ اسطوانۂ حنانہ کو منبر بننے کے بعد دفنا دیا گیا تھا، لہٰذا یہ واقعہ منبر بننے سے پہلے ہی کا ہو سکتا ہے، اور منبر ۸ھ سے

بنایا گیا تھا، کیونکہ روایات میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کا اعلان منبر سے فرمایا تھا، اور تحویل قبلہ سلہ ھ میں ہوئی۔

لہٰذا ذوالیدین کا واقعہ لازماً سلہ ھ سے پہلے کا ہے اور نسخ کلام کی احادیث اس کے بعد بھی ناسخ ہیں یہ ساری بحث حدیث باب کے ایک جواب پر مبنی تھی یعنی یہ کہ ذوالیدین کا واقعہ منسوخ ہے۔ (درس ترمذی ملخصاً)

حضرت عمرؓ کا عمل

وفی القوم ابوبکر وعمر الخ یہ واقعہ شروع اسلام میں اس وقت کا ہے جب نماز میں کلام مباح تھا۔ حضرت عمرؓ جو کہ اس واقعہ میں موجود تھے، لیکن حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ نے بھی چار کے بجائے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، جب حضرت عمرؓ سے کہا گیا تو انہوں نے اس کی وجہ بیان کی پھر حضرت عمرؓ نے مزید دو رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کرنے کے بجائے دوبارہ چار رکعات پڑھیں (طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۶۳ باب الکلام فی الصلوٰۃ) اگر یہ حدیث منسوخ نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ سنّتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے ادا شدہ نماز کو باطل ہونے سے بچاتے۔

نیز اس حدیث میں جس صحابی ذوالیدین کا ذکر ہے وہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے جو ہجرت کے شروع میں پیش آیا اور بعد میں وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ آیت نازل ہوئی جس میں نماز کے دوران کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ذوالشمالین بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ (تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۱۹۹، ص ۱۷۱)

وجوہ اضطراب

مضطربۃ بوجوہ ۱۰ الخ اضطراب کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مسلم ج ۱ ص ۲۱۲ نسائی ج ۱ ص ۱۸۲ میں ہے۔ یہ ظہر کی نماز تھی، مسلم ج ۱ ص ۲۱۴، نسائی ج ۱ ص ۱۸۲ و ج ۱ ص ۱۸۳ میں ہے، وہ عصر کی نماز تھی، بخاری ج ۱ ص ۱۶۳ مسلم ج ۱ ص ۲۱۳ نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ میں ہے زوال سے غروب تک کی ایک نماز تھی۔ ظہر یا عصر، بخاری ج ۱ ص ۱۶۳ میں ہے، امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں میرا غالب گمان ہے کہ نماز عصر تھی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن سیرین بھول گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بتا دیا تھا، لیکن نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں بھول گیا ہوں۔

اضطراب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بخاری ج ۱ ص ۱۶۳ مسلم ج ۱ ص ۲۱۳ و ج ۱ ص ۲۱۴ اور نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۳ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا تو ذوالیدین نے عرض کیا، جب کہ مسلم ج ۱ ص ۲۱۶ نسائی ج ۱ ص ۱۸۳ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے اور کشف الاستار ج ۱ ص ۲۷۰ و ج ۱ ص ۲۷۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے تین رکعات پر سلام پھیرا تو ذوالیدین نے عرض کیا، الغرض کسی میں دو رکعات کا ذکر ہے تو کسی میں تین رکعات کا۔

اضطراب کی تیسری وجہ یہ ہے کہ بخاری ج ۱ ص ۱۶۴ مسلم ج ۱ ص ۲۱۳ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی جَوَازِ رَدِّ السَّلَامِ بِالْإِشَارَةِ فِی الصَّلٰوةِ

۵۵۱ - عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

باب - جن روایات سے نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے پر استدلال کیا گیا ہے۔ ۵۵۱ - ابوالزبیر سے روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا ،

آپ سلام پھیرنے کے بعد مسجد نبوی کے قبلہ کی طرف لکڑی کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، وہاں ذوالیدین نے عرض کیا جب کہ مسلم ج ۱ ص ۲۱۳ نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے اور کشف الاستار ج ۱ ص ۲۷۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد گھر تشریف لے گئے وہاں جا کر ذوالیدین نے عرض کیا۔

اضطراب کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ بخاری، مسلم و دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے سہو کے دو سجدے کیے، جب کہ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۵ باب سجدۃ السہو میں بسند صحیح عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی ہریرۃ اور نسائی ج ۱ ص ۱۸۳ میں سعید، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ابن ابی حثمہ عن ابی ہریرۃ مروی ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ نے سہو کے دو سجدے نہیں کیے۔

اضطراب ضعف کا سبب ہے اس لیے اس حدیث سے باتیں کرنے کے باوجود نماز نہ ٹوٹنے پر استدلال درست نہیں۔ (مولانا محمد اشرف) اور اضطرابات شدیدہ کی وجہ سے ذوالیدین کے واقعہ میں اتنی قوت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس کو قوموا للہ قانتین اور ممانعت کلام فی الصلوٰۃ کی صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے لہٰذا ذوالیدین کے واقعہ جزئیہ کو کسی فقہی مسئلہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا چنانچہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں بھی اس واقعہ جزئیہ کے بجائے آیت قرآنی اور ان احادیث پر عمل کیا ہے جو قولی ہیں اور قواعد کلیہ بیان کر رہی ہیں۔

واقعہ ذوالیدین عمل کثیر ہے | حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل کر حجرہ میں تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر خشبہ معروضہ پر ٹیک لگائی تھی جو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ آپ نے سینہ اور چہرہ قبلہ سے پھیر لیا تھا ہر حال اس نوعیت کا کلام قبلہ سے چہرہ اور سینہ کا انحراف عن القبلہ اور تتابع مشی یہ سب عمل کثیر ہے جبکہ اس قدر عمل کثیر کے ساتھ آج کوئی بھی نماز کے جواز کا قائل نہیں ہے بلکہ عمل کثیر شوافع حضرات کے بھی قول مختار کے مطابق مفسد صلوٰۃ ہے۔

(۵۵۱ تا ۵۵۵) نماز میں زبان کے ساتھ سلام کا جواب دینا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح کا جواب

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُنْطَلِقٌ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى بَعِيْرِهِ فَكَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِي بِيَدِهِ هٰكَذَا وَأَوْمَأَ زُهَيْرٌ بِيَدِهِ ثُمَّ كَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِي هٰكَذَا وَأَوْمَأَ زُهَيْرٌ أَيْضًا بِيَدِهِ نَحْوَ الْأَرْضِ وَأَنَا أَسْمَعُهُ يَقْرَأُ يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ مَا فَعَلْتَ فِي الَّذِي أَرْسَلْتُكَ لَهُ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أُكَلِّمَكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٥٥٢۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

جب کہ آپ بنو المصطلق کی طرف جانے والے تھے، جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ اپنے اونٹ پر نماز ادا فرما رہے تھے، میں نے آپ سے گفتگو کی، آپ نے مجھے اپنے ہاتھ مبارک سے اس طرح اشارہ فرمایا، زہیر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر میں نے آپ سے گفتگو کی، تو آپ نے مجھے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، اور زہیر نے اپنے ہاتھ سے زمین کی طرف اشارہ کیا، اور میں آپ کو قراءۃ کرتے ہوئے سن رہا تھا، آپ اپنے سر سے اشارہ فرما رہے تھے جب آپ فارغ ہوئے، آپ نے فرمایا تم نے اس کام کے بارے میں کیا کیا جس کے بارہ میں میں نے تمہیں بھیجا تھا، بلاشبہ مجھے تمہارے ساتھ گفتگو کرنے سے اور کسی چیز نے نہیں روکا، مگر میں نماز پڑھ رہا تھا۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۵۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے حضرت بلالؓ سے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے، جب کہ لوگ آپ کو سلام کرتے اور آپ نماز ادا فرما رہے ہوتے تھے، انہوں نے کہا، آپ اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرماتے تھے۔

یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

دینا کلام فی الصلوٰۃ ہے جو مفسد صلوٰۃ ہے یہاں تک کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہ کروں گا پھر نماز میں سلام کیا تو حانث ہو جائے گا، ابن بطالؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ بطریق نطق سلام کا جواب نہ دے ۔۔۔ (یعنی) امام حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ اور قتادہؒ کے نزدیک اس کی بھی گنجائش ہے۔

البتہ اشارہ سے سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

۵۵۳- وَعَنْهُ عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ إِشَارَةً وَقَالَ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِشَارَةً بِإِصْبَعِهِ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

۵۵۴- وَعَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسْجِدَ بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ وَهُوَ مَسْجِدُ قُبَا لِيُصَلِّيَ فِيْهِ فَدَخَلَ مَعَهُ رِجَالٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَدَخَلَ مَعَهُمْ صُهَيْبٌ فَسَأَلْتُهُ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ إِذَا سُلِّمَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهِ - أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ عَلٰى شَرْطِهِمَا

۵۵۵- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيْرُ فِي الصَّلٰوةِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۵۳- ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا جب کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے اشارہ سے جواب دیا۔ (حضرت ابن عمرؓ نے) کہا میرے علم میں یہی ہے کہ آپ نے اپنی انگلی مبارک سے اشارہ فرمایا۔

یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

۵۵۴- حضرت ابن عمرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کی مسجد جو کہ مسجد قبا ہے میں داخل ہوئے تاکہ اس میں نماز ادا فرمائیں، آپ کے ساتھ انصار کے کچھ لوگ بھی داخل ہوئے جو کہ آپ سلام کرتے تھے، ان کے ساتھ صہیبؓ بھی داخل ہوئے، تو میں نے ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے جب کہ لوگ آپ کو سلام کہتے اور آپ نماز میں ہوتے، صہیبؓ نے کہا، آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے تھے۔

یہ حدیث حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

۵۵۵- حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرماتے تھے۔

یہ حدیث ابو داؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بیان مذاہب

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اشارہ سے سلام کا جواب مفسد صلوٰۃ نہیں۔

(۱) امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل (فی روایۃ) کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے سعید بن

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی نَسْخِ رَدِّ السَّلَامِ بِالْاِشَارَةِ فِی الصَّلٰوةِ

۵۵۶۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنْتُ اُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

باب۔ جن روایات سے نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے

۵۵۶۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا، جب کہ آپ نماز میں ہوتے

المسیبؒ قتادہؒ اور حسن سے یہی مروی ہے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت جواز کی ہے امام شافعیؒ اسے مستحب کہتے ہیں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ کراہت کے ساتھ ہے امام مالکؒ (فی روایۃ) امام احمدؒ (فی روایۃ) امام اسحاقؒ ابوثورؒ بھی اسی کے قائل ہیں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباس رضہ سے بھی یہی مروی ہے چنانچہ مراقی الفلاح میں اشارہ کے ساتھ سلام کو مکروہاتِ نماز میں شمار کیا گیا ہے مشیر ہیں اسے مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے

قائلین جواز کے دلائل

باب ہذا کی پانچ روایات ۵۵۱ قائلین جواز کا مستدل ہیں پہلی روایت ابوالزبیرؒ نے حضرت جابرؓ کی نقل کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حالتِ نماز میں اشارہ سے جواب دینا مذکور ہے اس روایت کو امام مسلمؒ نے کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ ج ۱ ص۲۰۴ میں تخریج کیا ہے روایت ۵۵۲ میں حضرت ابن عمرؓ کا حضرت بلالؓ سے اشارہ کے متعلق استفسار ہے فرمایا کان یشیر بیدہ ، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۸۵ ابوداؤد نے ج ۱ ص۱۳۳ میں تخریج کیا ہے ۵۵۳ اور ۵۵۴ روایات دونوں حضرت صہیبؓ سے مروی ہیں صہیبؓ کی پہلی روایت کو ابوداؤد ج ۱ ص۱۳۳ ترمذی ج ۱ ص۸۵ میں نقل کیا گیا ہے دوسری روایت کی تخریج امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص۱۲ میں کی ہے۔ دونوں روایات میں صراحتاً اشارہ مذکور ہے پانچویں روایت ۵۵۵ حضرت انسؓ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص۱۳۶ میں تخریج کیا گیا ہے کان یشیر فی الصلوٰۃ کی تصریح ہے۔

(۵۵۶ تا ۵۵۷) باب ہذا میں قائلین کراہت کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

قائلین کراہت کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز میں حضور پر سلام کرتے تو آپ ہمیں جواب

وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغُلًا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

آپ ہمیں جواب دیتے، جب ہم (حبشہ سے) لوٹے ہیں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا، اور آپ نے (نماز کے بعد) فرمایا "بلاشبہ نماز میں مصروفیت ہے"۔

مروت فرماتے مگر ہجرت حبشہ کے بعد فلم یرد علی وقال ان فی الصلوٰۃ شُغُلًا (بخاری کتاب التہجد ج ا ص۱۶۲ ومسلم کتاب المساجد ج ا ص۲۰۴)

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت حالت نماز میں سلام کا جواب اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں تھی جب کلام فی الصلوٰۃ ممنوع ہو گیا تو سلام کا جواب بھی سلام اور اشارے سے ممنوع ہو گیا گویا اشارہ بھی کلام ہی کی ایک نوع ہے جیسا کہ حدیث جابر کے الفاظ میں انہ لم یمنعنی ان ارد علیک الا انی کنت اصلی سے بھی یہی ثابت ہے حالانکہ آپ اشارہ پر قادر تھے۔

(۲) جابر بن سمرہؓ کی روایت (۵۵۵) بھی احناف کا مستدل ہے جسے امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ ج ا ص۱۸۱ میں تخریج کیا ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے جس میں تسکین اطراف اور اشارہ کی ممانعت ہے اس میں خیل شمس کا لفظ آیا ہے اس کے معنی بے چینی سے دم ہلانے والے گھوڑے ہیں اور حنفیہ کا مختار قول یہی ہے کہ اشارہ جس سے عمل کثیر لازم آئے مفسد صلوٰۃ ہے یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اشار فی الصلوٰۃ اشارۃ تفہم و تفقہ فقد قطع الصلوٰۃ (دارقطنی و بیہقی) اور ابوداؤد کے الفاظ میں فلیعد لہا یعنی الصلوٰۃ (ابوداؤد ج ا ص۱۳۶) حنفیہ کا قول مستدل ہے۔

لیکن اس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں ھذا الحدیث وھم۔ اور اگر اس روایت کو قابل استدلال مانا جائے تو اس کا مطلب حضرت علامہ بنوری کے الفاظ میں یہ ہوگا المراد فی الحدیث الاشارۃ فی غیر حاجۃ شرعیۃ والفساد فی مثلہ عندنا ظاہر (معارف السنن ج۳ ص۴۹)

ابن الجوزی نے التحقیق میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں محمد بن اسحاق اور ابو غطفان مجہول ہیں صاحب تنقیح اس کا جواب دیتے ہیں کہ ابو غطفان ابن طریف یا ابن مالک المری المدنی ہے اس کی بابت عباس دوری نے یحییٰ بن معین کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ امام نسائی الکنی میں فرماتے ہیں کہ ابو غطفان ثقہ

۵۵۷۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّہَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۵۷۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، تو فرمایا کیا ہے کہ میں تمہیں نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، گویا کہ وہ سرکش گھوڑوں کی دُم ہیں، نماز میں سکون پکڑو۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ہے بعض نے اس کا نام سعد بتایا ہے، ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، امام مسلم نے صحیح میں اس سے تخریج کی ہے، حافظ ابن حجر کی تقریب میں ہے "ابو غطفان ثقۃ من کبار الثالثۃ۔"

سوال دارقطنی نے کہا ہے قال لنا ابو بکر ابن ابی داؤد، ابو غطفان مجہول، جواب تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۹۱ میں علی کا بیان ہے کہ میں نے دارقطنی سے ابو بکر ابن ابی داؤد کی بابت سوال کیا تو فرمایا کثیر الخطاء فی الکلام علی الحدیث، اور ص ۷۷۲ میں خود ابو بکر کے والد ابو داؤد کا قول منقول ہے "ابنی کذاب" ابن عدی کہتے ہیں کہ شیخ ابن صاعد فرمایا کرتے تھے "کفانا ابوہ بما قال فیہ" پس ابن ابی داؤد کے مجہول کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ قائلین جواز کے استدلال سے جواب۔

یہ تمام روایات قائلین جواز کے مستدلات کے لیے ناسخ ہیں اُن تمام روایات میں ابتداء اسلام کے واقعات مذکور ہیں جب کہ نماز میں اس قسم کے حرکات جائز تھے امام طحاوی کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلاۃ کے نسخ کے ساتھ رد سلام بالاشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔

شیخ حلوانی اور امام محمد کے اقوال

سید طحاویؒ نے اپنے حاشیہ میں صاحب ذخیرہ کے قول لا بأس للمصلی ان یجیب پر کلام کرتے ہوئے شیخ حلوانیؒ کا قول مذکور نقل کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کو سلام کرے تو وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دل ہی دل میں جواب دے سکتا ہے امام محمدؒ کے نزدیک نماز کے بعد جواب دینا چاہیے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے علامہ خطابیؒ اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے سلام کا جواب نماز سے فراغت کے بعد دیا ہے جس سے امام محمدؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

اشارہ مفسدِ صلوٰۃ کیوں نہیں

یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ کلام کی طرح اشارہ کو بھی مفسدِ صلوٰۃ ہونا چاہیئے کیونکہ اشارہ، کلام کے مرادف کبھی نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اشارہ حرکتِ عضو ہے اور حرکت ید کے علاوہ باقی کسی بھی عضو کی حرکت مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے تو اسی طرح حرکتِ ید بھی مفسدِ صلوٰۃ نہ ہوگی۔

اشارہ فی الصلوٰۃ مکروہ کیوں ہے؟

اس سے قبل یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب دعویٰ یہ ہے کہ اشارہ فی الصلوٰۃ سے نماز فاسد نہ ہوگی تو پھر جوابِ سلام کے لیے اشارہ کو مکروہ کیوں قرار دیا جا رہا ہے جب کہ اس سلسلہ کی پیش کردہ روایات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب سلام میں اشارہ کرنا ثابت ہے لہذا اگر مذکورہ روایات اشارہ فی الصلوٰۃ کے مفسدِ صلوٰۃ نہ ہونے کے لیے حجت بن سکتی ہیں تو مذکورہ روایات عدم کراہت کے لیے بھی حجت بن جائیں گی لہذا کراہت ثابت کرنا درست نہیں ہونا چاہیئے حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جس مقصد کی وجہ سے مذکورہ روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف اشارہ فی الصلوٰۃ کا مفسدِ صلوٰۃ نہ ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ بلا کراہت جواب سلام مباح ہونا چاہیئے تو اس کے لیے مذکورہ روایات میں کوئی دلیل نہیں ہے اور آپؐ نے جو اشارہ فرمایا ہے اس کا جوابِ سلام کے لیے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں دو احتمال ہیں (۱) اس اشارہ سے لوگوں کو اثناءِ صلوٰۃ سلام کرنے سے منع فرمایا ہے (۲) اس اشارہ سے آپؐ نے ردِ سلام کا ارادہ فرمایا تھا اب فعل رسولؐ میں دو احتمال ہیں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور اجماع امت میں سے کسی ایک سے دلیل قائم کئے بغیر ترجیح دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا جب کہ بعض روایات و آثار سے ردِ سلام کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لیے کم از کم کراہت کے درجہ میں قرار دینا ضروری ہے باقی رہے ثبوت کراہت کے دلائل تو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ثابت ہے کہ حضورؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا نہ زبان سے نہ ہاتھ کے اشارہ سے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اثناءِ صلوٰۃ میں سلام کرنے والا جواب کا مستحق نہیں ہے حضورؐ کا ارشاد کہ ان فی الصلوٰۃ شغلاً کہ نماز میں ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے نمازی سلام وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا ہے اس وجہ سے نمازی کو سلام نہ کیا جائے اب ان تمام روایات کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ اثناءِ صلوٰۃ میں نہ سلام کرنا مشروع ہے نہ جواب دینا،

نیز حضرت ابن مسعودؓ سے کراہت کا فتویٰ بھی منقول ہے لہذا اشارہ فی الصلوٰۃ کو کراہت کا درجہ حاصل ہوگا۔

بَابُ الْفَتْحِ عَلَى الْإِمَامِ

۵۵۸۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلوٰۃً فَقَرَأَ فِیْھَا فَلُبِسَ عَلَیْہِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لِاُبَیٍّ اَصَلَّیْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ مَا مَنَعَکَ۔ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالطَّبَرَانِیُّ وَزَادَ اَنْ تَفْتَحَ عَلَیَّ۔ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

ب۔ امام کو لقمہ دینا۔ ۵۵۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی، اس میں قراءۃ کی تو آپ کو متشابہ لگ گیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! آپ نے فرمایا "تمہیں کس نے روکا۔" یہ حدیث ابوداؤد اور طبرانی نے نقل کی ہے اور طبرانی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں "تمہیں کس نے روکا کہ تم مجھے لقمہ دیتے" اور اس کی اسناد حسن ہے۔

چونکہ نسخ کلام فی الصلوٰۃ کی طرح نسخ سلام فی الصلوٰۃ بھی ثابت ہے اور اشارہ فی الصلوٰۃ مکروہ ہے اس مناسبت سے ذیل میں علامہ صدرالدین غزیؒ کی ایک نظم درج کی جارہی ہے جسے نہر الفائق میں نقل کیا گیا ہے جس میں ان لوگوں کو جمع کیا گیا ہے جن پر سلام کرنا مکروہ ہے۔

مکروہات سلام پر علامہ صدرالدین کے اشعار

سَلَامُکَ مَکْرُوْہٌ عَلٰی مَنْ سَتَسْمَعُ ۔۔۔ وَمِنْ بَعْدِ مَا اُبْدِیْ یُسَنُّ وَیُشْرَعُ

مُصَلٍّ وَتَالٍ ذَاکِرٍ وَمُحَدِّثٌ ۔۔۔ خَطِیْبٌ وَمَنْ یُصْغِیْ اِلَیْھِمْ وَیَسْمَعُ

مُکَرِّرُ فِقْہٍ جَالِسٌ لِقَضَائِہٖ ۔۔۔ وَمَنْ بَحَثُوْا فِی الْعِلْمِ دَعْھُمْ لِیَنْفَعُوْا

مُؤَذِّنٌ اَیْضًا اَوْ مُقِیْمٌ مُدَرِّسٌ ۔۔۔ کَذَا الْاَجْنَبِیَّاتُ الْفَتِیَّاتُ اَمْنَعُ

وَلُعَّابُ شِطْرَنْجٍ وَشِبْہٌ بِخُلْقِھِمْ ۔۔۔ وَمَنْ ھُوَ مَعَ اَھْلٍ لَہٗ یَتَمَتَّعُ

وَدَعْ کَافِرًا اَیْضًا وَمَکْشُوْفَ عَوْرَۃٍ ۔۔۔ وَمَنْ ھُوَ فِیْ حَالِ التَّغَوُّطِ اَشْنَعُ

وَدَعْ اٰکِلًا اِلَّا اِذَا کُنْتَ جَائِعًا ۔۔۔ وَتَعْلَمُ مِنْہُ اَنَّہٗ لَیْسَ یَمْنَعُ

(۵۵۸) صلوٰۃ میں امام کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں مصنف کی غرض انعقاد باب اس مسئلہ کی توضیح ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ لقمہ دینے کی دو صورتیں ہیں لقمہ دینے والا مقتدی ہوگا یا غیر مقتدی اگر غیر مقتدی ہے تو لقمہ دینے سے نمازی کی نماز فاسد ہوجائے گی خواہ لقمہ دہندہ خارج ہو یا داخل صلوٰۃ دایں طور کہ وہ

اپنی کوئی نماز پڑھ رہا ہو) بلکہ اگر لقمہ دہندہ نماز میں ہو تو اس کی اپنی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیوں کہ یہ تعلیم و تعلّم ہے جو منافی صلوٰۃ ہے مقتدی کے اپنے امام کو بحالتِ صلوٰۃ لقمہ دینے میں دو مسلک ہیں۔

بیان مذاہب

(۱) لقمہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں علامہ خطابیؒ نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے حسن بصری، ابن سیرینؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) لقمہ دینا مکروہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کراہت مروی ہے امام شعبی اور سفیان ثوری بھی اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل

حدیث باب جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں باب الفتح علی الامام ج ۱ ص۱۳۱ میں تخریج کیا ہے قائلین جواز کا مستدل ہے کہ آپؐ نے سورۂ مومنون کی قراءت کی اندر کوئی کلمہ چھوٹ گیا تو آپؐ نے نماز سے فراغت کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم میں ابی بن کعب نہیں ہے؟ حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں قال فما منعك - یعنی آپ کو لقمہ دینے سے کس چیز نے روکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے لیے اپنے امام کو لقمہ دینا جائز ہے۔

قائلین کراہت کے دلائل اور جوابات

قائلین کراہت کا مستدل حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس کی تخریج امام ابو داؤد نے کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا علی! لا تفتح علی الامام فی الصلوٰۃ - جواب یہ ہے کہ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے جو حضرت ابی بن کعب کی حدیث کے ہم پایہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی اسناد میں حارث بن عبداللہ الکوفی الاعور ہے جس کو امام شعبی، سبیعی اور علی المدینی نے کاذب کہا ہے (ب) دوسرے یہ کہ یہ روایت منقطع ہے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق (جو اس کا راوی ہے) اس نے حارث اعور سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں اور زیر بحث حدیث ان چار میں سے نہیں ہے میزان الاعتدال میں حافظ شعبہ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ عجلی کے نزدیک تو وہ چار بھی کتابی ہیں نہ کہ بطریق سماع (ج) تیسرے یہ کہ بطریق ابو عبدالرحمن سلمی خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہ قال اذا استطعمکم الامام فاطعموہ حافظ نے تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے (د) چوتھے یہ کہ بتقدیر صحت لقمہ دینے کی ممانعت عدم ضرورت پر محمول ہے کہ بلا ضرورت لقمہ نہ دے۔

بَابٌ فِي الْحَدَثِ فِي الصَّلٰوةِ

۵۵۹۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدْ صَلٰوتَهُ۔ رَوَاهُ الثَّلٰثَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ۔

باب۔ نماز میں بے وضوء ہونا۔ ۵۵۹۔ حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی جب نماز میں پھسکی لگائے تو وہ لوٹ کر وضو کرے اور اپنی نماز لوٹائے۔
یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے، ترمذی نے اسے حسن اور ابن قطان نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۵۵۹ تا ۵۶۴) یہاں مصنف ان عوارض کا ذکر کر رہے ہیں جو عمل نماز جاری رکھنے سے مانع ہیں۔
حدث مزیل طہارت ایک شرعی وصف ہے جو اعضاء میں سرایت کرتا ہے (غایۃ البیان) اور جب تک کسی مزیل نجاست کو استعمال نہ کیا جائے اعضاء کے ساتھ قائم رہتا ہے جن چیزوں کے لیے طہارت شرط ہے ان کی ادائیگی سے مانع ہوتا ہے حدث ان عوارض میں سے ہے جو ہر حال میں مفسد صلوٰۃ نہیں ہے یہ کبھی غیر مفسد۔ حدث کی صورت میں از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز میں جس جگہ وضو ٹوٹ جائے وضو کے بعد وہیں سے شروع کر سکتا ہے جس کو شریعت کی زبان میں بنا کہتے ہیں باب ہذا کی غرض انعقاد مسئلۃ البناء کا بیان ہے۔

مسئلۃ البناء مسئلۃ البناء یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وضو کرے اور جہاں تک نماز ہو چکی تھی وہیں سے شروع کر کے پوری کرے اور اگر یہ امام ہو تو کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے خلیفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ جھکا ہوا ہاتھ سے اس طرح ناک دبائے ہوئے پیچھے ہٹ جائے کہ دیکھنے والوں کو نکسیر پھوٹنے کا خیال ہو یہی سنت ہے اور اپنے متصل اگلی صف سے اپنا خلیفہ آگے بڑھائے مگر کلام کے ساتھ نہیں بلکہ اشارہ سے اور خلیفہ کا کپڑا پکڑ کر آپ کی طرف کھینچے (فلاح)

بیان مذاہب (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک بنا علی الصلوٰۃ ناجائز ہے لہٰذا حدث کے پیش آ جانے کی صورت میں عندہ از سر نو نماز پڑھے امام مالکؒ اولاً جواز کے قائل تھے پھر رجوع کر لیا اور عدم جواز کا فتویٰ دیا۔

(۲) حنفیہؒ کے نزدیک بنا علی الصلوٰۃ جائز ہے ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں صحابہ کرام میں

۵۶۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَصَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَفِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ

۵۶۱۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَعَفَ انْصَرَفَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى وَلَمْ يَتَكَلَّمْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۶۰۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کو تے، نکسیر، الٹی یا مذی لاحق ہو جائے، تو وہ لوٹ کر وضو کرے، پھر اپنی پہلی نماز پر بنا کرے، جب کہ وہ اس دوران کلام نہ کرے۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے، زیلعی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

۵۶۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں نکسیر پھوٹتی، تو وہ جا کر وضو کرتے پھر لوٹ کر اسی نماز پر بنا کرتے اور کلام نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث مالکؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

سے حضرت عمرؓ، علیؓ، ابوبکرؓ، سلمان فارسیؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ اور تابعین میں سے علقمہؒ، طاؤسؒ، سالمؒ، عبداللہؒ، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاءؒ، مکحولؒ، سعید بن المسیبؒ سے یہی مسلک روایت کیا ہے دیگر حضرات نے صحابہ میں عثمانؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ سے بھی یہی روایت کیا ہے امام اوزاعیؒ، ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰ، سلیمان بن یسارؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمانؒ کا قول بھی یہی ہے دیکھئے بہمہ قدر ۲، بعض نے اسے صحابہ کا اجماع قرار دیا ہے امام نوویؒ نے بہت کوشش کے بعد صرف حضرت مسور بن مخرمہ کا خلاف نکالا ہے بشرطیکہ وہ بھی صحیح ہو۔

شوافعؒ کے دلائل اور جوابات

(۱) باب کی پہلی روایت ۵۵۹ علی بن طلقؓ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۳، ترمذی ج ۱ ص۲۴، اور دار قطنی ج ۱ ص۱۵۳ میں تخریج کیا گیا ہے جس میں صراحۃً ولیعد صلوٰتہ کا امر ہے حنفیہ حضرات اس سے جواب یہ کہتے ہیں کہ علی بن طلقؓ کی اس روایت کے متعلق ابن حبان نے صحیح میں کہا ہے کہ اس میں ولیعد صلوٰتہ کے الفاظ سوائے جریر کے اور کسی نے ذکر نہیں کیے اور جریر کی بابت حافظ بیہقی نے نقل

۵۶۲ - وَعَنْهُ قَالَ إِذَا رَعَفَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ أَوْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ أَوْ وَجَدَ مَذْيًا فَإِنَّهُ يَنْصَرِفُ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُتِمُّ مَا بَقِيَ عَلٰى مَا مَضٰى مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

---

۵۶۲ - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جب آدمی کو نماز میں نکسیر پھوٹ پڑے یا قے غالب آ جائے یا وہ مذی پائے تو وہ جاکر وضو کرے پھر لوٹ کر بقایا نماز اسی پر بنا کر کے پوری کرے، جب اس نے کلام نہ کیا ہو۔ یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کیا ہے کہ جریر کو اس کے آخر عمر میں سوء حفظ کی طرف منسوب کیا گیا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان ذکی نہیں تھا ابن القطانؒ کہتے ہیں کہ علی بن طلقؓ کی حدیث صحت کو نہیں پہنچی کیوں کہ اس کا راوی مسلم بن سلام مجہول الحال ہے (غایۃ السعایہ) اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس میں بنا سے ممانعت نہیں ہے جو دوسری احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے اس کے تو احناف بھی قائل ہیں کہ از سر نو پڑھنا افضل ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اذا رعف احدکم فی صلاتہ فلینصرف فلیغسل عنہ الدم ثم لیعد وضوءہ ولیستقبل صلاتہ (طبرانی دار قطنی ابن عدی) حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ حدیث ابن عباس کی اسناد میں سلیمان بن ارقم راوی ضعیف ہے ابن عدی الکامل میں اس کی تخریج کے بعد امام احمدؒ ابوداؤدؒ امام نسائیؒ شیخ یحییٰ ابن معینؒ اور امام بخاریؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ متروک ہے۔

شوافع کے عقلی دلائل اور جوابات

محدث کبیر سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ نے حقائق السنن ج اص۱۷۱ میں شوافع کے عقلی دلائل اور احناف کے جوابات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو من وعن نذر قارئین ہے۔

۱۔ سنن ترمذی کی روایت لا تقبل صلوٰۃ بغیر طہور (باب ما جاء لا تقبل صلاۃ بغیر طہور) سے شوافع حضرات احناف کے خلاف "مسئلہ البناء علی الصلوٰۃ" کے عدم جواز پر دو طریقوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ا۔ جب کسی کو صلوٰۃ میں حدث لاحق ہو گیا تو بناء علی الصلوٰۃ کی صورت میں لازماً اس کو طہارت کے لیے آنا جانا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جس قدر وقت بھی طہارت کے بغیر گزرتا ہے لامحالہ یہ وقت حکماً گویا

۵۶۳- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فِي بَطْنِهِ
رِزًّا أَوْ قَيْئًا أَوْ رُعَافًا فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ.
رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۵۶۴- وَعَنْهُ قَالَ إِذَا جَلَسَ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ أَحْدَثَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ
رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي السُّنَنِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۵۶۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تم میں سے جب کوئی اپنی نماز کے دوران اپنے پیٹ میں ہوا محسوس کرے قے یا نکسیر پائے تو لوٹ کر وضو کرے، پھر اپنی نماز پر بنا کرے، جب تک اس نے کلام نہیں کیا۔
یہ حدیث دار قطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۵۶۴- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "جب کوئی شخص تشہد کی مقدار بیٹھ گیا، پھر وہ بے وضو ہو گیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی" یہ حدیث بیہقی نے سنن میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے

صلوٰۃ بغیر طہارت کے ہے جو حدیث باب کی رو سے ناجائز ہے۔ ۲۔ دوران صلوٰۃ طہارت کے لیے ایاب و ذہاب (آنا جانا) عمل کثیر ہے جب کہ عمل کثیر کے تخلل سے صلوٰۃ فاسد ہو جاتی ہے نیز اگر یہ ایاب و ذہاب صلوٰۃ یا جزء صلوٰۃ نہیں ہے تو پھر اس میں تکلم بھی جائز ہونا چاہیئے۔ احناف کی طرف سے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے جاتے ہیں (۱) احناف بناء علی الصلوٰۃ کے جواز کے اس صورت میں قائل ہیں جہاں حدث طاری ہو لہٰذا اس کو حدث بالعمد پر قیاس کرنا یا اس سے ملحق کرنا صحیح نہیں۔ ۲۔ حدث کے لاحق ہونے کے بعد طہارت کے لیے "ایاب و ذہاب" نہ صلوٰۃ ہے اور نہ صلوٰۃ کا جزو ہے اس لیے ایسے شخص کو جسے حدث لاحق ہو گیا ہے صلوٰۃ وہاں سے ادا کرنی ہو گی جہاں پر اس نے چھوڑ دی ہے۔ اگر حدث لاحق ہونے سے بعد ایاب و ذہاب بھی صلوٰۃ یا جزء صلوٰۃ ہوتا تو یہ وقت اور ایاب و ذہاب بھی حکماً صلوٰۃ شمار ہوتے۔ اور ایسا شخص حکماً امام ہی کی اقتداء میں ہوتا اور نماز بھی اس کی ویسی ہوتی جیسا امام کی ہے۔ ایسی صورت میں اشکال لازم آتا کہ صلوٰۃ کا ایک حصہ بغیر طہارت کے ادا ہوا ہے چونکہ ایاب و ذہاب صلوٰۃ کا حصہ نہیں اس لیے اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ ۳۔ محدث کی نماز کا بناء علی الصلوٰۃ کی صورت میں عمل کثیر سے فاسد نہ ہونا اور اس دوران ایاب و ذہاب اور کلام کا ممنوع ہونا دونوں حدیث عائشہ (۵۶۰) جسے امام نیموی نے اسی باب میں دوسرے نمبر پر نقل کیا ہے سے مرفوعاً ثابت ہیں: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ

ثم لیبنی علی صلاتہ وھو فی ذلک لا یتکلم رواہ ابن ماجہ الباب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا منک باب ماجاء فی البناء علی الصلاۃ) باقی رہا مسئلہ ایاب وذھاب کا۔ تو یہ نہ تو صلاۃ سے نہ جزء صلاۃ اور نہ منافی صلاۃ ہے۔ بلکہ اس کی نظیر وہی ہے جو صلاۃ الخوف کے بارے میں قرآن میں منصوص ہے۔ صلاۃ الخوف میں طائفتین کے لیے ایاب وذھاب ثابت ہے اور ایاب وذھاب کے ہوتے ہوئے بھی قرآن نے ان کی نماز کو صحیح قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے دلائل

علی بن طلق کی روایت کے بغیر باب ہذا کی تمام روایات حنفیہ کا مستدل ہیں ان میں حدیث عائشہؓ قوی ترین مستدل ہے جس کی اجمالی بحث اس سے قبل بھی عرض کر دی گئی ہے اس کی مزید توضیح بھی ملاحظہ فرمادیں۔

حدیث عائشہ کی مزید بحث

دفی اسنادہ مقال مصنف اس سے ان مباحث کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو بعض شارحین حدیث نے مسلک احناف پر اشکال اور جواب اشکال کی صورت مزید روشنی ڈالی ہے کہ احناف جس حدیث مرفوع سے بنا علی الصلاۃ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ مثلاً ابن ماجہ میں یہ روایت اسماعیل بن عیاش عن ابن جریج کے طریق سے آئی ہے جب کہ اسماعیل بن عیاش کی روایت ان لوگوں سے جو شامی نہ ہوں مقبول نہیں (نصب الرایہ ج ۱ ص۳۸) اور یہاں ابن جریج حجازی ہیں۔ عبدالرزاق کی روایت میں سلیمان بن ارقم متروک ہیں اس لیے حدیث قابل اعتماد نہیں۔ مگر اس کا جواب کئی طرح دیا گیا ہے۔ حدیث عائشہ مرفوع ہے اور متعدد طرق سے مروی ہے جب ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو اس کا حکم حسن لغیرہ کا ہے جس سے استدلال صحیح ہے۔ سنن دارقطنی اور ابن ابی حاتم کی علل الحدیث میں یہی حدیث ابن ابی ملیکہ سے مرسلاً بھی مروی ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ امام بیہقیؒ نے بھی یہ حدیث ابن جریج عن ابیہ کے طریق سے مرسلاً روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے جب کہ مرسل احادیث ہمارے اور جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہیں۔ ۲۔ بہت سے موقوفات اور اقوال صحابہ (جو حکماً مرفوع ہیں) سے حدیث مستدل کی تائید ہوتی ہے مثلاً حضرت علیؓ فرماتے ہیں اذا وجد احدکم فی بطنہ اذًا او قیئاً او رعافاً فلینصرف فلیتوضا ثم لیبن علی صلوتہ مالم یتکلم۔ سنن دارقطنی کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الخارج من البدن ج ۱ ص۱۵۶ جسے امام نوویؒ نے (۶۳ ۵) نمبر میں درج کیا ہے اس کے علاوہ بھی احادیث کے کتب میں صحابہ سے اس قسم کے بہت سے آثار منقول ہیں چونکہ صحابہ کے موقوفات واقوال حکماً مرفوعات ہیں جو مسئلہ زیر بحث کی مکمل تائید کرتے ہیں اس لیے حدیث زیر بحث سے استدلال من کل الوجوہ صحیح ہے جیسا کہ باب ہذا میں عبداللہ بن عمرؓ سے دو روایات ۶۱ ۵ اور ۶۲ ۵ مروی

بَابٌ فِي الْحَقْنِ

۵۶۵۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۶۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّذْهَبَ إِلَى الْخَلَاءِ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

باب۔ نماز میں پیشاب پاخانہ روکنے کے بارے میں۔ ۵۶۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کھانے کی موجودگی میں (جب کہ بھوک خوب ہو) نماز نہیں اور نہ جب کہ دو خبیث چیزیں (بول و براز) اُسے پریشان کر رہی ہوں۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۶۶۔ حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم میں سے جب کوئی بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ کرے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے۔" یہ حدیث اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ہیں پہلی روایت کو مؤطا امام مالک کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی الرعاف والقئ ص ۲۷ اور دوسری روایت کو مصنف عبدالرزاق کتاب الصلاۃ باب الرجل یحدث ثم یرجع قبل ان یتکلم میں تخریج کیا گیا ہے اسی باب ہذا کی آخری روایت ۵۶۴ بھی احناف کی مؤید ہے جسے امام بیہقی نے السنن الکبری کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۱۷۳ باب تحلیل الصلاۃ بالتسلیم۔ میں نقل کیا ہے۔

(۵۶۵ تا ۵۶۷) قیام صلاۃ کے وقت قضائے حاجت یا شدت بھوک سے نماز میں خلل آتا ہے توجہ بٹتی ہے عبادت میں جی نہیں لگتا شرعاً اس کا حکم کیا ہے انعقاد باب سے مصنف اس مسئلہ کی توضیح کرنا چاہتے ہیں باب ہذا کی تینوں روایات کا مفہوم لفظی ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے پہلی روایت ۵۶۵ حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے جسے امام مسلم نے کتاب المساجد باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام ج ص ۲۰۸ میں تخریج کی ہے عبداللہ بن ارقم رضہ کی روایت ۵۶۶ کو امام ترمذی نے ابواب الطھارۃ باب ماجاء اذا اقیمت الصلاۃ ووجد احدکم الخلاء ج ۱ ص ۲۱ میں نقل کیا ہے تیسری روایت ۵۶۷ حضرت ثوبان رضہ سے

۵۶۷ - وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصُّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ وَلَا يُصَلِّيْ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَاٰخَرُوْنَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

---

۵۶۷ - حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزیں کسی کے لیے بھی کرنی روا نہیں، ایسا شخص لوگوں کو امامت نہ کرائے، جو انہیں چھوڑ کر صرف اپنے لیے ہی دعا مانگے، اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اُن سے خیانت کی ہے، اجازت لینے سے پہلے کسی گھر کے صحن میں نہ دیکھے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گویا کہ گھر داخل ہو گیا، اور نہ نماز پڑھے، جب کہ وہ بول و براز روکے ہوئے ہو یہاں تک کہ وہ ہلکا ہو جائے" یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲ ترمذی ج ۱ ص ۴۸ میں روایت کیا گیا ہے۔ اگلا باب بھی اسی مقصد کے لیے منعقد کیا گیا ہے دونوں ابواب میں حوائج ضروریہ کی وجہ سے ترک جماعت کا حکم بیان کیا گیا ہے محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہو جانے کے وقت قضائے حاجت کے تقاضے کی تین صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے۔

(۱) قیام صلوٰۃ کے وقت بول و براز کا تقاضا شدید ہے۔ اور تشویش کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو ایسی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب نماز کا وقت فوت نہ ہوتا ہو اور اگر قضائے حاجت سے نماز کا وقت فوت ہوتا ہے۔ تو پھر اہون البلیتین کو اختیار کرے گا کیونکہ ترک صلوٰۃ حرام ہے اور پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو پہلے کی نسبت اہون ہے اس لیے اس کا اختیار کرنا ضروری ہے نماز کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنی چاہیئے۔

(۲) قضائے حاجت کا تقاضا شدید نہیں اور مدافعت اضطراب کی حد تک نہیں پہنچی البتہ تقاضا اس قدر ہے کہ نماز سے توجہ ہٹتی ہے۔ اور انابت اور توجہ الی اللہ حاصل نہیں ہوتی تو ایسی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے یہی بہتر ہے کہ حاجت سے فارغ ہو کر بعد فراغ قلب، اطمینان اور دلجمعی سے نماز پڑھے۔

مندرجہ بالا ہر دونوں صورتوں میں ترک جماعت کا عذر ہے جو عند الشرع معتبر ہے حنفیہ حضرات کے نزدیک ترک

بَابٌ فِي الصَّلٰوةِ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ

۵۶۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ کھانے کی موجودگی میں نماز۔ ۵۶۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا لگا دیا گیا ہو، اور نماز کھڑی ہو جائے، تو تم پہلے کھانا کھا لو، جلدی مت کرو، یہاں تک کھانے سے فارغ ہو جاؤ، یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

جماعت سے کے جو جیں اعذار کئے گئے ہیں ان میں ایک مدافعۃ الاخبثین بھی ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تقاضائے حاجت کا تقاضا ہو یا منافئ بطن کی وجہ سے محض خیال ہو اور صلوٰۃ میں انابت اور توجہ الی اللہ سے توجہ ہٹتی ہو تو ایسی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور بعض حضرات (امام مالکؒ) نے مدافعت الاخبثین کی صورت میں نماز پڑھنے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے۔ اور وجہ یہ قرار دی ہے کہ اس وقت نجاست اپنے محل سے متجاوز ہو جاتی ہے اور نماز پڑھنے والا گویا حامل النجاست ہوتا ہے اور مصلی کے حمل نجاست کی صورت میں نماز جائز نہیں۔ مگر جمہور نے اس توجیہ کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ نجاست اگرچہ معدہ اور محل سے متجاوز ہو جاتی ہے مگر جب تک خارج نہ ہو تب تک مصلی پر حامل النجاست کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ تجاوز عن المحل کا اعتبار نہیں بلکہ خروج کا ہے۔

(۵۶۸ تا ۵۶۹) باب کی دونوں روایات میں قیام صلوٰۃ کے وقت جب کھانا سامنے آجائے تو حکم کیا ہے اس کا بیان ہے پہلی روایت ۵۶۸ حضرت ابن عمر رضؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب الاذان باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلوٰۃ ج ۱ ص۹۲ اور امام مسلم نے کتاب المساجد باب کراھۃ الصلوٰۃ بحضرۃ الطعام ج ۱ ص۲۰۸ میں نقل کیا ہے دوسری روایت ۵۶۹ حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے جو بحوالہ مندرجہ بالا صحیحین میں نقل کیا گیا ہے لہٰذا جب کھانا سامنے آجائے یا کھانے کا شدید تقاضا ہو تو صلوٰۃ میں خشوع اور خضوع اور توجہ الی اللہ میں مخل ہو تو اس کا حکم یہی ہے کہ اولاً کھانے سے فارغ ہو لے پھر اطمینان اور فراغ قلب سے نماز پڑھ لے سیدی استاذی المحترم حضرت العلامہ مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان میں عام طور پر ماہ صیام میں نماز سے قبل افطاری کے

۵۶۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ۔ أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ۔

۵۶۹۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، جب کھانا لگا دیا گیا ہو اور نماز کھڑی کر دی جائے، تو پہلے کھانا کھا لو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

یہ پانچ چھ منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے جس سے اس قدر اشباع ہو جاتا ہے کہ نماز میں توجہ کھانے کی طرف نہیں بٹتی (حقائق السنن ج ۱ ص ۴۴۲) امام اعظم ابوحنیفہ کا ارشاد ہے لان یکون اکلی کلہ صلوٰۃ احب الیّ من ان یکون صلوٰتی کلہا اکلا۔ اور آج کل حرمین شریفین میں بھی رمضان المبارک میں افطاری کے وقت تقریباً دس منٹ کے وقفے کا معمول ہے جس سے صائمین اطمینان سے افطاری کر لیتے ہیں پھر اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں۔

ترک جماعت کے اعذار پر ابن عابدین شامی کے اشعار

علامہ ابن عابدین شامی (رح ۱ ص ۲۷۶) نے ترک جماعت کے بیس اعذار کو نظم کیا ہے۔

اعذار ترک جماعۃ عشرون قد — اوردتہا فی عقد نظم کالدرر

مرض واقعاد وعمی وزمانۃ — مطر وطین ثم برد قد اضر

قطع لرجل مع ید او دونہا — فلج وعجز الشیخ قصد للسفر

خوف علی مال کذا من ظالم — او دائن وشھی اکل قد حضر

والریح لیلا ظلمۃ تمریض ذی — الم مدافعۃ لبول او قذر

ثم اشتغال بغیر الفقہ فی — بعض من الاوقات عذر معتبر

احادیث باب کا ”لاتؤخروا الصلوٰۃ لطعام“ سے تعارض اور اس کے جوابات

چونکہ حدیث باب میں اذا وضع العشاء واقیمت الصلوٰۃ فابدءوا بالعشاء اس قسم کے الفاظ وارد ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو کھانے کے لیے مؤخر کرنا جائز ہے اور یہ بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے واسطے نماز کو مؤخر کیا جائے، نیز شرح السنۃ کی روایت میں ہے، (جیسا کہ مشکوٰۃ میں بھی منقول ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تؤخروا الصلوٰۃ لطعام ولا لغیرہ، تو ان عقلی ونقلی دلیلوں کا تقاضا یہ ہے کہ مؤخر نہ کرے، اب ان

بَابُ مَا عَلَى الْإِمَامِ

۵۷۰۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ امام پر کیا لازم ہے؟ ۵۷۰۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے، تو ہلکی نماز پڑھائے، بااشبہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

دونوں میں تعارض ہوگیا، جس کی بناء پر علماء کو توجیہ کی ضرورت پیش آئی چنانچہ (۱) شافعیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مذکور فی الباب فساد طعام پر محمول ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کھانے کے خراب ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت اجازت ہے، یہ اصل توجیہ امام غزالی کی ہے، مگر چونکہ وہ شافعی ہیں، اس لیے ان کی طرف نسبت کر دی، (۲) اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ قلتِ طعام پر محمول ہے، کہ کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں اور یہ ڈر ہو کہ اگر نماز پڑھنے چلا گیا تو سارا کھانا ختم کر دیں گے تو اس وقت کھانا کھا لے پھر نماز پڑھے (۳) اور حنفیہ و حنابلہ فرماتے ہیں کہ اجازت اس وقت ہے جب کہ شغلِ قلب کا اندیشہ ہو یعنی اگر نہ کھائے گا تو اس کا خیال کھانے کی طرف لگا رہے گا۔ اگر ایسی صورت ہو تو اولاً کھانا کھا لے پھر نماز پڑھے، اسی طرف امام بخاری کا بھی میلان ہے، کیونکہ حضرت ابوالدرداء کا انہوں نے مقولہ نقل کیا ہے جس میں ہے، حتی يقبل على صلوته وقلبه فارغ

(۴) حضرت امام طحاوی اپنی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں کہ یہ صائم کے ساتھ خاص ہے، اور صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ خاص یعنی مغرب کی نماز ہے بعض روایات میں قبل ان تصلوا صلوٰۃ المغرب کا جملہ امام طحاوی کی تائید کرتا ہے، اور جہاں عشاء کا لفظ آتا ہے، وہاں اس سے مراد مغرب ہے، کیونکہ عشاء کا اطلاق مغرب پر بھی ہوتا ہے۔

(۵۷۰ تا ۵۷۵) اس باب کے تحت وہ احادیث لائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدیوں کی رعایت کے لحاظ سے امام کے لیے کیا چیزیں ضروری ہیں۔

مقتدیوں کی رعایت کی ہدایت | صحابہ کرام جو اپنے اپنے قبیلہ یا محلہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے

۵۷۱ - وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا یُطِیْلُ بِنَا فَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْہُ یَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْکُمْ مُنَفِّرِیْنَ فَاَیُّکُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْہِمُ الضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَذَا الْحَاجَۃِ - رَوَاہُ الشَّیْخَانِ -

---

۵۷۱ - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا خدا کی قسم اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نصیحت میں اس دن سے زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا "تم میں سے بعض لوگوں کو بھگانے والے ہیں، جو بھی تم سے لوگوں کو نماز پڑھائے، تو ہلکی نماز پڑھائے بلاشبہ ان میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

تھے اپنے عبادتی ذوق وشوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار کمزور بوڑھے اور تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی اسی غلطی کی اصلاح کے لیے آپ نے مختلف مواقع پر اس بات کی ہدایت فرمائی کہ ائمہ اس بات کا لحاظ رکھیں مقتدیوں میں جو معذور ہوں ان کو طول قراءت سے اذیت نہ پہنچے یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سی سورتیں پڑھی جائیں اور رکوع وسجدہ میں تسبیحات تین دفعہ سے زیادہ نہ پڑھی جائیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لیے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے۔

احادیث باب کی تشریح

باب کی پہلی روایت ۵۷۰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح ج ۱ ص۹۷ اور مسلم نے ج ۱ ص۱۸۸ میں تخریج کیا ہے اس کی مراد وہی ہے جو تمہید میں عرض کردی گئی ہے امام نماز کو اس قدر طویل نہ کرے کہ مقتدی پریشانی اور تکلیف سے بچنے کے لیے جماعت میں شریک ہونا چھوڑ دیں ان کی رعایت کے پیش نظر نماز ہلکی پڑھانی چاہیے ہاں اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے جس قدر چاہے طویل نماز پڑھے۔

(۲) باب کی دوسری روایت ۵۷۱ حضرت ابو مسعودؓ سے منقول ہے اسے صحیحین سے بحوالہ مندرجہ بالا نقل کیا ہے یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں

۵،۲- وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلوٰةً وَّلَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهُ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۵،۳- وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَقُوْمُ فِي الصَّلٰوةِ اُرِيْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِيْهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمِّهِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

۵،۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز کبھی بھی کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی، آپ جب بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو ہلکا فرما دیتے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اس کی ماں آزمائش میں پڑے گی (یعنی اس کی توجہ ادھر مبذول ہوگی)

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۵،۳- حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں، چاہتا ہوں کہ اس میں قراءۃ طویل کروں، بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز میں اختصار کر لیتا ہوں اس بات کو ناپسند سمجھتے ہوئے کہ اس کی ماں مشقت میں پڑے گی" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیحین میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مروی ہے کہ وہ نماز عشاء دیر کر کے پڑھاتے تھے ایک مرتبہ اس میں سورۂ بقرہ کی قراءت شروع کر دی مقتدیوں میں ایک بے چارے جو دن بھر کے کام سے تھکے ہارے تھے نیت توڑ کے اپنی الگ نماز پڑھی اور چلے گئے معاملہ آپؐ تک پہنچا تو حضور ؐ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا اَفَتَّانٌ اَنْتَ يَا مُعَاذُ اے معاذ! کیا تم لوگوں کے لیے باعث فتنہ بننا چاہتے ہو؟ آگے اسی حدیث میں ہے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى اور سورۂ ضحیٰ اور سورۃ اعلیٰ یہ سورتیں پڑھا کرو (مشکوٰۃ باب ما علی الامام)

(۳) باب کی تیسری روایت حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جسے بخاری نے ج ا ص ۹۸ میں اور مسلم نے ج ا ص ۱۸۸ میں تخریج کیا ہے مقصد یہ ہے کہ امام کے لیے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اس کی نماز ہلکی پھلکی بھی ہو اور ساتھ ہی مکمل اور تام بھی یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو۔ جیسا کہ اس حدیث میں واضح ہے کہ آپؐ کی قراءت ہلکی ہوتی تھی اور رکوع و سجود نیز تعدیل ارکان وغیرہ میں

۵۷۴- وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۷۵- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصّٰٓفّٰتِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۵۷۴- حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے کہا، آخری عہد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لیا، وہ یہ تھا کہ جب تو کسی قوم کو امامت کرائے، تو ان کو ہلکی نماز پڑھائے یہ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۷۵- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز کو ہلکا کرنے کا حکم فرماتے، اور آپ ہمیں سورۃ والصّٰٓفّٰت کے ساتھ امامت کراتے ؟

یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بعض فقہی مسائل کا استنباط

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو ہلکی کر دیا کرتے تھے تاکہ اس بچے کی ماں جو جماعت میں شامل ہوتی بچے کی طرف سے فکر میں نہ پڑ جائے اور جس کی وجہ سے اس کی نماز کا حضور اور خشوع و خضوع ختم ہو جائے۔

خطابی رحمہ اللہ نے اس جملہ کی تشریح میں کہا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام رکوع میں ہونے کی حالت میں اگر آہٹ پائے کہ کوئی شخص نماز میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ رکوع میں اس شخص کا انتظار کرے تاکہ وہ شخص رکعت حاصل کرے مگر بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے والے کے بارہ میں یہ خوف ہے کہ وہ کہیں شرک کی حد تک نہ پہنچ جائے چنانچہ یہی مسلک حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر امام رکوع کو تقرب الی اللہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس مقصد سے طویل کرے گا کہ کوئی آنے والا شخص رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا بلکہ اس سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے تاہم کفر و شرک کی حد تک نہیں پہنچے گا کیونکہ اس سے اس کی نیت غیر اللہ کی عبادت بہر حال نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا نہیں ہے تو اس شکل میں رکوع کو طویل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے ہاں اگر کوئی امام تقرب الی اللہ کی نیت سے رکوع کو طویل کرے اور اس پاک جذبہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت کا ہونا چونکہ نادر ہے اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا نام ہی "مسئلہ ریا" ہے اس لیے اس سلسلہ میں کمال احتیاط ہی اولیٰ ہے۔ (مظاہر حق ملخصاً)

(۴) حضرت ابو قتادہ کی روایت ۳، ۵ کا بھی وہی مفہوم ہے جو ماقبل کی حدیث کا ہے اسے بھی امام بخاری نے ج ۱ صـ۹۸ میں تخریج کیا ہے۔

(۵) حضرت عثمان بن ابی العاص کی روایت ۴، ۵ امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ صـ۱۸۷ میں نقل کی ہے صحیح مسلم میں ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل مذکور ہے وہ یوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے آنحضرت نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ! (جب میں آپ کے قریب آگیا تو) آپ نے مجھے آگے بٹھایا اور میرے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیر دو میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کر دی چنانچہ آپ نے میری پشت پہ دونوں مونڈھوں کے درمیان اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ جاؤ اور اپنی قوم کی امامت کرو اور یہ یاد رکھو کہ جب کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ اس میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی ان میں کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور حاجت مند بھی ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب ماعلی الامام)

حدیث ابن عمرؓ کے دونوں اجزاء کے بظاہر تعارض کا حل

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت ۵، ۵ کو امام نسائی نے کتاب الامامۃ والجماعۃ باب الرخصۃ للامام فی التطویل ج ۱ صـ۱۳۲ میں تخریج کیا ہے۔

حدیث کے دونوں اجزاء میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور دوسری طرف خود امامت کرتے وقت سورۃ صافات کی قراءت فرماتے جو ایک طویل سورۃ ہے اس تعارض کو دفع کرنے کے لیے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ لمبی لمبی سورتیں اور بہت زیادہ آیتیں بہت کم عرصہ میں پڑھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو کوئی گرانی اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتی اس طرح دونوں اجزاء میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا (مظاہر حق)

بَابُ مَا عَلَى الْمَأْمُومِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ

۵۷۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

باب۔ مقتدی پر نماز میں امام کی کتنی پیروی ضروری ہے۔ ۵۷۶۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی کیوں نہیں ڈرتا اس بات سے کہ جب وہ اپنا سر امام سے پہلے اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دے"

یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

(۵۷۶ تا ۵۷۸) اس باب کے تحت مصنف نے ان احادیث کا اندراج کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی تابعداری کتنی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ مقتدی کو امام کی متابعت کن چیزوں میں اور کس طرح کرنی چاہیئے۔

مقتدی کے لیے امام کی متابعت اجمالاً گذارش ہے کہ نماز کے ان ارکان میں جو فرض یا واجب ہیں تمام مقتدیوں کو امام کی متابعت و موافقت کرنا واجب ہے ہاں ان ارکان میں جو سنت وغیرہ ہیں مقتدیوں کے لیے امام کی متابعت ضروری نہیں چنانچہ اگر امام شافعیؒ المذہب ہو اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرے تو حنفی مقتدی کو رفع یدین کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان دونوں موقعوں پر رفع یدین ان کے نزدیک بھی سنت ہے اس طرح فجر کی نماز میں امام شافعی المذہب قنوت پڑھے تو حنفی مقتدیوں کے لیے قنوت پڑھنا واجب نہیں ہاں وتر میں قنوت پڑھنا چونکہ واجب ہے لہٰذا شافعی المذہب امام اگر اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو بھی امام کی متابعت و موافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہیے۔

احادیث باب کی تشریح (۱) باب کی پہلی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بخاری نے ج ۱ صفحہ ۹۶ مسلم نے ج ۱ صفحہ ۱۸۱ نسائی نے ج ۱ صفحہ ۱۳۲ ترمذی نے ج ۱ صفحہ ۱۲۴ اور ابوداؤد نے ج ۱ صفحہ ۹۱ میں تخریج کیا ہے۔

ترجمۃ الباب میں صنیع بخاری امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کے لیے باب

۷۷۵۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِّنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُوْدًا بَعْدَهُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۷۵۔ عبداللہ بن یزید نے کہا مجھ سے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ سچے ہیں، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے ہم میں سے کوئی اپنی پشت نہ جھکاتا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں نہ چلے جاتے، پھر ہم آپ کے بعد سجدہ میں گرتے۔
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

باثم من رفع راسه قبل الامام کا ترجمۃ الباب قائم کیا ہے غالباً وہ لفظ اثم سے اس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں وعید باعتبار اثم کے ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہو ظاہریہ کا مذہب ہے اور حنابلہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ جو کوئی امام سے قبل رکوع وسجدہ سے سر اٹھائے تو اس کی نماز باطل ہے جمہور کے نزدیک یہ فعل مکروہ ہے مگر پھر بھی نماز ہو جائے گی (تقریر بخاری جلد سوم ص۴۹)

روایت ابوہریرہؓ میں حرف او کا مصداق

او یجعل اللّٰہ یہ او شک کے لیے ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شک حدیث کے راوی شعبہ کو ہوا اور ان یجعل اللّٰہ راسه راس حمار اور یجعل اللّٰہ صورته صورۃ حمار میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے اس لیے کہ جب صورت بدلے گی تو سر بدل جائے گا جب سر بدل جائے گا تو صورت بھی بدل جائے گی۔

امت محمدیہ میں مسخ صورت کا مسئلہ

اب یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر۔ اس میں دو قول آتے ہیں جو لوگ مجاز پر محمول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے بلادت وحمق سے کیوں کہ حمار حمق کے ساتھ مشہور ہے اور جو حقیقت مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حقیقت کے ماننے میں کوئی استحالہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اب ان پر اشکال ہوگا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاما میں مسخ واقع ہوگا حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت مسخ سے محفوظ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن روایات میں مسخ کی نفی

۵۷۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُکُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّکُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِیَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۵۷۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب آپ نے پوری نماز فرمائی تو اپنے چہرہ مبارک کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے، آپ نے فرمایا "اے لوگو! بلاشبہ میں تمہارا امام ہوں، پس تم رکوع وسجود اور سلام میں مجھ سے سبقت نہ کرو، بلاشبہ میں تمہیں اپنے سامنے اور پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کی گئی ہے اسی سے مسخ عمومی مراد ہے اور عموم کی نفی سے فرد خاص کی نفی لازم نہیں آتی۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس امت میں مسخ جائز ہے لہٰذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز ہے علامہ ابن حجرؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لیے جو مسخ ممتنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسخ صورت کی ایک عبرتناک مثال

مظاہر حق ج ۱ ص ۶۸۹ میں مسخ صورت کا ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

علامہ ابن حجرؒ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرتناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم وفضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لینا شروع کیا مگر حصول علم کے دوران یہ واقعہ طالب علم کے لیے بڑا حیرتناک بنا رہا کہ استاذ اس پوری مدت میں کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا بوقت درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا، ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے چہرے کی زیارت تو کریں، چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گذر گیا اور اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح حامل ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حائل پردہ کو اٹھا دیا ان کی حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ وہ جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم وفضل کی شہرت

چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرہ سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے کے منہ جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جواب دیا کہ اسے بیٹے اور اس سے عبرت حاصل کیجیے۔ اس نے کہا۔

اے میرے بیٹے نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلے میں امام پر پہل کرنے سے بچنا! میں نے جب یہ حدیث سنی کہ کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہٗ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا، تو مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے اسے بعید از امکان تصور کیا، چنانچہ (یہ میری بدقسمتی کہ میں نے تجربہ کے طور پر) نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تمہارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملا علی قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے۔ یا یہ کہ ——— ایسے شخص کو برزخ یا دوزخ میں اس عذاب کے اندر مبتلا کیا جائے گا۔

(۴) حضرت براءؓ کی اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الاذان باب متی یسجد من خلف الامام ج ۱ ص۹۵ اور مسلم نے ج ۱ ص۱۸۹ میں تخریج کیا ہے۔

تشریح حضرت براءؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سجدہ میں نہیں چلے جاتے تھے بلکہ کھڑے رہتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اپنی مبارک پیشانی رکھ دیتے تو ہم سجدہ میں جاتے۔ مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی نماز کے ارکان امام کی نماز کے ارکان کے اتنا قدر بعد ادا کرے اور اگر امام کے افعال صلوٰۃ اور مقتدی کے افعال صلوٰۃ کے درمیان ادائیگی کا اتنا وقفہ نہ ہو تو بھی جائز ہے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت مقتدی کے لیے اتنا وقف کرنا ضروری ہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہیں۔

لیکن حنفی فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی مقتدیوں کو ہر رکن امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا چاہیئے، تحریمہ بھی امام کی تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے رکوع کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومہ کے ساتھ، سجدہ بھی امام کے سجدہ کے ساتھ غرض کہ ہر فعل امام کے ہر فعل کے ساتھ کریں۔

ہاں رکوع و سجود میں اگر مقتدیوں نے تسبیح تین مرتبہ بھی نہ پڑھی ہوں اور امام سر اٹھائے تو صحیح مسئلہ یہی ہے کہ مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ تسبیح پڑھے بغیر ہی امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اگر

مقتدی رکوع یا سجدہ سے اپنا سر امام کے سر اٹھانے سے پہلے اٹھائیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں اور پھر امام کے ساتھ ہی اپنا سر اٹھائیں اس طرح یہ رکوع یا سجدے دو نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی شمار ہوں گے۔

ہو ضمیر کا مرجع؟ وھو غیر کذوب اس میں اختلاف ہے کہ یہ مقولہ کس کا ہے، اور ہو کا مصداق کون ہے۔ محققین علماء حافظ ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت براء کے شاگرد کا مقولہ ہے اور ہو کی ضمیر حضرت براء کی طرف راجع ہے، اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ حضرت براء کے تلمیذ کے تلمیذ کا مقولہ ہے، اور ہو کی ضمیر حضرت براء کے تلمیذ کی طرف راجع ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت براء صحابی ہیں، موثق ہیں، ان کی توثیق کی ضرورت نہیں فان الصحابۃ کلھم عدول اگر ان کی توثیق ہو گی تو اس قانون کے خلاف ہو گا۔ فریق اول حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ قواعد نحویہ کے موافق یہی ہے کہ حضرت براء کی طرف ضمیر لوٹائی جائے باقی یہ کہ حضرات صحابہ خود موثق و عدول ہیں ان کی توثیق کی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور توثیق کے ذکر نہیں کیا بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تھا، حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق۔ تو جیسے حضرت ابن مسعود کا کلام توثیق نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی توثیق مراد نہیں ہے بلکہ تاکید اور کلام میں قوت پیدا کرنے کے لیے فرمایا اور یہی میری رائے ہے۔

لفظ کذوب کی تحقیق اب سوال یہ ہے کہ کذوب صیغہ مبالغہ ہے تو جب مبالغہ کی نفی کر دی تو اصل ماخذ باقی رہا جس کا مطلب یہ ہوا کہ کذوب تو نہیں ہیں مگر کبھی کبھی صدور کذب ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کا کلام جیسا نفی مبالغہ کے لیے ہوتا ہے اسی طرح مبالغہ فی النفی کے لیے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وما انا بظلام للعبید تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلام تو نہیں ہاں نعوذ باللہ ظالم ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ سے صادر ہو ہی نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت انسؓ کی یہ روایت (۵،۸) امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب الصلوٰۃ باب تحریم سبق الامام برکوع ج ۱ ص ۱۸۰ تخریج کی ہے جس میں تصریح ہے کہ مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں۔

اَبْوَابُ صَلوٰةِ الْوِتْرِ

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰى وُجُوْبِ صَلوٰةِ الْوِتْرِ

۵۷۹۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلوٰتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

ابواب۔ نماز وتر

باب۔ جن روایات سے نماز وتر کے واجب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ ۵۷۹۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۵۷۹ تا ۵۸۶) وتر کا لغوی معنی فرد اور طاق کے ہیں اس میں واؤ کا فتح اور کسرہ دونوں صحیح ہیں مگر کسرہ زیادہ مشہور ہے شریعت کی زبان میں یہ لفظ اشتراک ہے اور تین معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) وتر کی نماز پڑھنا (۲) مع تہجد وتر پڑھنا (۳) جفت رکعات کو طاق بنانا۔ صلوٰۃ الوتر میں صلوٰۃ کی اضافت وتر کی طرف از قبیلِ اضافتِ عام الی الخاص ہے۔

وتر سے متعلق اہم مباحث کا خلاصہ صلوٰۃ وتر کے متعلق متعدد امور قابل لحاظ ہیں (۱) اس کا شرعی حکم کیا ہے واجب ہے یا سنت (۲) اس کا کوئی وقت معین ہے یا نہیں (۳) اگر فوت ہو جائے تو قضا لازم ہے یا نہیں (۴) اس کی کتنی رکعتیں ہیں (۵) رکعات وتر وصل کے ساتھ ہیں یا فصل کے ساتھ (۶) وتر میں قنوت ہے یا نہیں (۷) محل قنوت کیا ہے رکوع سے قبل یا رکوع کے بعد (۸) قنوتِ وتر پورے سال کے لیے ہے یا رمضان کے لیے (۹) کلماتِ قنوتِ وتر کیا ہیں (۱۰) دعاء قنوت صرف وتر کے ساتھ خاص ہے یا دیگر نمازوں میں بھی پڑھی جاتی ہے ــــ ابواب صلوٰۃ الوتر میں ان مباحث کی تحقیق کی جائے گی باب ہذا میں سب سے پہلا مسئلہ صلوٰۃ وتر کی شرعی حیثیت وجوب ہے یا سنت کی توضیح ہے۔

صلوٰۃ وتر کی شرعی حیثیت سے متعلق بیان مذاہب (۱) صلوٰۃ وتر فرض ہے ابوحنیفہ رہ سے اس کے بارے تین روایتیں ہیں ایک

۵۸۰۔ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۵۸۱۔ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوْتِرُوْا قَبْلَ اَنْ تُصْبِحُوْا۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا الْبُخَارِيَّ۔

۵۸۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبح آنے سے پہلے جلدی وتر کی نماز پڑھ لیا کرو۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۸۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبح کرنے سے پہلے تم وتر پڑھ لو" یہ حدیث بخاری کے سوا محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

روایت یہی ہے جو حماد بن زیدؒ نے آپ سے نقل کی ہے احناف میں امام آخر مالکیہ میں سحنونؒ اصبغ اور ابن العربیؒ اسی کے قائل ہیں ابن بطالؒ نے حضرت ابن مسعودؓ حذیفہؓ اور ابراہیم نخعیؒ سے فرضیت نقل کی ہے اور یہی علامہ علم الدین سخاوی کے نزدیک مختار ہے۔

(۲) ابوحنیفہؒ سے یوسف بن خالد سمتیؒ (جو امام شافعیؒ کے بھی استاذ ہیں) کی روایت یہ ہے کہ واجب ہے یہ آپؒ کا آخری قول ہے جس کو محیط میں صحیح، خانیہ اور کافی میں اصح اور مبسوط، عنایہ اور تبیین میں ظاہر مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ابن المسیبؒ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ اور امام ضحاکؒ اسی کے قائل ہیں ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے الوتر واجب ولم یکتب یوسف بن خالد سمتیؒ سے بھی قول وجوب ہی منقول ہے قاضی ابوطیب اور ابوحامد نے جو یہ کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ تمام علماء سنیت وتر کے قائل ہیں مبنی بر تعصب یا مبنی بر عدم علم ہے۔

(۳) ابوحنیفہؒ سے نوح بن ابی مریمؒ کی روایت یہ ہے کہ سنت ہے امام مالکؒ بھی اسے غیر واجب قرار دیتے ہیں امام احمدؒ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ اور جمہور علماءؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے البتہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تمام سنن مؤکدہ میں سب سے زیادہ مؤکد ہے ـــــ بعض حضرات نے مندرجہ بالا تینوں اقوال میں یوں تطبیق دی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اعتقاداً واجب اور ثبوتاً سنت ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل

باب ہذا کی غرض انعقاد مسلک احناف (وجوب) کے دلائل کا بیان ہے احادیث کا لفظی ترجمہ ملحوظ رہے تو بات سمجھنے میں سہولت رہے گی۔

(۱) باب کی پہلی روایت (۵۷۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے الباب الوتر

۵۸۲ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلٰوةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

---

۵۸۲ - حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص خوف رکھتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں (تہجد کے لیے) نہیں اُٹھ سکے گا، تو اسے شروع رات میں ہی وتر پڑھ لینا چاہیے اور جو شخص رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کی امید رکھتا ہے، تو اُسے رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا چاہیے بلاشبہ رات کے آخری حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ بہتر ہے ۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے ۔

ج ۱ صلاا اور مسلم نے کتاب صلوٰۃ المسافرین ج ۱ ص۲۵۷ میں تخریج کیا ہے وفی هامش البخاری ج ۱ ص۱۳۶ یستفاد من الحدیث حکمان الاول استحباب تاخیر الوتر والثانی فیه دلالة علی وجوب الوتر (۲) باب کی دوسری روایت ۵۸۰ بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بحوالہ سابق تخریج کیا ہے مطلب تو لفظی ترجمہ سے واضح ہے یعنی صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو حنفیہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہے اگر رات میں وتر کی نماز رہ جائے تو دن میں اس کی قضا پڑھنی واجب ہے اس میں خطاب بصیغہ امر ہے جس کا مقتضیٰ وجوب ہے اسی معنی کی ایک روایت سنن ترمذی ج ۱ ص۶۲ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص۳۰۲ میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے ان النبی صلی الله علیه وسلم قال فاوتروا قبل الصبح علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں صحیح (تلخیص المستدرک ج ۱ ص۳۰۲) علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ ج ۲ ص۱۱۲ میں لکھتے ہیں قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح ۔

(۳) تیسری روایت ۵۸۱ ابو سعید الخدریؓ کی ہے جسے مسلم ج ۱ ص۲۵۸ ترمذی ج ۱ ص۱۰۶ نسائی ج ۱ ص۲۴۷ ابن ماجہ ص۸۴ اور مسند احمد ج ۳ ص۱۳ مستدرک حاکم ج ۱ ص۳۰۱ میں تخریج کیا گیا ہے اس حدیث میں اوتروا کا صیغہ امر ہے والامر للوجوب علاوہ ازیں حضرت ابو سعید الخدریؓ سے ایک اور روایت بھی آئی ہے قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من نام عن وتره او نسیه فلیصله اذا اصبح او ذکره (اخرجه احمد وابن حبان واصحاب السنن الا الترمذی کما قال الحافظ فی الدرایة فی تخریج احادیث الهدایه) اس میں نماز وتر کی قضا کا حکم دیا گیا ہے اور قضا کا حکم واجبات میں ہوتا ہے نہ کہ سنن میں ۔

۵۸۳- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا - رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ اِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

---

۵۸۳- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا وتر واجب ہیں، جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۴) چوتھی روایت ۵۸۲ حضرت جابرؓ کی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ صفحہ ۲۵۸ میں نقل کیا ہے بحیثیت مستدل واضح ہے۔

(۵) پانچویں روایت ۵۸۳ حضرت بریدہؓ کی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۲۰۱

حضرت بریدہؓ کی روایت پر اعتراضات کے جوابات

باب فیمن لم یوتر مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۳۰۵ اور سنن الکبریٰ صفحہ ۴۷۰ میں تخریج کیا گیا ہے جس میں تین مرتبہ یہ جملہ آیا ہے کہ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے راوی ابوالمنیب عبید اللہ بن عبد اللہ العتکی ضعیف ہیں (تکلم فیہ النسائی وابن حبان والعقیلی ووثقہ آخرون انظر نصب الرایہ ج ۲ صفحہ ۱۱۲ باب صلوٰۃ الوتر) اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے اس پر سکوت کیا ہے جو ان کے نزدیک حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے اور امام حاکم نے بھی اس کو صحیح علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ وقال ابوالمنیب العتکی مروزی ثقۃ (اعلاء السنن ج ۶ صفحہ ۔۔۔)

امام بخاریؒ نے اگرچہ ابوالمنیب کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معین انہیں ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث قرار دیا ہے امام ابن عدی فرماتے ہیں ھو عندی لا باس بہ بہرحال جارحین کے مقابلہ میں ان کے موثقین کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے الوتر حق وجوب وتر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ حق ثابت کو کہتے ہیں علماء احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ لفظ حق واجب کے معنیٰ میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اور یہاں وجوب کا معنیٰ مراد ہے چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت مرفوعہ میں یہ الفاظ آئے ہیں الوتر حق واجب علیٰ کل مسلم اخرجہ ابوداؤد الطیالسی صفحہ ۸۱ امیر یمانی سبل السلام

۵۸۴- وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى زَادَكُمْ صَلوٰةً وَهِيَ الْوِتْرُ- رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي مُسْنَدِ الشَّامِيِّينَ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الدِّرَايَةِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ-

---

۵۸۴- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے اور وہ وتر ہے"
یہ حدیث طبرانی نے مسند شامیین میں نقل کی ہے حافظ نے درایہ میں کہا ہے، اسناد حسن کے ساتھ نقل کی ہے۔

ج ۱ ص۳۲۲ میں فرماتے ہیں ھو دلیل لمن قال بوجوب الوتر- امام نسائیؒ ابو حاتمؒ دارقطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے اگرچہ اسے موقوف قرار دیا ہے مگر روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کے جھگڑے میں اصولاً روایت مرفوع ہوتی ہے بشرطیکہ رواۃ ثقہ ہوں۔

(۶) ابو سعید الخدریؓ کی روایت ۵۸۴ الدرایہ ج ۱ ص۱۸۹ میں منقول ہے زادکم صلوٰۃ وھی الوتر سے وجوب مستفاد ہے۔

(۷) عمرو بن العاصؓ کی اس روایت ۵۸۵ میں بھی قال ان اللہ تعالیٰ زادکم صلوٰۃ وھی الوتر فصلوھا سے وجوب مستفاد ہے۔

زادکم صلوٰۃ سے وجوہ استدلال

ان دونوں روایات سے وجہ استدلال چند طرق سے ہے (۱) اوّل یہ کہ روایت میں زیادتی کی نسبت اللہ کی طرف ہے معلوم ہوا کہ وتر سنت نہیں ہے کیونکہ سنت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے (ب) حدیث میں لفظ امر اور صیغہ امر ہے جب کہ مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے (ج) حدیث میں لفظ زادکم ہے اور زیادتی کا تحقق واجبات ہی میں ہو سکتا ہے کیونکہ واجبات محصور العدد ہیں نوافل کا نہیں ہو سکتا کیونکہ نوافل کی تحدید نہیں ہو سکتی (د) اس میں صلوٰۃ وتر کو زائد کہا گیا ہے کسی شئ پر زیادتی اس وقت متحقق ہو سکتی ہے جب وہ اسی کی جنس سے ہو۔

(۸) باب کی آخری روایت ۵۸۶ ابو سعید الخدری کی ہے جسے دارقطنی کتاب الوتر باب من نام عن وتره او نسیه ج ۲ ص۲۲ میں تخریج کیا گیا ہے اس میں نماز وتر کی قضا کا حکم دیا گیا ہے اور قضا کا حکم واجبات میں ہوتا ہے نہ کہ سنن میں۔

۵۸۵- وَعَنْ اَبِیْ تَمِیْمٍ الْجَیْشَانِیِّ اَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ خَطَبَ النَّاسَ یَوْمَ جُمُعَۃٍ فَقَالَ اِنَّ اَبَا بَصْرَۃَ حَدَّثَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَادَکُمْ صَلٰوۃً وَّھِیَ الْوِتْرُ فَصَلُّوْھَا فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ اِلٰی صَلٰوۃِ الْفَجْرِ قَالَ اَبُوْ تَمِیْمٍ فَاَخَذَ بِیَدِیْ اَبُوْ ذَرٍّ فَسَارَ فِی الْمَسْجِدِ اِلٰی اَبِیْ بَصْرَۃَ فَقَالَ لَہٗ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا قَالَ عَمْرٌو قَالَ اَبُوْ بَصْرَۃَ اَنَا سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْحَاکِمُ وَالطَّبَرَانِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۵۸۵- ابو تمیم الجیشانی سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا، ابو بصرہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے اور وہ وتر ہے، تو اُسے نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان پڑھو۔ ابو تمیم نے کہا، حضرت ابو ذر رضؓ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں ابو بصرہ کی طرف لے گئے اور ان سے کہا، کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو عمرو نے کہا، ابو بصرہ رضؓ نے کہا میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ یہ حدیث احمد، حاکم اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نواب صدیق حسنؒ کا اعتراف

قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۳ ص ۴۲ اور نواب صدیق حسن ہدایۃ المسائل ص ۲۵۴ میں تحریر فرماتے ہیں بالفاظہ ودریں احادیث دلیل است بر وجوب وتر کقولہ فلیس منا وقولہ الوتر حق وقولہ اوتروا وحافظوا وقولہ الوتر واجب ونیز دراں دلیل است بر عدم وجوب وھو بقیۃ احادیث الباب پس اگر بقیہ اخبار صارف باشند برائے چیزیکہ مشعر وجوب است وحدیث الوتر واجب اگر بصحت رسد مشکل بود زیرا تصریح وجوب را مصروف الی غیرہ گردانیدن صحیح نباشد بخلاف بقیہ الفاظ مشعرہ بوجوب ...... الخ

وتر کی سنیت پر ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور احناف کے جوابات

(۱) ائمہ ثلاثہ سنیت وتر پر ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں نمازوں کی تعداد پانچ بیان کی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر وتر واجب ہوتے تو نمازوں کی تعداد چھ ہو جاتی حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ (۱) اولاً تو وتر عشاء کے توابع میں سے ہیں

۵۸۶- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔

۵۸۶- حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جو شخص اپنے وتر سے سو جائے یا بھول جائے (یعنی ادا نہ کر سکے) تو اسے چاہیے کہ جب صبح کرے یا اسے یاد آئے تو پڑھ لے" یہ حدیث دارقطنی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

لہٰذا ان کو مستقلاً شمار نہیں کیا گیا (۲) دوم یہ کہ پانچ کا عدد فرض نمازوں کے لیے ہے جب کہ وتر فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔

(۲) جمہور حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں عن علی لیس الوتر بحتم کھیئۃ المکتوبۃ ولکن سنۃ سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ الترمذی ج ۱ ص۶۰ وحسنہ والنسائی ج ۱ ص۲۴۸ والحاکم وصححہ رسبل السلام ج ۱ ص۳۳۵ و قال ج ۱ ص۳۳۴ والی وجوبہ ذہبت الحنفیہ وذھب الجمہور الی انہ لیس بواجب مستدلین بحدیث علیؓ الوتر لیس بحتم ...... الخ۔

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث موقوف میں وجوب کی نفی نہیں بلکہ فرضیت کی نفی ہے جیسا کہ کھیئۃ المکتوبہ کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں چنانچہ احناف بھی صلوات خمسہ کی طرح اس کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اس کو واجب کہتے ہیں اور سنت سے اصطلاحی سنت مراد نہیں بلکہ لغوی مراد ہے۔

(۳) حضرت عبادہ بن صامت سے اثر منقول ہے جب ان سے کہا گیا کہ فلاں شخص وتر کو واجب کہتا ہے تو انہوں نے اس کی تغلیط کرتے ہوئے فرمایا کذب (ابوداؤد ج ۱ ص۶۱) اس کے جواب میں بھی حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ نے فرضیت کی نفی کی وجوب کی نہیں۔

موقفِ انصاف و اعتدال اگر اصل حقیقت پر نظر ہو تو یہ اختلاف، اختلاف امتی رحمۃ کا مصداق ہے یہ اختلاف عملاً لفظی اختلاف کی طرح ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک فرض اور سنت کے مابین مامور بہ کا کوئی

بَابُ الْوِتْرِ بِخَمْسٍ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

۵۸۷ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ

باب۔ وتر پانچ رکعت ہیں یا اس سے زیادہ - ۵۸۷۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری، رسول اللہ

اور درجہ نہیں ہے جب کہ امام اعظمؒ ان دونوں کے درمیان مرتبۂ وجوب کے قائل ہیں چنانچہ علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں و ذکر فی البدائع وغیرہ ان یوسف بن خالد السمتیؒ من اعیان فقہاء البصرۃ (شیخ الشافعیؒ) سأل ابا حنیفۃؒ عن الوتر فقال (اجاب) انہ واجب فقال لہ کفرت یا ابا حنیفۃ، ظناً منہ انہ یقول فریضۃ۔ فقال ابو حنیفۃ ایھولنی اکفارک ایای وانا اعرف الفرق بین الفرض والواجب کفرق بین السماء والارض، ثم بیّن لہ الفرق بینھما فاعتذر الیہ وجلس عندہ للتعلیم (معارف السنن ج ۴ ص۱۷۲)

ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک بھی وتر مؤکد ترین سنت ہیں جب کہ احناف اس کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ حنفیہ وجوب وتر کے منکر کو کافر نہیں کہتے گویا فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ وتر کا مرتبہ فرائض سے نیچے اور عام سنن مؤکدہ سے اوپر ہے چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان کوئی متوسط درجہ نہیں ہے اس لیے انہوں نے اس کے لیے لفظ سنت استعمال کیا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ درمیان میں واجب کا درجہ موجود ہے اس لیے حنفیہ اسے واجب قرار دیتے ہیں لہٰذا دونوں میں وتر کی حیثیت کے حکم کے متعلق لفظی اختلاف سے قطع نظر کوئی خاص فرق نہیں ہے البتہ بعض جزوی مسائل میں اس اختلاف کا اثر بھی ظاہر ہوتا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۵۸۷ تا ۵۹۴) یہاں سے مصنفؒ نے تین ابواب تعداد رکعات وتر کے لیے قائم فرمائے ہیں ان تمام ابواب میں مختلف احادیث میں ایتار کا لفظ استعمال ہوا ہے یہاں ایتار کے دو معنی ہیں اول صرف وتر کے لیے اور دوسرے تمام صلوٰۃ اللیل کے لیے۔

ان ابواب کے تمام روایات کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو ان کے ترجمۃ الباب کا ہے بغیر جو غرض

جَآءَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَصَلّٰى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتّٰى سَمِعْتُ غَطِيْطَهٗ اَوْ قَالَ خَطِيْطَهٗ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، آپ تشریف لائے تو چار رکعت ادا فرمائیں، پھر آپ سو گئے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، تو میں آیا آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر دیا، آپ نے پانچ رکعت ادا فرمائیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے سنے، غطیطہ اور خطیطہ کا ایک ہی معنی ہے، راوی کو شک ہے کہ انہوں نے کون سا لفظ کہا، پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

انعقاد باب ہے اسی کے ثبوت کے لیے احادیث بطور ادلہ لائے گئے ہیں لہٰذا ہم یہاں ایتار کی تمام روایات کے بارے اجمالی بحث کر کے تطبیق کی صورت اختیار کرتے ہیں۔

روایات ایتار کی تحقیق جیسا کہ آئندہ ابواب میں نقل ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عدد وتر کے متعلق روایات بہت مختلف ہیں ایک رکعت سے لے کر سترہ رکعات تک کا ذکر احادیث میں نقل ہوا ہے جیسے سنن نسائی ج ۱ ص ۲۴۸ تا ۲۵۱ میں ایک سے ثلٰثۃ عشر تک کی روایات منقول ہیں باب کیف الوتر بواحدۃ و باب کیف الوتر بثلاث و باب کیف الوتر بخمس و باب کیف الوتر بسبع و باب کیف الوتر بتسع و باب کیف الوتر باحدی عشرۃ رکعۃ و باب کیف الوتر بثلاث عشرۃ رکعۃ۔ حافظ ابن حجرؒ التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۵ باب صلوٰۃ التطوع میں امام رافعیؒ کے قول لم ینقل زیادۃ علی ثلاث عشرۃ (رقم ۵۱۴) کے تحت لکھتے ہیں کانہ اخذہ من روایۃ ابی داؤد الماضیۃ عن عائشۃؓ ولا باکثر من ثلاث عشرۃ وفیہ نظر ففی حواشی المنذری قیل اکثر ما روی فی صلوٰۃ اللیل سبع عشرۃ وھی عدد رکعات الیوم واللیلۃ وروی ابن حبان وابن المنذر والحاکم من طریق عراک عن ابی ھریرۃؓ مرفوعاً اوتروا بخمس او بسبع او بتسع او باحدی عشرۃ او باکثر من ذلک انتھی۔ بہر حال حافظ کے اس کلام سے ثابت ہوا کہ ایتار کے بارے میں سترہ رکعات تک کا ذکر روایات میں آیا ہے۔

۵۸۸ - وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى صَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ بِخَمْسٍ وَلَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُنَّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ لِيْنٌ۔

۵۸۹ - وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

---

۵۸۸ - سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، تو آپ نے دو دو رکعتیں ادا فرمائیں یہاں تک کہ آپ نے آٹھ رکعت ادا فرمائیں، پھر آپ نے پانچ رکعت وتر ادا فرمائے اور ان کے درمیان نہیں بیٹھے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

۵۸۹ - ہشام نے بواسطہ اپنے والد بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت ادا فرماتے، ان میں سے پانچ رکعتوں کے ساتھ وتر ادا فرماتے، آپ کسی چیز میں واستراحت کے لیے نہیں بیٹھتے تھے مگر آخر میں۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ایتار کی روایات میں علامہ عثمانیؒ کی تطبیق

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۲۸۹ میں ایتار کی تمام روایات کے درمیان جس بہترین طریقہ سے تطبیق دیتے ہیں وہ ان ہی کا حصہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ آپ صلوٰۃ اللیل کا آغاز رکعتین خفیفتین سے فرماتے تھے (جیسا سیدہ عائشہ رضہ سے روایت ہے۔ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل افتتح صلوٰتہ برکعتین خفیفتین ثم صلی ثمان رکعات ثم اوتر شرح معانی الآثار ج ۱ صفحہ ۱۳۷ باب الوتر) یہ رکعتین خفیفتین تہجد کے مبادی سے ہوتی تھیں اس کے بعد آپ آٹھ طویل رکعات نماز ادا فرماتے تھے آپ کی اصل صلوٰۃ تہجد یہی رکعات ہوا کرتے تھے (جیسا کہ اوپر شرح معانی الآثار کے حوالے سیدہ عائشہ کی روایت عرض کر دی ہے) پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے (جیسا کہ صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۲۵۴ باب صلوٰۃ اللیل میں سیدہ عائشہ رضہ سے روایت ہے یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً) اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت ماز نفل ادا فرماتے تھے (جیسا کہ نسائی ج ۱ صفحہ ۲۵۳ میں حضرت عائشہ رضہ کی روایت کا یہی مدلول ہے) محدثین

۵۹۰۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهُ سِوَاكَهُ وَطَهُوْرَهُ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ

۵۹۰۔ سعد بن ہشام نے کہا: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر عرض کیا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارہ میں بتائیں تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے آپ کی مسواک اور پانی تیار رکھتے، اللہ تعالیٰ رات کو جب آپ کو اٹھانا چاہتے اٹھا دیتے، آپ مسواک کرکے وضو فرماتے اور نو رکعات نماز پڑھتے۔ ان میں آپ سوائے آٹھویں رکعت کے نہ بیٹھتے، تو آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی حمد اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے، پھر آپ اٹھتے اور سلام نہ پھیرتے، پھر آپ کھڑے ہو کر نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھتے، اللہ تعالیٰ کا ذکر حمد اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے جو ہمیں بھی سناتے، پھر آپ سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے ہوئے دو رکعتیں پڑھتے، تو یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں اے میرے بیٹے!

اسے وتر کے توابع میں شمار کرتے ہیں۔ جب فجر طلوع ہو جاتی تو دو رکعت سنت فجر ادا فرماتے تھے اس طرح کل رکعات کی تعداد تیرہ ہو جاتی تھی۔

بیان رکعات میں صحابہ کرامؓ کا طریق کار

چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب ان تمام رکعات کو بیان کرنا چاہا تو انہوں نے اوتر بسبع عشرۃ رکعۃ (حواشی المنذری بحوالہ التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳ باب صلوٰۃ التطوع) سے ان کی تعبیر کی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض اوقات فجر کی سنتوں کو حذف کر دیا تو وجہ حذف ظاہر ہے کہ صبح کی سنتوں کا تعلق صلوٰۃ اللیل سے نہ تھا بلکہ صبح کی نماز سے تھا تو انہوں نے کہا اوتر بخمس عشرۃ رکعۃ۔ بعض حضرات نے آغاز کی ہلکی دو رکعات کو اور وتر کے بعد نوافل کی رکعتین کو ساقط کر دیا اور سنن فجر کو شریک کیا تو کہا، اوتر بثلاث عشرۃ رکعۃ (نسائی ج ۱ ص [illegible]) بعض حضرات نے ما قبل کے خفیف رکعتین مابعد کے رکعتین نفل کی طرح صبح کی سنتوں کے رکعتین کو بھی حذف کر دیا تو انہوں نے احدی عشرۃ

بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَهُ اللَّحْمُ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيعِهِ الْأَوَّلِ فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ وَلَا صَلَّى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معمر ہو گئے اور آپ کا جسم بھاری ہو گیا، آپ نے سات رکعت وتر ادا فرمائے اور دو رکعتوں میں آپ ایسا ہی کرتے جیسا پہلے کرتے تھے تو یہ نو رکعت ہوئیں، اے میرے بیٹے! اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے، یہ پسند فرماتے کہ اس پر ہمیشگی فرمائیں اور جب آپ پر تہجد سے نیند غالب ہوتی یا کوئی تکلیف ہوتی، تو آپ دن میں بارہ رکعت ادا فرماتے اور میرے علم میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن پاک ایک رات میں پڑھا اور نہ پوری رات صبح تک نماز پڑھی اور رمضان کے علاوہ پورا مہینہ مسلسل روزے رکھے۔ یہ حدیث مسلم، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے۔

رکعت سے روایت کی طحاوی ج ۱ ص ۱۳۹) اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے میں داخل ہو گئے اور جسم مبارک بھاری ہو گیا تو آپ نے بعض اوقات تہجد کے چھ رکعات پڑھے اور وتر کی تین رکعات تو کل رکعات نو ہو گئیں جن حضرات نے اس زمانہ کا عمل روایت کر دیا تو انہوں نے اوتر بتسع (نسائی ج ۱ ص ۲۵۰) سے تعبیر کی پھر ایسے بھی ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مزید کمی کی اور تہجد کی صرف چار رکعات پڑھیں تو صحابہ کرامؓ نے اس زمانے کا عمل اوتر بسبع کے ساتھ نقل کر دیا۔
(نسائی ج ۱ ص ۲۵۱)

یہ بات تو آغاز بحث میں عرض کر دی گئی ہے کہ روایاتِ حدیث میں ایتار پوری صلوٰۃ اللیل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے اور صرف صلوٰۃ الوتر کے معنیٰ میں بھی، لہٰذا یاد رہے کہ اوتر بخمس کی روایات کے علاوہ باقی تمام روایات میں ایتار سے مراد پوری صلوٰۃ اللیل مراد ہے اور اس میں آخر کی دو رکعت نفل کو بھی وتر کا تابع بنا کر اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

۵۹۱ - وَعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاثٍ أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ وَلَا تُشَبِّهُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ إِسْنَادُهُ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ۔

---

۵۹۱ - ابو سلمہ اور عبدالرحمٰن الاعرج نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین رکعت وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات رکعت وتر پڑھو، مغرب کی نماز کے مشابہ نہ بناؤ"۔ یہ حدیث دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے نقل کی ہے، حافظ نے کہا اس کی اسناد بخاری مسلم کی شرط پر ہے۔

وتر بثلاث کی روایات اپنی حقیقت پر محمول ہیں

باقی رہیں وتر بثلاث کی روایات تو وہ اپنی حقیقت پر محمول ہیں اور وتر بواحدۃ کی مراد یہ ہے کہ آپ نماز تہجد دو دو رکعات کر کے پڑھا کرتے تھے اور جب وتر کا وقت آتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعات کے ساتھ مزید ایک رکعت شامل فرما لیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تنہا ایک رکعت پڑھتے تھے حضرت شافی رو کی اس بہترین توجیہ سے تمام روایات کی بہترین تطبیق ہو جاتی ہے ہماری ان گذارشات سے وتر سے متعلق تینوں ابواب کی روایات سے متعلقہ بحث سمٹ گئی ہے اور سہولت تینوں ابواب کی روایات کا مصداق معلوم ہو گیا ہے۔

لہٰذا آئندہ ابواب میں احادیث کی تخریج کے ساتھ حسب ضرورت الفاظ حدیث کی توضیح بھی کر دی جائے گی۔

احادیثِ باب کی تخریج

سعید بن جبیرؓ کی روایت ۵۸۷ کو امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب الاذان باب یقوم عن یمین الامام ج ۱ ص۹۷ میں تخریج کیا ہے ان ہی کی دوسری روایت ۵۸۸ ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۲۰۲ میں تخریج کیا گیا ہے روایت ۵۸۹ ھشام عن ابیہ عن عائشہ کو امام مسلم نے کتاب صلوٰۃ المسافرین باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۱۸۵ میں نقل کیا ہے روایت ۵۹۰ بھی ان ہی سے مروی ہے جسے ابوداؤد ج ۱ ص۱۹۰ نسائی ج ۱ ص۲۷۱ مسلم جلد ۱ ص۲۵۶ میں تخریج کیا گیا ہے ابو ہریرۃؓ کی روایت ۵۹۱ مستدرک حاکم ج ۱ ص۳۰۴ دارقطنی ج ۲ ص۲۴ سنن الکبریٰ ج ۳ ص۳۱ میں نقل کی گئی ہے اور روایت ۵۹۲ مستدرک حاکم ج ۱ ص۳۰۴ صحیح ابن حبان ج ۵ ص۱۸ میں تخریج کی گئی ہے۔

۵۹۲- وَعَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُوتِرُوا بِثَلَاثٍ تُشَبِّهُوا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنْ أَوْتِرُوا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ أَوْ بِتِسْعٍ أَوْ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ الْعِرَاقِيُّ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۵۹۲- عراک بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین رکعت وتر ادا نہ کرو کہ مغرب کی نماز سے مشابہ کردو، لیکن پانچ، سات، نو، گیارہ یا اس سے زیادہ۔ یہ حدیث محمد بن نصر المروزی، ابن حبان اور حاکم نے نقل کی ہے، حافظ عراقی نے کہا، اس کی اسناد صحیح ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت ۵۹۲ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹ باب الوتر روایت ۵۹۴ عن عائشہ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۲ میں تخریج کی گئی ہیں۔

تین رکعات وتر سے نہی کی روایات پر امام نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ

قال النیمویؒ الخ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ۵۹۲ میں لا توتروا بثلاث میں تین رکعات وتر کی صراحۃً نفی موجود ہے امام نیمویؒ قال النیموی الخ سے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایتار کے معنی تہجد مع وتر پڑھنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تہجد مع وتر کی تین ہی رکعات پر اکتفاء نہ کیا کرو بلکہ پانچ یا سات یعنی کم سے کم دو رکعت تہجد اور تین وتر یا چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر پڑھا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت الوتر سبع او خمس وتحب ثلاثا بتیرا وفی روایۃ وانی لاکرہ ان یکون ثلاثا بتیرا وفی لفظ اذنی الوتر خمس میں اس معنی کی بخوبی وضاحت موجود ہے

تعداد رکعات وتر اور بیان مذاہب

رکعات وتر کی تعداد میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر ایک رکعت سے لے کر سات رکعات تک جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اور عام طور پر ان حضرات کا عمل یہ ہے کہ یہ دو سلاموں سے تین رکعتیں ادا کرتے ہیں دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ اور ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

۵۹۳۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَلْوِتْرُ سَبْعٌ اَوْ خَمْسٌ وَلَا نُحِبُّ ثَلَاثًا بُتَيْرَاءَ۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ وَالطَّحَاوِيُّ وَقَالَ الْعِرَاقِيُّ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۹۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "وتر سات یا پانچ رکعت ہیں، اور ہم تین ناقص رکعت کو پسند نہیں کرتے" یہ حدیث محمد بن نصر اور طحاوی نے نقل کی ہے، عراقی نے کہا ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔

(ل) علامہ خطابی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، ابو موسیٰ الاشعری، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے، اور حضرت عطاء بن ابی رباح و سعید بن المسیب کا بھی مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک صرف ایک رکعت وتر پڑھنا مکروہ ہے، مدونہ کبریٰ میں ہے "قال مالك لا ينبغي لاحد ان يوتر بواحدة ليس قبلها شيء، لا في حضر ولا في سفر ولكن يصلي ركعتين ثم يسلم ثم يوتر بواحدة" امام مالک فرماتے ہیں کہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھنا کہ اس سے قبل کچھ نہ ہو مناسب نہیں، نہ سفر میں نہ حضر میں، بلکہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اس کے بعد ایک رکعت پڑھے، اس طرح تین رکعات پوری کرے۔

مؤطا میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ایک رکعت وتر والا اثر نقل کرنے کے بعد امام مالک فرماتے ہیں "وليس العمل على هذا عندنا ولكن ادنى الوتر ثلاث" احکام الاحکام ج ۱ ص ۳۱۵ میں ہے "وظاهر مذهب مالك لا يوتر بركعة فردة هكذا من غير حاجة دائمة"۔

(ب) امام شافعیؒ کے اس سلسلہ میں تین قول ہیں۔ اول یہ کہ صرف ایک رکعت بھی جائز ہے۔ دوم یہ کہ تین رکعات ہیں، اور روضہ میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ایتار کی سنت طاق عدد یعنی ایک سے گیارہ تک سے مطلقاً حاصل ہو جاتی ہے۔ سوم یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اس کے بعد پھر ایک رکعت پڑھے، اس طرح تین رکعات پوری کرے۔

(ج) امام احمدؒ کے نزدیک وتر کامل کم از کم تین رکعات ہے اور ایک رکعت بھی جائز ہے چنانچہ میزان شعرانی میں امام احمد اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ لکھا ہے "وادنى الكمال ثلث ركعات اھ" سفیان ثوری کے نزدیک وتر کے لیے تین سے گیارہ تک ہر طاق عدد ہے۔

احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اکثر اہل علم نے اسی کو اختیار

۵۹۴- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَلْوِتْرُ سَبْعٌ اَوْ خَمْسٌ وَاِنِّیْ لَاَ كْرَهُ اَنْ يَّكُوْنَ ثَلَاثًا بُتْرًا۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ وَّالطَّحَاوِيُّ وَقَالَ الْعِرَاقِيُّ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۵۹۴- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "وتر سات یا پانچ رکعت ہیں اور میں ناپسند سمجھتی ہوں کہ وہ تین ناقص رکعت ہوں۔"

یہ حدیث محمد بن نصر اور طحاوی نے نقل کی ہے، حافظ عراقی نے کہا ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔

کیا ہے اور ابن بطالؒ نے مدینہ کے فقہاء سبعہ یعنی سعید بن المسیب، عروہ ابن الزبیر، قاسم بن محمد ابو بکر بن عبد الرحمٰن خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار کا یہی قول ذکر کیا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے، چنانچہ صاحب تمہید علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت، حضرت عمر، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب اور حضرت انسؓ سے وتر کی تین ہی رکعت مروی ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور احناف کے جوابات

ائمہ ثلاثہ ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں الوتر برکعۃ سے لے کر الوتر بسبع تک کے الفاظ نقل ہوئے ہیں حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ روایات میں ایتار برکعۃ سے لے کر ایتار بثلث عشرۃ رکعۃ تک ثابت ہے لہٰذا جن روایات میں ایتار بسبع یا ایتار باحدیٰ عشرۃ یا ایتار بثلث عشرۃ رکعۃ وارد ہوا ہے ان سب میں حنفیہ تاویل کرتے ہیں کہ ان میں ایتار سے مراد صلوٰۃ اللیل ہے جس میں تین رکعت وتر کی ہیں اور باقی تہجد کی چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام اسحاق بن راہویہ کا قول نقل کیا ہے معنی ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث عشرۃ قال (ای اسحاق) انما معناہ انہ کان یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ مع الوتر فنسبت صلوٰۃ اللیل الی الوتر حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ جو توجیہ تیرہ، گیارہ اور نو رکعات والی احادیث میں کی ہے وہی توجیہ ہم سات والی حدیث میں بھی کرتے ہیں یعنی ان سات میں سے چار رکعات تہجد کی تھیں اور تین رکعات وتر کی۔

حدیث عائشہؓ روایت کی مراد

حنفیہ کی اس توجیہ پر حضرت عائشہؓ کی روایت ۵۹۵

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اَنَّ الْوِتْرَ بِثَلَاثٍ قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَالنَّهْيُ فِيْ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنْ يُّصَلِّيَ وِتْرًا بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَتَقَدَّمْهُ تَطَوُّعٌ اِمَّا رَكْعَتَانِ وَاِمَّا اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ اَوْ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ ۔

نیموی نے کہا: تین رکعت وتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے ثابت ہیں، ان احادیث میں جو منع کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف تین رکعت وتر پڑھے جائیں اور اس سے پہلے دو، چار یا اس سے زیادہ نفل نہ پڑھے جائیں۔

کے الفاظ لا یجلس فی شئ الا فی آخرھا سے یہ اشکال پیدا ہوجاتا ہے کہ اس سے تو پانچ رکعتیں ایک سلام بلکہ ایک قعدہ کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں لہٰذا اس میں احناف کی مذکورہ بالا توجیہ نہیں چل سکتی کیونکہ اس حدیث میں صلوٰۃ اللیل اور وتر بخمس رکعات کو صراحت کے ساتھ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔

حنفیہ حضرات نے اس سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(ا) دراصل ان میں تین رکعت وتر کے ساتھ دو رکعت نفل کی شامل ہیں اور لا یجلس سے جلوس طویل کی نفی ہے جو دعا اور ذکر کے لیے ہو نفس قعدہ کی نہیں چنانچہ معمول بھی یہی ہے کہ دعا وتر کے بعد نہیں کی جاتی ہے بلکہ نفلوں کے بعد کی جاتی ہے۔

(ب) علامہ شبیر احمد عثمانی رح فتح الملہم ج ۲ ص۲۹۷ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ماکان یصلی شیئاً من ھذہ الصلوٰۃ جالساً الا رکعتین الاخیرتین فانہ کان یصلیھما جالساً یہ توجیہ زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

علامہ عثمانی کی توجیہ کی مزید توضیح

علامہ عثمانی رح کے کلام کی روشنی میں اس توجیہ کی مزید وضاحت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کی نفلیں اور بعض اوقات وتر سے قبل کی صلوٰۃ اللیل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اور قیام فی الصلوٰۃ کے بجائے قعود فی الصلوٰۃ کو اختیار فرماتے تھے چنانچہ رکعتین بعد الوتر کا "جالساً" پڑھنا نسائی رج اص ۲۴۹ کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب اباحۃ الصلوٰۃ بین الوتر وبین رکعتی الفجر، میں حضرت عائشہ رض کی روایت سے ثابت ہے فرماتی ہیں "کان یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ، تسع رکعات قائماً یوتر فیھا ورکعتین جالساً اذا اراد ان یرکع قام فرکع وسجد

ویفعل ذالک بعد الوتر الخ اور بعض اوقات صلاۃ اللیل کا "جالساً" پڑھنا حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے ثابت ہے جو صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۵۰) ابواب تقصیر الصلاۃ باب اذا صلی قاعداً ثم صح او وجد خفۃ تمم مابقی) لم تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی صلاۃ اللیل قاعداً قط حتی اسن فکان یقرأ قاعداً حتی اذا اراد ان یرکع قام الخ ان دونوں روایتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کی دو نفلیں اور بعض اوقات صلاۃ اللیل بھی جالساً ادا فرماتے تھے۔

اب یہ سمجھئے کہ "خمس رکعات" والی مبحوث عنہا روایت میں حضرت عائشہؓ یہ بتلانا چاہتی ہیں کہ وہ قعود جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات قیام کی جگہ اختیار فرماتے تھے پانچ رکعتوں (وتر کی تین اور نفل کی دو) میں سے صرف آخر کی رکعتوں میں ہوتا تھا یعنی وتر کے بعد کی نفلیں تو آپ جالساً ادا فرماتے تھے لیکن رکعات وتر قیام ہی کے ساتھ ادا فرماتے تھے "لان الوتر لا یجوز القعود فیہ للقادر علی القیام" گویا "خمس رکعات" کے قعدوں اور سلام کا انکار مقصود نہیں بلکہ اس کا اظہار پیش نظر ہے کہ رکعات وتر آپ "قائماً" ہی ادا فرماتے تھے نہ کہ "جالساً"۔ (درس ترمذی)

(۳) اس حدیث کی تیسری توجیہ بعض حضرات نے یوں بیان کی ہے کہ یہاں جلوس سے مراد جلوس تسلیم ہے مقصد یہ ہے کہ آپ جلوس تو فرماتے تھے لیکن سلام صرف پانچویں رکعت ہی میں پھیرتے تھے تاہم اس توجیہ کو اختیار کرنے کی صورت میں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ وتر کی تین رکعتیں اور بعد کے دو نوافل ایک سلام کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں حالانکہ احناف کا یہ مسلک نہیں ہے۔

سعد بن ہشام کی روایت عن عائشہ سے حنفیہ کے جوابات

باب ہذا کی روایت (۱۰۶) جو صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے سعد بن ہشام کی روایت بھی حنفیہ کے مسلک اور ان کی توجیہ پر درست نہیں آتی حدیث کے تحت الالفاظ ترجمہ میں مضمون حدیث واضح کردیا گیا ہے جو اپنے ظاہر مضمون کے لحاظ سے بے حد مشکل ہے کیونکہ بظاہر اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ آٹھ رکعت میں قعدہ صرف آٹھویں رکعت پر ہو نیز نماز تہجد اور وتر کے درمیان سلام کا فاصلہ نہ ہو اس کی بھی حنفیہ نے متعدد توجیہات کی ہیں۔

(۱) علامہ عینیؒ نے اس روایت کی ایک توجیہ کی ہے (عمدۃ ج ۷ ص ۸ قبیل باب ساعات الوتر) وہ یہ کہ سائل کا سوال صلاۃ الوتر سے متعلق تھا نہ کہ صلاۃ اللیل سے اس لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی مقصود کو پیش نظر رکھ کر اختصار سے کام لیا اور وتر کے جلوس و سلام کو تو ذکر کیا اور بقیہ رکعات کے جلسات و سلام کو نظر انداز کردیا ورنہ ان کا مقصد صلاۃ اللیل کے جلسات و سلام کا انکار نہیں بلکہ اس کا بیان مقصود ہے کہ صلاۃ اللیل و

بَابُ الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ

۵۹۵ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ

باب - ایک رکعت وتر - ۵۹۵ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "رات کی نماز دو، دو رکعت ہیں جب تم

وتر کے مجموعہ میں سے آٹھویں رکعت جو وتر کی دوسری رکعت ہوتی تھی اس میں آپ جلوس مع التسلیم نہ فرماتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ایک رکعت ملا کر تین رکعات وتر پوری کر لیا کرتے تھے گویا دوسری بہت سی احادیث کی طرح اس حدیث میں بھی رکعتین وتر پر سلام نہ پھیرنے کو بیان کیا جا رہا ہے چنانچہ دوسری روایت میں سعد بن ہشام بھی حضرت عائشہؓ سے نقل کر رہے ہیں "ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لا یسلم فی رکعتی الوتر" (نسائی ج ۱ ص۲۴۸، باب کیف الوتر بثلاث)۔

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰، باب فی صلوٰۃ اللیل میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "کان یوتر بثمانی رکعات لا یجلس الا فی الثامنۃ ثم یقوم فیصلی رکعۃ اخری لا یجلس الا فی الثامنۃ والتاسعۃ ولا یسلم الا فی التاسعۃ ثم یصلی رکعتین وھو جالس فتلک احدی عشرۃ رکعۃ یا بنی"۔

(ب) علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم (ج ۲ ص۲۴۳) میں حنفیہ کی طرف سے یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ دراصل ان گیارہ رکعتوں میں چھ رکعتیں تہجد کی، تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں وتر کے بعد کی بیان کرنا مقصود ہیں اور "لا یجلس فیھا الا فی الثامنۃ" میں مطلق جلوس کی نفی نہیں ہے بلکہ ایسے جلوس کی نفی ہے جس کے بعد سلام نہ ہو اور مطلب یہ ہے کہ آٹھ رکعات سے پہلے پہلے آپ ہر جلوس پر سلام پھیرتے تھے البتہ آٹھویں رکعت پر آپ صرف جلوس فرماتے اور سلام کے بغیر نویں رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے جو وتر کی تیسری رکعت ہوتی پھر وتر ختم کر کے آپ دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ اس توجیہ کے بعد یہ حدیث بھی حنفیہ کے مسلک پر منطبق ہو جاتی ہے۔

(۵۹۵ تا ۶۰۲) باب ہذا کی غرض ان حضرات کے دلائل کا بیان ہے جو ایک رکعت وتر کے قائل ہیں باب ہذا کی تمام روایات کا بظاہر مدلول رکعت واحد ہے۔

اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۵۹۶۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۵۹۷۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

میں سے کوئی صبح طلوع ہونے کا خوف کھائے، ایک رکعت پڑھ لے، وہ اس کے لیے پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دیں گی۔" یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۵۹۶۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعت ادا فرماتے، انہیں ایک کے ساتھ وتر ادا فرماتے، پھر جب آپ اس سے فارغ ہو لیتے تو اپنے دائیں پہلو مبارک پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن آتا تو آپ ہلکی سی دو رکعتیں (سنت فجر) ادا فرماتے۔" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۵۹۷۔ قاسم بن محمد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت کے ساتھ وتر ادا فرماتے۔ یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قائلین ایک رکعت کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

(ا) حضرت ابن عمر کی روایت ۵۹۵ کے پہلے جزء صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ الخ کا مطلب یہ ہے کہ رات میں پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں امام شافعی امام احمد امام ابو یوسف حدیث باب کے پیش نظر کہتے ہیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے امام شافعیؒ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رات میں نماز میں مشغول ہونے والا شخص جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہونے والی اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلے پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے اس طرح یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

(ب) امام طحاوی اس کے جواب میں صلی رکعۃ واحدۃ کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

۵۹۸۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْصِلُ بَیْنَ الْوِتْرِ وَالشَّفْعِ بِتَسْلِیْمَۃٍ وَّیُسْمِعُنَاھَا۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ بِاِسْنَادٍ قَوِیٍّ۔

۵۹۹۔ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ رَوَاہُ الْاَرْبَعَۃُ وَالْاٰخَرُوْنَ اِلَّا التِّرْمِذِیَّ وَالصَّوَابُ وَقْفُہٗ۔

۵۹۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور دو رکعتوں کے درمیان سلام کا فاصلہ فرماتے اور سلام ہمیں سناتے تھے۔ یہ حدیث احمد نے اسناد قوی کے ساتھ نقل کی ہے۔

۵۹۹۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وتر ہر مسلمان پر ضروری ہیں۔ واجب ہیں جو شخص پسند کرتا ہے کہ پانچ رکعت وتر پڑھے تو وہ پڑھے اور جو شخص تین رکعت پسند کرتا ہے تو وہ ایسا کرے اور جو شخص ایک رکعت پسند کرتا ہے تو وہ اس طرح کرلے"۔ یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب اربعہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور درست یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت پہلے شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کردیں گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دونوں رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے (مظاہر حق)

(ب) علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے لہٰذا اس کے ساتھ وتر کی ایک ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے (مظاہر حق)

(ج) بہرحال وہ تمام روایات جو بظاہر رکعۃ واحدۃ پر دلالت کرتے ہیں ان سے استدلال درست نہیں کیونکہ ان روایات سے ایک ہی رکعت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تصور رکعۃ واحدۃ لہٰذا پہلے کی دو رکعت بھی وتر ہو جائیں گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۲ ص ۴۱۲ میں لکھتے ہیں:

واستدل بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی رکعۃ واحدۃ علی ان فصل الوتر افضل من وصلہ وتعقب بانہ لیس بصریح بالفصل فیحتمل ان یرید بقولہ صلی رکعۃ

۶۰۰- وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَفْصِلُ بَیْنَ شَفْعِہٖ وَوِتْرِہٖ بِتَسْلِیْمَۃٍ فَاَخْبَرَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ مَقَالٌ۔

۶۰۱- وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ یُسَلِّمُ بَیْنَ الرَّکْعَۃِ وَالرَّکْعَتَیْنِ فِی الْوِتْرِ حَتّٰی یَاْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِہٖ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۶۰۲- وَعَنْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْمُزَنِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی ابْنُ عُمَرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَالَ یَا غُلَامُ ارْحَلْ لَنَا ثُمَّ قَامَ فَاَوْتَرَ بِرَکْعَۃٍ رَوَاہُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَقَالَ الْحَافِظُ فِی الْفَتْحِ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

۶۰۰- سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی دو رکعتوں اور اپنے وتر کے درمیان سلام کا فاصلہ کرتے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

۶۰۱- نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی ایک اور دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے یہاں تک کہ اپنی کسی ضرورت کے متعلق کہنا ہوتا تو کہتے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۶۰۲- بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا، ابن عمرؓ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر کہا "اے غلام! ہمارے لیے سواری پر کجاوہ ڈال دو" پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر ادا کیا۔
یہ حدیث سعید بن منصور نے نقل کی ہے، حافظ نے فتح میں کہا ہے "صحیح سند کے ساتھ"۔

واحدۃ اے مضافۃ الی الرکعتین بما معنٰی (رد قال الطحاوی ج ا ص۱۹۳) ویحتمل ان یکون رکعۃ مع شفع قد تقدمہا وذلک کلہ وتر فتکون تلک الرکعۃ توتر الشفع المتقدم لہا) اور تلخیص الحبیر ص۱۱۶ میں لکھتے ہیں: قولہ (الرافعی الشافعیؒ) واظب النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الوتر برکعۃ واحدۃ فانکروا علیہ ردہا ابن الصلاح وقال لا نعلم فی روایات الوتر مع کثرتہا انہ علیہ السلام اوتر بواحدۃ فحسب۔ شاہ صاحبؒ العرف الشذی ص۲۰۳ میں فرماتے ہیں: قال القاضی ابو الطیب الشافعی بان الرکعۃ الواحدۃ مکروھۃ۔ اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید قال حدثنا عبد اللہ بن محمد بن یوسف ثنا احمد بن

۶۰۲- وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ اَوْتَرَ مُعَاوِیَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَکْعَۃٍ وَّعِنْدَہٗ مَوْلًی لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاَتَی ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ دَعْہُ فَاِنَّہٗ قَدْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۶۰۳- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّیْمِیِّ قَالَ قُلْتُ لَا یَغْلِبُنِیْ اللَّیْلَۃَ عَلَی الْمَقَامِ اَحَدٌ فَقُمْتُ اُصَلِّیْ فَوَجَدْتُ حِسَّ رَجُلٍ مِّنْ خَلْفِ ظَهْرِیْ فَاِذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ

۶۰۲- ابن ابی ملیکہ نے کہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر ادا کیا، ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام بھی تھا، اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آکر انہیں یہ بات بتائی تو ابن عباسؓ نے کہا، انہیں چھوڑ دو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔
یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۶۰۳- عبدالرحمٰن التیمی نے کہا، میں نے (اپنے جی میں) کہا، آج رات تہجد کے لیے کھڑا ہونے میں مجھ سے کوئی نہیں بڑھ سکتا، میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا، میں نے اپنے پیچھے کسی شخص کے پاؤں کی چاپ سنی، تو وہ حضرت عثمان بن عفانؓ تھے، میں ان کی خاطر ایک طرف ہو گیا، انہوں نے آگے بڑھ کر قرآن پاک شروع کیا، یہاں

محمد بن اسمٰعیل ثنا ابی ثنا الحسن بن سلیمان ثنا عثمان بن محمد بن عثمان بن ربیعۃ ثنا عبد العزیز بن محمد الدراوردی عن عمرو بن یحیی عن ابیہ عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن البتیراء ان یصلی الرجل رکعۃ واحدۃ یوتر بہا (راجع نصب الرایۃ ج ۲ ص۱۷۲)

(۷) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ رکعۃ واحدۃ والی روایات میں آپؐ کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ کا تین رکعت پڑھنا تھا جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور ہوا ظاہر ہے کہ امت کے لیے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپؐ نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔ (مظاہر حق)

نسخ تخییر پر اجماع

ابو ایوب انصاریؓ کی روایت ۵۹۵ کے پیش نظر حنفیہ کی توجیہ ایتار پر اشکال ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں وتر پڑھنے والے کو ایک سے لے کر سات رکعات (نسائی ج ۱ ص۲۴۹) تک وتر پڑھنے کا اختیار حاصل ہے لہذا الا یوتر بواحدۃ میں ایتار کی توجیہ نہیں چل سکتی وہ توجیہ یہ ہے کہ ماقبل کے شفع میں ایک رکعت ملا کر تین رکعت مکمل کر لی جائیں اس لیے کہ حنفیہ کی توجیہ

فَتَنَحَّيْتُ لَهُ فَتَقَدَّمَ فَاسْتَفْتَحَ الْقُرْآنَ حَتّٰى خَتَمَ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ فَقُلْتُ
أَوْهَمَ الشَّيْخُ فَلَمَّا صَلّٰى قُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّمَا صَلَّيْتَ رَكْعَةً
وَّاحِدَةً فَقَالَ أَجَلْ هِيَ وِتْرِي . رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔

تک کہ پورا قرآن پاک ختم کر لیا، پھر رکوع اور سجدہ کیا، میں نے کہا بوڑھے کو وہم ہو گیا ہے، جب وہ نماز پڑھ چکے، میں نے کہا، اے امیر المؤمنین، آپ نے تو ایک رکعت پڑھی ہے، انہوں نے کہا، ہاں یہ میرے وتر ہیں۔ یہ حدیث طحاوی اور دارقطنی نے نقل کی ہے، اس کی اسناد حسن ہے۔

کی روشنی میں ان یوتر بواحدۃ کا مطلب ہوگا ان یوتر بثلاث حالانکہ ان یوتر بثلاث کو اس حدیث میں مستقلاً ذکر کیا گیا ہے اور دونوں (ان یوتر بواحدۃ اور ان یوتر بثلاث) کا تقابل اس پر دال ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا غیر ہے۔

امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۴۲ باب الوتر) میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث سے جو تخییر سمجھ میں آ رہی ہے امت محمدیہ کا اجماع اس کے خلاف ہے فدل الاجماع علی نسخ ھذا اجماع کی تفصیل مطولات میں موجود ہے آثار السنن کے اگلے باب باب الوتر بثلاث رکعات میں بھی اس کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے بالفرض ان روایات و آثار سے اگر اجماع نہ بھی ثابت ہو تب بھی یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک حنفیہ کے مطابق ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا مشاہدہ و عمل اور حنفیہ کی توجیہات

باب ہذا کی روایت ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۱ اور ۶۰۴ میں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق ان کا مشاہدہ اور عمل نقل کیا گیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلک سالم بن عبداللہ بن عمر کی روایت ۶۰۰ کے یہ الفاظ ابن عمرؓ کا مشاہدہ عمل رسولؐ پہ دال ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے صرف حضرت عبداللہ عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ وتر کی تین رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتے تھے، لیکن تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا چنانچہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو یا آپ نے ان کو اس کی تلقین فرمائی ہو بلکہ وہ صحیح مسلم میں آنحضرت صلی

۶۰۵ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلِمَةَ قَالَ اَمَّنَا سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ تَنَحّٰى فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى رَكْعَةً فَاتَّبَعْتُهُ فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَقُلْتُ يَا اَبَا اِسْحٰقَ مَا هٰذِهِ الرَّكْعَةُ فَقَالَ وِتْرٌ اَنَامُ عَلَيْهِ قَالَ عَمْرٌو فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ فَقَالَ كَانَ يُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ يَعْنِيْ سَعْدًا - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

---

۶۰۵- عبداللہ بن سلمہ نے کہا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ہمیں عشاء کی امامت کرائی، جب انہوں نے سلام پھیرا تو مسجد کے ایک کونہ میں ہو کر ایک رکعت پڑھی، میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا، میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کہا، اے ابو اسحٰق! یہ ایک رکعت کیا ہے، انہوں نے کہا، وتر ہیں جو پڑھ کر سو جاتا ہوں۔ عمرو (بن مرۃ) (جو کہ عبداللہ بن سلمہ کے اس حدیث میں شاگرد ہیں) نے کہا، میں نے یہ بات حضرت سعد کے بیٹے مصعب سے بیان کی، تو انہوں نے بتایا کہ حضرت سعدؓ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے راوی ہیں "الوتر رکعۃ من اٰخر اللیل" لہذا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس ارشاد کا مطلب یہ سمجھا کہ ایک رکعت منفرداً پڑھی جائے گی اور چونکہ تین رکعات وتر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھیں لہذا دونوں میں انہوں نے تطبیق اس طرح دی کہ یہ تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ پڑھی جائیں لہذا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفصل بین الوتر والشفع بتسلیمۃ ویسمعناھا۔

البتہ مسند احمد کی اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے بھی آپ کی صلاۃ الوتر کا مشاہدہ کیا تھا (قال النیموی) رواہ احمد باسناد قوی۔ لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ روایت نقل حضرت ابن عمرؓ کا تفرد ہے جب کہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ نیز دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ ایک سلام کے ساتھ تین رکعات وتر کے قائل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ناقل ہیں لہذا ان کی روایات کو ترجیح ہوگی۔ نیز حدیث نہی عن البتیراء جو متن میں آگے آرہی ہے وہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے معارض ہے اور حدیث بتیراء قولی ہے جب کہ روایت ابن عمرؓ فعلی ہے اور قولی روایت بالاتفاق فعلی پر مقدم ہوتی ہے، علاوہ ازیں روایت ابن عمرؓ مبیح ہے اور بتیراء محرم، اور جب

۶۰۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ثَعْلَبَۃَ بْنِ صُعَیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَسَحَ وَجْھَہٗ زَمَنَ الْفَتْحِ اَنَّہٗ رَاٰی سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَانَ سَعْدٌ قَدْ شَھِدَ بَدْرًا مَّعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِوَاحِدَۃٍ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ لَا یَزِیْدُ عَلَیْھَا حَتّٰی یَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَۃِ وَ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

قَالَ النِّیْمَوِیُّ وَفِی الْبَابِ اٰثَارٌ اُخْرٰی جُلُّھَا لَا تَخْلُوْ عَنْ مَقَالٍ وَالْاَمْرُ وَاسِعٌ لٰکِنَّ الْاَفْضَلَ اَنْ یُّصَلِّیَ تَطَوُّعًا ثُمَّ یُصَلِّیَ الْوِتْرَ بِثَلٰثِ رَکَعَاتٍ مَوْصُوْلَۃٍ۔

۶۰۶۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ جن کے چہرے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ہاتھ مبارک پھیرا تھا، سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر میں حاضر ہوئے تھے عشاء کی نماز کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا، حضرت سعدؓ رات کے درمیان (تہجد کے لیے) کھڑے ہونے تک اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔
یہ حدیث بیہقی نے معرفۃ میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ نیموی نے کہا اس باب میں دوسرے آثار بھی ہیں، ان میں اکثر تنقید سے خالی نہیں (یعنی اکثر پر کلام ہے) معاملہ میں گنجائش ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ نفل پڑھے جائیں، پھر ایک سلام سے تین رکعت وتر ادا کیے جائیں۔

مبیح و محرم میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے لہذا ان تمام باتوں کی روشنی میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

حضرت معاویہؓ کے عمل سے احناف کی توجیہ

ابن ابی ملیکہ کی روایت ۶۰۲ میں حضرت امیر معاویہؓ کا عمل ایک وتر کا منقول ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہوگی جس پر دیکھنے والوں کو تعجب ہوا کہ جب دوسرے صحابہؓ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے ہیں تو یہ ایک ہی رکعت کیوں پڑھتے ہیں پھر انہوں نے اسی کا تذکرہ حضرت ابن عباسؓ سے کیا لیکن یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے پہلے پڑھی گئی دو رکعت ملی ہوئی وتر کی ایک رکعت پڑھی ہو اس صورت میں دیکھنے والوں نے اس لیے اعتراض کیا کہ حضرت معاویہؓ نے صرف وتر ہی پر اکتفا کیا ہوگا اور عشاء کی نماز یا تہجد کی نماز چھوڑ دی ہوگی (مظاہر حق)

بَابُ الْوِتْرِ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ

۶۰۷۔ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً

باب۔ تین رکعت وتر۔ ۶۰۷۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز کیسے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان کے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ آپ چار رکعت نماز ادا فرماتے کہ ان رکعتوں کے حسن اور طوالت کے بارے میں مت پوچھو، پھر آپ چار رکعت ادا

وسعت امر پر مولانا محمد زکریا کی تقریر | دائرہ مرد واسع وسعت امر سے مراد یہ ہے مفصولؔ پڑھے یا موصولؔ اس سلسلہ میں توضیح مسئلہ کے لیے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی تقریر کا اقتباس جامع و نافع ہے۔

"احناف کہتے ہیں کہ وتر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے، بغیر تکبیر کہ کر کھڑا ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں، صرف ایک رکعت وتر پڑھنا مکروہ ہے، پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے، پھر ایک رکعت وتر پڑھے، گویا پہلے دو رکعت پڑھنی ضروری ہیں، شوافع اور حنابلہ وتر کے دو قسم کرتے ہیں۔

۱۔ مفصول ۲۔ موصول (ملاحظہ ہو اگلے صفحے)

مفصول صرف ایک رکعت وتر پڑھے یا اگر پہلے نفل پڑھ رہا تھا آخر میں مستقل طور پر ایک رکعت وتر پڑھے۔ موصول کی تفصیل میں اختلاف ہے، شوافع کہتے ہیں، موصول کم از کم تین رکعت پھر پانچ، سات، نو، گیارہ ہیں، اب ان میں یا تو ہر دو رکعت پر سلام پھیرے یا پڑھتا رہے اور آخر میں سلام پھیرے۔

حنابلہ کہتے ہیں وتر اگر پانچ ہیں تو صرف آخر میں بیٹھے اور اگر سات یا نو ہیں تو دوبارہ بیٹھے اور آخر میں سلام پھیرے اور اگر تین اور گیارہ ہیں تو ہر دو رکعت پر سلام پھیرے (تقریر بخاری ج ۲ ص ۱۱۲)

(۶۰۷ تا ۶۱۲) باب کی غرض انعقاد مسلکِ احناف الوتر بثلاث رکعات کے دلائل کا بیان ہے۔

احناف کے دلائل | (۱) باب کی پہلی روایت ۶۰۷ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے جس میں آپؐ کی

يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۰۸۔ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْآيٰتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ

فرماتے تم اُن رکعتوں کے حسن اور طوالت کے بارہ میں مت پوچھو، پھر آپ تین رکعت ادا فرماتے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا آپ وتر ادا فرمانے سے پہلے سو جاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، اے عائشہ! بلاشبہ میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔
اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

۶۰۸۔ علی بن عبداللہ بن عباس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ وہ (ابن عباسؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے، آپ بیدار ہوئے، مسواک کی اور یہ آیات تلاوت فرماتے ہوئے وضو فرمایا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ	رات اور دن کے بدلنے میں یقیناً سمجھدار لوں
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (آل عمران ۱۹۰)	کے لیے نشانیاں موجود ہیں۔)

یہاں تک کہ آپ نے سورۃ مبارکہ ختم فرمائی، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت ادا فرمائیں، دو رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجود کو لمبا کیا، پھر آپ سلام پھیر کر سو گئے، یہاں تک کہ آپ نے خراٹے بھرے، پھر آپ نے اس طرح تین بار چھ رکعات ادا فرمائیں، ان میں آپ ہر بار مسواک کرتے، وضو فرماتے اور یہی آیات مبارکہ

صلوٰۃ تہجد کے بیان کے بعد یہ تصریح ہے کہ ثم یصلی ثلاثاً (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ مسلم ج ۱ ص ۲۵۴
ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۳۷)

مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۰۹۔ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا أَبَا دَاؤُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۶۱۰۔ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

تلاوت فرماتے پھر آپ نے تین رکعت وتر ادا فرمائے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۶۰۹۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کے ساتھ وتر ادا فرماتے تھے۔"

یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۱۰۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کے ساتھ وتر ادا فرماتے "

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۲) باب کی روایت ۶۰۸ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس میں ثم اوتر بثلاث (مسلم ج ۱ صـ۲۶۱ ابوعوانہ ج ۱ صـ۳۲۱) کی تصریح ہے۔

(۳) روایت ۶۰۹ بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ وتر کی تین رکعتوں علی الترتیب سورہ اعلی، الکافرون اور الاخلاص پڑھا کرتے تھے مسند احمد کے لفظ ہیں کان یوتر بثلاث علامہ الرافعی تخریج احیاء العلوم ج ۲ صـ۶ میں لکھتے ہیں بسند صحیح ہمارے مصنف اس پر اسناد حسن کا حکم لگاتے ہیں اس روایت کو مستدرک حاکم ج ۱ صـ۳۰۵ ترمذی ج ۱ صـ۶۱ مسند احمد صـ۲۹۹ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۴) روایت ۶۱۰ ابی بن کعب سے منقول ہے جسے نسائی ج ۱ صـ۲۴۸ ابوداؤد ج ۱ صـ۲۱ اور مسند

۶۱۱ - وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ وَيَقُوْلُ يَعْنِي بَعْدَ التَّسْلِيْمِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلَاثًا - رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

۶۱۲ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرَ فَقَرَأَ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلَاثًا يَمُدُّ صَوْتَهُ بِالثَّالِثَةِ وَرَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَأَحْمَدُ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ -

---

۶۱۱ - حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تلاوت کرتے اور سلام صرف آخر ہی میں پھیرتے اور سلام کے بعد تین بار یہ دعا پڑھتے۔

سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ (تمام عیوب سے منزہ ہے پاک بادشاہ)

یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۱۲ - حضرت عبدالرحمن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وتر ادا کیے آپ نے پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تلاوت فرمائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے تین بار یہ کلمات کہے سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ تیسری بار اپنی آواز بلند فرمائی۔

یہ حدیث طحاوی، احمد، عبد بن حمید اور نسائی نے نقل کی ہے، اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

۱ ص۲۳ میں تخریج کیا گیا ہے مضمون وہی ہے جو سابق حدیث کا ہے روایت ۶۱۱ کا مضمون بھی یہی ہے جسے نسائی نے کتاب قیام اللیل ج ۱ ص۱۵۲ میں تخریج کیا ہے نواب صدیق حسن خان ہدایۃ السائل ص۲۵۶ اس کے متعلق میں لکھتے ہیں ورجال اسنادہ ثقات الا عبد العزیز بن خالد وھو مقبول (التہذیب ج ۲ ص۳۳۵) وقال ابو حاتم شیخ اور کسی کی جرح و تعدیل مذکور نہیں عبدالرحمن بن ابزیٰ کی روایت

۶۱۳ - وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفیٰ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یُسَلِّمُ فِیْ رَکْعَتَیِ الْوِتْرِ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۶۱۴ - وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا صَلَّی الْعِشَاءَ دَخَلَ الْمَنْزِلَ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَهُمَا رَکْعَتَیْنِ اَطْوَلَ مِنْهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لَا یَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ بِاِسْنَادٍ یُعْتَبَرُ بِهٖ۔

۶۱۵ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا بِکَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ قَالَتْ بِاَرْبَعٍ وَّثَلَاثٍ وَّسِتٍّ وَّثَلَاثٍ

---

۶۱۳ - زرارہ بن اوفی نے سعد بن ہشام سے روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

یہ حدیث نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۱۴ - حسن نے بواسطہ سعد بن ہشام، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے، تو گھر میں تشریف لاتے، پھر دو رکعت پڑھتے، پھر ان سے لمبی دو رکعت ادا فرماتے، پھر آپ تین رکعت وتر ادا فرماتے، آپ ان کے درمیان فاصلہ نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث احمد نے معتبر سند سے نقل کی ہے۔

۶۱۵ - عبداللہ بن ابی قیس نے کہا، میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر ادا فرماتے، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ

---

۶۱۲ کا بھی یہی مضمون ہے جسے نسائی ج ۱ صـ۲۵ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۵) روایت ۶۱۳ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کان لا یسلم فی رکعتی الوتر اخرجه النسائی ج ۱ صـ۲۴۸)

(۶) حضرت عائشہ کی اس روایت ۶۱۴ میں بھی اوتر بثلاث لا یفصل بینهن کی تصریح ہے۔

رواه احمد فی مسند ۲ ج ۶ صـ۱۵۵)

وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرَةٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَلَا أَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔

۶۱۶ ۔ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔

۶۱۷ ۔ وَعَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَصَحَّحَهُ ۔

اور تین، دس اور تین اور آپ تیرہ رکعتوں سے زیادہ اور سات رکعتوں سے کم وتر ادا نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث احمد، ابوداؤد اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۱۶ ۔ عبدالعزیز بن جریج نے کہا، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز (سورۃ) کے ساتھ وتر ادا فرماتے تھے۔ انہوں نے کہا، آپ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَيْن (سورۃ فلق اور ناس) تلاوت فرماتے تھے۔

یہ حدیث احمد نے اور نسائی کے علاوہ اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۱۷ ۔ عمرۃ نے بواسطہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر ادا فرماتے تھے، پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تلاوت فرماتے۔

یہ حدیث دارقطنی اور طحاوی نے نقل کی ہے۔ طحاوی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۷۔ عبداللہ بن ابی قیس کے استفسار میں حضرت عائشہ کا جواب روایت ۶۱۵ میں تفصیل سے مذکور ہے مطلب واضح ہے کہ رکعات تہجد کی تعداد تو بدلتی رہتی تھی لیکن وتر کی رکعات کی تعداد میں کوئی تبدیلی نہیں

۶۱۸۔ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ دَفَنَّا أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنِّي لَمْ أُوْتِرْ فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَصَلَّى بِنَا ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ أَخْرَجَهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۶۱۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ الْوِتْرُ ثَلَاثٌ كَوِتْرِ النَّهَارِ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۶۲۰۔ وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ صَلّٰى بِيْ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْوِتْرَ وَأَنَا عَنْ يَمِينِهِ وَأُمُّ وَلَدِهٖ خَلْفَنَا ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُعَلِّمَنِي۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۶۱۸۔ مسور بن مخرمہ نے کہا ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات کو دفن کیا ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے وتر نہیں پڑھے وہ کھڑے ہوئے ہم نے ان کے پیچھے صف بنائی ، انہوں نے ہمیں تین رکعت وتر پڑھائے ، سلام صرف آخر میں پھیرا۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۱۹۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا " وتر تین رکعت ہیں جیسا کہ دن کے وتر مغرب کی نماز ہے " یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

۶۲۰۔ ثابت نے کہا مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر پڑھائے میں ان کے دائیں جانب تھا اور ان کی ام ولد ہمارے پیچھے تھی ، سلام صرف ان کے آخر میں پھیرا ، میرا غالب امکان یہ ہے کہ وہ مجھے وتر کا طریقہ سکھانا چاہتے تھے ۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

ہوتی تھی بلکہ ان کی تعداد ہمیشہ تین ہی ہوتی تھی اس میں تہجد پر بھی مجازاً وتر کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو امام احمد نے اپنی مسند ج ۶ ص ۱۴۹ ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۹۳ اور طحاوی نے ج ۱ ص ۱۹۶ میں تخریج کیا ہے۔

(۸) روایت ۶۱۶ بھی حضرت عائشہ سے مروی ہے جیسے مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۷ ترمذی ج ۱ ص ۱۰ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ ابن ماجہ ص ۸۳ میں نقل کیا گیا ہے والمعوذتین سے مراد یہ ہے کبھی سورۂ اخلاص کبھی الفلق اور کبھی الناس پڑھا کرتے تھے قال الحاکم والذہبی صحیح علی شرط الشیخین مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۲)

۶۲۱۔ وَعَنْ اَبِیْ خَالِدَۃَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الْعَالِیَۃِ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلَّمَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْعَلَّمُوْنَا اَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ غَیْرَ اَنَّا نَقْرَأُ فِی الثَّالِثَۃِ فَھٰذَا وِتْرُ اللَّیْلِ وَھٰذَا وِتْرُ النَّھَارِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۶۲۲۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ قَالَ وَرَاَیْنَا اُنَاسًا مُنْذُ اَدْرَکْنَا یُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَاِنَّ کُلًّا لَوَاسِعٌ وَاَرْجُوْا اَنْ لَّا یَکُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْہُ بَاْسٌ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۲

۶۲۱۔ ابو خالدہ نے کہا، میں نے ابو العالیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے تعلیم دی۔ (یا کہا کہ انہوں نے ہمیں تعلیم دی) وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں، مگر یہ کہ ہم (وتر کی) تیسری رکعت میں قراءۃ کرتے ہیں، تو یہ رات کے وتر ہیں اور وہ دن کے وتر ہیں۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۲۲۔ قاسم نے کہا، "ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ تین رکعت وتر ادا کرتے ہیں اور سب بے شک ہر ایک میں گنجائش ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کچھ بھی حرج نہیں۔
یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

---

(۵) روایت ۶۱۷ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس کا مضمون بھی سابقہ حدیث والا ہے جسے دارقطنی ج ۲ صـ۳۵ طحاوی ج ۱ صـ۱۹۶ میں تخریج کیا گیا ہے قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین وقال الذہبی رواتہ ثقات وھو علی شرطھما (مستدرک حاکم ج ۲ صـ۳۰۱)

(۶) مسور بن مخرمہ کی روایت ۶۱۸ میں حضرت عمر فاروقؓ کا معمول رکعاتِ ثلث کا بتایا گیا ہے اس روایت کی تخریج امام طحاوی نے کتاب الصلوٰۃ باب الوتر ج ۱ صـ۲۰۲ میں کی ہے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صـ۱۴ میں روایت ہے ان عمر بن الخطاب دفن ابا بکرؓ لیلًا ثم دخل المسجد فاوتر بثلاث اور جامع المسانید ج ۱ صـ۲۱ میں ہے ان عمر بن الخطاب قال ما احب انی ترکت الوتر بثلاث وان لی حمر النعم۔

(۱۱) روایت ۶۱۹ میں عبداللہ بن مسعودؓ روایت ۶۲۰ میں حضرت انسؓ روایت ۶۲۱ میں عام صحابہ کا معمول تین رکعات کا نقل کیا گیا ہے تینوں روایات کو امام طحاوی نے کتاب الصلوٰۃ باب الوتر ج ۱ صـ۲۰۲

۶۲۳- وَعَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ السَّبْعَةِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَخَارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ فِي مَشْيَخَةٍ سِوَاهُمْ أَهْلِ فِقْهٍ وَصَلَاحٍ وَفَضْلٍ وَرُبَّمَا اخْتَلَفُوا فِي الشَّيْءِ فَأَخَذَ بِقَوْلِ أَكْثَرِهِمْ وَأَفْضَلِهِمْ رَأْيًا فَكَانَ مِمَّا وَعَيْتُ عَنْهُمْ عَلَى هٰذِهِ الصِّفَةِ أَنَّ الْوِتْرَ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۶۲۴- وَعَنْهُ قَالَ أَثْبَتَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْوِتْرَ بِالْمَدِينَةِ بِقَوْلِ الْفُقَهَاءِ ثَلَاثًا لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۶۲۳- ابوالزناد نے سات حضرات تابعین، سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، ابوبکر بن عبدالرحمنؒ، خارجہ بن زیدؒ، عبیداللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسارؒ سے ان کے علاوہ دوسرے فقیہ، اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں روایت کی اور کبھی وہ کسی چیز میں اختلاف کرتے، تو وہ اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ رائے والا اور افضل ہوتا اور جو بات میں نے اُن سے یاد کی ہے وہ اس طرح ہے کہ وتر تین رکعت ہیں سلام صرف ان کے آخر میں ہی پھیرا جائے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۲۴- ابوالزناد نے کہا "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ منورہ میں فقہاء کرام کے قول کے مطابق تین رکعت وتر مقرر کیے، سلام صرف ان کے آخر میں ہی پھیرا جائے"

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

میں تخریج کیا ہے۔

(۱۲) قاسم کی اس روایت ۶۲۲ میں جمہور امت کا معمول منقول ہے جسے امام بخاری نے ج ۱ ص ۱۳۵ میں تفریبہ ـــــ نقل کیا ہے۔ رہا ان کلا ہوا سع مراد اس سے قبل گذشتہ باب مرون ماز کر یا پر عرض کردی گئی ہے۔

(۱۳) روایت ۶۲۳ میں فقہاء سبعہ اور ارباب علم وفضل اور روایت ۶۲۴ میں عمر بن عبدالعزیز کا تقرر ثلاث رکعات کا معمول منقول ہے جسے امام طحاوی نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۰۱-۲۰۲ میں نقل کیا ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ إِنَّ الْوِتْرَ بِثَلَاثٍ إِنَّمَا يُصَلِّيْ بِتَشَهُّدٍ وَّاحِدٍ

۶۲۵۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاثٍ أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ وَّلَا تُشَبِّهُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ الْمَرْوَزِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ الْاِسْتِدْلَالُ بِهٰذَا الْخَبَرِ غَيْرُ صَحِيْحٍ۔

باب ۔ جس نے کہا کہ وتر تین رکعت ہیں لیکن وہ ایک تشہد سے پڑھے جائیں - ۶۲۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تین رکعت وتر ادا نہ کرو، پانچ یا سات رکعت وتر ادا کرو اور مغرب کی نماز کے مشابہ نہ کرو "

یہ حدیث محمد بن نصر المروزی، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے، نیموی نے کہا اس حدیث سے دلیل پکڑنی صحیح نہیں۔

(۶۲۵ تا ۶۲۶) باب ہذا میں مسلک شافعی (تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ) کے مستدلات کی حقیقت کا اظہار ہے۔

بیان مذاہب (۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وتروں کی تین رکعتیں یکجا پڑھنی ہوں تو ایک تشہد سے پڑھے ورنہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لے پھر ایک رکعت علیحدہ پڑھے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وتروں کی تین رکعتیں ایک سلام اور دو تشہدوں کے ساتھ ہیں امام مالک کا بھی مشہور مسلک یہی ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل اور جمہور کے جوابات (۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۶۲۵ عن ابی ہریرہؓ شوافع کا مستدل ہے جسے محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل صـ۱۲۵ موارد الظمآن صـ۱۷۶ دارقطنی ج ۱ صـ۱۷۳ مستدرک حاکم ج ۱ صـ۳۰۴ اور سنن الکبریٰ ج ۳ صـ۳۱ میں تخریج کیا گیا ہے طریق استدلال میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ چونکہ صلوٰۃ المغرب میں دو تشہد ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ تشہد ایک ہی ہو قال النیموی امام نیمویؒ فرماتے ہیں اس روایت سے شوافع کا استدلال غیر صحیح ہے جمہور نے بھی اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اگر اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھے جائیں بالتشہد ایک ہی ہو تو یہ گذشتہ

۶۲۶۔ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَقْعُدُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ وَهٰذَا وِتْرُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَنْهُ اَخَذَهٗ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحَادِيْثِ الَّتِيْ اَوْرَدْنَاهَا فِيْمَا مَضٰى تَدُلُّ بِظَاهِرِهَا عَلٰى تَشَهُّدَيِ الْوِتْرِ۔

۶۲۶۔ سعید بن ہشام سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر ادا فرماتے تھے صرف ان کے آخر میں ہی بیٹھتے یہی وتر ہیں امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے، اور یہ انہی سے اہل مدینہ نے لیا ہے"

یہ حدیث حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے اور یہ غیر محفوظ ہے۔ نیموی نے کہا، بلاشبہ بہت سی احادیث جنہیں ہم گزشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں۔ ان کا ظاہر وتروں کے دو تشہدوں پر دلالت کرتا ہے۔

ابواب وابحاث میں پیش کردہ صحیح روایات کے خلاف ہوگا لہذا یہ مراد تو ہرگز نہیں۔

(ب) اس میں تشہد اور عدم تشہد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں ہے اور صلوٰۃ المغرب سے عدم مشابہت کا یہ معنی ہے کہ تین رکعتوں پر اکتفا نہ ہو وتروں سے پہلے اور بعد میں نوافل ہوں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں فقد يحتمل ان يكون كره افراد الوتر على معنى ما ذكرنا ... (شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۴۲)

پھر اس پر قرینہ بھی تو اسی حدیث میں موجود ہے بخمس اور بسبع اور مدار بیانِ عدد پر ہے نہ کہ تشہد پر ـــ مولانا بدر عالم میرٹھی فیض الباری کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ان الحديث لم يرد في مسئلة التشهد اصلا بل في بيان العدد وليس فيه الا النهي عن الاقتصار على الثلث۔

(فیض الباری ج ۲ ص۳۲۷)

(۲) شوافعؒ کی دوسری دلیل حضرت عائشہ کی روایت (۶۲۶) ہے جسے حاکم نے مستدرک کتاب الوتر ج ۱ ص۳۰۴ باب الوتر میں تخریج کیا ہے لا يقعد الا في آخرهن الخ قال النيموي امام نیموی رہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں گزشتہ ابواب میں ذکر کردہ بہت سی صحیح احادیث کا ظاہر تشہدین پر دلالت کرتا ہے اور یہ ان کے خلاف پڑتی ہے جمہور کہتے ہیں یہ روایت مستدرک ج ۱ ص۳۰۴ اور سنن الکبریٰ ج ۳ ص۲۸ میں ہے

الفاظ یہ ہیں لا یسلم الا فی آخرھن لا یقعد کے الفاظ نہیں ہیں ایسے ہی نصب الرایہ ج ۲ ص۱۱۸ البنایہ شرح الہدایہ ج ۱ ص۹۷۳، الدرایہ ص۱۱۳، فتح القدیر ج ۲ ص۳۰۳، عقود الجواہر المنیفہ ج ۱ ص۷۱، عمدۃ القاری ج ۳ ص۵۳۰ بحوالہ مستدرک و سنن الکبریٰ ہر جگہ لا یسلم کے الفاظ منقول ہوئے ہیں۔

ایک سلام کے بارے میں احناف کے دلائل

(۱) سنن الکبریٰ ج ۳ ص۳۱ میں روایت ہے۔ عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر۔ یہ روایت طحاوی ج ۱ ص۱۳۶ میں بھی ہے۔ نیمویؒ آثار السنن میں لکھتے ہیں: رواہ النسائی ج ۱ ص۱۹۱ و اٰخرون و اسنادہ صحیح۔

(۲) اور نسائی ج ۱ ص۱۹۱ کی روایت میں عن ابی بن کعب یہ لفظ ہیں ولا یسلم الا فی اٰخرھن۔

(۳) مستدرک ج ۱ ص۳۰۴ میں ہے: عن سعد بن ہشامؓ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اٰخرھن وھذا وتر امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب وعنہ اخذ اھل المدینۃ۔ علامہ ماردینیؒ الجوہر النقی ج ۳ ص۳۶ میں لکھتے ہیں: وذکر صاحب التمہید ابن عبد البرؒ جماعۃ من الصحابۃ روی عنھم الوتر بثلاث لا یسلم الا فی اٰخرھن منھم عمر و ابن مسعود و زید و ابی وانس۔۔۔۔ الخ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کلھم اجمعین۔

(۴) مستدرک ج ۱ ص۳۰۴ عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یسلم فی الرکعتین الاولیین من الوتر قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علیٰ شرطھما۔

(۵) العرف الشذی ص۲۱۰ میں ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: انی وجدت متنہٗ فی تاریخ ابن العساکر وھو ان الوتر ثلاث بسلام ورجال السند ثقات الا میمون ابو عبد اللہ لما اعلم حالہ الا انہ ادرجہ ابن حبانؒ فی کتاب الثقات وقال السیوطیؒ فی جمع الجوامع اسنادہ حسن۔

وتروں میں دو تشہدوں کے متعلق ثبوت کا طریق

(۵) ان عمومی روایات سے استدلال ہے جن میں ہر دو رکعتوں کے بعد ضابطے اور قاعدے کے طور پر تشہد کا ذکر ہے۔ مثلاً ایک روایت ابوعوانہ ج ۲ ص۲۲۲ اور مسلم ج ۱ ص۱۹۴ میں یوں ہے۔ عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی

كل ركعتين التحية - الحديث - گویا ضابطہ بیان فرمایا کہ ہر دو رکعتوں کے بعد آپ التحیات پڑھتے تھے اور ترمذی ج ۱ صـ۵۴ میں یہ روایت ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثنیٰ تشهد في كل ركعتين وتخشع الحديث - تو ان روایات میں ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد ہے۔ اس قاعدے کی رُو سے وتروں کے بعد بھی تشہد اور التحیات ہوگا۔

طریق (۶) مسلم ج ۱ صـ۲۵۶، سنن الکبریٰ ج ۳ صـ۳۰، نسائی ج ۱ صـ۱۹۳ اور موارد الظمآن صـ۱۷۲ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: واللفظ لمسلم جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ويصلي تسع ركعات لا يجلس فيها الا في الثامنة فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثم يقوم فيصلي التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم - الحديث۔ کہ آپ نو رکعتیں پڑھتے تھے، ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے لیکن ساتویں، آٹھویں اور نویں رکعت میں یعنی جب وتر پڑھتے تو آٹھویں رکعت کے بعد التحیات تو پڑھتے لیکن سلام نہ پھیرتے اور راوی نے آٹھویں رکعت کے بعد خصوصیت سے قعود کا ذکر کیا ہے کہ یہ عام قعدوں سے جدا ہے۔ ان میں سلام تھا اس میں نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو نسائی ج ۱ صـ۱۹۳ اور مسند احمد ج ۱ صـ۳۵۰ میں ہے یوں آتی ہے: واللفظ للنسائي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انه نام من الليل ثم قام فاستن ثم صلى ركعتين ثم نام ثم قام فاستن ثم توضأ فصلى ركعتين حتى صلى ستا ثم اوتر بثلاث - الحديث۔ علامہ ابن حزمؒ محلی ج ۳ صـ۴۸ میں لکھتے ہیں: البحث الثاني عشر ان يصلي ثلاث ركعات يجلس في الثانية ثم يقوم بدون تسليم ويأتي بثالثة ثم يجلس ويتشهد ويسلم كصلاة المغرب وهو اختيار ابي حنيفةؒ ودليله حديث عائشةؓ۔ پھر اسی حدیث کا ذکر کیا جو مسلم کے حوالے سے ابھی گزر چکی ہے۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال

امام طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۱۷۳ میں عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ثم اردنا ان نلتمس ذالك من طريق النظر الخ کہ وتر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو از قبیل فرائض ہیں تو ہم تمام فرائض پر غور کر کے دیکھتے ہیں کہ وہ کل تین قسموں پر ہیں: ۱۔ دو رکعت والی جیسے نماز فجر۔ ۲۔ چار رکعت والی جیسا کہ ظہر، عصر، عشاء ہیں۔ ۳۔ تین رکعت والی جیسا کہ مغرب کی نماز۔ اور تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر دو رکعت یا چار رکعت والی نہیں ہو سکتی ہے۔ تو لامحالہ تین رکعت والی نماز فرض یعنی نماز مغرب کے مشابہ قرار دینا لازم آئے گا۔ تو اس صورت میں وتر کی نماز تین ہی رکعت کی ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وتر کی نماز کو فرض مان لیا جائے۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الْوِتْرِ

۶۲۷- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْقُنُوْتِ، فَقَالَ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ

باب - وتر میں قنوت۔ ۶۲۷- عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ ان سے قنوت کے بارہ میں پوچھا گیا

اور اگر وتر کو از قبیل سنن قرار دیا جائے تو ہم تمام سنن پر غور کر کے دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی سنت ایسی نہیں ہے جس کے لیے کوئی نہ کوئی اصل فرائض میں نہ ہو، اور فرائض کل تین قسموں پر ہیں۔ ثنائیہ، رباعیہ، ثلاثیہ۔ اور وتر کا ثنائیہ اور رباعیہ کے مشابہ نہ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اب رہ جاتی ہے صرف ثلاثیہ لہٰذا یہی مسلّم ہوگا کہ اگر وتر کو از قبیل سنن تسلیم کیا جائے تو صلوٰۃ ثلاثیہ کے مشابہ قرار دے کر درمیان میں سلام کے بغیر مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت قرار دینا لازم ہوگا۔ پھر ہم نے تمام نفلی عبادات کا مطالعہ کر کے دیکھا کہ کوئی نفلی عبادت ایسی نہیں ہے کہ جس کے لیے کوئی نہ کوئی اصل فرائض میں سے نہ ہو۔ جیسا کہ عبادات مالیہ۔ اس میں نفلی صدقات ہوتے ہیں۔ لیکن ان نوافل کے لیے فرائض میں سے اصل موجود ہے جیسا کہ زکوٰۃ۔ اور اسی طریقہ سے نفل اور سنت روزہ اس کے لیے فرائض میں اصل ہے جیسا کہ صوم رمضان اور صوم کفارہ وغیرہ۔ اور اسی طرح نفلی حج ہے اس کے لیے بھی فرائض میں اصل ہے جیسا کہ حجۃ الاسلام، البتہ عمرہ کے بارے میں فرض یا واجب ہونے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل کتاب الحج میں آنے والی ہے نیز اسی طرح نفلی غلام آزاد کرنا۔ اس کے لیے بھی فرائض میں اصل ہے جیسا کہ کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کوئی بھی نفلی عبادت ایسی نہیں ہے کہ جس کے لئے فرائض میں کوئی اصل نہ ہو۔ ہاں البتہ بغیر نوافل کے فرائض کا وجود ہو سکتا ہے جیسا کہ نماز جنازہ کہ اس کے لیے فرض تو ہے لیکن اس کا کوئی نفل نہیں ہے۔

لہٰذا اگر ہم وتر کی نماز کو از قبیل سنن قرار دیں اور ایک ہی رکعت قرار دیں تو وہ فرائض کی کسی بھی قسم میں داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ از قبیل فرائض کوئی نماز ایک رکعت والی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا تین ہی رکعت قرار دینا لازم ہوگا۔ یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول ہے۔

قنوت کے لغوی معانی

۶۲۷- مجمع، نہایہ اور علامہ رازی کی جواہر القرآن وغیرہ میں ہے کہ لفظ قنوت مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) طاعت قال اللہ تعالیٰ ((كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ، يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ أي اعبديه وأطيعيه، حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، عطاؒ اور امام شعبی سے آیت ((وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ)) کی تفسیر مطیعین، مروی ہے (۲) طول قیام: نافع نے حضرت

بْنُ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سُنَّةٌ مَاضِيَةٌ أَخْرَجَهُ السَّرَاجُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَسَيَأْتِي رِوَايَاتٌ أُخْرَى فِي الْبَابِ الْآتِي إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔

توانہوں نے کہا، ہم سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی ہے، انہوں نے کہا "یہ نافذ شدہ سنت ہے" یہ حدیث سراج نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ دیگر روایات عنقریب آئندہ باب میں آئیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عمرؓ سے روایت کی ہے انہ قال "القنوت طول القیام" وقرأ "اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّیْلِ" نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا "افضل الصلوٰۃ طول القنوت" یعنی القیام۔

(۴) سکوت: مجاہد کہتے ہیں "القنوت السکون والقنوت الطاعۃ" حارث بن شبل نے حضرت ابو عمر شیبانی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہم نماز کے اندر بات چیت کرلیتے تھے پھر آیت نازل ہوئی "وقوموا للہ قانتین" پس ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا۔ (احکام القرآن)

(۵) خشوع وخضوع (۵) دعاء زین الدین نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ ابن العربی نے اس کے دس معانی ذکر کئے ہیں، قال وقد نظمتہا فی بیتین بقولی ۔

ولفظ القنوت اعدد معانیہ تجد	مزیدا علی عشر معانی مرضیۃ
دعاء خشوع والعبادۃ طاعۃ	اقامتہا اقرارنا بالعبودیۃ
سکوت صلوٰۃ والقیام وطولہ	کذلک دوام الطاعۃ الرابح القنیۃ

دعائے قنوت کا حکم اور بیان مذاہب

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں قنوت سے مراد دعاء ہے وکذا نقل الابہری عن زین العرب۔

وتر کی آخری رکعت میں دعاء قنوت کا ثبوت حضرت حسن بن علی رضؓ ابی بن کعب رضؓ عبداللہ بن مسعود رضؓ، ابن عباسؓ ابن عمرؓ، علیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت براء بن عازب رضؓ وغیرہ متعدد حضرات کی احادیث سے ہے اسی لئے علماء کرام اس کے قائل ہیں باب ہذا کی روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔

چنانچہ ہمارے یہاں دعاء قنوت واجب ہے اور امام احمد کے نزدیک سنت، کفایہ اور نہایہ وغیرہ میں ہے کہ قیاس بھی یہی ہے کہ قنوتِ وتر سنت ہو کیونکہ اقوال میں اصل سنیت ہی ہے، وجہ استحسان یہ ہے کہ قنوت کی اضافت جمیع صلوٰۃ کی طرف ہوتی ہے یقال قنوت الوتر، پس اس کے ترک سے نقصان پوری نماز میں متمکن ہوگا۔

امام مالک کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مستحب ہے (صرف رمضان کے نصف آخر میں) لیکن ابن القاسم اور علی کی روایت میں قنوت کا بالکل انکار ہے یہی ان کے یہاں معتمد ہے اور اسی کو مدونہ میں اختیار کیا ہے چنانچہ روایت "ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان" کی بابت کہا ہے لیس علیہ العمل ولا اری ان یعمل بہ ولا یقنت فی رمضان لا فی اولہ ولا فی آخرہ ولا فی غیر رمضان، .. الوتر اصلاً، دسوقی میں ہے "وندب قنوت سراً بصبح فقط لا بوتر اھ" امام مالک سے تیسری روایت نفی کی ہے کہ قنوت میں وسعت ہے چاہے پڑھے اور چاہے ترک کرے۔

(فائدہ) قنوت وتر تو اخفاء کے ساتھ ہے امام کے حق میں بھی اور قوم کے حق میں بھی (اصح یہ) نیز منفرد کے حق میں بھی اخفاء قنوت ہی مختار ہے (شرح مجمع) رہا قنوت حادثہ جو مسلمانوں پر کوئی سختی پیش آنے پر ہوتا ہے اور نماز میں مومنوں کے لیے دعا اور کافروں کے لیے بددعا ہوتی ہے، سو وہ جہر کے ساتھ ہونا چاہیے یعنی امام جہر سے پڑھے اور قوم آہستہ سے آمین کہا کرے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے جس کو خطیب نے روایت کیا ہے اور صاحب تنقیح نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔

توقیتِ قنوت میں بیان مذاہب

ایک اہم بحث دعائے قنوت میں توقیتِ قنوت کا مسئلہ ہے کہ کب اور کن اوقات میں پڑھنی چاہیے علاوہ ازیں قنوتِ مستقل میں بھی اختلاف ہے یعنی قنوتِ وتر مستقل ہے یا قنوتِ فجر احناف رحمہم اللہ وحنابلہ تو قنوتِ وتر کے مستقل ہونے کے قائل ہیں مالکیہ اور شافعیہ قنوتِ فجر کے ـــــ یہاں پر صرف قنوتِ وتر کی بحث ہے

(۱) امام مالک رحمہ اللہ اسے صرف رمضان میں واجب قرار دیتے ہیں۔

(ب) شوافع رحمہم اللہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک رمضان کے بھی نصف اخیر میں مشروع ہے اور وہ بھی بدرجہ استحباب کے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت ہے جیسا کہ شوافع کے کتب توشیح اور شرح اقناع وغیرہ میں مصرح ہے اور حنابلہ کی روایت غیر مشہورہ بھی یہی ہے (معارف السنن ج ۴ صـ ۲۲۲) معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

(ج) حنفیہ حضرات قنوتِ وتر کو پورے سال میں مشروع اور واجب کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ بھی (دف نہایہ) اسی کے قائل ہیں امام احمد رحمہ اللہ سے بھی مشہور روایت یہی منقول ہے سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام اسحٰق رحمہ اللہ ابراہیم نخعی اور جمہور کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے (معارف السنن ج ۴ صـ ۲۲۲)

دلائل اور مسلکِ احناف کے وجوہ ترجیح

ہماری دلیل یہ ہے کہ احادیث قنوت میں لفظ "اجعل ھذا فی وترك" اور "کان یقنت

بَابُ قُنُوْتِ الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ

۶۲۸ - عَنْ عَاصِمٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَدْ كَانَ الْقُنُوْتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ قَالَ فَاِنَّ فُلَانًا اَخْبَرَنِيْ عَنْكَ اَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ كَذَبَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ

باب۔ رکوع سے پہلے وتر کا قنوت۔ ۶۲۸۔ عاصم نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت وتر کے بارہ میں پوچھا، تو انہوں نے کہا، قنوت تھا، میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد انہوں نے کہا، رکوع سے پہلے، عاصم نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ سے بیان کیا کہ آپ نے کہا ہے رکوع کے بعد ہے، تو انہوں نے کہا، اس نے جھوٹ کہا ہے، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا، میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے ستر کے قریب اشخاص کی ایک جماعت کو جنہیں قرا

اجعلوا آخر صلوتکم وغیرہ الفاظ متفق دوام اور مطلق ہیں جن میں رمضان کے نصف آخر کی قید نہیں ہے، شوافع کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تھا تو ابی بن کعب نے بیس روز تک نماز پڑھائی اور صرف نصف آخر میں قنوت پڑھا (ابوداؤد)

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے اور امام نووی نے خلاصہ میں تصریح کی ہے کہ ہر دو طرق ضعیف ہیں۔

نیز ابن عدی نے الکامل میں حضرت انس سے مرفوع روایت کیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی النصف من رمضان اور کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے نصف آخر میں قنوت پڑھتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو عاتکہ طریف بن سلمان ضعیف ہے، حافظ بیہقی فرماتے ہیں، هذا حدیث لا یصح اسنادہ۔

(۶۲۸ تا ۶۳۴) وتر کی نماز میں دعاء قنوت آخری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھے یا رکوع کے بعد، یہ مسئلہ بھی ائمہ میں مختلف فیہ رہا ہے۔

بیان مذاہب (۱) خود امام شافعی سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں البتہ ان کے

زُهَاءَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا اِلٰى قَوْمٍ مُّشْرِكِيْنَ دُوْنَ اُولٰٓئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

کہا جاتا تھا، مشرکین کی طرف بھیجا، یہ مشرکین ان کے علاوہ تھے جن پر آپ نے بددعا کی تھی، ان مشرکین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا، آپ ان کے خلاف بددعا فرماتے تھے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

اصحاب میں اختلاف ہے بعض قبل الرکوع کہتے ہیں اور بعض بعد الرکوع۔ تاہم ان کے مذہب میں بعد الرکوع مشہور اور صحیح اور مسنون ہے۔

(۲) امام احمدؒ سے دونوں کا جواز منقول ہے۔

(۳) حنفیہؒ کے نزدیک قنوتِ وتر، قبل الرکوع میں مشروع ہے یہی مذہب امام مالک سفیان ثوریؒ عبداللہ بن المبارکؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے شیخ ابن المنذرؒ نے الاشراف میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ الاشعریؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، ابن عباسؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔

شوافعؒ کے دلائل اور حنفیہؒ کے جوابات

شوافعؒ حضرات کی دلیل حضرت حسن بن علیؓ کی حدیث ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے

قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وتری اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ نیز اصحاب سنن اربعہ اور بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی آخر وترہ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک الخ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں لفظ "آخر" آیا ہے مراد بعد الرکوع ہے۔ حنفیہؒ حضرات کہتے ہیں کہ ہر چیز نصف سے زائد پر آخر کہلاتی ہے لہذا تیسری رکعت کے رکوع سے قبل پر بھی آخر کا اطلاق صحیح ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا اپنا اجتہاد ہے جس کا یہ منشا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے دیکھا ہوگا اور اسی پر قنوتِ وتر کو قیاس کر لیا اور قنوتِ نازلہ میں ہم بھی قنوت بعد الرکوع کے قائل ہیں۔

۶۲۹۔ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ بَعْدَ الرُّكُوْعِ اَوْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَاءَةِ قَالَ بَلْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَاءَةِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْمَغَازِيْ۔

۶۳۰۔ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۳۱۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اِلَّا الْوِتْرَ اِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۲۹۔ عبدالعزیز نے کہا، ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ رکوع کے بعد ہے یا قراءۃ سے فارغ ہونے کے وقت؟ انہوں نے کہا: "بلکہ قراءۃ سے فارغ ہونے کے وقت"

یہ حدیث بخاری نے مغازی میں نقل کی ہے۔

۶۳۰۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر ادا فرماتے تھے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے" یہ حدیث ابن ماجہ اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۳۱۔ عبدالرحمٰن بن اسود سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے علاوہ کسی نماز میں بھی قنوت نہیں پڑھتے تھے، بلاشبہ وہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

احناف کے دلائل (۱) چونکہ حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر قبل الرکوع ہے اور قنوت فجر (نازلہ) بعد الرکوع لہٰذا اب جو بعض روایات میں قنوت قبل الرکوع ہے اور بعض میں بعد الرکوع ہے یہ حنفیہ کے خلاف نہیں ہیں اور نہ اس میں حنفیہ کو کسی تاویل اور جواب دینے کی ضرورت ہے کیونکہ جہاں قبل الرکوع آتا ہے وہ وتر پر محمول ہے اور جہاں بعد الرکوع آتا ہے وہ نازلہ پر محمول ہے۔

(۲) باب ہذا کی پہلی روایت ۶۲۰ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے ج ۱ صفحہ ۱۳۶ اور مسلم نے ج ۱ صفحہ ۲۳۷ میں تخریج کیا ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع کے بعد دعا قنوت کا پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے جیسا کہ حنفیہ کا بھی مسلک ہے۔

۶۲۲- وَعَنْ عَلْقَمَةَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَقْنُتُوْنَ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ - رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۶۲۳- وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ - رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِيْ كِتَابِ الْاٰثَارِ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ۔

۶۲۲۔ علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

۶۲۳۔ ابراہیم (نخعیؒ) سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پورا سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

قرّاء سبعون کی شہادت کا واقعہ

قرّاء سبعون یعنی ستر قاری اصحاب صُفّہ سے تھے انہیں قرّاء اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم بہت زیادہ پڑھتے اور بہت یاد کرتے تھے، حالانکہ یہ حضرات بہت زیادہ غریب اور زاہد تھے اور ان کا کام صرف یہ تھا کہ صُفّہ میں ہر وقت قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود جب بھی مسلمان کسی حادثہ میں مبتلا ہوتے تو یہ حضرات پوری شجاعت اور بہادری سے ساتھ حادثہ کا مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کی مدد کرتے۔

ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے جو دن بھر جنگل سے لکڑیاں جمع کرکے لاتے اور انہیں بیچ کر اہل صُفّہ کے لیے کھانا خریدتے تھے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت و دور میں مشغول رہتے تھے۔

ان خوش نصیب اصحابؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کی طرف بھیجا تھا تاکہ یہ وہاں پہنچ کر ان قبائل کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان کے سامنے قرآن کریم پڑھیں جو کفر و شرک اور ظلم و جہل میں پھنس کر تباہی و بربادی کے راستہ پر لگے ہوئے ہیں، جب یہ لوگ بیر معونہ پر جو کہ عسفان کے درمیان ایک موضع ہے، اترے تو عامر بن طفیل، رعل، ذکوان اور قارہ نے ان قراء صحابہ پر بڑی بے دردی سے حملہ کیا اور پوری جماعت کو شہید کر ڈالا ان میں سے صرف ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاری بچ گئے وہ بھی اس طرح کہ جب یہ زخمی ہو کر گر گئے اور جسم بالکل نڈھال ہو گیا، تو ان بدبختوں نے یہ سمجھ کر کہ ان کی روح نے بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ان سے الگ ہو گئے مگر خوش قسمتی سے ابھی ان میں زندگی کے آثار موجود تھے، چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر

۶۳۴۔ وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ أَنَّ الْقُنُوْتَ وَاجِبٌ فِي الْوِتْرِ فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَإِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَإِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ أَيْضًا۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِيْ كِتَابِ الْحُجَجِ وَالْآثَارِ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۳۴۔ حماد نے ابراہیم نخعیؒ سے بیان کیا کہ وتر میں قنوت رمضان اور غیر رمضان رکوع سے پہلے واجب ہے اور جب تم قنوت پڑھنا چاہو تو تکبیر کہو اور جب تم رکوع کرنا چاہو تو بھی تکبیر کہو۔

یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الحج اور آثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور خدا نے ان کو صحت و تندرستی عطا فرمائی یہاں تک کہ غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔

ان ہی شہید صحابہؓ میں ایک خوش نصیب صحابی حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ ان کی نعش مبارک نہیں ملی کیوں کہ انہیں ملائکہ نے دفن کیا تھا۔

بہر حال جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم حادثہ اور ظالم کفار کے ظلم و بربریت کا علم ہوا تو آپؐ کو بے حد غم ہوا حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کے لیے اتنا غمگین نہیں دیکھا جتنا کہ آپ ان مظلوم صحابہؓ کے لیے غمگین ہوئے چنانچہ آپؐ مسلسل ایک مہینہ تک قنوت میں ان بدبخت کفار کے لیے بددعا کرتے رہے، یہ واقعہ ۴ھ میں پیش آیا۔

(۳) باب ہذا کی روایت ۶۲۹ جسے امام بخاریؒ نے کتاب المغازی ج ۲ ص۵۸۶ میں تخریج کیا ہے تصریح ہے کہ مقام قنوت "عند فراغ من القراءة" ہے۔

(۴) روایت ۶۳۰ ابی بن کعب سے مروی ہے فیقنت قبل الرکوع کی تصریح ہے (ابن ماجہ ص۸۴، نسائی ج۱ ص۲۴۹)

(۵) روایت ۶۳۱ میں حضرت ابن مسعودؓ کا معمول منقول ہے کان یقنت قبل الرکوع (طحاوی ج۱ ص۱۷۵)

(۶) روایت ۶۳۲ میں حضرت علقمہ نے حضرت ابن مسعود اور جمہور صحابہ کا معمول یقنتون فی الوتر قبل الرکوع (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۳۰۲) نقل کیا ہے اسی طرح روایت ۶۳۳ میں ابراہیم نے حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں کان یقنت السنة کلها (کتاب الآثار ص۴۳) نقل کیا ہے۔

(۷) حماد عن ابراہیم النخعیؒ کی روایت ۶۳۴ میں بھی رمضان اور غیر رمضان میں قنوت وتر قبل الرکوع مقام بتایا گیا ہے جسے کتاب الآثار ص۴۳ اور کتاب الحج ج ۱ ص۲۰۰ میں نقل کیا گیا ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ قُنُوْتِ الْوِتْرِ

٦٢٥- عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَقْرَأُ فِیْ اٰخِرِ رَکْعَۃٍ مِنَ الْوِتْرِ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فَیَقْنُتُ قَبْلَ الرَّکْعَۃِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ جُزْءِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

٦٢٦- وَعَنْ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَفِی التَّکْبِیْرِ لِلْقُنُوْتِ فِی الْوِتْرِ وَفِی الْعِیْدَیْنِ وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَعَلَی الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَبِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ وَعِنْدَ الْمَقَامَیْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

باب- قنوت وتر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ ٦٢٥- اسود سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ وتر کی آخری رکعت میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تلاوت کرتے، پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ یہ حدیث بخاری نے "جزء رفع یدین" میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٦٢٦- ابراہیم نخعیؒ نے کہا، سات مقامات پر ہاتھ اٹھائے جائیں، نماز کے شروع میں وتر میں قنوت کی تکبیر کے لیے عیدین میں، حجر اسود کے استلام کے وقت، صفا اور مروہ پر، مزدلفہ عرفات اور دونوں جمروں کے پاس رمی کے بعد مقام کے وقت۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(٦٢٥ تا ٦٢٦) رفع الیدین عند قنوت الوتر مسنون ہے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ٦٢٥ اسود بن عبد اللہ سے مروی ہے جسے امام بخاری نے جزء رفع یدین ص۲۰ میں نقل کیا ہے ثم یرفع یدیہ کی تصریح ہے۔

(۲) ابراہیم النخعی کی روایت ٦٢٦ میں سبع مواطن رفع یدین میں وفی التکبیر للقنوت فی الوتر کی تصریح ہے جسے امام طحاوی نے کتاب المناسك الحج ص۱۵۵ میں تخریج کیا ہے۔

(۳) حافظ ابن القیمؒ بدائع الفوائد ج ۴ ص۱۱۱ میں لکھتے ہیں۔ ان ابن مسعودؓ کان یقنت فی الوتر اذا فرغ من القرأۃ کبر ورفع یدیہ ثم یقنت اور سنن الکبریٰ ج ۳ ص۴۱ میں ہے: ابوھریرۃؓ یرفع یدیہ فی قنوتہ فی شھر رمضان وفیہ ابو قلابۃ وعبد اللہؓ بن زید الجرمیؒ یرفع یدیہ فی قنوتہ جزء رفع الیدین ص۲۸ اور ازالۃ الخفاء ج ۱ ص۹۳ میں ہے کہ

بَابُ الْقُنُوْتِ فِیْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ

۶۲۷۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَازَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْنُتُ فِی الْفَجْرِ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا۔ رَوَاہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالطَّحَاوِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَۃِ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ مَقَالٌ۔

۶۲۸۔ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْقِرَآءَۃِ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ کَبَّرَ ثُمَّ قَنَتَ ثُمَّ کَبَّرَ فَرَکَعَ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

باب۔ نماز فجر میں قنوت ۔ ۶۲۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ دنیا سے جدا ہوگئے" یہ حدیث عبدالرزاق، احمد، دارقطنی، طحاوی اور بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

۶۲۸۔ طارق بن شہاب نے کہا "میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، جب وہ دوسری رکعت کی قراءۃ سے فارغ ہوئے، تو تکبیر کہی، پھر قنوت پڑھی، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

عمر فاروقؓ یرفع یدیہ فی القنوت۔ التعلیق الحسن ج ۲ ص۵۸ میں حضرت ابوہریرۃؓ سے اور تلخیص الحبیر ص۹۶ میں حضرت انسؓ سے رفع یدین کا ثبوت ہے طحاوی ج ۱ ص۲۹۱ میں ہے قال ابراھیم النخعیؒ ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلٰوۃ و فی تکبیرۃ للقنوت ..... الخ ومثلہ فی کتاب الاٰثار لابی یوسف ص۲۱ اور علامہ زیلعی نصب الرایہ ج ۱ ص۳۹۱ میں فرماتے ہیں: قد تواترت الاخبار برفع الیدین فی الوتر۔

۶۲۷ تا ۶۴۱۔ اس سے قبل بھی عرض کیا تھا کہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ قنوتِ وتر مستقل ہیں یا قنوتِ فجر حنفیہ اور حنابلہ قنوت فی الوتر کے استقلال کے قائل ہیں شافعیہؒ اور مالکیہؒ قنوت فی الفجر کے۔ امام بخاریؒ نے بھی قنوت کو ابواب الوتر میں ذکر کر کے قنوت فی الوتر کے استقلال کا عندیہ دیا ہے۔

نفسِ ثبوتِ قنوت پر اجماع

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفسِ ثبوتِ قنوت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں سب کو اعتراف ہے کہ اس کا ثبوت

۶۳۹۔ وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَقْنُتُ فِیْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۲۲

۶۴۰۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَبُوْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقْنُتَانِ فِیْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۶۳۹۔ ابو عبدالرحمن سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز فجر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۴۰۔ عبداللہ بن معقل نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشا چار نمازوں میں بلا سبب شوافع کے یہاں بھی قنوت نہیں ہے چنانچہ امام نوویؒ نے تصریح کی ہے کہ فجر کے علاوہ باقی چار نمازوں میں امام شافعیؒ سے تین قول ہیں صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ اگر مسلمانوں پر خوف دشمن قحط اور وباء وغیرہ کی کوئی آفت نازل ہو جائے (العیاذ باللہ) تو ہر نماز میں دعا قنوت جائز ہے وھذا القول لم یقل بہ الا الشافعی اب صرف فجر کی نماز باقی رہ جاتی ہے کہ اس میں بلا سبب قنوت ہے یا نہیں؟ تو اس میں دو مذہب ہیں۔

بیان مذاہب

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ صاحبینؒ عبداللہ بن المبارکؒ امام احمدؒ اور بقول امام ترمذی اکثر اہل علم کے نزدیک فجر میں بلا سبب قنوت نہیں ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے یہاں فجر کی نماز میں دائمی طور پر قنوت ہے دلائل دونوں کے پاس ہیں۔

شوافع کے دلائل اور ان کا تجزیہ

علامہ ابن الجوزی نے التحقیق میں ذکر کیا ہے کہ شوافع کی احادیث (جن سے وہ استدلال کرتے ہیں) چار قسم کی ہیں اول جو مطلق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت پڑھی، اس میں کسی کا نزاع نہیں، کیوں کہ یہ امر ثابت ہے، دوم وہ جو مقید ہیں کہ آپ نے صبح کی نماز میں دعا قنوت پڑھی، اس قسم کی احادیث اول کی روشنی میں صرف ایک ماہ قنوت پڑھنے پر محمول ہیں جن کو ہم عنقریب بیان کریں گے۔ سوم وہ جو حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ آپ نماز فجر اور نماز مغرب میں قنوت پڑھتے تھے (مسلم، ترمذی، احمد، نسائی، احمد، طحاوی) اس کا جواب یہ ہے کہ بلا سبب مغرب کی نماز میں قنوت کا نہ ہونا شوافع کو بھی مسلم ہے فما ھو جوابھم عن المغرب

۹۴۱- وَعَنْ اَبِیْ رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَہُ الْفَجْرَ فَقَنَتَ قَبْلَ الرُّکُوْعِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۹۴۱- ابورجاء نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے (ابن عباسؓ) کے ہمراہ فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فهو بمعنا عن الفجر، چہارم وہ جو ان کے لیے صریح حجت ہے مثلاً حضرت انس بن مالک کی حدیث "قال مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا" (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص۱۱۰، مسند احمد ج ۳ ص۱۶۲، دارقطنی ج ۱ ص۳۹، حاکم، طحاوی ج ۱ ص۱۴۳، اسحٰق بن راہویہ، بیہقی ج ۲ ص۲۰۱) جسے ہمارے مصنفؒ نے ۹۴۰ نمبر پر نقل کیا ہے صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ یہ حدیث شوافع کی دلائل میں سے عمدہ ترین دلیل ہے، لیکن اس کا راوی ابوجعفر عیسیٰ بن ماہان رازی ہے جس کی بابت صاحب تنقیح نے گو ایک جماعت سے توثیق نقل کی ہے لیکن حافظ ابن الجوزی کتاب التحقیق اور العلل المتناہیہ میں فرماتے ہیں، ہذا حدیث لا یصح کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ ابوجعفر رازی کے متعلق علی بن المدینی فرماتے ہیں کان یخلط، یحییٰ بن معین کہتے ہیں، کان یخطی، امام احمد فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث، شیخ ابوزرعہ فرماتے ہیں کان یہم کثیراً، ابن حبان کہتے ہیں کان یتفرد بالمناکیر عن المشاہیر۔

سوال خطیب بغدادی نے کتاب القنوت میں حضرت انس بن مالک کے خادم دینار بن عبداللہ کی روایت عن انس "قال مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوٰۃ الصبح حتی مات" کی تخریج کے بعد سکوت کیا ہے معلوم ہوا کہ حدیث قابل احتجاج ہے۔

جواب، علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ خطیب کا اس حدیث کی تخریج کے بعد سکوت اور اس سے احتجاج عصبیت باردہ۔ قلت تدین اور بڑی شرمناک بات ہے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے کیونکہ ابن حبان نے دینار بن عبداللہ کے متعلق کہا ہے "دینار یروی عن انس آثاراً موضوعۃ لا یحل ذکرھا فی الکتب الا علی سبیل القدح فیہ" کہ یہ حضرت انس سے بالکل موضوع آثار نقل کرتا ہے جن کو کتابوں میں ذکر کرنا حلال نہیں الا یہ کہ ان کے ذکر سے اظہار نقص و عیب مطلوب ہو فواعجباً للخطیب۔

پھر حضرت انسؓ سے صحیح احادیث اس کے خلاف مروی ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے شرح آثار میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے "انہ علیہ السلام انما قنت شہراً یدعو علی احیاء من العرب ثم ترکہ"

بَابُ تَرْكِ الْقُنُوْتِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

٦٦٢- عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلْ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَالَ نَعَمْ بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَسِيْرًا- رَوَاهُ الشَّيْخَانِ-

٦٦٣- وَعَنْ اَبِيْ مِجْلَزٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوْعِ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَيَقُوْلُ عُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ- رَوَاهُ الشَّيْخَانِ-

---

باب۔ فجر کی نماز میں قنوت نہ پڑھنا - ٦٦٢- محمد نے کہا، میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں رکوع کے بعد تھوڑی سی مدت تک۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

٦٦٣- ابو مجلز نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں رکوع کے بعد ایک مہینہ تک قنوت پڑھی آپ قبیلہ رعل، ذکوان کے خلاف بددعا کرتے تھے آپ فرماتے انبی عُصَیَّہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

کہ آپ نے صرف ایک ماہ دعاء قنوت پڑھی جس میں عرب کے بعض قبائل کے لیے بددعاء تھی، اس کے بعد آپ نے اس کو ترک کر دیا۔

دیگر احادیث باب کی تخریج وجواب باب ہذا کی دیگر روایات میں صلوٰۃ الصبح یا صلوٰۃ الفجر کی تصریح منقول ہے یہ سابقہ تخریج کی روشنی میں صرف ایک ماہ قنوت پڑھنے پر محمول ہیں جس کے تفصیلی ادلہ اگلے باب میں مذکور ہیں۔

باب ہذا کی دوسری روایت ٦٢٨ میں حضرت عمر رض کا عمل منقول ہے روایت ٦٢٩ میں حضرت علی رض کا ٦٣٠ میں علی رض اور ابو موسیٰ اشعری رض اور ٦٣١ میں ابن عباس رض کا ان تمام روایات کو امام طحاوی رح نے ج ۱ صـ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳ میں تخریج کیا ہے۔

احناف کے دلائل ٦٢٢ تا ٦٦٣- باب کی تمام روایات اس بات کا قوی مستدل ہیں کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور جمہور صحابہ نے مستقلاً ہمیشہ کے لیے صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھی اور جن روایات میں قنوت پڑھنا ثابت ہے وہ قنوتِ نازلہ ہوا کرتی تھی جس کے حنفیہ بھی قائل ہیں۔

۶۴۴۔ وَعَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنِ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْبَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔ قَالَ قُلْتُ فَاِنَّ اُنَاسًا يَزْعُمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلٰى اُنَاسٍ قَتَلُوْا اُنَاسًا مِّنْ اَصْحَابِهٖ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۶۴۵۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوْعِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَدْعُوْ عَلٰى بَنِيْ عُصَيَّةَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۴۴۔ عاصم نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ رکوع سے پہلے ہے یا رکوع کے بعد، تو انہوں نے کہا، رکوع سے پہلے عاصم کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی، تو انہوں نے کہا، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ ان کے متعلق بددعا کی، جنہوں نے آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا تھا، جنہیں قراء کہا جاتا ہے۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۶۴۵۔ انس بن سیرین نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ رکوع کے بعد نماز فجر میں قنوت پڑھی، آپ بنی عُصَیّہ کے خلاف بددعا کرتے تھے۔

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

قال النیموی سے ہمارے مؤلف نے بھی یہی بات کہہ دی ہے۔

احادیث باب کی تخریج

چونکہ باب کی تمام روایات کا مضمون ایک، مفہوم ترجمہ میں واضح اور مدلول قطعی ہے اس سے حسب ضرورت بعض روایات کی تشریح پر اکتفا کیا جائے گا البتہ ذیل میں تخریج کر دی جاتی ہے تاکہ بحث وتحقیق میں حوالہ کی سہولت رہے روایت ۶۴۲ بخاری ج ۱ ص۱۳۶، روایت ۶۴۳ بخاری ج ۲ ص۵۸۸ مسلم ج ۱ ص۲۳۷ روایت ۶۴۴ بخاری ج ۱ ص۱۳۶ مسلم ج ۱ ص۲۳۷ روایت ۶۴۵ مسلم ج ۱ ص۲۳۷ روایت ۶۴۶ مسلم ج ۱ ص۲۳۷ روایت ۶۴۷ تلخیص الحبیر ج ۱ ص۲۴۵ روایت ۶۴۸ بخاری ج ۲ ص۵۹۰ روایت ۶۴۹ تلخیص الحبیر ج ۱ ص۲۴۶ روایت ۶۵۰ ترمذی ج ۱ ص۹۱ روایت ۶۵۱ طحاوی ج ۱ ص۱۴۲ روایت

۷۴۶۔ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلٰى اَحْيَاءٍ مِّنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ ثُمَّ تَرَكَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۴۷۔ وَعَنْهُ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَقْنُتُ اِلَّا اِذَا دَعَا لِقَوْمٍ اَوْ دَعَا عَلٰى قَوْمٍ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۴۸۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى اَحَدٍ اَوْ يَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا

۷۴۶۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھی وہ آپ عرب کے قبیلہ کے خلاف بددعا کرتے تھے، پھر آپ نے چھوڑ دیا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۷۴۷۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قنوت اسی وقت پڑھتے جب کسی قوم کے لیے یا کسی قوم کے خلاف بددعا فرماتے۔

یہ حدیث ابن خزیمہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۴۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے خلاف بددعا یا کسی کے حق میں دعا کا ارادہ فرماتے۔ دکوع کے بعد قنوت پڑھتے بعض اوقات آپ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ۔

(اے اللہ ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرمائیں، اے اللہ! قبیلہ مضر پہ اپنی روندڈالنے والی سزا سخت فرما دیں اور ان پہ قحط نازل فرمائیں، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑے تھے۔)

---

۷۵۴ کتاب الآثار ج ص۱۱ روایت ۵۳، ۷۵۵ طحاوی ج ۱ ص۱۴۳ روایت ۴، ۷۵۶ حوالہ مذکور روایت ۵، ۷۵۵ طحاوی ج ۱ ص۱۴۳ روایت ۷۵۷ حوالہ مذکور روایت، ۷۵۵ طحاوی ج ۱ ص۱۴۹ روایت ۷۵۸ حوالہ مذکور روایت

سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ فِي الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

٧٤٩۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِلَّا اَنْ يَدْعُوَ لِقَوْمٍ اَوْ عَلٰى قَوْمٍ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

٧٥٠۔ وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِيْنَ اَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ

یہ دعا آپ بلند آواز سے فرماتے اور بعض اوقات آپ اپنی فجر کی نماز میں فرماتے "اے اللہ! عرب کے قبیلوں میں سے فلاں فلاں قبیلہ پر لعنت فرمائیں" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔
"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔

٧٤٩۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، مگر یہ کہ آپ کسی قوم کے لیے دعا فرماتے یا کسی قوم کے لیے بددعا فرماتے"
یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٧٥٠۔ ابو مالک نے کہا: میں نے اپنے والد سے عرض کیا۔ اے ابا جان! بلاشبہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور کوفہ میں پانچ سال کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، کیا یہ حضرات نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے تھے، انہوں نے

---

٧٤٩ حوالہ مذکورہ، روایت ٧٧٠ موطا امام مالک ص١٤٣ روایت ٧٧١ طحاوی ج ١ ص١٤٣ روایت ٧٧٢ المعجم الکبیر للطبرانی ج ١ ص٢٤٥ روایت ٧٧٣ طحاوی ج ١ ص١٤٣۔

روایت ابوہریرہ کی تشریح

باب ہذا کی روایت ٧٤٩ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی اجمالی تشریح پیشِ خدمت ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کفار کی قید میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے ان کی رہائی

فِي الْفَجْرِ قَالَ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيصِ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۶۵۱۔ وَعَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ فِي صَلٰوةِ الصُّبْحِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۶۵۲۔ وَعَنْهُ أَنَّهُ صَحِبَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سِنِيْنَ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ فَلَمْ يَرَهُ قَانِتًا فِي الْفَجْرِ حَتّٰى فَارَقَهُ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي كِتَابِ الْآثَارِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۶۵۳۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا حَارَبَ قَنَتَ وَإِذَا لَمْ يُحَارِبْ لَمْ يَقْنُتْ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

کہ ''اے بیٹے! یہ بدعت ہے'' یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، حافظ نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۵۱۔ اسود سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نمازِ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔''
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۵۲۔ اسود سے روایت ہے کہ میں سالہا سال حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سفر اور حضر میں ساتھ رہا، مفارقت تک کبھی بھی ان کو نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔
یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۵۳۔ اسود نے کہا حضرت عمرؓ جب دشمنوں سے جنگ کرتے تو قنوت پڑھتے اور جب جنگ نہ کرتے تو نہ پڑھتے (یعنی صرف ہنگامی حالت میں قنوت پڑھتے تھے)، یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ونجات کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے اور عرب کے وہ قبائل جو مسلمانوں کا قافیہ تنگ کیے رہتے تھے ان کے لیے بددعا فرماتے تھے، چنانچہ ولید ابن ولید قریشی مخزومی جو اسلام کے مایۂ ناز فرزند اور اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی تھے، جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کی جانب سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، ان کے بھائی خالد اور ہشام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی کی طرف سے چار ہزار درہم بطور فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا اور

۶۵۴- وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ وَمَسْرُوْقٍ اَنَّهُمْ قَالُوْا كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْفَجْرَ فَلَمْ يَقْنُتْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۵۵- وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۵۶- وَعَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اِلَّا الْوِتْرَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرَّكْعَةِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۵۴- علقمہ، اسود اور مسروق نے کہا "ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھتے تھے، وہ قنوت نہیں پڑھتے تھے" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۵۵- علقمہ نے کہا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۶۵۶- اسود نے کہا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اور وہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

مکہ لے گئے۔ ولید جب رہا ہو کر مکہ پہنچے تو وہاں اسلام کی مقدس روشنی نے ان کے قلب و دماغ کو منور کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تم ان کے پاس مدینہ میں قید تھے تو اسی وقت فدیہ دینے سے پہلے ہی مسلمان کیوں نہیں ہو گئے کیونکہ وہاں مسلمان ہو جانے کی شکل میں چار ہزار درہم جو فدیہ میں دیئے وہ بھی بچ جاتے اور مسلمان بھی ہو جاتے؟

انہوں نے کہا کہ "مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگا کہ لوگ یہ کہیں کہ قید سے گھبرا کر اسلام لے آیا"

مکہ کے کفار اور قبیلہ کے لوگوں کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ ولید اسلام لے آئیں اور اس کی سزا انہیں نہ ملے چنانچہ بھائیوں نے انہیں قید میں ڈال دیا اور جتنا بھی ظلم ان پر ہو سکتا تھا کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی حالتِ مظلومیت کا پتہ چلا تو آپ نے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی رہائی اور نجات کے لیے دعا مانگی۔ اس طرح وہ کفار مکہ کے چنگل سے بچ کر مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔

سلمہؓ بن ہشام، ابوجہل کے بھائی تھے اور بالکل ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے کفار مکہ نے

۷۵۷- وَعَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ مَا شَهِدْتُ وَمَا رَأَيْتُ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۷۵۸- وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ مَا الْقُنُوْتُ فَقَالَ إِذَا فَرَغَ الْإِمَامُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيْرَةِ قَامَ يَدْعُوْ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا يَفْعَلُهُ وَإِنِّي لَأَظُنُّكُمْ مَعَاشِرَ أَهْلِ الْعِرَاقِ تَفْعَلُوْنَهُ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۷۵۹- وَعَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الصُّبْحَ فَلَمْ يَقْنُتْ فَقُلْتُ الْكِبَرُ يَمْنَعُكَ فَقَالَ مَا أَحْفَظُهُ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۷۵۷- ابو الشعثاء نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارہ میں پوچھا، تو انہوں نے کہا، نہ تو میں (ایسے موقع پر) حاضر ہوا اور نہ میں نے دیکھا۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۵۸- ابو الشعثاء نے کہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، قنوت کیا ہے؟ (سائل نے) کہا امام جب آخری رکعت میں قراءۃ سے فارغ ہو تو کھڑا ہو کر دعا کرے، انہوں نے کہا، میں نے کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا، میرا خیال ہے کہ عراق والوں کا گروہ ایسا کرتا ہے۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۵۹- ابو مجلز نے کہا، میں نے نماز فجر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا کی تو انہوں نے قنوت نہ پڑھی میں نے کہا، آپ کو بڑھاپے نے (قنوت پڑھنے سے) روکا ہے؟ انہوں نے کہا، میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بھی اسے یاد نہیں رکھتا (کہ انہوں نے قنوت پڑھی ہو)۔
یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

انہیں بھی قید کر رکھا تھا اور ان پر انتہائی ظلم و جور کرتے تھے، یہ بھی ان کے ہاتھوں سے نکل کر مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔
عیاش بن ابی ربیعہ بھی ابوجہل کے ماں کی طرف سے اخیافی بھائی تھے، قدیم الاسلام ہیں، ابتدائی دور میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے

٦٦٠- وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

٦٦١- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحَارِثِ السُّلَمِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الصُّبْحَ فَلَمْ يَقْنُتْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

٦٦٢- وَعَنْ غَالِبِ بْنِ فَرْقَدِ الطَّحَّانِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ شَهْرَيْنِ فَلَمْ يَقْنُتْ فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

٦٦٣- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ بِنَا الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَلَا يَقْنُتُ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ تَدُلُّ الْاَخْبَارُ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ لَمْ يَقْنُتُوْا فِي الْفَجْرِ اِلَّا فِي النَّوَازِلِ۔

٦٦٠- نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔
یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٦٦١- عمران بن الحارث السلمی نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر ادا کی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٦٦٢- غالب بن فرقد الطحان نے کہا "میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دو مہینہ رہا، انہوں نے نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھی" یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

٦٦٣- عمرو بن دینار نے کہا "حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہمیں فجر کی نماز پڑھاتے تھے تو وہ قنوت نہیں پڑھتے تھے"

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے نیموی نے کہا احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام فجر کی نماز میں سوائے ہنگامی حالات کے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

مدینہ شریف سے آئے تو یہ بھی مدینہ آ گئے ابوجہل بھی ان کے ساتھ اس طرح دھوکہ کیا کہ وہ مدینہ آیا اور ان سے کہا کہ تمہاری ماں تمہارے لیے سخت بے چین ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لے گی سایہ میں نہیں بیٹھے گی۔

بَابُ لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ

۴۶۴۔ عَنْ قَیْسِ بْنِ طَلْقٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب۔ ایک رات میں وتر دو دفعہ نہیں - ۴۶۴۔ قیس بن طلق سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا، میں نے

عیاش دم کر ماں کی محبت ابوجہل جیسے ظالم شخص کے ساتھ مکہ کھینچ لائی، مکہ پہنچ کر ابوجہل نے انھیں باندھ کر قید میں ڈال دیا اور ان پر ظلم کر کے اپنے جذبۂ وحشت و بربریت کی تسکین حاصل کرتا رہا، تا آنکہ یہ بھی اس کی قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آ گئے۔ آخر میں معرکہ تبوک کے موقع پر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ وہ خوش نصیب اصحاب تھے جن کی رہائی و نجات کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مقدس دعا میں مشغول ہوتی تھی، گویا حدیث کی پہلی دعا اللّٰھم انج الخ اس بات کی مثال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں مؤمنین کے لیے دعا فرماتے تھے، حدیث کی دوسری دعا اللّٰھم اشدد الخ اس بات کی مثال ہے کہ آپ قنوت میں ظلم و ستم کے پیکر کفار کے لیے بددعا فرماتے تھے، چنانچہ آپ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ سات سال تک مسلسل قحط میں گرفتار رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کی ہڈیاں کھا کر زندگی کے وہ سخت دن پورے کیے۔

آیت لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کے مناسب چونکہ یہ نہیں تھا کہ آپ کسی کے لیے بددعا فرمائیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے منع فرما دیا گیا کہ کسی شخص کے لیے اس کا نام لے کر آپ بددعا نہ فرمائیں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے مثلاً دشمن حملہ آور ہو قحط اپنی لپیٹ میں لے یا کوئی وبا پھیل جائے خشک سالی ہو جائے یا اس قسم کی کوئی بھی صورت پیش آ جائے جس سے مسلمان مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ تمام فرض نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنے کا اہتمام کریں چنانچہ حضرات حنفیہ کے یہاں بھی کسی حادثہ اور وبا کے وقت فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنا جائز ہے۔

(۴۶۴ تا ۴۶۸) باب ہٰذا کی غرض انتقاض نقض وتر کے مسئلہ کی توضیح ہے اس میں دو مسلک مشہور ہیں۔

بیان مذاہب

(۱) اگر کوئی شخص آغاز شب میں فرض عشاء کے پڑھ لینے کے بعد وتر ادا کر کے سو جائے پھر آخر شب میں بیدار ہو کر تہجد پڑھے تو چاروں ائمہ اور جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک وتر کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور تہجد کی نماز بغیر وتر کے پڑھ لینا درست ہے۔

يَقُولُ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

٦٦٥۔ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَذَاكَرَا الْوِتْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمَّا أَنَا فَأُصَلِّي ثُمَّ أَنَامُ عَلَى وِتْرٍ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتُ صَلَّيْتُ شَفْعًا حَتَّى الصَّبَاحِ فَقَالَ عُمَرُ لٰكِنِّي أَنَامُ عَلَى شَفْعٍ ثُمَّ أُوتِرُ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ حَذِرَ هٰذَا وَقَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَوِيَ هٰذَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالْخَطَّابِيُّ وَبَقِيُّ بْنُ مَخْلَدٍ وَإِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ایک رات میں دو بار وتر نہیں "
یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٦٦٥۔ ابن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں وتر کا ذکر کیا، ابوبکر رض نے کہا، میں تو نماز پڑھتا ہوں پھر وتر پڑھ کر سوتا ہوں، پھر جب بیدار ہوتا ہوں، صبح تک دو دو رکعت پڑھتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، لیکن میں دو رکعت پڑھ کر سو جاتا ہوں، پھر سحری کے آخر وقت میں وتر پڑھتا ہوں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس نے احتیاط سے کام لیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اس نے مضبوط کام لیا" یہ حدیث طحاوی، خطابی اور بقی بن مخلد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

---

(۲) امام اسحٰق بن راہویہ مندرجہ بالا بیان کردہ صورت میں نقض وتر کے قائل ہیں یعنی ایسا شخص تہجد کے لیے اٹھنے کے بعد پہلے ایک رکعت نماز نفل کی نیت سے پڑھ لے تو یہ رکعت عشاء کے وتر کے ساتھ مل کر شفع بن جائے گی گویا اول لیل میں پڑھی ہوئی صلوٰۃ وتر منقوض ہو جائے گی تو ایسے شخص کو تہجد کی نماز پڑھ لینے کے بعد آخر میں دوبارہ وتر پڑھنے چاہئیں مؤلف باب لا وتران فی لیلۃ کے عنوان سے اس کی رد کرنا چاہتے ہیں۔

ائمہ اربعہ اور جمہور کے دلائل | باب ہذا کی تمام روایات ائمہ اربعہ اور جمہور اہل سنت کی مستدل ہیں۔

(۲) باب کی پہلی روایت ۶۶۴ عن قیس بن طلق عن ابیہ میں لا وتران فی لیلۃ کی تصریح ہے

۶۶۶۔ وَعَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ اِذَا اَوْتَرْتَ اَوَّلَ اللَّیْلِ فَلَا تُوْتِرْ اٰخِرَہٗ وَاِذَا اَوْتَرْتَ اٰخِرَہٗ فَلَا تُوْتِرْ اَوَّلَہٗ قَالَ وَسَأَلْتُ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو فَقَالَ مِثْلَہٗ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۶۶۷۔ وَعَنْ خَلَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ یَاسِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَسَأَلَہٗ رَجُلٌ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ اَمَّا اَنَا فَاُوْتِرُ ثُمَّ اَنَامُ فَاِنْ قُمْتُ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۶۶۶۔ ابوجمرہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وتر کے بارہ میں دریافت کیا، تو انہوں نے کہا جب تم شروع رات میں وتر ادا کرلو تو رات کے آخری حصہ میں وتر مت پڑھو اور جب تم رات کے آخری حصہ میں وتر ادا کرلو تو رات کے اول حصہ میں وتر ادا نہ کرو۔ ابوجمرہ نے کہا اور میں نے عائذ بن عمرو سے پوچھا تو انہوں نے بھی انہیں جیسا جواب دیا۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۶۶۷۔ خلاس نے کہا: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے سنا، جب آپ سے ایک شخص نے وتر کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے کہا، "لیکن میں تو وتر پڑھ کر سو جاتا ہوں، پھر اگر بیدار ہو جاؤں تو دو دو رکعتیں ادا کرتا ہوں"۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(ترمذی ج ۱ صـ۱ ابوداؤد ج ۱ صـ۲۰۳ نسائی ج ۱ صـ۲۴۷ مسند احمد ج ۴ صـ۲۳) جس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ایک رات میں ایک مرتبہ وتر پڑھ لینا کافی ہے۔

(۲) باب کی دوسری روایت ۶۶۵ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کا معمول رات میں ایک مرتبہ وتر کی نماز منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو حذر ھذا اور دوسرے کو قوی ھذا کے القاب سے نوازا ہے (طحاوی ج ۱ صـ۲۳۷)

(۳) روایت ۶۶۶ میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائذ بن عمرو کے فتاویٰ ہیں کہ رات میں ایک مرتبہ وتر پڑھے جائیں (حوالہ مذکور)

(۴) روایت ۶۶۷ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا یہی معمول منقول ہے (حوالہ مذکور)

(۵) روایت ۶۶۸ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے لا وتران فی لیلۃ۔ (حوالہ مذکور)

اسحاق بن راہویہ کے دلائل اور جمہور کے جوابات | (۱) امام اسحاق بن راہویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۶۶۸ - وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا نَقْضُ الْوِتْرِ فَقَالَتْ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

---

۶۶۸ - سعید بن جبیر نے کہا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس وتر توڑنے کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا "رات میں دوبار وتر نہیں ہیں" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل و قوی ہے۔

کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (صحیح بخاری ج ا ص۱۳۶ و صحیح مسلم ج ا ص۲۵۷)

(۲) اس معاملے میں وہ حضرت ابن عمرؓ کی اقتداء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بھی نقض وتر کے قائل تھے استدلال میں مسند احمد کی روایت پیش کرتے ہیں عن ابن عمر انه كان اذا سئل عن الوتر قال فلو اوترت قبل ان انام ثم اردت ان اصلي بالليل شفعت بواحدة ما مضى من وتري ثم صليت مثنى مثنى فاذا قضيت صلوتي اوترت بواحدة (وقال الهيثمي رواه احمد وفيه اسحاق وهو مدلس وهو ثقة وبقية الرجال رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج ۲ ص۲۴۲)

ائمہ اربعہ اور جمہور کہتے ہیں کہ (۱) یہ نقض وتر صحیح نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ اجعلوا آخر صلوتكم باللیل وترا کا امر استحباب پر محمول ہے کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا ثابت ہے چنانچہ اس سے متعلقہ روایات اگلے باب میں ۶۶۹ سے ۶۷۱ تک باب الرکعتین بعد الوتر کے ترجمۃ الباب کے تحت آرہی ہیں۔

(۲) باقی رہی حضرت ابن عمرؓ کے عمل کی بات تو امام محمد بن نصر مروزیؒ کتاب الوتر میں نقل کرتے ہیں کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نقض وتر کا مسئلہ میں نے اپنی رائے سے مستنبط کیا ہے اس پر آپ کی میرے پاس کوئی روایت نہیں ہے عن مسروق قال قال ابن عمر شيء افعله برأيي لا رواية (معارف السنن ج ۴ ص۲۵۷)

یہی وجہ ہے کہ جمہور صحابہؓ اس کی تردید کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل نقض وتر پہنچا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فقال ان ابن عمر ليوتر في الليلة ثلاث مرات (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص۳۰) یعنی اس طرح تو وہ ایک ہی رات میں تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں حالانکہ احادیث الباب کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو مرتبہ وتر پڑھنے کو بھی منع فرمایا ہے۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْوِتْرِ

۶۶۹- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب - وتر کے بعد دو رکعت۔ ۶۶۹- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی پڑھی ہوئی نماز کو) ایک رکعت کے ساتھ وتر بناتے تھے۔ دو رکعت پڑھتے۔ (ان) دو رکعتوں میں بیٹھے ہوئے قراءۃ فرماتے ہیں جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔"
یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(۶۶۹ تا ۶۷۱) وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ذکر کثرت سے احادیث میں آیا ہے المتبوعین کا اس میں بھی اختلاف ہے۔

بیان مذاہب

(۱) امام مالکؒ رکعتین بعد الوتر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں لا اصلیھما (معارف السنن ج ۴ صفحہ ۲۵۸)

(۲) امام احمدؒ سے صرف ایک مرتبہ پڑھنا ثابت ہے اور ایک روایت میں درمیانی راہ نکالی ہے اور کہتے ہیں کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز نہ تو میں خود پڑھتا ہوں اور نہ کسی کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں۔

(۳) امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں تاہم جمہور علماء اس کے قائل ہیں اور یہ ان کا معمول رہا بھی ہے کہ کثیر احادیث میں ان رکعتوں کا ثبوت موجود ہے۔

احادیث باب کی تخریج

سیدہ عائشہ روایت ۶۶۹ ابن ماجہ صفحہ ۸۵ حضرت ثوبانؓ کی روایت ۶۷۰ سنن دارمی صفحہ ۱۹۱ طحاوی ج ۱ صفحہ ۲۳۶ دارقطنی ج ۲ صفحہ ۳۶ حضرت ابو امامہ کی روایت ۶۷۱ مسند احمد ج ۵ صفحہ ۲۶۰ اور طحاوی ج ۱ صفحہ ۲۳۷ میں تخریج کی گئی ہیں۔

ایک تعارض اور اس کا حل

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا اثبات نہ صرف یہ کہ روایات باب سے ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے وتر پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اجعلوا اٰخر صلاتکم باللیل وترا (اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو رکھو) لہٰذا بظاہر ان

٧٧٠۔ وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَثِقَلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَاِلَّا كَانَتَا لَهٗ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

٧٧٠۔ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " بلاشبہ یہ رات کا جاگنا محنت ومشقت ہے، پس جب تم میں سے کوئی وتر پڑھ لے تو دو رکعتیں پڑھے، پھر اگر وہ رات کو اٹھ بیٹھا (تو تہجد پڑھ لے) ورنہ یہ دو رکعتیں اس کے لیے (تہجد) ہو جائیں گی "۔

یہ حدیث دارمی، طحاوی اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

روایتوں میں بڑا سخت تعارض نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے علماء کو بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے تو سرے سے ان احادیث کا انکار کر دیا ہے جس میں وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

حضرت امام احمدؒ نے ایک درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز نہ تو میں خود پڑھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں۔

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کا پڑھنا بہر حال حدیث صحیح سے ثابت ہے اس لیے اس سے بالکل صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ حضرات دونوں رکعتوں کے پڑھنے کے قائل ہیں جہاں تک احادیث کے باہم تعارض کو رفع کرنے کا سوال ہے تو ان حضرات کی جانب سے ان احادیث میں دو طرح کی تطبیق پیدا کی گئی ہے۔

ایک تو یہ کہ اجعلوا اٰخر صلٰوتکم باللیل وترا میں صلوٰۃ سے مراد ان دو رکعتوں کے علاوہ دوسری نوافل نمازیں ہیں اس طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ رات میں وتر پڑھ لینے کے بعد ان دونوں رکعتوں کے علاوہ دوسرے نوافل نہ پڑھو۔

دوسری تطبیق جمہور علماء کی طرف سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لی جائیں اور کبھی نہ پڑھی جائیں تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہوتا رہے۔ گویا یوں کہنا چاہیے کہ حدیث اجعلوا اٰخر صلٰوتکم الخ استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر۔ یعنی اس میں جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب

۴۳

۶۷۱- وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ یَقْرَأُ فِیْهِمَا اِذَا زُلْزِلَتْ وَقُلْ یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ - رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

---

۶۷۱- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھے ہوئے پڑھتے تھے ۔ ان میں اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ اور قُلْ یَآ اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ تلاوت فرماتے ۔

یہ حدیث احمد اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے ۔

کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے ۔

رکعتین بعد الوتر میں قیام افضل ہے یا جلوس

اس کے بعد یہ بات بھی اختلافی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت اس صورت میں پڑھتے تھے جب کہ آپ وتر رات کے ابتدائی حصہ میں ہی یعنی عشاء کے بعد ادا کرتے تھے یا اس شکل میں پڑھتے تھے جبکہ آپ وتر آخری رات میں تہجد کے بعد ادا کرتے تھے ، چنانچہ اس سلسلہ میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث منقول ہے وہ تو مطلق ہے اس میں صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے ۔ یہ کچھ ذکر نہیں ہے کہ اول شب میں پڑھتے تھے یا آخری شب میں ۔ مگر ثوبان سے جو حدیث منقول ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا وتر کے بعد دو رکعت کا پڑھنا اس صورت میں تھا جب کہ آپ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں اس باب کے آخر میں آ رہی ہیں ۔

بخاری و مسلم اور مؤطا کی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قیام لیل کی صورت میں تھا یعنی آپ رات میں تہجد کی نماز پڑھتے تو وتر کے بعد دو رکعت بھی پڑھا کرتے تھے اور یہی صحیح بھی ہے ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دو رکعتیں وتر کے ملحق ہیں اور وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں یعنی جس طرح فرض نماز کی سنتیں ہوتی ہیں کہ وہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح یہ دونوں رکعتیں وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہیں ۔

حضرت شاہ صاحب شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں " تو ثبت الرکعتان بعد الوتر فالسنة فیهما الجلوس دون القیام فان الجلوس فیهما قصدی غیر ان فی تردد فی ثبوتهما ما تقدم "

(معارف السنن ج ۴ صفحہ ۲۵۹)

بَابُ التَّطَوُّعِ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ

۲٫۷۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۲٫۷۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ پانچ نمازوں کے لیے نفل۔ ۲٫۷۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعات یاد رکھی ہیں، دو رکعتیں ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۲٫۷۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنا سخت اہتمام فجر کی سنتوں کا فرماتے، نوافل میں سے اور کسی کا اتنا اہتمام نہ فرماتے تھے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

پھر بعض حضرات ان دو رکعتوں میں بھی قیام کو افضل قرار دیتے ہیں، لاطلاق حدیث عمران بن حصین "قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاۃ الرجل وھو قاعد، فقال: من صلی قائماً فھو افضل ومن صلاھا قاعداً فلہ نصف اجر القائم ومن صلاھا نائماً فلہ نصف اجر القاعد (ترمذی ج ۱ ص ۸۴)۔

(۲٫۷۲ تا ۲٫۹۸) شریعت اسلامی میں نماز چونکہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے نیز دیگر عبادات کے مقابلہ میں اس کی بڑی اہمیت اور بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے اس لیے شریعت نے دوسری عبادتوں کو جہاں صرف فرائض تک محدود رکھا ہے وہاں اس عبادت کو فرائض و واجبات کے علاوہ سنن سے بھی نوازا ہے فرائض سے قبل سنتوں کی مشروعیت شیطان کی طمع کو ختم کرنے کے لیے ہے کہ جب آدمی سنتیں پڑھے گا تو شیطان کہے گا کہ جو چیز اس پر فرض نہیں تھی اس کو اس نے نہیں چھوڑا تو فرض کو کیا ترک کر سکتا ہے اور فرائض سے بعد کی سنتیں اس لیے مشروع ہیں کہ اگر فرائض میں نسیان وغیرہ کی وجہ سے کوئی نقص آجائے تو وہ ان کے ذریعہ سے پورا ہو جائے درمختار میں بھی لکھا ہے۔

۶۷۴- وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ- رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۷۵ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا- رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۷۶- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِيْ لَيْلَتِهَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ اِلٰى مَنْزِلِهِ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۷۴- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعات اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ترک نہیں فرماتے تھے۔“ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۶۷۵- ام المومنینؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فجر کی دو رکعتیں (یعنی سنتیں) دنیا اور اس میں موجود تمام اشیاء سے بہتر ہیں“ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۶۷۶- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں کے ہاں رات گذاری، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باری میں ان کے پاس تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، پھر اپنے گھر تشریف لا کر چار رکعات ادا فرمائیں۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

شرعت البعدیہ لجبر النقصان والقبلیۃ لقطع طمع الشیطان،

احادیث الباب کی تشریح

باب کی پہلی روایت ۶۷۲ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام بخاریؒ نے ج ۱، ۱۵۷ اور مسلم نے ج ۱ ص ۲۵۲ میں تخریج کیا ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ سنن مؤکدہ کی تعداد ۱۰ رکعت بتاتے ہیں جب کہ حنفیہ کے نزدیک سنن مؤکدہ جو فرائض کے ساتھ ہیں کی تعداد بارہ ہے جب کہ امام شافعیؒ اپنے قول مشہور کے مطابق اور امام احمدؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ظہر کی سنن قبلیہ صرف دو رکعتیں ہیں اُن کا مستدل باب ھذا کی پہلی روایت ہے کہ رکعتین قبل الظھر ورکعتین بعدھا۔

۲۷۷- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۲۷۷- عبداللہ بن شقیق نے کہا: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارہ میں دریافت کیا، تو انہوں نے کہا "آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے پھر تشریف لے جاتے، لوگوں کو نماز پڑھا کر تشریف لاتے، دو رکعتیں ادا فرماتے، آپ مغرب کی نماز لوگوں کو پڑھا کر تشریف لاتے دو رکعتیں ادا فرماتے، اور آپ عشاء کی نماز لوگوں کو پڑھانے کے بعد میرے گھر تشریف لاتے، تو دو رکعتیں ادا فرماتے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

حدیث ابن عمرؓ سے جوابات و توجیہات

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اکثری حالات میں آپ ظہر سے قبل چار رکعت ہی پڑھتے تھے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ چار کے بجائے دو رکعت کہنا مبنی بر سہو ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ (قالہ الحافظ فی الفتح)

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ ظہر کی چار رکعت سنت گھر پڑھا کرتے تھے لہذا ازواج مطہرات نے چار ہی ذکر کی ہیں جیسا کہ باب ہذا میں اُن سے روایات نقل کی گئی ہیں جب آپ نماز پڑھانے مسجد تشریف لاتے تو وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو ظہر کی سنتیں سمجھ لیا۔

(۳) حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ظہر کی سنن قبلیہ کا نہیں بلکہ ایک اور نماز کا بیان ہے جسے صلوٰۃ الزوال کہتے ہیں۔ یہ دو نفلیں تھیں جو آپ زوال کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے متعدد روایات اربع قبل الظہر کی سنیت پر مروی ہیں اس کے باوجود انہی سے ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر بھی بعض روایات میں آیا ہے چنانچہ ترمذی میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے فرماتے ہیں "سألت عائشۃ عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: کان یصلی قبل

۶۷۸- وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يُّصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّالْآخَرُوْنَ.

۶۷۹- وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۷۸- ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہے سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا" جو مسلمان بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے فرض نماز کے علاوہ ہر دن بارہ رکعت نفل ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتے ہیں"

یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

۶۷۹- انہی ام المومنین نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے ایک دن رات میں بارہ رکعات ادا کیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے، چار رکعات ظہر سے پہلے، دو رکعتیں ظہر کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد اور نماز فجر کی دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔

یہ حدیث ترمذی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

الظهر رکعتین وبعدها رکعتین (ج ا ص۳) لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اربع رکعات قبل الظهر اور رکعتین قبل الظهر دونوں نمازیں الگ الگ تھیں، چار تو سنن قبلیہ تھیں اور دو صلوٰۃ الزوال یا پھر تحیۃ المسجد۔

(۴) حافظ ابن جریر طبری نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں باتیں ثابت ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا بھی اور دو رکعتیں پڑھنا بھی، البتہ چار رکعتوں کی روایات زیادہ ہیں اور دو رکعتوں کی کم ہیں، لہٰذا دونوں طریقے درست ہیں۔ (معارف السنن ج ۴ ص۱۰۶)

(۵) اہل کہتے ہیں کہ حدیث ابن عمر میں رکعتین کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ تثنیہ (۲) اور

۶۸۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ثَابَرَ عَلٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِّنَ السُّنَّةِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ الْاَرْبَعَةُ اِلَّا اَبَادَاوٗدَ وَ اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۶۸۰۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے بارہ رکعت سنت پر پابندی کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے، چار رکعات ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے"
یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

اور جمع (رح) کے منافی نہیں ہے یعنی اگر یہاں رکعتین کے معنی کے بجائے دو رکعت کے چار رکعت مراد لیے جائیں تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے اس توجیہ کے ذریعہ اس حدیث میں اور ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں ظہر کے فرض سے قبل چار رکعت سنت ثابت ہیں (ملا علی قاری)

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

باب ہذا کی روایت ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵ حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن میں سے پہلی دو کو امام بخاری نے ج ۱ ص ۱۵۶، ص ۱۵۵ میں نقل کیا ہے جب کہ تیسری روایت کو امام مسلم نے ج ۱ ص ۲۵۱ میں تخریج کیا ہے ایک تو اس میں یہ تدریج ہے کہ کان لایدع اربعاً قبل الظهر خیر من الدنیا وما فیها سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ الدنیا وما فیها سب سے قیمتی اور کارآمد ہے کیونکہ دنیا وما فیہا سب فانی ہے جب کہ ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے اس حقیقت کا انکشاف بلکہ مشاہدہ ہم سب کو آخرت میں ان شاء اللہ ہو جائے گا۔

اضافی فائدہ

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ فجر کی دو رکعتیں بہت ہلکی ہوتی تھیں بخاری کی حدیث عائشہؓ میں ہے کہ حضورؐ اتنی مختصر پڑھتے تھے کہ مجھے شبہ ہوتا تھا کہ آپؐ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں، امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرتے تھے۔
لیکن جمہور کے نزدیک کوئی مختصر سورۃ ملانا ضروری ہے روایت میں ہے کہ آپؐ سورۃ کافرون واخلاص

۶۸۱- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ۔

۶۸۲- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۶۸۱- ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائیں، جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھے" یہ حدیث ابو داؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے ترمذی نے اسے حسن، اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۶۸۲- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے تو چار یا چھ رکعات ضرور ادا فرمائیں۔

یہ حدیث احمد، اور ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

پڑھا کرتے تھے۔

سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے روایت ۶۷۶ اور ۶۷۷ جنہیں علی الترتیب بخاری ج ۱ ص۱۲۰ اور مسلم ج ۱ ص۲۵۲ میں تخریج کیا گیا ہے دونوں اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ سنتیں (مؤکدہ وغیر مؤکدہ) گھر میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ گھر میں سنن و نوافل پڑھنے والا ریا ونمائش سے دور اور اخلاص و صدق کے قریب تر ہوتا ہے بلکہ اس سے گھروں میں رحمت خداوندی اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے تاہم علماء اس پر متفق ہیں کہ مسجد میں نفل اور سنت پڑھنا مکروہ نہیں ہے مسجد اور گھر کے پڑھنے میں صرف افضیلت اور غیر افضلیت کا فرق ہے تاہم گھروں میں سنت اور نفل پڑھنے کا یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو فرض نماز کی ادائیگی کے بعد گھروں کو واپس ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں جو لوگ فرض نماز کی ادائیگی کے بعد گھروں کو نہیں جاتے جیسے مسجد میں اعتکاف میں بیٹھنے والے تو وہ مسجد ہی میں سنن اور نوافل پڑھ لیں۔

روایات ام حبیبہؓ ام حبیبہؓ کی روایت ۶۷۸ میں دن ورات کی سنتوں کی جو تعداد مذکورہ تفصیل کے

٦٨٣ - وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَكْعَتَيْنِ إِلَّا الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ - رَوَاهُ إِسْحٰقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

٦٨٤ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

٦٨٥ - وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

---

٦٨٣ - حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور عصر کے علاوہ ہر نماز کے بعد دو رکعت ادا فرماتے تھے" یہ حدیث اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

٦٨٤ - ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ظہر سے پہلے چار رکعات ادا نہ فرماتے تو انہیں ظہر کے بعد ادا فرماتے۔
یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٦٨٥ - حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے، ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے پیروکار مسلمانوں اور مومنوں پر سلام کے ساتھ فاصلہ فرماتے"
یہ حدیث ترمذی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ساتھ بتائی گئی ہے وہ تمام سنتیں مؤکدہ ہیں اس روایت کو مسلم ج ۱ ص۲۵۱ میں تخریج کیا گیا ہے ان کی دوسری روایت ٦٧٩ امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۹۶ میں نقل کی ہے اس کا مدلول بھی یہی ہے اسی طرح حضرت عائشہ کی روایت ٦٨٠ جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۹۶ میں نقل کیا ہے کا مضمون بھی وہی ہے جو حضرت ام حبیبہؓ کی روایات کا ہے۔

عصر کی سنتیں

روایت ٦٨١ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص۹۸ میں تخریج کیا ہے عصر کی یہ چار سنتیں مؤکدہ نہیں ہیں چنانچہ اس حدیث میں رحمہ اللہ کہ کر اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ عصر سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعت نماز مستحب ہے حکیم الامت

۶۸۶۔ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ كَانُوا لَا يَفْصِلُونَ بَيْنَ أَرْبَعٍ قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَلَا أَرْبَعٍ بَعْدَهَا۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْحُجَجِ وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔
۶۸۷۔ وَعَنْهُ قَالَ مَا كَانُوا يُسَلِّمُونَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

۶۸۶۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا " (صحابہ کرامؓ) ظہر سے پہلے چار رکعتوں کے درمیان سلام سے فاصلہ نہ کرتے تھے مگر تشہد کے ساتھ نہ جمعہ سے پہلی چار رکعات میں اور نہ جمعہ کے بعد چار رکعات میں "
یہ حدیث محمد بن الحسنؒ نے حجج میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔
۶۸۷۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا " (صحابہ کرامؓ) ظہر سے پہلے چار رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے "
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ان چار رکعت کی کوئی معین فضیلت بیان کرنے کے بجائے مطلق رحمت کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ قید بیان میں نہیں آسکتا۔

عشاء کی سنتیں

روایت ۶۸۷ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حسب ضرورت توضیح یہ ہے کہ

عشاء کے بعد کی سنتوں کے سلسلہ میں جتنی بھی مشہور روایتیں منقول ہیں ان میں یا تو دو رکعت پڑھنا منقول ہے یا چار رکعت، صرف یہی ایک ایسی حدیث ہے جس میں چھ رکعت پڑھنے کا ذکر کیا جا رہا ہے جن احادیث میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے کچھ پہلے بھی گذر چکی ہیں۔ جن روایتوں سے چار رکعت پڑھنا معلوم ہوتا ہے ان میں سے منجملہ ایک حدیث یہ بھی ہے جس کو سعید ابن منصور نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عشاء سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے اس رات میں تہجد کی نماز پڑھی اور جس شخص نے عشاء کے بعد چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں چار رکعت نماز پڑھی۔

بہرحال۔ اس روایت کی وضاحت یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جو چار رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سے دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہوتی تھیں اور دو رکعت مستحب البتہ (دو سنت رکعات) میں حرف او کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ شک کے لیے ہے یا پھر تنویع کے لیے ہے۔ روایت ۶۹۳ حضرت علیؓ جس کے راوی ہیں امام زیلعی نے نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۵۰ میں اس کی تخریج کی ہے عصر اور فجر کے بغیر تمام نمازوں میں فرض کے

بعد دو رکعت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے۔

سنتِ ظہر کا حکم

حضرتِ عائشہ رضؓ کی روایت ۴۸۳ (ترمذی ج ۱ صفحہ ۹۶) میں چار رکعت سنتِ ظہر کا بیان ہے۔

اس حدیث کے مطابق اگر ظہر کی سنن قبلیہ چھوٹ جائیں یا جماعت شروع ہونے کی حالت میں انہیں چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے تو ان کو بعد میں پڑھ لے کیونکہ فرض کے بعد وقت کے اندر ان کی ادائیگی ممکن ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سنتِ ظہر بعد میں بھی قضا نہ کرے لیکن یہ صحیح نہیں حدیث عائشہ رضؓ سے اس کی رد ہوتی ہے صاحب ہدایہ نے بھی ھو الصحیح کہہ کر اس مذہب کو رد کیا ہے پھر اس بعد کی ادائیگی میں احناف سے دو اقوال منقول ہیں یعنی فرض کے بعد پہلے چار سنت پڑھے یا بعد والی دو رکعت سنت پڑھ کر یہ پڑھے (۱) پہلا قول یہ ہے کہ ان چار رکعات کی بعد والی دو رکعتیں پر ادائیگی مقدم ہوگی بناءً علی ان الابتداء بالفائتة اولیٰ یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے محیط میں امام ابو حنیفہؒ کو بھی امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے فتاویٰ عتابیہ اور مبسوط وغیرہ میں ہے کہ اصح و مختار قول یہی ہے (ب) دوسرا قول امام محمدؒ کا ہے کہ بعد والی دو رکعت کو مقدم کرے محقق ابن الہمامؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ ان کا حق یہی ہے کہ فرض سے متصل رہیں یہی قول متفق بہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا فاتته الاربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر (سنن ابن ماجہ صفحہ) جامع صغیر وغیرہ میں اختلاف اسی طرح مذکور ہے اور بعض نے اختلاف اس کے برعکس ذکر کیا ہے اور صاحب مجمع نے اسی کو اصح کہا ہے۔

سنت کی چار رکعت میں فصل ہے یا وصل

باب ہٰذا کی آخری تین روایات میں اس مسئلہ کی توضیح ہے کہ ظہر کی چار رکعت سنت ایک سلام کے ساتھ پڑھے جائیں یا دو سلام ضروری ہیں شوافع اور حنابلہ کے نزدیک فصل ہے حنفیہ وصل کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ۶۸۵ (ترمذی ج ۱ صفحہ ۹۸) ان کا مستدل ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ یہاں بالتسليم سے مراد سلام معروف نہیں بلکہ تشہد ہے کیونکہ تشہد میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين۔

چنانچہ یہ رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی جیسا ابراہیم النخعی کی روایت ۶۸۶ (کتاب الحجہ ج ۱ صفحہ ۲۷۶) اور ان ہی کی روایت ۶۸۷ (طحاوی ج ۱ صفحہ ۲۳۲) کا واضح مدلول یہی ہے جو احناف کا مستدل ہیں۔

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهِ عَلَى الْفَصْلِ بِتَسْلِيمَةٍ بَيْنَ الْأَرْبَعِ مِنْ سُنَنِ النَّهَارِ

٦٨٨- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ ذِكْرُ النَّهَارِ لَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ وَيُعَارِضُهُ بَعْضُ الْأَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمَةِ مِمَّا ذَكَرْنَاهُ فِي الْبَابِ السَّابِقِ۔

باب - وہ روایت جس سے دن کی چار سنتوں کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ ٦٨٨ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رات اور دن کی نماز دو دو (رکعت) ہے۔ یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا اس روایت میں دن کا ذکر غیر محفوظ ہے اور اس کے معارض پہلی بعض احادیث ہیں جنہیں ہم گذشتہ باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

---

(٦٨٨) باب ھذا کی روایت، عن ابن عمر کی تخریج ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۳ نسائی ج ۱ ص ۲۴۶ ابن ماجہ ص ۹۴ ترمذی ج ۱ ص ۹۹ اور مسند احمد ج ۲ ص ۲۶ میں کی گئی ہے یہ روایت ان لوگوں کا مستدل ہے جو سنن النہار میں فصل کے قائل ہیں امام نیموی جواب میں فرماتے ہیں کہ اس روایت میں نہار کا ذکر غیر محفوظ ہے اور یہ ان تمام روایات کے معارض ہے جن میں وصل کی اولویت ثابت ہے۔ امام نیموی نے تعلیق الحسن میں اس کے غیر محفوظ ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قلت تفرد به علي بن عبد الله البارقي الأزدي وهذا الحديث أخرجه الشيخان في صحيحهما وآخرون في كتبهم من طريق جماعة عن ابن عمر ليس في روايتهم ذكر النهار وقال الترمذي رواه الثقات عن عبد الله بن عمر عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يذكروا فيه صلاة النهار انتهى وقال النسائي هذا الحديث عندي خطاء۔

(تعليق الحسن)

بَابُ النَّافِلَةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

۶۸۹- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الْمُؤَذِّنُ اِذَا اَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ كَذٰلِكَ يُصَلُّوْنَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَزَادَ مُسْلِمٌ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ اَنَّ الصَّلٰوةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا۔

باب - مغرب سے پہلے نفل - ۶۸۹ - حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا "جب مؤذن اذان کہتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگ دیواروں کی طرف (جاتے ہیں) جلدی کرتے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھ رہے ہوتے۔"

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے اور مسلم نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں۔

"یہاں تک کہ اگر مسافر آدمی مسجد میں داخل ہوتا تو یہ دو رکعتیں کثرت سے پڑھنے والوں کی وجہ سے یہ سمجھتا کہ نماز (جماعت) ہو چکی ہے۔"

(۶۸۹ تا ۶۹۴) یہ اور اس سے اگلا باب دونوں کی غرض انعقاد غروب شمس کے بعد اور صلوٰۃ مغرب سے قبل نفل نماز پڑھنے کے شرعی حکم کی توضیح ہے مغرب کے بعد فریضۂ مغرب سے پہلے نفل نماز پڑھنے کے متعلق علماء سلف کا اختلاف ہے۔

بیان مذاہب (۱) صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا درست ہے اور یہ حضرات نفل پڑھتے تھے متاخرین میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے بھی اس کو مستحب مانا ہے۔ شوافع بھی اس کی اولیت کے قائل ہیں۔

(۲) جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک مغرب سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے۔

قائلین رکعتین قبل المغرب کے دلائل (۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۶۸۹) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے (بخاری ج ۱ صفحہ ۸۷ و مسلم ج ۱ صفحہ ۲۷۸)

حنفیہ جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث اوّل امر پر محمول ہے کیوں کہ اسی باب کی روایت (۶۹۱) میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے کسی کو یہ نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کبھی ہم بھی یہ پڑھتے تھے تو صحابی سے تابعی نے یہ پوچھا کہ اب کیوں

۷۹۰۔ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّاهُمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۹۱۔ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْيَزَنِيِّ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُلْتُ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۷۹۰۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے (مختار فلفل کہتے ہیں) میں نے ان سے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دو رکعتوں کو پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا "آپ ہمیں دیکھتے تھے، نہ تو ہمیں پڑھنے کا حکم دیتے اور نہ منع فرماتے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۷۹۱۔ مرثد بن عبداللہ الیزنی نے کہا، میں حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے کہا، ابوتمیم کے بارہ میں آپ کو عجیب بات نہ بتاؤں، وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں، عقبہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں ہم بھی اسی طرح کرتے تھے" میں نے کہا، اب آپ کو کس چیز نے منع کیا ہے؟ انہوں نے کہا "مصروفیت نے" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

نہیں پڑھتے تو فرمایا قال الشغل مشغولیت کی وجہ سے (بخاری ج ۱ ص۱۵۷) اگر رکعتین قبل المغرب مستحب ہوتے تو صحابہ کرام کیوں چھوڑتے۔

ملا علی قاری "حضرت انس بن مالک کی روایت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس طریقہ کے نادر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمومی طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جبکہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آتا ہے لہذا اس حدیث کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت انس یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دن لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ

٦٩٢- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلوٰةٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلوٰةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ- رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ-

٦٩٣- وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً- رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِأَبِي دَاؤُدَ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ-

---

٦٩٢- حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہر دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، آپ نے پھر تیسری بار فرمایا " اس شخص کے لیے جو چاہے " (یعنی ضروری نہیں)۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

٦٩٣- حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، " پھر آپ نے تیسری بار فرمایا جو شخص چاہے " اس بات کو ناپسند سمجھتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت (مؤکدہ) بنا لیں گے "

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے اور ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں " مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو "

مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد آ گئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا لہٰذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے (مظاہر حق)

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت ٦٩٠ میں حضرت انس سے مروی ہے (مسلم ج ۱ ص ۲۷۸) جس میں تصریح ہے کہ فلم یامرنا ولم ینہانا اس سے حضور کی تقریر ثابت ہوئی بظاہر استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ نماز درست تھی اگر مکروہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے حنفیہ جواب میں کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین سے ثابت ہے کہ وہ اس وقت یہ نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔

لہٰذا اس سلسلہ میں خلفاء راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

۶۹۴- وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَمُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِيُّ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَزَادَ ثُمَّ قَالَ صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ خَافَ اَنْ يَحْسَبَهَا النَّاسُ سُنَّةً وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۶۹۴- حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل میں نقل کی ہے (مروزی نے) یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں۔
آپ نے پھر فرمایا "مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو" پھر تیسری بار فرمایا "جو شخص چاہتا ہے" اس بات کا خوف کھاتے ہوئے (آپ نے یہ فرمایا) کہ لوگ اسے سنت شمار کریں گے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۳) مرثد بن عبداللہ الیزنی کی روایت ۶۹۱ (بخاری ج ۱ ص۱۵۸) میں ان کا مستدل ہے تاہم احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث سے کم از کم اتنی بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ یہ نماز سنت نہیں ہے بلکہ مباح ہے کیونکہ اگر مسنون ہوتی تو حضرت عقبہؓ جو صحابیت جیسے عظیم مقام پر فائز تھے دنیا کی مشغولیت سنت کی ادائیگی سے ہرگز مانع نہ بنتی۔

(۴) باب ہذا کی چوتھی روایت ۶۹۲ عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے بخاری ج ۱ ص۱۵۸ ابوداؤد جلد ۱ ص۱۸۲ مسلم ج ۱ ص۲۷۸) روایت ۶۹۳ (بخاری ج ۱ ص۱۵۸) اور روایت ۶۹۴ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص۱۳) بھی ان ہی سے منقول ہیں جس میں صلوا قبل المغرب کی تصریح ہے ابن حبان کی روایت ۶۹۴ میں صلی قبل المغرب رکعتین کا اضافہ ہے۔

حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ سنن ابوداؤد وغیرہ کی حدیث ابن عمرؓ "انه سئل عن الرکعتین قبل المغرب فقال: ما رأیت احداً علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلیهما ورخص فی الرکعتین بعد العصر" اس کے معارض ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ میں نے عہد نبوی میں کسی کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ امام ابوداؤدؒ اور علامہ منذری نے اس حدیث کی تخریج کے بعد سکوت فرمایا ہے معلوم ہوا کہ حدیث صحیح ہے، امام نووی نے خلاصہ میں اس کی اسناد کو حسن مانا ہے، اکابرین صحابہ کا عمل بھی اسی پر رہا ہے چنانچہ امام محمد نے کتاب الآثار میں حماد بن ابی سلیمان سے روایت کیا ہے "انه سأل ابراهیم النخعی عن الصلوٰة قبل

بَابُ مَنْ اَنْكَرَ التَّنَفُّلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

۷۹۵۔ عَنْ طَاوٗسٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

باب: جس شخص نے مغرب سے پہلے نفل پڑھنے کا انکار کیا ہے۔ ۷۹۵۔ طاؤس نے کہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ

المغرب قال فنهانا عنهما وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابا بكر وعمر لم يكونوا يصلونها

اور ابن حبان نے جو یہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھی سو یہ ایک فوت شدہ نماز کی قضا تھی جس کی تصریح حضرت جابر کی حدیث میں موجود ہے۔ حافظ طبرانی نے مسند الشامیین میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے "قال سألنا نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم هل رأيتن رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الركعتين قبل المغرب فقلن لا غير ان ام سلمة قالت صلاهما عندي مرة فسألته ما هذه الصلوة فقال نسيت الركعتين قبل العصر فصليتهما الآن"

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے دیکھا ہے؟ سب نے کہا: نہیں، اور حضرت ام سلمہ نے بتایا کہ میرے یہاں آپ نے ایک مرتبہ یہ نماز پڑھی تھی میں نے پوچھا: یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں عصر سے قبل دو رکعتیں بھول گیا تھا ان کو اس وقت پڑھ لیا۔

نیز دارقطنی و بیہقی نے سنن میں اور حافظ بزار نے مسند میں حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان عند كل اذانين ركعتين ما خلا المغرب" کہ ہر دو اذانوں کے درمیان (اذان و اقامت کے درمیان) دو رکعت نماز ہے سوائے مغرب کے (ملخصاً از فتح القدیر وغیرہ)

ثم قال عند ثالثة لمن شاء خافة ان يحسبها الناس سنة۔ کی تصریح بھی اس کی سنیت کی نفی پر قطعی دلیل ہے۔ لمن شاء سے آپ نے اس بات کی آگاہی دے دی کہ یہ دو رکعتیں سنت نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ زیادہ سے زیادہ استحباب تک ہے اگر کوئی شخص انہیں پڑھ لے گا تو اسے ثواب ملے گا اور جو شخص نہیں پڑھے گا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

۷۹۵ تا ۷۹۶ باب ہذا کی پہلی روایت ابن عمرؓ سے استفادہ ہے فرماتے ہیں میں نے کسی کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا اس کی تخریج ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۲، سنن الکبری ج ۲

۲ فَقَالَ مَارَأَيْتُ أَحَدًا يُصَلِّيْهِمَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدِ الْكَشِّيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَأَبُوْدَاوُدَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۹۶۔ وَعَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ أَنَّهٗ سَأَلَ إِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيَّ عَنِ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ قَالَ فَنَهَاهُ عَنْهَا وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَكُوْنُوْا يُصَلُّوْنَهَا رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْاٰثَارِ وَإِسْنَادُهٗ مُنْقَطِعٌ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔

بَابُ التَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ

۷۹۷۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَطُّ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایک کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا"

یہ حدیث عبد بن حمید الکشی نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۹۶۔ حماد بن ابی سلیمان سے روایت ہے کہ انہوں نے ابراہیم نخعی سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارہ میں دریافت کیا، تو انہوں نے اسے ان سے منع کر دیا اور کہا" بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں پڑھتے تھے"

یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد منقطع ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

باب۔ نماز عصر کے بعد نفل ۔ ۷۹۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی بھی نہیں چھوڑیں" یہ حدیث بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

ص۲۶۸ میں کی گئی ہے دوسری روایت ۷۹۶ ابراہیم النخعی کا اس نماز سے منع کرنا ہے پھر سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے بارے میں تصریح ہے کہ لم یکونوا یصلونہا (کتاب الآثار ص۲۹، باب مایعاد من الصلوٰۃ ومایکرہ منہا) جمہور کے قطعی دلائل میں باب کی یہ دونوں روایات گزشتہ باب کی بحث میں بھی ضمناً آ گئی ہیں۔

۷۹۷ تا ۷۹۹۔ یہ اور اس سے اگلا باب صلوٰۃ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے مسئلہ کی توضیح ہے۔

بیان مذاہب | (۱) احناف کے نزدیک نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے خواہ سببی ہوں یا غیر سببی،

۷۹۸۔ وَعَنْهَا قَالَتْ رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۹۹۔ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ السَّجْدَتَيْنِ اللَّتَيْنِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيهِمَا قَبْلَ الْعَصْرِ ثُمَّ إِنَّهُ شُغِلَ عَنْهُمَا أَوْ نَسِيَهُمَا فَصَلَّاهُمَا بَعْدَ الْعَصْرِ ثُمَّ أَثْبَتَهُمَا وَكَانَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَثْبَتَهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۹۸۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، دو رکعتیں ایسی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ اور نہ ظاہراً چھوڑا، دو رکعتیں صبح سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد۔"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۹۹۔ ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان دو رکعتوں کے بارہ میں پوچھا جو آپ عصر کے بعد ادا فرماتے تھے، تو ام المؤمنین نے کہا "وہ دو رکعتیں آپ عصر سے پہلے ادا فرماتے تھے، پھر آپ اُن سے مصروف ہو گئے یا انہیں بھول گئے (اس وجہ سے ادا نہ کر سکے) ان کو عصر کے بعد ادا فرمایا، پھر آپ نے ان پر دوام فرمایا اور آپ جب کوئی نماز ادا فرماتے اس پر دوام فرماتے۔"
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

حسن بصریؒ سعید بن المسیب علاء بن زیاد اسی کے قائل ہیں اور بقول ابراہیم نخعیؒ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول یہی ہے۔

قائلین التنفل بعد العصر کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

(۱) باب ہذا کی دونوں روایات ۷۹۸، ۷۹۹ (بخاری ج ۱ ص ۸۳)

باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت؛ حضرت عائشہ سے مروی ہیں اس کے علاوہ بھی اُن سے دیگر روایات بعد صلوٰۃ العصر نفل نماز پڑھنے کے ثبوت میں منقول ہیں۔

صاحب فتح کہتے ہیں عصر کی یہ دو رکعتیں آپ کی خصوصیت   میں سے تھیں۔ جیسا کہ آئندہ ابواب کی روایات کا یہی مدلول ہے، در اصل یہ دو رکعتیں ظہر کے بعد والی تھیں جو کبھی وفد عبد القیس کی آمد کی وجہ سے نہیں پڑھ سکے تھے جس کی تصریح صحیحین کی روایت کریب اور صحیح مسلم کی روایت ابوسلمہ میں موجود ہے کریب کی روایت ہمارے

بَابُ كَرَاهَةِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ

۷۰۰ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

باب - نماز عصر اور نماز فجر کے بعد نفل ادا کرنے کی کراہیت - ۷۰۰ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور وہ

مصنف نے ۷۰۳ نمبر میں اور ام سلمہ کی روایت ۶۹۹ نمبر میں نقل کی ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے لوگ آگئے تھے اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے کے لیے اور میں اس مشغولیت کی وجہ سے دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا یہ وہی دو رکعتیں ہیں پھر کسی عمل کو شروع کرنے کے بعد آپ کی عادت اس پر مداومت کرنے کی بھی تھی چنانچہ صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن ج ۱ ص ۲۷۷ باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا میں ہے ثم اثبتھما وکان اذا صلی صلاۃ اثبتھا یعنی آپ جو عمل کرتے اس پر مداومت کرتے تھے بہر حال ان دو رکعتوں کی اصل وہی ظہر کے بعد کی دو رکعتیں ہیں جن پر عصر کے بعد پڑھنے سے مداومت ہوگئی۔ رہی پہلی توجیہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص کیا تھا اور دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے اس کی دلیل بھی ابوداؤد کی حدیث عائشہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے لیکن دوسروں کو منع فرماتے تھے جیسا کہ آپ صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے۔ (تقریر بخاری جلد سوم ص ۳۵)

باب کی پہلی روایت میں جو ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین آیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ترک نسخ ہے یعنی آپ نے بالکلیہ نہیں چھوڑا حضرت سائب بن یزید کا قول بھی اس کا مؤید ہے فرماتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروقؓ منکدر کو عصر کے بعد نماز پڑھتے پر مارتے تھے (مالک) اور یہ واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا جس پر کسی نے نکیر نہیں کی پس گویا اس پر اجماع ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی قرار پایا کہ عصر کے بعد نماز جائز نہیں ہے

(۷۰۰ تا ۷۰۵) باب ہذا کی تمام روایات تطوع بعد صلوٰۃ العصر وصلوٰۃ الصبح کی کراہت پر دال ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۷۰۰ حضرت ابن عباس سے مروی ہے (مسلم ج ۱ ص ۲۷۵ و بخاری ج ۱ ص ۸۲) جس میں تصریح ہے کہ متعدد صحابہ جن میں حضرت عمر فاروقؓ بھی ہیں سے یہ مروی ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ اَحَبَّهُمْ اِلَيَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۰۷۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

مجھے ان سب سے زیادہ محبوب ہیں ، سے یہ حدیث سُنی ، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز سے منع فرمایا ہے ۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے

۱۰۷۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛ نماز عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز نہیں ہے اور فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز نہیں ؛

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

علیہ وسلم عن الصلوٰۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس۔

(۲) باب کی دوسری روایت (۱۰۷) حضرت ابوسعید الخدری ؓ سے منقول ہے (مسلم ج ۱ ص۲۷۵ بخاری ج ۱ ص۸۲) یہاں نفی سے مراد نماز کے کمال کی نفی ہے اس لیے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے (مظاہر حق) حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت (۱۰۸) کا مفہوم واضح ہے جسے بخاری ج ۱ ص۸۳ اور مسلم ج ۱ ص۲۷۵ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ کی روایت (۱۰۹) (مسلم ج ۱ ص۲۷۶ مسند احمد ج ۴ ص۱۱۱) میں صبح اور عصر کی نماز بعد اقصر عن الصلوٰۃ کا صراحتاً حکم مذکور ہے جو نفی کراہت کا مستلزم ہے۔

شیطان کے سینگوں میں طلوع شمس کا مطلب

تطلع بین قرنی شیطان مطلب یہ ہے کہ شیطان کے سر کے دونوں جانبوں سے درمیان آفتاب کا نکلنا ہے یعنی شیطان طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ آفتاب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان سے نکلے اور اس حرکت سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں شیطان ان کا قبلہ بن جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز پڑھنے

۷۰۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَعَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ۔

۷۰۳۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ السُّلَمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ وَاَجْهَلُهُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتّٰی تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِیْنَ تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطٰنٍ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِیْنَئِذٍ تُسْجَرُ

۷۰۲۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور صبح کے بعد نماز پڑھنے سے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔“ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۰۳۔ حضرت عمرو بن عبسۃ السلمی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے نبی! مجھے اس چیز کے بارہ میں بتلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں، آپ مجھے نماز کے بارہ میں بتلائیں، آپ نے فرمایا ”صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رُک جاؤ، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، بلاشبہ وہ جب طلوع ہوتا ہے، تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھو، بلاشبہ نماز میں فرشتے گواہی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سایہ ایک نیزہ سے کم ہو جائے، پھر نماز سے رُک جاؤ، بلاشبہ اس وقت جہنم گرم کی جاتی ہے، جب

کو منع فرمایا ہے تاکہ خدا کے ان باغیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

حدیث کریب کی تشریح روایت ۷۰۴ میں نوافل بعد العصر کا تفصیلی پس منظر مذکور ہے جسے بخاری ج ۱ ص ۱۶۴ اور مسلم ج ۱ ص ۲۷۶ میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے مضمون حدیث ترجمہ سے واضح ہے حسب ضرورت تشریح نذر قارئین ہے۔

تشریح سائلین کا مطلب یہ تھا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد نفل وغیرہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا تو خود عصر کے بعد دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی چنانچہ انہوں نے حضرت کریب کو

جَهَنَّمَ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطٰنٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ۔

۴۰۷۔ وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَزْهَرَ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالُوْا اقْرَاْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيْعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَقُلْ لَهَا اَنَّا اُخْبِرْنَا اَنَّكِ تُصَلِّيْنَهُمَا وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُمَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكُنْتُ اَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهُمَا قَالَ كُرَيْبٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ

سایہ ڈھل جائے، تو نماز پڑھو۔ بلاشبہ نماز پر فرشتے گواہی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ عصر پڑھ لو، پھر غروب آفتاب تک نماز سے رُک جاؤ، بلاشبہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں۔" یہ حدیث مسلم اور احمد نے نقل کی ہے۔

۴۰۷۔ کریب سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن ابن ازہر نے انہیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا، ہماری سب کی طرف سے ام المؤمنین رض کو سلام کہنا، اور نماز عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارہ میں ان سے پوچھنا اور ان سے کہنا، ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ دو رکعتیں پڑھتی ہیں اور تحقیق ہم تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یہ دو رکعتیں پڑھنے والوں کی پٹائی کرتا تھا۔ کریب نے کہا، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت

حضرت عائشہ رض کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کی تحقیق کریں اور حضرت عائشہ سے حقیقت حال معلوم کریں حضرت عائشہ رض نے حضرت کریب کو حضرت ام سلمہ رض کا حوالہ دیا کہ ان سے معلوم کیا جائے کیونکہ حضرت ام سلمہ رض اس بارہ میں پوری طرح واقفیت رکھتی تھیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس عمل کے بارہ میں پہلے ہی تحقیق کر لی تھی۔ حضرت عائشہ رض نے جب حضرت کریب کو حضرت ام سلمہ رض کے پاس جانے کو کہا تو انہیں قاعدہ میں حضرت ام سلمہ رض کے پاس ہی جانا چاہئے تھا لیکن وہ پہلے واپس اور سب سے پہلے ان تینوں صحابیوں کے پاس آئے جن کے پیغامبر بن کر وہ حضرت عائشہ رض کے پاس گئے تھے، جب ان صحابیوں نے انہیں حضرت ام سلمہ رض

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُوْنِي بِهٖ فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَخَرَجْتُ
إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا فَرَدُّوْنِي إِلٰى أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُوْنِي
بِهٖ إِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا حِيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ وَ
عِنْدِيْ نِسْوَةٌ مِّنْ بَنِيْ حَرَامٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْمِيْ
بِجَنْبِهٖ قُوْلِيْ لَهٗ تَقُوْلُ لَكَ أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى
عَنْ هَاتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهٖ فَاسْتَأْخِرِيْ عَنْهُ فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ
فَأَشَارَ بِيَدِهٖ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا ابْنَتَ أَبِيْ أُمَيَّةَ سَأَلْتِ

میں حاضر ہو کر آپ کو وہ پیغام پہنچا دیا جو انہوں نے مجھے دے کر بھیجا تھا، ام المؤمنین رضی نے کہا، ام المؤمنین حضرت
ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو، میں نے ان کے پاس جا کر انہیں ام المؤمنین رضی کا قول بتا دیا، انہوں نے مجھے واپس
ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اسی طرح کا پیغام دے کر بھیجا جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا، تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو ان سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے، پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ جب عصر پڑھتے تو یہ دو رکعتیں بھی
پڑھتے، پھر آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس انصار میں سے (قبیلہ) بنی حرام کی عورتیں تھیں، میں نے
آپ کے پاس ایک بچی بھیجی (میں نے بچی سے) کہا، آپ کے ایک جانب کھڑی ہو کر آپ سے کہنا،
آپ سے ام سلمہ رضی کہتی ہے، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے
ہوئے سنا ہے اور میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپ خود انہیں پڑھ رہے ہیں، اگر آپ اپنے ہاتھ مبارک سے

کے پاس بھیجا تب وہ ان کے پاس گئے اور ان تینوں صحابیوں کا پیغام انہیں پہنچا کر حقیقت حال سے مطلع ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد جو دو رکعتوں سے منع
فرماتے تھے تو ان دو رکعتوں سے آپ کی مراد مطلقاً نفل نماز پڑھنا تھا اور اسی کے ضمن میں ان دونوں رکعتوں کی نہی بھی
شامل تھی۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان دونوں رکعتوں ہی کے پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔

ابو امیہ حضرت ام سلمہ رضی کے والد کا نام تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادمہ سے فرمایا کہ ام سلمہ رضی
سے اس سوال کا جواب اس طرح دینا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست حضرت ام سلمہ رضی کو جواب

عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاَنَّهُ اَتَانِيْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ ـ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ـ

۷۰۵ ـ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّكُمْ تُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ ـ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ـ

اشارہ فرمائیں تو آپ سے تھوڑی دیر! پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جانا، اس بچی نے ایسا ہی کیا، آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا، وہ آپ سے پیچھے ہٹ گئی، جب آپ نے سلام پھیرا فرمایا[۱] اے ابوامیہ کی بیٹی! تم نے مجھ سے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا ہے، میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ آئے، انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول رکھا تو یہ وہ دو رکعتیں ہیں (یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۰۵ ـ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، تم ایک نماز پڑھتے ہو، تحقیق ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، لیکن ہم نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور آپ نے اس نماز یعنی عصر کے بعد کی دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

دیتے ہوئے ابوامیہ کی بیٹی! کہہ کر مخاطب فرمایا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم دین کی تعلیم، احکام شریعت کی تبلیغ اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کرنا نماز نفل پر مقدم ہے اگرچہ سنت مؤکدہ ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی فرض نماز کے بعد کی دونوں سنتوں کو مؤخر کیا اور پہلے وفد عبدالقیس کو دینی مسائل اور احکام شریعت کی تعلیم دی۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر نوافل وقتیہ فوت ہو جائیں تو انہیں دوسرے وقت پڑھ لینا چاہیے، جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں نوافل وقتیہ کو صرف انہیں کے اوقات میں پڑھنا چاہیے غیر وقت میں ان کی قضا نہیں ہے چنانچہ ان کی جانب سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی فرض نماز کے بعد ہی سنت کی دونوں رکعتیں پڑھنی شروع کر دی ہوں گی مگر وفد عبدالقیس کو علم دین کی تعلیم دینے کی ضرورت کی وجہ سے آپ نے نماز توڑ دی ہو گی اس وجہ سے آپ نے ان دونوں رکعتوں کی قضا عصر کی نماز کے بعد پڑھی۔

حدیث معاویہ کی تشریح [۱] باب ہذا کی روایت ۷۰۵، حضرت معاویہؓ کا ارشاد ہے (بخاری ج ۱ صفحہ ۸۳) جو

بَابُ كَرَاهَةِ التَّنَفُّلِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۷۰۶۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَوْ اَحَدًا مِّنْكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سُحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ

باب۔ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنے کی کراہت ۷۰۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی شخص کو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اس کی سحری سے نہ روکے، بلاشبہ وہ رات کو اذان پکارتے ہیں تاکہ تہجد پڑھنے والا لوٹ

قائلین کراہت کا مستدل ہے تاہم سابقہ باب کی روایات کے علاوہ دیگر بہت سی روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے جب کہ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے انکار کر رہے ہیں لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی مراد آپ یہ دو رکعت باہر لوگوں کے سامنے تو پڑھتے نہیں تھے البتہ گھر میں بھی عام لوگوں کی نگاہ سے الگ ہو کر پڑھتے ہوں گے تاکہ دوسرے لوگ اس سلسلہ میں آپ کی پیروی نہ کریں کیوں کہ عصر کے بعد یہ دو رکعتیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پڑھنی درست تھیں دوسرے لوگوں کے لیے جائز نہیں تھیں۔

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں کہ آیا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث ثابت ہیں کہ آپ نے عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھ لینے سے منع فرمایا ہے نیز صحابہ کرام کا عمل بھی یہی رہا ہے کہ اس واسطے یہ کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کا خلاف کرے یعنی عصر کے بعد نماز پڑھنے کو جائز قرار دے۔

(۷۰۶ تا ۷۰۷) (۱) طلوع فجر کے بعد سوائے سنت فجر کے نفل پڑھنا مکروہ ہے یہ جمہور کا مسلک ہے امام ترمذی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) شوافع اس کے جواز کے قائل ہیں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد فرض فجر پڑھنے سے پہلے پہلے نفلیں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے یہی شافعیہ کا مختار مذہب ہے۔

(۳) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تہجد کا عادی ہو اور کسی وجہ سے تہجد کی نماز نہ پڑھ سکا ہو اس کے لیے طلوع فجر کے بعد نوافل کی اجازت ہے تاہم مالکیہ علی العموم اس کے قائل ہیں کہ طلوع فجر کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔

جمہور کے دلائل (۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۷۰۶ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حافظ زیلعی رحمہ اللہ

يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ۔

۷۰۷۔ وَعَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

بَابٌ فِي تَأْكِيدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۷۰۸۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَقَدْ تَقَدَّمَ أَحَادِيثُ الْبَابِ فِي بَابِ التَّطَوُّعِ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ۔

آئے اور سحری کھالے، اور سونے والا جاگ اٹھے" یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب ستہ نے نقل کی ہے۔

۷۰۷۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر طلوع ہو تو سوائے فجر کی سنتوں کے کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

باب۔ فجر کی سنتوں کی تاکید۔ ۷۰۸۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فجر کی دو سنتوں کو نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں"

یہ حدیث احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اس کی اسناد صحیح ہے اور اس باب کی احادیث "باب پانچ نمازوں کے لیے نفل" میں گزر چکی ہیں۔

نے علامہ ابن دقیق العیدؒ سے نقل کرکے ابن مسعودؓ کی اس معروف حدیث سے جمہور کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے وجہ استدلال یہ بیان کی ہے کہ اگر فجر کے بعد نفل جائز ہوتا تو لیرجع قائمکم کہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی ۔ اس روایت کو بخاری ج ۱ صـ۸۶ اور مسلم ج ۱ صـ۳۵۰ میں تخریج کیا گیا ہے۔

(۲) حضرت حفصہؓ کی روایت ۷۰۷ جسے مسلم ج ۱ صـ۲۵۰ میں نقل کیا گیا ہے میں صراحۃً لا یصلی الا رکعتی الفجر کی تصریح ہے علاوہ ازیں ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے لا صلوٰۃ بعد الفجر الا سجدتین یہ جمہور کا مستدل ہے۔

(۷۰۸) یہ روایت مسند احمد ج ۲ صـ۴۰۵ ابوداؤد ج ۱ صـ۱۸۶ میں تخریج کی گئی ہے مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابٌ فِيْ تَخْفِيْفِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۷۰۹۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى إِنِّيْ لَأَقُوْلُ هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۱۰۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا فَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

باب۔ فجر کی سنتوں کی تخفیف میں۔ ۷۰۹۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعتوں کو ہلکا فرماتے تھے، یہاں تک کہ میں کہتی، کیا آپ نے صرف فاتحہ پڑھی ہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۱۰۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے ایک مہینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بغور مشاہدہ کیا تو آپ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تلاوت فرماتے تھے۔ یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۷۰۹ تا ۷۱۰) باب کی پہلی روایت عن عائشہ بخاری ج ۱ ص۱۵۶ مسلم ج ۱ ص۲۵۰ میں اور دوسری روایت ترمذی ج ۱ ص۹۵ ابوداؤد ج ۱ ص۱۷۸ اور مسند احمد ج ۳ ص۹۴ میں تخریج کی گئی ہے۔ دونوں احادیث کا مدلول یہ ہے کہ سنت فجر کی دونوں رکعتیں بہت ہلکی ہوتی تھیں۔ بخاری کی روایت عن عائشۃ کا مضمون واضح ہے فرماتی ہیں کہ مجھے شبہ ہوتا تھا کہ آپ نے فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہ؟ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ پر اکتفا کرتے تھے جیسا کہ فتح الباری ج ۳ ص۳۸ میں منقول ہے کہ امام مالک کے نزدیک فجر کی سنتوں میں ضم سورۃ نہیں ہے مگر باب کی دوسری حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ تاہم جمہور کے نزدیک کوئی مختصر سورۃ ملانا ضروری ہے جیسا کہ باب ہذا کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کافرون و اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ جمہور فقہاء اسی پر عمل کرتے ہیں۔ احناف کی کتب فقہ بحر وغیرہ میں اسی کو مستحب لکھا ہے۔

امام طحاوی کا استدلال تطویل اور انور شاہ کا جواب

"البتہ احناف میں امام طحاویؒ کے نزدیک تطویل مستحب ہے اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ

بَابُ كَرَاهَةِ سُنَّةِ الْفَجْرِ إِذَا شَرَعَ فِي الْإِقَامَةِ

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ۔

باب۔ جب (مؤذن) اقامت شروع کرے تو فجر کی سنت کا مکروہ ہونا۔ (۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب جماعت کھڑی کر دی جائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں" یہ حدیث بخاری کے علاوہ جماعت محدثین نے نقل کی ہے۔

سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے استدلال میں حسن بن زیاد کی روایت نقل کی ہے سمعت اباحنیفۃ یقول ربما قرأت فی رکعتی الفجر جزأین (بحوالہ معارف السنن ج ۴ ص ۹۰) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس صورت پر محمول ہے جب کوئی شخص تہجد کا عادی ہو اور کسی روز تہجد چھوٹ جائے تو اس کی تلافی فجر کی سنتوں میں تطویل قراءت سے کر لے ربما قرأت کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عام حکم تخفیف کا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضور سے بعض خاص رکعتوں میں جو خاص سورتوں کا معمول منقول ہے البحر الرائق میں ہے کہ اکثر اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے لیکن کبھی اس کو چھوڑ بھی دینا چاہئے تاکہ دیگر سورتوں سے اعراض لازم نہ آئے

(۱۱ تا ۱۷) باب ہذا اور اس سے اگلے باب کی روایات (۱) تا (۲۱) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے جب کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت میں آئے جب کہ امام فجر کی نماز شروع کر چکا ہو اور اس نے ابھی فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو وہ پہلے سنت فجر پڑھے یا جماعت میں شریک ہو جائے دوم پہ کر پڑھنے کی صورت میں صفوف مسجد سے ہٹ کر پڑھے یا صفوف مسجد میں پڑھ سکتا ہے قاضی شوکانی نے اس سلسلہ میں نو اقوال ذکر کیے ہیں مشہور مذاہب درج ذیل ہیں۔

بیان مذاہب (۱) حنابلہ اور شوافع حضرات کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا جائز نہیں اگر پڑھ لے تو کراہت تحریمی کے ساتھ سنت صحیح ہو جائے گی اعادہ لازم نہ ہوگا (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۳ المنخب الافکار ج ۲ ص ۶۷)

(۲) حنفیہ اور مالکیہ حضرات کا مسلک ہے کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء چاروں نمازوں میں سنتوں کا یہی

۱۴۱۷- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ أَرْبَعًا الصُّبْحَ أَرْبَعًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۴۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مالک ابن بجینہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے، نماز کھڑی کردی گئی تھی وہ (سنت فجر کی) دو رکعتیں پڑھ رہا تھا، جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں، کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

حکم ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو ان کا پڑھنا خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے اگر پڑھ رہا ہو تو جلدی سے پوری کرلے یا دو رکعت پر سلام پھیرلے اس پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے نزدیک جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد کے کسی گوشہ میں یا عام جماعت سے ہٹ کر فجر کی سنتیں پڑھ لینا درست ہے بشرطیکہ جماعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۰۶) جیسا کہ اگلے باب کی غرض انعقاد بھی یہی ہے۔

(۳) ظاہریہ کہتے ہیں کہ جب نماز شروع ہو گی اسی وقت ساری سنتیں ختم ہو جائیں گی اور اگر اب تک شروع نہیں کی تو اب شروع نہ کرے اگر شروع کر دی تھیں تو فوراً ٹوٹ گئی (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۲۳)

حنابلہؒ اور شوافعؒ کے دلائل اور احناف کے جوابات

باب ہٰذا کی تمام روایات ان کا مستدل ہے۔ (۱) پہلی روایت (۱۱) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۷ ترمذی ج ۱ ص ۹۶ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۱)

منشاء اختلاف

بقول علامہ ابن رشدؒ کے اس اختلاف کا منشاء دراصل حدیث ابوہریرہؓ کے مفہوم میں اختلاف کا ہونا ہے شوافعؒ اور حنابلہؒ نے اس کو عموم پر محمول کیا ہے وہ بالکل اجازت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اقامت کے بعد دوسری نماز سے مطلقاً روک دیا گیا ہے خواہ وہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر نہی کی علت نفل میں مشغول ہو کر فریضہ سے اعراض ہے۔ لہٰذا دو رکعت سنت فجر

۷۱۳- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ بِالْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فِيْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا فُلَانُ بِاَيِّ الصَّلٰوتَيْنِ اعْتَدَدْتَّ بِصَلٰوتِكَ وَحْدَكَ اَمْ بِصَلٰوتِكَ مَعَنَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْاَرْبَعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ۔

۷۱۳- حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے کہا "ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں تھے، اس نے مسجد کے ایک کونے میں دو رکعتیں ادا کیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا اے فلاں! اپنی دو نمازوں میں سے تو نے کسے شمار کیا ہے، اپنی نماز جو اکیلے پڑھی ہے یا اپنی وہ نماز جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے" یہ حدیث مسلم اور ترمذی کے علاوہ اصحاب اربعہ نے نقل کی ہے۔

کا جواز باقی نہیں رہا۔

حدیث ابوہریرہؓ سے حنفیہ کے جوابات

احناف کہتے ہیں (ا) کہ نہی کی علت وہ نہیں جو امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں بلکہ نہی کی علت دو نمازوں کا ایک ساتھ موضع واحد میں ہونا ہے جیسا کہ امام طحاویؒ نے ثابت کیا ہے گویا حدیث کا منشا و مقصد اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسری کسی نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے اس لیے ابوحنیفہؒ کا مذہب جواز قوی اور راجح ہے کہ نظر شارع میں داخل مسجد اور خارج مسجد کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(ب) علاوہ ازیں شوافع حضرات خود بھی پوری طرح اس کے عموم پر عمل پیرا نہیں ہیں کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد گھر میں سنتیں پڑھنا جائز ہے حالانکہ ابوہریرہؓ کی حدیث کے حکم میں یہ بھی داخل ہے اور اس میں گھر اور مسجد میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

(ج) اسی طرح الا المکتوبہ میں فوت شدہ نماز بھی داخل ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کے بعد فائتہ کا پڑھنا جائز ہو حالانکہ شافعیہ اس کو بھی جائز نہیں کہتے لہذا یہ حدیث عام مخص منہ البعض کے درجہ میں ہے لہذا اگر احناف حضرات فقہاء صحابہ کے تعامل (جیسا کہ اگلے باب کی روایات سے ثابت ہے) کی بنا پر اس میں مزید تخصیص پیدا کر لیں تو کیا حرج ہے؟

۱۴۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُقِيمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَجَذَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبِهٖ وَقَالَ أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ۔

۱۵۔ وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ وَأَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ فَجَذَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ الطَّيَالِسِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَآخَرُوْنَ وَقَالَ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ۔

۱۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ، صبح کی نماز کھڑی کردی گئی ، ایک شخص کھڑا ہوکر دو رکعتیں پڑھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کپڑے سے پکڑ کر کھینچا اور فرمایا "کیا تم صبح کی چار رکعتیں ادا کرنے ہو؟"
یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔

۱۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ، میں نماز پڑھ رہا تھا اور مؤذن نے اقامت شروع کردی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھینچا اور فرمایا "کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟"
یہ حدیث ابوداؤد طیالسی نے اپنے مسند میں ، ابن خزیمہ ، ابن حبان اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔
حاکم نے مستدرک میں کہا ، یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے ، اور انہوں نے اسے بیان نہیں کیا۔

---

(۵) ابوہریرۃؓ کی روایت کا مدار حضرت عمرو بن دینار پر ہے عمرو بن دینار کے شاگرد زکریا بن اسحاق نے اس روایت کو مرفوع نقل کیا ہے زکریا بن اسحاق حفاظ حدیث میں سے نہیں ہیں اور ان کے دوسرے شاگرد جو حفاظ حدیث میں سے ہیں مثلاً حماد بن سلمہ اور حماد بن زید وغیرہ نے اس حدیث شریف کو حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف قرار دیا ہے لہٰذا حدیث موقوف کے ذریعہ سے اختلافی احکام میں استدلال درست نہیں ہوا کرتا۔

(۶) باب کی دوسری روایت ۱۲ ، بخاری ج ا ص ۹۱ اور مسلم ج ا ص ۲۴۷ سے منقول ہے جس میں الصبح اربعاً الصبح اربعاً کی تصریح ہے شوافع اور حنابلہ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی پر نکیر فرمائی تو معلوم ہوا کہ نہ پڑھے حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس صحابی نے سنتیں صف میں کھڑے ہوکر پڑھی تھیں اور یہ صورت اربعاً کو ظاہر کر رہی تھی ورنہ اگر کسی نے ایک جگہ دو رکعت پڑھیں پھر دوسری جگہ بدل کر دو رکعت پڑھ لیں تو

۶۱۶۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَاٰی رَجُلًا صَلّٰی رَکْعَتَیِ الْغَدَاۃِ حِیْنَ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ یُقِیْمُ فَغَمَزَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْکِبَیْہِ وَقَالَ اَلَا کَانَ ھٰذَا قَبْلَ ذَا۔ رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ وَاِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ۔

۶۱۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا جب کہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کندھوں سے (پکڑ کر) دبایا اور فرمایا "یہ اس سے پہلے کیوں نہیں پڑھ لیں؟"

یہ حدیث طبرانی نے صغیر اور کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔

اس کو ارباعًا نہیں کہا جا سکتا (۲) وہی حکم بھی مراد ہو سکتا ہے جو شوافع اور حنابلہ مراد لیتے ہیں۔

اب جب اس روایت میں دونوں احتمال موجود ہیں تو بغیر کسی دلیل شرعی کے کسی ایک احتمال کو ترجیح دینا درست نہ ہوگا۔ چنانچہ ہم نے جستجو اور تلاش کر کے دیکھا تو ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن کے طریق سے حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت مل گئی کہ نماز فجر کی تکبیر شروع ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ اسی اثناء میں درمیان میں کھڑے ہو کر سنت پڑھنا شروع فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سنت فجر کو ظہر کی سنت قبلیہ اور بعدیہ کی طرح فرض سے متصل نہ پڑھا کرو بلکہ سنت فجر اور فرض فجر کے درمیان کچھ فاصلہ کیا کرو۔ تو اس سے پہلے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سنت فجر سے ممانعت نہیں ہے بلکہ سنت کو فرض کے ساتھ ملانے اور خلط کرنے سے ممانعت مقصود ہے۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے درمیان میں کھڑے ہو کر سنت پڑھی ہے اور سنت کو فرض کے ساتھ ملا دیا ہے۔ لہٰذا اگر ایک کنارے پر آ جائے میں سنت پڑھ لی جائے اور پھر آگے بڑھ کر جماعت میں شرکت کی جائے تو اس کے جواز میں کوئی اشکال نہ ہونا چاہیے۔

(۳) عبداللہ بن سرجس کی روایت (۳) جسے مسلم ج ۱ ص ۲۴۷ اور ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۰ میں تخریج کیا گیا ہے میں صراحتًا ممانعت ثابت ہوتی ہے جو شوافع اور حنابلہ کا مستدل ہے امام طحاوی اس کے جواب میں فرماتے ہیں (۱) اس روایت میں جانب المسجد آیا ہے جب کہ بعض روایات میں خلف الناس کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ جماعت کی صفوف سے متصل پیچھے کھڑا ہو گیا تھا اس آدمی اور جماعت والوں کے درمیان کوئی فصل نہیں تھی یہ بھی مخالطت کے مشابہ ہے جو ہمارے نزدیک مکروہ ہے اور ہمارے نزدیک واجب

۲۵

۱۷۔ وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة قيل يا رسول الله ولا ركعتي الفجر قال ولا ركعتي الفجر۔ رواه ابن عدي والبيهقي وقال الحافظ في الفتح اسناده حسن وفيما قاله نظر وهذه الزيادة لا اصل لها۔

۱۷۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب جماعت کھڑی کر دی جائے، تو سوائے فرض نمازوں کے کوئی نماز نہیں" عرض کیا گیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! فجر کی دو سنتیں بھی نہیں، آپ نے فرمایا "فجر کی دو سنتیں بھی نہیں"

یہ حدیث ابن عدی اور بیہقی نے نقل کی ہے حافظ نے فتح الباری میں کہا، اس کی اسناد حسن ہے اور جو حافظ نے کہا ہے اس میں اعتراض ہے اور ان زیادہ الفاظ کی کوئی اصل نہیں۔

یہ ہے کہ مسجد کے بالکل پیچھے حصے میں جاکر سنت ادا کرے پھر وہاں سے چل کر صفوف میں آکر شرکت کرے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابن عباس رض کی روایت (۱۴) مسند احمد ج۱ ص۲۳۸ ان ہی کی روایت (۱۵) مستدرک ج۱ ص۳۰۷) اور ابوموسیٰ اشعری رض کی روایت (۱۶) المعجم الصغیر ج۱ ص۵۵ اور اس سے قبل کی روایات جو حضرت ابوہریرۃ رض حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ اور عبداللہ بن سرجس سے مروی ہیں سب کا مطلب اس جواب سے واضح ہو جاتا ہے جو امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ج۱ ص۲۱۹ میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض نے اپنی گورنری کے زمانہ میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ فرض اور تطوع کے درمیان فصل کیا کریں اور خود فرض کے علاوہ دیگر نمازوں کو گھر میں جاکر ادا فرمایا کرتے تھے اور خاص کر مغرب کے بعد نوافل ہمیشہ گھر جاکر پڑھا کرتے تھے مطلب فرض اور تطوع کے درمیان امتیازی فاصلہ اور فصل ہونا لازمی ہے باب ہذا کی تمام روایات کا مطلب بھی یہی ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رض کی روایت (۱۷) کامل ابن عدی ج۲ ص۲۰۲ اور بیہقی ج۲ ص۴۸۳ میں نقل کی گئی ہے اس کی سند حد درجہ ضعیف ہے جو ناقابل استدلال ہے جس میں قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر، قال ولا رکعتی الفجر کی زیادۃ ہے قد تفرد بہا مسلم بن خالد الزنجی عن عمرو بن دینار قال الذہبی فی المیزان قال ابن معین لیس بہ باس وقال مرۃ ثقۃ وقال مرۃ

بَابُ مَنْ قَالَ يُصَلِّيْ سُنَّةَ الْفَجْرِ عِنْدَ اِشْتِغَالِ الْاِمَامِ بِالْفَرِيْضَةِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اَوْ فِيْ نَاحِيَةٍ اَوْ خَلْفَ اُسْطُوَانَةٍ اِنْ رَجَا اَنْ يُّدْرِكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَرْضِ۔

۱۸۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يَقُوْلُ اَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۹۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ بَيْتِهٖ فَاُقِيْمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ۔

باب - جس نے یہ کہا کہ جب امام فرض پڑھانے میں مشغول ہو تو فجر کی سنتیں مسجد کے باہر یا کونے میں یا ستون کے پیچھے پڑھ لی جائیں، جب یہ امید ہو کہ فرض کی ایک رکعت پا لے گا۔ ۱۸۔ مالک بن مغول نے کہا میں نے نافع کو یہ کہتے ہوئے سنا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی، تو انہوں نے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۹۔ محمد بن کعب نے کہا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلے تو صبح کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لیں جب کہ وہ راستہ میں تھے، پھر مسجد میں داخل ہو کر لوگوں کے ہمراہ صبح کی نماز پڑھ لی۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے۔

ضعیف و قال الساجی کثیر الغلط کان یری القدر و قال البخاری منکر الحدیث و ضعفہ ابو داؤد (تعلیق الحسن)

مسلک احناف کی توضیح (۱۸ تا ۲۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر سنت پڑھ کر شریک جماعت ہونے میں کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو سنت مسجد سے باہر پڑھ کر جماعت میں شامل ہو کیوں کہ سنت فجر کی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ شروع باب النوافل میں مفصل گذر چکا ہے اس لیے سنت اور جماعت ہر دو فضیلت کو جمع کرلے اور ایک رکعت پا لینے سے جماعت کی فضیلت

۷۰۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَاءَ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَصَلَّاهُمَا فِي حُجْرَةِ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ثُمَّ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا يَحْيَى بْنَ أَبِي كَثِيرٍ يُدَلِّسُ۔

۷۱۔ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۷۰۔ زید بن اسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ وہ آئے، جب کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا اور انہوں نے صبح سے پہلے کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، تو وہ دو رکعتیں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پڑھیں، پھر انہوں نے امام کے ہمراہ نماز ادا کی۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، سوائے یحییٰ بن ابی کثیر کے جو تدلیس کرتا ہے۔

۷۱۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے، جب کہ لوگ صفیں باندھے فجر کی نماز میں کھڑے ہوتے تو وہ دو رکعتیں مسجد کے کونے میں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

حاصل ہو جاتی ہے، ارشاد نبوی ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت پائی اس نے فجر پالی۔

اور اگر دونوں رکعتیں فوت ہونے کا اندیشہ ہو اگرچہ قعدہ مل سکتا ہو تو اس صورت میں سنت چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے، جامع صغیر اور بدائع سے یہی محقق ہوتا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے علماء شافعیہ میں سے قسطلانی نے اور مالکیہ میں سے ابن رشد اور باجی نے اسی کو اختیار کیا ہے خود امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ اگر صرف قعدہ پا لینے کی توقع ہو تب بھی شیخین کے قول پر سنت فجر پڑھ لے ابن العربی نے بھی الاعراب میں یہی کہا ہے کہ قعدہ اخیرہ ملنے کی توقع ہو تب بھی پڑھے، ابن الہمام اور شارح منیہ شیخ حلبی وغیرہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے ان تدرک التشہد ایضا لا بنیر کہا۔

بعض مشائخ حنفیہ نے مزید توسیع کرتے ہوئے مسجد میں بھی اجازت دی ہے اور غالباً سب سے

۷۲۲۔ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبَا مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَرَكَعَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَمَّا اَبُوْ مُوْسٰى فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۲۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ حِيْنَ دَعَاهُمْ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَحُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللّٰهِ

۷۲۲۔ حارثہ بن مضرب سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو نماز کھڑی کر دی گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دو رکعتیں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے، لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ وہ صف میں شامل ہوگئے۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۲۳۔ عبداللہ بن ابی موسیٰ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب سعید بن العاص نے بلایا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حذیفہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز سے پہلے بلایا۔ پھر وہ اُن کے پاس سے نکلے جب کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں،

جیسے امام طحاوی نے ایسا کیا ہے کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اجازت دی بشرطیکہ دونوں میں فصل ہو۔ ظاہر الروایہ کی وجہ بقول صاحب ہدایہ یہ ہے کہ ایک تو ثواب جماعت بہت بڑا ہے حتیٰ کہ ۲۷ درجہ منفرد پر ثواب بڑھا ہوا ہے، دوسرے یہ کہ ترک جماعت پر بڑی وعید ہے جیسا کہ گذر چکا کہ جماعت سے منافق ہی پھرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تارکین جماعت کے گھر جلا دینے کا قصد فرمایا تھا اور وعید سے بچنا ادائے سنت پر مقدم ہے۔

حنفیہ کے دلائل

(۱) کہ ہم اس میں کوئی قباحت حکم رسولؐ کے خلاف نہیں سمجھتے ہیں کہ جس شخص نے نے فجر کی سنت نہ پڑھی ہو وہ جماعت کے وقت مسجد میں آکر مسجد کے بالکل آخری کنارے پر جا کر سنت ادا کرے اور پھر وہاں چل کر جماعت میں شرکت کر لیا کرے۔ جیسا کہ ایسا کرنا ظہر، عصر، عشاء میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے فرض اور تطوع کے درمیان وصل کرنا لازم نہیں آتا ہے جس

إِلَى أُسْطُوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

۷۲۴۔ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۷۲۵۔ وَعَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ

پھر نماز میں شریک ہوگئے۔ یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

۷۲۴۔ عبداللہ بن ابی موسیٰ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ مسجد میں اس وقت داخل ہوئے جب کہ امام نماز میں تھا، تو انہوں نے فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔

یہ حدیث طحاوی اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۷۲۵۔ ابومجلز نے کہا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوا، جب کہ امام نماز پڑھ رہا تھا، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہو گئے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ، انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر امام کے ساتھ شریک ہوئے، جب امام نے سلام پھیرا، ابن عمرؓ

کی وجہ سے ممانعت کی حدیث میں داخل ہونا لازم آسکے۔ یہی ہمارے علماء ثلثہ کا مسلک ہے۔

(۲) اجلہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس پر عمل کیا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد کے کنارے سنت ادا فرمائی اور اس کے بعد جماعت میں شرکت فرمائی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمان کے سامنے ایسا عمل کیا ہے اور انہوں نے کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے۔ اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے ایسا عمل فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس سلسلہ کی تمام روایات باب ہذا میں منقول ہیں۔

یہ اس پر دال ہے کہ یہ سب صحابہ کرام اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے ہیں۔ اور یہ اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب کہ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل

وَدَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَكَانَهُ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۷۲۶ - وَعَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالْإِمَامُ فِيْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلّٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۷۲۷ - وَعَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ كُنَّا نَأْتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَبْلَ أَنْ نُّصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَنُصَلِّيْ فِيْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلَاتِهِمْ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اپنی جگہ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۲۶ - ابو عثمان انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آئے اور امام صبح کی نماز میں تھا، انہوں نے دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں، پھر ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۲۷ - ابو عثمان النہدی نے کہا ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نماز صبح کی دو سنتیں پڑھنے سے پہلے آتے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ہوتے، ہم مسجد کے آخری کونے میں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جاتے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

معلوم ہو چکا ہے۔

(۳) حضرت امام شعبیؒ لوگوں کو یہ حکم کیا کرتے تھے کہ فرض و تطوع کے درمیان فصل کیا کریں اور خود سنت فجر کو مسجد کے ایک کنارے پڑھ لیا کرتے تھے اس کے بعد آ کر جماعت میں شرکت کیا کرتے تھے تاکہ فرض و تطوع کے درمیان فصل ہو جائے یہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معمول رہا ہے۔ اس لیے اس کے جواز کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل پیش کیا جاتا ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کا علم ہونے کے بعد انہوں

۲۸ ۔ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ مَسْرُوقٌ يَجِئُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلٰوتِهِمْ ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔

۲۹ ۔ وَعَنْهُ عَنْ مَسْرُوْقٍ أَنَّهُ فَعَلَ ذٰلِكَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔

---

۲۸ ۔ شعبی نے کہا "مسروق لوگوں کے پاس آتے، جب کہ وہ نماز میں ہوتے اور انھوں نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوتیں، وہ مسجد میں دو سنتیں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جاتے۔"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

۲۹ ۔ شعبی نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایسا کیا، البتہ انھوں نے کہا "مسجد کے کونے میں" (دو رکعتیں پڑھیں) یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

سے کبھی راستہ میں اور کبھی حجرۂ حفصہؓ میں جو مسجد نبوی سے متصل ہے سنت فجر ادا فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد جماعت میں شرکت فرمایا کرتے تھے ۔ اور یہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے خلاف ہے جو فصل اول میں گذر چکی ہے ۔ لہذا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں تاویل کرنا لازم ہوگا جو فصل اول میں ثابت کیا جا چکا ہے ۔

(۵) صحابہؓ اور تابعین عظامؒ کی ایک بڑی جماعت کا عمل پیش کیا جاتا ہے کہ سب کا عمل اکثر یہی رہا ہے کہ اگر خود فجر کی سنت نہیں پڑھی ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ مسجد کے کنارے سنت فجر پڑھ لیا کرتے اور اس کے بعد صفوں میں آکر شرکت کیا کرتے تھے ۔ بطور مثال صحابہ اور اجلۂ تابعین میں سے پانچ افراد کا عمل اور فتوی نقل فرمایا ہے ۔

۱ حضرت ابوالدرداءؓ کا عمل ایک سند کے ساتھ ۔ ۲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل ایک سند کے ساتھ ۔ ۳ حضرت ابوعثمان نہدیؒ کا اثر دو سندوں کے ساتھ ۔ ۴ حضرت امام مسروق بن الاجدعؒ کا عمل دو سندوں کے ساتھ ۔ ۵ حضرت حسن بصریؒ کا فتوی دو سندوں کے ساتھ ۔

تو حاصل یہ نکلا کہ ان سب حضرات نے مسجد کے آخری کنارے میں جا کر جماعت کے وقت سنت فجر پڑھنے کو مباح اور جائز قرار دیا ہے ۔

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال امام طحاوی کی جانب سے عقلی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فریق اول

۷۳۰- وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَلَمْ تُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَصَلِّهِمَا وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ يُصَلِّيْ ثُمَّ ادْخُلْ مَعَ الْإِمَامِ- رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

۷۳۱- وَعَنْ يُوْنُسَ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ يُصَلِّيْهِمَا فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلَاتِهِمْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

---

۷۳۰- یزید بن ابراہیم سے روایت ہے کہ حسنؒ کہا کرتے تھے "جب تم مسجد میں داخل ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں، تو انہیں پڑھ لو، اگرچہ امام نماز پڑھ رہا ہو، پھر امام کے ساتھ شریک ہو جاؤ"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۳۱- یونس نے کہا "حسن کہا کرتے تھے "انہیں (دو سنتوں کو) مسجد کے کونے میں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جاؤ" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ہیں سے شافعیہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ سنت فجر کو چھوڑ کر جماعت میں شرکت کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔ تو ہم نظر وفکر سے دیکھتے ہیں کہ سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہوتے وقت گھر میں ہو اور جماعت کا علم ہو جائے اور سنت پڑھنے سے فوت جماعت کا خطرہ نہ ہو تو سنت پڑھ لینا اولیٰ اور افضل ہے۔ اور اس پر اجماع نہیں ہے کہ گھر میں سنت پڑھنے سے سعی الی الفریضۃ افضل واولیٰ ہے۔ اور تطوع کے اقسام میں سے سنت فجر کی تاکید بہت زیادہ آئی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم کو گھوڑ سوار کے روند ڈالنے کا خطرہ کیوں نہ ہو تب بھی ان دونوں رکعتوں کو مت ترک کرو۔ اور جب اس تاکید کی وجہ سے گھر میں پڑھنا جائز ہے تو مسجد میں بھی جائز ہونا چاہیئے۔ اور ترک کرنا جائز نہ ہونا چاہیئے۔ یہی نظر وقیاس کا تقاضا بھی ہے۔ اور یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔

احادیث باب کی تخریج روایت ۷۱۱ تا ۷۳۱، طحاوی باب اداء سنۃ الفجر ج ۱ ص ۲۵۵ سے ماخوذ ہیں صرف ۷۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱ سے منقول ہے ان تمام آثار کی اسانید صحیح ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کا عمل یہ تھا کہ وہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد بھی فجر کی سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ فجر کی سنتیں آکد السنن ہیں اور فجر میں قراءت بھی طویل ہوتی ہے لہذا اگر انہیں پڑھ لیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔

بَابُ قَضَاءِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

۷۴۲- عَنْ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَنِيْ أُصَلِّيْ فَقَالَ مَهْلًا يَا قَيْسُ أَصَلٰوتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذَنْ- رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ-
قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ-

باب - سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی سنتوں کی قضاء - ۷۴۲- حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو نماز کھڑی کردی گئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے، مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، آپ نے فرمایا: اے قیس! ٹھہرو کیا دو نمازیں اکٹھی، میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں، آپ نے فرمایا، اس وقت نہ پڑھو، یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب اربعہ، احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے نقل کی ہے، نیموی نے کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

(۷۴۲ تا ۷۴۳) باب ہذا اور اس کے بعد والے باب کی احادیث (۷۴۴ تا ۷۴۱) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو ان کو کب ادا کرے۔

بیان مذاہب

(۱) شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں فرض سے قبل نہ پڑھ سکا تو وہ ان کو فرض کے بعد طلوع شمس سے پہلے ادا کر سکتا ہے حضرت عطاء، طاؤس، اور ابن جریج بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۲) حنفیہ اور مالکیہ حضرات کہتے ہیں کہ فجر کے فرض کے بعد طلوع شمس سے قبل سنتیں پڑھنا جائز نہیں جب ایسی صورت پیش آجائے تو طلوع شمس کا انتظار کرے اس کے بعد سنتیں پڑھنی چاہئیں کیونکہ یہ دوگانہ نفل ہے اور دوگانہ نفل فجر کے بعد مکروہ ہے۔ شیخین سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد بھی قضا نہ کرے کیونکہ شیخین کے نزدیک بلا تبعیت فرض نوافل کی قضا نہیں ہے امام محمد کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ زوال کے وقت تک قضا کرے شیخ صلاوی اور فضلی نے بیان کیا ہے کہ شیخین کے نزدیک بھی پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ

۳۴۳ ۔ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي بَعْدَ الْغَدَاةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ شَيْئًا۔ أَخْرَجَهُ ابْنُ حَزْمٍ فِي الْمُحَلَّى وَقَالَ الْعِرَاقِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِيْمَا قَالَهُ نَظَرٌ۔

---

۳۴۳ ۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو اس نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں، میں نے اب وہ پڑھی ہیں، آپ نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ یہ حدیث ابن حزم نے محلّی میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ نیموی نے کہا، جو کچھ عراقی نے کہا اس میں اعتراض ہے۔

نہیں مزنی کے نزدیک یہی مختار ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

باب ہٰذا کی دونوں روایات شوافع اور حنابلہ کا مستدل ہیں (۱) باب کی پہلی روایت

۳۴۲، حضرت قیسؓ سے مروی ہے جسے ترمذی ج ۱ صفحہ ۹۶ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۸۰ ابن ماجہ صفحہ ۸۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۲۵۴ اور مسند احمد ج ۵ صفحہ ۴۴۷ میں تخریج کیا گیا ہے اس میں آپ کے ارشاد فلا اذن کو فلا بأس اذن کے معنی پر لیتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اگر دو رکعت سنت رہ گئے تو کوئی حرج نہیں ہے اور بعض روایات میں فلا اذن کی جگہ فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ صفحہ ۸۲) کے الفاظ آئے ہیں اور بعض میں فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مضیٰ ولم یقل شیئاً (مصنف عبدالرزاق ج ۲ صفحہ ۴۴۲) کے الفاظ بھی نقل ہوتے ہیں وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء سنت فجر پر مطلع ہونے کے بعد سکوت فرمایا معلوم ہوا کہ اس وقت قضا کر سکتا ہے کیوں کہ آپ نے گویا حضرت قیسؓ کے عذر کو قبول فرما لیا تھا۔

حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس روایت سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو یہ روایت بقول امام ترمذی منقطع ہے، کیوں کہ محمد بن ابراہیم نے قیس بن عمرو سے نہیں سنا۔ واسناد ہٰذا الحدیث لیس بمتصل۔ ترمذی، دوم یہ کہ محمد بن ابراہیم تیمی کی ابن معین، ابوحاتم، ابن خراش اور امام نسائی نے گو توثیق کی ہے جیسا کہ تہذیب و خلاصہ میں ہے لیکن عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر احادیث روایت کرتا ہے۔

بَابُ كَرَاهَةِ قَضَاءِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

۴۳۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى

باب۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی سنتوں کی قضاء مکروہ ہونا۔ ۴۳۷۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت

ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج حلال نہیں، امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں کہا ہے کہ اس کی صبح کے بعد دو رکعت پڑھنے کی حدیث ضعیف ہے، امام احمدؒ، یحییٰ بن معین اور اکثر محدثین کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، سوم یہ کہ نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے کی صریح ممانعت موجود ہے جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے، چہارم یہ کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ممانعت سے قبل کا ہو اور امام ترمذیؒ کی روایت میں "فسکت" کی جگہ جو "فلا اذاً" کے الفاظ ہیں یہ دراوردی کی روایت سے ہیں جو مختلف فیہ ہے فسکوتہ علیہ السلام لا یحمل علی التقریر۔

پنجم یہ کہ فلا اذن کے معنی حنفیہ کے نزدیک فلا باس اذن نہیں ہے بلکہ فلا تصل اذن ہے مطلب یہ ہے کہ اس عذر کے باوجود بھی نہ پڑھو جیسا کہ نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں ہے جب ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کے لیے گئے تو آپ نے فرمایا ایسرك ان یکونوا الیك فی البر سواء قال بلی قال فلا اذاً (مسلم کتاب الھبات ج ۲ ص۳۷) جس طرح آپ نے وہاں فلا اذن کو انکار کے لیے استعمال فرمایا ایسے ہی یہاں بھی انکار کے لیے ہی ہے۔

مهلاً یا قیس قال الشیخ (الانور الکشمیری) هل قوله صلی اللہ علیه وسلم هذا له قبل شروعه فی الصلوٰۃ او بعده او بعنده؟ الاول خلاف نص الحدیث الثالث خلاف الذوق السلیم فتعین الثانی وهو الظاهر فلعله قصد الذهاب الی بیته بعد الفراغ قال مهلاً فمنعه آکنف فاستوقفه (معارف السنن ج ۴ ص۹۰) قال النیموی اسناده ضعیف ہم نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء حدیث نے دو سنتوں کے بارے میں حضرت قیسؓ کی روایت کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص۶۳)

(۲) شوافع اور حنابلہ کا دوسرا مستدل حضرت عطاء بن ابی رباح کی روایت (۴۴۲) ہے جسے محلی ابن حزم کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص۱۱۳ میں تخریج کیا گیا ہے قال النیموی وفیما قاله نظر امام نیمویؒ فرماتے ہیں کہ عراقیؒ کا اس روایت کی سند کو حسن قرار دینا درست نہیں کیوں کہ یہ حدیث حضرت عطاء بن ابی رباح سے ان کا شاگرد حسن بن ذکوان ابوسلمۃ البصری نقل کرتا ہے حسن بن ذکوان پر کافی جرح ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص۴۸۹) لہٰذا ایسے راوی کی روایت حسن نہیں ہو سکتی۔

حنفیہ کے دلائل (۴۴۳ تا ۴۴۷) حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ فریضۂ صبح کے بعد طلوع آفتاب سے قبل

عَنِ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۷۳۵۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ غَیْرَ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَانَ اَحَبَّھُمْ اِلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۷۳۶۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۷۳۷۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوۃِ قَالَ صَلِّ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوۃِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۳۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور وہ مجھے اُن سب سے زیادہ محبوب ہیں، سے سنا، "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا ہے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۳۶۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کی نماز کے بعد سورج چڑھنے تک نماز نہیں ہے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۳۷۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے نبی! مجھے نماز کے بارہ میں بتائیں، آپ نے فرمایا "صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور

سنت فجر قضا نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ اپنے وقت سے فوت ہو گئیں تو نفل ہو گئیں اور نماز صبح کے بعد نفل مطلق کی ادائیگی مکروہ ہے کیونکہ متعدد احادیث میں اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

وَتَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطٰنٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ
فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ
حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطٰنٍ
وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَآخَرُونَ۔

۷۳۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ رَوَاهُ
التِّرْمِذِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

بلند ہو جائے، بلاشبہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ
کرتے ہیں، پھر نماز پڑھو، بلاشبہ نماز میں فرشتے گواہی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ پھر نماز سے رُک جاؤ بے شک
اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو نماز پڑھو بلاشبہ نماز میں فرشتے گواہی کے
لیے حاضر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز سے رُک جاؤ، یہاں تک کہ سورج چھپ
جائے، بلاشبہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ
کرتے ہیں۔ یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

۷۳۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جس نے فجر کی دو سنتیں
نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھ لے۔"

یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

یہ دلیل صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے مگر یہ اس پر مبنی ہے کہ جو سنّت اپنے وقت سے فوت ہو
جائے وہ نفل رہ جاتی ہے بعض حضرات کے نزدیک وہ سنّت ہی رہتی ہے پس اس قول پر دلیل مذکور تام
نہ ہوگی بلکہ یوں کہنا ہوگا کہ سنن میں اصل تو یہی ہے کہ قضا نہ کی جائیں لیکن ظہر کی پہلی چار سنتوں کی قضا چونکہ
نعل نبوی سے ثابت ہے اس لیے ان کی قضا کا حکم کیا گیا اور طلوع آفتاب سے پہلے سنتِ فجر قضا بطریق
استقلال ثابت نہیں اس لیے اس کو اصل پر باقی رکھا گیا جیسا کہ صاحب ہدایہ نے شیخین کی دلیل میں یہی
ذکر کیا ہے۔

۳۹۔ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ مَا أَضْحٰى۔ رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۴۰۔ وَعَنْ أَبِيْ مِجْلَزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالْإِمَامُ يُصَلِّيْ فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَكَانَهُ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۱۔ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يَقُوْلُ إِذَا لَمْ أُصَلِّهِمَا حَتّٰى أُصَلِّيَ الْفَجْرَ صَلَّيْتُهُمَا بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۳۹۔ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فجر کی سنتیں (اگر قضا ہو جاتیں تو) چاشت (کے نفل پڑھنے) کے بعد پڑھتے۔ یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۴۰۔ ابومجلز نے کہا "میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا جب کہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صف میں شامل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر امام کے ہمراہ شریک ہو گئے، جب امام نے سلام پھیرا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، تو کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھ لیں۔"
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۴۱۔ یحییٰ بن سعید نے کہا میں نے قاسم کو یہ کہتے ہوئے سنا "جب میں انہیں (فجر کی سنتوں کو) نہ پڑھوں یہاں تک کہ فجر پڑھ لوں تو انہیں سورج نکلنے کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔"
یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب ہذا کی آٹھوں روایات حنفیہ کا مستدل ہیں احادیث کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

احادیث الباب کی تخریج

روایت ۳۴، ۳۵، ۳۶، مسلم ج ۱ ص ۲۴۵ بخاری ج ۱ ص ۸۴ روایت ۳۷، مسلم ج ۱ ص ۲۵۱ مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۲ روایت ۳۸، ترمذی ج ۱ ص ۵۸ روایت ۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵ روایت ۴۰، طحاوی ج ۱ ص ۲۵۶ اور روایت ۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵ میں تخریج کی گئی ہیں۔

بَابُ قَضَاءِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ مَعَ الْفَرِيْضَةِ

۷۴۲۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَرَّسْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَسْتَيْقِظْ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَاْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ بِرَاْسِ رَاحِلَتِهٖ فَاِنَّ هٰذَا مَنْزِلٌ حَضَرَنَا فِيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ فَفَعَلْنَا ثُمَّ دَعَا بِالْمَاءِ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْغَدَاةَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ فجر کی دو رکعتوں کی فرض نماز کے ساتھ قضاء۔ ۷۴۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ کیا، تو ہم بیدار نہ ہوئے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر شخص اپنی اونٹنی کی لگام پکڑ لے، بلاشبہ اس جگہ میں ہمارے پاس شیطان حاضر ہو گیا ہے "(ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے) کہا، تو ہم نے ایسا ہی کیا، پھر آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا، پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر جماعت کھڑی تو صبح کی نماز ادا فرمائی۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

(۷۴۲ تا ۷۴۴) باب ہٰذا کی پہلی اور دوسری روایت کو امام مسلم نے ج ۱ ص ۲۳۸ میں تخریج کیا ہے تیسری روایت ۷۴۴ نسائی ج ۱ ص ۱۰۲ سے منقول ہے تینوں روایات میں لیلۃ التعریس کا قصہ مذکور ہے لیلۃ التعریس کی احادیث میں جو قضاء سنت وارد ہے وہ فرائض کے ساتھ ہے اور یہ نص چونکہ وقت مہمل میں خلاف قیاس ہے اس لیے جیسے وارد ہوئی اسی حالت پر رہے گی یعنی فرض کے ساتھ قضا ہوگی۔ (کفایہ)

واقعہ لیلۃ التعریس وادی القریٰ اور تیماء کی فتح کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر وہ ایک وادی میں اخیر شب میں آرام لینے کی غرض سے نزول فرمایا۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہیں کھلی یہاں تک آفتاب بلند ہوگیا۔ سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر اٹھے اور صحابہ کو جگایا اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے اس وادی سے نکل کر آپ نے نزول فرمایا اور بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں بعد اذان بلال نے اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

فوائد (۱)۔ نماز اور عبادت میں حضرات انبیاء اللہ (علیہم الف الف صلوات اللہ) کو غفلت کی وجہ سے کبھی سہو نہیں ہوتا۔ بلکہ من جانب اللہ سہو میں مبتلا کئے جاتے ہیں تاکہ امت کو سہو کے

۴۴۷۔ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَفِیْہِ فَمَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّرِیْقِ فَوَضَعَ رَاْسَہٗ ثُمَّ قَالَ
اِحْفَظُوْا عَلَیْنَا صَلٰوتَنَا فَکَانَ اَوَّلَ مَنِ اسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَالشَّمْسُ فِیْ ظَھْرِہٖ قَالَ فَقُمْنَا فَزِعِیْنَ ثُمَّ قَالَ ارْکَبُوْا فَرَکِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰی
اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِیْضَاَۃٍ کَانَتْ مَعِیَ فِیْھَا شَیْءٌ مِّنْ مَّآءٍ
قَالَ فَتَوَضَّاَ مِنْھَا وُضُوْءًا دُوْنَ وُضُوْءٍ فَالَ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ قَالَ بِلَالٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ
اَنَا فَاسْتَقْبَلَ مَطْلَعَ الشَّمْسِ وَضُرِبَ عَلٰی اٰذَانِھِمْ حَتّٰی اَیْقَظَھُمْ حَرُّ الشَّمْسِ
فَقَامُوْا فَقَالَ تَوَضَّئُوْا ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَصَلَّوْا
رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ ثُمَّ صَلٰوۃَ وَبَقِیَ فِیْھَا شَیْءٌ مِّنْ مَّآءٍ ثُمَّ قَالَ لِاَبِیْ قَتَادَۃَ اِحْفَظْ
عَلَیْنَا مِیْضَاَتَکَ فَسَیَکُوْنُ لَھَا نَبَاٌ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ

۴۴۷۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس
میں یہ بھی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ سے ہٹ کر اپنا سر مبارک رکھ دیا پھر فرمایا "ہم
پر ہماری نماز کی نگرانی کرو، سب سے پہلے جو شخص بیدار ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور سورج آپ
کی پشت مبارک کی طرف تھا (یعنی طلوع) ہو چکا تھا ابوقتادہ نے کہا ہم گھبرائے ہوئے اٹھے، پھر آپ نے فرمایا
سوار ہو جاؤ ہم سوار ہو کر چلے یہاں تک کہ سورج بلند ہو گیا، آپ اترے، پھر لوٹا منگوایا جو کہ میرے پاس تھا۔
اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ ابوقتادہ نے کہا، آپ نے اس میں سے وضو سے ہلکا وضو کیا (ابوقتادہ نے) کہا اور
اس میں تھوڑا سا پانی بچ گیا۔ پھر آپ نے ابوقتادہ سے فرمایا "ہمارے لیے اپنے اس لوٹے کو محفوظ
رکھو۔ جلد ہی اس لوٹے کے لیے ایک خاص بات ہوگی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اذان کہی
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر صبح کی نماز ادا کی۔ آپ نے ایسا ہی عمل فرمایا

مسائل معلوم ہوں لہٰذا اگر آپ کو یہ سہو نہ پیش آتا تو امت کو فوت شدہ نمازوں کی قضا کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا
اور اگر ظہر یا عصر کی دو یا تین رکعت پر آپ بھول کر سلام نہ پھیر دیتے۔ (جیسا کہ حدیث ذوالیدین میں ہے) تو
امت کو سجدہ سہو کا مسئلہ کہاں سے معلوم ہوتا۔
سبحان اللہ خدا کی کیا حکمتیں اور کیا رحمتیں ہیں کہ جن حضرات کو نبوت و رسالت کا خلعت پہنا کر

۲ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

۴۴۷ ـ وَعَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ سَفَرٍ لَهٗ مَنْ يَّكْلَؤُنَا اللَّيْلَةَ لَا نَرْقُدُ عَنِ الصَّلٰوةِ عَنِ الْفَجْرِ ـ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ ـ

جیسا کہ آپ ہر روز عمل فرماتے ۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے ۔

۴۴۷ ۔ نافع بن جبیر نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک سفر میں فرمایا ، آج رات کون ہماری نگہبانی کرے گا جو صبح کی نماز سے نہ سوئے ،

یہ حدیث نسائی ، احمد ، طبرانی اور بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے ۔

تشریع احکام کی مسند پر بٹھلایا ۔ ان کے سہو اور نسیان کو بھی تشریع احکام کا ایک ذریعہ بنادیا حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر سہو و نسیان نہ پیش آتا تو توبہ اور استغفار کی سنت کہاں سے معلوم ہوتی ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ کہ قیامت تک کے لیے خداوند ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی اور ابلیس کی ذلت اور رسوائی کا طریقہ بتلا گئے ۔ قربان جائیے ایسے سہو و نسیان کے کہ جس سے ہمیشہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھل گیا ۔

حضرات عارفین کے کلام میں صدیق اکبر کا یہ مقولہ نقل کیا جاتا ہے ۔

یا لیتنی کنت سھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (اتحاف) — کاش میں سراپا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہوتا ۔

غالباً صدیق اکبر نے یہ سمجھ کر کہ حضرات انبیاء کا سہو کس درجہ موجب خیر و برکت اور کس درجہ عند اللہ مقبول ہوتا ہے ۔ یہ تمنا فرمائی ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

(۲) ۔ اسی حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا ۔

بَابُ إِبَاحَةِ الصَّلٰوةِ فِي السَّاعَاتِ كُلِّهَا بِمَكَّةَ

۵۴۷۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَآخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَغَيْرُهُمَا وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ۔

باب۔ مکہ مکرمہ میں ہر وقت نماز جائز ہونا۔ ۵۴۷۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنی عبد مناف کسی ایک کو بھی اس گھر کے طواف سے نہ روکو اور دن یا رات میں جس وقت بھی وہ چاہے نماز پڑھ لے۔"

یہ حدیث اصحاب خمسہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے ترمذی، حاکم اور دیگر محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

کہ جس جگہ عبادت سے ذہول اور غفلت پیش آجائے تو مستحب یہ ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائے بظاہر یہ انتقال مکانی ہجرت کبریٰ کا ایک نمونہ معلوم ہوتا ہے جس کو اگر ہجرت صغریٰ کے نام سے موسوم کیا جائے تو شاید بیجا نہ ہو جس جگہ اللہ جل جلالہ کی طاعت دشوار ہو جائے اور اس کی معصیتوں کا بازار گرم ہو جائے ایسی جگہ کو چھوڑ کر ایسے مقام پر جاکر سکونت اختیار کر لینا کہ جہاں اللہ عزوجل کی طاعت اور بندگی آسان ہو شرعاً واجب ہے اور اسی کو ہجرت کبریٰ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے

اور جس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غفلت پیش آجائے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری قریب جگہ میں جاکر عبادت کا بجا لانا مستحب ہے اسی کو ہم نے ہجرت صغریٰ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مع

(واذا نبا بک منزل فتول) جب تجھ کو کوئی منزل ناموافق آئے تو وہاں سے کوچ کر۔ باقی ہجرت کے احکام سو ان کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بیان مذاہب | (۵۴۷ تا ۵۴۷) (۱) امام شافعیؒ امام احمدؒ عطاءؒ طاؤسؒ قاسمؒ اور عروۃ بن الزبیر کا مسلک یہ ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں اوقات مکروہہ میں مکہ میں ادا کی جا سکتی ہیں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ (فی روایۃ) کا مسلک یہ ہے کہ دیگر مقامات کی طرح

۶۴۷۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَوْ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا أَحَدًا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيُصَلِّيْ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ إِلَّا بِمَكَّةَ عِنْدَ هٰذَا الْبَيْتِ يَطُوْفُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ۔

۶۴۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنی عبدالمطلب! یا فرمایا، اے بنی عبدالمناف! تم کسی ایک کو بھی بیت اللہ کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے نہ روکو، بلاشبہ فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز نہیں ہے۔ سوائے مکہ میں اس گھر کے قریب طواف کریں اور نماز پڑھیں" یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

مکہ میں بھی یہ رکعتیں اوقاتِ مکروہ میں ادا کرنا درست نہیں ہے احناف کہتے ہیں طواف کرنے والے کو چاہیئے کہ فجر اور عصر کے بعد طواف کرتا رہے طواف سے فارغ ہونے کے بعد رکعاتِ طواف طلوع کے بعد یا غروب کے بعد یکجا ادا کرے۔

قائلین جواز کے دلائل اور حنفیہؒ کے جوابات

باب ہذا کی غرض ائمہ ثلاثہ شوافعؒ اور حنابلہؒ کے مستدلات کا بیان اور ان کی حیثیت کی توضیح ہے۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۵۴۷ ے حضرت جبیر بن مطعمؓ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۹، نسائی ج ۱ ص ۹۸) سے مروی ہے جو قائلینِ جواز کا قوی ترین مستدل ہے۔ حنفیہ حضرات اس سے جواب میں کہتے ہیں کہ ایۃ ساعۃ سے مراد ساعاتِ غیر مکروہہ ہیں اس ہدایت کا مقصد بنو عبد مناف (جو خانہ کعبہ کے خدام تھے اور وہاں کے انتظامات کے نگران اور ذمہ دار تھے) کو یہ تعلیم دینا ہے کہ وہ آنے جانے والوں کے لیے حرم کا راستہ نہ بند کریں ہر وقت کھلا رکھیں وجہ یہ ہے بنو عبد مناف کے مکانات حرم شریف کے چاروں طرف محیط تھے جب ان کے دروازے بند ہو جاتے تو کوئی آدمی حرم میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مقصد یہ تھا کہ طواف وصلوٰۃ پر پابندی

۳۷۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَۃِ الْکَعْبَۃِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَکَّۃَ اِلَّا بِمَکَّۃَ اِلَّا بِمَکَّۃَ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَاِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ جِدًّا۔

۳۷۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، اور وہ کعبہ کی سیڑھی پر چڑھے ہوئے تھے، جس نے مجھے پہچان لیا اس نے مجھے پہچان لیا اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "صبح کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک سوائے مکہ کے سوائے مکہ کے سوائے مکہ کے" یہ حدیث احمد اور دار قطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد بہت ضعیف ہے۔

ہرگز نہ عند کی جائے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حرم شریف میں نمازی کے لیے کوئی وقت مکروہ بھی نہیں ہے۔ حنفیہ کے اس جواب کی تائید صحیح ابن حبان کی روایت کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے

یا بنی عبد مناف ان کان لکم من الامر شی فلا اعرفن احدا منکم ان یمنع من یصلی عند البیت ای ساعۃ شاء من اللیل او نہار (موارد الظمآن ص۱۶۵ رقم الحدیث ۶۲۶)

امام نیموی نے بھی وفی اسنادہ مقال سے اس کی مستدل ہونے کی حیثیت کو واضح کر دیا ہے چنانچہ امام زیلعی نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے۔

(۲) باب ہٰذا کی دوسری روایت ۳۶، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس کی تخریج دار قطنی ج۱ ص۴۲۳ میں کی گئی ہے اس کی توجیہ بھی وہی ہے جو حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں بیان کی گئی ہے امام نیموی نے و اسنادہ ضعیف کا حکم لگایا ہے تعلیق الحسن میں لکھتے ہیں قلت فیہ رجاء بن الحارث ابو سعید المکی ضعفہ ابن معین وغیرہ۔

(۳) باب کی تیسری روایت ۳۷، ابوذرؓ سے مروی ہے (مسند احمد ج۵ ص۱۶۵ دار قطنی ج۱ ص۴۲۴) امام نیموی فرماتے ہیں و اسنادہ ضعیف جدا وجہ ضعف یہ ہے کہ فیہ انقطاع ما بین مجاہد وابی ذر (تعلیق الحسن) اس کی سندی حیثیت بھی تعلیق الحسن میں امام نیموی نے واضح کر دی ہے

بَابُ كَرَاهَةِ الصَّلٰوةِ فِي الْاَوْقَاتِ الْمَكْرُوْهَةِ بِمَكَّةَ

۴۸۷۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَفْرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ طَافَ بَعْدَ الْعَصْرِ اَوْ بَعْدَ الصُّبْحِ وَلَمْ يُصَلِّ فَسُئِلَ ذٰلِكَ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ رَوَاهُ اِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَقَدْ تَقَدَّمَ اَحَادِيْثُ كَرَاهَةِ الصَّلٰوةِ فِي الْاَوْقَاتِ الْخَمْسَةِ۔

باب ۔ مکروہ اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز کی کراہت ۔ ۴۸۷ ۔ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عصر کے بعد یا صبح کے بعد طواف کیا اور طواف کے نفل نہ پڑھے ، اس کے بارہ میں ان سے پوچھا گیا ، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد غروب ہونے تک نماز سے منع فرمایا ہے ۔

یہ حدیث اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے ، اور اس کی اسناد حسن ہے ۔

نیموی نے کہا ، پانچ اوقات میں نماز کے مکروہ ہونے کے بارے میں احادیث پہلے گزر چکی ہیں ۔

انقطاع کے علاوہ درمیان کے راوی کا پتہ بھی نہیں کہ وہ کیا ہے دوسرا یہ کہ اس کی سند میں حمید الاعرج ہے جس پر شدید ترین جرح ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۳)

مسلک حنفیہ کے دلائل اور وجوہ ترجیح

(۴۸۷) حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۹ ، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۶۳ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۵۳ میں تخریج کی گئی ہے جس میں مطلقاً طلوع شمس سے قبل اور بعد العصر صلوٰۃ سے نہی آئی ہے امام نیموی فرماتے ہیں ۔

وقال النیموی وقد تقدم ۔ یعنی حنفیہ کا مستدل وہ تمام احادیث النہی بعد الفجر و بعد العصر ہیں جو معنًی متواتر ہیں اور مطلق ہیں علاوہ ازیں صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۱ میں تعلیقاً مروی ہے وطاف عمر بعد صلوٰۃ الصبح فرکب حتی صلی الرکعتین بذی طویٰ ۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان اوقات مکروہہ میں نوافل ذوات الاسباب بھی جائز نہیں ورنہ وہ حرم کعبہ کی فضیلت کب چھوڑنے والے تھے ۔

اوقات مکروہہ کی توضیح نوافل ذوات الاسباب کے تذکرہ سے یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ اوقات مکروہہ

بَابُ إِعَادَةِ الْفَرِيْضَةِ لِأَجْلِ الْجَمَاعَةِ

۴۹۷۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب۔ جماعت کی وجہ سے فرض نماز لوٹانا۔ ۴۹۷۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھ سے رسول اللہ

کی دو قسمیں ہیں (۱) اوقات ثلثہ یعنی طلوع، استواء اور غروب (۲) دوسرے قبل طلوع الشمس وبعد العصر۔ حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ اوقات ثلثہ میں ہر قسم کی نماز ناجائز ہے فرض نفل وغیرہ۔ ائمہ ثلاثہ ان اوقات میں فرائض کو جائز اور نوافل کو ناجائز کہتے ہیں البتہ امام شافعیؒ اس میں قدرے تفصیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نوافل ذوات الاسباب بھی ان اوقات میں جائز ہیں ذوات الاسباب کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے نفل جن کا سبب اختیار عبد کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو مثلاً تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، نماز شکر، نماز عید صلوٰۃ کسوف وغیرہ ——— باقی رہی اوقات مکروہہ کی دوسری قسم یعنی بعد الفجر اور بعد العصر کے اوقات تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں فرائض اور نوافل ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں البتہ صرف نوافل غیر ذوات الاسباب ان اوقات میں مکروہ ہیں حنفیہ کے نزدیک ان اوقات میں فرائض تو جائز ہیں لیکن نوافل خواہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں شوافع حرم مکہ میں نوافل غیر ذوات الاسباب کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ حنفیہ حضرات اس استثناء کے بھی قائل نہیں ہیں ان اوقات میں ہر جگہ ہر قسم کے نوافل ناجائز ہیں جیسا کہ صحیح بخاری ج ۱ ص۲۲۱ میں روایت ہے۔

عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وھو بمکۃ واراد الخروج ولم تکن ام سلمۃ طافت بالبیت وارادت الخروج فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ للصبح فطوفی علی بعیرک والناس یصلون ففعلت ذلک ولم تصل حتی خرجت۔ حضرت ام سلمہؓ کا طواف کی رکعتیں حرم میں نہ پڑھنا بجز اس کے کسی وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ فجر کے بعد ان کا پڑھنا درست نہ تھا ورنہ وہ حرم کی فضیلت کب چھوڑنے والی تھیں۔ علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے اثر منقول ہے انہ طاف بعد الصبح فلما فرغ جلس حتی طلعت الشمس علامہ عینیؒ نے یہ روایت سنن سعید بن منصور اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کی ہے (عمدۃ القاری ج ۹ ص۲۷۲)

(۴۹۷ تا ۵۰۳) اگر ایک شخص نے منفرداً نماز پڑھ لی بعد میں اسے کوئی جماعت مل گئی اسے اس

كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ وَقْتِهَا اَوْ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ وَقْتِهَا قَالَ قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کریں گے (ابوذرؓ نے) کہا، میں نے عرض کیا، آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا، تم نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو، پھر اگر ان کے ساتھ نماز پا لو تو پڑھ لو، وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

جماعت میں مل جانا چاہیے شرکت جماعت مسنون ہے یہ شرکت تمام نمازوں میں ہونی چاہیے یا بعض میں اس میں اختلاف ہے۔

بیان مذاہب

(۱) امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم پانچوں نمازوں کے لیے عام ہے امام احمدؒ امام اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں سفیان ثوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں شام کی نماز میں تین کے بجائے چار پڑھ لے ایک زائد بڑھا لے البتہ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف تین رکعت پڑھ لے۔

(۲) امام مالکؒ اس حکم سے صرف صلوٰۃ مغرب کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ نفل تین رکعت نہیں ہوتے علامہ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ صفحہ ۱۳۶ میں بھی امام مالکؒ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

(۳) امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرکت صرف ظہر اور عشاء کی نمازمیں جائز ہے اور یہ نماز نفل ہو گی صبح و عصر میں شریک نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے بعد نماز پڑھنا ممنوع ہے جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے مغرب کی اس لیے نہیں پڑھ سکتا کہ تین رکعت نفل نہیں ہوتے اگر چوتھی رکعت ملائے گا تو امام کی مخالفت لازم آئے گی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ۔

حدیث ابوذرؓ کی تشریح اور حنفیہ کی توجیہ

حدیث کے الفاظ او کانوا یؤخرون عن وقتھا میں لفظ او راوی کا شک ہے یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس سے پہلے کے راوی نے لفظ یمیتون کہا ہے یا یؤخرون۔ ویسے معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ "اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تم پر

۷۵۰- وَعَنْ مِحْجَنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ رَجَعَ وَمِحْجَنٌ جَالِسٌ فِي مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ - رَوَاهُ مَالِكٌ وَّآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۵۰- حضرت مجحن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز کے لیے اذان کہی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی پھر واپس آئے تو مجحن رضا اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے منع کیا ہے کہ تم لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھو، کیا تم مسلمان شخص نہیں ہو؟" انہوں نے عرض کیا، ہاں اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! (میں مسلمان ہوں) لیکن میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا "جب تم آؤ تو لوگوں کے ہمراہ نماز ادا کرو، اگرچہ تم نے پڑھ بھی لی ہو۔"

یہ حدیث مالک اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

دیکھوگے کہ وہ شخص جو تمہارا حاکم و سردار ہوگا نماز میں سستی و کاہلی کرے گا نماز کو اس کے اول وقت میں نہ پڑھے گا بلکہ غیر مختار تاخیر کرے گا اور چونکہ وہ تمہارا حاکم ہوگا اس لیے تم اس پر قادر نہیں ہو سکو گے کہ اس کی مخالفت کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دو، تمہیں یہ خوف ہوگا کہ اگر نماز اس کے ہمراہ پڑھتے ہو تو اوّل وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر اس کی مخالفت کرتے ہو تو صرف یہ کہ اس طرف سے تکلیف و ایذاء پہنچنے کا بلکہ جماعت کی فضیلت سے محروم ہونے کا بھی خدشہ رہے گا؟ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے لگے ہاتھوں ایسے موقعہ کے لیے حکم بھی پوچھ لیا کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو مجھے کیا طریقہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ سیدھا راستہ بتا دیا کہ جب بھی ایسا موقعہ ہو تو کم سے کم تم اپنی نماز تو صحیح وقت پر ادا کر ہی لینا پھر اس کے بعد اگر تمہیں اتفاق سے ان کی نماز میں بھی شامل ہو جانے کا موقع مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا تمہاری یہ نماز نفل ہو جائے گی اس طرح تمہیں دوہرا ثواب مل

۱۵۷- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضَى
صَلَاتَهُ انْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي أُخْرَى الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ فَقَالَ عَلَيَّ
بِهِمَا فَجِيءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَ
يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي
رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ-
رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ السَّكَنِ وَابْنُ حِبَّانَ-

---

۱۵۷- حضرت جابر بن یزید الاسود سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے حج میں حاضر ہوا، میں نے ان کے ہمراہ صبح کی نماز مسجد خیف میں پڑھی، جب آپ نے اپنی نماز پوری فرمائی، آپ نے رُخ انور پھیرا تو دو شخص لوگوں سے آخر میں تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا "ان دونوں کو میرے پاس لاؤ"، ان کو لایا گیا، ان کے کندھوں کا گوشت کانپ رہا تھا اور وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا "تمہیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا، ایک شخص نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ہم نے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لی تھی، آپ نے فرمایا (پھر ایسا) نہ کرو، جب تم اپنے ٹھکانوں میں پڑھ لو، پھر تم مسجد جماعت میں آؤ تو ان کے ساتھ ہی پڑھ لو بے شک وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی" یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، ترمذی، ابن سکن اور ابن حبان نے اُسے صحیح قرار دیا ہے۔

جائے گا۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی امام نماز میں تاخیر کرے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ اوّل وقت اپنی نماز ادا کر لیں پھر بعد میں امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیں تا کہ اس طرح وقت اور جماعت دونوں کی فضیلت پا سکیں لیکن یہ جان لینا چاہیے کہ یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کے بارہ میں ہے کیوں کہ فجر اور عصر میں تو فرض نماز ادا کر لینے کے بعد نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے اور مغرب کی چونکہ تین رکعت فرض ہیں اور تین رکعت نفل مشروع نہیں ہے اس لیے مغرب میں بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک حدیث کے اطلاق کا تعلق ہے اس کے بارہ میں کہا جائے گا کہ یہ ضرورت کی بنا پر ہے کہ

۷۵۲- وَعَنْ نَّافِعٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِیْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلٰوةَ مَعَ الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اَیَّتَهُمَا اَجْعَلُ صَلٰوتِیْ فَقَالَ لَهٗ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَوَ ذٰلِكَ اِلَیْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَی اللّٰهِ اَیَّتَهُمَا شَاءَ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ.

۷۵۲۔ نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اس نے کہا، میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں، پھر امام کے ساتھ نماز پالیتا ہوں، کیا میں اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا، ہاں، اس شخص نے کہا، ان دونوں میں کسے اپنی (فرض) نماز بناؤں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے کہا یہ بات تمہارے سپرد ہے، بلاشبہ یہ بات تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، دونوں میں سے جسے اللہ تعالیٰ چاہیں۔ یہ حدیث مالک اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

امراء و حکام کے ہمراہ چونکہ نماز نہ پڑھنے اور ان سے خلاف کرنے میں فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا اس لیے آپؐ نے ظہر اور عشاء کی قید نہیں لگائی کہ مکروہات کا ارتکاب اس سے بہتر ہے کہ فتنہ و فساد کو جنم دیا جائے پھر یہ کہ ایسے مواقع پر مکروہات بھی مباح ہو جاتے ہیں۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے جو یہ فرمایا تھا وہ محض پیش بندی کے طور پر نہیں فرمایا تھا بلکہ دراصل آپؐ نے معجزہ کے طور پر آئندہ پیش آنے والے یقینی حالات کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے دور میں یہ پیشگوئی پوری صداقت کے ساتھ صحیح ہوئی کہ اس زمانہ کے امراء و حکام نماز میں انتہائی سستی و کاہلی کرتے تھے اور نماز کو وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔

روایت جابر سے شوافعؒ کا استدلال اور اس کا جواب

شوافع حضرات، باب ہذا کی تیسری روایت (۷۵۰) سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ترمذیؒ ج۱ ص۴۵، ابوداؤد ج۱ ص۸۵، مسند احمد ج۴ ص۱۶۰ میں نقل کیا گیا ہے کہ اس میں صلوٰۃ الصبح کی تصریح ہے۔

۵۳۷۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ مِيْقَاتِهَا وَيَخْنُقُوْنَهَا اِلٰى شَرَقِ الْمَوْتٰى فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمْ قَدْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِمِيْقَاتِهَا وَاجْعَلُوْا صَلٰوتَكُمْ مَعَهُمْ سُبْحَةً۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۳۷۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ، عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کریں گے اور مردے کے (آخری) اچھو تک اس کا گھونٹیں گے (یعنی جس طرح آخری وقت میں مردے کو موت کا اچھو لگتا ہے ، اسی طرح نماز بالکل آخر وقت میں قضا ہونے کے قریب ادا کریں گے) پس جب تم انہیں دیکھو کہ انہوں نے ایسا کیا ہے ، تو نماز اپنے وقت پر ادا کرو اور ان کے ہمراہ اپنی نماز کو نفل نماز بنا لو ، یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے ۔

علامہ کاسانیؒ البدائع والصنائع ج ۱ صفحہ ۱۵۴ اور امام سرخسیؒ مبسوط ج ۱ صفحہ ۱۶۷ میں اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں ظہر کا لفظ آیا ہے چنانچہ یہی روایت کتاب الآثار لابی یوسفؒ صفحہ ۱۶ اور کتاب الآثار لمحمدؒ صفحہ ۱۸ ، طحاوی ج ۱ صفحہ ۲۱۳ مسند احمد ج ۲ صفحہ ۱۱۷ میں ہے اور اس میں صرف ظہر کا لفظ آیا ہے چنانچہ علامہ بنوریؒ لکھتے ہیں کہ رفع اضطراب کے لیے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو کتاب الآثار کی روایات سنداً زیادہ قوی ہیں جو حضرت امام اعظمؒ کے طریق سے مروی ہیں و اسنادہ مساتیہ وابی حنیفۃؒ من طریق الهیثم عن جابر احسن حالاً منہ بلاریب وفیہ الظهر لا الصبح (معارف السنن ج ۲ صفحہ ۲۹)

لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں جاتی۔

علاوہ ازیں مجمع الزوائد ج ۲ صفحہ ۲۵ ، ۵۴ میں ابو سعید الخدریؓ اور عن رجل من الدیل سے روایات میں صلوٰۃ ظہر کے واقعات منقول ہیں جو اس لفظ ظہر کی تائید کرتے ہیں اور اگر صلوٰۃ الصبح کے الفاظ بھی صحیح تسلیم کر لیئے جائیں تب بھی آپؐ کے ارشاد فصلیا معهم سے صبح اور عصر کی نماز اس لیے مستثنٰی ہوگی کہ احادیث نہی عن الصلوٰۃ بعدھما متواتر ہیں۔

حدیث ابن عمرؓ سے شوافع کے استدلال کا جواب

باب کی اسی روایت ۵۴۲ ، کو مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۱۱۱ میں نقل کیا گیا ہے شوافعؒ کا استدلال اور اس کا جواب سمجھنے سے قبل یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ دو مرتبہ نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے

۴۵۷۔ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يُعِدْ لَهُمَا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۴۵۷۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے "جس نے مغرب یا صبح کی نماز پڑھ لی، پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پالیا تو دوبارہ نہ پڑھے۔"
یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بعد مسجد آیا تو دیکھ کر وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے جو وہ پہلے پڑھ چکا ہے وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ پڑھ لیتا ہے اسی صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اسی لیے یہ جماعت کی نماز اس کے لیے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے قبل کسی خاص موقع پر یا کسی خاص شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے بہ نیت نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آکر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض ادا ہوگی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث بعض شوافعؒ اور امام غزالی کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ان دونوں نمازوں میں سے ایک نماز بلاتعیین فرض ادا ہوتی ہے خواہ پہلی نماز ہو یا دوسری۔ لیکن اکثر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں سے پہلی نماز فرض ادا ہوتی ہے اور دوسری نماز نفل ہو جاتی ہے جب کہ یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ کوئی شخص کسی ایسے کام کو جو اس کے لیے ایک وقت میں صرف ایک مرتبہ کرنا ضروری ہو اگر دو مرتبہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ بری الذمہ پہلی ہی مرتبہ ہوتا ہے نہ کہ دوسری مرتبہ، اسی طرح نماز فرض کی ادائیگی پہلی مرتبہ ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کی نماز اس کے حق میں نفل کی صورت میں فضیلت و سعادت کا سرمایہ بن جاتی ہے۔

(۵۶) مضمون حدیث واضح ہے مسلم ج ۱ ص۲۰۲ سے نقل کی گئی ہے شرق العوتی یعنی جس طرح آخری موت میں مردے کو موت کا اچھو لگتا ہے اسی طرح نماز بالکل آخر وقت میں قضا ہونے کے قریب ادا کریں گے قال ابن الاعرابی فیہ معنیان احدهما ان الشمس فی ذلك الوقت وهو آخر النهار

بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

۷۵۵۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ مَا اَخْبَرَنِیْ اَحَدٌ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ

باب۔ نمازِ چاشت ۔ ۷۵۵۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا مجھے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے یہ نہیں بتلایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے

انما تبقی ساعۃ ثم تغیب والثانی انہ من قولھم شرق المیت بریقتہ اذا لم یبق بعدہ الا یسیرا ثم یموت (نووی شرح مسلم ج ۱ صـ۲۲۲) السبحۃ وھی النافلۃ ومعناہ صلوا فی اول الوقت یسقط عنکم الفرض ثم صلوا معھم متی صلوا لتحرزوا فضیلۃ اول الوقت وفضیلۃ الجماعۃ ولئلا تقع فتنۃ بسبب التخلف عن الصلاۃ مع الامام وتختلف کلمۃ المسلمین وفیہ دلیل علی ان من صلی فریضۃ مرتین تکون الثانیۃ سنۃ والفرض سقط بالاولی۔

(نووی ج ۱ صـ۲۰۲)

حدیث ابن عمرؓ کی توضیح (۷۵۴) حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے یہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر احناف کے نزدیک عصر کی نماز بھی اسی حکم میں ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو لہذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے نیز ترمذی ج ۱ صـ۳۰ کے حاشیہ میں ہے ورد فی حدیث صحیح اخرجہ الدارقطنی والطحاوی ج ۱ صـ۱۲۸ عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلیت فی اھلک ثم ادرکت الصلوٰۃ فصلھا الا الفجر والمغرب کذا فی اللمعات۔

(۷۵۵ تا ۷۶۲) لفظ ضحی ضوۃ اور الضحو سے مشتق ہے جس کے معنی آفتاب کا بلند ہونا دن کا چڑھنا چاشت کا وقت وغیرہ ہوتے ہیں اسی لیے سورج بلند ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز کو بھی صلوٰۃ الضحی کہتے ہیں جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے مگر اس درمیان میں صلوٰۃ الضحی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أُمُّ هَانِئٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ النَّبِيَّ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مَا رَأَيْتُ صَلَّى صَلٰوةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۷۵۶۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيْلِي بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتّٰى أَمُوْتَ صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَلٰوةِ الضُّحٰى وَنَوْمٍ عَلٰى وِتْرٍ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن میرے گھر تشریف لائے، تو آپ نے آٹھ رکعات ادا فرمائیں، میں نے کبھی بھی آپ کو اس سے ہلکی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر یہ کہ آپ رکوع اور سجدہ پورا فرماتے تھے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۷۵۶۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے میرے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی کہ میں انہیں مرنے تک نہ چھوڑوں، ہر مہینہ میں تین دن روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

کے عنوان سے نفلی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اشراق اور چاشت ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں ایک کو اشراق اور دوسری کو چاشت کہتے ہیں جب ایک یا دو نیزہ آفتاب بلند ہو جائے اس وقت سے پہلے پہر تک جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے اشراق کہتے ہیں جو کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں ہے جب آفتاب بلند ہو جائے فضا میں گرمی اور دھوپ زیادہ پھیل جائے اور دوسرا پہر شروع ہو تو زوال سے پہلے پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے چاشت کہتے ہیں جو کم از کم دو زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں تاہم مختار چار رکعتیں ہیں دونوں نمازوں کو صلواۃ الضحیٰ، اشراق کو ضحوۃ صغریٰ اور چاشت کو ضحوۃ کبریٰ کہتے ہیں شیخ ولی الدین ابن عراقی فرماتے ہیں کہ صلواۃ ضحیٰ کے بارے میں صحیح اور مشہور حدیثیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد بن جریر طبرانی نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ درجۂ تواتر معنوی کو پہنچے ہوئے ہیں قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ یہ نماز پہلے انبیاء اور رسولوں کی نماز ہے علامہ سیوطیؒ نے دیلمی سے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نماز ضحیٰ حضرت داؤد کی اکثر نماز ہے ابن نجار

۵۷۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی فَقَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ یَّجِیْٓءَ مِنْ مَّغِیْبِہٖ ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۵۸۔ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ رَاٰی قَوْمًا یُّصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰی فَقَالَ اَمَا لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوۃَ فِیْ غَیْرِ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ اَفْضَلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۵۷۔ عبداللہ بن شقیق نے کہا، میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا "نہیں مگر یہ کہ سفر سے واپس تشریف لاتے۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۵۸۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کو چاشت کی نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو کہا، کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس وقت کے علاوہ نماز زیادہ افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اوابین کی نماز اس وقت ہے، جب اونٹ کے بچے کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگیں۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

نے حضرت ثوبان کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نماز ضحیٰ وہ نماز ہے جسے حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہمیشہ پڑھا کرتے تھے (مظاہر حق ج ۱ ص ۵۲)

شاہ ولی اللہ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دن جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے اس لیے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر اور عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" مقرر کر دی گئی اور اس کے فضائل اور برکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں پھر یہ صلوٰۃ الضحیٰ کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت، اور اس سے بھی افضل آٹھ

۷۵۹۔ وَعَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى اَهْلِ قُبَاءٍ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ الضُّحٰى فَقَالَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ اِذَا رَمِضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰى۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۶۰۔ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُصْبِحُ الرَّجُلُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ

۷۵۹۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء والوں کے پاس تشریف لے گئے اور وہ چاشت کی ـــــ نماز پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا "چاشت کی نماز اس وقت ہے، جب اونٹ کے بچے کے پاؤں ریت میں چاشت کے وقت گرم ہو جائیں" یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۶۰۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص کے جوڑ پر صبح کے وقت ایک صدقہ ہوتا ہے پس ہر تسبیح (سُبْحَانَ اللہِ) صدقہ ہے اور ہر بار تحمید

رکعت رحمۃ اللہ ابالغہ)

احادیث باب کی تشریح

(۷۵۵) ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو مسلم ج ۱ ص۲۴۹ اور بخاری ج۱ ص۱۵۵ میں نقل کیا گیا ہے ام ہانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن ہے ان کا نام فاختہ تھا یہ بڑی عظمت اور فضیلت کی مالک صحابیہ ہیں (مظاہر حق) مکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی جد و جہد اور اصلاح و دعوت و ارشاد کا مرکز انہیں کا مکان تھا۔

فصلی ثمان رکعات آپ نے آٹھ رکعتیں یا تو دو سلام کے ساتھ یعنی چار چار رکعتیں پڑھی ہوں گی یا چار سلام کے ساتھ دو دو رکعت کر کے پڑھی ہوں گی۔ اخف صلوٰۃ (ہلکی نماز) کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپ نے زیادہ طویل سورتوں کی قراءت نہیں فرمائی اسی طرح تسبیحات وغیرہ بھی زیادہ نہیں پڑھیں۔

(۷۵۶) حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت مسلم ج ۱ ص۲۵۰ اور بخاری ج ۱ ص۱۵۸ سے منقول ہے اس میں کم سے کم صلوٰۃ الضحیٰ کی رکعات کی تعداد دو بتائی گئی ہے۔

(۷۵۷) عبداللہ بن شقیق کی یہ روایت مسلم ج ۱ ص۲۴۹ سے منقول ہے۔

(۷۵۸) زید بن ارقم کی اس روایت کو امام مسلم نے ج ۱ ص۲۵۷ میں نقل کیا ہے مسلم شریف کے اسی باب

تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ۔

۷۶۱۔ وَعَنْ مُعَاذَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور اس (ہر جوڑ پر صدقہ) سے دو رکعتیں کافی ہوں گی جسے وہ چاشت کے وقت ادا کرے۔“

یہ حدیث مسلم، احمد اور ابو داؤد نے نقل کی ہے۔

۷۶۱۔ معاذہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کی کتنی رکعتیں ادا فرماتے تھے؟ ام المؤمنین نے کہا ”چار رکعات اور جتنا چاہتے زیادہ فرماتے۔“ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

میں حضرت عائشہؓ سے دوسری روایت ہے بخلاف مارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی سبحۃ الضحیٰ قط۔ حضرت عائشہ سے نفی اور اثبات کی دونوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو صلوٰۃ ضحیٰ بو صلہا پڑھا کرتے تھے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتے تھے اس اندیشہ سے کہ فرض نہ ہو جائے حدیث باب ما کان یصلیھا الا ان تجیء من مغیبہ کی مراد یہ ہے آپ صلوٰۃ ضحیٰ کے وقت ہمیشہ سیدہ عائشہ کے پاس نہیں ہوتے تھے الا نادراً کبھی تو مسافر ہوتے اور اگر مقیم ہوتے تو اس مسجد میں ہوتے یا کسی دوسری جگہ پر اور اگر عند نسائہ بھی مراد لیں تو سیدہ عائشہ کا نویں روز نمبر آتا تھا لہٰذا ماراٰیتہ یصلیھا یا ما کان یصلیھا کی مراد صحیح ہے یا ما کان یصلیھا سے مراد یا ید او م علیھا ہے تو یہ مداومت کی نفی ہوگی اصل کی نفی نہیں ہوگی۔

(۷۵۸) اسید بن ارقمؓ کی اس روایت کو امام مسلمؒ نے ج ۱ ص ۲۵۷ میں نقل کیا ہے۔

جب حضرت زیدؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے نماز چاشت کے مختار اور بہتر وقت کا انتظار نہیں کیا بلکہ اول وقت ہی نماز پڑھنے لگے تو انہیں بہت تعجب ہوا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ اگرچہ۔ لوگ

۷۶۲ - وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ السَّلُوْلِيِّ قَالَ سَأَلْنَا عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ تَطَوُّعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهَارِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تُطِيْقُوْنَهُ قُلْنَا أَخْبِرْنَا بِهِ نَأْخُذْ مِنْهُ مَا اسْتَطَعْنَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا يَعْنِيْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ بِمِقْدَارِهَا مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ هٰهُنَا يَعْنِيْ مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ قَامَ فَصَلّٰى

---

۷۶۲ - عاصم بن ضمرۃ السلولی نے کہا ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے نفل کے بارہ میں سوال کیا تو انہوں نے کہا، تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، ہم نے کہا آپ ہمیں بتلا دیجیے ہم جتنی طاقت رکھتے ہیں، اتنا عمل کریں گے۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز ادا فرما لیتے تو ٹھہر جاتے، یہاں تک کہ جب سورج یہاں تک ہو جاتا یعنی مشرق کی طرف سے اتنی مقدار جتنی نماز عصر سے یہاں تک یعنی مغرب سے پہلے تک تو کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا فرماتے، پھر ٹھہر جاتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن چکے ہیں اور انہیں علم ہے کہ یہ وقت نماز چاشت کا افضل وقت نہیں ہے بلکہ افضل اور بہتر وقت تو اس کے بعد شروع ہوگا اس کے باوجود یہ لوگ اس وقت نماز نہ معلوم کیوں پڑھ رہے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے آنحضرت کے ارشاد کی روشنی میں بتایا کہ نماز چاشت کا بہتر اور افضل وقت وہ ہے جبکہ اونٹوں کے بچے کے پاؤں گرم ہونے لگیں یعنی آفتاب بلند ہو جائے اور دھوپ اتنی پھیل جائے کہ گرمی کی شدت سے زمین گرم ہو جائے جس کی وجہ سے اونٹوں کے پیر جلنے لگیں اور دھوپ و گرمی میں اتنی شدت تقریباً ڈیڑھ پہر گذرنے پر آتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے صریح طور پر معلوم ہوگا کہ نماز چاشت کا وقت یہ ہے کہ آفتاب خوب بلند ہو جائے، دھوپ اچھی طرح پھیل جائے اور ایک پہر ختم ہونے کے بعد دوسرا پہر شروع ہو جائے اس طرح اس نماز کا آخری وقت دوپہر یعنی زوال سے پہلے پہلے تک ہوگا۔

نماز چاشت کا مذکورہ وقت افضل اس لیے ہے کہ اس وقت عام طور پر طبیعت میں کسل و سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جی یہی چاہتا ہے کہ آرام کیا جائے لہذا ایسے وقت میں آرام اور طبیعت کے تقاضہ کو پس پشت ڈال کر وہی بندگانِ خدا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں جو بارگاہِ رب العزت کی طرف کامل رجوع اور توجہ رکھتے ہیں۔

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُمْهِلُ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا يَعْنِي مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ بِمِقْدَارِهَا مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ هٰهُنَا قَامَ فَصَلَّى أَرْبَعًا وَأَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَأَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَغَيْرُهُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

---

یہاں تک کہ جب سورج یہاں تک ہو جاتا یعنی مشرق کی طرف سے اتنی مقدار جتنی ظہر سے لے کر یہاں تک تو کھڑے ہو کر چار رکعات ادا فرماتے اور چار رکعات ظہر سے پہلے جب سورج ڈھل جاتا اور دو رکعتیں اس کے بعد اور چار رکعتیں عصر سے پہلے، ہر دو رکعتوں میں مقربین فرشتوں انبیاء اور مسلمان اور مؤمن پیروکاروں پر سلام کے ساتھ فاصلہ فرماتے" یہ حدیث ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۵۹) وہی سابقہ حدیث کا مضمون ہے یہ روایت مسند احمد ج ۱ صفحہ ۱۶۰ سے منقول ہے۔

(۶۰) حضرت ابوذرؓ کی یہ روایت مسلم ج ۱ صفحہ ۲۵۰، ابو داؤد ج ۱ صفحہ ۱۸۲ مسند احمد ج ۵ صفحہ ۱۶۷ میں آئی ہے مطلب واضح ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہیے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانے کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب شریک ہوتے ہیں۔

(۶۱) حضرت معاذہ عدویہؒ کی روایت صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۲۴۹ میں آئی ہے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے لیکن خود حضرت عائشہؓ کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں لَوْ نُشِرَ لِي أَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا۔ اگر میرے والدین زندہ کر کے پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پُرمسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی۔

و بیزید ماشاء کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ نماز ضحیٰ آپ زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھتے تھے بارہ سے زیادہ کی تعداد کسی حدیث میں منقول نہیں ہے یہ حدیث دونوں وقت کی نماز کو مستحب

بَابُ صَلٰوةِ التَّسْبِيْحِ

۷۶۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اَحْبُوْكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ

باب۔ صلوٰۃ تسبیح۔ ۷۶۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا" اے عباس! اے چچا! کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں! کیا میں آپ کو ارکوئی قیمتی چیز) مفت عطا نہ کروں! کیا میں آپ کے لیے دس باتیں نہ کروں! جب آپ وہ کریں، تو

اشراق بھی اور نماز چاشت بھی، کتاب احیاء میں لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں میں سورۃ الشمس سورۃ واللیل سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح کی قراءت کی جائے (مظاہر حق)

(۷۶۲) عاصم بن ضمرہ کی یہ روایت ابن ماجہ ص۸۴ سے منقول ہے کانت الشمس الخ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں یعنی اشراق اور چاشت۔

(۷۶۳) صلوٰۃ التسبیح مستحب ہے احادیث میں اس کا بے شمار اجر و ثواب مذکور ہے باب ہذا کی روایت ابو داؤد ج ا ص۱۸۳ سے منقول ہے۔

دس خصلتوں سے کیا مراد ہے؟

عشر خصال (۱) ایک معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے دس قسم کے گناہ جو حدیث میں مذکور ہیں بخش دیئے جائیں گے (۲) بعض حضرات کا قول ہے کہ عشر خصال سے مراد اس نماز میں حالت قیام کی پندرہ مرتبہ تسبیح کہنے کے علاوہ بقیہ حالتوں میں دس دس مرتبہ تسبیح ہے (۳) طیبی نے لکھا ہے کہ سیاق حدیث کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ دس خصلتیں مراد یہ چیزیں ہیں (۱) چار رکعت نماز پڑھنا (۲) ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا (۳) فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا (۴) حالت قیام میں پندرہ مرتبہ تسبیح کہنا (۵) تسبیحات کا رکوع میں ۱۰ مرتبہ کہنا (۶) قومہ میں دس مرتبہ (۷) سجدہ میں دس (۸) جلسہ میں دس (۹) دس مرتبہ سجدوں میں (۱۰) دس مرتبہ جلسہ استراحت میں یہ دوسرا طریقہ ہے جو حدیث باب سے مختلف ہے یہ بھی جائز ہے حدیث ترمذیؒ کے حوالے سے اس سلسلہ میں گزارش عرض کی جائے گی۔

کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرامؓ سے

أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيْمَهُ وَحَدِيْثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيْرَهُ وَكَبِيْرَهُ سِرَّهُ وَ
عَلَانِيَتَهُ عَشْرَ خِصَالٍ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ
الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ
سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ
تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا

اللہ تعالیٰ آپ کے پہلے اور پچھلے پرانے اور نئے بھول کر اور جان بوجھ کر ہونے والے چھوٹے اور بڑے
پوشیدہ یا ظاہر طور پر ہونے والے گناہ معاف فرما دیں، وہ دس باتیں یہ ہیں کہ تم چار رکعات نماز ادا
کرو، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھو پس جب تم پہلی رکعت میں قراءۃ سے فارغ ہو جاؤ تو
کھڑے کھڑے پندرہ بار یہ کلمات پڑھو۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ	(پاک ہیں اللہ تعالیٰ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں)

روایت کی گئی ہے ــــــ امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت
ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن
عباس اور عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد
احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو
دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں۔ انہوں نے "صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب اور تلقین والی اس حدیث
کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں خاصی تفصیل سے اس
کا رد کیا ہے۔ (۱۲) حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے
ہوئے "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث
کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن، یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے۔ اور بعض تابعین
اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا
اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت

عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِیْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَکَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَکَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذٰلِکَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِکَ فِیْ اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ

پھر رکوع کرو اور رکوع کی حالت میں دس بار یہ کلمات پڑھو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ، تو دس بار یہ پڑھو پھر سجدہ کرو تو دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ کرو تو دس بار یہ پڑھو۔ یہ ہر رکعت میں پچھتر بار ہوا، اسی طرح تم چاروں رکعات میں کرو، اگر آپ ہر روز اسے پڑھنے کی طاقت رکھیں تو

ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی، اور زمانۂ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لیے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے عوام کے لیے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ ..... الخ اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔ پندرہ دفعہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اس طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقے میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہو گی بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں، پڑھنے والے کے لیے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

ایسا ہی کریں اور اگر نہ کر سکو تو ہر جمعہ میں ایک بار اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو ہر مہینہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ کر سکو تو ہر سال میں ایک بار اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی عمر میں ایک بار کر لو۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

" أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ " ـــ سورہ ہود ع ۱۰

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے ـــ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمروؓ) کو صلوٰۃ التسبیح کی تلقین کرنے کے بعد اُن سے فرمایا۔

" فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ " (تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہو گے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے گا) ـــــ

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر اُن سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس نماز میں یہ سورتیں پڑھی جائیں أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ، وَالْعَصْرِ، قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ بعض روایات میں إِذَا زُلْزِلَتْ، وَالْعٰدِيٰتِ، إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ، اور سورۂ اخلاص کا پڑھنا منقول ہے۔

(مظاہر حق)

اَبْوَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ رَمَضَانَ

۷۶۴ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

ابواب - تراویح

باب - تراویح کی فضیلت - ۷۶۴ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رمضان المبارک میں کھڑا ہوا (یعنی تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے" یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

(۷۶۴ تا ۷۶۵) باب ہذا کی دونوں روایات میں قیام رمضان کی فضیلت کا بیان ہے پہلی روایت مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ بخاری ج ۱ ص ۱ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۱ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۴ اور دوسری روایت مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ میں نقل کی گئی ہے قیام رمضان سے مراد تراویح ہے (اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح (فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۷) جو سنت موکدہ ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۶۶)

ایمان واحتساب ایمان واحتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور ان کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتلائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو اسی ایمان واحتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے بلکہ یہی ایمان واحتساب ہمارے اعمال کی قلب و روح ہیں اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے اور ایمان واحتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔

۷۶۵۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

بَابٌ فِيْ جَمَاعَةِ التَّرَاوِيْحِ

۷۶۶۔ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِّنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهٖ

۷۶۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح میں رغبت رکھتے تھے، مگر لوگوں کو پختگی کے ساتھ حکم نہیں دیتے تھے، آپ فرماتے "جو شخص رمضان المبارک میں کھڑا ہوا (اللہ تعالیٰ پر) ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو (تراویح کا) معاملہ اسی طرح رہا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی معاملہ اسی طرح رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اسی طرح رہا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

باب۔ تراویح کی جماعت میں۔ ۷۶۶۔ عروہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ آدھی رات کے وقت گھر سے نکلے اور مسجد

قیام اللیل اور قیام رمضان جمہور علماء کے نزدیک قیام اللیل سے مراد صلوٰۃ التہجد اور قیام رمضان سے مراد صلوٰۃ تراویح ہے جمہور محدثین نے اپنی کتب حدیث میں قیام اللیل اور قیام رمضان کے الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں (واما قیام اللیل فھو غیر قیام رمضان (نزل الابرار ص۳۰)

(۷۶۶ تا ۷۷۱) گذشتہ باب کی طرح باب ہذا کی احادیث میں بھی قیام رمضان کی ترغیب کا مضمون بھی ہے اور عہد نبوی میں تراویح کا ثبوت بھی۔

باب کی پہلی روایت ۷۶۶ عن عروۃ (بخاری کتاب الصوم ج۱، ص۲۶۹، مسلم ج۱ ص۲۵۹) دوسری

فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا مَعَهٗ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَكَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلٰوتِهٖ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ اَهْلِهٖ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

میں تشریف لاکر نماز ادا فرمائی اور کچھ لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ لوگوں نے صبح کی تو واقعہ بیان کیا، تو پہلے کی نسبت زیادہ لوگ جمع ہوگئے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی، پھر لوگوں نے صبح کی اور واقعہ بیان کیا، تو تیسری رات مسجد والے اور زیادہ ہوگئے، آپ تشریف لائے، نماز پڑھی، تو لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، پھر جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد لوگوں (کی وجہ) سے تنگ ہوگئی (یعنی بہت کثرت سے لوگ آئے، مسجد میں جگہ نہ رہی) یہاں تک آپ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے، جب آپ نے فجر کی نماز پوری فرمائی، تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر تشہد پڑھا پھر فرمایا، حمد و صلوٰۃ کے بعد بات یہ ہے کہ تمہارا یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہیں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے، پھر تم اس سے عاجز ہوجاؤ (یعنی پڑھ نہ سکو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

روایت (۷۶۹) عن زید بن ثابت (بخاری ج ۱ ص ۱۰۱، مسلم ج ۱ ص ۲۶۶) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام لیل کا معمول منقول ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جماعت پر مداومت نہیں فرمائی اور اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہوجائے اور اپنے طور پر گھروں میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔

اتخذ حجرۃ فی المسجد من حصیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اعتکاف کے لیے بوریے کا ایک حجرہ سا بنالیا تھا اس میں آپ رمضان کی بابرکت اور مقدس ساعتوں میں عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہا کرتے تھے لہٰذا مسجد میں بوریے اور اس قسم کی دوسری چیز کا

۷۶۷۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلَّى فِيْهِ لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَأَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ۔

۷۶۷۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا، اس میں چند راتیں نماز ادا فرمائی، یہاں تک کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے، پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ سنی اور انہوں نے سمجھا کہ آپ سو گئے ہیں، بعض لوگوں نے کھانسنا شروع کیا تاکہ آپ ان کے پاس تشریف لے آئیں، آپ نے فرمایا: تمہارا معاملہ (یعنی کثرت سے آنا) جو میں نے دیکھا، اسی طرح رہا، یہاں تک ڈر گیا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، اور اگر تم پر فرض کر دی جاتی، تم سے ادا نہ کر سکتے، اے لوگو! اپنے گھروں میں یہ نماز پڑھو، بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

عتکاف کے لیے پردہ بنانا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ حاجت و ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکے ورنہ ممنوع اور حرام ہے۔ نیز ان احادیث اور باب کے تمام احادیث کا ایک مدلول یہ بھی ہے کہ تراویح کی نماز با جماعت پڑھنا سنت ہے۔

فصلوا ایھا الناس امر استحباب کے لیے ہے آپ نے یہ حکم وجوب اور لزوم کے طور پر نہیں دیا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دیگر سنن اور نوافل گھروں میں پڑھنا بہتر ہے وجہ ظاہر ہے کہ عام نگاہوں سے بچ کر گھروں میں سنن اور نوافل پڑھنے میں ریا اور نمائش کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ بھی باقی نہیں رہتا جو عبادت کے سلسلہ میں انتہائی مستحسن اور مطلوب ہے۔

فان افضل الصلوٰۃ اس حکم میں وہ نوافل اور سنن داخل نہیں ہے جو شعائر اسلام ہیں مثلاً نماز کسوف، نماز استسقاء، عیدین کی نماز وغیرہ۔ ان کو مسجد میں پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے۔

(۷۶۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۶۶ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۹۵ میں نقل کیا گیا ہے۔

۷۶۸ - وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ قَالَ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا أَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قَالَ قُلْتُ مَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

---

۷۶۸ - جبیر بن نفیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان المبارک کا روزہ رکھا۔ آپ نے ہمیں تراویح نہیں پڑھائی، پھر جب پانچویں رات تھی، آپ ہمارے ساتھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ رات کا نصف حصہ گزر گیا۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اگر آپ اس رات کے باقی حصہ میں بھی ہمیں نفل پڑھائیں، ابوذرؓ نے کہا تو آپ نے فرمایا "بلاشبہ جب آدمی امام کے ہمراہ نماز ادا کر لیتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لیے پوری رات کے قیام کا ثواب شمار ہوتا ہے" ابوذرؓ نے کہا، پھر جب چوتھی رات تھی تو ہمارے ساتھ (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوئے، (اس کے بعد) پھر جب تیسری رات ہوئی، تو آپ نے اپنے اہل و عیال اور لوگوں کو جمع فرمایا اور ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ ہم ڈر گئے کہ فلاح فوت ہو جائے گی (جبیر نے کہا) میں نے کہا فلاح کیا ہے؟ (ابوذرؓ نے کہا) سحری، پھر باقی مہینہ آپ ہمارے ساتھ (تراویح کے لیے) کھڑے نہیں ہوئے" یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے رمضان کے پہلے دو عشروں میں صحابہ کرام کو تراویح کی نماز نہیں پڑھائی وجہ وہی جو پہلے حدیث میں بیان کی جا چکی ہے کہ فرض ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

الفلاح سے مراد سحری کھانا ہے اسے فلاح اس لیے کہا گیا کہ اس کی وجہ سے روزہ رکھنے کی قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے جو در حقیقت فلاح کا سبب بنتی ہے۔

آخری راتوں میں قیام کا تفاوت، فضیلت کے تفاوت کے اعتبار سے تھا جن راتوں کی فضیلت کم تھی ان راتوں میں قیام کم کیا اور جن راتوں کی فضیلت زیادہ تھی ان راتوں میں فضیلت کی زیادتی کو

۷۶۹۔ وَعَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَرَأَى نَاسًا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ يُصَلُّونَ فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمُ الْقُرْاٰنُ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَقْرَأُ وَهُمْ مَعَهُ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ قَالَ قَدْ أَحْسَنُوا وَقَدْ أَصَابُوا وَلَمْ يَكْرَهْ ذٰلِكَ لَهُمْ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَلَهُ شَاهِدٌ دُونَ حَسَنٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

۷۶۹۔ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے، لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا، "یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ان لوگوں کو قرآن پاک یاد نہیں اور ابی بن کعب پڑھتے ہیں اور یہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا "تحقیق انہوں نے اچھا کام کیا اور تحقیق انہوں نے صحیح کام کیا اور یہ بات آپ نے ان کے لیے ناپسند نہیں فرمائی۔"

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد جید ہے اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے اس کا شاہد ہے جو کہ حسن درجہ سے کم ہے۔

مناسبت سے قیام بھی زیادہ کیا یہاں تک کہ ستائیسویں شب میں آپ نے ساری رات قیام فرمایا کیونکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق لیلۃ القدر ستائیسویں ہی شب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسی رات میں گھر والوں اور عورتوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ تمام رات عبادت خداوندی میں مشغول رہے۔

(۷۶۹) ثعلبہ بن ابی مالک القرظیؓ کی روایت بیہقی ج ۲ ص ۴۹۵ ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۵ سے منقول ہے مضمون حدیث واضح ہے ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز پڑھنے والوں کو آپؐ نے قد احسنوا وقد اصابوا کی تصدیق سے نوازا۔ بہرحال ان احادیث سے یہ تو ثابت ہے کہ رمضان المبارک میں آپؐ کا مجاہدہ بہت بڑھ جاتا تھا خصوصاً عشرۂ اخیرہ میں تو پوری رات قیام کا معمول تھا تاہم یہ کسی روایت میں نہیں آتا کہ آپؐ نے رمضان المبارک میں جو تراویح کی جماعت کرائی اس میں کتنی رکعات پڑھائیں؟

(۷۷۰) باب ہذا کی یہ روایت حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) میں منقول ہے

۷۷۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاۗءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۷۷۔ عبدالرحمن بن عبدالقاری نے کہا میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رمضان المبارک میں مسجد کی طرف نکلا، تو لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم تھے، کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور ایک گروہ اس کی اقتداء کر رہا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا خیال ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک پڑھنے والے کی اقتداء میں جمع کر دوں تو یہ زیادہ اچھا ہے، پھر انہوں نے ارادہ کر لیا اور لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا، پھر میں دوسری رات حضرت عمرؓ کے ہمراہ نکلا اور لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ نئی بات کس قدر اچھی ہے اور وہ لوگ جو اس سے سو جاتے ہیں وہ افضل ہیں ان لوگوں سے جو کھڑے ہیں ان کا ارادہ اس رات کے آخری حصہ میں کھڑے ہونا تھا اور لوگ شروع رات میں قیام کرتے تھے۔

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرۃ ابوبکرؓ کے زمانے میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام نہیں تھا بلکہ لوگ تنہا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ اسی روایت کا مدلول بھی یہی ہے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا یہ خلافت فاروقی کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ کا واقعہ ہے (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۱ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹۹)۔

نعم البدعۃ کی مراد

نعم البدعۃ کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے کہ اصل جماعت، کو حضرت عمرؓ نے تقرر جماعت کو اچھی بدعت کہا کہ اگرچہ

۱۷۔ وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْمَسْجِدِ فَيَتَفَرَّقُ هٰهُنَا فِرْقَةٌ وَهٰهُنَا فِرْقَةٌ وَكَانَ النَّاسُ يَمِيلُونَ إِلَى أَحْسَنِهِمْ صَوْتًا فَقَالَ عُمَرُ أَرَاهُمْ قَدِ اتَّخَذُوا الْقُرْآنَ أَغَانِيَ أَمَا وَاللّٰهِ لَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأُغَيِّرَنَّ فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ حَتّٰى أَمَرَ أُبَيًّا فَصَلّٰى بِهِمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَابْنُ سَعْدٍ وَجَعْفَرٌ الْفِرْيَابِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۱۷۔ نوفل بن ایاس الہذلی نے کہا، ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد میں قیام کرتے تھے، ایک گروہ یہاں کھڑا ہوتا اور ایک گروہ وہاں ہوتا اور لوگ اس طرف رغبت رکھتے جو ان میں سے آواز میں اچھا ہوتا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میرا ان کے بارے میں خیال ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کو راگ بنا لیا ہے، خدا کی قسم اگر مجھ سے ہو سکا تو میں اسے ضرور بدل دوں گا، تو وہ صرف تین دن ہی ٹھہرے، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ یہ حدیث بخاری نے خلق افعال العباد میں اور ابن سعد اور جعفر الفریابی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بدعت سے ان کی مراد اصل جماعت تھی کیونکہ جماعت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے متعدد مرتبہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھی، دیکھیے اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تقرر جماعت بھی اچھی بدعت سے آگے بڑھ کر سنت ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے قائم کئے ہوئے طریقے بھی سنت ہیں خلاصہ یہ کہ یہاں بدعت کے لغوی معنیٰ کا اعتبار ہے نہ کہ اس معنیٰ کا جو فقہاء کی اصطلاح میں مفہوم ہوتا ہے۔ باب ہذا کی آخری روایت نمبر ۱۷ کا مدلول بھی یہی ہے کہ تراویح کی نماز سنت ہے۔

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک صلوٰۃ التراویح سنت ہے بعض نے سنت کے ساتھ مؤکدہ اور بعض نے مسنونہ بھی کہا ہے امام سرخسی فرماتے ہیں قال ابو حنیفہؒ یصلی عشرین رکعۃ کما ھو السنۃ (مبسوط ج ۲ ص ۱۴۴) امام حاکم نے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وفیہ الدلیل الواضح ان الصلوٰۃ التراویح فی مساجد المسلمین سنۃ مسنونۃ وقد کان علی بن ابی طالب یحث عمر علی اقامۃ ھذہ السنۃ الی ان اقامہا (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۴۰) امام نوویؒ فرماتے ہیں اعلم ان الصلوٰۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء

بَابُ التَّرَاوِيْحِ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ

۲۷۷- عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا

باب۔ آٹھ رکعات تراویح ۔۲۷۷۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز کیسی ہوتی تھی، تو انہوں نے کہا، آپ رمضان اور رمضان کے علاوہ بھی گیارہ رکعتوں سے زیادہ ادا نہیں فرماتے تھے، آپ چار رکعات ادا فرماتے، کچھ نہ پوچھیے کہ وہ کس قدر حسین اور لمبی ہوتی تھیں پھر آپ

وھی عشرون رکعۃ (کتاب الاذکار ص۸۳) علامہ شامی لکھتے ہیں التراویح سنۃ موکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعًا بعد صلوٰۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقًا وغربًا علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں وقیام شہر رمضان عشرون رکعۃ یعنی صلوٰۃ التراویح وھی سنۃ موکدۃ واول من سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قال ونسبت الی عمر لانہ جمع الناس علی ابی بن کعب (المغنی ج ۱ ص۸۰۲)

حضرت العرباض بن ساریہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوبھا وعضوا علیھا بالنواجذ الحدیث (مسند احمد ج ۴ ص۱۲۶، ابوداؤد ج ۲ ص۲۷۹ ترمذی ج ۲ ص۹۲، ابن ماجہ ص۵ موارد الظمآن ص۵۶، مشکوٰۃ ج ۱ ص۳۰، مستدرک ج ۱ ص۹۶ قال الحاکم والذھبی صحیح علی شرطھما۔ اس صحیح اور مرفوع روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت خلفاء راشدین کی سنت کو ماننا بھی لازم اور ضروری ہے جو شخص خلفاء راشدین کی سنت کو نہیں مانتا وہ اس صحیح حدیث کا منکر ہے۔

(۲۷۷تا۲۷۵) یہاں سے مصنف نے تین ابواب کا انعقاد کر کے تراویح کے تعداد رکعات کے سلسلہ میں احادیث لا کر اور ان کا حکم بیان کر کے مسئلے کی توضیح کر دی ہے۔

تعداد رکعاتِ تراویح اور بیانِ مذاہب

تعداد رکعات تراویح کے بارے میں تین اقوال ملتے ہیں۔
(۱) غیر مقلدین اور اصحاب ظواہر آٹھ رکعات تراویح

۲/ كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

تین رکعات ادا فرماتے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں، آپ نے فرمایا" اے عائشہ! بلاشبہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا"
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

کے قائل ہیں۔

(۲) یزید بن رومان اور ابن قاسم مالکی وغیرہ کے نزدیک تراویح کی نماز چھتیس رکعت ہیں بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۲۱۰

(۳) ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعتیں ہیں (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۲۱۰ العرف الشذی مع الترمذی ج ۱ ص۱۶۶ بذل المجھود ج ۲ ص۳۰ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع ج ۱ ص۲۴۳) نیز بیس رکعت تراویح کی حدیث شریف عمل رسول ﷺ کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۴ میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر (الحدیث)

قائلین آٹھ رکعت کے دلائل اور جمہور کے جوابات

(۱) ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ۲۷، (بخاری ج ۱ ص۲۶۹ مسلم ج ۱ ص۲۵۴) قائلین آٹھ رکعت کا مستدل ہے مگر حقیقت یہ ہے (۱) کہ اس روایت میں تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز کا بیان ہے اس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور ظاہر ہے کہ تراویح تو صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی روایت میں اسی نماز کا بتایا ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے دیکھئے بذل المجھود ج ۲ ص۲۹۰ لا تعلق لہ بالتراویح لا نفیاً ولا اثباتاً فکانہا صلوٰۃ اخری والاستدلال بھذا الحدیث علی ان التراویح ثمان رکعات لغو۔

(۲) بعض روایات میں ثلاث عشرۃ کے لفظ ہیں۔ اقتصار علی احدی عشرۃ خود رفع ہو گیا۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان صلوٰۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاث عشرۃ رکعۃ یعنی

۴۷۷۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ شَہْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکْعَاتٍ وَّاَوْتَرَ فَلَمَّا کَانَتِ الْقَابِلَۃُ اجْتَمَعْنَا فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا اَنْ یَّخْرُجَ فَلَمْ یَخْرُجْ فَلَمْ نَزَلْ فِیْہِ

۴۷۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اور وتر پڑھائے، پھر جب آئندہ رات تھی، ہم مسجد میں جمع ہوگئے اور ہم نے امید کی کہ آپ تشریف لائیں گے۔ آپ تشریف نہ لائے اور ہم بھی مسجد میں ہی رہے، یہاں تک کہ ہم نے صبح کی پھر

باللیل بخاری ج ۱ ص۱۵۳ وعن عائشۃ رض قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین بخاری ج ۱ ص۱۵۴ تو خود حضرت عائشہ رض کی روایت سے گیارہ سے زائد رکعات ثابت ہوئیں اور ج ۱ ص۱۵۴ میں ان کی روایت میں یصلی اربعا...... ثم یصلی اربعا...... ثم یصلی ثلاثا کے الفاظ ہیں اور ص۱۵۹ میں حضرت عائشہ ہی کی روایت میں ہے۔ صلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم العشاء ثم صلی ثمانی رکعات ورکعتین جالسا ورکعتین بین الندائین ولم یکن یدعھما ابدا۔ اور مسلم ج ۱ ص۲۵۴ میں ہے عن ابی سلمۃ قال سألت عائشۃ رض عن صلوٰۃ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالت کان یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ یصلی ثمان رکعات ثم یوتر (وفی روایتھا عند البخاری ج ۱ ص۱۵۴ ومسلم ج ۱ ص۲۵۴ ثم یصلی ثلاثا) ثم یصلی رکعتین وھو جالس الحدیث۔ قال المبارکفوری رح انہ ثبت ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۷۳) ہذا گیارہ کی رٹ باطل ہوگئی۔

(۳) اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں جیسا کہ بخاری ج ۱ ص۱۰۱ اور ج ۲ ص۱۰۸۲ میں ہے۔ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ وفی النسائی ج ۱ ص۱۸۱ حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب ما قمتم بہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ وفی روایۃ علیکم بھذہ الصلوٰۃ فی البیوت۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ نے گھروں میں یہ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، تم اس روایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسجدوں میں کیوں پڑھتے ہو۔

حَتّٰی أَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اجْتَمَعْنَا الْبَارِحَۃَ فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّیَ بِنَا فَقَالَ إِنِّیْ خَشِیْتُ أَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الصَّغِیْرِ وَمُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِیُّ فِیْ قِیَامِ اللَّیْلِ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ وَابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحَیْہِمَا وَفِیْ إِسْنَادِہٖ لِیْنٌ۔

ہم (آپ کے پاس) حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ نے گذشتہ رات ہمیں مسجد میں جمع فرمایا اور ہم نے امید کی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپ نے فرمایا "میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے" یہ حدیث طبرانی نے صغیر میں، محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل میں، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

---

(۴) بخاری کی اسی روایت میں ہے۔ کان یصلّی اربعًا فلا تسئل عن حسنھن وطولھنّ۔ تم دو دو رکعت کیوں پڑھتے ہو؟۔

(۵) بخاری کی اسی روایت میں ہے۔ ثمّ یصلّی ثلاثًا۔ آپؐ تین وتر پڑھتے تھے تم اس روایت کی مخالفت کرتے ہوئے وتر کو ایک کیوں قرار دیتے ہو؟

(۶) آپؐ یہ نماز سحری کو پڑھتے تھے تم عشاء کے متصل کیوں پڑھتے ہو؟

(۷) آپؐ نے جماعت سے صرف تین راتیں یہ نماز پڑھائی پہلی رات ثلث لیل تک، دوسری رات نصف لیل تک اور تیسری رات ساری رات قیام کیا حتّٰی کہ صحابہؓ کو سحری کے فوت ہونے کا خوف ہو گیا، تم عشاء کے ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد کیوں ختم کر دیتے ہو؟۔

(۸) اسی باب کی بعض روایات میں ہے کہ آپؐ کچھ رکعت کے بعد سو جاتے پھر اٹھ کر پڑھتے تو تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ کما فی النسائی ج ۱ ص۱۵۱ میں حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت میں ہے، مالکم وصلوٰتہٗ کان یصلی ثمّ ینام قدر ما صلّی ثمّ یصلّی قدر ما نام ثمّ ینام قدر ما صلّی حتّٰی یصبح اھ

باب کی دوسری روایت ۳ (۱) صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص۱۳۸ صحیح ابن حبان ج ۵ ص۶۲ المعجم الصغیر ص۱۵۵ جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے جسے مذکورہ کتب کے علاوہ مسند ابی یعلیٰ موصلی ج ۳ ص۳۳۶ میں بھی تخریج کیا گیا ہے جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں

(۱) اس حدیث کے مدار عیسیٰ بن جاریہ ہیں ابن معین کہتے ہیں اس کی روایات منکر ہیں امام نسائیؒ

۴۷۷۔ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا أُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ فِي دَارِي قُلْنَ إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّي بِصَلٰوتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا۔ رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۴۷۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آج رات میرے ساتھ ایک بات پیش آئی یعنی رمضان میں آپ نے فرمایا "اے اُبی وہ کیا بات ہے؟ اُبی رضؓ نے کہا میرے گھر میں عورتیں تھیں، انہوں نے کہا ہم قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں، لہٰذا ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ اُبیؓ نے کہا، تو میں نے انہیں آٹھ رکعات پڑھائیں اور وتر پڑھائے، تو یہ سنّت رضا ہوئی اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔

حدیث ابو یعلیٰ نے نقل کی ہے ہیثمی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں اور اس سے متروک روایات بیان ہوتی ہیں (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۱۱) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں ابن معین اور ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۰) ابن عدی کہتے ہیں اس کی تمام احادیث غیر محفوظ ہیں (کامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۸۹۱) اس کے علاوہ اس کی سند میں یعقوب بن عبداللہ الاشعری القمی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ قوی راوی نہیں کمزور ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۵۲) اگر اس سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ تراویح آٹھ ہیں اور زائد سنت کے مطابق نہیں تو سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۴۰ میں روایت ہے کہ رمضان میں آپؐ نے صرف تین راتیں باجماعت صحابہ کو نماز پڑھائی ۲۳ ویں، ۲۴ ویں اور ۲۵ ویں رات تو پھر تم کیوں چھبیس یا ستائیس دن خلاف سنت کرتے ہو اگر ہم بارہ کے بدعتی ہیں تو تم چھبیس کے عدد سے بدعتی ہو۔

(۳) جابر بن عبداللہ کی حدیث ۴۷۷ (مسند ابی یعلیٰ ج ۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۴) بھی ان کا مستدل ہے

(ا) مگر امام نیمویؒ نے تعلیق الحسن میں لکھا ہے قلت لم اقف علی اسنادہ بل اوردہ الھیثمی فی مجمع الزوائد وعزاہ الی ابی یعلیٰ فلینظر اسنادہ (تعلیق الحسن) نیز علامہ ہیثمی کا اس

۵۷۷- وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّتَمِيْمًا الدَّارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَّكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَاُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّسَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَّاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۵۷۷- محمد بن یوسف سے روایت ہے کہ سائب بن یزید نے کہا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں اور امام مئین (سورتیں) تلاوت کرتا، یہاں تک کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگاتے اور ہم فارغ نہیں ہوتے تھے، مگر صبح سے کچھ ہی پہلے۔ یہ روایت مالک، سعید بن منصور اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حدیث کو حسن کہنا بھی درست نہیں یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ ہیں امام نیموی نے ان راویوں پر حدیث ۷۷۴ میں جرح کی ہے جو اس سے قبل مسلہ نے درج کر دی ہے (ب) حضرت ابی بن کعبؓ نے امام بن کر بیس رکعتیں پڑھائیں اگر ان کے نزدیک آٹھ رکعت ہی سنت ہوتیں اور زائد نہ ہوتیں تو وہ کبھی اس زائد پر عدۃ العمر عمل نہ کرتے رہتے۔

(۲) سائب بن یزید کی روایت (۵۷۷) (موطا امام مالک ص۹۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۲) میں ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داری دونوں کو امامت کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ امام بنیں اور کبھی یہ، لہٰذا احتمال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے دونوں کو باری باری امامت کا حکم دیا ہو کہ کچھ رکعتیں ایک پڑھائے اور کچھ دوسرا، اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں کو الگ الگ راتوں میں امامت کا حکم دیا ہو۔

اس حدیث میں گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے مگر یہ قطعی اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فاروقی عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں لہٰذا ائمہ حدیث اس حدیث سے جواب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کبھی بیس رکعتیں پڑھتے ہوں گے اور کبھی صرف گیارہ رکعتوں پر اکتفا کرتے ہوں گے یا یہ کہ چونکہ گیارہ رکعتیں پڑھنے کی روایات آئی ہیں اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کے ارادے سے حضرت عمرؓ نے بعض راتوں میں گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا پھر اس کے بعد تراویح کی بیس رکعت ہی مستقل طور پر مقرر کر دی گئیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت میں تیئس رکعتیں پڑھنی

بَابٌ فِي التَّرَاوِيحِ بِاَكْثَرَ مِنْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ

۷۷۶۔ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الْحُصَيْنِ اَنَّهٗ سَمِعَ الْاَعْرَجَ يَقُوْلُ مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ

باب۔ آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح میں۔ ۷۷۶۔ داؤد بن الحصین سے روایت ہے کہ انہوں نے اعرج کو یہ کہتے ہوئے سنا، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تو لوگوں کو رمضان المبارک میں کفار پر لعنت

منقول ہیں جن میں تین رکعتیں وتر کی ہیں (مظاہر حق)

کنا نعتمد علی العصا: اعتماد علی العصا کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تراویح میں اتنی طویل قرأت کی جاتی تھی کہ ہم لوگ قیام میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے جس کی وجہ سے اپنے عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہونے پر ہم لوگ مجبور ہو جاتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نفل نمازوں میں یوں تو عام طور پر بھی لیکن خاص طور پر ضعف کی حالت میں ٹیک لگانا یا کسی چیز کا سہارا لے لینا جائز ہے (مظاہر حق)

امام ترمذیؒ کا ارشاد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض حضرات وتر سمیت اکتالیس رکعت کے قائل ہیں اہل مدینہ کا یہی قول ہے اور ان کے یہاں مدینۃ النبی میں اسی پر عمل ہے اور اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں جو حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ ہی رکعت پڑھتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا اصرار ہے تو کم از کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو نبوت کے جاں نثار تھے میں سے چند ایک تو آپ کی اقتدار میں آٹھ رکعت پڑھتے۔

(۷۷۶) داؤد بن الحصین عن الاعرج کی یہ روایات، موطا امام مالک ص۹۰ سے منقول ہے حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ تمام رمضان کے وتروں میں کفار پر لعنت بھیجی جاتی تھی یا نصف آخر میں، مگر غالب گمان یہ ہے کہ کفار پر لعنت بھیجنے کا یہ عمل رمضان کے آخری نصف حصہ کے وتروں کے ساتھ خاص تھا اسی توجیہ سے اس سلسلہ میں وارد تمام روایات میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے اس مفہوم کے اپنانے کے بعد اسی حدیث کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی روایت سے تعارض باقی نہیں رہتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب رمضان کا نصف حصہ گزر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔ کفار پر وجہ لعنت یہ تھی کہ وہ رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کی رحمت اور

اِذْ وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِيُّ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

کرتے ہوئے پایا، وہ سورۂ بقرہ بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے۔
یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

احترام رمضان سے محروم رہتے ہیں قرآن سے فیض حاصل نہ کرتے بلکہ مخالفت اور مزاحمت کرتے لہذا وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔

صلوٰۃ تراویح کی رکعات کے متعلق اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز تراویح کے رکعات کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ اس سلسلہ میں آپ کا عمل مختلف رہا ہے آپ سے آٹھ رکعات بھی منقول ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھی ہیں اسی طرح تیرہ اور بیس رکعات بھی آپ سے منقول ہیں مگر سیدنا حضرت عمر رضہ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی بیس رکعات متعین فرما دیں اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضہ کا اسی پر عمل رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس کا انتظام رکھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری سنت اور میرے خلفا کی سنت کو لازم پکڑو لہذا اگر کوئی شخص آپ کے اس حکم کے باوصف تراویح بیس رکعتوں کا اس لیے قائل نہیں ہوتا کہ ان کا ثبوت قطعی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے تو اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ منشا نبوت اور حقیقت سنت کی صریح خلاف ورزی کر رہا ہے ــــــ تاہم ان رکعات کے بارے میں جو حضرت ابی بن کعب رضہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے لوگوں کو پڑھاتے تھے زیادہ صحیح اور صریح وہ اثر ہے جو حافظ ابن حجر رہ نے فتح الباری ج ۴ صفحہ ۲۵۳ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے روی۔ مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید بعشرین۔

بَابٌ فِي التَّرَاوِيْحِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَاتٍ

۷۷۷۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانُوْا يَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنَ وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

باب۔ بیس۲۰ رکعات تراویح ہیں۔ ۷۷۷۔ یزید بن خصیفہ سے روایت ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعات ادا کرتے تھے، راوی نے کہا اور لوگ مئین سورتیں تلاوت کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ طویل قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔ یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(۷۷۷ تا ۷۸۷) باب ہذا کی تمام روایات ائمہ اربعہ اور جمہور کا مستدل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت (۷۷۷) (سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶) سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے جسے ان کے شاگرد یزید بن خصیفہ روایت کرتے ہیں (یزید بن خصیفۃ ثقۃ ہیں قال احمد و ابو حاتم و النسائی ثقۃ وقال ابن معین ثقۃ حجۃ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۴۰) عہد فاروقی میں تراویح میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اس کا ذکر حضرت سائب بن یزید کی روایت میں ہے سائب بن یزیدؓ صغار صحابہؓ میں سے ہیں ولہ ولابیہ صحبۃ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۵۰) حضرت سائبؓ سے اس حدیث کو تین شاگرد نقل کرتے ہیں۔

(۱) یزید بن خصیفہؒ (۲) حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئبؒ (۳) محمد بن یوسفؒ۔ حضرت سائبؓ کے راوی یزید بن خصیفہؒ کے تین شاگرد ہیں ابن ابی الذئبؒ محمد بن جعفرؒ اور مالکؒ یہ تینوں بالاتفاق بیس رکعتیں روایت کرتے ہیں ابن ابی الذئبؒ کی روایت سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ محمد بن جعفر کی روایت تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵ میں منقول ہے البتہ محمد بن یوسفؒ کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

(۱) امام مالکؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی اور تمیم داری کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا (موطا ص ۴۰)

(ب) ابن اسحاق ان سے تیرہ کی روایت نقل کرتے ہیں (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳)

۸۷۷- وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً - رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ -

---

۸۷۷- یزید بن رومان سے کہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک میں ۲۳ رکعت ادا فرماتے تھے یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے -

---

(ج) داؤد بن قیس اور دیگر حضرات ان سے اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں (مصنف عبد الرزاق ج ۴ صفحہ ۲۶۰)
اسی تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے دوست گرد حارث اور یزید بن خصیفہ اور یزید کے تین شاگرد متفق اللفظ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پر لوگوں کو جمع کیا تھا جب کہ محمد بن یوسف کی روایت مضطرب ہے بعض ان سے گیارہ نقل کرتے ہیں بعض تیرہ اور بعض اکیس - اصول حدیث کے قاعدے سے مضطرب حدیث حجت نہیں لہذا حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث وہی ہے جو حارث اور یزید بن خصیفہ نے نقل کی ہے اور اگر محمد بن یوسف کی مضطرب اور مشکوک روایت کو بھی کسی درجہ میں قابل لحاظ سمجھا جائے تو دونوں کے درمیان تطبیق کی وہی صورت متعین ہے جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ گیارہ پر چند روز عمل رہا پھر بیس پر عمل کا استقرار ہوا چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے (ويمكن الجمع بين الروايتين فانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث (سنن الكبرى ج ۲ صفحہ ۴۹۶)

امام بیہقی کا یہ ارشاد کہ عہد فاروقی میں صحابہ کرام کا آخری عمل جس پر استقرار ہوا بیس تراویح کا تھا اس پر متعدد شواہد و قرائن موجود ہیں -

ایک اعتراض کا جواب

مگر بیان شواہد سے قبل اس اعتراض کا جواب ضروری ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس روایت سے تو یہ ثابت ہوا کہ عہد فاروقی میں لوگ ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور خود بھی شمولیت کی محدثین جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اعتراض مہمل ہے یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے سارے صحابہ ایک کام کرتے ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے غافل ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فلما جمعهم عمر على ابي بن كعب كان يصلي بهم عشرين ركعة (فتاوىٰ ج ۲ صفحہ ۴۰۱ مدونة الكبرىٰ ج ۱ صفحہ ۱۹۳)

۷۷۹- وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً- رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

۷۷۹- یحیٰی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔"

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

ص۲۵۲ میں ہے ان عمر و عثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس فتح الباری ج ۴ ص۲۵۳ اور عمدۃ القاری ج ۵ ص۳۵۷ میں ہے ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی زمان رمضان علی ابی بن کعب کنز العمال ج ۴ ص۲۸۳ میں ہے ان عمر امر رجلاً ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ مقصود یہ ہے کہ یہ تمام کاروائی حضرت عمرؓ کے حکم سے ہوئی تھی اور وہ اس میں شریک بھی ہوتے تھے۔

بیس رکعت تراویح کے استقرار پر مزید شواہد

(۱) باب ہذا کی دوسری روایت (۷۷۵) عن یزید بن رومان (موطا امام مالک ص۹۸) میں ۲۰ رکعات تراویح کی تصریح ہے یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت قوی ہے مگر مرسل ہے کیوں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا تاہم حدیث مرسل (جب ثقہ اور لائق اعتماد سند سے مروی ہو) جمہور کے نزدیک حجت ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث مرسل کے حجت ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی تائید کسی دوسری سند یا مرسل سے ہوئی ہو چونکہ یزید بن رومان کی روایت کی تائید میں دیگر متعدد روایات موجود ہیں جنہیں مصنف نے اسی باب میں درج کر دیا ہے اس لیے یہ باتفاق اہل علم حجت ہے یہ بحث تو عام مراسیل کے باب میں تھی مؤطا کے مراسیل کے بارے میں اہل حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ سب صحیح ہیں چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔ قال الشافعیؒ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ، واما علی رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السند بہ من طرق اخری فلاجرم انہا صحیحۃ من ہذا الوجہ وقد صنف فی زمان مالک موطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ ووصل منقطعہ مثل کتاب

۸۰۔ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ أَخْرَجَهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَإِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

۸۰۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے۔"

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

ابن ابی ذئب وابن عیینہ والثوری ومعمر (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۱۴۳)

پھر بیس رکعات پر اصل استدلال تو حضرت سائب بن یزید کی روایت سے ہے جس کے "صحیح" ہونے کی تصریح ماقبل عرض کردی گئی ہے۔ جب کہ یہاں پر یزید بن رومان کی روایت بطور تائید ذکر کی گئی ہے۔

(۲) باب ہذا کی تیسری روایت (۷۹) عن یحییٰ ابن سعید (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳) بھی اس کی موید ہے امام نیموی فرماتے ہیں واسنادہ مرسل قوی بعض لوگوں نے اس پر حضرت عمر سے منقطع ہونے کا اعتراض کیا ہے چنانچہ امام نووی مقدمہ شرح مسلم ص۱۷ میں لکھتے ہیں کہ روایت مرسل کا اعتضاد ہو جائے تو وہ ان لوگوں کے ہاں بھی حجت ہے جو مرسل کو حجت نہیں مانتے اور یہ دوسری روایات سے معتضد ہے۔

(۳) روایت (۸۰) عبدالعزیز بن رفیع (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳) کا مدلول بھی یہی ہے جو قوی موید ہے اس طرح روایت (۸۱) عن عطاء مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳) روایت ۸۲) عن ابی الخصیب (سنن الکبریٰ ج ۲ ص۴۹۶) روایت ۸۳) عن نافع عن ابن عمر (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳) روایت ۸۴) عن سعید بن عبید (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳) قوی قرائن اور شواہد ہیں۔

باب ہذا کی تمام روایات کے علاوہ وقال النیموی وفی الباب روایات اخری بھی ہیں ہم بھی تطویل سے بچنے کے لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں بہرحال مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں اہل علم اس کے قائل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات پر جمع کیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے موافقت کی اس لیے یہ بمنزلہ اجماع کے تھا۔

تراویح عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح کا معمول شروع ہوا

۸۱۷۔ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَکْتُ النَّاسَ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً بِالْوِتْرِ۔ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۸۱۷۔ حضرت عطاء نے کہا میں نے (جب سے ہوش سنبھالا) لوگوں کو بمع وتر کے تیئس رکعات پڑھتے ہوئے پایا۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

تو بعد میں بھی کم از کم بیس کا معمول رہا۔ بعض صحابہؓ و تابعینؒ سے زائد کی روایات تو مروی ہیں، لیکن کسی سے صرف آٹھ کی روایت نہیں۔

۱۔ حضرت سائبؓ کی روایت اوپر گذر چکی ہے جس میں انہوں نے عہد فاروقیؓ میں بیس کا معمول ذکر کرتے ہوئے اسی سیاق میں عہد عثمانیؓ کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جن کا وصال عہد عثمانیؓ کے اواخر میں ہوا ہے، وہ بھی بیس پڑھا کرتے تھے (قیام اللیل)

۳۔ عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ انہ دعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بہم۔ (۱) سنن کبری بیہقی ص ۴۹۵ ج ۲۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پس ان میں ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے اور حضرت علیؓ ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

اس کی سند میں حماد بن شعیب پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی کی یہ روایت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ذکر کی ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو اپنے دور خلافت میں باقی رکھا، (۲) حافظ ذہبیؒ نے المنتقی مختصر منہاج السنۃ میں حافظ ابن تیمیہؒ کے اس استدلال کو بلا نکیر ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ان دونوں کے نزدیک حضرت علیؓ کے عہد میں بیس رکعات تراویح کا معمول جاری تھا۔

۴۔ عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بہم فی رمضان عشرین رکعۃ۔

عمرو بن قیس ابو الحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲۔

۸۲۷۔ وَعَنْ اَبِی الْخَصِیْبِ قَالَ كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۸۲۷۔ ابوالخصیب نے کہا "ہمیں سوید بن غفلہ رمضان المبارک میں نماز پڑھاتے تو وہ پانچ ترویحات (یعنی) بیس رکعات پڑھاتے تھے۔" یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۵۔ عن ابی سعد البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ وفی ہذا الاسناد ضعف۔

ابوسعد بقال ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

سنن کبریٰ بیہقی: ۴۹۵ ج ۲۔

علامہ ابن الترکمانی "الجوہر النقی" میں لکھتے ہیں کہ ظاہر تو یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد بقال کی وجہ سے ہے جو متکلم فیہ راوی ہے۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں (جو اوپر ذکر کی گئی ہے) اس کا متابع موجود ہے جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔ ذیل کبریٰ بیہقی: ۴۹۵ ج ۲۔

۶۔ عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علیؓ انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث (۳) سنن کبریٰ ص۴۹۶ ج ۲۔ قیام اللیل ص۹۱

شتیر بن شکل، جو حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

امام بیہقیؒ نے اس اثر کو نقل کر کے کہا ہے "وفی ذالک قوۃ" (اور اس میں قوت ہے) پھر اس کی تائید میں انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی کا اثر ذکر کیا ہے جو اوپر گذر چکا۔

۷۔ عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ سنن کبریٰ ص۴۹۵ ج ۲۔

ابوالخصیب کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ ہمیں رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، پس پانچ ترویحے بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

قال النیموی واسنادہ حسن (۵) آثار السنن ص۲۵۳ ج ۲۔ علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا شمار کبار تابعین میں ہے، انہوں نے زمانۂ جاہلیت پایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ کیوں کہ

۸۳۷- وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً - رَوَاهُ أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ

۸۳۸- وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ أَخْرَجَهُ أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهٖ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ -

---

۸۳۷- نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا "ہمیں رمضان المبارک میں ابن ابی ملیکہ بیس رکعات پڑھاتے تھے" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۳۸- سعید بن عبید سے روایت ہے کہ علی بن ربیعہ رمضان المبارک میں لوگوں کو پانچ ترویحات میں (بیس رکعات) اور تین وتر پڑھاتے تھے" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مدینہ طیبہ اس دن پہنچے جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی، اس لیے صحابیت کے شرف سے مشرف نہ ہو سکے، بعد میں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خاص اصحاب میں تھے ۸۳ھ میں ایک سو تیس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (تقریب)

۸۔ عن الحارث انه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعۃ و یوتر بثلاث و یقنت قبل الرکوع۔ مصنف ابن ابی شیبہ - ۳۹۳ ج ۲

حارث رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اور رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

۹۔ قیام اللیل میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، سعید بن الحسن اور عمران العبدی سے نقل کیا ہے کہ وہ بیس راتیں بیس تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اور آخری عشرہ میں ایک ترویحہ کا اضافہ کر دیتے تھے۔ قیام اللیل ص ۹۲-

حارث، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ۔ قیام اللیل میں "ابی بکرہ" کی بجائے "ابی بکر" طباعت کی غلطی ہے (م ۹۶ھ) اور سعید بن ابی الحسن (م ۱۰۸ھ) تینوں حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں۔

۱۰۔ ابوالبختری بھی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲-

۱۱۔ علی بن ربیعہ جو حضرت علیؓ کے اصحاب میں تھے، بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲

۱۲۔ ابن ابی ملیکہ (م ۱۱۷ھ) بھی بیس تراویح پڑھاتے تھے (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲-

۱۳۔ حضرت عطاء (م ۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئیس رکعتیں پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ (۵) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲

۱۴۔ موطا امام مالک میں عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (م ۱۱۷ھ) کی روایت ہے کہ میں نے لوگوں کو اس حالت میں

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَفِي الْبَابِ رِوَايَاتٌ أُخْرَى أَكْثَرُهَا لَا تَخْلُوْ عَنْ وَهْنٍ وَلٰكِنْ بَعْضُهَا يُقَوِّي بَعْضًا۔

نیموی نے کہا اور اس باب میں کچھ دوسری روایات بھی ہیں جن میں اکثر کمزوری سے خالی نہیں ہیں، لیکن وہ ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں ۔

پایا ہے کہ وہ رمضان میں کفار پر لعنت کرتے تھے ۔ اور قاری آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تھا ۔ اگر وہ بارہ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تو لوگ یہ محسوس کرتے کہ اس نے قرأت میں تخفیف کی ہے ۔ موطا امام مالکؒ ص ۱۰۵۔ اس روایت سے مقصود تو تراویح میں طول قرأت کا بیان کرنا ہے لیکن روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف آٹھ رکعات پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا ۔

خلاصہ یہ کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کی ہمیشہ بیس یا زائد تراویح پڑھی جاتی تھیں ۔ البتہ ایام حرہ (۶۳ھ) کے قریب اہل مدینہ نے ہر ترویحہ کے درمیان چار رکعتوں کا اضافہ کر لیا اس لیے وہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھتے تھے ۔ اور بعض دیگر تابعین بھی عشرۂ اخیرہ میں اضافہ کر لیتے تھے ۔ بہر حال صحابہؓ و تابعینؒ کے دور میں آٹھ تراویح کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت نہیں تھا ۔ اس لیے جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا تھا ان کا ارشاد مبنی بر حقیقت ہے ۔ کیونکہ حضرات سلف اس تعداد پر اضافہ کے تو قائل تھے مگر اس میں کمی کا قول کسی سے منقول نہیں ۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس بات پر سلف کا اجماع تھا کہ تراویح کی بیس رکعات سے کم تعداد بیس رکعات سے ہے ۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں وزادت الصحابة ومن بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشیاء الاجتماع له فی مساجدهم، وذلك لانه يفيد التيسير على خاصتهم وعامتهم واداءه فی اول الليل مع القول بان صلاة آخر الليل مشهورة وهی افضل كما نبه عمر رضی الله عنه لهذا التيسير الذی اشرنا اليه وعدده عشرون ركعة (حجة الله البالغة ج۲ ص۱۸)

بیس رکعت پر اجماع کی تفصیل

الغرض ۲۰ رکعت حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی تھیں اس وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد موجود تھی ان میں سے کسی نے بھی

حضرت عمرؓ کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس پر عمل بھی کیا اس کے بعد تمام صحابہ و تابعین اس پر عمل کرتے چلے آتے ہیں یہ اس کی دلیل ہے کہ بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا تھا۔

علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں بیس پر عمل قرار پانے (یعنی اجماع) کا ذکر حافظ ابن عبد البر مالکیؒ نے کیا ہے، (مصابیح، سیوطیؒ در ہدایۃ السائل، نواب صدیق حسن خان، صاحب ص۱۳۸) اور امام نوویؒ شافعی نے لکھا ہے "ثم استقر الامر علی عشرین فانہ المتوارث" (یعنی پھر بیس پر عمل قرار پا گیا، اس لیے کہ وہی سلف سے خلف کو برابر چلا آرہا ہے) اور ابن قدامہ حنبلیؒ نے "مغنی" میں لکھا ہے "وہذا کالاجماع" اور ابن حجر مکی شافعیؒ نے لکھا ہے "ولکن اجمعت الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ" (مرقاۃ) ماورا تنا تو حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی مسلم ہے کہ "وھو الذی یعمل بہ اکثر المسلمین" (دیکھئے رکعات تراویح ص۹۲) بلکہ ابن تیمیہؒ تو یہ بھی لکھتے ہیں قد ثبت أن أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی قیام رمضان و یوتر بثلاث، فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لأنہ اقامہ بین المہاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر" مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ (ج ۲۳ ص۱۱۲ مرتب عفی عنہ)

بہر حال صحابہ کرامؓ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل موجود تھا خواہ وہ ہم تک صحیح سند سے نہ پہنچ سکا ہو اس کی تائید حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جو مصنف ابن شیبہ اور مسند عبد بن حمید کے حوالے سے نقل ہوئی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر (مطالب العالیہ ج ۱ ص۱۴۶) یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے وقال ابو صیری مدارہ علی ابراہیم بن عثمان وھو ضعیف (کذا فی تعلیق المطالب العالیہ ج ۱ ص۱۴۶) لیکن مؤید بالاجماع والتعامل ہونے کی بنا پر اس میں قوت آجاتی ہے۔ فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص۲۴۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں جس سے حدیث ابن عباس کو ضعیف کہہ سکیں اور عمل صحابہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہونا سمجھ سکیں ان کا عمل صحیح بنیاد پر تھا لہٰذا ان کی پیروی کرنے والے کس طرح دھوکا کھانے والے ہو سکتے ہیں؟ غرضیکہ صحابہ کے اعتبار سے حدیث مذکور ہرگز ضعیف نہیں ہے البتہ بعد میں ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان شامل ہونے سے بعد والوں کے اعتبار سے روایت مذکورہ "روایۃ" ضعیف کہی جا سکتی ہے مگر "درایۃ" تو صحیح ہی ہوگی کیونکہ خلفاء راشدین وغیرہ صحابہؓ کا بیس رکعت پر عمل و مواظبت اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ بحر العلومؒ فرماتے ہیں "ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ" یعنی صحابہ کرامؓ کی بیس رکعت پر مواظبت اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت صحیح ہے۔

۴۹

ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کے نزدیک

حضرات ائمہ اربعہؒ اور ان کے مقلدین وجمہور سلف صالحین بیس سے کم تراویح کے قائل نہیں ہیں اکثر اہل العلم اسی کے قائل ہیں کہ صلوٰۃ تراویح کی بیس رکعات ہیں چنانچہ امام ترمذی ج ۱ ص ۹۹ پر اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے امام ترمذیؒ نے تو امام احمد کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر سکے کہ تراویح کی کتنی رکعات ہیں مگر امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں والمختار عند ابی عبد اللہ (احمد بن حنبل) فیہا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابو حنیفہؒ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون (المغنی ج ۱ ص ۸۰۳)

امام شافعیؒ کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵ میں لکھتے ہیں۔ فاما قیام شھر رمضان فصلوٰۃ المنفرد احب الیّ ورأیتھم بالمدینۃ یقومون بتسع وثلاثین واحب الیّ عشرون لانہ روی عن عمرؓ وکذالک یقومون بمکۃ ویوترون بثلاث اھ

علامہ ابن رشدؒ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۰ میں لکھتے ہیں۔ واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالکؒ فی احد قولیہ وابو حنیفۃؒ والشافعیؒ واحمدؒ وداؤدؒ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسمؒ عن مالکؒ انہ کان یستحسن ستًا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث اھ اور قیام اللیل ص ۹۲ میں ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کے عہد میں بھی چھتیس رکعات ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد حرام میں ایک ترویحہ کے بعد اتنا وقفہ ہوتا تھا کہ حرم والے لوگ ایک طواف کر لیتے تھے۔ مسجد نبوی میں چونکہ طواف تو ہے نہیں وہ حضرات ہر ترویحہ کے بعد چار رکعتیں الگ پڑھ لیتے تھے ان کی سولہ رکعات زیادہ ہو جاتی تھیں اور آخری ترویحہ کے بعد وتر ہوتے اس لحاظ سے مع وتر ان کی کل رکعات انتالیس ۳۹ ہو جاتیں۔

اور مغنی ج ۱ ص ۱۵۲ (وھو کتاب الفقہ علی مذھب ابی عبد اللہ احمدؒ بن حنبلؒ) ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ اھ و فی الاقناع ج ۱ ص ۱۴۲ (وھو کتاب فی الفقہ علی مذھب الحنابلۃ) التراویح عشرون رکعۃ فی رمضان یجھر فیھا بالقرأۃ وفعلھا فی جماعۃ افضل ولا ینقصھا ولا بأس بالزیادۃ اھ

امام نوویؒ المہذب ج ۴ ص ۳۲ میں لکھتے ہیں۔ مذھبنا انھا عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات غیر الوتر وذلک خمس ترویحات والترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین ھذا مذھبنا وبہ قال ابو حنیفۃ رح واصحابہؒ واحمدؒ وداؤدؒ وغیرھم ونقلہ القاضی عیاضؒ

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

۵۸۷- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

باب - فوت شدہ نمازوں کی قضاء - ۵۸۷- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص نماز (پڑھنی) بھول جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے اس کا کفارہ صرف یہی ہے اور قائم کرو نماز کو میری یاد کے وقت۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

عن جمهور العلماء اھ۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ولم يقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرين ركعة فى التراويح واليه ذهب جمهور الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم الخ (العرف الشذى ص۳۰۸ على الترمذى ج ۱ ص۱۲۶)

ان تمام نصوص حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرات ائمہ اربعہؒ اور دیگر ائمہ کرامؒ اور ان کے پیروکاروں میں کوئی بھی بیس سے کم تراویح کا قائل نہ تھا اور حرمین شریفین میں اب بھی بفضلہ تعالیٰ بیس تراویح ہی پڑھائی جاتی ہیں۔ (ملخصاً از خزائن السنن)

(۵۸۶ تا ۵۸۷) اس باب کے تحت یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص سو جائے یا نماز کا وقت نکل جائے یا نماز کو بھول جائے اور نماز کا وقت فوت ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ تو اس سلسلہ میں المنتخب الافکار ج ۴ ص۱۱۶ ، ۱۱ تین مذاہب نقل کیے گئے ہیں۔

قضاء الفوائت اور بیان مذاہب

(۱) اکثر اہل ظواہر اور بعض غیر مقلدین کے نزدیک ایک فوت شدہ نماز کو دو مرتبہ پڑھنا واجب ہے ایک مرتبہ جس وقت نماز یاد آجائے اور دوسری مرتبہ جب اگلے روز اسی نماز کا وقت آجائے۔

(۲) بعض اہل ظاہر اور بعض محدثین کے ہاں ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے لیکن جب یاد آجائے اس وقت نہیں پڑھے گا بلکہ اس کے متصلاً جو فرض نماز کا وقت آرہا ہے اس ہی فرض کے ساتھ اس کی قضا کرے گا۔

۸۶۷- وَعَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَاغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَحَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ

۸۶۷- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خندق کے دن غروب آفتاب کے بعد آئے تو کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے، انہوں نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا، نبی اکرم صلی اللہ

---

(۳) ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے وہ بھی جس وقت یاد آجائے اسی وقت علی الفور پڑھنا ضروری ہے آئندہ کسی نماز کا وقت آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا ائمہ اربعہ کا پھر آپس میں اختلاف ہے۔

(ل) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اوقات ممنوعہ میں یاد آجائے تو اوقات ممنوعہ ہی پڑھنا ہوگا۔

(ب) حنفیہ حضرات کے نزدیک اوقات ممنوعہ مثلاً طلوع استواء اور غروب شمس کے اوقات میں نہیں پڑھے گا بلکہ اوقات مشروع کا انتظار کرنا لازم ہے سلیمان توریح بھی اسی کے قائل ہیں حنفیہ کے نزدیک قضا کا باب موسع ہے یعنی یاد آنے اور جاگنے کے بعد کسی بھی وقت نماز پڑھی جاسکتی ہے لہذا اوقات مکروہہ میں ادائیگی درست نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

باب ہذا کی پہلی روایت ۸۶۷ عن انس بن مالک (ترمذی ج ۱ ص ۴۲ بخاری ج ۱ ص ۸۴) ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے وہ الفاظ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قضا نماز ٹھیک اس وقت پڑھنا ضروری ہے جب آدمی نیند سے بیدار ہو یا اسے یاد آئے حتیٰ کہ اوقات ممنوعہ میں بھی ادا کرے یہ حضرات احادیث النهي عن الصلاة في الاوقات المكروهة کو اس عموم سے مخصص مانتے ہیں۔

حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اوقات مکروہہ میں نہی کی صحیح اور صریح روایات ہیں یہ حدیث ان احادیث سے مخصص ہے۔

لہذا ان اوقات میں نماز صحیح نہیں لہذا اذا ذکرھا سے وہ اوقات خارج ہیں قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ نوافل ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب ہوں اوقات مکروہہ میں

تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

علیہ وسلم نے فرمایا" میں نے بھی عصر نہیں پڑھی" تو ہم بطحان (جگہ کا نام ہے) میں کھڑے ہوئے آپ نے وضو فرمایا ہم نے بھی اس نماز کے لیے وضو کیا تو آپ نے عصر کی نماز سورج چھپنے کے بعد پڑھی پھر مغرب اس کے بعد ادا فرمائی۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

درست نہیں اور اوقات منوعہ میں قضا بھی صحیح نہیں (نیل الاوطار ج ۲ ص۲۳)

دوسرا یہ کہ اس حدیث کی عملی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس کے واقعہ میں بیان فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث تعریس اس واقعہ میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ بیدار ہوتے ہی وہاں نماز پڑھنے کے بجائے وہاں سے سفر کر کے کچھ آگے تشریف لے گئے اور وہاں نماز ادا فرمائی جب کہ سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔

تیسرا یہ کہ خود امام شافعیؒ بھی حدیث باب کے الفاظ فلیصلها اذا ذکرها کے عموم پر عمل نہیں کرتے ان کے نزدیک بھی بعض صورتوں میں نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہو جاتا ہے مگر عورت کو حالت حیض میں نماز یاد آئے تو پاک ہونے تک تاخیر ضروری ہے جب امام شافعیؒ اس کی تخصیص کے قائل ہیں تو اوقات مکروہہ میں تخصیص میں کیا حرج ہے۔ بہر حال اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ یاد آنے کے بعد شرعی قواعد کے مطابق نماز ادا کی جائے لہٰذا اگر شرعی قواعد میں کوئی وجہ تاخیر موثر ہو تو مؤخر کرنا واجب ہوگا۔

چوتھا یہ کہ رسائل الارکان (از علامہ بحر العلوم لکھنوی) میں ہے کہ اذا ذکرها میں لفظ اذا جس طرح ظرفیت کے لیے ہو سکتا ہے اسی طرح شرطیت کے لیے بھی آسکتا ہے جیسے نور الانوار وغیرہ میں ہے کہ اذا تصبك خصاصة فتجمل اب اگر حدیث باب میں اذا ذکرها کو ان ذکرها کے معنی میں لیا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اگر یاد آجائے تو نماز پڑھ لو اور مطلب یہ ہے کہ یہ یاد آنے کے وقت کے ساتھ مقید نہ ہوگا۔

وجوب قضاء میں ناسی اور عامد دونوں برابر ہیں

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وجوب قضا میں ناسی اور عامد دونوں برابر ہیں جیسے کہ

۸۷۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً فَلَمْ یَذْکُرْھَا اِلَّا وَھُوَ مَعَ الْاِمَامِ فَاِذَا سَلَّمَ الْاِمَامُ فَلْیُصَلِّ الصَّلٰوۃَ الَّتِیْ نَسِیَ ثُمَّ لِیُصَلِّ بَعْدَھَا اُخْرٰی۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۸۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے "جو شخص نماز بھول جائے پھر امام کے ہمراہ دوسری نماز پڑھتے ہوئے اُسے یاد آئے، پس جب امام سلام پھیرے، تو وہ بھولی ہوئی نماز پڑھے پھر اس کے بعد دوسری نماز پڑھے" یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ناسی کے ذمہ قضا واجب ہے ایسے ہی عمداً ترک کرنے والے کے ذمہ بھی قضا واجب ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ، ابوعبدالرحمٰن شافعیؒ اور داؤد ظاہری جمہور امت کے خلاف عمداً ترک شدہ نمازوں کی قضا کو نہ واجب کہتے ہیں اور نہ صحیح سمجھتے ہیں چنانچہ اختیارات علیہ شیخ الاسلام امام تیمیہؒ میں ہے کہ عمداً نماز ترک کرنے والے کے لیے شریعت میں قضا کا حکم نہیں ہے اور نہ وہ اس کے ادا کرنے سے درست ہوگی۔

احناف کے دلائل امام اعظم ابوحنیفہ ومن وافقہ کی جانب سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابوسعید الخدریؓ عقبہ بن عامرؓ اور حضرت ابوبصرہؓ وغیرہم سے روایات آئی ہیں اور جن کی زیادہ تفصیل صحیح مسلم ج ۱ ص۲۷۵ میں منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات مکروہہ میں نماز سے منع فرمایا ہے علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ صبح اور صلوٰۃ عصر کے بعد نھی عن الصلوٰۃ کی احادیث متواتر اور اوقات ثلثہ (طلوع استواء اور غروب) کے وقت نہی کے احادیث صحیح ہیں۔ (العرف الشذی ص۱۷۰)
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صبح اور عصر کی نماز کے بعد قضا نمازیں بالاتفاق درست ہیں لیکن ایسی نمازیں جو ذوات الاسباب ہوں ان کی صحت میں اختلاف ہے کہ ان وقتوں یا طلوع استواء اور غروب کے وقت درست ہیں یا نہیں مثلاً تحیۃ المسجد تحیۃ الوضوء صلوٰۃ کسوف سجدۃ تلاوت سجدہ شکر صلوٰۃ العید جنازہ وغیرہ کی ان نمازوں کے اسباب ہیں مثلاً دخول مسجد تحیۃ المسجد کا، وضو تحیۃ الوضوء کا، سبب ہے وقس علی ہذا۔ خلاصہ یہ کہ احادیث نہی اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے سے معناً متواتر ہیں اور ان اوقات میں ہر قسم کی نماز کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اسی عدم جواز کے عموم میں قضا نمازیں بھی شامل ہوجاتی ہیں۔

قضا نمازوں میں ترتیب کا مسئلہ

باب کی دوسری روایت ۶۸، عن جابر بن عبد اللہؓ (بخاری ج ۱ مسلم ج ۱ صـ۲۲۶) میں ترتیب کا مسئلہ مذکور ہے۔

(۱) اگر کسی کی نماز وقت سے رہ جائے تو یاد آتے ہی اس کی قضا کرے بشرطیکہ اوقات مکروہہ نہ ہوں اور قضا کو وقتی نماز پر مقدم کرے مثلاً ظہر، عصر اور مغرب کی نماز قضا ہوگئی اور عشاء کے وقت ادا کرتا ہے تو پہلے ظہر پڑھے پھر عصر مغرب اس کے بعد فرض وقتی یعنی عشاء پڑھے تاکہ فوائت اور وقتیہ میں ترتیب رہے یہ ترتیب احناف کے ہاں واجب ہے علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اور ابن قدامہؒ نے المغنی میں ذکر کیا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ، زہریؒ، ربیعہؒ، یحییٰ انصاریؒ، لیثؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے طاؤسؒ، ابوثورؒ، ابن القاسمؒ اور سحنون اسی کے قائل ہیں اور ظاہریہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حدیث جابر کی شرح و توضیح

حدیث جابر میں غزوہ خندق کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپؐ کی کچھ نمازیں قضا ہوگئی تھیں مگر ان کی تعداد اور تعیین کا اختلاف ہے ترمذی کی ایک روایت میں عن اربع صلوات یوم الخندق کی تصریح ہے باب ہذا کی روایت میں صحیحین کے حوالے سے صرف نماز کے قضا ہونے کا ذکر ہے جبکہ مؤطا کی روایت میں ظہر اور عصر کا ذکر ہے (معارف السنن ج ۱ صـ۴۱۱) اور نسائی کی ایک روایت میں ظہر، عصر اور مغرب کا بیان ہے (نسائی ج ۱ صـ۱۰۲) بعض محدثین نے اس کو ایک واقعہ قرار دیا ہے اور تطبیق کے لیے حفظ کل مالم یحفظہ الآخر کا اصول اختیار کرتے ہیں بقول ان کے درحقیقت تین نمازیں رہ گئی تھیں رواۃ نے کسی ایک یا دو کا ذکر کیا اور باقی کا ذکر نہیں کیا مگر یہ جواب اس لیے ضعیف ہے کہ حدیث جابر (صحیحین کے حوالے سے) میں یہ تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے وقت عصر کی نماز قضا فرمائی جبکہ ترمذی کی روایت میں عشاء کے وقت چار نمازوں کی قضا کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ آپؐ غزوۂ خندق میں کئی روز تک مصروف رہے اس میں متعدد مرتبہ نمازیں قضا ہوئیں اس سلسلہ کی تمام روایات مختلف واقعات پر محمول ہیں۔

جبکہ باب ہذا کی روایات جابرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اولاً فائتہ پھر مغرب پڑھی فائتہ اور وقتیہ میں ترتیب کو ملحوظ رکھا اسی طرح تمام روایات اس پر بھی متفق ہیں کہ آپؐ نے چاروں

اَبْوَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ

بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ

۸۸۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَیْنَةَ الْاَسَدِیِّ حَلِیْفِ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

ابواب ۔ سجدہ سہو

باب ۔ سلام سے پہلے سجدہ سہو ۔ ۸۸۷۔ بنی عبد المطلب کے حلیف حضرت عبد اللہ بن بحینہ الاسدی رضی اللہ عنہ

نمازوں کی ادائیگی میں بھی ترتیب کو ملحوظ رکھا ائمہ ثلاثہ اور جمہور فوائت کی ادائیگی میں بھی وجوب ترتیب کا استدلال اسی سے کرتے ہیں امام شافعیؒ اور ابو ثورؒ کے نزدیک یہ ترتیب مستحب ہے۔

البتہ احنافؒ کے نزدیک ترتیب کثرتِ فوائت ضیقِ وقت، اور نسیان کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب اگرچہ ضیقِ وقت اور نسیان کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے مگر کثرتِ فوائت سے ساقط نہیں ہوتی امام احمدؒ نسیان کی وجہ سے سقوط کے قائل نہیں ہیں وہ اس کے سقوط کو صرف ضیقِ وقت پر موقوف قرار دیتے ہیں۔

شوافع حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضورؐ کا صرف عمل منقول ہے اور یہ عمل ترتیب استحباب پر محمول ہے ائمہ ثلاثہ آپ کے عمل کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور اس کے دو وجوہات ہیں۔

(ا) ایک تو یہ کہ حضورؐ کا ارشاد ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۷۷)

(ب) دوسرا یہ کہ اسی باب آخری روایت ۸۸۰ عن عبد اللہ بن عمر (موطا امام مالک ص ۱۵۵) میں حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے جس سے ترتیب کا وجوب مستفاد ہوتا ہے۔

(۸۸۷ تا ۹۰۰) فرائض، نوافل، ادا اور قضا نمازوں کے بعد اس چیز کا بیان ہے جس سے نماز کے نقصان کو پورا کیا جا سکے اور وہ سجدہ سہو ہے سجود السھو میں اضافت از قبیل اضافتِ سبب الی المسبب ہے کما یقال سجدۃ التلاوۃ، خیار العیب، خیار الشرط کفارۃ القتل، کفارۃ الظہار، در مختار میں ہے کہ یہ از قبیل اضافتِ حکم الی السبب ہے اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ حکم تو وجوب ہے نہ کہ سجدہ کرنا جواب یہ ہے کہ یہ اضافت بتقدیر مضاف ہے۔ ای وجوب سجود السھو۔

سہو اور نسیان میں صاحب بحر نے لکھا ہے کہ لغت کے اعتبار سے سہو اور نسیان میں کوئی

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ وَعَلَیْہِ جُلُوْسٌ فَلَمَّا اَتَمَّ صَلٰوتَہٗ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ یُکَبِّرُ فِیْ کُلِّ سَجْدَۃٍ وَھُوَ جَالِسٌ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ وَسَجَدَھُمَا النَّاسُ مَعَہٗ مَکَانَ مَا نَسِیَ مِنَ الْجُلُوْسِ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے اور آپ کے ذمہ بیٹھنا تھا یعنی درمیانی قعدہ بھول گئے، جب آپ نے اپنی نماز پوری فرمائی تو سلام تشہد سے پہلے بھول ہوئی تشہد کے بدلہ دو سجدے ادا فرمائے۔ آپ بیٹھے ہوئے ہی ہر سجدے سے پہلے تکبیر کہتے رہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

فرق نہیں دونوں کے معنی کسی چیز کا بوقت حاجت یاد نہ آنا ہے لیکن جمع الجوامع میں ہے کہ سہو اس کو کہتے ہیں کہ معلوم چیز سے غفلت ہو جائے یعنی ادنیٰ تنبیہ سے اس پر آگاہ ہو جائے اور نسیان معلوم بات کے بالکل بھول جانے کو کہتے ہیں۔

ابن امیر حاج کی شرح تحریر میں ہے کہ فقہاء و اصولیین و اہل لغت کے یہاں ان میں کوئی فرق نہیں البتہ حکماء نے ان میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ قوت حافظہ اور قوت مدرکہ دونوں سے صورت کا زوال نسیان کہلاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے حصول میں سبب جدید کی احتیاج ہوتی ہے، اور صرف قوت مدرکہ سے صورت کے زوال کو سہو کہتے ہیں۔

مواقع سہو و نسیان

محدثین نے نماز کے سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو و نسیان کے مواقع کی نشاندہی کی ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فیض الباری ج ۲ صـ۱۷۱ میں لکھتے ہیں: ثم اعلم ان وقائع سھو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربعۃ حررھا الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید ...... الخ۔

حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ۱ صـ۷۲ میں چند واقعات نقل کر کے لکھتے ہیں: فھذا مجموع ما حفظ عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من سھوہ فی الصلوٰۃ وھی خمسۃ مواضع احادیث کے پیش نظر پہلا واقعہ بخاری ج ۱ صـ۱۶۳ میں آتا ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی الظھر خمساً۔ الحدیث۔

دوسرا واقعہ بخاری ج ۱ صـ۱۶۳ میں آتا ہے عن ابی ھریرۃؓ قال صلی بنا النبی صلی اللہ

۷۸۹- وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلَمْ یَدْرِکَمْ صَلّٰی ثَلٰثًا اَمْ اَرْبَعًا فَلْیَطْرَحِ الشَّکَّ وَلْیَبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ فَاِنْ کَانَ صَلّٰی خَمْسًا شَفَعْنَ لَہٗ صَلٰوتَہٗ وَاِنْ کَانَ صَلّٰی اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ کَانَتَا تَرْغِیْمًا لِّلشَّیْطَانِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۷۸۹- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کسی کو جب اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور اسے معلوم نہیں کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ شک ختم کرے اور یقین پر بنا کرے، پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے، پس اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں، تو یہ پانچ رکعتیں اور دو سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو جفت کر دیں گی، اگر اس نے چار پوری کرنے سے پہلے (ایک رکعت) پڑھی ہے، تو یہ شیطان کو ذلیل کرنے والی ہوگی“ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

تعالٰی علیہ وسلم الظہر او العصر فصلی الرکعتین ثم سلم۔

تیسرا واقعہ ابو داؤد ج ۱ ص۱۴۸ میں یوں آتا ہے عن عبد اللّٰہ ابن بحینۃ (عبد اللہ کے والد کا نام مالک اور بحینہ والدہ کا نام تھا جیسا کہ ترمذی ج ۱ ص۵۱ میں تصریح ہے۔ اور حسب قاعدہ ابن سے قبل الف ہونا چاہیے جیسا کہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول اور اسمٰعیل ابن علیۃ میں) قال صلی لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکعتین ثم قام فلم یجلس الحدیث یعنی قعدہ اولی چھوٹ گیا۔

چوتھا واقعہ نسائی ج ۱ ص۱۴۳ میں ہے، ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی صلوۃ الصبح فقرأ الروم فالتبس علیہ۔

پانچواں واقعہ مستدرک ج ۱ ص۲۶۱ میں معاویۃ بن خدیج کی روایت ہے، قال صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم المغرب فسہی فسلم فی الرکعتین الحدیث قال الحاکم والذہبی علی شرطہما۔ شاہ صاحب فیض الباری ج ۲ ص۲۲۲ میں اس واقعہ کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ ترکہ من صلوۃ المغرب قعدۃ الاولی۔ اگر یہی واقعہ جو بحوالہ ابی داؤد گزرا، تو کل پانچ واقعات ہوں گے ورنہ چھ ہوں گے۔

ایک علمی فائدہ | حافظ ابن دقیق العیدؒ احکام الاحکام ج ۱ ص۳ میں لکھتے ہیں۔ انہ رای

۷۹۰۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهِ فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلّٰى أَمْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَجْعَلْهَا وَاحِدَةً وَإِذَا لَمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلّٰى أَمْ ثَلَاثًا فَلْيَجْعَلْهَا

۷۹۰۔ حضرت عبدالرحمٰن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم میں سے کسی کو جب اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور وہ نہیں جانتا کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو اُسے ایک شمار کرے اور جب یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے دو پڑھی ہیں یا تین تو انہیں دو شمار

حدیث ذی الیدین فی السہو، یدل علی جواز السہو فی الافعال علی الانبیاء علیہم السلام وھو مذھب عامۃ العلماء والنظار وھذا الحدیث مما یدل علیہ وقد صرح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حدیث ابن مسعودؓ بانہ یجی کما ینسون ، وشذت طائفۃ من امتوغلین فقالت لایجوز السہو علیہ وانما ینسی علیہ عمداً ویتعمد صورۃ النسیان لیسن وھذا باطل لاخبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ ینسی۔ قرآن کریم میں ہے واذکر ربک اذا نسیت۔ الآیۃ وفی حدیث ابن مسعودؓ عند البخاری ج ۱ ص۵۸ ومسلم ج ۱ ص۲۱۲ نحوہ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی الخ وفی الموطأ مالک ص۳۳ مالک انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انی لاَنسٰی او اُنسّٰی لاَسُنّ فی الحاشیۃ الاول معروف من المجرد، والثانی مجہول من المزید ... الخ (ملخصا از نصر ائمن السنن)

بیان مذاہب حافظ زین الدین العراقی نے شرح ترمذی میں آٹھ مذاہب نقل کیے ہیں ذیل میں چند مشہور مذاہب نقل کر دیئے جاتے ہیں۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو کا محل سلام کے بعد ہے خواہ سہو زیادتی کے ساتھ ہو یا نقصان کے ساتھ صحابہؓ میں ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عمارؓ، انسؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن الزبیر اور تابعین میں سے حسن، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلیٰ ثوریؒ اور حسن بن صالح اسی کے قائل ہیں (ذکرہ الحازمی فی الناسخ والمنسوخ)

(۲) امام شافعیؒ زیادت اور نقصان ہر دو صورت میں سلام سے پہلے کے قائل ہیں عینیؒ فرماتے ہیں سجود سہو کا محل

ثِنْتَيْنِ وَإِذَا لَمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَجْعَلْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يَسْجُدُ إِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ سَجْدَتَيْنِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَهُوَ مَعْلُولٌ۔

کرے اور جب یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین شمار کرے، پھر جب اپنی نماز سے فارغ ہو تو بیٹھے ہوئے سلام سے پہلے دو سجدے کرے" یہ حدیث احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی ہے ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث معلول ہے۔

الاطلاق سلام سے پہلے ہونا حضرت ابوہریرہ، زہری، مکحول، ربیعہ، اوزاعی، لیث سے مروی ہے۔

۲۔ امام مالکؒ اور مزنیؒ کے نزدیک بصورتِ نقصان سلام سے قبل اور بصورتِ زیادۃ سلام کے بعد ہے عندھم القاف بالقاف والدال بالدال یعنی نقصان میں قبل السلام اور زیادۃ میں بعد السلام

۳۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جن صورتوں میں آپ نے سجدہ سہو قبل السلام کیا وہاں قبل السلام اور جہاں بعد السلام کیا وہاں بعد السلام ہو اور جہاں بصورت نسیان آپ سے کوئی چیز ثابت نہیں وہاں امام مالکؒ والی تفصیل ہے (ذکرہ القسطلانی فی شرح البخاری) خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں سجدہ سہو قبل السلام کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ ہر صورت میں بعد السلام پر عمل کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں عمل ثابت ہیں یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۸۰۷) عن عبد اللہ بن بحینہ (بخاری ج ۱ ص ۱۶۴ مسلم ج ۱ ص ۲۱۱) امام شافعی کا مستدل ہے جس میں سجدہ سہو قبل ان یسلم کی تصریح ہے۔ حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن بحینہ کی (۱) یہ روایت بیان جواز پر محمول ہے (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں قبل السلام سے مراد وہ سلام ہو جو سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھ کر آخر میں کیا جاتا ہے (۳) مظاہر حق (ج ۱ ص ۶۷۴) میں ہے کہ حضرت عمرؓ سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا کرتے تھے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کو ناسخ اور بعد السلام کی روایات کو منسوخ قرار دیا ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں۔

عبد اللہ بن بحینہ بحینہ ان کی والدہ کا نام ہے وقیل اسم ابیہ ان کے والد کا نام مالک ہے جیسا کہ ترمذی ج ۱ ص ۸۶ میں اس کی تصریح ہے لہذا جس قاعدہ ابن سے قبل الف ہونا چاہئے جیسا کہ

عبد اللہ بن ابی ابن سلول اور اسمٰعیل ابن علیہ میں کیونکہ الف حرف اس صورت میں ساقط ہوتا ہے جب کہ علمین متناسلین کے درمیان ہو۔

تعداد رکعات میں شک اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک

نماز کی تعداد رکعات میں شک ہو جانے کی صورت میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے (۱) کہ اگر یہ پہلے دفعہ واقع ہوا ہے تو اعادہ ہے یعنی نماز نئے سرے سے پڑھے۔ (۲) اگر مصلی کو عموماً یہ پیش ہوتا رہتا ہے تو تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے (۳) اور اگر ظن غالب بھی نہیں ہے تو بنا علی الاقل کرے یہی تفصیل حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ج ۱ ص۸۶ اور علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۰۲ میں نقل کی ہے باب ہذا کی آخری دونوں روایات (۹، ۱۰) عن ابی سعید الخدری (مسلم ج ۱ ص۲۱۱ ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۷) اور (۱۰) عن عبد الرحمٰن بن عوف (مسند احمد ص۱۹۰ ترمذی ج ۱ ص۵۳) مسلک امام اعظمؒ کے جزو ثالث کے دلائل ہیں جن میں تصریح ہے کہ جب ظن غالب بھی نہ ہو تو بنا علی الاقل کرے باقی رہا جزو اول (یعنی جب شک پہلی بار وارد ہو) تو اس کی صحیح دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ یہ ضابطہ ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک (بخاری ج ۱ ص۲۷۵ اور الجامع الصغیر ج ۲ ص۱۵ میں متعدد صحابہ کرام سے جن میں حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ بھی ہیں مروی ہے وقال صحیح) لہٰذا اس عمومی روایت کے پیش نظر نماز نئے سرے سے پڑھے۔

تعداد رکعات میں شک تفصیل مذاہب اور مسلک احناف کے وجوہ ترجیح

امام اوزاعیؒ اور امام شعبیؒ کا مسلک ہے کہ ہر حالت میں اعادہ واجب ہے الا یہ کہ رکعات کی تعداد کا یقین ہو جائے حضرت حسن بصریؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر حالت میں سجدۂ سہو واجب ہے خواہ بنا علی الاقل کرے یا بنا علی الاکثر۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ظن غالب پر مدار رکھے نہیں تو بنا علی الاقل کرے نیز عندہم ہر اس رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے جس کے بارے میں یہ امکان ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے نیز سجدۂ سہو بھی لازم ہے۔ مسئلہ میں اختلاف کی وجہ روایات کا اختلاف ہے بعض روایات میں اعادہ کا حکم ہے کما فی روایۃ ابن عمر قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۲۸) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں تحری کا حکم ہے اذا شک احدکم فی صلوٰتہ فلیتحر الصواب (بخاری ج ۱ ص۵۸ مسلم ج ۱ ص۲۱۱) جب کہ باب ہذا کی ان دونوں روایات میں بنا علی الاقل کا حکم ہے ائمہ ثلاثہ نے ان احادیث میں بنا علی الاقل والی احادیث کو اختیار کیا اور سجدۂ سہو کو اس پر محمول کیا اوزاعی اور شعبیؒ نے استیناف والی حدیث کو لے لیا ہے اور

باقی کو ترک کر دیا امام اعظم ابوحنیفہ نے تمام احادیث پر عمل کیا ہے اور ہر حدیث کا ایک مخصوص محمل قرار دے کر تمام احادیث میں بہترین تطبیق کر دی ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لیے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہئے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو پہلی مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔

سجدۂ سہو میں حکمت و فائدہ

فان کان خمساً شفعن حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مذکورہ صورت میں تین رکعات کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئیں تو یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت) کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جبکہ اس شخص نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کا جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک و شبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دو سجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کی بجائے اس میں اور زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ

۷۹۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنِ اثْنَتَیْنِ فَقَالَ لَهٗ ذُوالْیَدَیْنِ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ اَمْ نَسِیْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصَدَقَ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی اثْنَتَیْنِ اُخْرَیَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ - رَوَاهُ الشَّیْخَانِ -

---

باب - سلام کے بعد سجدہ سہو - ۷۹۱ - حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تو آپ سے ذوالیدینؓ نے کہا کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ذوالیدینؓ نے سچ کہا؟ لوگوں نے عرض کیا، ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دوسری دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، پھر تکبیر کہہ کر اپنے عام سجدوں کی مانند یا اس سے طویل سجدہ کیا، پھر سر مبارک اٹھایا۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۷۹۱ تا ۷۹۶) باب ہذا کی تمام روایات سجود السہو بعد السلام پر دلالت کرتی ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دلائل ہیں غرض انعقاد باب بھی یہی ہے۔

مسلک امام اعظمؒ کے دلائل

(۱) باب کی پہلی روایت عن ابی ھریرۃ (بخاری ج ۱ ص ۱۶۴ مسلم ج ۱ ص ۲۱۳) میں تصریح ہے کہ ثم سلم کبر فسجد مثل سجودہ ضمناً اس حدیث سے بظاہر تکلم فی الصلوٰۃ کے جواز کا استدلال بھی ہوتا ہے تاہم اس جزء میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ عمداً کلام مفسد صلوٰۃ ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کلام قلیل ہو یا کثیر، عمداً ہو یا نسیاناً اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو یا کسی اور وجہ کے لیے مفسد صلوٰۃ ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نسیاناً یا اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو تو مفسد صلوٰۃ نہیں یہی قول امام مالک و احمد سے نقل کیا گیا ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سلام و کلام کی جتنی روایات ہیں وہ سب اس وقت کی ہیں جب کہ نماز میں سلام و کلام وغیرہ عمل کثیر درست تھا یہی ذوالیدین کی روایت دیگر ائمہ کا مستدل ہے جس میں دو رکعت کے بعد کافی کلام ہوا پھر دو رکعت پڑھی گئیں وہ ائمہ فرماتے ہیں اگر کلام اصلاح الصلوٰۃ کے لیے مفسد ہوتا تو یہ نماز نہ ہوتی علماء احناف کہتے ہیں کہ یہ واقعہ تحریم کلام سے پہلے کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ذوالیدین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

۹۲۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ۔

۹۳۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۲۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جسے اپنی نماز میں شک پڑجائے تو اسے چاہئے کہ سلام پھیرنے کے بعد (سہو کے) دو سجدے کرے"۔
یہ حدیث احمد، ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور بیہقی نے کہا، اس کی اسناد لا باس بہٖ ہے۔

۹۳۔ علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سہو کے دو سجدے سلام کے بعد کیئے اور بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا تھا۔
یہ حدیث ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کے بعد تک زندہ رہے اور ذوالشمالین غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے (ملخصاً التعلیق المحمود ج ۱ صـ ۱۴۳)
لہذا یہ ممانعت سے بعد کا واقعہ ہے۔ اصل مرکزی موضوع شبہ یہ ہے کہ روایات میں دو نام آتے ہیں۔ ایک ذوالیدین دوسرا ذوالشمالین۔ اگر یہ دونوں ایک ثابت ہوجائیں تو مسلک احناف قوی ہے اور اگر الگ الگ ہوں تو دوسرے حضرات کا مسلک قوی ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ذوالشمالین کی شہادت بدر کے موقع پر ہوئی اور دلائل سے ثابت ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی بزرگ کے نام ہیں۔
(۲) عبداللہ بن جعفر کی روایت (۹۲) (ابوداؤد ج ۱ صـ ۱۴۸ مسند احمد ج ۱ صـ ۲۰۵ سنن الکبریٰ ج ۲ صـ ۳۳۶) فلیسجد سجدتین بعد ما سلم صریح ہے۔
(۳) روایت (۹۳) عن علقمہ ان ابن مسعود (ابن ماجہ صـ ۸۷) اور روایت (۹۴) عن قتادۃ عن انس (طحاوی ج ۱ صـ ۲۹۹) میں سجدہ سہو بعد السلام واضح ہے۔
(۴) روایت (۹۵) عن ضمرۃ بن سعید (طحاوی ج ۱ صـ ۲۹۹) میں حضرت انس بن مالک کا عمل اور روایت (۹۶) عن عمرو بن دینار (طحاوی ج ۱ صـ ۲۹۹) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

۷۹۴۔ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يَهِمُ فِيْ صَلٰوتِهِ لَا يَدْرِيْ اَزَادَ اَمْ نَقَصَ قَالَ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۷۹۵۔ وَعَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّهُ صَلّٰى وَرَآءَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَوْهَمَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۷۹۶۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَجْدَتَا السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۷۹۴۔ قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارہ میں کہا جسے اپنی نماز کے بارہ میں وہم پڑ جائے، وہ نہیں جانتا کہ اس نے نماز زیادہ پڑھی ہے یا کم (انسؓ نے کہا) "سلام کے بعد دو سجدے کرے" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۷۹۵۔ ضمرۃ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انہیں شک پڑ گیا تو انہوں نے سہو کے دو سجدے کیے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۷۹۶۔ عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "سہو کے دو سجدے سلام کے بعد ہیں" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن بحینہ کی روایت میں مختلف احتمالات تھے اس سلسلہ کے سجدہ سہو قبل السلام والی دیگر روایات میں احتمالات ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے شرعی دلیل کی ضرورت ہے چنانچہ ہم نے غور وفکر کے بعد دیکھا تو اجلہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کا عمل ہر حال میں بعد السلام سجدہ سہو کرنے پر رہا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں امام طحاوی نے سات صحابہ (حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ، حضرت سعد بن مالک حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ حضرت انس رضؓ اور حضرت عمران بن حصین) کے عمل کو بارہ سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے امام نیموی نے بھی ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، کی روایات ان ہی سے نقل فرمائی ہیں ان تمام صحابہ کرام کے عمل سے زیادتی اور کمی دونوں صورتوں میں بعد السلام سجدہ سہو کا حکم واضح ہوتا ہے لہٰذا اسی پر عمل کرنا لازم ہو گا نیز

۳۰ بَابُ مَا يُسَلِّمُ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ ثُمَّ يُسَلِّمُ

۷۹۷۔ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا أَدْرِي زَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

باب۔ سلام پھیر لینے کے بعد سہو کے دو سجدے کرے پھر سلام پھیرے ۷۹۷۔ علقمہ نے کہا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم (راوی حدیث) نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے (اپنی نماز میں) زیادتی فرما دی یا کمی، پس جب آپ نے سلام پھیرا، عرض کیا گیا، اے

جن روایات میں قبل السلام سجدہ کا ذکر ہے وہ سب مجمل ہیں کہ سلام اول سے قبل سجدہ ہے یا سلام ثانی سے قبل؟ تو مجمل روایات ترک کر کے مفصل اور ناطق روایات پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

امام طحاوی کا عقلی استدلال امام طحاوی عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب نماز میں کسی کو سہو ہو جائے تو علی الفور سجدہ کا حکم نہیں ہے بلکہ تاخیر کا حکم ہے لیکن کب تک تاخیر کی جائے اس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ یعنی حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ بعد السلام تک تاخیر کی جائے۔ اور بعض لوگ یعنی فریق اول و ثانی کہتے ہیں کہ قبل السلام تک تاخیر کی جائے اور پھر ہم نے سجدہ تلاوت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ موضع تلاوت سے تاخیر جائز نہیں بلکہ اسی وقت سجدہ کا حکم ہے۔ اور اگر بھول جائے تو اثناء صلوٰۃ جب بھی یاد آ جائے فوراً سجدہ کر لینے کا حکم ہے۔ اور سجدہ سہو کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ علی الفور جائز نہیں ہے بلکہ تمام افعال صلوٰۃ سے تاخیر کا حکم ہے۔ ہاں البتہ افعال صلوٰۃ میں سلام سے تاخیر کی جائے یا نہیں؟ اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور سلام کے علاوہ باقی تمام افعال کو سجدہ پر مقدم کرنا متفق علیہ ہے۔ اور سلام مختلف فیہ ہے۔ تو مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرنا لازم ہوگا۔ لہٰذا جس طرح تمام افعال صلوٰۃ کو سجدہ پر مقدم کرنا لازم ہے اسی طرح سلام کو بھی سجدہ سہو پر مقدم کرنا لازم ہوگا۔ یہی ہمارے علماء ثلٰثہ کا مسلک ہے۔

(۷۹۷ تا ۸۰۰) ثم یسجد سجدتین یہ باب ہذا کی پہلی روایت (۷۹۷) عن علقمہ (بخاری ج ۱ ص۸۵) کے الفاظ میں اسی طرح دوسری روایت (۷۹۸) عن عمران بن حصین (مسلم ج ۱ ص۲۱۴، ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۶) میں بھی ثم سجد سجدتین ثم سلم کی تصریح ہے دونوں احادیث کے ان آخری جملوں سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سلام پھیرا پھر سجدۂ سہو کیا اس

اَحَدَثَ فِی الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا صَلَّیْتَ کَذَا وَکَذَا فَثَنٰی رِجْلَہٗ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ قَالَ اِنَّہٗ لَوْحَدَثَ فِی الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ لَنَبَّأْتُکُمْ وَلٰکِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ وَاِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْیُتِمَّ عَلَیْہِ ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَالْاٰخَرُوْنَ۔

۷۹۸۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فِیْ ثَلَاثِ رَکَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَہٗ فَقَامَ اِلَیْہِ رَجُلٌ یُقَالُ لَہُ الْخِرْبَاقُ وَکَانَ فِیْ یَدَیْہِ طُوْلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَذَکَرَ لَہٗ صَنِیْعَہٗ وَخَرَجَ غَضْبَانَ یَجُرُّ رِدَآءَہٗ حَتّٰی انْتَہٰی اِلَی النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! کیا نماز کے بارہ میں کوئی نیا حکم آ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا، "وہ کیا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا، آپ نے ایسے ایسے نماز ادا فرمائی، تو آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا فرمایا، قبلہ کی طرف رخ انور فرمایا، اور دو سجدے فرمائے، پھر سلام پھیرا، پھر جب ہماری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا، "اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا، تو میں تمہیں آگاہ کرتا، لیکن میں انسان ہوں، میں بھی بھول جاتا ہوں جیسا کہ تم بھول جاتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دو، اور تم میں سے جب کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو صحیح کے لیے سوچ بچار کرے اور اس پر اپنی نماز پوری کرے، پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے۔" یہ حدیث بخاری اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

۷۹۸۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، تو آپ نے تین رکعات پر سلام پھیر دیا، پھر اپنے دولت خانہ میں تشریف لے گئے، ایک شخص آپ کی طرف کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا تھا اور اس کے ہاتھوں میں قدرے طوالت تھی، تو اس نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اس نے آپ کا فعل مبارک ذکر کیا، آپ غصے میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے

کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی چنانچہ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے کہ ان کے یہاں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے زیادتی اور نقصان کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اس کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے۔

هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا الْبُخَارِيَّ وَالتِّرْمِذِيَّ۔

۷۹۹۔ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَامَ وَلَمْ يَجْلِسْ فَسَبَّحَ مَنْ خَلْفَهُ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنْ قُوْمُوْا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۸۰۰۔ وَعَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ يُسَلِّمُ ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

تشریف لائے، یہاں تک کہ لوگوں میں پہنچ کر فرمایا "کیا اس نے سچ کہا ہے"، لوگوں نے عرض کیا، ہاں، تو آپ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔

یہ حدیث بخاری اور ترمذی کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۷۹۹۔ زیاد بن علاقہ نے کہا "ہمیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، جب انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں، کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں، تو جو آپ کے پیچھے تھے، انہوں نے سُبْحٰنَ اللّٰہ کہا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ کھڑے رہو، پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے اور سلام پھیرا" یہ حدیث احمد اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا اس کی اسناد حسن صحیح ہے۔

۸۰۰۔ حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سہو کے دو سجدوں کے بارہ میں کہا "سلام پھیرے، پھر سجدہ کرے، پھر سلام پھیرے" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

فلیتحر الصواب ہمارے یہاں اصل تحری ہے اگر یہ نہ ہو تو بنا علی الاقل ہے اور امام شافعیؒ کے ہاں اصل بنا علی الاقل ہے اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں اور امام احمدؒ کے نزدیک امام تحری کرے اور منفرد بنا علی الاقل اور امام مالک کے یہاں بھی بنا علی الاقل اصل ہے اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں۔ (تقریر بخاری ج ۲ صفحہ ۱۲۵)

ثم دخل منزلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت کے بعد سلام پھیر کر گھر میں تشریف لے گئے

بَابُ صَلٰوۃِ الْمَرِیْضِ

۸۰۱۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہٖ خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ قَاعِدًا فِیْ ثَوْبٍ مُتَوَشِّحًا بِہٖ ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ ۔

باب ۔ مریض کی نماز ۔ ۸۰۱ ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران ایک کپڑے میں جو آپ نے اوڑھا ہوا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی ۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔

اور وہاں سے تشریف لائے، اس عرصہ میں قبلہ کی جانب سے منہ بھی پھیرا، گفتگو بھی ہوئی اور بہت زیادہ چلنا ہوا، لیکن اس کے باوجود آپ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف ایک رکعت جو پڑھنے سے رہ گئی تھی پڑھی، لہٰذا یہ افعال سہواً ہونے کے باوجود بھی حنفیہ کے مسلک میں چونکہ مفسدِ نماز ہیں اس لیے حنفیہ کی جانب سے اس حدیث کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ نماز میں گفتگو کی طرح یہ بھی منسوخ ہے یعنی یہ افعال وکلام پہلے نماز میں جائز تھے پھر بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اور یہ واقعہ جواز کے " ورخ ہونے سے پہلے کا ہے۔

اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سلام پھیرا پھر سجدۂ سہو کیا، اس کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی، چنانچہ علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ ان کے یہاں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے زیادتی اور نقصان کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اس کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے۔ اسی طرح باب کی تیسری روایت (۷۹۹) عن زیاد بن علاقۃ (مسند احمد ج ۴ ص۲۴۲ ترمذی ج ۱ ص۵۳ میں فلما فرغ من صلوٰتہ تسلم ثم سجد سجدتین وسلم اور روایت (۸۰۰) عن ابی قلابۃ عن عمران بن حصین (طحاوی ج ۱ ص۲۵۴) میں بھی یہی مضمون مصرح ہے جو ابوحنیفہؒ کے مسلک کا مستدل ہیں۔

(۸۰۱ تا ۸۰۴) صلوٰۃ المریض اضافت از قبیل اضافت الی الفاعل ہے جیسے قیام زید میں ہے یا از قبیل اضافت الی المحل ہے جیسے نحو کا لکتب میں ہے مریض بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اس پر تمام ائمہ متبوعین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ عذر شرعی کے بغیر امام اور منفرد کا فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے اس صورت میں اس سے فرض ساقط نہیں ہوگا اور اگر مصلی واقعۃً مریض اور معذور ہو خواہ یہ عذر

۸۰۲- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ قَاعِدًا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

۸۰۲- ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ نے وفات پائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی ہے۔
یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نماز سے پہلے یا نماز کے اندر واقع ہوا ہو مرض کی زیادتی کا یا دیر میں اچھا ہونے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے ٹیک وغیرہ لگا کر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے البتہ اگر بیٹھنے میں ٹیک لگانے کی ضرورت ہو تو ٹیک سے بیٹھ کر ہی پڑھے رکوع و سجدہ پر قدرت ہو تو کرے ورنہ ان کو اشارہ سے ادا کرے۔

صلوٰۃ الصحیح خلف المریض اور بیان مذاہب

البتہ اگر امام عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اس کے طریقے کے بارے میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے اس سلسلے میں المنتخب الافکار ج ۲ ص ۲۰۱، ۲۰۲ میں تین مذاہب نقل کیے گئے ہیں۔

(۱) امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ حماد بن زیدؒ، اسحاق بن راہویہؒ ابن المنذرؒ اور داؤد ظاہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام مریض اور معذور ہے اور بیٹھ کر امامت کرتا ہے تو اس کے پیچھے صحیح اور تندرست کی اقتداء جائز ہے لیکن مقتدیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں ورنہ اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

(۲) امام مالکؒ امام محمد بن حسن شیبانیؒ عامر شعبیؒ کے نزدیک صلوٰۃ الصحیح خلف المریض صحیح ہی نہیں البتہ اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکیں تو اقتداء صحیح ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ امام سفیان ثوریؒ امام ابوثورؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک امام معذور (قاعد) کے پیچھے تندرستوں کی اقتداء درست ہے تاہم غیر معذور مقتدیوں کو ایسی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے بیٹھ کر اقتداء درست نہیں ہے یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے جیسے امام حازمیؒ نے کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار ص ۱۰۹ میں اس کی تصریح کی ہے۔

۸۰۳ - وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ بِيْ بَوَاسِيْرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا مُسْلِمًا وَزَادَ النَّسَائِيُّ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا -

---

۸۰۳ - حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے بواسیر تھی میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا " کھڑے ہو کر نماز پڑھو پس اگر اس کی طاقت نہ رکھو تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھو تو پہلو پر لیٹ کر " یہ حدیث مسلم کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں ," پس اگر تم اس کی بھی طاقت نہ رکھو تو سیدھا لیٹ کر , اللہ تعالیٰ مریض کو اس کی طاقت کے مطابق ہی تکلیف دیتے ہیں "

مسلک احناف کے دلائل

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے وقوموا للہ قانتین (بقرہ) جس میں قیام کو مطلقاً فرض صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے معذورین اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے بموجب لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا مگر غیر معذور مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

(۲) احناف کی ایک اہم دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا واقعہ ہے جس میں آپ نے بیٹھ کر امامت فرمائی جب کہ تمام صحابہ کرام رض نے کھڑے ہو کر اقتداء کی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۵ مسلم ج ۱ ص ۱۷۷ , (۸) باب ہذا کی پہلی دونوں روایات ۸۰۱ , ۸۰۲ (ترمذی ج ۱ ص ۸۳) میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

باب ہذا کی پہلی دونوں روایات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرض الوفات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رض کی اقتداء کی تھی جو صلوٰۃ المریض خلف الصحیح تھی جب کہ امام ترمذی ج ۱ ص ۸۳ میں اسی باب کے تحت حضرت عائشہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ فصلّی الی جنب ابی بکر والناس یأتمون بابی بکر و ابوبکر یأتم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اس کے جواب میں فرماتے ہیں فذکر بعضھم اول حالہ وبعضھم آخر حالہ فذکر کل مالم یذکرہ الآخر فجعل مولانا الگنگوھی الواقعتین واحدۃ۔

۴۰۸۔ وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيْضُ السُّجُوْدَ أَوْمَأَ بِرَأْسِهٖ إِيْمَاءً وَلَمْ يَرْفَعْ إِلٰى جَبْهَتِهٖ شَيْئًا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۴۰۸۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے "جب مریض سجدہ کی طاقت نہ رکھے تو اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرے اور اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے"۔

یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

یعنی نماز کی ابتداء میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کی تھی پھر جب حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے تو آپ امام بن گئے (۲) تاہم اکثر محدثین نے دونوں روایات کو الگ الگ واقعہ سے متعلق قرار دیا ہے چنانچہ امام ابن سعد "طبقات" میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض وفات تقریباً تیرہ دن جاری رہا ان ایام میں جب آپ کو مرض میں خفت محسوس ہوتی تو آپ خود بنفس نفیس امامت فرماتے اور اگر گرانی ہوتی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ امامت کے فرائض انجام دیتے الغرض ایک مرض وفات کے ایام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے امامت اور حضرت ابوبکر کی اقتداء دونوں ثابت ہیں لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں مسئلہ کی مزید تفصیل معارف السنن ج ۳ ص۴۱۷ تا ۴۱۹ اور ص۴۳۰ تا ۴۳۴ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

(۳) باب ہذا کی تیسری روایت ۴۰۷ وعن عمران بن حصین (بخاری ج ۱ ص۱۵۰ ترمذی ج ۱ ص۸۵ ابوداؤد ج ۱ ص۱۳۷ مسند احمد ج ۴ ص۴۲۶) میں قادر علی القیام کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صراحتاً ممانعت مذکور ہے

رفع تعارض فعلی جنب جب کہ نسائی کی روایت میں مستلقیاً آیا ہے بظاہر تعارض ہے شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ کوئی معارضہ نہیں کیونکہ مریض سے انواع مرض مختلف ہوتے ہیں پس مرض کے اعتبار سے کبھی علی جنب (کروٹ کے بل) اور کبھی مستلقیاً (چت) لیٹنا جائز ہے جیسے کہ حضرت عمران بن حصین کو بواسیر کی وجہ سے چت لیٹنا آسان نہ تھا اس لیے ان کو کروٹ پر بتلایا گیا تاہم احناف کے نزدیک چت لیٹ کر نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔

(۴) باب ہذا کی آخری روایت ۴۰۸ عن نافع (موطا امام مالک ص۱۵۳) میں صلوٰۃ المریض معذور کا بیان ہے جب رکوع اور سجدہ کرنا بھی متعذر ہو جائے تو اومأ براسہ ایماءً تو بیٹھ کر اشارے

نماز پڑھنے اور رکوع کی بنسبت سجدہ کے لیے زیادہ سر جھکائے اور یہ واجب ہے حتیٰ کہ اگر دونوں کا اشارہ برابر کر دیا تو جائز نہیں ہے (بحر)

ونعم ما وقع یعنی اگر مریض اشارہ سے نماز پڑھتا ہو تو وہ اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے کہ حدیث باب میں صراحتاً اس کی ممانعت ہے علاوہ ازیں ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لائے دیکھا کہ وہ تکیہ پہ نماز پڑھ رہا ہے آپ نے تکیہ لے کر پھینک دیا اس نے ایک لکڑی پکڑلی کہ اس پر نماز پڑھے آپ نے اسی کو بھی پھینک دیا اور فرمایا اگر تجھ کو طاقت ہو تو زمین پہ نماز پڑھ ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجدہ کو رکوع سے پست کر (بزار، بیہقی عن جابر، طبرانی عن ابن عمر)

اگر کوئی چیز اٹھا کر اس پر سجدہ کیا اور رکوع کی بہ نسبت سجدہ کو زیادہ پست کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ اشارہ کا پورا ہونا پایا گیا مگر پھر بھی ایسا کرنا اچھا نہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ سجدہ کے لیے کوئی چیز اٹھانا یا لیئے رہنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر وہ چیز زمین پہ رکھی ہوتی ہو تو مکروہ نہیں کیوں کہ حضرت ام سلمہؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیماری کی وجہ سے ایک تکیہ پر سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا (ذکرہ البیہقی) اور اگر اٹھائی ہوئی چیز کو اپنی پیشانی سے لگا لیا اور اشارے کے لیے بالکل نہیں جھکا تو قطعاً صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اشارہ بالکل نہیں پایا گیا یہی اصح ہے (فتح القدیر ملخصاً)

امام طحاویؒ کا عقلی استدلال

اصل مسئلہ تو صلوٰۃ الصحیح خلف المریض کا تھا امام طحاویؒ اس کے جواز اور مسلک احناف کی وجہ ترجیح میں عقلی استدلال پیش کرتے ہیں کہ مقتدی کا امام کے ساتھ نماز میں داخل ہونا مقتدی پر ایسی نماز لازم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے فرض نہیں تھی جیسا کہ جب مسافر مقیم امام کے پیچھے اقتداء کرے گا تو اس پہ چار رکعت پوری کرنی ہوتی ہیں۔ جو اس پر واجب نہیں تھی۔ اور اگر کسی پہ کوئی فرض پہلے ہی سے لازم تھا تو امام کی اقتداء کی وجہ سے اس میں نہ کمی آتی ہے اور نہ وہ ساقط ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب مقیم اگر مسافر امام کے پیچھے اقتداء کرے تو مقیم کی چار رکعت میں کمی نہیں آتی بلکہ امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز پوری کرنی لازم ہوتی ہے۔

اس سے ایک ضابطہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ مقتدی پر اقتداء سے قبل جو فرض اور واجب ہوتا ہے وہ اقتداء کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اقتداء کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ لہذا صحیح وتندرست آدمی پر قیام فرض ہے۔ تو معذور امام کی اقتداء کی وجہ سے فرض قیام مقتدی سے ساقط نہیں ہوگا۔ لہذا

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

۸۰۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهُ غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلٰى جَبْهَتِهِ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ تلاوت کے سجدے۔ ۸۰۵۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی تو اس میں سجدہ ادا فرمایا اور جو لوگ آپ کے پاس تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا سوائے ایک بوڑھے کے اس نے کنکر یا مٹی کی ایک مٹھی بھری اور اسے پیشانی تک بلند کیا اور کہا مجھے یہی کافی ہے، تو میں نے اس کے بعد اسے کفر کی حالت میں قتل ہوتے دیکھا" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

تن درست مقتدی کا بیٹھ کر پڑھنے والے معذور امام کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کرنا واجب ہوگا۔

(۸۰۵ تا ۸۱۲) سب سے پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کا شرعی حکم کیا ہے اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ اور امام اعظم ابو حنیفہ کا اختلاف ہے۔

سجدۂ تلاوت کا شرعی حکم

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔
(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسنون ہے۔

حنفیہ حضرات وجوب سجدۂ تلاوت پر ان تمام آیات سجدہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں امر کا صیغہ آیا ہے شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ لامحالہ تین حالتوں سے خالی نہیں (۱) یا تو ان میں سجدہ کا امر ہے (کما فی سورۃ العلق کلا لا تطعہ واسجد واقترب) (۲) یا کفار کے سجدے سے انکار کرنے کا ذکر ہے (کما فی سورۃ الانشقاق واذا قری علیہم القرآن لا یسجدون) (۳) یا انبیاء کے سجدوں کی حکایت ہے (کما فی سورۃ ص وظن داؤد ...... الخ) امر کی تعمیل تو بہر حال واجب ہے اسی طرح کفار کی مخالفت بھی (کہ قرآن میں نہی وارد ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین کفروا (آل عمران) اور انبیاء کی اقتداء بھی واجب ہے فبھداھم اقتدہ (الانعام) (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۲)

باقی رہے ائمہ ثلاثہ کے مستدلات ان روایات سے جن میں آیا ہے کہ آپ نے بعض آیات سجدہ

۸۰۶۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۰۷۔ وَعَنْهُ قَالَ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۰۸۔ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْ صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاؤُدُ تَوْبَةً وَنَسْجُدُهَا شُكْرًا۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۰۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم کا سجدہ کیا، تو آپ کے ہمراہ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۸۰۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "(سورۃ) ص کا سجدہ واجب سجود میں سے نہیں ہے اور تحقیق میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ فرماتے ہوئے دیکھا"۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۸۰۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا، اس میں داؤد علیہ السلام نے توبہ کے لیے سجدہ کیا اور ہم اس میں شکر کا سجدہ کرتے ہیں۔ یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

تلاوت کیں اور سجدہ ترک کیا (ترمذی ج۱ صلنا باب ما جاء من لم یسجد فیہ) تو حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان میں سجود علی الفور سجدہ عند الاحناف بھی واجب نہیں ــــــ

کیفیت سجدہ

سجدۂ تلاوت صرف ایک مرتبہ دو تکبیروں کے درمیان (یعنی ایک تکبیر سجدہ میں جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت) کیا جاتا ہے اسی سجدہ کے لیے رفع یدین تشہد اور سلام کی ضرورت نہیں پڑتی سجدۂ تلاوت صحیح ہونے کی وہی سب شرطیں ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں یعنی طہارت، ستر کی پردہ پوشی نیت اور استقبال قبلہ۔ تحریمہ اس میں شرط نہیں اس کی نیت میں آیت کی تعیین شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کے سبب سے ہے اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی جائے تو فوراً سجدہ کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں (مظاہر حق ج ۱ ص ۹۶)

تعداد سجود تلاوت اور بیان مذاہب

دوسرا اہم مسئلہ سجود تلاوت کی تعداد سے متعلق ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے علامہ عینی نے بارہ اقوال

۸۰۹ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ صٓ فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمًا آخَرُ قَرَأَهَا فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ تَشَزَّنَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ وَلٰكِنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَزَّنْتُمْ لِلسُّجُودِ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدُوا - رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ -

---

۸۰۹ - حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ منبر پر تھے، سورۃ ص تلاوت فرمائی، جب آپ (آیت) سجدہ پر پہنچے، اتر کر سجدہ ادا فرمایا اور آپ کے ہمراہ لوگوں نے بھی سجدہ کیا، پھر جب کہ ایک دوسرا دن تھا، آپ نے وہ سورۃ تلاوت فرمائی، جب آپ سجدہ پر پہنچے، تو لوگ سجدہ کے لیے تیار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ایک نبی کی توبہ تھی اور لیکن میں نے تمہیں دیکھا کہ تم سجدہ کے لیے تیار ہو گئے ہو، تو آپ نے اتر کر سجدہ فرمایا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا تھا" یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نقل کیئے ہیں ہم یہاں مشہور مذاہب کا ذکر کریں گے یعنی احناف اور شوافع اور موالک شوافع اور احناف اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں تمام سجدہ ہائے تلاوت چودہ ہیں البتہ اس کی تعیین میں تھوڑا سا اختلاف ہے شوافع کے نزدیک سورۃ حج میں دو سجدے اور سورۃ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک سورۃ حج میں دو سجدے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے امام مالک کے ہاں آیات سجدہ کی تعداد گیارہ ہے عند ہ سورۃ ص نجم، انشقت اور اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔

حنفیہ مسلک کے مطابق اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) سورۃ اعراف آیت ۲۰۶ پ ۹ (۲) سورۃ رعد آیت ۱۵ پ ۱۳ (۳) سورۃ نحل آیت ۵۰ پ ۱۴ (۴) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹ پ ۱۵ (۵) سورۃ مریم آیت ۵۸ پ ۱۶ (۶) سورۃ حج آیت ۱۸ پ ۱۷ (۷) سورۃ فرقان آیت ۶۰ پ ۱۹ (۸) سورۃ نمل آیت ۲۶ پ ۱۹ (۹) سورۃ الم سجدہ آیت ۱۵ پ ۲۱ (۱۰) سورۃ ص آیت ۲۴ پ ۲۳ (۱۱) سورۃ حم السجدہ آیت ۳۸ پ ۲۴ (۱۲) سورۃ نجم آیت ۶۲ پ ۲۷ (۱۳) سورۃ انشقاق آیت ۲۱ پ ۳۰ (۱۴) سورۃ علق آیت ۱۹ پ ۳۰ یہ تفصیل حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے شافعیہ کے۔

۸۱۰۔ وَعَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنِ السُّجُوْدِ فِيْ صٓ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْهَا ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اُسْجُدْ فِيْ صٓ فَتَلَا عَلَى هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ مِنَ الْاَنْعَامِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِلٰى قَوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۱۰۔ عوام بن حوشب نے کہا میں نے مجاہدؒ سے سورۃ ص میں سجدہ کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے کہا میں نے اس بارہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا میں سورۃ ص کے میں سجدہ کرتا ہوں پھر انہوں نے سورۃ انعام کی یہ آیات تلاوت کیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ (انعام ۸۴) سے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط (انعام ۹۰) تک

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

احادیث باب کی توضیح

(۱) باب کی پہلی روایت ۸۰۵ عن عبد اللہ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۶ مسلم ج ۱ ص ۲۱۵) سورۃ النجم میں آپ کے سجدہ کرنے کے واقعہ کا بیان ہے اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ وہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے امیہ بن خلف قریش کا ایک معزز سردار اور ذی اثر فرد تھا اسلام اور آپ کے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں میں اس کا کردار بڑا اہم ہوتا تھا اسے اپنی بڑائی پر بھی بڑا ناز تھا چنانچہ اسی موقعہ پر جب کہ آنحضرت م کے ہمراہ مجلس میں موجود تمام ہی اشخاص نے سجدہ کیا مسلمانوں نے بھی اور کفار نے بھی تو امیہ بن خلف نے از راہ غرور و تکبر سجدہ نہ کیا بلکہ یہ حرکت کی کہ کنکریاں یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اسے اپنی پیشانی سے لگا لیا۔

(۲) باب کی دوسری روایت ۸۰۶ عن ابن عباس (بخاری ج ۱ ص ۱۴۶) میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔ سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔

پر پہنچے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ نے سجدہ کیا تو تمام نے بھی آپ کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب اپنے بتوں یعنی لات و منات

۸۱۱۔ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ رَاَیْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَرَاَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ بِھَا فَقُلْتُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَلَمْ اَرَکَ تَسْجُدُ قَالَ لَوْلَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ لَمْ اَسْجُدْ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۸۱۱۔ ابو سلمہ نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ تلاوت کی تو اس پر سجدہ کیا۔ میں نے کہا، اے ابوہریرہؓ کیا میں آپ کو سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا؟ انہوں نے کہا "اگر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو سجدہ نہ کرتا"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

اور عزیٰ کے نام سے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورۂ نجم کی ان آیتوں ....

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ۔ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی۔

یعنی: بھلا تم لوگوں نے لات و عزّٰی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بُت کہیں خدا ہو سکتے ہیں۔ مشرکو!) کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔

کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے مشابہ بنا کر یہ پڑھا۔

تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی۔

یعنی یہ بہت بلند مرغابیاں ہیں اور بے شک ان کی شفاعت کی امید بخش ہے۔

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کیے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سہواً نکل گئے تھے، یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آں حضرت صلی اللہ

۸۱۲۔ وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ السَّجْدَةِ الَّتِيْ فِيْ حٰمٓ قَالَ اُسْجُدْ بِاٰخِرِ الْاٰيَتَيْنِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۱۲۔ مجاہد نے کہا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ حٰمٓ کے سجدے کے بارہ میں پوچھا انہوں نے کہا سجدہ کی دو آیتوں میں سے دوسری آیت کے آخر پر سجدہ کرو۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں سے مراد وہ ہیں جو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ "انس" تعمیم بعد تخصیص ہے۔

تفسیر عثمانی میں ہے کہ جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب ولہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے جو ان کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے تلک الغرانیق العلی الخ آگے تعبیر وادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کا کیا معنی؛ امام مالک کے نزدیک مفصل کی سورتوں میں سجدہ نہیں ہے وہ حضرت زید بن ثابت کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ قال قرأت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم النجم فلم یسجد فیہا (ترمذی ج ۱ ص۷۴) ہم اس کو سجود علی الفور کی نفی پر محمول کرتے ہیں۔

(۲) باب کی تیسری روایت ۸۰۸ عن ابن عباس (بخاری ج ۱ ص۱۴۶) اور روایت ۸۰۸ (نسائی ج ۱ ص۱۵۲) میں حضور کے سجدہ کا ذکر ہے۔ لیس من عزائم السجود یعنی بہت تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے احناف کہتے ہیں کہ یہ سجدہ فرائض میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے شوافع کے نزدیک سورۃ ص میں سجدہ نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے سورۂ حج میں دو سجدے ہیں ایک تو وہی جو حنفیہ کے نزدیک ہے دوسرے یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون (پ۱۷ آیت ۷۷) حنفیہ سورۂ حج میں صرف ایک سجدہ کے

قائل ہیں۔

امام شافعی سورۃ ص میں لیس من عزائم السجود سے استدلال کرتے حنفیہ حضرات کہتے ہیں عزائم سجود کی نفی سے مراد یہ ہے کہ یہ سجدہ بطور شکر کے واجب ہے علماء لکھتے ہیں کہ سورۃ ص میں آپ کا سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا جیسا کہ روایت ۸۰۹ عن ابی سعید الخدری (ابوداؤد ج ۱ صـ۲۰۰) اور روایت ۸۱۰ عن العوام بن حوشب (طحاوی ج ۱ صـ۲۴۵) کا یہی مدلول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت مجاہد کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں سابقہ پیغمبروں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے لہذا حضرت ابن عباسؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو ہمیں بطریق اولی ان کی پیروی کرنی چاہیے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی پیروی اور موافقت میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہیے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

روایت نمبر ۸۱۱ عن ابی سلمۃ (بخاری ج ۱ صـ۱۴۶ مسلم ج ۱ صـ۲۱۵) میں سورۃ اذا السماء انشقت میں سجدہ ثابت ہے جس سے امام مالک کا جواب ہوتا ہے نیز حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں سجدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی "اقرأ باسم ربک" و "اذا السماء انشقت" (ترمذی ج ۱ صـ۱۰۱) اس طرح مفصل ہر سورت حجرات سے لے کر آخر تک کی تمام سورتیں مفصل میں شمار ہوتی ہیں پھر سورۂ حجرات سے تا بروج طوال مفصل کہلاتی ہیں اور سورۃ بروج تا بینہ اوساط مفصل اور سورۂ بینہ تا ناس قصار مفصل کہلاتی ہیں اسکے تینوں سجدوں کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

روایت ۸۱۲ عن مجاہد (طحاوی ج ۱ صـ۲۴۴) میں حضرت ابن عباسؓ حم السجدہ میں سجدۂ تلاوت آخر الایتین قرار دیتے ہیں اس سلسلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں قول قدیم یہ ہے کہ لا یسأمون سے پہلے کی آیت پر ہے یعنی ان کنتم ایاہ تعبدون پر، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور قول جدید یہ ہے کہ لا یسأمون پر ہے یہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے امام شافعیؒ کے مذہب میں صحیح و مختار یہی ہے احناف اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسی مقام پر سجدہ کیا ہے (عنایہ، کفایہ، فتح)

اَبْوَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ

بَابُ الْقَصْرِ فِي السَّفَرِ

۸۱۳ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِي صَلٰوةِ الْحَضَرِ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

ابواب - مسافر کی نماز

باب - سفر میں قصر - ۸۱۳ - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "سفر اور حضر (اقامت) میں نماز دو دو رکعتیں فرض کی گئیں، نماز سفر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۸۱۳ تا ۸۲۰) سفر کا لغوی معنی ظہور ہے یقال سفر سفورا و اسفر الصبح یعنی صبح روشن ہو گئی السفر الغیم بادل چھٹ گئے چونکہ سفر میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں سفر سے کچھ شرعی احکام بدل جاتے ہیں جیسے نماز میں قصر کا ہونا، روزہ میں افطار کا ہونا، موزے میں مسح کی مدت تین دن اور تین رات تک بڑھ جانا جمعہ عیدین اور قربانی کا واجب نہ ہونا مگر یہ احکام مطلق سفر سے نہیں بدلتے بلکہ جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ ایک مخصوص مسافت کا قصد ہے جس کی تفصیل اگلے ابواب میں آرہی ہے اس باب یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ سفر میں قصر صلوٰۃ کا حکم کیا ہے آیا رخصت ہے یا عزیمت تاہم سفر میں قصر کی مشروعیت پہ اجماع ہے۔

قصر فی السفر اور بیان مذاہب

(۱) احناف کے ہاں قصر فی السفر یعنی رباعی نمازوں کا نصف ہو جانا عزیمت ہے یعنی واجب ہے لہٰذا قصر کو چھوڑ کر اتمام جائز نہیں ہے امام مالکؒ (فی روایۃ) اور امام احمد (فی روایۃ) اسی کے قائل ہیں صحابہ میں ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ ابن عمرؓ ابن مسعودؓ جابرؓ اور حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے اس کو امام نوویؒ نے شرح میں علامہ خطابی نے معالم میں اور بغوی نے اکثر علماء سلف اور فقہاء امصار کا قول بتایا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں اسی پر اکثر اہل علم اور اصحاب نبی کا عمل ہے۔

۳

۸۱۴- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَّفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۱۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر نماز حضر میں چار رکعات، سفر میں دو رکعات اور خوف میں ایک رکعت فرض فرمائی" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

---

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک مسافر کے حق میں فرض تو چار رکعت ہیں لیکن قصر رخصت ہے امام شافعیؒ سے اشہر الروایات یہی ہے وھو المنصور عند اصحابہ۔

مسلک احناف کے دلائل

(۱) باب کی پہلی روایت ۸۱۲ عن عائشۃ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۲) سے احناف استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مسافر کے حق میں فریضہ صلوٰۃ دو رکعت ہے تو اس پر زیادتی جائز نہیں۔

حدیث عائشہؓ پر دو اعتراض اور اس کے جواب

سوال: یہ حدیث آیت "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" کے خلاف ہے، کیونکہ آیت اس پر دال ہے کہ سفری نماز میں قصر ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر نہیں ہے۔

جواب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابتداءً سفر و حضر ہر دو میں نماز کی دو دو رکعتیں فرض ہوئی (بجز مغرب کے فانھا وتر النھار) اور جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو فجر کے علاوہ حضری نمازوں میں چار رکعتیں فرض ہو گئیں، اس کے بعد آیت قصر "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" نازل ہوئی جس سے سفری نماز میں تخفیف ہو گئی پس قصر کا اطلاق اضافہ کے لحاظ سے ہے نہ کہ اصل صلوٰۃ کے اعتبار سے۔

سوال: یہ حدیث خود حضرت عائشہ کے قول کے خلاف ہے، کیوں کہ حضرت عائشہ سفر میں بھی اتمام کرتی تھیں، بخاری میں اس کی تصریح موجود ہے۔

جواب: بخاری میں جہاں یہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ اتمام کرتی تھیں وہیں اس کی وجہ بھی مذکور ہے۔ قال الزھری فقلت لعروۃ فما بال عائشۃ تتم قال تاولت ما تاول عثمانؓ یعنی حضرت

۸۱۵ - وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلٰوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ وَالْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَالْاَضْحٰى رَكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

---

۸۱۵ - حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ "سفر کی نماز دو رکعات، جمعہ کی نماز دو رکعات، عید الفطر دو رکعات اور عید الاضحیٰ دو رکعات پوری ہیں قصر نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ بات ثابت ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ، نسائی اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

عائشہؓ یہ تاویل کرتی تھیں کہ ازواج مطہرات کو ام المؤمنین کہا گیا ہے تو جہاں کہیں میں جاتی ہوں اپنے اہل میں جاتی ہوں، ولا یحتاج الرجل الی التاویل فی ایتان المباح لاسیما اذ یکون الماتی عزیمۃ والمتروك رخصۃ۔

(۲) باب کی دوسری روایت ۸۱۴ وعن ابن عباس (مسلم ج ۱ صلی۲۴۱) حنفیہ کا مستدل ہے ولہٰذا الطبرانی فی معجمہ افترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعاً وفی الخوف رکعۃ (خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض ہے؛ اس کے ظاہری مفہوم پر علماء سلف میں سے ایک جماعت نے عمل کیا ہے جس میں حسن بصریؒ اور اسحٰقؒ بھی شامل ہیں لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز کی رکعتوں کے اعتبار سے امن اور خوف کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے جتنی رکعتیں حالت امن میں پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی رکعتیں خوف کی حالت میں بھی پڑھنی چاہئیں ان کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوگانہ حقیقی یا حکمی امام کے ساتھ پڑھنے کے سلسلہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ایک رکعت تو امام کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک رکعت تنہا پڑھی جائے جیسا کہ خوف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے نماز پڑھنے کا طریقہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور شہر میں مطلقاً خوف کی حالت میں چار رکعتیں اور تین رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جائیں اور بقیہ تنہا پڑھی جائیں۔ اس کی تفصیل صلوٰۃ الخوف کے باب میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) باب کی تیسری روایت ۸۱۵ وعن عمر (ابن ماجہ ص۷۶ نسائی ج ۱ ص۲۱۱ صحیح ابن حبان ج ۴ ص۱۸۹)

۸۱۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّفَرِ فَلَمْ یَزِدْ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ وَصَحِبْتُ اَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَلَمْ یَزِدْ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ وَصَحِبْتُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَلَمْ یَزِدْ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ ثُمَّ صَحِبْتُ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَلَمْ یَزِدْ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ وَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِیُّ مُخْتَصَرًا۔

۸۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ نے (نماز) دو رکعتوں سے زیادہ ادا نہیں فرمائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا لیا، اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ساتھی رہا، تو انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ ادا نہ کی، یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بلا لیا، اور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساتھی رہا، تو انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ ادا نہ فرمائی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا لیا، پھر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ساتھی رہا، تو انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ ادا نہ فرمائی، یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بلا لیا، اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھا نمونہ ہے۔"

یہ حدیث مسلم نے اور بخاری نے مختصراً نقل کی ہے۔

میں رکعتین کی تصریح ہے۔

(۴) چوتھی روایت ۸۱۶ (عن عبداللہ بن عمر (مسلم ج ۱ ص۲۴۲) میں جس قدر واضح عزیمت رکعتین کا بیان ہے اس کے بعد تو کسی بھی اشکال و اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہنی چاہیے ان ہی سے دوسری روایت ہے وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانا ونحن ضلال فعلمنا فکان فیما علمنا ان اللہ عزوجل امرنا ان نصلی رکعتین فی السفر (فتح)

باب ہذا کی یہ روایت صحیحین میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تمام اسفار میں ہمیشہ دو رکعتوں پر مواظبت فرمائی ہے۔

(۵) پانچویں روایت ۸۱۷ (عن عبدالرحمٰن بن یزید (بخاری ج ۱ ص۱۴۷ مسلم ج ۱ ص۲۴۳) میں بھی سوائے حضرت عثمانؓ کے آخری ایام خلافت کے عمل کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

۸۱۷۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ صَلّٰى بِنَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقِيْلَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاسْتَرْجَعَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَكْعَتَيْنِ فَلَيْتَ حَظِّيْ مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۸۱۷۔ عبدالرحمن بن یزید نے کہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعات پڑھائیں ما یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کی گئی تو انہوں نے انہیں واپس بلا کر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ منیٰ میں دو رکعتیں ادا کیں، میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ منیٰ میں دو رکعتیں ادا کیں اور میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دو رکعتیں پڑھیں، بس کاش میرا حصہ بھی چار میں سے دو مقبول رکعتیں ہوتا۔" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

خلفاء کا عمل صلوٰۃ منیٰ میں رکعتین تھا مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما جب حج کے لیے سفر کرتے اور منیٰ میں پہنچتے تو وہاں بھی مسافرانہ (یعنی قصر نماز) پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تو دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے مگر بعد میں وہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے تھے۔

صلی بنا عثمان اربعا حضرت عثمانؓ کے اس عمل کے بارہ میں کئی سبب نقل کئے جاتے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ مکہ میں متاہل تھے اس کی تائید امام احمدؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میں مکہ میں متاہل یعنی تعیلہ دار ہوں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص کسی شہر میں متاہل ہو تو وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے"۔ حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر لوگوں کی حیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں پوری نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ کہ حالت سفر میں قصر لازم ہے ورنہ تو لوگ حیرت کا اظہار کیوں کرتے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کی ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موسم حج میں بہت زیادہ مسلمان

۸۱۸۔ وَعَنْ أَبِي لَيْلَى الْكِنْدِيِّ قَالَ خَرَجَ سَلْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ وَكَانَ سَلْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَسَنَّهُمْ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالُوا تَقَدَّمْ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ مَا أَنَا بِالَّذِي أَتَقَدَّمُ أَنْتُمُ الْعَرَبُ وَمِنْكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَتَقَدَّمْ بَعْضُكُمْ فَتَقَدَّمَ بَعْضُ الْقَوْمِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ سَلْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا لَنَا وَلِلْمُرَبَّعَةِ إِنَّمَا يَكْفِينَا نِصْفُ الْمُرَبَّعَةِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۸۱۸۔ ابولیلی الکندی نے کہا: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تیرہ صحابہؓ کے ہمراہ ایک غزوہ میں گئے اور سلمان رضی اللہ عنہ ان میں عمر رسیدہ تھے، نماز کا وقت ہو گیا تو نماز کھڑی کی گئی، لوگوں نے کہا، اے ابوعبداللہ! آگے بڑھو! انہوں نے کہا میں آگے نہیں ہوں گا تم عرب ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں میں سے ہیں تم ہی میں سے کوئی آگے بڑھے تو لوگوں میں سے ایک نے بڑھ کر چار رکعات نماز پڑھائی، جب اس نے نماز پوری کی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا "ہمیں چار رکعتوں سے کیا، ہمیں تو چار کا نصف کافی تھا" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو نومسلم تھے اور دین کے احکام پوری طرح نہیں جانتے تھے اس لیے حضرت عثمانؓ ان کو دکھانے کے لیے چار رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ ناواقف مسلمان جان لیں کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اگر قصر کرتے اور دو رکعت پڑھتے تو وہ لوگ یہ جانتے کہ دو ہی رکعتیں فرض ہیں۔ جیسا کہ باب ہذا کی روایت ۸۱۰ (سنن بیہقی ج ۳ ص۱۴۴) میں اس کی تصریح ہے روایت ۸۲۰ (طحاوی ج ۱ ص۲۸۹) میں بھی یہی توجیہ ہے۔

یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق ہو گیا تھا کیونکہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک سفر میں قصر اور اتمام دونوں ہی جائز تھے۔

(۹) چھٹی روایت (۸۱۸) عن ابی لیلی الکندی (طحاوی ج ۱ ص۲۸۶) حضرت سلمان فارسی کا ارشاد ہے قال سلمان مالنا وللمربعة إنما يكفينا نصف المربعة۔

بہرحال اتمام صلوٰۃ فی السفر کا ثبوت بجز حضرت عثمانؓ و حضرت عائشہؓ کے کسی سے بھی نہیں ہوا اور

۸۱۹ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ بِمِنًى ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ السُّنَّةَ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَّةُ صَاحِبَيْهِ وَلٰكِنَّهُ حَدَثَ الْعَامَ مِنَ النَّاسِ فَخِفْتُ أَنْ يَسْتَنُّوْا. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ تَعْلِيْقًا وَحَسَّنَ إِسْنَادَهُ۔

۸۱۹- عبدالرحمن بن حمید نے بواسطہ اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے منیٰ میں پوری نماز ادا کی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا تو کہا "اے لوگو! بلاشبہ سنت رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی سنت ہے اور آپ کے دو ساتھیوں (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی سنت ہے لیکن اس سال لوگوں میں کچھ نئے ہیں، میں ڈرا کہ لوگ اسی ہی کو سنت سمجھ لیں گے۔"

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں تعلیقاً نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ان کا اتمام بھی تاویل کے ساتھ تھا جو اس سے قبل عرض کر دی گئی ہیں تو حنفیہ کا مذہب ہی قوی ہوا اور یہی جمہور کا بھی مذہب ہے اسی لیے جب حضرت ابن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ کے اتمام کی خبر ملی تھی تو انہوں نے انا للہ پڑھا تھا۔

بعض ائمہ حدیث کے آراء

امام ابن دقیق العید احکام الاحکام ج ۱ ص۲۹۹ میں لکھتے ہیں وفی الحدیث (عن ابن عمرؓ قال سافرت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فکانوا یصلون الظہر والعصر رکعتین رکعتین لا یصلون قبلھا ولا بعدھا) بخاری ج ۱ ص۱۴۹) دلیل علی المواظبۃ علی القصر وھو دلیل علی رجحان ذالک وبعض الفقہاء قد اوجب القصر والفعل بمجردہ لا یدل علی الوجوب لکن المتحقق من ھذہ الروایۃ الرجحان فیؤخذ منہ وما زاد مشکوک فیہ فیترک۔ حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ۱ ص۱۲۸ میں لکھتے ہیں، وکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم یقصر الرباعیۃ فیصلیھا رکعتین من حین یخرج مسافرا الی ان یرجع الی المدینۃ ولم یثبت عنہ انہ اتم الرباعیۃ فی سفرہ البتۃ۔ اسی طرح علامہ بدرالدین البعلیؒ مختصر الفتاویٰ المصریۃ ص۸۲ میں لکھتے ہیں۔ اسی طرح

۸۲۰- وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اِنَّمَا صَلّٰى عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى اَرْبَعًا لِاَنَّ الْاَعْرَابَ كَانُوْا اَكْثَرَ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ فَاَحَبَّ اَنْ يُّخْبِرَهُمْ اَنَّ الصَّلٰوةَ اَرْبَعٌ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاَبُوْدَاؤْدَ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

۸۲۰- زہری نے کہا، بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعات ادا کیں، اسی لیے کہ اس سال دیہاتی لوگ زیادہ تھے تو انہوں نے پسند کیا کہ انہیں بتلائیں نماز چار رکعت ہے۔ (یعنی دیہاتی لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ سب ہی دو رکعات) یہ حدیث طحاوی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ ج ۲ ص۲۰ میں لکھا ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل اور احناف کے جوابات

(۱) نسائی ج ۱ ص۱۶۱ اور سنن الکبریٰ ج ۳ ص۱۳۴ میں روایت ہے: فسألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ذلک فقال صدقۃ تصدق اللہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صدقہ کوئی قبول کرے نہ کرے۔ حنفیہ جواب میں کہتے ہیں۔

صدقہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تملیک کا اس میں کوئی قبول کرے یا نہ کرے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ دوسرا صدقہ اسقاط اس میں رد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو یہاں ثانی مراد ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں فاقبلوا کا صیغہ امر ہے وجوب کے لیے اس کو لینا ہوگا۔

(۲) دارقطنی ج ۱ ص۲۴۲ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں افطرتُ وصمتُ وقصرتُ واتممتُ۔ فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احسنت یا عائشۃؓ وقال الدارقطنی متصل واسنادہ حسن۔

جواب میں حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ۱ ص۱۳۰ میں لکھتے ہیں: وقال شیخنا ابن تیمیۃ وھذا باطل ما کانت ام المومنین تخالف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجمیع اصحابہ فتصلی خلاف صلوتہ کیف والصحیح عنہا ان اللہ تعالٰی فرض الصلوٰۃ رکعتین رکعتین فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی المدینۃ زید فی صلوٰۃ الحضر واقرت صلوٰۃ السفر فکیف یظن بہا مع ذلک ان تصلی بخلاف صلوٰۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والمسلمین اور ج ۱ ص۱۳۱ میں لکھتے ہیں قالت یا رسول اللہ بابی انت وامی

تصرین واتممت، وصمت وافطرت قال احسنت یاعائشة وسمعت شیخ الاسلام ابن تیمیة یقول هذا الحدیث کذب علی عائشة ۔ اسی مضمون کی ایک اور روایت دارقطنی ج ا صـ۲۴۲ میں آئی ہے ۔ الفاظ یہ ہیں : کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقصر ویتم ویفطر ویصوم ۔ حافظ ابن تیمیہؒ فتاوی ج ۲ صـ۴۸ میں جواب لکھتے ہیں ، هذا حدیث کذب باطل ۔ امام بیہقی فرماتے ہیں ، والصحیح عن عائشة موقوف ۔ (نصب الرایہ ج ۲ صـ۱۹۲) ابن القیمؒ زاد المعاد ص۱۲۸ میں لکھتے ہیں : وقد روی کان یقصر وتتم الاول بالیاء اخر الحروف والثانی بالتاء المثناة من فوق وکذلک یفطر وتصوم ای تأخذ هی بالعزیمة فی الموضعین ۔

(۲) روایت مرفوع نہ سہی حضرت عائشہؓ کی موقوف تو ہے وہ اتمام کرتی تھیں اور اسی کو عزیمت سمجھتی تھیں تو اس سے رخصت ثابت ہوئی ۔ حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ا ص۱۳۰ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں میں مسافر نہیں ، ام المؤمنین ہوں ، سب مسلمان میرے بچے ہیں میں کیسے مسافر ہوں ؟ حنفیہ جواب میں کہتے ہیں حضرت عائشہؓ کی یہ تاویل ان کی ذات تک محدود ہے ، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدینؓ کا تعامل قصر ہی پر تھا ۔ حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ا ص۱۳۰ میں فرماتے ہیں : فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب المؤمنین ایضاً وامومة ازواجه فرع ابوته ولم یکن یتم لهذا السبب ۔

(۳) حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں پوری نماز پڑھتے تھے اگر اتمام کی گنجائش نہ ہوتی تو خلیفہ راشدؓ ایسے کیوں کرتے ؟ حنفیہ جواب میں کہتے ہیں ۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ شرح التراجم الابواب البخاری ص۴۳ میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حبشہ اور سوڈان کے کچھ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازیں منیٰ وغیرہ میں پڑھیں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ لوگ کہتے تھے ظہر و عصر کی چار چار رکعت ہیں خلیفۃ المسلمین تو دو دو پڑھتے ہیں ہم گھر جا کر بھی دو پڑھیں گے ۔ آپ کو پتہ چلا تو ان کی غلطی دور کرنے کے لیے آپ نے ظہر و عصر کی چار چار رکعت پڑھیں تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں ۔ آثار السنن ص۱۶۱ میں ہے ، عن الزهریؒ قال انما صلی عثمانؓ بمنی اربعاً لان الاعراب کانوا اکثر فی ذلک العام فاحب ان یخبرهم ان الصلوٰۃ اربع رواه الطحاوی ج ا ص۲۴۳ وابوداؤد ج ا ص۲۷۰ ولفظ ابی داؤد عن الزهری ان عثمانؓ بن عفان اتم الصلوٰۃ بمنی من اجل الاعراب لانهم کثروا عامئذ فصلی بالناس اربعاً لیعلمهم ان الصلوٰۃ اربعاً ۔ انتهی) واسناده مرسل قوی ۔

(ب) زاد المعاد ج ا ص۱۳۰ میں ہے : قال صلی عثمان باهل منی اربعاً وقال یایها الناس

بَابُ مَنْ قَدَّرَ مَسَافَةَ الْقَصْرِ بِأَرْبَعَةِ بُرُدٍ

۸۲۱۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رِبَاحٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَا يُصَلِّيَانِ رَكْعَتَيْنِ وَيُفْطِرَانِ فِيْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ الْمُنْذِرِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

باب جس نے قصر کی مسافت کو چار منزل کے ساتھ اندازہ کیا ہے۔ ۸۲۱۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ چار برد اور اس سے زیادہ پر دو رکعتیں پڑھتے تھے اور روزہ افطار کرتے تھے۔ یہ حدیث بیہقی اور ابن منذر نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کی ہے۔

لما قدمت مكة تاهلت واني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول اذا تاهّلَ الرجل ببلدة فانه يصلي بها صلواة مقيم۔ رواه الامام احمد في مسنده۔ اور مولانا عثمانیؒ فتح الملہم ج ۲ صـ۲۴۳ میں لکھتے ہیں، وقد نص احمدؒ وابن عباسؓ قبله ان المسافر اذا تزوج لزمه الاتمام وهذا قول ابي حنيفةؒ ومالك واصحابهما وهذا احسن ما اعتذر به عن عثمانؓ۔ اور بعینہ یہ عبارت زاد المعاد ج ۱ صـ۱۳ میں بھی ہے ملخصاً از خزائن السنن)

(۸۲۱ تا ۸۲۵) شرعی مسافت کی مقدار جس میں قصر وغیرہ کے احکام ثابت ہوتے ہیں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس سلسلہ میں ابن المنذرؒ وغیرہ نے تقریباً بیس اقوال نقل کیے ہیں ہم ذیل میں مشہور مذاہب اور دلائل ذکر کرتے ہیں۔

مسافت قصر کی تحقیق اور بیان مذاہب

(۱) امام اعظمؒ اتنی مسافت کا اعتبار کرتے ہیں جو عادۃً تین دن اور تین رات میں طے ہو خواہ اونٹ کی رفتار ہو یا بیل گاڑی کی اور تین دن بھی ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹے موسم کے معتبر ہیں پھر صبح سے رات تک مسلسل چلنا بھی نہیں بلکہ ہر روز صبح سے لے کر وقت زوال تک ہر مرحلہ پہ پہنچ کر استراحت و آرام کر کے تین دن اور تین رات میں مسافت کا طے ہونا معتبر ہے اسی کو حنفیہ کی کتب میں تین مراحل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے (کذا فی معالم السنن ج ۲ صـ۴ والعرف الشذی صـ۲۴۳)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافت قصر سولہ فرسخ ہے وہ اس کو موجب قصر قرار دیتے ہیں یہ دونوں

۸۲۲- وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ أَتُقْصَرُ الصَّلٰوةُ إِلٰى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ إِلٰى عُسْفَانَ وَإِلٰى جُدَّةَ وَإِلٰى الطَّائِفِ أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِي التَّلْخِيْصِ- إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

۸۲۳- وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ رَكِبَ إِلٰى رِيْمٍ فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ فِي مَسِيْرِهِ ذٰلِكَ- رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

---

۸۲۲- عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ عرفہ تک (کی مسافت) میں قصر کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا، نہیں لیکن عسفان، جدہ اور طائف تک کے سفر میں (قصر کرتا ہوں) یہ حدیث شافعیؒ نے نقل کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں کہا، اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۲۳- سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ریم تک سفر کیا، تو انہوں نے اپنے اس سفر کے دوران نماز قصر ادا کی۔ یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مذاہب متقارب ہیں کیونکہ سولہ فرسخ اڑتالیس میل بنتے ہیں اسی طرح ثلاثة ایام ولیالیھا کی مسافت بھی اڑتالیس میل بنتی ہے۔

(۲) ظواہر کے نزدیک سفر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے" تاہم ظواہر سے تعیین کے بھی اقوال آگئے ہیں عند البعض میل اور بعض کے نزدیک تین میل کی مدت مقرر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

(۱) باب ہذا کی تمام روایات ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہیں باب کی پہلی روایت (۸۲۱) عن عطاء بن ابی رباح (بیہقی ج ۳ ص۱۳۷) میں اربعۃ کی تصریح ہے برد برید کی جمع ہے چار فرسخ کا ایک برید اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے تو یہ اڑتالیس میل بنتے ہیں فقہاء احناف نے بھی سہولت کے لیے ۴۸ میل لکھے ہیں کہ تین دن کی مسافت عموماً ۴۸ میل ہوتے ہیں البتہ امام شافعی سے ایک قول ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا بھی منقول ہے دلیل یہ روایت ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لامرأة تومن باللہ والیوم الآخر ان تسافر یوماً ولیلة لیس معھا حرمة (بخاری ج ۱ ص۱۴۷) جواب یہ ہے کہ اس باب کی دوسری احادیث میں ثلاثة ایام کے الفاظ ہیں اور عدد میں زیادہ کا اعتبار ہوتا ہے۔

باب ہذا کی روایت ۸۲۲ (مسند شافعی ج ۱ ص۱۸۹) روایت (۸۲۳) عن سالم بن عبد اللہ

۸۲۴۔ وَعَنْهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَكِبَ إِلَى ذَاتِ النُّصُبِ فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ فِي مَسِيْرِهِ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔
قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خِلَافُ ذٰلِكَ۔
۸۲۵۔ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ أَدْنٰى مَا يَقْصُرُ فِيْهِ مَالٌ لَهُ بِخَيْبَرَ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔
قَالَ النِّيْمَوِيُّ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ وَخَيْبَرَ ثَمَانِيَةُ بُرُدٍ۔

۸۲۴۔ سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ذات النصب تک سفر کیا تو اپنے اس سفر میں نماز قصر ادا کی، یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔
نیموی نے کہا اور تحقیق ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی روایت نقل کی گئی ہے۔
۸۲۵۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سب سے کم مسافت جس میں قصر فرماتے تھے خیبر میں اپنی زمین تک۔ یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔
نیموی نے کہا، مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان آٹھ برد کا فاصلہ ہے۔

(موطا امام مالک ص۱۳۱) روایت ۸۲۴ عن سالم (موطا ص۱۳۱) میں جن فاصلوں میں قصر کرنے کا بیان آیا ہے یہ تمام فاصلے چار برد تھے جیسا کہ امام نیموی نے تعلیق الحسن میں تصریح کی ہے اور روایت ۸۲۵ عن نافع (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص۵۲۵) میں امام نیموی نے فاصلہ آٹھ برد بتایا ہے۔

اہل ظاہر کی دلیل اور اس کا جواب مسلم ج ۱ ص۲۴۲ و مع فتح الملہم ج ۲ ص۲۵۳ کی روایت ہے، عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلاثۃ فراسخ شعبۃ شاك صلی رکعتین۔ مولانا عثمانیؒ فتح الملہم ص۲۵۳ میں لکھتے ہیں: قال الحافظ وحکی النووی ان اهل الظاهر ذهبوا الی ان اقل مسافۃ السفر ثلاثۃ امیال کانهم احتجوا فی ذلك بحدیث الباب۔ اور انہوں نے ایک دوسری روایت بھی پیش کی ہے جو بخاری ج ۱ ص۱۴۸ میں ہے، عن انسؓ قال صلیت الظهر مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینۃ اربعا والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین۔ اس کے جواب ہیں۔

بَابُ مَا اسْتُدِلَّ بِهِ عَلَى أَنَّ مَسَافَةَ الْقَصْرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ

۸۲۶۔ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ أَتَيْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتْ عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ جن روایات میں قصر کی مسافت تین دن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ۸۲۶۔ شریح بن ہانی نے کہا: میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا "تم ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے پوچھو۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا کرتے تھے، ہم نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اور تین راتیں مسافر کے لیے ایک دن اور رات مقیم کے لیے مقرر فرمائے ہیں"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

الجواب امام نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۲ میں فرماتے ہیں: وَأَمَّا هٰذَا الْحَدِيثُ فَلَا دَلَالَةَ فِيهِ لِأَهْلِ الظَّاهِرِ فِي جَوَازِ الْقَصْرِ فِي طَوِيلِ السَّفَرِ وَقَصِيرِهِ لِأَنَّ الْمُرَادَ حِينَ سَافَرَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا ثُمَّ سَافَرَ فَأَدْرَكَهُ الْعَصْرُ وَهُوَ مُسَافِرٌ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَصَلَّاهَا رَكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّ ذَا الْحُلَيْفَةِ غَايَةُ سَفَرِهِ فَلَا دَلَالَةَ فِيهِ قَطْعًا وَأَمَّا ابْتِدَاءُ الْقَصْرِ فَيَجُوزُ مِنْ حِينَ يُفَارِقُ بِنَاءَ بَلَدِهِ أَوْ خِيَامَ قَوْمِهِ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْخِيَامِ۔ اس کی روشنی میں پہلی روایت کا مطلب یہ ہوگا جب آپ مدینہ طیبہ سے تقریباً تین میل باہر چلے جاتے اور نماز کا وقت وہاں شروع ہو جاتا تو وہاں آپ قصر کرتے یہ مطلب نہیں کہ منتہائے سفر ہی تین میل ہوتا تھا اور پھر شعبہؒ کی روایت میں تین میل یا تین فرسخ شک ہے تین فرسخ نو میل بن جاتے ہیں تو اس سے علی التعیین میل ہی کیسے ثابت ہوں گے۔؟

(۸۲۶تا۸۲۹) باب ہٰذا کی پہلی روایت ۸۲۶ عن شریح بن ہانی (مسلم ج ۱ ص ۱۳۵) میں مسافر کے لیے تین دن اور رات کی تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں جس طرح سفر کے سبب شرعی احکام میں تغیر ہو سکتا ہے وہ تین دن کا ہے تصریح بھی ایک شرعی مسئلہ ہے تو تین دن کے سفر میں قصر کرنا ہو

۸۲۷- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ. رَوَاهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۲۸- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ الْوَالِبِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى كَمْ تُقْصَرُ الصَّلٰوةُ فَقَالَ أَتَعْرِفُ السُّوَيْدَاءَ قَالَ قُلْتُ لَا وَلٰكِنِّيْ قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ قَوَاصِدَ فَإِذَا خَرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْآثَارِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۲۹- وَعَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ الْجُعْفِيَّ يَقُوْلُ إِذَا سَافَرْتَ ثَلَاثًا فَاقْصُرْ. رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْحُجَجِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۲۷- حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کے بارہ میں مقیم کے لیے ایک دن اور رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں مقرر فرمائیں۔
یہ حدیث ابن جارود اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۲۸- علی بن ربیعہ الوالبی نے کہا، میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہاں تک نماز قصر کی جائے؟ تو انہوں نے کہا کیا تم سویداء کو جانتے ہو، وہ کہتے ہیں، میں نے کہا نہیں، لیکن میں نے اس کے بارہ میں سنا ہے، انہوں نے کہا، وہ درمیانی رفتار کے ساتھ تین راتوں کا فاصلہ ہے، جب ہم اس کی طرف نکلیں تو نماز قصر پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۲۹- ابراہیم بن عبداللہ نے کہا، میں نے سوید بن غفلہ الجعفی کو یہ کہتے ہوئے سنا "جب تم تین (دن) سفر کرو، تو قصر کرو" یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الحج میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب ہذا کی دیگر روایات ۸۲۷ (عن ابی بکرۃ رمنتقی ابن الجارود ص ۳۹) روایت ۸۲۸ (عن علی رکتاب الآثار ص ۲۹) اور روایت ۸۲۹ عن ابراہیم (کتاب الحجج ص ۱۶۹) کا مدلول بھی یہی ہے کہ قصر کی مسافت ثلاثۃ ایام ولیالیھا ہے علاوہ ازیں بخاری ج ۱ ص ۱۴۷ میں روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسافر المرأۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی رحم محرم۔ اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ جس سفر سے شرعی حکم کا استفادہ ہوتا ہے وہ تین دن ہی ہے۔

بَابُ الْقَصْرِ اِذَا فَارَقَ الْبُیُوْتَ

۸۳۰۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَافَرْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کُلُّھُمْ صَلّٰی مِنْ حِیْنِ یَخْرُجُ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَیْھَا رَکْعَتَیْنِ فِی الْمَسِیْرِ وَالْقِیَامِ بِمَکَّۃَ۔ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالطَّبَرَانِیُّ وَقَالَ الْھَیْثَمِیُّ رِجَالُ اَبِیْ یَعْلٰی رِجَالُ الصَّحِیْحِ۔

باب۔ جب (شہر کے) گھروں سے جدا ہو جائے (تو قصر کرنا) ۸۳۰۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کیا یہ تمام حضرات مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت سے مکہ کرمہ لوٹنے تک سفر کے دوران اور قیام میں دو رکعات ادا فرماتے" یہ حدیث ابویعلی اور طبرانی نے نقل کی ہے ہیثمی نے کہا، ابو یعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۸۳۰ تا ۸۳۲) قصر کی ابتدا کہاں سے کرے باب ہذا میں اس مسئلہ کی توضیح ہے۔

قصر کی ابتداء اور مذاہب فقہاء

(۱) بعض تابعین سے منقول ہے کہ جب سفر کا ارادہ کر چکے تو اپنے گھر ہی سے قصر کر سکتا ہے۔

(۲) حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں اگر سفر دن میں شروع کیا ہے تو جب تک رات نہ ہو جائے اس وقت تک قصر نہیں کر سکتا اگر رات میں سفر شروع کیا ہے تو جب تک دن نہ نکل آئے قصر نہیں کر سکتا۔

(۳) امام مالک سے ایک روایت ہے کہ جب بستی سے تین میل دور نکل جائے تب قصر کرے۔

(۴) امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ، اوزاعیؒ اسحاقؒ ابوثورؒ اور امام مالک (فی روایۃ) کا مسلک ہے کہ قصر کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب مسافر اپنے مسکن سے نکل کر شہری آبادی سے تجاوز ہو جائے (کذا فی المغنی لابن قدامہ) احناف کے یہاں یہی صحیح و مختار ہے اور اسی پر فتوی ہے

مسلک احناف کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۸۳۰ عن ابی ھریرۃ (مسند ابی یعلی الموصلی ج ۱ ص ۲۵۶ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۶)

میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت

۸۳۱- وَعَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيْلِي أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنَ الْبَصْرَةِ فَصَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا ثُمَّ قَالَ إِنَّا لَوْ جَاوَزْنَا هٰذَا الْخُصَّ لَصَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ- رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ-

۸۳۲- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنْ شُعَبِ الْمَدِيْنَةِ وَيَقْصُرُ إِذَا رَجَعَ حَتّٰى يَدْخُلَهَا رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ-

---

۸۳۱- ابوحرب بن ابی الاسود الدیلی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ سے نکلے تو ظہر کی نماز چار رکعات ادا کی پھر کہا "اگر میں اس جھونپڑی سے آگے نکل جاتا تو دو رکعتیں پڑھتا۔"
یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۸۳۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ کی گھاٹیوں سے نکلتے تو نماز قصر ادا کرتے اور جب واپس لوٹتے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے تک نماز قصر ادا کرتے۔"
یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد لاباس بہ ہے۔

سے قصر فرمایا کرتے تھے۔

(۲) باب کی دوسری روایت (۸۳۱) عن ابی حرب بن ابی الاسود (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۴۴۹) حضرت علیؓ کا عمل منقول ہے کہ بصرہ سے نکلے تو چار رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا کہ اگر اس خص (نرکل کا جھونپڑا) سے آگے نکل جائے تو ضرور قصر کریں گے۔

(۳) باب کی تیسری روایت (۸۳۲) وعن ابن عمر (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص۵۳۱) میں قصر کی تصریح ہے کہ شہری آبادی سے نکلتے ہی قصر کیا کرتے تھے۔

(۴) علاوہ ازیں صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر بالمدینۃ اربعاً والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب شہری آبادی سے نکل جائے اس وقت قصر کرے۔

ایک فائدہ | سوال شہر کی آبادی سے جدا ہوتے ہی فناء شہر شروع ہوگا کیونکہ فناء شہر مختار قول پر ایک غلوہ تک ہوتا ہے اور فناء شہر بھی شرعاً شہر سے ملحق ہے یعنی کہ وہاں عیدین

بَابُ يَقْصُرُ مَنْ لَمْ يَنْوِ الْإِقَامَةَ وَإِنْ طَالَ مُكْثُهُ وَالْعَسْكَرُ الَّذِيْ دَخَلَ أَرْضَ الْحَرْبِ وَإِنْ نَوَوُا الْإِقَامَةَ

۸۲۳- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ نَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۲۴- وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ خَمْسَ عَشَرَةَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

باب۔ وہ مسافر جو کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے، وہ قصر کرے، اگرچہ اس کا ٹھہرنا لمبا ہو جائے اور لشکر جو برسرپیکار دشمن کے ملک میں داخل ہو تو وہ بھی قصر کرے اگرچہ لشکر ٹھہرنے کا ارادہ بھی کرے۔ ۸۲۳۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس دن تک ٹھہرے، قصر کرتے رہے، تو ہم جب سفر کرتے، انیس دن (ٹھہرتے) قصر کرتے اور اگر زیادہ ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے۔" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۸۲۴۔ عبید اللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرے رہے، نماز قصر ادا فرماتے رہے۔" یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور جمعہ قائم کرنا جائز ہے، معلوم ہوا کہ فنا شہر سے گذر لے سے پہلے قصر نماز جائز نہیں، جواب فناء کو شہر سے ملحق کرنا مقیم لوگوں کی ضرورت سے ہے نہ کہ مطلقاً اور قاضی خان میں ہے کہ اگر شہر و فناء کے درمیان ایک غلوہ سے کم ہو اور درمیان میں کوئی کھیتی وغیرہ نہ ہو تو فناء سے تجاوز ہونا معتبر ہے، ورنہ صرف آبادی شہر سے تجاوز ہونا معتبر ہے بعض حضرات نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ شہر میں صرف شہر پناہ سے گذر جانا قصر کیلئے کافی ہے، شہر پناہ سے باہر جو آبادی ہو اس سے تجاوزت ضروری نہیں۔

(۸۲۳ تا ۸۲۴) اگر کسی جگہ پر مسافر نے دو چار روز کے ارادہ سے قیام کیا پھر اسی طرح دس پانچ روز مزید ارادہ کیا، اسی قلیل مدت کی نیت کے اعتبار سے قیام کی مدت بڑھتی رہی یعنی پندرہ دن سے کم

۳

۸۲۵- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ قَالَ كُنَّا مَعَ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الشَّامِ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَنُصَلِّيْ نَحْنُ اَرْبَعًا فَنَسْاَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ سَعْدٌ نَحْنُ اَعْلَمُ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۲۶- وَعَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ نَصْرِ بْنِ عِمْرَانَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّا نُطِيْلُ الْقِيَامَ بِخُرَاسَانَ فَكَيْفَ تَرٰى قَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَاِنْ اَقَمْتَ عَشْرَ سِنِيْنَ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۲۷- وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَرْتَجَ عَلَيْنَا الثَّلْجُ وَنَحْنُ بِاَذْرَبِيْجَانَ سِتَّةَ اَشْهُرٍ فِيْ غَزَاةٍ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكُنَّا نُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ

۸۲۵- عبدالرحمٰن بن مسور نے کہا ہم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شام کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھے، وہ دو رکعتیں پڑھتے تھے ہم چار رکعات ادا کرتے، ہم نے ان سے اس بارہ میں پوچھا تو حضرت سعدؓ نے کہا "ہم زیادہ جانتے ہیں" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۲۶- ابو جمرہ نصر بن عمران نے کہا، میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، ہم خراسان میں لمبا قیام کرتے ہیں، تو آپ کا کیا خیال ہے، انہوں نے کہا "دو رکعتیں پڑھو، اگرچہ تم دس سال ٹھہرے رہو۔" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۲۷- نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "ایک غزوہ میں ہم آذربائیجان میں تھے کہ ہم پر مسلسل چھ مہینہ تک برفباری ہوتی رہی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" اور ہم دو رکعات پڑھتے تھے" یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کا ارادہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اس جگہ کئی سال گذر گئے تب بھی قصر کرتا رہے باب ہذا کی غرض انعقاد یہی ہے اور اس باب کے تحت درج شدہ احادیث اس کے دلائل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۸۲۲ عن عکرمہ عن ابن عباس (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے انیس روز تک قصر ثابت ہے فاقام تسعة عشر یوماً کا مطلب یہ ہے کہ آپ انیس روز بغیر نیت اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز و فردا میں وہاں سے روانہ ہو

۸۳۸۔ وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ كُنَّا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِبَعْضِ بِلَادِ فَارِسٍ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَا يُجَمِّعُ وَلَا يَزِيْدُ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۳۹۔ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامُوْا بِرَامَهُرْمُزَ تِسْعَةَ أَشْهُرٍ يَقْصُرُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۸۳۸۔ حسن نے کہا، ہم حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فارس کے ایک شہر میں دو سال رہے تو نہ وہ جمعہ پڑھتے تھے اور نہ دو رکعتوں سے زیادہ نماز پڑھتے تھے۔

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۳۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ رامہرمز میں نو ماہ ٹھہرے رہے (اس دوران) نماز قصر ادا کرتے رہے۔

یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

جانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ آپ کا قیام وہاں انیسؔ دن ہو گیا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کہیں انیسؔ دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے ہاں انیسؔ دن بعد اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

(۲) روایت ۸۲۴ عن عبید اللہ بن عبد اللہ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۴۳) روایت ۸۲۵ عن عبدالرحمٰن بن المسور (طحاوی ج ۱ ص۲۴۶) کا مدلول بھی واضح ہے اور روایت ۸۲۶ عن حمزۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۴۵۳) میں واقمت عشر سنین کی تصریح ہے۔

(۳) روایت ۸۲۷ عن نافع عن ابن عمر (بیہقی ج ۳ ص۱۵۲) روایت ۸۳۸ عن الحسن (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص۵۳۶) روایت ۸۳۹ وعن انسؓ (بیہقی ج ۳ ص۱۵۲) میں دشمن کے ساتھ برسرپیکار لشکر کے لیے قصر کرنے کا حکم مذکور ہے اگرچہ اقامت کی نیت کر لی ہو کیونکہ لشکر اس بات میں رہتا ہے کہ شکست کھا گئے تو بھاگ گئے اور شکست دے دی تو تعاقب کرتے اور مزید آگے بڑھتے پس وہ اقامت کا مقام نہ ہوا لہذا اس جگہ پر

بَابُ الرَّدِّ عَلٰی مَنْ قَالَ إِنَّ الْمُسَافِرَ يَصِيْرُ مُقِيْمًا بِنِيَّةِ إِقَامَةِ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ

۸۴۰۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعَ قُلْتُ كَمْ أَقَامَ بِمَكَّةَ قَالَ عَشْرًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ اس شخص کا رد جو یہ کہتا ہے کہ مسافر چار دن کی نیت کے ساتھ مقیم ہو جاتا ہے۔ ۸۴۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک سفر کیا، تو واپس آنے تک دو دو رکعتیں پڑھتے رہے"۔ راوی نے کہا میں نے کہا، آپ کتنا عرصہ مکہ میں ٹھہرے، انہوں نے کہا "دس دن"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

نیت کا اعتبار درست نہیں۔

(۸۴۰) باب ہذا کی غرض انعقاد مدت قصر میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک کا رد ہے پہلا تفصیل مذاہب عرض کر دینے سے مسئلہ کی تفہیم و تشریح آسان رہے گی۔

مدت قصر اور بیان مذاہب

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہؒ کے نزدیک پندرہ دن سے کم مدت قصر ہے پندرہ روز یا اس سے زائد کی نیت اقامت کی صورت میں اتمام کرے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چار دن سے زائد اقامت کی نیت ہو تو قصر جائز نہیں اتمام کرے حافظ ابن رشدؒ فرماتے ہیں وللفقهاء في ذلك ثلاثة اقوال احدها مذهب مالك والشافعي اذا ازمع المسافر على اقامة اربعة ايام اتم والثاني مذهب ابي حنيفةؒ وسفيان الثوري انه اذا ازمع على اقامة خمسة عشر يوما اتم والثالث مذهب احمد وداؤد اذا ازمع على اكثر من اربعة ايام اتم (بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۶۸)

(۳) ربیعۃ الرائےؒ کے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی نیت اقامت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔

(۴) امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ بارہ دن کی نیت اقامت قصر کو باطل کر دیتی ہے۔

(۵) امام اسحاق انیسؒ کی مدت کا اعتبار کرتے ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ اِذَا الْمُسَافِرُ يَصِيْرُ مُقِيْمًا بِنِيَّةِ اِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا

۱۴۸۰۔ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا اَجْمَعَ عَلٰى

باب۔ جس شخص نے کہا کہ مسافر پندرہ دن کی نیت سے مقیم ہوتا ہے۔ ۱۴۸۰۔ مجاہد نے کہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرتے تو نماز پوری ادا فرماتے۔

۹۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں مسافر جب تک وطن اصلی نہ پہنچ جائے وہ قصر کرتا رہے گا خواہ اسے وطن اصلی سے باہر کتنا ہی طویل عرصہ قیام کیوں نہ کرنا پڑے۔

حدیث باب باب ہذا کی روایت ۱۴۸۰ عن انس بن مالک، بخاری ج ۱ ص ۱۴۷، مسلم ج ۱ ص ۲۴۳ میں حضورؐ دس روز تک قیام کے باوجود قصر کرتے رہے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء صحابہ کرامؓ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپؐ مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودھویں ذی الحجہ کو وہاں سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے بھی کوئی شخص مقیم نہیں ہوتا اس کے لیے قصر نماز یقینی جائز ہے یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے خلاف حجۃ ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص کہیں چار دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا اتمام کرے گا۔

بہرحال چار دن کے ثبوت کے لیے کوئی صریح روایت نہیں پیش کی جا سکتی جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ چار دن کے قیام سے زیادہ کی نیت ہو تو اتمام کرے علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ والفریق الثالث احتجوا بمقامہ فی حجتہ بمکۃ مقصرا اربعۃ ایام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں چار دن مکہ میں رہے قصر کرتے رہے پتہ چلا کہ چار دن کے قیام میں اتمام نہیں ہے اس سے زیادہ قیام ہو تو اتمام کرے مگر اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ روایت بخاری میں تصریح ہے جیسے کہ ابھی عرض کر دیا گیا کہ آپؐ چار ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور دس دن وہاں رہے (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷) اور اس لحاظ سے چودہ کو آپؐ کی واپسی ہوئی تو یہ دس دن بنے نہ کہ چار دن۔

(۱۴۸۰ تا ۱۴۸۴) باب ہذا کی تمام روایات احناف کا قوی مستدل ہیں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی صریح

إِنْ أَقَامَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَتَمَّ الصَّلَاةَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

٨٤٢۔ وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّقِيْمَ بِمَكَّةَ خَمْسَةَ عَشَرَ سَرَّحَ ظَهْرَهُ وَصَلَّى أَرْبَعًا۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِيْ كِتَابِ الْحَجِّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

یہ حدیث ابو بکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٨٤٢۔ مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرتے گھوڑے سے زین اتار دیتے اور چار رکعات ادا کرتے۔

یہ حدیث محمد بن الحسن نے کتاب الحج میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حدیث مرفوع نہیں ہے البتہ صحابہ کرام کے آثار ملتے ہیں جن میں سے چند ایک باب ہذا میں نقل کر دیئے گئے ہیں روایت ٨٤١ عن مجاهد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص٤٥٥) روایت ٨٤٢ عن مجاهد عن ابن عمر (کتاب الحجۃ ج ١ ص١٦٧) روایت ٨٤٣ عن عبد اللہ بن عمر (کتاب الآثار ص٣٠) اور روایت ٨٤٤ عن سعید بن المسیب (کتاب الحجۃ ج ١ ص١٦٧) میں پندرہ روز کی نیت اقامت کی صورت میں اتمام صلوٰۃ مذکور ہے

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام بمکۃ خمسۃ عشر یوما فصلی رکعتین رکعتین (نسائی ج ١ ص١٦٢) اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ سے ایک اور روایت ہے قال اذا قدمت بلدۃ وانت مسافر وفی نفسک ان تقیم خمس عشرۃ لیلۃ فاکمل الصلاۃ بها وان کنت لا تدری متی تظعن فاقصرها (الدرایۃ ص١٣١ فتح الملہم ج ٢ ص٢٥٥ التعلیق الممجد ص١٣٠)

مسالک احناف کی اجتہادی دلیل

قولہ لانہ لابد الخ مسلک احناف کی اجتہادی دلیل بھی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ پوری نماز پڑھنے کے لیے اقامت میں ایک خاص مدت کا اعتبار ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مطلق اقامت پر جس قدر بھی ہو پورا کرنا لازم نہیں کیونکہ ہر روز منزل پر اتر کر باقی دن اور تمام رات قیام رہتا ہے اگر تھوڑے بہت

٨٤٣ - وَعَنْهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا كُنْتَ مُسَافِرًا فَوَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَأَتِمَّ الصَّلٰوةَ وَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَاقْصُرْ۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْآثَارِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

٨٤٤ - وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ إِذَا قَدِمْتَ بَلْدَةً فَأَقَمْتَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَأَتِمَّ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْحُجَجِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

---

٨٤٣ - مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "جب تم مسافر ہو اور اپنے لیے کسی جگہ کو پندرہ دن ٹھہرنے کے لیے وطن بنالو، تو نماز پوری پڑھو اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی دیر ٹھہرنا ہے تو قصر کرو" یہ حدیث محمد بن الحسن نے آثار میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

٨٤٤ - سعید بن المسیب نے کہا "جب تم کسی شہر میں داخل ہو اور اس میں پندرہ دن ٹھہرو تو نماز پوری کرو" یہ حدیث محمد بن الحسن نے حجج میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قیام پر نماز پوری کرنی ہو تو اس قیام پر بھی پوری کرنا لازم ہوگا حالانکہ باجماع منزل پر مسافر کا فرض چار نہیں بلکہ قصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ چار ہونے کے لئے خاص مقدار کا قیام مقرر ہو، پھر احادیث و آثار چونکہ اس بارے میں مختلف وارد ہیں اس لیے اجتہادی طریقہ اختیار کیا گیا اور مدتِ اقامت کو مدتِ طہر پر قیاس کیا گیا اور مدتِ طہر کم از کم پندرہ دن ہے۔

اور دونوں میں وجہ اتفاق بھی موجود ہے چنانچہ مدتِ طہر اس نماز کو واجب کرتی ہے جو ایام حیض میں ساقط تھی، اسی طرح اقامت بھی اسی شخص پر وہ مقدار واجب کرتی ہے جو سفر میں ساقط تھی اور طہر کا مسقط یعنی حیض بھی کم از کم تین دن کا تھا اور اقامت کا مسقط یعنی سفر بھی کم از کم تین دن کا تھا پس ہم نے دونوں کا مسقط بھی ایک مدت کا پایا اس لیے خود موجب میں بھی مدت یکساں رکھی اور وہ پندرہ روز ہیں۔

وَإِنِ اقْتَدَى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيْمِ فِي الْوَقْتِ أَتَمَّ أَرْبَعًا لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ فَرْضُهُ إِلَى أَرْبَعٍ لِلتَّبَعِيَّةِ كَمَا يَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ لِاتِّصَالِ الْمُغَيِّرِ بِالسَّبَبِ وَهُوَ الْوَقْتُ وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِي فَائِتَةٍ لَمْ تُجْزِهِ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَيَّرُ بَعْدَ الْوَقْتِ لِانْقِضَاءِ السَّبَبِ كَمَا لَا يَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ فَيَكُوْنُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ أَوِ الْقِرَاءَةِ۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْمُسَافِرِ بِالْمُقِیْمِ

۸۴۵۔ عَنْ مُوْسٰی بْنِ سَلَمَۃَ قَالَ کُنَّا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بِمَکَّۃَ فَقُلْتُ اِنَّا اِذَا کُنَّا مَعَکُمْ صَلَّیْنَا اَرْبَعًا وَاِذَا رَجَعْنَا اِلٰی رِحَالِنَا صَلَّیْنَا رَکْعَتَیْنِ قَالَ تِلْکَ سُنَّۃُ اَبِی الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

باب۔ مقیم کا مسافر کو نماز پڑھانا۔ ۸۴۵۔ موسیٰ بن سلمہ نے کہا ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ میں تھے، میں نے کہا، ہم جب آپ کے ہمراہ ہوتے ہیں، تو چار رکعات پڑھتے ہیں اور جب اپنے خیموں کی طرف لوٹ جاتے ہیں تو دو رکعات پڑھتے ہیں، انہوں نے کہا، یہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۸۴۵) مسافر کے پیچھے مقیم کی اقتدار کا جواز تو مجمع علیہ ہے جیسا کہ بحر میں مصرح ہے۔ لیکن اس کا عکس یعنی مقیم کے پیچھے مسافر کی اقتدا بھی جائز ہے یا نہیں! اس کی بابت اختلاف ہے، قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ طاؤس داؤد اور شعبی وغیرہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں کیونکہ ارشاد نبوی ہے "لا تختلفوا علی امامکم" اور صورت مفروضہ میں مسافر نے عدد رکعات اور نیت۔ دونوں میں اختلاف کیا ہے لہٰذا اقتدار صحیح نہ ہوگی، ابن عبدالبر نے استذکار میں امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ذکر کیا ہے کہ اگر مسافر نے مقیم کے ساتھ پوری ایک رکعت دونوں سجدوں کے ساتھ نہیں پائی تو دو رکعتیں پڑھے ورنہ چار پڑھے، علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک مسافر مقیم امام کے پیچھے بھی قصر پڑھ سکتا ہے اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے اھ لیکن کتب حنابلہ نیل المآرب اور الروض المربع وغیرہ میں مصرح ہے کہ مقیم کے پیچھے اتمام لازم ہے، احناف کا مسلک اگلے قول میں آرہا ہے۔

اگر مسافر نے وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کی تو احناف سفیان ثوری اور امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام احمد نے مسند میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ انہ سئل: ما بال المسافر یصلی رکعتین اذا انفرد و اربعاً اذا ائتم بمقیم، فقال: تلک السنۃ۔

جب اقتداء صحیح ہوئی تو اب وہ چار رکعات پوری پڑھے خواہ مدرک ہو یا مسبوق یا لاحق، حتیٰ کہ اگر دو رکعت کے بعد شامل ہوا تب بھی چار پڑھے کیونکہ اتباع امام کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی جگہ عارضی نصف ماہ کی اقامت کی نیت کرنے سے فرض متغیر ہو جاتا ہے لیکن صحت اقتداء

بَابُ صَلٰوةِ الْمُقِيْمِ بِالْمُسَافِرِ

۸۴۶۔ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا قَدِمَ مَكَّةَ صَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ مَكَّةَ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

باب۔ مسافر کا مقیم کو نماز پڑھانا ۸۴۶۔ سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ آتے تو دو رکعتیں پڑھاتے پھر کہتے، اے اہل مکہ! اپنی نماز پوری کرو ہم مسافر لوگ ہیں" یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کے لیے ابتداء میں وقتِ اداء کا ہونا ضروری ہے اگر خروجِ وقت کے بعد اقتداء کی تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا۔

توضیح یہ ہے کہ اداءِ نماز کا سبب اس نماز کا وقت ہوتا ہے اب اگر اس وقت کے ساتھ کوئی مغیر مل جائے (جیسے اس نماز میں مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا) تو سبب اسی تغیر کے ساتھ ہوگا اور چار رکعت کی اداء کا موجب ہوگا اور اگر مغیر اس کے ساتھ متصل نہ ہو (جیسے مسافر کا قضاء نماز میں مقیم کی اقتداء کرنا) تو اس صورت میں وہ مغیر کار آمد نہ ہوگا کیونکہ نماز کا سبب بلا مغیر گذر چکا، اور وہ صرف دوگانہ کی ادائیگی فرض کر چکا یہی حال نیت اقامت کا ہے کہ وہ بھی تغیر کرنے والی ہے بشرطیکہ وقت کے اندر ہو، اگر وقت گذرنے کے بعد ہو تو سبب نماز چونکہ دو رکعت واجب کر چکا اس لیے نیتِ اقامت کے بعد بھی دو ہی رکعت کی قضاء واجب ہوگی۔

تنبیہ: تعلیل مذکور پر ابن الہمام نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اقتداء کا سبب تغیر ہونا اقتداءِ مسافر بالمقیم کی صحت پر موقوف ہے اور اقتداءِ مسافر کی صحت تغیرِ فرض پر موقوف ہے، اس لیے کہ جب تک مسافر کا فرض متغیر نہ ہو تو قعدہ یا قراءت میں سے کسی ایک کے حق میں اقتداء مفترض بالمتنفل لازم آئے گی، جس کی تشریح آگے آرہی ہے، پس تغیرِ فرض اقتداء پر موقوف ہوا اور اقتداء کی صحت تغیر پر موقوف ہوئی اور یہ دور ہے جو جائز نہیں، جواب یہ ہے کہ یہ دورِ معیت ہے نہ کہ دورِ ترتب بان تثبت صحۃ الاقتداء والتغیر معًا ولا ضیر فیہ (فتح القدیر)

(۸۴۵) باب کی یہ روایت عن موسیٰ بن سلمۃ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۶) سے منقول ہے۔ اس مسئلہ کی اجمالی بحث اگلے باب میں کر دی گئی ہے۔

(۸۴۶ تا ۸۴۷) باب کی دونوں روایات سے یہ ثابت ہے کہ مسافر مقیم کو نماز پڑھا سکتا ہے اور

۴۷ ۸ - وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ اَنَّهٗ قَالَ جَآءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَعُوْدُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ صَفْوَانَ فَصَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُمْنَا فَاَتْمَمْنَا - رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۴۷ ۸ - صفوان بن عبداللہ بن صفوان نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن صفوان کی عیادت کے لیے آئے تو ہمیں دو رکعات پڑھائیں، پھر انہوں نے سلام پھیرا تو ہم نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی ۔
یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

مقیمین کی نماز مسافر کے پیچھے درست ہے روایت ۴۶ ۸ عن سالم (موطا امام مالک باب صلوٰۃ المسافر اذا کان اماما) اور روایت ۴۷ ۸ وعن صفوان بن عبد اللہ (حوالہ مذکور) دونوں سے استدلال واضح ہے، اتموا صلوتکم شرح ارشاد میں ہے کہ امام کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو نماز شروع کرنے سے پہلے آگاہ کر دے کہ میں مسافر ہوں لیکن اس سے مسبوق آگاہ نہ ہو سکے گا اس لیے مستحب یہ ہے کہ امام جب سلام پھیرے تو یہ کہہ دے کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھارہ روز مکہ میں فروکش رہے آپ دو رکعت پڑھتے اور فرماتے۔ یا اہل مکۃ اصلوا اربعا فانا قوم سفر (ابوداؤد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابوداؤد طیالسی، بزار، طحاوی، احمد، بیہقی عن عمران بن حصین رض)

اس مسئلہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مقتدیوں کو اپنے امام کا حال معلوم ہونا کہ وہ مقیم ہے یا مسافر شرط نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ یہ جانتے ہوں کہ امام مسافر ہے تو سلام کے بعد امام کا قول مذکور بے سود ہے، اور اگر وہ یہ جانتے ہوں کہ امام مقیم ہے تو یہ جھوٹ ہوگا فدل علی ان المراد باذا لم یعلموا حالہ، لیکن فتاویٰ قاضی خان میں اس کے خلاف یہ ہے کہ جس مقتدی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا امام مقیم ہے یا مسافر اس کی اقتداء صحیح نہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ قاضی خان کی مراد یہ ہے کہ نماز سے پہلے یا سلام کے بعد کسی صورت میں امام کے حال سے آگاہ نہ ہو، یہ مراد نہیں کہ ابتداء اقتداء کے لیے امام کا حال جاننا شرط ہے کیونکہ مبسوط میں ہے کہ ایک شخص نے قوم کو ظہر کی دو رکعت کسی گاؤں میں پڑھائی اور قوم نہیں جانتی کہ وہ مقیم ہے یا مسافر تو قوم کی نماز فاسد ہے خواہ یہ لوگ مقیم ہوں یا مسافر، کیونکہ جو شخص مقام اقامت میں ہو اس کے حال سے ظاہر یہی ہے کہ وہ مقیم ہے، اور ظاہری حالت پر ہی وجوب کی بنا رہے یہاں تک کہ اس کے خلاف ظاہر ہو، پھر اگر انہوں نے امام سے پوچھا اور اس نے بتلا دیا کہ میں مسافر ہوں تو اب ان کی نماز جائز ہوگی ۔

بَابُ جَمْعِ التَّقْدِيْمِ بَيْنَ الْعَصْرَيْنِ بِعَرَفَةَ

۸۴۸- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ فِيْ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

باب - عرفات میں ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرنا - ۸۴۸- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے سلسلہ میں ایک لمبی حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، پھر اذان دی، پھر اقامت کہی، تو آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی، اور دونوں نمازوں کے درمیان کچھ نہیں پڑھا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

(۸۴۸ تا ۸۵۰) حج کے موقعہ پہ دو مرتبہ جمع بین الصلوتین مسنون ہے عرفات میں جمع بین الظہر والعصر کو جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء کو جمع تاخیر کہتے ہیں باب ہذا کی غرض انعقاد جمع تقدیم کا ثبوت ہے

بیان مذاہب یوں تو عرفات اور مزدلفہ میں تمام ائمہ متبوعین کا جمع تقدیم اور جمع تاخیر کے جواز پر اتفاق ہے کیونکہ حدیث مشہورہ ومتواترہ سے ان کا ثبوت ہے اس کے علاوہ کسی اور سفر میں جمع بین الصلوتین جائز نہیں۔

(۱) جمہور کے نزدیک جمع بین الصلوتین جمع نسک ہے یعنی یہ بھی مناسک حج میں سے ہیں اور اور اس کا ایک جزو ہیں الجمع بین الظہر والعصر فی وقت الظہر بعرفہ باذان واقامتین وھو نسک عند الحنفیہ لہٰذا مسافر و مقیم اہل مکہ و اہل مزدلفہ و اہل منیٰ سب کے لیے جائز ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے ہاں یہ جمع جمع سفر ہے جس کے لیے مصنف نے اگلے صفحات میں مستقل انعقاد باب کیا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ مسافر شرعی کے ساتھ خاص ہے مقیم اور غیر شرعی مسافر مثل اہل مکہ و اہل منیٰ کے لیے جائز نہیں فمن کان حاضراً او مسافرا دون مرحلتین کاھل مکۃ لم یجز لہ الجمع عندہ کما لا یجوز لہ القصر (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۹)

۸۴۹- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ غَدَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنًى حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ صُبَيْحَةِ يَوْمِ عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِنَمِرَةَ وَهِيَ مَنْزِلُ الْإِمَامِ الَّذِيْ يَنْزِلُ بِهِ بِعَرَفَةَ حَتّٰى إِذَا كَانَ عِنْدَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ رَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهَجِّرًا فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ ثُمَّ رَاحَ فَوَقَفَ عَلَى الْمَوْقِفِ مِنْ عَرَفَةَ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ -

۸۵۰- وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ إِنَّ مِنْ سُنَنِ الْحَجِّ إِنَّ الْإِمَامَ يَرُوْحُ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ يَخْطُبُ فَيَخْطُبُ النَّاسَ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ نَزَلَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا - رَوَاهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ -

---

۸۴۹- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح کی نماز ادا فرمائی تو منیٰ سے عرفہ کے دن صبح چلے، یہاں تک کہ عرفات میں آگئے، تو نمرۃ میں تشریف فرما ہوئے اور عرفہ میں آنے والے امام کے ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔ یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کے وقت دوپہر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے ظہر اور عصر اکٹھی ادا فرمائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا، پھر چلے تو عرفات میں موقف پر تشریف فرما ہوئے۔
یہ حدیث احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۸۵۰- قاسم ابن محمد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا حج کی سنت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام سورج ڈھلنے کے بعد خطبہ دینے کے لیے چلے، تو وہ لوگوں کو خطبہ دے، جب وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو تو اترے، ظہر اور عصر اکٹھی ادا کرے۔
یہ حدیث ابن المنذر نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

حنفیہ کے دلائل باب ہذا کی تینوں روایات حنفیہ کا قوی مستدل ہیں حضرت جابرؓ کی روایت (۸۴۸) مسلم کتاب الحج ج ۱ ص۳۹۷ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عمرؓ کی روایت (۸۴۹) مسند احمد ج ۲ ص۱۲۹ ابوداؤد ج ۱ ص۲۶۵ کتاب المناسک باب الخروج الی عرفہ سے منقول ہیں۔

جمع تقدیم کے شرائط (۱) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عرفات میں جمع تقدیم کی چار شرائط

بَابُ جَمْعِ التَّاخِيْرِ بَيْنَ الْعِشَائَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

۸۵۱- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ حَجَّ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَتَيْنَا

باب - مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو مؤخر کر کے (عشاء کے وقت) میں اکٹھا پڑھنا - ۸۵۱ -

عبدالرحمن بن یزید نے کہا حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم عشاء کی اذان کے وقت یا اس

ہیں (۱) احرام حج (۲) تقدیم الظہر علی العصر لہٰذا اگر ظہر پہلے پڑھ لی اور دونوں نمازیں بالترتیب پڑھ لیں لیکن بعد میں پتہ چلا کہ جس وقت ظہر کی نماز پڑھی تھی اس وقت ظہر کا وقت شروع نہ ہوا تھا تو اس صورت میں دونوں نمازوں کو لوٹائے گا (۳) الوقت۔ حالزمان یعنی یوم العرفہ اور زوال کے بعد کا وقت۔ (۴) المکان یعنی وادی عرفات یا اس کے آس پاس کا علاقہ جیسے مسجد نمرہ وغیرہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ چار شرائط کافی ہیں (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص۳ باب صفۃ الحج)

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ مذکورہ چار شرائط کے علاوہ دو کا مزید اضافہ کرتے ہیں سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی بھی اسی کے قائل ہیں (۱) دونوں نمازوں کا باجماعت ہونا چنانچہ اگر انفرداً نماز پڑھ لی تو جمع کرنا درست نہ ہوگا (۲) امام یا اس کے نائب کا ہونا لہٰذا اگر ان دونوں کی غیر موجودگی میں جمع بین الصلوٰتین کر لی تو جمع درست نہ ہوگی (معارف السنن ج ۶ ص۳)

امام اعظم ابوحنیفہؒ ومن وافقہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ نصوص قطعیہ مثلاً ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا (نساء ۱۰۳) سے محافظت علی الوقت کی فرضیت ثابت ہے لہٰذا اس کو ماورد بہ الشرع کے علاوہ کسی اور صورت میں ترک کرنا جائز نہیں لہٰذا جمع کے لیے جماعت اور امام یا نائب کا ہونا ضروری ہوگا اس کے علاوہ ابراہیم نخعیؒ سے ایک اثر بھی منقول ہے جو ابوحنیفہؒ کا مستدل ہے اخبرنا ابوحنیفہ عن حماد عن ابراهيم قال، اذا صليت يوم عرفة في رحلك فصل كل واحد من الصلاتين لوقتها ولا ترتحل من منزلك حتى تفرغ من الصلاة ۔ قال محمد وبهذا كان ياخذ ابوحنيفه (كتاب الآثار ص۸ باب الصلوٰة بعرفه)

جبکہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مستدل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر ہے جو بخاری ج ۱ ص۲۲۵ میں تعلیقاً مروی ہے وكان ابن عمر اذا فاتته الصلاة مع الامام جمع بينهما۔

(۸۵۱) باب ہٰذا کی روایت میں جمع تاخیر بین العشائین بالمزدلفۃ کا مسئلہ واضح ہے اسی روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب المناسک ج ۱ ص۲۲۷ میں تخریج کیا ہے جو حنفیہ کا

الْمُزْدَلِفَةَ حِيْنَ الْأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَ رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَصَلَّى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهِ فَتَعَشّٰى ثُمَّ أَمَرَ أُرٰى رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ قَالَ عَمْرٌو وَلَا أَعْلَمُ الشَّكَّ إِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ هُمَا صَلَاتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ وَالْفَجْرُ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ لِلنُّسُكِ لَا لِلسَّفَرِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ۔

کے قریب مزدلفہ میں آئے، تو انہوں نے ایک شخص سے کہا اس نے اذان اور اقامت کہی پھر مغرب پڑھی، اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، پھر رات کے کھانے کے لیے بلایا، تو رات کا کھانا کھایا پھر ایک شخص سے کہا، اس نے اذان اور اقامت کہی، عمرو نے کہا، میں تو یہ جانتا ہوں کہ شک زہیر ہی کی طرف سے ہے، پھر آپ نے نماز عشاء دو رکعت ادا فرمائی، پھر جب فجر طلوع ہوئی تو کہا، بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوئی نماز ادا نہیں فرماتے تھے، سوائے اس نماز کے اس جگہ میں، اس دن عبد اللہؓ نے کہا یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے پھر گئی ہیں، نماز مغرب کے بعد اس کے کہ لوگ مزدلفہ آجائیں اور فجر جب فجر پھوٹ پڑے، انہوں نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا، یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے

نیموی نے کہا، دو نمازوں کو عرفات اور مزدلفہ میں اکٹھا پڑھنا حج کے لیے ہے نہ کہ سفر کے لیے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

مستدل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین للنسک کیا کرتے تھے سفر کی وجہ سے نہیں جیسا کہ خود امام نیمویؒ نے اسی باب کے آخر میں اس کی تصریح بھی کردی ہے۔

جمع تاخیر کے شرائط مزدلفہ میں حنفیہ کے نزدیک جمع تاخیر کی پانچ شرائط ہیں (۱) احرام حج (۲) تقدیم الوقوف بعرفات (۳) زمان مخصوص یعنی لیلۃ النحر (۴) وقت

بَابُ جَمْعِ التَّقْدِيْمِ فِي السَّفَرِ

۸۵۲- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ - رَوَاهُ جَعْفَرُ الْفِرْيَابِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالْاِسْمٰعِيْلِيُّ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِيْ مُسْتَخْرَجِهِ عَلٰى مُسْلِمٍ وَهُوَ حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ -

---

باب ۔ سفر میں جمع تقدیم (دو نمازوں کو پہلی نماز کے وقت اکٹھا پڑھنا) ۸۵۲ - حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے ، سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے پھر سفر فرماتے ۔

یہ حدیث جعفر الفریابی ، بیہقی ، اسمٰعیلی اور ابو نعیم نے مسلم پر اپنی مستخرج میں نقل کی ہے اور یہ حدیث غیر محفوظ ہے ۔

مخصوص یعنی عشاء (۵) مکان مخصوص یعنی مزدلفہ ۔ مزدلفہ میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی امام یا نائب یا جماعت کی شرط نہیں ہے ابن قدامہؒ مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ویجمع منفرداً کما یجمع مع الامام ولا خلاف فی ھذا (المغنی ج ۳ ص۲۱۵ باب صفۃ الحج)

بیان مذاہب (۸۵۲ تا ۸۵۵) (۱) حضرات شوافعؒ کے نزدیک سفر کی حالت میں جمع بین الصلواتین یعنی ظہر و عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے خواہ عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھ لے خواہ ظہر کی عصر کے وقت ۔

(۲) امام اعظمؒ کے نزدیک یہ جمع بین الصلواتین جائز نہیں ہے

شوافع کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات شوافع حضرات احادیث باب کے ظاہری مفہوم کو اپنا مستدل قرار دیتے ہیں مگر امام اعظمؒ کے نزدیک یہ احادیث جمع صوری پر محمول ہیں یعنی حضور ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ اس طرح ادا فرماتے کہ ظہر کی نماز کو بالکل آخری وقت میں پڑھتے اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرماتے جو بظاہر صورۃً تو جمع بین الصلواتین ہے لیکن حقیقتاً دونوں نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی ہیں ۔

علاوہ ازیں باب ہذا کی پہلی روایت (۸۵۲) عن انس جسے امام بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۳ ص۱۶۲ میں نقل کیا ہے اسے امام نووی نے حدیث غیر محفوظ قرار دیا ہے امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۱ ص۱۸۳

۸۵۳. وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذٰلِكَ إِنْ غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ۔

۸۵۴. وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى أَنْ يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَيُصَلِّيهِمَا جَمِيعًا وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ

۸۵۳/۱۔ بواسطہ ابوالزبیر، ابوالطفیل، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے، جب چلنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا، ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرماتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے چل پڑتے تو ظہر کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ عصر کے لیے اترتے اور مغرب میں اسی طرح اگر سورج چلنے سے پہلے چھپ جاتا، مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا فرماتے، اور اگر سورج چھپنے سے پہلے چل پڑتے تو مغرب کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ عشاء کے لیے اترتے، پھر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے۔

یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

۸۵۴۔ بواسطہ یزید بن حبیب، ابوالطفیل، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے، جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے، تو ظہر کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ اس کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے، پھر دونوں اکٹھی ادا فرماتے، اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ فرماتے،

میں یہ حدیث نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث راویوں کے تقابل کے اعتبار سے منکر ہے۔

باب کی دوسری روایت (۸۵۳) عن ابی الزبیر (ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۱) کی سند میں ہشام بن سعد ابوعباد المدنی ہے جس پر کافی جرح موجود ہے یہ مزید راوی ہے (میزان الاعتدال صـ۲۹۸ جـ۹۲۲۴) ہشام بن سعد کے برعکس ابوالزبیر کے شاگرد اور مضبوط راوی اس حدیث میں جمع تقدیم ذکر نہیں کرتے

باب کی تیسری روایت (۸۵۴) وعن یزید بن حبیب (ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۲) بھی عن ابی

عَجَّلَ الْعَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ جِدًّا۔

١٥٥۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي السَّفَرِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ فِي مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ فَإِذَا لَمْ تَزِغْ لَهُ فِي مَنْزِلِهِ سَارَ حَتَّى إِذَا حَانَتِ الْعَصْرُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِذَا حَانَتْ لَهُ الْمَغْرِبُ فِي مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ وَإِذَا لَمْ تَحِنْ فِي مَنْزِلِهِ رَكِبَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الْعِشَاءُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

عصر کو ظہر کی طرف جلدی کرتے، ظہر اور عصر اکٹھی ادا فرماتے، پھر چل پڑتے اور جب مغرب سے پہلے کوچ فرماتے تو مغرب کو مؤخر فرما دیتے، یہاں تک کہ اسے عشاء کے ساتھ ادا فرماتے، اور جب مغرب کے بعد کوچ فرماتے تو عشاء کو جلدی پڑھتے، تو اسے مغرب کے ساتھ ادا فرماتے۔

یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

١٥٥۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے جب آپ کی منزل میں ہی سورج ڈھل جاتا، تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرماتے، جب آپ کی منزل ہی میں سورج نہ ڈھلتا، تو آپ چل پڑتے، یہاں تک کہ جب عصر کا وقت قریب ہو جاتا، آپ اترتے ظہر اور عصر کو جمع فرماتے، اور جب ان کے ٹھکانے میں مغرب کا وقت قریب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے، جب ان کے ٹھکانے میں مغرب کا وقت قریب نہ ہوتا سوار ہو جاتے، یہاں تک کہ جب عشاء ہوتی، تو اتر کر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے۔ یہ حدیث احمد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ بن جبل ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث گزر چکی ہے لیکن قتیبہ بن سعید نے ابوالزبیر کا نام بدل کر یزید بن حبیب نام کا ذکر کیا ہے امام ابوداؤدؒ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں قال ابوداؤد لم یرو ھذا الحدیث الا قتیبۃ وحدہ امام ابوداؤدؒ

۳۲ بَابُ مَا يَدُلُّ عَلَى تَرْكِ جَمْعِ التَّقْدِيْمِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي السَّفَرِ

۸۵۶۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَاِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۸۵۷۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ جو روایات سفر میں دو نمازوں کو پہلے وقت میں اکٹھا پڑھنے کے ترک پر دلالت کرتی ہیں۔ ۸۵۶۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کا ارادہ فرماتے۔ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرما دیتے، پھر سواری سے نیچے تشریف لا کر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے جب کوچ سے پہلے سورج ڈھل جاتا، تو ظہر ادا فرماتے، پھر سوار ہو جاتے ؛ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۸۵۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ؛ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ کو سفر کے دوران میں چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز مؤخر فرما دیتے، یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا فرماتے ؛ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

کہتے ہیں یہ حدیث منکر ہے اور جمع تقدیم کے بارے میں کوئی مضبوط حدیث نہیں ہے (تلخیص الحبیر کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص۴۹ باب الجمع بین الصلوتین) ہمارے مصنف نے بھی وھو حدیث ضعیف جدا سے اس جانب اشارہ کر دیا ہے۔

باب ہذا کی چوتھی روایت (۸۵۵) عن ابن عباس رضؓ (مسند احمد ج ۱ ص۳۶۷) کی سند میں حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس الہاشمی المدنی ہے جس پر کتب اسماء الرجال میں شدید جرح ہے ابن معین کہتے ہیں ضعیف ہے امام احمدؒ کہتے ہیں اس کی احادیث منکر ہیں علی کہتے ہیں میں نے ان کی احادیث چھوڑ دی ہیں البزار کہتے ہیں مضبوط نہیں جب کہ امام نسائی اسے متروک کہتے ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص۵۳۷)

(۸۵۶ تا ۸۵۷) سفر میں حنفیہ کے نزدیک جمع التقدیم بین الصلواتین ناجائز ہے اور فی

بَابُ جَمْعِ التَّاخِيْرِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي السَّفَرِ

۸۵۸۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَاِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَدْخُلَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔

۸۵۹۔ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَجِلَ عَلَيْهِ السَّفَرُ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ اِلٰى اَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب ۔ سفر میں دو نمازوں کے درمیان جمع تاخیر۔ ۸۵۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرما دیتے، پھر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے اور جب سورج ڈھل جاتا تو ظہر پڑھ کر سوار ہوتے "
یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "ظہر کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ عصر کا ابتدائی وقت داخل ہو جاتا، پھر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے "

۸۵۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی، ظہر کو عصر کے پہلے وقت تک مؤخر فرما دیتے پھر دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے اور مغرب کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ جب شفق غائب ہوتا تو مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا فرماتے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

سفر الحج عرفات میں، باب ہٰذا کی دونوں روایات حنفیہ کا مستدل ہیں پہلی روایت (۸۵۶) عن انس بن مالکؓ امام بخاریؒ نے ابواب تقصیر الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۰ میں نقل کی ہے دوسری روایت (۸۵۷) عن عبداللہ بن عمر کو امام بخاریؒ نے ابواب تقصیر الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹ میں نقل کیا ہے دونوں روایات کا مدلول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع تقدیم چھوڑی ہے۔

(۸۵۸ تا ۸۶۳) باب ہٰذا کی پہلی روایت (۸۵۸) حضرت انسؓ سے منقول ہے جسے امام بخاریؒ نے ابواب تقصیر الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۰ میں، دوسری روایت (۸۵۹) بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۱ ص ۲۴۵ کتاب المسافرین میں تیسری روایت (۸۶۰) عن نافع بھی مسلم ج ۱ ص ۲۴۵

٨٦٠- وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بَعْدَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

٨٦١- وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِلَى رُبُعِ اللَّيْلِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

قَالَ النِّيمَوِيُّ هٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِي الْمَرْفُوعِ إِنَّمَا هُوَ وَهْمٌ وَالصَّوَابُ وَقْفُهَا وَفِيهَا اضْطِرَابٌ وَالْمَحْفُوظُ بِدُونِهَا.

٨٦٢- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَابَتْ لَهُ الشَّمْسُ بِمَكَّةَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِسَرِفَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيهِ أَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ وَهُوَ مُدَلِّسٌ.

٨٦٠- نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو غروب شفق کے بعد مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا فرماتے اور ابن عمرؓ کہتے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چلنے میں جلدی ہوتی، مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا فرماتے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

٨٦١- نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب اور عشاء کو رات کے چوتھائی حصہ تک اکٹھا ادا فرماتے (یعنی مغرب کو مؤخر فرماتے) یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا مرفوع روایت میں یہ زیادتی بلاشبہ وہم ہے اور اس کا موقوف ہونا صحیح اور اس میں اضطراب ہے اور اس کے بغیر یہ روایت محفوظ ہے۔

٨٦٢- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں سورج غروب ہوگیا تو آپ نے (مقام) سرف میں دونوں نمازوں کو اکٹھا ادا فرمایا۔
یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس میں ابوالزبیر مکی ہے اور وہ مدلس ہے۔

میں اور چوتھی روایت عن ابن عمر دارقطنی نے ج ۱ ص ۲۹۲ میں نقل کی ہے چوتھی روایت (۸۶۲) عن جابرؓ

بَابُ مَا يَدُلُّ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي السَّفَرِ كَانَ جَمْعًا صُوْرِيًّا

۸۶۳۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۶۴۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَأَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

باب۔ جو روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سفر میں دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا جمع صوری ہے۔

۸۶۳۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ نماز اس کے وقت پر ادا فرماتے تھے" یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۶۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نماز ظہر مؤخر فرماتے اور عصر کو مقدم، نماز مغرب مؤخر فرماتے اور عشاء کو مقدم"

یہ حدیث طحاوی، احمد اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

امام داؤد نے ج ۱ ص۱۷۱ میں نقل کی ہے احادیث کا مدلول ترجمۃ الباب کے مطابق ہے یہ روایات بظاہر جمع تاخیر پر دلالت کرتی ہیں مگر حنفیہ کا جواب وہی ہے اگلے باب سے مدلول ہے۔

قال النیموی بعض راوی ربع اللیل، بعض ھوی من اللیل، بعض قریباً من ربع اللیل کے الفاظ نقل کرتے ہیں ابن خزیمہ میں حتی کان نصف اللیل اور قریباً من نصفہ کے الفاظ ہیں یہی اضطراب کی وجہ ہے علاوہ ازیں نافع کے شاگردوں میں سے حفاظ الی ربع اللیل کے الفاظ نقل نہیں کرتے اسی وجہ سے مصنف نے والمحفوظ بدونہا کہا ہے مصنف عبدالرزاق میں طریق معمر عن ایوب وموسیٰ بن عقبہ عن نافع حضرت ابن عمر کے بارہ میں یہ حدیث ہے مرفوع روایت نہیں اسی طرح دیگر کتب حدیث میں بھی ہے اسی وجہ سے مصنف کہہ رہے ہیں انما ھو وھم والصواب وقفہا۔

(۸۶۳ تا ۸۶۹) باب ہذا کی تمام روایات حنفیہ کا مستدل ہیں جمع صوری جن کا مدلول قطعی ہے وہ یہ کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے اس طرح کہ ظہر کی نماز آخر وقت تک موخر کی جائے جب

۸۹۵- وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ قَارَوَنْدَةَ قَالَ سَأَلْنَا سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلَاةِ أَبِيهِ فِي
السَّفَرِ وَسَأَلْنَاهُ هَلْ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ شَيْءٍ مِّنْ صَلَاتِهِ فِي سَفَرِهِ فَذَكَرَ أَنَّ
صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ كَانَتْ تَحْتَهُ فَكَتَبَتْ إِلَيْهِ وَهُوَ فِي زَرَّاعَةٍ لَّهُ إِنِّي
فِي آخِرِ يَوْمٍ مِّنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا وَأَوَّلِ يَوْمٍ مِّنَ الْآخِرَةِ فَرَكِبَ فَأَسْرَعَ السَّيْرَ
إِلَيْهَا حَتّٰى إِذَا كَانَتْ صَلَاةُ الظُّهْرِ قَالَ لَهُ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ
فَلَمْ يَلْتَفِتْ حَتّٰى إِذَا كَانَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ نَزَلَ فَقَالَ أَقِمْ فَإِذَا سَلَّمْتُ
فَأَقِمْ فَصَلّٰى ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَالَ لَهُ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ
فَقَالَ كَذٰلِكَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ثُمَّ سَارَ حَتّٰى إِذَا اشْتَبَكَتِ النُّجُومُ
نَزَلَ ثُمَّ قَالَ لِلْمُؤَذِّنِ أَقِمْ فَإِذَا سَلَّمْتُ فَأَقِمْ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَالْتَفَتَ
إِلَيْنَا فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْأَمْرُ

۸۹۵- کثیر بن قاروندہ نے کہا ہم نے سالم بن عبداللہ سے سفر میں ان کے والد کی نماز کے بارہ میں پوچھا
اور ہم نے ان سے پوچھا، کیا وہ اپنے سفر میں کسی نماز کو اکٹھا ادا فرماتے، تو انہوں نے بیان کیا "صفیہ بنت ابی
عبید ان کے نکاح میں تھیں، اس نے ان (عبداللہ عمر رض) کی طرف لکھا اور وہ اپنی زرعی زمین میں تھے (خط
میں لکھا) میں دنیا کے دنوں میں سے آخری دن میں اور آخرت کے پہلے دن میں ہوں، تو وہ سوار ہوئے اس
کی طرف تیز رفتاری سے سفر کیا، یہاں تک کہ جب نماز ظہر کا وقت قریب ہوا، مؤذن نے اُن سے کہا،
اے ابوعبدالرحمن نماز تو انہوں نے توجہ نہ فرمائی، یہاں تک کہ دونوں نمازوں کا درمیانی وقت آگیا، سواری
سے اتر کر کہا، اقامت کہو، پھر جب میں سلام پھیر لوں تو پھر اقامت کہو، پھر انہوں نے نماز (عصر) پڑھی، پھر
سوار ہو گئے، یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو گیا، تو مؤذن نے ان سے کہا، نماز، انہوں نے فرمایا، ایسا
ہی کرو جیسا کہ تم نے ظہر اور عصر میں کیا تھا، پھر وہ چلے، یہاں تک کہ جب ستاروں نے ہجوم کیا (زیادہ ہو گئے)
آپ سواری سے اترے اور مؤذن سے کہا اقامت کہو، جب میں اس نماز سے سلام پھیر لوں، پھر اقامت
کہو، آپ نے نماز پڑھی، پھر سلام پھیرا تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ظہر ادا کر لی جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے عصر اپنے ابتدائی وقت میں پڑھی جائے مغرب اور عشاء
کو بھی اسی پر قیاس کر لیں مطلب یہ ہوا کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہوئی اگرچہ صورتاً جمع بین الصلاتین

الَّذِيْ يَخَافُ فَوْتَهُ فَلْيُصَلِّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ

۸۶۶۔ وَعَنْ نَافِعٍ وَّعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَاقِدٍ اَنَّ مُؤَذِّنَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَلصَّلٰوةُ قَالَ سِرْ سِرْ حَتّٰى اِذَا كَانَ قَبْلَ غُيُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَجِلَ بِهِ اَمْرٌ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِيْ صَنَعْتُ فَسَارَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ مَسِيْرَةَ ثَلَاثٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۸۶۷۔ وَعَنِ ابْنِ جَابِرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ سَفَرٍ يُرِيْدُ اَرْضًا لَهُ فَاَتَاهُ اٰتٍ فَقَالَ اِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِيْ عُبَيْدٍ لَمَا بِهَا فَانْظُرْ اَنْ تُدْرِكَهَا فَخَرَجَ مُسْرِعًا وَمَعَهُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يُسَايِرُهُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَلَمْ يُصَلِّ الصَّلٰوةَ وَكَانَ عَهْدِيْ بِهِ وَهُوَ يُحَافِظُ عَلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا اَبْطَاَ

فرمایا "تم میں سے کسی کو جب ایسا کام پیش آجائے جس کے ہاتھ سے نکل جانے سے وہ ڈرتا ہے، تو اسے چاہیئے کہ یہ نماز پڑھے"۔ یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۶۶۔ نافع اور عبداللہ بن واقد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مؤذن نے کہا نماز! ابن عمرؓ نے کہا، چلو چلو، یہاں تک کہ شفق کے غروب سے پہلے کا وقت تھا کہ انہوں نے اتر کر مغرب کی نماز ادا کی، پھر انتظار کیا، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگیا، تو عشاء کی نماز ادا کی پھر کہا" بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جلدی کا کام پیش آجاتا، آپ بھی ایسا ہی کرتے، جیسا میں نے کیا ہے، اس سفر میں ابن عمرؓ نے اس ایک دن اور رات میں تین دن کی مسافت طے کی۔

یہ حدیث ابوداؤد اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۶۷۔ ابن جابر سے روایت ہے کہ مجھ سے نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا" میں ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، وہ اپنی زمین میں جانا چاہتے تھے کہ ایک آنے والے نے آکر کہا، صفیہ بنت ابی عبید (ابن عمرؓ کی زوجہ) اپنی کسی تکلیف کی وجہ سے (آپ کو بلا رہی ہیں) دیکھو اگر تم اسے

ہی ہے حنفیہ کے نزدیک جمع حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے عرفات میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر۔

الصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ وَمَضٰى حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ اٰخِرِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَقَامَ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَى الشَّفَقُ فَصَلّٰى بِنَا ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَجِلَ بِهِ السَّيْرُ صَنَعَ هٰكَذَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

٨١٨ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا سَافَرَ سَارَ بَعْدَ مَا تَغْرُبُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَكَادَ اَنْ تُظْلِمَ ثُمَّ يَنْزِلُ فَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْعُوْ بِعَشَائِهِ فَيَتَعَشّٰى ثُمَّ يُصَلِّي الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْتَحِلُ وَيَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

(زندہ حالت میں) پالو، تو ابن عمرؓ تیزی سے نکلے اور ان کے ہمراہ قریش کا ایک شخص تھا جو ان کو چلاتا تھا، سورج غروب ہوگیا تو انہوں نے نماز نہ پڑھی اور جب سے میری ان سے ملاقات تھی، وہ نماز پر پابندی کرتے تھے، جب انہوں نے دیر کی تو میں نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں، نماز، انہوں نے میری طرف توجہ کی اور چلے، یہاں تک کہ جب شفق کا آخری وقت تھا، اتر کر نماز پڑھی، پھر نماز عشاء کے لیے اقامت کہی گئی، بتحقیق شفق غروب ہوچکا تھا، تو انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف چہرہ کر کے کہا "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جلدی چلنا ہوتا، اسی طرح عمل فرماتے۔"

یہ حدیث نسائی، ابوداؤد طحاوی اور دارقطنی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

٨١٨ - عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے بواسطہ ان کے والد، دادا روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سفر کرتے تو سورج غروب ہونے کے بعد بھی چلتے، یہاں تک کہ جب اندھیرا ہونے کے قریب ہوتا، پھر اتر کر مغرب کی نماز ادا کرتے، پھر کھانا طلب کر کے رات کا کھانا کھاتے، پھر عشاء کی نماز ادا کرتے، پھر سفر کرتے اور کہتے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی عمل فرماتے تھے۔"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب ہذا کی تمام روایات کا مدلول جمع صوری ہے جو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے۔

۸۶۹۔ وَعَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ وَفَدْتُ أَنَا وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَنَحْنُ نُبَادِرُ لِلْحَجِّ فَكُنَّا نَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ نُقَدِّمُ مِنْ هٰذِهٖ وَنُؤَخِّرُ مِنْ هٰذِهٖ وَنَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ نُقَدِّمُ مِنْ هٰذِهٖ وَنُؤَخِّرُ مِنْ هٰذِهٖ حَتّٰى قَدِمْنَا مَكَّةَ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

بَابُ الْجَمْعِ فِي الْحَضَرِ

۸۷۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَآخَرُوْنَ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَلِلْعُلَمَاءِ تَاوِيْلَاتٌ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ كُلُّهَا سَخِيْفَةٌ إِلَّا الْحَمْلَ عَلَى الْجَمْعِ الصُّوْرِيِّ۔

۸۶۹۔ ابوعثمان نے کہا میں اور سعد بن مالک نے اکٹھا سفر کیا ہم حج کے لیے جلدی (سفر) کرتے تھے، تو ہم ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھتے۔ اس نماز کو تھوڑا سا مقدم اور اس کو تھوڑا سا مؤخر کرتے اور ہم مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا کرتے۔ اس نماز کو کچھ مقدم اور اس کو کچھ مؤخر کرتے، یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ حضر (اپنے شہر جس میں مقیم ہو) میں (دو نمازوں کو) جمع کرنا۔ ۸۷۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کو مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بغیر بارش کے اکٹھا ادا فرمایا۔ یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔
نیموی نے کہا، علماء کی اس حدیث میں کئی تاویلیں ہیں، جمع صوری پر محمول کرنے کے علاوہ تمام کی تمام کمزور ہیں۔

احادیث باب کی تخریج

باب ہذا کی پہلی روایت (۸۶۲) عن عبداللہ نسائی کتاب مناسک الحج ج ۲ صـ۳۲ دوسری روایت (۸۶۴) طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صـ۱۱۲ تیسری روایت (۸۶۵) عن کثیر نسائی کتاب المواقیت ج ۱ صـ۹۸ چوتھی روایت عن نافع (۸۶۶) ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۱ پانچویں روایت (۸۶۷) عن ابن جابر نسائی کتاب المواقیت ج ۱ صـ۹۹ ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۱ چھٹی روایت (۸۶۸) عن عبداللہ ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۲ اور آخری روایت (۸۶۹) عن ابی عثمان طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ صـ۱۱۴ میں منقول ہیں۔
(۸۷۰) ابن عباس کی یہ روایت مسلم نے کتاب المسافرین ج ۱ صـ۲۴۶ میں نقل کی ہے امام نیموی فرماتے ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْجَمْعِ فِي الْحَضَرِ

۸۷۱ - عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةً إِلَّا لِمِيقَاتِهَا إِلَّا صَلٰوتَيْنِ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَّصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيقَاتِهَا - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

۸۷۲ - وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلَى مَنْ لَّمْ يُصَلِّ حَتّٰى يَجِيءَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ الْأُخْرٰى - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّآخَرُونَ -

۸۷۳ - وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سُئِلَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

باب - حضر میں دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی ممانعت - ۸۷۱ - حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز اس کے وقت کے بغیر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر دو نمازیں، مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں اور فجر کی نماز اس دن اس کے وقت سے پہلے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۸۷۲ - حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبردار! نیند میں تفریط (کوتاہی) نہیں، بلاشبہ کوتاہی اس پر ہے جس نے نماز ادا نہ کی، یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا" یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

۸۷۳ - عثمان بن عبداللہ بن موہب نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، تفریط کیا

قال النیموی و للعلماء تاویلات فی ھذا الحدیث کلھا سخیفۃ الا الحمل علی الجمع الصوری محدثین نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں مگر در حقیقت وہ سب کمزور ہیں اس کی صحیح تر تاویل اس کو جمع صوری پر حمل کرنا ہے جیسا کہ اگلے ابواب کی روایات کا یہی مدلول ہے۔

(۸۷۱ تا ۸۷۴) باب کی پہلی روایت (۸۷۱) عن عبداللہ مسلم کتاب الحج ج ۱ صـ۴۱۷ بخاری ج ۱ صـ۲۲۸ دوسری روایت (۸۷۲) مسلم ج ۱ صـ۲۳۹ طحاوی ج ۱ صـ۱۱۳ تیسری روایت (۸۷۳) طحاوی کتاب الصلوۃ ج ۱ صـ۱۱۳ آخری روایت (۸۷۴) طحاوی کتاب الصلوۃ ج ۱ صـ۱۱۳ سے تخریج کی گئی ہیں احادیث کا مضمون و مدلول تحت اللفظ

مَا التَّفْرِيْطُ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اَنْ تُؤَخِّرَ حَتّٰى يَجِئَ وَقْتُ الْاُخْرٰى رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۷۴۔ وَعَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا يَفُوْتُ صَلٰوةٌ حَتّٰى يَجِئَ وَقْتُ الْاُخْرٰى۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

ہے؟ انہوں نے کہا، کہ تم نماز لیٹ کرو، یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔
یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔
۸۷۴۔ طاؤس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا" نماز قضاء نہیں ہوتی، یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے۔

جمع بین الصلواتین کا خلاصہ مباحث

قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۲ ص۲۲۲ میں لکھتے ہیں کہ جمع بین الصلواتین کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم کہتی ہے کہ مرض یا مطر یا سفر کے سبب تقدیماً بھی جمع درست ہے اور تاخیراً بھی درست ہے مثلاً صلوٰۃ عصر کو مقدم کر کے ساتھ پڑھنا جمع تقدیماً ہے اور صلوٰۃ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھنا جمع تاخیراً ہے۔ امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ مریض کے لیے نہیں مانتے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نہ تقدیماً درست ہے اور نہ تاخیراً، بجز عرفات اور مزدلفہ کے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیمی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیری۔ ابن رشدؒ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۷۱ میں لکھتے ہیں کہ عرفات اور مزدلفہ کے اندر جمع کے بارے میں اتفاق ہے۔ یہ مسلک حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا ہے۔ العرف الشذی ص۵۳ میں ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع وقتی درست ہے۔ امامؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک جمع وقتی درست نہیں۔ احادیث میں جس جمع کا ذکر ہے وہ جمع صوری اور فعلی ہے۔ جمع صوری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مثلاً صلوٰۃ ظہر کو مؤخر کیا جائے اور ظہر کے آخری وقت میں پڑھا جائے۔ جب اس سے فارغ ہو تو عصر کا وقت داخل ہو جائے گا۔ اس میں عصر پڑھ لے یعنی دونوں اپنے اپنے وقتوں میں ایک اول میں ایک آخر میں۔

امام صاحب و من وافقہ فرماتے ہیں

کہ عرفات اور مزدلفہ کے بغیر جمع وقتی جمع نہیں اس کے کئی دلائل ہیں،

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے: حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی۔ پ۲ سورۃ البقرۃ رکوع۳۱)
یعنی ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرو۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ پ۵ سورۃ النساء رکوع
۱۱) یعنی نماز وقتِ معین کے اندر لکھی ہوئی اور فرض کی ہوئی ہے۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص۲۶۱ میں ہے کہ آیت کریمہ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ۔
ی تفسیر بعض سلف نے یہ کی ہے اے یؤخرون عن اوقاتہا۔ اسی طرح فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ
اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ اے اخروھا عن اوقاتہا کی گئی ہے تو جن لوگوں نے وقت کی پابندی نہیں کی اللہ تعالیٰ
نے ان کی مذمت بیان فرمائی تو تاخیر کیسے درست ہو سکتی ہے!

(۴) روایت ابن مسعودؓ ہے ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الا فی وقتہا الا بعرفۃ
جمع (المزدلفۃ) او کما قال رواہ النسائی ج ۱ ص۲۹ واللفظ لہ وبخاری ج ۱ ص۲۲۸
مسلم ج ص۴۱۷۔

(۵) آپ کی وہ قولی اور فعلی احادیث جن میں نمازوں کو وقت کے اندر پڑھنے کا ذکر ہے۔

دوسرے ائمہؒ کی دلیل

وہ روایات ہیں جن میں آتا ہے کہ آپؐ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ علماء احناف جواب میں فرماتے ہیں کہ بے شک آپؐ نے جمع کر
ے نمازیں پڑھیں لیکن یہ جمع صوری تھی نہ کہ حقیقی۔ چنانچہ قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۲ ص۲۳۰ میں لکھتے ہیں کہ
ن روایات میں جمع سے مراد جمع صوری ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ، امام الحرمین عبدالملکؒ، امام ابن ماجشونؒ،
ن سید الناسؒ اور طحاویؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے پھر آگے حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے
ی میں فرمایا ہے کہ جمع صوری مراد ہے وھو الاولیٰ۔ نواب صدیق حسن خان دلیل الطالب ص۲۶۷ میں لکھتے
ہیں کہ ان روایات میں جمع سے جمع صوری ہی متعین ہے اور ان کے بیٹے نواب نورالحسن صاحبؒ العرف
لجادی ص۱۹ میں لکھتے ہیں کہ جمع صوری ہی حق ہے اور جمع صوری کے لیے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نسائی ج ۱ ص۲۸ میں روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اخر الظہر وعجل العصر فجمع بینہما
اخر المغرب وعجل العشاء فجمع بینہما۔ اور یہی جمع صوری ہے۔

(۲) ابوداؤد طیالسی ص۴۹ میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے اس کے الفاظ یہی ہیں: اخر
الظہر وعجل العصر فجمع بینہما واخر المغرب وعجل العشاء فجمع بینہما۔

(۳) قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ج ۳ ص۲۱۶ میں جمع صوری کو کئی دلائل سے ترجیح دی ہے جن

میں سے ایک یہ ہے کہ ابن جریرؒ کی روایت میں ہے: عن ابن عمرؓ کہ آپ نے اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ خود جمع بین الصلوٰتین کی حدیث کے راوی ہیں اور یہ روایت دال ہے کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے۔

(۴) بخاری ج ۱ ص ۱۵۸ ومسلم ج ۱ ص ۲۴۶ میں روایت ہے: عن ابن عباسؓ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا فقلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر وعجل العصر وعجل العشاء واخر المغرب قال وانا اظنہ۔

(۵) علامہ کاسانیؒ البدائع والصنائع ج ۱ ص ۱۲۷ میں لکھتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین ان نمازوں میں کی گئی جن میں ایک کے اختتام وقت کے بعد متصل دوسری کا وقت شروع ہوتا ہے جیسے ظہر و عصر، مغرب و عشاء۔ درمیان میں اجنبی وقت نہ ہو جیسے فجر و ظہر، عصر و مغرب اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمع سے جمع صوری اور فعلی ہی مراد ہے نہ کہ جمع وقتی اور حقیقی۔

نواب صدیق حسن خانؒ دلیل الطالب ص ۲۴۲ میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو جمع صوری کے بارے میں تردد ہو تو وہ روایت حمنہؓ بنت جحش کی روشنی میں بھی سمجھ سکتا ہے۔ ان کی روایت ترمذی ج ۱ ص ۱۸ میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: فان قویت علی ان تؤخری الظہر وتعجلی العصر پھر آگے فرمایا ثم تؤخرین المغرب وتعجلین العشاء الحدیث۔ باقی ترمذی ص ۲۶ کی اس روایت کا کہ آپ نے یہ جمع من غیر خوف ولا مطر کی تو اس کا جواب خود اپنے قلم سے امام ترمذی ج ۲ ص ۲۴۵ میں دے چکے ہیں اور صرف ترمذی پڑھی ہے کہ میری کتاب کی جملہ احادیث کسی نہ کسی کے نزدیک معمول بہا ہیں، لیکن دو کسی کے نزدیک بھی معمول بہا نہیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے: جمع بین الظہر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر۔

اَبْوَابُ الْجُمُعَةِ

بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

۸۷۵- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰی شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَاَشَارَ بِیَدِهٖ یُقَلِّلُهَا رَوَاهُ الشَّیْخَانِ۔

جمعہ کے ابواب

باب - جمعہ کے دن کی فضیلت -۸۷۵- حضرت ابو ہریرۃ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر فرمایا اور آپ نے فرمایا "اس میں ایک ایسی گھڑی (وقت) ہے، نہیں برابر ہوتا ہے اس سے کوئی مسلمان شخص یا اس کے برابر کر وہ اس میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو (یعنی اس وقت جو نماز پڑھے) اللہ تعالیٰ سے جو چیز بھی مانگے گا، مگر وہ اسے ضرور عطا فرمائیں گے" اور آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرما کر اس کا تھوڑا ہونا بیان فرمایا۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۸۷۵ تا ۸۸۳) باب ہٰذا کی غرض الفعا دیوم جمعہ کی فضیلت کا بیان ہے فضیلت جمعہ کے بارے میں بچاس سے زائد فضائل احادیث سے ثابت ہیں بیہقی میں حضرت ابو ہریرۃ رضہ سے روایت ہے کہ آپؐ آیت شاھد و مشھود کی تفسیر میں شاہد سے مراد جمعہ اور مشہود سے مراد یوم عرفہ بتایا ہے جامع صغیر میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً منقول ہے الجمعة حج المساکین وفی روایة حج الفقراء۔

وجہ تسمیہ مشہور لغت میں جمعہ بضم المیم آیا ہے سکون میم بھی ایک روایت میں منقول ہے امام اعمشؒ اس کو سکون المیم پڑھتے تھے بعض حضرات نے اس کو بفتح المیم بھی بتایا ہے امام زجاج کا قول ہے کہ بعض حضرات نے اس کو کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے (روح المعانی ج ۲۸ صفحہ ۹۹) مصباح میں ہے کہ ضم میم لغت حجاز ہے اور فتح میم لغت بنی تمیم اور سکون میم لغت عقیل ہے مگر میم کے ضمہ کے ساتھ لغت فصیح ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں اسے یوم العروبہ کہتے تھے جو سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی رحمت کے ہوتے ہیں بعد میں اس کا نام یوم الجمعہ پڑ گیا وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں (۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ

۸۷۶ - وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

۸۷۶ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا ہے، جمعہ کا دن ہے، اس میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے، اسی دن اس سے نکالے گئے، اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی، یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

اسلامی نام ہے اور اس کی وجہ تسمیہ اجتماع الناس للصلوٰۃ ہے ابن کثیر میں ہے انما سمیت الجمعۃ لانہا مشتقۃ من الجمع فان اہل الاسلام یجتمعون فی کل اسبوع مرۃ بالمعاھد الکبار (۲) کچھ حضرات کہتے ہیں کہ خلق عالم کی تکمیل راس کے اسباب وموجودات اسی روز جمع ہوئے اس لیے جمعہ کہلاتا ہے (۳) اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ کعب بن لوی اس روز لوگوں جمع کرکے وعظ کیا کرتے تھے اس لیے اس کا نام جمعہ پڑگیا (معارف السنن ج ۴ ص ۳۲۱) (۴) مرقاۃ میں ہے کہ بچھڑنے کے بعد زمین پر حضرت آدم ع کی ملاقات حوا سے اسی روز ہوئی اور دونوں یکجا جمع ہوئے اس لیے اس کو جمعہ کہتے ہیں (۵) فراء، ابوعبیدہ اور ابوعمرو نے ذکر کیا ہے کہ اہل عرب ہفتہ کو شبار، اتوار کو اول، پیر کو اہوان، منگل کو جبار، بدھ کو دبار، جمعرات کو مونس اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے قال ابوالبقاء وہی مشتقۃ من الاعراب وہو التحسین لتزین الناس فیہ ومنہ قولہ تعالیٰ عربا اترابا ای مستحسنات بمعولتہن -

احادیث الباب کی تشریح

(۱) باب کی پہلی روایت ۵۷۸ عن ابی ھریرۃ (بخاری ج ۱ ص ۱۲۸) کی تشریح مولانا محمد منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ جس طرح پورے سال میں رحمت وقبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار دونوں سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے

۷۷۸- عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَیِّدُ الْاَیَّامِ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَاَعْظَمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَھُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ یَوْمِ الْفِطْرِ وَیَوْمِ الْاَضْحٰی وَفِیْہِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْہِ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَھْبَطَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْہِ تَوَفَّی اللّٰہُ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَفِیْہِ سَاعَةٌ لَا یَسْأَلُ الْعَبْدُ فِیْھَا شَیْئًا اِلَّا اٰتَاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ مَا لَمْ یَسْأَلْ حَرَامًا وَفِیْہِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا ھُنَّ یُشْفِقْنَ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ - رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ الْعِرَاقِیُّ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ -

---

۷۷۸- حضرت ابو لبابہ بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عظمت والا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید الفطر، عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ عظمت والا ہے، اور اس دن میں پانچ چیزیں ہیں، اللہ عزوجل نے اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وفات دی، اور اسی دن ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس میں بندہ جو چیز مانگے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتے ہیں، جب تک کسی حرام کا سوال نہ کرے اور اسی میں قیامت قائم ہوگی، کوئی ایسا مقرب فرشتہ نہیں، اور نہ آسمان نہ زمین نہ ہوائیں نہ پہاڑ اور نہ سمندر جو جمعہ کے دن سے ڈرتا نہ ہو۔
یہ حدیث احمد و ابن ماجہ نے نقل کی ہے، عراقی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

عالم تھے۔ جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث سے اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحۃً یا اشارۃً بعض میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔
(۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لیے منبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعتِ اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے۔
(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ:

٨٧٨ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ إِنَّا لَنَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا شَيْئًا إِلَّا قُضِيَ لَهُ حَاجَتُهُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَأَشَارَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ بَعْضُ سَاعَةٍ فَقُلْتُ صَدَقْتَ أَوْ بَعْضُ سَاعَةٍ قُلْتُ أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ اٰخِرُ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ النَّهَارِ قُلْتُ إِنَّهَا لَيْسَتْ سَاعَةَ الصَّلٰوةِ قَالَ بَلٰى إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا صَلّٰى ثُمَّ جَلَسَ لَا يَحْبِسُهُ إِلَّا الصَّلٰوةُ فَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

---

٨٧٨ - حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے عرض کیا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے، بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ پاتے ہیں کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے نہیں موافق ہوتا اس میں کوئی مومن بندہ کہ وہ نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ سے اس گھڑی میں کسی چیز کا سوال کرے، مگر اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اس کے لیے پوری فرما دیتے ہیں، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ فرمایا، یا گھڑی کا کچھ حصہ ہے (یعنی بہت قلیل وقت ہے) میں نے عرض کیا، آپ نے سچ فرمایا، یا گھڑی کا کچھ حصہ ہے، میں نے عرض کیا یہ کون سی گھڑی ہے؟ آپ نے فرمایا دن کی گھڑیوں میں آخری گھڑی، میں نے عرض کیا وہ تو نماز کی گھڑی نہیں ہے، آپ نے فرمایا، ہاں بلاشبہ مومن بندہ جب نماز پڑھے، پھر بیٹھ جائے، نماز کے علاوہ اسے کوئی چیز روکنے والی نہ ہو تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگان خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لیے اس کی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو ـــــ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لیے اس وقت بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقت میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو بھی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیرہ کی

۸۷۹۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِی الْجُمُعَۃِ سَاعَۃً لَّا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ یَّسْاَلُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فِیْھَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَھِیَ بَعْدَ الْعَصْرِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۸۷۹۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بلاشبہ جمعہ میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس میں موافق ہوتا اس میں کوئی مسلمان بندہ اللہ عزوجل سے بھلائی مانگے، مگر اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمائیں گے اور یہ عصر کے بعد ہے۔

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کے لیے نماز و خطبہ کے وقت اور بعد عصر تا مغرب تک کے وقفہ کے لیے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں"

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز یا ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

(۲) باب کی دوسری روایت ۸۷۲ عن ابی ھریرۃ (مسلم ج ۱ ص۲۸۲) کی مختصر تشریح یوں ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کے ذریعہ بطور مبالغہ جمعہ کے دن فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل دن جمعہ ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی دن نہیں ہے جس میں آفتاب طلوع ہو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت تو ظاہر ہے لیکن بہشت سے نکلنے کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت اس لیے ہے کہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا انبیاء اور اولیاء کی پیدائش کا سبب اور ان کی مقدس زندگیوں سے بے شمار حسنات کے ظہور کا باعث ہوا۔ ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی موت بارگاہ رب العزت میں ان کی حاضری کا سبب ہوئی اسی طرح قیامت کا قائم ہونا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے جس میں پرہیزگاروں اور نیکوکاروں سے اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدے ظاہر ہوں گے۔

" قیامت قائم ہونے سے مراد یا تو پہلا صور ہے کہ جس کی آواز سے زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے اور پوری دنیا موت کی آغوش میں پہنچ جائے گی یا دوسرا صور بھی مراد لیا جا سکتا ہے جو تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے

۸۸۰۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ اِثْنَتَا عَشْرَۃَ سَاعَۃً لَا یُوْجَدُ فِیْہَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ یَّسْأَلُ اللّٰہَ شَیْئًا اِلَّا اٰتَاہُ اِیَّاہُ فَالْتَمِسُوْہَا اٰخِرَ سَاعَۃٍ بَعْدَ الْعَصْرِ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۸۸۰۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن بارہ گھڑیاں ہیں اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ نہیں پایا جاتا کوئی مسلمان بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے مگر اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عطا فرمائیں گے، تم اسے آخری ساعت میں عصر کے بعد تلاش کرو۔ یہ حدیث نسائی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

اور انہیں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حساب کے لیے پیش کرنے کے واسطے بھیجا جائے گا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تمام دنوں میں عرفہ کا دن افضل ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ کا روز افضل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ اختلاف و تضاد اس صورت میں ہے جب کہ مطلقاً یہ کہا جائے کہ دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ ہے یا اسی طرح کہا جائے کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے اور اگر دونوں اقوال کا مفہوم اس طرح لیا جائے کہ جو حضرات عرفہ کی افضیلت کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ سال میں سب سے افضل دن عرفہ ہے اور جو حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ سب سے افضل دن ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ دونوں اقوال میں کسی تطبیق اور تاویل کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح اور قابل قبول ہوں گے ہاں اگر حسن اتفاق سے عرفہ (نویں ذی الحجہ کی نویں تاریخ) جمعہ کے ہو جائے تو نُورٌ علیٰ نور کہ یہ دن مطلقاً تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل ہوگا۔ اور اس دن کیا جانے والا عمل تمام اعمال میں افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے خوش قسمتی سے اگر حج جمعہ کے روز ہوتا ہے تو اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ کیونکہ جو حج جمعہ کے دن ہوتا ہے وہ فضیلت و مرتبہ کے اعتبار سے جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں ادا ہونے والے ستر حجوں پر بھاری ہوتا ہے۔

اخراج آدم کا فضیلت جمعہ سے تعلق

جمعہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابن مسیبؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ نفل حج سے زیادہ محبوب ہے۔ فیہ اخرج منہا اس پر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت آدم کا جنت سے اخراج کا فضیلت جمعہ سے کوئی تعلق نہیں وجہ ظاہر ہے فضیلت کا متفرع ہونا تیسیر ہونا ہے جب کہ حضرت آدم جنت

۸۸۱- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأَيَّامُ فَعُرِضَ عَلَيَّ فِيْهَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ فَإِذَا هِيَ كَمِرْآةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا فِيْ وَسَطِهَا نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَقُلْتُ مَا هٰذِهِ قِيْلَ السَّاعَةُ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ.

۸۸۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مجھ پر دن پیش کیے گئے میرے سامنے ان میں جمعہ کا دن بھی پیش کیا گیا، بس اچانک وہ سفید شیشہ کی طرح تھا اور اس کے درمیان میں ایک سیاہ نقطہ تھا، میں نے کہا، یہ کیا ہے (جواباً) کہا گیا، وہ خاص گھڑی ہے:

یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

سے بطور عتاب کے نکالے گئے تھے علماء نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وفیہ اخرج منہا سے اس روز بڑے بڑے واقعات کے ظہور کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ان واقعات میں سے ایک واقعہ اخراج آدم بھی ہے جو اپنی جگہ بڑا واقعہ ہے۔

(۲) حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو دنیا میں ان کی وجہ سے خیر پھیلا ان کی پشت سے صالحین اور لاکھوں انبیاء پیدا ہوئے جن کی پیدائش اور پھر ذمہ داریاں اور کام سراسر خیر ہی خیر ہے۔ (معارف السنن ج ۴ ص ۴۰)

(۳) باب کی تیسری روایت ۸۷۷ عن ابی لبابہ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۰، ابن ماجہ ص ۷۷) کے بعض الفاظ کی توضیح عرض کی جاتی ہے کہ حدیث کے الفاظ وھو اعظم عند اللّٰہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن جمعہ سے افضل ہے یا فضیلت کے اعتبار سے یہ دونوں دن مساوی ہیں لیکن حضرت رزینؒ کی نقل کردہ روایت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ تمام دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے۔

وفیہ خمس (اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں) جمعہ کے فضائل کے بیان میں تحدید اور حصر کے لیے نہیں فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کی صرف یہی پانچ باتیں فضیلت کی ہیں بلکہ اس دن کی اور بھی ایسی باتیں ہیں جو فضیلت وعظمت کے اعتبار سے جمعہ کو تمام دنوں میں امتیاز بخشتی ہیں مثلاً منقول ہے کہ جنت میں حق تعالیٰ جل شانہٗ کی زیارت کا شرف بھی جمعہ کے دن حاصل ہوا کرے گا یا اسی طرح اور دوسری باتیں منقول ہیں۔

(۴) روایت ۸۷۸ عن عبد بن سلام (ابن ماجہ باب ما جاء فی الساعۃ التی ترجی فی الجمعہ) روایت (۸۷۹) عن ابی سعیدؓ وابی ھریرۃؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲) روایت ۸۸۰ عن جابر

۸۸۲۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَيْسَ بِتَارِكٍ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا غَفَرَ لَهٗ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۸۲۔ حضرت انس بن مالکؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ جمعہ کے دن مسلمانوں میں سے کسی کو بخشے بغیر نہیں چھوڑتے۔"

یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص۱۵۱) روایت (۸۸۱) عن انس بن مالکؓ (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۶۳) الغرض سب کا مدلول واضح ہے تاہم حضرت انس بن مالک کی روایت یہاں مختصر نقل ہوئی ہے تفصیلی واقعہ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اس شان سے کہ ایک آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اسی آئینہ کے وسط میں ایک سیاہ نقطہ تھا جو بالکل ممتاز تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا جبرئیل! یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟ اور یہ آئینہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے آپؐ نے فرمایا مزید کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جنت کے بالائی حصہ میں ایک میدان ہے جو بالکل سفید ہے اس کی گھاس درخت الغرض ہر چیز سفید اور شفاف ہے جبرئیل نے عرض کیا یہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزارہا برس مجھے گھومتے ہوئے ہو گئے ہیں مگر اب تک پوری طرح اس کی کنہ (حقیقت) کو نہیں پا سکا، پھر آپؐ نے دریافت فرمایا اس میدان کی غرض وغایت کیا ہوگی عرض کیا یہ دربار خداوندی منعقد ہونے کا موقع ہوگا انبیاء علیہم السلام کے نور کے منبر یہاں گول دائرے کی شکل میں بچھائے جائیں گے ہر نبیؐ کے منبر کے پیچھے امت کی کرسیاں ہوں گی اور وہ پورا میدان بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے بھر جائے گا کرسیاں اس شان سے ہوں گی کہ ایک کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہیں ہوگا بیچ میں حق تعالیٰ کی کرسی ہوگی خوش نصیبوں کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

بہرحال یہ جنت میں میدان مزید ہے ہفتہ میں ایک بار اجتماع ہوگا جب دربار ختم ہوگا تو اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرما دیں گے "جاؤ اپنے اپنے مقامات پر" دنیا میں اس دربار کی مثال جمعہ رکھا گیا۔

(۵) روایت ۸۸۲ (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۶۳) روایت ۸۸۳ عن سلمۃ بن عبدالرحمٰن (فتح الباری ج ۲ ص۲۷۰ کا معنی تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے۔

جمعہ کے روز میں ساعت اجابت | انما آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ اس ساعت اجابت

۸۸۳- وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَمَعُوْا فَتَذَاكَرُوا السَّاعَةَ الَّتِيْ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَتَفَرَّقُوْا وَلَمْ يَخْتَلِفُوْا أَنَّهَا آخِرُ سَاعَةٍ مِّنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ. رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ وَإِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۸۸۳۔ سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگوں نے جمع ہو کر اس گھڑی کے بارہ میں جو جمعہ کے دن ہوتی ہے، آپس میں بات چیت کی، پھر وہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے اس پر انہوں نے اختلاف نہیں کیا کہ وہ جمعہ کے دن میں سے آخری گھڑی ہے۔
یہ حدیث سعید بن ابی منصور نے اپنی سنن میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

کا احادیث باب کا بار بار ذکر آیا ہے امام ترمذی نے باب فی الساعۃ ترجی فی یوم الجمعۃ کے عنوان سے اس کے لیے مستقل ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اولاً تو علماء کا اس میں یہ اختلاف ہے کہ (الف) یہ ساعتِ اجابت حضور اقدس کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی (ب) جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ ساعت قیامت تک باقی ہے البتہ جمہور کا اس ساعتِ مبارک کی تعیین میں اختلاف ہے اس سلسلہ میں پینتالیس۴۵ سے پچاس اقوال تک نقل کئے گئے ہیں۔ (حاشیہ الکوکب الدری ج ا ص۱۹۶) امام ابن القیمؒ نے ان میں سے گیارہ مشہور اقوال نقل کئے ہیں پھر ان میں دو اقوال زیادہ مشہور ہیں جنہیں علامہ بنوری نے نقل کیا ہے

(۱) انہا بعد صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس اس قول کو امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اختیار کیا ہے وھذا ھو القول الخامس والثلاثون مما ذکرہ الحافظان فی شرحی الصحیح (العمدۃ ج ۳ ص۲۲۱ والفتح ج ۲ ص۳۴۲)

(۲) انہا بعد ان یجلس الامام الی ان تنقضی الصلوٰۃ اس قول کو شوافع حضرات نے اختیار کیا ہے وھو القول الخامس والعشرون فی ترتیب الحافظین فی الشرحین (معارف السنن ج ۴ ص۱۸)

دلائل وتطبیق قول اول کی دلیل ترمذی میں حضرت انسؓ کی حدیث باب ہے نیز سنن نسائی (ج ا ص۲۱۰، ۲۱۱) میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جس میں عبداللہ بن سلامؓ کا یہ قول مروی ہے "انی لاعلم تلک الساعۃ، فقلت ای قال ابوہریرۃ) یا اخی حدثنی بہا قال ھی اخر ساعۃ من یوم الجمعۃ قبل ان تغیب الشمس، فقلت الیس قد سمعت

بَابُ التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِهَا لِمَنْ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ

۸۸۴- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

باب - جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس کے جمعہ چھوڑنے پر سختی - ۸۸۴- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا یصادفها مومن وهو فی الصلاة ولیس تلك الساعة صلوٰة قال الیس قد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من صلی وجلس ینتظر الصلاة لم یزل فی صلاة حتی تاتیه الصلاة التی تلیها قلت بلی قال: فهو کذلك اھ

اور قول ثانی کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے "عن ابی بردة ابن ابی موسیٰ الاشعری قال قال لی عبداللہ بن عمر اسمعت اباك یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شان ساعة الجمعة قال قلت: نعم اسمعته یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: هی ما بین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰة" اھ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۱) نیز ترمذی ج ۱ ص ۱۹ میں حضرت عمرو بن عوفؓ کی حدیث باب سے بھی قول ثانی کی تائید ہوتی ہے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فی الجمعة ساعة لا یسأل اللہ العبد فیها شیئاً الا آتاه اللہ ایاه قالوا یا رسول اللہ ایة ساعة هی؟ قال حین تقام الصلوٰة الی الانصراف منها"

بہر حال دونوں قسم کی حدیثوں میں بعض حضرات نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے لیکن اکثر حضرات ان میں کسی ایک کی ترجیح کے قائل ہیں۔ فرجحت الشافعیة حدیث مسلم علی حدیث السنن ورجحت الحنفیة والحنابلة حدیث السنن۔ (مزید دلائل کے لیے معارف السنن ج ۴ ص ۳۰۹ ملاحظہ کیجئے۔)

بہر حال جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک تو دعا و ذکر کا اہتمام ہونا ہی چاہیئے، ساتھ ساتھ جمعہ کی نماز کے خطبہ سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک بھی اگر امکان دعا ہو اس کا اہتمام کر لینا چاہیئے۔

(۸۸۴ تا ۸۸۸) باب کی غرض انعقاد جمعہ کی فرضیت اور اس کے دلائل کا بیان ہے۔

جمعہ کی شرعی حیثیت جمعہ کی نماز حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک ہی نہیں بلکہ جمیع مسلمین کے نزدیک فرض ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت سے ثابت ہے حتی کہ اس کا منکر کافر ہے بلکہ ہمارے ائمہ نے تو تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے،

لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۸۵۔ وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ مِيْنَاءَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَاهُ اَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں " میں نے پختہ ارادہ کیا کہ کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں " لیکن عورتوں اور بچوں کی وجہ سے آپ نے شفقتاً ایسا نہیں فرمایا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۸۸۵۔ حکم بن مینا سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی لکڑیوں (زینوں) پر یہ فرماتے ہوئے سنا " قومیں جمعے چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، پھر وہ غافلین میں سے ہو جائیں گی " یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

کیوں کہ ہم کو جمعہ کے لیے فرض ظہر چھوڑنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے " یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الخ " " اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو "۔ اگر ذکر سے مراد نماز ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر خطبہ مراد ہے تو اس کا اہتمام مقصود ہے کہ ایسے وقت چلو کہ خطبہ بھی سن سکو۔ اور جب خطبہ سننا ضروری ہوا تو نماز بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت میں حق واجب ہے سوائے چار کے یعنی غلام، عورت، نابالغ اور بیمار کے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیحین کے مطابق ہے۔ تمیم داری کی حدیث میں بھی حق واجب ہے، اور مسافر کا بھی استثناء ہے۔ اور ترک جمعہ پر شدید مذمت وارد ہے حتیٰ کہ بلا عذر ترک کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

نماز جمعہ فرض عین یا فرض کفایہ پھر جمعہ کی نماز فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ علامہ خطابیؒ نے اس کی بابت اختلاف نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اکثر

۸۸۶- وَعَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ
أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ
اللّٰهُ عَلَى قَلْبِهِ- رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

۸۸۷- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثًا مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قَلْبِهِ رَوَاهُ
ابْنُ مَاجَةَ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

۸۸۶- ابو جعد الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور یہ صحابی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "جس نے تین جمعے معمولی سمجھتے ہوئے چھوڑ دیئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔"
یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۸۸۷- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص
نے بغیر مجبوری تین جمعے چھوڑ دیئے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔"
یہ حدیث ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فقہاء کے نزدیک جمعہ فرض کفایہ میں سے ہے اور امام شافعیؒ سے بھی کچھ ایسا ہی ذکر کیا ہے جس سے اس کا فرض
کفایہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور علامہ دمشقیؒ نے اس کو امام شافعی کا قول قدیم بتایا ہے۔

لیکن علامہ دارمیؒ کہتے ہیں کہ یہ حکایت بالکل غلط ہے، شیخ ابو اسحاق مروزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو امام شافعیؒ سے
حکایت کرنا جائز ہی نہیں، حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ خطابی کا یہ دعویٰ کہ اکثر فقہاء کے نزدیک جمعہ فرض کفایہ
ہے محل نظر ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ فرض عین ہے عن طارق بن شهاب قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة. رواه ابو داؤد، وفي رواية
ابي هريرة مرفوعا. ثم هذا يومهم الذي فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له. رواه البخاري، قال
الحافظ فان التقدير فرض عليهم وعلينا فضلوا وهدينا، وقد وقع في رواية سفيان عن ابي الزناد عند
مسلم بلفظ كتب علينا اھ ۱۲ یہ اور بات ہے کہ شرائط وجوب وادا ہر ایک کے یہاں جداگانہ ہیں۔ قال في
كتاب الرحمة في اختلاف الائمة اتفق العلماء على ان الجمعة فرض على الاعيان وغلطوا من
قال هي فرض كفاية۔

۸۸۷۔ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ طُبِعَ عَلٰی قَلْبِہٖ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْحَاکِمُ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۸۸۷۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے بغیر مجبوری تین بار جمعہ چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادیں گے۔"
یہ حدیث احمد اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

جمعہ کب شروع ہوا

فرضیت جمعہ کی ابتداء کب ہوئی؟ اکابر امت ہیں سے بجز حافظ ابن حجرؒ کے سب یہ کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا مگر وہاں چونکہ حضور علیہ السلام اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کھل کر آزادی سے نماز جماعت قائم نہیں کر سکتے تھے، اور جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ کھلی جگہ میں بلا کسی روک ٹوک کے تمام لوگ جمع ہو کر پڑھیں، اسی لیے قید خانہ یا کسی کے خاص محل ہیں جہاں لوگ آزادی سے جا کر شرکت نہ کر سکیں جمعہ درست نہیں، مکہ معظمہ میں ظاہر ہے ایسی آزادی اور خود مختاری حاصل نہ ہوئی تھی اس لیے وہاں جمعہ قائم نہ ہو سکا تھا، پھر حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کے قریب قبا میں ٹھہرے اور جمعہ کے دن مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلا جمعہ آپؐ نے مسجد بنی سالم میں پڑھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جمعہ کہاں فرض ہوا اس میں اختلاف ہے اور اکثر نے اس کو مدینہ میں قرار دیا ہے، اور آیت سورہ جمعہ "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" سے بھی یہی معلوم ہوا کہ وہ مدینہ میں فرض ہوا کیونکہ یہ سورت مدنی ہے، اور شیخ ابو حامدؒ کی یہ بات قابل تعجب ہے کہ انہوں نے اس کی فرضیت کہ معظمہ میں بتلائی۔

حافظؒ نے جو قول ابی حامد کو غریب کہا وہ اس لیے غریب نہیں کہ ایسی مثالیں شریعت میں موجود ہیں کہ آیات قرآنیہ کا نزول بعد میں ہوا اور عمل پہلے سے شروع ہو گیا تھا جیسے فرضیت وضو کی آیت بھی بعد کو مدنی سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی اور عمل پہلے سے ہی مکہ معظمہ میں ہو رہا تھا۔

اکابر مفسرین اور علماء امت نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ جمعہ کے بارے میں آیت مذکورہ مدینہ میں اتری اور جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا، اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی ہجرت سے قبل ہی اہل مدینہ کو حکم بھیج دیا کہ وہ جمعہ قائم کرلیں، چنانچہ طبرانی و دار قطنی میں ہے کہ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تحریر بھجوادی کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد

بَابُ عَدَمِ وُجُوْبِ الْجُمُعَةِ عَلَى الْعَبْدِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْمَرِيْضِ

٨٨٩. عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ

باب ۔ غلام، عورتوں، بچوں اور بیمار پر جمعہ واجب نہ ہونا۔ ٨٨٩۔ طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر جماعت میں مگر چار شخصوں پر، بندہ

دو رکعت نماز جمعہ پڑھ کر حق کا تقرب حاصل کرو، حضرت مصعبؓ نے مدینہ طیبہ میں بارہ آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی تھی، اور مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوا کہ اس سے بھی پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ نے بنی بیاضہ کے علاقہ میں چالیس آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی تھی (انوار)

احادیث الباب کی تشریح

باب ہذا کی تمام روایات بھی فرضیت جمعہ کے دلائل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت ٨٨٤ عن عبداللہ (مسلم ج ۱ ص ٢٣٢) میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو بلا کسی عذر اور مجبوری کے نماز جمعہ نہیں پڑھتے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور نماز جمعہ کبھی بھی نہ چھوڑیں۔

(۲) روایت ٨٨٥ (عن الحکم بن میناء (مسلم ج ۱ ص ٢٨٣) کی مراد یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز مقرر ہے یا تو نماز جمعہ کو نہ چھوڑنا یا دلوں پر مہر لگ جانا اگر لوگ نماز جمعہ نہیں چھوڑیں گے تو ان کے دلوں پر مہر نہیں لگے گی اور اگر چھوڑ دیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگادی جائے گی "دلوں پر مہر لگانا" اس سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت لوگوں کے دلوں کو انتہائی غفلت میں مبتلا کر دے گا اور انہیں نصیحت و بھلائی قبول کرنے سے باز رکھے گا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ان کے حق میں یہی نکلے گا کہ ایسے لوگ خدا کے سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۳) روایت ٨٨٦ (عن ابی الجعد الضمری (ابوداؤد ج ۱ ص ١٥٢ نسائی ج ۱ ص ٢٠٣ مسند احمد ج ٣ ص ٤٢٥) روایت ٨٨٧ (عن جابر (ابن ماجہ ج ص ٨٠) اور روایت ٨٨٨ (عن ابی قتادہ (مسند احمد ج ٥ ص ٣٠٠ مستدرک حاکم ج ۱ ص ٢٨٠) کا مضمون واضح اور استدلال بیان ہے۔

(٨٨٩) اس حدیث سے متعلق بحث گزشتہ صفحات میں عرض کر دی گئی ہے۔

الجمعۃ حق ۔ جمعہ حق ہے ۔ یعنی جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ذریعہ ثابت ہے

وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَۃٍ اِلَّا اَرْبَعَۃً عَبْدٌ مَّمْلُوْکٌ اَوِ امْرَاَۃٌ اَوْ صَبِیٌّ اَوْ مَرِیْضٌ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَاِسْنَادُہٗ مُرْسَلٌ جَیِّدٌ۔

جو غلام ہو، عورت، بچہ یا بیمار" یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

اسی طرح "واجب ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر علاوہ مذکورہ اشخاص کے جمعہ کی نماز باجماعت فرض ہے۔

مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں

غلام چونکہ دوسرے کی ملکیت اور تصرف میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر جمعہ فرض نہیں کیا گیا۔ عورت پر جمعہ اس لیے فرض نہیں ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے ذمہ خاوند کے حقوق اتنے زیادہ متعلق ہیں کہ نماز جمعہ میں شمولیت اُن کی ادائیگی سے مانع ہوگی، بلکہ جمعہ کی نماز میں چونکہ مردوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے اس لیے نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت بہت سے فتنہ و فساد کا موجب بن سکتی ہے۔ بچہ چونکہ غیر مکلف ہے اس لیے اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح مریض پر اس کے ضعف و ناتوانی اور دفع ضرر کے سبب جمعہ فرض نہیں ہے۔ لیکن مریض سے مراد وہ مریض ہے جو کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے جمعہ میں حاضر ہونا دشوار و مشکل ہو۔

ان کے علاوہ دوسری احادیث سے جن لوگوں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا ثابت ہے ان میں دیوانہ بھی ہے جو بچہ کے حکم میں ہے ایسے ہی مسافر، اندھے اور لنگڑے پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا بوڑھا جس کو ضعف و ناتوانی لاحق ہو بیمار کے حکم میں ہے اس لیے اس پر اور اس معذور پر بھی جو اپنے پیروں پر چل سکنے پر قادر نہ ہو جمعہ فرض نہیں ہے نیز ایسے تیماردار پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے جس کے جمعہ میں چلے جانے کی وجہ سے بیمار کی تکلیف و وحشت بڑھ جانے یا اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو۔

وجوب جمعہ کے شرائط

احناف کے یہاں وجوب جمعہ کے لیے بھی چھ شرطیں ہیں (۱) اقامت، مسافر پر واجب نہیں، کیونکہ بیہقی نے حضرت تمیم داریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "الجمعۃ واجبۃ الا علی صبی او مملوک او مسافر وزاد الطبرانی فیہ المراۃ والمریض، ورواہ ایضا ابن ابی حاتم فی العلل، اسی طرح حافظ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "من کان یومن باللہ والیوم الاخر فعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ الا علی مریض او مسافر او امراۃ او صبی او مملوک اھ" (قال النووی سندہ ضعیف، فی الجوھر النقی ابن لھیعۃ وھو متکلم فیہ ومعاذ بن محمد الانصاری لا یعرف) امام بخاریؒ نے "باب المشی الی الجمعۃ"

بَابُ اَنَّ الْجُمُعَۃَ غَیْرُ وَاجِبَۃٍ عَلَی الْمُسَافِرِ

۸۹۰۔ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَبْصَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَجُلًا عَلَیْہِ ھَیْئَۃُ السَّفَرِ فَسَمِعَہٗ یَقُوْلُ لَوْلَا اَنَّ الْیَوْمَ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ لَخَرَجْتُ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اُخْرُجْ فَاِنَّ الْجُمُعَۃَ لَا تَحْبِسُ عَنِ السَّفَرِ۔ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ فِیْ مُسْنَدِہٖ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

بَابُ عَدَمِ وُجُوْبِ الْجُمُعَۃِ عَلٰی مَنْ کَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ

۸۹۱۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ

باب۔ جمعہ مسافر پر واجب نہیں۔ ۸۹۰۔ اسود بن قیس سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس پر سفر کی حالت تھی، اسے یہ کہتے ہوئے سنا۔ اگر آج دن جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں سفر کے لئے نکلتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جاؤ بلاشبہ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ یہ حدیث شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جو شخص شہر سے باہر ہو اس پر جمعہ واجب نہ ہونا۔ ۸۹۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ

ہیں امام زہری نے مسافر کے لیے بھی حضور جمعہ کو لکھا ہے۔ لیکن علامہ عینی نے ان کا دوسرا قول عدم وجوب نقل کیا ہے۔ اسی پر ابن المنذر نے علماء کا اجماع ذکر کیا ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک مسافر پر جمعہ نہیں ہے۔ پس امام زہری کے پہلے قول سے مراد حضور جمعہ بطور استحباب ہے اور دوسرے سے مقصد نفی وجوب ہے۔

۲۔ ذکورۃ یعنی مرد ہونا (۳) صحت بدن (۴) حریت یعنی آزاد ہونا (۵) بلوغ۔ پس عورت بیمار، عبد مملوک اور بچے پر جمعہ واجب نہیں (۶) عقل۔ پس مجنون پر بھی جمعہ واجب نہیں کیونکہ جس کے ساتھ خطاب ہے وہ اہل وجوب میں سے نہیں رہا۔

(۸۹۰) علی اسود بن قیس (مسند شافعی ج ۱ ص ۱۳۱) کا مدلول واضح ہے کہ مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۸۹۱ تا ۸۹۵) شہر سے باہر اہل دیہات پر جمعہ فرض نہیں جاہیں تو شہر میں آکر نماز جمعہ پڑھ لیں

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۸۹۲۔ وَعَنْ حُمَيْدٍ قَالَ كَانَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قَصْرِهٖ اَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَاَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ۔ رَوَاهُ مُسَدَّدٌ فِيْ مُسْنَدِهِ الْكَبِيْرِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مُعَلَّقًا وَزَادَ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلٰى فَرْسَخَيْنِ۔

۸۹۳۔ وَعَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَجَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ وَقَالَ اِنَّهٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ الْعَالِيَةِ اَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهٗ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاَضَاحِيْ۔

۸۹۴۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى جُمُعَةٌ اِنَّمَا الْجُمَعُ

مؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”لوگ اپنے ٹھکانوں اور اردگرد کی بستیوں سے جمعہ کے لیے آتے تھے“ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۸۹۲۔ حمید نے کہا ”حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں تھے، کبھی جمعہ پڑھ لیتے اور کبھی جمعہ نہ پڑھتے“ یہ حدیث مسدد نے اپنی مسند کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ اس روایت کو بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا اور یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں ”اور وہ دو فرسخ (سولہ کلو میٹر تقریباً) کے فاصلہ پر زاویہ (جگہ کا نام) میں تھے“

۸۹۳۔ ابو عبید مولی ابن ازہر نے کہا ”میں عید پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (نماز عید کے لیے) حاضر ہوا، انہوں نے آکر نماز پڑھائی، پھر سلام پھیر کر خطبہ دیا اور کہا ”بلاشبہ تمہارے اس دن تمہارے لیے دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، اردگرد کی بستی والوں میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہتا ہے، اسے انتظار کرنا چاہیے۔ اور جو جانا چاہتا ہے تو میں نے اُسے اجازت دے دی ہے“
یہ حدیث مالک اور بخاری نے کتاب الاضاحی میں نقل کی ہے۔

۸۹۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”دیہات والوں پر جمعہ نہیں، بلاشبہ جمعہ مدائن جیسے شہر والوں

پنے ہاں ظہر کی نماز ادا کرلیں۔ باب ہذا کی احادیث کا مضمون یہی ہے روایت ۸۹۱ عن عائشہؓ (بخاری ج ۱

عَلَى اَهْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلَ الْمَدَائِنِ - رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ -

۸۹۵ - وَعَنِ الشَّافِعِيِّ قَالَ وَقَدْ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَكُوْنَانِ بِالشَّجَرَةِ عَلَى اَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ اَمْيَالٍ يَشْهَدَانِ الْجُمُعَةَ وَيَدَعَانِهَا وَكَانَ يَرْوِيْ اَنَّ اَحَدَهُمَا كَانَ يَكُوْنُ بِالْعَقِيْقِ يَتْرُكُ الْجُمُعَةَ وَيَشْهَدُهَا وَكَانَ يَرْوِيْ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ عَلَى مِيْلَيْنِ مِنَ الطَّائِفِ يَشْهَدُ الْجُمُعَةَ وَيَدَعُهَا - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ بِاِسْنَادِهٖ اِلَى الشَّافِعِيِّ -

بَابُ اِقَامَةِ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرٰى

۸۹۶ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ فِي الْاِسْلَامِ بَعْدَ

پر ہے" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل ہے۔

۸۹۵ - شافعی نے کہا" حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں (مقام) شجرہ (جو کہ) چھ میل سے کم فاصلہ پر ہے، پر رہتے تھے، دونوں جمعہ کے لیے آجاتے اور کبھی اُسے چھوڑ دیتے۔ اور (امام شافعیؒ) یہ بھی روایت کرتے کہ ایک ان میں سے (مقام) عقیق پر رہتا تھا، جمعہ چھوڑ بھی دیتا اور جمعہ کے لیے آبھی جاتا، اور وہ یہ بھی روایت کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طائف سے دو میل کے فاصلہ پر تھے، جمعہ کے لیے آبھی جاتے اور اُسے چھوڑ بھی دیتے"

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں شافعیؒ تک اپنی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے۔

باب . دیہات میں جمعہ قائم کرنا - ۸۹۶ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا" جس جمعہ مدینہ منورہ میں رسول

مسلم ج ۱ صفحہ ۲۸۰) کا مطلب یہ ہے ایک جمعہ پر ایک شخص آجایا کرتا تھا دوسرے جمعہ پر دوسرا اکٹھے ہو کر نہیں آتے تھے اگر جمعہ ان پر فرض ہوتا تو سب لوگ آتے اور کوئی پیچھے نہ رہتا روایت ۸۹۲ عن حمید (فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۶۰) روایت ۸۹۳ (موطا امام مالک صفحہ ۱۲۵ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۳۵) روایت ۸۹۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۱۰۱) روایت ۸۹۵ وعن الشافعی (رواہ البیہقی) کا مضمون لفظی ترجمہ سے واضح ہے۔

(۸۹۶ تا ۸۹۹) جمعہ فی القریٰ کی بحث مہمات مسائل میں سے ہے۔

جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ لَجُمُعَةٌ جُمِّعَتْ بِجُوَاثَا قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الْبَحْرَيْنِ قَالَ عُثْمَانُ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى عَبْدِ الْقَيْسِ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ قَوْلُهُ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى الْبَحْرَيْنِ أَوْ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى عَبْدِ الْقَيْسِ تَفْسِيْرٌ مِنْ جِهَةِ الرَّاوِيْ لَا مِنْ كَلَامِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالْقَرْيَةُ قَدْ تُطْلَقُ عَلَى الْمُدُنِ وَكَانَتْ بِجُوَاثَا بَعْضُ آثَارِ الْمَدِيْنَةِ وَقَدْ قَالَ أَبُوْ عُبَيْدٍ الْبَكْرِيُّ فِيْ مُعْجَمِهِ هِيَ مَدِيْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ لِعَبْدِ الْقَيْسِ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ کی نماز قائم کی گئی، اس کے بعد اسلام میں سب سے پہلا وہ جمعہ ہے جب جواثا میں جمعہ کی نماز قائم کی گئی (جواثا) بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے، عثمان نے کہا، وہ (قبیلہ) عبدالقیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نیموی نے کہا اس کی یہ بات کہ (جواثا) بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے یا عبدالقیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ راوی کی طرف سے تفسیر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام نہیں اور قریہ کا لفظ کبھی شہر پر بھی بولا جاتا ہے اور جواثا میں شہر کے کچھ آثار تھے، ابوعبید البکری نے اپنی معجم میں کہا ہے کہ بحرین عبدالقیس کا ایک شہر ہے۔

بیان مذاہب

(۱) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مصر اور قریہ میں جمعہ درست ہے تاہم امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں کوئی صریح قول منقول نہیں ہے۔

(۲) امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ درست ہے غیر مقلدین کا اسی پر عمل ہے بلکہ وہ تو اس مسئلہ میں انتہائی غلو سے کام لیتے ہیں وہ صرف گاؤں بلکہ جنگل میں بھی جمعہ کے قائل ہیں۔

(۳) ائمہ احنافؒ کے نزدیک صحتِ جمعہ کے لیے مصر (یا قریۂ کبیرہ) شرط ہے دیہات وغیرہ میں جمعہ جائز نہیں پھر مصر کی تحدید یا تعیین میں علماء احنافؒ کا آپس میں قدیماً وحدیثاً اختلاف ہے بلکہ خود ہمارے علماء دیوبند کا بھی اس میں اختلاف ہے (الف) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ دیگر شرائط کے علاوہ مردم شماری کے لحاظ سے کم وبیش تین ہزار کی آبادی ہو (ب) مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آبادی تو ڈیڑھ ہزار ہو مگر ضروریات زندگی پائے جاتے ہوں مثلاً ڈاک خانہ، سکول، ہسپتال، آٹے

۸۹۷- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ اَبِيْهِ بَعْدَمَا ذَهَبَ بَصَرُهٗ عَنْ اَبِيْهِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَحَّمَ لِاَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ فَقُلْتُ لَهٗ اِذَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ تَرَحَّمْتَ لِاَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا فِيْ هَزْمِ النَّبِيْتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِيْ بَيَاضَةَ فِيْ نَقِيْعٍ يُقَالُ لَهٗ نَقِيْعُ الْخَضَمَاتِ قُلْتُ كَمْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ اَرْبَعُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَاٰخَرُوْنَ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ وَلِابْنِ مَاجَةَ فِيْهِ قَالَ يَا بُنَيَّ كَانَ اَوَّلَ مَنْ جَمَّعَ بِنَا صَلٰوةَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اِنَّ تَجْمِيْعَهُمْ هٰذَا كَانَ بِرَأْيِهِمْ قَبْلَ اَنْ تُشْرَعَ الْجُمُعَةُ لَا بِاَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ مُرْسَلُ ابْنِ سِيْرِيْنَ اَخْرَجَهٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ۔

۸۹۷- عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور یہ اپنے والد کی نظر ختم ہونے کے بعد ان کے قائد (رہنما یا لاٹھی پکڑ کر مطلوبہ مقام پر لے جانے والے) تھے، اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ وہ جب جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارۃ کے لیے ترحم (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے، میں نے ان سے کہا جب آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہمیں حرۃ بنی بیاضہ کے ہزم النبیت کے نقیع میں جسے نقیع الخضمات کہا جاتا ہے (ایک مقام کا نام ہے) جمعہ پڑھایا۔ میں نے کہا تم اس دن کتنے تھے، انہوں نے کہا چالیس (آدمی)۔
یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے، حافظ نے تلخیص میں کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔
اور ابن ماجہ میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں، انہوں نے کہا "اے بیٹے! پہلا وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے سے پہلے ہمیں جمعہ پڑھایا"۔
نیموی نے کہا ان کا جمعہ پڑھانا جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے ان کی اپنی رائے سے تھا، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جیسا کہ اس پر ابن سیرینؒ کی مرسل روایت دلالت کرتی ہے جسے عبدالرزاق نے نقل کیا ہے۔

کی مشینیں، دکانیں، موچی، کمہار، لوہار، دھوبی وغیرہ اور ایک سے زائد مسجدیں ہوں تو جمعہ درست ہے

۳۵   ٨٩٨ - وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَّعَ أَوَّلَ جُمُعَةٍ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فِيْ مَسْجِدِ بَنِيْ سَالِمٍ فِيْ مَسْجِدِ عَاتِكَةَ - رَوَاهُ عُمَرُ بْنُ شَبَّةَ فِيْ أَخْبَارِ الْمَدِيْنَةِ وَلَمْ أَقِفْ عَلٰى إِسْنَادِهٖ -

---

٨٩٨ - حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بنی سالم کی مسجد، مسجدِ عاتکہ میں پہلا جمعہ پڑھایا۔

یہ حدیث عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد پر مطلع نہیں ہوا۔

قال النیموی ان تجمیعھم سے اسی جانب اشارہ ہے۔

تاہم تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کلی طور پر کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہو تو وہاں نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔

قائلین الجمعۃ فی القریٰ کے دلائل اور حنفیہ کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ میں "فاسعوا" مطلق ہے اس میں مصر و قریہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا جمعہ ہر جگہ جائز ہے۔ حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں سعی الی الجمعہ کو نداء پر موقوف کیا ہے اور اس میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ نداء کہاں ہونی چاہیئے اور کہاں نہیں؟ اور جب قریہ میں نداء نہیں ہوگی تو سعی بھی واجب نہ ہوگی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا استدلال

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے چنانچہ جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "اوثق العریٰ فی الجمعۃ فی القریٰ" آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ارشاد فرمایا "بھئی میں زیادہ تو جانتا نہیں لیکن اتنا کہتا ہوں کہ گاؤں میں جمعہ کا عدم جواز قرآن مجید سے ثابت ہے دیکھو فرمایا گیا ہے "یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ" اس میں جمعہ کے لیے سعی کا حکم دیا گیا ہے جس کے معنی ہیں دوڑنا اور لپک کر چلنا سعی کی نوبت وہیں آسکتی ہے جہاں لمبی مسافت طے کرنی ہو اور گاؤں میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا گیا "وذروا البیع" یعنی خرید و فروخت چھوڑ دو، معلوم ہوا کہ جمعہ کا حکم ایسی جگہ کے لیے جہاں

قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنْ أَهْلِ التَّارِيْخِ وَالسِّيَرِ اخْتَارُوْا مَا فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ لٰكِنَّهٗ يُعَارِضُ بِمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى نَزَلَ بِهِمْ فِيْ بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ وَذٰلِكَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَقَامَ فِيْهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَبَنُوْ سَالِمٍ كَانَتْ مَحَلَّةً مِّنْ مَّحَلَّاتِ الْمَدِيْنَةِ بِشَيْءٍ مِّنَ الْفَصْلِ۔

نیموی نے کہا، سیرت نگاروں اور مورخین میں بہت سے حضرات نے اس بات کو اختیار کیا ہے جو اس حدیث میں ہے، لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو بخاری نے ایک روایت میں نقل کی ہے (بخاری کے الفاظ یہ ہیں) یہاں تک آپ ان کے پاس بنی عمرو بن عوف میں اترے اور یہ ربیع الاول کے سوموار کا دن تھا اور ایک روایت میں ہے، تو آپ نے ان میں چودہ رات قیام فرمایا۔

نیموی نے کہا، اور بنو سالم مدینہ منورہ کے محلوں میں سے کچھ فاصلہ پہ ایک محلہ تھا۔

کوئی بڑا بازار اور منڈی وغیرہ ہو اور لوگ وہاں خرید و فروخت کے معاملات میں بہت زیادہ مصروف و منہمک ہوں گاؤں میں ایسی مصروفیت کے بازار کہاں!

آگے فرمایا گیا ہے "فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ" یعنی بعد نماز زمین میں پھیل کر اپنے ذرائع آمدنی اور دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کا حکم ہے اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایسے مقام پر اس سلسلہ کے مشاغل کثیر تعداد میں اور بہت پھیلے ہوئے ہونے چاہئیں"

(۲) باب ہٰذا کی پہلی روایت (۲۹۹) جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جسے امام ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص۱۵۳ میں نقل کیا ہے۔

حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ

(ا) لفظ قریہ راوی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ یہی روایت بخاری ج ۱ ص۱۲۲ میں ہے۔ اس میں یہ لفظ نہیں۔ اور ج ۲ ص۶۲۸ میں ہے۔ اس میں یہ لفظ ہیں: یعنی قریۃ من قری البحرین اور ابوداؤد ج ۱ ص۱۵۳ میں ہے: قال عثمان (راوی): قریۃ من قری عبد القیس۔

(ب) لفظ قریہ مصر پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ (پ۵)

۸۹۹- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ كَتَبُوا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَسْأَلُونَهُ عَنِ الْجُمُعَةِ فَكَتَبَ جَمِّعُوا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ. رَوَاهُ أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ هٰذَا الْأَثَرُ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۸۹۹- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا، اُن سے جمعہ کے بارہ میں پوچھا، تو حضرت عمرؓ نے لکھا، جہاں بھی ہوں جمعہ پڑھیں۔"
یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ، سعید بن منصور، ابن خزیمہ اور بیہقی نے نقل کی ہے اور کہا کہ یہ اثر اس کی اسناد حسن ہے۔

مراد اس سے مکہ ہے۔ دوسری جگہ ہے: وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ (پ۱۳) مراد اس سے مصر ہے۔ تیسری جگہ ہے: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (پ۲۵) مراد اس سے مکہ و طائف ہیں۔

(د) زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں: والعرب تسمى المدينة قرية اور قاموس ج ۴ صفحہ ۲۱۳ میں ہے: القرية المصر الجامع اور تاج العروس ج ۱۰ صفحہ ۲۹۲ میں ہے: وتقع على المدن وغيرها اور کفایۃ المتحفظ صفحہ ۸ میں ہے: ويقع على المدن وغيرها۔ امام بیہقیؒ سنن الکبریٰ ج ۳ صفحہ ۱۷۹ میں لکھتے ہیں: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الجمعة واجب على كل قرية وان لم يكن فيها الا اربعة يعني بالقرى المدائن۔ امام بیہقیؒ نے بھی قریٰ کو امصار تسلیم کیا ہے۔

(ذ) جواثی تجارتی منڈی اور فوجی چھاؤنی تھی۔ علامہ ماردینی الجوہر النقی ج ۲ صفحہ ۱۷۸ میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک منڈی تھی۔ صراح صفحہ ۳۳ میں ہے جواثی نام ہے، حصن لبحرين۔ اسی طرح بلاذریؒ نے فتوح البلدان صفحہ ۹۱ میں لکھا ہے۔ امام نوویؒ شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ وہاں قید خانہ بھی تھا اور اشعار نقل کیے ہیں۔ تعود فی جواثی محاصرینا... الخ تو جو مقام تجارتی منڈی، فوجی چھاؤنی، قلعہ ہو اس میں قید خانہ بھی ہو اور جس میں تمام علامات مصر پائی جائیں تو لازماً وہ مصر ہے۔

(ر) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں۔
"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو جس دن پہنچے وہ جمعہ کا دن تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جمعہ مدینہ منورہ میں بنو سالم میں پڑھا، اس پر

قَالَ الْعَيْنِيُّ مَعْنَاهُ جَمِّعُوْا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ مِنَ الْاَمْصَارِ اَلَا تَرٰی اَنَّهَا لَا تَجُوْزُ فِي الْبَرَارِيِّ۔

قَالَ وَفِي الْبَابِ اٰثَارٌ اُخْرٰی لَا تَقُوْمُ بِمِثْلِهَا الْحُجَّةُ۔

عینی نے کہا، اس کا معنی یہ ہے کہ شہروں میں جہاں بھی تم ہو جمعہ ادا کرو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جنگلات میں جمعہ جائز نہیں (اگر حضرت عمرؓ کے کہنے کے مطابق ہر جگہ جمعہ ہوتا، تو جنگلات میں بھی جائز ہونا چاہیے تھا)۔

(نیموی نے کہا) اور اس باب میں دوسرے آثار بھی ہیں ان جیسے آثار سے دلیل قائم نہیں ہوتی۔

محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے اور قبا میں چودہ یا چوبیس دن قیام فرمایا، مگر ان ایام میں وہاں جمعہ نہیں پڑھا اور سب سے پہلے مسجد نبوی کے بعد جو جمعہ پڑھا گیا وہ جواثی میں جو قریۃ من قری البحرین ہے اور اتنی مدت میں کتنے گاؤں مسلمان ہوئے مگر کہیں جمعہ نہیں پڑھا گیا، اب چونکہ باوجود بہت سارے گاؤں وغیرہ مسلمان ہو جانے کے پھر بھی قبا اور ان گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا گیا، یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں، البتہ اس زمانے کے اہل حدیث جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں (تقریر بخاری ج ۳ صفحہ ۱۵۹، ۱۵۷)

(۱) وقال النیموی: امام نیمویؒ نے متعدد اصحاب سیر کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ یہ شہر زمانہ جاہلیت ہی سے تجارت کا بڑا مرکز اور منڈی تھا۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت (۷۵۸) عن عبد الرحمٰن بن کعب (ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۵۲) سے قائلین جواز استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس آدمیوں کی بستی میں جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔
حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ یہ کارروائی صحابہ کرامؓ نے اپنی مرضی سے کی تھی حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۹۲ میں فرماتے ہیں جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل ان تنزل الجمعة بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ مدینہ کا دور افتادہ محلہ تھا۔

علاوہ ازیں مصنف عبد الرزاق (ج ۱ صفحہ ۱۵۹) میں صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرین سے تفصیل سے روایت منقول ہے۔

جس میں یہ تصریح ہے کہ یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا جب کہ اس وقت تک جمعہ کے احکام بھی نازل نہ ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے استدلال درست نہیں۔

بَابُ لَا جُمُعَةَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ

۹۰۰ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ فِیْ حَجَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَتٰی عَرَفَۃَ

باب - جمعہ صرف بڑے شہر میں ہے۔ ۹۰۰ - حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے سلسلہ میں ایک لمبی حدیث میں کہا " تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، یہاں تک آپ عرفہ میں تشریف لائے، تو آپ نے ایک قبہ دیکھا جو آپ کے لیے دھاری دار چادر سے بنایا گیا،

---

(۴) باب ہذا کی روایت (۸۹۸) عن کعب بن عجرۃ بھی قائلین جواز کا مستدل ہے جس میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ قبا سے آتے ہوئے محلہ بنی سالم میں ادا کیا ہے اور یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔

قال النیموی ان کثیرا سے اس کے جواب میں امام نیموی فرماتے ہیں کہ محلہ بنی سالم مدینہ طیبہ کے مضافات میں داخل تھا گویا اس میں جمعہ پڑھنا مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ سیرت کی کتابوں میں " اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ کے الفاظ آتے ہیں۔

(۵) باب ہذا کی آخری روایت (۸۹۹) عن ابی ھریرۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۰۱) قائلین جواز کا مستدل ہے جس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو سرکاری چٹھی میں لکھا کہ ان جمعوا حیث ما کنتم۔

قال العینی سے مصنف نے جواب دیا ہے کہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں لفظ حیث یہاں اپنے ظاہری عموم پر محمول نہیں ہے کیونکہ ظاہری عموم کا تقاضا یہ ہے کہ صحراؤں میں بھی جمعہ جائز ہو حالانکہ اس کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے لہذا یہ حکم حکام اور عمال کو تھا جو عموماً شہروں اور مرکزی مقامات میں رہتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل کے لیے اوثق العری للشیخ گنگوہیؒ اور احسن القری للشیخ الہند کا مطالعہ بہت نافع ہے۔

۹۰۰ تا ۹۰۳ اس باب کی تمام روایات حنفیہ کا مستدل ہیں۔

قائلین عدم جواز الجمعۃ فی القری کے دلائل

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت (۹۰۰) مسلم کتاب الحج ج ۱ ص ۳۹۶ میں اس

فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ إِلٰى أَنْ قَالَ ثُمَّ أَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

آپ اس میں تشریف فرما ہوگئے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا آپ نے قصواء (آپ کی اونٹنی) کے بارہ میں فرمایا تو آپ کے لیے اس پر کجاوہ ڈالا گیا آپ بطن وادی میں تشریف لائے، پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا، یہاں تک کہ حضرت جابرؓ نے کہا، پھر اذان کہی، پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔ نیموی نے کہا اور یہ جمعہ کا دن تھا۔

بات کی تصریح ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا اور اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں جمعہ ادا نہیں فرمایا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت (۹۰۱) بھی احناف کی دلیل ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب الجمعہ ج ۱ صـ۱۲۲ میں نقل کیا ہے۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ جمعہ سنہ ۱ھ میں (بلکہ اس سے قبل ہی) فرض ہو چکا تھا اور جواثی میں بنو عبد القیس کا جمعہ پڑھنا سنہ ۸ھ کے بعد کا واقعہ ہے، کیوں کہ بنو عبد القیس نے اقامت جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آنے کے بعد کی تھی اور بنو عبد القیس کا وفد فرضیت حج کے بعد آیا ہے چنانچہ مسند احمد میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو احکام دیئے ان میں حج کا حکم بھی شامل تھا اور حج کی فرضیت سنہ ۶ھ میں ہوئی اور اصحاب سیر نے وفد عبد القیس کی آمد سنہ ۸ھ میں بتائی ہے لہذا جواثی میں جمعہ کی اقامت سنہ ۸ھ کے بعد یا کم از کم سنہ ۶ھ کے بعد ہوئی۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ان چھ یا آٹھ سال کی مدت میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت کے مطابق مسجد نبوی کے سوا کسی بھی جگہ جمعہ قائم نہیں ہوا حالانکہ سنہ ۸ھ تک اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا، بے شمار بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھیں اور سنہ ۷ھ میں تو خیبر بھی فتح ہو چکا تھا اس طویل مدت میں مسجد نبوی کے سوا کسی اور جگہ جمعہ کا قائم نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں۔

۹۰۱ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ -

قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ هٰذَا الْأَثَرَ يُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّ الْجُمُعَةَ تَخْتَصُّ بِالْمُدُنِ كَالْمَدِيْنَةِ وَجُوَاثَى وَلَا تَجُوْزُ فِي الْقُرٰى -

۹۰۲ - وَعَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا تَشْرِيْقَ وَلَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ - رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَهُوَ أَثَرٌ صَحِيْحٌ -

۹۰۳ - وَعَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُمَا قَالَا الْجُمُعَةُ فِي الْأَمْصَارِ رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ -

---

۹۰۱ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ کے بعد سب سے پہلے بحرین کے جواثی (جگہ کا نام) میں مسجد عبدالقیس میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی " یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا، اس اثر سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جمعہ مدینہ اور جواثا جیسے شہروں کے ساتھ خاص ہے دیہات میں جائز نہیں۔

۹۰۲ - ابو عبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، " جمعہ، تشریق جامع مسجد کے سوا درست نہیں " یہ حدیث عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور یہ اثر صحیح ہے۔

۹۰۳ - حسن بصری اور محمد ابن سیرین نے کہا " جمعہ شہروں میں ہے " یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۳) باب ہذا کی تیسری روایت (۹۰۲) عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علی (مصنف عبدالرزاق ج ۳ صفحہ ۱۶۸) میں تصریح ہے کہ لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع اور بخاری ج ۱ صفحہ ۱۲۲ حاشیہ ۸ میں اس حدیث کو بسند صحیح قرار دیا گیا ہے یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

(۴) باب کی آخری روایت (۹۰۳) عن الحسن و محمد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۱۰۱) میں کا فتویٰ ہے کہ

بَابُ الْغُسْلِ لِلْجُمُعَةِ

۹۰۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

باب۔ جمعہ کے لیے غسل۔ ۹۰۴۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ "تم میں سے کوئی جب جمعہ پڑھنے کے لیے آئے تو اُسے غسل کر لینا چاہیے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

جمعہ صرف شہروں میں ہے۔

(۵) حضرت عمرؓ نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے فتح کیے اور جمعہ صرف ۹۰۰ مقامات پر جاری فرمایا اگر ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ جائز ہوتا تو جمعہ ہزاروں جگہ ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں در زمان خلافتِ وے (حضرت عمرؓ) سی و شش ہزار بالوالبع آں مفتوح شد و چہار ہزار مسجد ساختہ گشت و نہ صد منبر بر جنوب محاریب جوامع بجہتہ خطبہ جمعہ بنا کردند۔

(۹۰۴ تا ۹۰۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کو جمعہ کے آداب سے قرار دیا ہے البتہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ غسل واجب ہے سنت مؤکدہ ہے یا مستحب۔

بیانِ مذاہب

(۱) ظاہریہ اس کے وجوب کے قائل ہیں امام شافعیؒ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت وجوب کی منقول ہے ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ غسل جمعہ کا وجوب، وتر وغیرہ کے وجوب سے بھی زیادہ قوی ہے امام مالکؒ کو بھی ایک قول وجوب کا منسوب ہے مگر علامہ انور شاہ فرماتے ہیں کہ مالکیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ پر بھی وجوب کا اطلاق ہوتا ہے (انوار الباری)

(۲) اکثر اہل علم اور احناف کے نزدیک غسل جمعہ سنت مؤکدہ ہے علامہ خطابی شافعی، قاضی عیاض مالکیؒ اور ابن عبد البر مالکیؒ نے اس کو عام فقہاء اور ائمہ امصار کا قول بتایا ہے۔

(۳) امام محمدؒ نے موطا میں غسل جمعہ حسن قرار دیا ہے بعض متقدمین اسے عام قرار دیتے ہیں جو سنت مستحب اور واجب سب کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو نماز جمعہ میں محسوب کیا ہو یا روز جمعہ میں۔

احادیث باب کی تشریح اور ائمہ کا استدلال

(۱) باب ہذا کی پہلی روایت ۹۰۴، عن عبداللہ (مسلم کتاب الجمعہ ج ۱ صفحہ ۲۷۹، بخاری

۹۰۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ فَيَأْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ فَيُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۹۰۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، لوگ اپنے ٹھکانوں اور مضافات سے باری باری جمعہ کے لیے آتے تھے، وہ گرد وغبار میں آتے تو انہیں پسینہ اور غبار لگتا، پھر ان سے پسینہ نکلتا، ان میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت آپ میرے پاس تشریف فرما تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کاش تم اپنے دن کے لیے غسل کر لیتے"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

ج ا صـ۱۲۰ ا میں فلیغتسل کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ امر کا مدلول وجوب ہوتا ہے یہ روایت بظاہر قائلین وجوب کا مستدل ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک جمعہ کے دن چونکہ غسل کرنا واجب نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک یہ اور اسی نوعیت کی تمام احادیث سنت پر محمول ہیں کیوں کہ ان کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں ہے تاہم علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز غسل نہ کرنا مکروہ ہے۔

(۲) باب ہذا کی دوسری روایت (۹۰۵) عن عائشہ (مسلم ج ا صـ۲۸۰ بخاری ج ا صـ۱۲۳) میں لو انکم تطہرتم لیومکم ھذا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ غسل جمعہ واجب نہیں یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر اس روز تم غسل کر لو تو بہتر ہے۔

(۳) روایت (۹۰۶) عن عائشہ (مسلم ج ا صـ۲۸۰ بخاری ج ا صـ۱۲۳) کے الفاظ لو اغتسلتم یوم الجمعۃ اور ما قبل کے سارے مضمون کا مدلول عدم وجوب ہے۔

(۴) روایت (۹۰۷) عن سمرۃ بن جندب (ترمذی ج ا صـ۱۱۱ ابو داؤد ج ا صـ۵۱) میں فبھا ونعمت میں ھا ضمیر کا مرجع سنت ہے اور با حرف جار فعل محذوف سے متعلق ہے اور نعمت کا فاعل یہی سنت ہے ای بالسنۃ اخذ ونعمت السنۃ، صاحب مجمع نے مرجع ضمیر خصلہ مانا ہے ای فبھذہ الخصلۃ

۹۰۶۔ وَعَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّاسُ اَهْلَ عَمَلٍ وَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ كُفَاةٌ فَكَانُوْا يَكُوْنُ لَهُمْ تَفَلٌ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ـ

۹۰۷۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ ـ

۹۰۸۔ وَعَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ اُنَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَّمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بُدِئَ الْغُسْلُ كَانَ النَّاسُ

۹۰۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا" لوگ محنت مزدوری والے تھے اور ان کے پاس کوئی جمع کی ہوئی چیز نہ تھی (یعنی روز کماتے کھاتے اور اسی وجہ سے جو کوئی کام کرتے تو ان سے بو اٹھتی، ان سے کہا گیا، کاش تم جمعہ کے دن غسل کر لو" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۰۷۔ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو یہ (خصلت) اچھی ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے"

یہ حدیث اصحاب ثلاثہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا، یہ حدیث حسن ہے۔

۹۰۸۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ عراقیوں میں کچھ لوگوں نے آ کر کہا، اے ابن عباس! تمہارے خیال میں جمعہ کے روز غسل واجب ہے؟ ابن عباس نے کہا نہیں، لیکن بہت زیادہ پاکیزہ کام ہے اور غسل کرنے والے کے لیے بہتر ہے اور جس نے غسل نہ کیا تو اس پر واجب نہیں اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ غسل کیسے شروع

یعنی الوضو افضل ونعمت الخصلۃ ھی بعض حضرات نے مرجع لفظ فریضہ قرار دیا ہے ای فبا لفریضۃ اخذ ونعمت الفریضۃ۔

(۵) روایت (۹۰۸) عن عکرمہ ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳، طحاوی ج ۱ ص ۹۳، کا مدلول واضح ہے اور اس میں تصریح ہے کہ غسل جمعہ واجب نہیں ہے بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ جن احادیث سے غسل جمعہ کا وجوب مستفاد ہے عکرمہ کی یہ روایت حکم وجوب کے لیے ناسخ ہے۔

مجهودين يلبسون الصوف ويعملون على ظهورهم وكان مسجدهم ضيقا
مقارب السقف إنما هو عريش فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في
يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح آذى بذلك
بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الريح قال
يّها الناس إذا كان هذا اليوم فاغتسلوا وليمس أحدكم أفضل ما يجد من
دهنه وطيبه قال ابن عباس رضي الله عنه ثم جاء الله تعالى ذكره
بالخير ولبسوا غير الصوف وكفوا العمل ووسع مسجدهم وذهب بعض
الذي كان يؤذي بعضهم بعضا من العرق. رواه أبو داود والطحاوي و
قال الحافظ إسناده حسن.

ہوا، لوگ محنتی تھے، اُون کے کپڑے پہنتے تھے، اپنی پشتوں پر بوجھ اٹھاتے تھے، ان کی مسجد تنگ تھی، (مسجد کی) چھت قریب (نیچی) تھی، یقیناً وہ (ایک جھونپڑی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں تشریف لائے، لوگوں کو اس اون (کے لباس) میں پسینہ آگیا، یہاں تک کہ ان سے (پسینہ کی) بو بلند ہوئی اس وجہ سے انہیں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچی (تکلیف کا سبب بنے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بو محسوس فرمائی، تو فرمایا "اے لوگو! جب یہ دن ہو تو غسل کر لو، اور تم میں سے جس کسی کو اپنے اچھے تیل یا خوشبو میں سے جو ملے لگالے" ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا ذکر اچھے طریقہ پر فرمایا اور لوگوں نے غیر اونی کپڑے پہنے اور کام کاج سے رُک گئے، اپنی مسجد کشادہ کی اور پسینہ کی وجہ سے جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچتی تھی ختم ہوگئی۔"

یہ حدیث ابو داؤد اور طحاوی نے نقل کی ہے اور حافظ نے کہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۹) روایت (۹۰۹) عن عبداللہ بن مسعود (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ صـ۲۹۱) اپنے مدلول میں واضح اور جمہور کا قوی مستدل ہے۔

غسل یوم جمعہ کے لیے یا نماز کیلئے

جمعہ کے روز جو غسل مسنون ہے یہ نمازِ جمعہ کے لیے یا روزِ جمعہ کے لیے! اس کی بابت دو قول ہیں، حسن بن زیاد کے نزدیک یہ غسل روزِ جمعہ کے لیے ہے امام محمد اور داؤد ظاہری کا قول بھی یہی ہے اور یہ ایک روایت امام

۹۰۹ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مِنَ السُّنَّۃِ الْغُسْلُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ رَوَاہُ الْبَزَّارُ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

بَابُ السِّوَاکِ لِلْجُمُعَۃِ

۹۱۰ - عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

۹۰۹ - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، جمعہ کے دن غسل کرنا سنت میں سے ہے۔ یہ حدیث بزار نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب - جمعہ کے لیے مسواک کرنا۔ ۹۱۰ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ

ابو یوسف سے بھی ہے (کمافی البنایہ) وجہ یہ ہے کہ روز جمعہ سید الایام اور اشرف ایام ہے تو اس فضیلت کے اظہار کے لیے غسل مسنون ہونا چاہیئے، نیز احادیث میں اس غسل کی اضافت کا یوم جمعہ کی طرف ہونا بھی اسی پر دال ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک غسلِ جمعہ نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، جمہور نے اسی کو صحیح کہا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے "اذا جاء احدکم الجمعۃ فلیغتسل" اس اختلاف کا ثمرہ چند مسائل میں ظاہر ہوتا ہے۔ (۱) بنایہ اور مختارات النوازل وغیرہ میں ہے کہ جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب نہیں جیسے عورت، غلام، مسافر وغیرہ ان کے حق میں قولِ حسن پر غسل مسنون ہے امام ابو یوسف کے قول پر مسنون نہیں ہے (۲) بنایہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا پھر اس نے جدید وضو کر کے جمعہ کی نماز پڑھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک غسل جمعہ کا ثواب نہ ہوگا۔ حسن بن زیادہ کے نزدیک ثواب ہوگا۔ (۳) کافی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کے روز صبح سے پہلے اگر کسی نے وضو اور غسل کر لیا اور اسی سے جمعہ ادا کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کو فضیلتِ غسل حاصل ہوگی نہ کہ حسن کے نزدیک۔ (۴) نہایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے امام ابو یوسف کے نزدیک عدم اعتبارِ غسل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غسل جمعہ کی مشروعیت اس لیے ہے کہ آدمی کے بدن کا میل کچیل دور ہو جس سے اہل اجتماع کو تکلیف ہوتی ہے اور نماز جمعہ کے بعد نہانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور حسن کے نزدیک کہ غسل جمعہ دن کے لیے ہے تاہم یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے ہو۔

(۹۱۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۷۲ المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۲۹) میں جمعہ کے دن کو عید قرار دیا گیا ہے اور اس میں غسل اور مسواک کو اس کے آداب

فِی جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِینَ اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ جَعَلَہُ اللّٰہُ لَکُمْ عِیْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَعَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَالصَّغِیْرِ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

بَابُ الطِّیْبِ وَالتَّجَمُّلِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ

۹۱۱۔ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنَ الطُّھْرِ وَیَدَّھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّی مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا "اے مسلمانوں کی جماعت! بلاشبہ یہ دن اللہ تعالےٰ نے اس دن کو تمہارے لیے عید بنایا ہے۔ لہٰذا تم غسل کرو اور مسواک ضرور کرو"۔

یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جمعہ کے دن زینت اختیار کرنا اور خوشبو لگانا۔ ۹۱۱۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص بھی جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنی طہارت حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہے، طہارت حاصل کرے، اور اپنے (استعمال کے) تیل میں سے تیل لگائے یا اپنے گھر کی (استعمال کی جانے والی) خوشبو لگائے، پھر نکلے تو دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے (یعنی جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، آدمیوں میں گھس کر نہ بیٹھے) پھر نماز پڑھے (جو اس کے لیے فرض کی گئی ہے) پھر جب امام نے کلام (خطبہ) شروع کی، تو خاموش رہے، اس کے لیے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

سے قرار دیا گیا ہے۔

(۹۱۱ تا ۹۱۳) اس باب میں بھی نماز جمعہ کے آداب کا بیان ہے پہلی روایت (۹۱۱) عن سلمان الفارسی (بخاری ج ۱ ص ۱۲۱) میں ویتطھر ما استطاع من طھر کا مطلب یہ ہے کہ لبیں کترواتے ناخن کٹوائے زیر ناف کے بال صاف کرے بغلوں کے بال دور کرے اور پاک وصاف کپڑے پہنے

۹۱۲۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَلْمَانُ هَلْ تَدْرِيْ مَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ قُلْتُ هُوَ الَّذِيْ جَمَعَ اللّٰهُ فِيْهِ أَبَاكَ أَوْ أَبَوَيْكَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ أُحَدِّثُكَ عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَطَهَّرُ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيَتَطَيَّبُ مِنْ طِيْبِ أَهْلِهِ إِنْ كَانَ لَهُمْ طِيْبٌ وَإِلَّا فَالْمَاءُ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُنْصِتُ حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ ثُمَّ يُصَلِّيْ إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى مَا اجْتُنِبَتِ الْمَقْتَلَةُ وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۹۱۳۔ وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ ثُمَّ خَرَجَ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ

۹۱۲۔ جب سلمان فارسیؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے سلمان! جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے! میں نے عرض کیا، وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد کو یا کہا والدین کو اکٹھا فرمایا آپ نے فرمایا" نہیں، لیکن میں تمہیں جمعہ کے دن کے بارہ میں بتاتا ہوں، جو مسلمان بھی طہارت حاصل کرے اپنے اچھے کپڑے پہنے، اپنے گھر کی خوشبوؤں میں سے خوشبو استعمال کرے، اگر ان کے پاس خوشبو ہو، ورنہ (سادہ) پانی سے غسل کرے) پھر مسجد میں آکر امام کے آنے تک خاموش رہے، پھر (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کفارہ ہوگا، جب تک کہ تکلیف دینے کی جگہ سے بچے (یعنی جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، کسی کو تکلیف نہ پہنچائے) اور یہ تمام زمانہ میں ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا، اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۱۳۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر اس کے پاس ہو تو خوشبو لگائی اور اپنے اچھے کپڑے پہنے، پھر مطمئن ہوتے ہوئے (جمعہ کے لیے) نکلا یہاں تک کہ مسجد میں آکر اگر اس کو موقع ملا تو نماز پڑھ لی اور کسی کو

فلا یفرق بین اثنین کا یہ مطلب ہے کہ اگر مسجد میں باپ اور بیٹا یا ایسے دو آدمی جو آپس میں محبت کا تعلق رکھتے ہوں ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دو آدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہو تو نہ بیٹھے یا مراد یہ ہے کہ لوگوں

إِنْ بَدَا لَهُ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يُصَلِّيَ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

بَابٌ فِي فَضْلِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۱۴۔ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ

تکلیف نہ دی، پھر اپنے امام کے آنے تک خاموش رہا، یہاں تک کہ اس نے نماز پڑھ لی، تو اس کے لیے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کفارہ ہوگا" یہ حدیث احمد اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت۔ ۹۱۴۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن وفات دیے گئے اور اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں (دوبارہ) صور پھونکا جائے گا، تو تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، بلاشبہ تمہارا

کی صفوں کو چیرنا پھاڑنا نہ گزرے باب کی دوسری روایت ۹۱۲ عن سلمان (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۶ ص۲۳۷) اور تیسری روایت ۹۱۳ عن ابی ایوب (مسند احمد ج ۵ ص۴۲۰) میں بھی یوم الجمعہ کے آداب میں طیب وتجمل کا بیان ہے اور تحت اللفظ ترجمہ میں مضمون حدیث واضح ہے۔

(۹۱۴) آداب جمعہ میں صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے یہ حدیث اوس بن اوس سے منقول ہے (ابوداؤد ج ۱ ص۱۵۰) فان صلواتکم معروضۃ علی کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہمیشہ ہی جب مجھ پر کوئی شخص درود بھیجتا ہے۔ تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر جمعہ کا دن چونکہ سب سے افضل دن اس لیے جمعہ کے دن بھیجا جانے والا درود بطریق اولیٰ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگرچہ درود بھیجنے کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو چنانچہ حتی یفرغ فرما کر اس طرف فرمایا گیا ہے کہ جب تک درود پڑھنے والا خود ہی فارغ نہ ہو جائے یا درود پڑھنا ترک نہ کر دے اس وقت تک پوری مدت کے درود برابر میرے سامنے پیش کیے جاتے رہتے ہیں۔

وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بُلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

بَابُ مَنْ اَجَازَ الْجُمُعَةَ قَبْلَ الزَّوَالِ

۹۱۵۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى

درود کو پیش کیا جاتا ہے (حضرت اوس نے) کہا، لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، آپ نے فرمایا" بلاشبہ اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء (علیہم السلام) کے اجسام حرام کر دیے ہیں۔

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جس نے زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ ۹۱۵۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کہا، "ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھتے پھر ہم فارغ ہو کر واپس

آں حضرتؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابو درداء یہ سمجھے کہ شاید یہ حکم ظاہری حالت یعنی آپؐ کی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق ہے چنانچہ انہوں نے آپؐ سے اس بارہ میں جب سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام ہے یعنی جس طرح دوسرے مردوں کے جسم قبر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے جسم قبر میں فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتے ہیں اس لیے انبیاء کے لیے دونوں حالت یعنی دنیا کی ظاہری زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ یہاں ہیں اسی طرح وہاں ہیں اسی لیے کہا گیا ہے۔

اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔ — اللہ کے دوست اور حقیقی بندے مرتے نہیں وہ تو صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

لہذا جس طرح یہاں دنیا کی زندگی میں میرے سامنے درود پیش کیے جاتے ہیں اسی طرح میری قبر میں بھی میرے سامنے درود پیش کیے جاتے رہیں گے۔

(۹۱۵ تا ۹۲۲) صحت ادا جمعہ کے لیے وقت شرط ہے۔

بیان مذاہب (۱) جمہور علماء صحابہ تابعین اور ائمہ مذاہب زوال شمس سے قبل جمعہ کے عدم جواز کے

اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَۃَ ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَیْسَ لِلْحِیْطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِہٖ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۹۱۶۔ وَعَنْ سَھْلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ مَا کُنَّا نَقِیْلُ وَلَا نَتَغَدّٰی اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَۃِ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ وَزَادَ مُسْلِمٌ فِیْ رِوَایَۃٍ وَّاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

۹۱۷۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَۃَ ثُمَّ نَرْجِعُ اِلَی الْقَائِلَۃِ فَنَقِیْلُ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ۔

آتے اور ابھی تک دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا کہ جس کی اوٹ میں ہم سایہ پکڑتے (یعنی اس کے سایہ میں چل کر دھوپ سے بچتے)۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۱۶۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا، "ہم جمعہ کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے اور قیلولہ (دوپہر کو سونا) کرتے تھے"۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔ مسلم نے ایک روایت میں احمد اور ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں"۔

۹۱۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا، "ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے پھر آرام کی جگہ آکر قیلولہ (دوپہر کو آرام) کرتے"۔ یہ حدیث احمد اور بخاری نے نقل کی ہے۔

قائل ہیں جمہور کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔

(۲) امام احمدؒ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک جمعہ زوال شمس سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے ان کے نزدیک ضحوۂ کبریٰ سے نماز جمعہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

امام احمدؒ کے دلائل اور جوابات

باب ہذا کی غرض انعقاد بھی امام احمد کے مستدلات کا بیان ہے۔

(۱) باب کی پہلی روایت (۹۱۵) عن مسلمۃ بن الاکوع سے امام احمد اور ظاہریہ استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں جب ہم جمعہ پڑھ کر واپس آتے تھے تو ولیس للحیطان ظل نستظل بہ حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کا اس قدر سایہ نہ ہوتا تھا کہ ہم اس میں چل سکیں، چنانچہ بخاری کے الفاظ ثم ننصرف لیس للحیطان ظل نستظل بہ اور مسلم کی روایت وما نجد فیئا

۹۱۸- وَعَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ سَاَلَ مَتٰی كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الْجُمُعَةَ قَالَ كَانَ یُصَلِّیْ ثُمَّ نَذْهَبُ اِلٰی جِمَالِنَا فَنُرِیْحُهَا زَادَ عَبْدُ اللّٰهِ فِیْ حَدِیْثِهٖ حِیْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ یَعْنِی النَّوَاضِحَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۱۸- حضرت جعفر نے بواسطہ اپنے والد روایت کیا کہ انہوں نے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب جمعہ پڑھتے تھے، انہوں نے کہا آپ جمعہ پڑھتے، پھر ہم اپنے اونٹوں کی طرف جاتے اور انہیں آرام کے لیے چھوڑ دیتے۔ عبداللہ نے اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں، جب سورج ڈھل جاتا، تو وہ آرام پاتے (یعنی پانی لانے والے اونٹ) یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

نستظل به اور شیخین کی روایت ثم نرجع نتتبع الفیئ سے معلوم ہوا کہ مطلق سایہ کی نفی مراد نہیں بلکہ اتنے سایہ کی نفی ہے جس میں آدمی چل سکے۔

غسل نماز جمعہ کے لیے مسنون ہے یا یوم جمعہ کے لیے

جمعہ کے روز جو غسل مسنون ہے یہ نماز جمعہ کے لیے ہے یا روز جمعہ کے لیے!

اس کی بابت دو قول ہیں، حسن بن زیاد کے نزدیک یہ غسل روز جمعہ کے لیے ہے امام محمد اور داؤد ظاہری کا قول بھی یہی ہے اور یہ ایک روایت امام ابویوسف سے بھی ہے (کما فی البنایہ) وجہ یہ ہے کہ روز جمعہ سید الایام اور اشرف ایام ہے تو اس فضیلت کے اظہار کے لیے غسل مسنون ہونا چاہیے، نیز احادیث میں اس غسل کی اضافت کا یوم جمعہ کی طرف ہونا بھی اسی پر دال ہے، امام ابویوسف کے نزدیک غسل جمعہ نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، جمہور نے اسی کو صحیح کہا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے "اذا جاء احدکم الجمعة فلیغتسل" اس اختلاف کا ثمرہ چند مسائل میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) بنایہ اور مختارات النوازل وغیرہ میں ہے کہ جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب نہیں جیسے عورت، غلام، مسافر وغیرہ ان کے حق میں قول حسن پر غسل مسنون ہے امام ابویوسف کے قول پر مسنون نہیں ہے۔

(۲) بنایہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا پھر اس نے جدید وضو کر کے جمعہ کی نماز پڑھی تو امام ابویوسف کے نزدیک غسل جمعہ کا ثواب نہ ہوگا۔ حسن بن زیاد کے نزدیک ثواب ہوگا۔

(۳) کافی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کے روز صبح سے پہلے اگر کسی نے وضو اور غسل کر لیا اور اسی

۹۱۹- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سِيْدَانَ السُّلَمِيِّ قَالَ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ وَخُطْبَتُهُ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ ثُمَّ شَهِدْتُهَا مَعَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ وَخُطْبَتُهُ إِلٰى أَنْ أَقُوْلَ انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ شَهِدْتُهَا مَعَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ وَخُطْبَتُهُ إِلٰى أَنْ أَقُوْلَ زَالَ النَّهَارُ فَمَا رَأَيْتُ عَابَ ذٰلِكَ وَلَا أَنْكَرَهُ- رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ-

---

۹۱۹- عبداللہ بن السیدان السلمی نے کہا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ نصف النہار (زوال) سے پہلے تھا پھر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کے لیے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ یہاں تک تھا کہ میں کہتا تھا، آدھا دن (زوال) ہو چکا ہے، پھر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کے لیے حاضر ہوا تو ان کی نماز اور خطبہ یہاں تک تھا کہ میں کہتا تھا دن ڈھل چکا ہے، تو میں نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے اسے عیب قرار دیا اور نہ ہی ناپسند سمجھا - یہ حدیث دارقطنی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے -

---

سے جمعہ ادا کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کو فضیلت غسل حاصل ہوگی نہ کہ حسن کے نزدیک -

(۴) خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو امام ابو یوسف اور حسن دونوں کے نزدیک یہ غسل معتبر نہیں، صاحب بحر نے امام ابو یوسف کے نزدیک عدم اعتبار غسل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غسل جمعہ کی مشروعیت اس لیے ہے کہ آدمی کے بدن کا میل کچیل دور ہو جس سے اہل اجتماع کو تکلیف ہوتی ہے اور نماز جمعہ کے بعد نہانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور حسن کے نزدیک گو غسل جمعہ دن کے لیے ہے تاہم یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے ہو -

(۲) عن سہل (ر ۹۱۲) (بخاری کتاب الجمعۃ ج ۱ ص ۱۲۸) بھی قبل الزوال جمعہ کے قائلین کا مستدل ہے وہ یوں کہ کھانے اور قیلولہ کا وقت چونکہ قبل از زوال ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ لوگ نماز جمعہ بھی قبل از زوال ادا کرتے تھے -

علماء احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں لفظ غداء اگرچہ لغت میں زوال سے پہلے کھانے کو کہتے ہیں مگر زوال کے بعد بھی دوپہر کے کھانے پر توسعاً بلکہ عرفاً غداء کا اطلاق آتا ہے اس کی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۹۲۰- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلِمَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِيْ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْجُمُعَةَ ضُحًى وَقَالَ خَشِيْتُ عَلَيْكُمُ الْحَرَّ رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

۹۲۱- وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْجُمُعَةَ ضُحًى رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَسَعِيْدُ بْنُ سُوَيْدٍ ذَكَرَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الضُّعَفَاءِ۔

۹۲۲- وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ سَعْدٌ يَقِيْلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَهٰذَا الْاَثَرُ لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيْهِ۔

۹۲۰- حضرت عبداللہ بن سلمہ نے کہا ہمیں عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دوپہر سے پہلے جمعہ نماز پڑھائی اور کہا "میں تم پر گرمی کا خوف کھاتا ہوں"۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

۹۲۱- سعید بن سوید نے کہا "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں دوپہر سے پہلے جمعہ پڑھایا"۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور سعید بن سوید کا ذکر ابن عدی نے ضعفا میں کیا ہے۔

۹۲۲- مصعب بن سعد نے کہا "حضرت سعد رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے"۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ اس اثر میں ان زوال سے پہلے جمعہ کے قائلین کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

کا یہ ارشاد بھی ہے جو آپ نے سحری کے بارے میں فرمایا ھلموا الی الغداء المبارك مگر اس سے یہ استدلال ہرگز درست نہیں کہ سحری طلوع آفتاب کے بعد کھائی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس میں نماز قبل زوال کے لیے استدلال کا کوئی موقع نہیں ہے کیونکہ وہ تو یہ بتلا رہے ہیں کہ نماز سے قبل جمعہ کی تیاری، جلوس فی المسجد، انتظار نماز اور پھر ادائے نماز کے سبب سے ان کا روزانہ کا معمول قبل از زوال طعام و قیلولہ کا بدل جاتا تھا، بلکہ علامہ زین بن المنیر نے تو یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ان کی اس بات سے نماز جمعہ کا ثبوت بعد الزوال ہوتا ہے کیونکہ عادۃً وہ روزانہ قبل از زوال کھانے کے بعد قیلولہ کیا کرتے تھے، اور خاص جمعہ کے دن سے متعلق صحابی نے یہ خبر دی کہ ہم لوگ جمعہ کے لیے تیاری و مشغولی کی وجہ سے طعام و قیلولہ کو مؤخر کیا کرتے تھے۔

بَابٌ فِي التَّجْمِيعِ بَعْدَ الزَّوَالِ

۹۲۳۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَرْتَفِعَ

باب۔ زوال کے بعد جمعہ پڑھنا۔ ۹۲۳۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے نبی! مجھے نماز کے بارہ میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا، صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رک جاؤ، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور بلند ہو جائے، بلاشبہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع

حضرت انس کی روایت (۹۱۷) بخاری ج ۱ ص۱۲۸ مسند احمد ج ۳ ص۲۲۸) کا جواب بھی وہی ہے جو اس سے پہلے روایت میں عرض کیا گیا ہے حضرت جعفر عن ابیہ کی روایت (۹۱۸) مسلم ج ۱ ص۲۸۳ کے جواب میں امام نووی فرماتے ہیں۔

(۳) عبداللہ بن السیدان السلمی کی روایت (۹۱۹) دارقطنی ج ۲ ص۱۷ باب الصلوٰۃ الجمعۃ قبل نصف النہار بھی امام احمدؒ کا مستدل ہے علماء احناف جواب میں کہتے ہیں کہ اس روایت میں عبداللہ بن سیدان غیر معروف العدالۃ ہے قال النووی فی الخلاصہ اتفقوا علی ضعف ابن سیدان مصنف نے کہا اسنادہ ضعیف امام زیلعیؒ نصب الرایہ ج ۲ ص۱۹۵ میں لکھتے ہیں ھو حدیث ضعیف۔

۴۔ روایت (۹۲۰) عن عبداللہ بن سلمۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص۱۰۷) کے جواب میں علماء احناف کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلمہ کے علاوہ سعید بن سوید کے طریق پر روایت (۹۲۱) ہے جس میں عبداللہ بن مسعود کے بجائے حضرت معاویہ کا ذکر ہے اس سے قبل روایت میں عبداللہ بن سلمہ گو صدوق ہیں مگر آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا جب کہ سعید بن سوید کو ابن عدی کے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

باقی رہی روایت (۹۲۲) مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص۱۰۶) تو اس کا جواب بھی ذکر ہو چکا ہے مصنف فرماتے ہیں وھذا الاثر لا حجۃ لھم فیہ۔

(۹۲۳ تا ۹۳۰) جمہور اہل اسلام فرماتے ہیں کہ جمعہ زوال سے قبل جائز نہیں، امام احمدؒ سے روایت ہے کہ اگر زوال سے پہلے بھی پڑھ لیا تو پھر بھی جائز ہے اس پر قضا نہیں۔ امام نوویؒ شرح مسلم ج ۱ ص۲۸۳ میں لکھتے ہیں، قال مالکؒ وابو حنیفۃؒ والشافعیؒ وجماھیر العلماء من الصحابۃؓ والتابعینؒ ومن بعدھمؒ لا تجوز الجمعۃ الا بعد زوال الشمس۔ اور مشہور فقیہ علامہ حلبیؒ کبیری ص۵۰۳

وَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاٰخَرُوْنَ۔

۹۲۴۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ہوتا ہے اور اس وقت اُسے کفار سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھو، بلاشبہ اس وقت کی نماز گواہی دی ہوئی، حاضر کی ہوئی (مقبول) ہے، یہاں تک کہ سایہ نیزے سے کم ہو جائے (یعنی ہر چیز کا سایہ کم از کم ہو جائے اور یہ سایہ اصلی ہے) پھر نماز سے رک جاؤ، بلاشبہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے، پس جب سایہ ڈھل جائے، تو نماز پڑھو، بلاشبہ نماز گواہی دی ہوئی، حاضر کی ہوئی (مقبول) ہے، یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو" آخر حدیث تک بیان کیا۔ یہ حدیث احمد، مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

۹۲۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظہر کا وقت رہے، جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کے قد جتنا ہو جائے، عصر کا وقت آنے تک ہے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

میں لکھتے ہیں: وهو المتوارث من لدن النبي صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا وهو قول الجمهور من الصحابةؓ والتابعينؒ فمن بعدهم۔ امام شافعیؒ کتاب الام ج ۱ ص۱۷۲ میں لکھتے ہیں: لا اختلاف عند احد لقيته ان لا تصلى الجمعة حتى تزول الشمس۔ امام شعرانیؒ میزان الکبریٰ ج ۱ ص۲۲۲ میں لکھتے ہیں: قول الائمة الثلاثةؒ انه لا تصح الجمعة الا في وقت الظهر۔ امام ترمذیؒ ص۲۶ میں لکھتے ہیں: وقال احمدؒ ومن صلاها قبل الزوال فانه لم ير عليه اعادةً۔

جمہور کے دلائل باب ہذا کی تمام روایات جمہور کا قوی مستدل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت (۹۲۳) عمرو بن عبسہ سے روایت ہے جسے مسند احمد ج ۴ ص۱۱۱ اور مسلم ج ۱ ص۲۷۶ میں نقل کیا گیا ہے جس میں فاذا اقبل الفی فصل اور دوسری روایت

۹۲۵۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا دَلَكَتِ الشَّمْسُ أَذَّنَ بِلَالٌ الظُّهْرَ فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ اَلْحَدِيْثَ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ

۹۲۶۔ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۹۲۷۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۲۸۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۹۲۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے وقت کے بارہ میں پوچھا، پس جب سورج ڈھلا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان کہی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا تو انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی" آخر حدیث تک بیان کیا۔
یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے ہیثمی نے کہا اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۲۶۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کہا، "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ ادا کرتے جب کہ سورج ڈھل جاتا، پھر ہم سایہ تلاش کرتے ہوئے لوٹتے (یعنی جہاں کسی دیوار کا سایہ ہوتا، اس میں چلنے کی کوشش کرتے) یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۲۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھل جاتا تو جمعہ ادا فرماتے تھے" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۹۲۸۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھل جاتا تو

---

(۹۲۴) مسلم ج ۱ صـ۲۲۳ میں وقت الظہر اذا زالت الشمس کی تصریح ہے اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ نماز جمعہ کا وقت وہی ہے جو نماز ظہر کا وقت ہے اسی طرح روایت (۹۲۵) عن جابر بن عبداللہ کا مدلول بھی واضح ہے جیسے مجمع الزوائد ج ۱ صـ۳۰۲ میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲) روایت (۹۲۶) عن سلمۃ بن الاکوع (مسلم ج ۱ صـ۲۸۳) میں تصریح ہے کہ جب سورج

إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْجُمُعَةَ فَنَرْجِعُ وَمَا نَجِدُ فَيْئًا نَسْتَظِلُّ بِهِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَقَالَ فِي التَّلْخِيصِ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۹۲۹۔ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ أَرَى طِنْفِسَةً لِعَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ إِلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَإِذَا غَشِيَ الطِّنْفِسَةَ كُلَّهَا ظِلُّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَصَلَّى الْجُمُعَةَ قَالَ ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيلُ قَائِلَةَ الضُّحٰى۔ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۹۳۰۔ وَعَنْ أَبِي الْعَنْبَسِ عَمْرِو بْنِ مَرْوَانَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ۔ رَوَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے" ہم واپس آتے تو ہمیں سایہ نہ ملتا کہ جس میں ہم چلتے"

یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے اور تلخیص میں کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۲۹۔ مالک بن ابی عامر نے کہا "میں نے جمعہ کے دن حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی چادر کو دیکھا جو مسجد کی دیوار کی طرف ڈالی جاتی تھی پس جب پوری چادر کو دیوار کا سایہ ڈھانپ لیتا، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (گھر سے) نکل کر جمعہ کی نماز پڑھاتے، مالک بن ابی عامر نے کہا۔ پھر ہم نماز جمعہ کے بعد واپس آکر دوپہر کا قیلولہ کیا" یہ حدیث مالک نے مؤطا میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۳۰۔ ابوالعنبس عمرو بن مروان نے اپنے والد سے روایت کی کہ انہوں نے کہا "جب سورج ڈھل جاتا، تو ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جمعہ ادا کرتے" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

ڈھل جاتا تب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ ادا کرتے۔

(۳) حضرت انس کی روایت، ۹۲ (بخاری ج ۱ ص۱۲۳) میں حین تمیل الشمس (جب سورج ڈھل جاتا) کی تصریح ہے۔

(۴) حضرت جابر کی روایت (۹۲۸) جسے تلخیص الحبیر ج ۲ ص۵۹ حضرت مالک بن ابی عامر کی روایت (۹۲۹) جسے موطا امام مالک ص۸ ابوالعنبس عمرو بن مروان کی روایت ۹۳۰ جسے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۱۰۸ میں نقل کیا گیا ہے ان میں یہ تصریح ہے کہ جمعہ بعد الزوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔

بَابُ الْاَذَانَيْنِ لِلْجُمُعَةِ

۹۳۱۔ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ الْاَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ اَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرُوْا اَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْاَذَانِ الثَّالِثِ فَاُذِّنَ بِهٖ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ۔

باب۔ جمعہ کے لیے دو اذانیں۔ ۹۳۱۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی، جب امام منبر پر بیٹھ جاتا، پس جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہوا اور لوگ زیادہ ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن تیسری اذان کے بارہ میں فرمایا تو زوراء پر اذان کہی گئی، تو یہ معاملہ اسی پر پکا ہو گیا۔ یہ حدیث بخاری نسائی اور ابو داؤد نے نقل کی ہے۔

---

(۹۳۱) سائب بن یزید کی اس روایت کو بخاری ج ۱ صفحہ ۱۲۴ نسائی ج ۱ صفحہ ۲۰۷ میں نقل کیا گیا ہے تحت اللفظ ترجمہ سے مضمون حدیث واضح ہے مزید توضیح یہ ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں جمعہ کی اذان کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ جب آپ نماز جمعہ کے لیے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھتے تو اذان کہی جاتی تھی۔ جمعہ کی پہلی اذان جو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کہی جاتی ہے اس وقت مقرر نہیں تھی۔ زمانۂ رسالت کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں بھی یہی معمول رہا۔ مگر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسلمان کم تعداد میں تھے اور وہ بھی مسجد کے قریب ہی سکونت پذیر تھے بلکہ اکثر مسلمان تو ہمہ وقت بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہتے تھے اور اب نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے بلکہ اکثر مسلمان مسجد سے دور دراز علاقوں میں سکونت پذیر ہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں تو انہوں نے یہ مناسب جانا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہی جائے تاکہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں وہ بھی خطبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اس طرح اسی وقت سے اذان اول کہی جانے لگی۔ لہٰذا

بَابُ التَّاذِیْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ

۹۳۲ - عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ یُؤَذَّنُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ وَاَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ - قَالَ النِّیْمَوِیُّ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ -

---

باب۔ خطبہ کے وقت مسجد کے دروازہ پر اذان کہنا - ۹۳۲ - حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف فرما ہوتے، تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان کہی جاتی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی ایسا ہی تھا۔" یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے، نیموی نے کہا "مسجد کے دروازہ پر" کے الفاظ محفوظ نہیں۔

"تیسری اذان" سے مراد یہی پہلی اذان ہے کہ حدیث میں اس کو "تیسری اذان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اگرچہ یہ اذان وقوع کے اعتبار سے اوّل ہے کہ سب سے پہلے کہی جاتی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مقرر شدہ دو اذانوں (یعنی ایک تو وہ اذان جو خطبہ کے وقت کہی جاتی ہے اور دوسری تکبیر) کے بعد یہ اذان مقرر ہوئی ہے اس لیے اسے "تیسری اذان" کہا جاتا ہے۔

بہر حال وہ اذان جو نماز جمعہ کے لیے سب سے پہلی کہی جاتی ہے حضرت عثمانؓ نے مقرر کی ہے اور وہ بھی سنت ہے اسے بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا فعل اور ان کا مقرر کردہ طریقہ بھی سنت ہی میں شمار ہوتا ہے۔

اب تو غالباً کسی بھی جگہ یہ طریقہ رائج نہیں ہے مگر پہلے بعض مقامات پر یہ معمول تھا کہ سنتیں پڑھنے کے وقت مزید ایک اذان کہی جاتی تھی جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر تھی اور نہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں مقرر ہوئی اور نہ اکثر مسلم ممالک و بلاد میں اس وقت اذان کہی جاتی تھی نہ معلوم کس شخص نے یہ بدعت جاری کی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے پہلی اذان ہو جانے کے بعد خرید و فروخت یا کوئی بھی دنیاوی مشغولیت حرام ہو جاتی ہے اور نماز جمعہ میں جلدی پہنچنے کے لیے اس کی تیاریوں اور اہتمام میں مشغول ہو جانا واجب ہو جاتا ہے۔

(۹۳۲) سائب بن یزید کی اس روایت (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خطیب منبر پر بیٹھے تو مؤذن اس کے سامنے دروازے پر اذان دے مگر امام نیمویؒ نے فرمایا علی باب المسجد غیر محفوظ ہے۔

بَابُ مَا يَدُلُّ عَلَى التَّأْذِيْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عِنْدَ الْإِمَامِ

۹۲۳ - عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ بِلَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُؤَذِّنُ إِذَا جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِذَا نَزَلَ أَقَامَ ثُمَّ كَانَ كَذٰلِكَ فِيْ زَمَنِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّفْرِيْقِ وَالتَّخَطِّيْ

۹۲۴ - عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ

باب ۔ جو روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت امام کے پاس اذان کہی جائے ۔ ۹۲۳ ۔ حضرت سائب بن یزید نے کہا" جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ تشریف فرما ہوتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے، پھر جب نیچے تشریف لاتے، تو اقامت کہتے، پھر اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی تھا"

یہ حدیث نسائی اور احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔

باب ۔ لوگوں کو جدا کرنے اور پھاندنے کی ممانعت ۔ ۹۲۴ ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور پاکیزگی بقدر استطاعت پاکیزگی حاصل کی، پھر تیل لگایا یا خوشبو لگائی پھر چلا جمعہ کے لیے، دو اکٹھے بیٹھے آدمیوں میں گھس کر ان کو جدا نہ کیا، اور جو نماز اس کے لیے فرض کی گئی ہے پڑھی، پھر جب امام نکلا، تو وہ خاموش رہا، اس کے گناہ

---

(۹۲۳) سائب بن یزید کی یہ روایت (نسائی کتاب الجمعۃ ج ۱ صـ۲۰۷) صحیح ہے واسنادہ صحیح صاحب ہدایہ فرماتے ہیں وبہذا الملک جری التوارث اسی کے ساتھ توارث جاری ہے ۔

(۹۲۴ تا ۹۲۵) باب کی پہلی روایت (بخاری ج ۱ صـ۱۲۴) سے منقول ہے جس کی تشریح گذشتہ ابواب میں گذر چکی ہے دوسری روایت کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ سے مدلول ہے جسے ابوداؤد ج ۱ صـ۱۵۹ نسائی ج ۱ صـ۲۰۷ سے نقل کیا گیا ہے ۔

إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَىٰ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۳۵۔ وَعَنْ أَبِي الزَّاهِرِيَّةِ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ جَاءَ رَجُلٌ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

بَابُ السُّنَّةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا

۹۳۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ

بخش دیے جائیں گے جو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان ہوئے۔" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۹۳۵۔ ابوالزاہریہ نے کہا "میں جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آیا تو حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے کہا، جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا "بیٹھ جاؤ، تم نے (لوگوں کو) تکلیف دی ہے۔"

یہ حدیث ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جمعہ کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد سنتیں (۹۳۶) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور جتنی اس کے مقدر تھی نماز پڑھی، پھر امام کے اپنے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا، پھر امام کے ساتھ

تخطی رقاب کے مکروہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے بعض نے اس کو مکروہ تحریمی اور بعض نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے قول اول راجح ہے البتہ امام کے لیے تخطی کی گنجائش ہے۔

(۹۳۶ تا ۹۴۵) جمعہ کی سنن قبلیہ اور سنن بعدیہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

بیان مذاہب | جہاں تک سنن قبلیہ کا تعلق ہے احناف کے نزدیک جمعہ سے قبل چار رکعت

ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۲۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ۔

۹۲۸۔ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۹۲۹۔ وَعَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ إِذَا كَانَ بِمَكَّةَ صَلَّى الْجُمُعَةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ

نماز پڑھی، تو اس کے بیچ کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور تین دن کے زیادہ۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۲۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ چار رکعت ادا کرے۔"
یہ حدیث بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۹۲۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۹۲۹۔ عطاء سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جب وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ جمعہ پڑھ کر آگے بڑھے تو دو رکعتیں ادا کیں، پھر آگے بڑھ کر چار رکعتیں ادا کیں، اور جب مدینہ منورہ میں تھے،

مسنون ہیں اور اکثر ائمہ اسی کے قائل ہیں۔
(۲) شافعیہ کے نزدیک جمعہ سے قبل دو رکعت مسنون ہیں۔
(۳) امام ابن تیمیہ جمعہ سے قبل سنن کا قطعی انکار کرتے ہیں۔

سنن بعدیہ کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ (۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد صرف دو رکعتیں مسنون ہیں (۲) ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد صرف چار رکعتیں مسنون ہیں (۳) صاحبین کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعتیں مسنون ہیں۔

بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَىٰ بَيْتِهِ فَصَلَّىٰ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ الْعِرَاقِيُّ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۹۴۰۔ وَعَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ ثُمَّ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَرْبَعًا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۹۴۱۔ وَعَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ مِثْلَهَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

جمعہ پڑھا پھر اپنے گھر لوٹے تو دو رکعتیں پڑھیں اور مسجد میں نماز (سنت یا نفل) نہیں پڑھی، اُن سے کہا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، تو انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔"
یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور عراقی نے کہا ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۴۰۔ جبلہ بن سحیم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ (ابن عمرؓ) جمعہ سے پہلے چار رکعات ادا کرتے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کرتے تھے، پھر جمعہ کے بعد دو رکعتیں پھر چار رکعتیں ادا کرتے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۴۱۔ خرشہ بن الحر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ جمعہ کے بعد اس کی مثل نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

دلائل

(۱) باب کی پہلی روایت (۹۳۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (مسلم ج ۱ ص ۲۸۲) اس میں امام ابن تیمیہؒ کے دعوے کی رد ہے اسی روایت میں سنن قبلیہ کا ثبوت ہے فصلی ما قدر لہ۔ امام ابن تیمیہؒ سنن قبلیہ کی روایات کو نوافل پر محمول کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے لیے آتے تو خطبہ شروع کر دیتے مگر ان کا یہ دعویٰ درست نہیں اس لیے کہ یہ عین ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سنت پڑھ کر مسجد تشریف لاتے ہوں۔

(۲) باب کی دوسری روایت (۹۳۷) امام اعظم ابو حنیفہ کا مستدل ہے جس میں فلیصل اربعًا کی تصریح ہے اس روایت کو مسلم ج ۱ ص ۲۸۸ ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶۱ میں نقل کیا گیا ہے۔

۹۴۲۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلّٰى يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ الْاِمَامُ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۴۳۔ وَعَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَاْمُرُنَا اَنْ نُّصَلِّيَ قَبْلَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعًا رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۴۴۔ وَعَنْهُ قَالَ عَلَّمَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ النَّاسَ اَنْ يُّصَلُّوْا بَعْدَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعًا فَلَمَّا جَاءَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَّمَهُمْ اَنْ يُّصَلُّوْا سِتًّا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۴۲۔ علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعات نماز ادا کیں۔ یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

۹۴۳۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا "حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمیں حکم کیا کرتے تھے کہ "ہم جمعہ سے پہلے چار رکعات ادا کریں" یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

۹۴۴۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا "ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سکھایا کہ جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کریں پھر جب ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے لوگوں کو سکھایا کہ چھ رکعات ادا کریں" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

---

(۳) روایت (۹۳۸) جس کے عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں جسے مسلم ج ۱ ص۲۹۱ بخاری ج ۱ ص۱۲۸ میں نقل کیا گیا ہے رکعتین بعد الجمعہ کی تصریح ہے سابقہ اور اس روایت میں تطبیق کرنے سے صاحبین کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) روایت (۹۳۹) عن عطاعن ابن عمر (ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۰) سے احناف کے مفتیٰ بہ قول سنن بعدیہ چھ رکعت کی تائید ہوتی ہے انه كان بمكة فصلى الجمعة تقدم فصلى ركعتين ثم تقدم فصلى اربعاً قال الحاكم وقال الذهبى صحيح على شرطهما۔

(۵) روایت ۹۴۰ عن جبلة بن سحيم عن عبد الله بن عمر (طحاوی ج ۱ ص۱۴۰) میں سنن قبلیہ چار رکعت (عندالاحناف) اور سنن بعدیہ چھ رکعت (حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول) صراحتاً مدلول ہے۔

(۶) روایت (۹۴۱) طحاوی ج ۱ ص۲۴۳ اور روایت ۹۴۲ علقمہ بن قیس سے بھی سنن بعدیہ میں امام اعظمؒ

۹۴۵۔ وَعَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا فَقَدِمَ بَعْدَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ صَلَّى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعًا فَأَعْجَبَنَا فِعْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاخْتَرْنَاهُ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۹۴۶۔ وَعَنْهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ سِتًّا۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

بَابٌ فِي الْخُطْبَةِ

۹۴۷۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُونَ الْآنَ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۹۴۵۔ ابو عبدالرحمن نے کہا " حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے تو وہ جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرتے تھے، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو وہ جب جمعہ پڑھتے تو اس کے بعد دو رکعتیں اور چار رکعتیں ادا کرتے، تو ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل پسند آیا، تو ہم نے اسے اختیار کر لیا" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۴۶۔ ابو عبدالرحمن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھتا ہے، تو چھ رکعات پڑھنی چاہئیں" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ خطبہ میں ۹۴۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تشریف فرما ہوتے، پھر کھڑے ہوتے، جیسا کہ تم اب کرتے ہو" یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

کا قول ثابت ہے۔

(۷) روایت ۹۴۳ عن ابی عبدالرحمن السلمی (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۷) سے سنن قبلیہ میں جمہور کا مسلک ثابت ہے۔

(۹) روایت ۹۴۴ عن ابی عبدالرحمن السلمی (الطحاوی ج ۱ ص ۲۳۳) میں سنن بعدیہ میں صاحبین کا متفق بہ قول ثابت ہے روایت ۹۴۵ (الطحاوی ج ۱ ص ۲۳۳) اور روایت ۹۴۶ (طحاوی ج ۱ ص ۲۳۳) سے بھی صاحبین کا متفق بہ قول ثابت ہے۔

بیان مذاہب (۹۴۷ تا ۹۵۴) (۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو خطبے مسنون ہیں اور ان کے

۹۴۸۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۴۹۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ۔

۹۴۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ارشاد فرماتے اور ان کے درمیان بیٹھ جاتے" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۹۴۹۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھتے تھے، ان کے درمیان بیٹھ جاتے (ان میں) قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے"

یہ حدیث بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے کی ہے۔

درمیان جلوس بھی مسنون ہے امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام اسحاقؒ ابو ثورؒ اور ابن المنذرؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت جمہور کے مطابق ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے فرض ہیں اور ان کے درمیان جلوس بھی فرض ہے جمہور کا استدلال فاسعوا الی ذکر اللہ کے اطلاق سے ہے چنانچہ نماز جمعہ کے لیے جو خطبہ کی شرط ہے وہ جمہور کے نزدیک مطلق ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے خواہ کسی بھی لفظ سے ہو شوافع حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت سے استدلال کرتے ہیں جس طرح کی باب کی پہلی روایت (۹۴۸) سے مدلول ہے ابن عمرؓ کی اس روایت کو بخاری ج ۱ صـ ۱۲۵ کے علاوہ تمام محدثین نے نقل کیا ہے روایت ۹۴۸ بھی ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے بخاری نے ج ۱ صـ ۱۲۴ میں نقل کیا ہے روایت (۹۴۹) عن جابر بن سمرۃؓ کو بخاری کے علاوہ جماعت (مسلم ج ۱ صـ ۲۸۳ ترمذی ج ۱ صـ ۱۱۳ وغیرہ) نے نقل کیا ہے روایت (۹۵۰) عن سماک کو مسلم ج ۱ صـ ۲۸۳ میں نقل کیا گیا ہے روایت (۹۵۱) عن جابر بن سمرہ کو مسلم ج ۱ صـ ۲۸۴ میں نقل کیا گیا ہے۔

مقدار خطبہ

"کانت صلواته قصدًا وخطبته قصدًا" سنت ہے کہ خطبہ مختصر پڑھا جائے زیادہ طویل نہ ہو طوال مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو اس سے

۹۵۰۔ وَعَنْ سِمَاكٍ قَالَ اَنْبَأَنِيْ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ اَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلٰوةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۵۱۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَّخُطْبَتُهُ قَصْدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّاٰخَرُوْنَ۔

۹۵۰۔ سماک نے کہا: مجھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے تو کھڑے کھڑے خطبہ ارشاد فرماتے پس جس شخص نے تمہیں یہ خبر دی کہ آپ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، تحقیق اس نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ کی قسم تحقیق میں نے آپ کے ہمراہ دو ہزار سے زیادہ نمازیں ادا کیں۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۵۱۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کرتا تھا، تو آپ کی نماز اور آپ کا خطبہ درمیانہ ہوتا تھا۔ یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

زیادہ طویل پڑھنا مکروہ ہے (شامی بحر عالمگیر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِن طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبۃ مئنۃ من فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ مسلم ج ۱ صـ ۲۸۶) روایت (۹۵۲) عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا بھی یہی مدلول ہے جسے نسائی ج ۱ صـ ۲۰۹ میں نقل کیا گیا ہے روایت (۹۵۳) عن الحکم بن حزن میں بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قوس یا لاٹھی پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اس روایت کو ابوداؤد جلد ۱ صـ ۱۵۶ اور مسند احمد ج ۴ صـ ۲۱۲ سے تخریج کیا گیا ہے روایت (۹۵۴) عن ابن شہاب کو مراسیل ابوداؤد ملحقہ بسنن ابی داؤد صـ ۸ سے نقل کیا گیا ہے ثم جلس شیئاً یسیراً آپ دو خطبوں کے درمیان اس قدر بیٹھا کرتے تھے کہ جسم مبارک کا ہر ہر عضو اپنی جگہ پر آجاتا تھا فقہاء نے اتنا عرصہ مقرر کیا ہے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں، سنت ہے

خطبہ کے ارکان و آداب

اس کے ارکان صرف دو ہیں ایک وقت جمعہ دوسرا مطلق ذکر اللہ اور اس کے آداب و سنن پندرہ ہیں:۔

ایک: طہارت، اسی لیے بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔

۹۵۲- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطِیْلُ الصَّلٰوۃَ وَیُقَصِّرُ الْخُطْبَۃَ - رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ -

۹۵۳- وَعَنِ الْحَکَمِ بْنِ حَزْنٍ الْکُلَفِیِّ قَالَ قَدِمْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَابِعَ سَبْعَۃٍ اَوْتَاسِعَ تِسْعَۃٍ فَلَبِثْنَا عِنْدَہٗ اَیَّامًا شَہِدْنَا فِیْہَا الْجُمُعَۃَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مُتَوَکِّئًا عَلٰی قَوْسٍ اَوْ قَالَ عَلٰی عَصًا - رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ -

---

۹۵۲- حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو لمبا اور خطبہ کو مختصر فرماتے تھے" یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۵۳- حکم بن حزن الکلفی نے کہا "میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا جب کہ میں سات میں سے ساتواں یا نو میں سے نواں آدمی تھا، تو ہم آپ کے پاس کئی دن ٹھہرے، اس مدت میں ہم جمعہ میں بھی حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوس یا کہا لاٹھی پر ٹیک لگا کر (خطبہ) ارشاد فرمایا" یہ حدیث احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

دوسرے: کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا، بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے (عالمگیری و بحرالرائق)

تیسرے: قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھنا چنانچہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یا کسی دوسری جانب کھڑے ہو کر پڑھنا مکروہ ہے (عالمگیری، بحر)

چوتھے: خطبہ سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا، (علی قول ابی یوسف۔ کذا فی البحر)

پانچویں: خطبہ کو بلند آواز سے پڑھنا، تاکہ لوگ سن لیں، اس لیے اگر آہستہ پڑھ لیا تو اگرچہ فرض ادا ہو گیا مگر کراہت رہی (بحر، عالمگیری)

چھٹے: یہ کہ خطبہ کو مختصر پڑھنا جو دس چیزوں پر مشتمل ہو (معارف السنن ج ۴ ص ۴۶۹)

اوّل حمد سے شروع کرنا، دوم اللہ تعالیٰ کی ثنا کرنا، سوم شہادتین پڑھنا، چہارم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، پنجم وعظ و نصیحت کے کلمات کہنا، ششم کوئی آیت قرآن مجید کی پڑھنا، ہفتم دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا، ہشتم دوسرے خطبہ میں دوبارہ حمد، ثنا اور درود پڑھنا، نہم تمام مسلمان مرد و عورت

۴۹۵۔ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْدَأُ فَيَجْلِسُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ قَامَ فَخَطَبَ الْخُطْبَةَ الْأُوْلٰى ثُمَّ جَلَسَ شَيْئًا يَسِيْرًا ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ الْخُطْبَةَ الثَّانِيَةَ حَتّٰى إِذَا قَضَاهَا اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ إِذَا قَامَ أَخَذَ عَصًا فَتَوَكَّأَ عَلَيْهَا وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ كَانَ أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ فِيْ مَرَاسِيْلِهٖ وَهُوَ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ۔

۴۹۵۔ ابن شہاب نے کہا ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً منبر پر تشریف فرماتے، پھر جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا کھڑے ہو کر پہلا خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی سی دیر تشریف رکھتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے، یہاں تک کہ جب اسے پورا فرما چکتے تو (أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ) پڑھتے، پھر نیچے تشریف لا کر نماز ادا فرماتے۔ ابن شہاب نے کہا، اور آپ جب کھڑے ہوتے تھے تو لاٹھی پکڑ کر اس پر ٹیک لگاتے اور آپ منبر پر کھڑے ہوتے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

یہ حدیث ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

کے لیے دعا مانگنا، دہم دونوں خطبوں کو مختصر کرنا، اس طرح کہ طوال مفصل کی سورتوں سے نہ بڑھے۔ (بحرالرائق و عالمگیری)

ساتویں: خطبۂ جمعہ و عیدین کا عربی میں ہونا، اور اس کے خلاف دوسری زبانوں میں پڑھنا بدعت ہے (مصفیٰ شرح موطا للشاہ ولی اللہ، وکتاب الاذکار للنووی، و در مختار شرح درالصلوٰۃ، شرح الاحیاء للزبیدی)

پھر عربی میں خطبۂ جمعہ پڑھ کر اس کا ترجمہ ملکی زبان میں قبل از نماز سنانا بدعت ہے جس سے بچنا ضروری ہے، البتہ نماز کے بعد ترجمہ سنائے تو مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے، البتہ خطبۂ عیدین وغیرہ میں خطبہ کے فوراً بعد ہی ترجمہ سنایا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس میں نماز خطبہ سے پہلے ہوتی ہے پھر اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ منبر سے علیحدہ ہو کر ترجمہ سنائے تاکہ امتیاز ہو جائے۔

خطبۂ جمعہ و عیدین میں فرق

خطبۂ جمعہ و عیدین و نکاح وغیرہ اس بات میں قول مختار کے موافق سب شریک ہیں کہ جب خطیب خطبہ دے تو سلام و کلام یہاں تک

بَابُ كَرَاهَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْمِنْبَرِ

۹۵۵۔ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى أَنْ يَقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاٰخَرُوْنَ۔

باب۔ منبر پر ہاتھ اٹھانے کی کراہت۔ ۹۵۵۔ حصین سے روایت ہے کہ عمارۃ بن رویبہ نے کہا، بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا، تو کہا، اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو تبیح (محروم) کرے، تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ اس سے زیادہ نہیں کرتے تھے کہ اپنے دستِ مبارک سے اس طرح فرماتے، اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

کہ ذکر و تسبیح وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں اور چپ بیٹھنا اور خطبہ سننا ضروری ہو جاتا ہے۔
لیکن چند امور میں خطبہ جمعہ و عیدین میں فرق ہے چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

«بیان الفرق (بین خطبة الجمعة والعيدين) وهو انهما (الخطبة اى فيهما العيدين) سنة لاشرط وانها بعدهما لاقبلها بخلاف الجمعة، قال فى البحرحتى لولم يخطب اصلاً صح واساء لترك السنة، ولوقدمها على الصلاة صحت واساء ولا تعاد الصلوٰة»

(جواهر الفقه ج ۱ ص۳۶۹)

(۹۵۵) عن حصين عن عمارة بن اذيبة (مسلم ج ۱ ص۲۸۷) خطبہ کے وقت رفع الایدی علی المنبر مکروہ ہے شوافع اور مالکیہ کا مسلک بھی یہی ہے اگرچہ بعض مالکیہ وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے مگر جمہور کے نزدیک کسی واقعہ جزئیہ سے کلیہ کا استدلال درست نہیں ہے۔ واشار باصبعه المسبحة مسبحہ سے اشارہ مسنون ہے تاکہ لوگ دلجمعی سے مخاطب ہوں اور خطبہ پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہو۔

بَابُ التَّنَفُّلِ حِيْنَ يَخْطُبُ الْإِمَامُ

۹۵۶۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ صَلَّيْتَ قَالَ لَا قَالَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۹۵۷۔ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَلَسَ فَقَالَ لَهُ يَا سُلَيْكُ قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا ثُمَّ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَآخَرُوْنَ۔

باب۔ امام کے خطبہ کے دوران نفل پڑھنا۔ ۹۵۶۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ایک شخص جمعہ کے دن (مسجد میں) آیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "تم نے نماز پڑھ لی ہے؟" اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا "تو دو رکعتیں پڑھو لو"۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

۹۵۷۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جمعہ کے دن سلیک الغطفانی آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ آکر بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا "اے سلیک! کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کرو، اور ان دونوں رکعتوں میں اختصار کرو، پھر فرمایا "تم میں سے کوئی شخص جب جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے دو رکعتیں پڑھ لینا چاہیئے اور اسے چاہیے کہ ان میں اختصار کرے (یعنی ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھے) یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

بیان مذاہب (۹۵۶ تا ۹۵۸) (۱) شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دوران آنے والا خطبہ کے دوران ہی تحیۃ المسجد پڑھ لے تو یہ مستحب ہے۔

(۲) احناف، موالک اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ کے دوران کسی قسم کا کلام یا نماز جائز نہیں جمہور صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مسلک ہے ـــــ باب ہذا کی روایات شوافع اور حنابلہ کے مستدل ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل اور جوابات باب کی تینوں روایات ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸ مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۷ سے منقول ہیں اور قائلین جواز کا مستدل ہیں

جمہور حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آنے والے کا نام سلیک ابن هدبة وقيل بن عمرو الغطفانى كذا قال السيوطى في الزهر الربى على النسائى ج ا صفحہ ۲۰۸، غطفانی تھا یہ شخص بڑا فقیر

۹۵۸- وَعَنْ سُلَيْكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ- رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ-

بَابٌ فِي الْمَنْعِ مِنَ الْكَلَامِ وَالصَّلٰوةِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

۹۵۹- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

۹۵۸- سلیک رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو، تو اُسے ہلکی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں" یہ حدیث احمد اور طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب- خطبہ کے دوران کلام اور نماز کی ممانعت- ۹۵۹- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

اور خستہ حال تھا۔ آپؐ لوگوں سے اس کے لیے چندہ مانگنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ اُٹھ کر دو رکعت پڑھ مطلب یہ تھا کہ لوگ اس کی خستہ حالی کو دیکھ لیں اور اس پر صدقہ کریں۔ چنانچہ نسائی ج ۱ صـ۱۵۸ میں روایت ہے: جاء رجل یوم الجمعۃ والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخطب بھیئۃ بذۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أصلیت؟ قال: لا۔ قال صل رکعتین وحث علی الصدقۃ الحدیث۔ اور موارد الظمآن صـ۱۵ کی روایت میں ہے۔ فرمایا ارکع رکعتین ولا تعودن لمثل ھذا۔ اور فتح الباری ج ۲ صـ۳۲۲ میں بحوالہ مسند احمد ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ان ھذا الرجل دخل المسجد فی ھیئۃ بذۃ فامرتہ ان یصلی وانا ارجوان یفطن لہ رجل۔ الحدیث تو ان روایات سے پتہ چلا کہ یہ ایک مخصوص واقعہ تھا۔ ضابطہ اور قاعدہ نہ تھا۔ بعض راویوں نے اس کو ضابطہ کی شکل میں پیش کر دیا ہے اور دارقطنی ج ۱ صـ۱۶۹ کی روایت میں ہے کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا آپؐ نے خطبہ روک دیا: وامسك عن الخطبۃ حتی فرغ من صلوتہ اوکان قبل شروعہ فی الخطبۃ وخرجہ النسائی فی سننہ الکبری وبوب علیہ۔ اوکان ذلك قبل ان ینسخ الکلام فی الصلوۃ فلما نسخ فی الصلوۃ نسخ فی الخطبۃ ایضاً لانہا شطر صلوۃ الجمعۃ وشرطھا کما صرح الطحاوی راجع ھامش النسائی ج ۱ صـ۱۵۸ وکذا فی مسند ابن ابی شیبۃ عن محمد بن قیس امسك عن الخطبۃ حتی فرغ۔

(۹۵۴ تا ۹۶۱) باب ہذا کی تمام روایات جمہور کا مستدل ہیں۔

إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۹۲۰- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَلَسَ إِلَى جَنْبِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ أَوْ كَلَّمَهُ بِشَيْءٍ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ أُبَيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَظَنَّ ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَنَّهَا مَوْجِدَةٌ فَلَمَّا انْفَتَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا أُبَيُّ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَرُدَّ عَلَيَّ قَالَ إِنَّكَ لَمْ تَحْضُرْ مَعَنَا الْجُمُعَةَ قَالَ وَلِمَ قَالَ تَكَلَّمْتَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَامَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ أُبَيٌّ أَطِعْ أُبَيًّا رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم نے جمعہ کے دن، جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو، اپنے ساتھی سے کہا، خاموش ہو جاؤ، تو تم نے بیہودہ کلام کیا۔" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۲۰- حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے انہوں نے ان سے کوئی بات پوچھی یا ان سے کوئی بات کی تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب نہ دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ وہ ناراض ہو گئے۔ پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے پلٹے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، "اے ابی! تمہیں میری بات کا جواب دینے سے کس نے روکا؟" ابی رضی اللہ عنہ نے کہا، تم ہمارے ساتھ جمعہ کے لیے شریک نہیں ہوئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، وہ کیوں؟ ابی نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے (جب) تم نے کلام کیا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ بات ذکر کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "ابی نے سچ کہا ہے، ابی کی بات مانو۔" یہ حدیث ابو یعلی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

قائلین عدم جواز کے دلائل | (۱) حنفیہ حضرات آیت قرآنی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا

۹۶۱۔ وَعَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ اَبِیْ مَالِكٍ الْقُرَظِیِّ قَالَ اِنَّ جُلُوْسَ الْاِمَامِ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَكَلَامُهُ يَقْطَعُ الْكَلَامَ وَقَالَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ حِيْنَ يَجْلِسُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَى الْمِنْبَرِ حَتّٰى يَسْكُتَ الْمُؤَذِّنُ فَاِذَا قَامَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ لَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ حَتّٰى يَقْضِیَ خُطْبَتَيْهِ كِلْتَيْهِمَا ثُمَّ اِذَا نَزَلَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَقَضٰى خُطْبَتَيْهِ تَكَلَّمُوْا رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

بَابُ مَا يُقْرَاُ بِهٖ فِیْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

۹۶۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

۹۶۱۔ ثعلبہ بن مالک القرظی نے کہا امام کا منبر پر بیٹھنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا (خطبہ دینا) گفتگو کو ختم کر دیتا ہے انہوں نے کہا جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھتے تو لوگ باتیں کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ مؤذن (اذان کہہ کر) خاموش ہو جاتا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو جاتے کوئی بھی کلام نہ کرتا یہاں تک کہ وہ اپنے دونوں خطبے پورے کر لیتے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں خطبے پورے کر کے نیچے اترتے تو لوگ باتیں کرتے۔

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے ۹۶۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

لہ وانصتوا سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ بھی اس حکم میں شامل ہے بلکہ شوافع تو اس آیت کو صرف خطبۂ جمعہ ہی کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔

(۲) باب ہذا کی پہلی روایت (۹۵۹) عن ابی ہریرہ (بخاری ج ۱ ص۱۲۷) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کے دوران امر بالمعروف سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ امر بالمعروف فرض ہے اور تحیۃ المسجد مستحب ہے لہذا تحیۃ المسجد بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی باب ہذا کی دوسری روایت (۹۶۰) عن جابر (مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص۲۳۵) تیسری روایت (۹۶۱) وعن ثعلبۃ بن ابی مالک (طحاوی ج ۱ ص۲۵۴) قائلین عدم جواز کے واضح اور قطعی دلائل ہیں۔

(۹۶۲ تا ۹۶۶) باب کی پہلی روایت عن ابن عباس (مسلم ج ۱ ص۲۸۸) دوسری روایت (۹۶۳)

يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةَ وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٩٦٣- وَعَنِ ابْنِ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ بَعْدَ سُوْرَةِ الْجُمُعَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالَ فَاَدْرَكْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ حِيْنَ انْصَرَفَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّكَ قَرَأْتَ بِسُوْرَتَيْنِ كَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقْرَأُ هُمَا بِالْكُوْفَةِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں (سورۃ) الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السجدۃ اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ تلاوت فرماتے اور جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون تلاوت فرماتے تھے۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

٩٦٣- ابن ابی رافع نے کہا مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں امیر مقرر کیا اور خود وہ مکہ مکرمہ چلا گیا تو ہمیں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن نماز پڑھائی، تو انہوں نے سورۃ جمعہ کے بعد دوسری رکعت میں اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ پڑھی، ابن ابی رافع نے کہا جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا، تو میں اُن سے ملا، میں نے ان سے کہا "آپ نے وہ دو سورتیں پڑھی ہیں، جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کوفہ میں پڑھتے تھے تو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، "بلاشبہ میں نے جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

عن ابن ابی رافع (مسلم ج ۱ ص ۲۸۷) تیسری روایت ۹۶۴ عن النعمان بن بشیر (مسلم ج ۱ ص ۲۸۸) چوتھی روایت ۹۶۵ عن عبید اللہ بن عبد اللہ (مسلم ج ۱ ص ۲۸۸) اور آخری روایت ۹۶۶ عن سمرۃ بن جندب (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳ نسائی ج ۱ ص ۲۱۱) میں نماز جمعہ میں حضور

۹۶۴۔ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ يَقْرَأُ بِهِمَا اَيْضًا فِي الصَّلٰوتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۶۵۔ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَتَبَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ اِلَى النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ يَسْئَلُهُ اَيَّ شَيْءٍ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سِوٰى سُوْرَةِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۶۶۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۶۴۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرماتے، اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں اکٹھے ہو جاتے تو بھی یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں تلاوت فرماتے"۔
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۶۵۔ عبید اللہ بن عبد اللہ نے کہا "ضحاک بن قیس نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سورۃ جمعہ کے علاوہ کیا چیز تلاوت فرماتے تھے، تو حضرت نعمانؓ نے کہا "آپ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرماتے تھے"۔
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۶۶۔ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرماتے تھے۔
یہ حدیث احمد، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے عمومی معمول کا ذکر ہے۔

اَبْوَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

بَابُ التَّجَمُّلِ يَوْمَ الْعِيْدِ

۹۶۷۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ بُرْدَةَ الْاَحْمَرِ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۹۶۸۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ يَوْمَ الْعِيْدِ بُرْدَةً حَمْرَاءَ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

ابواب۔ عیدین کی نماز

باب۔ عید کے دن زینت حاصل کرنا۔ ۹۶۷۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور دونوں عیدوں کے دن سرخ دھاری دار کپڑا پہنتے۔
یہ حدیث ابن خزیمہ نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کی ہے۔

۹۶۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن دھاری دار کپڑا پہنتے۔ یہ حدیث طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۶۷۔ عید عَادَ یَعُوْدُ سے ماخوذ ہے، یہ اصل میں عِوْدٌ تھا، واؤ کے سکون اور ما قبل کے کسرہ کی وجہ سے "واؤ" کو "یاء" سے تبدیل کر دیا گیا، جیسے "میزان" اس کی جمع "اعیاد" آتی ہے، قاعدہ کے مطابق "اعواد" ہونی چاہئے تھی، مگر "عود" بمعنی لکڑی کی جمع سے فرق کرنے کے لیے جمع "اعیاد" آتی ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ عید کو عید اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

اور بعض کے نزدیک یہ "عود" (ایک خوشبو دار لکڑی) سے مشتق ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں بکثرت عود جلائی جاتی ہے۔

لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ "عاد یعود" سے ماخوذ ہے اور اس کا نام تفاؤلاً عید رکھا گیا ہے گویا یہ ایک دعا ہے کہ خدا کرے یہ دن بار بار آئے جیسا کہ قافلہ کا نام تفاؤلاً قافلہ رکھا گیا۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ الْأَكْلِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَبَعْدَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْاَضْحٰی

۹۶۹ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا -

---

باب - عید الفطر کے دن (عیدگاہ میں) جانے سے پہلے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز (عید) کے بعد کھانا کھانا مستحب ہوتا ہے - ۹۶۹ - حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف نہیں لے جاتے تھے، یہاں تک کہ کھجوریں تناول فرماتے تھے" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کھجوریں طاق (عدد میں) تناول فرماتے"

پھر بسا اوقات یہ لفظ مطلق خوشی کے دن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

عید وعید وعید صرن مجتمعة   وجه الحبيب ويوم العيد والجمعة

ہر مذہب وملت میں چند ایام خوشی منانے کے لیے مقرر ہوتے ہیں لیکن اسلام نے سال بھر میں صرف دو یوم مقرر کئے ہیں اور یہ دونوں بھی عظیم الشان عبادتوں کی تکمیل کے وقت مشروع ہیں چنانچہ عید الفطر کے موقعہ پر صیام رمضان کی تکمیل ہوتی ہے اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر حج کی پھر دوسرے مذاہب کے برعکس ان دونوں دنوں کو بھی عبادت بنا دیا ہے کہ ان کا آغاز دوگانۂ عید سے ہوتا ہے۔

باب کی دونوں روایات (۹۶۷ عن جابر بیہقی ج ۳ ص ۲۸۰ و ۹۶۸ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۸) میں عید کے روز تجمل اور لباس پہننے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول منقول ہے۔

(۹۶۹ تا ۹۷۲) جمہور کا مسلک ہے کہ عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے باب کی باب کی پہلی روایت عن انس بن مالک (بخاری ج ۱ ص ۱۳۰) میں اس کی تصریح ہے یاکل تمرات آپ کھجوریں طاق تین پانچ سات استعمال فرماتے تھے کہ ہر کام میں طاق کی رعایت رکھنا بہتر ہے ان اللہ وتر یحب الوتر کھجوریں کھانے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس وقت کھجوریں ہی موجود ہوتی بعض حضرات نے حکمت یہ بتائی ہے کہ وہ شیریں ہوتی ہیں اور شیریں تقویت بصر کا سبب ہوتی ہے خاص طور پر خلو معدہ کے وقت، تو نگاہوں کی تقویت کے لیے یہ بڑی زود اثر ہوتی نیز شیرینی مقتضائے ایمان بھی ہے علماء نے

۹۷۰- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَكَانَ لَا يَأْكُلُ يَوْمَ النَّحْرِ شَيْئًا حَتّٰى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ - رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

۹۷۱- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا تَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى تُخْرِجَ الصَّدَقَةَ وَتَطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ - رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَزَّارُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ وَإِسْنَادُ الطَّبَرَانِيِّ حَسَنٌ -

---

۹۷۰- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن تشریف نہیں لے جاتے تھے، یہاں تک کہ کھانا تناول فرما لیتے اور قربانی کے دن کوئی چیز تناول نہیں فرماتے تھے، یہاں تک کہ (عید گاہ سے) واپس تشریف لے آتے، تو آپ اپنی قربانی سے تناول فرماتے۔

یہ حدیث دارقطنی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۷۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ بات سنت سے ہے کہ عید الفطر کے دن (عید گاہ کی طرف) صدقہ ادا کرنے سے پہلے نہ نکلے اور نکلنے سے پہلے کچھ کھا لے۔" یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں، دارقطنی اور بزار نے نقل کی ہے۔ ہیثمی نے کہا ہے، طبرانی کی اسناد حسن ہے۔

لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھائے اسے حلاوت ایمان نصیب ہوگا نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے اس سبب سے شیرینی سے افطار افضل ہے (مظاہر حق ج ۱ صـ۹۳۶) اور عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے تک امساک کرنا اور کچھ نہ کھانا مستحب ہے جیسا کہ باب کی دوسری حدیث ۹۷۰ عن بریدہ (دارقطنی ج ۲ صـ۴۵ ترمذی ج ۱ صـ۱۲۰) میں یہی ثابت ہے۔

یہ امساک ہر شخص کے لیے مسنون اور مستحب ہے خواہ وہ قربانی کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو اور یہی اصح ہے (المعارف ج ۴ صـ۵۳۲) پھر عید الاضحیٰ کے دن نماز اور قربانی سے قبل کچھ نہ کھانے کا جو استحباب ہے اس کی حکمت بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس دن دعوت عام ہے لہٰذا سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا چاہیے گویا اللہ کی ضیافت میں شرکت ہے روایت (۹۷۱) عن ابن عباس (معجم کبیر ج ۱ صـ۱۴۲ دارقطنی مجمع الزوائد ج ۲ صـ۱۹۹) کا مضمون تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے روایت (۹۷۲)

۷۹۷۔ وَعَنْ عَطَاءٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ فَلْيَفْعَلْ قَالَ فَلَمْ أَدَعْ أَنْ آكُلَ قَبْلَ أَنْ أَغْدُوَ مُنْذُ سَمِعْتُ ذٰلِكَ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَآكُلُ مِنْ طَرَفِ الصَّرِيْفَةِ الْأُكْلَةَ وَأَشْرَبُ اللَّبَنَ وَالْمَاءَ فَقُلْتُ عَلٰى مَا تَأَوَّلَ هٰذَا قَالَ سَمِعَهُ أَظُنُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَمْتَدَّ الضُّحٰى فَيَقُوْلُوْنَ نَطْعَمُ لِئَلَّا نَعْجَلَ عَنْ صَلٰوتِنَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ الصَّحِيْحِ۔

۷۹۷۔ عطاء سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ عید الفطر کے دن (عید کے لیے) نہ جاؤ، یہاں تک کھا لو، تو ایسا ہی کرو" عطاء نے کہا "میں جانے سے پہلے کھانا کھانا نہیں چھوڑتا، جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے، تو میں چپاتی کے کنارے سے ایک لقمہ کھا لیتا ہوں، دودھ اور پانی بھی پی لیتا ہوں۔" ابن جریج کہتے ہیں، میں نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے یہ کہاں سے لیا ہے؟ (عطاء نے) کہا میرا خیال ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے عطاءؓ نے کہا لوگ (عید کے لیے) دھوپ پھیلنے تک نہیں نکلتے تھے وہ کہتے تھے۔ ہم کھا لیتے ہیں تاکہ اپنی نماز میں جلدی نہ کریں۔ (چونکہ رمضان المبارک میں سحری کھانے کی عادت تھی بھوک جلدی لگ جاتی ہے اس لیے عید کے لیے جانے سے پہلے کھا لیتے تاکہ نماز اطمینان سے ادا کر سکیں۔)

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور ہیثمی نے کہا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عن عطاء (مسند احمد ج ۱ صفحہ ۳) خود اپنے مضمون کی شرح ہے عید الاضحیٰ کے مقابلہ میں عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لیے مستحب ہے کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینے دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا آج جب اسی کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی صبح اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے بندگی کا مقام اور عبدیت کی شان یہی ہے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ اِلَى الْجَبَّانَةِ لِصَلٰوةِ الْعِيْدِ

۹۷۳۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی اَلْحَدِیْثَ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ لِعُذْرٍ

۹۷۴۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ اَصَابَ النَّاسَ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِھِمْ فِی الْمَسْجِدِ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ عِیْسَی بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی وَھُوَ مَجْھُوْلٌ۔

باب۔ نمازِ عید کے لیے صحرا (کھلی جگہ۔ عیدگاہ) کی طرف نکلنا۔ ۹۷۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے ''۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

باب۔ عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز پڑھنا۔ ۹۷۴۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں لوگوں کو عید کے دن بارش پیش آگئی، تو آپ نے انہیں مسجد میں نماز پڑھائی''۔ یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں عیسیٰ بن عبد الاعلیٰ ہے جوکہ مجہول ہے۔

---

(۹۷۳) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بخاری ج ۱ صــــ۱۳۱ مسلم ج ۱ صــــ۲۹۰ میں نقل کیا گیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جو آپ نے اس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا اور گویا (عیدگاہ) قرار دیا تھا۔ اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی بس صحرائی میدان تھا لوگوں نے لکھا ہے کہ بس مسجد نبوی سے کوئی ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔

(۹۷۴ تا ۹۷۵) پہلی روایت عن ابی ھریرۃ (ابن ماجہ صــــ۹۲ ابوداؤد ج ۱ صــــ۱۶۳) اور دوسری روایت عن حفصؓ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صــــ۱۸۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو سنت تو یہی ہے کہ عیدین کی نماز کھلے میدان میں ہو لیکن اگر بارش کی حالت ہو یا کوئی ایسا عذر ہو تو عید کی نماز

۹۷۵۔ وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ قِيْلَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ ضَعَفَةً مِّنَ النَّاسِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ اِلَى الْجَبَّانَةِ فَاَمَرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ لِلْعِيْدِ وَرَكْعَتَيْنِ لِمَكَانِ خُرُوْجِهِمْ اِلَى الْجَبَّانَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ فِي الْقُرٰى

۹۷۶۔ قَالَ الْبُخَارِيُّ اَمَرَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَوْلَاهُ ابْنَ اَبِيْ عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ اَهْلَهٗ وَبَنِيْهِ وَصَلّٰى كَصَلٰوةِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَتَكْبِيْرِهِمْ اِنْتَهٰى وَهُوَ مُعَلَّقٌ۔

۹۷۷۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِيْدِ مَعَ الْاِمَامِ جَمَعَ اَهْلَهٗ يُصَلِّيْ بِهِمْ مِثْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ فِي الْعِيْدِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاِسْنَادُهٗ غَيْرُ صَحِيْحٍ۔

۹۷۵۔ حنش نے کہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کمزور لوگ جبانہ (جہاں عید گاہ تھی) جانے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ "لوگوں کو چار رکعات پڑھائے، دو رکعتیں عید کے لیے اور دو رکعتیں ان کے جبانہ جانے کے بدلہ میں" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

باب۔ دیہات میں عیدین کی نماز۔ ۹۷۶۔ بخاری نے کہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے زاویہ میں اپنے آزاد کردہ غلام ابن ابی عتبہ سے کہا، تو انہوں نے اپنے اہل اور بیٹوں کو اکٹھا کیا اور شہر والوں کی نماز اور تکبیر کی طرح نماز پڑھائی" انتہی یہ حدیث معلق ہے۔

۹۷۷۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن انس بن مالک نے کہا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب امام کے ہمراہ عید کی نماز فوت ہو جاتی، تو اپنے گھر والوں کو اکٹھا کر کے انہیں امام کی نماز عید کی طرح نماز پڑھاتے" یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(۹۷۶ تا ۹۷۸) پہلی روایت بخاری ج ۱ ص۱۳۳ دوسری روایت ۹۷۷ بیہقی ج ۳ ص ۳۰۵ تیسری

۹۷۸۔ وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَنَسًا کَانَ رُبَّمَا جَمَعَ اَھْلَہٗ وَحَشَمَہٗ یَوْمَ الْعِیْدِ فَیُصَلِّیْ بِہِمْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ عُتْبَۃَ مَوْلَاہُ رَکْعَتَیْنِ۔ رَوَاہُ اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَرِجَالُہٗ ثِقَاتٌ لٰکِنْ بَعْضُ اٰلِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَجْھُوْلٌ۔

بَابُ لَا صَلٰوۃَ الْعِیْدِ فِی الْقُرٰی

۹۷۹۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَا تَشْرِیْقَ وَلَا جُمُعَۃَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ۔ رَوَاہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاٰخَرُوْنَ وَھُوَ اَثَرٌ صَحِیْحٌ۔

۹۷۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی آل میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کبھی اپنے قرابتداروں اور غلاموں کو عید کے دن اکٹھا کرتے، تو انہیں عبداللہ بن ابی عقبہ حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام دو رکعتیں پڑھاتے۔ یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن بعض آلِ انسؓ مجہول ہے۔

باب۔ دیہات میں عید کی نماز نہیں ۹۷۹۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "عید اور جمعہ بڑے شہر کے سوا نہیں"
یہ حدیث عبدالرزاق اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور یہ اثر صحیح ہے۔

روایت ۹۷۸ عن بعض آلِ انس (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۸۳) سے منقول ہے۔

(۹۷۹) اسی روایت کو مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۸ میں نقل کیا ہے عید کو جمعہ سے مناسبت ہے کہ دونوں نمازیں نہاری ہیں، جو عظیم جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں دونوں میں قرارت جہراً ہوتی ہے نماز عید اس پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے۔ اور شرطیں بھی دونوں کی یکساں ہیں سوائے خطبہ جمعہ کے کہ جمعہ میں خطبہ شرط اور مقدم ہے اور عیدین میں خطبہ سنت اور مؤخر ہے صلوٰۃ العیدین فی القریٰ سے متعلق مباحث بھی صلوٰۃ الجمعۃ فی القریٰ کی ہیں جو پہلے تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا نِدَاءٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ

۹۸۰۔ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَا لَمْ یَکُنْ یُؤَذَّنُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا یَوْمَ الْاَضْحٰی رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۹۸۱۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِیْدَیْنِ غَیْرَ مَرَّۃٍ وَّلَا مَرَّتَیْنِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

۹۸۲۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوۃِ یَوْمَ الْفِطْرِ حِیْنَ یَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا یَخْرُجُ وَلَا اِقَامَۃَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَیْءَ وَلَا نِدَاءَ یَوْمَئِذٍ وَّلَا اِقَامَۃَ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

باب۔ اذان، منادی اور اقامت کے بغیر عید کی نماز۔ ۹۸۰۔ عطاء سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اذان نہیں کہی جاتی تھی" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۸۱۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کئی بار بغیر اذان اور اقامت کے عیدین کی نماز پڑھی" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۸۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کے لیے امام کے آنے کے وقت اور آنے کے بعد اذان نہیں، نہ اقامت، نہ منادی، نہ کوئی اور چیز اس دن نہ اذان تھی نہ اقامت" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

(۹۸۰ تا ۹۸۲) پہلی روایت عن عطاء عن ابن عباس (بخاری ج ۱ صفحہ ۱۳۱ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۰) دوسری روایت ۹۸۱ عن جابر بن سمرۃ (مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۰) تیسری روایت ۹۸۲ عن جابر بن عبد اللہ الانصاری (مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۰) کا مضمون واحد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز بغیر اذان اقامت اور نداء کے بغیر پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔ علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں فرماتے ہیں "ولا نعلم فی ھذا خلافا ممن یعتد بخلافہ، الا انہ روی عن ابن الزبیر انہ اذن واقام، فقیل اول من اذن زیاد، وھذا دلیل علی انعقاد الاجماع قبلہ علی ان ذلک

بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ

۹۸۳ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُصَلُّوْنَ الْعِیْدَیْنِ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

باب - خطبہ سے پہلے عیدین کی نماز - ۹۸۳ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ سے پہلے عیدین کی نماز پڑھتے تھے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

لهما اذان ولا اقامة الخ "(المغنی ج ۲ ص۲۳۵)

بہرحال جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز عید بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی جائے گی، لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ نماز عید میں "اعلام بطریق مخصوص" (اذان و اقامت) کی تو نفی ہے لیکن نفس اعلام یعنی اعلان کی نفی نہیں، اس لئے کہ وہ تمام نوافل جو جماعت کے ساتھ مشروع ہیں مثلاً تراویح، صلوٰۃ کسوف اور استسقاء وغیرہ، جس طرح ان میں اذان و اقامت کے بجائے اعلان مشروع ہے اسی طرح نماز عید میں بھی اعلان وغیرہ کر کے لوگوں کو باخبر کرنا درست ہے (عمدۃ القاری ج ۶ ص۲۹۲)

۹۸۳ تا ۹۸۵ باب کی پہلی روایت عن ابن عمر (بخاری ج ۱ ص۱۳۱ مسلم ج ۱ ص۲۹۰) دوسری روایت ۹۸۴ (بخاری جلد ۱ ص۱۳۱ مسلم ج ۱ ص۲۸۹) تیسری روایت ۹۸۵ عن ابی سعید الخدری (بخاری ج ۱ ص۱۳۱ مسلم ج ۱ ص۲۹۰) کا مدلول لفظی ترجمہ سے واضح ہے۔

خلفاء راشدین ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد مسنون ہے پھر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دے دیا پھر بھی درست ہے اگرچہ خلاف سنت اور مکروہ ہے (معارف السنن ج ۴ ص۴۲۷) حتی خرجت مع مروان وهو امير المدينة اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید سے پہلے خطبہ دینا مروان بن الحکم نے شروع کیا جبکہ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص۲۸۳ کی ایک روایت اول من خطب ثم صلی بالخطبة قبل الصلوٰة يوم الفطر عمر بن الخطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیا ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ کام سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے کیا (فتح الباری ج ۲ ص۳۷۶) بعض روایات میں اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ (حال

۹۸۴- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۹۸۵- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ

۹۸۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عید کی نماز کے لیے حاضر ہوا، وہ سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۹۸۵- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے جس چیز سے ابتداء فرماتے نماز تھی پھر آپ سلام پھیرتے تو لوگوں کی طرف چہرہ مبارک کر کے کھڑے ہو جاتے۔ اور لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے،

ابن شہاب: اول من بدأ بالخطبة قبل الصلاة معاویة: مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۸۴) اور بعض میں زیاد کا نام آتا ہے عن ابن سیرین اول من فعل ذلک زیاد بالبصرة (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۶)

اس کے جواب میں بعض علماء نے ان حضرات سے متعلق روایات پر کلام کیا ہے جب کہ بعض نے فرمایا کہ دراصل حضرت عثمان رضی نے دور دراز سے آنے والے لوگوں کی رعایت کے لیے خطبہ کو مقدم کیا تاکہ بعد میں آنے والے حضرات نماز میں شریک ہوسکیں چنانچہ ان کے بارے یوں مروی ہے "اول من خطب قبل الصلاة عثمان صلی بالناس ثم خطبهم یعنی علی العادة، فرأی ناسا لم یدرکوا الصلاة ففعل ذلك، أی صار یخطب قبل الصلاة" (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۶) البتہ حضرت عمر رضی کے تقدیم خطبہ کی دوسری وجہ بیان کی گئی ہے چنانچہ عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں "قال: کان الناس یبدؤن بالصلاة ثم یثنون بالخطبة حتی اذا کان عمر وکثر الناس فی زمانه وکان اذا ذهب یخطب ذهب جفاة الناس، فلما رأی ذلك عمر بدأ بالخطبة حتی ختم

وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلَّى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ فَجَبَذَنِي فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ لَهُ غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ فَقَالَ أَبَا سَعِيدٍ قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ فَقُلْتُ مَا أَعْلَمُ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِمَّا لَا أَعْلَمُ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

انہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور انہیں (کچھ کاموں) کا حکم فرماتے، پس اگر آپ کوئی گروہ (جہاد کے لیے) بھیجنا چاہتے تو انہیں متعین فرما دیتے یا کسی چیز کے بارہ میں لوگوں کو حکم فرماتے جو انہیں حکم دیا گیا ہوتا، ابوسعید نے کہا، لوگ اسی طرح (عمل کرتے) رہے، یہاں تک کہ میں عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن مروان کے ہمراہ گیا اور وہ مدینہ منورہ کا امیر تھا، جب ہم عیدگاہ میں پہنچے، تو اچانک سامنے منبر تھا، جسے کثیر بن الصلت نے تیار کیا تھا، پس جب مروان نے نماز سے پہلے منبر پر چڑھنے کا ارادہ کیا، تو میں نے اس کے کپڑے سے پکڑ کر اسے کھینچا تو اس نے مجھے کھینچ لیا، اور چڑھ گیا، پھر نماز سے پہلے خطبہ دیا، تو میں نے اسے کہا، خدا کی قسم تم نے (دین سنت) بدل دیا ہے۔ اس نے کہا اے ابوسعید! جو تم جانتے ہو، وہ (دور) گزر گیا، میں نے کہا، خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جو میں نہیں جانتا، تو اس نے کہا، لوگ نماز کے بعد ہمارے لیے بیٹھتے نہیں تھے، تو میں نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا۔"

یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

بالصلوٰۃ" مصنف ابن ابی شیبۃ (ج ۲ ص ۱۷۱)

لیکن راجح یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف تقدیم خطبہ کی نسبت شاذ اور حدیث باب کے خلاف ہے، البتہ حضرت عثمانؓ سے تقدیم خطبہ ثابت ہے اور ان کے بعد حضرت معاویہؓ سے بھی، غالباً انہوں نے حضرت عثمانؓ کی اتباع میں ایسا کیا، پھر چونکہ زیاد حضرت معاویہؓ کے زمانے میں بصرہ کا گورنر تھا، اس نے بھی حضرت معاویہؓ کی اتباع میں تقدیم خطبہ پر عمل کیا، اسی طرح مدینے کے گورنر مروان نے بھی اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ کی

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْعِيدَيْنِ

۹۸۶ - عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَاَلَ اَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

باب ۔ عیدین کی نماز میں کیا پڑھا جائے ۔ ۹۸۶ ۔ عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی (نماز) میں کیا تلاوت فرماتے تھے، تو انہوں نے کہا، آپ ان دونوں میں قٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ تلاوت فرماتے تھے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

اتباع میں اور بقول بعض اپنی بعض مصالح کی بناء پر تقدیم خطبہ علی الصلوٰۃ کو اختیار کیا۔

پھر حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ، مروان اور زیاد کو " اول من خطب " کا مصداق قرار دینا رواۃ کے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے ہو سکتا ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے علاقہ میں سب سے پہلے تقدیم خطبہ پر عمل کیا ہو اس لیے ان کو " اول من خطب " کہا گیا اور مروان اور زیاد بھی چونکہ ان کے گورنر تھے اور اسی زمانہ میں اپنے اپنے علاقوں میں تقلیداً یا مصلحۃً انہوں نے بھی تقدیم خطبہ کو اختیار کر رکھا تھا، اس لیے " اول من خطب " کی نسبت ان کی طرف بھی کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۹۸۶ تا ۹۸۸) باب کی پہلی روایت عن عبید اللہ بن عبد اللہ مسلم ج ۱ ص۲۹۱ دوسری روایت ۹۸۷ وعن النعمان بن بشیر (مسلم ج ۱ ص۲۸۸) تیسری روایت ۹۸۸ وعن سمرۃ (مسند احمد ج ۵ ص... مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص۱۲۹) میں عیدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا معمول منقول ہے۔

واذا اجتمع العید والجمعۃ فی یوم واحد الخ اس سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔

البتہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اپنی کتاب " المغنی " (ج ۲ ص ۲۱۲) میں لکھتے ہیں کہ اگر عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو جس شخص نے نماز عید میں شرکت کی ہو گی ان سب سے جمعہ ساقط ہو جائے گا

۹۸۷۔ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَّاحِدٍ يَقْرَأُ بِهِمَا اَيْضًا فِي الصَّلٰوتَيْنِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۸۸۔ وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۸۷۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرماتے تھے، انہوں نے کہا اور جب عید اور جمعہ ایک دن اکٹھے ہو جاتے، تو بھی آپ دونوں نمازوں میں یہ دونوں سورتیں تلاوت فرماتے۔"
یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۹۸۸۔ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرماتے تھے۔"
یہ حدیث احمد ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

البتہ امام سے ساقط نہ ہوگا، نیز وہ نقل کرتے ہیں "وممن قال بسقوطه الشعبي و النخعي والاوزاعي وقيل هذا مذهب عمرؓ وعثمانؓ وعليؓ وسعيدؓ وابن عمرؓ وابن عباسؓ وابن الزبيرؓ" نیز شرح المہذب میں امام شافعیؒ کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں اہل بوادی سے جمعہ ساقط ہو جائے گا البتہ اہل بلد سے ساقط نہ ہوگا، امام شافعیؒ کی ایک روایت جمہور کے مطابق ہے۔ مذاہب کی تفصیل کے لیے دیکھئے اعلاء السنن (ج ۸ ص ۹۵ تا ۱۰۰) نیز دیکھئے معارف السنن (ج ۴ ص ۴۳۳) ۱۲ از مرتب عفی عنہ

قائلین سقوط کا استدلال حضرت عثمانؓ کے واقعہ سے ہے حضرت ابو عبید فرماتے ہیں "ثم شهدت مع عثمان بن عفان وكان ذلك يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال: يا ايها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان، فمن احب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالي فلينتظر ومن احب ان يرجع فقد اذنت له" (بخاری ج ۲ ص ۸۳۵)

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ بِثِنْتَيْ عَشَرَةَ تَكْبِيْرَةً

۹۸۹۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِيْ عِيْدٍ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ تَكْبِيْرَةً سَبْعًا فِي الْاُوْلٰى وَخَمْسًا فِي الْاٰخِرَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

۹۹۰۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ جِدًّا۔

باب۔ بارہ تکبیروں کے ساتھ عیدین کی نماز۔ ۹۸۹۔ عمرو بن شعیب سے بواسطہ شعیب، دادا شعیب روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں کہیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں۔ یہ حدیث احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

۹۹۰۔ عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات تکبیریں کہیں۔

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد بہت زیادہ کمزور ہے۔

لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیوں کہ اہل عوالی پر بُعد منازل اور اہل قُریٰ ہونے کی وجہ سے جمعہ واجب نہ تھا، اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل مصر سے بھی جمعہ ساقط ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے رخصت کا اختیار صرف اہل عوالی کو دیا تھا۔

مختصر یہ کہ جمعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے لہٰذا اس کے سقوط کے لیے بھی دلیل قطعی کی ضرورت ہو گی جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح وصریح خبر مرفوع موجود نہیں چہ جائیکہ کوئی دلیل قطعی موجود ہو لہٰذا جمعہ کے سقوط کا اعتبار کر کے کتاب اللہ، اخبار متواترہ اور اجماع کی مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

(۹۸۹ تا ۹۹۴) عیدین میں تکبیرات زوائد کے بارے میں اختلاف ہے۔

بیان مذاہب

(۱) ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بارہ تکبیریں زائد ہیں اور دونوں رکعتوں میں تکبیریں قراءت سے پہلے ہوں گی فی الرکعۃ الاولی سبعاً وفی الآخرۃ خمساً قبل القراءۃ۔

۹۹۱ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى سَبْعًا وَّخَمْسًا سِوٰى تَكْبِيْرَةِ الرُّكُوْعِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوُدَ وَفِي اِسْنَادِهٖ اِبْنُ لَهِيْعَةَ وَفِيْهِ كَلَامٌ مَّشْهُوْرٌ۔

۹۹۲ - وَعَنْ سَعْدِ الْمُؤَذِّنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

---

۹۹۱ - ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ سات اور پانچ تکبیریں کہیں۔ یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کے بارہ میں کلام مشہور ہے۔

۹۹۲ - سعد المؤذن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءۃ سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔ اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

---

(۲) حنفیہ کے نزدیک تکبیرات زوائد چھ ہیں پہلی رکعت میں ثناء کے بعد قراءۃ فاتحہ سے قبل تین زائد تکبیریں کہے اور ہاتھ بھی اٹھائے دوسری رکعت میں اختتام قراءۃ کے بعد رکوع سے قبل تین زائد تکبیریں کہے اور ہاتھ بھی اٹھائے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور جوابات | باب ہذا کی روایات ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (مسند احمد ج ۲ ص۱۸۰) میں ثنتی عشرۃ تکبیرۃ کی تصریح ہے حنفیہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالرحمن الطائفی ہے جس پر جرح ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص۵۷۴)

(۲) روایت نمبر (۹۹۰) عن عمرو بن عوف المزنی (ترمذی ج ۱ ص۱۱۹ ابن ماجہ ص۹۲) میں فی الاولی سبعاً قبل القراءۃ مذکور ہے امام نیموی نے اس کے جواب میں واسنادہ ضعیف جداً کہا ہے اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ پر شدید ترین جرح ہے قال احمد لیس بشیء، قال ابو حاتم منکر الحدیث وقال ابن حبان روی عن ابیہ نسخۃ موضوعۃ (میزان الاعتدال ج ۲ ص۴۰۶ و

۹۹۳۔ وَعَنْ نَافِعٍ مَوْلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُّ الْاَضْحٰى وَالْفِطْرَ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْاُخْرٰى خَمْسَ تَكْبِيْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۹۹۴۔ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ اَبِيْ عَمَّارٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَبَّرَ فِيْ عِيْدٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ تَكْبِيْرَةً سَبْعًا فِي الْاُوْلٰى وَخَمْسًا فِي الْاٰخِرَةِ رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۹۹۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافعؒ نے کہا "میں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر (کی نماز) میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حاضر ہوا، تو انہوں نے پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءۃ سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں" یہ حدیث مالکؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۹۹۴۔ عمار بن ابی عمار سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عید (کی نماز) میں بارہ تکبیریں کہیں سات تکبیریں پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

تہذیب ج ۸ صـ۴۲۲) روایت ۹۹۰ عن عائشہ (ابن ماجہ صـ۹۲ ابوداؤد ج ۱ صـ۱۶۲) کے جواب میں حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں جس کے بارے میں خود امام ترمذیؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن لہیعہ ضعیف عند (اہل الحدیث ج ۱ صـ۳)

(۳) عن سعید المؤذن روایت ۹۹۲ (ابن ماجہ صـ۹۲) میں عبدالرحمٰن بن سعد ضعیف راوی ہے (میزان الاعتدال ج ۲ صـ۵۶۶) اور اس کی سند میں سعد بن عمار مجہول ہے (میزان الاعتدال ج ۲ صـ۱۲۳) ان حضرات کے دیگر دلائل مثلاً اسی باب کی روایت ۹۹۳ (عن نافع الخ موطا امام مالکؒ صـ۱۶۶) اور روایت ۹۹۴ عن عمار بن ابی عمار (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صـ۱۷۱) اور اس کے علاوہ دیگر دلائل بھی ہیں لیکن وہ تمام کے تمام ضعیف ہیں مزید تفصیل کے لیے نصب الرایہ ج ۲ صـ۲۱۶ تا صـ۲۱۹) ملاحظہ ہو۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ بِسِتِّ تَكْبِيْرَاتٍ زَوَائِدَ

۹۹۵۔ عَنْ أَبِيْ عَائِشَةَ جَلِيْسٍ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ سَأَلَ أَبَا مُوْسَى الْأَشْعَرِيَّ وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيْرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى كَذٰلِكَ كُنْتُ أُكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ قَالَ أَبُوْ عَائِشَةَ وَأَنَا حَاضِرٌ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

باب ۔عیدین کی نماز چھ زائد تکبیروں کے ساتھ ۔ ۹۹۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمنشین ابو عائشہ سے روایت ہے کہ سعید بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیسے تکبیریں کہتے تھے، تو ابو موسیٰ رضؓ نے کہا، آپ چار تکبیریں کہتے، جیسا کہ آپ جنازوں پر کہتے، تو حذیفہؓ نے کہا، اس نے سچ کہا، ابو موسیٰؓ نے کہا، میں بصرہ میں بھی اسی طرح تکبیر کہتا رہا، جب تک میں ان پر حاکم رہا، ابو عائشہؓ نے کہا، میں حضرت سعید بن العاصؓ کے پاس حاضر ہوں ''یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۵ ۹ ۹ تا ۱۰۰۰) (۱) باب کی پہلی روایت عن ابی عائشہ (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶۳) حنفیہ کا قوی مستدل ہے اس میں چار تکبیروں کا ذکر ہے ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زوائد ہیں بلکہ یہ دو حدیثوں کے قائم مقام ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے حضرت ابو موسیٰ سے تصدیق فرمائی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کا مدار عبد الرحمن بن ثوبان پر ہے جنہیں ضعیف کہا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبد الرحمن بن ثوبان ایک مختلف فیہ راوی ہیں، جہاں بعض محدثین ان کی تضعیف کی ہے فروی عثمان بن سعید عن ابن معین ضعیف، وقال احمد : احادیثہ مناکیر، وقال النسائی : لیس بالقوی، میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۵۱) ۔ وقال عمرو بن علی : حدیث الشامیین ضعیف الا القلیل فاستثناہ منہم : وقال صالح بن محمد شامی صدوق الا ان مذہبہ القدر و انکروا علیہ احادیث یرویہا عن ابیہ عن مکحول، وہیں متعدد محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے چنانچہ حضرت دحیم اور ابو حاتم نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابو داؤد نے ان کے بارے میں فرمایا "کان فیہ سلامۃ وکان مجاب الدعوۃ"، اور ابن معین فرماتے ہیں "لیس بہ بأس"

۶۹۶۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ قَالَ كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَالِسًا وَعِنْدَهُ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَبُوْمُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَاَلَهُمْ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ التَّكْبِيْرِ فِيْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَلِ الْاَشْعَرِيَّ فَقَالَ الْاَشْعَرِيُّ سَلْ عَبْدَ اللّٰهِ فَاِنَّهُ اَقْدَمُنَا وَاَعْلَمُنَا فَسَاَلَهُ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَاُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ فَيَقُوْمُ فِي الثَّانِيَةِ فَيَقْرَاُ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۶۹۶۔ علقمہ اور اسود نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تھے کہ ان سے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے نماز عید میں تکبیر کے بارہ میں پوچھا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اشعری رضؓ سے پوچھو تو حضرت اشعریؓ نے کہا عبداللہ سے پوچھو، بلاشبہ وہ ہم میں سے پہلے اور زیادہ عالم ہیں، تو سعیدؓ نے اُن سے پوچھا، حضرت ابن مسعودؓ نے کہا "آپ چار تکبیریں کہتے پھر قراءۃ فرماتے پھر تکبیر کہتے، تو رکوع فرماتے پھر رکعت پوری فرمانے کے بعد دوسری رکعت میں کھڑے ہو جاتے، تو قراءۃ فرماتے پھر قراءۃ کے بعد چار تکبیریں کہتے"

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

نیز صالح جزرہ نے ان کو "صدوق" قرار دیا ہے اور ابن عدی کہتے ہیں "مع ضعفه يكتب حديثه" لہٰذا ان کی حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس کے راوی ابوعائشہ بقول ابن حزم و ابن قطان مجہول ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ محمد بن ابی عائشہ اور موسیٰ بن ابی عائشہ کے والد ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں "تقریب ج ۲ ص ۴۴۴، رقم ۲۰، ۱۲ مرتب میں لکھا ہے "ابوعائشة الاموی مولاهم، جليس ابي هريرة مقبول من الثانية" نیز حافظ نے تہذیب میں ان کے بارے میں لکھا ہے "وبروى عنه مكحول وخالد بن معدان (معارف السنن ج ۴ ص ۴۴۳) اور اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں اس کی جہالت مرتفع ہو جاتی ہے، لہٰذا جہالت کا اعتراض درست نہیں اور یہ حدیث حسن سے کم نہیں۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۱۴) سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹۰ میں

٩٩٧- وَعَنْ كُرْدُوْسٍ قَالَ اَرْسَلَ الْوَلِيْدُ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَّحُذَيْفَةَ وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا عِيْدٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا سَلْ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ اَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَاُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا يَرْكَعُ فِيْ اٰخِرِهِنَّ فَتِلْكَ تِسْعٌ فِي الْعِيْدَيْنِ فَمَا اَنْكَرَهٗ اَحَدٌ مِّنْهُمْ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

٩٩٧۔ کردوس نے کہا، ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ، ابوموسیٰ الاشعری اور ابو مسعود رضی اللہ عنہم کے پاس ایک تہائی رات کے بعد پیغام بھیجا، اس نے کہا: بلاشبہ یہ دن مسلمانوں کے لیے عید ہے، تو نماز کا کیا طریقہ ہے؟ انہوں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن سے پوچھو، اس نے ان سے پوچھا، تو انہوں نے کہا "کھڑے ہو کر چار تکبیریں کہے، پھر سورۂ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں کوئی ایک سورۃ پڑھے، پھر چار تکبیریں کہے، ان کے آخر میں رکوع کرے، تو یہ مع تکبیر تحریمہ عیدین میں نو تکبیریں ہیں، اس کا ان میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔"

یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

امام بیہقیؒ نے اس پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ حدیث دراصل حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق (ج ۳ ص ۲۹۳) میں علقمہ اور اسود بن یزید سے اس طرح مروی ہے: كان ابن مسعود جالسا، وعنده حذيفة و ابوموسى الاشعري، فسالهما سعيد بن العاص عن التكبير في الصلاة يوم الفطر والاضحى، فجعل هذا يقول: سل هذا، وهذا يقول: سل هذا، فقال له حذيفة: سل هذا — لعبد الله بن مسعود — فساله فقال ابن مسعود: يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم في الثانية، فيقرأ، ثم يكبر اربعا بعد القراءة۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موقوف علی ابن مسعود ہے اور صرف انہی سے مروی ہے۔

علامہ نیمویؒ نے حاشیہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت مرفوعہ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت موقوفہ میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے ابتداءً ادباً خاموش رہے ہوں اور جب حضرت ابن مسعودؓ مسئلہ کا شرعی حکم بتلا چکے تو حضرت ابوموسیٰ نے

۹۹۸۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيْدَيْنِ تِسْعًا اَرْبَعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَاِذَا فَرَغَ كَبَّرَ اَرْبَعًا ثُمَّ رَكَعَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۹۹۹۔ وَعَنْ كُرْدُوْسٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ تِسْعًا تِسْعًا يَبْدَأُ فَيُكَبِّرُ اَرْبَعًا ثُمَّ يُكَبِّرُ وَاحِدَةً فَيَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ يَقُوْمُ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ فَيَبْدَأُ فَيَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا ثُمَّ يَرْكَعُ بِاِحْدَاهُنَّ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۹۹۸۔ علقمہ اور اسود سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، چار تکبیریں قراءۃ سے پہلے، پھر تکبیر کہتے تو رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں قراءۃ کرتے پس جب فارغ ہوتے تو چار تکبیریں کہتے، پھر رکوع کرتے۔ یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۹۹۹۔ کردوس سے کہ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں نو نو تکبیریں کہتے تھے آپ (نماز) شروع فرماتے تو چار تکبیریں کہتے پھر ایک تکبیر کہتے تو اس کے ساتھ رکوع کرتے، پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو جاتے تو شروع میں قراءۃ کرتے، پھر چار تکبیریں کہتے، پھر ان میں سے ایک کے ساتھ رکوع فرماتے" یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ان کے قول کی تائید میں اپنی روایت مرفوعہ بیان کردی ہو، پھر علی سبیل التسلیم اگر یہ روایت صرف ابن مسعودؓ ہی پر موقوف مانی جائے تب بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے، پھر اس روایت میں صحابہ کی ایک جماعت نے ابن مسعودؓ کی موافقت کی ہے جس سے اس روایت کو مزید قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) باب کی روایت ۹۹۶ عن علقمہ والاسود (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۳) روایت ۹۹۷ عن کردوس (المعجم الکبیر ج ۹ ص ۳۵۵) روایت ۹۹۸ عن علقمہ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۳) روایت ۹۹۹ عن کردوس (المعجم الکبیر ج ۹ ص ۳۵۵) حنفیہ کے قطعی مستدل اور اپنے مفہوم میں واضح ہیں حنفیہ حضرات صحابہ کرام میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابومسعود انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن قیس، جابرؓ بن عبداللہ حضرت جابر بن

۱۰۰۰۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَبَّرَ فِي صَلٰوةِ الْعِيْدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَّالٰى بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ قَالَ وَشَهِدْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابُ تَرْكِ النَّفْلِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ وَبَعْدَهَا

۱۰۰۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۱۰۰۰۔ عبداللہ بن الحارث نے کہا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں دونوں قراءتیں پے در پے ادا کیں ، انہوں نے کہا اور میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حاضر ہوا ، انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔"

یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور حافظ نے تلخیص میں کہا ہے ، اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب ۔ نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد نفل نہ پڑھنا۔ ۱۰۰۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلے ، تو دو رکعتیں ادا فرمائیں ، نہ اس سے پہلے نماز پڑھی نہ اس کے بعد ۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

عبداللہ حضرت انس اور حضرت سعید بن العاص کا عمل ست تکبیرات کا ہے فتلك عشرة كاملة علامہ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ تکبیرات عید کی تعداد کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے بنا بریں مختلف فقہاء نے مختلف صحابہ کرام کے عمل سے استدلال کر کے اپنا اپنا مسلک متعین کیا ہے پھر یہ اختلاف بھی افضلیت میں ہے نماز باتفاق ہر طرح ہو جاتی ہے بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر امام چھ سے زائد تکبیریں کہہ دے تو تیرہ تکبیروں تک مقتدی پر امام کی اتباع لازم ہو گی بلکہ بعض کے نزدیک سولہ تک کی گنجائش ہے البتہ اس سے زائد کی صورت میں اتباع نہیں کرے گا (فتح القدیر ج۱ ص۴۲۸)

(۱۰۰۱ تا ۱۰۰۵) باب کی پہلی روایت عن ابن عباس (بخاری ج ۱ ص۱۳۵ کے علاوہ مسلم ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے بھی نقل کی ہے ، دوسری روایت ۱۰۰۲ مسند احمد ج ۲ ص۱۸۰ ترمذی ج ۱ ص۱۲۰ روایت ۱۰۰۳ ابن ماجہ ص۹۳ اور روایت ۱۰۰۴ المعجم الکبیر ج ۷ ص۱۷۷ اور روایت ۱۰۰۵ المعجم

۱۰۰۲- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ يَوْمَ عِيْدٍ فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۰۳- وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا فَاِذَا رَجَعَ اِلٰى مَنْزِلِهٖ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۰۴- وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ الصَّلٰوةُ قَبْلَ خُرُوْجِ الْاِمَامِ يَوْمَ الْعِيْدِ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۰۰۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عید کے دن نکلے، نہ تو عید کی نماز سے پہلے نماز پڑھی نہ اس کے بعد اور انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا۔
یہ حدیث احمد، ترمذی اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۰۰۳- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز بھی ادا نہیں فرماتے تھے، پس جب آپ اپنے دولت خانہ میں واپس تشریف لاتے، دو رکعتیں ادا فرماتے"۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۰۰۴- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "عید کے دن امام کے آنے سے نماز (نفل) سنت نہیں ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

الکبیر ج ۹ ص۳۵۳ میں نقل کی گئی ہیں۔

درس ترمذی :- اس پر امت کا اجماع ہے کہ عیدین کی نہ سنن قبلیہ ہیں نہ بعدیہ، البتہ عید سے پہلے اور بعد نوافل پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے جو حضرات صحابہؓ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، بعض صحابہ وتابعین کے نزدیک عید سے پہلے اور بعد بھی نوافل پڑھنا مطلقاً جائز ہے یہی مسلک ہے امام شافعیؒ کا (معارف ج ۴ ص۴۴۴) البتہ وہ امام کے حق میں کراہت کے قائل ہیں لیکن جمہور صحابہ وتابعین، اور بیشتر ائمہ مجتہدین کے نزدیک نوافل کی اجازت نہیں پھر ان میں اختلاف ہے، حنفیہ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور دوسرے اہل کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ عید سے قبل تو کراہت ہے بعد میں نہیں (اور بعد میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ

۱۰۰۵۔ وَعَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَّحُذَیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا کَانَا یَنْھَیَانِ النَّاسَ اَوْ قَالَ یُجْلِسَانِ مَنْ یَّرَیَانِہٖ یُصَلِّیْ قَبْلَ خُرُوْجِ الْاِمَامِ فِی الْعِیْدِ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ وَاِسْنَادُہٗ مُرْسَلٌ قَوِیٌّ۔

بَابُ الذِّھَابِ اِلَی الْمُصَلّٰی فِیْ طَرِیْقٍ وَّالرُّجُوْعِ فِیْ طَرِیْقٍ اُخْرٰی

۱۰۰۶۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدٍ خَالَفَ الطَّرِیْقَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۰۵۔ ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہما لوگوں کو منع کرتے تھے یا جس شخص کو امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اسے بٹھا دیتے تھے۔
یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

باب۔ عیدگاہ کی طرف ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا - ۱۰۰۶۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن (واپس آتے ہوئے) راستہ تبدیل فرما دیتے تھے"۔
یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

گھر میں تو مکروہ نہیں البتہ عیدگاہ میں مکروہ ہے، حضرت حسن بصریؒ اور فقہاء بصرہ کے نزدیک نماز عید کے بعد تو کراہت ہے البتہ اس سے قبل نہیں، امام احمدؒ، امام زہریؒ اور ابن جریج کے نزدیک مطلقاً کراہت ہے عید سے قبل بھی اور بعد بھی، امام مالکؒ کے نزدیک عیدگاہ میں مطلقاً مکروہ ہے (وعنہ فی المسجد روایتان)۔

بہرحال ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے مسلک قریب قریب ہیں اور یہ حضرات کسی نہ کسی حد تک کراہت کے قائل ہیں۔

(۱۰۰۶ تا ۱۰۰۸) پہلی روایت عن جابر (بخاری ج ۱ ص ۱۳۴) دوسری روایت ۱۰۰۷ عن ابی ھریرۃ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲) تیسری روایت ۱۰۰۸ عن ابن عمر (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۳) کا مدلول ایک ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے جس راستہ سے "مصلّٰی" تشریف لے جایا کرتے تھے واپسی میں دوسرے راستہ پر تشریف لاتے تھے ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس پر عمل مستحب ہے راستہ میں تبدیلی کی مختلف حکمتیں بیان کی گئی ہیں راجح یہ ہے کہ اس عمل اسلام کے شعائر اور مسلمانوں کی

۱۰۰۷۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ اِلَى الْعِیْدِ یَرْجِعُ فِیْ غَیْرِ الطَّرِیْقِ الَّذِیْ خَرَجَ فِیْهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

۱۰۰۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ یَوْمَ الْعِیْدِ فِیْ طَرِیْقٍ ثُمَّ رَجَعَ فِیْ طَرِیْقٍ اٰخَرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

بَابُ تَكْبِیْرَاتِ التَّشْرِیْقِ

۱۰۰۹۔ عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یُكَبِّرُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَوْمَ عَرَفَةَ اِلَى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ یَوْمِ النَّحْرِ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ

۱۰۰۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے لیے تشریف لے جاتے، جس راستہ سے گئے تھے واپس اس سے دوسرے راستہ سے تشریف لاتے۔

یہ حدیث احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۰۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن ایک راستہ سے تشریف لے گئے، پھر واپس دوسرے راستہ سے تشریف لائے۔

یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

باب تکبیرات تشریق۔ ۱۰۰۹۔ ابوالاسود نے کہا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عرفہ کے دن فجر کی نماز سے قربانی کے دن عصر کی نماز تک تکبیریں کہتے، آپ اس طرح تکبیر کہتے:

اجتماعیں، وشوکت کا اظہار مقصود ہے عینی نے فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۳ اس کی بیس توجیہات نقل کی ہیں۔

(۱۰۰۹ تا ۱۰۱۰) تشریق شرق اللحم کا مصدر ہے یعنی گوشت کے ٹکڑے کر کے دھوپ میں خشک کرنا۔ چونکہ ان ایام میں منی کے اندر قربانی کا گوشت دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اس لیے ان کو ایام تشریق کہتے ہیں باب کی پہلی روایت عن ابی الاسود مصنف ابن ابی شیبۃ (ج ۲ ص ۱۶۵) اور دوسری روایت ۱۰۱۰ عن شقیق (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۶۵) سے منقول ہیں۔

مبسوط اور فتاوی مرغینانی میں ہے کہ تکبیر تشریق سنت ہے امام مالک شافعیؒ احمدؒ کا یہی قول ہے

اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ ۔

۱۰۱۰- وَعَنْ شَقِیْقٍ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ یُكَبِّرُ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَوْمَ عَرَفَةَ اِلٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ اٰخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ وَیُكَبِّرُ بَعْدَ الْعَصْرِ رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ ۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

(اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔)

یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۱۰- شقیق سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عرفہ (۹ ذوالحجہ) کی فجر کے بعد سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیر کہتے اور آخری دن عصر کے بعد بھی تکبیر کہتے۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی اس کی اسناد صحیح ہے۔

ابن عابدین شامی نے اس کی تصحیح بھی نقل کی ہے مگر بدائع میں اسے واجب اور وجوب کو اصح قرار دیا گیا ہے بعض نے تطبیق کی ہے کہ سنت کا اطلاق وجوب پر جائز ہے۔

تکبیرات کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں اختلاف ہے (۱) یوم عرفہ کی نماز فجر سے شروع کرے اور یوم نحر کی عصر کو ختم کرے یہ مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے گویا صرف آٹھ نمازوں میں (۲) نویں تاریخ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہے گویا صرف ۲۳ نمازوں میں یہ مسلک صاحبین کا ہے امام اعظم ابوحنیفہ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو اور صاحبین نے حضرت علیؓ کی روایت کو مستدل بنایا ہے۔

اَبْوَابُ صَلٰوۃِ الْکُسُوْفِ

بَابُ الْحَثِّ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَالصَّدَقَۃِ وَالْاِسْتِغْفَارِ فِی الْکُسُوْفِ

۱۰۱۱۔ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰکِنَّہُمَا اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْہُمَا فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

ابواب۔ سورج گرہن کے وقت نماز

باب۔ سورج گرہن میں نماز، صدقہ اور استغفار پر آمادہ کرنا۔ ۱۰۱۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ سورج اور چاند لوگوں میں سے کسی کی موت پر گرہن زدہ نہیں ہوتے اور لیکن یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں، تو جب تم انہیں دیکھو کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۱۰۱۱ تا ۱۰۱۴) معارف ۴۲۰ تا ۴۲۱ سورج یا چاند کا گہن میں آجانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور اس کے جلال و جبروت کی نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا سورج کو گہن لگا ــــــ عربوں میں زمانۂ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکرمندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قراءت کی، اور قراءت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور میں جھک

۱۰۱۲ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ اِنْكَسَفَتْ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۰۱۲۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہا "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم نے وفات پائی، لوگوں نے کہا، ابراہیم رضی کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن زدہ ہوگیا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت اور زندگی پر گرہن زدہ نہیں ہوتے، جب تم اسے دیکھو تو اس کے روشن ہونے تک اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثنا نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔

احادیث باب کی تخریج باب کی پہلی روایت عن ابی مسعود بخاری ج ۱ صـ۱۴۲ مسلم ج ۱ صـ۲۹۹ دوسری روایت ۱۰۱۲ بخاری ج ۱ صـ۱۴۲ مسلم ج ۱ صـ۳۰۰ تیسری روایت ۱۰۱۳ بخاری ج ۱ صـ۱۴۲ مسلم ج ۱ صـ۲۹۵ روایت ۱۰۱۴ بخاری ج ۱ صـ۱۴۲ مسلم ج ۱ صـ۲۹۹ روایت ۱۰۱۵ بخاری ج ۱ صـ۱۴۵ مسلم ج ۱ صـ۲۹۹ ۱۰۱۶ بخاری ج ۱ صـ۱۴۲ میں نقل کی گئی ہیں۔

اٰیتان من اٰیات اللّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ "سورج و چاند" خدا کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں خداوند قدوس کے تابعدار اور فرمانبردار پیدا کئے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہوگئے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہٰذا کیسے بدعقل و کند فہم اور کور بخت ہیں وہ لوگ

١٠١٣- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمَا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

١٠١٤- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوْا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

١٠١٣- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے دو آیتیں ہیں کہ کسی کی موت اور زندگی پر گرہن زدہ نہیں ہوتے جب تم انہیں اس طرح دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کی بڑائی بیان کرو اور صدقہ کرو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

١٠١٤- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ سورج اور چاند کسی ایک کی موت اور زندگی پر گرہن زدہ نہیں ہوتے، اور لیکن یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم انہیں دیکھو تو نماز پڑھو۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے جن چاند و سورج کو معبود قرار دیتے ہیں اور ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں......! اس کے بعد آپ نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کسی عظیم حادثہ مثلاً کسی بڑی شخصیت کے مرنے اور وباء عام یعنی قحط وغیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں چنانچہ آپ نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات فاسدہ ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کرکے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غیض وغضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکروا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہ نہ ہوں، کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر و استغفار میں مشغول ہو جاؤ، لیکن یہ بات جان لو کہ یہ حکم "امر استحبابی" کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے کیوں کہ نماز کسوف و خسوف واجب نہیں ہے، بلکہ باتفاق تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

۱۰۱۵۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

۱۰۱۵۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا "سورج گرہن زدہ ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کھڑے ہو گئے آپ گھبراتے تھے کہ قیامت نہ ہو، آپ مسجد میں تشریف لائے، تو آپ نے بہت لمبے قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا فرمائی، میں نے آپ کو کبھی بھی ایسا لمبا قیام، رکوع، سجود فرماتے نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا "یہ نشانیاں اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں، نہ کسی کی موت پر ہوتی ہیں نہ زندگی پر اور لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، پس جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو دوڑو، اللہ تعالیٰ کے ذکر، دعا اور اس سے استغفار کی طرف"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

صلوٰۃ کسوف سے متعلق بعض اہم مباحث

کسوف کے لغوی معنی تغیر کے ہیں پھر عرفاً یہ لفظ سورج گرہن کے ساتھ خاص ہو گیا۔ اور خسوف چاند کے گرہن کو کہا جاتا ہے۔

پہلی بحث:۔ یہ ہے کہ بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کسوف شمس (اسی طرح خسوف قمر) کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا واقعہ ہے جو طبعی اسباب کے ماتحت رونما ہوتا ہے جیسے طلوع و غروب، اور اس کا ایک خاص حساب مقرر ہے چنانچہ سالوں پہلے بتایا جا سکتا ہے کہ فلاں وقت کسوف یا خسوف ہوگا، لہٰذا اس واقعہ کو خارق عادت قرار دے کر اس پر گھبرانا اور نماز و استغفار کی طرف متوجہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے!

اس کا جواب یہ ہے، اولاً تو کسوف اور خسوف خواہ اسبابِ طبعیہ کے ماتحت ہوں باری تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہیں اس لیے اس کی عظمت و جلال کے اعتراف کے لیے نماز مشروع ہوئی۔

ثانیاً درحقیقت کسوف و خسوف اس وقت کی ایک ادنیٰ جھلک دکھلا دیتے ہیں جب تمام اجرامِ فلکیہ بے نور

۱۰۱۶۔ وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۱۰۱۶۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کے متعلق فرمایا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

ہوجائیں گے۔ اس اعتبار سے یہ واقعات مذکر آخرت ہیں۔ لہٰذا ایسے مواقع پر رجوع الی اللہ ہی مناسب ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچھلی امتوں پر جتنے عذاب آئے ان کی شکل یہ ہوئی کہ بعض معمولی امور جو روزمرہ اسباب طبعیہ کے ماتحت ظاہر ہوتے رہتے ہیں اپنی معروف حد سے آگے بڑھ گئے تو عذاب کی شکل اختیار کر گئے مثلاً قوم نوح پر بارش اور قوم عاد پر آندھی وغیرہ۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ جب تیز ہوائیں چلتیں تو آپ کا چہرہ متغیر ہوجاتا۔ اس ڈر سے کہ کہیں یہ ہوائیں بڑھ کر عذاب کی صورت نہ اختیار کرلیں چنانچہ ایسے مواقع پر آپ بطور خاص دعا و استغفار میں مشغول ہوجاتے۔ اسی طرح یہ کسوف و خسوف بھی اگرچہ طبعی اسباب کے تحت رونما ہوتے ہیں لیکن اگر یہ اپنی معروف حد سے بڑھ جائیں تو عذاب بن سکتے ہیں خاص طور سے جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق کسوف و خسوف کے لمحات انتہائی نازک ہوتے ہیں کیونکہ کسوف کے وقت چاند سورج اور زمین کے درمیان حائل ہوجاتا ہے تو سورج اور زمین دونوں اپنی کشش ثقل سے اسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لمحات میں خدانخواستہ اگر کسی ایک جانب کی کشش غالب آجائے تو اجرام فلکیہ کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے لہٰذا ایسے نازک وقت میں رجوع الی اللہ کے سوا چارہ نہیں۔

دوسری بحث:۔ صلوٰۃ کسوف کی شرعی حیثیت سے متعلق ہے۔ جمہور کے نزدیک صلوٰۃ کسوف سنت مؤکدہ ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ اس کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ نے اسے جمعہ کا درجہ دیا ہے وقیل انها فرض كفاية۔ (عمدۃ ج ۷ ص ۶۷)

تیسری بحث:۔ صلوٰۃ کسوف کے طریقہ سے متعلق ہے سو حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف اور عام نمازوں میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر دو رکعتیں معروف طریقہ کے مطابق ادا کی جائیں گی۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف کی ہر رکعت دو دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔

ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن

بَابُ صَلٰوۃِ الْکُسُوْفِ بِخَمْسِ رُکُوْعَاتٍ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ

۱۰۱۷۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنْکَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمْ فَقَرَاَ

باب۔ نماز کسوف کی ہر رکعت میں پانچ رکوع۔ ۱۰۱۷۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سورج میں گہن لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، تو آپ نے طوال سورتوں میں سے ایک سورۃ تلاوت فرمائی، آپ نے پانچ رکوع اور سجدے فرمائے، پھر

العاص اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی معروف روایات سے ہے جو صحاح میں مروی ہیں اور ان میں دو دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جو ایک رکوع پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ کی روایت "خسفت الشمس علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج یجر رداءہ حتی انتھی الی المسجد وثاب الیہ الناس فصلی بھم رکعتین" (بخاری ج ۱ ص۱۴۴) اور نسائی میں حضرت ابوبکرہؓ کی اسی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں "فصلی رکعتین کما تصلون" (نسائی ج ۱ ص۲۲۳)

۲۔ دوسری دلیل نسائی میں حضرت سمرہ بن جندب کی ایک طویل روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں "فصلی فقام کاطول قیام ما قام بنا فی صلوٰۃ قط ما نسمع لہ صوتا ثم رکع بنا کاطول رکوع ما رکع بنا فی صلوٰۃ قط ما نسمع لہ صوتا ثم سجد بنا کاطول سجود ما سجد بنا فی صلوٰۃ قط لا نسمع لہ صوتا ثم فعل ذلک فی الرکعۃ الثانیۃ مثل ذلک (نسائی ج ۱ ص۲۱۹) اس میں صرف ایک ہی رکوع کا ذکر ہے۔

۳۔ تیسری دلیل حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے یہ بھی سنن نسائی میں مروی ہے "قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلاۃ صلیتموھا" (نسائی ج ۱ ص۲۱۹)

(۱۰۱۷ تا ۱۰۱۹) امام ابو حنیفہؒ اور باقی اہل کوفہؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الکسوف میں ہر رکعت کے اندر صرف ایک ایک رکوع ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں، چنانچہ ابن رشدؒ بدایۃ ج ۱ ص ۲۰۳ میں لکھتے ہیں: ذھب مالکؒ والشافعیؒ وجمھور اھل الحجاز واحمدؒ ان صلوٰۃ الکسوف

سُورَةً مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَأَ سُورَةً مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو حَتَّى انْجَلَى كُسُوفُهَا۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

۱۰۱۸۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا صَلَّاهَا أَحَدٌ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِي رَوَاهُ ابْنُ جَرِيرٍ وَصَحَّحَهُ۔

دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے، تو بھی طوال سورتوں میں سے ایک سورۃ تلاوت فرمائی، پانچ رکوع اور دو سجدے فرمائے پھر اسی طرح بیٹھے رہے، جیسا کہ آپ قبلہ رخ تھے، دعا فرماتے رہے ہیں، یہاں تک کہ گہن ختم ہو گیا۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔

۱۰۱۸۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا " سورج میں گہن لگ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانچ رکوع اور دو سجدے کیے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا، پھر سلام پھیرا، پھر کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے سوا یہ نماز کسی نے نہیں پڑھی"
یہ حدیث ابن جریر نے نقل کی ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

رکعتان فی کل رکعة رکعتان وذھب ابوحنیفةؒ والکوفیونؒ الی ان صلوٰة الکسوف رکعتان علی ھیئة صلوٰة العید والجمعة۔ حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۲۵ میں کہتے ہیں: وذھب جماعة من اھل الحدیث الی تصحیح الروایات فی عدد الرکعات وحملوھا علی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلھا مرارا وان الجمیع جائز وممن ذھب الیہ اسحٰق بن راھویہؒ ومحمدؒ بن اسحٰق بن خزیمةؒ وابوبکرؒ ابن اسحٰق الضبعیؒ وابوسلیمان الخطابیؒ واستحسنہ ابن المنذرؒ۔ اور اسی امر کی امام ترمذیؒ نے تصریح فرمائی ہے: وھذا عند اھل العلم جائز علی قدر الکسوف۔ (ج ۱ ص ۷۳) اس عبارت کے پیش نظر باب کسوف کی تعدد رکوع والی روایات میں تطبیق تو ہو جائے گی لیکن کسوف کا معاملہ نبی علیہ

١٠١٩ - وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ نُبِّئْتُ اَنَّ الشَّمْسَ كَسَفَتْ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالْكُوْفَةِ فَصَلّٰى بِهِمْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ عِنْدَ الْخَامِسَةِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ عِنْدَ الْخَامِسَةِ قَالَ عَشْرُ رَكَعَاتٍ وَّاَرْبَعُ سَجَدَاتٍ رَوَاهُ ابْنُ جَرِيْرٍ۔

قَالَ النِّيْمَوِيُّ اِتِّصَالُ الْحَسَنِ بِعَلِيٍّ ثَابِتٌ بِوُجُوْهٍ لٰكِنَّهٗ لَمْ يَشْهَدْ هٰذِهِ الْوَاقِعَةَ عَلٰى مَا يَقْتَضِيْهِ قَوْلُهٗ نُبِّئْتُ۔

١٠١٩ - حسن نے کہا "مجھے خبر دی گئی ہے کہ سورج میں گہن لگ گیا - اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پانچ رکوع کیے پھر پانچویں رکوع کے وقت دو سجدے کیے، پھر کھڑے ہو کر پانچ رکوع کیے پھر پانچویں رکوع کے وقت دو سجدے کیے، کہا دس رکوع اور چار سجدے" یہ حدیث ابن جریر نے نقل کی ہے۔

نیموی نے کہا حسن (بصری) کی حضرت علیؓ سے ملاقات کئی طرح ثابت ہے، لیکن وہ اس واقعہ میں حاضر نہیں ہوئے، جیسا کہ ان کا قول "مجھے خبر دی گئی ہے" اس کا تقاضا کرتا ہے۔

الصلوٰۃ والسلام کے دور میں صرف ایک ہی مرتبہ ۲۸ یا ۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ کو ہوا، اور اسی دن آپ کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا۔ ابن القیمؒ بھی اپنے استاد ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: انّما صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام الکسوف مرۃ واحدۃ یوم مات ابنہ ابراھیمؑ - واللّٰہ اعلم۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۲۸)

اور علماء کا ایک طائفہ ایک ایک رکعت میں چار چار رکوع کا بھی قائل ہے چنانچہ امیر یمانیؒ سبل السلام ج ۲ ص ۴۲

باب کی پہلی روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۷ میں نقل کی گئی ہے دوسری روایت میں بھی خمس رکوعات کا ذکر ہے علماء احناف کہتے ہیں کہ کسوف کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت طاری تھی جس میں نماز میں آپؐ کبھی آگے بڑھ کر کبھی پیچھے ہٹ کر کوئی چیز پکڑنا چاہتے تھے تعدد رکوع اسی خاص حالت کے تحت تھی یہ ممکن ہے کہ پچھلی صفوں میں صحابہ کرام یہ کیفیت صحیح معلوم نہ کر سکے ہوں اور آپؐ کے اس عمل کو تعدد رکوع سے تعبیر کیا ہو روایت ۱۰۱۹ کے بارے میں امام نیمویؒ نے تصریح کر دی ہے کہ حسن کی علی سے ملاقات تو ثابت ہے مگر وہ اس واقعہ میں حاضر نہیں ہوسکے۔

بَابُ كُلِّ رَكْعَةٍ بِأَرْبَعِ رُكُوْعَاتٍ

۱۰۲۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوْفٍ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ قَالَ وَالْأُخْرٰى مِثْلُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَآخَرُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ صَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِيْ أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ۔

۱۰۲۱۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِلنَّاسِ فَقَرَأَ يٰسٓ أَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ رَكَعَ نَحْوًا مِنْ قَدْرِ السُّوْرَةِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ قَامَ قَدْرَ السُّوْرَةِ يَدْعُوْ وَيُكَبِّرُ ثُمَّ رَكَعَ قَدْرَ قِرَاءَتِهٖ أَيْضًا ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ قَامَ أَيْضًا قَدْرَ السُّوْرَةِ ثُمَّ رَكَعَ قَدْرَ ذٰلِكَ أَيْضًا حَتّٰى صَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ فَفَعَلَ كَفِعْلِهٖ

باب: ہر رکعت چار رکوع کے ساتھ۔ ۱۰۲۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں نماز پڑھی، آپ نے قراءۃ فرمائی، پھر رکوع، پھر قراءۃ پھر رکوع پھر قراءۃ، پھر رکوع، پھر قراءۃ، پھر رکوع، پھر سجدہ فرمایا، (ابن عباسؓ نے) کہا" اور دوسری رکعات بھی اسی طرح" یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور ایک روایت میں ہے "آپ نے چار سجدوں میں آٹھ رکوع فرمائے"

۱۰۲۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا" سورج میں گہن لگ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو سورۃ یٰسٓ یا اس جیسی کوئی سورۃ تلاوت کی، پھر سورۃ کی مقدار (طویل) رکوع کیا، پھر سر اٹھایا تو سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا، پھر سورۃ کی مقدار کھڑے ہو کر دعا کرتے اور تکبیر کہتے رہے، پھر اپنی قراءۃ کی مقدار رکوع کیا، پھر کہا، سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پھر بھی سورۃ کی مقدار کھڑے رہے، پھر اتنی مقدار رکوع کیا یہاں تک کہ چار رکوع کیے پھر کہا" سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پھر سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے، تو ایسا ہی کیا جیسا کہ پہلی رکعت میں کیا تھا، پھر بیٹھ کر دعا کرتے رہے

(۱۰۲۰ تا ۱۰۲۱) باب کی پہلی روایت عن ابن عباس مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۹ دوسری روایت ۱۰۲۱ مسند احمد

فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلَى ثُمَّ جَلَسَ يَدْعُوْ وَيَرْغَبُ حَتَّى انْكَشَفَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذٰلِكَ فَعَلَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابُ ثَلَاثِ رُكُوْعَاتٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ۔

۱۰۲۲۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّاسُ إِنَّمَا انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اور ترغیب دیتے رہے یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا پھر حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی عمل فرمایا۔" یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ ہر رکعت میں تین رکوع - ۱۰۲۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، سورج بھی گہن لگ گیا، لوگوں نے کہا حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج میں گہن لگا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی آپ نے چار سجدوں کے ساتھ چھ رکوع فرمائے۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۲۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں میں چھ رکوع فرمائے۔ یہ حدیث نسائی اور احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ج ۱ ص ۲۴۳ سے منقول ہے اس کے بارے میں بحث " باب کل رکعۃ بر کوعین " عرض کر دی جائے گی۔

(۱۰۲۲ تا ۱۰۲۴) اس باب کی پہلی روایت مسلم ج ۱ ص ۲۹۷ دوسری روایت ۱۰۲۳ نسائی ج ۱ ص ۲۱۵ روایت ۱۰۲۴ ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵ میں عرض کر دی گئی ہے متعلقہ بحث اگلے باب میں ملاحظہ

۱۰۲۴۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ وَالْأُخْرَى مِثْلُهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

بَابُ صَلِّ رَكْعَةً بِرُكُوعَيْنِ

۱۰۲۵۔ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خُسِفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَكَبَّرَ فَاقْتَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ وَقَرَأَ

۱۰۲۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے سورج گہن میں نماز پڑھائی، تو قراءۃ فرمائی، پھر رکوع پھر قراءۃ پھر رکوع پھر قراءۃ پھر رکوع پھر سجدہ فرمایا اور دوسری رکعت اسی طرح ادا فرمائی۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

باب۔ ہر رکعت دو رکوع کے ساتھ ۱۰۲۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں سورج میں گہن لگ گیا، آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے، تو لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی، آپ نے تکبیر کہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی قراءۃ فرمائی، پھر آپ نے تکبیر کہہ کر ایک لمبا رکوع فرمایا، پھر آپ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ

فرمادیں۔

(۱۰۲۵ تا ۱۰۲۷) باب کی پہلی روایت بخاری ج ۱ صفحہ ۱۴۲ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۶ دوسری روایت ۱۰۲۶ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۴۳ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۸ اور تیسری روایت ۱۰۲۷ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۹ مسند احمد ج ۳ صفحہ ۳۷۴ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۶۷ سے منقول ہیں۔

باب ہذا کی تمام روایات ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہیں، حنفیہ حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں نہایت طویل رکوع فرمایا تھا جب کافی دیر ہوگئی تو درمیانی صفوں کے حضرات نے یہ خیال کیا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ نہ گئے ہوں جس کی بناء پر بعض صحابہ کرام نے رکوع سے اٹھ کر آپ کو دیکھا اور جب یہ نظر آیا کہ آپ ابھی تک رکوع میں ہیں تو دوبارہ رکوع میں چلے

قِرَاءَةً طَوِيْلَةً هِيَ أَدْنٰى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا هُوَ أَدْنٰى مِنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَّنْصَرِفَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

١٠٢٦۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ

فرمایا، تو کھڑے ہوگئے اور سجدہ نہیں فرمایا اور لمبی قراءۃ فرمائی، یہ پہلی قراءۃ سے کم تھی پھر تکبیر کہی اور لمبا رکوع فرمایا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہا، پھر سجدہ فرمایا، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح عمل فرمایا، تو آپ نے چار رکوع چار سجدوں کے ساتھ کیے، آپ کے سلام پھیرنے سے پہلے سورج روشن ہوگیا۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

١٠٢٦۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سورج میں گہن لگ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو لمبا قیام فرمایا، تقریباً سورۃ بقرہ کی قراءۃ کی مقدار، پھر ایک لمبا رکوع فرمایا، پھر رکوع سے، اٹھے تو لمبا قیام فرمایا، وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر ایک لمبا رکوع فرمایا، وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ فرمایا، پھر لمبا قیام فرمایا، وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر

گئے، ان سے پیچھے والے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ دوسرا رکوع ہوا ہے۔

یہ جواب خاصا مشہور ہے لیکن اس پر اطمینان نہیں ہوتا کیوں کہ اول تو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث باب کے الفاظ یہ ہیں: "انہ صلی فی کسوف فقرأ ثم رکع ثم قرأ ثم رکع ثم سجد سجدتین والاخری مثلها" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رکوعوں کے درمیان قراءت بھی ہوئی تھی دوسرے اس لیے کہ اگر بالفرض پچھلی صفوں کے صحابۂ کرامؓ کو ایسی غلط فہمی ہوئی ہوتی تو نماز کے بعد وہ زائل ہوجانی چاہیے تھی

۴۰

الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۰۲۷۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْحَرِّ فَصَلّٰی رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ فَأَطَالَ الْقِيَامَ حَتّٰی جَعَلُوا يَخِرُّونَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ نَحْوًا مِنْ ذٰلِكَ فَكَانَتْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ۔

ایک لمبا رکوع فرمایا، وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر اُٹھے تو لمبا قیام فرمایا، وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر ایک لمبا رکوع فرمایا، وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ فرمایا، پھر سلام پھیرا اور تحقیق سورج روشن ہو چکا تھا۔

یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

۱۰۲۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سخت گرمی کے دن سورج میں گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی، آپ نے لمبا قیام فرمایا، یہاں تک کہ صحابہؓ گرنے لگے، پھر آپ نے لمبا رکوع فرمایا، پھر اُٹھے، تو لمبا قیام فرمایا، پھر لمبا رکوع فرمایا، پھر اُٹھے تو لمبا (قومہ) فرمایا، پھر دو سجدے فرمائے، پھر آپ نے کھڑے ہو کر اسی طرح عمل فرمایا، تو یہ چار رکوع اور چار سجدے ہوئے۔ یہ حدیث مسلم، احمد اور ابو داؤد نے نقل کی ہے۔

کیونکہ صحابہ کرامؓ نماز کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور کوئی غیر معمولی بات ہوتی تو اس کی تحقیق کیا کرتے تھے لہٰذا یہ بات بہت بعید ہے کہ پچھلی صفوں کے صحابہ کرامؓ تمام عمر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہوں اور ان پر حقیقت حال واضح نہ ہو سکی ہو۔

لہٰذا صحیح توجیہ وہ ہے جسے صاحب بدائع (ج ۱ ص۲۸۱) حضرت شیخ الہندؒ (معارف ج ۵ ص۱) اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اختیار کیا ہے، اور وہ یہ کہ صلوٰۃ الکسوف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا شبہ دو

بَابُ كُلِّ رَكْعَةٍ بِرُكُوْعٍ وَّاحِدٍ

۱۰۲۸- عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ- رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ كَمَا تُصَلُّوْنَ وَابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَلٰوتِكُمْ-

---

باب- ہر رکعت ایک رکوع کے ساتھ- ۱۰۲۸- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا" ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ سورج کو گہن لگ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے (یعنی جلدی سے) کھڑے ہوئے، یہاں تک آپ مسجد میں تشریف لے آئے، تو ہم بھی مسجد میں داخل ہوئے، آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔

یہ حدیث بخاری اور نسائی نے نقل کی ہے، نسائی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں " (دو رکعتیں) جیسا کہ تم پڑھتے ہو" اور ابن حبان نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں، ابوبکرہؓ نے کہا " دو رکعتیں تمہاری نماز کی طرح"

رکوع ثابت ہیں بلکہ پانچ رکوع تک کا بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور واقعہ یہ تھا کہ اس نماز میں بہت سے غیر معمولی واقعات پیش آئے اور آپ کو جنت اور جہنم کا نظارہ کرایا گیا، لہذا اس نماز میں آپ نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے لیکن یہ رکوع جزو صلاۃ نہیں تھے بلکہ سجدۂ شکر کی طرح رکوعات تخشع تھے جو آپ کی خصوصیت تھے اور ان کی ہیئت نماز کے عام رکوعوں سے کسی قدر مختلف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ان رکوعات تخشع کو شمار کیا اور ایک سے زائد رکوع کی روایت کر دی اور بعض نے ان کو شمار نہیں کیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اول تو ان رکوعات زائدہ میں روایات کا اختلاف ہے جس کی کوئی توجیہ اس کے سوا ممکن نہیں دوسرے نماز کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے صراحتہً امت کو یہ حکم دیا کہ " فاذا رأیتم من ذلک شیئا فصلوا کاحدث صلاۃ مکتوبۃ صلیتموھا (نسائی ج ۱ صـ۲۱۹) اس حدیث میں آپ نے نہ صرف امت کو ایک سے زائد رکوع کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس کے خلاف تصریح فرمائی کہ یہ نماز فجر کی نماز کی طرح ادا کرو اگر ایک سے زائد رکوع جزو صلاۃ ہوتے تو آپ یہ حکم نہ دیتے۔

(۱۰۲۸ تا ۱۰۳۵) باب ہذا کی تمام روایات حنفیہ کا مستدل ہیں۔

(۱) باب کی پہلی روایت ۱۰۲۸ (بخاری ج ۱ صـ۱۴۱ نسائی ج ۱ صـ۲۲۱ ابن حبان ج ۵ صـ۲۱۵) کا مضمون

١٠٢٩- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَرْمِيْ بِأَسْهُمِيْ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهُنَّ وَقُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ مَا يُحْدِثُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي انْكِسَافِ الشَّمْسِ الْيَوْمَ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَدْعُوْ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيُهَلِّلُ حَتّٰى جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ فَقَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ۔

١٠٢٩- حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا «اس وقت جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب ایک دفعہ میں تیر اندازی کر رہا تھا کہ اچانک سورج گہن زدہ ہو گیا، تو میں نے وہ تیر پھینک دیئے اور کہا میں ضرور ضرور دیکھوں گا کہ آج کے دن سورج کے گہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عمل پیش آتا ہے۔ میں آپ کے پاس پہنچا، تو آپ ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا فرما رہے تھے، تکبیر کہہ رہے تھے، اللہ تعالی کی حمد اور لا الٰہ الا اللہ کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ سورج سے گہن ختم ہو گیا، تو آپ نے دو سورتیں تلاوت فرمائیں اور دو رکوع فرمائے۔» یہ حدیث مسلم اور نسائی نے نقل کی ہے، اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں، «عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا "تو آپ نے دو رکوع اور چار سجدے ادا فرمائے۔"»

واضح ہے حافظ ابن حجرؒ نے مثل صلواتکم پر اعتراض کیا ہے کہ تشبیہ صرف دو رکعت بتانے میں ہے لیکن یہ اعتراض مخدوش ہے اس لیے کہ دو رکعت کی تصریح تو اس جملہ میں آ گئی فصلّٰی رکعتین آگے کما تصلون اور مثل صلواتکم کے الفاظ اس توجیہ پر رائیگاں جائیں گے۔ باب کی دوسری روایت عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ ١٠٢٩ (مسلم ج ١ ص٢٩٩ نسائی ج ١ ص٢١٣) کا مضمون واضح ہے۔

٢۔ روایت ١٠٣٠ عن قبیصۃ الھلالی (ابوداؤد ج ١ ص١٦٨ نسائی ج ١ ص٢١٩) میں تصریح ہے فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ پس تم نماز پڑھو جیسا کہ تم نے ابھی فرض نماز پڑھی ہے مراد صلوٰۃ فجر ہے صلوٰۃ کسوف کو نماز فجر سے تشبیہ دی جا رہی ہے لہٰذا نماز کسوف کے رکوع بھی نماز فجر کی طرح ہوں گے بخاری ج ١ ص١٤٣ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آپ نے صلوٰۃ کسوف چاشت کے وقت ادا فرمائی تھی۔

٣۔ سمرہ بن جندب کی روایت ١٠٣١ (ابوداؤد ج ١ ص١٦٨ نسائی ج ١ ص٢١٢ مسند احمد ج ٥ ص١٩

۱۰۳۰۔ وَعَنْ قَبِيصَةَ الْهِلَالِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ فَزِعًا يَجُرُّ ثَوْبَهٗ وَاَنَا مَعَهٗ يَوْمَئِذٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا كَاَحْدَثِ صَلٰوةٍ صَلَّيْتُمُوْهَا مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۰۳۰۔ حضرت قبیصہ الہلالی رضی اللہ عنہ نے کہا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سورج میں گہن لگ گیا، تو آپ گھبرا کر چادر گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے، میں اس دن مدینہ منورہ میں آپ کے ساتھ تھا، تو آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں، ان میں قیام لمبا فرمایا، پھر آپ نے سلام پھیرا اور سورج روشن ہو گیا، تو آپ نے فرمایا یہ نشانیاں ہیں، اللہ عزوجل ان کے ساتھ ڈراتے ہیں، پس تم جب یہ نشانیاں دیکھو نماز پڑھو، جیسا کہ تم نے ابھی فرض نماز پڑھی ہے " یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

مستدرک ج ۱ ص۳۳۳) بھی اپنے مضمون پر واضح ہے امام نیموی نے اس پر " واسنادہ صحیح " کا حکم لگایا ہے قال الحاکم والذہبی صحیح علی شرطہما۔

(۴) عبداللہ بن عمرو کی روایت ۱۰۳۲ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۹ شمائل ترمذی ص۲۳ موارد الظمان ص۱۵۷) کا مضمون واضح ہے امام نیموی نے اس پر " واسنادہ حسن " کا حکم لگایا ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۵۱)

۵۔ محمود بن لبید کی روایت ۱۰۳۳ (مسند احمد ج ۵ ص۴۲۸) بھی حنفیہ کا مستدل ہے (قال الہیثمی رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۲ ص۲۰۷) اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ محمود بن لبید کا سماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر امام نیموی نے التعلیق الحسن میں اس اعتراض کے جواب میں مفصل دلائل کے ساتھ ان کا سماع ثابت کیا ہے اور اگر بالفرض سماع ثابت نہ بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ حدیث مرسل ہو گی جو جمہور کے ہاں حجت ہے

(۶) روایت ۱۰۳۴ اور ۱۰۳۵ عن النعمان بن بشیر (مسند احمد ج ۵ ص۴۲۸ ج ۴ ص۲۷۱) میں نحو من صلواتکم کی تصریح ہے قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۳ ص۳۵۱ میں لکھتے ہیں صححہ

۱۰۳۱۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا وَغُلَامٌ مِنَ الْأَنْصَارِ نَرْمِي غَرَضَيْنِ لَنَا حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ قِيدَ رُمْحَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فِي عَيْنِ النَّاظِرِ مِنَ الْأُفُقِ اسْوَدَّتْ حَتّٰى آضَتْ كَأَنَّهَا تَنُّومَةٌ فَقَالَ أَحَدُنَا لِصَاحِبِهِ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْمَسْجِدِ فَوَاللّٰهِ لَيُحْدِثَنَّ شَأْنُ هٰذِهِ الشَّمْسِ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُمَّتِهِ حَدَثًا قَالَ فَدَفَعْنَا فَإِذَا هُوَ بَارِزٌ فَاسْتَقْدَمَ فَصَلّٰى فَقَامَ بِنَا كَأَطْوَلِ مَا قَامَ بِنَا فِي صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا قَالَ ثُمَّ رَكَعَ بِنَا كَأَطْوَلِ مَا رَكَعَ بِنَا فِي صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا قَالَ ثُمَّ سَجَدَ بِنَا كَأَطْوَلِ مَا سَجَدَ بِنَا فِي صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

۱۰۳۱۔ حضرت سمرۃ جندب رضی اللہ عنہ نے کہا "اس وقت جب کہ میں اور انصار کا ایک لڑکا اپنے اپنے نشانوں پر تیر پھینک رہے تھے، یہاں تک کہ بادی النظر میں جب سورج افق سے دو یا تین نیزوں کی مقدار بلند ہوا، تو سورج سیاہ ہوگیا، یہاں تک ہوگیا گویا کہ وہ تنومہ ہے، تو ہم میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا، ہمارے ساتھ مسجد میں چلو خدا کی قسم سورج کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی امت کے بارہ میں ضرور کوئی نئی بات پیدا کرے گی، راوی نے کہا، ہم تیز رفتاری کی وجہ سے گویا کہ دھکیلے جاتے ہیں اور اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے، آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھی، آپ نے ہمارے ساتھ اتنا لمبا قیام فرمایا کہ کبھی بھی آپ نے ہمارے ساتھ کسی نماز میں اتنا لمبا قیام نہیں فرمایا، ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے، سمرۃ نے کہا، پھر آپ نے اتنا لمبا رکوع فرمایا کہ ہمارے ساتھ کبھی بھی آپ نے کسی نماز میں اتنا لمبا رکوع نہیں فرمایا، ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے، انہوں نے کہا، پھر آپ نے ہمارے ساتھ سجدہ فرمایا کہ ہمارے ساتھ کبھی بھی آپ نے اتنا لمبا سجدہ نہیں فرمایا، ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی اسی طرح عمل فرمایا۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

ابن عبد البر ۔

شافعیہ اس حکم کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نماز فجر کے ساتھ تشبیہ تعداد اور رکوع میں نہیں بلکہ طوالت

۱۰۳۲۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکَدْ یَرْکَعُ ثُمَّ رَکَعَ فَلَمْ یَکَدْ یَرْفَعُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ یَکَدْ یَسْجُدُ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ یَکَدْ یَرْفَعُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ یَکَدْ یَسْجُدُ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ یَکَدْ یَرْفَعُ وَفَعَلَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُخْرٰی مِثْلَ ذٰلِکَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۱۰۳۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سورج کو گہن لگ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قیام فرمایا (کافی دیر تک) رکوع نہ فرمایا، پھر رکوع فرمایا، تو اٹھے نہیں، پھر اُٹھے تو سجدہ نہیں فرمایا، پھر سجدہ فرمایا تو اٹھے نہیں، پھر اُٹھے، تو سجدہ نہیں فرمایا، پھر سجدہ فرمایا تو اُٹھے نہیں، پھر اُٹھے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح فرمایا۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

رکعات میں ہے یعنی فجر کی نماز کی طرح صلوٰۃ کسوف کی بھی دو رکعتیں ادا کی جائیں۔

لیکن یہ تاویل اس لیے درست معلوم نہیں ہوتی کہ اگر صرف تعداد رکعات کی بات ہوتی تو آپ نماز فجر سے تشبیہ دینے کی بجائے خود اپنی صلوٰۃ کسوف سے تشبیہ دیتے یعنی یہ فرماتے کہ " صلوا کما رأیتمونی اُصلی " لیکن آپ نے ایسا کرنے کے بجائے نماز فجر کے ساتھ جو تشبیہ دی وہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی نماز میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جن کا حکم امت کو دینا منظور نہیں تھا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں صلوٰۃ کسوف ایک ہی رکوع کے ساتھ پڑھی کما رواہ البزار، نیز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی صلوٰۃ الکسوف ایک رکوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۳)

شافعیہ عام طور سے یہ کہتے ہیں کہ حنفیہ کی روایات دوسرے رکوع سے ساکت ہیں اور ہماری روایات ناطق ہیں، والناطق مقدم علی الساکت۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس اصول پر عمل کرنا ہے تو پھر پانچ رکوع واجب ہونے چاہئیں کیوں کہ پانچ رکوع کی روایات زیادہ ناطق ہیں حالانکہ پانچ رکوعات کو آپ بھی ضروری قرار نہیں دیتے، حقیقت یہ ہے کہ ہم ناطق روایات پر زیادہ عمل پیرا ہیں کیوں کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ

۱۰۳۳۔ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَلَا وَإِنَّهُمَا لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا كَذٰلِكَ فَافْزَعُوْا إِلَى الْمَسَاجِدِ ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ فِيْمَا نَرٰى بَعْضَ الٓرٰ كِتَابٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ اعْتَدَلَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُوْلٰى۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۳۳۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے کہا: جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، سورج میں گہن لگ گیا، تو لوگوں نے کہا، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے سورج میں گہن لگا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ سورج اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں، آگاہ رہو! یہ دونوں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گہن زدہ ہوتے ہیں اور کسی کی زندگی کی وجہ سے، جب تم انہیں اس طرح دیکھو تو گھبرا کر مسجد کی طرف جاؤ، پھر آپ نے قیام فرمایا تو ہمارے خیال میں آپ نے الٓرٰ كِتَابٌ کچھ حصہ تلاوت فرمایا، پھر آپ نے رکوع فرمایا، پھر آپ سیدھے کھڑے ہوئے، پھر آپ نے دو سجدے کیے، پھر آپ نے کھڑے ہو کر اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔"

یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سے زیادہ رکوع فرمائے ہیں لیکن ان زائد رکوعات کو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں، بہرحال ہم کسی زیادتی کے منکر نہیں بخلاف شافعیہ کے کہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں رکوعات کے منکر ہیں اور صرف دو دو رکوع کی روایات کو قبول کرتے ہیں جب کہ تین چار پانچ رکوع کی روایات مثبت زیادت بھی ہیں اور شافعیہ کے مسلک پر ان کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ان روایات کو معلول قرار دینے کی کوشش کی ہے (معارف ج ۵ ص) لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں فنی خرابی نہیں اور ان کے رجال ثقات ہیں لہٰذا ان کو رد کرنا بلا دلیل ہے نیز اکابر محدثین نے ان روایات کو نہ صرف صحیح قرار دیا ہے بلکہ امام اسحاق بن راہویہؒ، امام ابن خزیمہؒ اور بعض دوسرے حضرات مجتہدین نے ان پر عمل بھی کیا ہے اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دو سے لے کر پانچ تک ہر

۱۰۳۴- وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ نَحْوًا مِّنْ صَلٰوتِكُمْ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۰۳۵- وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا خُسِفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ فَصَلُّوْا كَاَحْدَثِ صَلٰوةٍ صَلَّيْتُمُوْهَا۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ مِّنَ الْمَكْتُوْبَةِ وَاِسْنَادُهُمَا صَحِيْحٌ۔

۱۰۳۴- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں نماز ادا فرمائی جیسا کہ تمہاری نماز ہے۔ آپ رکوع اور سجدہ فرماتے۔
یہ حدیث احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۳۵- نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب سورج اور چاند میں گہن لگ جائے تو نماز پڑھو جیسا کہ تم نے ابھی نماز پڑھی ہے" یہ حدیث نسائی نے نقل کی ہے اور ایک روایت میں نسائی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں (جیسا کہ تم نے ابھی فرض نماز پڑھی ہے) اور ان دونوں کی اسناد صحیح ہے۔

عدد جائز ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حنفیہ کی وجوہ ترجیح یہ ہیں:-

۱- تعدد رکوع کی تمام روایات فعلی ہیں جب کہ حنفیہ کے مستدلات قولی بھی ہیں اور فعلی بھی۔

۲- حنفیہ کے مستدلات عام نمازوں کے اصول کے مطابق ہیں۔

۳- حنفیہ کے قول پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور شافعیہ کے قول پر بعض روایات کو چھوڑنا پڑتا ہے کما بینا۔

۴- اگر کسوف میں تعدد رکوع کا حکم ہوتا تو یہ ایک غیر معمولی بات ہوتی اور ممکن نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کو واضح طور سے بیان نہ فرمائیں حالانکہ آپ نے کسوف کے بارے میں ایک پورا خطبہ بھی دیا مگر آپ سے کوئی ایک قول بھی ایسا مروی نہیں جس میں تعدد رکوع کی تعلیم دی گئی ہو۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ بِالْجَهْرِ فِي صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

۱۰۳۶۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِي الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهِ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

بَابُ الْاِخْفَاءِ بِالْقِرَاءَةِ فِي صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

۱۰۳۷۔ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فِي كُسُوْفِ الشَّمْسِ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

باب۔ نماز کسوف میں قراءۃ آہستہ آواز سے کرنا۔ ۱۰۳۷۔ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سورج گہن میں نماز پڑھائی ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے۔ یہ حدیث اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ سورج گہن کی نماز میں اونچی آواز سے قراءۃ کرنا۔ ۱۰۳۶۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں اپنی قراءۃ کو بلند فرمایا، آپ نے دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۱۰۳۶) باب ہذا کی روایت عن عائشہ (مسلم ج ۱ ص۲۹۶ بخاری ج ۱ ص۱۴۵) سے منقول ہے صلوٰۃ کسوف کے بارے میں قراءۃ جہراً ہے یا سراً۔

(۱) امام احمد اور صاحبین صلوٰۃ کسوف میں قرارت جہری کے قائل ہیں اسحاق بن راہویہ ابن خزیمہ اور ابن المنذر کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک نماز کسوف میں اخفاء قرارت مسنون ہے قال النووی ان مذهبنا ومذهب مالك وابی حنيفة وليث بن سعد وجمهور الفقهاء ان يسر فی كسوف الشمس ويجهر فی خسوف القمر (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۲۹۶)

صاحبین اور امام احمد باب ہذا کی روایت عائشہ سے استدلال کرتے ہیں جمہور اس حدیث کو صلوٰۃ الخسوف پر حمل کرتے ہیں البتہ متاخرین حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر مقتدیوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو صلوٰۃ کسوف میں بھی جہر کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰۳۷ تا ۱۰۳۸) پہلی روایت عن سمرۃ (ترمذی ج ۱ ص۱۲۶ ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۹) اور دوسری روایت

۱۰۳۸- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ إِلٰى جَنْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَلَمْ أَسْمَعْ لَهُ قِرَاءَةً. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابُ صَلٰوةِ الْإِسْتِسْقَاءِ

۱۰۳۹- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِيْ قَالَ فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ۔

۱۰۳۸- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا "سورج گہن کے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں نماز پڑھی تو میں نے آپ کی قراءۃ نہیں سنی"۔
یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب - بارش مانگنے کے لیے نماز۔ ۱۰۳۹- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس دن آپ بارش مانگنے کے لیے باہر تشریف لے گئے، عبداللہ نے کہا، آپ نے اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیری اور قبلہ کی طرف رخِ انور فرما کر دعا کی، پھر اپنی چادر مبارک الٹائی، پھر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے اور بخاری نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں "آپ نے دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قراءۃ فرمائی"۔

عن ابن عباس (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۴۰) جمہور کا مستدل یہی دونوں ہیں جن سے واضح ہے کہ حضورؐ کی قراءت سری تھی تاہم ہمارے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ صلوٰۃ الکسوف میں قراءۃ بالجہر ہونی چاہیے۔

(۱۰۳۹ تا ۱۰۴۴) بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی اُن ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لیے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لیے وہ "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گذر چکا ہے اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لیے بھی آپ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے

۱۴۰۔ وَعَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلّٰى وَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۴۱۔ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰى وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ بِأَسْفَلِهَا فَيَجْعَلَهُ أَعْلَاهَا فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ فَقَلَبَهَا عَلَيْهِ الْأَيْمَنَ عَلَى الْأَيْسَرِ وَالْأَيْسَرَ عَلَى الْأَيْمَنِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاؤُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۴۰۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں تشریف لے گئے اور بارش طلب فرمائی، اپنی چادر مبارک الٹی، جب رُخِ انور قبلہ کی طرف فرمایا، خطبہ سے پہلے نماز سے ابتداء فرمائی، پھر قبلہ کی طرف رُخِ انور فرما کر دعا فرمائی" یہ حدیث احمد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے

۱۴۱۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی آپ پر آپ کی کالی کمبلی تھی، آپ نے اس کے نیچے حصہ کو پکڑ کر اوپر فرمانا چاہا، یہ آپ پر مشکل ہو گیا، تو آپ نے اس کے دائیں طرف کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں الٹ دیا"

یہ حدیث احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

استسقا کے لغوی معنی ہیں پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ نے صلوٰۃ استسقا پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔

باب کی پہلی روایت ۱۳۹ عن عبد اللہ بن زید بخاری ج ا صـ۱۳۹ مسلم ج ا صـ۲۹۳ دوسری روایت ۱۴۰، مسند احمد ج ۴ صـ۴۱ روایت ۱۴۱، مسند احمد ج ۴ صـ۴۱ ابوداؤد ج ا صـ۱۶۵ روایت ۱۴۲ ابن ماجہ صـ۹۱ روایت ۱۴۳ ابوداؤد ج ا صـ۱۷۵ اور روایت نمبر ۱۴۴ نسائی ج ا صـ۲۲۶ ابوداؤد ج ۱ صـ۱۷۵ سے منقول ہیں۔

صلوٰۃ الاستسقاء کی مشروعیت پر اجماع ہے احادیث باب اس کی سند ہیں مگر امام ابوحنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ استسقاء میں کوئی نماز مسنون نہیں (کبیری صـ۴۲۲) اس کا غلط مطلب سمجھا گیا دراصل ان کی مراد یہ ہے کہ سنت استسقاء صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ محض دعا و استغفار سے بھی

۱۰۴۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ بِلَا اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ ثُمَّ خَطَبَنَا وَدَعَا اللهَ وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ رَافِعًا يَدَيْهِ ثُمَّ قَلَبَ رِدَاءَهٗ فَجَعَلَ الْاَيْمَنَ عَلَى الْاَيْسَرِ وَالْاَيْسَرَ عَلَى الْاَيْمَنِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۱۰۴۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ قَالَ

۱۰۴۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے جس دن آپ نے بارش کے لیے دعا مانگی تو آپ نے ہمیں بغیر اذان اور اقامت دو رکعتیں پڑھائی، پھر ہمیں خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنا رخ انور قبلہ شریف کی طرف پھیرا، پھر اپنی چادر مبارک الٹ دی، تو دائیں حصہ کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں پر کیا"۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۰۴۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش رکنے کی شکایت کی، آپ نے منبر کے بارہ میں فرمایا، تو وہ آپ کے لیے عید گاہ میں رکھ دیا گیا، اور آپ نے لوگوں سے ایک دن کا وعدہ فرمایا کہ لوگ اس دن (عید گاہ) کی طرف نکلیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نکلے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا، آپ نے منبر

یہ سنت ادا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا صرف دعا و استغفار سے سنت استسقاء کا ادا ہو جانا ابو مروان اسلمیؓ کی روایت سے ثابت ہے قال خرجنا مع عمر بن الخطاب یستسقی فما زاد علی الاستغفار (معارف السنن ج ۴ ص ۴۶۳) لہٰذا امام ابوحنیفہ رح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صلوٰۃ استسقاء غیر مسنون ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ناقابل انکار ہے جیسا کہ احادیث باب سے ثابت ہے

تحویل رداء | تحویل رداء، چادر کو پلٹنا تفاؤل کے لیے تھا کہ جس حالت میں آتے ہیں اسی حالت میں

إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تَدْعُوهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِينٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَزَلْ فِي الرَّفْعِ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَبَ أَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللهِ فَلَمْ يَأْتِ

پر تشریف فرما ہو کر تکبیر کہی اور اللہ عز وجل کی حمد بیان کی، پھر فرمایا، بلاشبہ تم نے اپنے شہروں کی خشک سالی کی شکایت کی ہے اور اپنے وقت سے بارش کے مؤخر ہونے کی شکایت کی ہے اور اللہ عز وجل نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اس سے مانگو اور تم سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے پھر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ۔

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں وہ بے حد مہربان انتہائی رحم فرمانے والے ہیں، بدلے کے دن کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جو ارادہ فرمائیں کرتے ہیں اے اللہ آپ اللہ ہیں، آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، آپ غنی اور ہم محتاج ہیں ہم پر بارش نازل فرما اور جو آپ نازل فرمائیں، اُسے ہمارے لیے ایک وقت مقررہ تک طاقت اور ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ بنا دے۔)

واپس نہیں جائیں گے۔

جیسا کہ جعفر بن محمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں استسقیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحوّل رداءہ لیتحول القحط (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۶۶) حضرت ابن عباس رض کی روایت میں ہے

مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ

پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے، انہیں بلند فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی، پھر آپ نے اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیری، اور اپنی چادر مبارک الٹ دی۔ آپ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، آپ رخِ انور لوگوں کی طرف فرما کر منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور دو رکعتیں نماز پڑھائی پس اللہ تعالیٰ نے ایک گھٹا اٹھائی، وہ گرجی اور چمکی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے برسنا شروع ہوگئی، آپ اپنی مسجد تک نہیں پہنچے تھے کہ نالے بہہ پڑے۔ جب آپ نے لوگوں کا اپنی پناہ گاہوں کی طرف تیزی سے بھاگنا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے، یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک نظر آنے لگے، آپ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور بلاشبہ میں اس کا بندہ اور رسول ہوں"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی اسناد جید ہے۔

ثم قلب رداءه لتنقلب السنة (القحط) کنز العمال ج ۸ ص ۲۸۰) حضرت انس کی روایت میں ہے ولكن قلب رداءه لكي ينقلب القحط الى الخصب (نصب الراية ج ۲ ص ۲۴۳)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ امام اور مقتدی دونوں کے لیے مسنون ہے حنفیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک اس کی مسنونیت صرف امام کے حق میں ہے حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ روایات میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل رداء کا ذکر آیا ہے اور یہ ایک غیر مدرک بالقیاس عمل ہے جو اپنے مورد تک منحصر رہے گا اور مقتدی کو امام پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

تحویل رداء کی کیفیت: علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ " وقال محمد يقلب الامام رداءه اذا مضى صدر من الخطبة فان كان مربعا جعل اعلاه اسفله واسفله اعلاه وان كان مدورا جعل الايمن على الايسر والايسر على الايمن وان كان قباء جعل البطانة خارجا والظهارة داخلا (فتح الملهم ج ۲ ص ۴۴۲)

مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں:—

اوّل یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر ہونی چاہیے، بارش طلبی کیلئے

۱۴۰۴۔ وَعَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كِنَانَةَ قَالَ اَرْسَلَنِیْ اَمِیْرٌ مِّنَ الْاُمَرَاءِ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَسْاَلُهٗ عَنِ الْاِسْتِسْقَاءِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا مَنَعَهٗ اَنْ يَّسْاَلَنِیْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاضِعًا مُّتَبَذِّلًا مُّتَخَشِّعًا مُّتَضَرِّعًا فَصَلّٰی رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّیْ فِی الْعِيْدَيْنِ وَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهٖ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۴۰۴۔ اسحٰق بن عبداللہ بن کنانہ نے کہا "امراء میں سے ایک امیر نے مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ ان سے استسقاء (بارش طلب کرنے) کے بارہ میں پوچھوں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، اسے کس چیز نے مجھ سے پوچھنے سے روکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی کرتے ہوئے، معمولی لباس پہنے خشوع کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے تشریف لے گئے، تو آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں جیسا کہ آپ عیدین میں ادا فرماتے ہیں اور خطبہ نہیں دیا جیسا کہ تم یہ خطبہ دیتے ہو۔"
یہ حدیث نسائی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

صحرا اور جنگل ہی نسبتہً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مائگی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لیے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو۔ سائل کے لیے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کے ساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اُٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں "تحویل رداء" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی ـــــ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو اُلٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورتِ حال بالکل پلٹ دے گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دُعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ جس وقت آپ نے نمازِ استسقاء پڑھی اسی وقت ایک بدلی اُٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرام ؓ کی روایات میں بھی اس کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نماز اور دُعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

۱۰۴۵۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَهٗ فَاخْتَرَطَهٗ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَغْمَدَ

باب۔ نمازِ خوف ۔ ۱۰۴۵۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ جب ہم ذات الرقاع (جگہ کا نام) میں تھے، انہوں نے کہا جب ہم کسی سایہ دار درخت کے پاس آتے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کے لیے چھوڑ دیتے تھے انہوں نے کہا، مشرکین میں سے ایک شخص آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار مبارک درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی، اس نے وہ پکڑ کر سونت لی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آپ نے فرمایا "نہیں" اس نے کہا، مجھ سے تمہیں کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھ سے میری حفاظت فرمائیں گے" جابر نے کہا، آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے دھمکایا تو اس نے تلوار نیام میں

بھرپور ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت
وَاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔	رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا لہٰذا وہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ۔

(۱۰۴۵ تا ۱۰۴۷) باب کی پہلی روایت عن جابر مسلم ج ۱ صفحہ ۲۷۹ بخاری ج ۲ صفحہ ۵۹۳ دوسری روایت ۱۰۴۶ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۲۸ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۷۸ تیسری روایت ۱۰۴۷ عن نافع موطا امام مالک صفحہ ۱۷۰ بخاری

۱۴۱ الْبَيْتَ وَعَلَّقَهُ قَالَ ثُمَّ نُودِيَ بِالصَّلوٰةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا۔

لٹکا دی اور اسے لٹکا دیا، انہوں نے کہا پھر اذان دی گئی، تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ انہوں نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں تھیں اور لوگوں کی دو رکعتیں" یہ حدیث مسلم نے اور بخاری نے تعلیقاً نقل کی ہے۔

ج ۲ ص۲۵۰ سے منقول ہے۔

صلوٰۃ الخوف حضورؐ کے ساتھ خاص نہ تھی جمہور فقہاءؒ یہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ آپؐ کے بعد بھی پڑھی گئی اور اب بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد ج ۱ ص۱۷۷ میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہؓ نے کابل کی لڑائی میں صلوٰۃ الخوف پڑھی اور سنن الکبریٰ ج ۳ ص۲۵۲ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مقام صفین پر صلوٰۃ الخوف پڑھی اور فتح الملہم ج ۲ ص۴۲۹ میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے اصبہان میں صلوٰۃ الخوف پڑھی اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مجوسیوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہوئے طبرستان میں صلوٰۃ الخوف پڑھی اور ان کے ساتھ حسنؓ بن علیؓ اور حذیفہؓ بن الیمانؓ وعبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بھی تھے اور سنن الکبریٰ ج ۳ ص۲۵۲ میں ہے: ان علیاً صلی المغرب صلوٰۃ الخوف لیلۃ الھریر (سمیت الھریر لانھم لما عجزوا عن القتال صار بعضھم یھر علی بعض) اور بخاری ج ۲ ص۶۵۱ میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے جب صلوٰۃ الخوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یتقدم الامام وطائفۃ من الناس فیصلی بھم الامام رکعۃ۔ الحدیث۔ اور ترمذی ج ۱ ص۷۲ میں ہے: عن سھل بن ابی حثمۃ انہ قال فی صلوٰۃ الخوف یقوم الامام مستقبل القبلۃ وتقوم طائفۃ منھم معہ۔ شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۳ ص۳۲۶ میں لکھتے ہیں: واحتج علیھم الجمھور باجماع الصحابۃ علی فعل ھذہ الصلوٰۃ بعد موت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ امام ابویوسفؒ، امام مزنیؒ اور ابراہیمؒ بن علیہؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف صرف آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی۔ علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ ج ۲ ص۲۴۳ میں لکھتے ہیں: ومستند ھم

۱۰۴۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَیْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَھُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَۃٌ مَعَہٗ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَۃٌ عَلَی الْعَدُوِّ فَرَکَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَہٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَکَانَ الطَّائِفَۃِ الَّتِیْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَکَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھِمْ رَکْعَۃً وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ فَرَکَعَ لِنَفْسِہٖ رَکْعَۃً وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ۔

۱۰۴۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف غزوہ میں شریک ہوا ہم دشمن کے سامنے آئے تو ہم نے ان کے مقابلے کے لیے صف بندی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ایک گروہ دشمن کی طرف متوجہ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ تھے رکوع اور دو سجدے فرمائے پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہیں پڑھی، وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے فرمائے، پھر سلام پھیرا، پھر ہر ایک نے ان میں سے کھڑے ہو کر اپنے لیے ایک رکوع اور دو سجدے کیے۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

خصوص الخطاب بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی قولہ تعالیٰ وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ۔ الاٰیۃ۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اِذَا کُنْتَ کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۲۹۴ میں ہے بانہ قید واقعی نحو قولہ ان خفتم فی صلوٰۃ المسافر۔

صلوٰۃ الخوف کے مختلف طریقے

امام نووی نے ان صلوٰۃ الخوف لھا انواع مختلفۃ سے اس جانب اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۱ صـ۱۴۷ میں لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کی چھ یا سات صورتیں ہیں وکلہا جائزۃ۔ علامہ ابن حزمؒ نے محلی میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں تیرہ صورتیں لکھی ہیں قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۴ صـ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ سترہ صورتیں ہیں، حافظ ابن حجرؒ بحوالہ ابوبکر بن العربیؒ چوبیس صورتیں نقل کرتے ہیں۔ امیر یمانیؒ سبل السلام ج ۲ صـ۴۵ میں لکھتے ہیں: وقال ابن حزم صح منہا اربعۃ عشر وجہا وقال ابن العربیؒ فیہا

۲۴۰۱- وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ قَالَ يَتَقَدَّمُ الْاِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْاِمَامُ رَكْعَةً وَتَكُوْنُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ وَلَمْ يُصَلُّوْا فَاِذَا صَلَّى الَّذِيْنَ مَعَهٗ رَكْعَتَيْنِ اسْتَأْخَرُوْا مَكَانَ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا وَلَا يُسَلِّمُوْنَ وَيَتَقَدَّمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا فَاِنْ كَانَ خَوْفًا هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا وَّرُكْبَانًا عَلٰى يُصَلُّوْنَ

۲۴۰۱- نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب نمازِ خوف کے بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ کہتے " امام اور لوگوں کا ایک گروہ آگے بڑھے امام ان کو ایک رکعت پڑھائے، ان میں سے وہ گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی، امام اور دشمن کے درمیان ہو جائے، جب وہ لوگ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لیں پیچھے ہٹ جائیں، ان لوگوں کی جگہ پر جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اور سلام نہ پھیریں اور وہ لوگ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، وہ آگے بڑھ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے، پھر امام سلام پھیرے اور وہ دو رکعتیں

روایات کثیرۃ اصحہا ست عشر روایۃ- ان میں سے جس پر عمل کرے درست ہے۔ اولیٰ وہ ہے جو قرآن پاک میں ہے اور ابن عمرؓ سے مروی ہے : کما فی الترمذی ج ۱ ص۳ک روایۃ ملے--

مگر تین طریقے زیادہ مشہور ہیں:۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایک طائفہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور دوسرا دشمن کے مقابل کھڑا ہے جب امام سجدہ کر چکے تو پہلا طائفہ اپنی دوسری رکعت اسی وقت پوری کر لے اور امام اتنی دیر کھڑا ہوا انتظار کرتا رہے پھر دوسرا طائفہ آئے اور امام اس کو ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور وہ طائفہ مسبوق کی طرح اپنی دوسری رکعت پوری کر لے یہ طریقہ حضرت سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت سے ثابت ہے جو موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح منقول ہے اور چونکہ یہ روایت اصح ما فی الباب ہے اس لیے شافعیہ وغیرہ نے اسی طریقہ کو افضل قرار دیا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھائے اور یہ طائفہ سجدہ کے بعد اپنی نماز پوری کئے بغیر محاذ پر چلا جائے پھر دوسرا طائفہ آئے امام اس کو دوسری رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے پھر یہ طائفہ اپنی نماز اسی وقت پوری کر لے اور محاذ پر چلا جائے پھر پہلا طائفہ آ کر اپنی دوسری رکعت ادا کرے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ طائفہ اولیٰ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلا جائے پھر طائفہ ثانیہ دوسری رکعت

مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ يَنْصَرِفُ الْإِمَامُ وَقَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَيَقُومُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً رَكْعَةً بَعْدَ أَنْ يَنْصَرِفَ الْإِمَامُ فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا قَالَ مَالِكٌ قَالَ نَافِعٌ لَا أَرَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ

پڑھ چکا ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کھڑا ہو کر اپنی ایک ایک رکعت پڑھ لیں، پس دونوں گروہوں میں سے ہر ایک دو دو رکعتیں پڑھ چکا ہوگا، اگر خوف اس سے زیادہ سخت ہو جائے تو لوگ پیدل اپنے قدموں پر کھڑے نماز پڑھیں یا سواری کی حالت میں قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔

امام کے ساتھ پڑھ کر چلا جائے پھر پہلا طائفہ آکر اپنی نماز پوری کرے، اس کے بعد دوسرا طائفہ آکر اپنی نماز پوری کرے۔

صلوٰۃ الخوف کے یہ تینوں طریقے جائز ہیں البتہ حنفیہ نے ان میں سے تیسرے طریقہ کو افضل قرار دیا ہے احناف کا یہ طریقہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے منقول طریقہ کو ترجیح دیتا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے۔

باب کی پہلی روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ نہایت شجاع تھے بلکہ کفار کی جانب سے پہنچائی جانے والی ایذاء پر صبر کرتے تھے اور جاہل کفار اگر آپ کے ساتھ بے تمیزی کا کوئی معاملہ کرتے تھے تو آپ اسے انتہائی حلم کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔

واقدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب اس مشرک نے غلط ارادہ کے ساتھ تلوار نکالی تو اس کی پیٹھ میں شدید درد شروع ہو گیا جس سے وہ لڑکھڑا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ مخلوق نے ہدایت پائی۔ لیکن ابو عوانہؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا مگر اس نے یہ عہد کیا کہ کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں لڑوں گا۔

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بدتمیزی پر اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس کی وجہ یا تو اس کی تالیف قلب تھی یا کوئی اور وجہ ہی ہوگی کہ آپ نے اسے معاف فرما دیا۔

دوسری روایت ۱۰۴۶ کی مختصر تشریح یہ ہے کہ

"نجد" بلند زمین کو کہتے ہیں یہاں نجد سے مراد نجد حجاز ہے نجد یمن مراد نہیں ہے۔

عَنْهُ حَدَّثَهُ إِلَّا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا ثُمَّ الْبُخَارِيُّ مِنْ طَرِيْقِهِ فِي كِتَابِ التَّفْسِيْرِ مِنْ صَحِيْحِهِ۔

قَالَ النَّيْمَوِيُّ إِنَّ صَلٰوةَ الْخَوْفِ لَهَا أَنْوَاعٌ مُخْتَلِفَةٌ وَصِفَاتٌ مُتَنَوِّعَةٌ وَرَدَتْ فِيْهَا أَخْبَارٌ صَحِيْحَةٌ۔

مالک نے بیان کیا کہ نافع نے کہا، میرا خیال تو یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ (طریقہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

یہ حدیث مالک نے موطا میں پھر بخاری نے انہی کے واسطہ سے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں نقل کی ہے نیموی نے کہا، نماز خوف کی مختلف قسمیں اور مختلف طریقے ہیں جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعدد جماعت یعنی کئی کئی مرتبہ جماعت کرنی مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ ایسے ہی حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث قوی دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مد مقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز خوف کی ادائیگی اس وقت ضروری ہوتی ہے جبکہ سب لوگ ایک ہی شخص کو امام بنانے پر مصر ہوں۔ اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ فقام کل واحد منهم (اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے الخ) کی تفصیل و تشریح علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کی ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں آ کر نماز میں شریک ہوئی تھی آنحضرت کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے آگئی اور تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے پھر دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں آگئی اور اس نے بھی تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کر کے سلام پھیر دیا۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگرچہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں آکر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔

اسی سلسلہ میں اتنی بات سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز خوف کے بارہ میں حضرت امام اعظمؒ کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہٰذا حدیث موقوف ہی حدیث مرفوع کے درجہ میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرأت کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرات کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبوق اپنی نماز قرات کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اسی وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جا رہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دو رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعت والی ہو تو دونوں جماعتوں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دو دو رکعت پڑھے گی۔ لیکن نماز اگر تین رکعت والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضر دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقہ سے پوری کرے گی۔

اَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

بَابُ تَلْقِيْنِ الْمُحْتَضَرِ

۱۰۴۸ - عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا الْبُخَارِیَّ -

---

ابواب : جنازوں کے احکام

باب . قریب المرگ کو (کلمہ کی) تلقین کرنا - ۱۰۴۸ - حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اپنے قریب المرگ لوگوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو ۔
یہ حدیث بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے ۔

(۱۰۴۸ تا ۱۰۵۰) محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرزِ عمل ، پھر غسل میت ، تجہیز و تکفین ، نماز جنازہ ، دفن ، تعزیت ، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں ۔ اسی دستور کی پیروی میں مصنف نے بھی بعض امور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات اسی طرح ذکر کئے ہیں ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوگا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے ، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے ـــ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے ، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں ، اللہ کا نام اور کلام پڑھ کر اس پر دم اور اس کی صحت و شفا کے لیے دعا کریں ، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں - خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں ہے اور سفر آخرت قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمۂ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں - پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے

۱۰۴۹۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۵۰۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

۱۰۴۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اپنے قریب المرگ لوگوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۵۰۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کا (زندگی میں) آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو گیا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور اس کے کرم سے صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں ——— پھر میت کو غسل دیا جائے، اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دعا ہو، رحمت ہو جس سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لیے اللہ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں، اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے،

بَابُ تَوْجِيهِ الْمُحْتَضَرِ إِلَى الْقِبْلَةِ

۱۰۵۱- عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ سَأَلَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالُوْا تُوُفِّيَ وَأَوْصَى أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ ذَهَبَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

باب: مرنے والے کا قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ ۱۰۵۱: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو براء بن معرورؓ کے بارہ میں دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا، "اس نے وفات پائی اور وصیت کی کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس نے فطرت (دین) کو پالیا ہے، پھر تشریف لے جا کر اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ و یہ حدیث حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور موت تو لقاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

باب کی پہلی روایت مسلم ج ۱ صــ۳۰۰ ترمذی ج ۱ صـــ۱۹۲ سے منقول ہے دوسری روایت ۱۰۴۹ مسلم ج ۱ صــ۳۰۰ سے اور تیسری روایت ۱۰۵۰ ابوداؤد ج ۲ صــ۸۸ سے منقول ہے تینوں مضمون و مدلول ایک ہی ہے۔ ان احادیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا جائے یہی تلقین (جو بالاتفاق مستحب ہے) کا مطلب ہے تاکہ ذہن توحید کی طرف متوجہ ہو اگر زبان ساتھ دے سکے تو کلمہ پڑھ کر ایمان تازہ کر لیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں مگر علماء نے تصریح کی ہے کہ اس وقت مریض کو کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے نہ معلوم اس وقت اس بے چارے کے منہ سے کیا نکل جائے بس اس کے سامنے کلمہ پڑھا جائے۔

(۱۰۵۱) جب موت آتی ہے تو بالعموم اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو حضورؐ کی تعلیم ہے کہ اس کا منہ داہنی کروٹ پر قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے خواہ مرد ہو یا عورت، امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں حدیث باب سے یہی ثابت ہے جسے اصاب الفطرۃ قرار دیا گیا ہے حدیث باب کو مستدرک حاکم (ج ۱ صــ۳۵۳) سے نقل کیا گیا ہے بعض حضرات سے ستلقیاً بھی منقول ہے کہ یہ خروج روح کے لیے ایسر ہے مگر سنت طریقہ اول ہی ہے۔

بَابُ قِرَاءَةِ يٰسٓ عِنْدَ الْمَيِّتِ

١٠٥٢۔ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رض قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِىُّ وَاَعَلَّهُ ابْنُ الْقَطَّانِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

بَابُ تَغْمِيْضِ الْمَيِّتِ

١٠٥٣۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ. دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِىْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِىْ عَقِبِهٖ فِى الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ

باب میّت کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنا۔ ۱۰۵۲۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے مرنے والوں کے پاس سورۂ یٰسین پڑھو"۔ یہ حدیث ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے نقل کی ہے۔ ابن القطان نے اسے معلول قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

باب میّت کی آنکھیں بند کرنا۔ ۱۰۵۳۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ کے پاس تشریف لے گئے ان کی نگاہ پھٹ چکی تھی تو آپ نے ان کی آنکھیں بند فرما دیں، پھر فرمایا "جب روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے لگتی ہے" اس کے گھر والوں میں سے کچھ لوگوں نے چیخ و پکار کی تو آپ نے فرمایا "اپنے بارہ میں اچھی ہی دعا کرو، بلاشبہ فرشتے جو تم کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں" پھر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

(۱۰۵۲) معقل بن یسار کی اس روایت کو ابوداؤد ج ۲ صفحہ ابن ماجہ صفحہ سے نقل کیا گیا ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت و مصلحت کیا ہے البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورۃ دین و ایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کا بڑا موثر اور تفصیلی بیان ہے۔

۱۰۵۳۔ باب کی اس روایت کو مسلم ج ۱ صفحہ سے نقل کیا گیا ہے تحت اللفظ ترجمہ

الْعَالَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

بَابُ تَسْجِیَۃِ الْمَیِّتِ

۱۰۵۴۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تُوُفِّیَ سُجِّیَ بِبُرْدٍ حِبَرَۃٍ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ۔

بَابُ غُسْلِ الْمَیِّتِ

۱۰۵۵۔ عَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ الْاَنْصَارِیَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تُوُفِّیَتْ اِبْنَتُہٗ فَقَالَ اغْسِلْنَہَا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ اِنْ رَاَیْتُنَّ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِی الْاٰخِرَۃِ کَافُوْرًا اَوْ شَیْئًا مِّنْ کَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِیْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاہُ فَاَعْطَانَا حَقْوَہٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَہَا

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔ (اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے اور ان کا درجہ مہدیین میں بلند فرمائیں اور آپ ان کے پسماندگان میں ان کے نائب بن جائیں، اے تمام جہانوں کے پروردگار! ہماری اور ان کی مغفرت فرمائیں، ان کی قبر میں کشادگی فرمادیں اور ان کی قبر میں روشنی فرمادیں)

باب میت کو کپڑے سے ڈھانکنا۔ ۱۰۵۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ یمنی چادر سے ڈھانک دیا گیا" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

باب۔ میت کو غسل دینا۔ ۱۰۵۵۔ ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کی لخت جگر کی وفات ہوئی، تو ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے فرمایا اسے تین یا پانچ بار اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ پانی اور بیری (یانی جس میں بیری کے پتے پکائے گئے ہوں) کے ساتھ غسل دو اور آخری بار کافور لگادو یا فرمایا کافور میں سے تھوڑا سا پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کردو،

مضمون حدیث واضح ہے۔

(۱۰۵۴) روایات باب کو بخاری ج ۱ ص ۱۶۶ اور مسلم ج ۱ ص ۳۰۶ سے نقل کیا گیا ہے۔

(۱۰۵۵) باب کی یہ روایت بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ ترمذی ج ۱ ص ۱۹۳ سے منقول ہے۔ علامہ ابن رشد

إِيَّاهُ تَعْنِي إِزَارَهُ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمْ إِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا۔

پس جب ہم فارغ ہوئے ہم نے آپ کو اطلاع کر دی، تو آپ نے ہمیں اپنی چادر مبارک دی اور فرمایا: اس چادر کو اس کا شعار (یعنی جسم کے ساتھ لگنے والا کپڑا) بنا دو (یعنی اس کا ازار بنا دو)۔

یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے اور ان کی ایک روایت میں ہے "اس غسل دیتے وقت اس کے دائیں جانب اور وضو اور میں دھلنے والی جگہوں سے ابتدا کرو"۔

نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ غسل میت بعض علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور بعض کے نزدیک سنت کفایہ ہے امام نوویؒ نے اس کے فرض کفایہ ہونا پر اجماع نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ اس ان کا قول شدید قرار دیتے ہیں علامہ قرطبی نے اس کے سنت ہونے کو راجح قرار دیا ہے اوجز المسالک کے مؤلف نے ائمہ ثلثہ کے فروع سے ثابت کیا ہے کہ اس کا فرض کفایہ ہونا مصرح ہے۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں، جو ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۸ھ کے اوائل میں ہوئی تھی۔ اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں پیش پیش رہتی تھیں، خاص کر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انہیں سے سیکھا۔

اس حدیث میں بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لیے نہانے میں طرح طرح کے صابون استعمال کیے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لیے بیری کے پتوں سے ساتھ جوش دیا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل کچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے ——

اسی لیے حکم فرمایا کہ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ طاق عدد اللہ کو محبوب ہے اس لیے اس کا لحاظ بہرحال رکھا جائے یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سات دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت

بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ

۱۰۵۶- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِيْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا فِيْ رَأْسِيْ وَاَنَا اَقُوْلُ وَارَأْسَاهُ فَقَالَ بَلْ اَنَا يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ ثُمَّ قَالَ مَا ضَرَّكِ لَوْ مِتِّ قَبْلِيْ فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاٰخَرُوْنَ

باب۔ مرد کے بیلے اپنی بیوی کو غسل کرنا۔ ۱۰۵۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع سے واپس تشریف لائے تو مجھے اس حال میں پایا کہ میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور میں کہہ رہی تھی، ہائے میرا سر تو فرمایا، بلکہ میں اسے عائشہؓ! ہائے میرا سر، آپ نے پھر فرمایا، تمہارا کیا نقصان ہے، اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا گئیں، تو میں تم پر کھڑا ہوں گا، تمہیں غسل دوں گا، تمہیں کفن دوں گا اور تم پر نماز جنازہ پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔ یہ حدیث ابن ماجہ

مہک دار اور دیر پا خوشبو ہے ــــ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صاحبزادی کے لیے جس اہتمام سے اپنا تہبند مبارک دیا اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپ کو غسل مکمل ہو جانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنادو، اس سے علماء کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے۔ اور اس سے نفع کی امید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں غلو اور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

فَكَفَّنَّاهَا فِيْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ وَخَمَّرْنَاهَا كَمَا يُخَمَّرُ الْحَيُّ۔ ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں میں کفنایا، اور خمار (اوڑھنی) بھی اڑھائی جس طرح زندوں کو اڑھائی جاتی ہے۔

؎ ؎ ؎

اسی بنا پر عورتوں کے لیے کفن میں پانچ کپڑے ہی مسنون کہے گئے ہیں۔

(۱۰۵۶ تا ۱۰۵۷) باب کی پہلی روایت عن عائشہ ابن ماجہ صـ۱۰۵ دوسری روایت ۱۰۵۷

قَالَ النِّيْمَوِيُّ قَوْلُهُ فَغَسَّلْتُكِ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔

۱۰۵۷- وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا غَسَّلْتُهَا وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

بَابُ غُسْلِ الْمَرْاَةِ لِزَوْجِهَا

۱۰۵۸- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ امْرَاَةَ اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ غَسَّلَتْ اَبَا بَكْرِنِ الصِّدِّيْقَ حِيْنَ تُوُفِّيَ ثُمَّ خَرَجَتْ فَسَاَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَائِمَةٌ وَاِنَّ هٰذَا يَوْمٌ شَدِيْدُ الْبَرْدِ فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ فَقَالُوْا لَا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے، نیموی نے کہا میں تمہیں غسل دوں گا، یہ الفاظ محفوظ نہیں۔

۱۰۵۷- حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا "جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو میں نے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا۔"

یہ حدیث بیہقی نے معرفت میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

باب۔ عورت کے لیے اپنے خاوند کو غسل دینا۔ ۱۰۵۸- عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب وہ فوت ہوئے تو غسل دیا، پھر انہوں نے اکثر جو مہاجرین صحابہؓ اس وقت موجود تھے پوچھا، انہوں نے کہا "میں روزہ سے ہوں اور یہ دن سخت سردی کا دن ہے، کیا مجھ پر (غسل دینے کی وجہ سے) غسل ہے، تو صحابہؓ نے کہا نہیں۔"

یہ حدیث مالک نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

سنن الکبریٰ ج ۳ ص۳۹۷ سے منقول ہے۔

(۱۰۵۸) عبداللہ بن ابی بکر کی اس روایت کو موطا امام مالکؒ ص۲۰۲ میں نقل کیا گیا ہے بعض صحابہ اور تابعین کا یہ مسلک رہا ہے کہ غاسل میت پر غسل ہے لیکن صدر اول کے بعد اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ غسل میت سے غسل واجب نہیں ہوتا جس کی دلیل حدیث باب ہے علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے قالا لیس علی غاسل المیت غسل (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص۲۶۸)

بَابُ التَّكْفِيْنِ فِي الثِّيَابِ الْبِيْضِ

١٠٥٩۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَآخَرُوْنَ۔

١٠٦٠۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَسُوْا ثِيَابَ الْبَيَاضِ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ۔

بَابُ التَّحْسِيْنِ فِي الْكَفَنِ

١٠٦١۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب۔ سفید کپڑوں میں کفن دینا۔ ١٠٥٩۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو بلاشبہ یہ تمہارے لیے بہتر کپڑے ہیں اور اس میں اپنے مُردوں کو کفن دو" یہ حدیث نسائی کے علاوہ اصحاب خمسہ نے نقل کی ہے، ترمذی اور دیگر محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

١٠٦٠۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سفید کپڑے پہنو، بلاشبہ وہ زیادہ پاکیزہ اور اچھے ہیں اور ان میں اپنے مُردوں کو کفن دو"

یہ حدیث احمد، نسائی، ترمذی اور حاکم نے نقل کی ہے، ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

باب۔ اچھا کفن پہنانا۔ ١٠٦١۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(١٠٥٩ تا ١٠٦٠) میت کو کفن دینا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے یہاں تک کہ یہ ادائیگی قرض ارث اور وصیت پر بھی مقدم ہے اس باب کی روایات میں سفید کفن کا ذکر آیا ہے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سفید کفن دیا گیا تھا باب کی پہلی روایت ترمذی ج ١ صـ ١٩٣ اور دوسری روایت مسند احمد ج ١ صـ ٢٣ سے لی گئی ہے۔

(١٠٦١ تا ١٠٦٢) پہلی روایت مسلم ج ١ صـ ٣٠٦ اور دوسری روایت ترمذی ج ١ صـ ١٩٣ سے منقول ہے اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کپڑا پورا ہو بغیر کسی اسراف کے لطیف و پاکیزہ اور سفید ہو خواہ دھلا ہوا

إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

۱۰۶۲ - وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ -

بَابُ تَكْفِينِ الرَّجُلِ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ

۱۰۶۳ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ -

---

تم میں سے کوئی جب اپنے بھائی کو کفن دے تو اُسے چاہیئے کہ اچھا کفن دے" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۶۲ - حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ولی بنے تو اسے چاہیئے کہ اچھا کفن پہنائے"

یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی ہے ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

باب - مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا - ۱۰۶۳ - ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا، اس میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

ہو یا نیا ہو دنیا داروں کی طرح ناموری اور تکبر کی غرض سے نہ ہو۔

(۱۰۶۳ تا ۱۰۶۵) باب کی پہلی روایت بخاری ج ۱ ص ۱۶۹ مسلم ج ۱ ص ۳۰۵ دوسری روایت ۱۰۶۴ مسلم ج ۱ ص ۳۰۶ اور تیسری روایت عن عائشہ مسند احمد ج ۲ ص ۴۰ سے نقل کی گئی ہیں۔

پہلی روایت میں کفن فی ثلاثۃ اثواب آیا ہے لیکن طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۸ میں سات کپڑوں کا ذکر ہے جو بظاہر تعارض ہے علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ (۱) طبقات ابن سعد والی روایت ضعیف ہے (۲) اور اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو وہ اس پر محمول ہے کہ مختلف حضرات نے آپ کی تکفین کے لیے مختلف کپڑے پیش کئے لیکن صحابہ کرام نے ان میں سے تین کا انتخاب کر لیا اور باقی واپس کر دیئے۔

ضرورت کے وقت ایک کپڑے کا کفن بھی کافی ہو جاتا ہے احادیث باب میں کفن مسنون کا بیان ہے

۱۰۶۲- وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّهٗ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهَا فِيْ كَمْ كُفِّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ سَحُوْلِيَّةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۶۲- ابوسلمہ نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا میں نے ان سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا، تو انہوں نے کہا "تین سوتی کپڑوں میں" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

جمہور کے نزدیک ایک مرد کے لیے تین کپڑے مسنون ہیں (عمدۃ القاری ج صنث) البتہ امام مالک مرد کے حق میں پانچ تک اور عورت کے حق میں سات تک استحباب کے قائل ہیں (الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیہ للدسوقی ج ا صـ۴۱۷) چنانچہ مرد کا کفن ان کے نزدیک تین لفافوں ایک قمیص اور ایک عمامہ پر مشتمل ہوگا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دو لفافوں ایک ازار اور ایک قمیص اور ایک عمامہ پر مشتمل ہوگا (بلوغ الامانی فی اسرار الفتح الربانی ج ۷ صـ۱۸۱) احادیث باب سے جمہور کا مسلک ثابت ہے۔

تین کپڑوں کی تعیین کے بارے میں اختلاف

جمہور کے نزدیک کفن مسنون کے لیے تین کا عدد تو متعین ہے البتہ ان تین کپڑوں کی تعیین کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک وہ تین کپڑے تین لفافے ہیں، امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے (المغنی ج۲ صـ۴۶۴) جب کہ حنفیہ کے نزدیک وہ تین کپڑے یہ ہیں، لفافہ، ازار اور قمیص (بدائع ج ا صـ۳۰۶)

شافعیہ کا ایک استدلال حضرت عائشہؓ کی حدیث باب سے ہے جس میں قمیص کی صراحۃً نفی کی گئی ہے۔ نیز ان کا ایک استدلال سنن ابن ماجہ (صـ۱۰۵) میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے "کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاث ریاط بیض سحولیۃ" اس میں "ریاط" "ریطۃ" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ایک پاٹ کی بڑی چادر۔

دلائل احناف

حنفیہ کا استدلال سنن ابی داؤد (ج ۲ صـ۴۴۹) میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہے "قال: کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب نجرانیۃ، الحلۃ ثوبان وقمیصہ الذی مات فیہ"

۱۰۹۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ قَالَ فَاَيُّ يَوْمٍ قُبِضَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا قُبِضَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ قَالَ فَاِنِّيْ اَرْجُوْ مَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ اللَّيْلِ قَالَتْ وَكَانَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ فِيْهِ رَدْعٌ مِّنْ مِّشْقٍ فَقَالَ اِذَا اَنَا مِتُّ فَاغْسِلُوْا ثَوْبِيْ

۱۰۹۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہوں نے کہا آج کون سا دن ہے، ہم نے کہا سوموار کا دن، انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس دن وفات دیئے گئے ہم نے کہا سوموار کے دن آپ کی وفات ہوئی، انہوں نے کہا، بلاشبہ میں بھی اس وقت سے رات تک امید رکھتا ہوں کہ ان سے جا ملوں گا حضرت صدیق اکبر پر

ہمارا ایک استدلال "الکامل" لابن عدی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال: کفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب: قمیص وازار ولفافۃ"۔ (الکامل ج ۷ ص۱۵۱)

یہ دونوں روایتیں اگرچہ ان کی سند پر کلام کیا گیا ہے پھر بھی سنن ابی داؤد کی روایت درجۂ حسن سے کم نہیں، اس لیے کہ اس کی یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے تضعیف کی گئی ہے، لیکن یزید بن ابی زیاد کی روایات امام مسلم متابعۃً ذکر کرتے ہیں (صحیح مسلم ج ۲ ص۴۰) اور امام ابوداؤد نے ان کی روایت پر سکوت کیا ہے اور شعبہ اور بعض دوسرے حضرات نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی روایت کی تحسین کی ہے (ج ۱ ص۱۳۳)

ایک اور استدلال موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اثر سے ہے وہ فرماتے ہیں: "المیت یقمص ویؤزر ویلف بالثوب الثالث، فان لم یکن الا ثوب واحد کفن فیہ" موطا ص۲۰۶)

نیز ایک استدلال امام محمد کی کتاب الآثار ص۴۶ میں "ابوحنیفۃ عن حماد" کے طریق سے ابراہیم نخعی کی ایک مرسل روایت سے ہے: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی حلۃ یمانیۃ وقمیص" یہ مرسل صحیح ہے۔

ایک اور استدلال صحیح بخاری ج ۱ ص۱۶۹ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے ہے: ان عبد اللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ واستغفر لہ، فاعطاہ قمیصہ۔

هٰذَا زِيدُوْا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ جَدِيْدَيْنِ فَكَفِّنُوْنِيْ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ فَقُلْنَا اَفَلَا نَجْعَلُهَا جُدُدًا كُلَّهَا قَالَتْ فَقَالَ لَا اِنَّمَا هُوَ لِلْمُهْلَةِ قَالَتْ فَمَاتَ لَيْلَةَ الثُّلَاثَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِيُّ وَقَالَ رَدْعٌ مِّنْ زَعْفَرَانٍ۔

ایک کپڑا تھا جس میں گیرو (ملتانی سرخ رنگ کی مٹی) کا نشان تھا، تو انہوں نے کہا جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے اس کپڑے کو دھو ڈالنا اور اس کے ساتھ دو نئے کپڑے ملا کر مجھے تین کپڑوں میں کفنا دینا، ہم نے کہا، کیا ہم تمام کپڑے نئے نہ کر دیں، ام المومنین نے بیان کیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا، نہیں بلاشبہ یہ تو آلائش کے لیے ہے، ام المومنینؓ نے کہا، حضرت صدیق اکبرؓ نے منگل کی رات (منگل اور سوموار کی درمیانی رات) وفات پائی۔ یہ حدیث احمد اور بخاری نے نقل کی ہے بخاری کی روایت میں ہے زعفران کا نشان تھا۔

نیز ہمارا ایک استدلال مستدرک میں عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت سے ہے وہ فرماتے ہیں:

"اذا انا مت فاجعلوا فی آخر غسلی کافورا وکفنونی فی بردین وقمیص، فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل بہ ذلک (اعلاء السنن ج ۸ ص۲۴۱) تلخیص المستدرک میں حافظ ذہبیؒ نے اس پر سکوت کیا ہے لہٰذا یہ کم از کم حسن ضرور ہے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کی حدیثِ باب کا تعلق ہے اس میں قمیصِ میت کا نہیں بلکہ قمیص متاد کا انکار مقصود ہے جو احیاء کے ساتھ مخصوص ہے، قمیصِ میت قمیصِ احیاء سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس میں نہ آستینیں ہوتی ہیں نہ کلیاں اور نہ وہ سلی ہوئی ہوتی ہے بلکہ وہ گردن سے پاؤں تک کا وہ کپڑا ہے جس کا ایک سرا میت کی پشت پر ہوتا ہے اور دوسرا سرا میت کے سامنے۔ اور بیچ میں سے اس کو گریبان کے برابر چیر دیا جاتا ہے تاکہ گردن میں ڈالا جا سکے، حنفیہ کے مسلک پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اکثر کتبِ حنفیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ میت کی قمیص میں نہ کلیاں ہوتی ہیں نہ آستینیں (فتح القدیر ج ۲ ص۴۶) حضرت گنگوہیؒ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ قمیص میں آستین وغیرہ کی ضرورت زندہ کو ہوتی ہے تاکہ اس کو چلنے پھرنے، اترنے چڑھنے اور دوسری حرکات و سکنات میں کوئی دقت نہ ہو جب کہ میت کو اس طرح کی کوئی حاجت نہیں بلکہ میت کو آستین والی قمیص پہنانا ایک مشکل کام ہے، اس لیے آستین، کلی اور سلائی وغیرہ کے تکلفات کی میت کی قمیص میں کوئی حاجت نہیں۔

بَابُ تَكْفِيْنِ الْمَرْأَةِ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ

١٠٦٦- عَنْ لَيْلَى بِنْتِ قَانِفٍ الثَّقَفِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ فِيْمَنْ

باب- عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا- ١٠٦٦- حضرت لیلیٰ بنت قانف الثقفیہ رضی اللہ عنہا

لیکن اس پر عبداللہ بن اُبی کے قصے سے اشکال ہو سکتا ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی جو ظاہر ہے آستین وغیرہ پر مشتمل ہو گی۔

حضرت گنگوہیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بحث میت کے لیے قمیص تیار کرنے کے بارے میں ہے سو اس کی قمیص آستین وغیرہ کے تکلفات کے بغیر بنائی جائیں گی کما بینا۔ البتہ اگر قمیص پہلے سے تیار شدہ موجود ہو اور برکت وغیرہ کے لیے اس کو پہنانے کی حاجت ہو تو اس کی سلائی ادھیڑ کر آستین وغیرہ کو ختم کرنے کی حاجت نہیں کما فی قصۃ عبداللہ بن اُبی (الکوکب الدری ج ۲ صـ۱۹۴)

لیکن علامہ ظفر احمد عثمانیؒ (اعلاء السنن ج ۱ صـ۱۹۹) میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ قمیصِ میت اور قمیصِ حی میں فرق ہو گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا کہ قمیصِ میت اور قمیصِ حی میں فرق ہو گا۔

سنن ابی داؤد (ج ۲ صـ۴۴۹) میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت "کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وقمیصہ الذی مات فیہ" سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ قمیصِ میت اور قمیصِ حی میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: "انظروا ثوبي هذين فاغسلوهما ثم كفنوني فيهما فإن الحي أحوج إلى الجديد منهما" (نصب الرایہ ج ۲ صـ۲۶۲)

احقر عرض کرتا ہے کہ حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے کہ میت کی قمیص میں نہ کلیاں ہوں نہ آستینیں (فتح القدیر ج ۲ صـ۷۶) البتہ روایات کے مجموعے سے یہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ احیاء کی قمیص بھی جائز ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفنانے کا تعلق ہے اس میں بھی راجح یہی نظر آتا ہے کہ جس قمیص میں آپ کی وفات ہوئی اسی قمیص کو کفن میں شامل کر کے برقرار رکھا گیا۔ فلعله آخر الأمرين في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وهو حي.

(١٠٦٦) اس باب کی روایت کو ابوداؤد ج ۲ صـ۹۹ میں نقل کیا ہے۔

غَسَّلَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ وَفَاتِهَا فَكَانَ اَوَّلُ مَا اَعْطَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِقَاءَ ثُمَّ الدِّرْعَ ثُمَّ الْخِمَارَ ثُمَّ الْمِلْحَفَةَ ثُمَّ اُدْرِجَتْ بَعْدُ فِي الثَّوْبِ الْاٰخِرِ قَالَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عِنْدَ الْبَابِ مَعَهٗ كَفَنُهَا يُنَاوِلُنَاهَا ثَوْبًا ثَوْبًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ

۱۰۶۷۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَّمَنْ شَهِدَ حَتّٰى تُدْفَنَ كَانَ لَهٗ قِيْرَاطَانِ قِيْلَ وَمَا الْقِيْرَاطَانِ قَالَ مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

نے کہا ،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت جن عورتوں نے انہیں غسل دیا میں ان میں تھی ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ازار ، پھر درع پھر اوڑھنی پھر چادر عطا فرمائی ، پھر وہ ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹ دی گئیں ، لیلیٰ بنت قانف ؓ نے کہا ،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر تشریف فرما تھے ، آپ کے پاس ام کلثوم رض کا کفن تھا ، آپ ہمیں کفن کا ایک ایک کپڑا کر کے عطا فرما رہے تھے ،، یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے

باب ۔ جو روایات میت پر نماز کے بارہ میں ہیں ۔ ۱۰۶۷ ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،، جو شخص جنازہ میں حاضر ہوا یہاں تک کہ اس نے نماز پڑھی تو اس کے لیے ایک قیراط (کا ثواب) ہے اور جو شخص دفن تک حاضر رہا اس کے لیے دو قیراط (کا ثواب) ہے ، آپ سے پوچھا گیا ، دو قیراط کتنے ہیں ، آپ نے فرمایا ،، دو بڑے پہاڑوں کے برابر ،، یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے ۔

عورت کیلئے کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں کرتی ازار اوڑھنی لفافہ اور ایک پٹی جو اس کی چھاتیوں پہ باندھی جاتی ہے جیسا کہ باب ہذا کی روایت سے ثابت ہے عورت کے اس کفن کی وجہ یہ ہے کہ وہ زندگی کی حالت میں اپنے والدین وغیرہ کی ملاقات کے لیے بھی پانچ کپڑے پہن کر نکلتی تھی لہذا مرنے کے بعد بھی پانچ کپڑے دیے جائیں گے اگر تین کپڑوں (ازار ، لفافہ اور اوڑھنی) پہ اکتفاء کیا تو جائز ہے اور یہ کفن کفایت ہے ۔

(۱۰۶۷ تا ۱۰۷۹) باب کی پہلی روایت (بخاری ج ۱ ص ۱۷۷ ، مسلم ج ۱ ص ۳۰۷) میں جنازہ میں شرکت کی

۱۰۶۸۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۶۹۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهِ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ۔

۱۰۶۸۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو میت کہ اس پر ایک سو شخص مسلمان امت میں سے نماز جنازہ پڑھیں، سب اس کے لیے شفاعت کریں، تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۶۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، "جو مسلمان شخص فوت ہو جائے، اس کے جنازہ پر چالیس ایسے آدمی کھڑے ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائیں گے" یہ حدیث احمد مسلم اور ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

فضیلت کا بیان ہے دوسری روایت عن عائشۃ ۱۰۶۸ (مسلم ج ۱ ص ۳۰۸) کا مضمون بھی واضح ہے جس میں آدمیوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے تیسری روایت ۱۰۶۹ عن ابن عباس (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ مسلم ج ۱ ص ۳۰۸) میں چالیس آدمیوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے علماء اس خدشہ کی وجہ لکھتے ہیں کہ پہلے سو آدمیوں کی شرکت کی فضیلت نازل ہوئی ہوگی پھر بعد میں بندوں کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے یہ تعداد کم کرکے چالیس آدمیوں کی شرکت کی فضیلت بیان فرمائی گئی نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان احادیث ۱۰۰ اور ۴۰ کا خصوص عدد مراد نہ ہو بلکہ ان سے کثرت جماعت مراد ہو۔

مسجد میں نماز جنازہ

روایت ۱۰۷۰ عن ابی سلمۃ (مسلم ج ۱ ص ۳۱۳) میں مسجد میں نماز جنازہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس حدیث کے پیش نظر جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے حنفیہ میں شیخ ابن الہمام کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے ان کے شاگرد قاسم بن قطلوبغا کے

۱۰۷۰- وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى أُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَأُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَأَخِيْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۷۱- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهُ شَيْءٌ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۷۰- ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "اس (جنازہ) کو مسجد میں داخل کرو، تاکہ میں بھی اس نماز پڑھوں اس کام المومنینؓ پر انکار کیا گیا، تو انہوں نے کہا "خدا کی قسم! رسول اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دو بیٹوں سہیلؓ اور اس کے بھائی پر مسجد میں نماز پڑھی۔" یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۷۱- حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی، تو اسے کچھ (ثواب) نہیں ملے گا۔"

یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

نزدیک مکروہ تحریمی ہے حضرت امام اعظمؒ کی دلیل بھی یہی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر صحابہؓ نے اس بات سے انکار کر دیا کہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے ہوں بلکہ مسجد ہی کے قریب ایک جگہ مقرر تھی جہاں آپ نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک حدیث بھی بایں مضمون منقول ہے کہ "جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے ثواب نہیں ملے گا۔"

جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سہیل اور ان کے بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے تو اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ ایسا آپ نے عذر کی وجہ سے کیا کہ اس وقت یا تو بارش ہو رہی تھی یا یہ کہ آپ اعتکاف میں تھے اس لیے آپ نے مسجد ہی میں نمازِ جنازہ ادا فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اعتکاف

۱۰۷۲۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَی النَّجَاشِیَّ فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِهِمْ وَکَبَّرَ عَلَیْهِ اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتٍ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

۱۰۷۲۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن شاہ حبشہ نجاشی فوت ہوا اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی اطلاع دی گئی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صف بنائی اور اس پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

میں تھے اسی لیے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی۔ روایت ۱۰۷۱ عن ابی ہریرۃ ابن ماجہ ص۱۱۱، ابوداؤد ج۲ ص۹۸) بھی حنفیہ کا مستدل ہے۔

غائب کا نماز جنازہ روایت ۱۰۷۲ عن ابی ہریرۃ بخاری ج ۱ ص۱۶۷ مسلم ج ۱ ص۳۰۹ اور روایت ۱۰۷۳ عن جابر بخاری ج ۱ ص۱۶۸ مسلم ج ۱ ص۳۰۹ میں نجاشی پر حضور ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا بیان ہے جب کہ غائب کے جنازہ کے بارے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں! امام شافعیؒ و امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ امام صاحبؒ ومن وافقہ کی طرف سے امام عبدالبرؒ نے التمہید میں اور علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں یہ دلیل پیش کی کہ نبی علیہ السلام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں مسلمان دُور دراز جگہوں میں فوت ہوئے اور نجاشی کے بغیر ثابت نہیں کہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہو۔ اگر یہ مسئلہ ہوتا تو وہ حضرات کبھی ترک نہ فرماتے رہا نجاشی کا معاملہ تو وہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

امام شافعیؒ و احمدؒ کی دلیل ۱۔ یہی نجاشی کا معاملہ ہے۔

جواب نمبر ۱: نجاشی رضی اللہ عنہ کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا، وہ آپ ﷺ کے حق میں غائب ہی نہ تھا۔ چنانچہ مسند احمد ج ۴ ص۴۴۶ میں بسند صحیح عمران بن الحصینؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم جنازہ میں آپ ﷺ کے پیچھے تھے ولا نظن الا انه بین یدیه وفی المرقات ص عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کُشف للنبی صلی اللہ تعالی عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلی علیه۔ ترمذی ج ۱ ص۱۵۲ حاشیہ ص۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۱ ص۱۴۴ میں لکھتے ہیں ومن الجائزان یکون رُفع

۱۰۷۳۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى اَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ اَرْبَعًا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔

۱۰۷۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیریں کہیں۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

له سريره فصلى عليه وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد وان كان على مسافة من البعد والصحابة وان لم يروه فهم تابعون للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الصلوٰة۔

یہ توجیہ قاضی شوکانیؒ نے بھی نیل الاوطار ج ۴ ص۴۵ میں نقل کی ہے۔

جواب ۲:۔ حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج ۱ ص۱۲ میں اور حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۱ ص۱۴۹ میں لکھتے ہیں۔ واللفظ لہٗ ان الغائب ان مات ببلد لم یصل علیہ فیہ صلی علیہ صلوٰۃ الغائب کما صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لانہ مات بین الکفار ولم یصل علیہ۔ اور فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ نے جو تبویب کی ہے وہ اسی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ امام ابوداؤدؒ ج ۲ ص۱۰۰ میں باب قائم کرتے ہیں باب الصلوٰۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشرک۔ امیر یمانی سبل السلام ج ۲ ص۱۰۱ میں لکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ امام خطابیؒ امام رویانیؒ نے اسی کو مستحسن سمجھا ہے اور قاضی شوکانی بھی نیل الاوطار ج ۴ ص۴۵ میں یہ جواب نقل کرتے ہیں۔

دلیل ۲:۔ ابن سنیؒ عمل الیوم واللیلۃ ص۲۵ میں اور علامہ ہیثمیؒ مجمع الزوائد ج ۱ ص۳۸ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ آپؐ سفر تبوک میں تھے، اطلاع ملی کہ معاویہؓ بن معاویہ انتقال کر گئے ہیں آپؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

جواب ۱:۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۱ ص۱۴۲ میں لکھتے ہیں۔ ولکن لا یصح فان فی اسنادہ العلاء بن زید ویقال ابن زید قال علی بن المدینیؒ کان یضع الحدیث۔

جواب ۲:۔ قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۴ ص۴۵ میں لکھتے ہیں۔ قال الذہبیؒ لا نعلم فی الصحابۃ معاویۃ بن معاویۃ وکذلک تکلم فیہ البخاریؒ اھ۔

جواب ۳:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں غائب نہ تھا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ قیل توفی بالمدینۃ فصلی علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو بتبوک ورفع لہ جبرائیل

۴/۱۰۱- وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَعَافِهٖ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِمَاءٍ وَّثَلْجٍ وَّبَرَدٍ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ عَوْفٌ فَتَمَنَّيْتُ اَنْ لَّوْ كُنْتُ اَنَا الْمَيِّتَ لِدُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ الْمَيِّتِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

---

۴/۱۰۱- حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَعَافِهٖ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِمَاءٍ وَّثَلْجٍ وَّبَرَدٍ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ"

(اے اللہ! اسے بخش دیں اور اس پر رحم فرمائیں اسے معافی اور عافیت عطا فرمائیں، اس کی اچھی مہمانی فرمائیں، اس کی قبر کشادہ فرمائیں، اسے پانی برف اور اولوں سے دھو ڈالیں اور اسے گناہوں سے اس طرح صاف فرمادیں، جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے اور اسے اس کے گھر سے بہتر گھر اس کے اہل سے بہتر اہل اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرمائیں، اسے قبر کی آزمائش اور دوزخ کے عذاب سے بچائیں)

عوف نے کہا، میں نے تمنا کی کہ کاش اس میت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا فرمائی، اس کے بجائے میں میت ہوتا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

الاوجص ولہ طرق کلہا ضعیفۃ انتہی (تجرید اسماء الصحابۃ ج ۲ ص ۹) اور مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲ کی روایت میں ہے۔ فرفع سریرہ فنظر الیہ فکبر علیہ اھ رواہ فی المسند محمد بن ابراہیم بن العلاء وھو ضعیف جداً ۱ ۔ الغرض ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے پھر اس سے غائبانہ

۱۰۷۵۔ وَعَنْ أَبِي إِبْرَاهِيمَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

۱۰۷۶۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَذُكُورِنَا وَإِنَاثِنَا اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۷۵۔ ابو ابراہیم انصاری نے اپنے والد سے بیان کیا کہ انہوں نے میت پر نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا۔"

(اے اللہ! ہمارے زندہ، مردہ، حاضر، غائب مردوں، عورتوں، چھوٹے اور بڑے کو بخش دیں)

یہ حدیث نسائی اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۰۷۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت پر نماز پڑھتے تو یہ دعا فرماتے۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَذُكُورِنَا وَإِنَاثِنَا مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ۔"

(اے اللہ! ہمارے زندہ، مردہ، حاضر غائب عورتوں اور مردوں کو بخش دیں، ہم میں سے جسے آپ زندہ رکھیں، اسلام پر زندہ رکھیں اور ہم میں سے جسے آپ وفات دیں، ایمان پر وفات دیں، اے اللہ! ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں آپ سے معافی مانگتے ہیں)

یہ حدیث طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کی ہے ہیثمی نے کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے۔

جنازہ ثابت نہیں ہوتا۔

بَابُ فِی تَرْكِ الصَّلٰوۃِ عَلَی الشُّهَدَاءِ

۱۰۷۷۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ مِنْ قَتْلٰی اُحُدٍ فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ یَقُوْلُ اَیُّهُمَا اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِیْرَ لَهٗ اِلٰی اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِی اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِیْدٌ عَلٰی هٰؤُلَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِی دِمَائِهِمْ وَلَمْ یُغَسَّلُوْا وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

باب۔ شہیدوں پر نماز جنازہ نہ پڑھنا۔ ۱۰۷۷۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد میں سے دو دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں اکٹھا دفنا کر فرماتے "ان میں سے قرآن پاک کو زیادہ کرنے والا کون ہے" جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا، تو اسے لحد میں پہلے رکھتے اور آپ نے فرمایا "قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں" اور آپ نے انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ انہیں غسل دیا گیا اور نہ ان پر نماز پڑھی گئی" یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لیے دعا ہی ہے پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دعا ہی کی تمہید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے وہ سب اس موقع کے لیے بہترین دعائیں ہیں اور بآواز بلند پڑھنا اس لیے تھا کہ لوگ سن کر سیکھ لیں ورنہ ان کا آہستہ پڑھنا افضل ہے چنانچہ روایت ۱۰۷۴ وعن عوف بن مالک (مسلم ج ۱ ص۳۱۱) روایت ۱۰۷۵ وعن ابی ابراھیم (نسائی ج ۱ ص۲۸۱ ترمذی ج ۱ ص۱۹۸) اور روایت ۱۰۷۶ وعن ابن عباس (المعجم الکبیر ج ۲ ص۱۲۳) میں ان ہی دعاؤں کا بیان ہے۔

(۱۰۷۷) شہید کو غسل نہ دینے کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے صرف حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ شہید کو غسل دیا جائے گا (المغنی ج ۲ ص۵۲۸، ۵۲۹) شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ اور امام اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی امام احمد اور امام اسحاق سے بھی ایک ایک روایت ایسی ہی منقول ہے اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے (المغنی ج ۲ ص۵۲۹ عمدۃ القاری

ج ۸ صـ۱۵۲)

باب ہذا کی روایت عن جابرؓ (بخاری ج ۱ صـ۱۷۹) ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے حنفیہ حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں۔

آئندہ باب میں درج شدہ اور اس کے علاوہ متعدد روایات سے شہداء کی نمازِ جنازہ کا قطعی ثبوت حاصل ہے لہٰذا حدیث جابرؓ سے متعدد توجیہات کی جائیں گی۔

امام طحاویؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ امکان ذکر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس تو ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو اس لیے کہ آپؐ زخمی تھے لیکن آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دے دیا ہو لہٰذا جن روایات میں شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ کی نفی ہے وہ اسی پر محمول ہے، لیکن اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہوتیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں لم یصلِّ علیہم سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت حمزہؓ کے سوا کسی پر مستقلاً و منفرداً نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرامؓ پر ایک ساتھ نماز پڑھی، یہ توجیہ احقر کے نزدیک درست اور بہتر ہے اس لیے کہ اس پر مجموعی طور پر روایات منطبق ہو جاتی ہیں۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شہداء کے گناہ بوقت شہادت معاف ہو جاتے ہیں لہٰذا ان کے جنازہ کی ضرورت نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ۔ خزائن ج ۲ صـ۵۳)

صاحب ہدایہ ج ۱ صـ۱۸۳ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ گنہگار کا ہی جنازہ ہو بچے غیر مکلف ہیں اور بالاتفاق ان کا جنازہ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالاجماع معصوم ہیں مگر جنازہ ان کا بھی ہے۔ ابوداؤد صـ۲۳۵، طیالسی صـ۳۲۹ اور موارد الظمآن صـ۴۷۹ وغیرہ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ یکسر الصلیب الی قولہ ثم یبقی فی الارض اربعین سنۃ ثم یموت ویصلی علیہ المسلمون ویدفنونہ قال الحافظ فی الفتح ج ۶ صـ۳۵۷ روی احمد وابوداؤد باسناد صحیح۔ مبارکپوریؒ تحفہ ج ۲ صـ۱۴۳ میں لکھتے ہیں۔ قلت والظاہر عندی ان الصلوٰۃ علی الشہید لیست بواجبۃ فیجوز ان یصلی علیہا ویجوز ترکہا واللہ اعلم وروی الماوردیؒ عن احمدؒ الصلوٰۃ علی الشہید اجود وان لم یصل اجزأہ۔ ذکرہ الحافظ فی الفتح واختار الشوکانیؒ الصلوٰۃ علی الشہید۔

بَابٌ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الشُّهَدَاءِ

۱۰۷۸ - عَنْ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَعْرَابِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ ثُمَّ قَالَ أُهَاجِرُ مَعَكَ فَأَوْصَى بِهِ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا كَانَتْ غَزْوَةٌ غَنِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَسَمَ وَقَسَمَ لَهُ فَأَعْطَى أَصْحَابَهُ مَا قُسِمَ لَهُ وَكَانَ يَرْعَى ظَهْرَهُمْ
فَلَمَّا جَاءَ دَفَعُوهُ إِلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوا قِسْمٌ قَسَمَهُ لَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَخَذَهُ فَجَاءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ قَسَمْتُهُ لَكَ قَالَ
مَا عَلَى هٰذَا اتَّبَعْتُكَ وَلٰكِنِّي اتَّبَعْتُكَ عَلَى أَنْ أُرْمَى إِلَى هٰهُنَا وَأَشَارَ إِلَى حَلْقِهِ بِسَهْمٍ
فَأَمُوتَ فَأَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ إِنْ تَصْدُقِ اللهَ يَصْدُقْكَ فَلَبِثُوا قَلِيلًا ثُمَّ نَهَضُوا

باب ۔ شہداء پر نماز جنازہ پڑھنا ۔ ۱۰۷۸ ۔ حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
دیہاتیوں میں سے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، وہ آپ پر ایمان لایا اور آپ کی پیروی
کی پھر اس نے کہا کیا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں ؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کو وصیت فرمائی پس جب ایک غزوہ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز غنیمت حاصل کی تو اسے
تقسیم فرمایا، اور اسے بھی حصہ عطا فرمایا، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پچھلی طرف سے حفاظت کر رہا تھا، تو آپ نے اس
کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا، جب وہ آیا، تو انہوں نے اس کا حصہ اُسے دے دیا، اس نے
کہا یہ کیا ہے ؟ لوگوں نے کہا یہ حصہ ہے جو تمہارے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمایا ہے، اس
نے وصول کر لیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا یہ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا
"میں نے تمہارے لیے یہ حصہ دیا ہے، اس نے کہا میں نے آپ کی پیروی اس کے لیے نہیں کی تھی اور
لیکن میں نے آپ کی پیروی اس لیے کی تھی کہ مجھے یہاں تیر مارا جائے اور اس نے تیر کے ساتھ اپنے

(۱۰۷۸ تا ۱۰۸۱) (۱) باب ہذا کی پہلی روایت عن شداد بن الہاد (نسائی ج ۱ ص ۲۷۷ طحاوی ج ۱ ص ۲۴۹)
میں نماز جنازہ فصلی علیہ کی تصریح ہے اسی مضمون کی ایک روایت مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۶ میں
بھی ہے۔

(۲) روایت ۱۰۷۹ عن ابن عباس (ابن ماجہ ص ۱۱۱ طحاوی ج ۱ ص ۲۳۸) میں فصلی علیہ کی

فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ فَاُتِیَ بِهٖ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحْمَلُ قَدْ اَصَابَهٗ سَهْمٌ حَیْثُ اَشَارَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهُوَ هُوَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ صَدَقَ اللّٰهَ فَصَدَقَهٗ ثُمَّ كَفَّنَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جُبَّةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَدَّمَهٗ فَصَلّٰی عَلَیْهِ فَكَانَ مِمَّا ظَهَرَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُهَاجِرًا فِیْ سَبِیْلِكَ فَقُتِلَ شَهِیْدًا اَنَا شَهِیْدٌ عَلٰی ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

حلق کی طرف اشارہ کیا، پھر میں مر جاؤں اور جنت میں داخل کیا جاؤں، آپ نے فرمایا، اگر تو نے اللہ تعالیٰ سے سچ بولا ہے، تو وہ تجھے سچا فرما دیں گے، صحابہؓ تھوڑی دیر ٹھہرے، پھر دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، تو وہ شخص اٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، اسے وہیں تیر لگا تھا، جہاں اس نے اشارہ کیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ وہی ہے؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، جی ہاں، آپ نے فرمایا، اس نے اللہ تعالیٰ سے سچ بولا، اللہ تعالیٰ نے اسے سچا کر دیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا، پھر اسے آگے فرما کر اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی، آپ کی نماز سے جو الفاظ ظاہر ہوئے وہ یہ تھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُهَاجِرًا فِیْ سَبِیْلِكَ فَقُتِلَ شَهِیْدًا اَنَا شَهِیْدٌ عَلٰی ذٰلِكَ۔	(اے اللہ! یہ آپ کا بندہ ہے۔ آپ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلا ہے، میں اس پر گواہ ہوں کہ یہ شہید قتل کیا گیا ہے۔

یہ حدیث نسائی اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

تصریح ہے اس روایت پر یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسلم کے راوی ہیں اور جہاں ان کی تضعیف کی گئی ہے وہاں انہیں ثقہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ روایت ۱۰۸ (الطحاوی ج ۱ ص ۲۳۸) میں ثم صلی علیہ کی تصریح ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابن زبیرؓ غزوہ احد کے وقت صرف ۲ سال کے تھے کہ ہجرت کے سال ان کی ولادت ہوئی اور غزوہ احد ۳ھ کو ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مرسل صحابی ہے جو بالاتفاق مقبول ہے۔

۴۔ روایت (۱۰۸) عن ابی مالک الغفاری (طحاوی ج ۱ ص ۲۳۴ بیہقی ج ۴ ص ۱۲) کا مدلول

۱۰۷۹- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ عَشَرَةً عَشَرَةً وَحَمْزَةُ هُوَ كَمَا هُوَ يُرْفَعُوْنَ وَهُوَ كَمَا هُوَ مَوْضُوْعٌ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالطَّحَاوِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَفِيْ إِسْنَادِهِ لِيْنٌ۔

۱۰۷۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا " احد کے دن انہیں (شہداء احد کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا ، آپ ان پر دس دس کر کے (رکھا) نماز جنازہ ادا فرماتے ، اور حضرت حمزہؓ وہ اسی طرح تھے ، لوگ (نماز کے بعد دوسروں کو) اٹھاتے تھے اور حمزہؓ اسی طرح رکھے ہوئے تھے "
یہ حدیث ابن ماجہ ، طحاوی ، طبرانی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کمزوری ہے ۔

بھی واضح ہے۔

تکبیرات نماز جنازہ حدیث ۱۰۸۰ میں تکبیر تسع تکبیرات اور دیگر متعدد احادیث میں تکبیر اربعًا کے الفاظ آئے ہیں اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ

ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے البتہ عبد الرحمن بن ابی لیلیؒ کا یہ مسلک ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات ہیں ، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے ۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں چار سے لے کر نو تک تکبیریں ثابت ہیں لیکن جمہور نے چار کو ترجیح دی ہے اس مسلک کی وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں :۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں ، اس اجتماع میں حضرات شیخینؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت عباسؓ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ، حضرت اسامہ بن زیدؓ جیسے جلیل القدر حضرات صحابہؓ بھی موجود تھے ۔

۲۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے " الاستذکار " میں " ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن ابیہ " کے طریق سے روایت نقل کی ہے : " قال : كان النبي صلى الله عليه وسلم يكبر على الجنائز اربعًا وخمسًا وسبعًا وثمانيًا حتى جاء موت النجاشي فخرج إلى المصلى وصف الناس وراءه وكبر عليه اربعًا ثم ثبت النبي صلى الله عليه وسلم على اربع حتى توفاه الله عز وجل " اورده الحافظ في التلخيص وسكت عليه ۔

۳۔ بیہقی میں حضرت ابو وائلؓ کی روایت آئی ہے " كانوا يكبرون على عهد رسول الله صلى الله

۱۰۸۰- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ یَوْمَ اُحُدٍ بِحَمْزَۃَ فَسُجِّیَ بِبُرْدَۃٍ ثُمَّ صَلّٰی عَلَیْہِ فَکَبَّرَ تِسْعَ تَکْبِیْرَاتٍ ثُمَّ اُتِیَ بِالْقَتْلٰی یُصَفُّوْنَ وَیُصَلِّیْ عَلَیْہِمْ وَعَلَیْہِ مَعَہُمْ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ مُرْسَلٌ قَوِیٌّ وَھُوَ مُرْسَلُ صَحَابِیٍّ۔

۱۰۸۱- وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْغِفَارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلٰی قَتْلٰی اُحُدٍ عَشَرَۃً عَشَرَۃً فِیْ کُلِّ عَشَرَۃٍ حَمْزَۃُ حَتّٰی صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعِیْنَ صَلٰوۃً۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ فِی الْمَرَاسِیْلِ وَالطَّحَاوِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ وَاِسْنَادُہٗ مُرْسَلٌ قَوِیٌّ۔

۱۰۸۰- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن حضرت حمزۃ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا، تو انہیں چادر کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا، پھر آپ نے ان پر نماز پڑھی تو نو تکبیریں کہیں، پھر دوسرے شہداء کو لایا گیا، تو آپ نے اُن پر نماز پڑھی اور حمزہؓ پر ان کے ساتھ بھی پڑھی۔ یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے اور یہ صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسل ہے۔

۱۰۸۱- حضرت ابو مالک الغفاری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد میں دس دس کرکے نماز جنازہ ادا فرمائی، ہر دس میں حضرت حمزہؓ بھی ہوتے تھے، یہاں تک کہ اُن پر ستر بار نماز پڑھی گئی۔ یہ حدیث ابوداؤد کے مراسیل میں، طحاوی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

علیہ وسلم سبعًا وخمسًا وستًا او قال اربعًا. فجمع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاخبر کل رجل بما رأی، فجمعھم عمر رضی اللہ عنہ علی اربع تکبیرات کاطول الصلاۃ "، یہ روایت سنداً حسن ہے۔

طحاوی میں ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں، " قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس مختلفون فی التکبیر علی الجنائز لا تشاء ان تسمع رجلاً یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر سبعًا، وآخر یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر خمسًا، وآخر یقول، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر اربعًا الا سمعتہ، فاختلفوا فی ذلک، فکانوا علی ذلک حتی قبض ابوبکر، فلما ولی عمرؓ ورای اختلاف الناس فی ذلک شق ذلک علیہ جدًا، فارسل الی رجال من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

بَابٌ فِيْ حَمْلِ الْجَنَازَةِ

۱۰۸۲۔ عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةً فَلْيَحْمِلْ بِجَوَانِبِ السَّرِيْرِ كُلِّهَا فَإِنَّهُ مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ إِنْ شَاءَ فَلْيَتَطَوَّعْ وَإِنْ شَاءَ فَلْيَدَعْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ۔

باب۔ جنازہ اٹھانے میں۔ ۱۰۸۲۔ ابو عبیدہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے تو اُسے چاہیے کہ چارپائی کے تمام پائے اٹھائے یہ سنت ہے، پھر اگر چاہتا ہے تو اور نیکی کیے اور اگر چاہتا ہے تو چھوڑ دے"

یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

فقال: انکم معاشر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متی تختلفون علی الناس یختلفون من بعدکم، ومتی تجتمعون علی امر یجتمع الناس علیہ، فانظروا امرًا تجتمعون علیہ، فکأنما أیقظھم، فقالوا، نعم، ما رأیت یا أمیر المؤمنین؟ فأشر علینا، فقال عمرؓ: بل اشیروا انتم علیّ، فانما انا بشر مثلکم، فتراجعوا الأمر بینھم، فاجمعوا أمرھم علی ان یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الاضحی والفطر اربع تکبیرات، فاجمع امرھم علی ذلک"

البتہ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت سہل بن حنیفؓ کے جنازے میں پانچ یا چھ تکبیریں کہیں۔

لیکن طحاوی میں اس کی یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز کے بعد فرمایا: انّہ من اھل بدر، چنانچہ عبداللہ بن معقل اسی واقعہ میں نقل کرتے ہیں "ثم صلیت مع علیؓ علی جنائز، کل ذلک کان یکبر علیھا اربعًا" معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اصل عمل چار ہی تکبیروں کا تھا لیکن چونکہ سہل بن حنیفؓ بدری صحابی تھے اس لیے انہوں نے ان پر زیادہ تکبیریں کہیں ——— واللہ اعلم۔

(۱۰۸۲ تا ۱۰۸۳) باب پہلی روایت عن ابی عبیدہ (ابن ماجہ ص۱۰۶) اور دوسری روایت عن ابی الدرداء (مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۲۳۲) میں حمل جنازہ کے آداب کا بیان ہے مضمون حدیث

۱۰۸۳۔ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ مِنْ تَمَامِ اَجْرِ الْجَنَازَةِ اَنْ تُشَيِّعَهَا مِنْ اَهْلِهَا وَاَنْ تَحْمِلَ بِاَرْكَانِهَا الْاَرْبَعَةِ وَاَنْ تَحْثُوَ فِي الْقَبْرِ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

بَابٌ فِي اَفْضَلِيَّةِ الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ

۱۰۸۴۔ عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ مَا مَشٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَاتَ اِلَّا خَلْفَ الْجَنَازَةِ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ صَحِيْحٌ۔

۱۰۸۳۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "جنازہ کے پورے ثواب میں سے یہ ہے کہ تو اس کے گھر سے اسے الوداع کرے اور چاروں پائے اٹھائے اور قبر میں مٹی ڈالے"

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

باب۔ جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت۔ ۱۰۸۴۔ طاؤس نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک جنازہ کے پیچھے ہی چلتے تھے۔" یہ حدیث عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل صحیح ہے۔

لفظی ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

(۱۰۸۴ تا ۱۰۸۶) اس بات پر تو جمہور کا اتفاق ہے کہ جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے امام اوزاعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۲) مطلقاً جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے (۳) پیدل چلنے والے کے لیے جنازہ کے آگے اور سوار کے لیے پیچھے چلنا افضل ہے یہ امام مالک واحمد کا مسلک ہے۔

(۴) کسی بھی جانب سے چلنے کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں یہ قول سفیان ثوری کا ہے امام بخاری کا میلان بھی یہی ہے۔

باب ہذا کی تمام مرویات حنفیہ کی موید ہیں بلکہ حنفیہ کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں "اتباع الجنازہ" کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) پہلی روایت عن طاؤس (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۴۵) مشی خلف الجنازہ کی مواظبت پر دال ہے۔

۱۰۸۵- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنْتُ فِیْ جَنَازَۃٍ وَّاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا یَمْشِیَانِ اَمَامَہَا وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَمْشِیْ خَلْفَہَا فَقُلْتُ لِعَلِیٍّ اَرَاکَ تَمْشِیْ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَھٰذَانِ یَمْشِیَانِ اَمَامَہَا فَقَالَ عَلِیٌّ لَقَدْ عَلِمَا اَنَّ فَضْلَ الْمَشْیِ خَلْفَہَا عَلَی الْمَشْیِ اَمَامَہَا کَفَضْلِ صَلٰوۃِ الْجَمَاعَۃِ عَلَی الْفَذِّ وَلٰکِنَّہُمَا اَحَبَّا اَنْ یَّیْسِرَا عَلَی النَّاسِ۔ رَوَاہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔

۱۰۸۶- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَبَاہُ قَالَ لَہٗ کُنْ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ فَاِنَّ مُقَدَّمَہَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ وَخَلْفَہَا لِبَنِیْ اٰدَمَ۔ رَوَاہُ اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

۱۰۸۵- حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایک جنازہ میں تھا، حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے چل رہے تھے، میں نے حضرت علیؓ سے کہا میں تمہیں جنازہ کے پیچھے اور ان دونوں کو آگے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تو حضرت علیؓ نے کہا، تحقیق یہ جانتے ہیں آگے چلنے سے فضیلت جنازہ کے پیچھے چلنے میں ہے جیسا کہ جماعت کی نماز کی فضیلت ہے۔ اکیلا پڑھنے پر اور لیکن ان دونوں (بزرگوں) نے لوگوں پر آسانی کو پسند کیا (اگر پیچھے چلتے تو لوگ احتراماً پیچھے رہتے اور کندھا دینے میں تکلیف محسوس کرتے۔

یہ حدیث عبدالرزاق اور طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۸۶- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد عمرو بن العاصؓ نے ان سے کہا، " جنازہ کے پیچھے ہو جاؤ، بلاشبہ جنازہ سے آگے فرشتوں کے لیے اور اس کے پیچھے بنی آدم کے لیے ہے۔" یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

---

(۲) روایت ۱۰۸۵ وعن عبد الرحمٰن بن ابزی (مصنف عبدالرزاق ج ۳ صـ۴۴۷ طحاوی ج ۱ صـ۳۲۵) میں حضرت علیؓ کا ارشاد واضح ہے۔

(۳) روایت ۱۰۸۶ وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ صـ۲۸۲) میں کون خلف الجنازۃ کی حکمت اور وجہ فضیلت کی توضیح ہے۔

بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

١٠٨٧ - عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوْضَعَ - رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ -

١٠٨٨ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ بِنَا جَنَازَةٌ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ -

---

باب۔ جنازہ کے لیے کھڑا ہونا۔ ١٠٨٧۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ تم سے آگے نکل جائے یا رکھ دیا جائے"۔ یہ حدیث محدثین کی جماعت نے نقل کی ہے۔

١٠٨٨۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے پاس سے ایک جنازہ گزرا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے، ہم نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ"۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(١٠٨٧ تا ١٠٨٨) پہلی روایت عن عامر بن ربیعہ (بخاری ج ١ ص ١٧٥، مسلم ج ١ ص ٣١٠) اور دوسری روایت عن جابر بن عبد اللہ (بخاری ج ١ ص ١٧٥، مسلم ج ١ ص ٣١٠) میں جنازے کے احترام اور اس کے ایمان کی تعظیم کے پیش نظر کھڑا ہو جانے کی ترغیب دی گئی ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسے موقع پر بے پرواہ نہ ہونا چاہیے بلکہ جنازہ دیکھتے ہی بے قرار ہو کر اور ڈر کر اٹھ کھڑا ہونا چاہیے اور جب تک جنازہ رکھ نہ دیا جائے زمین پر بیٹھنا نہ چاہئے بلکہ کاندھا دینے کے لیے جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے۔

بعض حنفی علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اکثر علماء کے نزدیک اس کے لیے جنازہ دیکھ کر اٹھ کھڑے رہنا مکروہ ہے جب کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اسے اختیار ہے چاہے تو کھڑا رہے چاہے تو بیٹھا رہے اسی طرح بعض علماء کا یہ قول بھی ہے کہ یہ دونوں ہی (اٹھ کھڑے ہونا اور بیٹھے رہنا) مستحب ہیں جمہور علماء فرماتے ہیں یہ احادیث اگلے باب کی احادیث بالخصوص حضرت علیؓ کی روایات کی بنا پر منسوخ ہیں اسی لیے مصنف نے اگلے باب کا عنوان بھی یہی قائم فرمایا ہے۔

بَابُ نَسْخِ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

۱۰۸۹۔ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ اَنَّ مَسْعُوْدَ بْنَ الْحَكَمِ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ فِيْ شَاْنِ الْجَنَائِزِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ ثُمَّ قَعَدَ وَ اِنَّمَا حَدَّثَ ذٰلِكَ لِاَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ رَاٰى وَاقِدَ بْنَ عَمْرٍو قَامَ حَتّٰى وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۹۰۔ وَعَنْهُ عَنْ مَسْعُوْدِ بْنِ الْحَكَمِ الزُّرَقِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِرَحْبَةِ الْكُوْفَةِ وَهُوَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّحَاوِيُّ وَالْحَازِمِيُّ فِي النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

۱۰۹۱۔ وَعَنْ اِسْمٰعِيْلَ الزُّرَقِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ شَهِدْتُ جَنَازَةً بِالْعِرَاقِ فَرَاَيْتُ رِجَالًا قِيَامًا يَنْتَظِرُوْنَ اَنْ تُوْضَعَ وَرَاَيْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُشِيْرُ

باب۔ جنازہ کے لیے قیام منسوخ کرنا۔ ۱۰۸۹۔ نافع بن جبیر سے روایت ہے کہ مسعود بن الحکم الانصاری نے مجھے بتایا کہ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جنازوں کے بارہ میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پھر بیٹھے اور انہوں نے یہ حدیث اس لیے بیان کی کہ نافع بن جبیر نے واقد بن عمرو کو دیکھا وہ کسی جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ جنازہ رکھ دیا گیا۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۰۹۰۔ مسعود بن الحکم الزرقی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کوفہ کے میدان میں یہ کہتے ہوئے سُنا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ میں کھڑے ہونے کا حکم فرمایا، پھر اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔"

یہ حدیث احمد، طحاوی اور حازمی نے الناسخ والمنسوخ میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۹۱۔ اسمٰعیل الزرقی سے روایت ہے کہ ان کے والد نے کہا "میں عراق میں ایک جنازہ پر پڑھنے کے لیے حاضر ہوا تو میں نے لوگوں کو دیکھا جو جنازہ کے رکھے جانے کا انتظار کر رہے تھے اور میں نے حضرت

۱۰۸۹ تا ۱۰۹۲ پہلی روایت عن نافع بن جبیر (مسلم ج ۱ ص ۳۱۱) دوسری روایت ۱۰۹۰ (مسند

إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَنَا بِالْجُلُوسِ بَعْدَ الْقِيَامِ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔

١٠٩٢۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ تَذَاكَرْنَا الْقِيَامَ إِلَى الْجَنَازَةِ عِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ قَدْ كُنَّا نَقُومُ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ذٰلِكَ وَأَنْتُمْ يَهُودٌ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

بَابٌ فِي الدَّفْنِ وَبَعْضِ أَحْكَامِ الْقُبُورِ

١٠٩٣۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَلْحَدُ وَآخَرُ يَضْرَحُ فَقَالُوا نَسْتَخِيرُ رَبَّنَا وَنَبْعَثُ إِلَيْهِمَا

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا کہ بیٹھ جاؤ، بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھڑے ہونے کے بعد بیٹھنے کا حکم فرمایا۔"

یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

۱۰۹۲۔ زید بن وہب نے کہا ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کے بارہ میں بحث کی، تو ابو سعید نے کہا ہم بھی کھڑے ہوتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ اور تم یہودی ہو۔" یہ حدیث طحاوی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

باب۔ دفن اور قبروں کے بعض احکام میں، ۱۰۹۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تو مدینہ منورہ میں ایک شخص (ابو طلحہؓ) بغلی قبر بناتے تھے اور دوسرے شخص (ابو عبیدہ رضؓ) صندوقی قبر بناتے تھے، تو صحابہ کرامؓ نے کہا ہم اپنے پروردگار سے بہتری طلب کرتے

احمد ج ۱ صـ۸۲) تیسری روایت (۱۰۹۱ عن اسمٰعیل الزرقی (طحاوی ج ۱ صـ۲۲۸) اور آخری روایات باب عن زید بن وہب (طحاوی ج ۱ صـ۲۲۹) اس بات کی قطعی ثبوت ہے قیام للجنازہ منسوخ ہے۔

(۱۰۹۳ تا ۱۱۰۶) پہلی روایت عن انس بن مالک (ابن ماجہ صـ۱۱۳) سے معلوم ہوا اگرچہ بغلی قبر اولیٰ ہے مگر صندوقی قبر بھی مشروع ہے کیونکہ صندوقی قبر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بنایا کرتے تھے جو بڑی عظمت اور فضیلت کے مالک صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں ہیں اگر صندوقی قبر مشروع نہ ہوتی تو حضرت ابو عبیدہ کیوں کھودا کرتے۔

فَاَيُّهُمَا سَبَقَ تَرَكْنَاهُ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمَا فَسَبَقَ صَاحِبُ اللَّحْدِ فَلَحَدُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

۱۰۹۴۔ وَعَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ اَوْصَى الْحَارِثُ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَهُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ الرِّجْلِ وَقَالَ هٰذَا مِنَ السُّنَّةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

ہیں اور دونوں کی طرف پیغام بھیجتے ہیں تو جو بھی ان دونوں میں سے پہلے آجائے ہم اسے (کام کے لیے) چھوڑ دیں گے (یعنی کام پر لگا دیں گے) انہوں نے دونوں کی طرف پیغام بھیجا، تو بغلی قبر بنانے والے پہلے آگئے تو صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغلی قبر بنائی۔

یہ حدیث ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

۱۰۹۴۔ ابو اسحٰق سے روایت ہے کہ حارثؒ نے وصیت کی (میری نماز جنازہ حضرت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ پڑھائیں، تو انہوں نے حارث کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر انہیں پاؤں کی جانب (قبر کی پائنتی) سے قبر میں داخل کیا اور کہا "یہ سنت میں سے ہے"۔

یہ حدیث ابو داؤد، طبرانی اور بیہقی نے نقل کی ہے اور بیہقی نے کہا ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔

میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ

روایت ۱۰۹۴ (عن ابی اسحٰق (ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۱۰۱ وبیہقی ج ۴ صفحہ ۵۴) اور روایت ۱۰۹۵ (عن ابن عباس (المعجم للطبرانی ج ۱۱ صفحہ ۱۸) اور روایت ۱۰۹۶ (وعن علی (مصنف عبد الرزاق ج ۳ صفحہ ۴۹۹) میں قبر میں میت کو قبر میں اتارنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ میت کو قبر میں جانب قبلہ سے اتارا جائے یا پائنتی سے اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں دونوں جائز ہیں البتہ فضیلت میں اختلاف ہے۔

(۱) احناف کے نزدیک، جانب قبلہ سے اتارنا افضل ہے یعنی سریر جنازہ کو قبر کے قبلہ کی طرف رکھا جائے پھر قبلہ کی جانب ہی سے اٹھا کر لحد میں اتارا جائے اس صورت میں آخذ میت بھی بحالتِ اخذ قبلہ رخ ہوگا امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۲) امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک پائنتی کی جانب سے اتارنا افضل ہے ابو اسحاق کی روایت ۱۰۹۴ ان کا مستدل ہے جب کہ ابن عباس کی روایت ۱۰۹۵ اور حضرت علی کی روایت ۱۰۹۶ احناف کا مستدل ہے

۱۰۹۵۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُدْخِلُوْنَ الْمَيِّتَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَفِي اِسْنَادِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خَرَاشٍ وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ۔

۱۰۹۶۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ اَدْخَلَ يَزِيْدَ بْنَ الْمُكَفَّفِ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ فِي الْمُحَلّٰى۔

۱۰۹۷۔ وَعَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ شَهِدْتُ جَنَازَةَ الْحَارِثِ فَمَدُّوْا عَلٰى قَبْرِهٖ ثَوْبًا فَجَبَذَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَالَ اِنَّمَا هُوَ رَجُلٌ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

۱۰۹۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل فرماتے تھے۔ یہ حدیث طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں عبداللہ بن خراش ہے، ابن حبان نے اسے ثقہ اور ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا۔

۱۰۹۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یزید بن المکفف کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا۔ یہ حدیث عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے ابن حزم نے محلی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۰۹۷۔ ابواسحٰق نے کہا میں حارث کے جنازہ کے موقع پر حاضر ہوا، لوگوں نے ان پر کپڑا پھیلایا، تو حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے کھینچ لیا اور کہا "یہ مرد ہے" یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

روایت نمبر ۱۰۹۸ (عن ابن عمرؓ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۲) میں میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعا بتائی گئی ہے۔

روایت ۱۰۹۹ (عن عامر بن سعد بن ابی وقاص مسلم ج ۱ ص ۳۱۱) میں لحد اور لحد پر کچی اینٹیں لگانے کی تعلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔

قبر پر مٹی ڈالنا روایت ۱۱۰۰ (عن ابی ہریرۃؓ ابن ماجہ ص ۱۱۲ التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳۱) میں حضور اقدس

۱۰۹۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا وُضِعَ الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَاٰخَرُوْنَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

۱۰۹۹۔ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ هَلَكَ فِيْهِ اِلْحَدُوْا لِيْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاٰخَرُوْنَ۔

۱۰۹۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں داخل کرتے، تو یہ دعا فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (اللہ تعالیٰ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اسے قبر میں رکھتا ہوں)

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۰۹۹۔ عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بیماری میں جس میں وہ فوت ہوئے، کہا میرے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹ کھڑی کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔ یہ حدیث مسلم اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر پر مٹی ڈالنے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔

امام احمدؒ نے اسنادِ ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں مٹی اس طرح ڈالتے تھے کہ جب پہلی مٹھی بھر کر مٹی ڈالتے تو پڑھتے منها خلقنکم اور جب دوسری مٹھی بھر کر ڈالتے تو پڑھتے وفیها نعیدکم اور اسی طرح جب تیسری مٹھی ڈالتے تو یہ پڑھتے ومنها نخرجکم تارۃ اخری۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ "جو لوگ جنازہ کے ہمراہ قبر پر جائیں ان کے لیے سنت ہے کہ جب لحد یا شق بند کر دی جائے تو وہ مٹھی بھر کر مٹی قبر میں ڈالیں اسی طرح قبر جب بھر جائے اور اوپر سے مٹی برابر کر دی جائے تو قبر کے اوپر پانی چھڑکنا سنت ہے۔

ایک حکایت منقول ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اسے کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس نے کہا کہ جب میری نیکیاں اور برائیاں وزن کی

۱۱۰۰- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ ثُمَّ أَتٰى قَبْرَ الْمَيِّتِ فَحَثٰى عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ ثَلَاثًا- رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ-

۱۱۰۱- وَعَنِ الْقَاسِمِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْتُ يَا أُمَّهْ اِكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَكَشَفَتْ لِي عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُوْرٍ لَا مُشْرِفَةٍ وَلَا لَاطِئَةٍ مَبْطُوْحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَآخَرُوْنَ وَفِي إِسْنَادِهٖ مَسْتُوْرٌ-

---

۱۱۰۰- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، پھر آپ میت کی قبر پر تشریف لائے، تو اس کے سر کی جانب سے تین لپ (مٹی) اس پر ڈالی۔"

یہ حدیث ابن ماجہ اور ابن ابی داؤد نے نقل کی ہے اور ابن ابی داؤد نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۱۰۱- قاسم نے کہا "میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کہا، اسے امی جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما (حضرت صدیق اکبرؓ و عمرؓ) کی قبریں میرے لیے کھولیں، (یعنی حجرہ مبارک کھولیں، تاکہ میں قبروں کی زیارت کرسکوں) تو انہوں نے میرے لیے تینوں قبریں کھولیں، نہ وہ قبریں زیادہ اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین کے ساتھ برابر بچھی ہوئی تھیں۔ میدان کی سرخ کنکریاں ان پر بچھی ہوئی تھیں۔

یہ حدیث ابوداؤد اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں مستور الحال ہے۔

گئیں تو برائیاں نیکیوں سے بڑھ گئیں، اچانک ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آکر گری جس کی وجہ سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، میں نے جب تھیلی کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک مٹھی مٹی تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی (اس طرح میری یہ نیکی کام آگئی)

مسئلہ القبر روایت ۱۱۰۱ وعن القاسم (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۳) اور روایت ۱۱۰۲ میں عن سفیان التمار (بخاری ج ۱ ص ۱۸۶) میں قبور کے وجود اور ہیئت کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کے قبور نہ زیادہ اونچے تھے اور نہ زمین کے برابر۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قبر کو ایک حد تک بلند کرنا جائز ہے البتہ ایک شبر سے زیادہ قبر کو

۱۱۰۲- وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهٗ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۱۱۰۳- وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الرَّشَّ عَلَى الْقَبْرِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔

۱۱۰۴- وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاِسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ۔

۱۱۰۵- وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ مِنْ حَصْبَاءِ الْعَرْصَةِ وَرَفَعَ قَبْرَهٗ قَدْرَ شِبْرٍ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَهُوَ مُرْسَلٌ۔

۱۱۰۲- سفیان التمار سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو کوہان کی طرح ابھری ہوئی دیکھا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

۱۱۰۳- جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ قبر پر پانی چھڑکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا۔ یہ حدیث سعید بن منصور اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل قوی ہے۔

۱۱۰۴- جعفر بن محمد نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کنکر رکھے۔
یہ حدیث شافعیؒ نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل جید ہے۔

۱۱۰۵- جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (ابراہیمؓ) کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر میدان کی کنکریوں میں سے کچھ کنکریاں رکھیں اور ان کی قبر کو ایک بالشت اونچا فرمایا۔
یہ حدیث بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد مرسل ہے۔

بلند کرنا مکروہ ہے اور جو قبر اس سے زیادہ بلند ہو اس کو ایک شبر تک لے آنا مستحب ہے اور ترمذی کی روایت "ولا تدع قبراً مشرفاً الا سویتہ" اسی پر محمول ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں قبروں پر وہ لوگ باقاعدہ عمارت بنالیتے تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ اونچا کردیتے تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا لہٰذا روایت میں "تسویہ" سے مراد بالکل زمین کے برابر کردینا نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل ظاہر نے سمجھا۔

١١٠٦۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

١١٠٧۔ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَاسْئَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ لِلْمَيِّتِ

١١٠٨۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ لِيْ اَبِي اللَّجْلَاجُ اَبُوْ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا بُنَيَّ اِذَا اَنَا مِتُّ فَالْحَدْ لِيْ فَاِذَا وَضَعْتَنِيْ فِيْ

١١٠٦۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت (گنبد وغیرہ) بنانے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

١١٠٧۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس (قبر) پر ٹھہر کر فرماتے "اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، بلاشبہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔"

یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

باب۔ میت کے لیے قرآن پاک پڑھنا۔ ١١٠٨۔ عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج نے اپنے والد سے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد لجلاج ابو خالد نے کہا اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بغلی قبر

روایت ١١٠٣ عن جعفر بن محمد عن ابیه (بیہقی ج ٣ ص٤١١) میں قبر پر پانی چھڑکنے روایت ١١٠٤ عن جعفر بن محمد عن ابیه (مسند شافعی ج ١ ص٢١٥) قبر پر کنکریاں رکھنے روایت ١١٠٥ عن جعفر بن محمد عن ابیه (بیہقی ج ٣ ص٤١١) میں قبر کو قدر بشبر اونچا بنانے کی تعلیم ہے روایت ١١٠٦ عن جابر (مسلم ج ١ ص٣١٢) میں قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر بیٹھ کر تکیہ لگانے سے منع کیا گیا ہے اور باب آخری روایت ١١٠٧ عن عثمان میں میت کے لیے استغفار اور دعا کی تلقین ہے۔

١١٠٨۔ عن عبد الرحمن بن ابی العلاء (مجمع الزوائد ج ٣ ص٤٤) میں میت کو قبر میں رکھنے اور مٹی ڈال دینے کے بعد فاتحہ الکتاب (الٓمٓ سے ھم المفلحون تک) اور اللہ

لَحْدِيْ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سُنَّ عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا ثُمَّ اقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِيْ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَا فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ذٰلِكَ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْكَبِيْرِ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

بَابٌ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

۱۱۰۹۔ عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

بنایا، جب تم مجھے میری لحد میں رکھو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہنا پھر مجھ پر مٹی برابر کرنا، پھر میرے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اور اس کی آخری آیات پڑھنا۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا" یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

باب۔ قبروں کی زیارت کرنے میں ۔ ۱۱۰۹۔ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا، تو اب ان کی زیارت کیا کرو"

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

مافی السموات سے آخر سورۃ پڑھنے کی تلقین ہے۔

(۱۱۰۹ تا ۱۱۱۱) باب کی پہلی روایت عن بریدۃ (مسلم ج ا ص۳۱۴) میں نہی کے بعد زیارۃ قبور کی اجازت ہے۔ شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے سے منع فرمادیا تھا، کیوں کہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا ــــــ پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا، اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے سے شرک کے جراثیم پھر پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہیں رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کے ذریعہ قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ اجازت اس لیے دی جارہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے

۱۱۱۰- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ أَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ قُولِي اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۱۱۱- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ أَنْ يَقُولَ قَائِلُهُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَابْنُ مَاجَةَ۔

۱۱۱۰- ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! (قبرستان میں داخلہ کے وقت) میں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا تم یوں کہو:

"اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ"	(ان گھروں والے مومنوں اور مسلمانوں پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے جانے والوں اور پیچھے آنے والوں پر رحم فرمائیں، اور بلاشبہ ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔)

یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

۱۱۱۱- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو سکھاتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو یہ دعا پڑھیں۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔"	(اے ان گھروں کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں ہم اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔)

یہ حدیث احمد، مسلم اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

کا ذریعہ ہے ۔۔۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اسی کے ساتھ کسی قسم کے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر

بَابٌ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱۱۱۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي - رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَآخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

---

باب - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت میں - ۱۱۱۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہو گئی" یہ حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں دارقطنی، بیہقی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

کرکے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

اور روایت ۱۱۱۰ عن عائشہ (مسلم ج ۱ صـ۳۱۴) اور روایت ۱۱۱۱ عن بریدہ میں قبرستان میں حاضر ہونے کے وقت کی دعاؤں کی تلقین ہے۔

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے ۔۔۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے ۔۔۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پہ جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین باحسان کا طریقہ یہی تھا ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

(۱۱۱۲ تا ۱۱۱۳) باب کی پہلی روایت حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جسے سنن بیہقی ج ۳ صـ۹۰ دارقطنی ج ۲ صـ۲۷۸ میں نقل کیا گیا ہے جس میں روضۂ مطہرہ کے زائر کے لیے بشارت ہے آپ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

زیارۂ روضۂ مطہرہ قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آ رہا ہے کہ خاص کر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضۂ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں بھی زیارت نبوی کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے مصنف نے بھی اس سلسلہ کو تصنیف زیارت

۱۱۱۴ - وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ بِلَالًا رَاٰی فِیْ مَنَامِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَقُوْلُ لَہٗ مَا ھٰذِہِ الْجَفْوَۃُ یَا بِلَالُ اَمَا اٰنَ لَکَ اَنْ تَزُوْرَنِیْ یَا بِلَالُ فَانْتَبَہَ حَزِیْنًا وَجِلًا خَائِفًا فَرَکِبَ رَاحِلَتَہٗ وَقَصَدَ الْمَدِیْنَۃَ فَاَتٰی قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ یَبْکِیْ عِنْدَہٗ وَیُمَرِّغُ وَجْھَہٗ عَلَیْہِ فَاَقْبَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا فَجَعَلَ یَضُمُّھُمَا وَیُقَبِّلُھُمَا فَقَالَا لَہٗ نَشْتَھِیْ نَسْمَعُ اَذَانَکَ الَّذِیْ کُنْتَ تُؤَذِّنُ بِہٖ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ

۱۱۱۴ - حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا "بلاشبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے یہ فرماتے ہوئے دیکھا" اے بلال! یہ کیا زیادتی ہے؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو۔ اے بلال! تو بلال غمگین گھبرائے ہوئے خوفزدہ بیدار ہوئے، چنانچہ انہوں نے اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کا ارادہ کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر آئے، تو اس کے پاس رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ اس پر ملنے لگے، حضرت حسنؓ اور حسینؓ رضی اللہ عنہما آ گئے، تو ان سے معانقہ کرنے لگے اور ان کا بوسہ لینے لگے، ان دونوں نے حضرت بلالؓ سے کہا، ہم آپ کی اذان

بنویؒ ہی کی حدیثوں پر ختم کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان والطبرانی فی الکبیر والاوسط ، ترجمہ ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے۔ اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ اُن کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے،

فَفَعَلَ يَعْلُوْ سَطْحَ الْمَسْجِدِ وَوَقَفَ مَوْقِفَهُ الَّذِي كَانَ يَقِفُ بِهِ فَلَمَّا أَنْ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ارْتَجَّتِ الْمَدِيْنَةُ فَلَمَّا أَنْ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ازْدَادَ رَجَّتُهَا فَلَمَّا أَنْ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَرَجَتِ الْعَوَاتِقُ مِنْ خُدُوْرِهِنَّ وَقَالُوْا أَبُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رُئِيَ يَوْمًا أَكْثَرَ بَاكِيًا وَّلَا بَاكِيَةً بِالْمَدِيْنَةِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ وَقَالَ التَّقِيُّ السُّبْكِيُّ إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

سنا چاہتے ہیں جو آپ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہا کرتے تھے ، انہوں نے (قبول) کیا تو مسجد کی چھت پر چڑھ کر اپنی اسی جگہ کھڑے ہو گئے ، جہاں کھڑے ہوتے تھے ، جب انہوں نے اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہا ، مدینہ طیبہ رونے کی آوازوں سے گونج اٹھا ، پھر جب انہوں نے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا تو گونج اور زیادہ ہو گئی ، پھر جب أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا ، دوشیزائیں پردوں سے نکل آئیں اور لوگوں نے کہا ، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے مدینہ منورہ میں اس دن سے بڑا دن مردوں اور عورتوں کے رونے کے اعتبار سے نہیں دیکھا ، یہ حدیث ابن عساکر نے نقل کی ہے ، تقی السبکی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے ۔

اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ ۔ (رواه ابن خزيمة في صحيحه والدارقطني والبيهقي)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔ (صحیح ابن خزیمہ ، سنن دارقطنی ، شعب الایمان بیہقی)

ایک امتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے ، حتیٰ کہ اپنے ماں باپ ، اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اور روضۂ اقدس نبوی کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے ، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے ، عربی شاعر نے کہا ہے ۔

میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو ، اور دراصل

اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا ہے بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیارا

شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ "شفاء السقام" میں (جو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سب سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی حدیث ہے (من زار قبری وجبت له شفاعتی) پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبداللہ عبدالہادی حنبلی نے "شفاء السقام" کے جواب "الصارم المنکی" میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کرکے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبر نبویؐ کی زیارت از قبیلۂ قربات و مستحبات اور موجب برکات ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخؒ پر افترا کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابن تیمیہؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارت نبویؐ کے پورے آداب اور محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے، جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائرین ہی کے لیے لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔

ولہ طرق وشواھد حسنہ الذھبی لاجلھا　　اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔

(شرح شفا ملا علی قاری صفحہ ۱۴۹۔ جلد ۲)

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مومن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوار نبویؐ کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جو لہریں اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبویؐ کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبویؐ بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کردیتی ہے، اس لیے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضۂ اقدس نبویؐ کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبوی نصیب ہوگی ـــ ہاں اگر بدنصیبی سے کوئی "زائر" ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات

وجدانیات اوران واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا قلب دولتِ ایمان سے خالی ہے پھر اس کی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورتِ زیارت ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات ومصالح کا اوپر ذکر کیا گیا اگر ان کو پیشِ نظر رکھ کے اُن احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے، لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مرتبط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہن سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبرِ مبارک کی یہ زیارت صاحبِ قبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت وتوقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحبِ ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ علامہ نیموی کی کتاب آثار السنن کا ترجمہ ختم ہوا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاَسَاتِذَتِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

زیارت گنبد خضرا مسئلہ شدِّ رحال،

آداب و احترام اور ھدیہ سلام بحضور خیر الانام ؐ

زیارۃ روضۂ مطہرہ، ازدیادِ ایمان اور باعث رحمت ہے جی چاہتا ہے کہ اس پر خوب تفصیل سے لکھا جائے لہذا بجائے اپنی کسی تحریر کے حضرت العلامہ مولانا عبد المعبود صاحب مدظلہ کی ایک ایمان آفرین مفصل تحریر ہدیۂ قارئین ہے ــــــ

صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل عشق مصطفوی ؐ سے سرشار اور حب نبوی میں ہر وقت بے قرار رہتے تھے۔ انہیں جب لقائے رُخِ زیبا کا اشتیاق بے چین کرتا۔ تو بے تاب و اداس نگاہوں کو تر و تازگی سے معمور کرنے کی خاطر پروانہ وار اپنے محبوب آقا کی زیارت سے شرف یاب ہوتے طلعتِ زیبا کی ادنیٰ سی جھلک قرار و سکون اور حیاتِ نو کی نوید ثابت ہوتی۔ بادۂ عشق کے سرمستوں کے لیے زیارت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لازوال دولت تھی۔ رُخِ انور کا دیدار ان کے ایمان میں تر و تازگی اور زندگی میں سرور پیدا کر دیتا تھا۔

اگرچہ محبوب انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ پوش ہو جانے پر چہرۂ پرضیا کے دیدار کی سعادت سے محرومی تو ضرور ہوئی۔ لیکن پیکر جود و سخی، سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بندہ نوازی اور خوئے بندہ پروری کا یہ عظیم الشان کرشمہ ہے کہ آپ نے آنے والی امت کو زیارت کی ایمان افروز نعمت سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ مشتاقانِ دیدار کو شرفِ زیارت کی عظیم بشارتوں سے نوازتے ہوئے عالم آب و گل سے دار البقا کو تشریف لے گئے۔ اور اب قیامت تک عشاق پروانہ وار روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔ آپ کی تربت مقدس کی زیارت فضیلت، عظمت اور اہمیت سے متعلق محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گہر افشانی کی روح پرور جھلک ملاحظہ ہو، چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں تاکہ ہر مسلمان کے دل میں حاضری کا شوق فزوں تر ہو اور انتظارِ دید میں گدازِ دل نصیب ہو، جو سفرِ آخرت کا بہترین زادِ راہ ہے۔

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

(جامع الصغیر ج ۱: ۱۷، شفا قاضی عیاض ج ۲)

من زارني بعد وفاتي فكانما زارني في حياتي (کنز العمال ج ۵ : ۱۲۵)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي۔ (شفا قاضی عیاض ج ۲ : ۹۸)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي۔
سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۶۔

جس آدمی نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

من جاءني زائرا لا تحمله حاجة الا زيارتي كان حقا علي ان اكون له شفيعا يوم القيامة۔
فتح القدیر ج ۲ : ۴۹ ردالمحتار ج ۲ : ۲۷۹

جو آدمی صرف میری زیارت ہی کو آئے اس کے سوا کوئی دنیوی غرض نہ ہو۔ تو مجھ پر حق عائد ہوتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا۔ اور جس نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں کی تنگی و تکالیف پر صبر و شکر کیا تو میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔ اور جسے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں موت نصیب ہوئی تو وہ آدمی قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا،" کنز العمال ج ۵ : ۱۲۵ مشکوٰۃ : ۲۴۰ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور نا بعداروں کے حق میں گواہی دیں گے زرقانی ج ۸ : ۲۹۹

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں۔

"جو شخص مدینہ منورہ میں صرف میری زیارت کی غرض سے آئے اور نیت خالص ثواب کی ہو۔ تو وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور میں اس کی شفاعت کروں گا۔ جامع صغیر ج ۲ : ۱۷۱ شفا قاضی عیاض ج ۲ : ۴۷۔

محسن کائنات، رحمت موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے امت پر جس قدر بے حد و بے پایاں، عظیم و جزیل، احسانات ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ دوست اور قدرت حاصل ہو تو اس دربار گوہر بار کی زیارت سے ضرور شرف بار ہو۔ جس کی تائید و توثیق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"مدینہ منورہ میں میرا گھر ہے۔ اسی میں میری قبر بھی ہوگی۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ میری قبر کی زیارت کو آئیں۔ لیکن وسعت اور قدرت کے باوجود قبر اطہر کی زیارت نہ کرنا، اس نعمت بے پایاں سے نہ صرف محرومی ہے، بلکہ شفیق و رحیم آقا کے ساتھ سراسر ظلم و جفا اور سفاکی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من حج البیت، ولم یزرنی فقد جفانی۔ کنزالعمال ج ۵: ۲۵

جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا تو اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔

رحیم و کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوئے بندہ نوازی و بندہ پروری پہ قربان جاؤں کس دل آویز ادا سے زائرین کی جھولیوں کو کرم کے گہر ہائے گراں مایہ سے بھر رہے ہیں۔ اور کس مشفقانہ اور مربیانہ انداز سے اپنی شفاعت کی نوید جاں فزا سنا رہے ہیں۔

علامہ زرقانی "شفاعت" کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ نوید شفاعت زائرین کے لیے مخصوص نوعیت کی ہوگی جس کا مصداق زائرین کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ شفاعت خواہ نعمتوں کے اضافہ کے لیے ہو یا قیامت کے دن کی ہولناکی میں تخفیف کی ہو، جنت میں بلا حساب دخول کے لیے ہو یا بلندیٔ درجات کی ہو، یا حق تعالیٰ کے دیدار کے لیے ہو۔ زرقانی عنوان "زیارۃ قبرہ الشریف" الفصل ثانی ج ۸: ۲۹۰۔

زیارتِ گنبدِ خضرا ائمۂ امت کی نظر میں

امت کے نابغہ و اجلہ علماء کرام زیارت گنبد خضرا کو نہ صرف سنت قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اس رفیع المرتبت عمل کے وجوب کے قائل بھی ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ / ۱۴۲۲ء لکھتے ہیں۔

انہا من افضل الاعمال واجل القربات الموصلۃ الی ذی الجلال، وان مشروعیتہا محل اجماع بلا نزاع واللہ الہادی الی الصواب۔ فتح الباری ج ۳: ۶۶

امام الائمہ امام ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ / ۱۴۵۷ء فرماتے ہیں۔

"ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیارت قبر اطہر افضل المندوبات میں سے ہے۔ جو آدمی زیارت کی قدرت اور وسائل کا متحمل ہو اس کے لیے واجب کے قریب درجہ رکھتی ہے۔ میرے نزدیک صرف قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرنی چاہیے اور جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو اور دوبارہ زیارت کی سعادت نصیب ہو تو قبر مبارک اور مسجد نبوی شریف دونوں کی نیت کر لی جائے۔ کیونکہ اس میں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور رفعتِ شان پائی جاتی ہے۔ صرف قبر مقدس ہی کی نیت کرنا آپ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے، "جو شخص صرف میری زیارت ہی کے لیے آیا ہو اس

کی کوئی اور غرض نہ ہو تو میرے ذمہ لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔ فتح القدیر ج ۳: ۹۴
المحقق الملقب علامہ محمد آمین المعروف ابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء بھی امام ابن الہمام کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ علامہ خیر رملی شافعیؒ نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے اس قول کی توثیق کی ہے کہ صاحب استطاعت پر زیارت گنبد خضراء واجب ہے۔ (رد المحتار ج ۱: ۲۷۹)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء ارقام فرماتے ہیں۔
مسلمانانِ عالم اس بات پر متفق ہیں کہ سرورِ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت افضل ترین عبادات اور بلند پایہ نیکیوں میں سے ہے۔ درجاتِ علی اور مقاماتِ عظمٰی کے حصول کا کامیاب ذریعہ اور مجرّب وسیلہ ہے۔ اس کا درجہ واجب کے قریب ہے بلکہ بعض علماء نے واجب قرار دیا ہے۔ جو شخص وسائل اور وسعت کا حامل ہونے کے باوجود روضۂ انور کی زیارت سے محروم رہے تو یہ بہت بڑی شقاوت اور جفا ہے۔ چاروں فقہی مسالک اس کی محبوبیت اور سنیت پر متفق ہیں۔ (بحوالہ فضائل حج شیخ الحدیث محمد زکریاؒ)

مذکورہ بالا حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے محدث اعظم علامہ خلیل احمد مہاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۶ھ رقمطراز ہیں۔ بعض مخالفین کے سوا تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت افضل الطاعات اور بلند درجات کے حصول کا انتہائی مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے اور اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے۔ بلکہ جس آدمی کو وسعت اور قدرت حاصل ہو اس کے حق میں زیارت قبر مبارک واجب ہے۔ اس کا ترک کرنا انتہائی بڑی غفلت اور سخت جور وجفا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا یہ اس کے وجوب کی صریح دلیل ہے۔
(بذل المجہود ج ۳: ۲۲)

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے
آمد تری اے ابرِ کرم رونقِ عالم تیرے ہی لیے گلشنِ ہستی یہ بنا ہے
فرمانِ دو عالم تیری توقیع سے نافذ تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے
لے جائے گا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور جو جادۂ سفر کا تیرے جادہ کے سوا ہے

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تین مسجدوں کے سوا سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، بیت المقدس اور میری مسجد۔ (بخاری شریف ج ۱: ۱۵۸، مسلم شریف ج ۱: ۴۴۷)
اس فرمان نبوی کے پیش نظر بعض علماء کرام نے مزار پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے

امداد سے سفر کرنا منع لکھا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ نیت مسجد نبوی ؐ کی زیارت کی ہو اور وہاں پہنچ کر روضۂ انور کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک مذکورہ حدیث شریف میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے سبب سفر کی ممانعت مقصود ہے۔ کیونکہ یہ تین مساجد شرف مسجد اور عظمت کے اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہیں۔ جب کہ دوسری تمام مساجد مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں کوئی خصوصی وجۂ امتیاز نہیں پائی جاتی۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک مذکورہ حدیث شریف میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے سفر کی ممانعت مقصود ہے۔ کیوں کہ یہ تین مساجد شرف مسجد اور عظمت کے اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہیں۔ جب کہ دوسری تمام مساجد مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں کوئی خصوصی وجۂ امتیاز نہیں پائی جاتی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ / ۱۴۴۹ء امام احمد کی بیان کردہ حسب ذیل روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"کسی آدمی کو جائز نہیں کہ وہ نماز پڑھنے کی غرض سے ان تین مساجد کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرے۔ اس حدیث میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے سفر کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ جب کہ غیر مساجد کی زیارت کا قصد جائز ہے جیسا کہ کسی بزرگ رشتہ دار، دوست، طلب علم، تجارت یا سیر و تفریح کے لیے سفر جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۳، ۶۵) لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مسجد للصلوٰۃ فیہ الا الی الثلاثۃ۔ یہ حدیث ان حضرات کے قول کی تردید کرتی ہے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور صلحاء کی قبور کی زیارت سے منع کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ۶۶)

محدث کبیر امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ / ۱۲۷۷ء تحریر فرماتے ہیں۔

"تین مساجد کے علاوہ صلحاء کی قبور اور دور دراز سفر اختیار کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے بعض اسے حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ ہمارے علماء کے نزدیک صحیح بات وہی ہے، جسے امام الحرمین اور محققین علماء نے اختیار کیا ہے۔ کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ کے لیے سامان سفر باندھنا نہ تو حرام ہے اور نہ ہی مکروہ۔ (شرح مسلم شریف ج ۱، ۴۴۲)۔

محدث شہیر علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء فرماتے ہیں۔

حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ انبیاء و اولیاء کی قبور کی زیارت کیلئے مانع نہیں ہے کیوں کہ زیارت قبور کا حکم حدیث صریح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن بریدہؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا — میں نے زیارت قبور سے تمہیں منع کیا تھا۔
فان فی زیارتھا تذکرۃ۔ — سو قبروں کی زیارت کرو، بیشک زیارت
سنن ابوداؤد ج ۲، ص ۴۴ کتاب الجنائز۔ — قبور سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں سفر کی ممانعت تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی زیارت کے لیے سامان سفر باندھنے کے متعلق ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲: ۱۹۰)

محدث جلیل علامہ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی مہاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربات اور بے حد ثواب اور موجب حصول درجات ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے اگرچہ شدّ رحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو۔ سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ ہی مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ علامہ ابن ہمام کے فرمان کے مطابق قبر مبارک ہی کی زیارت کی نیت کرے۔ پھر جب وہاں حاضری نصیب ہوگی تو مسجد نبوی شریف کی زیارت سے بھی مشرف ہو جائے گا۔ اس صورت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تعظیم و تکریم بھی ہے۔ اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ "جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت نہ لائی ہو۔ تو میرے ذمہ لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں"

اور علامہ جامی سے منقول ہے کہ وہ صرف روضہ اقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے اور یہ سفر حج کے علاوہ تھا۔ عشاق اور محبین کا یہی طرۂ امتیاز ہے۔

اور رہا معاملہ حدیث "لا تشد الرحال" تو اس حدیث میں قبر اطہر کی زیارت کی ممانعت کا کہیں ذکر تک موجود نہیں ہے۔ بلکہ صاحب فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالت النص جواز پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جو علت مساجد ثلاثہ کو دیگر مساجد اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے۔ وہاں مساجد کی فضیلت ہی تو ہے۔ اور بقعہ شریفہ میں فضیلت تو بے انتہا ہے۔ اس لیے وہ زمین مقدس جو سید الکونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے، وہ علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ وہ کعبۃ اللہ، عرش عظیم اور کرسی سے بھی افضل اور اکرم ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور جب کعبۃ اللہ کی فضیلت کی وجہ سے تین مسجدیں عموم نہی سے مستثنیٰ ہوگئیں تو بقعہ مبارکہ فضیلت عامہ کے باعث بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوگا۔ (المہند علی المفند: ۱۰۷ – ۱۱)

حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء رقمطراز ہیں۔

حدیث میں جو وارد ہے کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلیٰ ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ، وہ سفر الی القبر الشریف کی نہی پر دلالت نہیں کرتی، کیوں کہ یہاں استثنا مفرغ ہونے سے مستثنیٰ منہ مقدر ہے اور بوجہ اقرب فی التجانس ہوگا وہ احق للتعیین ہوگا۔ اور جنس قریب مساجد ثلثہ کی ظاہر ہے پس تقدیر اس طرح ہوگی۔ لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثۃ مساجد اس صورت میں مطلقاً مشاہد و مقابر کی طرف سفر کرنا حدیث مذکور میں مسکوت عنہ ہوگا اور نہی پر دال نہ ہوگا۔

اور اس کی تائید ایک صریح حدیث سے ہوتی ہے جیسے مولانا مفتی صدر الدین خاں دہلوی مرحوم مغفور نے اپنے رسالہ منتہی المقال میں اس طرح نقل کیا ہے فی مسند احمد عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی ھذا۔ اور معنی اس کے یہ ہیں کہ دوسری مساجد کی طرف جن میں کہ تضاعف ثواب کا وعدہ نہیں ہے اس نیت سے سفر کرنا کہ وہیں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہوگا تقول علی الشارع ہے۔ اس لیے منہی عنہ ہے اور مقابر خاصہ میں برکات خاصہ ثابت ہیں پھر (حدیث) زوروا القبور میں بھی اطلاق اذن ہے۔ البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ اور مفاسد لازم نہ آئیں نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب فصل ۲۰۳ صـ ۲۲۶۔

اس موضوع پر امام تاج الدین سبکی نے "شفاء السقام" میں اور علامہ سید محمد یوسف بنوری نے "معارف السنن ج ۳ : ۳۲۹ تا ۳۳۴" پر نہایت مفید اور مفصل بحث فرمائی ہے اہل علم حضرات ان سے استفادہ فرما سکتے ہیں۔

خیر القرون میں زیارت روضۂ انور کا ولولہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل عشق نبوی سے لبریز اور دیدار نبوی کے لیے ہر وقت بے قرار رہتے تھے۔ آپ کی رحلت کے بعد بھی دور دراز علاقوں سے سفر کی جان لیوا صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر کے حبیب کردگار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پُر انوار کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عاشق صادق موذن سید الابرار سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مولائے کل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ستاتی، تو وہ ملک شام سے کشاں کشاں دربار گہربار سید الاتقیاء والابرار صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیتے، اور قبر اطہر کی زیارت باسعادت سے سکون قلبی کی لازوال دولت سے باریاب ہوتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا۔

تو سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ فاروقی میں عرض پرداز ہوئے کہ اگر اجازت مرحمت ہو تو میں بیت المقدس میں سکونت اختیار کرلوں امیر المومنین نے مؤذن کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اس طرح وہ بیت المقدس میں اقامت گزیں ہو گئے اور وہاں نکاح بھی کر لیا۔

ایک دن محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا، بلال! یہ کیسی جفا ہے کہ آپ میری زیارت کو بھی نہیں آتے، خواب نے آپ کو چونکا دیا۔ غمگین، خوف زدہ اور سخت پریشان ہوئے۔ آپ کو اضطراب و اضطرار نے لمحہ بھر بھی چین نہ لینے دیا۔ اور اس وقت بارگاہ معارف پناہ نبویؐ میں حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

جب سرورِ کونین، رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور دل سخت شرمسار اور بے قرار تھا مگر زیارت قبرِ مشکبار سے تمام اضطراب کافور ہو گیا۔ اور دل کو سکون و طمانینت نصیب ہوئی۔

جب آپ کی آمد کی اطلاع شہزادگان حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہوئی، تو وہ ملاقات کو تشریف لائے، سیدنا بلالؓ گلستانِ مصطفویؐ کے ان غنچوں کو دیکھ کر ان سے چمٹ گئے، صاحبزادگان نے آذان کی فرمائش کردی جس پر مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادلِ نخواستہ تعمیلِ ارشاد میں آذان کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ موصوف مسجد کی چھت پر اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں اپنے آقا کی موجودگی میں آذان کہتے تھے۔ جب آپ نے آذان شروع کی تو لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند ہوئی ہی تھی کہ مرد و زن اور خورد و کلاں سب بیتاب ہو کر آہ و فغاں کرتے ہوئے گھروں سے نکل آئے، تاجدارِ مدینہ شاہ حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد نے سب کو تڑپا دیا ہر جانب آہ و بکا کی دل دوز آوازیں سنائی دیتی تھی، ہر آدمی نوحہ کناں اور اشکبار تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھی یادِ یار سے بے قرار ہو گیا اور غم و اندوہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ آذان پوری کرنے کی سکت نہ رہی اور چھت سے اتر آئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور دراز علاقہ سے یہ سفر صرف زیارت قبر اطہر کے لیے اختیار فرمایا تھا۔ (شفاء السقام: ۵۳)

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں کہ امام ابن عساکر نے یہ روایت جید سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

(وفاء الوفا ج ۲: ۴۰۸)

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا مذکورہ سفر صرف سرورِ کون و مکان فخر زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے تھا۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱: ۱۳۶)

سیدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ کریمہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے قبر اطہر پر حاضر ہو کر یوں سلام پیش کرتے۔
"السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابتاہ"۔ (سنن الکبریٰ ج ۵: ۲۴۵ مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۵۷۶)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر سلام پیش کرتے کبھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، میں نے ایک بار نہیں سو بار سے زائد مرتبہ دیکھا کہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر نیازمندانہ سلام پیش کر رہے ہیں۔ السلام علی النبی السلام علی ابا بکر السلام علی ابی۔ (شفاء السقام: ۴۲)

سیدنا عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے دیکھا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں درود و سلام پیش کر رہے تھے۔ (موطا امام مالک ج ۱ باب زیارۃ قبر النبی ﷺ)

قاضی عیاض رقمطراز ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے قبر اطہر کی زیارت کے لیے تشریف لائے مدینہ طیبہ پہنچ کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں سلام پیش کیا اور واپس ملک شام لوٹ گئے۔ (شفاء قاضی عیاض ج ۲: ۷)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب ملک شام زیر نگیں ہوا، بیت المقدس کے باشندوں نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی اور سیدنا کعب الاحبار مشرف باسلام ہو کر خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں بے حد مسرت ہوئی کہ ایک جلیل القدر عالم حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ بعدازاں جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کریمہ کو واپس ہونے لگے تو آپ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کش کی کہ وہ بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد اقدس کی زیارت سے شرف یاب ہوں۔

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے دعوت فاروق رضی اللہ عنہ کو ممنونیت کے ساتھ قبول کیا اور ان کی معیت میں زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ طویل اور صبر آزما سفر طے کر کے جب مدینہ کریمہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ تو سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مرقد معطر پر حاضری اور بارگاہ

خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام پیش کیا۔ شفاء السقام: ۱۶۵ زرقانی ج ۸: ۲۴۴

سیدنا عمر بن عبدالعزیز ملک شام سے مدینہ طیبہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام پیش کرنے کی خاطر مستقل طور پر قاصد بھیجتے تھے۔ جو ہدیہ سلام بارگاہ خیرالانام میں پیش کر کے واپس لوٹ جاتا۔ جبکہ ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانہ میں صادر ہوا۔ شفاء قاضی عیاض ج ۲: ۶۹ مگر کسی نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا۔ امام تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ / ۱۳۵۴ء فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا مذکورہ سفر صحابہ کے وسط زمانہ میں اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا طرز عمل تابعین کے وسط زمانہ میں پیش آیا۔ ان کے یہ سفر صرف قبر اطہر کی زیارت اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ جہاں پناہ میں سلام پیش کرنے کی خاطر تھا۔ اس کے سوا انہوں نے نہ تو کسی دنیوی مقصد کی خاطر یہ سفر کیا اور نہ ہی کوئی دینی کام پیش نظر تھا اور نہ ہی یہ سفر مسجد نبوی شریف کی زیارت کے لیے تھا۔ بلکہ صرف اور صرف مرقد مقدس کی زیارت مقصود و مطلوب تھی۔ شفاء السقام: ۵۵۔

محمد بن عبداللہ بن عمرو العتبی بیان کرتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائی، تو میں زیارت قبر اطہر سے مشرف ہوا۔ ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شتر سوار بدوی بصورت قبر مبارک پر حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے۔

"یا خیرالرسل صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ جس میں یہ ارشاد بھی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا	اور جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اگر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو جاتے اور اللہ جل شانہ، سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور شفیع المذنبین ؐ بھی ان کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تو ضرور اللہ کریم کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔
سورۃ النساء، ۶۴	

پھر وہ صاحب یوں عرض کرنے لگے اے حبیب خدا! میں آپ کی بارگاہ معارف پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہوں اور آپ کی شفاعت کا خواست گار بھی ہوں۔ اس کے بعد وہ بڑی زار و قطار رونے لگے اور زبان پر یہ اشعار تھے۔

۱۔ یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ	اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں سے
فطاب من طیبھن القاع	جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں اور

والاکم۔ — ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں نفاست پھیل گئی۔

۲۔ نفسی الفداء لقبر ساکنہ فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم — جس مبارک قبر میں آپ راحت گزیں ہیں اس پر میری جان قربان ہو، اس میں عفت، جود و سخا اور عنایات و کرامات ہیں۔

☆ ☆ ☆

۳۔ انت الشفیع الذی ترجی شفاعتہ علی الصراط اذا ما زلت القدم۔ — آپ ایسے سفارش کرنے والے ہیں جن کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں جس وقت پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

۴۔ وصاحباک لا انساھما ابدا منی السلام علیکم ما جری القلم۔ — اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ سب پر میری طرف سے سلام پہنچتا رہے جب تک دنیا میں لکھنے کے لیے قلم چلتا رہے۔

☆ ☆ ☆

آخر میں وہ صاحب اپنے گناہوں سے استغفار کر کے رخصت ہو گئے۔ اور عتبی کہتے ہیں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا بدوی کو بشارت سنادو کہ اللہ کریم نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرما دی ہے۔ (شفاء السقام: ۴۶)۔

علامہ شہاب الدین الخفاجی فرماتے ہیں۔

سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام بذریعہ خط یا قاصد بھیجتے تھے۔ (نسیم الریاض ج ۳: ۵۱۶)

نکل جائے دم اُن کے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسحاق بن ابراہیم الفقیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج مدینہ منورہ اس ارادہ سے جائیں کہ وہاں مسجد نبوی میں نماز پڑھیں گے۔ ریاض الجنۃ منبر نبوی، قبر اطہر کی زیارت سے شرف بار ہوں گے اور جہاں آپ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے اس مصلی والی جگہ اور جن ستونوں سے تکیہ لگاتے تھے ان سے برکت حاصل کریں گے۔ (الشفاء ج ۲: ۶۹)۔

سفر سوئے دیارِ حبیبؐ اور آدابِ زیارت

جب اس مقدس سفر کے اختیار کرنے کی سعادت میسر آئے، تو نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ہو، کوئی شائبہ بھی ریا، تفاخر، شہرت، سیر و سیاحت یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہو ورنہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہوگا۔

محدث جلیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح اللباب میں لکھتے ہیں۔

نیت خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض اور سنن نہ چھوٹنے پائیں۔ ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ توبہ اور کفارہ لازم ہوگا۔ اس سفر باسعادت میں سنت کے کاموں کو اپنانے کا خاص اہتمام کریں۔ بلکہ تحقیق و تجسس سے سنت کے کاموں اور آپ کے روزمرہ کے معمولات اور عادات شریفہ معلوم کر کے ان کا اتباع کریں۔ اس سفر میں خصوصیت کے ساتھ درود شریف کی کثرت رکھیں، پوری توجہ، دھیان اور ادب و احترام سے پڑھیں۔ درود شریف جتنا کثرت سے پڑھا جائے گا انوار و عنایاتِ خداوندی اتنی ہی فراوانی سے نصیب ہوں گی۔ نماز اور ضروریات معاش کے علاوہ سارا وقت درود شریف ہی کے لیے صرف ہو۔ (شرح اللباب)

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء لکھتے ہیں۔

یہ بات مسلّم ہے کہ اس مقدس سفر میں درود شریف کی کثرت افضل ہے لیکن کیا تلاوتِ قرآن مجید سے بھی افضل ہے یا تلاوت کو فضیلت حاصل ہے یا دونوں کا درجہ برابر ہے؟

موصوف اس کے جواب میں فرماتے ہیں، جہاں درود شریف کی کثرت مطلوب ہو جیسے شب جمعہ وغیرہ ایسے مواقع میں درود شریف کی کثرت تلاوت کی کثرت سے افضل ہوگی۔ اور مدینہ سکینہ میں فرض نمازوں کے بعد درود شریف کو ہی افضلیت حاصل ہے۔ دورانِ سفر ذوق و شوق پیدا کیجیے اور جتنا گوہرِ مقصود قریب آتا جائے جذبۂ شوق و اشتیاق ترقی پذیر ہو۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک　　　آتشِ شوق تیز تر گردد

اگر سیرت مقدسہ کی کوئی کتاب پاس ہو یا سہولت سے دستیاب ہو سکے تو اسے خود پڑھیں یا کسی سے سن کر ایمان تازہ کریں۔ اپنی نجی مجلسوں اور محفلوں کو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے بابرکت بنائیں۔ وصل کی گھڑیاں جس قدر قریب ہوتی جائیں درود پاک ہر وقتی وردِ زبان بن جائے۔ اگر ممکن ہو تو سواری کو تیز چلا کر جلد از جلد قدس پر حاضری دیں۔

جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے در و دیوار نظر نواز ہوں اور اس کے معطر باغات دکھائی

دیں۔ تو ادب واحترام اور عشق ومحبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ سواری سے اتر کر ننگے پاؤں ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے چلیں۔

ولما رأينا رسم من لم يدع لنا ۔۔۔ فؤادا لعرفان الرسوم ولا لبا

نزلنا عن الأكوار نمشي كرامة ۔۔۔ لمن بان عنه أن نلم به ركبا

ترجمہ: جب ہم نے اس محبوب شہر کے نشانات دیکھے جس شہر خوباں نے نشانات کو پہچاننے کے لیے ہمارے پاس نہ دل چھوڑے اور نہ ہی عقل۔

تو ہم اپنی سواریوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے، اس لیے کہ اس بلند وبالا ارفع واعلیٰ شان سے یہ بات کوسوں دور ہے کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔

اگر پیدل اور ننگے پاؤں چلنے کی بجائے سر کے بل چل کر بھی اس دربار گوہر بار میں حاضری دی جائے، تب بھی اس حق کا بیسواں حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ انہی جذبات کا اظہار شاعر کس عمدگی کے ساتھ کرتا ہے

ولو جئتكم قاصدا أسعى على بصري ۔۔۔ لم أقض حقا وأي الحق أديت

اگر میں آپ کے حضور فیض گنجور میں پاؤں کی بجائے سر آنکھوں سے چل کر آتا تب بھی حق ادا نہ کر سکتا۔ میرے آقا! میں نے آپ کا اور کونسا حق ادا کر دیا ہے جو یہ حق بھی ادا کر گذرتا۔

ولما رأينا من ربوع حبيبنا ۔۔۔ بطيبة أعلاما أثرن لنا الحبا

جب مدینہ طیبہ میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے محبت کی آگ کو بھڑکا دیا۔

وبالترب منها إذ كحلنا جفوننا ۔۔۔ شفينا فلا بأسا نخاف ولا كربا

اور جب اس کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، تو تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اور اب نہ کسی قسم کا دکھ درد باقی رہا اور نہ ہی تکلیف وقلق۔

امام مدینہ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس متبرک سرزمین کی حرمت اور تقدس کے پیش نظر سوار ہو کر نہیں چلتے تھے اور فرماتے تھے مجھے اللہ کریم سے شرم آتی ہے کہ جس خاک پاک پر شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا ثبت ہوئے ہوں، میری سواری اپنے پاؤں سے انہیں روندے۔ اس لیے پاپیادہ چل کر روضۂ انور پر حاضری دیتے تھے۔ (فتح القدیر ج ۲: ۹۴۔ السلم والعلماء: ۲۲۸)

حجۃ الاسلام فخر الہند مولانا محمد قاسم نانوتوی المتوفی ۱۲۹۷ھ جب دربار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تو اس پاک سرزمین کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عشق حبیب کا فقید المثال مظاہرہ کیا، کہ شہر سے کوسوں دور جیسے ہی روضہ انور نظر نواز ہوا تو غایت ادب واحترام کے باعث جوتے اتار کر بغل

ہیں لے چلے اور رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی کے باوجود کئی میل برہنہ پا چل کر بارگاہ خیر الملائق صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ (سوانح قاسمی ج ۲: ۶۰، ۶۲)

امام ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ/۱۴۵۷ء فرماتے ہیں۔

جب دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قریب آجائے تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل یا وضو کر لیا جائے، اگرچہ غسل کرنا افضل ہے۔ عمدہ کپڑے پہنے جب کہ نئے کپڑے پہننا افضل ہے۔ بعض عشاق کا یہ عمل بھی باعث صد تحسین ہے، جو مدینہ یا سکینہ کے قریب پہنچ کر پاپیادہ چلتے ہیں اور ادب و احترام پر مبنی ہر کام عمدہ ہے۔ عاجزی و انکساری کے ساتھ ڈرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں اور یہ دعا ورد زبان ہو۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔	اے میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا دے اور مجھے خوبی کے ساتھ نکال لے اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ دے جس کے ساتھ نصرت ہو۔
(سورۂ بنی اسرائیل)	
اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَةِ رَسُوْلِكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا رَزَقْتَ اَوْلِیَاءَكَ وَاَهْلَ طَاعَتِكَ وَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ۔	اے رب کریم میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے نعمتیں عطا فرما جو تو نے اپنے محبوب اور فرمانبردار بندوں کو عطا فرمائیں، میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔
فتح القدیر ج ۳: ۹۴	

یہ دعا بھی پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِیِّكَ فَاجْعَلْهُ لِیْ وِقَایَةً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔	اے اللہ تیرے پاک نبی کا یہ حرم ہے اسے میرے لیے آگ سے بچنے کا موجب بنادے عذاب سے حفاظت اور حساب کی برائی سے بچنے کا باعث بنادے۔

سرور کون و مکاں، سلطان زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر کے آداب میں سے یہ بھی ہے حاضری سے پہلے کچھ صدقہ دیا جائے تاکہ انوار و برکات سے دامن لبریز ہو جائے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ	اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ صلی اللہ
الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ	علیہ وسلم سے سرگوشی کیا کرو تو اس سے پہلے
نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ	کچھ خیرات کر لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے
خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ	اور گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے
تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔	اور اگر صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ
سورہ مجادلہ۔	تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

جب اس دربار عالی وقار کی زیارت نصیب ہو تو سب سے پہلے اپنے مال واسباب کی حفاظت کا انتظام کیا جائے اور پھر طمانینت و سکون کے ساتھ دربار اقدس میں حاضری دی جائے۔ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد آیا، جب ان کی نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اونٹوں سے کود کر دوڑتے ہوئے بارگاہ عالی مرتبت میں حاضر ہوئے۔ البتہ ان کے رئیس منذر بن عائذ جو الشج عبدالقیس کے لقب سے معروف تھے، وہ اونٹوں کے ساتھ قیام گاہ پر پہنچے، اپنا اور تمام رفقاء کا سامان جمع کیا، حفاظت کے ساتھ رکھا۔ ازاں بعد غسل کیا نئی پوشاک زیب تن کی۔ پھر نہایت وقار اور متانت کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے اور دعا سے فارغ ہو کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ حبیب کردگار، مدنی تاجدار علیہ صلوٰۃ اللہ العزیز الغفار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ادا کو بے حد پسند فرمایا اور اس بشارت سے سرفراز فرمایا کہ آپ کی دو دو لعرہ بار عادات کو اللہ جل جلالہ بھی پسند فرماتے ہیں ایک حلم و بردباری اور دوسرا وقار و متانت۔

(مسند امام احمد ج ۳ : ۴۲۳)

وہ مقدس و متبرک مقام جہاں خطاکار انسان کے لیے رحمت خداوندی کا سمندر موجزن اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ابر کرم سایہ فگن ہے۔ وہاں مجھ ایسے سراپا خطاکار کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ترے در پہ خالق ذوالمنن جو مری جبین نیاز ہو | مجھے بیکسی پہ غرور ہو مجھے بے نوائی پہ ناز ہو

مری یاس کی شب تار میں مرے غم کے گرد وغبار میں | ترا لطف چارہ نواز ہو ترا نور جلوہ طراز ہو

مرا روز جلوہ فروز ہو ترے رخ کے نور جمال سے

مری شب کی محفل انس میں تری بوئے زلف دراز ہو

دربارِ گوہر بار کا ادب واحترام

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

اے زائرِ خوش نصیب! یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ جلوہ گاہِ محبوبِ خدا، دربارِ گوہر بار مصطفیٰ، آستانۂ سرکارِ دو عالم اور کاشانۂ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حریمِ ناز ہے جس میں پیکرِ حسن و رعنائی خوابیدہ ہیں۔ یہ روضۂ اطہر فردوسِ بریں کا گلزارِ بہار قطعہ ہے۔ لہٰذا ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اس کے تقدس کا تحفظ لازم ہے۔ انتہائی ادب واحترام خشوع وخضوع کے ساتھ مسجدِ نبوی شریف میں داخل ہوں۔ اب تک حاضری کی سعادت سے محرومی کا قلق اور زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج وملال بھی ایک گونہ دل میں ہو محشر میں زیارتِ رخِ زیبا سے سرفرازی کی آرزو، تمنا اور تڑپ سے دل لبریز ہو۔ اور یہ خوف وخدشہ بھی ہو کہ نہ جانے مجھ جیسے سراپا خطاکار کا مقدر محشر کی ہوناکیوں میں اس سراجِ منیر کے دیدار کے لائق ہے یا نہیں؟ اس دربارِ معظم کے جاہ وجلال، عظمت، قدر ومنزلت اور شرف ومجد کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔

جب گنبدِ خضرا دلنواز ہو تو مکینِ قبۂ نور، شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ شان کا خاص خیال رکھیں۔ یہ ذاتِ ستودہ صفات جو ساری کائنات سے اشرف واکرم، اعلیٰ، افضل اور بالا ہے اور آپ کا مرقدِ مقدس ساری روئے زمین میں ممتاز، معظم، مکرم اور افضل ہے اور جس خاکِ پاک پر آپ کا وجودِ مسعود لگا ہوا ہے۔ اس کے ریگ ذروں کی شان کعبہ سے اعلیٰ، عرش سے بالا، کرسی سے افخم حتیٰ کہ زمین و زماں اور ہفت افلاک سے بھی ارفع واعلیٰ ہے۔

مسجدِ مبارک میں داخل ہونے کے بعد عجز ونیاز، انکساری اور فروتنی میں بہت اہتمام کیا جائے مسجد کی زیب وزینت، فرش وفروش، فانوس، قالین اور قمقموں کو دیکھنے میں مشغول نہ ہوں۔ بے حد وقار ادب سے نیچی نگاہیں کئے سراپا ادب بن کر جائیں۔ کوئی نازیبا اور نامناسب حرکت سرزد نہ ہونے پائے کہیں ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت موجبِ خسران بن جائے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

امام خوارزمی فرماتے ہیں مسجدِ نبوی شریف میں دعا پڑھتے ہوئے دایاں پاؤں اندر رکھیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اے اللہ میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

ہو سکے تو باب جبرئیل سے داخل ہوں ورنہ جس دروازے سے چاہیں۔ پھر ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد ادا کریں۔ اگر ریاض الجنۃ میں جگہ نہ مل سکے تو مسجد کے جس حصہ میں سہولت سے جگہ مل جائے نفل پڑھ لیں۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر نفل پڑھنے کا وقت ہو تو پڑھیں ورنہ چھوڑ دیں، نفل ادا کر لینے کے بعد رب ذوالمنن کا لاکھ لاکھ شکر بجا لائیں جس نے اس نعمت عظیمہ و جلیلہ سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد سید الانبیاء والابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پرانوار پہ حاضری دیں۔ (الکفایہ مع فتح القدیر ج ۲ ص ۹۴)

اے زائرین دربار رسالت اہم کائنات کے پسندیدہ اور منتخب افراد کے زمرے میں شامل ہو چکے ہو۔ خوش بختی نے تمہارے قدم چوم لیے تم بارگاہِ قدس میں پہنچ گئے، جلوہ گاہِ ناز میں آ گئے محبوب کائنات کے آستانہ پہ حاضر ہو۔ امن اور سلامتی کا سرچشمہ تمہارے سامنے ہے۔ راحت و آرام کی فضاؤں نے تمہیں گھیر لیا اور گلِ امید سے دامن مہک رہے ہیں۔

دل تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک کر کے مجسم ادب بن کر حاضری دیں، علماء کرام کا فرمان ہے کہ جس قلب میں دنیا کی خواہشات، نفسانی شہوت اور لہو و لعب کا غلبہ ہو۔ ایسا گندے دل والا آدمی اس مقدس مقام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض اور غصہ کا اندیشہ بھی ہے۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو دل کو دنیوی خرافات، لذات اور خواہشات سے خالی رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اور اللہ جل جلالہٗ کی رحمت کاملہ واسعہ اور عفو و کرم کی امید واثق رکھیں اور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت للعالمین کے پیش نظر ان کے وسیلے سے اللہ کریم سے معافی کے طلب گار بن کر حاضری دیں۔

مواجہ شریف سے تھوڑے فاصلے پہ اس طرح کھڑے ہوں کہ نگاہ نیچی، ہاتھ پاؤں میں جنبش اور حرکت مفقود، سکون اور وقار سے دست بستہ کھڑے ہوں مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان اور عالی مقام کا استحضار پوری طرح دل میں ہو کیوں کہ یہ دربار گوہر بار شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جن کی شفاعت یقیناً مقبول و مشکور ہے جس در سے سوالی مراد سے خالی نہیں جاتا۔ جسے آپ کے آستانہ کی چوکھٹ نصیب ہو گی وہ کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے آپ کے وسیلے سے رب کریم سے مانگا وہ دعا ضرور شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔

نہایت ذوق و شوق اور عجز و نیاز کے ساتھ سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پیش کریں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

جو آدمی عربی الفاظ کا ترجمہ اور مطلب جانتا ہو اور عربی الفاظ پڑھنے میں ذوقِ کامل پیدا بھی ہو تو بے شک

طویل الفاظ میں درود و سلام پیش کرے۔ اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر طوطے کی طرح مُزوِّرین زیارت کرانے والے معلم اس کے الفاظ دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایسا آدمی انتہائی ذوق و شوق اور غایت سکون و طمانیت اور وقار سے آہستہ آہستہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھتا رہے جب تک سرور اور ذوق میں اضافہ پائیں انہی الفاظ یا کسی اور سلام کو بار بار پڑھتے رہیں۔ (فضائل حج ص ۱۴۰، ۱۵۰)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان للّٰہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔	اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی جماعتیں زمین میں پھرتی رہتی ہیں۔ جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتی ہیں۔
نسائی شریف ج ۱ : ۱۸۹	

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔	جو آدمی میری قبر مبارک کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھے اسے بنفس نفیس میں خود سنتا ہوں اور جو آدمی دور دراز سے پڑھے مجھے فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے۔
(حیات الانبیاء : ۱۰)	

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

من صلی علی قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ۔	جو آدمی میری قبر پر میرے لیے درود شریف پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھنے والے کا مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔
اخبار مدینۃ المعروف درثمینہ : ۴۴۱	

ہدیہ سلام بحضور خیر الانامؐ

امام محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ /۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔ ہارون بن موسیٰ العروی کہتے ہیں بعض لوگوں نے میرے دادا ابوعلقمہ سے دریافت کیا کہ جس وقت تک ازواجات مطہرات کے حجرے مسجد میں داخل نہیں کئے گئے تھے، لوگ فخر کون ومکان، سرور دین ودنیاں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں کہاں کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ لوگ حجرۂ مبارک کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے تھے۔ جب کہ دروازہ کے نہ کواڑ تھے اور نہ ہی کوئی پردہ پڑا ہوتا تھا، یہی طریقہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال تک جاری رہا۔ بعد ازاں جب حجرات کو مسجد میں داخل کر دیا گیا، تو زائرین بارگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام پیش کرنے کی خاطر ریاض الجنۃ میں سر مبارک کی طرف اس طرح

کھڑے ہونے کہ استوانہ حنانہ یعنی مغرب کی جانب پشت اور حجرہ منیفہ کی طرف منہ ہوتا تھا۔ (آثار المدینہ، ۱۲۵)۔
امام موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔
سیدنا زین العابدین بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ریاض الجنہ میں استوانہ حنانہ کے قریب کھڑے ہو کر خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام پیش کرتے اور فرماتے کہ آپ کا سر اقدس اس طرف ہے۔ پھر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھی سلام پیش کرتے۔ (آثار مدینہ، ۱۴۶)

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء حضرت داؤد بن قیس کا قول نقل کرتے ہیں کہ موصوف نے باب عائشہ دیکھا جو حجرہ مبارکہ کے مغربی سمت میں تھا۔ (معالم دار الہجرہ، ۱۰۶)
پھر جب حجرہ منیفہ اور دیگر حجرات مسجد میں شامل کر لیے گئے تو زائرین قبلہ یعنی جنوب کی طرف پشت کر کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے لگے اور ایسی صورت میں قبلہ کی طرف پیٹھ کر لینے میں حرج نہیں جس طرح جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔
ملک ابو جعفر المنصور العباسی نے حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد دعا کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف پھیر لینا چاہیے یا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف منہ کیے ہوئے دعا کی جائے۔ امام صاحب نے فرمایا۔

ولِمَ تصرف وجهك عنه وهو	اور تم ان کی طرف سے منہ کیوں کر پھیر لیں
وسيلتك ووسيلة ابيك ادم عليه	جب کہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ آدم
السلام الى الله عزّوجل يوم القيمة	علیہ السلام کے۔

(معالم دار الہجرہ ۱۰۶) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں۔
دعا کے وقت منہ روضہ پاک کی طرف ہو، آپ کے وسیلہ سے اللہ کریم سے مانگا جائے اور مستحب ہے کہ دعا کے ساتھ آپ کی شفاعت طلب کی جائے اور رقت وخشیت اور لرزہ براندام ہو کر دعا مانگی جائے۔ (نسیم الریاض ج ۳، ۵۱۷)
مواجہ شریف کے سامنے انتہائی ادب واحترام اور وقار وسکون کے ساتھ ہدیہ سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پیش کریں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ سَيِّدَنَا عَبْدَكَ وَرَسُوْلَكَ مُحَمَّدًا اَلْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الْعَالِيَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ اِنَّكَ سُبْحَانَكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگے اور یوں دعا کیا کرے۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ (الکفایہ مع فتح القدیر ج ۲ : ۹۵)

اگر کسی آدمی نے سلام پیش کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف اس طرح سلام عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَهٗ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اس کے بعد تھوڑا سا دائیں جانب ہو کر مواجہ نمبر ۲ کے سامنے خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں اس طرح سلام پیش کیا جائے۔

السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانیہ فی الغار ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیرا۔

پھر مزید ایک گز پھر دائیں طرف مواجہ نمبر ۳ پر خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کیا جائے۔

اَلسَّلَامُ علیک عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اَلَّذِیْ اعز اللہ بہ الاسلام جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیرا۔ (الکفایہ مع فتح القدیر ج ۲ : ۹۵)

قدوۃ العلماء محدث جلیل مولانا خلیل احمد انبہٹوی مہاجر مدنی فرماتے ہیں۔

"مسجد کی حدود میں جس جگہ کھڑے ہو کر سلام پیش کریں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سن لیتے ہیں" (تذکرۃ الخلیل: ۲۹۸) لہٰذا رش کے وقت جہاں سکون و طمانیت سے درود و سلام پڑھنا ممکن ہو، وہیں پڑھ لیں اور جب رش نہ ہو تو مواجہ شریف کے قریب کھڑے ہو کر پڑھیں۔

شیخ المشائخ مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء فرماتے ہیں۔

سلام پیش کرنے کے بعد شفیع المذنبین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی جائے اور آپ کی شفاعت طلب کی جائے اور یوں کہے۔

یا رسول اللہ اسالک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک۔ (زبدۃ المناسک: ۱۴۰)

ترجمہ:۔ اے اللہ کے رسول میں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ مجھے آپ کے دین اور سنت پر موت عطا فرمائے۔

حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" میں اس موضوع پر مستقل بحث فرمائی ہے، جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں۔

"آپ کے ساتھ توسل حاصل کرنے میں دعا کے وقت گو جس طرح درود شریف قربت مقصودہ ہے یہ توسل قربت مقصودہ نہیں، مگر صرف ایک خاصیت میں درود شریف کا ہم اثر ہے کہ دونوں سبب ہیں دعا کے اقرب الی الاجابۃ ہونے کا۔" (نشر الطیب فصل ۳۸: ۲۸۵)

رب ذوالمنن کی حمد و ثنا اور ستائش سے دعا شروع کی جائے اور حاضری کی نعمت غیر مترقبہ اور تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، پھر خوب ذوق و شوق سے اپنے لیے، اپنے والدین، مشائخ، اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست و احباب اور تمام زندہ و مردہ مسلمانوں کے لیے خوب رو رو کر دعا کی جائے اور یاد آ جائے تو راقم اثم کو بھی اپنی مبارک دعاؤں میں شامل کر لیجیے۔

بندہ نواز! میری منت کی لاج رکھ لے — میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صلی اللہ علیہ وسلم — صد شکر کہ ہستم میان دو کریم!

کوشش یہ کی جائے کہ نماز میں اور بغیر نماز کے بھی قبر مبارک کی طرف پشت نہ کی جائے، نماز کے لیے ایسی جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کریں، جہاں سے قبر شریف کی طرف نہ پشت ہو اور نہ منہ، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جالی شریف کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہٰذا اس سے گریز

کیا جائے اور اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ روضہ انور کے بالمقابل جب بھی گذر ہو خواہ مسجد کے اندر یا باہر، تو کھڑے ہو کر سلام پیش کر کے گزریں۔

حضرت ابو حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے فرمایا ”ابو حازم سے کہہ دیں تم میرے پاس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہو اور کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے“ اس کے بعد ابو حازمؒ نے معمول بنا لیا کہ جب بھی حجرۂ انوار کی سمت گزر ہوتا ادب و احترام سے کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور پھر چل دیتے۔
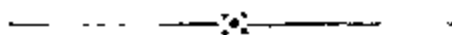
القاسم اکیڈمی کی تاریخی اور عظیم پیشکش

دفاع امام ابوحنیفہؒ

رشحاتِ قلم : مولانا عبدالقیوم حقانی

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت وسوانح، علمی وتحقیقی کارنامے، تدوینِ فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حجیت اجماع وقیاس پر اعتراضات کے جوابات، نظریہ انقلاب وسیاست، فقہ حنفی کی قانونی حیثیت وجامعیت اور تقلید واجتہاد کے علاوہ قدیم وجدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے۔ جدید کمپیوٹر کمپوزنگ اور کمپیوٹرائزڈ ٹائٹل، مضبوط جلد بندی اور شاندار طباعت۔

صفحات : 352 ....

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان

اپنے طرز کی پہلی اور انیلی کتاب

ساعتے با اولیاءؒ

مولانا عبدالقیوم حقانی

رفیق موتمر المصنفین و استاذ دارالعلوم حقانیہ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
علامہ عبدالرحمن ابن الجوزیؒ
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
المجاہد الکبیر امام ابن تیمیہؒ
حجۃ الاسلام امام غزالیؒ
حضرت شیخ عبدالرحمن جامیؒ
حضرت مجدد الف ثانیؒ
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
المجاہد الکبیر سید احمد شہیدؒ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ
مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت
امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ
محدث العصر سید محمد یوسف بنوریؒ
قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ
محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

فون فیکس :0923(630237)630094

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسر قرآن، شارح حدیث

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی ؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 ....

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

مکتوباتِ افغانیؒ

بنام !

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

❀❀❀

شمس الاولیاء حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کے مکتوباتِ قدسیہ کا وقیع مجموعہ، جن میں تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمامِ سنت واطاعت، اصلاحِ ظاہر وباطن، شیخِ کامل سے استفادہ وافادہ، بےنفسی وفنائیت، اخلاصِ کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشقِ رسولؐ ومحبت اور اکابر علماءِ دیوبند کے مسلک واعتدال کی اچھوتے انداز میں تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔

صفحات : 202 ....

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی ایک تاریخی پیشکش

سوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

☆ سلسلہ نسب ابتدائی تعلیم اساتذہ اور دلچسپ واقعات ☆ احترام اساتذہ ☆ شیخ الہند سے عشق و محبت اور دوران اسارت خدمت و مصاحبت ☆ شیخ الہند کا جانشین ☆ سیرت و کردار اخلاص و للہیت جود و سخا بے نیازی و استغناء اور جامعیت ☆ انداز تدریس اور درس حدیث سے عشق و انہماک طلبہ پر شفقت و محبت [illegible] ☆ خوف خدا تقویٰ ایثار و توکل اعلیٰ اخلاقی اقدار خدمت خلق اور مہمان نوازی ☆ انابت و عبادت نماز سے محبت اور شوق تلاوت ☆ حضور اقدس ﷺ سے عشق و محبت اطاعت اتباع سنت اور استقامت ☆ سادگی و بے نفسی صبر و تحمل عفو و کرم اور تواضع و انکساری ☆ احسان و تصوف اور سلوک و معرفت میں عظمت مقام مرجعیت محبوبیت اور فنائیت ☆ وعظ و خطابت ارشادات و ملفوظات اور ایمان افروز باتیں ☆ رویائے صالحہ و کرامات ☆ ذوق شعر و ادب اور پسندیدہ اشعار ☆ مکتوبات ☆ لطائف و ظرائف ☆ حضرت مدنی کا سفر آخرت ☆ خواب میں ... اور اس جیسے دیگر عجیب واقعات کا حسین مرقع ۔

صفحات : 272

القاسم اکیڈمی ، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان